بسم اللہ الرحمن الرحیم

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

# بلاغ القرآن

ترجمہ و حواشی

محسن علی نجفی

دار القرآن الکریم
جامعۃ الکوثر
اسلام آباد - پاکستان

# تصدیقی سرٹیفکیٹ

دار القرآن کریم (اسلام آباد) کا ایک قرآن پاک پڑھا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس قرآن پاک کو حرف بحرف انتہائی توجہ اور عرق ریزی سے پڑھا گیا ہے، لہٰذا اب یہ اللہ تعالی کے فضل و احسان سے متن قرآن کے لحاظ سے ہر قسم کی غلطی سے مبرا ہو گا۔ (انشاء اللہ)

والسلام

حافظ محمد الطاف

رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب


مترجم و محشی: الشیخ محسن علی نجفی

طبع اول: رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ / دسمبر ۲۰۰۰ء

طبع دوم: محرم الحرام ۱۴۲۲ھ / مارچ ۲۰۰۱ء

طبع سوم: محرم الحرام ۱۴۲۴ھ / مارچ ۲۰۰۳ء

طبع چہارم: رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ / نومبر ۲۰۰۳ء

طبع پنجم: شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ / ستمبر ۲۰۰۵ء

طبع ششم: ربیع الاول ۱۴۲۸ھ / اپریل ۲۰۰۷ء

طبع ہفتم: جمادی الاول ۱۴۳۷ھ / مارچ ۲۰۱۶ء

طبع ہشتم: ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ / جنوری ۲۰۱۷ء

طبع نہم: رجب المرجب ۱۴۴۰ھ اپریل ۲۰۱۸ء

طبع دہم: جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ / فروری ۲۰۲۱ء

طبع یازدہم: شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مارچ ۲۰۲۱ء

طبع دوازدہم: ربیع الاول ۱۴۴۳ھ / نومبر ۲۰۲۱ء

طبع سیزدہم: جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ جنوری ۲۰۲۳ء

ناشر: دار القرآن الکریم، **جامعۃ الکوثر**، H-8/2، اسلام آباد۔ پاکستان

مطبع: عرفان افضل پرنٹرز۔ مین بند روڈ۔ لاہور



فون: + 92 - 51 - 4922086

03455396506

ویب: www.balaghulquran.com

ای میل: info@balaghulquran.com


موبائل ایپ: Search "Balaghulquran" on Playstore and iOS App Store Google play

# احکام قرآن

## جن پر عمل کرنا لازمی ہے

۱۔ قرآن کا احترام کرنا واجب ہے اور قرآن یا قرآن کے کسی حصے کی اہانت حرام ہے۔

۲۔ وضو کے بغیر اور اگر جنابت کی حالت میں ہے تو غسل کے بغیر قرآن کی آیات کو مس کرنا، خواہ وہ ہاتھ ہو یا جسم کا کوئی حصہ، جائز نہیں ہے۔ اسی طرح رسول خداؐ، حضرت **فاطمة الزهراء**ؑ اور بارہ اماموںؑ کے اسمائے گرامی کو مس کرنا، وضو اور جنابت کی صورت میں غسل کے بغیر جائز نہیں ہے۔

۳۔ ** چار سورہ ہائے قرآن میں درج ذیل آیات کے پڑھنے اور سننے پر فوری سجدہ کرنا واجب ہے۔ اگر سجدہ کرنا بھول جائے تو جب بھی یاد آئے سجدہ کرے:

| | |
|---|---|
| ۱۔ سورہ سجدہ | آیت ۱۵ |
| ۲۔ سورہ حٰمٓ سجدہ | آیت ۳۷ |
| ۳۔ سورہ النَجم | آیت ۶۲ |
| ۴۔ سورہ عَلَق | آیت ۱۹ |

۴۔ اگر بلاد کفر میں قرآن لے جانے سے قرآن کی اہانت کا خطرہ ہے تو وہاں قرآن کا نسخہ لے جانا جائز نہیں ہے۔

۵۔ حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے کہ قرآن کی تلاوت صحیح تلفظ کے ساتھ ہو اور حروف کو اپنے مخارج سے ادا کیا جائے۔

## آداب تلاوت

جن کے بجا لانے میں ثواب ہے اور نہ بجا لانے میں گناہ نہیں ہے:

۱۔ تلاوت شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔ چنانچہ خود قرآن میں اس کا حکم آیا ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (۱۶ نحل: ۹۸)

۲۔ ہر روز پچاس آیات کی تلاوت کرے۔

۳۔ قبلہ رو ہو کر باوضو تلاوت کی جائے۔ تلاوت سے پہلے مسواک کرنا اور عطر لگانا بہتر ہے۔

۴۔ قرآن کی تلاوت حضور قلب کے ساتھ کی جائے۔

---

** منهاج الصالحين ۱: ۱۷۷ ۔ تحرير الوسيلة ۱: ۳۱۸

۵۔ قرآنی آیات کو اس طرح غور وفکر کے ساتھ پڑھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ہمکلام ہے۔

۶۔ جب قرآن کی تلاوت کی آواز سنائی دے تو سکوت اختیار کرنا اور سننا مستحب ہے۔

۷۔ تلاوت سے قبل روایات میں بیان شدہ دعا اور درود پڑھے ۔

۸۔ حتی الامکان کوشش کرے کہ قرآن کو بہتر لحن اور تجوید کے ساتھ پڑھے۔

۹۔ قرآن میں جہاں رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی آئے، درود پڑھے۔

۱۰۔ جن آیات میں جنت کا ذکر ہوا ہے، وہاں جنت کے لیے دعا کرے اور جن آیات میں جہنم کا ذکر ہے، وہاں جہنم سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگے۔

۱۱۔ تلاوت ختم کرنے پر **صدق اللہ العلی العظیم** اور روایات میں وارد شدہ دعائیں پڑھے۔

۱۲۔ ** اسلامی ممالک سے قرآن مجید کے قلمی نسخے مغربی ممالک میں منگوانا اور ان کی تجارت کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ ** اہل لہو ولعب میں رائج لحن میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور دعاؤں اور دیگر اذکار کو پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ احتیاط واجب کے طور پر اس شعر یا نثر پر مشتمل کلام کو بھی گانے کے لحن اور طرز میں پیش کرنا جائز نہیں جو بیہودہ مفہوم پر مشتمل نہ ہو۔

۱۴۔ *** بعض کاغذات جن پر اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ اور آئمہ علیہم السلام کے اسمائے گرامی درج ہوتے ہیں، ان کو اگر سمندر یا نہر میں گرانا ممکن نہ ہو تو ان کو کوڑا کرکٹ کے تھیلوں میں ڈالنا جائز نہیں ہے، بلکہ ان تحریروں کو مٹانا یا کسی پاک جگہ دفن کر دینا چاہیے۔

---

*** فتاویٰ السید سیستانی دام ظلہ۔ ماخوذ از الفقہ للمغتربین۔

# تلاوت سے پہلے کی دعا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُمَّ بِالْحَقِّ اَنْزَلْتَهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ

اَللّٰهُمَّ عَظِّمْ رَغْبَتِي فِيْهِ

وَاجْعَلْهُ نُوْرًا لِبَصَرِي وَشِفَآءً لِصَدْرِي

وَذَهَابًا لِهَمِّي وَغَمِّي وَحُزْنِي

اَللّٰهُمَّ زَيِّنْ بِهِ لِسَانِي وَجَمِّلْ بِهِ وَجْهِي

وَقَوِّ بِهِ جَسَدِي وَثَقِّلْ بِهِ مِيْزَانِي

وَارْزُقْنِي حَقِّ تِلَاوَتِهِ عَلٰى طَاعَتِكَ

آنَاءَ اللَّيْلِ وَاَطْرَافِ النَّهَارِ

وَاحْشُرْنِي مَعَ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ

الْاَخْيَارِ الْاَبْرَارِ الْاَطْهَارِ

بسم الله الرحمن الرحيم

## ۱ سُورَةُ الفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۵

ایاتہا ۷ — رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۴﴾ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ﴿۵﴾ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾ ع

### سورۂ فاتحہ۔مکی۔آیات ۷

① بنام خدائے رحمٰن رحیم۔ ② ثنائے کامل اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔ ③ جو رحمٰن رحیم ہے۔☆ ④ روز جزاء کا مالک ہے۔☆ ⑤ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔☆ ⑥ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما۔☆ ⑦ ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام فرمایا، جن پر نہ غضب کیا گیا نہ ہی (وہ) گمراہ ہونے والے ہیں۔☆

### سورۂ فاتحہ

اس سورہ کو فاتحۃ الکتاب (کتاب کا افتتاحیہ) کہا جاتا ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ سورتوں کے نام توقیفی ہیں۔ یعنی ان کے نام خود رسول کریم ﷺ نے بحکم خدا متعین فرمائے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن عہد رسالت میں ہی مدون ہو چکا تھا جس کا افتتاحیہ "سورہ فاتحہ" ہے۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا اجماع ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۂ برائت کے علاوہ قرآن کے ہر سورے کا جزو ہے۔ عہد رسالت سے مسلمانوں کی یہ سیرت رہی ہے کہ وہ سورۂ برائت کے علاوہ ہر سورے کی ابتدا میں بِسۡمِ اللّٰہِ کی تلاوت کرتے تھے۔ تمام اصحاب و تابعین کے مصاحف میں بھی بسم اللہ درج تھی، جب کہ تابعین، قرآن میں نقطے درج کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا بِسۡمِ اللّٰہِ میں یکجا ذکر کرنے سے اللہ کے مقام رحمت کی تعبیر میں جامعیت آ جاتی ہے کہ الرَّحۡمٰنِ سے رحمت کی عمومیت اور وسعت: وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ (۷:۱۵۶) "میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے" اور الرَّحِیۡمِ سے رحم کا لازمۂ ذات ہونا مراد ہے: کَتَبَ رَبُّكُمۡ عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ (۶:۵۴) "تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے"۔ لہٰذا اس تعبیر میں عموم رحمت اور لزوم رحمت دونوں شامل ہیں۔

۴۔ دنیا میں بھی وہی مالک ہے۔ تاہم دنیا چونکہ دار العمل ہے، اس لیے بندے کو کچھ اختیارات دیے گئے ہیں۔ لیکن روز قیامت نتیجہ عمل کا دن ہے۔ اس دن صرف اللہ کی حاکمیت ہوگی۔

۵۔ کسی ذات کی تعظیم و تکریم اور اس کی پرستش کے چار عوامل ہو سکتے ہیں: i۔کمال، ii۔احسان، iii۔احتیاج اور iv۔خوف۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یہ چاروں عوامل موجود ہیں۔ لہٰذا ہر اعتبار سے عبادت صرف اسی کی ہو سکتی ہے۔ مومن جب قوت کے اصل سرچشمے سے وابستہ ہو جائے تو دیگر تمام طاقتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے: لَهٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۔ (۴۲:۱۲) آسمانوں اور زمین کی کنجیاں صرف اس کے اختیار میں ہیں۔

غیر اللہ سے استمداد (مدد مانگنے) کا مطلب یہ ہوگا کہ سلسلہ استمداد اللہ تعالیٰ پر منتہی نہ ہوتا ہو اور اس غیر اللہ کو اذن خدا بھی حاصل نہ ہو۔ لیکن اگر وہ ماذون من اللہ ہو اور یہ استمداد اللہ کے مقابلے میں نہ ہو، بلکہ اس کی مدد کے ذیل میں آتی ہو تو شرک نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ (۹:۷۴) انہیں اس بات پر غصہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنے فضل سے ان کو دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔

۶۔ اس کائنات کے عظیم مقاصد کے حامل انسان کو ہر قدم پر ہدایت کی ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ انسان سراپا احتیاج ہے۔ وہ ایک لمحے کے لیے مبداء فیض سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ ہدایت ایسی چیز نہیں کہ اللہ کی طرف سے ایک بار مل جانے سے بندہ بے نیاز ہو جائے، بلکہ وہ ہر آن ہر لحظہ ہدایت الٰہی کا محتاج رہتا ہے۔ لہٰذا اس اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ہدایت کی طلب اور خواہش سے یہ گمان ہوتا ہے کہ بندہ ابھی ہدایت یافتہ نہیں ہے۔

۷۔ واضح رہے: "غَیۡرِ" کے مجرور ہونے کی تین صورتیں ہیں:

اول یہ کہ: عَلَیۡهِمۡ کے هِمۡ کا بدل ہے۔

دوم یہ کہ: الَّذِیۡنَ کا بدل ہے۔

سوم یہ کہ: الَّذِیۡنَ کی صفت ہے۔

(مجمع البیان)

تینوں صورتوں میں جو ترجمہ ہم نے اختیار کیا ہے وہی صحیح ہے۔

ایاتھا ۲۸۶ — ۲ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۸۷ — رکوعاتھا ۴۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓـمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ وَ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ہُدًی مِّنۡ رَّبِّہِمۡ ٭ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِہِمۡ ؕ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ

سورۂ بقرہ۔ مدنی۔ آیات ۲۸۶

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) الف لام میم۔☆ (۲) یہ کتاب، جس میں کوئی شبہ نہیں، ہدایت ہے تقویٰ والوں کے لیے۔☆ (۳) جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں نیز جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔☆ (۴) اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا نیز جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے، ان پر ایمان اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔☆ (۵) یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر (قائم) ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔☆ (۶) جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے یکساں ہے کہ آپ انہیں متنبہ کریں یا نہ کریں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔☆ (۷) اللہ نے ان کے دلوں اور ان کی سماعت پر مہر لگا دی ہے نیز ان کی نگاہوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔☆

سورۂ بقرہ

۱۔ الف۔ لام۔ میم۔ انہیں "مقطعاتِ قرآنیہ" کہتے ہیں۔ یہ صرف افتتاحیہ حروف ہی نہیں بلکہ ان میں وہ اسرار و رموز پنہاں ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان مخصوص ہیں۔ انہی سربستہ اسرار و رموز کے تحت بعض مقطعات مستقل آیت ہیں جیسے کٓھٰیٰعٓصٓ اور بعض مستقل آیت نہیں ہیں جیسے طٰسٓ۔

۲۔ قرآن خود قابلِ ریب نہیں۔ اگر اس میں کسی کو شک ہے تو وہ قرآن سے ہٹ کر دیگر عوامل کی وجہ سے ہے۔ مثلاً خود شبہ کرنے والے کی نادانی، کج فہمی اور کوتاہ بینی وغیرہ۔

۳۔ غیب، شہود اور محسوس کا مقابل ہے۔ مذہب کے بنیادی عقائد ایمان بالغیب پر مبنی ہیں۔ جو لوگ ماورائے محسوسات کو دائرۂ تجربہ سے خارج ہونے کی وجہ سے مسترد کرتے ہیں، اولاً: ان کی خود یہی بات غیر تجرباتی ہے، ثانیاً: تجربات سے کلی نتائج اخذ کرنے کے لیے غیر تجرباتی اصول تسلیم کرنا پڑتے ہیں، ورنہ تجربہ صرف انہی افراد کے لیے دلیل بنتا ہے جو اس مرحلے سے گزرے ہوں۔ ثالثاً: اگر صرف محسوسات و تجربات ہی پر انحصار کرنا ہے تو انہیں چاہیے کہ ماورائے محسوسات پر نفی و اثبات میں کوئی نظریہ قائم نہ کریں۔ حالانکہ یہ لوگ جب ماورائے حس کی نفی کرتے ہیں تو حس و تجربے کی حدود سے نکل کر ماورائے حس میں قدم رکھتے ہوئے یہ نظریہ قائم کرتے ہیں۔ اب خواہ نفی کا نظریہ سہی، لیکن یہ ان کی طرف سے ماورائے حس کا عملی اعتراف ہے۔ ایمان بالغیب کے بعد نماز دین کا ستون ہے جو لا تترک بحال "کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑی جا سکتی" اور اقامۂ نماز اور قرآنی

عَظِيْمٌ ﴿٧﴾ ع وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ
بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ؕ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ
اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا
يَكْذِبُوْنَ ﴿١٠﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي
الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿١١﴾
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا
يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ
اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ
السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ
لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ

﴿٨﴾ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ اور روز آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔☆ ﴿٩﴾ وہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، جبکہ (حقیقت میں) وہ صرف اپنی ذات کو ہی دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں لیکن وہ اس بات کا شعور نہیں رکھتے۔ ﴿١٠﴾ ان کے دلوں میں بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھادی اور ان کے لیے دردناک عذاب اس وجہ سے ہے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ ﴿١١﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں: ہم تو بس اصلاح کرنے والے ہیں۔ ﴿١٢﴾ یاد رہے! فسادی تو یہی لوگ ہیں، لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ﴿١٣﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ دیگر لوگوں کی طرح تم بھی ایمان لے آؤ تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم (بھی ان) بیوقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں؟ یاد رہے! بیوقوف تو خود یہی لوگ ہیں لیکن یہ اس کا (بھی) علم نہیں رکھتے۔ ﴿١٤﴾ اور جب وہ ایمان والوں سے

معاشرے کے قیام کے لیے انفاق کو نماز کے بعد کا درجہ حاصل ہے۔ دوسرے لفظوں میں بندگی، ذکر خدا اور فیاضی پر مشتمل ہے۔ یعنی مومن نمازی معاشرے کا فعال اور فیاض رکن ہوتا ہے۔

۴ تا ۸۔ سلسلۂ کلام میں تین گروہ شامل ہیں۔ پہلا گروہ، وہ لوگ جن پر حق ثابت ہوا اور اس پر ایمان لے آئے۔ یہ متقین کا گروہ ہے۔ دوسرا گروہ وہ لوگ ہیں جن پر حق ثابت ہوا مگر انہوں نے ازروئے عناد اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ ناقابل ہدایت ہیں۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جنہیں نہ تو حق پر ایمان لانے کی توفیق ہوئی اور نہ علی الاعلان اس کے انکار کی جرات ہوئی۔ یہ اپنے ضمیر کی آواز کے بھی خلاف ہیں، لہٰذا فکری اضطراب اور ذہنی تشویش کا شکار رہتے ہیں۔ منافقین کی خصوصیات یہ ہیں: i۔ وہ بزعم خویش اللہ اور مؤمنین کو دھوکہ دیتے ہیں جبکہ غیر شعوری طور پر خود دھوکہ کھا رہے ہوتے ہیں۔ ii۔ ان کے دلوں میں بیماری ہوتی ہے، جس سے وہ اعتدال و توازن کھو بیٹھتے ہیں اور بیماری کی وجہ سے انہیں موزوں غذا بھی غیر موزوں اور گوارا طعام بھی ناگوار گزرتا ہے۔ انہیں یہ بیماری خود اپنے عمل کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے۔ اللہ نے بھی جب انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تو بیماری کے مہلک جراثیم قانون فطرت کے تحت پھیلنا شروع ہو گئے، لہٰذا اس کی نسبت اللہ کی طرف دینا صرف اس لیے ہے کہ اللہ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ البتہ اس کے ذمے دار خود منافقین ہیں۔ iii۔ وہ معاشرے کا امن و سکون برباد کرتے ہیں اور اپنی تخریب کاری کو اصلاح کا نام دیتے ہیں۔ iv۔ وہ ایمان والوں کو نچلے درجے کے لوگ سمجھتے ہیں۔ v۔ وہ باطنی طور پر کچھ ہوتے

اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى
شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ
مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ
يَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪
فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى
اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ
ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا
يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا
يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ ۙ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ
ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ
اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ

ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تخلیے میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، (ان مسلمانوں کا تو) ہم صرف مذاق اڑاتے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ اللہ بھی ان کے ساتھ تمسخر کرتا ہے اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ یہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں گے۔☆ ﴿۱۶﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی ہے، چنانچہ نہ تو ان کی تجارت سودمند رہی اور نہ ہی انہیں ہدایت حاصل ہوئی۔☆ ﴿۱۷﴾ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (تلاش راہ کے لیے) آگ جلائی، پھر جب اس آگ نے گرد و پیش کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی اور انہیں اندھیروں میں (سرگرداں) چھوڑ دیا کہ انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔☆ ﴿۱۸﴾ وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں پس وہ (اس ضلالت سے) باز نہیں آئیں گے۔ ﴿۱۹﴾ یا جیسے آسمان سے بارش ہو رہی ہو جس میں تاریکیاں اور گرج و چمک ہو، بجلی کی کڑک کی وجہ سے موت سے خائف ہو کر وہ اپنی انگلیاں کانوں میں

ہیں اور ظاہری طرز عمل کچھ اور رکھتے ہیں۔ اس سے آگے ان کے سیاہ اعمال کے نتائج کا بیان ہے۔

۱۵۔ خدائی تمسخر کا طریقہ یہ ہوگا کہ ان منافقین کو سرکشی میں ڈھیل دے کر مزید تباہی سے دوچار کر دیا جائے گا۔ آیہ شریفہ میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ منافقین سر راہ مومنین سے ملتے تھے تو اظہار ایمان کرتے تھے، جب کہ اپنے شیاطین سے ان کی باقاعدہ نشستیں ہوا کرتی تھیں۔

۱۶۔ ۱۷۔ منافقین کے سیاہ اعمال کے تذکرے کے بعد اب ان کے نتائج بیان ہو رہے ہیں کہ ان لوگوں نے احمقانہ سودا کیا۔ ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی اور سو فیصد گھاٹے میں رہے۔ اسی لیے وہ نفسیاتی طور پر پریشان رہتے ہیں۔ خداوند کریم نے منافقین کے اس اندرونی انتشار اور نفسیاتی الجھن کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی حالت اس شخص کی سی ہے، جسے روشنی حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہوئے اور اس نے ارد گرد دیکھا اور اشیاء کے نفع و ضرر سے آگاہی حاصل کی ہی تھی کہ یکایک یہ روشنی چھن گئی اور چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ ایسا شخص احساس محرومی سے بہت زیادہ دوچار ہوتا ہے بہ نسبت اس شخص کے جس نے روشنی دیکھی ہی نہیں اور پہلے سے اندھیرے میں ہے۔

۱۹۔ ۲۰ منافقین ایسے ماحول میں رہتے ہیں جس میں چار سو تاریکیاں ہیں اور بجلی کی گرج چمک، جہاں ہر وقت موت سروں پر منڈلاتی نظر آتی ہے۔ وہ ذہنی اضطراب سے بچنے کے لیے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں، جیسا کہ آج کا مضطرب انسان نشے اور خواب آور گولیوں کا سہارا لیتا ہے۔

قرآن ایک حیات آفرین اور حیات ساز دستور ہونے کے لحاظ سے مومنین کی فکری اور شعوری

الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝١٩ يَكَادُ
الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ
مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ
شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٢٠ ع يٰٓاَيُّهَا
النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝٢١ۙ
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا
وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً
فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا
تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٢٢ وَ
اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي
عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا

دے لیتے ہیں، حالانکہ اللہ کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔☆ (۲۰) قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں سلب کر لے، جب وہ ان کے لیے چمک دکھاتی ہے تو وہ اس کی روشنی میں چل پڑتے ہیں اور جب تاریکی ان پر چھا جاتی ہے تو وہ رک جاتے ہیں اور اللہ اگر چاہتا تو ان کی سماعت اور بینائی (کی طاقت) سلب کر لیتا، بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔☆ (۲۱) اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے والے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (خطرات سے) بچاؤ کرو۔☆ (۲۲) جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہاری غذا کے لیے پھل پیدا کیے، پس تم جانتے بوجھتے ہوئے کسی کو اللہ کا مدمقابل نہ بناؤ۔☆ (۲۳) اور اگر تم لوگوں کو اس (کتاب) کے بارے میں شبہ ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا کوئی سورہ بنا لاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے حامیوں کو بھی بلا لو، اگر تم سچے

تربیت کر رہا ہے تاکہ مومنین اپنے اردگرد کے مختلف افراد کے ساتھ مناسب روش اختیار کریں۔ منافقین کی نفسیاتی پریشانی، ذہنی اضطراب، اخلاقی پستی اور برے عزائم کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ اللہ اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں۔ ان کے دل مریض ہیں، یہ معاشرتی اصلاح کی آڑ میں اجتماعی فساد پھیلاتے ہیں، تکبر اور احساس برتری جیسے موذی نفسیاتی امراض میں مبتلا ہیں اور اہل ایمان کو حقیر سمجھتے ہیں۔

۲۱۔ ربوبیت کے ادراک کے بعد عبودیت ہے اور جب انسان اپنے آپ کو مخلوق سمجھتا ہے تو اپنے خالق کی طرف متوجہ ہونا ایک فطری امر ہے۔

۲۲۔ جَعَلَ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے نہیں تھا، بعد میں بنایا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمین پہلے قابل سکونت نہ تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسے انسانی زندگی کے قابل بنایا۔ بچھونے کی تعبیر اختیار کرنے سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس میں آرام و آسائش کے تمام وسائل فراہم ہیں۔ نہ تو اسے زیادہ سخت بنایا کہ دانہ اگ نہ سکے اور نہ ہی اسے اتنا نرم بنایا کہ چیزیں اس میں دھنس جائیں، نہ اتنی چھوٹی بنائی کہ آکسیجن کے ذرات فضا میں زمین سے منسلک نہ رہ سکیں، نہ اتنی بڑی بنائی کہ ہوائی ذرات فضا میں معلق نہ رہ سکیں۔

۲۳۔ انسانیت کی بلوغت سے پہلے انبیاء کو محسوس معجزے دیے گئے اور لوگوں کی فکری سطح کے مطابق محسوسات کے ذریعے ان کی تربیت ہوئی۔ انسانی فکر کے حد بلوغت تک پہنچنے کے بعد ایک فکری اور مکمل دستور حیات پر مشتمل معجزہ قرآن کی شکل میں دیا گیا۔ سابقہ محسوس معجزات کی طرح یہ معجزہ کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ایک ابدی معجزہ

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ
وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا
رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا
هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ
مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ
وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ
اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ

ہو۔☆ ﴿۲۳﴾ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور ہرگز تم ایسا نہ کر سکو
گے تو اس آتش سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں
(یہ آگ) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ﴿۲۴﴾ اور ان
لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو ایمان لائے اور جنہوں نے
نیک اعمال انجام دیے کہ ان کے لیے (بہشت کے)
باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اس میں سے
جب بھی کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو وہ کہیں گے: یہ تو وہی
ہے جو اس سے پہلے بھی مل چکا ہے، حالانکہ انہیں ملتا جلتا دیا
گیا ہے اور ان کے لیے جنت میں پاک بیویاں ہوں گی اور
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔☆ ﴿۲۵﴾ اللہ کسی مثال کے پیش
کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر
(چھوٹی چیز کی)، پس جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ جانتے
ہیں کہ یہ (مثال) ان کے رب کی جانب سے برحق ہے،
لیکن کفر اختیار کرنے والے کہتے رہیں گے کہ اس مثال سے
اللہ کا کیا مقصد ہے، اللہ اس سے بہت سوں کو گمراہ کر دیتا ہے

ہے جو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لیے ایک
چیلنج ہے۔ آج کے محسوس پرستوں کا یہ اعتراض کہ
رسولِ کریمؐ نے کوئی محسوس معجزہ پیش نہیں کیا، ایسا
ہے جیسے کوئی کسی تعلیمی ادارے پر یہ اعتراض کرے
کہ ہائی سکول کے لیے نرسری کلاس کا طرز تعلیم
کیوں اختیار نہیں کیا جاتا۔ البتہ رسولِ کریمؐ نے
اپنے زمانے کے محسوس پرستوں کے لیے محسوس
(حسیاتی) معجزات بھی دکھائے ہیں۔
کیا معجزات طبیعیاتی قوانین کے دائرے میں وقوع
پذیر ہوتے ہیں یا طبیعیاتی قانون کی عام دفعات

کے ماوراء میں ہوتے ہیں، اس پر ہم آیندہ بحث
کریں گے۔
۲۵۔ ایمان و عمل کے بارے میں تین صورتیں سامنے
آتی ہیں:
۱۔ ایمان بلا عمل ۲۔ عمل بلا ایمان ۳۔ ایمان با عمل۔
پہلی صورت میں وہ ایمان جو انسان کے شعور و کردار
پر کوئی اثر نہیں چھوڑتا ایمان نہیں ہے۔ دوسری
صورت میں اس عمل میں حسن پیدا نہیں ہو سکتا جس
کے انجام دینے والے میں حسن نہ ہو نیز ایمان نہ
ہونے کی صورت میں جو عمل انجام دیا جاتا ہے تو اس

کا محرک کیا ہو سکتا ہے؟ لہٰذا جو لوگ رفاہی کام انجام
دیتے ہیں، اگر ان کے اعمال کا محرک ایمان باللہ
کے علاوہ کوئی اور عقیدہ ہو تو ان کا ثواب بھی اسی کے
ذمے ہے جس کے لیے انہوں نے یہ عمل انجام دیا
ہے۔ تیسری صورت ہی ذریعہ نجات ہے جس کی
طرف قرآن دعوت دیتا ہے۔
جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں کے مشابہ ضرور ہیں
لیکن درحقیقت ان سے جدا ہیں۔ دنیا کی نعمتوں
میں تکرار ہے۔ یعنی ایک چیز کئی بار کھائیں تو ہر مرتبہ
وہی لذت ملتی ہے، جبکہ جنت میں ہر مرتبہ نئی لذت

وقف لازم

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ
كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ
اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ
اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ
اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي
الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ
تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ
ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ
فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع ۳ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ
اِنِّىْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا

اور بہت سوں کو ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کے ذریعے صرف بداعمال لوگوں کو گمراہی میں ڈالتا ہے۔☆ ﴿۲۷﴾ جو (فاسقین) اللہ کے ساتھ محکم عہد باندھنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں اور اللہ نے جس (رشتے) کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اسے قطع کر دیتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ﴿۲۸﴾ اللہ کے بارے میں تم کس طرح کفر اختیار کرتے ہو؟ حالانکہ تم بے جان تھے تو اللہ نے تمہیں حیات دی، پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر (آخر کار) وہی تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔☆ ﴿۲۹﴾ وہ وہی اللہ ہے جس نے زمین میں موجود ہر چیز کو تمہارے لیے پیدا کیا، پھر آسمان کا رخ کیا تو انہیں سات آسمانوں کی شکل میں بنا دیا اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔☆ ﴿۳۰﴾ اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں، فرشتوں نے کہا: کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ

---

اور نیا ذائقہ ہوگا ہر چند کہ پھل ملتے جلتے دیے جائیں گے۔

۲۶۔ مچھر یا اس سے بھی کمتر مخلوقات خالق کی عظمت پر اسی طرح دلالت کرتی ہیں جس طرح بڑی مخلوقات۔ اس چھوٹی مخلوق میں بھی اعضاء و جوارح اور اعصاب و دماغ وغیرہ کا ایک جامع نظام موجود ہے۔

۲۸۔ زمین پر زندگی کی ابتداء کیسے اور کیونکر ہوئی؟ ایک سربستہ راز اور پر اسرار حقیقت ہے۔ حال ہی میں انسان کی رسائی ڈی این اے کے سالموں تک ہوگئی ہے اور سائنسدان اس میں موجود تین ارب سالموں کی منظم ترتیب کے ذریعے جینیاتی کوڈ کا معمہ حل ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ تمام زندہ موجودات کے لیے جبلی ہدایات اللہ تعالیٰ نے خلیات (cells) کے مرکزی حصے DNA میں ودیعت فرمائی ہیں جو تین ارب چھوٹے سالموں پر مشتمل ہے اور حیات کا راز انہیں سالموں میں پوشیدہ ہے۔

۲۹۔ الٰہی تصورِ کائنات کے مطابق انسان مخدومِ کائنات ہے۔ وہ بندۂ زر نہیں، نہ ہی اقتصادی عوامل اور پیداواری وسائل کا غلام ہے۔ خدائی انسان کو یہ خطاب ملتا ہے: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ سب تمہارے لیے مسخر کیا گیا ہے۔ (۴۵: ۱۳) اس آیت سے منابع ارضی کی حلیت کا قانون ملتا ہے جس کی تفصیل فقہی کتب میں موجود ہے۔

۳۰۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ روئے زمین پر ایک مکلف مخلوق امتحان و آزمائش کے لیے بھیجی جائے تا کہ یہ دیکھا جا سکے کہ احسن عمل کا امتیازی نشان کون حاصل کرتا ہے۔ پھر حکمت و رحمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ اس مخلوق کے بسنے سے پہلے اس کی

اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ

بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا؟ جب کہ ہم تیری ثنا کی تسبیح اور تیری پاکیزگی کا ورد کرتے رہتے ہیں، (اللہ نے) فرمایا: (اسرار خلقت بشر کے بارے میں) میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔☆ ﴿۳۰﴾ اور (اللہ نے) آدم کو تمام نام سکھا دیے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ ﴿۳۱﴾ فرشتوں نے کہا: تو پاک و منزہ ہے جو کچھ تو نے ہمیں بتا دیا ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ یقینا تو ہی بہتر جاننے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۳۲﴾ (اللہ نے) فرمایا: اے آدم! ان (فرشتوں) کو ان کے نام بتلا دو، پس جب آدم نے انہیں ان کے نام بتا دیے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہوں نیز جس چیز کا تم اظہار کرتے ہو اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو، وہ سب جانتا ہوں۔☆ ﴿۳۳﴾ اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو

ہدایت و رہنمائی کا انتظام ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متضاد صفات والی اس مخلوق کو علم و قابلیت دینے کی راہ میں اگرچہ فساد و خون خرابہ ہو، تب بھی علم کی فضیلت اپنی جگہ برقرار ہے۔

۳۱۔ الۡاَسۡمَآءَ اسم کی جمع ہے۔ اسم اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی ذات پر دلالت کرے۔ یعنی اسم وہ ہوتا ہے جو "مسمّیٰ" بتائے۔ پس ہر وہ چیز جو کسی موجود کی نشاندہی کرے اسم ہے۔ لہٰذا یہاں تعلیم اسماء سے مراد تمام حقائق کی تعلیم ہی ہو سکتی ہے۔ عَرَضَهُمۡ میں هُمۡ کی ضمیر عقل و ادراک رکھنے والوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، اس لیے ممکن ہے ان اسماء کا اطلاق اللہ کے خلفاء پر ہوتا کہ آدم ؑ کو پہلے سے علم ہو جائے: زمین ان کی زمین ہے اور بشر ان کی نسل ہوگی اور خلفاء ان کی ذریت ہوں گے۔

فرشتوں کی حیرت و استعجاب پر اللہ کے اجمالی جواب: اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ کے بعد اب تفصیلی جواب دیا جا رہا ہے۔ اس جواب میں آدم ؑ کو خلافت الٰہیہ کے عظیم منصب پر فائز کرنے کا راز بھی مذکور ہے۔

۳۲ تا ۳۶۔ حضرت آدم ؑ کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر بسانے کے لیے خلق فرمایا تھا۔ اس خلیفہ ارض کو زمین پر بسانے سے پہلے مختلف مراحل سے گزارا گیا: ☆ سب سے پہلے انہیں اسماء کی تعلیم دی۔ ☆ پھر معلم کے مقام پر فائز کیا۔ ☆ فرشتوں کو ان کے سامنے جھکایا۔ ☆ شجرۂ ممنوعہ کے ذریعے ایک عیار دشمن سے ان کا سامنا کرایا۔

یہاں انسانی زندگی کے لوازم کا عندیہ ملتا ہے:

۱۔ اسۡکُنۡ سے مکان۔ ۲۔ زَوۡجُکَ سے بیوی۔
۳۔ کُلَا سے روٹی۔ ۴۔ وَلَا تَقۡرَبَا سے قانون کی پابندی۔ ان مراحل کے بعد وَلَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔☆ ﴿۳۵﴾ اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ جنت میں قیام کرو اور اس میں جہاں سے چاہو فراوانی سے کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں زیادتی کا ارتکاب کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔☆ ﴿۳۶﴾ پس شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا، پھر جس (نعمت) میں وہ دونوں قیام پذیر تھے اس سے ان دونوں کو نکلوا دیا اور ہم نے کہا: (اب) تم ایک دوسرے کے دشمن بن کر نیچے اتر جاؤ اور ایک مدت تک زمین میں تمہارا قیام اور سامان زیست ہو گا۔☆ ﴿۳۷﴾ پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ نے آدم کی توبہ قبول کر لی، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔☆ ﴿۳۸﴾ ہم نے کہا: تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ، پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تم تک پہنچے تو جس جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، پھر انہیں نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔☆ ﴿۳۹﴾ اور جو لوگ کفر کریں اور ہماری آیات کو جھٹلائیں وہی

---

کا حکم نامہ جاری ہوا۔

حضرت آدم ؑ کو زمین پر بسانے سے پہلے دو دشمنوں سے آگاہ کیا گیا۔ ایک داخلی دشمن جو نفسانی خواہشات ہے اور ایک بیرونی دشمن ابلیس۔ ساتھ ہی یہ درس بھی یاد کرایا کہ بیرونی دشمن داخلی دشمن (خواہشات) کے ذریعے حملہ آور ہوتا ہے۔

۳۷۔ درمنثور میں ہے کہ ابن نجار نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ سے کلمات کے بارے میں سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: سئل بحق محمد و علی و فاطمہ و الحسن و الحسین الا تبت علی فتاب علیہ۔ یعنی آدم ؑ نے محمد ﷺ، علی، فاطمہ، حسن اور حسین ؑ کا واسطہ دے کر سوال کیا کہ میری توبہ قبول فرما تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

۳۸۔ ۳۹۔ ھبوط الی الارض کا حکم دو مرتبہ ملا ہے۔ ایک حکم توبہ سے پہلے، اس میں فرمایا: ایک دوسرے کے دشمن بن کر اتر جاؤ۔ توبہ کے بعد کے حکم میں فرمایا: جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، پھر انہیں نہ تو کوئی خوف ہو گا، نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ توبہ سے پہلے حکم میں باہمی عداوت اور بعد کے حکم میں ہدایت و نجات کا ذکر ہے۔

زمین پر اترنے کا حکم ملنے کے بعد روئے زمین پر بسنے والوں کے لیے پہلی مرتبہ شریعت اور دستور حیات کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان دو مختصر آیتوں میں آنے والی تمام شریعتوں کا ایک نہایت ہی جامع خلاصہ ذکر فرمایا۔ یہ خلاصہ تین ایسے نکات پر مشتمل ہے جو بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں: ۱۔ ہدایت: اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا ذکر ہے۔ مِّنِّىْ هُدًى۔ ۲۔ اتباع: اس میں ہدایت خداوندی کی اتباع کرنے والوں کے اچھے

بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا
نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ
اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾
وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا
تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا
تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ
اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ
اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾
وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا

دوزخ والے ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ☆ ﴿۴۰﴾ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جس سے میں نے تمہیں نوازا ہے اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور تم لوگ صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ ﴿۴۱﴾ اور میری نازل کردہ (اس کتاب) پر ایمان لاؤ جو تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے اور سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر مت بنو اور میری آیات کو تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو اور صرف میرے (غضب) سے بچنے کی فکر کرو۔ ☆ ﴿۴۲﴾ اور حق کو باطل کے ساتھ خلط نہ کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔ ﴿۴۳﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور (اللہ کے سامنے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔ ﴿۴۴﴾ کیا تم (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب (اللہ) کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ☆ ﴿۴۵﴾ اور صبر اور نماز کا سہارا لو اور یہ (نماز) بارگراں ہے، مگر خشوع رکھنے

انجام اور ان کی حیات ابدی کا ذکر ہے: فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ "جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا اسے نہ آیندہ کے بارے میں کسی نقصان کا خوف ہوگا اور نہ کسی گزشتہ خسارے پر حزن و ملال۔" اس آیت میں ہدایت کی اتباع کرنے والوں کی حیات کی جامع تعریف یوں بیان کی گئی ہے کہ ان کی زندگی سکون و اطمینان سے گزرے گی اور زندگی کا سکون غارت کرنے والے دو عوامل خوف اور حزن ان کے قریب نہیں پھٹکیں گے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۱۳:۲۸) یاد رکھو! یاد خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔ ۳۔ کفر: آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس ہدایت کی پیروی سے انکار کریں گے ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے: اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۴۱۔ "میری آیات کو حقیر اور ناپائیدار چیزوں کے عوض نہ بیچو"۔ یہ ایک عمومی دعوت فکر ہے کہ آیات الٰہی کے مقابلے میں دنیا کے تمام بڑے بڑے مفادات بھی حقیر ہیں۔

۴۴۔ خطاب اگرچہ بنی اسرائیل سے ہے لیکن حکم میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ اس میں ان لوگوں کی سرزنش کی گئی ہے جو دوسروں کو نیکی کی دعوت دیتے ہیں لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

۴۵۔ سورۂ معارج میں فرمایا: بیشک انسان بے ہمت پیدا ہوا ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو جزع و فزع کرتا ہے لیکن جب آسودگی ملتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے، سوائے نماز گزاروں کے جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ (۱۹ تا ۲۳)۔ معلوم ہوا کہ گردش روزگار نمازی کی مضبوط اور آہنی شخصیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ نماز انسان کو اس

لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى

والوں پر نہیں۔☆ ﴿۴۶﴾ جنہیں اس بات کا خیال رہتا ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۴۷﴾ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جس سے میں نے تمہیں نوازا اور تمہیں عالمین پر فضیلت دی۔ ﴿۴۸﴾ اور اس دن سے بچنے کی فکر کرو جس دن نہ کوئی کسی کا بدلہ بن سکے گا اور نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی اور نہ کسی سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ ﴿۴۹﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی، جو تمہیں بری طرح اذیت دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا۔ ﴿۵۰﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو شق کیا پھر تمہیں نجات دی اور تمہاری نگاہوں کے سامنے فرعونیوں کو غرق کر دیا۔☆ ﴿۵۱﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا

لامحدود طاقت سے وابستہ کر دیتی ہے جو تمام طاقتوں کی سرچشمہ ہے۔ انسان نمازی بن جانے کے بعد چٹان کی طرح مضبوط اور سمندر کی طرح بیکراں ہو جاتا ہے۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ یعنی ذوق بندگی نہ رکھنے والوں پر نماز بارگراں ہے، جب کہ خشوع کرنے والے نماز سے جو لذت اور سکون حاصل کرتے ہیں وہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: کان علی اذا هاله امر فزع قام الی الصلوۃ ثم تلا هذه الایة حضرت علی علیہ السلام کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو نماز پڑھ لیتے تھے۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

دوسری روایت میں امام علیہ السلام نے فرمایا: صبر سے مراد روزہ ہے۔ جب کسی آدمی پر برا وقت آ جائے تو وہ روزہ رکھ لے۔

۵۰۔ بنی اسرائیل کے لیے دریا کا شق ہو جانا اگرچہ معجزات انبیاء علیہم السلام میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں، تاہم بحیرۂ احمر کے مد و جزر سے اس کی تاویل کرنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ معجزات معمول کے علل و اسباب اور طبیعی قوانین کے دائرے میں محدود نہیں ہوتے۔ ان کے اپنے علل و اسباب ہوتے ہیں جو دوسروں کے لیے ناقابل تسخیر ہوتے ہیں۔ مثلاً بیماری سے شفا دست مسیحا کے ذریعے ہو تو شفایابی کے علل و اسباب دوسروں کے لیے ناقابل تسخیر ہیں، جبکہ دوا کے ذریعے حاصل ہونے والی شفا کے علل و اسباب قابل تسخیر ہیں۔

۵۱۔ موسیٰ بن عمران علیہ السلام سلسلۂ بنی اسرائیل کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ ماہرین آثار قدیمہ اور مورخین کے اندازے کے مطابق آپ علیہ السلام کا زمانہ پندرھویں اور سولھویں صدی قبل مسیح کا تھا۔ آپ علیہ السلام کو بار

أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ
بَعْدِهٖ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ
مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذْ
آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ
يٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ
الْعِجْلَ فَتُوبُوٓا إِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوٓا
أَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ
فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾
وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى
نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ
وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ
مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾ وَظَلَّلْنَا

پھر اس کے بعد تم نے گوسالہ کو (بغرض پرستش) اختیار کیا اور تم ظالم بن گئے۔☆ ﴿۵۲﴾ پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا کہ شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔ ﴿۵۳﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو (توریت) کتاب اور فرقان (حق و باطل میں امتیاز کرنے والا قانون) عطا کیا تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔ ﴿۵۴﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے گوسالہ اختیار کر کے یقیناً اپنے آپ پر ظلم کیا ہے پس اپنے خالق کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اپنے لوگوں کو قتل کرو، تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی، بے شک وہ خوب توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔ ﴿۵۵﴾ اور (یاد کرو وہ وقت) جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم آپ پر ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک ہم خدا کو علانیہ نہ دیکھ لیں، اس پر بجلی نے تمہیں گرفت میں لے لیا اور تم دیکھتے رہ گئے۔☆ ﴿۵۶﴾ پھر تمہارے مرنے کے بعد ہم نے تمہیں اٹھایا کہ شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔ ﴿۵۷﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر بادل کا سایہ

---

شریعت اٹھانے اور اس منصب جلیلہ کے لیے آمادہ کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے چالیس دن تک کوہ طور پر ٹھہرایا۔ یہ مدت پہلے تیس دن کی تھی جو بعد میں بڑھا کر چالیس دن کر دی گئی۔ واضح رہے کہ حالات اور تقاضوں کے بدلنے سے اللہ کا تکوینی ارادہ بدلے تو اسے بداء اور جب ایسے حالات میں اللہ کا تشریعی حکم بدلے تو اسے نسخ کہا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ کی غیبت کے چند روز بعد ہی آپ ؑ کی امت کی اکثریت نے گوسالہ پرستی پر اجماع قائم کیا، جبکہ حجت خدا حضرت ہارون ؑ ان کے درمیان موجود تھے۔

۵۵۔ قوم موسیٰ ؑ نے کہا: ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ آپ ؑ سے ہمکلام ہوتا ہے اور آپ ؑ اس کے نبی ہیں، کیونکہ وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہم اس وقت تک آپ ؑ کی باتوں پر یقین نہیں کریں گے جب تک خدا کو ظاہری آنکھوں سے علانیہ دیکھ نہ لیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ اپنی قوم کے ستر معتبر افراد کو لے کر کوہ طور پر گئے اور خدا سے آشکار ہونے کا مطالبہ کیا جس پر وہ سب صاعقہ کی نذر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا مطالبہ جہالت پر مبنی ہونے کے علاوہ شان خداوندی کے منافی تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑی سرعت سے بلافاصلہ نازل ہوا۔

۵۷۔ مَن سے مراد وہ خصوصی غذا ہے جو اللہ تعالیٰ نے صحرائے سینا میں بنی اسرائیل پر نازل فرمائی۔ بقول توریت مَن اوس کی شکل میں نازل ہوتی تھی۔ لفظ سلوی ان پرندوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے صحرائے سینا میں اسرائیلیوں کے لیے بھیجے تھے۔

۵۸۔ چالیس سال کی سزا کاٹنے کے بعد جب انہیں

عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ

کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا، ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عنایت کی ہیں اور وہ ہم پر نہیں بلکہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔☆ ﴿۵۷﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا: اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور فراوانی کے ساتھ جہاں سے چاہو کھاؤ اور (شہر کے) دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو: گناہوں کو بخش دے تو ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے اور ہم نیکوکاروں کو زیادہ ہی عطا کریں گے۔☆ ﴿۵۸﴾ مگر ظالموں نے اس قول کو جس کا انہیں کہا گیا تھا دوسرے قول سے بدل دیا تو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے۔ ﴿۵۹﴾ اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا: اپنا عصا پتھر پر ماریں۔ پس (پتھر پر عصا مارنے کے نتیجے میں) اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ہر گروہ کو اپنے

ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم ملا تو ان سے صرف یہ کہا گیا کہ داخل ہوتے وقت اپنے گناہوں سے توبہ کرنا اور حِطَّةٌ "گناہ بخش دے" کہنا، لیکن انہوں نے اس حکم کا مذاق اڑایا اور حنطة گیہوں کہدیا۔ الْبَابَ سے مراد ممکن ہے کہ بیت المقدس کا وہ دروازہ ہو جسے آج بھی باب حطة کہا جاتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے: نحن باب حطتکم۔ "ہم تمہارے لیے باب حطة ہیں"۔ (بحار الانوار ۱۳:۱۶۸)

۶۰۔ معجزات قانون طبیعت کی عام دفعات کے بالکل مطابق نہیں ہوتے۔ ایک چٹان سے بارہ چشموں کا پھوٹنا عقلاً ممکن ہے، لیکن دو گز کا عصا مارنے سے نہیں، اس لیے معجزات سائنسی تجربات اور معمولات پر پورا نہیں اترتے۔ بعض مرعوب اذہان سائنسی اصولوں کے مطابق معجزات کی تاویل کرتے ہیں، حالانکہ فزیکلی قوانین کی عام سطحی دفعات اور ان کے کلیے دائمی حیثیت نہیں رکھتے اور ان سطحی علل واسباب کے ماوراء حقیقی علل واسباب کارفرما ہوتے ہیں جو دائمی ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان سطحی علل واسباب سے ہٹ کر رونما ہونے والے واقعات میں صرف حقیقی علل واسباب کارفرما ہوتے ہیں۔ جیسے دعا کے اثرات۔ معجزات میں حقیقی علل و اسباب کارفرما ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ یہ علل و اسباب ناقابل تسخیر ہوتے ہیں۔ بیماری سے شفا اگر دست مسیحا کے ذریعہ ہو تو شفایابی کے علل واسباب ناقابل تسخیر ہیں، جب کہ دوا کے ذریعہ حاصل ہونے والی شفا کے علل واسباب قابل تسخیر ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے ہماری تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

بعض اہل قلم کے مطابق جزیرہ نمائے سینا میں وہ چٹان ابھی تک موجود ہے اور سیاح جا کر اسے

مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ
لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِذْ
قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ
فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ
الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَ
عَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ
هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا
فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ
الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ
اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ
بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ

گھاٹ کا علم ہو گیا، اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور ملک میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔☆ ﴿۶۱﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی قسم کے طعام پر ہر گز صبر نہیں کر سکتے، پس آپ اپنے رب سے کہہ دیجیے کہ ہمارے لیے زمین سے اگنے والی چیزیں فراہم کرے، جیسے ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز، (موسیٰ نے) کہا: کیا تم اعلیٰ کی جگہ ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو؟ ایسا ہے تو کسی شہر میں اتر جاؤ جو کچھ تم مانگتے ہو تمہیں مل جائے گا اور ان پر ذلت و محتاجی تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں مبتلا ہو گئے، ایسا اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے اور یہ سب اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی اور حد سے تجاوز کیا کرتے تھے۔☆ ﴿۶۲﴾ بے شک جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین میں سے جو کوئی اللہ اور روز آخرت پر

دیکھتے ہیں۔ چشموں کے شگاف اب بھی پائے جاتے ہیں۔

۶۱۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کی سرکش ذہنیت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنی آزادی اور خودمختاری کی جنگ لڑ رہے تھے۔ حال ہی میں ایک جابر اور خونخوار حکمران سے نجات حاصل کی تھی۔ ایسے نامساعد حالات میں عزت سے جو بھی میسر آئے، صبر کرنا چاہیے تھا۔ لیکن یہ ناشکرے من و سلویٰ جیسی ضیافت پر بھی صبر کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ چنانچہ اس ناشکری کی وجہ سے وہ ذلت و رسوائی میں مبتلا ہوئے۔

مِصْرًا سے مراد کوئی بھی شہر ہے، کیونکہ یہ چیزیں شہری اور متمدن ماحول میں میسر آتی ہیں۔ اس سے مراد معروف شہر مصر لینا درست نہیں ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا یعنی یہ لوگ کفر اور قتل انبیاء کے مرتکب اس لیے ہوئے کہ وہ عصیان کے عادی ہو گئے تھے اور جرائم کے ارتکاب کے بعد بھی گناہ کا احساس نہیں کرتے تھے۔

۶۲: آیۂ شریفہ کا ماحصل یہ بنتا ہے: اپنے زمانے کے برحق نبی اور اس کی کتاب پر ایمان لانے کے بعد عمل صالح بجا لانے والا نجات پائے گا۔

صابی مذہب کے کچھ پیروکار ایران اور عراق میں پائے جاتے ہیں۔ عراق میں دجلہ و فرات کے ساحلی علاقوں میں آباد صابی اپنے آپ کو حضرت یحییٰ ؑ کے پیروکار سمجھتے ہیں۔ ان کی مقدس کتاب کانزا ربا اور کنزا اسدرہ میں رسول اسلام ﷺ کی آمد کی پیشگوئی بھی ہے۔ (قاموس قرآن)

شان نزول: حضرت سلمانؓ نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا: میرے ان ساتھیوں کا کیا بنے گا جو اپنے دین پر عمل پیرا تھے اور عبادت گزار تھے؟ اس

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ وَاِذْ
اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ
الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۚ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ
اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا

ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے تو ان کے رب کے پاس
ان کا اجر ہے اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں
گے۔☆ ﴿۶۲﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد
لیا اور تمہارے اوپر (کوہ) طور کو بلند کیا (اور تمہیں حکم دیا
کہ) جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی ہے اسے پوری قوت
سے پکڑ رکھو اور جو کچھ اس میں موجود ہے اسے یاد رکھو (اس
طرح) شاید تم بچ سکو۔☆ ﴿۶۳﴾ پھر اس کے بعد تم پلٹ
گئے۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ
ہوتی تو تم گھاٹے میں ہوتے۔ ﴿۶۴﴾ اور تم اپنے ان لوگوں کو
خوب جانتے ہو جنہوں نے سبت (ہفتہ) کے بارے میں
تجاوز کیا تھا تو ہم نے انہیں حکم دیا تھا: ذلیل بندر بن
جاؤ۔☆ ﴿۶۵﴾ چنانچہ ہم نے اس (واقعے) کو اس زمانے
کے اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت اور تقویٰ رکھنے والوں
کے لیے نصیحت بنا دیا۔ ﴿۶۶﴾ اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے
اپنی قوم سے کہا: خدا تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا

پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔ ابتدائے اسلام
میں یہ سوال بہت سے مسلمانوں کو درپیش تھا کہ دین
مسیح کے پیروکاروں کے آباء و اجداد کا انجام کیا ہو
گا؟ ان کی تشفی کے لیے آیت نازل ہوئی کہ اگر وہ
اپنے مذہب کے مخلص پیروکار اور عبادت گزار تھے
تو نجات پائیں گے۔

۶۳۔ بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو معلق کرنے کی
غرض و غایت بیان نہیں ہوئی۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ
نے ان پر اپنی عظمت و قوت کا اظہار کرنا چاہا ہو اور
یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ کی نشانی اور معجزے کے طور پر
ان پر حجت پوری کی ہو۔

۶۵۔ سبت (ہفتے کا دن) یہود کے ہاں متبرک ایام
میں سے اور عبادت کا دن ہے۔ اس دن انہیں سیر و
شکار اور کام کاج کی ممانعت تھی جس کی وجہ سے
مچھلیاں اس دن زیادہ مقدار میں سطح آب پر ظاہر
ہوتی تھیں۔ دریا پر بسنے والوں نے مختلف حیلے
بہانوں سے اس دن بھی مچھلیوں کا شکار کرنا شروع
کر دیا تو اللہ نے انہیں مسخ کر دیا۔

۶۷۔ شاید گوسالہ پرست قوم کے ایمان باللہ کا امتحان
مقصود ہے کہ وہ جس گائے کو مقدس سمجھتے رہے ہیں،
اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کریں۔

یہاں سے بقرہ یعنی گائے کا قصہ شروع ہوتا ہے جس
کے ذکر کی وجہ سے اس سورے کا نام سورۃ بقرۃ
رکھا گیا ہے۔

قصہ یہ ہے: بنی اسرائیل کا ایک شخص قتل ہو گیا، قتل کا
سراغ نہیں مل رہا تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ نے
اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں اور اس
کا ایک حصہ مقتول کی لاش پر ماریں تاکہ وہ زندہ ہو
جائے اور قاتل کی نشاندہی کر دے۔

أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ

ہے، وہ بولے: کیا آپ ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں؟ (موسیٰ نے) کہا: پناہ بخدا! میں (تمہارا مذاق اڑا کر) جاہلوں میں شامل ہو جاؤں؟☆ ﴿٦٨﴾ وہ بولے: اپنے رب سے ہماری خاطر درخواست کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ گائے کیسی ہو، کہا: وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا، (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو، پس جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، اب اسے بجالاؤ۔☆ ﴿٦٩﴾ کہنے لگے: اپنے رب سے ہمارے لیے درخواست کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہو؟ کہا: وہ فرماتا ہے کہ اس گائے کا رنگ گہرا زرد اور دیکھنے والوں کے لیے فرحت بخش ہو۔☆ ﴿٧٠﴾ انہوں نے کہا: اپنے رب سے (پھر) درخواست کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے اور اگر خدا نے چاہا تو ہم اسے ضرور ڈھونڈ لیں گے۔☆ ﴿٧١﴾ (موسیٰ نے) کہا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی سدھائی ہوئی نہ ہو جو ہل چلائے اور کھیتی کو پانی دے (بلکہ) وہ سالم ہو، اس پر کسی قسم کا دھبہ نہ ہو، کہنے لگے: اب آپ نے ٹھیک

٦٨ تا ٧٣۔ تفصیلات کا مطالبہ دراصل اس حکم کو ٹالنے کی کوشش تھی۔ چنانچہ آیت ٧١ کے آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنے کی امید نہ تھی۔ یعنی وہ گائے کو ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ واقعاتی ترتیب کے لحاظ سے پہلے قتل کا اور بعد میں گائے ذبح کرنے کا تذکرہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ یہاں آدمی کا قتل محل کلام نہیں، بلکہ گائے ذبح کرنے کے سلسلے میں اسرائیلیوں کے لیت ولعل اور ان کی سرکشی و نافرمانی کا بیان مقصود ہے، اس لیے گائے کا واقعہ پہلے مذکور ہوا۔ علاوہ ازیں سبب کے عدم بیان سے ایک تجسس پیدا ہو جاتا ہے کہ آخر گائے ذبح کرنے کا حکم کس لیے دیا جا رہا ہے؟

قَالُوٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا: احکام دین کی تبلیغ کو لوگ تمسخر قرار دیتے تھے، حضرت موسیٰ ؑ تمسخر کو جاہلانہ عمل قرار دیتے ہیں اور اس سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰہِلِیْنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء ؑ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں۔

فَذَبَحُوۡهَا: بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ لوگ اگر حکم کی تعمیل میں مخلص ہوتے تو فوراً ایک گائے ذبح کر دیتے، لیکن وہ فرمانبرداری پر قلباً آمادہ نہیں تھے۔ اس لیے وہ طرح طرح کی حیل و حجت کرنے لگے۔ اس حکم سے پہلوتہی کی خاطر انہوں نے طرح طرح کے سوالات کیے۔ جب ان کے ہر بہانے کا جواب دیا گیا تو انہوں نے یہ کہ کر ٹالنے کی کوشش کی: اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَہَ عَلَیْنَا "گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی" اور

جِئۡتَ بِالۡحَقِّ ؕ فَذَبَحُوۡهَا وَمَا كَادُوۡا
يَفۡعَلُوۡنَ ﴿٧١﴾ ع وَاِذۡ قَتَلۡتُمۡ نَفۡسًا فَادّٰرَءۡتُمۡ
فِيۡهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿٧٢﴾ ج
فَقُلۡنَا اضۡرِبُوۡهُ بِبَعۡضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحۡىِ اللّٰهُ
الۡمَوۡتٰى ۙ وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿٧٣﴾
ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَهِىَ
كَالۡحِجَارَةِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ
الۡحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَاِنَّ
مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ ؕ وَاِنَّ
مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿٧٤﴾ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ
يُّؤۡمِنُوۡا لَـكُمۡ وَقَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ
يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ

نشاندہی کی ہے، پھر انہوں نے گائے کو ذبح کر دیا حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہیں لگتے تھے۔☆ ﴿٧٢﴾ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر ایک دوسرے پر اس کا الزام لگانے لگے، لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ اسے ظاہر کر نے والا تھا۔☆ ﴿٧٣﴾ تو ہم نے کہا: گائے کا ایک حصہ اس (مقتول) کے جسم پر مارو، یوں اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔☆ ﴿٧٤﴾ پھر اس کے بعد بھی تمہارے دل سخت رہے، پس وہ پتھر کی مانند بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، کیونکہ پتھروں میں سے کوئی تو ایسا ہوتا ہے جس سے نہریں پھوٹتی ہیں اور کوئی ایسا ہے کہ جس میں شگاف پڑ جاتا ہے تو اس سے پانی بہ نکلتا ہے اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو ہیبت الٰہی سے نیچے گر پڑتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔☆ ﴿٧٥﴾ کیا تم اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ (ان سب باتوں کے باوجود یہودی) تمہارے دین پر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا رہا ہے جو اللہ کا کلام سنتا ہے، پھر اسے سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اس میں تحریف کر

---

جب اس کا جواب بھی تفصیل سے ملا اور کسی قسم کے اشتباہ اور حیلے بہانے کی گنجائش نہ رہی تو مجبوراً گائے ذبح کرنی ہی پڑی۔" حالانکہ ایسا کرنے کی امید نہ تھی"۔

کچھ افراد کا یہ نظریہ ہے کہ یُحۡیِ اللّٰہُ الۡمَوۡتٰی سے مراد وَلَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیٰوۃٌ "تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے" کی طرح نفاذ شریعت ہے جو موجب حیات و نجات ہے، مگر آیت کا ظاہری مفہوم اس تاویل کی بھی نفی کرتا ہے۔

٧٤۔ بنی اسرائیل کی سنگدلی کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ وہ اللہ کی واضح نشانیاں دیکھنے، حق ثابت ہونے، توحید و رسالت پر کافی دلائل کا مشاہدہ کرنے اور حجت خدا پوری ہونے کے بعد بھی ہدایت نہ پا سکے۔

٧٥۔ سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جن سے بنی اسرائیل کو نوازا۔ لیکن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے ان تمام احسانات کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے خدا کی نافرمانی کی۔ سرکش یہودیوں کی تاریخ کے چند سیاہ باب ذکر فرمانے کے بعد اب روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے، جو دراصل مقصود کلام ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ۔ کیا تم یہودیوں سے اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہارے دین پر ایمان لے آئیں گے۔ ہمارے معاصر یہودیوں کے بارے میں اس آیہ شریفہ سے یوں رہنمائی لینی چاہیے کہ کیا ان یہودیوں سے انسان دوستی، انسانی حقوق اور باہمی تعاون کی توقع رکھی جا سکتی ہے؟ کیا یہودی انسانی و اخلاقی اقدار پر ایمان لے آئیں

بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَاِذَا لَقُوا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا
بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا
فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ
رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٦﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ
اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٧﴾
وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ
اَمَانِىَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ (النصف)
لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۤ ثُمَّ
يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا
بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ
اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَ
قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا

دیتا ہے۔☆ ﴿٧٦﴾ جب وہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے
ہیں: ہم ایمان لا چکے ہیں اور جب خلوت میں اپنے
ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: جو راز اللہ نے تمہارے
لیے کھولے ہیں وہ تم ان (مسلمانوں) کو کیوں بتاتے
ہو؟ کیا تم نہیں سمجھتے کہ وہ (مسلمان) اس بات کو تمہارے
رب کے حضور تمہارے خلاف دلیل بنائیں گے؟ ﴿٧٧﴾ کیا
(یہود) نہیں جانتے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے، خواہ وہ
چھپائیں یا ظاہر کریں؟☆ ﴿٧٨﴾ ان میں کچھ ایسے ناخواندہ
لوگ ہیں جو کتاب (توریت) کو نہیں جانتے سوائے جھوٹی
آرزوؤں کے اور بس وہ اپنے خیال خام میں رہتے
ہیں۔☆ ﴿٧٩﴾ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو
(توریت کے نام سے) ایک کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے
ہیں پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس
کے ذریعے ایک ناچیز معاوضہ حاصل کریں، پس ہلاکت ہو
ان پر اس چیز کی وجہ سے جسے ان کے ہاتھوں نے لکھا اور
ہلاکت ہو ان پر اس کمائی کی وجہ سے۔☆ ﴿٨٠﴾ اور
(یہودی) کہتے ہیں: ہمیں تو جہنم کی آگ گنتی کے چند

---

گے؟ ہرگز نہیں۔

۷۷۔ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ یہودیوں کا گمان ان کی مادی سوچ کی علامت ہے کہ اگر لوگوں سے کوئی بات چھپائی جائے تو وہ اللہ سے بھی چھپ سکتی ہے۔ وہ اپنے زعم باطل میں دلیل و حجت کو خدا سے پنہاں کر رہے ہیں، جب کہ اللہ ظاہر و باطن سب کو جانتا ہے۔

۷۸۔ بے علم حضرات ہمیشہ بے بنیاد امیدوں اور جھوٹی توقعات پر تکیہ کرتے ہیں۔ وہ نجات کے لیے فرائض و اعمال، اخلاق حسنہ اور احکام و حدود کی پابندیاں ضروری نہیں سمجھتے۔

۷۹۔ توریت کی تحریف کا مسئلہ اب ایک مسلمہ حقیقت بن چکا ہے۔ خود یہود بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ توریت بالفاظہ اللہ کا کلام ہے، بلکہ جدید تحقیقات سے تو یہاں تک عقدہ کشائی ہوئی ہے کہ توریت کے قوانین حمورابی (قدیم بابلی بادشاہ جس نے تاریخ میں سب سے پہلے قوانین سلطنت وضع کیے) کے قوانین سے ملتے جلتے ہیں۔

۸۰۔ یہودیوں میں پائی جانے والی عام غلط فہمیوں، خام خیالیوں اور غلط تمناؤں کا تذکرہ ہے، جن کی بنا پر وہ اپنے آپ کو اللہ کی ایسی برگزیدہ امت سمجھتے ہیں، جس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ ان کے زعم میں ان کا بہت زیادہ مجرم اور گنہگار شخص اگر سزا کا مستحق ٹھہرے بھی تو اسے صرف چند دنوں کے لیے سزا دی جائے گی۔

۸۱۔ ۸۲ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر گناہ اس پر حاوی نہ ہوا ہو اور ہدایت و توبہ کے لیے ہنوز گنجائش موجود ہو

مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا
فَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى
اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً
وَّ اَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ
الۡجَـنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع وَاِذۡ اَخَذۡنَا
مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا
اللّٰهَ قف وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّذِى الۡقُرۡبٰى
وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا
وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ
تَوَلَّيۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ
مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ

ع ۹

دنوں کے علاوہ چھو نہیں سکتی۔ (اے رسول) کہد یجیے: کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے کہ اللہ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا یا تم اللہ پر تہمت باندھ رہے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے؟ ☆ ﴿۸۰﴾ البتہ جو کوئی بدی اختیار کرے اور اس کے گناہ اس پر حاوی ہو جائیں تو ایسے لوگ اہل دوزخ ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ☆ ﴿۸۱﴾ اور جو ایمان لائیں اور اچھے اعمال بجا لائیں، یہ لوگ اہل جنت ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ☆ ﴿۸۲﴾ اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا (اور کہا) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور (اپنے) والدین، قریب ترین رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں پر احسان کرو اور لوگوں سے حسن گفتار سے پیش آؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو پھر چند افراد کے سوا تم سب برگشتہ ہو گئے اور تم لوگ روگردانی کرنے والے ہو۔ ☆ ﴿۸۳﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ

---

تو نجات کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ اللہ کی سنت اور اس کا عدل و انصاف یہ ہے کہ جزا عمل کے مطابق ہو۔ اگر گناہ اور معصیت انسان کی زندگی کو ڈھانپ لے اور ہدایت کی کوئی گنجائش نہ ہو تو اس کا لازمی نتیجہ جہنم ہے۔

اس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ جب تک انسان کے گناہ مکمل طور پر اس پر حاوی نہ ہو جائیں اس وقت تک ہدایت، توبہ اور نجات کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

۸۳۔ قُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا: قرآن میں متعدد مقامات پر حسن گفتار کی تاکید ہوئی ہے، کیونکہ حسن گفتار میں جادو کا اثر ہے جبکہ بدکلامی سے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خوش کلامی میں احترام آدمیت ملحوظ رہتا ہے۔ اس لیے قرآنی تعلیمات میں اسے مادی قدروں سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّ مَغۡفِرَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَاۤ اَذًى ۔ (۲: ۲۶۳) خوش کلامی اور درگزر اس خیرات سے بہتر ہیں جس کے بعد ایذاء دی جائے۔

۸۴۔ بنی اسرائیل کے واقعات اس اہتمام کے ساتھ اس لیے بیان ہو رہے ہیں کہ یہ انسانی تاریخ کی سب سے پہلی اور عظیم تحریک تھی۔ جن اقدار کے لیے وقت کے طاغوت فرعون کے خلاف یہ تحریک چلی تھی وہ درج ذیل ہیں: ☆ خدائے واحد کی بندگی۔ ☆ والدین سے حسن سلوک۔ ☆ قریبی رشتہ داروں سے نیکی۔ ☆ یتیموں سے شفقت۔ ☆ مسکینوں اور ناداروں سے حسن سلوک۔ ☆ لوگوں سے خوش گفتاری۔ ☆ اقامۂ نماز۔ ☆ ادائے زکوٰۃ۔ ☆ ناحق خون ریزی سے اجتناب۔ ☆ اپنی

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ
اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ
تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ
اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ
مِّنْ دِيَارِهِمْ ۫ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ
اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ
اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ
وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ
ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫

اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور اپنے ہی لوگوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالو گے، پھر تم نے اس کا اقرار کرلیا جس کے تم خود گواہ ہو۔☆ ﴿۸۵﴾ پھر تم ہی وہ لوگ ہو جو اپنے افراد کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو، پھر گناہ اور ظلم کر کے ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو اور اگر وہ قید ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیتے ہو، حالانکہ انہیں نکالنا ہی تمہارے لیے سرے سے حرام تھا، کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصے سے کفر اختیار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو ایسا کرے دنیاوی زندگی میں اس کی سزا رسوائی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور آخرت میں (ایسے لوگ) سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔☆ ﴿۸۶﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیاوی زندگی خرید لی ہے پس ان کے عذاب

قوم کے افراد کو جلاوطن نہ کرنے کا عہد۔

۸۵۔ عہد نبوی کے معاصر یہودی، دو بڑے قبائل (بنی نضیر اور بنی قریظہ) میں بٹے ہوئے تھے۔ یہودی جب آپس میں لڑتے تو مشرکین سے مدد لیتے تھے اور جب کوئی یہودی دوسرے فریق کے اتحادی مشرکین کا اسیر بن جاتا اور فدیہ دے کر اسیروں کو چھڑانے کی نوبت آتی تو حکم خدا کا حوالہ دیتے تھے۔ یہ تبعیض فی الایمان اور تضاد فی العمل کتنی غیر معقول روش ہے۔

۸۷۔ بنا بر قولے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے اور بعض کے نزدیک یہ تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری اولوالعزم نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام کی ولادت عام بشری طریقے سے مختلف ہوئی، اس لیے آپ علیہ السلام کے مزاج میں ملکوتیت غالب رہی اور آپ علیہ السلام روح القدس سے زیادہ مانوس تھے۔

اسلامی اصطلاح میں روح القدس جبرئیل کا نام ہے جو انبیاء پر وحی لے کر نازل ہوتے رہے۔ اس کا اس مسیحی اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں جس میں وہ روح القدس کو تثلیث مقدس کا "اقنوم ثالث" قرار دیتے ہیں۔

۸۸۔ یہودیوں کا نظریہ ہے کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں، لہٰذا ان پر اسلامی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ
وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى
ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا
لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا
كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُوْا
قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ
فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ
كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ
وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا
بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ بِئْسَمَا

میں کوئی تخفیف نہ ہوگی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔ ﴿٨٦﴾ اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے، اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو نمایاں نشانیاں عطا کیں اور روح القدس کے ذریعے ان کی تائید کی تو کیا جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات کے خلاف (احکام لے کر) آئے تو تم اکڑ گئے، پھر تم نے بعض کو جھٹلا دیا اور بعض کو تم لوگ قتل کرتے رہے؟☆ ﴿٨٧﴾ اور وہ کہتے ہیں: ہمارے دل غلاف میں بند ہیں، (نہیں) بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت کر رکھی ہے، پس اب وہ کم ہی ایمان لائیں گے۔☆ ﴿٨٨﴾ اور جب اللہ کی جانب سے وہ کتاب آئی جو ان کے پاس موجود باتوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور وہ پہلے کافروں پر فتح کی امید رکھتے تھے، پھر جب ان کے پاس وہ آ گیا جسے وہ خوب پہچانتے تھے تو وہ اس کے منکر ہو گئے، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔☆ ﴿٨٩﴾ کتنی بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنی

---

ہوتا۔ اللہ فرماتا ہے: ان کا ایمان نہ لانا ان کے راندۂ درگاہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

۸۹۔ رسول کریم ﷺ کی آمد سے پہلے یہودی ان کے منتظر رہتے تھے اور کہتے تھے کہ جب وہ آئیں گے تو ہمیں کافروں پر فتح حاصل ہوگی۔ جب وہ نبی ﷺ آ گئے تو اوس و خزرج کے قبائل نے ایمان لانے میں پہل کی۔ لیکن وہ یہودی جو ان کی آمد کے منتظر تھے، دشمن بن گئے۔

۹۰۔ یہودی صرف حسد کی بنا پر اسلام کے خلاف ہو گئے، ورنہ وہ اسلام کی حقانیت سے آگاہ اور اس کے منتظر تھے۔

۹۱۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ---: جب یہودیوں کو ایمان کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ اپنے دین کو آخری دین سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم صرف توریت پر ایمان لانے کے پابند ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حالانکہ خود توریت کے مطابق یہودیت آخری دین نہیں بلکہ اس میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کی آمد کی خوشخبری موجود تھی۔

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ۔ اگر تمہارا یہ دعویٰ درست ہے کہ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا "ہم تو اس (توریت) پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی" تو تم نے انبیاء علیہم السلام کو کیوں قتل کیا؟ حالانکہ وہ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی توریت ہی کی تشریح و تفسیر اور

اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ
بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا
لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ
مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ
جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ
الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَاِذْ
اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا

جانوں کا سودا کیا کہ صرف اس بات کی ضد میں خدا کے نازل کیے کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل کرتا ہے، پس وہ اللہ کے غضب بالائے غضب میں گرفتار ہوئے اور کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔☆ ﴿۹۱﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے اتارا ہے اس پر ایمان لے آؤ تو جواب دیتے ہیں: ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے، اس کے علاوہ وہ کسی چیز کو نہیں مانتے، حالانکہ وہ حق ہے اور جو کتاب ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرتا ہے، کہد یجیے: اگر تم مومن تھے تو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے کیوں قتل کرتے رہے ہو؟☆ ﴿۹۲﴾ اور بتحقیق موسیٰ تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آئے پھر تم نے اس کے بعد گوسالہ کو اختیار کیا اور تم لوگ ظالم ہو۔☆ ﴿۹۳﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا اور کوہ طور کو تمہارے اوپر اٹھایا تھا (اور حکم دیا تھا) جو چیز (توریت) ہم نے تمہیں دی ہے اسے مضبوطی سے پکڑو

اس کے احکام کی ترویج کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم توریت پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔

۹۲۔ بنی اسرائیل کی ضلالت اور مشرکانہ حرکات کی طرف تعجب کے انداز میں اشارہ ہو رہا ہے کہ ان لوگوں نے خود صاحب شریعت کی زندگی میں مشرکانہ عمل شروع کر دیا۔ صرف چند روز کی غیبت کی وجہ سے اکثر گمراہ ہو گئے اور وہ بھی گوسالہ پرستی جیسے ذلت آمیز اور پست عمل کو اختیار کر کے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ایسی نامعقول حرکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے واضح دلائل اور روشن نشانیاں آنے کے بعد عمل میں آئی۔

۹۳۔ ان کے کفر کی وجہ سے گوسالہ پرستی ان کے دلوں میں رچ بس گئی، یعنی ایک نافرمانی، دوسری نافرمانی اور ایک جرم، دوسرے جرم کو جنم دیتا ہے۔

۹۴۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اخروی زندگی صرف انہی کے لیے مخصوص ہے، جبکہ دوسرے لوگ اس سے محروم ہوں گے اور اگر کسی یہودی کو عذاب ہوگا بھی تو صرف چند دنوں کے لیے۔ مثلاً جتنے دن گوسالہ پرستی میں گزرے ہیں، اتنے ہی عذاب کے دن ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس عقیدے کے مطابق الزامی تنبیہ فرمائی کہ اگر آخرت کی زندگی اور آسودگی صرف تمہارے لیے ہی چشم براہ ہے تو اس کے حصول کی کوشش ایک طبعی اور فطری امر ہے۔ بنابریں اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ذرا موت کی تمنا کر کے تو دکھاؤ۔

اس آیت سے اللہ کے مخلص بندوں کا معیار واضح

سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا ٭ وَاُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ
الۡعِجۡلَ بِكُفۡرِهِمۡ ؕ قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖۤ
اِيۡمَانُكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۳﴾ قُلۡ اِنۡ
كَانَتۡ لَكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ
خَالِصَةً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ
كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًۢا
بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ
بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ
عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۚۛ يَوَدُّ (معانقة ۳)
اَحَدُهُمۡ لَوۡ يُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ
بِمُزَحۡزِحِهٖ مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ
بَصِيۡرٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ ع قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا
لِّجِبۡرِيۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ

اور سنو، انہوں نے کہا: ہم نے سن تو لیا مگر مانا نہیں اور ان کے کفر کے باعث ان کے دلوں میں گوسالہ رچ بس گیا، کہد یجیے: اگر تم مومن ہو تو تمہارا ایمان تم سے بہت برے تقاضے کرتا ہے۔☆ ﴿۹۳﴾ کہد یجیے: اگر اللہ کے نزدیک دار آخرت دوسروں کی بجائے خالصتاً تمہارے ہی لیے ہے اور تم (اس بات میں) سچے بھی ہو تو ذرا موت کی تمنا کرو۔☆ ﴿۹۴﴾ اور وہ موت کے متمنی ہرگز نہ ہوں گے، ان گناہوں کی وجہ سے جو وہ اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۹۵﴾ (اے رسول!) اور آپ ان لوگوں کو زندگی کا سب سے زیادہ حریص پائیں گے، حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ، ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کاش اسے ہزار سال عمر ملے، حالانکہ اگر اسے یہ عمر مل بھی جائے تو یہ بات اس کے عذاب کو ہٹا نہیں سکتی اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے خوب دیکھتا ہے۔ ﴿۹۶﴾ آپ کہد یجیے: جو کوئی جبرائیل کا دشمن ہے (وہ یہ جان لے کہ) اس نے (تو) اس قرآن کو باذن خدا آپ کے قلب پر نازل کیا جو اس کی

---

ہو جاتا ہے کہ اللہ کے مخلص بندے موت کے مشتاق اور بارگاہ پروردگار میں جانے کے لیے بے چین ہوتے ہیں۔ اللہ کے حقیقی ولی حضرت علی ؑ کا فرمان ہے: وَ اللہِ لَابْنُ اَبِی طَالِبٍ آنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّہٖ۔ یعنی، قسم بخدا! ماں کے سینے سے بچے کے انس سے زیادہ ابوطالب کا بیٹا موت سے مانوس ہے۔ (نہج البلاغۃ ص ۶۲ خ ۵ خلقه و عمله)

دوسری جگہ فرمایا: فَوَ اللہِ مَا اُبَالِی دَخَلْتُ اِلَی الْمَوْتِ اَوْ خَرَجَ الْمَوْتُ اِلَیَّ۔ قسم بخدا! مجھے پرواہ نہیں کہ موت مجھ پر آ گرتی ہے یا میں موت پر جا گرتا ہوں۔ (نہج البلاغۃ: خ ۵۵)

۹۷۔ جِبْرِیْلَ غیر عربی لفظ ہے جو بنا بر قولے جبر اور ایل سے مرکب ہے، یعنی قوت خدا۔

قَلْب مراد صنوبری شکل کا لحمیاتی عضو نہیں ہے، بلکہ اس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ انسان کے اندر موجود مختلف جہتوں کے لیے جس چیز کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اسے قلب کہتے ہیں اور یہ عقل و شعور کا بھی مرکز و محور ہے۔ قلب رسول ﷺ پر وحی نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ علم حضوری کے طور پر اپنے وجود سے وحی کا ادراک کرتے تھے، نہ کہ محسوسات کی طرح صرف حواس سے یا معقولات کی طرح صرف عقل سے، بلکہ ان سے واضح تر، جیسے خود اپنے وجود کا ادراک۔ کیونکہ اگر سمعی و بصری ذرائع سے وحی کا ادراک ہوتا تو یہ وسائل جن کے پاس بھی ہوتے وہ باآسانی وحی کا ادراک کر لیتے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ
بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ
وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ
فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ
اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا
الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا
نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ
ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا
تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ
سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ

تصدیق کرنے والا ہے جو پہلے سے موجود ہے اور یہ (قرآن) ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔☆ (۹۸) جو کوئی اللہ، اس کے فرشتوں، رسولوں اور (خاص کر) جبرائیل و میکائیل کا دشمن ہو تو اللہ (ایسے) کافروں کا دشمن ہے۔ (۹۹) اور ہم نے آپ پر واضح نشانیاں نازل کی ہیں، اور ان کا انکار صرف بدکردار لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ (۱۰۰) کیا (ایسا نہیں ہے کہ) ان لوگوں نے جب بھی کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اسے اٹھا پھینکا، بلکہ ان میں سے اکثر تو ایمان ہی نہیں رکھتے۔ (۱۰۱) اور جب اللہ کی جانب سے ان کے پاس ایک ایسا رسول آیا جو ان کے ہاں موجود (کتاب) کی تصدیق کرتا ہے تو اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ اسے جانتے ہی نہیں۔☆ (۱۰۲) اور سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین جو کچھ پڑھا کرتے تھے یہ (یہودی) اس کی پیروی کرنے لگ گئے حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین کفر کیا کرتے تھے جو

۱۰۱۔ یہود و نصاریٰ کو بحیثیت قوم کتاب دی گئی، ورنہ نزول قرآن کے معاصر یہود و نصاریٰ کے پاس توریت و انجیل کا کامل نسخہ موجود نہیں تھا، تاہم اصل توریت و انجیل کا ایک حصہ تحریف شدہ توریت و انجیل میں جابجا پایا جاتا ہے۔

۱۰۲۔ سُلَيْمٰنَ عبرانی لفظ ہے۔ سلیمان ؑ حضرت داؤد ؑ کے چار فرزندوں میں سے ایک ہیں جو غالباً ۹۹۰ ق۔م مبعوث برسالت ہوئے۔

بابل قدیم مملکت عراق کا دارالحکومت تھا۔ یہاں کلدانی قوم آباد تھی۔ خیال ہے کہ ان کی سلطنت ۳۰۰۰ ق۔م میں موجود تھی۔ بابل جہاں تہذیب و تمدن کا مرکز تھا وہاں جادو کا مرکز بھی تھا۔ دنیا میں خرافات کی ابتداء یہیں سے ہوئی۔ احادیث کے مطابق حضرت سلیمان ؑ کے عہد میں جادو کا عمل عام ہونے لگا تو آپ ؑ نے ان تمام اوراق و اسناد کو ضبط کر لیا جن پر جادو تحریر تھا۔ آپ ؑ کی وفات کے بعد کچھ افراد ان تحریروں کو منظر عام پر لے آئے۔ اس طرح یہودی، وحی الٰہی کی اتباع کی بجائے سفلی علوم کے شیدائی بن گئے، یہودیوں کے ایک فرقے نے یہ نظریہ قائم کیا کہ سلیمان ؑ پیغمبر نہیں تھے بلکہ انہوں نے جادو کے ذریعے جن و انس کو مسخر کر لیا تھا۔ اس زعم باطل کے جواب میں فرمایا: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ۔

ہاروت اور ماروت دو فرشتوں کے غیر عربی نام ہیں جنہیں ابطال سحر کے لیے انسانی صورت میں بابل بھیجا گیا تھا تاکہ لوگوں میں جادو اور معجزے کا فرق واضح کرنے کے لیے جادو کے مخفی اسباب کو برملا

النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ
بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ
مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا
تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ
بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ
مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا
يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ
اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا
لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا
رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

لوگوں کو سحر کی تعلیم دیا کرتے تھے اور وہ اس (علم) کی بھی پیروی کرنے لگے جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر نازل کیا گیا تھا، حالانکہ یہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک اسے خبردار نہ کر لیں کہ (دیکھو) ہم تو صرف آزمائش کے لیے ہیں، کہیں تم کفر اختیار نہ کر لینا، مگر لوگ ان دونوں سے وہ (سحر) سیکھ لیتے تھے جس سے وہ مرد اور اس کی زوجہ کے درمیان جدائی ڈال دیتے، حالانکہ اذن خدا کے بغیر وہ اس کے ذریعے کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے اور یہ لوگ اس چیز کو سیکھتے تھے جو ان کے لیے ضرر رساں ہو اور فائدہ مند نہ ہو اور بتحقیق انہیں علم ہے کہ جس نے یہ سودا کیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور کاش وہ جان لیتے کہ انہوں نے اپنے نفسوں کا بہت برا سودا کیا ہے۔☆ ﴿۱۰۲﴾ اور اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے پاس اس کا ثواب کہیں بہتر ہوتا، کاش وہ سمجھ لیتے۔ ﴿۱۰۳﴾ اے ایمان والو! راعنا نہ کہا کرو بلکہ (اس کی جگہ) انظرنا کہا کرو اور (رسول کی باتیں) توجہ سے سنا کرو اور کافروں کے لیے تو

کریں۔ یہودیوں نے یہاں بھی سوء استفادہ کیا اور ان اسباب کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا۔

۱۰۴۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: قرآن مجید میں تقریباً اسی (۸۰) مقامات پر ان الفاظ میں مومنین سے خطاب کیا گیا ہے۔ یہ سب آیات مدنی ہیں۔ علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خطاب کا یہ انداز اس امت کے لیے ایک اعزاز ہے، ورنہ دوسری امتوں کو قرآن نے لفظ قوم سے یاد کیا ہے۔ جیسے قوم نوح، قوم ہود اور قوم عاد وغیرہ۔

ابو نعیم نے الحلیہ میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ اٰیَۃً وَ فِیْھَا یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِلَّا وَ عَلِیٌّ رَأسُھَا وَ اَمِیْرُھَا۔ یعنی خدا نے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ جو بھی آیت نازل کی ہے حضرت علی علیہ السلام اس کے سردار اور امیر ہیں۔

رسول خدا ﷺ جب اسلامی احکام بیان فرماتے تو اکثر ایسا ہوتا کہ بعض افراد سن یا سمجھ نہیں پاتے تھے۔ اس وقت وہ حضور ﷺ کی توجہ مبذول کرانے کے لیے کہتے: رَاعِنَا یعنی ہماری رعایت فرمائیں کہ ہم سمجھ نہیں سکے۔ ہمارا لحاظ فرمائیے اور دوبارہ ارشاد فرمائیے۔

بعض یہودی بھی ان علمی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ وہ اس لفظ کو شرارتاً حضور ﷺ کی شان میں توہین کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ بعض مفسرین کے نزدیک وہ رَاعِنَا کو اَلرَّعُوْنَۃُ کے حوالے سے احمق اور بے وقوف کے معنوں میں

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿١٠٥﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ

دردناک عذاب ہے۔☆ ﴿١٠٥﴾ کفر اختیار کرنے والے خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین، اس بات کو پسند ہی نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو، حالانکہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کردیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ﴿١٠٦﴾ ہم کسی آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کراتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت نازل کرتے ہیں، کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟☆ ﴿١٠٧﴾ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت صرف اللہ ہی کے لیے ہے؟ اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہے۔ ﴿١٠٨﴾ کیا تم لوگ اپنے رسول سے ایسا ہی سوال کرنا چاہتے ہو جیسا کہ اس سے قبل موسیٰ سے کیا گیا تھا؟ اور جو ایمان کو کفر سے بدل دے وہ حتماً سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے۔☆ ﴿١٠٩﴾ (مسلمانو!) اکثر اہل کتاب حق واضح ہو جانے کے

لیتے تھے اور بعض دیگر مفسرین کے مطابق وہ رَاعِنا کی بجائے رَاعِينَا "ہمارا چرواہا" کہتے۔

۱۰۶۔ آسمانی شریعتوں میں احکام کی منسوخی ایک مسلمہ امر ہے۔ اسلامی شریعت کے احکام میں بھی نسخ واقع ہوا ہے۔ کیونکہ یہ شریعت انسانی تربیت و ارتقاء کے لیے ہے اور تربیت کا مطلب ہی تدریجی ارتقاء ہے۔ اس لیے احکام میں ردو بدل ایک طبعی امر ہے۔

نسخ احکام پر یہودیوں کے اعتراض کے جواب میں فرمایا: میں جس حکم کو منسوخ کرتا ہوں اس کی جگہ اس سے بہتر یا کم از کم اس جیسا حکم لاتا ہوں۔ حالانکہ خود یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کی شریعت سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے۔ خود توریت میں بہت سے احکام منسوخ ہوئے ہیں۔ مثلاً سفر تکوین باب ۲۲ میں ہے کہ ابراہیم ؑ کے لیے اپنے فرزند کے ذبح کا حکم منسوخ ہو گیا۔ واضح رہے کہ جو اعتراض یہود نسخ احکام پر کرتے ہیں وہی اعتراض بداء پر کیا جاتا ہے۔ جب کہ نسخ اور بداء ایک چیز ہے۔ فرق یہ ہے کہ نسخ احکام میں اور بداء تکوین میں ہوتا ہے۔

۱۰۸۔ سوال اگر بغرض تعلیم ہو تو نہایت مستحسن ہے، لیکن اگر بغرض استہزاء ہو تو یہ کفر کے نزدیک ہے۔ قوم موسیٰ کے مطالبے کافرانہ اس لیے تھے کہ وہ ایمان بالغیب کی جگہ ایمان بالمحسوسات کے خواہاں تھے۔ بالفاظ دیگر یہ محسوس پرستی، بت پرستی اور ایمان کی جگہ کفر اختیار کرنا ہے۔

۱۰۹۔ چونکہ دل میں زوال نعمت کی آرزو رکھنا حسد کہلاتا ہے، بنابریں اس آیت سے پتہ چلا کہ اہل کتاب، اسلام کو مسلمانوں کے لیے ایک نعمت سمجھتے ہیں۔ وہ دل سے اس کی حقانیت کے معترف ہیں۔

الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ؑ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ

باوجود (محض) اپنے بغض اور حسد کی بنا پر یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح ایمان کے بعد تمہیں دوبارہ کافر بنا دیں، پس آپ درگزر کریں اور نظرانداز کر دیں یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ بھیج دے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔☆ (۱۱۰) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو کچھ نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے، تم جو بھی عمل انجام دیتے ہو اللہ یقینا اس کا خوب دیکھنے والا ہے۔☆ (۱۱۱) اور وہ کہتے ہیں: جنت میں یہودی یا نصرانی کے علاوہ کوئی ہرگز داخل نہیں ہو سکتا، یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں، آپ کہد یجیے: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔☆ (۱۱۲) ہاں! جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہے تو اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور انہیں نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ کوئی حزن۔☆ (۱۱۳) اور یہود کہتے ہیں: نصاریٰ (کا مذہب)

---

کیونکہ اسلام اگر حق نہ ہوتا تو نعمت نہ سمجھا جاتا اور اس سے حسد کوئی معنی نہ رکھتا۔

یہ فیصلہ بعد میں آنے والے کسی حکم کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ آیہ قتال میں حکم آ گیا۔

۱۱۰۔ ممکن ہے کہ تَجِدُوْهُ موجود پاؤ گے، کا مطلب یہ ہو کہ خود عمل کو موجود پاؤ گے، یعنی قیامت کے روز انسان اپنے اعمال کا خود مشاہدہ کرے گا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا: وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ (۱۸: ۴۹) اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا اسے حاضر پائیں گے۔

۱۱۱۔ یہودیوں کے باطل عقائد میں سے ایک یہ ہے کہ نجات اخروی اور جنت، عمل کا نتیجہ نہیں، بلکہ ان کا اپنا نسلی حق ہے۔ فرمایا: یہ بے بنیاد آرزوئیں ہیں جن کے پیچھے کوئی منطق اور دلیل نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو اہل جنت نہیں سمجھتے، لیکن مسلمانوں کو اہل جنت نہ سمجھنے میں دونوں متفق ہیں۔ یہ دونوں دیانتیں آپس کے فکری و مذہبی اختلاف کے باوجود مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ متحد اور متفق رہی ہیں۔ اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ۔ ہماری معاصر تاریخ میں بھی اس کے ایسے شواہد بکثرت موجود ہیں کہ جہاں سارے کفار نے اسلام کے مقابلے میں متحدہ روش اختیار کی ہو۔

۱۱۲۔ دخول جنت اور سعادت ابدی کی امید وہ شخص رکھ سکتا ہے، جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا ہو نیز جو خلوص کے ساتھ نیکی کرنے والا، پاک باطن، صالح، مخلص، محسن اور مومن ہو، اس کا دل تسلیم و رضا سے سرشار اور لبریز ہو۔

۱۱۳۔ یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا دین بے اساس ہے، حالانکہ وہ توریت میں حضرت مسیح کی آمد کی خبر پڑھ چکے ہیں۔ حضرت عیسیٰ، دین موسیٰ علیہ السلام کو

النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى
لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ
الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ
مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَ
مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ
فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا
كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ
لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ
فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

کسی بنیاد پر استوار نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں: یہود (کا مذہب) کسی بنیاد پر استوار نہیں، حالانکہ وہ (یہود و نصاریٰ) کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اس طرح کی بات جاہلوں نے بھی کہی، پس اللہ بروز قیامت ان کے درمیان اس معاملے میں فیصلہ کرے گا جس میں یہ اختلاف کرتے تھے۔☆ ﴿۱۱۳﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مساجد میں اس کا نام لینے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے؟ ان لوگوں کو مساجد میں داخل ہونے کا حق نہیں مگر خوف کے ساتھ، ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔☆ ﴿۱۱۴﴾ اور مشرق ہو یا مغرب، دونوں اللہ ہی کے ہیں، پس جدھر بھی رخ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے، بے شک اللہ (سب چیزوں کا) احاطہ رکھنے والا، بڑا علم والا ہے۔☆ ﴿۱۱۵﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے، پاک ہے وہ ذات (ایسی باتوں سے) بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ سب اس کی

---

آگے بڑھانے کے لیے آئے تھے۔ لیکن یہودی حضرت مسیح ؑ کو نہیں مانتے، بلکہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح آنے والے ہیں، جو بنی اسرائیل کو ملک و سلطنت واپس دلائیں گے۔ ادھر نصاریٰ کا بھی یہی نظریہ ہے کہ یہودیوں کا دین بے بنیاد ہے، حالانکہ یہ بھی انجیل کی تلاوت کرتے ہیں۔ کتاب اور علم سے محروم ناخواندہ افراد کا بھی یہی حال ہے۔ آیت میں بت پرست اور جاہل افراد کی طرف اشارہ ہے، جن کا کہنا ہے کہ تمام ادیان بے بنیاد ہیں۔

۱۱۴۔ جو عبد اور معبود کے درمیان حائل ہو جائے اور بندگان خدا کو ان کے فطری حق سے محروم کر دے، وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ جبکہ اسلام غیر مسلموں کے گرجا گھروں اور عبادت گاہوں کو حالت جنگ میں بھی منہدم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

۱۱۵۔ حضرت امام موسیٰ بن جعفر ؑ سے روایت کی گئی ہے کہ یہ آیت نماز نافلہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اگر انسان سفر میں ہو تو جدھر چاہے رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ (فرائض کے لیے تو قبلہ رخ ہونا لازم ہے)۔

۱۱۶۔۱۱۷۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز اللہ کی تخلیق کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتی، لہٰذا جس وجود کو اللہ کا بیٹا فرض کرو گے وہ اللہ کی مخلوق ہو سکتا ہے بیٹا نہیں۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو حکم دیتا ہے "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے۔

یہاں مادہ پرستوں کا ایک فرسودہ اعتراض ہے کہ عدم، وجود کا منبع کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ عدم کسی چیز کو وجود نہیں دے سکتا، نیستی، ہستی کے

وَالۡاَرۡضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ لَوۡلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوۡ تَاۡتِيۡنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ؕ تَشَابَهَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ

ملکیت ہے، سب اس کے تابع فرمان ہیں۔☆ ﴿۱۱۶﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے: ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔☆ ﴿۱۱۷﴾ اور بے علم لوگ کہتے ہیں: اللہ ہم سے ہمکلام کیوں نہیں ہوتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ ان سے پہلے لوگ بھی اسی طرح کی بات کر چکے ہیں، ان کے دل ایک جیسے ہو گئے ہیں، ہم نے تو اہل یقین کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کی ہیں۔☆ ﴿۱۱۸﴾ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے اہل دوزخ کے بارے میں کوئی پرسش نہیں ہوگی۔ ﴿۱۱۹﴾ اور آپ سے یہود و نصاریٰ اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ بن جائیں، کہہ دیجیے: یقینا اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا ہے، اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کے لیے اللہ کی طرف سے نہ کوئی کارساز ہو

لیے بنیاد نہیں بن سکتی۔ "عدم سے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عدم وجود کے لیے خام مال کی حیثیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مادے کو وجود دینے والا خود مادے سے، بلکہ زمان و مکان سے بھی ماوراء ہے۔ ایک لامحدود ذات مادے کی موجد ہے۔ کیونکہ حد، مادے کا حصہ ہے۔ کُن ارادۂ الٰہی کی تعبیر ہے، ورنہ خداوند عالم خلق و ایجاد کے لیے کاف و نون کا محتاج نہیں ہے کہ کُن کا مخاطب تلاش کرے۔

۱۱۸۔ رسول کریم ﷺ کا ہر عمل اور ہر حکم معجزہ ہے اور ان کی سیرت و کردار کا ہر حصہ اللہ کی نشانی ہے۔ اس کے علاوہ رسول کریم ﷺ کے ہاتھوں بے شمار معجزات صادر ہوتے رہے ہیں، جنہیں دیکھنے کے لیے چشم بینا اور سمجھنے کے لیے عقل و ہوش کی ضرورت ہے۔

۱۲۰۔ وہ صرف اس صورت میں خوش ہوں گے کہ رسول ﷺ اپنا مشن ترک کر کے ان کی ملت یعنی خواہش پرستی میں شامل ہو جائیں اور ایک امت مسلمہ اور امت قرآن کو وجود میں لا کر ان کے لیے ایک دائمی مسئلہ پیدا نہ کریں۔

ہماری معاصر تاریخ میں رونما ہونے والے یہودی اور صلیبی جرائم اس آیت کی صداقت پر شاہد ہیں۔

۱۲۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: حق تلاوت ادا کرنے والے لوگ وہ ہیں جو آیات کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں اور انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس کے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اس کی تنبیہوں سے خائف رہتے ہیں۔ اس کے قصوں سے عبرت

وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٢٠﴾ اَلَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُونَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿١٢١﴾ يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿١٢٢﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ ﴿١٢٤﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

گا اور نہ مددگار۔☆ ﴿١٢١﴾ جنہیں ہم نے کتاب عنایت کی ہے (اور) وہ اس کا حق تلاوت ادا کرتے ہیں، وہی لوگ اس (قرآن) پر ایمان لائیں گے اور جو اس سے کفر اختیار کرے گا پس وہی گھاٹے میں ہے۔☆ ﴿١٢٢﴾ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی ہے اور یہ کہ میں نے تمہیں اہل عالم پر فضیلت دی ہے۔ ﴿١٢٣﴾ اور اس روز سے ڈرو جب نہ کوئی کسی کے کچھ کام آئے گا، نہ اس سے معاوضہ قبول ہوگا، نہ شفاعت اسے فائدہ پہنچا سکے گی اور نہ ہی انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔ ﴿١٢٤﴾ اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات سے آزمایا اور انہوں نے انہیں پورا کر دکھایا، ارشاد ہوا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں، انہوں نے کہا: اور میری اولاد سے بھی؟ ارشاد ہوا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔☆ ﴿١٢٥﴾ اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو مرجع خلائق اور مقام امن قرار دیا اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناؤ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل پر یہ ذمے

حاصل کرتے ہیں اس کے اوامر کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے نواہی سے باز رہتے ہیں۔ (ارشاد القلوب ١:٧٨)

١٢٤۔ الٰہی دعوت کے بانی، ارتقائی سفر کے میر کارواں، تحریکِ جہاد کے اولین قائد، بیت اللہ کے معمار، اللہ کی راہ میں پہلے مہاجر اور تاریخ انسانیت کے عظیم بت شکن ابو الانبیاء حضرت ابراہیم ؑ کا ذکر ہے۔

آپ تین بڑے پیشواؤں حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ ؑ اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں۔ قدیم کلدانی سلطنت بابل اور موجودہ عراق کے ایک شہر اور میں پیدا ہوئے۔ آپ ؑ نے اپنے فرزندوں کے ذریعے دنیا میں دعوت توحید کے دو مراکز قائم کیے۔ ایک مکہ میں اور دوسرا فلسطین میں۔ حضرت اسماعیل ؑ کو مکہ اور حضرت اسحاق ؑ کو فلسطین میں متعین فرمایا۔ قریش حضرت اسماعیل ؑ کی اولاد ہیں اور بنی اسرائیل حضرت اسحاق ؑ کی۔

یہودیوں کی بدعہدی اور ناشکری، منصب امامت کو ظالموں سے دور رکھنا، بیت اللہ کی تعمیر، اسے پاکیزہ رکھنے کی ذمہ داری سونپنا، تبدیلی قبلہ، نسل اسماعیل ؑ کے لیے دعا، یہ سب کچھ بتاتا ہے کہ انسانیت کی امامت کے لیے نسل اسرائیل کی جگہ اولاد اسماعیل کو منتخب کر لیا گیا ہے۔

اللہ کا فضل و کرم اندھی بانٹ نہیں، بلکہ استحقاق اور اہلیت کی بناء پر ہے اور استحقاق پرکھنے کے لیے امتحان اور میدان عمل ضروری ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے: لوگوں کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں: ☆ وہ لوگ جو ساری زندگی ظالم رہے ہوں۔ ☆ جو آخری عمر میں ظالم رہے ہوں۔ ☆ جو ابتدائی زندگی میں ظالم رہے ہوں۔ ☆ جو زندگی میں کبھی ظالم نہ رہے ہوں۔ حضرت ابراہیم ؑ کی شان

مُصَلًّی ؕ وَ عَہِدۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ اَنۡ
طَہِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡعٰکِفِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ
السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾ وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ
ہٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارۡزُقۡ اَہۡلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ
مَنۡ اٰمَنَ مِنۡہُمۡ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ قَالَ
وَ مَنۡ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّہٗۤ اِلٰی
عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۲۶﴾ وَ اِذۡ
یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ
وَ اِسۡمٰعِیۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ
السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا
مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً
لَّکَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَ تُبۡ عَلَیۡنَا ۚ اِنَّکَ
اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ

داری عائد کی کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔☆ ﴿۱۲۶﴾ اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ابراہیم نے دعا کی: اے رب! اسے امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائیں انہیں ثمرات میں سے رزق عنایت فرما، ارشاد ہوا: جو کفر اختیار کریں گے انہیں بھی کچھ دن (دنیا کی) لذتوں سے بہرہ مند ہونے کی مہلت دوں گا، پھر انہیں عذاب جہنم کی طرف دھکیل دوں گا اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔☆ ﴿۱۲۷﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم و اسماعیل اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، (دعا کر رہے تھے کہ) اے ہمارے رب! ہم سے (یہ عمل) قبول فرما، یقینا تو خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿۱۲۸﴾ اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت سے اپنی ایک فرمانبردار امت پیدا کر اور ہمیں ہماری عبادت کی حقیقت سے آگاہ فرما اور ہماری توبہ قبول فرما، یقینا تو بڑا توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۲۹﴾ اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول انہی میں سے

---

اس سے بالاتر ہے کہ وہ پہلی اور دوسری قسم کے لوگوں کے لیے امامت کی خواہش کرتے۔ باقی دو قسمیں رہ جاتی ہیں، جن میں سے ایک کے لیے امامت کی نفی کی ہے۔ بنا برایں چوتھی قسم کے لیے امامت ثابت ہو جاتی ہے اور ساتھ عصمت بھی۔

۱۲۵۔ خانہ کعبہ کو اللہ نے نزول وحی کا مہبط، تحریک ابراہیمی و انقلاب محمدی کا مرکز، عبادت و خشوع کے لیے قبلۂ عالم، حج کی انجام دہی کے لیے مقدس اور امن و آشتی کا گہوارہ بنایا۔ "مقام ابراہیم" وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم ؑ کے قدموں کے آثار موجود ہیں۔

۱۲۷۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور اس کے دو عظیم معماروں کا ذکر ہے۔ چند مربع گز کے ایک گھر کی نہیں، ایک تاریخ کی تعمیر کا تذکرہ ہے، دیوار کی نہیں بلکہ امت کی بنیاد رکھنے کا بیان ہے۔

اس گھر کی دیواروں کو وہی اہمیت حاصل ہے جو اس وقت اور اس کی تاریخ کو حاصل ہے۔ اس گھر کے معمار اول حضرت آدم ؑ ہیں۔ ان کے بعد حضرت ابراہیم و اسماعیل ؑ نے تعمیر نو کی۔ ہجرت سے دو صدی قبل قصی بن کلاب نے تعمیر نو کی۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پانچ سال قبل ایک سیلاب سے کعبہ کی عمارت منہدم ہو گئی تو عرب قبائل نے مل کر تعمیر کی اور حضور ﷺ کے فیصلے کے مطابق حجر اسود کو تمام قبائل نے ایک چادر میں رکھ کر اٹھایا اور خود آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کی جگہ نصب فرمایا۔ عبداللہ بن زبیر نے جب مکہ پر حکومت قائم کی تو یزید کے لشکر نے کعبہ پر منجنیق سے حملہ کیا اور اسے منہدم کر دیا۔ اس حملے میں غلاف کعبہ بھی جل گیا تھا۔

۱۲۸۔ اسلام کے مختلف درجات و مراتب ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان اسلام کا کلمہ اپنی زبان پر جاری کرے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے۔ اب اس کا مال و جان محترم ہیں۔ مگر اسلام کے کامل

فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۲۹﴾ وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ؕ﴿۱۳۲﴾ اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا

ع ۱۵

مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات سنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں (ہر قسم کے رذائل سے) پاک کرے، بے شک تو بڑا غالب آنے والا، حکیم ہے۔☆ (۱۳۰) اور ملت ابراہیم سے اب کون انحراف کرے گا سوائے اس شخص کے جس نے اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کیا، ابراہیم کو تو ہم نے دنیا میں برگزیدہ بنایا اور آخرت میں ان کا شمار صالحین میں ہوگا۔☆ (۱۳۱) (ابراہیم کا یہ حال بھی قابل ذکر ہے کہ) جب ان کے رب نے ان سے کہا: (اپنے آپ کو اللہ کے) حوالے کردو، وہ بولے: میں نے اپنے آپ کو رب العالمین کے حوالے کر دیا۔ (۱۳۲) اور ابراہیم نے اپنی اولاد کو اسی ملت پر چلنے کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنی اولاد کو یہی وصیت کی) کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے، لہٰذا تم تادم مرگ مسلم ہی رہو۔ (۱۳۳) کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا؟ اس وقت انہوں نے اپنے بچوں سے کہا: میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟ سب نے کہا: ہم اس معبود کی بندگی کریں گے جو آپ کا اور آپ کے آباء و اجداد

ترین درجے تک رسائی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے اولوالعزم اور رسول بھی دست دعا بلند کرتے ہیں۔

۱۲۹۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: انا دعوۃ ابی ابراھیم۔ "میں اپنے پدر بزرگوار ابراہیم علیہ السلام کی دعا (کا نتیجہ) ہوں"۔

۱۳۰۔ دین ابراہیمی علیہ السلام سے انحراف کو بیوقوفی قرار دینا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام عقل و منطق کا دین ہے۔ انسان کے لیے سب سے بڑا خدائی اعزاز، اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کی صف میں شامل ہونا ہے۔

۱۳۳۔ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ: میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو ان کی زندگی کے بعد خطرہ لاحق رہا ہے۔ فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ۔ (۱۹: ۵۹) یعنی پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو کھو دیا اور خواہشات کی پیروی کی۔

۱۳۴۔ تمہارے اسلاف کتنے ہی مقرب بارگاہ کیوں نہ ہوں، ان پر فخر و مباہات کرنا لاحاصل ہے۔ اگر وہ صالحین میں سے تھے تو یہ فخر صرف انہیں حاصل تھا، جب کہ تمہیں اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔ لہٰذا یہ نظریہ غیر منطقی ہے کہ بزرگ اسلاف کی عبادتوں کا صلہ تمہیں مل جائے گا۔ تم یہ امید نہ رکھو، تم سے ہرگز یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے اسلاف کیا کرتے تھے۔

۱۳۵۔ ملت ابراہیم علیہ السلام، تعلیم ابراہیم علیہ السلام، دعائے ابراہیم علیہ السلام اور وصیت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کے بعد یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ کتنا بے اساس اور بے معنی لگتا ہے کہ یہودیت یا نصرانیت ہی ہدایت کے دو راستے ہو سکتے ہیں۔ کتنا فرق ہے، ملت ابراہیم علیہ السلام اور یہودیت و مسیحیت میں اور کس قدر فرق ہے، دین توحید اور دین شرک میں۔ ابراہیم علیہ السلام موحد بلکہ تحریک توحید کے بانی تھے۔

۱۳۶۔ لَا نُفَرِّقُ: انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان کے لیے کسی نسلی تعصب کی گنجائش نہیں ہے۔ یہود نسلی تعصب کی

وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٣﴾ تِلْكَ
اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا
كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٤﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى
تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٣٥﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا
بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ
اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ فَاِنْ
اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ
وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا معبود ہے جو یکتا معبود اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔ ☆ ﴿١٣٤﴾ یہ گزشتہ امت کی بات ہے، ان کے اعمال ان کے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم لوگوں سے (گزشتہ امتوں کے بارے میں) نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔ ☆ ﴿١٣٥﴾ وہ لوگ کہتے ہیں: یہودی یا نصرانی بنو تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے، ان سے کہد یجیے: (نہیں) بلکہ یکسوئی سے ملت ابراہیمی کی پیروی کرو اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ☆ ﴿١٣٦﴾ (مسلمانو!) کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا اور جو موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا اور جو انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا (ان سب پر ایمان لائے) ہم ان میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم صرف اسی کے فرمانبردار ہیں۔ ☆ ﴿١٣٧﴾ اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پر ہیں اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہ صرف مخالفت کے درپے ہیں، ان کے

کی بناء پر حضرت اسماعیل ؑ کی نسل کے رسول برحق ﷺ پر ایمان نہیں لائے، لیکن نسل پرستی پر مبنی ان کے اس عقیدے کے مقابلے میں مسلمان، انبیاء علیہم السلام کے بارے میں نسل، زبان، رنگ وغیرہ کی بنیاد پر کسی تفریق کے قائل نہیں ہیں۔ وہ حضرت آدم ؑ سے لے کر محمد مصطفی ﷺ تک سب کو اللہ کے نمائندے مانتے ہیں۔ اگر ہمارے رسول ﷺ نسل اسماعیل ؑ سے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم حضرت اسحاق ؑ کے خلاف ہیں۔ جس طرح یہود نے حضرت اسماعیل ؑ اور ان کی اولاد کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے۔

١٣٨۔ جس طرح اجسام کے رنگ ہوتے ہیں، جن کی مدد سے وہ جانے اور پہچانے جاتے ہیں، اسی طرح نفوس اور ارواح کے بھی رنگ ہوتے ہیں۔ کفر و شرک سے روح، سیاہ اور مکدر ہو جاتی ہے۔ جب کہ توحید و نبوت پر ایمان لانے سے روح میں زندگی کا حقیقی اور الٰہی رنگ نکھر آتا ہے اور اللہ نے اسے فطرت کے جس صاف و شفاف رنگ میں خلق کیا ہے، وہ اجاگر ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں نصاریٰ کے عقیدۂ تعمید، بپتسما کی طرف اشارہ ہے۔ ان کا یہ رواج تھا کہ جب بھی ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا یا کوئی شخص ان کا مذہب اختیار کرتا تو اسے غسل دیتے تھے۔ اسے وہ صبغۃ کہتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اس نے زندگی کا نیا رنگ اختیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "زندگی کا بہترین رنگ، خدائی فطری رنگ ہے" اور اس عقیدے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے: وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔

١٣٩۔ یہودی، نصرانی اور مسلمان ایک ہی خدا کو مانتے ہیں۔ لیکن یہود و نصاریٰ نے اللہ کے بارے میں نزاع کیا اور کہا کہ اللہ صرف ہمارا رب ہے اور ہم اس کی برگزیدہ مخلوق ہیں۔ قرآن اس دعوے کو باطل گردانتا ہے اور اس مخاصمت کو بیہودہ قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ خود ساختہ نزاع لاحاصل ہے۔ خدا کسی مخصوص گروہ کا نہیں، بلکہ سب کا رب

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ
مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عٰبِدُونَ ﴿١٣٨﴾
قُلْ أَتُحَآجُّونَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ
وَلَنَآ أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ
لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٩﴾ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرٰهِمَ
وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ
كَانُوا هُودًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَأَنْتُمْ
أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ
شَهٰدَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغٰفِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ
لَا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ ع

مقابلے میں تمہارے (حمایت کے) لیے اللہ کافی ہوگا اور وہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔ (۱۳۸) خدائی رنگ اختیار کرو، اللہ کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوسکتا ہے؟ اور ہم صرف اسی کے عبادت گزار ہیں۔☆ (۱۳۹) کہد یجیے: کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے مخاصمت کرتے ہو؟ حالانکہ ہمارا اور تمہارا رب وہی ہے اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال اور ہم تو اسی کے لیے مخلص ہیں۔☆ (۱۴۰) کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ پوچھیے: کیا تم بہتر جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جس کے ذمے اللہ کی طرف سے گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے؟ اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر تو نہیں ہے۔☆ (۱۴۱) یہ امت گزر چکی ہے، ان کے اعمال ان کے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے اور تم سے (گزشتہ امتوں کے بارے میں) نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔☆

---

ہے۔ البتہ ہر گروہ اپنے اپنے اعمال کیلئے جوابدہ ہے۔

۱۴۰۔ توریت میں اس بات کی وضاحت موجود تھی کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ذریت کا مذہب کیا تھا؟ اور ان لوگوں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے اس بات کی شہادت دیں گے، لیکن انہوں نے اس حقیقت کو چھپا کر ایک بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا۔

۱۴۱۔ اسلاف کے اعمال سے امیدیں وابستہ رکھنے اور خود بدعمل ہونے کی یہ روش اتنی عام تھی کہ آیت ۱۳۴ کے بعد دوسری مرتبہ پھر تاکید کے ساتھ وہی مطلب بیان فرمایا گیا ہے۔

۱۴۲۔ قبلہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کسی خاص سمت میں ہے، بلکہ اس سے مراد کسی نظریے اور نظام کی وہ مخصوص علامت ہے جس سے اس کی عظمت اور تاریخ وابستہ ہے۔ جب زمامِ امامت اولادِ اسحاق کے پاس تھی تو یہ رمز اور علامت بیت المقدس کے ساتھ وابستہ تھی، لیکن اب نسل اسماعیل کی لازوال عظمتیں خانہ کعبہ کے ساتھ وابستہ ہیں: ☆ کعبہ وہ پہلا گھر ہے جو عبادت کے لیے بنایا گیا۔ ☆ جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے نزول فرمایا اور یہاں سے نسل انسانی اور دعوت الٰہی کا آغاز ہوا۔ ☆ جہاں مقامِ ابراہیم علیہ السلام و خانہ اسماعیل علیہ السلام ہے۔ ☆ جس کی طرف حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ہجرت کی۔ ☆ جہاں سے حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہجرت کی۔ ☆ جہاں تاریخ کی عظیم قربانی پیش کی گئی۔ ☆ جہاں تاریخ کی سب سے بڑی بت شکنی ہوئی۔ ☆ جہاں سے دعوت اسلام کی ابتداء ہوئی۔ ☆ جہاں پر اسلام کی عظیم فتح (فتح مکہ) کا واقعہ پیش آیا۔ ☆ جہاں ابراہیم علیہ السلام کے ایک عظیم فرزند علی ابن ابی طالب علیہ السلام پیدا ہوئے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ
عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ
لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ
يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَ كَذٰلِكَ
جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ
شَهِيْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ
عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ
يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً
اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ
اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ
وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً

﴿۱۴۲﴾ لوگوں میں سے کم عقل لوگ ضرور کہیں گے: جس قبلے کی طرف یہ رخ کرتے تھے اس سے انہیں کس چیز نے پھیر دیا؟ (اے رسول ان سے) کہد یجیے: مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست کی ہدایت فرماتا ہے۔☆ ﴿۱۴۳﴾ اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنا دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں اور آپ پہلے جس قبلے کی طرف رخ کرتے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا تاکہ ہم رسول کی اتباع کرنے والوں کو الٹا پھر جانے والوں سے پہچان لیں اور یہ حکم اگرچہ سخت دشوار تھا مگر اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے (اس میں کوئی دشواری نہیں) اور اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا، اللہ تو لوگوں کے حق میں یقیناً بڑا مہربان، رحیم ہے۔☆ ﴿۱۴۴﴾ ہم آپ کو بار بار آسمان کی طرف منہ کرتے دیکھ رہے ہیں، سو اب ہم آپ کو

۱۴۲۔ قبلہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کسی خاص سمت میں ہے، بلکہ اس سے مراد کسی نظریے اور نظام کی وہ مخصوص علامت ہے جس سے اس کی عظمت اور تاریخ وابستہ ہے۔ جب زمام امامت اولاد اسحاق کے پاس تھی تو یہ رمز اور علامت بیت المقدس کے ساتھ وابستہ تھی، لیکن اب نسل اسماعیلؑ کی لازوال عظمتیں خانہ کعبہ کے ساتھ وابستہ ہیں: ☆ کعبہ وہ پہلا گھر ہے جو عبادت کے لیے بنایا گیا۔ ☆ جہاں حضرت آدمؑ نے نزول فرمایا اور یہاں سے نسل انسانی اور دعوت الٰہی کا آغاز ہوا۔ ☆ جہاں مقام ابراہیمؑ و خانہ اسماعیلؑ ہے۔ ☆ جس کی طرف حضرت اسماعیلؑ نے ہجرت کی۔ ☆ جہاں سے حضرت رسولؐ نے ہجرت کی۔ ☆ جہاں تاریخ کی عظیم قربانی پیش کی گئی۔ ☆ جہاں تاریخ کی سب سے بڑی بت شکنی ہوئی۔ ☆ جہاں سے دعوت اسلام کی ابتداء ہوئی۔ ☆ جہاں پر اسلام کی عظیم فتح (فتح مکہ) کا واقعہ پیش آیا۔ ☆ جہاں ابراہیمؑ کے ایک عظیم فرزند علی ابن ابی طالبؑ پیدا ہوئے۔

۱۴۳ تا ۱۴۵۔ یہ درحقیقت ایک گروہ کی امامت کا اعلان ہے جو رسولؐ اور لوگوں کے درمیان امت وسط کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ: ☆ آیت کا تسلسل امامت کی منتقلی کے بارے میں ہے۔ ☆ امت وسط کو لوگوں کے اعمال کا شاہد بنایا گیا

تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وقف لازم اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ نصف المنزل

اسی قبلے کی طرف پھیر دیتے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں، اب آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کریں اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اس کی طرف رخ کرو اور اہل کتاب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق پر مبنی (فیصلہ) ہے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔☆ ﴿۱۴۴﴾ اور اگر آپ اہل کتاب کے سامنے ہر قسم کی نشانی لے آئیں پھر بھی یہ لوگ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلے کی اتباع کرنے والے ہیں اور نہ ان میں سے کوئی دوسرے کے قبلے کی اتباع کرنے پر تیار ہے اور (پھر بات یہ ہے کہ) آپ کے پاس جو علم آچکا ہے اس کے بعد بھی اگر آپ لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے لگیں تو آپ زیادتی کرنے والوں میں ہوں گے۔☆ ﴿۱۴۵﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (رسول) کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ

---

ہے، لہٰذا گواہ کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے اعمال کے ساتھ اس کا ایک تعلق موجود ہو، جس طرح اعضاء و جوارح قیامت کے دن انسانی اعمال پر گواہی دیں گے۔ ☆ قیامت کے دن حساب و مواخذہ اور گواہی، حقائق پر مبنی ہوگی، دنیا کی طرح ظاہری نہ ہوگی۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ آخرت میں جب لوگوں سے حساب لیا جائے گا تو رسول اس امت وسط پر گواہی دیں گے۔ اس کے بعد رسول ﷺ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے دیگر لوگوں پر امت وسط گواہی دے گی۔

حضرت امام محمد باقر ؑ کا ارشاد ہے: و لا یکون الشهداء علی الناس الا الائمة و الرسل۔ لوگوں پر گواہ صرف ائمہ اور انبیاء ہو سکتے ہیں۔

تحویل قبلہ سے یہ دیکھنا بھی مقصود تھا کہ کون قومی تعصبات اور گروہی ترجیحات کے پرستار ہیں، کون قبلے کو آبائی اور قبائلی اعتبار سے قبول کرتے ہیں اور کون ہیں جو قبلے کو الٰہی سمجھ کر مان لیتے ہیں۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ۔۔۔: اس سوال کا جواب ہے کہ قبلہ اگر کعبہ ہے تو بیت المقدس کی طرف پڑھی جانے والی نمازوں کا کیا ہوگا؟ اس آیت میں نماز کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت امام جعفر صادق ؑ سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اَلۡاِیۡمَانُ عَمَلٌ کُلُّهٗ۔ (الکافی ۲: ۳۳) ایمان پورے عمل سے عبارت ہے۔ پھر آپ ؑ

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا
يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ
لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ
مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ
لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ
وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپا رہا ہے۔☆ ﴿۱۴۷﴾ حق صرف وہی ہے جو آپ کے رب کی طرف سے ہو، لہٰذا آپ شک و تردد کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔ ﴿۱۴۸﴾ اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے، پس تم لوگ نیکیوں کی طرف سبقت کرو، تم جہاں کہیں بھی ہوں گے اللہ (ایک دن) تم سب کو حاضر کرے گا، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔☆ ﴿۱۴۹﴾ اور آپ جہاں کہیں بھی نکلیں اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف موڑیں، کیونکہ یہ آپ کے رب کا برحق فیصلہ ہے اور اللہ تم لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔ ﴿۱۵۰﴾ اور آپ جہاں کہیں سے بھی نکلیں اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف موڑیں اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنا رخ اسی (کعبے) کی طرف کرو تاکہ ان میں سے ظالموں کے علاوہ لوگوں کو تمہارے خلاف کوئی حجت نہ ملے، لہٰذا تم ان سے

---

نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

رسول کریم ﷺ کو قبلہ کی تبدیلی کا انتظار تھا۔ اہل کتاب بھی جانتے تھے کہ آنے والے رسول دو قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے اور امامت کی منتقلی کا لازمہ بھی یہی ہے کہ قبلہ تبدیل کر دیا جائے۔ ادھر یہودیوں کا یہ طعنہ کہ تم ہمارے قبلے کی طرف رخ کرتے ہو، گراں گزر رہا تھا۔ چنانچہ اللہ نے اپنے حبیب کو ان کی پسند کا قبلہ عنایت فرمایا۔

۱۴۶۔ اہل کتاب اپنی کتب میں رسول آخر الزمان ﷺ کے تمام اوصاف پڑھ چکے تھے۔ چنانچہ اہل کتاب کا پڑھا لکھا شخص پہلی نظر میں ہی آپ ﷺ کو پہچان لیتا تھا، جس طرح اپنی اولاد کو پہچاننے میں انسان کو دشواری نہیں ہوتی۔ کیونکہ اولاد کی پہچان کا تعلق صرف مشاہدات سے نہیں ہوتا بلکہ قلبی تعلق اور محبت اس پہچان کے اہم عنصر ہیں جن کی وجہ سے باپ دور سے اپنی اولاد کی خوشبو سونگھ لیتا ہے اور بیٹے کی قمیص سے چشم پدر میں روشنی لوٹ آتی ہے۔

۱۴۸۔ شیعہ امامیہ کی متعدد روایات میں وارد ہوا ہے کہ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا سے مراد حضرت امام مہدی علیہ السلام کے انصار ہیں۔ علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: اَنَّهٗ مِنَ التَّطْبِيْقِ وَ الْجَرْيِ۔ یہ آیت امام مہدی علیہ السلام کے انصار پر بھی قابل تطبیق ہے۔ مراد اور تطبیق میں نمایاں فرق ہوتا ہے اور ہم نے مقدمے میں تطبیق کی وضاحت بیان کی ہے۔

تَهۡتَدُوۡنَ ۙ﴿۱۵۰﴾ كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا
مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ
وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ
مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۱۵۱﴾ فَاذۡكُرُوۡنِىۡۤ
اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ﴿۱۵۲﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ
وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۵۳﴾
وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ
اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰكِنۡ
لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ
مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ
الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ
الصّٰبِرِيۡنَ ۙ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ

معانقة ٣

نہیں صرف مجھ ہی سے ڈرو تاکہ میں تم پر اپنی نعمتیں پوری کروں اور شاید تم ہدایت پاؤ۔ (۱۵۱) جیسے ہم نے تمہارے درمیان خود تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہیں پاکیزہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔☆ (۱۵۲) لہٰذا تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔☆ (۱۵۳) اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔☆ (۱۵۴) اور جو لوگ راہ خدا میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر تم (ان کی زندگی کا) ادراک نہیں رکھتے۔☆ (۱۵۵) اور ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک اور جان و مال اور ثمرات (کے نقصانات) سے ضرور آزمائیں گے اور آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔ (۱۵۶) جو مصیبت میں مبتلا

۱۵۱۔ تلاوت (ت ل و) کسی کے پیچھے اس طرح چلنا کہ درمیان میں کوئی غیر حائل نہ ہو۔ لہٰذا تلاوت میں اتباع کا مفہوم مضمر ہے اور بغرض اتباع پڑھنا تلاوت ہے۔
تزکیہ (ز ک و) پاکیزہ بنانا۔ یعنی روحانی ارتقاء کے لیے زمین ہموار کرنا۔ اہلیت اور قابلیت کے بعد تعلیم کا مرحلہ آتا ہے۔
۱۵۲۔ تعلیم کے بعد "ذکر" کا مقام ہے۔ جو شخص مقام "ذکر" پر فائز ہو، وہ اَذۡكُرۡكُمۡ کے مقام پر فائز ہوتا ہے، یعنی اللہ اسے یاد فرماتا ہے اور یہی عبد کی کامیابی ہے۔

۱۵۳۔ واضح ہے کہ ہر انسان کو اپنی زندگی میں قانون خلقت کے تحت بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پھر اسلام جیسی انقلابی تحریک سے وابستہ ایک نظریاتی انسان کو تو اس انسانی اور الٰہی مشن میں گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ ایسے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا سہارا لینے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک: صبر جو انجام سے آگاہی کے ساتھ حاصل ہونے والی ایک روحانی طاقت کا نام ہے
دوسری: انسان کو اقامۂ نماز کے ذریعے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ نماز ایک شخصیت ساز اور انسان ساز تربیتی نظام ہے، جس کی بدولت یہ بے ہمت انسان کائنات کی طاقت کے سرچشمے سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ پس وہ انسان کس قدر عظیم اور طاقتور ہوگا، جس کا بھروسا ذات الٰہی پر ہو۔
۱۵۴۔ مرنے کے بعد اگرچہ ایک نظریے کے مطابق ہر ایک کو ایک قسم کی زندگی ملتی ہے لیکن شہداء کو جو زندگی میسر آتی ہے وہ آثار حیات کے اعتبار سے عام زندگی سے ممتاز ہوتی ہے۔ جس طرح دنیا میں حیات نباتی و حیوانی کے مقابلے میں انسانی حیات کو ممتاز مقام حاصل ہے۔
حیات برزخی میں ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق

مُّصِيبَةٌ ۙ قَالُوٓا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ ۙ أُولَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّٰعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾ إِنَّ

ہونے کی صورت میں کہتے ہیں: ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔☆ ﴿١٥٧﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درود ہیں اور رحمت بھی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔☆ ﴿١٥٨﴾ صفا اور مروہ یقینا اللہ کے شعائر میں سے ہیں، پس جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے، اس کے لیے ان دونوں کا چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں اور جو اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرتا ہے تو یقینا اللہ قدر کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔ ﴿١٥٩﴾ جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم کتاب میں انہیں لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر چکے ہیں، تو ایسے لوگوں پر اللہ اور دیگر لعنت کرنے والے سب لعنت کرتے ہیں۔ ﴿١٦٠﴾ البتہ جو لوگ توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں اور (جو چھپاتے تھے اسے) بیان کر دیں تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا اور میں تو بڑا توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہوں۔ ﴿١٦١﴾ جو لوگ کفر اختیار کرتے ہیں اور اسی حالت

---

حیات ملے گی۔ چنانچہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے: منهم من يزور كل جمعة و منهم من يزور على قدر عمله۔ (الکافی ۳: ۲۳۰) ان میں سے کچھ ہر جمعہ کو ایک دوسرے کی ملاقات کرتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے عمل کے مطابق ایک دوسرے کو مل سکتے ہیں۔

۱۵۶۔ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو جب امتحان گھیر لیتا ہے تو صبر و رضا کے مقام پر فائز انسان کا موقف یہ ہوتا ہے: اِنَّا لِلّٰہِ "ہم اللہ کے لیے ہیں"۔ اس نظریے سے انسان کو آزمائشوں کی منطقی توجیہ میسر آتی ہے کہ وہ فطرت کے ہاتھوں میں محض ایک کھلونا نہیں ہے، بلکہ ایک غفور و رحیم ذات کا عبد ہے جو کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتی۔ لہٰذا یہ مصائب و آلام خود ہمارے ارتقاء کے لیے ہیں۔ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ "اور ہم نے اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے"، ارحم الراحمین کے جوار رحمت میں جانا ہے۔ رجوع الی اللہ کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی چاہے یا نہ چاہے اللہ کی بارگاہ میں اسے حاضر ہونا ہے۔ دوسری رجوع اختیاری ہے، جس کے تحت شہداء اور اولیاء اللہ اپنی مرضی سے خود چل کر مشتاقانہ اللہ کی بارگاہ میں جاتے ہیں۔ ان کے لیے موت شہد سے بھی شیریں ہوتی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اعطيته ثلاث خصال لو اعطيت واحدة منهن ملائكتي لرضوا بها مني۔ میں نے اپنے بندے کو تین چیزیں دی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی میں اپنے فرشتوں کو دیتا تو وہ خوش ہو جاتے۔ پھر فرمایا: ان میں سے ایک یہ ہے کہ مصیبت کے موقع پر کہے: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ (الکافی ۲: ۱۳)

۱۵۷۔ ایک ہمہ گیر آزمائش کے بعد جو لوگ مقام صبر و رضا پر فائز ہوتے ہیں، ان پر ان کے رب کی طرف سے درود ہے۔ یعنی یہ لوگ صلوات اللہ علیہم کے مصداق ہیں۔ ائمہ اہل البیت علیہم السلام

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ
اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ
لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع اِنَّ فِيْ خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ
النَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ
بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ
السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّ
تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ
بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

میں مرجاتے ہیں ان پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ ﴿۱۶۲﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ ﴿۱۶۳﴾ اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس رحمٰن رحیم کے سوا کوئی معبود نہیں۔☆ ﴿۱۶۴﴾ یقیناً آسمانوں اور زمین کی خلقت میں، رات اور دن کے آنے جانے میں، ان کشتیوں میں جو انسانوں کے لیے مفید چیزیں لے کر سمندروں میں چلتی ہیں اور اس پانی میں جسے اللہ نے آسمانوں سے برسایا، پھر اس پانی سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد (دوبارہ) زندگی بخشی اور اس میں ہر قسم کے جانداروں کو پھیلایا، اور ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں عقل سے کام لینے والوں کے لیے نشانیاں

کو کئی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اس بارے میں امام شافعی کی تعبیر نہایت جامع ہے: تزلزلت الدنیا لآل محمد و کادت لھم صم الجبال تذوب "آل محمد کے مصائب نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے، جنہیں دیکھ کر سخت چٹانیں بھی پگھل جائیں"۔ چونکہ یہ ہستیاں اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ کی اوّلین مصداق ہیں، اس لیے ہم ان پر درود بھیجتے ہیں اور ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ "علیہ السلام" لکھتے ہیں۔

۱۶۳۔ الٰہ: معبود کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے۔ اس کی ذات ایک ہے۔ وہ صفات میں بھی ایک ہے۔ اس کی ذات اور صفات میں بھی تعدد نہیں ہے۔ یعنی اس کی حیات، قدرت، علم اور ذات ایک ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ذات خدا اور اس کی صفات دو متعدد چیزیں ہوں۔ صفت اور موصوف الگ ہوں۔ چنانچہ دیگر اشیاء میں ذات، صفات سے الگ اور ان سے متصف ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ذات کا صفات سے اتصاف اس وقت معقول ہے، جب یہ دونوں الگ ہوں۔

۱۶۴۔ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہوا کے درج ذیل فوائد بیان فرماتے ہیں: ☆ حیات بخش ہے ☆ حرارت اور برودت کا اعتدال ☆ آواز کی منتقلی ☆ تنفس کے ذریعے اعضاء کا تحفظ ☆ خوشبو کی منتقلی ☆ بادلوں کی منتقلی ☆ کشتی رانی

يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ
اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا
مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ
وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ
مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ
اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ
بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ
كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ٭ وَّلَا

ہیں۔☆ ﴿۱۶۵﴾ اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا مد مقابل قرار دیتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنی چاہیے اور ایمان والے تو سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں اور کاش یہ ظالم لوگ عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد جو کچھ سمجھنے والے ہیں اب سمجھ لیتے کہ ساری طاقتیں صرف اللہ ہی کی ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں نہایت شدید ہے۔ ﴿۱۶۶﴾ (اس وقت کا خیال کرو) جب راہنما اپنے پیروکاروں سے اظہار برائت کریں گے اور عذاب کا مشاہدہ کریں گے اور تمام تعلقات ٹوٹ کر رہ جائیں گے۔☆ ﴿۱۶۷﴾ اور (دنیا میں) جو لوگ (ان کے) پیروکار تھے وہ کہیں گے: کاش ہمیں ایک بار دنیا میں واپس جانے کا موقع مل جاتا تو ہم بھی ان سے (اسی طرح) اظہار برائت کرتے جس طرح یہ (آج) ہم سے اظہار برائت کر رہے ہیں، اس طرح اللہ ان کے اعمال کو سراپا حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں پائیں گے۔ ﴿۱۶۸﴾ لوگو! زمین میں جو حلال اور

---

☆ درختوں کی باربرداری ☆ کھانے کی چیزوں میں نرمی ☆ آتش سوزی کا ذریعہ ☆ موسم میں خنکی ☆ رطوبت کی تخفیف۔ خلاصہ: موجودات ارضی کے ہوا حیات بخش ہے۔

(توحید مفضل سے اقتباس)

امام ؑ کے فرمان کا ایک جملہ یہ ہے: وھو القابل للحر والبرد "ہوا حرارت اور برودت کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے"۔

سورج کی روشنی کے مضر اثرات زمین کے مخصوص کرۂ ہوائی اوزون کے ذریعے زائل ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ روشنی چھن کر ہم تک پہنچتی ہے، لیکن اس مخصوص کرۂ ہوائی کے دائرے اوزون میں بعض وجوہات کی بنا پر شگاف پڑ جانے کی وجہ سے یہ مضر کرنیں اور شعاعیں براہ راست زمین تک پہنچ رہی ہیں جن کے مہلک اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

۱۶۶۔ ان لوگوں کی بات ہے جنہوں نے حق کو نہیں پہچانا بلکہ شخصیات کی جاہ و جلالت دیکھ کر انہیں حق و باطل کا معیار قرار دیا۔ حضرت علی ؑ نے ایسے لوگوں سے فرمایا: الحق لایعرف بالرجال اعرف الحق تعرف اھلہ۔ حق شخصیات سے نہیں پہچانا جاتا، حق کو پہچان لو پھر تم اہل حق کو بھی پہچان لو گے۔ (روضۃ الواعظین ۱: ۳۱)

۱۶۸۔ اس آیت سے اصل حلّیت ثابت ہوتی ہے کہ

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ
وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ
اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا
عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا
یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ مَثَلُ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا
یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ
عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ
اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ

پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، یقینا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے☆ ﴿۱۶۸﴾ وہ تمہیں برائی اور بے حیائی کا ہی حکم دیتا ہے اور اس بات کا کہ تم اللہ کی طرف وہ باتیں منسوب کرو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے۔☆ ﴿۱۶۹﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے، خواہ ان کے آباء و اجداد نے نہ کچھ عقل سے کام لیا ہو اور نہ ہدایت حاصل کی ہو۔☆ ﴿۱۷۰﴾ اور ان کافروں کی حالت بالکل اس شخص کی سی ہے جو ایسے (جانور) کو پکارے جو بلانے اور پکارنے کے سوا کچھ نہ سن سکے، یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، پس (اسی وجہ سے) یہ لوگ عقل سے بھی عاری ہیں۔ ﴿۱۷۱﴾ اے ایمان والو! اگر تم صرف اللہ کی بندگی کرنے والے ہو تو ہماری عطا کردہ پاک روزی کھاؤ اور اللہ کا شکر کرو۔ ﴿۱۷۲﴾ یقینا اسی نے تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام قرار دیا، پھر جو شخص

زمین میں موجود چیزیں دو شرطوں کے ساتھ انسان کے لیے مباح ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ حلال ہوں، دوسری شرط یہ ہے کہ پاکیزہ ہوں۔

۱۶۹۔ شیطان کی گمراہ کن تحریک کے دو عناصر ہیں: ایک یہ کہ انسان کو بے حیائی کے ارتکاب پر آمادہ کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ بغیر علمی سند کے اللہ کی طرف باتیں منسوب کرے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: إیاک و خصلتین ففیهما هلک من هلک : ان تفتی برأیک و تدین بما لا تعلم (وسائل الشیعہ ۲۷:۲۱)۔ دو باتوں سے اجتناب کیا کرو، ان دو باتوں کی وجہ سے لوگ ہلاکت میں پڑتے رہے ہیں: اپنی ذاتی رائے سے حکم نہ بتایا کرو اور جن چیزوں کا تمہیں علم نہیں ہے انہیں اپنے دین کا حصہ نہ بناؤ۔

۱۷۰۔ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ اس آیت میں اندھی تقلید کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی مذمت کی گئی ہے۔ اندھی تقلید وہ ہے جو عقل و ہدایت پر مبنی نہ ہو۔ اسلام عقل، دلیل اور سند کے بغیر کسی مؤقف کو درست تصور نہیں کرتا۔ اس لیے یہ کہنا نہایت ناانصافی ہے کہ مذہب اندھی تقلید کا نام ہے۔ بعض لوگوں کے خیال میں انسانی زندگی چار ادوار پر مشتمل ہے۔ داستانی، مذہبی، فلسفی اور سائنسی۔ مذہب دوسرے دور سے مربوط ہے۔ لیکن یہ نظریہ درست نہیں، کیونکہ دین فلسفے سے پہلے دور کی پیداوار نہیں ہے بلکہ دین ابراہیمی سے پہلے ہندوستان، مصر اور کلدان میں فلسفہ رائج تھا۔ فروعی مسائل میں ماہر فقہ کی طرف رجوع کرنے کو بھی تقلید کہتے ہیں۔ مگر یہ بغیر دلیل و سند کے اندھی تقلید نہیں ہے، بلکہ یہ عقل و ہدایت کے ذریعے مذہب کو قبول کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے کا ایک معقول

الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ
يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا
يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ
اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا
الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ
فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع
لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ

مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ بغاوت کرنے اور ضرورت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۷۳﴾ جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے عوض میں حقیر قیمت حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ بس اپنے پیٹ آتش سے بھر رہے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ایسے لوگوں سے بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔☆ ﴿۱۷۴﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے عوض ضلالت اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید لیا ہے، (تعجب کی بات ہے کہ) آتش جہنم کے عذاب کے لیے ان میں کتنی برداشت ہے۔☆ ﴿۱۷۵﴾ یہ (سزا) اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے کتاب تو حق کے مطابق نازل کی تھی اور جن لوگوں نے کتاب کے بارے میں اختلاف کیا، یقیناً وہ دور دراز کے جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں۔☆ ﴿۱۷۶﴾ نیکی

ذریعہ ہے۔

۱۷۳۔ فقہ جعفری کے مطابق جو جانور ذبح شرعی کے بغیر مر جائے، اس مردار سے ہر قسم کا استفادہ حرام ہے۔ چنانچہ اس کا چمڑا دباغت کے ذریعے پاک اور جائز الاستفادہ نہیں ہوتا، جب کہ دوسرے مذاہب میں پاک و جائز ہوتا ہے۔

۱۷۴۔ جو لوگ حقیر دنیاوی مفادات کی خاطر احکام خداوندی کو درست بیان نہیں کرتے، دراصل وہ اپنے شکم کو آگ سے بھر رہے ہیں۔ یہ آیت تجسم اعمال پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی انسان اس دنیا میں جو بھی عمل انجام دیتا ہے، وہ آخرت میں مجسم ہو کر سامنے آئے گا۔ جو لوگ احکام خدا کو چھپا کر دنیا میں مال و دولت کماتے ہیں قیامت کے دن یہی مال آگ کی شکل اختیار کرے گا۔

قیامت کے دن اللہ ایسے لوگوں سے نہ بات کرے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا۔ دنیا میں اللہ سے ہمکلام ہونے کا شرف صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے، لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومنوں سے ہمکلام ہوگا۔ قیامت کے دن سب کو اللہ ہی کے سامنے جوابدہی کے لیے حاضر ہونا ہے اور حساب و کتاب دینا ہے۔

۱۷۵۔ اللہ تعالیٰ ان کی نادانی اور بے عقلی بیان فرماتا ہے کہ یہ لوگ احکام خدا کو بھی جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے چھپانے کا انجام ضلالت اور جہنم ہے۔ اس علم کے باوجود یہ لوگ آتش جہنم میں جانے کے لیے آمادہ ہیں جو مقام تعجب ہے۔

۱۷۶۔ احکام خدا چھپانے والوں کو یہ سزا کیوں دی جا رہی ہے اور ان کے یہ گناہ ناقابل معافی کیوں ہیں؟ آیہ شریفہ میں اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ اللہ نے حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی، ان

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۗ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۗ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ

یہ نہیں ہے کہ تم اپنا رخ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرلو، بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی اللہ، روز قیامت، فرشتوں، کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اپنا پسندیدہ مال قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے نیز جب معاہدہ کریں تو اسے پورا کرنے والے ہوں اور تنگدستی اور مصیبت کے وقت اور میدان جنگ میں صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔☆ ﴿١٧٧﴾ اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، ہاں اگر مقتول کے بھائی کی طرف سے قاتل کو (قصاص کی) کچھ چھوٹ مل جائے تو اچھے پیرائے میں (دیت کا) مطالبہ کیا جائے اور (قاتل کو چاہیے کہ) وہ حسن و خوبی کے ساتھ اسے ادا

لوگوں نے حق کو چھپایا ہے۔ حق پوشیدہ رکھنے کی صورت میں اختلاف اور تفرقہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ ضلالت و گمراہی اور استحقاق عذاب ہے۔ چنانچہ دنیا میں رونما ہونے والے تمام اختلافات اور نفرتوں کے ذمے دار یہی لوگ ہیں۔ اس لیے ان کا یہ جرم قابل معافی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے اس جرم کے آثار آنے والی تمام نسلوں میں جاری رہتے ہیں۔

۱۷۷۔ رسول کریم ﷺ سے مروی ہے: من عمل بهذه الاية فقد استكمل الايمان۔ (بحار الانوار ۶۶: ۳۴۶) جو اس آیت پر عمل کرے اس کا ایمان کامل ہے۔

۱۷۸۔ یہودیوں کے ہاں قصاص ایک لازمی اور ناقابلِ تلافی سزا ہے۔ ملاحظہ ہو خروج ۲۱، ۲۲ عدد ۳۵۔ عیسائی کہتے ہیں: قصاص کی سزا فقط خاص حالات میں دی جا سکتی ہے۔ اسلام نے یہاں عادلانہ اور فراخدلانہ راہ اختیار کی ہے اور تین راہوں میں سے ایک راہ اختیار کرنے کا حق دیا ہے: ☆ قصاص یعنی خون کا بدلہ خون ☆ دیت یعنی خون کا بدلہ مال ☆ معافی یعنی نہ خون نہ دیت۔

۱۷۹۔ جو لوگ قصاص کو جانوں کے تلف کرنے کا اعادہ اور جذبۂ انتقام کا فروغ تصور کرتے ہیں، ان کی نظر میں قصاص صرف قاتل اور مقتول تک محدود ہے جبکہ قصاص کا تعلق پوری انسانیت سے ہے اور اس قانون سے قتل میں کمی واقع ہو جاتی ہے، خواہ قصاص عملاً معاف ہو جائے یا دیت لے لی جائے نیز قصاص اندھا انتقام نہیں بلکہ یہ ایک مہذب

شَیۡءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَدَآءٌ اِلَیۡهِ بِاِحۡسَانٍ ؕ ذٰلِکَ تَخۡفِیۡفٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَرَحۡمَةٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾ کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَکَ خَیۡرَا ۚۖ اۨلۡوَصِیَّةُ لِلۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ حَقًّا عَلَی الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ عَلَی الَّذِیۡنَ یُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَیۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ؕ اِنَّ

کرے، یہ تمہارے رب کی طرف سے ایک قسم کی تخفیف اور مہربانی ہے، پس جو اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا، اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔☆ ﴿۱۷۹﴾ اور اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، امید ہے تم (اس قانون کے سبب) بچتے رہو گے۔☆ ﴿۱۸۰﴾ تمہارے لیے یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ کچھ مال چھوڑے جا رہا ہو تو اسے چاہیے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے مناسب طور پر وصیت کرے، متقی لوگوں پر یہ ایک حق ہے۔☆ ﴿۱۸۱﴾ جو وصیت کو سن لینے کے بعد اسے بدل ڈالے تو اس کا گناہ ان بدلنے والوں پر ہو گا، اللہ یقیناً ہر بات کا خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔ ﴿۱۸۲﴾ البتہ جو شخص یہ خوف محسوس کرے کہ وصیت کرنے والے نے جانبداری یا گناہ کا ارتکاب کیا ہے، پھر وہ آپس میں صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ بڑا بخشنے

قانون ہے۔ چنانچہ مقتول کے وارثین کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود قاتل سے انتقام لیں۔ ورثاء عدالت کی طرف رجوع کریں گے اور اسلامی ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ قانونِ قصاص پر عمل کرائے خواہ مقتول کا کوئی وارث ہو یا نہ ہو۔ چشم جہاں نے دیکھ لیا کہ جس دن سے زندان نے قصاص کی جگہ لی ہے، دنیا میں قتل کی وارداتوں میں اضافہ ہوا ہے نیز دفاع میں جب قتل سے پہلے قتل جائز ہے، قصاص میں قتل کے بعد قتل کیسے جائز نہ ہو گا۔

قصاص پر اعتراض کرنے والی ایک مہذب قوم نے اپنے ایک فرد کا بدلہ دوسری پوری قوم سے لیا۔ وہ لوگ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے تیسری دنیا میں نسل کشی سے باز نہیں آتے، پھر قصاص کو غیر انسانی عمل کہتے ہیں!

۱۸۰۔ تَرَکَ خَیۡرَا سے مراد مال ہے۔ قرآن مجید میں مال کو یہاں خیر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ مال اگرچہ خود مقصد تو نہیں، لیکن اگر کسی نیک مقصد کا ذریعہ بنتا ہو تو اس میں خیر ہی خیر ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے خیر سے مال کثیر مراد لیا ہے۔ چنانچہ ایک ایسے آدمی کو جس کے پاس صرف سات سو درھم تھے آپ علیہ السلام نے وصیت کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا: قَالَ سُبۡحَانَهٗ اِنۡ تَرَکَ خَیۡرَا وَ لَیۡسَ لَکَ کَثِیۡرُ مَالٍ۔ (فقہ القرآن ۲: ۳۰۱) اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ خیر چھوڑ جائے اور تیرے پاس کثیر مال نہیں ہے۔

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى

والا رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۱۸۳﴾ اے ایمان والو! تم پر روزے کا حکم لکھ دیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر لکھ دیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ ﴿۱۸۴﴾ (یہ روزے) گنتی کے چند دن ہیں، پھر اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں مقدار پوری کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرتے ہیں وہ فدیہ دیں جو ایک مسکین کا کھانا ہے، پس جو اپنی خوشی سے نیکی کرے تو اس کے لیے بہتر ہے اور اگر تم سمجھو تو روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے۔☆ ﴿۱۸۵﴾ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ایسے دلائل پر مشتمل ہے جو ہدایت اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والے ہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے وہ روزہ رکھے اور جو بیمار اور مسافر ہو وہ دوسرے دنوں میں مقدار پوری کرے، اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہیں

۱۸۴۔ اَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ: یعنی روزہ رکھنے میں خود تمہاری بہتری ہے۔ اس بہتری کو ہمارے علم کے ساتھ مربوط فرمایا۔ چنانچہ کل کی نسبت آج کا انسان روزے کے طبی، اخلاقی اور نفسیاتی فوائد کو بہتر سمجھ سکتا ہے۔

اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ: گنتی کے چند دن، یعنی ماہ رمضان۔ کیونکہ بارہ مہینوں میں سے ایک ماہ گنتی کے چند دن ہی ہوتے ہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سال میں چند دن یعنی ایک ماہ کے روزے رکھنا کوئی پر مشقت کام نہیں ہے۔

روزے کا حکم بیان فرمانے کے بعد مسافر اور مریض کے لیے فرمایا کہ اگر وہ ان معدود ایام میں روزہ نہ رکھ سکیں تو اس مقدار کو دوسرے دنوں میں پورا کر سکتے ہیں کیونکہ مقررہ دنوں میں نہ سہی لیکن اصل روزہ تو ہر حال میں بجالانا ہوگا۔

۱۸۵۔ فقہ جعفری کے مطابق حالت سفر اور حالت مرض میں روزہ ہوتا ہی نہیں ہے، بعد میں قضا رکھنا ہوگا۔ جو لوگ روزہ رکھنے میں غیر معمولی مشقت محسوس کرتے ہیں وہ فی روزہ فدیہ دیں جو ایک مسکین کا کھانا ہے۔

رمضان، رمض سے مشتق ہے جو سخت تپش کے معنوں میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رمضان کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ ایمان کی تپش سے گناہوں کو جلا دیتا ہے۔

اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا جبکہ عملاً قرآن ۲۳ سالوں میں تدریجاً نازل ہوا ہے۔ اس کی سب سے بڑی

سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫ وَ لِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ وَ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ہَدٰىکُمۡ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾ وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَ لۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ ؕ ہُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّہُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ وَ عَفَا عَنۡکُمۡ ۚ فَالۡـٰٔنَ بَاشِرُوۡہُنَّ وَ ابۡتَغُوۡا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ ۪ وَ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا حَتّٰی

مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا اور وہ چاہتا ہے کہ تم مقدار پوری کرو اور اللہ نے تمہیں جس ہدایت سے نوازا ہے اس پر اللہ کی عظمت و کبریائی کا اظہار کرو شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔☆

(۱۸۶) اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو (کہدیں کہ) میں (ان سے) قریب ہوں، دعا کرنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، پس انہیں بھی چاہیے کہ وہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ راہ راست پر رہیں۔☆

(۱۸۷) اور روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے، وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے پس اللہ نے تم پر عنایت کی اور تم سے درگزر فرمایا، پس اب تم اپنی بیویوں سے مباشرت کرو اور اللہ نے جو تمہارے لیے مقرر فرمایا ہے اسے تلاش

---

وضاحت یہ ہے کہ قرآن قلب رسول پر شب قدر میں نازل ہوا۔ بعد میں بیانِ احکام کے لیے وحی کا انتظار کرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ رمضان میں نزول کے لیے انزل فرمایا جو یکبارگی نزول کے معنوں میں ہے اور ۲۳ سالوں والے نزول کے لیے نزلناہ تنزیلا فرمایا تنزیل تدریجی نزول کے معنوں میں ہے۔ واضح رہے اَنۡزَلَ اور نَزَّلَ کے درمیان یہ فرق ایک نظریہ ہے۔ راقم کا نظریہ نہیں ہے۔

وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ: یہ ایک کلی قانون ہے جس کے تحت ہر وہ عمل جس میں عسر و حرج لازم آئے وہ ارادۂ الٰہی میں شامل نہیں ہے۔ لہٰذا وہ نافذ نہیں ہے۔

۱۸۶۔ وہ مومن کے دل بلکہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے خود انسان کے اپنے نفس کے علاوہ اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ کسی مادی وسیلے کے بغیر اس تک اپنی درخواست پہنچائی جا سکتی ہے۔ اس آیت میں ایک وعدہ ہے اور ایک شرط۔ وعدہ یہ ہے: اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ میں دعا کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں، شرط یہ ہے: اِذَا دَعَانِ جب وہ مجھے پکارے۔ اگر دل و جان سے اللہ کو پکارنے کی شرط پوری کر دی جائے تو اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

احادیث کے مطابق دعا مؤمن کا اسلحہ، عبادت کی روح، کامیابی کی کنجی، بہترین عبادت اور مؤمن کی سپر ہے۔ قبولیت دعا کے لیے معرفت الٰہی، اس کے مطابق عمل، حلال کی کمائی اور حضور قلب ہونا ضروری ہے اور آسائش کے وقت بھی تضرع وزاری

يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ
الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ
اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ
عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ
فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا
اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ
اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ
النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ
مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ
بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ
لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ

کرو اور (راتوں کو) خورد و نوش کرو، یہاں تک کہ تم پر فجر کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے نمایاں ہو جائے، پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور جب تم مساجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان کے قریب نہ جاؤ، اس طرح اللہ اپنی آیات لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔☆ ﴿۱۸۷﴾ اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکام کے پاس پیش کرو تاکہ تمہیں دوسروں کے مال کا کچھ حصہ دانستہ طور پر ناجائز طریقے سے کھانے کا موقع میسر آئے۔☆ ﴿۱۸۸﴾ لوگ آپ سے چاند کے (گھٹنے بڑھنے کے) بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: یہ لوگوں کے لیے اور حج کے اوقات کے تعین کا ذریعہ ہے اور (ساتھ یہ بھی کہہ دیجیے کہ حج کے احرام باندھو تو) پشت خانہ سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی

---

سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔
دعا سے انسان رحمت الٰہی کا مستحق اور اللہ کے ارادے کے لیے اہل بن جاتا ہے، یہاں سے اس کی تقدیر بدل جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: اَلدُّعَاءُ يَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ اِبْرَامًا۔ (المستدرک ۵: ۱۱۶) دعا تقدیر کو اس وقت بھی بدل دیتی ہے جب وہ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئی ہو۔
آداب دعا یہ ہیں کہ پہلے اللہ کی حمد و ثنا پھر محمد و آل محمد پر درود اور اپنے گناہوں کا اعتراف ہونا چاہیے۔

۱۸۷۔ ابتدا میں روزوں کی راتوں میں بیویوں سے مباشرت حرام تھی اور فقط سونے سے پہلے کھانا کھا سکتے تھے۔ اس آیت میں مباشرت اور فجر کی سفید دھاری ظاہر ہونے تک کھانا حلال کر دیا گیا، ساتھ ہی میاں بیوی کا تعلق بیان ہوا۔ دونوں کے لیے تعبیر یکساں ہے کہ باہمی ربط و تعلق زیب و زینت اور تحفظ کے اعتبار سے یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لباس جیسی اہمیت رکھتے ہیں۔

۱۸۸۔ اَمْوَالَكُمْ کی تعبیر سے انفرادی ملکیت ثابت ہوتی ہے، بلکہ اسلام اس انفرادی ملکیت کی حرمت کا قائل ہے۔ حرمة مال المسلم كحرمة دمه (الکافی ۲: ۶۶۶)۔ مال مسلم کو وہی حرمت حاصل ہے جو اس کے خون کو ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: فَاَمَّا الرِّشَا فِي الْحُكْمِ فَهُوَ الْكُفْرُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ (الکافی ۵: ۱۲۷) (عدالتی) فیصلوں میں رشوت لینا خدائے عظیم سے کفر برتنے کے مترادف ہے۔

مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ

تو یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے اور تم (اپنے) گھروں میں دروازوں سے ہی داخل ہوا کرو اور اللہ (کی ناراضگی) سے بچے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔☆ ﴿۱۹۰﴾ اور تم راہ خدا میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ تجاوز کرنے والوں کو یقینا دوست نہیں رکھتا۔☆ ﴿۱۹۱﴾ اور انہیں جہاں کہیں بھی پاؤ قتل کرو اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ برا ہے، ہاں مسجد الحرام کے پاس ان سے اس وقت تک نہ لڑو جب تک وہ وہاں تم سے نہ لڑیں، لیکن اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انہیں مار ڈالو، کافروں کی ایسی ہی سزا ہے۔☆ ﴿۱۹۲﴾ البتہ اگر وہ باز آجائیں تو یقینا اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۹۳﴾ اور تم ان سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے، ہاں اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے علاوہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہوگی۔☆ ﴿۱۹۴﴾ حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت کا مہینہ ہی

۱۸۹۔ چاند آسمان پر آویزاں ایک تقویم ہے جو آسانی سے ہر خواندہ اور ناخواندہ شخص دیکھ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے قمری تقویم قدیم زمانوں سے قابل عمل چلی آ رہی ہے۔ چنانچہ مصری، سومری، یونانی اور دوسری قومیں قمری تقویم پر عمل پیرا تھیں۔ شمسی جنتری ہر شخص کے لیے قابل فہم نہیں ہے۔ چنانچہ یہ تقویم بہت سے مفکرین کی مسلسل کوششوں سے موجودہ شکل میں آ گئی ہے۔

عربوں کی توہم پرستانہ رسوم میں سے ایک یہ تھی کہ حج کے لیے احرام باندھنے کے بعد وہ اپنے گھروں میں دروازے سے داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ پیچھے سے دیوار پھلانگ کر یا گھر کی عقبی کھڑکی سے داخل ہوتے تھے۔ ان اوہام کو ختم کرتے ہوئے قرآن کریم نے نیکی کا حقیقی معیار بیان فرمایا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو۔

۱۹۰۔ مسلمانوں کو پہلی بار یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جو لوگ تمہاری دعوت کے خلاف مسلح مزاحمت کرتے ہیں ان سے مسلح جہاد کرو، جبکہ اس سے پہلے صبر کرنے اور مناسب وقت کے انتظار کی ہدایت کی جاتی تھی۔

۱۹۱۔ فتنے میں قتل بھی کثرت سے ہوتا ہے اور لوگوں سے امن و سکون بھی سلب ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فتنہ پرور لوگ حق کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

۱۹۲۔ ۱۹۳۔ غیر مسلم اگر فتنہ پرور نہ ہو اور اپنے باطل

الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ
قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا
عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَ
اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا
بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ ع
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ
الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى
يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ
مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ
اَمِنْتُمْ ۪ وقفة فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ

ہے اور حرمتوں کا بھی قصاص ہے، لہٰذا جو تم پر زیادتی کرے
تو تم بھی اس پر اسی طرح زیادتی کرو جس طرح اس نے تم پر
زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ
پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔☆ ﴿۱۹۵﴾ اور اللہ کی راہ میں
خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو
اور احسان کیا کرو، اللہ احسان کرنے والوں کو یقیناً پسند کرتا
ہے۔☆ ﴿۱۹۶﴾ اور تم لوگ اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو،
پھر اگر تم لوگ (راستے میں) گھر جاؤ تو جیسی قربانی میسر
آئے کر دو اور جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ نہ جائے اپنا
سر نہ مونڈھو، لیکن اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں
تکلیف ہو تو وہ روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی سے
فدیہ دے دے، پھر جب تمہیں امن مل جائے تو جو شخص حج
کا زمانہ آنے تک عمرے سے بہرہ مند رہا ہو وہ حسب مقدور

نظریات کو لوگوں میں رائج کرنے اور حق کا راستہ روکنے میں کوئی کردار ادا نہ کرے تو اس آیت میں اس کے لیے پیغام امن ہے کہ اگر وہ فتنے سے باز آ جائیں تو ظالموں کے علاوہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔

۱۹۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، حج اور عمرے کے لیے مختص تھے۔ ان مہینوں کو حرمت (تقدس) کے مہینے کہتے ہیں۔ ان چار مہینوں میں جاہلیت کے دور میں بھی لوگ جنگ نہیں کرتے تھے۔ اس آیت میں یہ آیا ہے کہ اگر کفار ان مہینوں کی حرمت کو توڑ دیں اور اس کا تقدس پامال کریں تو مسلمان بھی ان حرمت والے مہینوں میں ان کا مقابلہ کریں کیونکہ حرمتوں کا بھی قصاص ہے۔

۱۹۵۔ مشرکین کے ساتھ جنگ اور راہ خدا میں جہاد کا ایک حصہ مالی جہاد ہے۔ آیہ شریفہ میں اس بات کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اگرچہ مسلمان حق پر ہیں اور رب کی نصرت ان کے ساتھ ہے، لیکن پھر بھی چونکہ اس عالم میں علل و اسباب کا نظام کارفرما ہے، اس لیے جنگ میں کامیابی کے لیے عام علل و اسباب پر بھی تکیہ کرنا ہوگا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنے کے مترادف ہوگا۔ اللہ کے وضع کردہ نظام کے مطابق عمل کرنا ہی احسان ہے۔ جنگ کے موقع پر جنگ کرنا، خرچ کی جگہ مال و دولت کو خرچ کرنا اور اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانا احسان کے مواقع ہیں۔ انفاق اور ہلاکت کے

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ
فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ
اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ
ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ
مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا
رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي
الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ
وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ
اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ
فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

قربانی دے اور جسے قربانی میسر نہ آئے وہ تین روزے ایام
حج میں رکھے اور سات واپسی پر، اس طرح یہ پورے دس
(روزے) ہوئے، یہ (حکم) ان لوگوں کے لیے ہے جن
کے اہل وعیال مسجد الحرام کے نزدیک نہ رہتے ہوں اور اللہ
سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔☆
(١٩٧) حج کے مقررہ مہینے ہیں، پس جو ان میں حج بجالانے کا
فیصلہ کرلے تو پھر حج کے دوران ہم بستری نہ ہو اور نہ فسق و
فجور اور نہ لڑائی جھگڑا ہو اور جو کار خیر تم کرو گے اللہ اسے خوب
جان لے گا اور زادِ راہ لے لیا کرو کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے
اور اے عقل والو! (میری نافرمانی سے) پرہیز کرو۔☆
(١٩٨) تم پر کوئی مضائقہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو،
پھر جب تم عرفات سے چلو تو مشعر الحرام (مزدلفہ) کے پاس
اللہ کو یاد کرو اور اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے

باہمی ربط کا ذکر نہایت قابل توجہ ہے کہ انفاق کو وہی اہمیت حاصل ہے جو زندگی کو ہے اور انفاق سے قومیں زندہ رہتی ہیں۔ انفاق ہی کے ذریعے قوم کی رگوں میں زندگی کی رمق باقی رہتی ہے۔

اس آیت سے خودکشی کی حرمت پر بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے۔

١٩٦۔ یعنی اگر حج کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیش آئے جس کی وجہ سے آگے جانا ممکن نہ ہو تو جو قربانی میسر آئے اسے ذبح کرو۔ قربانی کا مقام حج کے لیے منیٰ اور عمرہ کے لیے مکہ ہے۔

حج ان مناسک سے عبارت ہے جو حضرت ابراہیم ؑ کے عہد سے مکہ میں ادا کیے جاتے ہیں۔ اہل عرب بھی یہی عمل یعنی حج بجالاتے تھے۔ اسلام نے اہل عرب کی بعض خرافات کی تطہیر کے بعد حقیقی حج کو برقرار رکھا۔ حج اسلامی شعائر میں سے ہے بلکہ اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔

جو لوگ دور سے حج کے لیے آتے ہیں وہ ایک ہی سفر میں پہلے عمرہ کے لیے احرام باندھتے ہیں اور اعمال عمرہ بجالانے کے بعد احرام کھولتے ہیں اور احرام سے نکل آتے ہیں، پھر جب حج کے دن آئیں تو دوبارہ احرام باندھتے ہیں اور اعمال حج بجا لاتے ہیں۔ اسے حج تمتع کہتے ہیں۔ جبکہ مکہ کے باشندے حج افراد یا حج قران بجالاتے ہیں انہیں عمرہ کے لیے الگ سفر نہیں کرنا پڑتا۔

١٩٧۔ زمانہ جاہلیت میں حج کے موقع پر بازار لگاتے، ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرتے اور ایک

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا
هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ
الضَّآلِّيْنَ ۝١٩٨ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ
اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٩٩ فَاِذَا قَضَيْتُمْ
مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ
اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ
رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
مِنْ خَلَاقٍ ۝٢٠٠ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ
اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ
(النصف) حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝٢٠١ اُولٰۗىِٕكَ
لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ۝٢٠٢ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ

تمہاری رہنمائی کی ہے، حالانکہ اس سے پہلے تم راہ گم کیے
ہوئے تھے۔☆ (١٩٩) پھر جہاں سے لوگ روانہ ہوتے ہیں
تم بھی روانہ ہو جاؤ اور اللہ سے معافی مانگو، یقینا اللہ بڑا
معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ (٢٠٠) پھر جب تم
حج کے اعمال بجالا چکو تو اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم
اپنے آباواجداد کو یاد کیا کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ، پس
لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے: ہمارے رب! ہمیں
دنیا ہی میں (سب کچھ) دے دے اور ایسے شخص کے لیے
آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔☆ (٢٠١) اور ان میں کچھ لوگ
ایسے ہیں جو کہتے ہیں: ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بہتری
اور آخرت میں بھی بہتری عطا کر نیز ہمیں آتش جہنم سے
بچا۔☆ (٢٠٢) ایسے لوگ اپنی کمائی کا حصہ پائیں گے اور اللہ
بلاتاخیر حساب چکا دینے والا ہے۔ (٢٠٣) اور گنتی کے (ان

دوسرے کو برے القاب سے یاد کرتے تھے۔ اس
طرح حج کی عبادت لڑائی میں بدل جاتی تھی۔
وَتَزَوَّدُوْا: زادراہ مہیا کرو کہ بہترین زادراہ تقویٰ
ہے۔ یعنی اگر حج کے مختصر سفر کے لیے زادراہ کی
ضرورت پیش آتی ہے تو آخرت کے طویل اور
لامحدود سفر کے لیے زادراہ کتنا ضروری ہوگا اور اس
کے لیے بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔

١٩٨۔ ایام جاہلیت میں عربوں نے حج کو ایک تاجرانہ
عمل بنا رکھا تھا۔ وہ ان دنوں بڑے بڑے بازار
لگاتے تھے۔ چنانچہ جب اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا:
فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى تو مسلمانوں کے ذہن میں
اس خیال کا آنا قرین قیاس تھا کہ دنیاوی و مادی
امور کے لیے جدوجہد کرنا اعمال حج کے منافی ہے۔
یہ خیال دور کرنے کے لیے ارشاد ہوا کہ اللہ کا فضل
تلاش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور یہ حج کے
منافی بھی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے ایام حج میں
کسب حلال کا عمل حج کے منافی نہیں بلکہ حج کی
طرح روزی کمانا بھی عبادت ہے۔ واضح رہے کہ
احادیث کے مطابق فضل سے مراد کسب حلال
ہے۔

روانہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں حاجی ٹھہرا ہوا
ہے وہاں سے روانہ ہو۔ چنانچہ عرفات میں وقوف
کرنا حج کے ارکان میں سے ہے۔ "مشعر الحرام
میں اللہ کو یاد کرو" سے مزدلفہ میں وقوف کرنے کا حکم
واضح ہو جاتا ہے۔

١٩٩۔ قریش عرفات تک جانے کو اپنی شان کے منافی
سمجھتے تھے۔ اس آیت میں اس امتیازی تصور کو
مٹانے کیلیے حکم ہوا کہ سب ایک صف میں حج کرو۔

٢٠٠۔ دور جاہلیت میں اعمال حج سے فراغت کے بعد
عرب جلسے منعقد کرتے اور اپنے آباء و اجداد کے

مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَیُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡهَا وَیُهۡلِكَ الۡحَرۡثَ وَالنَّسۡلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِیۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ

چند) دنوں میں اللہ کو یاد کرو، پھر کوئی جلدی کر کے دو ہی دن میں چلا گیا تو کوئی حرج نہیں اور کچھ دیر زیادہ ٹھہرے تو بھی کوئی گناہ نہیں، یہ اس شخص کے لیے ہے جس نے پرہیز کیا ہے اور اللہ کا خوف کرو اور جان لو کہ (ایک دن) اس کے حضور پیش کیے جاؤ گے۔☆ ﴿۲۰۳﴾ اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں آپ کو پسند آئے گی اور جو اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ بنائے گا حالانکہ وہ سخت ترین دشمن ہے۔☆ ﴿۲۰۵﴾ اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو سرتوڑ کوشش کرتا پھرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کر دے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۲۰۶﴾ اور پھر جب اس سے کہا جائے: خوف خدا کرو تو نخوت اسے گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے، پس اس کے لیے جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۲۰۷﴾ اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضا جوئی میں اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔☆

---

کارنامے بیان کرتے تھے۔ اس آیت میں حکم ہوا آبا و اجداد پر فخر و مباہات کی جگہ اللہ کو یاد کرو۔ یاد خدا کے سلسلے میں اگر تم اللہ سے کچھ مانگتے ہو، صرف دنیا نہ مانگو، شاید تمہیں دنیا مل جائے مگر آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ جبکہ اگر تم نے آخرت مانگی تو آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی تمہیں اپنا حصہ مل جائے گا۔ لہٰذا بندے کو مانگنے کا سلیقہ آنا چاہیے۔

۲۰۱۔ اس آیۂ شریفہ سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ دنیا و آخرت کے معاملے میں متوازن مؤقف اختیار کرنا چاہیے۔ انسان نہ تو صرف دنیا کا طلبگار ہو اور نہ ہی ترک دنیا کر کے فقط آخرت کا طالب رہے: لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ۔ (الوسائل ۱۴: ۱۵۵) اسلام میں ترک دنیا کا تصور نہیں ہے۔ دنیاوی زندگی کے بارے میں اسلام کا مؤقف یہ ہے کہ دنیا کو اگر صرف برائے دنیا اختیار کیا جائے اور اس حیات فانی کو ہی اپنا مقصد حیات بنا لیا جائے تو یہ دنیا داری ہے اور دنیا داروں کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ دنیاوی زندگی حقیقی مقصد حیات نہیں بلکہ یہ تو آخرت کی ابدی سعادت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے: اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ۔ (عوالی اللآلی ۱: ۲۶۷) دنیا آخرت کے لیے کھیتی ہے۔

۲۰۳۔ چند دنوں سے مراد "ایام تشریق" ہیں جو ذی الحجہ کی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ہیں۔ ان دنوں میں منیٰ میں ٹھہرنا ہوتا ہے۔ تین دن کی جگہ دو دن ٹھہریں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ احادیث کے مطابق صرف دو دن وہ ٹھہرے جس نے حج کے دوران کوئی خلاف ورزی نہ کی ہو اور لِمَنِ اتَّقٰی سے یہی مطلب لیتے ہیں۔

۲۰۴۔ یہ آیت ایک منافق اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی۔

۲۰۷۔ یہ آیت حضرت امام علیؑ کی شان میں

بِالْعِبَادِ ﴿٢٠٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا
فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٠٨﴾ فَاِنْ
زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٠٩﴾ هَلْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ
مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ
وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٢١٠﴾ ع سَلْ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَ
مَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ
فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زُيِّنَ
لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ
مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا

ع ۲۵ — وقف لازم

﴿٢٠٨﴾ اے ایمان لانے والو! تم سب کے سب (دائرہ) امن و آشتی میں آ جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ﴿٢٠٩﴾ اور اگر ان صریح نشانیوں کے تمہارے پاس آنے کے بعد بھی تم لڑکھڑا جاؤ تو جان رکھو کہ اللہ بڑا غالب آنے والا، باحکمت ہے۔ ﴿٢١٠﴾ کیا یہ لوگ منتظر ہیں کہ خود اللہ بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور فرشتے بھی اتر آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے؟ جب کہ سارے معاملات کو اللہ ہی کے حضور پیش ہونا ہے۔ ﴿٢١١﴾ آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں کہ ہم نے انہیں کتنی واضح نشانیاں دیں اور جو شخص اللہ کی نعمت پانے کے بعد اسے بدل ڈالے تو اللہ یقیناً سخت عذاب والا ہے۔☆ ﴿٢١٢﴾ جو کافر ہیں ان کے لیے دنیا کی زندگی خوش نما بنا دی گئی ہے اور وہ دنیا میں مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں مگر اہل تقویٰ قیامت کے دن ان سے مافوق ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے

نازل ہوئی۔ جب آپؑ ہجرت کی رات رسولِ اکرم ﷺ کے بستر پر سوئے اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ ملاحظہ ہو مستدرک حاکم ۳: ۴، امام الحدیث ذہبی نے تلخیص المستدرک میں اس حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ اس صحیح السند حدیث کے بعد اس سوال کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ سورۂ بقرہ مدنی ہے اور واقعہ مکہ میں پیش آیا۔ کیونکہ سورے کے مدنی ہونے اور اس آیت کے حضرت علیؑ کی شب ہجرت کی قربانی کے بارے میں نازل ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کی اس حدیث سے اس کی صحت یقینی ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے حضرت علیؑ کے دس بڑے مناقب میں شب ہجرت کے ایثار کا ذکر کیا ہے، جسے ائمہ حدیث نے **الاستیعاب**، **تہذیب الکمال**، **سنن نسائی** اور **مسند احمد بن حنبل** میں ذکر کیا ہے۔

۲۱۱۔ آیت کے دوسرے حصے میں اللہ تعالیٰ اپنا ایک عام قانون بیان فرما رہا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے، دنیا میں دوسروں پر برتری دیتا ہے، ہدایت و رہنمائی کے لیے ان کے پاس انبیاء بھیجتا ہے اور انہیں واضح اور صریح معجزے دکھا دیتا ہے، اس کے باوجود بھی وہ ان نعمتوں کو بدل ڈالیں اور ان کے ذریعے دارین کی سعادت حاصل کرنے کی بجائے شقاوت پر ڈٹے رہیں تو پھر اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

۲۱۲۔ یہاں کافر اور مومن کا کائناتی موقف نیز مادی

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ

حساب رزق دیتا ہے۔☆ ﴿٢١٣﴾ لوگ ایک ہی دین (فطرت) پر تھے، (ان میں اختلاف رونما ہوا) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور تنبیہ کرنے والے انبیاء بھیجے اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان امور کا فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے اور ان میں اختلاف بھی ان لوگوں نے کیا جنہیں کتاب دی گئی تھی حالانکہ ان کے پاس صریح نشانیاں آ چکی تھیں، یہ صرف اس لیے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے، پس اللہ نے اپنے اذن سے ایمان لانے والوں کو اس امر حق کا راستہ دکھایا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔☆ ﴿٢١٤﴾ کیا تم خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں اس قسم کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلوں کو پیش آئے تھے؟ انہیں سختیاں اور تکالیف پہنچیں اور

---

انسان اور الٰہی انسان کا تصور حیات بیان ہو رہا ہے۔ کافر کے تصور حیات میں دنیاوی زندگی ہی سب کچھ ہے۔ وہ اس زندگی کی حقیقی اقدار کو نہیں جانتا۔

٢١٣۔ تاریخ مذہب کے سلسلے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان نے زندگی کا آغاز شرک سے کیا ہے، بعد میں وہ تدریجاً ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے توحید تک پہنچ گیا۔ قرآن کے نزدیک انسان نے دین فطرت پر اپنی زندگی کا آغاز کیا اور فطرت ہی کو اللہ نے دین قیم کہا ہے۔ جس وقت لوگوں کو فطری تقاضوں سے سرکشی کرنا نہیں آتا تھا، اس وقت سب لوگ امت واحدہ تھے۔ زندگی نہایت سادہ تھی اور تسخیر طبیعت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بغیر کسی اختلاف کے زندگی بسر کرتے تھے، انسانیت کو سب سے پہلے مذہب نے حضرت نوح ؑ کے زمانے میں قانون زندگی عطا کیا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا (شوریٰ: ١٣) "تمہارے لیے دین کی وہی شریعت بنی جس کا نوح کو حکم دیا گیا تھا"۔ حدیث میں آیا ہے: كانوا قبل نوح امة واحدة علی فطرة الله۔ حضرت نوح ؑ سے پہلے فطرت الٰہی کے مطابق ایک ہی امت تھی۔

جب لوگوں کو انبیاء کے ذریعے قانون دیا گیا تو انہی لوگوں نے اختلاف کی بنیاد ڈالی جنہوں نے فطری راہوں سے سرکشی کرنا سیکھا تھا۔ قانون دینے سے پہلے کا اختلاف فطرت سے بغاوت تھی اور قانون دینے کے بعد کا اختلاف شریعت سے بغاوت تھی۔ کیونکہ شریعت کے ذریعے لوگوں کو فطرت کی طرف

وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ
اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ
فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَ
الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ
عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى
اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى
اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع يَسْـَٔلُوْنَكَ
عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ
قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ

وہ اس حد تک جھنجھوڑے گئے کہ (وقت کا) رسول اور اس کے مومن ساتھی پکار اٹھے کہ آخر اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ (انہیں بشارت دے دی گئی کہ) دیکھو اللہ کی نصرت عنقریب آنے والی ہے۔☆ ﴿۲۱۵﴾ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے: جو مال بھی خرچ کرو اپنے والدین، قریب ترین رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور جو کار خیر تم بجالاؤ گے یقیناً اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۲۱۶﴾ تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے جب کہ وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار گزرے مگر وہی تمہارے لیے بہتر ہو، (جیسا کہ) ممکن ہے ایک چیز تمہیں پسند ہو مگر وہ تمہارے لیے بری ہو، (ان باتوں کو) خدا بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔☆ ﴿۲۱۷﴾ لوگ آپ سے ماہ حرام میں لڑائی کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اس میں لڑنا سنگین برائی ہے، لیکن راہ

---

لوٹانا مقصود تھا، لہٰذا شریعت کا باغی، فطرت کا باغی ہے۔

۲۱۴۔ یہاں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ خدا اپنے برگزیدہ بندوں کو جن تربیتی مراحل سے گزارتا ہے، ان کی نشاندھی فرما رہا ہے نیز یہاں ایک غلط تصور کا ازالہ بھی مقصود ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ لوگ صرف ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کو ہر چیز کے لیے کافی سمجھتے ہیں، حتیٰ کہ طبیعی علل و اسباب کے لیے بھی اپنے ایمان و اسلام سے توقع رکھتے ہیں کہ بغیر کوشش کیے مفت میں کامیابی مل جائے گی۔ الٰہی سنت یہ رہی ہے کہ مفت میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، کیونکہ اگر مفت میں ملے تو سب کو ملنی چاہیے اور سب کو ملے تو بغیر استحقاق اور اہلیت کے بھی ملنی چاہیے اور یہ ایک عبث کام بن جاتا ہے۔ اس لیے حکمت الٰہی کے تحت ضروری ہوا کہ کامیابی کے راستوں کو دشوار بنا دیا جائے اور تمام کامیابیوں کے لیے جدوجہد کرنا ضروری ہو۔ پھر جنت اور ابدی زندگی کے حصول کے لیے آزمائش اور امتحان کے کٹھن مراحل سے گزرنا اور ایسی مشکلات اور تکالیف کا مقابلہ ضروری ہو جہاں کھرے اور کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے اور سچے اہل ایمان دوسروں سے جدا ہو جاتے ہیں اور صرف صبر و تحمل کرنیوالے ہی اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں۔

۲۱۵۔ سوال یہ ہوا تھا کہ ہم کیا خرچ کریں؟ لیکن جواب میں معاشرے کے ان اہم افراد کا ذکر ہو رہا ہے جن پر مال خرچ ہونا چاہیے۔ انداز جواب سے ظاہر ہے کہ اصل میں سوال یوں ہونا چاہیے تھا کہ ہم کن لوگوں پر خرچ کریں؟ پھر انفاق میں مال کی کمیت اور جنس کے مقابلے میں مستحقین کے تعین اور ترجیحات کا ذکر فرمایا کہ وہ بالترتیب والدین، رشتہ دار، ایتام، فقراء و مساکین اور زاد راہ سے تہی

اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ

خدا سے روکنا، اللہ سے کفر کرنا، مسجد الحرام کا راستہ روکنا اور حرم کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک زیادہ سنگین جرم ہے اور فتنہ انگیزی خونریزی سے بھی بڑا گناہ ہے اور وہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں مرے گا ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہوں گے اور ایسے لوگ اہل جہنم ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔☆ ﴿۲۱۸﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے نیز جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۲۱۹﴾ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: ان دونوں کے اندر عظیم گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی، مگر ان دونوں کا گناہ ان

---

دامن مسافر ہیں۔

۲۱۶۔ صدر اسلام میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی جو جہاد فی سبیل اللہ سے کراہت نہیں بلکہ عشق کرتے تھے۔ البتہ کچھ ایسے لوگ بھی ضرور تھے جو جہاد سے کتراتے تھے اگرچہ جہاد سے کراہت کرنے والے کچھ لوگ تھے لیکن خطاب سب سے ہوا تا کہ قوم ان لوگوں کا محاسبہ کرے جو جہاد کو پسند نہیں کرتے۔ اس محاسبہ کو طعن کہنا درست نہیں ہے۔

۲۱۷۔ رسول خداؐ نے قریش کی نقل و حرکت اور ان کے ارادوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے عبداللہ بن جحش کی سربراہی میں ایک دستہ نخلہ کی طرف بھیجا، جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔ یہاں پہنچ کر قریش کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ان کا سامنا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اس پر حملہ کر کے ایک آدمی کو قتل کیا اور دو کو اسیر بنا لیا۔ پھر انہیں مال سمیت مدینہ لے آئے۔ یہ واقعہ رجب کے آخری دن پیش آیا تھا اور رجب ماہ حرام ہے، اس میں جنگ کرنا حرام ہے، لیکن یہ شبہ بھی موجود رہا کہ ہو سکتا ہے کہ قتل اول شعبان میں واقع ہوا ہو اور چونکہ شعبان ماہ حرام نہیں اس لیے جنگ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے باوجود مشرکین نے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کیا کہ محمدؐ حرمت والے مہینوں میں بھی خونریزی کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں مشرکین مکہ کی ان خلاف ورزیوں کا ذکر ہے، جو وہ مسلمانوں کے خلاف کرتے رہے ہیں اور جن کی برائی ماہ حرام میں لڑائی سے بھی زیادہ سنگین ہے

۲۱۸۔ ھجرت: (ھ ج ر) جدائی اور مفارقت کے معنوں میں ہے۔ ہجرت کے مختلف درجات ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ درجہ باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف جانا ہے۔ روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے سوال ہوا کہ کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپؐ

اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا ؕ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ۬ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ۙ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ؕ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡيَتٰمٰى ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ خَيۡرٌ ؕ وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعۡنَتَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ ۚ وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدۡعُوۡنَ

کے فائدے سے کہیں زیادہ ہے اور یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہد یجیے: جوضرورت سے زیادہ ہو، اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو☆ (۲۲۰) دنیا اور آخرت کے بارے میں اور یہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہد یجیے: ان کی اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو (اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ) وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں تکلیف میں ڈال دیتا، یقینا اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ (۲۲۱) اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، کیونکہ مومنہ لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو نیز (مومنہ عورتوں کو) مشرک مردوں کے عقد میں نہ دینا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، کیونکہ ایک مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے خواہ وہ (مشرک) تمہیں پسند ہو، کیونکہ وہ جہنم کی طرف بلاتے ہیں

نے فرمایا: مَنۡ هَجَرَ السَّيِّئَاتِ ۔ (الوسائل ۱۱: ۲۷۷) مہاجر وہ ہے جو گناہوں سے دور رہے۔

۲۱۹۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: ان الخمر راس کل اثم۔ شراب تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے۔ اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس افراد پر شراب کے بارے میں لعنت بھیجی ہے: پودا لگانے والے، اس کی نگہداشت کرنے والے، کشید کرنے والے، پینے والے، پلانے والے، اٹھانے والے، جس کے لیے اٹھائی گئی ہو، فروخت کرنے والے، خریدنے والے اور اس کی قیمت سے استفادہ کرنے والے پر۔ (الکافی ۶: ۴۲۹)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے: العفو ما فضل عن قوت السنة۔ آیت میں عفو سے مراد سال کے اخراجات سے زائد مال ہے۔

۲۲۰۔ قرآن نے یتیم کا مال کھانے کو پیٹ میں آگ بھرنے سے تشبیہ دی۔ اس پر مسلمانوں نے یتیموں سے میل جول ترک کر دیا تو سوال پیدا ہوا کہ ان کی دیکھ بھال کس طرح کی جائے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر ان سے مل جل کر ان کی دیکھ بھال ہو سکتی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یعنی یتیم کے مال سے پرہیز کرنے کا یہ مقصد نہیں کہ اس سے ہر قسم کی دوری اختیار کر لی جائے، بلکہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اس کے اموال و حقوق کا تحفظ ممکن ہے۔ یتیموں کے مال کو اپنے مال سے ملا کر انصاف سے خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اصلاح اور خرابی کا تعلق ارادے اور عمل سے ہے، دکھاوے سے نہیں۔ جو لوگ اصلاح کرنے والے ہیں اور اسی طرح جو فسادی ہیں، اللہ ان کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

إِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾ ع وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۖ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۗ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٢٣﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا

اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اپنی نشانیاں لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔☆ ﴿٢٢١﴾ اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہدیجیے: یہ ایک گندگی ہے، پس حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ، پس جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس اس طرح جاؤ جس طریقے سے اللہ نے تمہیں حکم دے رکھا ہے، بے شک خدا توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔☆ ﴿٢٢٢﴾ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جا سکتے ہو نیز اپنے لیے (نیک اعمال) آگے بھیجو اور اللہ کے عذاب سے بچو اور یاد رکھو تمہیں ایک دن اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور (اے رسول) ایمانداروں کو بشارت سنا دو۔☆ ﴿٢٢٣﴾ اور اللہ کو اپنی ان قسموں کا نشانہ مت بناؤ جن سے نیکی کرنے، تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں میں صلح و آشتی کرانے سے باز رہنا مقصود

٢٢١۔ فطری تقاضوں اور اسلامی اقدار کی رو سے ازدواجی زندگی کی تشکیل کی ایک بنیادی شرط کفو ہونا۔ اسلامی اقدار کے مطابق مقام و منزلت اور مرتبے کے معاملے میں رنگ، نسل، علاقہ اور مال و دولت وغیرہ کو کوئی دخل حاصل نہیں ہے، بلکہ کفو (ہم پلہ) ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں ایک ہی امت کے فعال اور ایک ہی مشن کے متحرک کارکن ہوں تاکہ ایک متوازن اور پرسکون ماحول میں ایک نظریاتی کنبہ تشکیل پا سکے۔ مؤمن کے لیے مشرک کفو نہیں ہو سکتا کیونکہ ان دونوں کا مقصدِ حیات اور منزل ایک نہیں ہے۔ شرک انسان کو ہلاکت اور جہنم کی طرف بلاتا ہے جب کہ مومن کا خدا جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ ان دونوں میں نور اور ظلمت کا تضاد پایا جاتا ہے، البتہ اہل کتاب کا حکم اس سے جدا ہے۔

٢٢٢۔ یہود حیض کے دنوں میں عورتوں کو اچھوت سمجھتے تھے اور عیسائی حیض کے دنوں میں عورتوں سے ہر قسم کا ملاپ رکھتے تھے۔ یہاں اسلام کا موقف بیان ہوا ہے کہ عورت ان دنوں میں اچھوت نہیں ہے اور اس کے ہاتھ سے کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ جنسی ملاپ کے لیے مناسب نہیں ہے۔ ان دنوں میں عورت کا رحم اور تناسلی نظام شکست و ریخت سے دوچار ہوتا ہے، لہٰذا ان دنوں میں صرف جنسی آمیزش سے اجتناب کرنا چاہیے۔

٢٢٣۔ مذکورہ آیت میں بیوی کو کھیتی کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ یہاں عورت کو انسانی نسل کی افزائش اور نشو و نما کا منبع قرار دیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو یہ تربیت دی جا رہی ہے کہ وہ عورت کو محض اپنی ہوس پرستی کا ہدف قرار نہ دیں، کیونکہ عورت انسانی نسل جیسی عظیم فصل کی کاشت کا مقدس

وَ تُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيۡعٌ
عَلِيۡمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ
فِىۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ وَ لٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا
كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۲۲۵﴾
لِلَّذِيۡنَ يُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ تَرَبُّصُ
اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ ۚ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَ اِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ
فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَ الۡمُطَلَّقٰتُ
يَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ ؕ وَ لَا
يَحِلُّ لَهُنَّ اَنۡ يَّكۡتُمۡنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِىۡۤ
اَرۡحَامِهِنَّ اِنۡ كُنَّ يُؤۡمِنَّ بِاللّٰهِ وَ
الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوۡلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ
فِىۡ ذٰلِكَ اِنۡ اَرَادُوۡۤا اِصۡلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ

ہو اور اللہ سب کچھ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔☆
﴿۲۲۵﴾ اللہ ان قسموں پر تمہاری گرفت نہیں کرتا جو تم بے توجہی میں کھاتے ہو، ہاں جو قسمیں تم سچے دل سے کھاتے ہو ان کا مواخذہ ہوگا اور اللہ خوب درگزر کرنے والا، بردبار ہے۔
﴿۲۲۶﴾ جو لوگ اپنی عورتوں سے الگ رہنے کی قسم کھاتے ہیں ان کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے، اگر (اس دوران) رجوع کریں تو اللہ یقینا بڑا معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۲۲۷﴾ اور اگر طلاق کا فیصلہ کرلیں تو اللہ یقینا خوب سننے والا، علم والا ہے۔ ﴿۲۲۸﴾ اور طلاق یافتہ عورتیں تین مرتبہ (ماہواری سے) پاک ہونے تک انتظار کریں اور اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ خلق کیا ہے اسے چھپائیں اور ان کے شوہر اگر اصلاح و سازگاری کے خواہاں ہیں تو عدت کے دنوں میں انہیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لینے کے پورے حقدار ہیں اور عورتوں کو دستور کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، البتہ

ذریعہ ہے۔ اس ذریعے کے پاس یہی عظیم فصل کاشت کرنے کے لیے جایا کرو اور یہی تمہارا اولین مقصد ہونا چاہیے۔ اس سے بحث نہیں ہے کہ کاشت کی کیفیت کیا ہے: فَاۡتُوۡا حَرۡثَكُمۡ اَنّٰى شِئۡتُمۡ۔ اپنی کھیتی میں جس وقت چاہو جاسکتے ہو۔ یہاں پر لفظ اَنّٰى زمانی ہوسکتا ہے یعنی جب چاہو، جس وقت چاہو اپنے کھیتوں میں جاؤ، سوائے ایام حیض کے نیز ممکن ہے کہ اَنّٰى "جس طرح" کے معنی میں ہو۔ جیسے قرآن مجید میں یہ لفظ کَیۡف کے معنوں میں آیا ہے: اَنّٰى يُحۡيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا۔ (بقرۃ ۲۵۹:) بنابریں آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا: تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاسکتے ہو۔

۲۲۴۔ نیکی انجام نہ دینے کے لیے قسم کھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اگر ایسی قسم کھائی بھی ہو تو اس کے توڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۲۶۔ اپنی زوجہ سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کو ایلاء کہتے ہیں۔ اس صورت میں حاکم شرع اس مرد کو چار ماہ کی مہلت دے گا کہ اس اثناء میں کفارہ دے کر مباشرت کرے یا طلاق دے۔

۲۲۸۔ اس آیت میں چند احکام بیان فرمائے ہیں:
☆ عدت: طلاق کی صورت میں عورت کو عدت گزارنی چاہیے۔ یہ عدت فقہ جعفری کے مطابق تیسری مرتبہ حیض شروع ہونے پر اور حنفی کے مطابق تیسری مرتبہ حیض سے پاک ہونے پر پوری ہو جائے گی۔ ☆ عدت کی انتہا نسوانی مسائل سے مربوط ہے۔ اس لیے یہ بات عورتوں پر چھوڑی گئی ہے، وہی بتائیں کہ ان کا رحم خون سے کب پاک ہوا ہے۔ ☆ حق رجوع: اگر طلاق رجعی ہے تو شوہر

مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ
لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ع ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا
يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ
اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ
حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى
تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ

مردوں کو عورتوں پر برتری حاصل ہے اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۲۲۹﴾ طلاق دوبار ہے پھر یا تو شائستہ طور پر عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھ لیا جائے یا اچھے پیرائے میں انہیں رخصت کیا جائے اور یہ جائز نہیں کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو مگر یہ کہ زن وشوہر کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، پس اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ زوجین اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو زوجین کے لیے (اس مال میں) کوئی مضائقہ نہیں جو عورت بطور معاوضہ دے دے، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کرتے ہیں پس وہی ظالم ہیں۔☆ ﴿۲۳۰﴾ اگر (تیسری بار) پھر طلاق دے دی تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے، ہاں اگر دوسرا خاوند طلاق دے اور عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ انہیں امید ہو کہ وہ حدود الٰہی کو قائم رکھ سکیں

کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔

☆ مساویانہ حقوق: عورتوں کو دستور کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔

۲۲۹۔۲۳۰۔ شوہر اپنی منکوحہ بیوی کو دو مرتبہ طلاق دے کر رجوع کرسکتا ہے۔ اگر دو مرتبہ طلاق دے کر رجوع کر چکا ہو تو اس کے بعد جب کبھی وہ اسے تیسری بار طلاق دے گا تو عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی۔ تیسری طلاق کے بعد رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد شوہر بہتر طریقے سے رجوع کرتے ہوئے بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھ لے یا تیسری طلاق دے کر اسے مستقل طور پر فارغ کر دے۔

وہ مہر جو شوہر اپنی بیوی کے عقد نکاح میں معین کرے، اس میں سے کوئی چیز نہ دینے یا واپس مانگنے کا اسے حق حاصل نہیں ہے۔ ایسا کرنا تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ کے منافی ہے۔

اگر میاں بیوی اسلامی احکام کی حدود میں رہ کر اپنی زوجیت کا نظام برقرار نہ رکھ سکیں اور عورت مرد سے اس حد تک متنفر ہو جائے کہ وہ اس کے ساتھ زندگی نہ گزار سکتی ہو تو اس صورت میں عورت کچھ معاوضہ دے کر شوہر سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ اسے اصطلاح میں خلع کہتے ہیں۔ خلع طلاق بائن ہے جس کے بعد شوہر کو رجوع کا حق حاصل نہیں ہوتا، البتہ اگر عورت عدت کے دوران معاوضہ واپس لے لے تو شوہر بھی رجوع کر سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر عورت شوہر سے متنفر نہ ہو اور شوہر از

يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ
يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ
النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا
تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا
تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ
مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ
اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ
فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ
يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ

گے اور یہ ہیں اللہ کی مقرر کردہ حدود جنہیں اللہ دانشمندوں
کے لیے بیان کرتا ہے۔☆ ﴿۲۳۱﴾ اور جب تم اپنی عورتوں کو
طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں یا تو
شائستہ طریقے سے نکاح میں رکھو یا شائستہ طور پر رخصت کر
دو اور صرف ستانے کی خاطر زیادتی کرنے کے لیے انہیں
روکے نہ رکھو اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا
اور تم اللہ کی آیات کا مذاق نہ اڑاؤ اور اللہ نے جو نعمت تمہیں
عطا کی ہے اسے یاد رکھو اور یہ (بھی یاد رکھو) کہ تمہاری
نصیحت کے لیے اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور
اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔☆
﴿۲۳۲﴾ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی
عدت پوری ہو جائے تو انہیں اپنے (مجوزہ) شوہروں سے
نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ جائز طور پر ازدواج پر
باہم راضی ہوں، یہ نصیحت اس شخص کے لیے ہے جو تم میں

خود طلاق دے تو اس صورت میں عورت سے کچھ
لینا حرام ہے اور اگر عورت متنفر ہے اور معاوضہ
دے کر طلاق حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس صورت
میں عورت سے معاوضہ لینا جائز ہے۔

تیسری بار طلاق دینے کی صورت میں یہ عورت
مستقل طور پر جدا ہو جاتی ہے۔ اب سابقہ شوہر نہ
اس سے دوبارہ عقد کر سکتا ہے اور نہ رجوع، جب
تک وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کر کے
مطلقہ نہ ہو جائے۔ پس اگر وہ عورت کسی اور مرد سے
شادی کر لیتی ہے تو صرف عقد کافی نہیں ہے، بلکہ
ہمبستری بھی شرط ہے۔ پھر اگر وہ اسے طلاق دے تو
پہلے شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت سے
تیسری بار عقد کر لے۔

۲۳۱۔ جب طلاق کے بعد عدت کا عرصہ ختم ہونے
کے قریب آئے تو شوہر کو چاہیے کہ یا تو رجوع کر
کے دستور کے مطابق عورت کو دوبارہ اپنی زوجیت
میں لے آئے یا دستور کے مطابق بغیر کسی زیادتی
کے اسے رخصت کر دے۔ محض اذیت دینے کے
لیے رجوع نہ کرے۔ یعنی طلاق دینے کے بعد
عدت گزرنے سے پہلے اگر شوہر محض اس لیے
رجوع کرے کہ عورت کسی اور سے شادی بھی نہ
کر سکے اور سکون سے اس کے پاس بھی نہ رہ سکے
تو شوہر کا یہ عمل عورت کے حق میں ظلم متصور ہوگا،
جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

۲۳۲۔ یہاں خطاب ان تمام اشخاص سے ہے جو
طلاق کے بعد عورتوں کے نئے عقد نکاح میں
مداخلت کریں، خواہ ولی ہوں یا غیر ولی۔ ارشاد ہوتا

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ
مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٢﴾ وَالْوَالِدٰتُ
يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ
لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ
وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا
وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا
مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ
ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ
مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَ
اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ

سے خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے، تمہارے لیے
نہایت شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے اور (ان باتوں کو)
اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔☆ ﴿۲۳۳﴾ اور مائیں اپنے
بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) ان لوگوں
کے لیے ہے جو پوری مدت دودھ پلوانا چاہتے ہیں اور بچے
والے کے ذمے دودھ پلانے والی ماؤں کا روٹی کپڑا معمول
کے مطابق ہوگا، کسی پر اس کی گنجائش سے زیادہ بوجھ نہیں
ڈالا جاتا، بچے کی وجہ سے نہ ماں کو تکلیف میں ڈالا جائے اور
نہ باپ کو اس بچے کی وجہ سے کوئی ضرر پہنچایا جائے اور اسی
طرح کی ذمے داری وارث پر بھی ہے، پھر اگر طرفین باہمی
رضامندی اور مشورے سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہتے ہیں
تو اس میں ان پر کوئی مضائقہ نہیں ہے نیز اگر تم اپنی اولاد کو
(کسی سے) دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ

ہے: اگر طلاق یافتہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے بعد اپنے سابقہ یا مجوزہ شوہروں سے عقد کرنا چاہیں اور طرفین جائز طریقے سے عقد ثانی پر راضی ہوں تو کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ انہیں روکے۔ یہ معاملہ ان دونوں کی زندگی سے مربوط ہے۔ جب یہ دونوں راضی ہوں تو کسی غیر کو ان کے آزادانہ فیصلے میں دخل دینے کا حق نہیں، خواہ اس کا مقام کچھ بھی ہو۔ جب طرفین عاقل، بالغ اور تجربہ کار ہوں تو ان کی ازدواجی زندگی کے فیصلے انہی پر چھوڑ دینا ہی شائستہ و پاکیزہ طریقہ ہے۔ اس حکم سے فردی آزادی کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر سمجھ میں آتا ہے

۲۳۳۔ "مائیں پورے دو سال یعنی چوبیس ماہ دودھ پلائیں"۔ اس جملے میں دو اہم نکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مائیں دودھ پلائیں۔ دوم یہ کہ دو سال تک دودھ پلائیں۔ صدیوں کے تجربات کے بعد آج انسان کو دو باتوں کا پتہ چلا ہے: الف: بچے کے لیے ماں کا دودھ بہترین غذا ہے اور ماں کے دودھ سے مثبت اخلاقی، نفسیاتی، عقلی اور جسمانی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ب: طبی تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ دو سال کے دوران بچے کو فراہم کی جانے والی غذا سے بچے پر اخلاقی، نفسیاتی اور جسمانی و عقلی لحاظ سے ٹھوس اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ رضاعت یعنی دودھ پلانا اور تربیت کرنا ماں کا ایک حق ہے جسے "حق حضانت" کہتے ہیں۔ اگر ماں اپنے اس حق سے دستبردار ہو جائے تو دو سال سے کم دودھ پلانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بچے کی صحت اس بات کی

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ
اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٣﴾
وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ
اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ
اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ
اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ﴿٢٣٤﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ
اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ
سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ
سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ۜ

تم عورتوں کو معمول کے مطابق طے شدہ معاوضہ ادا کرو اور
اللہ کا خوف کرو اور جان لو کہ تمہارے اعمال پر اللہ کی خوب
نظر ہے۔☆ ﴿٢٣٣﴾ اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور
بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو
انتظار میں رکھیں، پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو
دستور کے مطابق اپنے بارے میں جو فیصلہ کریں اس کا تم پر
کچھ گناہ نہیں اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب با خبر
ہے۔☆ ﴿٢٣٤﴾ اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم ان عورتوں
کے ساتھ نکاح کا اظہار اشارے کنائے میں کرو یا اسے تم
اپنے دل میں پوشیدہ رکھو، اللہ کو تو علم ہے کہ تم ان سے ذکر کرو
گے مگر ان سے خفیہ قول وقرار نہ کرو، ہاں اگر کوئی بات کرنا
ہے تو دستور کے مطابق کرو، البتہ عقد کا فیصلہ اس وقت تک نہ
کرو جب تک عدت پوری نہ ہو جائے اور جان رکھو جو کچھ

متحمل ہو سکے۔ باپ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے
کہ وہ بچے کو دودھ پلانے والی کا خرچہ برداشت
کرے۔ یہاں نہ ماں زیادہ مطالبہ کر سکتی ہے اور نہ
باپ معمول سے کم پر اکتفا کر سکتا ہے، بلکہ عام
دستور کے مطابق اسے کھانا کپڑا وغیرہ فراہم کرنا ہو
گا۔ بچے کی تربیت اور رضاعت کے سلسلے میں ماں
اور باپ ایک دوسرے کو نقصان اور ضرر نہیں پہنچا
سکتے۔ میاں اور بیوی میں اختلاف اور نزاع ہو
جائے تو اس کے برے اثرات بچے کی تربیت
پر مترتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا باپ ماں کی مامتا سے
ناجائز فائدہ اٹھا کر ماں کو نقصان اور ضرر نہیں پہنچا
سکتا اور نہ ہی ماں کو یہ حق حاصل ہے کہ باپ کی
مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے کوئی نقصان پہنچائے۔
باپ کی وفات کی صورت میں وارث پر بھی وہی ذمہ
داریاں عائد ہوتی ہیں جو باپ پر عائد تھیں۔
والدین باہمی رضامندی اور باہمی مشورے سے دو
سال سے پہلے بچے کا دودھ چھڑا سکتے ہیں۔
رضامندی اور مشورے کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے
کہ اگر بچے کی صحت اس بات کی متحمل ہے تو یہ کام
جائز ہے۔ دو سال کی حد انتہائی حد ہے۔ دو سال
پورے کرنا ہر صورت میں ضروری نہیں بلکہ اگر بچے
کی صحت اس بات کی اجازت دے تو دو سال سے
پہلے دودھ چھڑانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ماں
کی جگہ غیر عورت سے دودھ پلوانے میں بھی کوئی
مضائقہ نہیں بشرطیکہ اسے طے شدہ معاوضہ ادا کیا
جائے۔

٢٣٤۔ غیر اسلامی، باطل اور غیر انسانی مراسم پر خط

| | |
|---|---|
| وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ | تمہارے دلوں میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے، لہٰذا اس سے |
| الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ | ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ بڑا بخشنے والا ، بردبار ہے۔☆ |
| مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا | (۲۳۶) اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے اور |
| اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۲۳۵) ع لَا جُنَاحَ | مہر معین کرنے سے قبل طلاق دے دو، اس صورت میں انہیں |
| عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ | کچھ دے کر رخصت کرو، مالدار اپنی وسعت کے مطابق اور |
| تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّ | غریب آدمی اپنی وسعت کے مطابق یہ خرچ دستور کے |
| مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى | مطابق دے، یہ نیکی کرنے والوں پر ایک حق ہے۔☆ |
| الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا | (۲۳۷) اور اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے قبل اور ان کے لیے |
| عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ (۲۳۶) وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ | مہر معین کر چکنے کے بعد طلاق دو تو اس صورت میں تمہیں |
| قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ | اپنے مقرر کردہ مہر کا نصف ادا کرنا ہوگا مگر یہ کہ وہ اپنا حق |
| فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ | چھوڑ دیں یا جس کے ہاتھ میں عقد کی گرہ ہے وہ حق چھوڑ |
| يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ | دے اور تمہارا چھوڑ دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور تم |
| النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ | آپس کی احسان کوشی نہ بھولو، یقیناً تمہارے اعمال پر اللہ کی |

بطلان کھینچتے ہوئے قرآن اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد عورتیں نئی ازدواجی زندگی کے سلسلے میں جو بھی فیصلہ کریں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح زیبائش اور گھر سے نکلنا وغیرہ بھی جائز ہے۔

۲۳۵۔ عدت کے دوران عورت سے اشاروں اور کنایوں میں منگنی کا اظہار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً کہے کہ میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہوں یا یہ کہے کہ کون ہے جو تجھے پسند نہ کرے۔ اسی طرح دل میں یہ ارادہ رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد اس کا اظہار کرے گا۔

۲۳۶ ۔ ۲۳۷۔ ان دو آیات اور سنت کی روشنی میں مسئلے کی چار صورتیں بنتی ہیں: ۱۔ مہر معین ہو اور ہمبستری سے پہلے طلاق ہو جائے تو عورت کو نصف مہر ملے گا۔ ۲۔ مہر معین نہ ہو اور ہمبستری سے پہلے طلاق ہو جائے تو مالدار شوہر اپنی وسعت کے مطابق اور غریب شوہر اپنی وسعت کے مطابق عورت کو کچھ مال دے گا۔ ۳۔ مہر معین ہو اور ہمبستری کے بعد طلاق دے تو پورا مہر دینا ہوگا۔ ۴۔ مہر معین نہ ہو اور ہمبستری کے بعد طلاق ہو جائے تو اس جیسی عورتوں کو عرف میں جو مہر ملا کرتا ہے وہ دینا ہوگا، جسے مہر مثل کہتے ہیں۔ ذیل کی دو صورتوں میں باقی نصف بھی معاف ہو سکتا ہے: ۱۔ عورت خود معاف کر دے۔ ۲۔ باپ یا دادا جن کے ہاتھ میں نابالغ بچی کے نکاح کا اختیار ہوتا ہے، باقی مہر معاف کر دیں۔

وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوْا عَلَى
الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا
لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ
رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا
عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾
وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ
اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا
اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ
فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَ اللّٰهُ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ
بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾

خوب نگاہ ہے۔☆ ﴿۲۳۸﴾ نمازوں کی محافظت کرو، خصوصاً
درمیانی نماز کی اور اللہ کے حضور خضوع کے ساتھ کھڑے ہو
جاؤ۔☆ ﴿۲۳۹﴾ پھر اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیدل ہو یا
سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو) اور جب تمہیں امن مل
جائے تو اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں وہ
(کچھ) سکھایا ہے جسے تم پہلے نہیں جانتے تھے۔☆
﴿۲۴۰﴾ اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ
جائیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کے بارے میں
وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انہیں (نان ونفقہ سے)
بہرہ مند رکھا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں، پس اگر وہ خود
گھر سے نکل جائیں تو دستور کے دائرے میں رہ کر وہ اپنے
لیے جو فیصلہ کرتی ہیں تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ
نہیں ہے اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆
﴿۲۴۱﴾ اور مطلقہ عورتوں کو دستور کے مطابق کچھ خرچہ دینا، یہ متقی
لوگوں کی ذمے داری ہے۔ ﴿۲۴۲﴾ اللہ اپنی نشانیاں تمہارے

نکاح اسلام کے نزدیک نہایت ہی مقدس عمل
ہے، جب کہ طلاق اسلام کی نظر میں جائز کاموں
میں سب سے مکروہ اور مبغوض کام ہے۔ اسی لیے
طلاق کی حدود و شرائط سخت ہیں، جب کہ نکاح کی
شرائط آسان ہیں۔ زن و شوہر کے درمیان
اختلافات اور ناہم آہنگی کی صورت میں آخری
علاج طلاق ہے۔ قرآن نے طلاق کی نوبت آنے
سے پہلے اختلافات کو ختم کرنے کے متعدد حل
بتائے ہیں۔ مثلاً عرف کی طرف رجوع کرنا، حَکَم
اور منصف کی طرف رجوع کرنا، میاں بیوی کے
خاندان کے افراد کی طرف رجوع کرنا اور آخر میں
ہمبستری ترک کرنا وغیرہ۔ ان تمام تدابیر میں ناکامی
کی صورت میں طلاق کی نوبت آتی ہے۔

۲۳۸۔ نمازیں پوری شرائط کے ساتھ وقت پر ادا کی
جائیں۔ احادیث کے مطابق نماز وسطیٰ (درمیانی
نماز) سے مراد ظہر کی نماز ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان
کی گئی ہے کہ یہ پہلی نماز ہے جو اسلام میں پڑھی گئی
اور دن کے وسط میں بھی ہے اور نماز جمعہ ظہر کی جگہ
پڑھی جاتی ہے۔

۲۳۹۔ نماز کی محافظت کے ایک مورد کا ذکر ہے کہ نماز
کسی بھی حالت میں چھوڑی نہیں جائے گی، حتیٰ کہ
حالت خوف میں بھی، جہاں ایک جگہ اطمینان سے
نماز پڑھی نہیں جا سکتی۔ خوف کی حالت میں چلتے
ہوئے یا سواری کی حالت میں قبلہ رخ ہونا شرط
نہیں اور رکوع و سجود کے اشاروں پر اکتفا کیا جائے
گا۔ نماز خوف کی تفصیل فقہی کتابوں میں مذکور ہے۔

۲۴۰۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم آیۂ عدت

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٤٢﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا
مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠
فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۟ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٤﴾
مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ
يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٤٥﴾
اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ
ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

(ع ١٥ — وقف لازم)

لیے اس طرح کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ ﴿۲۴۲﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے تھے؟ اللہ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ، پھر انہیں زندہ کر دیا، بے شک اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔☆ ﴿۲۴۳﴾ اور راہ خدا میں جنگ کرو اور جان لو کہ اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿۲۴۴﴾ کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ اللہ اسے کئی گنا زیادہ دے؟ اللہ ہی گھٹاتا اور بڑھاتا ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔☆ ﴿۲۴۵﴾ کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت (کو پیش آنے والے حالات) پر نظر نہیں کی جس نے اپنے نبی سے کہا: آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کریں تاکہ ہم راہ خدا میں جنگ کریں، (نبی نے) کہا: ایسا نہ ہو کہ تمہیں جنگ کا حکم دیا جائے اور پھر تم

---

وفات سے منسوخ ہو گیا ہے۔

۲۴۳۔ الاحتجاج ۲: ۳۴۴ حضرت امام جعفر صادق ؑ سے مروی ہے: آیت میں اس قوم کا ذکر ہے جو طاعون کی بیماری سے بچنے کے لیے بھاگ نکلی تھی۔ یہ لوگ بے شمار تھے۔ پھر اللہ نے ایک طویل عرصے کے لیے انہیں موت کی نیند سلا دیا، یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں تک گل سڑ کر بکھر گئیں اور وہ خاک ہو گئے۔ پھر جب اللہ نے چاہا کہ اپنی مخلوق کو زندہ دیکھے تو ایک نبی کو مبعوث فرمایا جنہیں حزقیل ؑ کہتے تھے۔ حضرت حزقیل ؑ نے دعا کی تو ان کے جسم یکجا ہو گئے، ان میں روح پلٹ آئی اور جس حالت میں وہ مرے تھے، اسی حالت میں کھڑے ہو گئے اور ایک آدمی بھی کم نہیں نکلا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک لمبی مدت تک زندگی پائی۔ اصول الکافی ۸: ۱۹۸ میں یہ واقعہ مختلف لفظوں میں نقل ہوا ہے۔ اس میں اس طرح ہے: یہ لوگ شام کی کسی بستی سے نکلے تھے اور ان کی تعداد ستر ہزار (۷۰۰۰۰) تھی۔

۲۴۴۔ اللہ تعالیٰ جہاں بھی جہاد کا حکم دیتا ہے، وہاں اس کے ساتھ فی سبیل اللہ کی قید ضرور لگاتا ہے تاکہ جہاد کا حدود اربعہ متعین ہو جائے کہ کن حالات میں، کن لوگوں کے ساتھ اور کن مقاصد کے لیے جہاد کیا جاتا ہے۔ اسلامی جہاد کشور کشائی اور حکومت و غلبے کے لیے نہیں ہوتا، جیسا کہ دشمنان اسلام نے مشہور کر رکھا ہے۔

۲۴۵۔ یہ رحمت و فیض الٰہی کا بہترین نمونہ ہے۔ ذات

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا
نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا
مِنْ دِيَارِنَا وَ اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ
وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَ قَالَ
لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ
طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ
الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ
مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ
بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ
مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ

جنگ نہ کرو، کہنے لگے: ہم راہ خدا میں جنگ کیوں نہ کریں
جب کہ ہم اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اپنے بچوں
سے جدا کیے گئے ہیں؟ لیکن جب انہیں جنگ کا حکم دیا گیا
تو ان میں سے چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے اور اللہ
ظالموں کو خوب جانتا ہے۔☆ ﴿۲۴۷﴾ اور ان کے پیغمبر نے
ان سے کہا: اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا
ہے، کہنے لگے: اسے ہم پر بادشاہی کرنے کا حق کیسے مل
گیا؟ جب کہ ہم خود بادشاہی کے اس سے زیادہ حقدار ہیں
اور وہ کوئی دولتمند آدمی تو نہیں ہے، پیغمبر نے فرمایا: اللہ نے
تمہارے مقابلے میں اسے منتخب کیا ہے اور اسے علم اور
جسمانی طاقت کی فراوانی سے نوازا ہے اور اللہ اپنی بادشاہی
جسے چاہے عنایت کرے اور اللہ بڑی وسعت والا، دانا
ہے۔☆ ﴿۲۴۸﴾ اور ان سے ان کے پیغمبر نے کہا: اس کی

بے نیاز، محتاج بندوں سے قرض مانگ رہی ہے، وہ
بھی اس مال سے جو اس نے خود عطا کیا ہے۔
حدیث کے مطابق اَضْعَافًا كَثِيْرَةً میں کثیر سے
مراد "ناقابل شمار" ہے۔

۲۴۶ ۔ ۲۴۷۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ ؑ سے تقریباً
تین صدی بعد کا ہے۔ اس وقت بنی اسرائیل کے
متبرک تابوت سمیت فلسطین کا بیشتر علاقہ عمالقہ کے
قبضے میں تھا۔ اس لیے جنگ ناگزیر ہو چکی تھی اور
اس زمانے میں بادشاہ کا پہلا فرض یہ تھا کہ فوج کی
سپہ سالاری کرے، اس لیے بنی اسرائیل نے اپنے
وقت کے پیغمبر حضرت شموئیل ؑ سے ایک بادشاہ
کے تقرر کی درخواست کی۔ چونکہ خود حضرت
شموئیل ؑ بہت بوڑھے ہو چکے تھے، لہٰذا حضرت
شموئیل ؑ نے حضرت طالوت ابن کش کو بادشاہ
مقرر کیا۔ ممکن ہے طالوت ان کا لقب ہو، چونکہ
توریت میں ان کا نام "ساول" Saul آیا ہے۔ ان
کا زمانہ حکومت ۱۰۱۲ سے ۱۰۲۸ قبل مسیح بتایا جاتا
ہے۔ ان کے تقرر پر بنی اسرائیل نے یہ کہہ کر
اعتراض کیا کہ بادشاہی کے لیے ہم اس سے زیادہ
حقدار تھے (شاید قبائلی اور خاندانی طور پر)، ثانیاً یہ
شخص فقیر ہے، دولت مند نہیں ہے۔ جواب میں
تین نکات بیان ہوئے۔☆ طالوت کا انتخاب اللہ
کا انتخاب ہے۔☆ وہ عالم ہے۔☆ شجاع ہے۔
اس کے بعد ایک ضابطہ ارشاد فرمایا: اللہ جسے چاہتا

عَلِيْمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٤٨﴾ ع فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ

بادشاہی کی علامت یہ ہے کہ وہ صندوق تمہارے پاس آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے سکون واطمینان کا سامان ہے اور جس میں آل موسیٰ وہارون کی چھوڑی ہوئی چیزیں ہیں جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، اگر تم ایمان والے ہو تو یقیناً اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے۔☆ ﴿٢٤٩﴾ جب طالوت لشکر لے کر روانہ ہوا تو اس نے کہا: اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے، پس جو شخص اس میں سے پانی پی لے وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہوگا مگر یہ کہ کوئی صرف ایک چلو اپنے ہاتھ سے بھر لے (تو کوئی مضائقہ نہیں) پس تھوڑے لوگوں کے سوا سب نے اس (نہر) میں سے پانی پی لیا، پس جب طالوت اور اس کے ایمان والے ساتھی نہر پار ہو گئے تو انہوں نے (طالوت سے) کہا: آج ہم میں

---

ہے بادشاہی عطا فرماتا ہے۔ یعنی کائنات میں حاکمِ اعلیٰ اللہ کی ذات ہے۔

٢٤٨۔ بنی اسرائیل اسے "عہد کا صندوق" کہتے تھے، ایک جنگ میں فلسطینی مشرکین نے بنی اسرائیل سے چھین لیا تھا۔ اس صندوق کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں آل موسیٰ ؑ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تبرکات رکھے ہوئے تھے۔ کتب تواریخ و احادیث کے مطابق تابوت، وہی صندوق ہے جس میں حضرت موسیٰ کو لٹا کر دریا کے حوالے کیا گیا تھا۔ اس صندوق میں درج ذیل تبرکات موجود تھے:

☆ وہ تختیاں جو کوہ طور پر اللہ نے موسیٰ ؑ کو دی تھیں۔ ☆ توریت کا اصل نسخہ۔ ☆ "من" کی ایک بوتل۔

☆ حضرت موسیٰ ؑ کا عصا اور زرہ۔ مشرکین اس صندوق کو جس شہر میں رکھتے وہاں وبائیں پھوٹ پڑتیں۔ اس لیے ایک بیل پر رکھ کر اسے ہانک کر چھوڑ دیا گیا۔ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس بیل کو شمویل ؑ کی طرف لے جائیں۔

٢٤٩۔ بنی اسرائیل کے جنگجو افراد کو ناکارہ افراد سے جدا کرنے کے لیے ایک امتحان تجویز ہوا کہ جب وہ صحرا نوردی کے بعد ایک نہر پر پہنچ گئے تو ان سے کہا گیا: اس نہر سے سیراب ہو کر پانی نہ پیا جائے۔

٢٥٠۔ جالوت: یہ شخص فلسطینی لشکر کا سردار اور نہایت

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٥٠﴾ ؕ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ قف وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٥٢﴾

جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، مگر جو لوگ یہ یقین رکھتے تھے کہ انہیں خدا کے روبرو ہونا ہے وہ کہنے لگے: بسا اوقات ایک قلیل جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔☆ ﴿٢٥٠﴾ اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے پر نکلے تو کہنے لگے: ہمارے رب! ہمیں صبر سے لبریز فرما، ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوم کفار پر ہمیں فتح یاب کر۔☆ ﴿٢٥١﴾ چنانچہ اللہ کے اذن سے انہوں نے کافروں کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے انہیں سلطنت و حکمت عطا فرمائی اور جو کچھ چاہا انہیں سکھا دیا اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کا بعض کے ذریعے دفاع نہ فرماتا رہتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا، لیکن اہل عالم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔☆ ﴿٢٥٢﴾ یہ ہیں اللہ کی آیات جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں اور آپ یقیناً مرسلین میں سے ہیں۔

ہی قد آور شخص تھا۔ توریت میں اس کے قد و قامت کے بارے میں ہے کہ اس کا قد ۱۰ فٹ کے قریب تھا۔

۲۵۱۔ گزشتہ آیات میں چند اہم نکات امت قرآن کے لیے قابل توجہ ہیں۔

۱۔ جہاد بالمال کو تقدیر ساز مقام حاصل ہے۔

۲۔ امتوں کی کامیابی کے لیے واحد ذریعہ جہاد ہے۔

۳۔ فرار از جنگ ایک عار و ننگ ہے۔

۴۔ قوم پر فوری اعتماد کرنے سے پہلے امتحانی مراحل سے گزارنا چاہیے۔

۵۔ طاقت کا توازن اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

۶۔ صبر و استقلال ہو تو ایک قلیل جماعت بہت بڑی جماعت پر غالب آسکتی ہے۔

وَقَتَلَ دَاوٗدُ: عین لڑائی کے موقع پر حضرت داؤدؑ طالوت کے لشکر میں پہنچے جب جالوت دعوت مبارزہ دے رہا تھا۔ اس طرح ایک قلیل جمعیت نے بہت بڑے لشکر کو شکست دی۔ کیونکہ عسکری قیادت نے اپنے لشکر کو کڑی آزمائش سے گزارا پھر تعداد پر نہیں استعداد پر بھروسا کیا۔ اس کارنامے کے بعد حضرت داؤدؑ ہر دلعزیز شخصیت بن گئے اور طالوت نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی، بعد میں وہی اسرائیلیوں کے پیشوا ہو گئے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ
مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ
دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ
اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ
بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ
اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا
يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا
رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ
فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ
الْقَيُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا

(۲۵۳) ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے اللہ ہمکلام ہوا اور اس نے ان میں سے بعض کے درجات بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور ہم نے روح القدس سے ان کی تائید کی اور اگر اللہ چاہتا تو ان رسولوں کے آنے اور روشن نشانیاں دیکھ لینے کے بعد یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے، مگر انہوں نے اختلاف کیا، پس ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض نے کفر اختیار کیا اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ باہم نہ لڑتے، مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔☆ (۲۵۴) اے ایمان والو! جو مال ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس دن کے جس میں نہ تجارت کام آئے گی اور نہ دوستی کا فائدہ ہوگا اور نہ سفارش چلے گی اور ظالم وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا۔☆ (۲۵۵) اللہ وہ (ذات) ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور سب کا نگہبان ہے، اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، زمین اور آسمانوں

۲۵۳۔ تمام انبیاء علیہم السلام میں اللہ کی طرف سے حجت ہونے کے ناطے کوئی فرق نہیں۔ سب ایک ہی مشن کے امین ہیں: لیکن ان کے درجات ہر لحاظ سے یکساں بھی نہیں۔ ان میں سے بعض اولوالعزم اور صاحب شریعت ہیں، بعض سے اللہ ہمکلام ہوا جو ایک خاص فضیلت ہے اور بعض کو روح القدس کی خصوصی تائید سے نوازا جو ایک منفرد درجہ ہے۔

اگر اللہ چاہتا تو اپنی طاقت کے ذریعے اختلاف رونما ہونے ہی نہ دیتا۔ مگر اس صورت میں نہ تو آزمائش ہوتی اور نہ ہی ثواب و عقاب، نہ ارتقاء، نہ کمال و نقص، بلکہ جبر و اکراہ کی ایک ساکت فضا ہوتی، جس میں کسی کو کسی پر سبقت لے جانے کی آزادی نہ ہوتی اور نہ ہی چہل پہل کا عالم ہوتا۔ اس لیے ضروری تھا کہ لوگوں کو ہدایت و ضلالت اور حق و باطل کا راستہ دکھایا جائے۔ پھر ان کی آزمائش کی جائے کہ بندہ کس طرف جاتا ہے۔

۲۵۴۔ ۱۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس دن تجارت، دوستی اور سفارش کی جگہ وہ مال کام آئے گا جو دنیا میں راہ خدا میں خرچ کیا گیا ہو۔ نجات کا بہترین ذریعہ مال ہے۔ اسی لیے مال کے بارے میں اسلام کا مؤقف یہ ہے کہ مال اگر رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جائے تو بہترین خزانہ اور توشۂ آخرت ہے اور اگر مال خود ایک مقصد بن جائے تو اس سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے۔

۲۔ خرچ یا انفاق فی سبیل اللہ میں واجب و مستحب دونوں شامل ہیں۔ خرچ سے مراد مال کا خرچ، علم کا خرچ اور دیگر ہر قسم کے مخارج ہیں۔ اگر کسی کو جاہ و جلالت دی گئی ہو تو یہ بھی اللہ کی طرف سے عطا شدہ رزق ہے۔ اس کا انفاق یہ ہے کہ صاحبان جاہ و منصب اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے بندگان خدا کی خدمت کریں۔ کافر یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نتیجتاً رزق خدا سے انفاق بھی نہیں کرتے۔ ان کے لیے آخرت میں کوئی مددگار نہ ہوگا۔ تجارت،

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ
يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ
بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ
كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ
حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿٢٥٥﴾ لَاۤ
اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ
الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ
بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا
انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾ اَللّٰهُ
وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ
الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى

میں جو کچھ ہے سب اسی کی ملکیت ہے، کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکے؟ جو کچھ لوگوں کے روبرو اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ ان سب سے واقف ہے اور وہ علم خدا میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ خود چاہے، اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان دونوں کی نگہداری اس کے لیے کوئی کارگراں نہیں ہے اور وہ بلند و بالا اور عظیم ذات ہے۔☆ ﴿٢٥٦﴾ دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں، بتحقیق ہدایت اور ضلالت میں فرق نمایاں ہو چکا ہے، پس جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے، بتحقیق اس نے نہ ٹوٹنے والا مضبوط سہارا تھام لیا اور اللہ سب کچھ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔☆ ﴿٢٥٧﴾ اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے، وہ انہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور کفر اختیار کرنے والوں کے سرپرست طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں، یہی جہنم والے ہیں، جہاں وہ

---

دوستی اور شفاعت میں سے کوئی ایک چیز بھی ان کے کام نہ آئے گی۔ اس طرح سب سے بڑے ظالم یہی لوگ ہوں گے۔

۲۵۵۔ کرسی کی تفسیر بعض، علم سے اور بعض، اقتدار سے کرتے ہیں۔ لیکن اقتدار خدا علم خدا کا لازمہ ہے۔ اقتدار کل کائنات پر محیط ہے اور علم بھی۔ چنانچہ کرسی کی وسعت کے ذکر سے پہلے اللہ کے احاطۂ علمی کا بھی ذکر آتا ہے، گویا احاطۂ اقتدار، احاطۂ علمی کا لازمہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے: **اعطیت آیة الکرسی من کنز تحت العرش و لم یؤتها نبی کان قبلی** مجھے آیة الکرسی عرش کے خزانوں سے عنایت کی گئی ہے اور مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ آیت نہیں دی گئی۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: جب سے میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی، کسی رات کو میں نے اس آیت کی تلاوت ترک نہیں کی۔

۲۵۶۔ دین کے معاملات میں اکراہ نہیں ہے۔ کیونکہ دین اسلام، دین عقل و منطق ہے اور عقل و ضمیر اس کے مخاطب ہیں۔ عقل اور دل طاقت کی زبان نہیں سمجھتے۔ جبر کا موضوع افعال و حرکات ہیں، عقائد و نظریات نہیں۔ دعوت اسلام کی مخاطب چونکہ عقل و ادراک ہے، اس لیے قرآن فرماتا ہے کہ یہ کام ہو چکا ہے۔ یعنی قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ "ہدایت اور ضلالت میں امتیاز نمایاں ہو چکا"۔ اس کے بعد قبول اور رد میں انسان آزاد ہے۔

اسلام نے ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جو اس آزادی کو سلب کرنے کے لیے طاقت استعمال کرتے تھے۔ لہٰذا اسلامی جہاد، سلب آزادی کے لیے نہیں تھا، جیسا کہ دشمنان اسلام نے مشہور کر رکھا ہے، بلکہ سلب آزادی کے خلاف تھا۔ چنانچہ چشم جہاں نے دیکھ لیا کہ اس آزادی کے حصول کے بعد

الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥٨﴾ ۚ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ

ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۵۸﴾ کیا آپ نے اس شخص کا حال نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس بنا پر جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے اقتدار دے رکھا تھا؟ جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس نے کہا: زندگی اور موت دینا میرے اختیار میں (بھی) ہے، ابراہیم نے کہا: اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا، یہ سن کر وہ کافر مبہوت رہ گیا اور اللہ ظالموں کی راہنمائی نہیں کرتا۔☆ ﴿۲۵۹﴾ یا اس شخص کی طرح جس کا ایک ایسی بستی سے گزر ہوا جو اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی تو اس نے کہا: اللہ اس (اجڑی ہوئی آبادی کو) مرنے کے بعد کس طرح دوبارہ زندگی بخشے گا؟ پس اللہ نے سو (۱۰۰) برس تک اسے مردہ رکھا پھر اسے دوبارہ زندگی دی، اس سے پوچھا: بتاؤ کتنی مدت (مردہ) رہے ہو؟ اس نے کہا: ایک دن یا اس سے کم، اللہ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ سو (۱۰۰) برس (مردہ) پڑے

اسلام نے ہر قسم کے مذاہب و ادیان کو برداشت کیا اور مکمل آزادی دی، حتیٰ کہ نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں مراسم عبادت ادا کرنے کی خود رسولِ خداﷺ نے اجازت دی۔

۲۵۸۔ قرآن نے اس شخص کا نام نہیں لیا جس کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ بحث و مناظرہ کر رہے تھے۔ البتہ روایات اور "تلمود" میں اس کا نام "نمرود بن کنعان کلدانی" ہے جو عراق پر حکومت کرتا تھا۔ نمرود کی قوم جن دیوتاؤں کو پوجتی تھی ان میں سب سے بڑا دیوتا سورج تھا اور نمرود کو سورج دیوتا کا مظہر مانا جاتا تھا، حضرت ابراہیمؑ کی دعوت توحید نمرود کے اس دیوتائی منصب پر براہ راست ضرب تھی، اس لیے نمرود نے کہا: میرا رب وہ ہے جس نے مجھے ملک و سلطنت بخشی ہے۔ جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے کہا: میرا رب وہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں موت و حیات ہے۔ نمرود نے کہا: کسی کو موت کے گھاٹ اتارنا اور زندہ چھوڑنا میرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کے جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے ایک مشاہداتی اور محسوس دلیل یوں پیش فرمائی جو خود ان کی سطح فکر کے مطابق تھی: اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا، تو یہ محسوس پرست ششدر رہ گیا۔ تلمود اور اسلامی روایات کے مطابق یہ واقعہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے سے پہلے کا ہے۔

۲۵۹۔ قرآن مجید نے نہ اس نبی کا نام لیا، نہ اس بستی کا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ حضرت عزیر تھے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ یہ حضرت ارمیا تھے۔ اس بستی کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک یہ یروشلم (بیت المقدس) ہے جسے بخت نصر بابلی نے ۵۸۶ قبل مسیح میں تباہ کیا تھا۔ دوبارہ زندگی ملنے کے بعد تین باتوں کا جواب مل گیا۔ ا۔ طویل مدت گزرنے کے بعد دوبارہ زندگی

وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ ۖ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ

رہے ہو، لہٰذا ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو جو سڑی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور ہم نے یہ اس لیے کیا ہے تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور پھر ان ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم انہیں کس طرح اٹھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں، یوں جب اس پر حقیقت عیاں ہو گئی تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔☆ ﴿٢٦٠﴾ اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا: میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے، فرمایا: کیا آپ ایمان نہیں رکھتے؟ کہا: ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان مل جائے، فرمایا: پس چار پرندوں کو پکڑ لو پھر ان کے ٹکڑے کرو پھر ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تیزی سے آپ کے پاس چلے آئیں گے اور جان رکھو اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿٢٦١﴾ جو لوگ اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس کی سات بالیاں اگ آئیں جن میں سے ہر بالی

دینا امر ممکن ہے۔ ٢۔ گدھے کی بوسیدہ ہڈیوں پر گوشت چڑھتے دیکھ کر یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ اللہ بوسیدہ ہڈیوں کو کس طرح دوبارہ زندہ کرتا ہے۔ ٣۔ کھانے کی چیزیں سڑے بغیر محفوظ رہنا بتاتا ہے کہ ایک ہی ماحول میں گدھے کی تو ہڈیاں تک بوسیدہ ہو جاتی ہیں جب کہ جلدی سڑنے والی کھانے کی چیزیں سو سال تک تازہ حالت میں رہتی ہیں۔

٢٦٠۔ حضرت ابراہیم ؑ کی درخواست حیات بعد الموت کے بارے میں نہ تھی بلکہ اس کی کیفیت کے بارے میں سوال تھا، اس لیے لفظ کَیۡفَ سے سوال ہوا جو کیفیت معلوم کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلیل ؑ سے فرمایا: اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ کیا آپ ایمان نہیں رکھتے؟ عرض کیا: ایمان رکھتا ہوں مگر میں اس راز سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں میری عقل کو اطمینان حاصل ہوا، چاہتا ہوں میرے حواس بھی اس میں شامل ہوں کہ جن سے میں تیرے دست قدرت کی تخلیق کا نظارہ کروں۔

اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور بالخصوص اولوالعزم انبیاء کو ایمان بالغیب کے ساتھ ایمان بالشہود سے بھی نوازتا ہے تاکہ یقین کی آخری منزل پر فائز ہو جائیں۔ چنانچہ ابراہیم ؑ کو ملکوت سماوات و الارض دکھایا تاکہ یقین کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔ (الانعام: ۷۵) رسالتمآب ﷺ کو بھی "افق اعلیٰ" اور "افق مبین" میں آفاق کا مشاہدہ کروایا: مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی (النجم: ۱۱) مشاہدے میں آنے والی چیزوں کو دل نے رد نہیں کیا۔

٢٦١۔ ذاتی ضروریات، اہل و عیال کی جائز ضروریات، حاجتمندوں کی امداد، رفاہ عامہ کے امور اور دین کی اشاعت پر خرچ کرنا وغیرہ، انفاق فی سبیل اللہ کے

حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا
مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾
قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ
يَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ
بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ
فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا
يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ

کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جس (کے عمل) کو چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے، اللہ بڑا کشائش والا، دانا ہے۔☆ ﴿٢٦٢﴾ جو لوگ اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں، ان کا صلہ ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔☆ ﴿٢٦٣﴾ نرم کلامی اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد (خیرات لینے والے کو) ایذا دی جائے اور اللہ بڑا بے نیاز بڑا بردبار ہے۔ ﴿٢٦٤﴾ اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح برباد نہ کرو جو اپنا مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، پس اس کے خرچ کی مثال اس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سے مٹی ہو، پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور اسے صاف کر ڈالے، (اس طرح) یہ لوگ اپنے اعمال سے کچھ بھی اجر حاصل نہ کر سکیں گے اور اللہ کافروں کی

زمرے میں شامل ہیں۔

اس آیت میں حاکمانہ انداز میں نہیں، بلکہ تشویق و ترغیب کی صورت میں انفاق کا درس دیا جا رہا ہے۔ قرآن ایک نہایت ہی منافع بخش مادی و محسوس مثال پیش فرماتا ہے کہ دانے کا زمین میں ڈالنا اس دانے کا اتلاف نہیں، بلکہ ایک منافع بخش عمل ہے۔ جس طرح مادی دنیا میں بیج کا ایک دانہ سات سو دانے دے سکتا ہے، بالکل اسی طرح راہ خدا میں خرچ کرنے سے بھی مال ضائع نہیں ہوتا بلکہ خرچ کرنے والا سات سو گنا ثواب کی شکل میں اسے دوبارہ وصول کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ کے تحت ایک ہزار چار سو گنا ہو سکتا ہے۔ مال کے انفاق کا یہ خاصہ ہے کہ ایک ہزار چار سو گنا ثواب مل سکتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ جتنا خدا چاہے۔

٢٦٢۔ یہ آیت قرآن کے نزدیک احترام آدمیت پر دلالت کرتی ہے کہ انسانی عزت نفس کو مال و دولت پر فوقیت حاصل ہے۔

٢٦٤۔ احسان جتانا نہایت پست خصلت کی علامت ہوتی ہے۔ اس قسم کی نفسیات کے مالک لوگ درحقیقت کسی پر احسان کرتے ہی نہیں ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں وہ اپنے کسی غیر انسانی مفاد کے تحت کرتے ہیں۔ اسی طرح دکھاوے کے طور پر مال خرچ کرنا بھی ایک سودے بازی ہے جس کا عوض شہرت اور نام و نمود ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ انفاق جذبۂ ایثار اور انسانی اقدار پر مبنی ہو جس میں حسن فعلی کے ساتھ حسن فاعلی بھی ہو، یعنی اس نیک عمل کے پیچھے ایک پاک اور مقدس جذبہ کارفرما ہونا چاہیے۔ جو لوگ احسان جتاتے اور ریاکاری کرتے ہیں انہیں اس چٹان کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو مٹی کی

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

راہنمائی نہیں کرتا۔☆ ﴿۲۶۵﴾ اور جو لوگ اپنا مال اللہ کی خوشنودی کی خاطر اور ثبات نفس سے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو، جس پر زور کا مینہ برسے تو دگنا پھل دے اور اگر تیز بارش نہ ہو تو ہلکی پھوار بھی کافی ہو جائے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔☆ ﴿۲۶۶﴾ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں جاری ہوں اور اس کے لیے اس میں ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور جب بڑھاپا آ جائے اور اس کے بچے بھی ناتواں ہوں تو ناگہاں یہ باغ ایک ایسے بگولے کی زد میں آ جائے جس میں آگ ہو اور وہ جل جائے؟ اللہ یوں تمہارے لیے نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے شاید تم غور و فکر کرو۔☆ ﴿۲۶۷﴾ اے ایمان والو! جو مال تم کماتے ہو اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے

معمولی سی تہ میں چھپی ہوئی ہو۔ ریاکار کا انفاق بظاہر اچھا لگتا ہے لیکن اس ایذا و رسانی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس عمل کے پیچھے ایک بدخصلت پتھر جیسا انسان چھپا ہوا ہے۔

۲۶۵۔ اس آیت میں صحیح معنوں میں انفاق کرنے والے مؤمن کے قلب کو ایک سرسبز باغ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو سطح مرتفع پر ہونے کی وجہ سے ہر قسم کی گندگی سے پاک ہے۔

۲۶۶۔ ان آیات میں دو مختلف نظریات کے مختلف نتائج کی تقابلی وضاحت ہو رہی ہے۔ ایک طرف ایک ایسا نفع بخش عمل ہے جس کی پیداواری طاقت سات سو فیصد ہے۔ دوسری طرف ایک ابتر عمل ہے جو اس چٹان کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہوئی ہو جو زوردار مینہ سے صاف ہو جاتی ہے۔ اس کی پیداواری صلاحیت ایک فیصد بھی نہیں ہے۔

ایک طرف سطح مرتفع پر واقع وہ باغ ہے جو اچھی یا تھوڑی بارش دونوں حالتوں میں بیمہ شدہ ہے اور اچھی فصل کا ضامن ہے۔ دوسری طرف وہ باغ ہے جس کا مستقبل نہایت تاریک ہے اور جس پر صرف شدہ عمر بھر کی زحمات کو ایک لحہ کی تند و تیز آندھی اور آگ تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔

۲۶۷۔ ناکارہ اور ردی چیزوں کے انفاق کے بارے میں انسانی ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: اگر یہ ردی چیزیں خود تمہیں دی جائیں تو تم بھی انہیں قبول نہ کرو گے۔ لہٰذا ایسا انفاق سخاوت اور ایثار و قربانی نہیں کہلاتا۔ اس قسم کا انفاق ان ردی چیزوں سے جان چھڑانے کا ذریعہ ہو سکتا ہے، مگر ایک اعلیٰ انسانی اخلاق و اقدار کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ قرآن کے نزدیک اس انفاق کو فضیلت حاصل ہے جس کے ذریعے اعلیٰ اقدار کے مالک انسان کا سراغ ملتا

كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ
الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ
تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ
تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ
حَمِيْدٌ ﴿٢٦٧﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ
وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ
مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ
يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا
يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَآ
اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ
اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ

عمدہ حصہ (راہ خدا میں) خرچ کرو اور اس میں سے ردی چیز
دینے کا قصد ہی نہ کرو اور (اگر کوئی وہی تمہیں دے تو) تم خود
اسے لینا گوارا نہ کرو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو
کہ اللہ بڑا بے نیاز اور لائق ستائش ہے۔☆ ﴿٢٦٨﴾ شیطان
کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کی ترغیب دیتا ہے، جبکہ اللہ تم
سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑا صاحب
وسعت، دانا ہے۔☆ ﴿٢٦٩﴾ وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا
ہے اور جسے حکمت دی جائے گویا اسے خیر کثیر دیا گیا ہے اور
صاحبان عقل ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔☆ ﴿٢٧٠﴾ اور تم جو
کچھ خرچ کرتے ہو یا نذر مانتے ہو اللہ کو اس کا علم ہے اور
ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔☆ ﴿٢٧١﴾ اگر تم علانیہ
خیرات دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ طور پر اہل

ہو۔

٢٦٨۔ شیطانی تصور یہ ہے کہ خرچ کرنے سے مال ختم ہو جاتا ہے، جبکہ الٰہی پیمانے کے تحت مال خرچ کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔

٢٦٩۔ حکمت، حقائق کے صحیح ادراک کو کہتے ہیں۔ گزشتہ چند آیات میں مال، انفاق، ریاکاری، ایذا رسانی، مرضات رب، خرچ سے مال کا بڑھنا وغیرہ ایسے حقائق مذکور ہیں جن کا ادراک خیر کثیر کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ مثلاً انفاق کو شیطان خسارے کا عنوان دیتا ہے جبکہ اللہ اس حقیقت کو فقر ونقصان نہیں بلکہ فضل و مغفرت کا عنوان دیتا ہے۔ اگر کوئی اس حقیقت کو سمجھ جائے اور باور کر لے کہ مال کو راہ خدا میں یا اس کی محروم مخلوق کے لیے دے کر اس نے نقصان نہیں اٹھایا بلکہ یہ ایک تو روزی میں اضافے کا سبب ہے اور دوسرا مرضی رب کا سامان فراہم کیا ہے۔ چنانچہ آنے والی چند آیات میں بھی اسی اہم حکمت کی طرف اشارہ فرمایا: تو وہ انفاق کو خسارہ تصور نہ کرتا۔

٢٧٠۔ اللہ کی اطاعت میں کسی امر کو اپنے اوپر لازم قرار دینا نذر کہلاتا ہے۔ نذر کا یہ عمل صرف اسلام میں نہیں بلکہ اسلام سے پہلے سابقہ ادیان میں بھی رائج تھا۔ اس آیت میں انفاق اور نذر کے بارے میں تاکیدی لہجے میں ارشاد فرمایا: تمہارے انفاق اور نذر کے بارے میں اللہ خوب جانتا ہے کہ تم کس لیے اور کیوں انفاق نہیں کرتے اور کرتے بھی ہو تو کن پاک یا ناپاک عزائم کے تحت کرتے ہو اور جو اس سلسلے میں ظلم کرتے ہیں اور غریبوں کا حق مارتے ہیں اور انفاق نہیں کرتے ان کا کوئی مددگار نہیں۔ تو یہ ان کے کام آ سکتی ہے اور نہ ہی شفاعت، کیونکہ یہ حقوق العباد سے ہے۔ لہذا اس کا واحد حل

وَ اِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّکُمۡ‌ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ‌ۚ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ‌ۚ لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ

حاجت کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اور یہ تمہارے کچھ گناہوں کا کفارہ ہوگا اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۲۷۲﴾ آپ کے ذمے نہیں ہے کہ انہیں (جبراً) ہدایت دیں بلکہ خدا ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو بھی مال خرچ کروگے اس کا فائدہ تم ہی کو ہے اور تم صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کروگے اور جو مال تم خرچ کروگے تمہیں اس کا پورا اجر دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ ﴿۲۷۳﴾ ان فقراء کے لیے (خرچ کرو) جو راہ خدا میں اس طرح گھر گئے ہیں کہ وہ (معیشت کے لیے) زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، ناواقف لوگ ان کی حیا وعفت کی بنا پر انہیں مالدار خیال کرتے ہیں، حالانکہ ان کے قیافے سے تم ان (کی حاجت مندی) کو پہچان سکتے ہو، وہ تکرار کے ساتھ نہیں مانگتے اور جو مال تم خرچ کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔☆ ﴿۲۷۴﴾ جو لوگ اپنا مال شب و روز پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ

---

یہی ہے کہ جن کا حق مارا ہے، ان کا حق ادا کیا جائے۔

۲۷۱۔ جو تم خرچ کرتے ہو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے اور اگر دفع تہمت مقصود ہو تو اعلانیہ انفاق کرنے کو بھی اچھا عمل قرار دیا، ورنہ پوشیدہ طور پر انفاق سے عمل کے خالص ہونے کا زیادہ امکان ہے اور محتاج کی عزت نفس بھی مجروح نہیں ہوتی۔

۲۷۳۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے راہ خدا میں اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ذاتی معیشت کے لیے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ زمان رسالت میں کچھ لوگ ایسے تھے جو ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہوتے تھے اور انہیں حضور ﷺ بعض اہم کاموں کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجتے تھے۔ ہمارے زمانے میں دینی طالب علم اور ہمیشہ دینی امور کے لیے کام کرنے والے لوگ اس کے مصداق ہیں۔ ثانیاً وہ لوگ اس مصرف کے مصداق ہیں جو راہ خدا میں خدمات انجام دیتے ہوئے اپنے مال ومتاع سے محروم ہو گئے ہوں یا وہ لوگ جو بیماری کی وجہ سے کسب معاش کے قابل نہ رہے ہوں۔

۲۷۴۔ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب آپ علیہ السلام کے پاس صرف چار درہم تھے۔ آپ علیہ السلام نے ان میں سے ایک درہم رات کو، ایک دن کو، ایک علانیہ اور ایک چھپا کر صدقہ دیا۔ اس روایت کے راوی ابن عباس ہیں اور ابن عباس سے درج ذیل راویوں نے روایت کی ہے: ۱۔ ضحاک ۲۔ مجاہد ۳۔ ابوصالح۔ ملاحظہ فرمائیں: شواهد التنزیل ۱: ۱۴۰ تا ۱۴۹، الکشاف۔ اسباب النزول۔ تفسیر کبیر رازی ۷: ۸۹۔ الدر المنثور ۱: ۳۶۳۔

بِالَّیۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمۡ
اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ
وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ
الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ
یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ
بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ
وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ
جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰی فَلَهٗ
مَا سَلَفَ ؕ وَاَمۡرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ عَادَ
فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا
خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی
الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ
اَثِیۡمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں نہ
کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔☆ ﴿۲۷۵﴾ جو
لوگ سود کھاتے ہیں وہ بس اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے
شیطان نے چھو کر حواس باختہ کیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ
کہتے ہیں: تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے
تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے، پس جس شخص تک
اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے
باز آ گیا تو جو پہلے لے چکا وہ اسی کا ہوگا اور اس کا معاملہ اللہ
کے سپرد ہے اور جس نے اعادہ کیا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں
جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔☆ ﴿۲۷۶﴾ اللہ سود کو ناپائیدار اور
خیرات کو بابرکت بنا دیتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو
پسند نہیں کرتا۔☆ ﴿۲۷۷﴾ البتہ جو لوگ ایمان لے آئیں اور

۲۷۵ ـ ۲۷۸۔ قرآن نے سود کو صدقے کے مقابلے میں ذکر کیا ہے کیونکہ صدقے کے پیچھے ایک ایثار پسند، انسانی قدروں کا مالک اور پاکیزہ نفس انسان موجود ہے، جبکہ سود خوری کے پیچھے ایک مفاد پرست، درندہ صفت انسان موجود ہے۔ صدقہ دینے والا اپنے خون پسینے کی کمائی سے دوسروں کا دکھ درد بانٹتا ہے جبکہ سود خور دوسروں کے خون پسینے میں اپنا لقمہ تر کرتا ہے۔ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ سود اور تجارت میں درج ذیل اخلاقی اور معاشی فرق موجود ہیں۔☆ تجارت میں منافع بازار کے اتار چڑھاؤ سے مربوط ہے، اس لیے بائع اور مشتری دونوں اقتصادی میدان میں فعال ہوتے ہیں، جبکہ سود میں سرمائے کا منافع یقینی ہے اور صاحب سرمایہ غیر فعال ہوتا ہے، صرف محنت کرنے والا ہی خطرہ مول لیتا ہے۔☆ تجارت میں بائع اور مشتری دونوں کے لیے منافع احتمالی ہے، جبکہ سود میں صرف محنت کا منافع احتمالی ہے اور سرمائے کا منافع یقینی ہے۔

☆ تجارت میں سرمائے کے ساتھ محنت بھی ہوتی ہے، جبکہ سود میں رقم سود پر دے کر دوسروں کی محنت پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔☆ سودی نظام میں سرمایہ کام دے یا نہ دے ہر صورت میں صاحب سرمایہ اپنی اجرت وصول کر لیتا ہے، جبکہ محنت کو ہر صورت میں اجرت نہیں ملتی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ سودی نظام میں سرمایہ محنت پر مسلط ہے۔ اگر یہی رعایت محنت کو مل جائے تو بھی غیر عادلانہ ہے۔
☆ قرض عینیت سے نکل کر ذمہ پر آتا ہے، یعنی قرض دینے والا عین مال کا مالک نہیں رہتا۔ مثلاً اگر زید نے عمر سے ایک لاکھ روپیہ قرض لیا تو عمر عین اس ایک لاکھ کا مالک نہ رہا، بلکہ اس عین مال کا زید

الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

نیک عمل بجالائیں نیز نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔☆ ﴿٢٧٨﴾ اے ایمان والو! اللہ کا خوف کرو اور جو سود (لوگوں کے ذمے) باقی ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔☆ ﴿٢٧٩﴾ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تم اپنے اصل سرمائے کے حقدار ہو، نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔☆ ﴿٢٨٠﴾ اور (تمہارا قرضدار) اگر تنگدست ہو تو کشائش تک مہلت دو اور اگر سمجھو تو معاف کر دینا ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔☆ ﴿٢٨١﴾ اور اس دن کا خوف کرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر وہاں ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا بدلہ مل جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ ﴿٢٨٢﴾ اے ایمان والو! جب کسی معینہ مدت

مالک بن گیا ہے، البتہ یہ زید کے ذمے واجب الادا ہے۔ یعنی قرض عین سے منتقل ہو کر ذمہ پر آتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ رقم کا وجود عینی نفع دیتا ہے، جس کا عمر مالک نہیں رہا، چنانچہ اگر عین مال تلف ہو جائے تو زید کا مال تلف ہوا، عمر کا مال تو زید کے ذمے ہے۔ عین مال پر مرتب ہونے والے مثبت اور منفی اثرات سے صرف زید متاثر ہوگا۔ لیکن سود خور کے پاس کوئی منطقی دلیل نہیں ہوتی جب عین سرمایہ تلف ہو جائے تو سود خور کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ تلف ہونے والا مال میرا نہیں ہے جو صحیح بھی ہے، لیکن جب عین سرمایہ منافع دیتا تھا تو کہتا ہے کہ میرا مال تھا جس نے منافع دیا۔ قرآن نے سچ فرمایا ہے کہ سود خور خبطی ہوتے ہیں۔ یہ ساری باتیں صرف پیداواری قرض سے مربوط ہیں

۲۷۹۔ سود کی حرمت کا فیصلہ کن حکم صادر ہوتا ہے۔ سابقہ آیت میں اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ کی تعبیر اختیار فرما کر اسے ایمان سے مربوط گردانا گیا اور اس آیت میں سود ترک نہ کرنے کی صورت کو اللہ اور رسول کے ساتھ اعلان جنگ قرار دیا گیا۔ یعنی سود ترک نہ کرنا اسلامی نظام کے ساتھ بغاوت ہے۔ اسلامی معاشرے میں طبقاتی فرق پیدا کر کے اس معاشرے کو داخلی جنگ سے دوچار کرنے والا اللہ اور رسول سے جنگ کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ عسکری اقدام کیا جائے گا۔ البتہ توبہ کرنے کی صورت میں اصل سرمائے کو تحفظ ملے گا اور اصل سرمایہ اس کو ملے گا، چونکہ یہ خطاب مسلمانوں سے ہے اور مسلمان کا مال محترم ہے۔

۲۸۰۔ نزول آیت کے زمانے میں یہ طریقہ رائج تھا کہ قرض کی ادائیگی بروقت ممکن نہ ہو تو مزید مہلت دینے کے لیے سود میں اضافہ کرتے تھے، اسلامی

| | |
|---|---|
| اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى | کے لیے قرض کا معاملہ کروتو اسے لکھ دیا کرو اور لکھنے والے کو |
| فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ | چاہیے کہ تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ تحریر کرے اور |
| بِالْعَدْلِ ۖ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا | جسے اللہ نے لکھنا سکھایا اسے لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے، |
| عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ | پس وہ دستاویز لکھے اور املا وہ شخص کرائے جس کے ذمے |
| عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ | قرض ہے اور اسے اپنے رب یعنی اللہ سے ڈرنا چاہیے اور |
| مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ | اس میں کسی قسم کی کمی نہیں کرنی چاہیے لیکن اگر قرضدار کم |
| سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ | عقل یا ضعیف یا مضمون لکھوانے سے عاجز ہو تو اس کا ولی |
| هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا | انصاف کے ساتھ املا کرائے، پھر تم لوگ اپنے میں سے دو |
| شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا | مردوں کو گواہ بنالو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں |
| رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ | کو (گواہ بناؤ) جن گواہوں کو تم پسند کرو، تاکہ اگر ان میں |
| مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا | سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے اور جب |
| فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ | گواہی کے لیے گواہ طلب کیے جائیں تو انہیں انکار نہیں کرنا |
| الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ | چاہیے اور قرض چھوٹا ہو یا بڑا مدت کے تعین کے ساتھ اسے |

نظام میں قرض کی ادائیگی ممکن نہ ہونے کی صورت میں مہلت مل جائے گی، اس مہلت کے عوض کوئی اضافہ نہ ہوگا۔

۲۸۲۔۲۸۳۔ سابقہ آیات میں سودی قرض اور سودی معاملات کو ناجائز اور حرام قرار دیا گیا۔ اب غیر سودی قرض (قرض حسنہ) کے بارے میں ایک نہایت جامع اور دقیق قانون وضع کیا جا رہا ہے۔ اس قانون کے آرٹیکل درج ذیل ہیں: ۱۔ قرض میں مدت معین ہو تو اسے دَین کہتے ہیں۔ لیکن اگر مدت معین نہ ہو تو قرض کہتے ہیں۔ ۲۔ قرض اور اس کی مدت کے بارے میں دستاویز تحریر کرنی چاہیے تاکہ قرض کی ادائیگی اور مدت کے تعین کے بارے میں نزاع واقع ہونے کی وجہ سے حقوق ضائع نہ ہو جائیں: فَاكْتُبُوْهُ۔

۳۔ کاتب کو عادل ہونا چاہیے: وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۴۔ کاتب کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ کتابت سے انکار کرے وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ ۵۔ اس دستاویز کی تحریر میں قرضدار املاء کرائے کہ قرض کی مقدار کیا ہے اور مدت کتنی ہے تاکہ آئندہ ادائیگی کے وقت اس پر حجت واضح ہو جائے اور وہ بہانہ جوئی نہ کر سکے: وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ ۔ ۶۔ املاء میں کسی قسم کی غیر حقیقی بات نہ ہو جس سے قرض خواہ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو: وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا۔ ۷۔ قرض لینے والا اگر دیوانہ ہو تو اس کا ولی یا سرپرست املاء کرائے۔ ۸۔ قرضدار اگر ضعیف العقل ہو تو اس کا ولی املاء کرائے گا۔ ۹۔ قرضدار اگر مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو ولی املاء

تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ
وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً
حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا
تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬
وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا
كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ
بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ
وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

لکھنے میں تساہل نہ برتو، یہ بات اللہ کے نزدیک قرین انصاف ہے اور گواہی کے لیے زیادہ مستحکم ہے اور اس سے تم اس بات کے زیادہ نزدیک ہو جاتے ہو کہ شک وشبہ نہ کرو، مگر یہ کہ تم آپس میں جو دست بدست تجارتی معاملات کرتے ہو ان کے نہ لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ جب خرید وفروخت کیا کرو تو گواہ بنا لیا کرو اور کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے اور ایسا کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے نافرمانی ہوگی اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں تعلیمات سے آراستہ فرماتا ہے اور اللہ تو ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔☆ ﴿۲۸۲﴾ اور اگر تم حالت سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا میسر نہ آئے تو قبضے کے ساتھ رہن پر معاملہ کرو، اگر تم ایک دوسرے پر اعتبار کرو تو جس پر اعتبار کیا جائے اسے چاہیے کہ دوسرے کی امانت ادا کرے اور اپنے رب یعنی اللہ سے ڈرو اور شہادت نہ چھپاؤ اور جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہگار ہوتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب آگاہ

کرائے گا۔ ۱۰۔ گواہ قابل اعتماد ہوں: مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ۔ اَنْ تَضِلَّ کے معنی بعض نے یہ کیے ہیں: اگر ایک منحرف ہو جائے تو دوسری نصیحت کرے۔ چونکہ عورتیں احساسات سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ ۱۱۔ گواہ جب گواہی کے لیے طلب کیے جائیں تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے: وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ۔ ۱۲۔ قرض تھوڑا ہو یا زیادہ، اسے ضبط تحریر میں لانا چاہیے: وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ۔ ۱۳۔ جب معاملہ قرض کا نہ ہو بلکہ نقد ہو تو ضبط تحریر میں لانا ضروری نہیں ہے: اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً۔ ۱۴۔ نقد معاملات میں بھی گواہ بنا لینا چاہیے: وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ۔ ۱۵۔ کاتب اور گواہ کو حق گوئی کے جرم میں کسی فریق کی طرف سے کوئی نقصان یا ضرر نہ پہنچایا جائے: وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ۔ ۱۶۔ اگر کسی وجہ سے (مثلاً سفر میں) کاتب میسر نہ ہو تو قرض لینے والا قرض خواہ کے پاس کوئی چیز گروی رکھے۔ اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ رہن کا معاملہ صرف سفر سے مشروط ہے اور نہ یہ شرط ہے کہ لکھنا ممکن نہ ہو۔ ۱۷۔ اگر طرفین کو ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو دستاویز لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۸۔ گواہی چھپانا بڑا گناہ ہے۔ ایسا کرنا قلب کی بیماری، مردہ ضمیری اور ایمان سے محرومی کی علامت ہے۔

۲۸۴۔ معاملات میں ایک جامع دستور عنایت فرما کر اسلامی قوانین کے ظاہری نفاذ کے ساتھ ساتھ باطنی نفاذ کی بھی ضمانت دی جا رہی ہے جو اسلامی قوانین کا خاصہ ہے۔ معاشرے میں نفاذ احکام کے لیے ظاہری اور انتظامی ضمانت کے ساتھ قلب و روح کو بھی نفاذ احکام کے لیے آمادہ کیا جاتا ہے۔ مروجہ قوانین میں صرف ظاہری اور انتظامی مواخذہ ہو سکتا ہے، مگر اسلامی قوانین میں جہاں ظاہری کردار کا محاسبہ ہوتا ہے، وہاں قلبی اور اندرونی گناہوں کا بھی محاسبہ ہوتا ہے۔ یہ محاسبہ صرف نیت پر مبنی نہیں ہوگا

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٣﴾ ع لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ
اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ
يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ
اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا
نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ٭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ
الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ
اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا

ہے۔☆ ﴿٢٨٤﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا
ہے اور تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے
حساب لے گا پھر وہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے
عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔☆ ﴿٢٨٥﴾ رسول اس
کتاب پر ایمان رکھتا ہے جو اس پر اس کے رب کی طرف
سے نازل ہوئی ہے اور سب مومنین بھی، سب اللہ اور اس
کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان
رکھتے ہیں (اور وہ کہتے ہیں) ہم رسولوں میں تفریق کے
قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول
کی، ہمارے رب ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور ہمیں
تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔☆ ﴿٢٨٦﴾ اللہ کسی شخص پر اس کی
طاقت سے زیادہ ذمے داری نہیں ڈالتا، ہر شخص جو نیک عمل
کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو بدی کرتا ہے اس کا
انجام بھی اسی کو بھگتنا ہے، ہمارے رب! ہم سے بھول چوک

بلکہ ان اعمال کا محاسبہ بھی ہوگا جن کی خوبی یا بدی نیت سے مربوط ہے یا ان کی حقیقت صاحب کردار کے دل میں مخفی ہے۔ اول الذکر کی مثال انفاق ہے جو ریا اور شہرت طلبی کی نیت سے بھی ہوتا ہے اور فی سبیل اللہ بھی۔ ثانی الذکر کی مثال گواہی ہے جو حق کی بھی ہوتی ہے اور ناحق کی بھی۔ لہٰذا گواہی جھوٹی ہونے کی صورت میں گواہ کا محاسبہ ہوگا۔ یہ آیت ان احادیث سے متصادم نہیں ہے جن میں فرمایا گیا ہے کہ گناہ کی نیت، گناہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق ؑ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے: اِنَّما الْمُرَادُ بالآیہ مَا یَتَنَاوَلُہُ الْاَمْرُ وَ النَّھْیُ مِنَ الْاِعْتِقَادَاتِ وَ الْاِرَادَاتِ و غیر ذلک مِمَّا ھُوَ مَسْتُوْرٌ عَنَّا (بحار الانوار ۷:۲۲۵) اس سے مراد وہ پوشیدہ اعتقادات اور ارادے ہیں جن کے بارے میں امر و نہی وارد ہوئی ہے۔

۲۸۵۔ ایمانِ رسول ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اپنے وجود کی طرح اس پر ایمان ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بتا دیا ہے کہ رسول ﷺ، وحی کو ظاہری حواس سے نہیں بلکہ اپنے پورے وجود سے درک فرماتے تھے۔

۲۸۶۔ انسان پر ذمہ داری اور مسئولیت اس کی طاقت کے مطابق عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ کم عقل کی بہ نسبت عاقل اور کم علم کی بہ نسبت عالم پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ دوسرے جملے میں ارشاد فرمایا: ہر شخص اپنے اچھے برے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ غیر کے اعمال کی ذمے داری اس پر عائد نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی خود اس کے اپنے اعمال کی ذمے داری کسی اور پر عائد ہوتی ہے۔ مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا: ایک تشریح یہ ہے: جس گناہ کی سزا کا بوجھ اٹھانے کی ہم طاقت نہیں رکھتے وہ ہم پر نہ ڈال۔ رسول کریم ﷺ سے روایت ہے: فی آخر سورۃ البقرۃ آیات انھن قرآن انھن دعاء انھن یرضین الرحمن۔ سورۃ بقرہ کے آخر میں چند آیات ہیں جو قرآن بھی

كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫ وَارْحَمْنَا ۫ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

ہوگئی ہو تو اس کا مواخذہ نہ فرما، ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلوں پر ڈال دیا تھا، ہمارے رب! ہم جس بوجھ کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے وہ ہمارے سر پر نہ رکھ، ہمارے رب! ہمارے گناہوں سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہمارا مالک ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری نصرت فرما۔☆

آیاتہا ۲۰۰ | ۳ سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹ | رکوعاتہا ۲۰

سورۂ آل عمران۔ مدنی۔ آیات ۲۰۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ؕ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ

(۱) الف۔ لام۔ میم۔ (۲) اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں جو زندہ (اور کائنات کا) زبردست نگہدار ہے۔ (۳) اس نے حق پر مبنی ایک کتاب (اے رسول) آپ پر نازل کی جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس نے توریت و انجیل کو نازل کیا۔☆ (۴) اس سے پہلے انسانوں کی ہدایت کے لیے اور فرقان (حق و باطل میں امتیاز کرنے والا قانون) نازل فرمایا، جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے، اللہ بڑا غالب آنے والا، خوب بدلہ لینے والا ہے۔ (۵) زمین و

---

ہیں اور دعا بھی اور اللہ کی خوشنودی کا باعث بھی ہیں۔

سورۂ آل عمران

اس سورہ میں ایک مقام پر آل عمران کا ذکر آیا ہے، اس وجہ سے سورے کا یہی نام قرار دے دیا گیا۔ عمران حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے والد کا نام ہے۔ بائبل میں ان کا نام عمرام آیا ہے۔ ہجرت کے بعد مدینے کی نو تشکیل شدہ چھوٹی سی ریاست کو درپیش مشکلات اور اس کی بے سروسامانی کے ماحول میں یہ سورہ نازل ہوا۔

۳۔ عہدین کتاب دوم تاریخ ایام ۱۵: ۲ میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل ایک لمبی مدت تک توریت کے بغیر رہے۔ علامہ بلاغی الهدیٰ الی دین المصطفی میں تحریر فرماتے ہیں: عہد قدیم کی زبان بابل کی اسیری تک عبرانی تھی اور بابل کی اسیری کے بعد ان کتابوں میں سے بعض کلدانی زبان میں تھیں جو کہ بابل کی زبان ہے۔ بعد میں یہود کے ۷۲ دانشوروں نے ۲۸۳ یا ۲۸۵ یا ۲۸۷ قبل مسیح میں یونانی زبان میں ترجمہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ترجمہ ۷۲ دنوں میں مکمل ہوا۔

انجیل چار کتابوں کے مجموعے کا نام ہے۔☆ **انجیل متی:** حضرت مسیح علیہ السلام کے ۲۳ سال بعد ترتیب پائی۔☆ **انجیل مرقص:** مرقص پطرس کا شاگرد تھا، حواریوں میں سے نہیں تھا اور وہ خود حضرت مسیح کے خدا ہونے کا قائل نہ تھا۔ (تراجم الاخبار تالیف: پطرس قرماج)۔☆ **انجیل لوقا:** یہ پہلی دو انجیلوں کے بعد لکھی گئی۔☆ **انجیل یوحنا**، یہ حضرت مسیح کے ۶۰ سال بعد لکھی گئی۔

۶۔ الارحام، رحم کی جمع ہے۔ وہ جگہ جہاں جنین کی تخلیق و تدوین اور آیت کی تعبیر کے مطابق صورت گری ہوتی ہے۔ رحم کے اطلاق سے نزول قرآن کے زمانے اور ہمارے زمانے میں رحم مادر ذہنوں میں آتا ہے، کیونکہ گزشتہ زمانے میں

شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝٥ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٦ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝٧ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٨ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ

آسمان کی کوئی چیز اللہ سے یقینا پوشیدہ نہیں ہے۔ (۶) وہی تو ہے جو (ماؤں کے) رحموں میں جیسی چاہتا ہے تمہاری تصویر بناتا ہے، اس غالب آنے والے، حکمت کے مالک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ☆ (۷) وہی ذات ہے جس نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جس کی بعض آیات محکم (واضح) ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں، جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ اور تاویل کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، جب کہ اس کی (حقیقی) تاویل تو صرف خدا اور علم میں راسخ مقام رکھنے والے ہی جانتے ہیں جو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت تو صرف عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔ ☆ (۸) ہمارے رب! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما، یقینا تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ ☆ (۹) ہمارے رب! بلاشبہ تو اس روز سب لوگوں کو

ماں کے بغیر رحم کا تصور ممکن نہ تھا۔ قرآنی تعبیر میں الۡاَرۡحَامِ مطلق ذکر ہوا ہے، ارحام الامھات (ماؤں کے رحم) نہیں فرمایا، لہٰذا رحم میں ہر وہ جگہ شامل ہے جس میں جنین کی پرورش ہوتی ہے۔

۷۔ قرآن کی آیات دو حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک حصہ محکمات اور دوسرا متشابہات پر مشتمل ہے۔ محکم وہ عبارت ہے جس سے مطلب واضح طور پر سمجھ میں آ جائے۔ متشابہ وہ عبارت ہے جس کا مطلب از خود واضح نہ ہو۔ محکمات کو دو اعتبار سے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اول یہ کہ اسلامی دستور کی اہم دفعات محکمات میں یعنی صاف و شفاف الفاظ میں بیان کی گئی ہیں، دوم یہ کہ متشابہات کو سمجھنے کے لیے محکمات کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے محکمات کو ام الکتاب کہا گیا ہے۔ البتہ فتنہ پرور لوگ متشابہات کو محکمات کی طرف لے جانے کی بجائے خود انہیں متشابہات کے ذو معنی ہونے سے اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں اور اس کی تاویل گھڑ لیتے ہیں۔ توجہ رہے کہ ہر حکم و عمل کا منطقی محور اور مرکزی نکتہ جس پر اس حکم کا دار و مدار ہوتا ہے، اس کی تاویل ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تاویل اللہ اور راسخون فی العلم جانتے ہیں، آیت میں وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ نیا جملہ نہیں بلکہ سابقہ جملے پر عطف ہے اور یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا جملہ مستانفہ حالیہ ہے اور یہی نظریہ حضرت ابن عباس کا بھی ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: اول الراسخون فی العلم رسول اللہ۔ سب سے پہلے راسخ فی العلم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: نحن الراسخون فی العلم و نحن نعلم تأویلہ۔ ہم ہی راسخون فی العلم ہیں اور ہم ہی قرآن کی تاویل جانتے ہیں۔

۸۔ جیسا کہ سورۂ حمد کی تشریح میں ذکر ہوا کہ انسان مؤمن ہر آن اللہ کی طرف سے فیضان ہدایت کا

النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ
وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ
الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ
وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ
اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ
وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ
اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ
وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ

بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ ؕ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

النصف

نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی یہی شہادت دی، وہ عدل قائم کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۱۹﴾ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور جنہیں کتاب دی گئی انہوں نے علم حاصل ہو جانے کے بعد آپس کی زیادتی کی وجہ سے اختلاف کیا اور جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتا ہے تو بے شک اللہ (اس سے) جلد حساب لینے والا ہے۔☆ ﴿۲۰﴾ (اے رسول) اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو ان سے کہہ دیجیے: میں نے اور میری اتباع کرنے والوں نے تو اللہ کے آگے سر تسلیم خم کیا ہے اور پھر اہل کتاب اور ناخواندہ لوگوں سے پوچھیے: کیا تم نے بھی تسلیم کیا ہے؟ اگر یہ لوگ تسلیم کر لیں تو ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اگر منہ موڑ لیں تو آپ کی ذمے داری تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر خوب نظر رکھنے والا ہے۔ ﴿۲۱﴾ جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور

اس کی کتابِ آفاق و انفس کا ہر صفحہ اور ہر سطر اس کی وحدانیت اور اس کے عدل و انصاف پر دلالت کرتی ہے اور ذرے سے لے کر کہکشاؤں تک نظام کی وحدت، خالق کی وحدت کی دلیل ہے۔ یا من دل علی ذاتہ بذاتہ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ دوم فرشتوں کی شہادت۔ چونکہ فرشتے نظام کائنات کے کارندے ہیں اس لیے اللہ کی وحدانیت اور اس کے عدل و انصاف کا علم رکھتے ہیں اور شہادت کا حق صرف انہیں حاصل ہوتا ہے جو علم رکھتے ہوں۔ سوم صاحبان علم جو صحیفۂ آفاق و انفس کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ (آل عمران: ۱۹۱)

۱۹۔ الف: مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: لانسبن الاسلام نسبة لم ينسبها احد قبلی۔ الاسلام هو التسليم، و التسليم هو اليقين، و اليقين هو التصديق، و التصديق هو الاقرار، و الاقرار هو الاداء، و الاداء هو العمل (نہج البلاغہ) "میں اسلام کی ایسی تعریف کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی: اسلام تسلیم سے عبارت ہے اور تسلیم یقین ہے اور یقین تصدیق ہے اور تصدیق اعتراف ہے اور اعتراف فرض کی ادائیگی سے ہوتا ہے اور فرض کی ادائیگی عمل ہے"۔

ب: ہر زمانے میں انسان کو نجات کا راستہ دکھانے والا ایک ہی دین اللہ کی طرف سے آتا رہا ہے جو دین اسلام ہے۔ اس دین واحد میں اہلِ کتاب نے اختلاف ڈال دیا۔ اس کی وجہ ان کی لاعلمی نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ دین الٰہی میں اختلاف کی گنجائش نہیں بلکہ اس کی وجہ ان کی بے حد جاہ پرستی تھی۔

ج: ادیان عالم کے ماہرین جانتے ہیں کہ ۳۲۵ء

النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقۡتُلُوۡنَ الَّذِيۡنَ
يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ
بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ حَبِطَتۡ
اَعۡمَالُهُمۡ فِي الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ
نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا
نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُدۡعَوۡنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ
لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ وَهُمۡ
مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَنۡ
تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ۪
وَغَرَّهُمۡ فِيۡ دِيۡنِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾
فَكَيۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰهُمۡ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ ۟
وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا
يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ

لوگوں میں سے انصاف کا حکم دینے والوں کو بھی قتل کرتے ہیں انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ ﴿۲۲﴾ ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔ ﴿۲۳﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے انہیں کتاب خدا کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق کج ادائی کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے۔☆ ﴿۲۴﴾ ان کا یہ رویہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں: جہنم کی آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو نہیں سکتی اور جو کچھ یہ بہتان تراشی کرتے رہے ہیں اس نے انہیں اپنے دین کے بارے میں دھوکے میں رکھا ہے۔☆ ﴿۲۵﴾ پس اس دن ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان سب کو جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ﴿۲۶﴾ کہدیجیے: اے اللہ! (اے) مملکت

میں قسطنطنیہ کے بادشاہ نے مسیحی مذہب کے توحید پرستوں پر کفر و الحاد کا فتوی لگایا، ان کی کتابوں کو نذر آتش کیا، جب تثلیث پر مبنی مذہب کی جڑیں مضبوط بنا دی گئیں تو ۶۲۸ء میں ایک قانون کے ذریعہ ان توحید پرستوں کی نسل کشی کی گئی۔

(مراغی: ۳: ۱۲۰)

۲۳۔ خیبر کے یہودیوں میں زنا اور اس کی تعزیرات کا ایک مسئلہ پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ حضور ﷺ نے توریت کے حوالے سے شوہر دار عورت کے ساتھ زنا کرنے کی تعزیر کے طور پر سنگساری کا حکم دیا، لیکن یہودیوں نے اس بات کے ثبوت کے باوجود کہ یہ فیصلہ توریت کے مطابق ہے اسے ماننے سے انکار کر دیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے، سے مراد اہل کتاب و نصاری ہیں۔ اس سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔ اول یہ کہ اہل کتاب کے پاس موجود توریت و انجیل میں سے کچھ حصہ اللہ کا کلام ہے پوری نہیں، دوم یہ کہ جن آیات میں اوتوا الکتاب کہا گیا ہے ان میں کتاب سے مراد کتاب کا ایک حصہ ہے۔

۲۴۔ ان سیاہ کاریوں کا اصل سرچشمہ ان کے باطل نظریات ہیں جن کے تحت وہ انسانیت سوز مظالم و جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہماری معاصر تاریخ بھی ان یہودیوں کے لرزا دینے والے جرائم و مظالم سے پر ہے۔ ان باطل نظریات میں سے کچھ یہ ہیں کہ یہودی کو جہنم کی آگ گنتی کے چند ایام کے سوا چھو نہیں سکتی نیز اولاد یعقوب اللہ کی برگزیدہ مخلوق ہے اور یہ کہ اولاد یعقوب سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں کوئی عذاب وغیرہ نہیں دیا جائے گا۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ
مِمَّنْ تَشَاءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ
تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ﴿۲۶﴾ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ
النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ
الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ
وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا
يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ
دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ
فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا
مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ
وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي
صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ

(ہستی) کے مالک تو جسے چاہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہے حکومت چھین لیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کر دیتا ہے بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔☆ ﴿۲۷﴾ تو رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور تو ہی جاندار سے بے جان اور بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ مومنوں کو چاہیے کہ وہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو سرپرست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے، اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، ہاں اگر تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لیے کوئی طرز عمل اختیار کرو (تو اس میں مضائقہ نہیں) اور اللہ تمہیں اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ کہد یجیے: جو بات تمہارے سینوں میں ہے اسے خواہ تم پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو اللہ بہرحال اسے

۲۶۔ اللہ کی مشیت اندھی بانٹ نہیں ہوتی، وہ کچھ لوگوں کو حکومت از روئے احسان عطا فرماتا ہے اور کچھ لوگوں کو از روئے انتقام عطا فرماتا ہے کہ وہ مزید جرم کا ارتکاب کریں۔ چنانچہ جب یزید لعین نے اسیران اہل بیت علیہم السلام کے سامنے اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے طنز کیا کہ اللہ نے مجھے عزت دی ہے اور تم کو ذلیل کیا تو جناب سیدہ زینب علیہا السلام نے سورہ آل عمران کی آیت ۱۷۸ کی تلاوت فرمائی جس میں یہی بتایا گیا ہے کہ ہم اس لیے مہلت دیتے ہیں لیزدادوا اثما تا کہ وہ جرم میں اور بڑھ جائیں۔

۲۷۔ شب و روز کے یکے بعد دیگرے آنے میں اس بات کی ایک بین دلیل موجود ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کے پیچھے ایک ذی شعور ذات ہے جس نے نہ رات کی تاریکی کو برقرار رکھا ہے اور نہ دن کی روشنی کو ہمیشہ جاری رکھا ہے، بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے میں داخل کیا جس سے اس زمین پر زندگی ممکن ہوئی۔ اگر رات دن کا تبادلہ نہ ہوتا تو کرۂ زمین پر حیات ممکن نہ تھی۔

۲۸۔ آیت کا مضمون یہ ہے کہ مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو اولیاء نہ بناؤ۔ یعنی مؤمنین اور کفار کے درمیان ولایت کا رشتہ نہیں ہے۔ ولایت کی تعریف یہ ہے: الولایة عقد النصرة للموافقة فی الدیانة۔ (مجمع البیان) ولایت سے مراد باہمی نصرت و حمایت کا معاہدہ ہے جو ایک دین میں ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ یعنی ان کی صلح و جنگ ایک ہو۔ یہ ولایت صرف مؤمنین کے درمیان آپس میں قائم ہے۔ حتیٰ کہ عصر رسالت ﷺ میں یہ ولایت مؤمنین کے درمیان بھی اس وقت تک قائم نہ ہوتی تھی جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔ اس قسم کی ولایت اور باہمی حمایت کہ جس سے جنگ و صلح ایک ہو جائے، کا عہد مؤمنین اور کفار کے درمیان قائم کرنا منع ہے۔ عموماً اولیاء کا ترجمہ دوستی

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ

جانتا ہے نیز آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۳۰﴾ اس دن ہر شخص اپنا نیک عمل حاضر پائے گا، اسی طرح ہر برا عمل بھی، (اس روز) انسان یہ تمنا کرے گا کہ کاش یہ دن اس سے بہت دور ہوتا اور اللہ تمہیں اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔☆ ﴿۳۱﴾ کہد یجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۳۲﴾ کہد یجیے: اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر وہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔☆ ﴿۳۳﴾ بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام عالمین پر برگزیدہ فرمایا ہے۔☆ ﴿۳۴﴾ وہ اولاد جو ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔ ﴿۳۵﴾ (وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی عورت نے

کیا جاتا ہے، جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ قرآن کفار کے ساتھ ہر قسم کے انسانی تعلقات کو ممنوع قرار دیتا ہے اور انسانوں میں نفرت کا درس دیتا ہے، حالانکہ اسلام ان کافروں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کا حکم دیتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں نہیں ہیں۔

۳۰۔ قرآن میں یہ صراحتاً موجود ہے کہ روز قیامت ہر شخص اپنا عمل حاضر پائے گا۔ قدیم مفسرین تاویل کرتے تھے کہ نفس عمل دنیا میں ہو چکا، وہ دوبارہ حاضر نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا مراد سزا و جزائے عمل ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن اب یہ بات قابل فہم ہو چکی ہے کہ عمل خود قابل دید ہے اور یہ آیت سمجھ میں آ جاتی ہے: وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ (ق: ۴)۔ ہمارے پاس حفظ کرنے والی کتاب موجود ہے۔

۳۱۔ محبت اگر سچی ہے تو محبوب کے حکم اور اشارے کا بے تابی سے انتظار کیا جاتا ہے، جب محبوب کا حکم سنتا ہے تو محب کیف و سرور کی حالت میں آتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے: ما احب اللّٰہ من عصاہ (الوسائل ۱۵: ۳۰۸) "جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ اللہ سے محبت نہیں رکھتا"۔

۳۲۔ کچھ ایسے افراد نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اللہ سے محبت کا دعویٰ کیا جو اللہ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ محبت امر قلبی ہے اور قلب حقیقت پرست ہوتا ہے، جس پر حقیقت کے سوا کوئی اور چیز کارگر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ دین بھی عقیدے سے عبارت ہے اور عقیدہ امر قلبی ہے جس پر جبر و اکراہ کارگر نہیں ہو سکتا: لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ (۲ بقرۃ: ۲۵۶) کی طرح کہا جا سکتا ہے کہ لا اکراہ فی الحب۔

۳۳۔ نوح: حضرت نوح ؑ بن لامنح پہلے صاحب شریعت، صاحب کتاب اور اولوالعزم رسول ہیں۔ آپ ؑ حضرت آدم ؑ کے بعد دوسرے ابو

امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ
مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ
اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا
قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ
كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ
اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ
الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ
وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ؕۚ
كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ
عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا ؕ
قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ
یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا

کہا: میرے رب! جو (بچہ) میرے شکم میں ہے اسے تیری نذر کرتی ہوں، وہ (اور باتوں سے) آزاد ہو گا، تو میری طرف سے قبول فرما، بے شک تو بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔ ﴿۳۶﴾ پھر جب اسے جن چکی تو کہنے لگی: مالک میں نے لڑکی جنی اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس (مادر مریم) نے کیا جنا اور لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا اور میں نے اس (لڑکی) کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔☆ ﴿۳۷﴾ چنانچہ اس کے رب نے اس کی نذر (لڑکی) کو بوجہ احسن قبول فرمایا اور اس کی بہترین نشوونما کا اہتمام کیا اور زکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا، جب زکریا اس کے حجرۂ عبادت میں جاتے تو اس کے پاس طعام موجود پاتے، پوچھا: اے مریم! یہ (کھانا) تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ کہتی ہے: اللہ کے ہاں سے، بیشک خدا جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔☆ ﴿۳۸﴾ اس مقام پر زکریا نے اپنے رب کو پکارا، کہا: میرے

البشر ہیں۔ یعنی طوفان کے بعد موجودہ انسانی نسل کے ابو البشر آپ ؑ ہیں۔ حضرت آدم ؑ کی دسویں پشت میں سے تھے۔ آپ ؑ موجودہ عراق کے بالائی علاقے کے رہنے والے تھے۔ ۹۵۰ سال زندگی گزاری۔

عمران: اس نام کی دو شخصیات گزری ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ ؑ کے والد، بائبل میں ان کا نام عمرام آیا ہے اور دوسری حضرت مریم ؑ کے والد ماجد۔ اس آیہ شریفہ میں دونوں عمران مراد لیے جا سکتے ہیں۔ تاہم قرین قیاس یہ ہے کہ مراد حضرت مریم ؑ کے والد ماجد ہوں، کیونکہ سلسلہ کلام حضرت مریم ؑ اور حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں ہے۔ اناجیل میں حضرت مریم ؑ کے والدین کا نام مذکور نہیں ہے۔ تاہم مسیحی روایت میں حضرت مریم ؑ کے والد کا نام یو آخیم آیا ہے۔

۳۶۔ بعض روایات کے مطابق حضرت مریم ؑ کی والدہ نے اس بناء پر نذر مانی تھی کہ ہونے والا نومولود لڑکا ہی ہو سکتا ہے، چونکہ ان کے والد حضرت عمران کو یہ بشارت ہوئی تھی کہ ان کا ایک لڑکا ہونے والا ہے لیکن جب بچی ہوئی تو پریشان ہو گئیں۔

۳۷۔ اللہ نے اس لڑکی کی نذر قبول کر لی، لیکن وہ ہیکل (عبادت گاہ) کی خادمہ تو نہیں بن سکتی تھیں۔ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمران اس وقت زندہ نہ تھے، اس لیے حضرت مریم ؑ کی کفالت ایک مسئلہ بن گئی۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے قرعہ اندازی ہوئی تو قرعہ حضرت زکریا ؑ کے نام نکل آیا۔ اپنی کفالت میں لینے کے بعد حضرت زکریا ؑ حضرت مریم ؑ کو حجرہ ہائے عبادت میں سے ایک حجرے میں بٹھا دیتے اور قفل لگا دیتے اور خود آ کر کھولتے تو یہ دیکھ کر انہیں تعجب ہوتا کہ مریم ؑ کے پاس بے موسم کے میوے اور کھانے کی چیزیں کہاں سے آتی ہیں۔ كُلَّمَا سے معلوم ہوتا

رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿٤١﴾ ع وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ

رب! مجھے اپنی عنایت سے صالح اولاد عطا کر، یقیناً تو ہی دعا سننے والا ہے۔☆ ﴿٣٩﴾ چنانچہ جب وہ حجرۂ عبادت میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے آواز دی: اللہ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو کلمہ اللہ کی طرف سے ہے وہ اس کی تصدیق کرنے والا، سیادت کا مالک، خواہشات پر ضبط رکھنے والا، نبوت کے مقام پر فائز اور صالحین میں سے ہوگا۔☆ ﴿٤٠﴾ زکریا بولے: میرے رب! میرے ہاں لڑکا کہاں سے پیدا ہوگا جبکہ میں تو سن رسیدہ ہو چکا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے، اللہ نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔☆ ﴿٤١﴾ عرض کیا: میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما، اللہ نے فرمایا: تمہاری نشانی یہ ہوگی کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارے کے علاوہ بات نہ کرو گے اور اپنے رب کو یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔☆ ﴿٤٢﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بیشک اللہ نے تمہیں برگزیدہ کیا

---

ہے کہ یہ واقعہ روزمرہ کا معمول تھا۔ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اور زمخشری نے الکشاف ۱:۳۵۸ میں اسی آیت کے ذیل میں روایت بیان کی ہے کہ حضرت فاطمہ ﷺ کے لیے جنت سے رزق آتا تھا۔

۳۸۔۴۰۔ کَلِمَة: (ک ل م) سے ماخوذ ہے۔ اس سے کلام بھی مراد لیا جاتا ہے اور ذوات بھی۔ یہاں کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ ﷺ ہیں۔ چونکہ حضرت عیسیٰ ﷺ کی تخلیق بغیر باپ کے کلمہ کن سے ہوئی۔ اس لیے آپ ﷺ کو کلمہ کہا جاتا ہے۔

حضرت زکریا ﷺ کے ہاں اولاد نہ تھی۔ ممکن ہے کہ مریم ﷺ کی پاکیزگی اور منزلت دیکھ کر اولاد کی خواہش زیادہ ہوگئی ہو۔ اگرچہ خود زکریا ﷺ نے اللہ سے اولاد کی خواہش کی تھی، لیکن حضرت زکریا ﷺ کے ذہن میں اس کے لیے دو رکاوٹیں موجود تھیں۔ ایک بڑھاپا، دوسری رکاوٹ بیوی کا بانجھ ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری قدرت کے آگے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

۴۱۔ نشانی کا تعین: اولاد عطا ہونے کے بارے میں جو نشانی طلب کی گئی، ممکن ہے کہ وہ کیفیت کے بارے میں ہو۔ اس مقصد کے لیے تین دن تک لوگوں سے بات نہ کرنے اور اولاد عطا ہونے کے درمیان کیا ربط ہوسکتا ہے؟ نیز لوگوں سے بات نہ کرنا کس مطلب کی طرف اشارہ ہے؟ آیت سے اس بارے میں کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت زکریا ﷺ تین دن تک لوگوں سے بات کر ہی نہ سکے۔ لیکن جب تسبیح و ذکر خدا کرنے پر آتے تو زبان کھل جاتی تھی۔ یہ علامت تھی کہ حضرت یحییٰ ﷺ کا حمل قرار پا گیا۔

۴۲۔ اس آیت میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غیر

وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٢﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٤﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ ۙ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ

ہے اور تمہیں پاکیزہ بنایا ہے اور تمہیں دنیا کی تمام عورتوں پر برگزیدہ کیا ہے۔☆ ﴿٤٢﴾ اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کرو اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو۔ ﴿٤٣﴾ یہ غیب کی خبریں ہم آپ کو وحی کے ذریعہ بتا رہے ہیں اور آپ تو ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے اور نہ ہی آپ ان کے پاس (اس وقت) موجود تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ ﴿٤٤﴾ جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، وہ دنیا و آخرت میں آبرومند ہوگا اور مقرب لوگوں میں سے ہوگا۔☆ ﴿٤٥﴾ اور وہ لوگوں سے گہوارے میں اور بڑی عمر میں گفتگو کرے گا اور صالحین میں سے ہوگا۔ ﴿٤٦﴾ مریم نے کہا: میرے رب! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوگا؟ مجھے تو کسی شخص نے چھوا تک نہیں، فرمایا: ایسا ہی ہوگا اللہ جو چاہتا

انبیاء پر بھی فرشتے نازل اور ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ فرشتوں سے ہمکلام ہونے والی ہستیاں حسب ذیل ہیں:

نبی: نبی وہ ہیں جو خواب میں آواز سنتے ہیں مگر فرشتے نظر نہیں آتے۔ رسول: وہ ہیں جن کو فرشتے نظر آتے ہیں اور ان سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ مُحَدَّث وہ ہیں جن کو کلام سنائی دیتا ہے مگر فرشتے نظر نہیں آتے۔ (ملاحظہ ہو الکافی ۱: ۱۷۶) جیسے مادر موسیٰ کے لیے حکم آیا کہ موسیٰ کو دریا میں ڈال دو وغیرہ اور حضرت مریم ؑ سے ہمکلام ہونے کے لیے فرشتے نازل ہوئے۔ امامیہ احادیث میں حضرت علی ؑ کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ آپ ؑ مُحَدَّث ہیں۔ آیت میں حضرت مریم ؑ کو برگزیدہ کرنے کا دوبارہ ذکر آیا ہے۔ پہلی بار حضرت مریم ؑ کو اللہ نے اپنے لطف و کرم سے نوازتے ہوئے برگزیدہ فرمایا۔ دوسری بار تطہیر کے بعد برگزیدہ فرمایا۔ اس بار عملاً استحقاق اور کردار کی بلندی کی وجہ سے برگزیدہ فرمایا۔ اس لیے تمام دنیا کی عورتوں پر ان کو منتخب فرمایا۔ کیا حضرت مریم ؑ کو اپنے عالم کی عورتوں پر برگزیدہ فرمایا یا تمام عالم اس میں شامل ہیں؟ احادیث کے مطابق حضرت مریم ؑ کو صرف اپنے عالم کی عورتوں پر برگزیدہ فرمایا ہے۔

۴۵۔ المسیح عبرانی لفظ مسیحا کا معرب ہے جو مبارک کے معنوں میں ہے۔ عیسیٰ: یہ عبرانی لفظ یسوع کا معرب ہے، یعنی نجات دہندہ۔

۴۷۔ کُن صرف ایک تعبیر ہے ورنہ ارادۂ الٰہی کے نفاذ کے لیے کاف و نون کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت علی ؑ سے روایت ہے: یقول لما اراد کونه کن فیکون لا بصوت یقرع ولا

إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ

ہے خلق فرماتا ہے، جب وہ کسی امر کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔☆ ﴿۴۷﴾ اور (اللہ) اسے کتاب و حکمت اور توریت و انجیل کی تعلیم دے گا۔ ﴿۴۸﴾ اور (وہ) بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے رسول کی حیثیت سے (کہے گا:) میں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر تمہارے پاس آیا ہوں، (وہ یہ کہ) میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی شکل کا مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست اور مردے کو زندہ کرتا ہوں اور میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا جمع کر کے رکھتے ہو، اگر تم صاحبان ایمان ہو تو اس میں تمہارے لیے نشانی ہے۔☆ ﴿۴۹﴾ اور اپنے سے پیشتر آنے والی توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور جو چیزیں تم پر حرام کر دی گئی تھیں ان میں سے بعض کو تمہارے لیے حلال کرنے آیا ہوں اور میں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر تمہارے پاس

---

بنداء يسمع و انما كلامه سبحانه فعل منه انشائه۔ (نہج البلاغہ خ ۲۲۸) جب اللہ کسی چیز کے وجود کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس سے فرماتا ہے: ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔ یہ نہ کسی ایسی آواز سے ہوتا ہے جو بولی جائے اور نہ کسی ایسی صدا سے جو سنائی دے اور اللہ کا کلام تو بس اس کا فعل اور اس کی ایجاد ہے۔

۴۹۔ سورہ بقرہ آیت ۶۰ کے ذیل میں اس موضوع پر ہم نے مختصراً لکھا ہے کہ معجزات، طبیعی قوانین کی عام دفعات کے تحت نہیں ہوتے، ورنہ یہ سب کے لیے قابل تسخیر ہوتے اور معجزہ نہ ہوتا۔ معجزہ اس وقت معجزہ ہوتا ہے جب یہ سطحی اور ظاہری علل و اسباب کے سلسلے کو توڑ دے۔ البتہ معجزے کے اپنے علل و اسباب ضرور ہوتے ہیں جو ہر ایک کے لیے قابل تسخیر نہیں ہوتے۔ لہٰذا معجزات کے علل و اسباب کو قانونِ طبیعت کی عام دفعات میں تلاش کرنا انکار معجزہ کے مترادف ہے۔ جیسا کہ صاحب "المنار" نے کوشش کی ہے۔

اَخۡلُقُ لَکُمۡ: خلق متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ☆ خلق ابداعی یعنی عدم سے وجود میں لانا۔ یہ بات صرف ذاتِ خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ☆خلق تشکیلی یعنی ایک شے سے دوسری شے بنانا۔ ☆خلق تقدیری یعنی اندازہ کرنا۔ خلق ان دو معنوں میں غیر اللہ کے ساتھ بھی متصف ہو سکتا ہے۔

ولایت تکوینی: انبیاء اور اولیاء ؑ اظہار حجت و اثبات حق کے لیے باذن خدا عالم خلقت کے تکوینی امور میں تصرف کرتے ہیں۔ وہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور شق القمر کرتے ہیں نیز بوقت ضرورت دیگر معجزات رکھتے ہیں جو عالم تخلیق و تکوین

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾
فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ
اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ
نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ
اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ
الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ
خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ ع اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ
مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ
فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ
اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ

آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔☆ ﴿٥١﴾ بیشک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے لہٰذا تم اس کی بندگی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿٥٢﴾ جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ وہ لوگ کفر اختیار کر رہے ہیں تو بولے: اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ہوگا؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ ﴿٥٣﴾ ہمارے رب! جو تو نے نازل فرمایا اس پر ہم ایمان لائے اور ہم نے رسول کی پیروی قبول کی پس ہمارا نام بھی گواہوں کے ساتھ لکھ دے۔☆ ﴿٥٤﴾ ان لوگوں نے (عیسیٰ کے قتل کی) تدابیر سوچیں اور اللہ نے (بھی جوابی) تدبیر فرمائی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ ﴿٥٥﴾ جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ اب میں تمہاری مدت پوری کر رہا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں (کی ناپاک سازشوں) سے پاک کرنے والا ہوں اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے انہیں قیامت تک کفر اختیار کرنے والوں پر بالادست رکھوں گا، پھر تم لوگوں کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر اس وقت میں

سے مربوط ہیں۔ البتہ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ تصرف اور اختیار اللہ کے تصرف کے مقابلے میں نہیں بلکہ اللہ کے تصرف و اختیار کے ذیل میں آتا ہے۔ اس قسم کے تصرفات کے ساتھ عام طور پر باذن اللہ کا ذکر آتا ہے۔

۵۰۔ قرآن کریم اس حقیقی توریت کی تصدیق فرما رہا ہے جس کی تعلیم حضرت عیسیٰ ؑ کو دی گئی تھی ورنہ مروجہ توریت کے بارے میں تو قرآن کا موقف یہ ہے کہ اس میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ ؑ فرماتے ہیں: میں شریعت موسوی میں جزوی ترمیم و تنسیخ کے ساتھ اسی کی تکمیل و تشریح کرنے آیا ہوں۔ اگر میں سچا نبی نہ ہوتا تو کسی نئے دین کی بنیاد رکھتا۔ سابقہ دین کی تائید اس بات کی دلیل ہے کہ میری نبوت بھی سلسلۂ نبوت کی ایک کڑی ہے۔

۵۳۔ دعوت و تبلیغ اور ہدایت و رہبری کے مقام پر فائز ہونے اور اَنۡصَارُ اللّٰهِ کا مقام حاصل کرنے کے بعد شَاهِدِين میں شمار کرنے کی درخواست کی گئی جو اس مقام کا ایک لازمی امر ہے۔ یعنی جو امت کی ہدایت و رہبری کی ذمہ داری پوری کرتا ہے، وہ اس امت کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دینے کا مجاز ہوتا ہے، جو ایک عظیم منصب ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ آیت ۱۴۳ میں ذکر ہوا کہ کون لوگ امت وسط اور شاہد ہیں۔

۵۵۔ مُتَوَفِّيْكَ: سے مراد وفات نہیں، مدت پوری کرنا ہے کیونکہ ☆ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ یہودیوں نے قتل عیسیٰ ؑ کی سازش کی تھی جسے اللہ نے ناکام بنا دیا۔ مُتَوَفِّيْكَ کے معنی وفات لینے سے یہود کی ناکامی ثابت نہیں ہوتی، جب کہ آیت کے مطابق یہود ناکام ہو گئے۔ ☆ سورہ النساء آیت ۱۵۷ میں فرمایا: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وہ نہ آپ کو قتل کر سکے نہ سولی چڑھا سکے۔ ☆ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ چنانچہ سورہ النساء میں

فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا
فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ
أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾
ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ
الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ
كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ
كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ
مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ
بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ
أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ
وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ

تمہارے درمیان (ان باتوں کا) فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔☆ ﴿۵۶﴾ پس جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کو دنیا و آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی فریاد رس نہ ہو گا۔ ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اللہ انہیں ان کا پورا صلہ دے گا اور اللہ ظالموں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ ﴿۵۸﴾ یہ اللہ کی نشانیاں اور حکمت بھری نصیحتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں۔☆ ﴿۵۹﴾ بیشک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اس نے پہلے اسے مٹی سے خلق کیا، پھر اسے حکم دیا: ہو جا اور وہ ہو گیا۔ ﴿۶۰﴾ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے، پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ ﴿۶۱﴾ آپ کے پاس علم آ جانے کے بعد بھی اگر یہ لوگ (عیسیٰ کے بارے میں) آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہدیں: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی بیٹیوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنی بیٹیوں کو بلاؤ، ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے نفسوں کو بلاؤ، پھر دونوں فریق

---

اٹھانے کو قتل کے مقابلے میں ذکر کیا ہے۔ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ جمال الدین قاسمی اپنی تفسیر محاسن التاویل ۴: ۱۰۸ میں اس آیت کے ذیل میں دلائل دیتے ہیں: اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر ہے۔ پھر کہتے ہیں: و هو مذهب السلف قاطبة۔ یہ تمام علمائے سلف کا نظریہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں: و قد اتفقت کلمة المسلمین ان الله فوق عرشه فوق سماواته۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ اپنے عرش کے اوپر ہے، اپنے آسمانوں کے اوپر ہے۔ اس سلسلے میں اہل بیت علیہم السلام کا نظریۂ توحید ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: و من قال فیم فقد ضمنه و من قال علام فقد اخلی منه۔ (نہج البلاغة خطبہ اوّل) جس نے یہ کہا کہ اللہ کس چیز میں ہے، اس نے اسے کسی شے کے ضمن میں فرض کر لیا اور جس نے یہ کہا کہ اللہ کس چیز پر ہے، اس نے اور جگہیں اس سے خالی سمجھ لیں۔

۵۸۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات و واقعات کو حقیقت کے مطابق بیان کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ عصر رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ سے آگاہی کا کوئی وسیلہ موجود نہیں تھا اور عرب قوم تو ایک ناخواندہ قوم تھی۔ جزیرہ نمائے عرب کبھی علمی مرکز نہیں رہا تھا، لہٰذا ان کے واقعات کا صحیح علم صرف وحی کے ذریعے سے ہی ممکن تھا۔

۶۱۔ چوتھی صدی کے مقتدر عالم جناب ابوبکر جصاص احکام القرآن ص ۱۵ میں لکھتے ہیں: رواة السیر و نقلة الاثر لم یختلفوا فی ان النبی صلی الله علیه (و اله) و سلم اخذ بید الحسن و الحسین و علی و فاطمه رضی الله عنهم ثم دعی النصاریٰ الذین حاجوه الی المباهلة "سیرت نگاروں اور مورخین میں کسی کو اس بات سے اختلاف نہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حسنین

لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ ع قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٥﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا

اللہ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔☆ ﴿٦٢﴾ یقیناً یہ برحق واقعات ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک اللہ ہی کی ذات غالب آنے والی، باحکمت ہے۔ ﴿٦٣﴾ اگر یہ لوگ (قبول حق سے) پھر جائیں تو اللہ مفسدوں کو یقیناً خوب جانتا ہے۔ ﴿٦٤﴾ کہد یجیے: اے اہل کتاب! اس کلمے کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں، پس اگر نہ مانیں تو ان سے کہد یجیے: گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں۔ ﴿٦٥﴾ اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں نزاع کرتے ہو حالانکہ توریت اور انجیل تو ابراہیم کے بعد نازل ہوئی ہیں؟ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿٦٦﴾ جن باتوں میں تمہیں کچھ علم تھا ان میں تو تم نے جھگڑا کر ہی لیا، اب تم ایسی باتوں میں کیوں

فاطمہ اور علی علیہم السلام کے ہاتھ پکڑ کر نصاریٰ کو مباہلے کی دعوت دی"۔ علامہ زمخشری نے اس جگہ ایک اہم نکتہ بیان کیا ہے کہ نِسَآءَنَا اور اَنْفُسَنَا میں ایک ایک ہستی حضرت فاطمہ علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام پر اکتفا کیا گیا، لیکن اَبْنَآءَنَا میں ایک ہستی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ چونکہ فاطمہ علیہا السلام اور علی علیہ السلام کی کوئی نظیر نہیں تھی، لہٰذا ان کے ساتھ کسی اور کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی، لیکن اَبْنَآءَنَا میں دو ہستیاں ایک دوسرے کی نظیر تھیں، اس لیے یہاں دونوں کو بلایا۔

سید بن طاؤس سعد السعود میں لکھتے ہیں: میں نے محمد ابن العباس ابن مروان کی کتاب انزل من القرآن فی النبی و اھل بیتہ میں دیکھا کہ حدیث مباہلہ پچاس سے زائد صحابیوں سے مروی ہے۔ بعض ترجمہ نگاروں نے اَنْفُسَنَا کا یہ ترجمہ کیا ہے: "آؤ ہم اور تم خود بھی آ جائیں"۔ جبکہ آیت میں "آنے" کا نہیں "بلانے" کا ذکر ہے اور انسان اپنے آپ کو نہیں بلاتا۔ اگر نفس سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں تو حضرت زہرا اور حسنین علیہم السلام کو ساتھ لینے سے حکم خدا کی تکمیل ہو گئی لیکن حضرت علی علیہ السلام کو ساتھ رکھنے کی آیت میں کس طرح گنجائش ہو سکتی ہے؟ تفسیر المنار نے علامہ عبدہ کا یہ قول اپنے صفحات پر ثبت کر کے محدثین، خاص طور پر ارباب صحاح کے علمی مقام کو مخدوش کر دیا: مباہلہ میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صرف علی، فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کو ساتھ لیا۔ یہ متفقہ روایت ہے، لیکن یہ شیعوں کی روایت ہے اور انہوں نے اپنے خاص مقصد کے لیے اسے ہوا دی ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے اہل سنت میں بھی یہ بات رائج ہو گئی اور اس حدیث کو گھڑنے والوں نے آیت کی تطبیق کا خیال بھی نہیں رکھا، کیونکہ عربی محاورہ میں نساء کہکر اپنی بیٹی مراد نہیں

لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ

جھگڑتے ہو جن کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں؟ اور (یہ ساری باتیں) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔☆ ﴿٦٧﴾ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ یکسوئی کے ساتھ مسلم تھے اور وہ مشرکین میں سے ہرگز نہ تھے۔ ﴿٦٨﴾ ابراہیم سے نسبت رکھنے کا سب سے زیادہ حق ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور اب یہ نبی اور ایمان لانے والے (زیادہ حق رکھتے ہیں) اور اللہ ایمان رکھنے والوں کا حامی اور کارساز ہے۔ ﴿٦٩﴾ اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ تمہیں گمراہ کر دے، دراصل وہ اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں مگر وہ شعور نہیں رکھتے۔ ﴿٧٠﴾ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود ان کا مشاہدہ کر رہے ہو؟ ﴿٧١﴾ اے اہل کتاب! تم جان بوجھ کر حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو؟ ﴿٧٢﴾ اور اہل کتاب کا ایک گروہ (آپس میں) کہتا ہے: ایمان لانے

لی جاتی۔(المنار ٣:٣٢٢)۔

جواب: ١۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ارباب صحاح مثلاً صحیح مسلم اور صحیح ترمذی، محدثین، مورخین اور مفسرین کے پاس کوئی معیار نہیں ہے کہ وہ ایک من گھڑت روایت پر متفق ہو جاتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے بعد کسی صحیح محدث، کسی راوی اور کسی جرح و تعدیل کرنے والے پر وثوق نہیں رہتا۔ ٢۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ نساء کے معنی بیٹی ہیں اور روایات کا مفہوم بھی یہ نہیں ہے بلکہ روایات اس بات کو بالاتفاق بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ نے عملاً مباہلہ کے لیے نِسَآءَنَا کی جگہ صرف حضرت فاطمہ ؑ کو اور اَنْفُسَنَا کی جگہ صرف حضرت علی ؑ کو ساتھ لیا۔ لہٰذا یہ حضرات ان الفاظ کے مصداق قرار پائے، نہ کہ مفہوم۔ ورنہ مفہوم و معنی میں گنجائش کے باوجود ان کے علاوہ کسی کو مباہلہ میں شریک نہیں کیا۔

٦٦۔ یہودیوں کو توریت کے ذریعے یہ علم تھا کہ عیسیٰ ؑ رسول برحق ہیں لیکن وہ تکذیب کرتے رہے اور ان کے نسب میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہے۔ دوسری طرف نصاریٰ کو یہ علم تھا کہ حضرت عیسیٰ ؑ خدا یا خدا کا بیٹا نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس علم کے باوجود یہود و نصاریٰ آپس میں جھگڑا کرتے رہے۔ اب یہ لوگ حضرت ابراہیم ؑ کے یہودی یا نصرانی ہونے کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں جس کا انہیں علم بھی نہیں ہے۔ اس بات کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اگلی آیت میں حضرت ابراہیم ؑ کے بارے میں اللہ اپنے علم کا اظہار فرماتا ہے۔

٦٧۔ حق کی ایک اہم علامت یہ ہے کہ ایک بار اس کی معرفت حاصل ہونے کے بعد لوگ اس سے برگشتہ

الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ
تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ
اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ
يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ
بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
عَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ اَهْلِ
الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ
اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا
يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا

والوں پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو انکار کر دو شاید وہ (مسلمان) برگشتہ ہو جائیں۔☆ ﴿٧٢﴾ اور (یہ لوگ آپس میں کہتے ہیں) اپنے دین کے پیروکاروں کے سوا کسی کی بات نہ مانو، کہہ دیجیے: ہدایت تو بے شک وہ ہے جو اللہ کی طرف سے ہو، (لیکن اہل کتاب باہم یہ کہتے ہیں:) کہیں ایسا نہ ہو جیسی چیز تمہیں ملی ہے ویسی کسی اور کو مل جائے یا وہ تمہارے رب کے حضور تمہارے خلاف حجت قائم کر لیں، ان سے کہہ دیجیے: فضل تو بے شک اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑی وسعت والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿٧٣﴾ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کرتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔ ﴿٧٤﴾ اور اہل کتاب میں کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر آپ اسے ڈھیر دولت کا امین بنا دیں تو وہ آپ کو لوٹا دے گا، البتہ ان میں کوئی ایسا بھی ہے جسے اگر آپ ایک دینار کا بھی امین بنا دیں تو وہ آپ کو ادا نہیں کرے گا جب تک آپ اس کے سر پر کھڑے نہ رہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: ناخواندہ

نہیں ہوتے۔ جیسا کہ ہرقل بادشاہ کو جب حضور ﷺ کی طرف سے دعوت اسلام ملی تو اس نے پوچھا: کیا اس رسول پر ایمان لانے والے برگشتہ ہو جاتے ہیں؟ جواب دیا گیا: ایسا کبھی نہیں ہوا۔

٧٣۔ یہودی حسد کی آگ میں جلتے تھے کہ اللہ نے ان کے علاوہ کسی اور قوم کو نبوت اور کتاب سے کیوں نوازا ہے۔ وہ طرح طرح کی خفیہ سازشیں کرتے تھے۔ ساتھ ہی اس بات سے گھبراتے بھی تھے کہ کہیں مسلمانوں کے ہاتھ کوئی حجت اور دلیل نہ آ جائے، اس طرح کہیں وہ اللہ کے سامنے ماخوذ نہ ہوں۔

٧٥۔ یہودی آج بھی اپنی قوم کو اللہ کی برگزیدہ قوم خیال کرتے ہیں اور پوری انسانیت کو اپنی سیادت و قیادت کے تابع سمجھتے ہیں۔ لہٰذا وہ کسی غیر یہودی کے لیے انسانی اور اخلاقی حقوق کے قائل نہیں ہیں۔ وہ غیر یہود کو ناخواندہ قوم کہکر ان کے لیے تمام انسانی حقوق کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک کسی غیر یہودی کی جان و مال محترم نہیں ہے۔ یہودیوں کی یہ بدعملی اور خیانت کاری صرف ان کے عملی کردار تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ بدعملی اور خیانت یہودیوں کی مذہبی تعلیم، یہودیت کے دستور و ضابطۂ حیات اور ان کی اخلاقیات کا حصہ بھی ہے۔ بطور مثال اگر کسی اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، لیکن اگر کسی غیر اسرائیلی کا بیل کسی اسرائیلی کے بیل کو زخمی کرے تو اس پر تاوان ہے۔ (تلمود) اس پر طرہ یہ کہ نسلی امتیاز و تفریق پر مبنی اس حکم کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لہٰذا یہود اپنے اخلاقیاتی نظریات کے تحت امین نہیں ہیں۔ تاہم بعض یہودی امین ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ بات خارج از

فِي الْأُمِّيِّنَ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ

(غیر یہودی) لوگوں کے بارے میں ہم پر کوئی ذمے داری نہیں ہے اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔☆ ﴿٧٦﴾ ہاں! (حکم خدا تو یہ ہے کہ) جو بھی اپنا عہد پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تقویٰ والوں کو یقینا دوست رکھتا ہے۔ ﴿٧٧﴾ بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اللہ قیامت کے دن ان سے نہ تو کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ﴿٧٨﴾ اور (اہل کتاب میں) یقینا کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو اس طرح پھیرتے ہیں کہ تمہیں یہ خیال گزرے کہ یہ خود کتاب کی عبارت ہے حالانکہ وہ کتاب سے متعلق نہیں اور وہ کہتے ہیں: یہ اللہ کی جانب سے ہے حالانکہ یہ اللہ کی جانب سے نہیں ہوتی اور وہ جان بوجھ کر اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دیتے ہیں۔☆ ﴿٧٩﴾ کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تو اسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا

امکان نہیں ہے کہ ایک یہودی کے فطری تقاضے ان کی خیانت پر مبنی اخلاقیات پر غالب آجائیں اور امین بن جائے۔ چونکہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ تمام انبیاء ؑ کی تعلیمات میں ادائے امانت کو انتہائی اہمیت حاصل ہے، حتیٰ کہ یہ بات کسی دیانت اور مذہب سے بھی بالاتر ایک انسانی مسئلہ ہے۔ امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے: ثَلَاثَۃٌ لَا عُذْرَ لِاَحَدٍ فِیھَا اَدَاءُ الْاَمَانَۃِ اِلَی الْبَرِّ وَ الْفَاجِرِ وَ الْوَفَاءُ بِالْعَھْدِ اِلَی الْبَرِّ وَ الْفَاجِرِ وَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ بَرَّیْنِ کَانَا اَوْ فَاجِرَیْنِ۔ (الکافی ۵: ۱۳۲) تین چیزوں کے بارے میں کسی کے لیے عذر کی گنجائش نہیں ہے۔ ادائے امانت، اچھے آدمی کی ہو یا برے آدمی کی۔ والدین کے ساتھ احسان، دونوں نیک ہو یا برے۔ وفا بعہد، اچھے آدمی کے ساتھ ہو یا برے آدمی کے ساتھ۔

۷۸۔ شان نزول: یہود و نصاریٰ کے ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جو توریت و انجیل میں تحریف کرتے تھے اور کتاب خدا میں الٹ پھیر کرتے تھے۔ کچھ مواد کتاب خدا پر اپنی طرف سے اضافہ کرتے تھے۔ کتاب خدا کا وہ حصہ جو دین اسلام سے متعلق تھا، حذف کرتے تھے۔ (مجمع البیان ذیل آیہ)

۷۹۔ بشر: انسانی جلد کو بشرۃ کہتے ہیں۔ اسی سے انسان کو بشر کہا گیا ہے کہ اس کی جلد بالوں سے صاف ہے اور بشر چونکہ باہمی انس اور میل جول کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا اس لیے اسے انسان کہا گیا ہے، یعنی مانوس مخلوق۔ قرآن کے نزدیک بھی انسان اور بشر مترادف الفاظ ہیں۔ ربانی: علم کی پرورش کرنے والے۔ بعض نے کہا ہے: یہ رب کی طرف منسوب ہے یعنی اللہ والا۔ حضرت علی ؑ کا

الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾ ع وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ

فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے: اللہ کی بجائے میرے بندے بن جاؤ بلکہ (وہ تو یہ کہے گا:) جو تم (اللہ کی) کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور جو کچھ پڑھتے ہو اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم سچے ربانی بن جاؤ۔☆ ﴿۸۰﴾ اور وہ تمہیں فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنانے کا حکم نہیں دے گا، کیا (ایک نبی) تمہیں مسلمان ہو جانے کے بعد کفر اختیار کرنے کا حکم دے سکتا ہے؟ ﴿۸۱﴾ اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر آئندہ کوئی رسول تمہارے پاس آئے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرے تو تمہیں اس پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنا ہوگی، پھر اللہ نے پوچھا: کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے (عہد کی) بھاری ذمہ داری لیتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! ہم نے اقرار کیا، اللہ نے فرمایا: پس تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔☆ ﴿۸۲﴾ پس اس کے بعد جو (اپنے عہد سے) پھر

فرمان ہے: انا ربانی ھذہ الامۃ۔ میں اس امت کا عالم ربانی ہوں۔

روئے سخن نصرانیوں کی طرف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو رب تھے اور نہ ہی انہوں نے اپنے لیے ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا (نعوذ باللہ) ربوبیت کا دعویٰ کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ اولاً تو وہ بشر ہیں اور بشر مخلوق ہے، رب نہیں ہے۔ معبود کے لیے ضروری ہے کہ محتاج نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ محتاج ہے تو کوئی محتاج، اسے کیسے معبود بنائے گا جو خود محتاج ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کتاب کی تعلیم دینے کی جو ذمہ داری انجام دی ہے اس کا نتیجہ توحید ہے نہ کہ شرک۔ کیونکہ توریت ہو یا انجیل تمام آسمانی کتب کی تعلیمات توحید پر استوار ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ جس نبی نے توریت و انجیل کی تعلیم و تدریس کی ہو وہ شرک باللہ کا حکم دے؟۔

۸۱۔ یہ عہد و میثاق اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے پیغمبروں کے لیے لیا ہے کہ سابق نبی کا فریضہ ہے کہ آنے والے رسول پر ایمان لائے۔ اگر معاصر ہیں تو تصدیق کریں جیسا کہ حضرت لوط نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی اور اگر بعد میں آنے والے ہوں تو ان کی آمد کی بشارت دیں اور اپنی امت کو ان کی پیروی کی وصیت کر جائیں اور ہر آنے والے نبی کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ وہ گزشتہ رسولوں کی تصدیق کرے۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سے پہلے آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ہمارے نبی کے مبعوث ہونے کی خبر اور ان کے فضائل اپنی اپنی امتوں کو بیان کریں اور انہیں ان کے آنے کی بشارت اور تصدیق کرنے کا حکم

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ

جائیں وہی لوگ فاسق ہیں۔☆ ﴿۸۳﴾ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے خواہاں ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی موجودات نے چارو ناچار اللہ کے آگے سر تسلیم خم کیے ہیں اور سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔☆ ﴿۸۴﴾ کہد یجیے: ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور جو ہماری طرف نازل ہوا ہے اس پر بھی نیز ان (باتوں) پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئی ہیں اور جو تعلیمات موسیٰ و عیسیٰ اور باقی نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے ملی ہیں (ان پر ایمان لائے ہیں)، ہم ان کے درمیان کسی تفریق کے قائل نہیں ہیں اور ہم تو اللہ کے تابع فرمان ہیں۔☆ ﴿۸۵﴾ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواہاں ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔☆ ﴿۸۶﴾ اللہ کیونکر اس قوم کو ہدایت کرے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئی ہے حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول برحق ہے اور ساتھ ہی ان کے پاس روشن دلائل

دیں۔ (بحار الانوار ۱۱: ۱۲)

۸۲۔ سارے انبیاء ؑ معصوم ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنے عہد پر یقیناً عمل کیا ہے اور اپنی امت کو آنے والے رسول کے بارے میں بتایا ہے، لیکن اس کے باوجود اہل کتاب اس عہد کو توڑ رہے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کا انکار کر رہے ہیں، یوں وہ اپنے انبیاء کے عہد کی خلاف ورزی کر کے فاسق ہو چکے ہیں۔

۸۳۔ خدائے واحد کو تسلیم کرنا ہی اللہ کا دین اور اسلام ہے جو تمام آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ اگر اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا یہ عمل اختیار و ارادے کے ساتھ ہو تو وہ فرمانبردار شمار ہوں گے، لیکن اگر ایسا نہ ہو تب بھی اللہ کی حکمت ان پر نافذ ہوگی، جیسے موت، فقر اور بیماری وغیرہ۔

۸۴۔ امت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے عہد و میثاق پر قائم ہے اور بلا تفریق تمام انبیاء پر ایمان لاتی ہے۔ یہ امت نسلی تفریق اور قومی عصبیت سے پاک ہے۔ کسی نبی پر ایمان لاتے وقت یہود و نصاریٰ کی طرح یہ نہیں دیکھتی کہ یہ نبی کس قوم اور نسل سے تعلق رکھتا ہے، بلکہ وہ کسی نبی ؑ پر صرف اس لیے ایمان لاتی ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے مبعوث ہوا ہے۔

۸۵۔ گزشتہ آیات سے ایک لازمی نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ جب اللہ کا دین ہی توحید کا دین ہے، جس کا امین اسلام ہے تو دوسرے تمام وہ ادیان جو توحید پر استوار نہیں ہیں، اللہ کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ پس دین اسلام ہی دین فطرت ہے اور فطرت سے انحراف کرنے والا خسارے میں ہوتا ہے۔ توحید چونکہ اللہ کا دین ہے نیز کائناتی حقائق اور فطرت سے ہم آہنگ ہے، لہٰذا توحید سے منحرف ادیان، اللہ کے لیے قابل قبول نہیں ہیں۔ نظریۂ توحید کے منکرین فطرت سے انحراف کے باعث

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع ۹ / ۱۷

بھی آ گئے تھے اور ایسے ظلم کے مرتکب ہونے والوں کو اللہ ہدایت نہیں کرتا۔☆ ﴿۸۷﴾ ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ، فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہے۔ ﴿۸۸﴾ وہ ہمیشہ اس لعنت میں گرفتار رہیں گے، نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ ﴿۸۹﴾ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کر لی، پس اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۹۰﴾ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی، اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔☆ ﴿۹۱﴾ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کفر کی حالت میں مر گئے ان میں سے کسی سے اس قدر سونا بھی، جس سے روئے زمین بھر جائے، ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ اسے فدیہ میں دے دیں، ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور ان کی مدد کرنے والے نہ ہوں گے۔

انسانی سرمایہ حیات سے محروم رہیں گے۔

۸۶۔ آیات کے تسلسل سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ یہ لوگ رسول اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے سے قبل آپ ﷺ کی علامات اور نشانیاں پڑھ کر آپ ﷺ پر ایمان لا چکے تھے اور آپ ﷺ کے رسول برحق ہونے کی گواہی بھی دے چکے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے۔ یعنی انہوں نے حضور ﷺ سے اپنی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں بعد میں جب رسول اکرم ﷺ مبعوث برسالت ہو گئے تو انہی لوگوں نے کفر اختیار کیا اور آپ ﷺ کو ماننے سے انکار کیا۔

۸۹۔ البتہ ان لوگوں کے ہاں ایمان کے لیے کچھ گنجائش باقی ہے جو توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کرتے رہیں۔ واضح رہے کہ توبہ کا مطلب صرف پشیمان ہونا نہیں ہے بلکہ توبہ کے بعد استقامت شرط ہے کہ دوبارہ اس گناہ کی طرف نہ آئے۔ اسی کو اصلاح کہتے ہیں۔ یعنی توبہ ایک نفسیاتی چیز ہے اور اصلاح اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔

۹۰۔ کفر میں اضافہ اس وقت ہوتا ہے جب کفر کے تقاضوں کے مطابق بداعمالیوں میں اضافہ کرے جیسا کہ ایمان میں اضافے کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ ایمان کے تقاضوں کے مطابق نیک اعمال میں اضافہ کرے۔

بعض روایات کے مطابق یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو رسول اسلام ﷺ کے خلاف مصروف عمل رہتے تھے اور یہ خیال رکھتے تھے کہ اگر محمد ﷺ کامیاب ہو گئے تو ہم توبہ کر لیں گے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۬ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ

﴿۹۲﴾ جب تک تم اپنی پسند کی چیزوں میں سے خرچ نہ کرو تب تک کبھی نیکی کو نہیں پہنچ سکتے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو یقینا اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۹۳﴾ بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی ساری چیزیں حلال تھیں بجز ان چیزوں کے جو اسرائیل نے توریت نازل ہونے سے پہلے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، کہد یجیے: اگر تم سچے ہو تو توریت لے آؤ اور اسے پڑھو۔☆ ﴿۹۴﴾ اس کے بعد بھی جنہوں نے اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دی وہی لوگ ظالم ہیں۔ ﴿۹۵﴾ کہد یجیے: اللہ نے سچ فرمایا، پس تم یکسوئی سے دین ابراہیمی کی پیروی کرو اور ابراہیم مشرکین میں سے نہ تھے۔ ﴿۹۶﴾ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے بنایا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے جو عالمین کے لیے بابرکت اور راہنما ہے۔☆ ﴿۹۷﴾ اس میں واضح نشانیاں ہیں (مثلاً) مقام ابراہیم اور جو اس میں داخل ہوا وہ امان والا ہو گیا اور لوگوں پر اللہ کا حق

---

۹۲۔ سابقہ آیت میں کہا گیا کہ کافر روئے زمین بھر سونا فدیہ میں دے دے تو بھی قبول نہ ہوگا۔ اس سے ذہن میں یہ خیال آنا عین ممکن ہے کہ مال خرچ کرنے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا: مومن کے لیے مال بہترین وسیلہ ہے جس کے ذریعے وہ نیکی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو سکتا ہے اور انفاق کی کیفیت بھی بیان فرمائی کہ جس چیز سے آپ کو محبت ہے اگر اس چیز کو راہ خدا میں دیں تو پتہ چلے گا کہ اللہ کی محبت، مال کی محبت پر غالب ہے۔ یہی نیکی اور کامیابی ہے۔

۹۳۔ یہودیوں کی طرف سے اٹھائے جانے والے جزئی اور فروعی اعتراضات کا جواب ہے۔ وہ موجودہ تحریف شدہ یہودی تعلیمات کی روشنی میں اعتراض اٹھاتے ہیں اور قرآن اصلی دین ابراہیمی کی روشنی میں جواب دے رہا ہے۔ اعتراض یہ تھا: اسلام نے کھانے پینے کی بہت سی ایسی چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جو سابقہ انبیاء کے ادوار میں حرام تھیں، مثلاً وہ اونٹ کا گوشت حرام سمجھتے تھے لیکن اسلام اسے حلال قرار دیتا ہے۔ پھر اسلام کس طرح دین ابراہیمی کا پیروکار ہو سکتا ہے؟ جواب میں قرآن ارشاد فرماتا ہے: بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی ساری چیزیں حلال تھیں، سوائے ان کے جن سے اسرائیل یعنی حضرت یعقوبؑ نے بعض طبی ضروریات کے تحت اجتناب کیا تھا، لیکن بعد میں بنی اسرائیل نے اسی امر کو اپنی دینی تعلیمات کا حصہ بنا لیا۔ پھر قرآن دعوت دیتا ہے کہ توریت لے آؤ اور دیکھ لو کہ یہ چیزیں حلال ہیں یا نہیں۔

۹۶۔ بکہ اژدھام کی جگہ کو کہتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق بکہ بابلی لفظ ہے جس کے معنی آبادی کے

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

ہے کہ جو اس گھر تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس گھر کا حج کرے اور جو کوئی اس سے انکار کرتا ہے تو (اس کا اپنا نقصان ہے) اللہ تو عالمین سے بے نیاز ہے۔☆ ﴿۹۸﴾ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم اللہ کی نشانیوں کا انکار کیوں کرتے ہو جب کہ اللہ تمہارے اعمال کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔☆ ﴿۹۹﴾ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم ایمان لانے والوں کو راہ خدا سے کیوں روکتے ہو؟ تم چاہتے ہو اس راہ میں کجی آئے حالانکہ تم خود اس پر شاہد ہو (کہ وہ راہ راست پر ہیں) اور اللہ تمہاری حرکتوں سے غافل نہیں ہے۔☆ ﴿۱۰۰﴾ اے ایمان والو! اگر تم نے اہل کتاب میں سے کسی ایک گروہ کی بات مان لی تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں کافر بنا دیں گے۔☆ ﴿۱۰۱﴾ اور تم کس طرح پھر کفر اختیار کر سکتے ہو جبکہ تمہیں اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اللہ کا رسول بھی موجود ہے؟ اور جو اللہ سے متمسک ہو جائے وہ راہ راست ضرور پا لے گا۔

ہیں جیسے بعلبک یعنی بعل کی آبادی۔ ممکن ہے یہ لفظ حضرت ابراہیم ؑ نے استعمال فرمایا ہو، کیونکہ آپ ؑ بابل سے یہاں تشریف لائے تھے، چنانچہ قدیم صحیفوں میں اس وادی کا یہی نام مذکور ہے۔ دنیا کا یہ پہلا گھر عالمین کے لیے ہدایت کا مرکز رہا ہے۔ حضرت ابراہیم ؑ کے زمانے سے لے کر آج تک تقرب الٰہی کے لیے مرجع خلائق ہے۔ یہ جگہ وحی الٰہی کا محل نزول اور ہادیٔ بشریت، محسن انسانیت کی جائے ظہور ہے۔

۹۷۔ مقامِ ابراہیم ؑ، یعنی حضرت ابراہیم ؑ کے قدم مبارک کی نشانی جو مختلف ادوار میں پیش آنے والے قدرتی، حربی اور تخریبی حالات کے باوجود محفوظ ہے ورنہ ایسے حالات میں دوسری جگہوں پر پورے تمدن کے نشانات اور پوری قوم کے آثار مٹ جاتے ہیں۔

۹۸۔۹۹ کھانے کی چیزوں کی حرمت وحلیت، کعبے کی قداست وقدامت اور اس کے حضرت ابراہیم ؑ کے ساتھ ربط ونسبت اور دیگر حقائق سے پردہ اٹھانے کے بعد اب ان آیات میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے اہل کتاب تم اللہ کی نشانیوں کے منکر کیوں ہو رہے ہو حالانکہ تم خود ان کے برحق ہونے پر شاہد ہو۔ لیکن اہل کتاب نہ صرف خود ان آیات کے منکر ہیں بلکہ وہ اسلامی احکام اور قبلۂ مسلمین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اہل ایمان کو گمراہ کرنے کی گھناؤنی سازش بھی کر رہے ہیں۔

۱۰۰۔ ایک یہودی سازش کار نے اوس اور خزرج کے دونوں قبیلوں کو پھر سے لڑانے کے لیے عہد جاہلیت کی مشہور لڑائی "جنگ بعاث" کے جنگ نامہ کے اشعار پڑھ کر پرانی عداوتوں کو تازہ کرنے کی سعی کی، لیکن رسول کریم ﷺ کی نصیحتوں کی وجہ سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ
وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾
وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۠
وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ
اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ
بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ
مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلۡتَكُنۡ
مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ
بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوۡنُوۡا
كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا
جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ

﴿۱۰۲﴾ اے ایمان والو! اللہ کا خوف کرو جیسا کہ اس کا خوف کرنے کا حق ہے اور جان نہ دینا مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔☆ ﴿۱۰۳﴾ اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ ڈالو اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور اس کی نعمت سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے کہ اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا، اس طرح اللہ اپنی آیات کھول کر تمہارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔☆ ﴿۱۰۴﴾ اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت اور بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔☆ ﴿۱۰۵﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو واضح دلائل آجانے کے بعد بٹ گئے اور اختلاف کا شکار ہوئے اور ایسے لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہو

جنگ نہ چھڑی۔ اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۰۲۔ روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب حق تقویٰ ادا کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: یطاع فلا یعصی و یذکر فلا ینسی و یشکر فلا یکفر۔ "اللہ کی اطاعت ہو پھر معصیت نہ کرے، ذکر خدا بجالائے پھر اللہ کو نہ بھولے، اس کا شکر ادا کرے پھر کفران نعمت نہ کرے"۔

۱۰۳۔ جب یہ حکم آتا ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو تو فوراً ذہنوں میں ایک خطرے کا احساس ہوتا ہے کہ کوئی سیلاب آنے والا ہے، غرق ہونے کا خطرہ ہے، کوئی طوفان آنے والا ہے کہ اس امت کی کشتی کا شیرازہ بکھرنے والا ہے، کوئی آندھی آنے والی ہے جو اس انجمن کو منتشر کر دے۔ اللہ کی رسی کو تھام لو، وَّلَا تَفَرَّقُوۡا سے پتہ چلا کہ فرقہ پرستی کس قسم کا سیلاب ہے، کس قدر خطرناک طوفان اور کتنی مہلک آندھی ہے۔ چنانچہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے آج تک ہم یہی دیکھ رہے ہیں کہ اپنے مسلک سے ذرا اختلاف رکھنے والوں کو کافر قرار دے دیا جاتا ہے۔ دین سے زیادہ انہیں مسلک عزیز ہے اور دوسروں کو زیر کرنے کی خاطر اپنے دین تک سے ہاتھ دھونے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔

۱۰۴۔ صحت مند معاشرہ تشکیل دینے کے لیے اسلام کے پاس نظامِ دعوت اور کلمۂ حق کہنے کا ایک فریضہ ہے۔ اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: تعمر الارض و ینتصف من الاعداء و یستقیم۔ "زمین کی آبادکاری، دشمنوں سے انتقام اور نظام کا استحکام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مضمر

عَظِيْمٌ ۙ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ
وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ قف
اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ
نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ
ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ
الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

گا۔☆ ﴿۱۰۶﴾ قیامت کے دن کچھ لوگ سرخرو اور کچھ لوگ سیاہ
رو ہوں گے، پس روسیاہ لوگوں سے کہا جائے گا: کیا تم نے
ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا؟ پس اب اپنے اس کفر
کے بدلے عذاب چکھو۔☆ ﴿۱۰۷﴾ اور جن کے چہرے روشن
ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، جس میں وہ ہمیشہ
رہیں گے۔ ﴿۱۰۸﴾ یہ ہیں اللہ کی نشانیاں جو صحیح انداز میں ہم
آپ کو سنا رہے ہیں اور اللہ اہل عالم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔
﴿۱۰۹﴾ اور آسمانوں اور زمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے
اور تمام معاملات کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔ ﴿۱۱۰﴾ تم
بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کیے
گئے ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ
پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو خود
ان کے لیے بہتر تھا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان

ہے"۔

۱۰۵۔ سابقہ آیت میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن آئندہ وقوع پذیر ہونے والے حالات کے پیش نظر امت کو پیش آنے والے حادثات سے قبل از وقت خبردار کرتا ہے۔ قرآن جب بھی کسی معاملے میں تائیدی جملوں کے ساتھ تنبیہ کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ یہ حادثہ پیش آنے والا ہے یا اس واقعے کا ارتکاب ہونے والا ہے۔ چنانچہ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ حضورؐ کی حیات کے آخری ایام میں ہی یہ اختلاف خود حضورؐ کے سامنے شروع ہوا اور یہ اختلاف اس قدر بڑھ گیا کہ رسول اللہؐ نے ان اختلاف کرنے والوں کو اپنی بارگاہ سے قوموا عنی کہکر نکال دیا۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۸۴۶ کتاب المرضی حدیث ۵۶۶۹۔ صحیح مسلم باب ترک الوصیۃ جلد دوم صفحہ ۴۲۔

۱۰۶۔ ایمان کے بعد کفر سے مراد اہل بدعت اور باطل نظریات رکھنے والے فرقے ہیں، جیسا کہ روایت میں آیا ہے (مجمع البیان ذیل آیت)

۱۱۰۔ ہر حکم شرعی جو آپ کے علم میں ہے اسے دوسروں تک پہنچانا واجب ہے۔ آپ کے سامنے ایک شخص گناہ کرتا ہے تو آپ پر واجب ہے کہ اسے روکیں، اگر آپ کے پاس طاقت ہے تو طاقت استعمال کریں ورنہ زبانی طور پر۔ اگر یہ غیر مؤثر ہے تو قلبی کراہت ضروری ہے۔ اسی طرح اگر آپ کے سامنے ایک شخص وضو درست طریقے سے نہیں کر رہا تو آپ پر واجب ہے اسے صحیح طریقہ بتائیں۔ بہترین امت ہونے کا دارومدار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہے۔ اس پروگرام پر عمل سے اسلام کا انسان ساز اور حیات آفرین نظام عملاً نافذ رہتا

وَاَكۡثَرُهُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنۡ يَّضُرُّوۡكُمۡ اِلَّاۤ اَذًى‌ ؕ وَاِنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ يُوَلُّوۡكُمُ الۡاَدۡبَارَ ۚ ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ‌ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ‌ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيۡسُوۡا سَوَآءً‌ ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ

والے ہیں لیکن ان کی اکثریت فاسق ہے۔☆ ﴿۱۱۱﴾ یہ لوگ ایذا رسانی کے سوا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اگر تمہارے ساتھ لڑائی کی نوبت آئی تو یہ تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے، پھر انہیں کہیں سے مدد نہیں ملے گی۔☆ ﴿۱۱۲﴾ یہ جہاں بھی ہوں گے ذلت و خواری سے دوچار ہوں گے، مگر یہ کہ اللہ کی پناہ سے اور لوگوں کی پناہ سے متمسک ہو جائیں اور یہ اللہ کے غضب میں مبتلا رہیں گے اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی ہے، یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔ ان (جرائم کے ارتکاب) کا سبب یہ ہے کہ وہ نافرمانی اور زیادتی کرتے تھے۔☆ ﴿۱۱۳﴾ سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں کچھ (لوگ) ایسے بھی ہیں جو (حکم خدا پر) قائم ہیں، رات کے وقت آیات خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور سربسجود ہوتے ہیں۔☆ ﴿۱۱۴﴾ وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے، نیک کاموں کا حکم دیتے، برائیوں سے روکتے اور بھلائی کے

ہے۔ تفسیر در منثور میں آیا ہے: خیر امت سے مراد اہل بیت نبی اکرم ﷺ ہیں۔

۱۱۱۔ اگر مسلمان خیر امت کے منصب پر فائز رہنے کی شرط یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تحریک سے وابستہ رہیں تو اس صورت میں تین بشارتیں موجود ہیں: اول یہ کہ دشمن انہیں قابل ذکر ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ دوم یہ کہ اگر دشمن میدان جنگ میں مسلمانوں کا مقابلہ کریں تو انہیں شکست ہوگی۔ سوم یہ کہ دشمن بے یار و مددگار رہیں گے اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔ سیاق آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہاں دشمن سے مراد اہل کتاب ہیں۔

۱۱۲۔ سلسلہ کلام اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے حق میں یہ ذلت و خواری قانون جزیہ وغیرہ نافذ ہونے کی وجہ سے ہو اور اسلامی شریعت کی رو سے یہ لوگ ذلیل ٹھہریں، جب تک وہ اسلامی قوانین کی بالادستی قبول نہ کریں یا مسلمانوں کی امان میں پناہ نہ لیں۔ ممکن ہے کہ اللہ ان کی تقدیر کی پیشگوئی فرما رہا ہو کہ یہ لوگ ہمیشہ ذلت و خواری سے دوچار رہیں گے اور اگر انہیں کہیں امن و سکون نصیب ہوگا تو دوسروں کی مہربانی وحمایت سے ہوگا۔ یعنی کبھی اللہ کے قانون کی پناہ میں اور کبھی دوسرے لوگوں کے رحم و کرم کے سہارے سکھ اور چین نصیب ہو سکے گا۔

اس آیت میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اس میں بعض گناہوں کو دیگر جرائم کے ارتکاب کے سبب اور زینے کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ لوگ ذلت و خواری، غضب الٰہی اور فقر و مسکینی سے دوچار ہوئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔ ان کے کفر و قتل کا سبب وہ معصیت اور زیادتی ہے جسے انہوں نے اپنا رکھا تھا۔

۱۱۳ تا ۱۱۵۔ ان آیات میں ایک ممکنہ غلط فہمی کا ازالہ ہے کہ اہل کتاب اور خاص کر یہودیوں کی سیاہ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ
وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿١١٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ
عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿١١٦﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ
اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ
خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ

کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی صالح لوگوں میں سے ہیں۔☆ ﴿١١٤﴾ اور یہ لوگ نیکی کا جو بھی کام انجام دیں گے اس کی ناقدری نہ ہوگی اور اللہ تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے۔☆ ﴿١١٥﴾ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے اللہ کے مقابلے میں ان کے اموال اور اولاد بلاشبہ کسی کام نہ آئیں گے اور یہ لوگ جہنمی ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔☆ ﴿١١٦﴾ وہ اس دنیاوی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں تیز سردی ہو اور وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اسے تباہ کر دے اور اللہ نے ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔☆ ﴿١١٧﴾ اے ایمان والو! اپنوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ یہ لوگ تمہارے خلاف شر پھیلانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے، جس بات سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے وہی انہیں بہت پسند ہے، کبھی تو (ان کے دل کے کینہ و) بغض کا اظہار ان کے منہ سے بھی ہوتا ہے،

کاریاں دیکھ کر مسلمانوں کے ذہن میں ایک نسلی منافرت اور قومی عصبیت پیدا نہ ہو جائے۔ اس لیے انہیں بتایا گیا کہ تمام اہل کتاب کو یکساں نہ سمجھو اور ان سے نسلی اور قبائلی بنیادوں پر تعصب نہ برتو، کیونکہ ان میں اہل ایمان، صالح اور متقی لوگ بھی ہیں۔

١١٦۔ ١١٧۔ ان آیات میں دشمنوں کے مالی اور انسانی وسائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے اقتصادی حربوں کے انجام کا ذکر ہے کہ وہ مال و زر کے ذریعے بھی اپنے برے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوں گے اور تخریب کاری پر انہوں نے جتنی دولت صرف کی ہوگی وہ سب رائیگاں جائے گی۔

١١٨۔ اسلامی سلطنت کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری اندرونی اور داخلی معاملات کی رازداری ہے۔ کسی دشمن کو مملکت کے امور میں راز دار بنانا مکمل طور پر ممنوع ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ دشمن کے عزائم برے ہوتے ہیں اور تمہارے بارے میں وہ ہمیشہ تاک میں رہتے ہیں کہ تمہاری کوئی کمزوری ان کے علم میں آ جائے تو وہ اسے اپنے حق میں اور تمہارے خلاف استعمال کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ قرآن کا یہ حکم ایک ابدی دستور، ایک لازوال نظام کا اہم ستون اور اس جامع نظام حیات کی ایک بنیادی دفعہ ہے جو ناقابل ترمیم و تنسیخ ہے۔ لیکن صد افسوس کہ اس کے باوجود مسلمانوں نے اسلامی دستور کی اس اہم شق پر عمل نہ کیا اور بہت جلد دشمنوں کو کاروبار حکومت میں دخل اندازی کا موقع فراہم کر دیا۔ قرطبی اپنے زمانے کی حالت زار پر نالاں ہیں، لیکن تفسیر منار میں یہ بھی لکھ دیا ہے: "حضرت عمر کے زمانے ہی میں رومیوں کو منشی بنا کر بہت سے

الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِي
صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ
إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ
تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ
بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ۚ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا
وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ
الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ
عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ إِنْ تَمْسَسْكُمْ
حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ
يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا
يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا
يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ
أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ

لیکن جو (بغض و کینہ) ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ کہیں زیادہ ہے، بتحقیق ہم نے آیات کو واضح کر کے تمہارے لیے بیان کیا ہے۔ اگر تم عقل رکھتے ہو۔☆ ۱۱۹ تم لوگ تو اس طرح کے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو جب کہ وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم پوری (آسمانی) کتاب کو مانتے ہو (مگر تمہاری کتاب کو نہیں مانتے) اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں جاتے ہیں تو تم پر غصے کے مارے انگلیاں کاٹ لیتے ہیں، ان سے کہد یجیے: تم اپنے غصے میں جل مرو، یقینا اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے۔☆ ۱۲۰ اگر تمہیں آسودگی میسر آتی ہے تو (وہ) انہیں بری لگتی ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی فریب کاری تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی، بے شک اللہ ان کے تمام اعمال پر احاطہ رکھتا ہے۔☆ ۱۲۱ اور (اے رسول! وہ وقت یاد کرو) جب آپ صبح سویرے اپنے گھر والوں کے پاس

معاملات کا انچارج بنا دیا گیا تھا۔ سلطنت عثمانی کے زوال میں اس مسئلے کو سب سے زیادہ دخل رہا کہ اسکے اکثر سفیر غیر مسلم تھے"۔ (المنار ۴: ۸۴)

۱۱۹۔ اس آیت میں اہل کتاب کی معاندانہ روش کی ایک پیشگوئی ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ بھی کہ تم ان سے محبت کیوں رکھتے ہو۔ اصولاً مسلمانوں کو اہل کتاب سے زیادہ متنفر ہونا چاہیے کیونکہ مسلمان اہل کتاب کے عقائد کا احترام کرتے ہیں، ان کے نبی اور ان کی کتاب کی تصدیق کرتے ہیں لیکن اہل کتاب مسلمانوں کے اعتقادات کا احترام نہیں کرتے، اس کے باوجود مسلمان اہل کتاب سے محبت رکھتے ہیں جب کہ وہ مسلمانوں سے نہ صرف محبت نہیں رکھتے بلکہ ان کے سینے مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب سے پر ہوتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ کہ ہمارے معاصر اہل کتاب مسلمانوں کو شدت پسند اور بنیاد پرست ہونے کے طعنے دیتے ہیں۔

۱۲۰۔ دشمن کی باطنی خباثت کی نشاندہی ہو رہی ہے اور ساتھ ہی ایک بشارت بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ اس کی دو شرائط ہیں: صبر و استقامت اور تقویٰ۔ آج کے مسلمان اپنی عظمت رفتہ کو واپس لینا چاہیں تو قرآن نے اس کا طریقہ کار بتا دیا ہے کہ وہ صبر اور تقویٰ اختیار کریں۔ نہایت تلخ تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ دشمن کس قدر عیار ہے۔ اس کی طاقت کے مقابلے میں اگر مسلمان طاقت نہیں رکھتے تو ان کی عیاری کا مقابلہ صبر، اسلامی تعلیمات کی پابندی اور تقویٰ ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

۱۲۱۔ یہ جنگ احد کا تذکرہ ہے۔ شوال ۳ ہجری کے اوائل میں ابوسفیان نے بدر کا بدلہ لینے کے لیے تین

لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ

سے نکل کر ایمان والوں کو جنگ کے لیے مختلف مورچوں پر متعین کر رہے تھے اور اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿۱۲۲﴾ (یہ اس وقت کی بات ہے) جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا اور مومنین کو چاہیے کہ اللہ پر توکل کریں۔ ﴿۱۲۳﴾ تحقیق بدر میں اللہ نے تمہاری مدد کی جب تم کمزور تھے، پس اللہ سے ڈرو تاکہ شکر گزار بن جاؤ۔ ﴿۱۲۴﴾ جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے: کیا تمہارے لیے کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے نازل فرما کر تمہاری مدد کرے؟ ﴿۱۲۵﴾ ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو دشمن جب بھی تم پر اچانک حملہ کر دے تمہارا رب اسی وقت پانچ ہزار نشانزدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ ﴿۱۲۶﴾ اور یہ بات اللہ نے صرف تمہاری خوشی اور اطمینان قلب کے لیے کی ہے، اور فتح و نصرت صرف اللہ ہی کی جانب سے ہے

ہزار کی فوج لے کر مدینے پر حملہ آور ہونا چاہا۔ رسول خداؐ ایک ہزار افراد کو لے کر نکلے۔ راستے میں عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے الگ ہو گیا اور مدینے واپس چلا گیا۔ ۷۰۰ کا لشکر مقابلے کے لیے آمادہ تھا۔ اس میں رسول خداؐ نے پچاس تیراندازوں کو عبد اللہ بن جبیر کی سربراہی میں درے پر متعین فرمایا اور تاکید فرمائی کہ اگر ہم مشرکین کو مکہ تک یا مشرکین ہمیں مدینہ تک دھکیل دیں تو بھی تم نے یہ جگہ نہیں چھوڑنی۔ جنگ شروع ہوئی ابتدائی حملے میں دشمن پسپا ہو گیا۔ مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے، تیراندازوں نے بھی درہ چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید نے موقع پا کر درے کے عقب سے حملہ کیا اور دوسری طرف سے بھاگا ہوا دشمن بھی پلٹ کر حملہ آور ہوا جس سے لشکر اسلام پراگندہ ہو گیا۔ اکثریت نے راہ فرار اختیار کی اور یہ افواہ بھی اڑ گئی کہ رسول اللہؐ شہید ہو گئے۔ رسول کریمؐ کے گرد صرف دس بارہ سرفروش رہ گئے تھے۔ تاریخ طبری کے مطابق رسول کریمؐ دشمن کے اہم جتھوں کی نشاندھی فرماتے اور علیؑ ان پر حملہ کرتے۔ یہاں تک کہ آپؑ کی تلوار ٹوٹ گئی تو رسول کریمؐ نے اپنی تلوار ذوالفقار عنایت فرمائی۔ جب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ حضورؐ زندہ ہیں تو سب واپس آ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت حمزہؑ شہید ہو گئے اور ابو سفیان کی زوجہ ہندہ نے حضرت حمزہؑ کا جگر چبانے کی کوشش کی۔ اسی لیے اس سلسلۂ نسب کو آکلۃ الاکباد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۲۷۔ اس غیبی امداد کا مقصد تمہاری روحانی تقویت اور اطمینان قلب ہے اور یہ یقین دلانا کہ فتح و نصرت تو صرف اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس فتح و نصرت

طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٣٠﴾ ج وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿١٣١﴾ ج وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ ج وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٣﴾ لا

جو بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿١٢٧﴾ (اس مدد کا مقصد یہ ہے کہ) کافروں کے ایک دستے کو کاٹ دے یا انہیں ذلیل وخوار کر دے تاکہ وہ نامراد پسپا ہو جائیں۔☆ ﴿١٢٨﴾ (اے رسول) اس بات میں آپ کا کوئی دخل نہیں، چاہے تو اللہ انہیں معاف کرے اور چاہے تو سزا دے کیونکہ یہ لوگ ظالم ہیں۔ ﴿١٢٩﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ ہے، اللہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ بڑا بخشنے والا، خوب رحم کرنے والا ہے۔ ﴿١٣٠﴾ اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود نہ کھایا کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔☆ ﴿١٣١﴾ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ﴿١٣٢﴾ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔☆ ﴿١٣٣﴾ اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جانے میں سبقت لو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر

---

سے کافروں کا ایک بازو کٹ جائے یا وہ ذلیل وخوار ہو کر شکست کھا جائیں۔ چنانچہ جنگ بدر میں ایسا ہی ہوا۔ ان کے ستر (۷۰) سرکردہ افراد مارے گئے اور ستر (۷۰) اسیر ہو گئے۔ باقی ذلت وخواری کے ساتھ پسپا ہو گئے۔ یہ سب کچھ اللہ کی تائید کی اہلیت حاصل کرنے پر خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوا۔ جیسا کہ سنت الٰہی یہی ہے کہ ارتقاء اور تکامل کے لیے خود بندوں کو آزمائش میں ڈال دیا جاتا ہے، ورنہ اللہ اپنی طاقت استعمال کرے تو نہ آزمائش رہے نہ ارتقاء، بلکہ انسان عاقل کو مکلف بنانے کا فلسفہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

۱۳۰۔ کچھ حضرات اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن نے جس سود کو حرام قرار دیا ہے وہ جاہلیت کے زمانے میں رائج سود در سود یعنی سودِ مرکب ہے اور معاملاتی سود حرام نہیں۔ اس پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ نزول آیت کے زمانے میں لوگ دوگنا چوگنا سود لیتے تھے اور قرضی سود اور معاملاتی سود میں دوگنا چوگنا نہیں ہوتا۔ (الربا فی الاسلام: ۵۲۔ رشید رضا) جواب یہ ہے کہ آیت میں لفظ اَضۡعَافًا ربا کی صفت ہے، سرمائے کی نہیں اور ضعف کی جمع ہے۔ ضعف یعنی دوگنا، اَضۡعَافًا یعنی کئی گنا، اقلاً تین دگنے یعنی چھ گنا ہو جائے تو سود حرام ہو جائے گا۔ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آیت کا اشارہ امر واقع کی طرف ہے کہ سود سرمائے کے ساتھ ملا دیا جائے تو اکثر دوگنا اور چوگنا ہو جاتا ہے۔

۱۳۲۔ اس آیت کی رو سے رحمت خدا کے شامل حال ہونے کے لیے اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے اگر صرف قرآن کے ذریعے اللہ کی اطاعت کافی ہوتی تو اطاعت

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ
وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ج ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا
فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا
اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ص وَمَنْ يَّغْفِرُ
الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا
فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ
مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَنِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِيْنَ ط ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ لا
فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ
هُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا

ہے، جو اہل تقویٰ کے لیے آمادہ کی گئی ہے۔ ﴿۱۳۴﴾ (ان متقین کے لیے) جوخواہ آسودگی میں ہوں یا تنگی میں ہر حال میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔☆ ﴿۱۳۵﴾ اور جن سے کبھی نازیبا حرکت سرزد ہوجائے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں تو اسی وقت خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہوں کا بخشنے والا کون ہے؟ اور وہ جان بوجھ کر اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے ہیں۔☆ ﴿۱۳۶﴾ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کی مغفرت اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور (نیک) عمل کرنے والوں کے لیے کیا ہی خوب جزا ہے۔ ﴿۱۳۷﴾ تم سے پہلے مختلف روشیں گزر چکی ہیں پس تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔☆ ﴿۱۳۸﴾ یہ (عام) لوگوں کے لیے ایک واضح بیان ہے اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ ﴿۱۳۹﴾ ہمت نہ ہارو اور غم نہ

رسول ﷺ کا علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اسی وجہ سے رسول کی ذمہ داری صرف قرآنی آیات پڑھ کر سنانا نہیں بلکہ قرآن رسول ﷺ کی تین ذمہ داریوں کا ذکر کرتا ہے۔ اول تلاوت آیات، دوم تزکیہ نفس، سوم تعلیم وتربیت۔ اسی لیے قرآن کے کلی احکام کی تفصیل رسول ﷺ کے ذمے ہے جسے "سنت" کہتے ہیں۔

۱۳۴ ـ ۱۳۵ ـ متقین کے اوصاف کا بیان ہے:

☆ وہ آسودگی میں ہوں یا تنگی میں، بہرحال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔☆ غصے سے مغلوب نہیں ہوتے۔☆ لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔ ☆ لوگوں پر احسان کرتے ہیں۔☆ گناہ سرزد ہونے کی صورت میں دو کام کرتے ہیں: ایک تو استغفار کرتے ہیں اور دوسرا اس گناہ کے نزدیک دوبارہ نہیں جاتے: وَلَمْ يُصِرُّوْا۔

۱۳۷ ـ قرآن اقوام عالم کی سرگزشت کا مطالعہ کرنے کے لیے سیر فی الارض زمین کے مطالعاتی سفر کی دعوت دیتا ہے۔ جابر بادشاہوں، ظالم حکمرانوں اور خونخوار فرعونوں کے باقی ماندہ آثار بتلاتے ہیں کہ کسی زمانے میں ان قصور ومحلات میں کچھ لوگ انا ربکم الاعلی کے مدعی تھے اور اپنی ہوسرانی میں بدمست ہو کر انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کیا کرتے تھے اور کسی قسم کی اقدار پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ آج انہی لوگوں کے محلات ویرانوں میں بدل گئے ہیں۔ ان کی ہڈیاں خاک ہو چکی ہیں، جو آنے والی نسلوں کے لیے عبرت بن گئی ہیں۔ انہوں نے چندروزہ عیش ونوش میں اپنی ابدی زندگی کو برباد کیا اور آخرکار اس دنیا کی زندگی بھی ہار بیٹھے۔ آج ان ویرانوں سے ان کی بوسیدہ ہڈیاں آواز دے رہی ہیں کہ دیکھو تکذیب کرنے والوں

وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَمۡحَقَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ ۖ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۴۳﴾ ع وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ

ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو کہ تم ہی غالب رہوگے بشرطیکہ تم مومن ہو۔☆ ﴿۱۴۰﴾ اگر تمہیں کوئی زخم لگا ہے تو تمہارے دشمن کو بھی ویسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ ہیں وہ ایام جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں اور اس طرح اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ مومن کون ہیں اور چاہتا ہے کہ تم میں سے کچھ کو گواہ کے طور پر لیا جائے، کیونکہ اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔☆ ﴿۱۴۱﴾ نیز اللہ ایمان والوں کو چھانٹنا اور کافروں کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ ﴿۱۴۲﴾ کیا تم (لوگ) یہ سمجھتے ہو کہ جنت میں یونہی چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے کون ہیں؟☆ ﴿۱۴۳﴾ اور موت کے سامنے آنے سے قبل تو تم مرنے کی تمنا کر رہے تھے، سواب وہ تمہارے سامنے ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ ﴿۱۴۴﴾ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو بس رسول ہی ہیں، ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں، بھلا اگر یہ وفات پا

---

کا کیا انجام ہوا ہے۔

۱۳۹۔ جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ستر (۷۰) اہم افراد شہید ہوگئے اور وہ بھی مسلمانوں کے گھروں کے قریب۔ فطری طور پر اس سے مسلمانوں میں بددلی پھیل گئی اور ان کے دلوں میں حزن و ملال چھا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان حوصلہ ہارنے والوں کو حوصلہ دیتے ہوئے فرماتا ہے: ☆ اپنے عزم و ارادے میں سستی کو راہ نہ دو۔ ☆ شکست کا زیادہ احساس کرکے اپنے آپ کو حزن و ملال اور غم و اندوہ میں مبتلا نہ رکھو۔ اگر تم نے اپنے ایمان میں پختگی ثابت رکھی اور اس کے نتیجے میں صبر و تقویٰ کا دامن تھامے رکھا تو تم ہی غالب رہوگے۔ اس آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال و مقدرات میں ایمان کا کتنا گہرا اثر اور دخل ہے۔

۱۴۰۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے اٹل اصولوں سے مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اللہ کا وضع کردہ تکوینی و فطری دستور مکمل غیر جانبدار اور سب کے لیے یکساں ہے۔ ایسا نہیں کہ کافر کی تیز دھار تلوار نہ کاٹے اور مسلمان کی کند تلوار کاٹتی رہے۔ قوانین فطرت میں برابری اور تاریخ کے اصولوں میں یکسانیت کی وجہ سے ہی مسلمان امتحان و آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی امتحان و آزمائش سے انہیں ارتقاء و تکامل کے لیے مواقع میسر آتے ہیں۔ اگر قانون فطرت سب کے لیے یکساں نہ ہو اور مسلمان اس سے مستثنیٰ ہوں تو پھر امتحان و آزمائش کے ذریعے ارتقاء و تکامل کا حصول ممکن نہیں رہے گا۔

۱۴۲۔ اس آیت میں اس غلط فہمی کا ازالہ ہے جس میں عصر رسول ﷺ کے مسلمان بھی اسی طرح مبتلا تھے جس طرح آج بھی کچھ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا

اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو جزا دے گا۔☆ ﴿۱۴۵﴾ اور کوئی جاندار اذن خدا کے بغیر نہیں مر سکتا، اس نے (موت کا) وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے اور جو (شخص اپنے اعمال کا) صلہ دنیا میں چاہے گا اسے ہم دنیا میں دیں گے اور جو آخرت کے ثواب کا خواہاں ہوگا اسے آخرت میں دیں گے اور ہم عنقریب شکر گزاروں کو اچھا صلہ دیں گے۔☆ ﴿۱۴۶﴾ اور کتنے ہی ایسے نبی گزرے ہیں جن کی ہمراہی میں بہت سے اللہ والوں نے جنگ لڑی لیکن اللہ کی راہ میں آنے والی مصیبتوں کی وجہ سے نہ وہ بد دل ہوئے نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ وہ خوار ہوئے اور اللہ تو صابروں کو دوست رکھتا ہے۔☆ ﴿۱۴۷﴾ اور ان کی دعا صرف یہ تھی: ہمارے رب! ہمارے گناہوں سے اور ان زیادتیوں سے درگزر فرما جو ہم نے اپنے معاملات میں کی ہیں اور ہمیں

---

ہیں کہ اسلامی یا ایمانی جماعت میں شامل ہونا کافی ہے، صبر و جہاد یعنی عمل کے ذریعے استحقاق پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۴۴۔ مسلمانوں کو جنگ احد میں امتحان کے مراحل سے گزارنے کے بعد جو نتائج سامنے آئے ان کا تذکرہ جاری ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو رسول کریم ﷺ کی شہادت کی افواہ سن کر اپنے ایمان کی دلی کیفیت کو فاش کرتے ہوئے مرتد ہو گئے اور کہنے لگے: اگر محمد ﷺ خدا کے رسول ہوتے تو کبھی قتل نہ ہوتے۔ چنانچہ اصحاب صخرہ نے تو ابوسفیان سے امان نامہ حاصل کرنے کے لیے منافقین کے سربراہ عبد اللہ بن ابی سے رابطہ قائم کرنے کا تہیہ بھی کر لیا تھا۔ قرآن نے جنگ سے فرار کرنے والوں کے لیے ہمیشہ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ "پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے" کی تعبیر اختیار کی، لیکن اس آیت میں انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ تم الٹے پاؤں پھر گئے کی تعبیر اختیار کی جو مرتد ہونے کے معنوں میں ہے۔ اس طرح قرآن فرار کے لیے ولی مدبرا اور ارتداد کے لیے انقلب کا لفظ استعمال فرماتا ہے۔ جیسا کہ سید قطب نے لکھا ہے: یہاں ارتداد سے مراد شکست و فرار نہیں، بلکہ دین وعقیدہ سے ارتداد ہے۔ (فی ظلال القرآن: ۹۴)

۱۴۵۔ یہاں میدان جنگ سے بھاگنے والوں کو تنبیہ کرنا بھی مقصود ہے کہ جنگ سے فرار کے ذریعے تم اپنی موت کو ٹال نہیں سکتے۔ لہٰذا موت کے خوف سے فرار اختیار کرنا اس عقیدے کے منافی ہے کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے نیز وہ راہ خدا میں قتل ہونے سے بچ کر صرف دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کی حیات ابدی کا عقیدہ نہیں

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾
فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ
الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا
خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ
النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ
يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ
وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ
صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ
بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى
الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا

ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔☆ ﴿۱۴۸﴾ چنانچہ اللہ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا بہتر ثواب بھی عطا کیا اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ﴿۱۴۹﴾ اے ایمان والو! اگر تم نے کافروں کی اطاعت کی تو وہ تمہیں الٹا پھیر دیں گے پھر تم بڑے خسارے میں پڑ جاؤ گے۔☆ ﴿۱۵۰﴾ در اصل اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔ ﴿۱۵۱﴾ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب بٹھائیں گے کیونکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ ظالموں کے لیے برا ٹھکانا ہے۔☆ ﴿۱۵۲﴾ اور بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا جب تم اللہ کے حکم سے کفار کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم خود کمزور پڑ گئے اور امر (رسول) میں تم نے باہم اختلاف کیا اور اس کی نافرمانی کی جب کہ اللہ نے تمہاری پسند کی بات (فتح و نصرت) بھی تمہیں دکھا دی تھی، تم میں سے

رکھتے۔

۱۴۶۔ اس آیت میں دیگر اقوام کی سیرت و کردار کی روشنی میں نصیحت بھی ہے اور ملامت و عتاب بھی کہ انبیاء کے ساتھ بہت سے لڑنے والے ایسے تھے جو مصائب میں نہ بددل ہوئے، نہ کمزوری دکھائی اور وہ خوار و رسوا بھی نہیں ہوئے۔ یعنی وہ تمہاری طرح نہیں تھے۔ کیونکہ تم نے جنگ میں کمزوری دکھائی اور بددل ہو کر ہمت ہار دی جس کے نتیجے میں تم رسوا ہو گئے۔

۱۴۷۔ مؤمن میدان چھوڑنے کی بجائے صبر و استقامت کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں اور جنگ میں فرار کی بجائے اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہیں۔ چونکہ جنگ میں فرار اختیار کرنا ایک لحاظ سے اللہ سے فرار ہے۔ اسی لیے جنگ سے فرار سات بڑے گناہوں میں سے ہے۔

۱۴۹۔ ابوسفیان اور کچھ دیگر منافقوں نے جنگ احد کی شکست کے وقت کہا تھا: ان محمدا قد قتل فارجعوا الی عشائرکم "محمد ﷺ مارے گئے۔ پس اپنے قبیلوں کی طرف رجوع کرو"۔ جنگ احد کے بعد بھی کفار مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ مسلمانوں کو بدظن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ قرآن اس قسم کی سازشوں کو بروقت بے نقاب کرتا ہے تاکہ مسلمان کفار کے برے عزائم سے آگاہ رہیں۔

۱۵۱۔ ایمان باللہ تقویت قلب کا باعث ہے۔ اس کے برعکس شرک باللہ ضعف قلب کا باعث ہوگا اور وہ لوگ مشرک ہونے کے اعتبار سے خود عدم تحفظ کا شکار رہیں گے۔ کفار کی طرف سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور عدم تحفظ کا تاثر دے کر ان میں تشویش پیدا کرنے کی کوشش کو ناکام بنانے اور

تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ

کچھ طالب دنیا تھے اور کچھ آخرت کے خواہاں، پھر اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمہارا امتحان لے اور اللہ نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور اللہ ایمان والوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۵۲﴾ (یاد کرو) جب تم چڑھائی کی طرف بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو پلٹ کر نہیں دیکھ رہے تھے، حالانکہ رسول تمہارے پیچھے تمہیں پکار رہے تھے، نتیجے کے طور پر اللہ نے تمہیں غم (رسول) کی پاداش میں غم دیا تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جائے اور جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر تمہیں دکھ نہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۱۵۳﴾ پھر جب اس غم کے بعد تم پر امن و سکون نازل فرمایا تو تم میں سے ایک گروہ تو اونگھنے لگا، جب کہ دوسرے گروہ کو اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، وہ ناحق اللہ پر زمانہ جاہلیت والی بدگمانیاں کر رہے تھے، کہ رہے تھے: کیا اس امر میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟ کہد یجیے: سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے، یہ لوگ جو بات

---

مسلمانوں کو تحفظ کا احساس دلانے کے لیے فرمایا کہ آیندہ خود کافر مرعوب رہیں گے اور مشرک ہونے کی وجہ سے وہ خود عدم تحفظ کے احساس کا شکار رہیں گے۔

۱۵۲۔ تفسیر ابن کثیر میں آیا ہے: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف نو (۹) افراد رہ گئے۔ ان میں سات انصار تھے۔ دو قریش کے تھے۔ (قریش کے ان دو افراد کا نام لینا ان کے لیے گوارا نہ ہوا۔) انصار کے ساتوں افراد شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو ساتھیوں سے کہا: لا ما انصفنا اصحابنا۔ ہمارے ساتھیوں نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ (تفسیر ابن کثیر۔ اسی آیت کے ذیل میں)

۱۵۳۔ جنگ سے فرار کرنے والوں کی واضح تصویر کشی فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ واضح الفاظ میں یہ واقعہ ثبت کرنا چاہتا ہے کہ تم چڑھائی کی طرف بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو پلٹ کر نہیں دیکھ رہے تھے، حالانکہ خود رسول ﷺ تمہارے پیچھے تمہیں پکار رہے تھے۔ اس واقعے کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ بھاگنے والوں نے نبی کی آواز کو نظر انداز کر دیا جو فرما رہے ہیں: الیّ عباد الله، الیّ عباد الله، انا رسول الله من یکر فله جنة۔ اللہ کے بندو میری طرف آؤ اللہ کے بندو میری طرف آؤ، میں رسول اللہ ہوں، جو واپس آئے گا اس کے لیے جنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس ملکوتی آواز کو سننے کے باوجود فرار جاری رہا۔ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کی آواز نہ سن رہے ہوتے اور اسے پہچان نہ رہے ہوتے تو یَدۡعُوۡکُمۡ صادق نہ آتا۔ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی وجہ نے انہیں شکست جیسی فضیحت میں مبتلا کر دیا۔ غَمًّۢا بِغَمٍّ کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں غم

يُخْفُونَ فِيٓ أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ
يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ
مَّا قُتِلْنَا هَٰهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ
لَبَرَزَ ٱلَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ ٱلْقَتْلُ
إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ ٱللَّهُ مَا فِي
صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَ
ٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾ إِنَّ
ٱلَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ ٱلْتَقَى ٱلْجَمْعَانِ ۙ
إِنَّمَا ٱسْتَزَلَّهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ بِبَعْضِ مَا
كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا ٱللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ
غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ ع يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا لَا
تَكُونُوا كَٱلَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَٰنِهِمْ
إِذَا ضَرَبُوا فِي ٱلْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ

اپنے اندر چھپائے رکھتے ہیں اسے آپ پر ظاہر نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں: اگر (قیادت میں) ہمارا کچھ دخل ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے، کہد یجیے: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کے مقدر میں قتل ہونا لکھا ہے وہ خود اپنے مقتل کی طرف نکل پڑتے اور یہ (جو کچھ ہوا وہ اس لیے تھا) کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ کر واضح کر دے اور اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔☆ ﴿۱۵۵﴾ دونوں فریقوں کے مقابلے کے روز تم میں سے جو لوگ پیٹھ پھیر گئے تھے بلاشبہ ان کی اپنی بعض کرتوتوں کی وجہ سے شیطان نے انہیں پھسلا دیا تھا، تاہم اللہ نے انہیں معاف کر دیا، یقیناً اللہ بڑا درگزر کرنے والا، بردبار ہے۔☆ ﴿۱۵۶﴾ اے ایمان والو! کافروں کی طرح نہ ہونا جو اپنے عزیز و اقارب سے، جب وہ سفر یا جنگ پر جاتے ہیں تو کہتے ہیں: اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے، اللہ ایسی باتوں کو ان کے

درغم میں مبتلا کیا۔ یعنی متواتر غم میں مبتلا رہے، یہاں تک دوسری باتیں تم بھول گئے، نہ غنیمت سے محرومی کا دکھ رہا نہ جانی نقصانات کا غم۔

۱۵۴۔ لشکر اسلام میں کچھ وہ لوگ تھے جو فرار ہونے کے بعد واپس آ گئے۔ وہ اپنے کیے پر نادم تھے۔ عَفَا اللّٰہُ عَنۡہُمۡ اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جن کا ایمان اس شکست کی وجہ سے متزلزل ہو گیا تھا۔ انہوں نے کافرانہ کلمات کہ ڈالے اور جاہلیت کی سوچ سوچنے لگے۔ منافقین نے تو اس جنگ میں شرکت ہی نہیں کی تھی اور اسی لیے صاحب المنار نے کہا ہے: لا حاجة الی جعلها من المنافقین۔

۱۵۵۔ اس جنگ سے فرار کو کسی سابقہ گناہ کا طبعی اور لازمی نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے شیطان کو لغزش پیدا کرنے کا موقع ملا۔ معاف اور درگزر کرنے کا تذکرہ دو مقامات پر آیا ہے۔ پہلی دفعہ نہایت نرم لہجے میں فرمایا: وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اور دوسری دفعہ اس آیت میں آیا ہے اور لہجہ کلام پہلے سے مختلف، صیغہ بھی غائب کا استعمال ہوا ہے۔ علامہ طباطبائی اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ سابقہ عفو ان کے لیے ہے جن پر امن و سکون نازل کیا گیا اور دوسرا عفو ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ کے بارے میں جاہلانہ گمان رکھتے تھے۔ ان سے عفو کا مطلب ان پر عذاب نازل کرنے میں عجلت نہ کرنا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ کے حلم و بردباری کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ عفو کا مطلب فوری عذاب سے درگزر کرنا ہے۔

۱۵۶۔ اس کافرانہ سوچ کی طرف اشارہ ہے جو بعض مسلمانوں کو لاحق تھی۔ جس کے تحت وہ رسول

كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَ مَا قُتِلُوۡا ۚ لِيَجۡعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسۡرَةً فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ‌ ؕ وَ اللّٰهُ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِلَى اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ‌ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ‌ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ‌ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَـكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ

دلوں میں حسرت پیدا کرنے کے لیے سبب بنا دیتا ہے، ورنہ حقیقتاً مارنے اور جلانے والا تو اللہ ہی ہے اور ساتھ تمہارے اعمال کا خوب مشاہدہ کرنے والا بھی اللہ ہی ہے۔☆ ﴿۱۵۷﴾ اور اگر تم راہ خدا میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی طرف سے جو بخشش اور رحمت تمہیں نصیب ہوگی وہ ان سب سے بہت بہتر ہے جو وہ لوگ جمع کرتے ہیں۔☆ ﴿۱۵۸﴾ اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ آخر کار اللہ کی بارگاہ میں اکٹھے کیے جاؤ گے۔ ﴿۱۵۹﴾ (اے رسول) یہ مہر الٰہی ہے کہ آپ ان کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے اور اگر آپ تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، پس ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں اور معاملات میں ان سے مشورہ کر لیا کریں پھر جب آپ عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔☆ ﴿۱۶۰﴾ (مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو پھر کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اللہ تمہارا ساتھ

اللہ ﷺ کو قتل و ہزیمت کا ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔ چونکہ وہ موت اور قتل کا سبب سفر اور جنگ کو سمجھتے تھے، اس لیے ان کے دلوں میں حسرت رہ گئی۔ اگر وہ سمجھتے کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور موت نے ہر صورت میں آنا ہے تو حسرت نہ ہوتی۔ واضح رہے جنگ احد میں منافقین کی کوئی شرکت نہ تھی۔ عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو افراد کے ساتھ جنگ سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ لہٰذا یہ آیت منافقین سے مربوط نہیں ہے۔ ثانیاً اس آیت میں خطاب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کہہ کر اہل ایمان سے ہے، لہٰذا یہ ماننے کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ یہ آیت کمزور ایمان والے مسلمانوں کے بارے میں ہے۔

۱۵۷۔ اس کافرانہ سوچ کے مقابلے میں مؤمنانہ سوچ کا بیان ہے کہ راہ خدا میں مارا جانا نہ صرف داغ حسرت نہیں ہے بلکہ کافروں کے مال و متاع سے کہیں بہتر ہے۔

۱۵۹۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ صدمہ رسول اللہ ﷺ کو پہنچا۔ دشمن سے جنگ کے بارے میں مدینے میں اختلاف شروع ہوا۔ ایک تہائی لشکر راستے سے واپس چلا گیا۔ ایک گروہ نے غنیمت کے لالچ میں رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ حضرت حمزہ ؓ و دیگر شہداء کی قربانی دینا پڑی۔ حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ چند افراد کے علاوہ باقی مسلمان آپ ﷺ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی آواز پر بھی لبیک نہیں کہی اور پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ آپ ﷺ کے قتل کی خبر سن کر دین سے برگشتہ ہو گئے اور آبائی دین اختیار کرنے کی باتیں کرنے لگے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام باتوں کے باوجود حضور ﷺ کا رویہ نرم رہا اور آپ ﷺ نے خدائی اخلاق کا مظاہرہ فرمایا۔

يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ

النصف

چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کو پہنچے، لہٰذا ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ پر بھروسا کریں۔☆ (۱۶۱) اور کسی نبی سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو (اللہ کے سامنے) حاضر کرے گا، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔☆ (۱۶۲) کیا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو اللہ کے غضب میں گرفتار ہو اور جس کا ٹھکانا جہنم ہو؟ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ (۱۶۳) اللہ کے نزدیک ان کے لیے درجات ہیں اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ ☆ (۱۶۴) ایمان والوں پر اللہ نے بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔ (۱۶۵) (مسلمانو!) جب تم پر ایک مصیبت پڑی تو تم کہنے

---

رحمت الٰہی کا مظاہرہ ہوا اور تمام گستاخیوں کے باوجود نہ کسی کو راندۂ درگاہ کیا، نہ کسی کی ایسی سرزنش کی کہ وہ آپ ﷺ سے متنفر ہو جائے۔

۱۶۰۔ سابقہ آیات میں بتایا گیا کہ کن حالات میں اللہ کی نصرت شامل حال ہوسکتی ہے۔ اللہ کے عطا کردہ دستور پر عمل کرنے کی صورت میں ہی اس کی نصرت کے اہل اور مستحق قرار پا سکتے ہیں۔ یعنی اس کے وضع کردہ نظام و سنن اور طبیعیاتی و تکوینی قوانین کی دفعات پر عمل، پھر طاقت کے اصل سرچشمے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے کی صورت میں نصرت الٰہی مومنین کے شامل حال ہوسکتی ہے۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ ادھر رسول ﷺ کی نافرمانی کریں اور جنگ سے فرار ہوں، ادھر فتح و نصرت ان کے قدم چومے۔

۱۶۱۔ بعض روایات کے مطابق یہ آیت ان تیر اندازوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کو رسول اللہ ﷺ نے عقب لشکر کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا۔ انہوں نے اس بدگمانی کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی کہ بعد میں ان کے ساتھ خیانت ہو گی اور غنیمت میں برابر کا حصہ نہیں ملے گا۔ اس آیت میں ان کی سرزنش ہو رہی ہے کہ کسی نبی سے اس قسم کی خیانت سرزد نہیں ہوتی۔

۱۶۳۔ هُمْ دَرَجٰتٌ: دونوں کے درجات ہوں گے یعنی دونوں کے طبقات ہوں گے۔ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والے بلند درجات میں اور غضب الٰہی کے سزاوار پست درجات میں ہوں گے۔ یعنی پست طبقے میں ہوں گے۔

۱۶۵۔ حق پر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ علل و اسباب سے بالاتر ہیں۔ یہ شکست خود تمہاری خیانت اور قیادت کے احکام سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ ایسا

اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ
مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ
فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۱۶۶﴾
وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ
تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ
قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ
لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ
يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا
لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ
قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

لگے: یہ کہاں سے آئی؟ جبکہ اس سے دگنی مصیبت تم (فریق
مخالف پر) ڈال چکے ہو، کہہ دیجیے: یہ خود تمہاری اپنی لائی
ہوئی مصیبت ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔☆
(۱۶۶) اور دونوں فریقوں کے درمیان مقابلے کے روز تمہیں
جو مصیبت پہنچی وہ اللہ کے اذن سے تھی اور (اس لیے بھی کہ)
اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مومن کون ہیں۔☆ (۱۶۷) اور یہ بھی
دیکھنا چاہتا تھا کہ نفاق کرنے والے کون ہیں، جب ان سے
کہا گیا: آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا دفاع کرو تو وہ کہنے
لگے: اگر ہمیں علم ہوتا کہ (طریقے کی) جنگ ہو رہی ہے تو
ہم ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے، اس دن یہ لوگ ایمان کی بہ
نسبت کفر سے زیادہ قریب ہو چکے تھے، وہ اپنے منہ سے وہ
بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی اور جو کچھ یہ
لوگ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔☆ (۱۶۸) یہ
وہ لوگ ہیں جو خود (پیچھے) بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے
بارے میں کہنے لگے: کاش! اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل
نہ ہوتے، ان سے کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو موت کو اپنے
سے ٹال دو۔☆ (۱۶۹) اور جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے

---

نہیں ہو سکتا کہ تم خیانت کرو اور اس کا نتیجہ فتح و نصرت کی صورت میں سامنے آئے۔ نیز تم قیادت کی نافرمانی کرو اور اس کا نتیجہ عزت و جلالت ہو۔ اس کے باوجود اس صدمے کی تخفیف کی خاطر جنگ بدر کے ساتھ موازنہ فرمایا کہ تم نے وہاں ان کے ستر مارے اور ستر اسیر بنائے اور آج تمہارے صرف ستر افراد شہید ہوئے۔

۱۶۶۔ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ: یعنی تم اس جنگ میں اذن خدا سے شکست سے دوچار ہوئے۔ اذن خدا کا مطلب یہ ہے کہ علل و اسباب کے تحت جو نتیجہ مرتب ہونا ہے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور ہونے دیا جائے۔ اس "رکاوٹ نہ ڈالنے" اور "ہونے دینے" کو اذن کہتے ہیں۔ یعنی اس کی مشیت کے مطابق یہ ضرر تمہیں پہنچا، کیونکہ یہ تمہاری نافرمانی کا لازمی نتیجہ تھا جو اللہ کے وضع کردہ دستور علل و اسباب کے مطابق ہے۔ تاہم جو کچھ ہوا اس میں مومن اور منافق کا فرق نمایاں ہو گیا۔

۱۶۷۔ اَوِادۡفَعُوۡا: یعنی اگر تم جنگ میں شرکت نہ کرو تو لشکر اسلام کے ساتھ رہو تاکہ اس سے تقویت ملے اور مسلمانوں کا دفاع ہو سکے۔ منافقین نے یہ تجویز بھی مسترد کر دی۔ ممکن ہے یہ مراد ہو: جنگ نہ لڑو تو اپنے شہر اور آبادی کا دفاع کرو۔ لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا: شہر سے باہر لڑنا کوئی جنگ ہوتی تو ہم شرکت کرتے۔ یعنی منافقین مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تمہارا یہ طریقہ جنگ خودکشی کے مترادف ہے۔ اگر درست جنگ لڑتے تو ہم بھی ضرور شرکت کرتے۔

۱۶۸۔ لِاِخۡوَانِہِمۡ: برادری سے مراد دینی و نظریاتی نہیں بلکہ اپنے قبیلے کی برادری مراد ہے۔ کفر کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ باطن میں تو تھے ہی کافر، لیکن اب اعلانیہ کافرانہ حرکات

قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕۛ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ

ہیں قطعاً انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں۔☆ ﴿۱۷۰﴾ اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انہیں دیا ہے اس پر وہ خوش ہیں اور جو لوگ ابھی ان کے پیچھے ان سے نہیں جا ملے ان کے بارے میں بھی خوش ہیں کہ انہیں (قیامت کے روز) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔ ﴿۱۷۱﴾ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمت اور اس کے فضل پر خوش ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ﴿۱۷۲﴾ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل کی، ان میں سے جو لوگ نیکی کرنے والے اور تقویٰ والے ہیں، ان کے لیے اجر عظیم ہے۔☆ ﴿۱۷۳﴾ جب کچھ لوگوں نے ان (مومنین) سے کہا: لوگ تمہارے خلاف جمع ہوئے ہیں پس ان سے ڈرو تو (یہ سن کر) ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوا اور وہ کہنے لگے: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ ﴿۱۷۴﴾ چنانچہ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ

---

کرنے لگ گئے۔

۱۶۹۔ منافقین کے اس طنز کہ مسلمان بے ڈھنگی لڑائی کی وجہ سے مارے گئے، کا جواب ہے۔ جو لوگ راہ خدا میں مارے جاتے ہیں وہ زندہ ہیں، کیونکہ موت شعور سلب ہونے سے عبارت ہے۔ شہید چونکہ رزق پاتے ہیں، لہٰذا وہ شعور کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ سے رزق پانے کا لازمہ خوشی و مسرت ہے۔ انہیں نہ خوف لاحق رہتا ہے اور نہ حزن و ملال، کیونکہ کسی موجودہ آسائش کے سلب ہونے کا خطرہ ہو تو خوف لاحق ہوتا ہے اور سلب ہو جائے تو حزن لاحق ہو جاتا ہے۔ اللہ کے ہاں رزق پانے کے بعد اس کے سلب ہونے کا کوئی خوف قابل تصور نہیں ہے اور یہ رزق چونکہ ابدی ہے اور اس کے چھن جانے کی نوبت نہیں آتی اس لیے حزن بھی قابل تصور نہیں ہے۔

۱۷۲۔ اصحاب رسول میں دو بھائی احد کی جنگ میں شریک تھے اور دونوں مجروح تھے جب رسول اللہ ﷺ نے سفیانی فوج کے تعاقب کا حکم دیا تو یہ دونوں مجروح بھائی زخمی حالت میں اس خیال سے نکلے کہ نہ معلوم ہمیں پھر رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جنگ کرنے کی سعادت حاصل ہوگی یا نہیں۔

اس آیت میں نہایت قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اجر عظیم کا وعدہ سب لبیک کہنے والوں کے لیے نہیں بلکہ ان میں سے نیکی کرنے والوں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے ہے۔ کیونکہ بظاہر لبیک کہنے کے اور بھی عوامل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ دوسری جنگوں میں رونما ہونے والی صورت حال شاہد ہے کہ لشکر اسلام میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے تھے جو بظاہر سب ہی جنگ میں حاضر ہونے کے لیے اللہ اور رسول ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے تھے، لیکن اَحۡسَنُوۡا اور اتَّقَوۡا

مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحۡزُنۡكَ الَّذِيۡنَ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡكُفۡرِ ۚ اِنَّهُمۡ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـئًا ؕ يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجۡعَلَ لَهُمۡ حَظًّا فِى الۡاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـئًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ خَيۡرٌ لِّاَنۡفُسِهِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ

کر آئے، انہیں کسی قسم کی تکلیف بھی نہیں ہوئی اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔☆ ﴿۱۷۵﴾ یہ (خبر دینے والا) شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے لہٰذا اگر تم مومن ہو تو ان لوگوں سے نہیں مجھ سے ڈرو۔☆ ﴿۱۷۶﴾ اور (اے رسول) جو لوگ کفر میں سبقت لے جاتے ہیں (ان کی وجہ سے) آپ آزردہ خاطر نہ ہوں، یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں دے سکیں گے، اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے نصیب میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔☆ ﴿۱۷۷﴾ جنہوں نے ایمان کے مقابلے میں کفر خرید لیا ہے وہ بھی اللہ کو کوئی ضرر نہیں دے سکیں گے اور خود ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۷۸﴾ اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے، ہم تو انہیں صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ یہ لوگ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کر لیں اور آخر کار انکے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔☆ ﴿۱۷۹﴾ اللہ مومنوں کو اس حال میں رہنے نہیں دے گا

کے مقام پر فائز نہ تھے۔

۱۷۴۔ اس خیال سے کہ جنگِ احد سے واپس جاتے ہوئے مشرکین دوبارہ مدینے پر حملہ نہ کر دیں، رسول اللہ ﷺ نے جنگِ احد کے دوسرے دن مسلمانوں کو کفار کے تعاقب کا حکم دیا۔ چنانچہ حمراء الاسد نامی جگہ تک جو مدینے سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے تعاقب کیا گیا لیکن دشمن کا سامنا نہ ہوا اور مسلمان عافیت کے ساتھ واپس آ گئے۔ دشمن کا خوف کرنے کی بجائے اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے پیش آنے والے برے نتائج کا خوف کرو جیسا کہ احد کے تجربے سے ظاہر ہوا۔

۱۷۵۔ اس آیت میں افواہ پھیلانے والے انسان کو شیطان کہا گیا۔ چنانچہ قرآن متعدد مقامات پر انسان اور جن دونوں کے لیے لفظ شیطان استعمال کرتا ہے۔ پس شیطان سے مراد کوئی خاص شخص نہیں بلکہ قرآنی اصطلاح میں ہر وہ انسان یا جن شیطان ہے جو انسانوں کو گمراہ کرے اور اسلام و مسلمین کے خلاف سازش کا حصہ بنے۔

۱۷۶۔ آنحضرت ﷺ کی تسکین کے لیے فرمایا: لوگوں کی کفر میں سبقت سے اللہ کے دین کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ انہیں کفر اختیار کرنے کے لیے ڈھیل دی گئی ہے جو خود ان کے لیے عذاب عظیم کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو۔

۱۷۸۔ ذہنوں میں اٹھنے والا ایک سوال، کیا بات ہے کہ جو لوگ حق پر نہیں وہ عیش و نوش میں مال و دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، جو ہاتھ ظلم کے لیے اٹھتے ہیں وہی ہاتھ لمبے ہوتے ہیں، جو دوسروں کا مال غصب کرتے ہیں، انہی کی دولت پھلتی پھولتی ہے؟ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ڈھیل ایک امتحان

لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ

ع ۱۸ وقف لازم

جس حالت میں اب تم لوگ ہو اور یہاں تک کہ پاک (لوگوں) کو ناپاک (لوگوں) سے الگ کر دے اور اللہ تمہیں غیب کی باتوں پر مطلع نہیں کرے گا بلکہ (اس مقصد کے لیے) اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ، اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہیں اجر عظیم ملے گا۔☆ ﴿۱۸۰﴾ اور جو لوگ اللہ کے عطا کردہ فضل میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے، جس چیز میں وہ بخل کرتے تھے وہ قیامت کے دن گلے کا طوق بن جائے گی اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۱۸۱﴾ بتحقیق اللہ نے ان لوگوں کی سن لی ہے جو کہتے ہیں: بے شک اللہ محتاج اور ہم بے نیاز ہیں، ان کی یہ بات اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی ہم ثبت کریں گے اور (روز قیامت) ہم ان سے

---

ہے کہ کافر اپنے بارِ گناہ میں اضافہ کرتا رہے۔

جناب سیدہ زینب بنت علی علیہا السلام نے یزید کو اسی آیت سے جواب دیا تھا جب یزید نے اہل بیت علیہم السلام کو طنز کرتے ہوئے اس آیت کی تلاوت کی: تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔

۱۷۹۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ آزمائش و امتحان کے ذریعے مومن و منافق میں امتیاز ہو جائے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ یہ کام علم غیب سے آگاہی کے ذریعے انجام دے اور بتا دے کہ مومن کون ہے اور منافق کون ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کیونکہ حکمت الٰہی یہ ہے کہ ایمان و نفاق کا تعین عمل و کردار کے ذریعے ہو۔

۱۸۰۔ مومنین میں تطہیر کے ذکر کے بعد بخل کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بخل کرنے والے شخص کا حال بھی ان لوگوں سے مختلف نہیں ہے جنہیں ڈھیل دی جاتی ہے اور یہ ان کے حق میں بہتر نہیں ہے نیز مال کو فضل خدا سے تعبیر کرنے سے بخل کی برائی اور واضح ہو جاتی ہے کہ جب مال اللہ کی طرف سے فضل و کرم ہے تو اسے اسی کی راہ میں خرچ نہ کرنا نہایت بیوقوفی اور حماقت ہے۔

۱۸۱ - ۱۸۲۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (بقرۃ ۲: ۲۴۵) "کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے۔" تو یہودیوں نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا: اللہ مفلس و محتاج ہو گیا جو اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے۔ یہودیوں کے اس کافرانہ قول اور انبیاء علیہم السلام کے ناحق قتل کو ثبت کرنے سے مراد شاید یہ ہو کہ ان کا قول و فعل بذات خود ثبت اور محفوظ ہو نیز ممکن ہے کہ اللہ کی طرف سے مقرر شدہ فرشتوں کے ذریعے ثبت اور محفوظ کر لیا

الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ
الۡحَرِيۡقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ
وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ
اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيۡنَاۤ اَلَّا
نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰى يَاۡتِيَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡكُلُهُ
النَّارُ ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِىۡ
بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىۡ قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡهُمۡ
اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ
كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ
وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفۡسٍ
ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ
يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ
وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ

کہیں گے: لو اب جلانے والے عذاب کا ذائقہ چکھو۔☆
﴿۱۸۲﴾ یہ خود تمہارے اپنے کیے کا نتیجہ ہے اور بے شک اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔☆ ﴿۱۸۳﴾ جو لوگ کہتے ہیں: ہمیں اللہ نے حکم دیا ہے کہ جب تک کوئی رسول ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ آ کر کھا جائے، ہم اس پر ایمان نہ لائیں، کہہ دیجیے: مجھ سے پہلے بھی رسول روشن دلیل کے ساتھ تمہارے پاس آئے اور جس کا تم ذکر کرتے ہو وہ بھی لائے تو اگر تم سچے ہو تو تم لوگوں نے انہیں کیوں قتل کیا؟☆ ﴿۱۸۴﴾ (اے رسول) اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ) آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو معجزات، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔☆
﴿۱۸۵﴾ ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور تمہیں تو قیامت کے دن پورا اجر و ثواب ملے گا (درحقیقت) کامیاب وہ ہے جسے آتش جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا جائے،

جاتا ہو۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ یہودیوں کو عذاب جہنم سے دوچار خود ان کے اعمال نے کیا ہے جو خود مختارانہ طور پر انہوں نے انجام دیے۔ ورنہ اللہ تو بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ یعنی اگر یہ خود اپنے اختیار و ارادے سے ان جرائم کا ارتکاب نہ کرتے تو ان کو سزا دینا ظلم ہوتا۔ اس سے امامیہ کا نظریہ لاجبر و لاتفویض ثابت ہو جاتا ہے۔

۱۸۳۔ یہودیوں نے آنحضرتؐ سے مطالبہ کیا کہ ہمارے سامنے ایک جانور کی قربانی پیش کریں جسے غیبی آگ آ کر کھا لے تب ہم آپؐ کی نبوت کو تسلیم کریں گے۔ یہودیوں کا یہ مطالبہ رسالتمآبؐ کی نبوت کے انکار کے لیے ایک بہانہ تھا۔ قرآن اس بہانہ سازی کو فاش کرتا ہے اور تاریخی شواہد سے ثابت کرتا ہے کہ ان کا یہ مطالبہ طلب حق کے لیے نہیں، جس کے لیے معجزہ دکھانا ضروری ہو بلکہ صرف حیلہ سازی ہے۔ چنانچہ بائبل سلاطین باب ۱۸۔ ۱۹ میں ہے کہ حضرت الیاسؑ نے عیناً یہی معجزہ دکھایا لیکن یہودی بادشاہ انہیں قتل کرنے پر مصر رہا۔

۱۸۴۔ اس آیت میں رسالتمآبؐ کے لیے سامان تسکین ہے اور اس الٰہی دعوت کی راہ میں داعیان حق کو پیش آنے والے ایک بنیادی مسئلے یعنی تکذیب کا ذکر ہے کہ ہر نبی کو اس کا مقابلہ کرنا پڑا، لیکن اس کے باوجود کسی نبی کی کامیابی کی راہ میں تکذیب رکاوٹ نہیں بنی۔

۱۸۵۔ یہ ارضی زندگی عارضی ہے۔ اس نے گزر جانا ہے۔ اس وقتی زندگی کو کامیابی اور ناکامی کا معیار نہیں بنانا چاہیے۔ یہاں کسی کو فراواں نعمتیں دی گئی ہیں، کوئی جاہ و جلالت کی کرسی پر متمکن ہے تو کوئی

الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ
فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ
مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ
تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ
عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ
لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ
وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ
مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا
بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ
الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَ لِلّٰهِ

(ورنہ) دنیاوی زندگی تو صرف فریب کا سامان ہے۔☆ ﴿۱۸۶﴾ (مسلمانو!) تمہیں ضرور اپنے مال وجان کی آزمائشوں کا سامنا کرنا ہوگا اور تم ضرور اہل کتاب اور مشرکین سے دل آزاری کی باتیں کثرت سے سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ معاملات میں عزم راسخ (کی علامت) ہے۔☆ ﴿۱۸۷﴾ اور (یاد کرنے کی بات ہے کہ) جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ تمہیں یہ کتاب لوگوں میں بیان کرنا ہوگی اور اسے پوشیدہ نہیں رکھنا ہوگا، لیکن انہوں نے یہ عہد پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا، پس ان کا یہ بیچنا کتنا برا معاملہ ہے۔☆ ﴿۱۸۸﴾ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہیں اور ان کاموں پر اپنی تعریفیں سننا چاہتے ہیں جو انہوں نے نہیں کیے، لہٰذا آپ انہیں عذاب سے محفوظ نہ سمجھیں، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔☆ ﴿۱۸۹﴾ اور (وہ بچ کر کہاں جائیں گے) زمین و آسمان

مصائب ومشکلات میں مبتلا ہے۔ یہ امورِ حق وباطل اور کامیابی و ناکامی کے حتمی نتائج نہیں ہیں۔ اس آزمائشی اور وقتی زندگی میں اجر وثواب کی توقع نہ رکھو۔ یہ دارِ عمل ہے، دارِ ثواب نہیں ہے۔ اس لیے روز قیامت سارے کا سارا اجر وثواب پاؤ گے۔

۱۸۶۔ اس آیۂ شریفہ میں اموال و انفس کے امتحان کے ساتھ ایک نفسیاتی حربے کا بھی ذکر ہوا ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین کے اس حربے کا مسلمانوں کو صبر و استقلال کے ساتھ مقابلہ کرنا ہوگا۔ چنانچہ اسلام کے خلاف طعن وتشنیع اور الزام تراشی پر مبنی ان کے نشریاتی ادارے آج بھی مصروف کار ہیں۔

۱۸۷۔ اہل کتاب کی عہد شکنی کو قرآن امت مسلمہ کے اذہان میں اس تاکید اور وضاحت وصراحت کے ساتھ راسخ کرنا چاہتا ہے گویا اس امت کو سب سے زیادہ پیش آنے والا مسئلہ یہی ہوگا اور سب سے زیادہ بنیادی نوعیت کا مسئلہ بھی یہی رہے گا۔ تعجب اس بات پر ہے کہ قرآن کی اس تاکید واصرار کے باوجود مسلمانوں نے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا ہے اور ان عہد شکنوں کے ساتھ معاہدے کر رہے ہیں۔ وہ ہزارہا تجربات کے باوجود بھی انہی ناپائیدار معاہدوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔

۱۸۸۔ اس آیت کا شان نزول بعض مفسرین کے نزدیک یہود ہیں اور بعض کے نزدیک منافقین۔ ہر دوصورت میں الفاظ کے عموم کے تحت ہر وہ شخص اس آیت کا مصداق ہے جو اپنے حق میں اس قسم کی تعریفیں سننا چاہتا ہے جن کا وہ مستحق نہیں ہے اور جن پر اس نے عمل ہی نہیں کیا۔ مثلاً یہ کہ فلاں صاحب نے ملک کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور ان کے عہد میں ملک نے بے انتہا ترقی کی ہے، جب کہ اس نے ملک کو نقصان پہنچایا اور لوٹا ہو

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ
عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۠ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ
النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۚۙ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ
یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی
جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ
اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ
وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ
اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ

اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔
(۱۹۰) بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات
اور دن کے بدلنے میں صاحبان عقل کے لیے نشانیاں ہیں۔
(۱۹۱) جو اٹھتے بیٹھتے اور اپنی کروٹوں پر لیٹتے ہر حال میں اللہ کو
یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلقت میں غور و فکر
کرتے ہیں، (اور کہتے ہیں:) ہمارے رب! یہ سب کچھ تو
نے بے حکمت نہیں بنایا، تیری ذات (ہر عبث سے) پاک
ہے، پس ہمیں عذاب جہنم سے بچا لے۔☆ (۱۹۲) اے
ہمارے رب! تو نے جسے جہنم میں ڈالا اسے یقیناً رسوا کیا پھر
ظالموں کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔ (۱۹۳) اے ہمارے
رب! ہم نے ایک ندا دینے والے کو سنا جو ایمان کی
دعوت دے رہا تھا: اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان
لے آئے، تو اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں سے
درگزر فرما اور ہماری خطاؤں کو دور فرما اور نیک لوگوں

یا یہ کہ جناب بہت بڑے علامہ، مجتہد، دیانتدار، مخلص اور متقی ہیں، جب کہ وہ اندر سے اس کے برعکس ہوں۔

۱۹۱۔ اللہ کی آفاقی آیات کا مطالعہ کرنے والے صاحبان عقل پر جب معرفت الٰہی کا دروازہ کھل جاتا ہے تو یہ نتائج قدرتی طور پر مترتب ہوتے ہیں: ☆ اس کے قلب و ضمیر میں ذکر خدا رچ بس جاتا ہے، وہ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتا ہے۔☆ اس کا آفاقی مطالعہ جاری رہتا ہے اور اس نتیجے تک پہنچ جاتا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا یعنی ہمارے رب! یہ سب کچھ تو نے بے حکمت نہیں بنایا۔ ☆ فہم و معرفت کی یہ منزل پانے کے بعد انسان پر اپنی خلقت اور اپنے وجود کا راز منکشف ہو جاتا ہے اور فوراً دست دعا بلند ہو جاتا ہے: فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ پس ہمیں عذاب جہنم سے بچا لے۔

۱۹۳۔ منزل کی تشخیص پر کوتاہیوں کا ادراک ہوتا ہے۔ سفر کے طولانی ہونے کے علم سے توشۂ راہ کی قلت کا پتہ چلتا ہے، اس لیے درگاہ الٰہی سے فوراً عفو و درگزر کی دعا کرتا ہے۔

۱۹۴۔ مؤمن کے لیے حکم ہے کہ وہ بیم و امید یعنی خوف و رجاء کے درمیان رہے، نہ جاہلوں کی طرح جنت کو اپنی ملکیت سمجھے نہ کافروں کی طرح رحمت خدا سے مایوس ہو۔ مؤمن کے اپنے گناہوں سے اللہ کی پناہ میں آنے کے بعد اس کے لیے امید و رجاء کی منزل آ جاتی ہے۔ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے جو وعدۂ نجات دے رکھا ہے، اس کی امید کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں جاتے ہیں۔

۱۹۵۔ قبولیت دعا کے ساتھ فرمایا: تمہارا عمل ضائع نہیں جائے گا اور قبولِ اعمال کے حوالے سے عمل کنندہ میں کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ مرد ہو یا عورت، اللہ

تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۟ قف ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ

کے ساتھ ہمارا خاتمہ فرما۔☆ ﴿۱۹۴﴾ ہمارے رب! تو نے اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ ہمیں عطا کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔☆ ﴿۱۹۵﴾ پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا:) میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم ایک دوسرے کا حصہ ہو، پس جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے نیز جو لڑے اور مارے گئے ان سب کے گناہ ضرور بالضرور دور کروں گا اور انہیں ایسے باغات میں ضرور بالضرور داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، یہ ہے اللہ کی طرف سے جزا اور اللہ ہی کے پاس بہترین جزا ہے۔☆ ﴿۱۹۶﴾ (اے رسول!) مختلف علاقوں میں کافروں کی آمد و رفت آپ کو کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔☆ ﴿۱۹۷﴾ یہ چند روزہ عیش و نوش ہے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جو بدترین جائے قرار ہے۔☆ ﴿۱۹۸﴾ لیکن (اس کے برعکس) جو لوگ اپنے

کے نزدیک دونوں کو بلحاظ عمل یکساں حیثیت حاصل ہے۔ مخلوق اور بندہ ہونے میں یہ دونوں یکساں ہیں، پھر تخلیق و تربیت میں مرد و زن میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے۔ اکثر قدیم قوموں کا نظریہ یہ تھا کہ عورت کا عمل اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ یونانی عورت کو شیطانی نجاست سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ بعض رومیوں اور یونانیوں کا خیال تھا کہ عورت نفس کی مالکہ نہیں ہے جبکہ مرد غیر مادی نفس انسانی کا مالک ہے۔ فرانس کے ادارۂ تحقیقات نے سن ۵۸۶ء میں طویل بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا کہ عورت بھی انسان ہے تاہم اسے مرد کی خدمت کے لیے خلق کیا گیا ہے۔ ایک سو سال قبل انگلینڈ میں عورت کو انسانی معاشرے کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔ (المیزان ۴: ۹۰)

۱۹۶ تا ۱۹۸۔ سابقہ آیت سے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ مومن کے حصے میں ہجرت، جلاوطنی، قتال کرنا اور قتل ہو جانا ہے، جب کہ کفار کے لیے تمام سامان عیش و نوش اور نعمتوں کی فراوانی ہے۔ کیا اللہ کا یہ نظام حق و باطل کی پہچان نہیں رکھتا کہ باطل پر کرم کرتا ہے اور حق والوں کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے؟ اس آیت میں خطاب اگرچہ رسول ﷺ سے ہے لیکن تمام مسلمان مقصود کلام ہیں، جنہیں یہ باور کرانا ہے کہ انسان اگر دنیا و آخرت کی مجموعی زندگی کو سامنے رکھے تو یہ چند روزہ زندگی اسے حقیر نظر آئے گی اور اسے فقط وہی لوگ خوشحال نظر آئیں گے جن کی ابدی زندگی آباد و شاد ہوگی۔

۱۹۹۔ اہل ایمان کے اجر و ثواب کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ آخرت کی ابدی سعادت کسی خاص جنس یا نژاد یا جغرافیائی حدود تک محدود نہیں بلکہ ہر مومن

الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

رب کا خوف رکھتے ہیں ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے (ان کے لیے) ضیافت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کے لیے وہ سب سے بہتر ہے۔☆ (۱۹۹) اور اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے سب پر اللہ کے لیے خشوع کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر فروخت نہیں کرتے، انہی لوگوں کے لیے ان کے رب کے پاس اجر و ثواب ہے، بے شک اللہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔☆ (۲۰۰) اے ایمان والو! صبر سے کام لو استقامت کا مظاہرہ کرو، مورچہ بند رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرسکو۔☆

## ۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲

آیاتھا ۱۷۶ — رکوعاتھا ۲۴

سورۂ نساء۔ مدنی۔ آیات ۱۷۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

(۱) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان

---

کے لیے یہ ایک عمومی سعادت ہے۔ چنانچہ اہل کتاب کے لیے یہ دروازہ بند نہیں ہے۔ ان میں سے جو صاحبان ایمان ہیں انہیں بھی وہی اجر و ثواب اور وہی سعادت میسر ہوگی۔

۲۰۰۔ اصْبِرُوْا: صبر و تحمل ہر تحریک کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، لیکن امت مسلمہ نے ایک جامع نظام حیات کی تحریک چلانی ہے۔ یہ راستہ خون کی ندیوں، مخالف آندھیوں، مصائب کے پہاڑوں اور دوستوں کی لاشوں پر سے گزرتا ہے۔ ساتھ دینے والوں کی قلت، دشمنوں کی کثرت، قریبیوں کی بے وفائی اور دشمنوں کی چالاکی، ساتھیوں کی سہل انگاری اور مدمقابل کی نیرنگی جیسے کٹھن مراحل طے کرنا پڑتے ہیں، لہٰذا اس کے اراکین کے صبر و تحمل کا دائرہ بھی جامع اور وسیع ہونا چاہیے۔ اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لیے بھی صبر درکار ہے۔ بھوک اور ناداری میں بھی مال حرام سے اجتناب، غیظ و غضب، جذبۂ انتقام اور قوت کے باوجود تجاوز اور ظلم سے پرہیز اور دیگر ہر قسم کی خواہشات کا مقابلہ بھی صبر و تحمل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اطاعت و فرمانبرداری کی بنیاد بھی صبر ہے۔ جب تک صبر و حوصلہ نہ ہو اطاعت رب کا بوجھ اٹھانا ممکن نہ ہوگا۔

### سورۂ نساء

۱۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ: تمام انسانوں کا تعلق ایک ہی اصل اور ایک ہی حقیقت سے ہے۔ یہ تصور ان تمام المیوں کا حل پیش کرتا ہے جو طبقاتی، نژادی، علاقائی، لسانی، اور رنگ و نسل کی تفریق سے انسانیت کو درپیش ہیں۔

۳۔ خواہ مرد ہو یا عورت، ازدواجی زندگی ایک انسانی حق ہے۔ لیکن عورت اس حق کی زیادہ محتاج ہے۔ کیونکہ ازدواجی زندگی میں مرد کے مادی اور جنسی

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ
بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝۱ وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤى
اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪
وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ
كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا
تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ
مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ
خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا
النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ
عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا

سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں
سے بکثرت مرد و عورت (روئے زمین پر) پھیلا دیے اور
اس اللہ کا خوف کرو جس کا نام لے کر ایک دوسرے سے
سوال کرتے ہو اور قرابتداروں کے بارے میں بھی (پرہیز
کرو)، بے شک تم پر اللہ نگران ہے۔☆ (۱) اور یتیموں کا
مال ان کے حوالے کرو، پاکیزہ مال کو برے مال سے نہ بدلو
اور ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھایا کرو، ایسا کرنا
یقیناً بہت بڑا گناہ ہے۔ (۲) اور اگر تم لوگ اس بات سے
خائف ہو کہ یتیم (لڑکیوں) کے بارے میں انصاف نہ کر سکو
گے تو جو دوسری عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو،
تین تین یا چار چار سے نکاح کر لو، اگر تمہیں خوف ہو کہ ان
میں عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی عورت یا لونڈی جس کے تم
مالک ہو (کافی ہے)، یہ ناانصافی سے بچنے کی قریب ترین
صورت ہے۔☆ (۳) اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا
کرو، ہاں! اگر وہ کچھ حصہ اپنی خوشی سے معاف کر دیں تو

تقاضے زیادہ اور انسانی تقاضے کم ہوتے ہیں۔
جب کہ عورت کے انسانی تقاضے زیادہ اور مادی
تقاضے کم ہوتے ہیں۔ مرد ازدواجی زندگی سے محروم
ہونے کی صورت میں بھی اپنے نصف تقاضے ناجائز
ذرائع سے پورے کر سکتا ہے، جب کہ عورت
ازدواجی زندگی سے محروم ہونے کی صورت میں
اپنے فطری اور انسانی تقاضے ناجائز ذرائع سے
پورے نہیں کر سکتی۔ لہٰذا شوہر داری کرنا، مرد کے
زیر سایہ رہنا، جائز اور قانونی بچوں کی ماں بننا اور
ایک عائلی نظام سے منسلک رہنا، عورت کے انسانی

حقوق میں سے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اعداد و
شمار کے مطابق اگرچہ پیدائش کے اعتبار سے مرد و
زن برابر ہوتے ہیں، لیکن جب یہی مرد و زن سن
بلوغت کو پہنچتے ہیں، یعنی ازدواجی زندگی کے قابل
ہوتے ہیں تو ازدواج کے قابل مردوں سے
ازدواج کے قابل عورتیں کہیں زیادہ ہوتی ہیں۔
اب سوال یہ ہے کہ ازدواج کے قابل عورتوں کو، جو
تعداد میں ازدواج کے قابل مردوں سے زیادہ ہیں،
ان کے انسانی حقوق تعدد زوجات کے علاوہ کس
طرح مل سکتے ہیں؟ برٹرینڈ رسل یہاں ایک عجیب

تجویز دیتا ہے: تعدد زوجات ممنوع ہونے کی
صورت میں بہت سی عورتیں بے شوہر اور بے اولاد
رہ جاتی ہیں، ان کے لیے تجویز یہ ہے کہ وہ مردوں کو
شکار کریں اور اپنے لیے اولاد پیدا کریں۔ اس
صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان بے
سرپرست ماؤں اور بے پدر بچوں کی سرپرستی کون
کرے گا؟ برٹرنڈ رسل تجویز دیتا ہے: حکومت
شوہر اور باپ کی جگہ پر کرے۔ (نظام حقوق زن
ص ۳۸۱) دیکھا آپ نے مغربی ذہن، صف اول
کا مفکر ایک نہایت ہی اہم انسانی حق کے لیے کیا

مَّرِيْٓـًٔا ④ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ
الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ
فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا
مَّعْرُوْفًا ⑤ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا
النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا
فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ
اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ
غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا
فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ
اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
حَسِيْبًا ⑥ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ
الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ
مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ

اسے خوشگواری سے بلا کراہت کھا سکتے ہو۔☆ ⑤ اور اپنے وہ مال جن پر اللہ نے تمہارا نظام زندگی قائم کر رکھا ہے بیوقوفوں کے حوالے نہ کرو (البتہ) ان میں سے انہیں کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے اچھے پیرائے میں گفتگو کرو۔☆ ⑥ اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ یہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں رشد عقلی پاؤ تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (اور مال کا مطالبہ کریں گے) فضول اور جلدی میں ان کا مال کھا نہ جانا، اگر (یتیم کا سرپرست) مالدار ہے تو وہ (کچھ کھانے سے) اجتناب کرے اور اگر غریب ہے تو معمول کے مطابق کھا سکتا ہے، پھر جب تم ان کے اموال ان کے حوالے کرو تو ان پر گواہ ٹھہرایا کرو اور حقیقت میں حساب لینے کے لیے تو اللہ ہی کافی ہے۔☆ ⑦ اور جو مال ماں باپ اور قریبی رشتے دار چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا ایک حصہ ہے اور (ایسا ہی) جو مال ماں باپ اور قریبی رشتے دار چھوڑ جائیں اس میں تھوڑا ہو یا بہت عورتوں کا بھی ایک

حل پیش کرتا ہے۔ کیا مغربی انسان، مہر پدر اور امن وسکون شوہر سے آشنا ہی نہیں ہے؟

۴۔ نِحۡلَةً : اس عطیہ کو کہتے ہیں جو قیمت اور معاوضہ نہ ہو۔ حکم یہ ہے کہ مہر کو عطیہ کے طور پر دے دو تاکہ مرد کی طرف سے خواستگاری اور خواہش کی سچائی کی ایک علامت اور دلیل بنے۔ چونکہ عورت عشق و محبت کی منزل پر ہوتی ہے اور مرد خواہش و تمنا کی منزل پر۔

۵۔ ۶۔ مال کے بارے میں اسلام کا تصور اس طرح ہے کہ مالک حقیقی اللہ ہے اور پوری امت کو اللہ کی طرف سے اس مال پر نظارت کا حق حاصل ہے۔ وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ یعنی اس کو انفرادی تصرف میں دینے کے لیے فرد کی صلاحیت دیکھیں گے۔ اگر فرد میں عقل و رشد کے اعتبار سے معقول تصرف کرنے کی صلاحیت نہیں تو اس مال کی پوری امت امین ہے۔ ایسے فرد کے تصرف میں مال نہیں دیا جائے گا۔

۷۔ اس آیت میں درج ذیل قوانین موجود ہیں:

۱۔ والدین اور قرابتداروں میں سے کوئی بھی ارث سے محروم نہ رہے گا، جیسا کہ دور جاہلیت میں یہ فلسفہ پیش کیا جاتا تھا کہ بچے چونکہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور دفاع میں حصہ نہیں لے سکتے اس لیے چھوٹے بچوں کو ارث نہیں دیا جاتا۔ مگر اسلام بچوں کی دفاعی اعتبار سے قیمت نہیں لگاتا بلکہ ان کے انسانی مقام کے اعتبار سے انہیں وقعت دیتا ہے۔

۲۔ میراث صرف مردوں کا حق نہیں بلکہ میراث میں عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت مرد کے ساتھ ایک ہی طبقے میں ہو تو وہ ارث سے محروم نہیں رہتی ہے۔ مثلاً بیٹے کے ساتھ بیٹی کو بھائی کے ساتھ بہن کو چچا کے ساتھ پھوپھی کو حسب مراتب

مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝٧ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٨ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝١٠ ع يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ

حصہ ہے، یہ حصہ ایک طے شدہ امر ہے۔☆ ⑧ اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت قریب ترین رشتے دار یتیم اور مسکین موجود ہوں تو اس (میراث) میں سے انہیں بھی کچھ دیا کرو اور ان سے اچھے انداز میں بات کرو۔☆ ⑨ اور لوگوں کو اس بات پر خوف لاحق رہنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑ جاتے جن کے بارے میں فکر لاحق ہوتی (کہ ان کا کیا بنے گا) تو انہیں چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور سنجیدہ باتیں کریں۔ ⑩ جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بس آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد ہی جہنم کی بھڑکتی آگ میں تپائے جائیں گے۔ ⑪ اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت فرماتا ہے، ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے، پس اگر لڑکیاں دو سے زائد ہوں تو ترکے کا دو تہائی ان کا حق ہے اور اگر صرف ایک لڑکی ہے تو نصف (ترکہ) اس کا ہے اور میت کی اولاد ہونے کی صورت میں والدین میں سے ہر

---

ارث ملے گا۔ ۳۔ میراث کتنی ہی کم ہو، تقسیم ہونی چاہیے۔ مال متروکہ تھوڑا ہونے کی وجہ سے جواز نہیں بنتا کہ اسے تقسیم نہ کیا جائے۔ میراث کے یہ قوانین عرب جاہلیت کے اعتبار سے بالکل غیر مانوس تھے اور قرابتداروں میں سے کئی ایک کو میراث سے محروم رکھنا ان کے ہاں ایک عام سی بات تھی۔ اسلام نے یکسر ان غیر انسانی قوانین کو بدل دیا۔ ۴۔ اس آیہ شریفہ کی عمومیت میں رسالتمآب ﷺ کا ترکہ بھی شامل ہے۔

۸۔ یہاں خطاب میت کے ولی اور ورثاء سے ہے کہ میراث کی تقسیم کے وقت جو رشتہ دار اور غریب و مسکین اور یتیم بچے موجود ہوں تو اگرچہ از روئے قانون میراث میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، لیکن از روئے شفقت تم خود اپنی طرف سے انہیں کچھ دے دیا کرو۔ وَلۡيَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا: اور مال و میراث سے محرومی کے ساتھ تم ان سے دل شکنی کی باتیں نہ کیا کرو۔ مال سے محرومیت کی صورت میں معمولی سی بدکلامی دل میں کینہ اور عداوت پیدا کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

۱۱۔ اسلام نے میراث کے لیے بنیادی طور پر دو سبب متعین کیے ہیں: نسب و سبب۔ سبب کی دو قسمیں ہیں: زوجیت اور ولاء۔ نسب کے تین طبقے ہیں: پہلا طبقہ اولاد اور والدین، دوسرا طبقہ اجداد اور بہن بھائی یا ان کی اولاد، تیسرا طبقہ چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد ہیں۔

اس آیت میں طبقۂ اول کی میراث کا حکم بیان ہوا ہے اور ان میں سے یہاں دو اختلافی مسائل کا مختصر بیان مناسب ہے۔ عول: کبھی میراث کے کل حصے ترکے سے زیادہ ہو جاتے ہیں، مثلاً مرنے والے کے پسماندگان میں دو لڑکیاں والدین اور شوہر ہوں

مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ

ایک کوترکے کا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر میت کی اولاد نہ ہو بلکہ صرف ماں باپ اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا، پس اگر میت کے بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، یہ تقسیم میت کی وصیت پر عمل کرنے اور اس کے قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی، تمہیں نہیں معلوم تمہارے والدین اور تمہاری اولاد میں فائدے کے حوالے سے کون تمہارے زیادہ قریب ہے، یہ حصے اللہ کے مقرر کردہ ہیں، یقینا اللہ بڑا جاننے والا، باحکمت ہے۔☆ ﴿۱۲﴾ اور تمہیں اپنی بیویوں کے ترکے میں سے اگر ان کی اولاد نہ ہو نصف حصہ ملے گا اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکے میں سے چوتھائی تمہارا ہو گا، یہ تقسیم میت کی وصیت پر عمل کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو انہیں تمہارے ترکے میں سے چوتھائی ملے گا اور اگر تمہاری اولاد ہو تو انہیں تمہارے ترکے میں سے آٹھواں حصہ ملے گا، یہ تقسیم تمہاری وصیت پر عمل کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی اور اگر

---

تو حصے ۲/۶، ۲/۳، ۴/۱ بنتے ہیں جو اصل ترکے سے زیادہ ہیں۔ اہل سنت میں مشہور یہ ہے کہ سب کے حصوں سے کم کیا جائے۔ اسے عول کہتے ہیں جو حضرت عمر نے اپنے ایام خلافت میں رائج کیا۔ (مستدرک حاکم ۳۴۰) امامیہ کے نزدیک یہ کمی بہنوں اور بیٹیوں پر آئے گی۔ **تعصیب:** کبھی میراث کے کل حصے اصل ترکے سے کم ہو جاتے ہیں اور ترکہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً مرنے والے کے پسماندگان میں ایک لڑکی ماں اور چچا ہیں تو نصف لڑکی کا، ۶/۱ حصہ ماں کا۔ امامیہ کے نزدیک یہ زیادہ ان کی طرف رد کیا جائے گا جن پر پہلی صورت میں کمی آئی تھی۔ یعنی بہنوں اور بیٹیوں کو دیا جائے گا۔ جبکہ اہل سنت اس زیادہ کو طبقہ دوم کے وارثین میں تقسیم کرتے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں اسے تعصیب کہتے ہیں۔

اس آیت کی عمومیت میں نبی، غیر نبی سب شامل ہیں۔ یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ پہلی بات بالاجماع ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ ؑ نے اپنے پدر بزرگوار کی میراث کا مطالبہ کیا اور اس مطالبے کے مسترد ہونے پر ناراض رہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ کے تحت رسول کریم ﷺ پر واجب ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو احکام کی تبلیغ و انذار کریں۔ لہٰذا اگر حضرت زہراء ؑ کو وراثت میں کچھ بھی نہیں ملنا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم حضرت زہراء ؑ کو بتایا ہوگا۔ اس کے باوجود حضرت زہراء ؑ نے میراث کا مطالبہ کیا ہے تو اس سے حکم رسول ﷺ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ چونکہ حضرت زہراء ؑ سے حکم رسول ﷺ کی خلاف ورزی ممکن نہیں ہے لہٰذا جناب سیدہ ؑ کا مطالبہ حق بجانب ثابت ہوتا ہے۔

بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ
كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّ
لَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ
شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصَىٰ
بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ
اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾ تِلْكَ حُدُودُ
اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا ۗ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ
يَّعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ
يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۖ وَلَهُ عَذَابٌ
مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ع وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ

کوئی مرد یا عورت بے اولاد ہو اور والدین بھی زندہ نہ ہوں اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو بھائی اور بہن میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، پس اگر بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے، یہ تقسیم وصیت پر عمل کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی، بشرطیکہ ضرر رساں نہ ہو، یہ نصیحت اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بڑا دانا، بردبار ہے۔☆ ⑫ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ ⑬ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی حدود سے تجاوز کرتا ہے اللہ اسے داخل جہنم کرے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت آمیز سزا ہے۔ ⑭ اور تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کی مرتکب ہو جاتی ہیں ان پر اپنے (مسلمانوں) میں سے چار

میراث کی تقسیم مرد و زن کی قدر و قیمت کے مطابق نہیں، بلکہ عائلی نظام میں حاصل مقام کے مطابق ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر مرنے والے نے اپنے پیچھے ایک بیٹی اور باپ چھوڑا ہے تو بیٹی (عورت) کو باپ (مرد) سے زیادہ حصہ ملے گا۔ اگر مرنے والے کے پسماندگان میں بیٹا اور والدین ہیں تو باپ (مرد) اور ماں (عورت) کو برابر حصہ ملے گا۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگرچہ مرد کو دگنا حصہ ملتا ہے لیکن عورت کے اخراجات مرد کے ذمے ہیں۔ مثلاً اگر مرد کو دو ہزار اور عورت کو ایک ہزار ملا ہے تو مرد ایک ہزار خود پر اور ایک ہزار عورت پر خرچ کرے گا تو عورت کے پاس ایک ہزار مرد کی طرف سے اور ایک ہزار وراثت کی طرف سے دو ہزار آ گئے، جبکہ مرد کے پاس صرف ایک ہزار رہ گیا۔ اس طرح سرپرستی کے اعتبار سے مرد کو دگنا ملتا ہے لیکن خرچ کے اعتبار سے عورت کو دگنا مل جاتا ہے۔

۱۲۔ زوجین تمام طبقات کے ساتھ میراث لیتے ہیں:

الف: زوجہ کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف حصہ ملے گا۔ اولاد ہونے کی صورت میں شوہر کو ایک چوتھائی حصہ ملے گا۔ ب: شوہر کی اولاد نہ ہو تو بیوی شوہر کے ترکہ کا چوتھائی حصہ لے گی۔ اگر اولاد ہے تو آٹھواں حصہ ملے گا۔ ج: شوہر بیوی کے ترکہ میں سے منقولات و غیر منقولات سب سے حصہ لے گا، جب کہ بیوی شوہر کے ترکہ میں منقولات میں سے حصہ لے گی۔ غیر منقولات اگر زمین ہے تو زمین سے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور اگر زمین میں نصب شدہ چیزیں، مثلاً عمارت اور درخت ہیں تو ان کی قیمت میں سے حصہ لے گی۔ واضح رہے کہ اگر میت کے ذمے قرض ہے یا وصیت کی ہے تو پہلے قرض کی ادائیگی ہوگی اور وصیت پر عمل کیا جائے گا بعد میں

نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً
مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي
الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ
اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا
مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا
فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا
رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ
مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰۗىِٕكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَ
كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ
التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى
اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ
الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ

افراد کی گواہی لو، پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں
میں بند رکھو یہاں تک کہ موت انہیں انجام تک پہنچا دے یا
اللہ ان کے لیے کوئی اور سبیل پیدا کر دے۔☆ ⑯ اور اگر
تم میں سے دو اشخاص بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو
اذیت دو پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو
ان کا پیچھا چھوڑ دو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، رحم
کرنے والا ہے۔☆ ⑰ اللہ کے ذمے صرف ان لوگوں
کی توبہ (قبول کرنا) ہے جو نادانی میں گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے
ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، اللہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول
کرتا ہے اور اللہ بڑا دانا، حکمت والا ہے۔☆ ⑱ اور ایسے
لوگوں کی توبہ (حقیقت میں توبہ ہی) نہیں جو برے کاموں کا
ارتکاب کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی
موت کا وقت آ پہنچتا ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے: اب میں نے توبہ
کی اور نہ ہی ان لوگوں کی (توبہ قبول ہے) جو مرتے دم تک

میراث تقسیم ہوگی۔

۱۵۔ چار مردوں کی گواہی سے زنا ثابت ہونے کی صورت میں عورت کو عمر قید کی سزا دی جائے گی۔ یہ حکم بعد میں مرد اور عورت دونوں کے لیے سو سو کوڑوں کی سزا سے منسوخ ہو گیا۔ اسی طرح بعد والی آیت کا حکم بھی کوڑوں کی سزا سے منسوخ ہو گیا ہے۔

۱۶۔ اگر مرد اور عورت دونوں بدکاری کے مرتکب ہو جائیں تو اس وقت ان دونوں کے لیے ابتداء میں یہ سزا تجویز کی گئی کہ ان دونوں کو اذیت دی جائے۔ اس آیت میں زنا کی سزا پہلی صورت سے مختلف ہے۔ اس لیے لازمی طور پر اس زنا کی نوعیت بھی مختلف ہونی چاہیے۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین اس آیت کو غیر شادی شدہ مرد و عورت کے زنا پر محمول کرتے ہیں۔ بہر حال یہ آیت بھی منسوخ ہے اور سورہ نور میں زنا کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے مارنا معین ہوئی ہے۔

۱۷۔ توبہ دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک اپنے کیے پر نادم ہونا اور دوسرا عدم ارتکاب کا عہد کرنا یعنی توبہ، بیداریٔ ضمیر اور تجدید عہد کا نام ہے۔ عَلَى اللّٰهِ سے مراد ہے کہ توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمے ہے اور کسی نے اللہ کے ذمے نہیں لگایا بلکہ خود اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ بِجَهَالَةٍ یعنی گناہ نادانی میں سرزد ہوا ہو یا نہ جاننے کی وجہ سے یا شہوت کے غلبے سے یا غفلت کی وجہ سے ہو۔ یعنی یہ گناہ اللہ سے عناد کے ساتھ سرزد نہ ہوا ہو تو توبہ قبول ہے۔

اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٨﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ
تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ
يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ
تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ
خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ
زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ
قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ
اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾ وَ
كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى
بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾

کافر رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔☆ ⑲ اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اپنی عورتوں کے جبراً وارث بنو اور اس نیت سے انہیں قید نہ رکھو کہ تم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ حصہ واپس لے لو مگر یہ کہ وہ مبینہ بدکاری کی مرتکب ہوں اور ان کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی بسر کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہے تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں تو ناپسند ہو مگر اللہ اس میں بہت سی خوبیاں پیدا کردے۔☆ ⑳ اور اگر تم لوگ ایک زوجہ کی جگہ دوسری زوجہ لینا چاہو اور ایک کو بہت سا مال بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لینا، کیا تم بہتان اور صریح گناہ کے ذریعے مال لینا چاہتے ہو؟ ☆ ㉑ اور دیا ہوا مال تم کیسے واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے سے مباشرت کر چکے ہو اور وہ تم سے شدید عہد و قرار لے چکی ہیں؟ ☆ ㉒ اور ان

مِنۡ قَرِیۡبٍ یعنی جہالت یا غفلت سے نکلتے ہی پشیمانی آ جائے تو توبہ قبول ہے۔ بعد والی آیت میں فرمایا ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہے جو موت سامنے آنے پر توبہ کرتے ہیں: حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان موت سامنے آنے سے پہلے جب بھی توبہ کرے، مورد قبول ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی وارد ہے۔

۱۸۔ یہاں ندامت کا محرک ضمیر کی بیداری، احساس گناہ اور تجدید عہد کا عزم و ارادہ نہیں ہے کہ اللہ اس پر مہربانی فرمائے بلکہ یہاں ندامت کا محرک زندگی سے ناامیدی اور عذاب آخرت کا مشاہدہ ہے۔ لہٰذا دراصل یہ توبہ ہے ہی نہیں۔ یعنی رجوع اختیاری نہیں، بلکہ یہ ندامت اضطراری ہے۔

۱۹۔ زمان جاہلیت میں سوتیلی اولاد باپ کے مرنے کی صورت میں باپ کی منکوحہ کے سر پر چادر ڈال کر اسے اپنی میراث بنا لیتی۔ ان عورتوں کو عقد ثانی کی اجازت بھی نہ تھی اور ان عورتوں کے ساتھ اس غرض سے زیادتی کی جاتی تھی کہ وہ پورا حق مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس کر دیں۔ اسلام نے ان تمام غیر انسانی مراسم کو ختم کر کے عورت کو اس کی انسانی حیثیت واپس دلائی۔

۲۰۔۲۱۔ ایک شخص محض اپنی خواہشات کی بنا پر اپنی موجودہ بیوی کو طلاق دے کر دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں اگر وہ اپنی زوجہ کو حق مہر میں مال دے چکا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ یہ پورا مال یا اس میں سے ایک حصہ طلاق کے معاوضہ میں واپس لے لے۔

دوسری آیت میں فرمایا حق مہر واپس لینا اس لیے جائز نہیں ہے کہ تم نے آپس میں ازدواجی مباشرت

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں مگر جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا، یہ ایک کھلی بے حیائی اور ناپسندیدہ عمل ہے اور برا طریقہ ہے۔☆ ﴿۲۳﴾ تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں، تمہاری بھانجیاں، تمہاری وہ مائیں جو تمہیں دودھ پلا چکی ہوں اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں اور جن بیویوں سے تم مقاربت کر چکے ہو ان کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں رہی ہوں، لیکن اگر ان بیویوں سے (صرف عقد ہوا ہو) مقاربت نہ ہوئی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے نیز تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کا باہم جمع کرنا، مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆

کی ہے اور عورت نے اپنے وجود کو تمہارے حوالہ کیا ہے اور تم نے آپس میں عقد و پیمان کیا ہے۔

۲۲۔ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ سوتیلی ماؤں سے شادیاں کرلیا کرتے تھے۔ گو کہ یہ عمل اس وقت بھی لوگوں کی نظر میں مبغوض تھا۔ چنانچہ اسے نکاح المقت کہتے تھے۔ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ سے نزول حکم سے قبل کا حکم بیان فرمایا کہ اس سے پہلے جو اس قسم کی شادیاں ہو چکی ہیں، ان سے درگزر کیا جاتا ہے۔ باپ کی منکوحہ سے شادی کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ خواہ باپ نے اس عورت سے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو۔ لہٰذا اگر باپ نے کسی عورت سے صرف عقد ہی کیا ہے اور مباشرت نہیں کی تو بھی وہ عورت بیٹے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر باپ نے کسی عورت سے ناجائز تعلق قائم کیا ہو اور حرام طور پر مقاربت کی ہو تو وہ عورت بھی اس کے بیٹے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔

۲۳۔ آیت میں تو صرف رضاعی ماؤں اور بہنوں کا ذکر ہے۔ لیکن فریقین نے رسول ﷺ کے اس فرمان کو ماخذ قرار دیا ہے: ان اللہ حرم من الرضاعۃ ما حرم من نسب (مستدرک الوسائل ۱۴: ۳۳۶۔ صحیح البخاری کتاب النکاح ۔ عبارت وسائل کی ہے۔) یعنی اللہ نے جس چیز کو نسب کے رشتے سے حرام قرار دیا ہے، رضاعت کے رشتے سے بھی حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر کسی بچے نے کسی عورت کا دودھ پیا ہو تو وہ عورت اس بچے کی ماں، اس کا شوہر اس بچے کا باپ، اس کی اولاد اس بچے کے بہن بھائی، اس کی بہنیں اس بچے کی خالائیں بن جاتی ہیں اور اس کے شوہر کی بہنیں اس بچے کی پھوپھیاں بن جاتی ہیں۔

۞ وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۗ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۗ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۗ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ

﴿۲۴﴾ اور شوہر دار عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں، (یہ) تم پر اللہ کا فرض ہے اور ان کے علاوہ باقی عورتیں تم پر حلال ہیں ان عورتوں کو تم مال خرچ کر کے اپنے عقد میں لا سکتے ہو بشرطیکہ (نکاح کا مقصد) عفت قائم رکھنا ہو بے عفتی نہ ہو، پھر جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہے ان کا طے شدہ مہر بطور فرض ادا کرو البتہ طے کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے (مہر میں کمی بیشی) کر لو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یقینا اللہ بڑا جاننے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۲۵﴾ اور اگر تم میں سے کوئی مالی رکاوٹ کی وجہ سے آزاد مسلم عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو (اسے چاہیے کہ) وہ تمہاری مملوکہ مسلمان لونڈی سے نکاح کرے اور اللہ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا حصہ ہو لہٰذا ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کرو اور شائستہ طریقے سے ان کے مہر ادا کرو وہ نکاح کے تحفظ میں رہنے والی ہوں بدچلنی کا ارتکاب کرنے والی نہ ہوں اور

۲۴۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ: یہ آیت متعہ مشہور ہے جس میں متعہ کی تشریع کا نہیں، بلکہ پہلے سے تشریع شدہ متعہ کے مہر کا حکم بیان ہو رہا ہے۔

عقد متعہ سے منکوحہ عورت شرعاً زوجہ شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ عصر رسالت ﷺ میں جب متعہ بالاجماع جائز اور رائج تھا تو اس وقت اس کو زوجہ شمار کیا گیا، جبکہ مملوکہ کنیز کا ذکر زوجہ کے مقابلہ میں آیا ہے۔ چنانچہ مکہ میں نازل ہونے والے سورۂ مؤمنون آیت ۵، ۶ میں فرمایا: وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔ مؤمن اپنی جنسی خواہشات پر قابو رکھتے ہیں سوائے اپنی زوجات اور کنیز کے۔ ظاہر ہے کہ متعہ کی عورت یقینا کنیز نہیں ہے۔ اگر وہ زوجہ بھی نہیں ہے تو یہ تیسری عورت ہو گئی، جبکہ نکاح متعہ عہد رسالت میں بالخصوص مکی زندگی میں (بعض کے نزدیک جنگ خیبر اور بعض کے نزدیک فتح مکہ تک) جائز اور رائج تھا، تو اگر عقد متعہ کی عورت زوجہ نہیں ہے تو تیسری قسم کی عورت کے عنوان سے اس کا ذکر آیت میں ضرور آتا۔ چنانچہ امام قرطبی، اپنی تفسیر ۵: ۱۳۲ میں لکھتے ہیں: لم یختلف العلماء من السلف و الخلف ان المتعۃ نکاح الی اجل لا میراث فیہ۔ علمائے سلف اور بعد کے علماء کو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ متعہ ایک مدت کا نکاح ہے، البتہ اس میں زوجین کے لیے میراث نہیں ہوتی۔

اصحاب رسول ﷺ میں سے حضرت ابن عباس، عمران بن حصین، ابی بن کعب اور عبد اللہ بن مسعود نے روایت کی ہے کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ ائمہ و اصحاب و تابعین حلیت متعہ کے قائل تھے: ☆ حضرت علی بن ابی طالب ﷺ

أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَآ أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفٰحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٥﴾ يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يَّتُوبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوٰتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا

در پردہ آشنا رکھنے والی نہ ہوں، پھر جب وہ (کنیزیں) نکاح میں آنے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کے لیے اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے مقرر ہے، یہ اجازت اسے حاصل ہے جسے (شادی نہ کرنے سے) تکلیف اور مشقت کا خطرہ لاحق ہو، لیکن صبر کرنا تمہارے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿٢٦﴾ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے (اپنے احکام) کھول کھول کر بیان کرے اور تمہیں گزشتہ اقوام کے طریقوں پر چلائے نیز تمہاری طرف توجہ کرے اور اللہ بڑا جاننے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿٢٧﴾ اور اللہ (اپنی رحمتوں کے ساتھ) تم پر توجہ کرنا چاہتا ہے اور جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی بے راہ روی میں پڑ جاؤ۔☆ ﴿٢٨﴾ اور اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔☆ ﴿٢٩﴾ اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھایا کرو

☆ ابن عباس ☆ عمران بن حصین ☆ جابر بن عبد اللہ انصاری ☆ عبد اللہ بن مسعود ☆ عبد اللہ بن عمر ☆ ابو سعید خدری ☆ ابی بن کعب ☆ ابوذر غفاری ☆ زبیر بن عوام ☆ اسماء بنت ابی بکر ☆ سمرہ بن جندب ☆ سلمہ بن امیہ ☆ معبد ابن امیہ ☆ خالد بن مہاجر ☆ ربیعہ بن امیہ۔

ایک قراءت اس آیت کی یہ ہے: فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمی فاتوھن اجورھن یعنی پھر جن عورتوں سے ایک مقررہ مدت تک تم نے متعہ کیا ہے ان کا طے شدہ مہر بطور فرض ادا کرو۔

اس قراءت کو ابن عباس، ابی بن کعب، حبیب بن ثابت، سعید بن جبیر، سدی اور عبد اللہ بن مسعود نے اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو روح المعانی ۵ : ۵، تفسیر طبری ۵ : ۹، تفسیر کشاف، قرطبی، شرح صحیح مسلم نووی ۹ : ۱۸۱ وغیرہ۔ حضرات ابن عباس، ابی بن کعب اور عبد اللہ مسعود جیسے معلمین قرآن کی قراءت کو شاذہ نہیں کہا جا سکتا۔ غیر امامیہ علماء کا یہ مؤقف ہے کہ قراءت شاذہ کے مطابق نماز میں قرآن کی تلاوت درست ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قراءت شاذہ سے قرآن ثابت ہو جاتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود متعہ پر پابندی کیوں لگی ہے؟ یہ جاننے کے لیے صحیح مسلم، باب نکاح المتعۃ کا مطالعہ کافی ہے۔

۲۶۔ اللہ تعالیٰ انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق احکام بیان فرمانے کے بعد یہ باور کراتا ہے کہ یہی سلف صالح انبیاء و مرسلین کا طریقہ حیات اور طرز زندگی ہے، جس پر چل کر توجہات الٰہی کے سزاوار بن سکتے ہیں۔

۲۷۔ ۲۸۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے طریقے بتا دیے جن سے اس کی خواہشات بھی پوری ہو جاتی ہیں اور نسل بھی محفوظ رہتی ہے۔ اللہ نے ان خواہشات کو

لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ
اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَ
لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ
رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا
وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا
تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا
تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى
بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ
لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ

مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت کرو (تو کوئی حرج نہیں ہے) اور تم اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (۲۹) اور جو شخص ظلم و زیادتی سے ایسا کرے گا ہم اسے (جہنم کی) آگ میں جھلسا دیں گے اور یہ کام اللہ کے لیے آسان ہے۔ (۳۰) اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کے مقام میں داخل کر دیں گے۔☆ (۳۱) اور جس چیز میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی تمنا نہ کیا کرو، مردوں کو اپنی کمائی کا حصہ مل جائے گا اور عورتوں کو اپنی کمائی کا حصہ مل جائے گا اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو، یقینا اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔ (۳۲) اور ہم نے ان سب کے ترکوں کے وارث مقرر کیے ہیں جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جاتے ہیں اور جن سے تم

روکنے کا حکم نہیں دیا بلکہ انہیں پورا کرنے کے آسان طریقے بیان فرمائے، اس کمزور اور ناتواں انسان سے بوجھ ہلکا کر دیا۔

۳۱۔ گناہ کبیرہ کی تعریف حدیث میں اس طرح آئی ہے: کل ما وعد اللہ علیھا النار گناہ کبیرہ وہ ہے جس کے ارتکاب پر جہنم کی سزا مقرر ہو۔ جیسے قتل، زنا، عقوق والدین، جنگ سے فرار، ولایت اہل البیت ؑ سے انکار وغیرہ۔ کبائر کے مقابلے میں سیئات کا ذکر ہے۔ یعنی چھوٹے گناہ جن کے بارے میں دوسری جگہ فرمایا: ان الحسنات یذھبن السیئات۔ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ ان دونوں آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر بڑے گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو چھوٹے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ حضرت علی ؑ سے روایت ہے: اشد الذنوب ما استھان بہ صاحبہ۔ (نہج البلاغہ) "بدترین گناہ وہ ہے جس کا مرتکب اسے خفیف سمجھے۔" حدیث میں آیا ہے: لا صغیرۃ مع الاصرار و لا کبیرۃ مع الاستغفار۔ یعنی گناہ کو مکرر بجا لانے کی صورت میں وہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا اور استغفار کی صورت میں گناہ کبیرہ نہیں رہتا۔ (الکافی ۲: ۲۸۸)

۳۴۔ مرد عورتوں کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ یعنی عائلی نظام میں مرد کو قیم اور ستون کی حیثیت حاصل ہے۔ چونکہ مردوں کو عقل و تدبر اور زندگی کی مشکلات کا تحمل اور مقابلہ کرنے میں عورتوں پر برتری حاصل ہے اور عورتوں کو جذباتیت اور مہر و شفقت میں مردوں پر برتری حاصل ہے۔ یہاں سے ان دونوں کی ذمہ داریاں بھی منقسم ہو جاتی ہیں۔

اسلام کے عائلی نظام میں مرد کو جو برتری حاصل

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ۟۳۳ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ۟۳۴ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ

نے معاہدہ کیا ہے انہیں بھی ان کے حق دے دو، بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔ (۳۳) مرد عورتوں پر نگہبان ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ مردوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے، پس جو نیک عورتیں ہیں وہ فرمانبردار ہوتی ہیں، اللہ نے جن چیزوں (مال اور آبرو) کا تحفظ چاہا ہے، (خاوند کی) غیر حاضری میں ان کی محافظت کرتی ہیں اور جن عورتوں کی سرکشی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو (اگر باز نہ آئیں تو) خواب گاہ الگ کر دو اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) انہیں مارو، پھر اگر وہ تمہاری فرمانبردار ہو جائیں تو ان کے خلاف بہانہ تلاش نہ کرو، یقینا اللہ بالاتر اور بڑا ہے۔☆ (۳۵) اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک منصف عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو اگر وہ دونوں اصلاح کی کوشش کریں تو اللہ ان کے درمیان اتفاق پیدا کرے گا یقینا اللہ

ہے۔ اس سے عورت کا استقلال و اختیار سلب نہیں ہوتا۔ اپنے اپنے مقام پر مرد و زن کی ذمے داریاں ہیں۔ عورت بچوں کو مہر و محبت کے ذریعے نفسیاتی غذا بہم پہنچاتی ہے۔ مرد طاقت و قوت کے ذریعے جسمانی غذا فراہم کرتے ہیں۔ عورت بچوں کی دیکھ بھال میں راتیں جاگتی ہے۔ مرد حصول رزق کے لیے دن رات ایک کرتا ہے۔ عورت بچوں کو داخلی خطرات سے بچاتی ہے، مرد بیرونی دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عورت کو انسانی زندگی سے مربوط داخلی امور کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں، جبکہ مرد کو بیرونی امور کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ یہ بات مرد و زن کی جسمانی ساخت و بافت اور نفسیاتی خصوصیات سے بھی عیاں ہے۔ عورت ضعیف النفس، نازک مزاج، حساس ہوتی ہے اور اس کے ہر عمل پر جذبات غالب ہوتے ہیں، جب کہ مرد طاقتور، جفاکش اور اس کے ہر عمل پر عقل و فکر حاکم ہوتی ہے۔

۳۵۔ خطاب، حکومت جس کے پاس مسئلہ پیش ہوا، سے ہے کہ وہ طرفین سے ایسے منصف کے تقرر کا فریضہ انجام دے کہ جن کا مطمع نظر میاں بیوی میں اصلاح کرنے کا پختہ عزم ہو۔ عدالت کی ذمہ داریوں میں سے اہم ذمے داری یہ ہے کہ خاندانوں کے مسائل ان کے اپنے اندر سے مقرر شدہ ثالثوں کے ذریعے حل کرنے کے لیے طرفین میں سے ثالث کا تقرر کرے اور خاندانی راز کو اپنے ہی خاندان کی راز داری تک محدود رہنے دیا جائے، کیونکہ زن و شوہر کے تعلقات اور ان میں ناچاقی بعض ایسی باتوں پر مشتمل ہو سکتی ہے جس کا افشا خاندانی وقار کے منافی ہو نیز خاندانی حالات کا قریب سے علم ہونے کی وجہ سے فیصلہ صائب اور

بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ﴿۳۵﴾ وَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ ﴿۳۶﴾ اۨلَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ وَيَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَيَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ۚ ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَمَنۡ يَّكُنِ الشَّيۡطٰنُ لَهٗ قَرِيۡنًا فَسَآءَ قَرِيۡنًا ﴿۳۸﴾

بڑا علم رکھنے والا، باخبر ہے۔☆ ﴿۳۶﴾ اور تم لوگ اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دو اور ماں باپ، قریب ترین رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب ترین رشتہ دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی، پاس بیٹھنے والے رفیقوں، مسافروں اور جو (غلام و کنیز) تمہارے قبضے میں ہیں سب کے ساتھ احسان کرو، بے شک اللہ کو غرور کرنے والا، (اپنی بڑائی پر) فخر کرنے والا پسند نہیں۔☆ ﴿۳۷﴾ (وہ لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں) جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کی تلقین کرتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں عطا کیا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز سزا مہیا کر رکھی ہے۔☆ ﴿۳۸﴾ اور (وہ لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں) جو اپنا مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور وہ نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور (بات یہ ہے کہ) شیطان جس کا رفیق ہو جائے تو وہ بہت ہی برا رفیق ہے۔☆ ﴿۳۹﴾ اور اگر یہ لوگ

سریع ہوسکتا ہے۔

۳۶۔ خدائے واحد کی پرستش کے بعد اللہ نے والدین پر احسان کو حکماء اور اولاد کی محبت کو فطرتاً لازم قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک دین دار گھرانہ فطرت اور شریعت دونوں کے سایے میں محبت و احسان کی پر سکون فضا قائم کر سکتا ہے۔ اسی طرح معاشرے کے جن افراد کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر احسان سے اسلامی معاشرے کا انسانی تصور سامنے آتا ہے۔

۳۷۔ فیاضی ایک آفاقی عمل ہے سورج، زمین اور پانی اپنی فیاضی سے کائنات کو رونق فراہم کرتے ہیں۔ اس کے خلاف بخل ایک نہایت گھٹیا مزاج ہے۔ بخیل اپنے بود و باش میں فقیروں کی طرح زندگی کرتا ہے اس طرح وہ اللہ کے فضل و کرم کو چھپاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے: اِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ وَ يُحِبُّ اَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ (الوسائل ۵: ۵ باب استحباب التجمل۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان یحب الجمال تک۔) اللہ زیبا ہے، زیبائی کو پسند کرتا ہے اور یہ بھی پسند کرتا ہے اس کی نعمت کے آثار بندے پر ظاہر ہوں۔ اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنا حلیہ ایسا نہیں رکھنا چاہیے کہ بدزیب نظر آئے۔

۳۸۔ اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے تو مال خرچ کرتے ہوئے ریاکاری کی ضرورت نہ تھی۔ وہ رضائے خدا اور زاد آخرت کے لیے مال خرچ کر کے مال سے خوب فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ لیکن چونکہ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور صرف اسی چند روزہ زندگی پر ایمان رکھتے ہیں، لہٰذا مال وہ ایسی جگہ خرچ کریں گے جہاں ان کے خیال خام میں دنیاوی فائدہ ہے۔

۳۹۔ حالانکہ اگر وہ ایمان باللہ کے ساتھ اپنا مال رضائے رب کے لیے خرچ کرتے تو اس میں ان کا

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ ؕ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتے اور اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرتے تو اس میں انہیں کوئی نقصان نہ تھا اور اللہ تو ان کا حال اچھی طرح جانتا ہے۔☆ ﴿۴۰﴾ یقینا اللہ (کسی پر) ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر (کسی کی) ایک نیکی ہو تو (اللہ) اسے دگنا کر دیتا ہے اور اپنے ہاں سے اسے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔☆ ﴿۴۱﴾ پس (اس دن) کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو ان لوگوں پر بطور گواہ پیش کریں گے۔☆ ﴿۴۲﴾ اس روز کافر اور جو لوگ رسول کی نافرمانی کرتے رہے تمنا کریں گے کہ کاش (زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں دفن ہو کر) زمین کے برابر ہو جائیں اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔ ﴿۴۳﴾ اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جایا کرو یہاں تک کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور جنابت کی حالت میں بھی، یہاں تک کہ غسل کر لو مگر یہ کہ کسی راستے سے گزر رہے ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر آیا

---

کوئی نقصان نہ تھا۔

۴۰۔ راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے نقصان اس لیے نہیں ہوتا کہ اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ان کے خرچ کردہ مال کی جزا دیتا ہے، بلکہ ان کی نیکیوں میں مزید اضافہ کرتا ہے اور اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔

۴۱۔ انسانی اعمال اللہ کی طرف سے متعین شہادتوں کی گرفت میں ہوتے ہیں۔ اعضاو جوارح، ملائکہ کے ساتھ ساتھ ہر امت کے نبی اس امت کے اعمال پر شاہد ہیں۔ رسول ختمی مرتبت ﷺ بھی اپنی امت کے اعمال کے شاہد ہیں۔ اگر هٰٓؤُلَآءِ کا اشارہ ہر امت کے گواہ کی طرف سمجھا جائے تو آیت کا مطلب یہ بنے گا: رسالتمآب ﷺ تمام نبیوں پر شاہد ہیں اور شاہد کے لیے حضور شرط ہے، الہٰذا رسول کریم ﷺ کو تمام انبیاء کے اعمال پر علم حضوری حاصل ہے۔

۴۳۔ حرمت شراب کا حکم بتدریج نافذ ہوا۔ اس آیت میں نشے کی حالت میں نماز کے نزدیک جانے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح حالت جنابت میں بھی نماز کے قریب جانے سے روکا گیا ہے۔ اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ مگر یہ کہ راستے سے گزر رہا ہو۔ اس تعبیر سے مسجد کی طرف اشارہ آ گیا کہ جنابت کی حالت میں مسجد کے قریب نہ جاؤ مگر یہ کہ راستے سے گزر رہے ہو۔ اس طرح مسجد عبور کرنے کی اجازت مل گئی۔ البتہ مسجد میں بیٹھنے سے منع کیا گیا۔ مگر حضرت علی ؑ و دیگر افراد اہل بیت ؑ کو اجازت حاصل رہی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی طرف کھلنے والے سارے دروازے بند کرنے کا حکم دیا لیکن صرف حضرت علی ؑ کو اجازت دے دی کہ دروازہ کھلا رکھیں۔ چنانچہ اس بات کو بارہ سے زائد جلیل القدر اصحاب نے روایت کیا ہے۔

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ
تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا
بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا
غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا
نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّ
كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ
وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَ
لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَ
انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ

ہو یا تم نے عورتوں سے ہمبستری کی ہو اور تمہیں پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی پر تیمم کرو چنانچہ اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرو، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔☆ ﴿۴۳﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا تھا (لیکن) وہ ضلالت خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم (بھی) گمراہ ہو جاؤ۔☆ ﴿۴۴﴾ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو بہتر جانتا ہے اور تمہاری سرپرستی کے لیے اللہ کافی ہے اور تمہاری مدد کے لیے بھی اللہ کافی ہے۔☆ ﴿۴۵﴾ یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنو (لیکن) تیری بات نہ سنی جائے اور اپنی زبانوں کو مروڑ کر دین پر طعن کرتے ہوئے کہتے ہیں: راعنا اور اگر وہ کہتے: ہم نے سنا اور مان لیا اور سنیے ہم پر نظر کیجیے تو یہ ان کے حق میں بہتر اور درست ہوتا لیکن اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے اس لیے سوائے

---

تیمم کے موارد: مرض کی حالت میں ہو، پانی کا استعمال مضر ہو، رفع حاجت یا عورتوں سے مباشرت کی صورت میں پانی میسر نہ ہو۔ تیمم کی احتیاطی صورت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ایک مرتبہ مٹی پر مارے، پھر پوری پیشانی اور دونوں ہاتھوں پر کلائی سے انگلیوں کے سرے تک پھیر دے، دوسری دفعہ دونوں ہاتھوں کو پھر زمین پر مارے اور دونوں ہاتھوں پر کلائی سے انگلیوں کے سرے تک پھیر دے۔

۴۴۔۴۵۔ یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس کتاب کا کچھ حصہ موجود ہے۔ اکثر حصہ یا تو ان سے گم ہو گیا ہے یا تحریف کر کے بدل دیا گیا ہے۔ سیاق آیت سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اہل کتاب مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کا اظہار کر کے یہ عندیہ دینے کی کوشش کرتے تھے کہ ہم مسلمانوں کے بہی خواہ ہمدرد ہیں اور مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آج کل کے اہل کتاب بھی دوستی اور امداد کے پیچھے اپنے برے عزائم پورے کرتے ہیں۔ قرآن ہمیشہ امت مسلمہ کو اس کے دشمن کی مکاریوں سے آگاہ رکھتا ہے اور بار بار اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ تمہارا مددگار اللہ ہی ہو سکتا ہے، اس پر بھروسہ کرو۔ ان دشمنوں پر ہرگز بھروسہ نہ کرو۔

۴۶۔ تحریف معنوی یہ ہو گی کہ اپنی خواہش کے مطابق کتاب کی تاویلات کر کے کچھ سے کچھ بنا دیا جائے۔ ممکن ہے کہ یہاں اہل کتاب کی طرف سے تحریف کا مطلب کلمات کو توڑ مروڑ کر تبدیل کرنا اور

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

تھوڑے لوگوں کے وہ ایمان نہیں لاتے۔☆ ﴿۴۷﴾ اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی تھی اس پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے جو تمہارے پاس موجود کتاب کی بھی تصدیق کرتا ہے قبل اس کے کہ ہم (بہت سے) چہروں کو بگاڑ کر ان کی پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ہم ان پر اسی طرح لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتہ (کے دن) والوں پر لعنت کی اور اللہ کا حکم تو ہو کر رہتا ہے۔☆ ﴿۴۸﴾ اللہ اس بات کو یقینا معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کو جس کے بارے میں وہ چاہے گا معاف کر دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا اس نے تو عظیم گناہ کا بہتان باندھا۔☆ ﴿۴۹﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکباز خیال کرتے ہیں، (نہیں) بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔☆ ﴿۵۰﴾ دیکھ لیجیے: یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں اور صریح گناہ کے لیے یہی کافی ہے۔ ﴿۵۱﴾ کیا آپ نے ان

دین کا مذاق اڑانا ہو۔

۴۷۔ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا: چہروں کی نشانیاں مٹانے سے مراد ممکن ہے کہ بروز قیامت چہروں کا مسخ شدہ حالت میں ہونا ہو یا ممکن ہے کہ چہرے سے مراد مقام و عزت ہو اور بگاڑنے سے مراد یہ ہو کہ انہیں ذلیل و خوار کیا جائے۔

۴۸۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ شرک کے علاوہ باقی گناہوں کے ارتکاب میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے اللہ کی رحمت و مغفرت ہر گناہ سے زیادہ وسیع ہونے کے باوجود شرک اس کے دائرۂ رحمت و مغفرت میں نہیں آتا، لہٰذا اگر کوئی شخص مشرک نہ ہو اور گناہ گار مر جائے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص مشرک مرتا ہے تو اس کے لیے مغفرت کی کوئی گنجائش نہیں۔ شرک یہ ہے کہ تدبیر کائنات میں اللہ کے ساتھ کسی ایسے کو شریک بنائے جو اللہ کی تدبیر کے ذیل میں نہیں آتا ہے۔ اپنے آپ کو شرک باللہ سے دور رکھنے کے بعد مومن کے لیے اس آیت میں بہت بڑی خوشخبری ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: ما في القرآن ارجى من هذه الاية۔ اس آیت سے زیادہ امید افزا آیت قرآن میں نہیں ہے۔ (مجمع البیان)

۴۹۔ اہل کتاب کی ایک نہایت خطرناک خصلت کی طرف اشارہ ہے۔ وہ اپنے آپ کو پاکیزہ نسل اور برگزیدہ قوم تصور کرتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ تکبر ہے اور تکبر ہی کے نتیجے میں دوسری قوموں کا استحصال ہوتا ہے۔

۵۱۔ ۵۲۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار قریش نے یہود کی ایک جماعت سے پوچھا کہ تم اہل کتاب ہو، بتاؤ ہمارا دین برحق ہے یا محمد صلى الله عليه وآله وسلم کا

أُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ
بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَ
مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ۭ
اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ
النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ۙ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى
مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ
اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا
عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ
صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ
نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ

لوگوں کا حال نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے؟ جو غیر اللہ معبود اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں: یہ لوگ تو اہل ایمان سے بھی زیادہ راہ راست پر ہیں۔☆ ﴿۵۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے اس کے لیے آپ کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔☆ ﴿۵۳﴾ کیا حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ (دوسرے) لوگوں کو کوڑی برابر بھی نہ دیتے۔☆ ﴿۵۴﴾ کیا یہ (دوسرے) لوگوں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا کی اور انہیں عظیم سلطنت عنایت کی۔☆ ﴿۵۵﴾ پس ان میں سے کچھ اس پر ایمان لے آئے اور کچھ نے روگردانی کی اور (ان کے لیے) جہنم کی بھڑکتی آگ ہی کافی ہے۔ ﴿۵۶﴾ جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا ہے یقیناً انہیں ہم عنقریب آگ میں جھلسا دیں گے، جب بھی ان کی کھالیں گل جائیں گی (ان کی جگہ) ہم

---

دین؟ یہود کی اس جماعت نے کہا: تمہارا دین زیادہ ہدایت یافتہ اور راہ راست پر ہے۔

جبت پر ایمان کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ لیکن اگر جبت کا مطلب، بے اصل اور بے بنیاد چیز لیا جائے تو تمام اقوال میں کچھ چیزیں قدر مشترک کے طور پر سامنے آتی ہیں، جن میں بت، سحر، شیطان، اوہام پرستی اور بدشگونی وغیرہ، یعنی وہ چیزیں جو حقیقت پر مبنی نہیں، شامل ہیں۔

الطَّاغُوۡتِ سے مراد وہ قوتیں ہیں جو حدود اللہ اور احکام شریعت کے مقابلے میں کھڑی ہو جاتی ہیں۔

آیت میں جبت اور طاغوت پر ایمان لانے والوں اور کافروں کو اہل ایمان سے زیادہ ہدایت یافتہ قرار دینے والوں کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

۵۳۔ نَقِیۡرًا: کھجور کی گٹھلی کے گڑھے کو کہتے ہیں اور نہایت حقیر چیز کے لیے ضرب المثل ہے۔

یہ لوگ جو فیصلہ سنا رہے ہیں کہ کون ہدایت پر ہے، انہیں یہ فیصلہ سنانے کا حق اور اختیار کس نے دیا ہے؟ اگر اس قسم کے فیصلے کا حق اور اختیار ان کے پاس ہوتا تو یہ اس قدر کم ظرف اور تنگ نظر ہیں کہ کسی دوسرے کو ایک ذرہ برابر بھی انصاف نہ دیتے۔

۵۴۔ سابقہ آیت میں مذکور اہل کتاب کا یہ فیصلہ کہ مشرکین کا مذہب مسلمانوں سے زیادہ ہدایت پر ہے، اس حسد پر مبنی ہے کہ جو اہل کتاب آل اسماعیل سے، بالخصوص رسول خاتم ﷺ سے رکھتے ہیں۔

مُّلۡکًا عَظِیۡمًا: جس حکومت اور امامت کو اللہ نے عظیم کہا ہے وہ اپنی وسعت مکانی، وسعت زمانی اور وسعت معنوی کے اعتبار سے نہایت عظیم ہے، چونکہ نبوت الٰہی اور ولایت حقیقی کا دائرہ پوری

جُلُوۡدًا غَیۡرَہَا لِیَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۵۶﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ لَہُمۡ فِیۡہَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ ۫ وَّ نُدۡخِلُہُمۡ ظِلًّا ظَلِیۡلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۵۸﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ

دوسری کھالیں پیدا کریں گے تاکہ یہ لوگ عذاب چکھتے رہیں، بے شک اللہ غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿۵۷﴾ اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے ہیں انہیں ہم جلد ہی ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ابد تک رہیں گے، جن میں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہیں اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کریں گے۔ ﴿۵۸﴾ بے شک اللہ تم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو، اللہ تمہیں مناسب ترین نصیحت کرتا ہے، یقینا اللہ تو ہر بات کو خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔☆ ﴿۵۹﴾ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو جائے تو اس سلسلے میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بھلائی

کائنات تک پھیلا ہوا ہے۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے: نحن الناس المحسودون (شواھد التنزیل ۱: ۱۸۳) وہ لوگ جن سے یہود حسد کرتے ہیں ہم ہیں۔ حضرت علیؑ نے معاویہ کے نام ایک خط میں لکھا: نحن آل ابراھیم المحسودون و انت الحاسد لنا۔ (الغارات ۱: ۱۱۵)۔

۵۸۔ اسلامی دستور میں ادائے امانت اور فیصلوں میں عدل و انصاف محض انسانی حقوق میں سے ہے۔ امت مسلمہ کو حکم ہے کہ وہ ان دو باتوں کے بارے میں تمام انسانوں کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ جس کی امانت ہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اسے ادا کرنی چاہیے۔ اسی طرح فیصلوں میں انصاف ملنا چاہیے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ یہ اُمّت مسلمہ کی بادیانہ ذمہ داری اور قائدانہ مسئولیت ہے کہ پوری نوع انسانی کو عدل و انصاف فراہم کرے اور امانت داری کو فروغ دے۔

۵۹۔ اطاعت بالذات اللہ کی ہوتی ہے۔ رسولﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے لیے واحد ذریعہ اور سند ہے۔ اولی الامر کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ منسلک ہے، اس لیے اس اطاعت کو رسول ﷺ کی اطاعت پر عطف کیا ہے۔

اولی الامر کون ہیں؟ قدیم مضطرب اقوال کے علاوہ غیر امامیہ کے بعض جدید مفسرین حکومتی سربراہوں، تاجروں، صنعتکاروں، کسانوں اور مزدور لیڈروں اور جرائد کے ایڈیٹر حضرات کو اولی الامر جانتے ہیں۔ (تفسیر مراغی ۵ : ۷۳) تفسیر المنار نے ان کے ساتھ کمپنیوں کے ڈائریکٹرز' جماعتوں کے سربراہان نیز ڈاکٹروں اور وکلاء حضرات کو بھی شامل کیا ہے۔ محمد عبدہ فرماتے ہیں: میرا خیال تھا کہ مجھ سے پہلے کسی مفسر نے اولی الامر کی تفسیر ارباب حل وعقد کے ساتھ نہیں کی ہے، لیکن نیشاپوری نے بھی یہی تفسیر کی تھی۔ اس کا

وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ
تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ
اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى
الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ
وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ
بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ
يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ ۚ فَكَيْفَ اِذَاۤ
اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ
ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَاۤ
اِلَّاۤ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

ہے اوراس کا انجام بھی بہتر ہوگا۔☆ ﴿۶۰﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو کتاب آپ پر نازل ہوئی اور جو کچھ آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے، (سب) پر ایمان لائے ہیں مگر اپنے فیصلوں کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اور شیطان انہیں گمراہ کر کے راہ حق سے دور لے جانا چاہتا ہے۔ ﴿۶۱﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آ جاؤ تو آپ ان منافقین کو دیکھتے ہیں کہ آپ کی طرف آنے سے کتراتے ہوئے ٹال مٹول کرتے ہیں۔☆ ﴿۶۲﴾ پھر ان کا کیا حال ہوگا جب ان پر اپنے ہاتھوں لائی ہوئی مصیبت آ پڑے گی؟ پھر وہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے آئیں گے (اور کہیں گے:) قسم بخدا ہم تو خیر خواہ تھے اور باہمی توافق چاہتے تھے۔ ﴿۶۳﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے، آپ انہیں خاطر میں نہ لائیے اور انہیں نصیحت کیجیے اور ان سے ان کے بارے میں ایسی

مطلب یہ ہوا کہ ان سے پہلے کسی صحابی، تابعی، فقیہ، مفسر، محدث کو معلوم نہ ہو سکا کہ اولی الامر کون ہیں؟

امامیہ کا موقف یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد ائمہ اہل البیت علیہم السلام ہیں۔ جس طرح رسول ﷺ کی ہر بات وحیٔ الٰہی کے مطابق ہوتی ہے، بالکل اسی طرح ائمہ اہل البیت علیہم السلام ہر بات سنت رسول ﷺ کے مطابق کرتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: میری حدیث میرے پدر بزرگوار کی حدیث ہے، ان کی حدیث میرے جد بزرگوار کی حدیث ہے، ان کی حدیث رسول خدا ﷺ کی حدیث ہے۔ (بحار الانوار ۲: ۱۷۹) دوسری جگہ آپ علیہ السلام سے روایت ہے: نحدثکم باحادیث نکنزھا عن رسول اللہ کما یکنز ھؤلاء ذھبھم و فضتھم۔ (بحار الانوار ۲: ۱۷۲۔ ۱۷۳) "ہم تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہیں جنہیں ہم اس طرح ذخیرہ رکھتے ہیں جس طرح لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں۔"

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ ان کے بعد کن کی طرف رجوع کرنا ہوگا: ۱۔ حدیث ثقلین: جس میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابدا اس حدیث کو بیس سے زائد اصحاب نے روایت کیا ہے۔ ۲۔ حدیث اثنا عشر خلیفہ: اسے امام احمد بن حنبل نے ۳۴ طرق سے روایت کیا ہے۔

۶۱۔ سلسلۂ کلام اطاعت کے بارے میں ہے کہ مذکورہ اطاعتوں سے ہی ایمان و نفاق کا امتیاز واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ مومنین ہر حال میں اللہ کی طرف سے تعیین کردہ اطاعتوں کے دائرے میں رہ کر اپنے نزاعی مسائل میں فیصلے لیتے ہیں اور منافقین یہ دیکھتے ہیں کہ فیصلہ کس کے حق میں ہونے کی توقع

وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾

باتیں کیجیے جو موثر ہوں۔ ﴿۶۳﴾ اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس لیے بھیجا ہے کہ باذن خدا اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے تھے تو اگر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا پاتے۔☆ ﴿۶۴﴾ (اے رسول) تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں پھر آپ کے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی رنجش نہ آئے بلکہ وہ (اسے) بخوشی تسلیم کریں۔☆ ﴿۶۵﴾ اور اگر ہم ان پر اپنے آپ کو ہلاک کرنا اور اپنے گھروں کو خیر باد کہنا واجب قرار دے دیتے تو ان میں سے کم لوگ ہی اس پر عمل کرتے حالانکہ اگر یہ لوگ انہیں کی جانے والی نصیحتوں پر عمل کرتے تو یہ ان کے حق میں بہتر اور ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔☆ ﴿۶۶﴾ اور اس صورت میں ہم انہیں اپنی

ہے۔ اگر رسول ﷺ کا فیصلہ ان کے حق میں ہونے کی توقع ہو تو ان کی طرف اور اگر طاغوت کا فیصلہ ان کے حق میں ہونے کی توقع ہو تو ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۶۴۔ اللہ نے جو بھی رسول بھیجے، اس لیے بھیجے کہ ان کی اطاعت کی جائے، اس لیے نہیں بھیجے کہ لوگ ان کے نام کو مقدس سمجھتے ہوئے تعویذ بنا کر گلے میں لٹکا لیں اور ان کے لائے ہوئے دستور پر عمل نہ کریں۔

جَآءُوْكَ: بارگاہ رسالت میں حاضر ہونا اور رسول ﷺ کو اپنا وسیلہ بنانا بارگاہ الٰہی میں اثر رکھتا ہے۔ یہ عمل شرک نہیں ہے بلکہ اس آیت کی رو سے اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے اور بہت سے علمائے اہل سنت کا یہ نظریہ ہے کہ قبر رسول ﷺ پر حاضری دینا بھی اسی حکم کے زمرے میں آتا ہے۔

۶۵۔ باہمی تنازعات میں رسول ﷺ کو حَکَم کے طور پر قبول کرنا ایمان ظاہری ہے۔ رسول ﷺ کے فیصلے کو دل و جان سے قبول کرنا ایمان باطنی ہے۔ حیات رسول ﷺ کے بعد آپ کی سنت کو حَکَم کے طور پر قبول کرنا ایمان کی علامت ہے۔

۶۶۔ قتل و خروج سے مراد انفرادی نہیں ہے، بلکہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے یا اپنے ہی گھر بار چھوڑ کر نکلنے کا حکم ایک اجتماعی مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم ان پر اپنی قوم کے افراد کو قتل کرنے یا اپنے گھروں سے نکلنے کا حکم دیتے جو ان کی ذاتی خواہشات کے خلاف پر مشقت کام ہے تو یہ اس حکم کی تعمیل نہ کرتے۔ حکم صرف ان کے اپنے مفاد کے مطابق ہو تو یہ ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ جان دینے یا گھر بار چھوڑنے کا حکم ہو تو راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ جیسے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کی سزا میں حکم دیا تھا کہ اپنے ہی لوگوں کو قتل کرو۔

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا

طرف سے اجر عظیم عطا کرتے۔ ﴿۶۸﴾ اور ہم انہیں سیدھے راستے کی رہنمائی (بھی) کرتے۔ ﴿۶۹﴾ اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے وہ انبیاء، صدیقین، گواہوں اور صالحین کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔☆ ﴿۷۰﴾ یہ فضل اللہ کی طرف سے (ملتا) ہے اور علم و آگاہی کے لیے تو اللہ ہی کافی ہے۔☆ ﴿۷۱﴾ اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان اٹھالو پھر دستہ دستہ یا سب مل کر نکل پڑو۔☆ ﴿۷۲﴾ البتہ تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو (جہاد سے) ضرور کتراتا ہے پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو کہتا ہے: اللہ نے مجھ پر (خاص) فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہ تھا۔☆ ﴿۷۳﴾ اور اگر تم پر اللہ کی طرف سے فضل ہو جائے تو وہ اس طرح کہ گویا تم میں اور اس میں کوئی دوستی نہ تھی، ضرور کہے گا: کاش میں بھی ان کے

۶۹۔۷۰۔ امالی شیخ طوسی میں مذکور ہے کہ انصار کا ایک فرد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں جب گھر جاتا ہوں آپ ﷺ کو یاد کرتا ہوں اور اپنا کاروبار چھوڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور محبت بھری نگاہوں سے آپ کا دیدار کرتا ہوں۔ مجھے خیال آیا کہ قیامت کے دن آپ ﷺ تو جنت کے اعلیٰ علیین میں ہوں گے تو اس وقت میں آپ ﷺ کی زیارت کیسے کر سکوں گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رسول خدا ﷺ نے اس انصاری کو بلا کر یہ بشارت سنا دی۔

۷۱۔ یعنی بچاؤ کا سامان فراہم رکھو۔ بچاؤ کے سامان کا تعین دشمن کی طاقت سے ہو جاتا ہے۔ دشمن کے پاس جس طرح کا جنگی ساز و سامان ہو اور جس طرح کی مادی و عسکری طاقت اور تدبیر ہو مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنے لیے ایسا ہی سامان حرب آمادہ رکھیں۔

۷۲۔ سابقہ آیت میں جن کو یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے، مِنۡکُمۡ کا خطاب بھی انہی سے ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کا یہ کہنا: قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اللہ نے مجھ پر کرم کیا، بھی دلیل ہے کہ یہ خطاب منافقین کے لیے نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے۔

۷۳۔ ایسے ضعیف الایمان لوگ جنگ میں بے ثباتی اور اضطراب کا شکار رہتے ہیں کہ اگر جہاد میں شرکت کرنے والوں کو کوئی حادثہ پیش آئے تو مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور اگر مجاہدین کو فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے تو اس طرح اظہار تاسف کرتے ہیں کہ گویا ایک اجنبی دوسرے اجنبی کے

عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ
يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۗ وَمَنْ
يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ
فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٧٤﴾ وَمَا لَكُمْ لَا
تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ
الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ
وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ
كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى

ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا۔☆ ﴿٧٤﴾ اب ان لوگوں کو اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے جو اپنی دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی کے بدلے فروخت کرتے ہیں اور جو راہ خدا میں لڑتا ہے وہ مارا جائے یا غالب آئے (دونوں صورتوں میں) ہم اسے عنقریب اجر عظیم دیں گے۔☆ ﴿٧٥﴾ (آخر) تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس کیے گئے مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو پکارتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا سرپرست بنا دے اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارے لیے مددگار بنا دے؟☆ ﴿٧٦﴾ ایمان لانے والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں پس تم شیطان کے حامیوں سے لڑو (مطمئن رہو کہ) شیطان کی عیاریاں یقیناً ناپائیدار ہیں۔☆ ﴿٧٧﴾ کیا آپ

بارے میں کہتا ہے: کاش میں ان لوگوں کے ساتھ ہوتا۔ کَاَنْ لَّمْ تَکُنْ کی عبارت میں اس بات پر دلیل ہے کہ یہ لوگ ضعیف الایمان لوگ تھے۔

۷۴۔ راہ خدا میں لڑنے والوں کی اس آیت میں دو صورتیں بتائی گئی ہیں کہ وہ یا تو شہید ہو جاتے ہیں یا فتح و غلبہ حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لیے تیسری صورت یعنی شکست و فرار قابل تصور نہیں ہے۔ اگر کوئی جہاد سے راہ فرار اختیار کرتا ہے تو یہ عمل قتال فی سبیل اللہ کے منافی ہے۔ یعنی جنگ سے بھاگتا وہ ہے جو سرے سے راہ خدا میں لڑ ہی نہ رہا ہو۔

۷۵۔ خطاب مومنین سے ہے کہ ان میں سے جو لوگ راسخ الایمان ہیں، انہیں راہ خدا میں جہاد کرنا چاہیے اور جو لوگ ضعیف الایمان ہیں، انہیں اپنے عزیزوں کے بارے میں کچھ حمیت آنی چاہیے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کے عزیزوں میں سے بچوں، عورتوں اور ناتواں مردوں کی ایک خاصی تعداد اسلام قبول کر چکی تھی اور یہ سب مکہ میں رہ رہے تھے اور قریش کے ظلم و تشدد کا نشانہ بن رہے تھے۔ اسلام کی نظر میں اگرچہ قومی اور نژادی عصبیت مردود ہے، تاہم ایمان کے بعد برادری اور قومی حمیت، جو ایک فطری عمل ہے، کو بھی مدنظر رکھنا ممنوع نہیں ہے، بلکہ اس آیت میں اسی قومی حمیت اور برادری غیرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۷۶۔ کفر و ایمان کے تقابل کے ساتھ اللہ اور طاغوت کا بھی تقابل ہے۔ طاغوت کی راہ میں لڑنے والوں کو شیطان کے حامی قرار دینے کے بعد ایک کلیہ بیان فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے

الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۟ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ

نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا: اپنا ہاتھ روکے رکھو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو؟ پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے کچھ تو لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرا جاتا ہے یا اس سے بھی بڑھ کر اور کہنے لگے: ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا؟ ہمیں تھوڑی مہلت کیوں نہ دی؟ ان سے کہد یجیے: دنیا کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے اور متقی (انسان) کے لیے نجات اخروی زیادہ بہتر ہے اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔☆ ﴿۷۸﴾ (تمہیں موت کا خوف ہے) تم جہاں کہیں بھی ہو خواہ تم مضبوط قلعوں میں بند رہو موت تمہیں آ لے گی اور انہیں اگر کوئی سکھ پہنچے تو کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی دکھ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ آپ کی وجہ سے ہے، کہد یجیے: سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، پھر انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتی؟☆

راستے میں شیطان کی عیاریاں کارفرما ہوتی ہیں، لیکن ایمان باللہ کے حقائق کے مقابلے میں یہ بے حقیقت عیاریاں کارآمد نہیں ہو سکتیں۔ شیطان کی عیاریاں ناپائیدار ہیں۔ عیاری یعنی مکر و حیلہ اور بے حقیقت عیاری ہمیشہ ناپائیدار ہوتی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے لیے ایک ابدی درس ہے کہ عیاری بے حقیقت ہے اور بے حقیقت ناپائیدار ہوتی ہے۔ لہٰذا مومنین کو اپنے بے حقیقت دشمن سے خوف نہیں کھانا چاہیے۔

۷۷۔ ان مسلمانوں کا ذکر ہے کہ جو جہاد کا دور آنے سے پہلے جہاد کی اجازت طلب کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ ابھی نماز و زکوٰۃ کا دور ہے، تم اپنے دور کی ذمہ داریوں پر عمل کرو۔ جب مدینہ میں جہاد و قتال کا دور آیا تو ان میں سے ایک گروہ نہ صرف جہاد سے کترانے لگا بلکہ حکم جہاد پر کھلم کھلا اعتراض کرنے لگا: لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ اے اللہ تو نے ہم پر جہاد کیوں واجب کیا؟

۷۸۔ جب مسلمانوں کو فتح و نصرت مل جاتی تو وہ اسے اللہ کا فضل و کرم قرار دیتے اور جب کبھی ہزیمت اٹھانا پڑتی تو اس کا الزام رسول پر ڈالتے۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ "اے رسول ان سے کہد یجیے یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے" اور اس کے وضع کردہ قانون کا لازمہ ہے یعنی یہ فتح و شکست اللہ کے وضع کردہ قانون علل و اسباب کا لازمی حصہ ہے۔

۷۹۔ اس کے بعد فرمایا: سکھ اللہ کی طرف سے اور دکھ خود تمہاری طرف سے ہے۔ ظرفیت و اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے اللہ کا فیض اس تک نہیں پہنچتا۔

حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ

﴿۷۹﴾ تمہیں جو سکھ پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو دکھ پہنچے وہ خود تمہاری اپنی طرف سے ہے اور ہم نے آپ کو لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور (اس پر) گواہی کے لیے اللہ کافی ہے۔☆ ﴿۸۰﴾ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے منہ پھیر لیا تو ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا۔☆ ﴿۸۱﴾ اور یہ لوگ (منہ پر تو) کہتے ہیں: اطاعت کے لیے حاضر (ہیں) لیکن جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کی باتوں کے خلاف رات کو مشورہ کرتا ہے، یہ لوگ راتوں کو جو مشورہ کرتے ہیں اللہ اسے لکھ رہا ہے۔ پس (اے رسول) آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور اللہ پر بھروسا کریں اور کارسازی کے لیے اللہ کافی ہے۔☆ ﴿۸۲﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔ ﴿۸۳﴾ اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی خبر پہنچتی ہے تو وہ اسے خوب پھیلاتے ہیں اور اگر وہ اس خبر کو رسول اور اپنے

یہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے تحت ہے اور ظرفیت اور اہلیت پیدا نہ کرنا خود بندے کی کوتاہی ہے۔ یہ فَمِنْ نَّفْسِكَ کے تحت ہے۔

۸۰۔ اطاعت، خوشدلی کے ساتھ تابعداری کرنے کو کہتے ہیں۔ طاعۃ کے مقابلہ میں کرہ آتا ہے۔ جس کے معنی ناگواری اور کراہت کے ساتھ کسی کام کو انجام دینے کے ہیں۔ لہٰذا اطاعت وہ ہے جو کسی جبر و قہر کے بغیر رسول ﷺ کی محبت کی وجہ سے انجام دی جائے۔ رسول ﷺ سے محبت اس وقت ہوگی جب ان کے سارے فرامین کو اللہ کی طرف سے مان لیا جائے اور ان پر عمل کیا جائے تو اس وقت رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

۸۱۔ سلسلۂ کلام ضعیف الایمان افراد کے بارے میں جاری ہے۔ ان ضعیف الایمان لوگوں کے بارے میں ہمیشہ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ کا حکم ہے کہ ان کو فاش نہ کرو ان کو اپنی صفوں سے نہ نکالو۔ اس طرح کرنے سے اس امت کا شیرازہ بکھر جائے گا کیونکہ یہ امت ابھی اپنی تشکیل کے مراحل طے کر رہی ہے۔ تفسیر المنار کا بھی یہی موقف ہے کہ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ سے مراد منافقین نہیں ہیں کہ آیۂ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ کے ذریعے اس آیت کو منسوخ سمجھا جائے۔

۸۳۔ یہ آیت بھی اکثر حضرات کے نزدیک ضعیف الایمان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تفسیر المنار نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ اسلامی مرکز میں رونما ہونے والے عسکری اسرار و رموز سے مربوط ہر بات کو پھیلا دیتے تھے۔

| | |
|---|---|
| اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى | میں سے صاحبان امر تک پہنچا دیتے تو ان میں سے اہل |
| اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ | تحقیق اس خبر کی حقیقت کو جان لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل |
| يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ | نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند ایک افراد کے سوا باقی |
| عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا | تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔☆ ۸۴ (اے |
| قَلِيْلًا ۸۳ فَقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ | رسول) راہ خدا میں قتال کیجیے، آپ پر صرف اپنی ذات کی |
| اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى | ذمے داری ڈالی جاتی ہے اور آپ مومنین کو ترغیب دیں، |
| اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ | عین ممکن ہے کہ اللہ کافروں کا زور روک دے اور اللہ بڑا |
| اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۸۴ مَنْ يَّشْفَعْ | طاقت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔ ۸۵ جو شخص اچھی |
| شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ | بات کی حمایت اور سفارش کرتا ہے وہ اس میں سے حصہ |
| مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ | پائے گا اور جو بری بات کی حمایت اور سفارش کرتا ہے وہ بھی |
| مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيْتًا ۸۵ | اس میں سے کچھ حصہ پائے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے |
| وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ | والا ہے۔☆ ۸۶ اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس |
| مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ | سے بہتر سلام کرو یا انہی الفاظ سے جواب دو، اللہ یقینا ہر |

جس سے بہت سے راز فاش ہو جاتے اور مسلمانوں کی صفوں میں اس افواہ سازی کے نتیجہ میں بدامنی پھیلتی تھی۔ اس آیت میں ان کے لیے حکم آیا کہ وہ اس قسم کی خبروں کے بارے میں مرکز کی طرف رجوع کیا کریں اور اس کے بارے میں مرکز سے ہدایات لے لیا کریں۔ چونکہ مرکز یعنی رسول ﷺ اور صاحبان امر اس خبر کے پس منظر اور حقائق سے آگاہ ہیں۔

۸۵۔ جب رسول خدا ﷺ کو بنفس نفیس قتال کا حکم دے دیا تو اس کے بعد فرمایا کہ جو کار ہائے خیر میں مدد دیتا ہے یا مدد کی سفارش کرتا ہے وہ بھی اس کار خیر میں حصے دار ہے۔ اسی طرح برائی میں مدد دینے والا بھی اس میں شریک اور حصے دار ہے۔ آیت کے عموم میں اچھی باتوں میں ہر قسم کی سفارش اور مدد کرنا اور بری باتوں میں ہر قسم کا حصہ لینا شامل ہے۔

۸۶۔ تحیت وسلام کی رسم تو ہر قوم وملت میں موجود ہے مگر ان میں تحیت وسلام کا مطلب یہ ہے کہ ادنیٰ انسان کسی بڑے کے سامنے اس کی بڑائی کا اظہار کرے۔ اسلام نے تحیت وسلام کے آداب میں اس قسم کی تفریق مٹا کر اسے امن و سلامتی، صلح و آشتی، مساوات و مواسات کا شعار قرار دیا ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ رسالت مآب ﷺ پر سلام کرنے میں کوئی سبقت نہیں لے سکتا تھا۔ اسلام میں سلام کے آداب کچھ اس طرح ہیں کہ چھوٹے بڑوں کو، راہ گیر بیٹھے ہوئے لوگوں کو، سوار پیادوں کو، تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

النصف

شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ
لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ
فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾ ع
فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ
اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ
تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ
كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا
مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ
اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ

چیز کا حساب لینے والا ہے۔☆ ﴿٨٧﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا
کوئی معبود نہیں، وہ تم سب کو بروز قیامت جس کے آنے میں
کوئی شبہ نہیں ضرور جمع کرے گا اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات
کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ ﴿٨٨﴾ پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم
منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو گئے ہو؟ اور اللہ نے ان
کی بداعمالیوں کی وجہ سے انہیں اوندھا کر دیا ہے، کیا تم لوگ
اللہ کے گمراہ کردہ کو ہدایت دینا چاہتے ہو؟ حالانکہ جسے اللہ
گمراہ کر دے اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پاؤ گے۔☆
﴿٨٩﴾ وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ویسے ہی کافر ہو جاؤ جیسے کافر وہ
خود ہیں تاکہ تم سب یکساں ہو جاؤ، لہٰذا ان میں سے کسی کو اپنا
حامی نہ بناؤ جب تک وہ راہ خدا میں ہجرت نہ کریں، اگر وہ
(ہجرت سے) منہ موڑ لیں تو انہیں پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کر
دو اور ان میں سے کسی کو اپنا حامی اور مددگار نہ بناؤ۔☆

اس آیت میں سلام کے آداب بیان فرمائے گئے ہیں کہ سلام کا جواب بہتر طریقے سے دیں۔ مسلمانوں کو ایک مبلّغ اور داعی کی حیثیت سے اخلاق و شائستگی کا درس دیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی سلام کرے تو اس کا جواب اس سے بہتر طریقے سے دیا کرو۔ واضح رہے سلام کرنا مستحب اور جواب سلام واجب ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

السلام تطوع و الرد فریضۃ۔

۸۸۔ یہاں سے آگے منافقین کا ذکر شروع ہو جاتا ہے اور ربط آیت اس طرح ہے کہ جب اچھی بات کی مدد اور سفارش کرنے والے کو نیکی میں حصہ اور بری بات کی سفارش کرنے والے کو گناہ میں حصہ مل جاتا ہے تو پھر تم منافقین کے بارے میں دو گروہ کیوں ہو گئے ہو۔ ان کی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ کفر و ضلالت کی اتھاہ گہرائی میں اوندھا کر دیا۔ جب اللہ نہیں چاہتا تو تم کیسے ان کی ہدایت کر سکتے ہو۔

شان نزول: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: کچھ لوگ مکہ سے مدینہ آئے اور یہ ظاہر کیا کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ پھر مکہ واپس چلے گئے، کیونکہ انہیں مدینہ راس نہ آیا۔ پھر مسلمانوں کا سامان لے کر یمامہ چلے گئے تو مسلمانوں نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپس میں اختلاف ہوا۔ کچھ لوگوں نے کہا یہ لوگ مسلمان ہیں، جب کہ کچھ لوگوں نے کہا یہ لوگ مشرکین ہیں۔ اس اختلاف پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مجمع البیان)

۸۹۔ جن لوگوں کے بارے میں تمہارے درمیان دو موقف وجود میں آ گئے، وہ نہ صرف اہل ایمان نہیں ہیں، بلکہ وہ تمہارے ایمان کے بھی خلاف ہیں۔

جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ
يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ
اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ ۚ فَاِنِ
اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ
السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ
سَبِيۡلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ
اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ كُلَّمَا
رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۚ فَاِنۡ لَّمۡ
يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡۤا
اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ
ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَاُولٰٓـئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ
سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۹۱﴾ ع وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ
يَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنۡ قَتَلَ

(۹۰) سوائے ان لوگوں کے جو ایسے لوگوں سے جا ملیں جن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو یا وہ اس بات سے دل تنگ ہو کر تمہارے پاس آ جائیں کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے ضرور لڑتے لہٰذا اگر وہ تم سے الگ رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر بالادستی کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔☆ (۹۱) عنقریب تم دوسری قسم کے ایسے (منافق) لوگوں کو پاؤ گے جو تم سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں، لیکن اگر فتنہ انگیزی کا موقع ملے تو اس میں اوندھے منہ کود پڑتے ہیں، ایسے لوگ اگر تم لوگوں سے جنگ کرنے سے باز نہ آئیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام نہ دیں اور دست درازی سے بھی باز نہ آئیں تو جہاں کہیں وہ ملیں انہیں پکڑو اور قتل کرو اور ان پر ہم نے تمہیں واضح بالادستی دی ہے۔ (۹۲) اور کسی مومن کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر دے مگر غلطی سے اور جو شخص کسی

---

سیاق آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں ہجرت کی دعوت دینی چاہیے، اگر وہ ہجرت سے منہ موڑیں تو اس صورت میں ان کے ساتھ قطع تعلق اور قتل کا حکم ہے۔

۹۰۔ دو قسم کے منافقین کو اللہ نے اس حکم قتل سے مستثنیٰ قرار دیا ہے: ۱۔ وہ منافق جو ایسی قوم سے جا ملتے ہیں جس کے اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ ہے۔ ۲۔ وہ غیر جانبدار منافق جو نہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں، بلکہ وہ امن و آشتی کا پیغام دیتے ہیں۔ ان دو صورتوں میں منافقین کا قتل جائز نہ ہوگا۔

۹۲۔ اس بیان کے بعد کہ منافقین کا قتل کن صورتوں میں جائز ہے، مومن کے قتل کا ذکر آیا ہے کہ دارالکفر میں موجود منافق اور کافروں کو قتل کرنے کے ضمن میں اگر غلطی سے کوئی مؤمن قتل ہو جائے تو: ☆ اگر وہ مؤمن غیر ارادی طور پر قتل ہو جائے تو قاتل ایک مؤمن غلام آزاد کرے اور دیت بھی ادا کرے۔ ☆ اگر مقتول کافر قوم کا ایک مؤمن فرد تھا تو قاتل غلام آزاد کرے، دیت دینا واجب نہیں ہے کیونکہ دیت ورثاء کو ادا کرنا ہوتی ہے۔ یہاں وارث کافر ہیں اور کافر مؤمن کا وارث نہیں بن سکتا۔ ☆ اگر مقتول ایسی قوم کا فرد ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے تو غلام آزاد کرنا ہوگا اور ساتھ دیت بھی دینا ہوگی۔ یہاں دیت کی مقدار وہی ہوگی جو معاہدے میں طے ہے۔ یہاں قتل کی تین قسمیں ہیں: ☆ قتل عمد، اس کی سزا قصاص اور دیت ہے۔ ☆ شبہ عمد، یعنی ضرب تو مثلاً جان بوجھ کر لگائی مگر قتل کا ارادہ نہ تھا اتفاقاً قتل ہو گیا۔ اس کی سزا دیت ہے قصاص نہیں اور دیت خود قاتل کے

مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

مومن کو غلطی سے قتل کر دے وہ ایک مومن غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثاء کو خونبہا ادا کرے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں، پس اگر وہ مومن مقتول تمہاری دشمن قوم سے تھا تو (قاتل) ایک مومن غلام آزاد کرے اور اگر وہ مقتول ایسی قوم سے تعلق رکھتا تھا جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے ورثاء کو خونبہا دیا جائے اور ایک غلام آزاد کیا جائے اور جسے غلام میسر نہیں وہ دو ماہ متواتر روزے رکھے، یہ ہے اللہ کی طرف سے توبہ اور اللہ بڑا علم والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۹۲﴾ اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہو گی اور ایسے شخص کے لیے اس نے ایک بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔☆ ﴿۹۳﴾ اے ایمان والو! جب تم راہ خدا میں (جہاد کے لیے) نکلو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو

ذمے ہے۔☆قتل خطا قتل کا ارادہ تو نہ تھا مگر وہ زد میں آ گیا اور قتل ہو گیا اس کی سزا دیت ہے جو قرابتداروں کے ذمے ہے۔

۹۳۔ کسی مومن کو جان بوجھ کر جان سے مار دینے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ۱۔ اگر مومن ہونے کی وجہ سے اس کا خون حلال سمجھ کر قتل کرتا ہے تو اس صورت میں قاتل ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اس پر خدا کا غضب اور اس کی رحمت سے بھی دور ہو گا اور اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔ ۲۔ قتل کا محرک مقتول کا مومن ہونا نہ ہو اور نہ ہی اسے جائز القتل اور اس کا خون حلال سمجھ کر قتل کیا ہو تو اس صورت میں کیا اس قاتل کی توبہ قبول ہو گی یا نہیں؟ چند اقوال ہیں۔ اہل تحقیق کے نزدیک اس کی توبہ قابل قبول ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ (۴ نساء: ۴۸) اللہ اس بات کو یقیناً معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ (کسی کو) شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کو جس کے بارے میں وہ چاہے گا معاف کر دے گا۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ (۳۹ زمر: ۵۳) یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ آیات مذکورہ آیت کے لیے مقید ثابت ہوں اور یہ گناہ قابل توبہ و مغفرت ہو۔

۹۴۔ السلام علیکم کہنا شروع میں مسلمانوں کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ بعض جنگوں میں جب کوئی مسلمان لپیٹ میں آ جاتا تو وہ یہ بتانے کے لیے کہ میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں سلام کرتا اور کلمہ پڑھ

اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

شخص تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو، تم دنیاوی مفاد کے طالب ہو، جب کہ اللہ کے پاس غنیمتیں بہت ہیں، پہلے خود تم بھی تو ایسی حالت میں مبتلا تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تحقیق سے کام لو، یقیناً اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۹۵﴾ بغیر کسی معذوری کے گھر میں بیٹھنے والے مؤمنین اور راہ خدا میں جان و مال سے جہاد کرنے والے یکساں نہیں ہو سکتے، اللہ نے بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ زیادہ رکھا ہے، گو اللہ نے سب کے لیے نیک وعدہ فرمایا ہے، مگر بیٹھنے والوں کی نسبت جہاد کرنے والوں کو اجر عظیم کی فضیلت بخشی ہے۔☆ ﴿۹۶﴾ (ان کے لیے) یہ درجات اور مغفرت اور رحمت اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بڑا معاف

دیتا، مگر مسلمان اسے قتل کر دیتے اس گمان سے کہ اس نے صرف جان بچانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ اس آیت سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ کلمہ گو اور اہل قبلہ تو بجائے خود، اسلامی آداب و شعائر کا اظہار کرنے والے پر بھی اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں اور اس کا جان و مال محفوظ ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: لا نکفر اهل القبلة بذنب۔ صاحب تفسیر المنار نیم خواندہ، تنگ نظر لوگوں کے بارے میں درست لکھتے ہیں:

کہاں یہ بات اور کہاں ان لوگوں کا کردار جو نہ اپنے اسلام میں نہ اپنے اعمال میں کتاب اللہ سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور اپنی خواہشات سے ذرا اختلاف رکھنے والے اہل قبلہ کو کافر قرار دینے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔

۹۵۔ گو اللہ نے سب کے لیے نیک وعدہ فرمایا ہے۔ یہ جہاد فرض کفایہ ہونے کی صورت میں ہے کہ دشمنوں کے مقابلے کے لیے کفایت کے لڑنے والے موجود ہیں۔ اس صورت میں جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں کا درجہ اگرچہ کم ہے تاہم ان کے لیے بھی نیک وعدہ ہے، لیکن اگر جہاد کے لیے کفایت کے لوگ موجود نہ ہوں یہ جہاد واجب عینی ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں جہاد میں شرکت نہ کرنے والے میدان جنگ سے فرار کرنے والوں کی طرح ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے نیک وعدوں میں شامل نہیں ہوتے۔

۹۷۔ ظلم سے مراد دین حق سے انحراف کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے۔

اس آیت میں مرنے کے بعد سوال قبر کی طرف

| | |
|---|---|
| رَّحِيۡمًا ع ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤٮِٕكَةُ | کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۹۷﴾ وہ لوگ جو اپنے آپ |
| ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِيۡمَ كُنۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا | پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض |
| كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ قَالُوۡۤا | کرتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں: تم کس حال میں بتلا |
| اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا | تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم اس سرزمین میں بے بس تھے، |
| فِيۡهَا ؕ فَاُولٰۤٮِٕكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتۡ | فرشتے کہیں گے: کیا اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں |
| مَصِيۡرًا ۙ ﴿۹۷﴾ اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ | ہجرت کرتے؟ پس ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت |
| وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ حِيۡلَةً وَّ | بری جگہ ہے۔☆ ﴿۹۸﴾ بجز ان بے بس مردوں اور عورتوں |
| لَا يَهۡتَدُوۡنَ سَبِيۡلًا ۙ ﴿۹۸﴾ فَاُولٰۤٮِٕكَ عَسَى اللّٰهُ | اور بچوں کے جو نہ کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور نہ کوئی راہ پاتے |
| اَنۡ يَّعۡفُوَ عَنۡهُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا | ہیں۔☆ ﴿۹۹﴾ عین ممکن ہے اللہ انہیں معاف کر دے اور |
| غَفُوۡرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنۡ يُّهَاجِرۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ | اللہ بڑا معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔☆ ﴿۱۰۰﴾ اور جو اللہ |
| يَجِدۡ فِى الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا وَّسَعَةً ؕ | کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سی پناہ گاہیں |
| وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ | اور کشائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی |
| وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ | طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر (راستے میں) اسے |

اشارہ ہے۔ فرشتوں کا سوال مرنے والے کے دین کے بارے میں ہوگا کہ تم کس حال میں بتلا تھے؟ مرنے والا جواب دے گا کہ جس سرزمین میں میں زندگی گزار رہا تھا، وہاں دین پر عمل پیرا رہنا ممکن نہ تھا۔ فرشتے کہیں گے کہ اگر تم کفار کی سرزمین پر اپنے دین اور مذہب کا تحفظ نہیں کر سکتے تھے تو اللہ کی سرزمین تو وسیع تھی اور ایسی سرزمین بھی موجود تھی جہاں دین حق کی فضا قائم تھی، تم نے وہاں ہجرت کیوں نہ کی؟ اور دار الاسلام میں تمہیں بہتر زندگی بھی میسر تھی۔

۹۸۔ ۹۹۔ حِيۡلَةً: اس تدبیر کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز تک پوشیدہ طور سے پہنچا جا سکے۔ عام طور پر اس کا استعمال بری تدبیر کے لیے ہوتا ہے، لیکن کبھی ایسی تدبیر کے متعلق بھی ہوتا ہے جس میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔ (مفردات راغب)

سابقہ آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو حقیقتاً بے بس اور مجبور نہ تھے، وہ اپنے دین کی خاطر ہجرت کرنے پر قادر تھے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو واقعی بے بس اور مجبور تھے اور ہجرت کرنے کا کوئی وسیلہ نہیں تھا اور کوئی قابل عمل تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوتی تھی۔

۱۰۰۔ ہجرت سے انسان ارتقائی منازل آسانی سے طے کر لیتا ہے اور ہجرت میں طبعی طور پر برکت بھی ہے اور اگر یہ ہجرت دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہو تو قرآن فرماتا ہے: مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا۔ اسے زندگی کے لیے بہت پناہ گاہیں ملیں گی۔ اگر ایک جگہ رہنے نہ دیا تو دوسری جگہ، نہیں تو تیسری

اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً

موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہو گیا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۰۰﴾ اور جب تم زمین میں سفر کے لیے نکلو تو اگر تمہیں کافروں کے حملے کا خوف ہو تو تمہارے لیے نماز قصر پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ کافر لوگ یقیناً تمہارے صریح دشمن ہیں۔☆ ﴿۱۰۱﴾ اور (اے رسول) جب آپ خود ان کے درمیان موجود ہوں اور آپ خود ان کے لیے نماز قائم کریں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ مسلح ہو کر نماز پڑھے پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو ان کو تمہارے پیچھے ہونا چاہیے اور دوسرا گروہ جس نے نماز نہیں پڑھی ان کی جگہ آئے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنے بچاؤ کا سامان اور اسلحہ لیے رہیں، کیونکہ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یکبارگی حملہ کر دیں اور اگر تم بارش کی وجہ

---

جگہ، جو کہ زمین خدا کے وسیع ہونے کا لازمی نتیجہ ہے نیز فرمایا: وَّسَعَةً۔ بسر اوقات میں کشائش آئے گی۔ یعنی اگر وہ دار الکفر میں تنگی میں تھا تو ہجرت کے بعد کشائش آئے گی۔

۱۰۱۔ فقہ جعفری کے نزدیک سفر میں نماز کو قصر پڑھنا واجب ہے بشرطیکہ سفر حرام نہ ہو، مسافت ۴۴ کلو میٹر پوری ہو اور ایک جگہ دس دن قیام کرنے کا قصد نہ ہو۔ حدیث میں قصر کے بارے میں آیا ہے: صدقة تصدق اللہ بها فاقبلوا صدقة۔ یہ اللہ کا تحفہ ہے اسے قبول کرو۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے: فصار التقصير فی السفر واجباً کوجوب التمام فی الحضر۔ (الفقیہ ۱: ۴۳۴ باب الصلوة فی السفر) سفر میں قصر پڑھنا اسی طرح واجب ہوا جس طرح غیر سفر میں پوری نماز پڑھنا واجب ہے۔

۱۰۲۔ نماز خوف کا طریقہ یہ ہے کہ لشکر کا ایک حصہ امام کی اقتداء میں ایک رکعت پڑھے اور دوسری رکعت میں انفرادی طور پر پڑھ کر نماز پوری کرے اور جنگ کا محاذ سنبھالے اور امام دوسری رکعت کو اس قدر طول دے کہ لشکر کا دوسرا حصہ اپنی نماز کی پہلی رکعت امام کی دوسری رکعت کے ساتھ پڑھ سکے۔ امام دوسری رکعت میں سلام پھیر دے تو مقتدی اپنی دوسری رکعت انفرادی طور پر بجا لائے۔ امام شافعی اور امام مالک نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ
اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا
اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ
الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى
جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ
اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا
مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ
اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ
كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا
يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع
اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ

سے تکلیف میں ہو یا تم بیمار ہو تو اسلحہ اتار رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر اپنے بچاؤ کا سامان لیے رہو، بے شک اللہ نے تو کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔☆ (۱۰۲) پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرو، پھر جب اطمینان حاصل ہو جائے تو (معمول کی) نماز قائم کرو، بے شک وقت کی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنا مومنین پر فرض ہے۔☆ (۱۰۳) اور تم ان کافروں کے تعاقب میں تساہل سے کام نہ لینا اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی ایسی ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اور اللہ سے جیسی امید تم رکھتے ہو ویسی امید وہ نہیں رکھتے اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (۱۰۴) (اے رسول) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ جیسے اللہ نے آپ کو بتایا ہے اسی کے مطابق لوگوں میں فیصلے کریں اور خیانت کاروں

۱۰۳۔ انسان تین حالتوں سے خالی نہیں رہ سکتا کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے۔ ان حالات میں ذکر خدا کا مطلب یہ ہوا کہ ذکر خدا ہمیشہ اور ہر حالت میں ہونا چاہیے۔ حضرت علی ؑ مؤمن کی علامات میں فرماتے ہیں: قلبه بذکر الله معمور اس کا دل ذکر خدا سے سرشار رہتا ہے۔ (بحار الانوار ۷۵: ۷۳)

كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا میں دو چیزوں کا ذکر ہے: ایک نماز، دوسرے اس کو وقت پر پڑھنا۔ اگر کسی وجہ سے وقت پر نماز نہیں پڑھی جا سکی تو نماز بطور قضا بھی بہرحال پڑھنی ہے۔

۱۰۵۔ یہ آیت اور بعد کی چند آیات اسلام کے عادلانہ موقف کے بارے میں ہیں۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ انصار کے ایک فرد نے چوری کا ارتکاب کیا اور تحقیقات کے موقع پر اس مسروقہ مال کو ایک یہودی کے ہاں رکھ دیا اور یہودی پر چوری کا الزام عائد کیا۔ چنانچہ ظاہری علامات کے تحت یہ تاثر قائم ہو رہا تھا کہ چوری یہودی نے کی ہے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور یہودی کو بری الذمہ اور انصار کے فرد کو جو مسلمان تھا ملزم قرار دیا گیا۔

اسلام کے نزدیک عدل و انصاف کرنے کے لیے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ فریقین کا تعلق کس مذہب سے ہے۔ عدل و انصاف خالصتاً انسانی مسئلہ ہے۔

ان آیات میں سرزنش کے لہجے میں اگرچہ روئے سخن رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے مگر قرآن کا اسلوب کلام یہ ہے کہ خطاب اپنے حبیب سے ہوتا ہے اور دوسروں کو سنانا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے: سر دلبران در حدیث دیگران۔ اس آیت سے یہ استدلال درست نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نص صریح نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد کرنے کا حق

لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَ لَا
تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾
يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ
مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا
لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ
جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ
يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ
يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ
سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ
يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ

کے طرفدار نہ بنیں۔☆ ﴿۱۰۶﴾ اور اللہ سے طلب مغفرت کریں یقینا اللہ بڑا درگزر کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۱۰۷﴾ اور جو لوگ اپنی ذات سے خیانت کرتے ہیں، آپ ان کی طرف سے ان کا دفاع نہ کریں، بے شک اللہ خیانت کار اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔☆ ﴿۱۰۸﴾ یہ لوگ (اپنی حرکتوں کو) لوگوں سے تو چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے اور اللہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب یہ لوگ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں میں رات کو تدبیریں سوچتے ہیں اور اللہ ان کی تمام حرکات پر احاطہ رکھتا ہے۔☆ ﴿۱۰۹﴾ دیکھو! تم نے دنیاوی زندگی میں تو ان کا دفاع کیا مگر بروز قیامت اللہ سے ان کا دفاع کون کرے گا یا ان کا وکیل کون ہوگا؟ ﴿۱۱۰﴾ اور جو برائی کا ارتکاب کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو درگزر کرنے والا، رحم کرنے والا پائے گا۔☆ ﴿۱۱۱﴾ اور جو

---

حاصل ہے اور کبھی ان سے اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے۔ (معارف القرآن ۲: ۵۴۲، آمدی: احکام القرآن) کیونکہ یہ بات خود قرآن کی نص صریح وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کے خلاف ہے۔

۱۰۷۔ مجادلۃ: جدال۔ مناظرہ کرنا۔ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ مجادلہ حق پر مبنی ہو سکتا ہے۔

یہاں خطاب آنحضرت ﷺ سے ہے اور ان لوگوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے جو اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ آیت سو فیصد ان پیشہ ور وکلاء کی ہدایت کے لیے ہے جو مجرموں اور خیانت کاروں کی طرف سے چند روپیوں کے عوض مقدمہ لڑتے ہیں۔

۱۰۸۔ استخفاء یعنی پوشیدہ رکھنا اس صورت میں صادق آتا ہے جب کسی دوسرے انسان کے خلاف کوئی سازش کی جا رہی ہو اور اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھا جائے۔ کسی چیز کو لوگوں سے تو پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کو پوشیدہ رکھنا کسی کے بس میں نہیں، اگرچہ وہ انسانوں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے رات بھر تدبیریں سوچتے رہیں۔

گناہ کرتے وقت انسان اگر یہ خیال ذہن میں زندہ رکھے کہ میں اس جرم کا ارتکاب اس منصف اور اس قاضی کے سامنے کر رہا ہوں جس کے سامنے کل مجھے پیش ہونا ہے تو انسان کبھی گناہ نہیں کرے گا۔

۱۱۰۔ راہ حق سے بھٹکنے والوں کے لیے باب رحمت کھلا ہے۔ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں کے لیے وسیلۂ استغفار ہر وقت موجود ہے۔

۱۱۲۔ خواہ وہ بے گناہ جس کے سر پر گناہ تھوپ دیا

يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ

برائی کا ارتکاب کرتا ہے وہ اپنے لیے وبال کسب کرتا ہے اور اللہ تو بڑا علم والا، حکمت والا ہے۔ (۱۱۱) اور جس نے خطا یا گناہ کر کے اسے کسی بے گناہ کے سر تھوپ دیا تو یقیناً اس نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔☆ (۱۱۲) اور (اے رسول) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا حالانکہ وہ خود کو ہی غلطی میں ڈالتے ہیں اور وہ آپ کا تو کوئی نقصان نہیں کر سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل کی اور آپ کو ان باتوں کی تعلیم دی جنہیں آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔☆ (۱۱۳) ان لوگوں کی بیشتر سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی صدقہ، نیکی یا لوگوں میں اصلاح کی تلقین کرے اور جو شخص اللہ کی خوشنودی کے لیے ایسا کرے

جائے یہودی ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسانی اقدار کے حوالے سے تمام انسانوں کو مساوی حقوق دیتا ہے اور تمام انسان اسلام کے نزدیک محترم ہیں بشرطیکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کسی جارحیت میں ملوث نہ ہوں۔

اس آیت کا سبب نزول گرچہ خاص واقعہ ہے لیکن اس کا اطلاق عام اور کلی ہے جو تمام لوگوں کے لیے ہے، لہٰذا اس آیت سے بہتان کے عظیم گناہ ہونے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہتان کو گناہ تصور ہی نہیں کیا جاتا، خصوصاً سیاست میں تو بہتان کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔

۱۱۳۔ وَعَلَّمَكَ: اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی طرف سے کتاب و حکمت کے علاوہ بھی تعلیم کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس خصوصی ذرائع موجود تھے، جن کی وجہ سے رسول خدا ﷺ علم و معرفت اور کشف حقائق کی اس منزل پر فائز تھے جن کے بعد خلاف عصمت کسی غلطی کے سرزد ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ چنانچہ علم و یقین کا نتیجہ عصمت ہے۔ البتہ علم و یقین حاصل ہونے کے بعد عصمت قائم رکھنے پر مجبور بھی نہیں ہوتے، بلکہ یہاں عزم و ارادہ، نفس کی پاکیزگی اور محبت الٰہی کی وجہ سے اپنے اختیار سے عصمت پر قائم رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے معصوم کی عصمت و فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

۱۱۴۔ جو کام اللہ کی خوشنودی کے لیے انجام دیا جائے اس کا ثواب ہے۔ یعنی عمل کا نیک ہونا کافی نہیں ہے۔ عمل کرنے والے کا نیک ہونا بھی ضروری ہے۔ ایک چور مال حرام سے صدقہ دیتا ہے اور ایک ڈاکو رفاہی کام کرتا ہے تو ان اعمال کو نیک تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہاں سے اس سوال کا، جو اکثر لوگ اٹھاتے ہیں، جواب بھی مل جاتا ہے کہ کیا ان سائنسدانوں کو کوئی ثواب ملے گا جنہوں نے انسانیت کے لیے بہت سی خدمات انجام دی ہیں؟

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ
سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ
جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ
لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا
مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ
مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ
وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ
الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ
مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ

تو اسے عنقریب ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔☆ (۱۱۵) اور جو شخص ہدایت کے واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور ہم اسے جہنم میں جھلسا دیں گے جو بدترین ٹھکانا ہے۔☆ (۱۱۶) اللہ صرف شرک سے درگزر نہیں کرتا اس کے علاوہ جس کو چاہے معاف کر دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ گمراہی میں دور تک چلا گیا۔ (۱۱۷) وہ اللہ کے سوا صرف مونث صفت چیزوں کو پکارتے ہیں اور وہ تو بس باغی شیطان ہی کو پکارتے ہیں۔☆ (۱۱۸) اللہ نے اس پر لعنت کی اور اس نے اللہ سے کہا: میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ ضرور لے کر رہوں گا۔☆ (۱۱۹) اور میں انہیں ضرور گمراہ کروں گا اور انہیں آرزوؤں میں ضرور مبتلا رکھوں گا اور انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور جانوروں کے کان پھاڑیں گے اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ انکار خدا کے جرم میں مبتلا ہیں تو ان کی نیکی کا کوئی ثواب نہیں ہوگا۔

۱۱۵۔ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ سے کچھ حضرات نے حجیت اجماع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو کسی صورت بھی درست نہیں ہے، کیونکہ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عدم مخالفت اور اتباع میں مومنین نے جو روش بنائی ہے اس سے ہٹ کر کوئی اور روش بنانے والا جہنمی ہے جب کہ اجماع خود مومنین کی اپنی روش سے متعلق ہے۔ صاحب تفسیر المنار اس جگہ فرماتے ہیں: آیت عصر رسول ﷺ میں مومنین کے راستے کے بارے میں بحث کرتی ہے، جبکہ اجماع عصر رسالت ﷺ کے بعد کسی مسئلے پر امت کے مجتہدین کے اتفاق کا نام ہے۔

نُصْلِهٖ: اَلصَّلْوُ۔ آگ میں جھلسانے کو کہتے ہیں۔ صلی اللحم فی النار کے معنی القاہ للاحراق آگ میں تپانے کے معنوں میں ہیں۔ اکثر نے اس کا ترجمہ داخل کرنے سے کیا ہے جو اشتباہ ہے۔

۱۱۷۔ تمام حیوانات میں مادہ بہ نسبت نر کے کمزور ہوتی ہے اس لیے کمزور کو اُناث کہتے ہیں۔ چنانچہ کمزور لوہے کو حدید انیث کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے اس آیت کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسری کمزور، بے طاقت چیزوں کو پکارتے ہیں نیز مشرکین اپنے معبود فرشتوں کو لڑکیوں کے نام سے موسوم کرتے تھے: لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى۔ (نجم: ۲۷)

۱۱۸۔ شیطان بندوں سے تمام چیزوں میں حصہ لیتا ہے۔ مال و اولاد میں، حتیٰ عبادت میں۔ جس قدر خلوص کم ہوگا، اسی مقدار میں شیطان کا حصہ زیادہ ہوگا۔

۱۱۹۔ اس آیت میں شیطان کے گمراہ کن حربوں کا ذکر ہے: ۱۔ شیطان بندوں کو آرزوؤں میں الجھا کر یاد خدا سے غافل کر دیتا ہے۔ ۲۔ وہ توہمات میں ڈال

خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ

میں ضرور ردو بدل کریں گے اور جس نے اللہ کے سوا شیطان کو اپنا سرپرست بنا لیا پس یقیناً وہ صریح نقصان میں رہے گا۔☆ ﴿۱۲۰﴾ وہ انہیں وعدوں اور امیدوں میں الجھاتا ہے اور ان کے ساتھ شیطان کے وعدے بس فریب پر مبنی ہوتے ہیں۔ ﴿۱۲۱﴾ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ اس سے بچ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔ ﴿۱۲۲﴾ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں عنقریب ہم انہیں ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، وہ وہاں ابد تک ہمیشہ رہیں گے، اللہ کا سچا وعدہ ہے اور بھلا اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟ ﴿۱۲۳﴾ نہ تمہاری آرزوؤں سے (بات بنتی ہے) اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں سے، جو برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا اور اللہ کے سوا نہ اسے کوئی کارساز میسر ہو گا اور نہ کوئی مددگار۔☆ ﴿۱۲۴﴾ اور جو نیک اعمال بجالائے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو (سب) جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔☆ ﴿۱۲۵﴾ اور دین

کر اللہ کی انسان ساز دستور حیات شریعت سے لوگوں کو دور کرتا ہے کہ اونٹنی جب پانچ یا دس بچے جنم لیتی تو اس کے کان پھاڑ کر دیوتا کے نام کر دیتے اور اس سے کام لینے کو حرام سمجھتے تھے۔ ۳۔ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت اور خدائی ساخت میں تبدیلی کر دیتا ہے۔ اس آیت سے کلوننگ کی حرمت پر استدلال کیا جاتا ہے: کلوننگ خلق اللہ میں تغیر ہے۔ کیونکہ اللہ تو جرثومۂ پدر اور تخم مادر نطفۃ امشاج (مخلوط نطفہ) سے انسان کی تخلیق فرماتا ہے۔ جبکہ کلوننگ میں ماں باپ کے اشتراک کے بغیر یکطرفہ طور پر کسی ایک کے سیل سے انسانی تخلیق کا عمل انجام پاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کلوننگ میں جنسی سیل (cell) کی جگہ جسمانی سیل سے کام لیا جاتا ہے۔ کیا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ تفصیل کے لیے ہماری تفسیر الکوثر جلد دوم صفحہ ۳۷۲ کا مطالعہ کیجیے۔

۱۲۳۔ اس آیت میں نہایت اہمیت کے حامل اہم نکتے کی وضاحت فرمائی ہے کہ مذہب صرف آرزوؤں کا نام نہیں ہے، جیسا کہ دین کے تاجروں، جاہلوں اور دین دشمنوں کا خیال ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا: تمام ادیان کا دار و مدار عمل پر ہے۔ اگر کوئی برائی کرتا ہے تو اس کی سزا بھگتنا ہوگی، خواہ وہ مسلم ہو یا اہل کتاب۔

۱۲۴۔ عمل صالح کی جزا پانے میں مرد و زن میں کوئی امتیاز نہیں ہے، البتہ ایمان شرط ہے۔ کیونکہ عمل صالح بجالانے والا اگر مومن نہیں ہے تو اس کے عمل میں حسن نہیں آ سکتا، کیونکہ غیر مومن میں حسن فاعلی نہیں ہے۔

۱۲۵۔۱۲۶۔ سابقہ آیت میں ارشاد فرمایا: تمام ادیان کا دار و مدار عمل پر ہے، صرف آرزوؤں سے بات نہیں بنتی۔ اس آیت میں فرمایا کہ عمل کے لیے دین حق کی اتباع ضروری ہے اور وہ دین حق ملت

اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ

ع ۱۵

میں اس سے بہتر اور کون ہوسکتا ہے جس نے نیک کردار بن کر اپنے وجود کو اللہ کے سپرد کیا اور یکسوئی کے ساتھ ملت ابراہیمی کی اتباع کی؟ اور ابراہیم کو تو اللہ نے اپنا دوست بنایا ہے۔☆ ﴿۱۲۶﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب احاطہ رکھنے والا ہے۔☆ ﴿۱۲۷﴾ اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ تمہیں ان کے بارے میں حکم دیتا ہے اور کتاب میں تمہارے لیے جو حکم بیان کیا جاتا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے متعلق ہے جن کا مقررہ حق تم انہیں ادا نہیں کرتے اور ان سے نکاح بھی کرنا چاہتے ہو اور ان بچوں کے متعلق ہے جو بے بس ہیں اور یہ (حکم بھی دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں انصاف کرو اور تم بھلائی کا جو کام بھی انجام دو گے تو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔☆ ﴿۱۲۸﴾ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے بے اعتنائی یا بے رخی کا اندیشہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں بہتر

ابراہیمی کی اتباع ہے۔ یہاں ایمان و عمل اور ادیان الٰہی سے متمسک رہنے کی صورت بیان فرمائی: ۱۔ انسان اپنے وجود کو اللہ کے سپرد کر دے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ یہ ایک ایسا مؤقف ہے کہ جس کے بغیر کوئی نیک عمل قابل قبول نہیں ہے۔ ۲۔ اس درست مؤقف پر آنے کے بعد نیک کردار بن جانا ممکن ہوتا ہے۔ ۳۔ ادیان الٰہی سے متمسک رہنے کے لیے اپنے آپ کو اس سلسلے کے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم ؑ سے مربوط رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ابراہیم ؑ کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا ہے اور اللہ نے حضرت ابراہیم ؑ کو کسی احتیاج اور ضرورت مندی کے تحت خلیل نہیں بنایا۔ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے نیز ابراہیم ؑ کو مقام خلت پر فائز کرنے میں کسی قسم کی دیگر قدروں کا دخل نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ ہر چیز پر احاطہ رکھنے والا ہے۔ بلکہ ابراہیم ؑ کو الٰہی اقدار کے تحت خلیل بنایا ہے۔

۱۲۷۔ جواب سے سوال کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے کہ سوال یتیم بچیوں، کمزور بچوں اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں ہے کیونکہ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو یہ کہ کر ارث نہیں دیتے تھے کہ وہ جنگوں میں شرکت نہیں کر سکتے۔ مَا كُتِبَ لَهُنَّ سے مراد ہے: جوارث ان کے لیے مقرر ہے۔ وَ تَرْغَبُوْنَ سے مراد یہ ہے: تم ان لڑکیوں سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور ان کے جمال و مال سے لطف اندوز ہوتے ہو لیکن انہیں مہر وارث سے محروم کرتے ہو۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ جاہلیت میں خوبصورت لڑکیوں سے نکاح کرتے اور ارث و نفقہ اور مہر نہیں دیتے تھے اور اگر بدصورت ہوتیں تو نہ خود نکاح کرتے نہ کسی اور کو نکاح کرنے دیتے تھے۔

۱۲۸۔ زمانہ جاہلیت میں ازدواج کی تعداد غیر محدود تھی اور بیویوں کے لیے کوئی حقوق بھی متعین نہ تھے۔

اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی

طریقے سے مصالحت کرلیں اور صلح تو بہر حال بہتر ہی ہے اور ہر نفس کو بخل کے قریب کر دیا گیا ہے، لیکن اگر تم نیکی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہارے سارے اعمال سے یقینا خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۱۲۸﴾ اور تم بیویوں کے درمیان پورا عدل قائم نہ کر سکو گے خواہ تم کتنا ہی چاہو، لیکن ایک طرف اتنے نہ جھک جاؤ کہ (دوسری کو) معلق کی طرح چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ یقینا درگزر کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۲۹﴾ اور اگر میاں بیوی دونوں نے علیحدگی اختیار کی تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۱۳۰﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، بتحقیق ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو نصیحت کی ہے اور تمہیں بھی یہی نصیحت ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور اگر کفر اختیار کرو گے تو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اللہ بڑا بے نیاز، قابل

اسلام نے اولاً تو تعداد کو محدود کر دیا اور ثانیاً یہ کہ ان کے درمیان عدل کو لازمی قرار دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر کسی شخص کی بیوی بانجھ ہے یا زن و شوہر کے تعلقات قائم رکھنے کے قابل نہیں ہے یا دائمی مریض ہے یا دیگر عوامل کی بنا پر وہ شخص دوسری شادی کرتا ہے اور پہلی بیوی کی طرف کماحقہ مائل نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں بیویوں میں عدل و انصاف قائم رکھنے کا حل کیا ہے؟ آیت ایسی حالت میں مصالحت کا حل پیش کرتی ہے کہ عورت اپنے حقوق میں سے کچھ مقدار سے دستبردار ہو جائے اور مرد باقی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

۱۲۹۔ ایک صحت مند خوبصورت نیک خصلت عورت اور ایک دائم المرض، بدشکل اور بدخصلت عورت کے درمیان قلبی رجحان کو برابر رکھنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے لیکن عملی طور پر نان و نفقہ اور راتوں کی تقسیم وغیرہ میں مساوات ممکن ہے۔ آیت میں یہی حکم ہے کہ عملاً ایک طرف اتنا نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو معلق چھوڑ دو۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سورے کی ابتداء میں فرمایا: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا یعنی اگر عدل قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی زوجہ پر اکتفا کرو۔ اس آیت میں فرمایا: وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ بیویوں کے درمیان عدل قائم کرنے پر قادر نہ ہو سکو گے۔ ان دو آیات کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ ایک ہی شادی کی اجازت ہے۔ جواب یہ ہے کہ نفقہ و زوجیت میں عدل نہ کر سکو تو ایک پر اکتفا کرو۔ جبکہ دوسری آیت میں قلبی محبت

الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰۤاَيُّهَا

ستائش ہے۔ ﴿۱۳۲﴾ اور اللہ ہی ان سب چیزوں کا مالک ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور کفالت کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ ﴿۱۳۳﴾ اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم سب کو فنا کر کے تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور اس بات پر تو اللہ خوب قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۱۳۴﴾ جو (فقط) دنیاوی مفاد کا طالب ہے پس اللہ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے اور اللہ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔☆ ﴿۱۳۵﴾ اے ایمان والو! انصاف کے سچے داعی بن جاؤ اور اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ تمہاری ذات یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اگر کوئی امیر یا فقیر ہے تو اللہ ان کا بہتر خیر خواہ ہے، لہٰذا تم خواہش نفس کی وجہ سے عدل نہ چھوڑو اور اگر تم نے کج بیانی سے کام لیا یا (گواہی دینے سے) پہلوتہی کی تو جان لو کہ اللہ تمہارے اعمال سے یقیناً خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۱۳۶﴾ اے ایمان والو!

---

مراد ہے کہ تم ان میں مساوات قائم نہیں رکھ سکو گے۔ چنانچہ امام جعفر صادق ؑ سے یہی جواب وارد ہوا ہے۔

۱۳۰۔ اگر مصالحت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے تو معلق چھوڑنے سے بہتر یہ ہے کہ اسے طلاق دے دی جائے۔ کیونکہ طلاق بھی نہ دے اور حقوق بھی نہ دے تو یہ بیچاری نہ زوجہ رہتی ہے، نہ بیوہ۔ طلاق کی صورت میں عورت آزاد ہو جاتی ہے اور اللہ اس کے لیے کوئی راہ کھول دے گا۔

۱۳۴۔ ان لوگوں کے عقل و شعور کو بیدار کیا جا رہا ہے جو صرف طالب دنیا ہیں۔ تقویٰ اختیار کرنے اور بارگاہ الٰہی میں حاضر رہنے سے دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں مل سکتی ہیں۔ لیکن یہ لوگ آخرت کی ابدی سعادت کو چھوڑ کر چند دنوں کی دنیاوی زندگی کے عیش و نوش میں بدمست ہیں۔

۱۳۵۔ عدل کا انفرادی حکم مختلف آیات میں آیا ہے لیکن اس آیت میں عدل اجتماعی کا حکم ہے کہ عدل و انصاف کے قوام یعنی سچے داعی بن جائیں۔ مومن کا فریضہ فقط یہ نہیں کہ خود عدل و انصاف کرے اور معاشرے میں موجود ظلم و زیادتی سے لاتعلق ہو جائے، بلکہ مومنین کی ذمے داری ہے کہ معاشرے میں بھی عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ حضرت علی ؑ سے روایت ہے: العدل سائس عام۔ (روضۃ الواعظین ۲:۴۱۶) عدل ایک جامع نظام ہے۔ عدل اجتماعی کی اہمیت کے بارے میں منقول ہے: وَاِنَّ قُرَّةَ عَيْنِ الْوُلَاةِ اسْتِقَامَةُ الْعَدْلِ فِي الْبِلَادِ۔ (مستدرک الوسائل

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ
الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ
الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ
مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ
ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا
لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ
لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ
اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ
جَمِيْعًا ؕ ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ
اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

اللہ اور اس کے رسول اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے، سچا ایمان لے آؤ اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اس سے پہلے نازل کی ہے اور جس نے اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز آخرت کا انکار کیا وہ گمراہی میں بہت دور چلا گیا۔☆ (۱۳۷) جو لوگ ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے، اللہ انہیں نہ تو معاف کرے گا اور نہ ہی انہیں ہدایت کا راستہ دکھائے گا۔☆ (۱۳۸) (اے رسول) منافقوں کو دردناک عذاب کا مژدہ سنا دو۔ (۱۳۹) جو ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا حامی بناتے ہیں، کیا یہ لوگ ان سے عزت کی توقع رکھتے ہیں؟ بے شک ساری عزت تو خدا کی ہے۔☆ (۱۴۰) اور بتحقیق اللہ نے (پہلے) اس کتاب میں تم پر یہ حکم نازل فرمایا کہ جہاں کہیں تم سن رہے ہو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا

۱۳: ۱۶۴) یعنی حکمرانوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ملک میں عدل و انصاف کا استحکام ہے۔

آیہ شریفہ میں یہ نکات قابل توجہ ہیں: ☆عدل و انصاف کا نظام قائم کرو۔ ☆گواہی اللہ ہی کے لیے دیا کرو۔ ☆اپنی ذات یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو تو بھی سچی گواہی دو۔ ☆دولتمندی اور فقیری کا لحاظ نہ کرو۔ کیونکہ عدل و انصاف امیر و غریب دونوں کے مفاد میں ہے۔

۱۳۶۔ ایمان والوں سے ایمان کا مطالبہ: اس کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں: ☆اجمالی ایمان لانے والوں کو تفصیلی اور تحقیقی ایمان لانے کا حکم ہے یعنی ان کا ایمان ہنوز سطحی اور اجمالی ہے۔ ☆جو اپنے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرتے ان سے خطاب ہے کہ اپنے اعمال و سیرت کو اپنے ایمان سے ہم آہنگ کرو۔ کردار و عمل ہی ایمان کی سچی دلیل ہے۔

۱۳۷۔ سابقہ آیت سے اس آیت کا ربط اس طرح بنتا ہے: ایمان والو! نئے سرے سے پختہ اور سچا ایمان لے آؤ، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوگا تو یہ ابن الوقت اور مفاد کا ایمان کفر میں بدل سکتا ہے اور اگر ایمان کفر میں بدل گیا اور ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا اور دین و ایمان کو کھلونا بنا دیا تو اس ایمان و کفر کے گومگو کا انجام کار کفر پر استقرار ہوگا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا۔ اس صورت میں اللہ کی طرف واپسی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ اللہ اسے نہیں بخشتا اور نہ اس کی رہنمائی کرتا ہے، جو اس کی طرف آتا ہی نہیں۔

۱۳۹۔ اس آیہ شریفہ میں منافقین کی ایک اہم علامت

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ
حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ
جَمِيْعَۨا ﴿١٤٠﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ
كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ
مَّعَكُمْ ۡ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ
قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾ ع اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا
اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ
النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾

جارہا ہے اوران کا مذاق اڑایا جارہا ہے توتم ان کے ساتھ نہ بیٹھا کرو جب تک وہ کسی دوسری گفتگو میں نہ لگ جائیں ورنہ تم بھی انہی کی طرح کے ہو جاؤ گے، بے شک اللہ تمام منافقین اور کافرین کو جہنم میں یکجا کرنے والا ہے۔☆

﴿١٤١﴾ یہ (منافق) تمہارے حالات کا انتظار کرتے ہیں کہ اگر اللہ کی طرف سے تمہیں فتح حاصل ہوتو کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو کچھ کامیابی مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے؟ (اس کے باوجود ہم نے تمہارے ساتھ جنگ نہ کی) اور کیا ہم نے تمہیں مومنوں سے بچا نہیں لیا؟ پس اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ ہرگز کافروں کو مومنوں پر غالب نہیں آنے دے گا۔☆

﴿١٤٢﴾ یہ منافقین (اپنے زعم میں) اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ درحقیقت اللہ انہیں دھوکہ دے رہا ہے اور جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو سستی کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لیے اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔☆

بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ منافقین اپنا قلبی لگاؤ مومنین کی بجائے کفار سے رکھتے ہیں۔ ایسا وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے وہم وخیال کے مطابق عزت وتمکنت کفار کے ساتھ دوستی رکھنے کی صورت میں مل سکتی ہے۔ مفہوم عزت: عزت ایک ناقابل تسخیر حالت کو کہتے ہیں۔ صاحب عزت مغلوب ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور کائنات میں خدا ہی کی ذات مغلوب ہونے سے محفوظ ہے یا وہ جسے وہ مغلوب ہونے سے تحفظ دے۔

۱۴۰۔ اگر کسی محفل میں کسی کے دین وعقیدے کا مذاق اڑایا جارہا ہو اور اس میں اپنے مذہب کے بارے میں حمیت وغیرت نہ ہو تو یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی ہے کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔ مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہود اسلام کا مذاق اڑاتے تھے اور مکہ کے ضعیف الایمان اور مدینہ کے منافقین ایسی محفلوں میں بیٹھ کر ایسی باتوں کا سننا گوارا کرتے تھے۔ ہمارے زمانے میں ہر زمانے کی طرح یہ اصطلاح بدل گئی ہے، چنانچہ اگر کسی کے دل میں اپنے دین ومذہب کے بارے میں غیرت وحمیت نہیں ہے اور وہ ایسی محفلوں میں بیٹھ کر اپنے دین ومذہب کا مذاق اڑانا سن سکتا ہے تو اسے "روشن خیال" کہتے ہیں اور مذہبی غیرت وحمیت رکھنے والوں کو "بنیاد پرست" کہتے ہیں۔

۱۴۱۔ ایمان کا انسانی مقدرات میں وہی عمل دخل ہے جو دیگر مادی عوامل کا ہے۔ جیسا کہ اس کائناتی نظام

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

﴿۱۴۳﴾ یہ لوگ نہ ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف بلکہ درمیان میں سرگرداں ہیں اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اس کے لیے تم کوئی راہ نہیں پا سکتے۔☆ ﴿۱۴۴﴾ اے ایمان والو! تم مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا حامی مت بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ خود اپنے خلاف اللہ کے پاس صریح دلیل فراہم کرو؟ ﴿۱۴۵﴾ منافقین تو یقیناً جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور آپ کسی کو ان کا مددگار نہیں پائیں گے۔☆ ﴿۱۴۶﴾ البتہ ان میں سے جو لوگ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں اور اللہ سے متمسک رہیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کریں تو ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ عنقریب مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ﴿۱۴۷﴾ اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اور اللہ بڑا قدردان، بڑا جاننے والا ہے۔☆

میں اثر کی کمزوری سے مؤثر کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے، بالکل اسی طرح آثار کی کمزوری سے ایمان کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا اگر کبھی کافروں کے مسلمانوں پر غالب آنے کی نوبت آ گئی تو اس سے ایمان کی کمزوری یا فقدان کا پتہ چلتا ہے۔

۱۴۲۔ صدر اول کے منافقین ریاکاری کے لیے نماز کے محتاج تھے۔ جیسے آج بھی کچھ لوگ سال میں عید کے دن نماز کے محتاج ہوتے ہیں۔

۱۴۳۔ منافقین ایمان و یقین کی نعمت سے محروم ہونے کی وجہ سے مضطرب رہتے ہیں۔ کبھی وہ مسلمانوں کی طرف جھکتے ہیں کبھی کافروں کی طرف۔ جس کا تکیہ اللہ پر نہ ہو وہ ہمیشہ سراب کے پیچھے بھاگتا ہے اور ایمان کی نعمت والے ہی امن و سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

۱۴۵۔ منافق کافر سے زیادہ بدضمیر اور بدباطن ہوتا ہے کیونکہ کافر تو اپنے موقف کا برملا اظہار کرتا ہے اور منافق میں اتنی جرات بھی نہیں ہوتی کہ اپنے موقف کا برملا اظہار کرے۔ اسلامی معاشرے میں یہ مار آستین، کافر سے زیادہ خطرناک ہے۔

۱۴۷۔ اللہ کسی جذبہ انتقام کی تشفی کے لیے بندوں کو عذاب نہیں دیتا، بلکہ عذاب ناشکری اور نافرمانی کا ایک قدرتی ردعمل ہے۔ اگر بندوں کی طرف سے خود عذاب کے اسباب پیدا نہ ہوتے تو اللہ کو عذاب دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

(١٤٨) اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی (کسی کی) برملا برائی کرے، مگر یہ کہ مظلوم واقع ہوا ہو اور اللہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ (١٤٩) اگر تم کوئی نیک کام علانیہ یا خفیہ کرو یا برائی سے درگزر کرو تو اللہ بڑا معاف کرنے والا، قدرت والا ہے۔☆ (١٥٠) جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور رسولوں کے درمیان تفریق ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور وہ اس طرح کفر و ایمان کے درمیان ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں۔☆ (١٥١) ایسے لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (١٥٢) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے درمیان کسی تفریق کے بھی قائل نہیں ہیں عنقریب اللہ ان کا اجر انہیں عطا فرمائے گا اور اللہ

١٤٨۔ ایک مثالی معاشرے اور خیر امت کی تشکیل کے لیے اس امت کو انسانی و اخلاقی قدروں کی تعلیم دی جا رہی ہے اور انسانیت کی تعمیر کے لیے اس امت کو قیادت و امامت کی منزل پر فائز کرنے کے لیے ایسی فضا ہموار کی جا رہی ہے جس میں پرورش پانے والا انسان اعلیٰ اقدار کا مالک بنے نیز اس کا ضمیر پاک اور بیدار ہو۔ کسی شخص کا وقار مجروح کرنا اور اس کا راز فاش کرنا احترام آدمیت کے منافی اور مقام انسانی کے خلاف ہے۔ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کی برملا برائی کرے۔ البتہ ظالم نے خود احترامِ آدمیت اور کرامت انسانی کی خلاف ورزی کی ہے اور اس نے ظلم کر کے خود اپنے آپ کو فاش کیا ہے لہٰذا ظالم کی برملا برائی کرنا جائز ہے۔

١٤٩۔ نیکی کا اظہار کرو یا اسے پوشیدہ رکھو، دونوں باتوں کی اجازت ہے۔ اظہار اس نیت سے ہو کہ لوگوں میں کارِ خیر کا شعور بڑھے اور اگر الزام آنے کا احتمال ہو تو الزام دور ہو جائے اور پوشیدہ اس لحاظ سے ہو کہ ریاکاری کا شائبہ نہ رہے۔

١٥٠۔ یہاں کفار اور منکروں کے تین گروہ قابل تصور ہیں: ١۔ جو اللہ کو مانتے ہیں اور نہ رسولوں کو مانتے ہیں۔ ٢۔ جو اللہ کو تو مانتے ہیں، لیکن کسی رسول کو نہیں مانتے۔ ٣۔ جو اللہ اور بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض دیگر رسولوں کو نہیں مانتے۔ اس آیت میں فرمایا: یہ سب لوگ کافر ہیں اور سب سے آخری گروہ کے بارے میں فرمایا: یہ لوگ ایمان باللہ اور ایمان بالرسل میں تفریق ڈال رہے ہیں، حالانکہ جو اس کے بعض رسولوں کا انکار کرتے ہیں وہ پکے کافر ہیں۔

١٥٢۔ رسولوں کے درمیان تفریق کرنے والوں کے ذکر کے بعد ان لوگوں کا تقابلی ذکر ہوا جو بلا تفریق اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور تمام ادیان سماویہ کو قبول کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے

ع ۲۲ رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ
تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا
مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ
جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ
اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٥٣﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ
بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا
مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ
مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ
الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ
بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

بڑا درگزر کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿١٥٣﴾ اہل کتاب آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار لائیں، جبکہ یہ لوگ اس سے بڑا مطالبہ موسیٰ سے کر چکے ہیں، چنانچہ انہوں نے کہا: ہمیں علانیہ طور پر اللہ دکھا دو، ان کی اسی زیادتی کی وجہ سے انہیں بجلی نے آ لیا پھر انہوں نے گوسالہ کو (اپنا معبود) بنایا جب کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکی تھیں اس پر بھی ہم نے ان سے درگزر کیا اور موسیٰ کو ہم نے واضح غلبہ عطا کیا۔☆ ﴿١٥٤﴾ اور ہم نے ان کے میثاق کے مطابق کوہ طور کو ان کے اوپر اٹھایا اور ہم نے انہیں حکم دیا: دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور ہم نے ان سے کہا: ہفتہ کے دن تجاوز نہ کرو اور (اس طرح) ہم نے ان سے ایک پختہ عہد لیا۔ ﴿١٥٥﴾ پھر ان کے اپنے میثاق کی خلاف ورزی، اللہ کی آیات کا انکار کرنے اور انبیاء کو ناحق قتل کرنے اور ان کے اس قول کے سبب کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں (اللہ نے انہیں سزا دی، ان کے دل غلاف میں محفوظ نہیں) بلکہ ان کے کفر

---

آنے والے سب نمائندوں کو مانتے ہیں۔ وہی صحیح معنوں میں اہل ایمان ہیں اور انہی کو اجر و ثواب ملے گا۔

۱۵۳۔ اس سورہ سے قبل نازل ہونے والے سورہ ہائے بقرہ، ہود، یونس وغیرہ میں قرآن کی اس دعوت: "اس قرآن کے برابر ایک سورہ بنا لاؤ" کے بعد مدینہ کے یہودیوں کا یہ مطالبہ صرف عناد اور ہٹ دھرمی پر مبنی تھا۔ اس لیے اس آیت میں یہود کی ہٹ دھرمی اور باطل پرستی کی ایک مثال پیش فرمائی۔

یہ لوگ صرف آپ ﷺ سے نامعقول مطالبہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ لوگ موسیٰ ؑ سے اس سے بڑا مجرمانہ مطالبہ کر چکے ہیں۔ وہ یہ کہ ہمیں اللہ علانیہ دکھا دو۔ ظاہر ہے کہ اللہ کو انسانی نگاہوں کی محدودیت میں لانے کا مطالبہ شان الٰہی میں گستاخی تھا، جس کی فوری سزا انہیں مل گئی اور ان پر بجلی ٹوٹ پڑی۔ اگر قیامت کے دن اللہ کا دکھائی دینا ممکن ہوتا تو دنیا میں اولوالعزم پیغمبروں کو نظر آنا چاہیے۔ کیونکہ آخرت میں لوگ پیغمبروں سے زیادہ شفافیت کے مالک نہ ہوں گے۔

ان کے پاس حضرت موسیٰ ؑ کے ذریعے واضح معجزات آنے کے باوجود یہ لوگ گوسالہ پرستی جیسی ضلالت کی طرف چلے گئے، لہٰذا قرآن جیسا معجزہ آنے کے باوجود اس قسم کا مطالبہ کرنا یہودی مزاج کے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ ان کی پرانی عادت ہے۔

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ: گوسالہ پرستی پر جو دنیاوی سزا دی جا رہی تھی وہ معاف ہو گئی۔ سزا یہ تھی: فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ گوسالہ پرستوں کو قتل کرو۔

۱۵۵ تا ۱۶۱۔ ان آیات کا وسط کلام جملہ ہائے معترضہ کو نکالنے کے بعد اس طرح بنتا ہے: اس سبب سے کہ یہود نے عہد شکنی کی، آیات کا انکار کیا اور کہا کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں کہ ان پر غیر

إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ
بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾ وَّقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا
الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ
مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَ
إِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا
لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا
قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ ۗ وَ
كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ
الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾
فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ
طَيِّبٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا

کے سبب اللہ نے ان پر مہر لگا دی ہے اسی وجہ سے یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔☆ ﴿١٥٦﴾ نیز ان کے کفر کے سبب اور مریم پر عظیم بہتان باندھنے کے سبب۔☆ ﴿١٥٧﴾ اور ان کے اس قول کے سبب کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح بن مریم کو قتل کیا ہے، جبکہ فی الحقیقت انہوں نے نہ انہیں قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ (دوسرے کو) ان کے لیے شبیہ بنا دیا گیا تھا اور جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا وہ اس میں شک میں مبتلا ہیں، ظن کی پیروی کے علاوہ انہیں اس بارے میں کوئی علم نہیں اور انہوں نے یقیناً مسیح کو قتل نہیں کیا۔ ﴿١٥٨﴾ بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھایا اور بے شک اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿١٥٩﴾ اور اہل کتاب میں کوئی ایسا نہیں جو ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ (مسیح) ان پر گواہ ہوں گے۔☆ ﴿١٦٠﴾ یہود کے ظلم اور راہ خدا سے بہت روکنے کے سبب بہت سی پاک چیزیں جو (پہلے) ان پر حلال تھیں ہم نے ان پر حرام کر دیں۔ ﴿١٦١﴾ اور اس سبب سے بھی کہ وہ سود خوری

---

یہودی تعلیمات کا اثر نہیں ہوتا۔ حضرت مریم علیہا السلام پر عظیم بہتان باندھا اور کہا ہم نے مسیح کو قتل کیا، ظلم کا ارتکاب کیا، اکثر لوگوں کو راہ راست سے روکا، منع کے باوجود سود خوری کی، لوگوں کا مال ناحق کھایا۔ ان تمام باتوں کے سبب سے ہم نے ان پر بہت سی پاک چیزیں حرام کر دیں اور ان کے لیے ایک دردناک عذاب تیار کیا۔

١٥٨۔ موجودہ مسیحیت کا بنیادی عقیدہ "نظریۂ کفارہ" ہے کہ ابن اللہ نے یا خود اللہ نے سولی چڑھ کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے سب گنہگاروں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ یعنی بجائے اس کے کہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے کفارہ ادا کرتے خود اللہ نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر کفارہ ادا کیا (البتہ اپنے بیٹے کی شکل میں آ کر جو نظریہ وحدت در تثلیث کے تحت خود اللہ ہے) یہودی اور مسیحی دونوں اتفاق کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام قتل ہو گئے۔ اسلام کا موقف یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام قتل نہیں ہوئے:
☆ خود مسیحیوں کے ایک قدیم فرقے "سلیدیہ" کا بھی یہی نظریہ ہے کہ یسوع کی جگہ اشتباہاً "شمعون کرینی" کو سولی چڑھا دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسم و روح سمیت آسمان پر اٹھا لیا گیا۔☆ حضرت مسیح علیہ السلام کو سزائے موت سلطنت روم کی عدالت سے ملی۔ رومی اجنبی سپاہی مسیح علیہ السلام کو پہچانتے نہیں تھے، اس لیے ایک منافق "یہودا" کا سہارا لیا گیا۔ (انجیل ١٨: ٣) جب یہ پلٹن اور پیادے وہاں پہنچے تو یسوع نے ان سے پھر پوچھا: تم کسے ڈھونڈ رہے ہو؟ وہ بولے: یسوع ناصری کو۔ یسوع نے جواب دیا: میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ہی یسوع ہوں۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ رومی سپاہیوں کو مسیح علیہ السلام کی شناخت نہیں تھی۔
☆ انجیل برنابا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف زندہ اٹھانے کا واقعہ پوری صراحت کے ساتھ درج ہے۔

١٥٩۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے یہود بھی ان کی نبوت پر ایمان لائیں گے اور نصاریٰ بھی ان کے نبی ہونے، ابن نہ ہونے پر ایمان لائیں

وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ
مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ
الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ
اَجْرًا عَظِيْمًا ؑ ﴿۱۶۲﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ
اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَ
يُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ
زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ

کرتے تھے جبکہ اس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کے سبب سے بھی اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۶۲﴾ لیکن ان میں سے جو علم میں راسخ ہیں اور اہل ایمان ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور زکوٰۃ دینے والے ہیں اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو عنقریب ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔☆ ﴿۱۶۳﴾ (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف بھیجی، اور جس طرح ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اولاد یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف (وحی بھیجی) اور داؤد کو ہم نے زبور دی۔☆ ﴿۱۶۴﴾ ان رسولوں پر (وحی بھیجی) جن کے حالات کا

گے۔ جو اہل کتاب نزول عیسیٰؑ سے پہلے مر جائیں گے، وہ مرنے کے بعد ایمان لائیں گے اور نزول عیسیٰؑ کے وقت کے لوگ بھی ان پر ایمان لائیں گے۔ صحیح بخاری باب نزول عیسیٰ میں آیا ہے: کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم نزول کریں گے تو تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ امام مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے۔

۱۶۲۔ اہل کتاب کا حضورؐ سے یہ مطالبہ کہ آپؐ ان کے لیے آسمان سے ایک کتاب اتار لائیں، ایک جاہلانہ اور معاندانہ مطالبہ ہے۔ ورنہ جو علم میں پختہ ہیں اور ایماندار ہیں وہ ایسے نامعقول مطالبے نہیں کرتے، بلکہ وہ آپؐ اور سابقہ انبیاء کی تعلیمات پر ایمان لاتے ہیں۔ چونکہ انہیں معلوم ہے کہ رسالت مآبؐ کی تعلیمات میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو انبیائے سلف کی تعلیمات و معجزات سے متصادم ہو۔

۱۶۳۔ اہل کتاب کے نامعقول مطالبے کا جواب جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمدؐ پر وحی کا نزول سابقہ انبیاء کا تسلسل ہے۔ یہ کوئی انوکھی چیز نہیں ہے، جو کبھی پہلے دیکھنے میں نہ آئی ہو بلکہ یہ سنت الٰہی ہے کہ اس نے یکے بعد دیگرے انبیاء بھیجے۔

۱۶۴۔ یعنی اس سورے سے پہلے نازل ہونے والی مکی سورتوں میں جن انبیاء کا ذکر آیا ہے، ان کے علاوہ وہ انبیاء جن کا ذکر باقی سورتوں میں آیا ہے اور وہ انبیاء جن کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف ایک نبی بھیجا ہے۔ قرآن میں تقریباً ۲۶ انبیاء کا صریحاً ذکر ہے اور بعض انبیاء کا نام لیے بغیر اشارۃً ذکر فرمایا ہے۔ اکثر روایات

مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ
وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا
مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ
عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ
اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ
يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ
لَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۙ﴿١٦٨﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ

ذکر ہم پہلے آپ سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کے حالات کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے تو خوب باتیں کی ہیں۔☆ ﴿١٦٥﴾ (یہ سب) بشارت دینے والے اور تنبیہ کرنے والے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کسی حجت کی گنجائش نہ رہے اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿١٦٦﴾ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ جو کچھ اس نے آپ پر نازل کیا ہے وہ اپنے علم سے نازل کیا ہے اور ساتھ فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہی کے لیے تو اللہ ہی کافی ہے۔☆ ﴿١٦٧﴾ بے شک جنہوں نے کفر اختیار کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روگردان کیا یقیناً وہ گمراہی میں دور تک نکل گئے۔ ﴿١٦٨﴾ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور ظلم کرتے رہے اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ہی ان کی راہنمائی کرے گا۔ ﴿١٦٩﴾ سوائے راہ جہنم کے جس میں وہ ابد تک ہمیشہ رہیں گے اور یہ کام اللہ کے لیے نہایت سہل ہے۔ ﴿١٧٠﴾ اے لوگو! یہ رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے

کے مطابق انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، جن میں سے تین سو تیرہ مرسل اور پانچ اولو العزم ہیں۔ حضرت نوح، حضرت ابراھیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔

۱۶۵۔ اللہ تعالیٰ حجت پوری کرنے سے پہلے کسی سے مؤاخذہ نہیں کرتا اور یہ ایک عقلی قاعدہ ہے کہ کسی بات کا حکم جاری کیے بغیر اس کے بارے میں باز پرس نہیں ہوسکتی۔ اگر خادم سے یہ نہ کہا جائے کہ پانی دے دو تو پانی نہ دینے پر اس سے باز پرس نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ نبوت کی ضرورت اسی اصول اور قاعدے کے تحت ہے۔ اگر انبیاء کے ذریعے حجت پوری نہ ہوئی ہوتی تو لوگوں کو یہ بات کرنے کا حق حاصل ہو جاتا: رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ (طٰہٰ: ۱۳۴) ہمارے رب! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے؟

۱۶۶۔ اللہ نے اس وقت کے تاریک معاشرے میں ایک ایسے شخص کو اپنے علم سے مالا مال کیا جس نے کسی انسانی مکتب میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ اس نے اللہ کی طرف سے ایک ایسا دستور حیات پیش کیا جس کی مثال پیش کرنے سے تمام انسان عاجز ہیں۔ لہٰذا یہ علم یہ قرآن اور یہ جامع نظام حیات اللہ کی جانب سے گواہی ہے کہ یہ رسول برحق ہیں۔

۱۷۰۔ رسول اللہ ﷺ کی حقانیت پر دلیل دینے کے بعد روئے سخن اہل کتاب سے عامۃ الناس کی طرف ہوگئی کہ اس رسول برحق پر ایمان لانے میں خود تمہاری بھلائی ہے اگر کفر کرو تو خود تمہارا نقصان ہے تم کفر کرکے اللہ کی حکومت سے فرار نہیں کر سکتے تم چاہو یا نہ چاہو اللہ کی مملکت میں ہو۔

الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ قف وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۳ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ

وقف لازم

کر تمہارے پاس آئے ہیں پس تمہارے حق میں بہتر ہے کہ تم (ان پر) ایمان لے آؤ اور اگر تم کفر اختیار کرو تو (جان لو کہ) آسمانوں اور زمین کی موجودات کا مالک اللہ ہے اور اللہ بڑا علم رکھنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۱۷۱﴾ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہو، بے شک مسیح عیسیٰ بن مریم تو اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم تک پہنچا دیا اور اس کی طرف سے وہ ایک روح ہیں، لہٰذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور یہ نہ کہو کہ تین ہیں، اس سے باز آ جاؤ اس میں تمہاری بہتری ہے، یقیناً اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے، اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، آسمانوں اور زمین میں موجود ساری چیزیں اسی کی ہیں اور کارسازی کے لیے اللہ کافی ہے۔☆ ﴿۱۷۲﴾ مسیح نے کبھی بھی اللہ کی بندگی کو عار نہیں سمجھا اور نہ ہی مقرب فرشتے (اسے عار سمجھتے ہیں) اور جو اللہ کی بندگی کو عار سمجھتا ہے اور

۱۷۱۔ حضرت مسیح کے بارے میں قرآن کا مؤقف یہ ہے کہ حضرت مسیح اللہ کا کلمہ اور روح ہیں۔ جب اللہ ظاہری علل و اسباب سے ہٹ کر ایک تخلیقی عمل صرف اپنے ارادے سے انجام دیتا ہے تو اسے کلمہ کہتے ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ ؑ کی خلقت کے لیے باپ کی جگہ کلمہ کُن علت ہے اس لیے انہیں کلمہ کہتے ہیں۔ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ، اللہ کی روح یعنی یہ نسبت صرف شرف کے لیے ہے، جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ وغیرہ۔

وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَۃٌ: مسیحی، اناجیل کی صریح تعلیمات کی بنا پر خدائے واحد کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے۔ دوسری طرف وہ روح القدس اور مسیح ؑ کو بھی خدا مانتے ہیں۔ اس طرح وہ تین خداؤں کے بھی قائل ہیں۔ وہ توحید کے ساتھ تثلیث اور تثلیث کے ساتھ توحید کا عقیدہ رکھتے ہیں اور لاینحل تضادات کے ایک سلسلے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ خدا تین بھی ہیں اور ایک بھی اور اس کی تشریح میں ان میں فرقہ بندیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ کہتے ہیں اللہ جوهر ہونے کے اعتبار سے ایک ہے اور اقانیم ہونے کے اعتبار سے تین۔ وہ "وجود"، "حیات" اور "علم" کو اقانیم کہتے ہیں اور وجود کو باپ، علم کو بیٹا اور حیات کو روح القدس کہتے ہیں۔ آگے وہ جوهر اور اقانیم کے درمیان تعلق کی نوعیت میں اختلاف کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔

۱۷۲۔ مسیحی تعلیمات اور اناجیل کی آیات سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ؑ خود خدا نہیں ہیں اور نہ خدا کا حصہ ہیں۔ کیونکہ خدا یا خدا کا کوئی حصہ خود اپنی عبادت نہیں کر سکتا۔ بعض

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ

تکبر کرتا ہے اللہ ان سب کو (ایک دن) اپنے سامنے جمع کرے گا۔☆ ﴿١٧٢﴾ پھر ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجالانے والوں کو اللہ ان کا پورا اجر دے گا اور انہیں اپنے فضل سے مزید عطا کرے گا اور جن لوگوں نے (عبادت کو) عار سمجھا اور تکبر کیا انہیں اللہ دردناک عذاب دے گا اور وہ اپنے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی سرپرست اور نہ کوئی مددگار پائیں گے۔☆ ﴿١٧٣﴾ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا ہے۔☆ ﴿١٧٤﴾ لہٰذا جو اللہ پر ایمان لے آئیں اور اس سے متمسک رہیں تو وہ جلد ہی انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ دکھائے گا۔ ﴿١٧٥﴾ لوگ آپ سے (کلالہ کے بارے میں) دریافت کرتے ہیں، ان سے کہہ دیجیے: اللہ کلالہ کے بارے میں تمہیں یہ حکم دیتا ہے:

مشرکین کا یہ خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لیے ضمناً یہاں اس مشرکانہ نظریے کی رد کے طور پر فرشتوں کی عبادت کا بھی ذکر کیا گیا۔

۱۷۳۔ اس آیت میں ایک نکتہ قابل توجہ ہے۔ وہ یہ کہ ایمان و عمل صالح کے پورے پورے اجر و ثواب کے علاوہ یہ خوشخبری اور نوید رحمانی سنائی گئی: وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے ان کو مزید اجر و ثواب عنایت فرمائے گا۔ مزید کس قدر اجر عطا فرمائے گا؟ اس کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی۔

۱۷۴۔ بُرْهَانٌ: دلیل و حجت میں سے اس دلیل کو برھان کہتے ہیں جو ناقابل تردید ہو۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین پر رسالتمآب ﷺ کی رسالت کی حقانیت پر روشنی ڈالنے کے بعد پوری انسانیت سے خطاب فرمایا: تمہاری طرف اللہ کی جانب سے ایک ناقابل تردید دلیل آ گئی ہے۔ برھان سے مراد رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ہی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ محمد ﷺ نے ایک ایسے معاشرے میں آنکھ کھولی جو علم و تمدن سے بالکل بے بہرہ تھا۔ اس زمانے میں یونان، مصر، عراق، ایران اور ہندوستان میں علمی مراکز موجود تھے اور تمدن بھی تھا، لیکن حجاز تو تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس معاشرے میں ایک شخص، ایک ایسا انسان ساز دستور حیات لے کر آتا ہے جس کی مثال پیش کرنے سے تمام انسان قاصر ہیں۔ یہ ذات خود اپنی جگہ ایک برھان ہے۔ اور نور مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔ جس نے انسانیت کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم و تمدن کی روشن دنیا سے متعارف کرایا اور ساتھ روحانی امن و سکون کے عوامل سے روشناس کرایا۔

۱۷۶۔ الْكَلٰلَةِ: باپ اور اولاد کے علاوہ جو وارث ہو وہ

لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ١٧٦ ع

اگر کوئی مرد مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اسے (بھائی کے) ترکے سے نصف حصہ ملے گا اور اگر بہن (مر جائے اور اس) کی کوئی اولاد نہ ہو تو بھائی کو بہن کا پورا ترکہ ملے گا اور اگر بہنیں دو ہوں تو دونوں کو (بھائی کے) ترکے سے دو تہائی ملے گا اور اگر بھائی بہن دونوں ہیں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، اللہ تمہارے لیے (احکام) بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔☆

## ٥ سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ١١٢

اٰياتها ١٢٠ ۔ رکوعاتها ١٦

سورۂ مائدہ۔ مدنی۔ آیات ١٢٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ڛ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ١ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ

(المنزل ٢)

(١) اے ایمان والو! عہد و پیمان پورا کیا کرو، تمہارے لیے چرنے والے مویشی حلال کیے گئے ہیں سوائے ان کے جو (آیندہ) تمہیں بتا دیے جائیں گے مگر حالت احرام میں شکار کو حلال تصور نہ کرو، بیشک اللہ جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔☆ (٢) اے ایمان والو! تم اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانور

کلالہ ہے۔ مرنے والے کے پسماندگان میں صرف ایک بہن ہو تو جو باپ کی طرف سے یا ماں باپ دونوں کی طرف سے ہو تو اس بہن کو نصف حصہ فرضاً ملے گا، باقی حصہ فقہ جعفری کے مطابق اسی بہن کو رداً ملے گا۔ بعض اہل سنت کے مطابق باقی حصہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

تعصیب یعنی قریب کی موجودگی میں بعید کو وارث بنانا۔ ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری تفسیر کا مطالعہ کریں۔

### سورہ مائدہ

یہ سورہ رسول کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں نازل ہوا۔ اس لیے اس سورے کی آیات ناسخ ہیں، منسوخ نہیں ہیں۔ یہ سورہ اس وقت نازل ہوا جب رسول کریم ﷺ ایک اسلامی حکومت کی تاسیس، ایک امت کی تربیت، ایک معاشرے کا قیام اور ایک دستور حیات پیش کر چکے تھے۔

ا۔ یہاں عہد و پیمان کا اطلاق ہر قسم کے عہد و پیمان پر ہوتا ہے جو ہر انسان اور ہر قوم کو اپنی اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ اگر کسی معاشرے میں عہد و پیمان کی پابندی ضروری نہ ہو، وہاں عدل و انصاف ملنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ انسان کے مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے انفرادی زندگی گزارنا اس کے لیے ناممکن ہے اور اجتماعی زندگی انہیں معاہدوں سے عبارت ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ خرید و فروخت، مناکحہ اور مصالحت وغیرہ کے لیے عہد و پیمان باندھتے ہیں۔ اس قسم کے تمام معاہدے قرآن کی رو سے واجب الوفا ہیں، خواہ وہ عہد فرد کا فرد کے ساتھ ہو یا ایک قوم کا کسی قوم کے

الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ
آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ
فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ
اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ
تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪
وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَ
اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ
لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ
وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا
ذَكَّيْتُمْ ۟ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ

کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے باندھ دیے جائیں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں بیت الحرام کی طرف جا رہے ہوں، ہاں! جب تم احرام سے باہر آ جاؤ تو شکار کر سکتے ہو اور جن لوگوں نے تمھیں مسجد الحرام جانے سے روکا تھا کہیں ان کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم بھی (ان پر) زیادتیاں کرنے لگو اور (یاد رکھو) نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی (کے کاموں) میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرو، اللہ کا عذاب یقینا بہت سخت ہے۔☆ (٣) تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون، سور کا گوشت اور (وہ جانور) جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو اور وہ جو گلا گھٹ کر اور چوٹ کھا کر اور بلندی سے گر کر اور سینگ لگ کر مر گیا ہو اور جسے درندے نے کھایا ہو سوائے اس کے جسے تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو اور جسے تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور جوئے کے تیروں کے ذریعے تمھارا تقسیم کرنا (بھی حرام ہے)، یہ سب

ساتھ۔ حتیٰ اگر مسلمان کافروں کے ساتھ بھی کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرنا ضروری ہے۔

٢۔ شَعَآئِرَ: ہر چیز جو کسی مسلک و مذہب کی عظمت کی تاریخ سے وابستہ ہو اور اس میں اس نظریے کی پہچان ہو۔ اس اعتبار سے حرمت والے مہینے رجب، ذو القعدہ، ذو الحجۃ اور محرم اسلامی شعائر میں شامل ہیں، جن میں ہر قسم کی جنگ کرنا حرام ہے۔ اسی طرح قربانی کے لیے جو جانور پیش کیا جاتا ہے وہ بھی شعائر اللہ میں شامل ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ: کفار کی طرف سے مسجد الحرام کا راستہ بند کرنے کا غصہ کہیں اس بات کا محرک نہ بنے کہ تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو اور ان پر تم راستہ بند کر دو۔

٣۔ کچھ حضرات نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ ان احکام کے بیان سے اسلامی احکام کا بیان مکمل ہوا اور اس کے بعد کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ یہ مؤقف بھی اس لیے درست نہیں کیونکہ بخاری کی روایت کے مطابق آخری حکم آیہ ربا ہے اور بعض کے نزدیک آیہ کلالہ ہے اور دیگر بعض احکام اس آیت کے نزول کے بعد نازل ہوئے ہیں۔

حقیقت امر یہ ہے کہ کفار نے دین اسلام کی دعوت کو پھیلنے سے روکنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا لیکن انہیں ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، ان کی آخری امید یہ تھی یہ دین اس کے بانی کے جانے سے ختم ہو جائے گا اور یہ دعوت اس کے داعی کی موت سے مٹ جائے گی کیونکہ اس کی کوئی اولاد نرینہ بھی نہیں ہے اور بہت سے سلاطین اور شان و شوکت والے بادشاہان کے موت کے منہ میں جانے کے بعد ان کے نام و نشان مٹ گئے اور ان کے قبر میں جاتے ہی ان کی حکومتوں کو زوال آیا اور

اَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ؕ ذٰلِكُمۡ فِسۡقٌ ؕ اَلۡيَوۡمَ يَئِسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ دِيۡنِكُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِ ؕ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ؕ فَمَنِ اضۡطُرَّ فِىۡ مَخۡمَصَةٍ غَيۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳﴾ يَسۡـئَلُوۡنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمۡ ؕ قُلۡ اُحِلَّ لَـكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَـوَارِحِ مُكَلِّبِيۡنَ تُعَلِّمُوۡنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَكۡنَ عَلَيۡكُمۡ وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴﴾ اَلۡيَوۡمَ اُحِلَّ لَـكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ

فسق ہیں، آج کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں، پس تم ان (کافروں) سے نہیں مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا، پس جو شخص گناہ کی طرف مائل ہوئے بغیر بھوک کی وجہ سے (ان حرام چیزوں سے پرہیز نہ کرنے پر) مجبور ہو جائے تو اللہ یقینا بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔☆ ﴿۳﴾ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے؟ کہد یجیے: تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور وہ شکار بھی جو تمہارے لیے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جنہیں تم نے سدھا رکھا ہے اور انہیں تم شکار پر چھوڑتے ہو جس طریقے سے اللہ نے تمہیں سکھایا ہے اس کے مطابق تم نے انہیں سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لیے پکڑیں اسے کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ یقینا بہت جلد حساب لینے والا ہے۔☆ ﴿۴﴾ آج تمہارے لیے

---

جب رسول اللہ ﷺ نے بحکم خدا اپنے بعد اس دین کے محافظ کا تعارف کرایا تو اس دین کے لیے بقا کی ضمانت فراہم ہو گئی اور بقول صاحب المیزان "یہ دین مرحلہ وجود سے مرحلہ بقا میں داخل ہو گیا۔" یہاں سے کافر مایوس ہو گئے کہ یہ رسالت ایک فرد کے ساتھ منحصر نہ رہی، اب یہ دعوت ایک شخص کے مرنے سے نہیں مرتی۔

امامیہ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ غدیر خم کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضرت علی ؑ کی ولایت کے اعلان کے موقع پر نازل ہوئی۔ چنانچہ اصحاب رسول ﷺ میں سے اس کے راوی درج ذیل ہیں: ۱۔ زید بن ارقم (طبری: الولایۃ) ۲۔ ابو سعید خدری (حافظ ابن مردویہ تفسیر ابن کثیر ۲: ۱۴) ۳۔ ابو ہریرہ (تفسیر ابن کثیر ۲: ۱۴) ۴۔ جابر بن عبد اللہ انصاری (نطنزی۔ الخصائص)

۴۔ اس آیت اور دوسری متعدد آیات سے ان تمام چیزوں میں صرف پاک چیزیں حلال قرار دی ہیں۔ اس سے تمام چیزوں کی جگہ تمام پاک چیزیں حلال ہو گئیں۔ پاک ہونے کی قید سے حلال چیزوں کا دائرہ تنگ ہو گیا۔ اب یہ سوال باقی رہا کہ پاک چیزوں کو ہم کیسے سمجھیں؟ جواب یہ ہے کہ اول تو ذوق سلیم اور فطری نظافت کے مطابق چیزیں پاک اور حلال ہیں۔ دوم یہ کہ شاید ہر جگہ ذوق سلیم اور فطری پاکیزگی بھی فیصلہ کرنے سے معروضی حالات کی وجہ سے قاصر رہے تو یہاں خود شریعت سے مدد لی جائے گی۔ چونکہ شرعی نصوص میں بھی حیوانات پرندے اور آبی حیوانات کے بارے میں کلیے قائم کیے گئے ہیں، جن کے مطابق پاک اور خبیث چیزوں میں تمیز ہو سکتی ہے۔

وَطَعَامُ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حِلٌّ لَّـكُمۡ ۖ
وَطَعَامُكُمۡ حِلٌّ لَّهُمۡ‌ ۖ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ
الۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِيۡنَ
اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ
اُجُوۡرَهُنَّ مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ وَلَا
مُتَّخِذِىۡۤ اَخۡدَانٍ‌ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ
فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ‌ ۖ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ
مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝۵ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا
اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا
وُجُوۡهَكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا
بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡـكَعۡبَيۡنِ‌ ؕ وَاِنۡ
كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا‌ ؕ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَوۡ
عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ

تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاکدامن مومنہ عورتیں نیز جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ان کی پاکدامن عورتیں بھی (حلال کی گئی ہیں) بشرطیکہ ان کا مہر دے دو اور ان کی عفت کے محافظ بنو، چوری چھپے آشنائیاں یا بدکاری نہ کرو اور جو کوئی ایمان سے منکر ہو، یقینا اس کا عمل ضائع ہو گیا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔☆ ⑥ اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لیا کرو نیز اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرو، اگر تم حالت جنابت میں ہو تو پاک ہو جاؤ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا (ہمبستری کی) ہو پھر تمہیں پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمم کرو پھر اس سے تم اپنے چہروں اور

وَمَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَوَارِحِ: وہ شکار بھی حلال ہے جو تمہارے سدھائے ہوئے شکاری جانوروں نے پکڑا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سدھائے ہوئے کتے کو تم نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا اور اس نے حلال گوشت جانور کو پکڑ لیا اور تمہارے ہاتھ آنے سے پہلے وہ جانور مر گیا تو وہ تمہارے لیے حلال ہے اور یہی ذبح شرعی شمار ہو گا۔ فقہ جعفری کے مطابق یہ خصوصیت اور یہ حکم صرف کتے کے پکڑے ہوئے شکار کے لیے ہے، دوسرے شکاری پرندوں کے پکڑے ہوئے شکار اگر زندہ ہاتھ میں آ جائیں اور ذبح شرعی ہو جائے تو حلال ہیں، ورنہ حرام ہیں اور اس پر ائمہ علیہم السلام کی احادیث کے ساتھ خود آیت کے لفظ مُكَلِّبِيۡنَ دلیل ہے۔ کیونکہ مکلب کتے کو شکار کی تعلیم دینے کو کہتے ہیں، لہٰذا آیت کی رو سے بھی یہ حکم صرف تربیت یافتہ کتے کے ساتھ مخصوص ہے۔

۵۔ اہل کتاب کا طعام حلال ہے جس میں ان کا ذبیحہ بھی شامل ہے۔ اکثر غیر امامیہ ان کے ذبیحہ کو حلال کہتے ہیں۔ فقہ جعفری کے نزدیک ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ باقی طعام میں فقہ جعفری کے فقہاء کے دو نظریے ہیں۔ ایک یہ کہ اہل کتاب نجس ہیں، لہٰذا اگر مرطوب کھانے کو اہل کتاب نے ہاتھ لگایا ہو تو وہ نجس ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اہل کتاب پاک ہیں، ذبیحہ کے علاوہ ان کے باقی طعام حلال ہیں۔

۶۔ "ہاتھ" کہنے سے معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں تک دھونا ہے، کیونکہ کلائی تک کو بھی ہاتھ کہا جاتا ہے۔ اس لیے حد کو بیان کیا کہ کہنیوں تک دھونا ہے، نہ زیادہ نہ کم۔ لہٰذا یہ مغسول کی حد بندی ہے، غسل (دھونے) کی نہیں۔ یہاں دھونے کی ابتداء اور

اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ ؕ مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّلٰكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿٦﴾ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمِيۡثَاقَهُ الَّذِيۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ۫ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿٨﴾ وَعَدَ

ہاتھوں کا مسح کرو، اللہ تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک اور تم پر اپنی نعمت مکمل کرنا چاہتا ہے شاید تم شکر کرو۔☆ ﴿٧﴾ اور اس نعمت کو یاد کرو جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہے اور اس عہد و پیمان کو بھی جو اللہ نے تم سے لے رکھا ہے، جب تم نے کہا تھا: ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔ ﴿٨﴾ اے ایمان والو! اللہ کے لیے بھرپور قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہاری بے انصافی کا سبب نہ بنے، (ہر حال میں) عدل کرو! یہی تقویٰ کے قریب ترین ہے اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔☆ ﴿٩﴾ اللہ نے ایمان والوں اور نیک اعمال بجالانے والوں

انتہا کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا تعین سنت سے ہوتا ہے۔ وامسحوا برؤسکم یعنی پورے سر کا نہیں ایک حصے کا مسح کرو۔ روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: ایک حصہ کہاں سے سمجھا جاتا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: لمکان الباء یعنی باء سے جو رؤسکم میں ہے۔ آیت کا ذمہ دار ترجمہ یہ بنتا ہے: مسح کرو اپنے سروں کا اور اپنے پاؤں کا بھی ٹخنوں تک۔ اس جملے کی دو قرائتیں ہیں: ارجلکم میں لام پر زبر اور زیر کے ساتھ۔ دونوں قرائتوں کی بنا پر رؤسکم کے محل یا لفظ پر عطف ہے۔ لہٰذا دونوں قرائتوں کی بنا پر مسح رجلین ثابت ہے۔ چنانچہ صاحب تفسیر المنار کہتے ہیں: و الظاهر انه عطف علی الرأس ای وامسحوا بارجلکم الی الکعبین۔ اسی لیے ابن حزم اور طحاوی کو یہ موقف اختیار کرنا پڑا کہ مسح کا حکم منسوخ ہوا ہے۔ (المنار ۶: ۲۲۸)

غیر امامیہ کے ہاں مسح علی الخفین ایک مسلمہ امر ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ اصحاب نے کہا: ہم نے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسح علی الخفین کرتے دیکھا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: نزول سورہ مائدہ سے پہلے دیکھا یا بعد میں؟ انہوں نے کہا: یہ ہم نہیں جانتے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ولکننی ادری "لیکن میں جانتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزوں پر مسح کرنا سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد ترک کر دیا تھا۔"

۸۔ متعدد آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام عدل و انصاف کو بنیادی انسانی حقوق میں سے قرار دیتا ہے۔ اس میں مذہب، نسل وغیرہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم ملا ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی عدل و انصاف سے

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٩ وَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
الْجَحِيْمِ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ
يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ
عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
ع الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ
بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ
عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ
اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ
بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ
قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ

سے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔
☆ ⑩ اور جنہوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیات کو
جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔ ☆ ⑪ اے ایمان والو! اللہ کا یہ
احسان یاد رکھو کہ جب ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا
ارادہ کیا تو اللہ نے تمہاری طرف (بڑھنے والے) ان کے
ہاتھ روک دیے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو تو اللہ ہی
پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ ☆ ⑫ اور اللہ نے بنی اسرائیل سے
عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ نقیبوں کا تقرر کیا اور اللہ
نے (ان سے) کہا: میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز
قائم کی اور زکوۃ ادا کی اور اگر تم میرے رسولوں پر ایمان لاؤ
اور ان کی مدد کرو اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہو تو میں
تمہارے گناہوں کو تم سے ضرور دور کر دوں گا اور تمہیں ایسے
باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی،

پیش آیا کرو۔ کیونکہ جہاں وہ دشمن ہے وہاں انسان بھی ہے، بلکہ پہلے انسان اور بعد میں دشمن ہے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: اما اخ لک فی الدین و اما نظیر لک فی الخلق۔ (نہج البلاغۃ) یا تو وہ تمہارا برادر دینی ہے یا تجھ جیسی مخلوق۔

۹۔۱۰۔ اگر ایمان کے ساتھ عمل صالح انسان بجا لاتا ہے اور اس کے ساتھ گناہ کا بھی ارتکاب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مغفرت اور درگزر فرمائے گا اور اجر عظیم بھی عنایت فرمائے گا اور اگر تکذیب آیات کے ساتھ کفر اختیار کرتا ہے تو انہیں ضرور جہنم میں جانا ہے۔ اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اگر ایک شخص کفر کرتا ہے، لیکن تکذیب آیات کی نوبت نہیں آتی، مثلاً وہ اسلام سے بالکل بے خبر ہے اور اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اس کے لیے ناممکن تھا تو ایسے لوگ کافر ضرور ہیں مگر تکذیب آیات کی نوبت نہیں آئی۔ ایسے لوگوں کو مستضعف کہتے ہیں اور یہ لوگ جہنمی نہیں ہیں۔

۱۱۔ یہ آیت کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول خدا ﷺ اور مسلمانوں کو دشمن کی ایک اہم اور خطرناک سازش سے بچایا۔ اس سلسلہ میں کئی ایک واقعات نقل کرتے ہیں اور شان نزول ان میں سے کون سا واقعہ ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

اسلام کی نشو و نما میں پیش آنے والے حالات و تاریخ بیان کرنے کے ساتھ یہ عندیہ بھی ملتا ہے کہ راہ خدا میں خالصانہ کام کرنے والوں کے خلاف ہونے والی تمام سازشیں ناکام ہو جاتی ہیں۔

۱۲۔ بنی اسرائیل ۱۲ قبیلوں پر مشتمل تھا۔ ہر قبیلے کے لیے ایک نقیب مقرر کیا گیا تھا جو اپنے اپنے قبیلے کے

لَاُدۡخِلَنَّكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ‌ ۚ فَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ وَجَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِيَةً‌ ۚ يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ‌ ۙ وَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ‌ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآٮِٕنَةٍ مِّنۡهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاصۡفَحۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَهُمۡ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ ۖ فَاَغۡرَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ وَسَوۡفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَهۡلَ

پھر اس کے بعد تم میں سے جس کسی نے بھی کفر اختیار کیا بتحقیق وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔☆ ⑬ پس ان کے عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت بھیجی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا، یہ لوگ (کتاب اللہ کے) کلمات کو اپنی جگہ سے الٹ پھیر کر دیتے ہیں اور انہیں جو نصیحت کی گئی تھی وہ اس کا ایک حصہ بھول گئے اور آئے دن ان کی کسی خیانت پر آپ آگاہ ہو رہے ہیں البتہ ان میں سے تھوڑے لوگ ایسے نہیں ہیں، لہٰذا ان سے درگزر کیجیے اور معاف کر دیجیے، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔☆ ⑭ اور ہم نے ان لوگوں سے (بھی) عہد لیا تھا جو کہتے ہیں: ہم نصاریٰ ہیں پس انہوں نے (بھی) اس نصیحت کا ایک حصہ فراموش کر دیا جو انہیں کی گئی تھی، تو ہم نے قیامت تک کے لیے انکے درمیان بغض و عداوت ڈال دی اور جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اللہ عنقریب انہیں جتا دے گا۔☆

حالات پر نظر رکھے۔ بائبل سے بھی یہی تعداد سامنے آئی ہے کہ ان نقیبوں یا سرداروں کی تعداد بارہ تھی۔

وَاٰمَنۡتُمۡ بِرُسُلِیۡ: رسولوں پر ایمان اور ان کی نصرت سے مراد حضرت موسیٰ ؑ کے بعد آنے والے رسولوں پر ایمان اور ان کی مدد ہے۔

۱۳۔ لعن دور کر دینے کے معنوں میں ہے یعنی رحمت سے دور۔

قٰسِیَۃً: پتھر کی سختی سے ماخوذ ہے۔ وہ اہم حصہ جو بنی اسرائیل نے فراموش کر دیا، خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت پر ایمان اور ان کی نصرت ہے۔ سابقہ آیت میں اس بات کا ذکر آچکا ہے۔

۱۴۔ حضرت عیسیٰ ؑ کی تعلیمات کا اہم حصہ باہمی امن و آشتی اور محبت و ہم آہنگی تھا۔ لیکن جب نصاریٰ نے اللہ کی طرف سے کی گئی نصیحتوں کو فراموش کر دیا تو نتیجۃً اللہ نے ان کے دلوں سے خود ان کی اپنی شامت اعمال کی وجہ سے جذبۂ محبت کو ختم کر کے اس کی جگہ باہمی عداوت و دشمنی ڈال دی۔

یہود و نصاریٰ پر اللہ کی نعمت، ان کے ساتھ عہد و میثاق کا ذکر کرنے سے پہلے خود مسلمانوں پر اللہ کا جو احسان ہوا ہے، اس کا ذکر کیا، تاکہ مسلمان یہ سمجھ لیں کہ اللہ کی کائناتی سنت کیا ہے۔ وہ قومیں جو اللہ کی نعمتوں کے بارے میں ناشکری کی مرتکب ہوئی ہیں اور اللہ کے عہد و پیمان کے بارے میں بدعہدی کرتی ہیں ان کا انجام کیا ہوتا ہے، مسلمانوں کے لیے اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔

۱۵۔۱۶۔ اہل کتاب کے علماء نے دینی کتابوں میں جو تحریف و تبدیلی کی ہے، اس کے سلسلے میں اس سے قبل مختلف مقامات پر تفصیل سے گفتگو ہوئی۔ اس آیت میں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ

الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ
كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ
وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ
اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ
فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ
يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ
وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ

(١٥) اے اہل کتاب ہمارے رسول تمہارے پاس کتاب (خدا) کی وہ بہت سی باتیں تمہارے لیے کھول کر بیان کرنے کے لیے آئے ہیں جن پر تم پردہ ڈالتے رہے ہو اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتے ہیں، بتحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے۔☆ (١٦) جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو امن و سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور وہ اپنے اذن سے انہیں ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور انہیں راہ راست کی رہنمائی فرماتا ہے۔☆ (١٧) بتحقیق وہ لوگ کافر ہو گئے جو کہتے ہیں: عیسیٰ بن مریم ہی خدا ہے، ان سے کہد یجیے: اللہ اگر مسیح بن مریم، ان کی ماں اور تمام اہل زمین کو ہلاک کر دینا چاہے تو اس کے آگے کس کا بس چل سکتا ہے؟ اور اللہ تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔☆ (١٨) اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: ہم

---

کہ رسول کریم ﷺ ایک ناخواندہ قوم سے تعلق رکھنے اور کسی انسانی مکتب میں تعلیم حاصل نہ کرنے کے باوجود اور باوجود اس کے کہ حجاز میں کبھی بھی کوئی تعلیمی مرکز نہ رہا اور اس ماحول میں تعلیم کا کوئی ذریعہ ہی نہ تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود یہ رسول توریت و انجیل کی جو باتیں ان کے علماء چھپاتے تھے، انہیں کھول کر توریت و انجیل کے حوالے سے بیان فرماتے تھے۔ اسی لیے بہت سے علمائے اہل کتاب نے ایمان قبول کیا کہ انہیں یقین حاصل ہو گیا کہ ان باتوں پر علم حاصل کرنے کا کوئی دنیاوی ذریعہ محمد ﷺ کے پاس نہ تھا، نہ اب ہے، اس کے باجود ان تمام باتوں کی صحیح نشاندہی کرتے ہیں جنہیں یہ لوگ چھپاتے تھے۔ یہ رسول کی رسالت کی حقانیت پر ایک بین دلیل ہے۔

١٧۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں مسیحیوں کے نظریات ٹوٹتے بنتے رہے مثلاً ☆ اللہ نے مسیح میں حلول فرمایا۔ اس طرح مسیح ہی خدا ہے۔ ☆ مسیح تین خداؤں میں سے ایک ہے اور ابن کے مقام پر فائز ہے۔ ☆ وہ انسان بھی ہے اور خدا بھی۔ وہ اللہ سے جدا بھی ہے اور اس میں شامل بھی۔ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ یعنی اللہ کے آگے کس کا بس چل سکتا ہے؟ چنانچہ انجیل متی ٢٧: ٤٦ میں آیا ہے کہ جب مسیح سولی چڑھ رہے تھے تو انہوں نے فرمایا: خدایا خدایا تو نے مجھے اس حال پر کیوں چھوڑا؟

١٨۔ یہ بات یہودیوں میں ایک مسلمہ ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ موجودہ بائبل ٤: ٢٢ میں آیا ہے کہ خداوند نے فرمایا: اسرائیل میرا بیٹا بلکہ پلوٹھا ہے۔ مسیحی بھی اپنے آپ کو فرزند خدا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ انجیل متی ٥: ٩ اور ٨: ١٤ میں آیا ہے۔

الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؗ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۹﴾ ع وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾ یٰقَوْمِ

اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، کہہ دیجیے: پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم بھی اس کی مخلوقات میں سے بشر ہو، وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان موجود ہے سب پر اللہ کی حکومت ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔☆ (۱۹) اے اہل کتاب! ہمارے رسول بیان (احکام) کے لیے رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت تک بند رہنے کے بعد تمہارے پاس آئے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا نہیں آیا، پس اب تمہارے پاس وہ بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔☆ (۲۰) اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو جو اس نے تمہیں عنایت کی ہے، اس نے تم میں انبیاء پیدا کیے، تمہیں بادشاہ بنا دیا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو اس نے عالمین میں کسی کو نہیں دیا۔☆ (۲۱) اے میری قوم! اس

۱۹۔ فَتْرَۃٍ: فتور، ماند پڑنے کے معنوں میں ہے اور اسی سے کسی سلسلے کے منقطع ہونے کے لیے بھی فترۃ استعمال ہوتا ہے۔

وہ رسول آ گیا جس کی آمد کی بشارت توریت اور انجیل نے دی ہے۔ تحریف و تغییر کے باوجود آج کل کے نسخوں میں بھی مختلف مقامات پر اس بشارت کی گواہی مل جاتی ہے۔

چونکہ یہ رسول، رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت تک منقطع ہونے کے بعد آ رہا ہے، اس لیے وسیع پیمانے پر تحریف و تغییر واقع ہوئی۔ اس لیے یہ رسول ان حقائق کو کھول کر بیان کرے گا جن میں تحریف واقع ہوئی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک مدت گزرنے کے بعد ایک ناخواندہ قوم سے رسول ان حقائق کو بیان کرتا ہے جو صدیوں قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیان کیے ہیں۔ خود اپنی جگہ رسول کی حقانیت پر ایک دلیل ہے۔

۲۰۔ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے چند ایک نعمتوں کا ذکر ہے: ۱۔ بنی اسرائیل میں انبیاء پیدا کیے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام جیسے جلیل القدر انبیاء اس قوم میں پیدا ہوئے اور کسی قوم میں اس تعداد میں انبیاء مبعوث نہ ہوئے، جس قدر بنی اسرائیل سے پیدا ہوئے ہیں۔ ۲۔ ملوک بادشاہوں کے معنوں میں لیا جائے تو بنی اسرائیل میں حضرت یوسف، حضرت سلیمان اور حضرت طالوت علیہم السلام و دیگر بادشاہ حکمران رہے ہیں اور اگر ملوک سے مراد

ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا

مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے مقرر فرمائی ہے اور پیچھے نہ ہٹنا ورنہ خسارے میں رہو گے۔ (۲۲) وہ کہنے لگے: اے موسیٰ وہاں تو ایک طاقتور قوم آباد ہے اور وہ جب تک اس (زمین) سے نکل نہ جائے ہم تو اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے، ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ (۲۳) خوف (خدا) رکھنے والوں میں سے دو اشخاص جنہیں اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا کہنے لگے: دروازے کی طرف ان پر حملہ کر دو پس جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو فتح یقیناً تمہاری ہو گی اور اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔☆ (۲۴) وہ کہنے لگے: اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں موجود ہیں ہم ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔ (۲۵) موسیٰ نے کہا: میرے رب! میرے اختیار میں میری اپنی ذات اور میرے بھائی کے سوا کچھ نہیں

خود مختار لیا جائے تو بھی بنی اسرائیل کو ایک لمبی مدت تک ظلم و ذلت سے آزاد ہو کر خود مختاری نصیب ہوئی ہے۔ ۳۔ بنی اسرائیل کو وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا، مثلاً دریا کا شق ہونا، من و سلویٰ کا نازل ہونا اور پتھر سے چشمے پھوٹنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو صرف بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہیں۔

۲۳۔ حضرت موسیٰ ؑ مصر سے نکلنے کے بعد اپنی قوم کے ہمراہ دشت فاران یعنی جزیرہ نمائے سینا میں مقیم رہے۔ انہیں فلسطین فتح کرنے کا حکم الٰہی ملا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ نے فلسطین پر فوج کشی سے پہلے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی نمائندگی میں بارہ افراد فلسطین کا جائزہ لینے کے لیے بھیجے۔ ان میں سے دس افراد نے فوج کشی کے خلاف رپورٹ دی تو پوری جماعت نے جنگ سے انکار کر دیا۔ اس نافرمانی کی انہیں سزا سنائی گئی کہ بنی اسرائیل چالیس سال تک دشت فاران میں سرگرداں رہیں گے اور فلسطین کی فتح سے پہلے اس وقت کے تمام نافرمان لوگ مر جائیں گے، سوائے یوشع اور کالب کے، جنہوں نے جنگ کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ پورے چالیس سال اس دشت میں بے سروسامانی کے عالم میں پھرتے رہے۔ شرق اردن فتح ہونے کے بعد حضرت موسیٰ ؑ کا انتقال ہوا اور حضرت یوشع ؑ کے عہد میں بنی اسرائیل فلسطین کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

وَبَيۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا
مُحَرَّمَةٌ عَلَيۡهِمۡ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً ۚ
يَتِيۡهُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ فَلَا تَاۡسَ عَلَى
الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۲۶﴾ ع وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ
نَبَاَ ابۡنَىۡ اٰدَمَ بِالۡحَـقِّ ۘ اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا
فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا وَلَمۡ يُتَقَبَّلۡ
مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقۡتُلَـنَّكَ ؕ قَالَ
اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنۡۢ
بَسَطْتَّ اِلَىَّ يَدَكَ لِتَقۡتُلَنِىۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ
يَّدِىَ اِلَيۡكَ لِاَقۡتُلَكَ ۚ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ
رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّىۡۤ اُرِيۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ
بِاِثۡمِىۡ وَاِثۡمِكَ فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ
النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۹﴾

ع ٤ — وقف لازم — النصف

ہے، لہٰذا تو ہم میں اور اس فاسق قوم میں جدائی ڈال دے۔ (۲۶) (اللہ نے) فرمایا: وہ ملک ان پر چالیس سال تک حرام رہے گا، وہ زمین میں سرگرداں پھریں گے، لہٰذا آپ اس فاسق قوم کے بارے میں افسوس نہ کیجیے۔☆ (۲۷) اور آپ انہیں آدم کے دونوں بیٹوں کا حقیقی قصہ سنائیں جب ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو اس نے کہا: میں تجھے ضرور قتل کروں گا، (پہلے نے) کہا: اللہ تو صرف تقویٰ رکھنے والوں سے قبول کرتا ہے۔☆ (۲۸) اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں، میں تو عالمین کے رب اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (۲۹) میں چاہتا ہوں کہ میرے اور اپنے گناہ میں تم ہی پکڑے جاؤ اور دوزخی بن کر رہ جاؤ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ (۳۰) چنانچہ اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل کی ترغیب دی تو اسے قتل کر ہی دیا، پس وہ خسارہ اٹھانے والوں میں (شامل) ہو گیا۔☆

۲۶۔ اس واقعے کے بیان سے اللہ کا طریقہ کار اور تمام اقوام کے ساتھ سنت الٰہیہ کا بیان مقصود ہے کہ قوموں کا زوال و ترقی، عزت و وقار اور ذلت و خواری ان کے اپنے کردار سے مربوط ہے اور قوموں کی تقدیر خود ان کے اپنے ہاتھوں سے لکھی جاتی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال اور عبرتناک درس بنی اسرائیل کا یہ واقعہ ہے۔ یعنی جو قوم اپنی قیادت کی نافرمانی کرے اور جس قوم میں دیانتداروں کو کوئی حیثیت حاصل نہ ہو، وہ قوم ذلت و خواری سے دوچار رہے گی۔

۲۷۔ قبولیت اعمال کے لیے تقویٰ بنیاد ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے: لَا يَقِلُّ عَمَلٌ مَعَ التَّقْوىٰ وَ كَيْفَ يَقِلُّ مَا يُتَقَبَّلُ۔ (نہج البلاغۃ۔ حکمت: ۹۵) تقویٰ کے ساتھ عمل تھوڑا نہیں ہوتا۔ بھلا وہ عمل تھوڑا کس طرح ہو سکتا ہے جسے اللہ نے قبول کیا ہو۔

اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ یہ قربانی کیا چیز تھی، البتہ دوسری جگہ اس کا ذکر ملتا ہے کہ اس زمانے میں قربانی کی قبولیت کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آنے والی آتش اسے جلا دے۔ ملاحظہ فرمائیں سورۂ آل عمران آیت ۱۸۳۔

۳۰۔ انسان کی موجودہ نسل میں واقع ہونے والا پہلا خونین واقعہ اور اس کرۂ ارض پر بہنے والا پہلا ناحق خون اور اولاد آدم علیہ السلام میں وقوع پذیر ہونے والا پہلا معرکہ حق و باطل۔ یہ معرکہ خیر و شر، ظلم و عدل، قساوت و رحم، تجاوز اور صبر، اطاعت و نافرمانی اور سعادت و شقاوت کا نمونہ ہے۔ اس معرکے میں ہابیل حق اور قابیل باطل کا کردار ادا کرتا ہے۔

۳۱۔ معلوم ہوا کہ ابتدائی انسان کس قدر سادہ اور عالم طفولیت میں تھا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ۚۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ

معانقة ٥ — وقف النبی

﴿٣١﴾ پھر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے دکھا دے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے، کہنے لگا: افسوس مجھ پر کہ میں اس کوے کے برابر بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا، پس اس کے بعد اسے بڑی ندامت ہوئی۔☆ ﴿٣٢﴾ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ (حکم) مقرر کر دیا کہ جس نے کسی ایک کو قتل کیا جب کہ یہ قتل خون کے بدلے میں یا زمین میں فساد پھیلانے کے جرم میں نہ ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی ایک کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی اور بتحقیق ہمارے رسول واضح دلائل لے کر ان کے پاس آئے پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ ملک میں زیادتیاں کرنے والے ہی رہے۔☆ ﴿٣٣﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور روئے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کی سزا بس یہ ہے کہ وہ قتل کیے جائیں

---

ہے کہ انسان ایک ارتقا پذیر وجود ہے جبکہ کوا آج بھی وہی سوچ رکھتا ہے جو اس زمانے میں رکھتا تھا۔ اس کی ذہنی و فکری سطح آج بھی وہی ہے۔

توریت میں بھی اس داستان کا ذکر ملتا ہے لیکن اس میں ہابیل کی تدفین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسلامی روایات میں فرزندان آدم کا نام ہابیل و قابیل آیا ہے جب کہ توریت میں ہابیل و قابین آیا ہے۔ ناموں میں ایسے اختلافات معمول ہیں، تاہم بعض اسلامی روایات میں بھی قابیل، قابین، قابن اور قبن آیا ہے۔

۳۲۔ انسانی وحدت کا ایک اعلیٰ نمونہ کہ ایک فرد کی حق تلفی گویا تمام انسانوں کی حق تلفی ہے۔ انسانی اقدار کی پامالی خواہ ایک فرد کے معاملے میں ہی کیوں نہ ہو تمام انسانی اقدار کی پامالی ہے۔ اسی طرح ایک جان کو بچانا گویا تمام انسانی جانوں کو بچانا ہے۔

بنی اسرائیل کے لیے بیان شدہ اس انسان ساز قانون کا ذکر بائبل میں نہیں ملتا، البتہ قرآنی اعلان کی شہادت تلمود میں موجود ہے۔

۳۳۔ شان نزول: کافی میں روایت ہے کہ بنی ضبہ کے کچھ لوگ بیماری کی حالت میں رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول خدا ﷺ نے ان سے فرمایا: ہمارے ہاں قیام کرو، صحت یاب ہونے پر میں تمہیں ایک دستہ کے ہمراہ بھیجوں گا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں مدینے سے باہر کسی جگہ رکھیں۔ حضور ﷺ نے انہیں زکوٰۃ کے اونٹوں کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ ان کا دودھ پئیں۔ چنانچہ وہ شفایاب ہوئے تو ان لوگوں نے ان تین افراد کو قتل کیا جو اونٹوں پر مامور تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی تو حضرت علی ؑ کو روانہ کیا اور یمن کی سرزمین کے نزدیک سے ان کو اسیر کر کے لایا گیا۔

| | |
|---|---|
| يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ | یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں |
| يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ | سے کاٹ دیے جائیں یا ملک بدر کیے جائیں، یہ تو دنیا میں |
| خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ | ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم |
| لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ | ہے۔☆ ۳۴ سوائے ان لوگوں کے جو تمہارے قابو آنے |
| عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۳۳ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ | سے پہلے توبہ کرلیں اور یہ بات ذہنوں میں رہے کہ اللہ بڑا |
| اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ | بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ۳۵ اے ایمان والو! اللہ |
| غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳۴ۧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا | سے ڈرو اور اس کی طرف (قربت کا) ذریعہ تلاش کرو اور |
| اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ | اس کی راہ میں جہاد کرو شاید تمہیں کامیابی نصیب ہو۔☆ |
| وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۳۵ | ۳۶ جو لوگ کافر ہو گئے ہیں اگر ان کے پاس زمین کے تمام |
| اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي | خزانے ہوں اور اسی کے برابر مزید بھی ہوں اور وہ یہ سب |
| الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ | کچھ روز قیامت کے عذاب کے بدلے میں فدیہ میں دینا |
| مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ | چاہیں تو بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے |
| وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۳۶ يُرِيْدُوْنَ اَنْ | دردناک عذاب ہوگا۔☆ ۳۷ وہ آتش جہنم سے نکلنا چاہیں |

اس واقعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ خدا اور رسول سے لڑائی اور فساد فی الارض کا مطلب اس کے وضع کردہ نظام اور قانون کی پامالی ہے۔

۳۵۔ آیت میں تقویٰ کے بعد اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرنے کا حکم ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفی ﷺ کو رسول بنا کر عملاً انہیں وسیلہ بنایا اور قولاً اس وسیلے کے بارے میں فرمایا: قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: ۳۱) چنانچہ اتباع رسول ﷺ رضائے رب کے لیے وسیلہ ہے۔ کچھ حضرات دعائے رسول ﷺ کو تو وسیلہ مانتے ہیں لیکن ذات رسول ﷺ کو وسیلہ نہیں مانتے جبکہ قرآن نے ذات رسول ﷺ کو وسیلہ امن قرار دیا ہے: وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ وَ اَنۡتَ فِیۡہِمۡ (انفال ۳۳) (اے محمد ﷺ!) جب تک آپ ﷺ ان کے درمیان ہیں اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔

۳۶۔ یعنی اگر تقویٰ نہ ہو اور وسیلہ کی تلاش بھی نہ ہو اور جہاد بھی نہ ہو تو عذاب عظیم سے بچنے کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔ سب سے زیادہ متبادل حل یہ ہو سکتا ہے کہ تقویٰ اور وسیلہ کی جگہ پوری دنیا کی دولت اس کے پاس ہو اور اس مقدار کی مزید دولت اس کے پاس آ جائے جس کے ذریعہ وہ عذاب کو ٹالنے کی کوشش کرے تو بھی ممکن نہیں ہے۔

۳۸۔ حدیث ہے: حرمة مال المسلم كحرمة دمه (بحار الانوار ۲۹: ۴۰۷) مال مسلم کو وہی حرمت حاصل ہے جو خون مسلم کو ہے۔ چنانچہ اسلام نے جان و مال کے تحفظ کے لیے قانون وضع کیے۔

يَخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ
مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ
وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا
كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ
اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ
يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ
الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ
وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ

الوقف على الاول اجوز ١٢

گے لیکن وہ اس سے نکل نہ سکیں گے اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ ﴿٣٧﴾ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، ان کی کرتوت کے بدلے اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿٣٨﴾ پس جو شخص اپنی زیادتی کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ یقیناً اس کی توبہ قبول کرے گا، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔ ﴿٣٩﴾ کیا تجھے علم نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں سلطنت اللہ کے لیے ہے؟ وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ﴿٤٠﴾ اے رسول! اس بات سے آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں کہ کچھ لوگ کفر اختیار کرنے میں بڑی تیزی دکھاتے ہیں وہ خواہ ان لوگوں میں سے ہوں جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں جب کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور خواہ ان لوگوں میں سے ہوں جو یہودی بن گئے ہیں، یہ لوگ جھوٹ (کی

---

چور کے ہاتھ کاٹنے کے لیے درج ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے: ۱۔ چوری قحط اور بھوک کی وجہ سے نہ ہو۔ ۲۔ چوری محفوظ جگہ سے کی گئی ہو۔ ۳۔ چوری کرنے والا عاقل ہو۔ ۴۔ بالغ ہو۔ ۵۔ مال غلط فہمی کی بنا پر نہ اٹھایا گیا ہو۔ ۶۔ مال مشترکہ نہ ہو۔ ۷۔ باپ بیٹے کا مال نہ ہو۔ ۸۔ اعلانیہ طور پر نہ اٹھایا گیا ہو۔ جس مالی نصاب پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے وہ فقہ جعفری کے مطابق ایک چوتھائی دینار ہے۔ امام مالک، شافعی اور حنبل کا بھی یہی نظریہ ہے۔ فقہ جعفری کے مطابق چار انگلیاں جڑ سے کاٹی جائیں گی، جبکہ اہل سنت کے نزدیک ہاتھ کلائی سے کاٹا جاتا ہے۔ اصمعی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: میں نے اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے غفور رحیم پڑھ دیا تو ایک عرب بدو نے کہا کہ یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا اللہ کا۔ بولا: پھر پڑھو۔ میں نے پھر غفور رحیم پڑھا۔ پھر میں متوجہ ہوا کہ غلط پڑھ رہا ہوں اور جب میں نے پڑھا: و اللہ عزیز حکیم تو بدو نے کہا: اب درست پڑھا ہے۔ میں نے پوچھا: تم نے کیسے سمجھا؟ کہا: اللہ عزیز و حکیم ہے تو ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اگر غفور و رحیم کا ذکر آتا تو ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ دیتا۔ ایک بدو بھی جانتا ہے کہ اللہ کی حکمت و قہاریت کے تقاضے اور ہیں جبکہ مغفرت و رحمت کے تقاضے اور۔ مغربی دنیا والے اپنے مفادات کے لیے دنیا میں لاکھوں انسانوں کا سینہ چھلنی کر دیتے ہیں اور ہاتھ کاٹنے کی سزا کو غیر انسانی کہتے ہیں۔ اس سزا سے بیشمار لوگ ناقص العضو نہیں ہوں گے، کیونکہ تاریخ اسلام میں اسلامی حکومت کی چار صدیوں میں صرف چھ بار ہاتھ کاٹنے کی نوبت آئی ہے۔ (قاموس قرآن)

سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَ

نسبت آپ کی طرف دینے) کے لیے جاسوسی کرتے ہیں اور ایسے لوگوں (کو گمراہ کرنے) کے لیے جاسوسی کرتے ہیں جو ابھی آپ کے دیدار کے لیے نہیں آئے، وہ کلام کو صحیح معنوں سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں: اگر تمہیں یہ حکم ملا تو مانو، نہیں ملا تو بچے رہو، جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو اسے بچانے کے لیے اللہ نے آپ کو کوئی اختیار نہیں دیا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا ہی نہیں چاہا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔☆ ﴿۴۲﴾ یہ لوگ جھوٹ (کی نسبت آپ کی طرف دینے) کے لیے جاسوسی کرنے والے، حرام مال خوب کھانے والے ہیں، اگر یہ لوگ آپ کے پاس (کوئی مقدمہ لے کر) آئیں تو ان میں فیصلہ کریں یا ٹال دیں (آپ کی مرضی) اور اگر آپ نے انہیں ٹال دیا تو یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیں، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔☆ ﴿۴۳﴾ اور یہ لوگ آپ کو

۴۱۔ ۴۲۔ مدینہ کے مضافات میں یہودیوں کا ایک طاقتور قبیلہ بنو نضیر اور ایک کمزور قبیلہ بنو قریظہ آباد تھے۔ بنو نضیر نے بنو قریظہ کو ایک ذلت آمیز معاہدے پر مجبور کر دیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دے تو بنو قریظہ کو قصاص کا حق نہ ہوگا بلکہ ایک خفیف سی دیت دینی ہوگی۔ جبکہ بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دے تو قصاص کے ساتھ دیت بھی دگنی ہوگی، رسول کریم ﷺ کی ہجرت کے بعد بنو قریظہ کے ایک شخص کے ہاتھوں بنو نضیر کا ایک شخص قتل ہو گیا، بنو قریظہ دگنی دیت دینے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ جنگ چھڑنے والی تھی، مگر ان کے بزرگوں کے مشورے سے یہ طے پایا کہ اس مسئلے کو رسول اسلام ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ بنو نضیر نے اس فیصلے کو قبول تو کر لیا مگر انہوں نے جاسوسی کے لیے کچھ یہودیوں کو مدینہ بھیجا کہ رسول اسلام ﷺ کا کیا موقف ہے۔ دوسرا واقعہ زنا کا پیش آیا۔ مجرم کا تعلق بڑے خاندان سے تھا۔ اس بنا پر یہودی علماء نے سنگساری کی سزا کوڑوں میں بدل دی۔ چنانچہ یہودیوں کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں آیا۔ زنا کرنے والے شادی شدہ تھے اس لیے توریت کے مطابق حضور ﷺ نے سنگساری کا حکم دیا جس سے وہ بوکھلا گئے۔ سب سے بڑے یہودی عالم (ابن صوریا) سے پوچھا گیا تو اس نے گواہی دی کہ توریت میں یہی سزا ہے لیکن ہم نے بڑوں کے لحاظ اور زنا کی کثرت کی وجہ سے یہ حکم کوڑوں میں بدل دیا تھا۔

اسلامی حکومت میں یہودی اقلیت اپنے مقدمات کے فیصلے میں اپنی عدالت اور اپنے ججوں کی طرف

هُمُ التَّوۡرٰىةُ فِيۡهَا حُكۡمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ‌ؕ وَمَاۤ اُولٰٓـئِكَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ‌ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَاۤ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ‌ ؕ فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ

منصف کیسے بنائیں گے جب کہ ان کے پاس توریت موجود ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہونے کے باوجود یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔☆ ﴿۴۳﴾ ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا، اطاعت گزار انبیاء اس کے مطابق یہودیوں کے فیصلے کرتے تھے اور علماء اور فقہاء بھی فیصلے کرتے تھے جنہیں اللہ نے کتاب کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے، لہٰذا تم لوگوں سے خوفزدہ نہ ہونا بلکہ مجھ سے خوف رکھنا اور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت پر نہ بیچنا اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلے نہ کریں پس وہ کافر ہیں۔☆ ﴿۴۴﴾ اور ہم نے توریت میں ان پر (یہ قانون) لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت ہیں اور زخموں کا بدلہ (ان کے برابر) لیا جائے، پھر جو قصاص کو معاف کردے تو یہ اس کے لیے (گناہوں کا)

---

رجوع کرنے اور فیصلہ لینے میں آزاد تھی وہ اسلامی عدالت کی طرف رجوع کرنے کے لیے مجبور نہ تھے۔ وہ صرف اپنے قانون سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے کبھی اسلامی عدالت کی طرف رجوع کرتے تھے۔

۴۳۔ فِيۡهَا حُكۡمُ اللّٰهِ: توریت میں حکم خدا موجود ہے۔ اس جملے سے معلوم ہوا جہاں توریت میں تحریف و تبدل ہوا ہے وہاں یہ بھی قبول ہے کہ توریت میں بعض احکام خدا باقی ہیں۔

۴۴۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علماء اور فقہاء بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کتاب اللہ اور اس کے احکام کے امین اور محافظ ہوتے ہیں اور یَحۡکُمُ بِهَا سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ علماء و فقہاء کو کتاب اللہ کی حفاظت اور علم و فقاہت کی بنیاد پر حکومت کا حق حاصل ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے: جن کو حکومت کا حق حاصل ہے وہ آئمہ اور علماء ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ربانی امام کی طرف اور احبار علماء کی طرف اشارہ ہے (تفسیر عیاشی ۱: ۳۲۲)

۴۵۔ آج کی رائج توریت میں بھی قصاص کے یہی احکام موجود ہیں جو قرآن نقل کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو خروج: ۲۱۔ ۲۳۔ ۲۵ میں یہ عبارت: "اگر وہ اس صدمے سے ہلاک ہو جائے، جان کے بدلے میں جان لے اور آنکھ کے بدلے میں آنکھ، دانت کے بدلے میں دانت، ہاتھ کے بدلے میں ہاتھ، پاؤں کے بدلے میں پاؤں، جلانے کے بدلے میں جلانا، زخم کے بدلے میں زخم اور چوٹ کے بدلے میں چوٹ۔"

لَهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ؕ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا

کفارہ شمار ہوگا اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلے نہ کریں پس وہ ظالم ہیں۔☆ ﴿۴۶﴾ اور ان کے بعد ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرتے ہیں اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور جو اپنے سے پہلے والی کتاب توریت کی تصدیق کرتی تھی اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ ﴿۴۷﴾ اور اہل انجیل کو چاہیے کہ وہ ان احکام کے مطابق فیصلے کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کیے ہیں اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ فاسق ہیں۔☆ ﴿۴۸﴾ اور (اے رسول) ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو حق پر مبنی ہے اور اپنے سے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان پر نگران و حاکم ہے، لہٰذا آپ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ہم نے تم

۴۷۔ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو آیت ۴۴ میں کافر، آیت ۴۵ میں ظالم اور آیت ۴۷ میں فاسق کہا گیا ہے۔ خلاف تنزیل فیصلہ کرنے کی وجہ اگر انکار ہے تو یہ کفر ہے اور اگر عملی انحراف ہے تو فسق ہے۔ دونوں صورتوں میں ظلم بھی صادق آتا ہے۔ اہل کتاب جب اپنی کتابوں کے خلاف فیصلے کرتے ہیں تو ان میں انکار بھی ہے، انحراف بھی اور ظلم بھی، لہٰذا تینوں تعبیریں ان پر صادق آتی ہیں۔ واضح رہے کہ خلاف قرآن فیصلہ کرنے والی عدالتوں پر بھی یہی حکم صادق آتا ہے۔

۴۸۔ مُهَيْمِنًا یعنی صاحب تسلط حاکم اور قیوم۔ قرآن مجید کو سابقہ ادیان کی کتب پر بالادستی حاصل ہے۔ یعنی توریت و انجیل اگرچہ اپنی جگہ مبنی برحق ہیں لیکن قرآن ان پر حاکم ہے۔ اس بالادستی ھیمنت اور حاکمیت کی بنا پر سابقہ کتابیں عارضی اور منسوخ ہیں، جبکہ قرآن ناسخ، دائمی اور ابدی ہے۔

شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا: انسانی معاشرے نے غار کی زندگی سے لے کر ایٹمی دور تک مختلف مراحل طے کیے۔ ہر مرحلہ کے لیے اس معاشرے کے تقاضوں کے مطابق ایک دستور حیات دیا گیا۔ جب انسان سن بلوغت کو پہنچ گیا تو اسے ایک مکمل اور جامع نظام حیات اور دائمی دستور زندگی دیا گیا۔

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً: اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت قرار دے کر ایک نظام حیات عنایت فرماتا، مگر انسان چونکہ ارتقا پذیر ہے اور ارتقاء میں مختلف مراحل طے ہوتے ہیں، لہٰذا ہر مرحلے کے لیے ایک جدا دستور، ہر کلاس کے لیے ایک الگ پرچہ دینا ضروری قرار پایا۔ رسول خاتم ﷺ کی طرف سے قائم کردہ سنت سے ہر زمانے کے تقاضوں کے

جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا

میں سے ہر ایک (امت) کے لیے ایک دستور اور طرز عمل اختیار کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اللہ نے تمہیں جو حکم دیا ہے اس میں تمہیں آزمانا چاہتا ہے، لہٰذا نیک کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو، تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں ان حقائق کی خبر دے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔☆

﴿۴۹﴾ اور جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان میں فیصلے کریں اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں، کہیں یہ لوگ اللہ کی طرف سے آپ پر نازل شدہ کسی دستور کے بارے میں آپ کو فتنے میں نہ ڈالیں، اگر یہ منہ پھیر لیں تو جان لیجیے کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کے سبب انہیں مصیبت میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے اور لوگوں میں سے اکثر یقیناً فاسق ہیں۔☆

﴿۵۰﴾ کیا یہ لوگ جاہلیت کے دستور کے خواہاں ہیں؟ اہل یقین کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟☆

---

مطابق جزئی احکام کے استنباط و استخراج کے لیے اجتہاد کا سلسلہ جاری رہنا اس الٰہی نظام کے مزاج کے عین مطابق ہے۔

یہاں صاحب تفسیر المنار بجا طور پر اجتہاد کا دروازہ بند سمجھنے والوں کو حجت خدا مفلوج کرنے اور اس شریعت کی ممتاز حیثیت کو مجروح کرنے کے مترادف قرار دیتے ہیں۔

۴۹۔ بعض یہودی علماء نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی تعلیمات کی خلاف ورزی پر آمادہ کرنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا، اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۵۰۔ اس آیہ شریفہ کو سابقہ آیت کے ساتھ مربوط کر کے مطالعہ کیا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرنا جاہلیت ہے۔ ہمارے معاصر نظامہائے حیات کے وضع کرنے والے اور جدید تقاضوں کے بہانے سے حکم الٰہی سے انحراف کرنے والے، جاہلیت کی اس قرآنی تعریف میں صف اول میں نظر آتے ہیں۔ مغرب کی جدید جاہلیت نے تو قانون وضع کرتے ہوئے خواہشات پرستی میں قوم جاہلیت کو بھی سرخرو کر دیا۔

۵۱۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ ولایت کا رشتہ قائم کرنے کی ممانعت ہے، لیکن اس ولایت سے مراد کیا ولایت نصرت و معاہدہ ہے یا ولایت محبت و ہمدردی ہے۔ کیونکہ اولیاء میں دونوں معنوں کے لیے گنجائش موجود ہے۔ ہماری نظر میں یہاں ولایت سے مراد ولایت حمایت ہے۔ واضح رہے موضوع کلام انفرادی حمایت اور یاری نہیں ہے بلکہ جب مسلمان یہود و نصاریٰ کے ساتھ برسر پیکار ہوں تو من حیث القوم ان کی حمایت ممنوع ہے، چونکہ ان کی حمایت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ان کی اسلام دشمن پالیسیوں سے اسے نفرت نہیں ہے۔

| | |
|---|---|
| الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى | (۵۱) اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا حامی نہ بناؤ، یہ |
| اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ | لوگ آپس میں حامی ضرور ہیں اور تم میں سے جو انہیں حامی |
| يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا | بناتا ہے وہ یقیناً انہی میں (شمار) ہوگا، بے شک اللہ ظالموں |
| يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى | کی راہنمائی نہیں کرتا۔☆ (۵۲) پس آپ دیکھتے ہیں کہ جن |
| الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ | کے دلوں میں بیماری ہے وہ ان میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں |
| فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ | اور کہتے ہیں: ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ہم پر کوئی |
| فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ | گردش نہ آ پڑے، پس قریب ہے کہ اللہ فتح دے یا اپنی |
| مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ | طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے پھر یہ لوگ اپنے اندر |
| اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ | چھپائے ہوئے نفاق پر نادم ہوں گے۔ (۵۳) اور اہل ایمان |
| اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ | کہیں گے: کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام کی انتہائی کڑی |
| اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ | قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے اعمال |
| فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | ضائع ہو گئے پس وہ نامراد ہو کر رہ گئے۔ (۵۴) اے ایمان |
| مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ | والو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ بہت |

بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ: یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے حامی ہیں۔ یہود و نصاریٰ آپس میں خواہ کتنی ہی دشمنی و عداوت کا اظہار کریں یہ لوگ اسلام دشمنی میں آپس میں ایک دوسرے کے حامی ہیں وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ: جو ان سے دوستی کرے گا اس کا شمار انہی میں ہوگا، کیونکہ احساس و شعور جس کے حق میں ہوگا محبت بھی اسی سے ہوتی ہے اور قلبی لگاؤ اور محبت کے آثار کردار میں نمودار ہوتے ہیں، لہٰذا جس قوم سے دوستی ہوگی اس کا شمار اسی قوم سے ہونا ایک طبیعی امر ہے

۵۴۔ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی، چنانچہ اس کے راوی عمار، حذیفہ، ابن عباس، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام ہیں۔ اس آیت میں یہ پیشگوئی ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے، نیز یہ پیشگوئی بھی ہے کہ ایک قوم مرتد نہ ہوگی جن کے یہ اوصاف ہوں گے: الف: وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گی۔ ب: اللہ بھی ان سے محبت کرے گا۔ ج: مؤمنین کے درمیان عجز و انکساری سے رہیں گے۔ د: کافروں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے۔

ھ: راہ خدا میں جہاد کریں گے۔ و: وہ راہ خدا میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

۵۵۔ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی جب آپ علیہ السلام نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ میں حالت رکوع میں ایک سائل کو انگشتری عطا فرمائی۔ جس کے راوی یہ ائمہ و اصحاب ہیں: ۱۔ ابن عباس ۲۔ عمار یاسر ۳۔ عبد اللہ بن سلام ۴۔ سلمہ بن کہیل ۵۔ انس بن مالک ۶۔ عتبہ بن حکم ۷۔ عبد اللہ بن ابی ۸۔ ابوذر غفاری ۹۔ جابر بن عبد اللہ انصاری ۱۰۔ عبد اللہ بن غالب ۱۱۔ عمرو بن عاص ۱۲۔ ابورافع ۱۳۔ حضرت

يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

جلد ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہو گا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے، مومنین کے ساتھ نرمی سے اور کافروں کے ساتھ سختی سے پیش آنے والے ہوں گے راہ خدا میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑا علم والا ہے۔ ☆ ﴿۵۴﴾ تمہارا ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ☆ ﴿۵۵﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو اپنا ولی بنائے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہو جائے گا اور) اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔ ﴿۵۶﴾ اے ایمان والو! ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنایا ہے اور کفار کو اپنا حامی نہ بناؤ اور اللہ کا خوف کرو اگر تم

---

علیؑ ۱۴۔حضرت امام حسینؑ ۱۵۔حضرت امام زین العابدینؑ ۱۶۔حضرت امام محمد باقرؑ ۱۷۔امام جعفر صادقؑ۔

قاضی یحییٰ نے المواقف صفحہ ۴۰۵ میں، شریف جرجانی نے شرح مواقف ۸: ۳۶۰ میں، سعد الدین نے شرح مواقف ۵: ۱۷ میں، علاء الدین قوشجی نے شرح تجرید میں کہا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ان سب کے مقابلے میں ابن تیمیہ کا یہ قول امانت فی النقل کے ترازو میں رکھیے! وہ کہتے ہیں: و ھذا کذب باجماع اھل العلم قد وضع بعض الکذابین حدیثاً مفتری ان ھذہ الایۃ نزلت فی علی لما تصدق بخاتمہ فی الصلوۃ و ھذا کذب باجماع اھل العلم بالنقل۔ بعض دروغ پردازوں نے ایک حدیث گھڑ لی ہے کہ یہ آیت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جبکہ اہل علم کا اجماع ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ ملاحظہ ہو منہاج السنۃ ۲: ۳۰) گویا محدثین مفسرین اور متکلمین کی ایک بہت بڑی جماعت اس امت میں شمار نہیں ہوتی، کیونکہ وہ آخر میں کہتے ہیں: و ان جمھور الامۃ لم تسمع بھذا الخبر۔ جمہور امت نے ایسی کوئی روایت سنی ہی نہیں۔ وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ۔

اس آیت کے معنی و مفہوم میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف یہ دیکھا جانا چاہیے کہ عصر نزول قرآن میں لوگ اس آیت سے کیا سمجھتے تھے۔ چنانچہ شاعر رسول حسان بن ثابت کے اشعار

مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا نَادَیۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوۡهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۸﴾ قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَ اَنَّ اَكۡثَرَكُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكَ مَثُوۡبَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَیۡهِ وَ جَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَ الۡخَنَازِیۡرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوۡتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ قَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡكُفۡرِ وَ هُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا یَكۡتُمُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَ تَرٰی

اہل ایمان ہو۔☆ ﴿۵۸﴾ اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ لوگ اسے مذاق اور تماشا بنا لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔☆ ﴿۵۹﴾ کہد یجیے: اے اہل کتاب! آیا تم صرف اس بات پر ہم سے نفرت کرتے ہو کہ ہم اللہ پر اور اس کی کتاب پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور جو پہلے نازل ہوئی، ایمان لائے ہیں (یہ کوئی وجہ نفرت نہیں ہے بلکہ) وجہ یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔☆ ﴿۶۰﴾ کہد یجیے: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں پاداش کے اعتبار سے اس سے بھی بدتر لوگ کون ہیں؟ وہ (لوگ ہیں) جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر وہ غضبناک ہوا اور جن میں سے کچھ کو اس نے بندر اور سور بنا دیا اور جو شیطان کے پجاری ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانا بھی بدترین ہے اور یہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔☆ ﴿۶۱﴾ اور جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے تھے حالانکہ وہ کفر لے کر آئے تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے اور جو کچھ یہ (دلوں میں) چھپائے ہوئے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔☆ ﴿۶۲﴾ اور ان میں سے اکثر کو آپ

---

آیت کے مفہوم کو سمجھانے کے لیے کافی ہیں:

فانت الذی اعطیت اذ کنت راکعاً
زکوٰة فدتک النفس یا خیر راکع
فانزل فیک اللہ خیر ولایة
و بینها فی محکمات الشرائع

یاد رہے کہ علی علیہ السلام انہی معنوں میں ولی ہیں جن معنوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ ولی ہیں، کیونکہ ایک ہی استعمال میں لفظ کے دو معانی مراد نہیں لیے جاسکتے۔ یہاں ولایت سے حاکمیت مراد ہے جو اللہ، رسول ﷺ اور رکوع میں زکوۃ دینے والے سے مختص ہے۔ یہاں ولایت سے مراد دوستی اور نصرت و محبت نہیں، کیونکہ یہ تو تمام مومنین میں موجود ہوتی ہیں۔☆ نماز اور زکوۃ دونوں پر بیک وقت عمل صرف یہاں ہوا ہے۔

۵۷۔ اہل کتاب اور کفار سے قلبی لگاؤ سے منع فرماتے ہوئے، اس منع کے پیچھے جو عوامل واسباب ہیں ان کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ تمہارے دین اور تمہارے ایمان و عقائد کا مذاق اڑائیں بھلا ان سے قلبی لگاؤ ممکن ہے؟ اگر کسی کو ایسے لوگوں سے واقعی محبت ہوتی ہے تو اس کا ایمان مشکوک ہے۔

۵۸۔ وہ اذان کی آواز پر مذاق اڑاتے ہیں۔ جو لوگ تمہارے شعائر کا مذاق اڑائیں کیا تم لوگ ان سے قلبی لگاؤ رکھ سکتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو تمہارا ایمان مشکوک ہے۔

۵۹۔ یہ اہل کتاب سے ایک منطقی سوال ہے کہ تم کس بات پر برہم ہو؟ ہم تمہاری کتاب اور تمہارے تمام انبیاء کو مانتے ہیں۔ یہ تم ہو جو ہماری کتاب اور ہمارے نبی کو نہیں مانتے۔ لہٰذا اصولی طور پر تو ہمیں تم پر برہم ہونا چاہیے۔ لیکن یہ تمہارا فسق ہے جو تمہیں ہم پر برہم ہونے پر آمادہ کرتا ہے۔

۶۰۔ بفرض محال اگر مسلمانوں کا ان چیزوں پر ایمان لانا برا ہے تو اہل کتاب تو اس سے بدتر جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ لعنت و غضب

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ
الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ
وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ
السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾
وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ
غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ
وقف لازم
يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ
وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ؕ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ
الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ
كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ
وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَ اللّٰهُ لَا

گناہ، زیادتی اور حرام کھانے کے لیے دوڑتے ہوئے دیکھتے
ہیں، کتنا برا کام ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔☆ ﴿۶۲﴾ ان
کے علماء اور فقہاء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع
کیوں نہیں کرتے؟ ان کا یہ عمل کتنا برا ہے؟☆ ﴿۶۳﴾ اور یہود
کہتے ہیں: اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، خود ان کے
ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر لعنت ہو اس (گستاخانہ)
بات پر بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس
طرح چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور (اے رسول) آپ کے
رب کی طرف سے جو کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے وہ ان
میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کرے گی
اور ہم نے قیامت تک کے لیے ان کے درمیان عداوت اور
بغض ڈال دیا ہے، یہ جب جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں تو
اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور یہ لوگ زمین میں فساد برپا کرنے کی
کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ فسادیوں کو دوست نہیں

کے مستحق بنے اور بندر و سور کی صورت میں مسخ ہوئے اور شیطان پرست بن گئے تو مسلمانوں کا ایمان اگر بفرض محال برا ہی سہی لیکن تمہارے ان اعمال بد سے تو بدتر یقیناً نہیں ہے۔

۶۱۔ عام طور پر ایسا ہوتا تھا کہ لوگ بدنیتی کے ساتھ رسول ﷺ کے حلقہ درس میں بیٹھ جاتے تھے مگر حضور کے کلام اور اخلاق کو دیکھ کر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے تھے، مگر اہل کتاب منافقین اس قدر بدطینت ہوتے کہ کفر کے ساتھ آتے اور کفر کے ساتھ ہی واپس جاتے۔

۶۲۔ ۶۳۔ اہل کتاب کے قول و فعل میں فسق و فجور کی نشاندہی ہے کہ وہ قولاً اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور مسلمانوں کی تذلیل و تحقیر کرتے ہیں اور عملاً رشوت اور سودخوری جیسے برے کام کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے علماء و فقہاء پر سکوت طاری ہے اور اپنے عوام کو غلیظ گناہوں کے ارتکاب کرتے دیکھ کر خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ یعنی جب عوام فسق و فجور میں مبتلا ہوں اور علماء سکوت اختیار کریں تو یہ یہود و نصاریٰ کی خصلتیں ہیں۔

۶۴۔ یہود مسئلہ قضا و قدر اور نسخ احکام میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے فیصلے ہرگز نہیں بدلتے آغاز خلقت میں جو کچھ فیصلہ ہوا ہے خود اللہ اس کا کاربند ہے اور اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں یعنی اللہ بے بس ہے جب کہ قرآن کا موقف یہ ہے: یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ ۚۖ وَ عِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ۔ (رعد: ۳۹) اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ اس کے پاس اصل کتاب ہے۔

اس آیت میں یہ نکات قابل غور ہیں: ☆ یہود کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ مجبور ہے۔ ☆ کَیۡفَ یَشَآءُ تعبیر سے ظاہر ہے کہ اللہ جس طرح حکم تشریعی میں فیصلے بدلتا ہے، جسے نسخ کہتے ہیں، اسی طرح حکم تکوینی (کائناتی نظام) میں بھی فیصلے بدلتا ہے جسے بداء

يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ

رکھتا۔☆ ﴿۶۵﴾ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کے گناہ معاف کر دیتے اور انہیں نعمتوں والی جنتوں میں داخل کر دیتے۔ ﴿۶۶﴾ اور اگر یہ اہل کتاب توریت و انجیل اور ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل شدہ دیگر تعلیمات کو قائم رکھتے تو وہ اپنے اوپر کی (آسمانی برکات) اور نیچے کی (زمینی برکات) سے مالا مال ہوتے، ان میں سے کچھ میانہ رو بھی ہیں، لیکن ان میں اکثریت بدکردار لوگوں کی ہے۔☆ ﴿۶۷﴾ اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا، بے شک اللہ کافروں کی رہنمائی نہیں کرتا۔☆ ﴿۶۸﴾ (اے رسول) کہد یجیے: اے اہل کتاب! جب تک تم توریت اور انجیل اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے

کہتے ہیں لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا کی رو سے اللہ کو تشریع و تکوین میں بے بس کہنے والے ملعون ہیں۔ واضح رہے اللہ کے فیصلے سابقہ فیصلوں میں نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ احکام میں حالات اور رزق و عطا میں استحقاق اور اہلیت کے وجود میں آنے یا فقدان کی وجہ سے بدلتے ہیں۔ اس کی تفصیل مقدمہ میں مسئلہ نسخ و بداء میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا: یہود چونکہ اپنے آپ کو اللہ کی برگزیدہ قوم خیال کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں صرف یہود ہی کو بالادستی کا حق حاصل ہے۔ ایسے میں مسلمانوں کو قیادت سنبھالتے دیکھ کر وہ آگ بگولا ہو جاتے اور ان کی سرکشی اور کفر میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی حسد و نفاق کی وجہ سے وہ جنگ کرنے پر اتر آتے ہیں۔

۶۶۔ ادیان سماویہ کا تعلق صرف عبادت و آخرت سے نہیں بلکہ یہ ادیان انسان کے لیے دستور حیات بھی ہیں، جس پر عمل کرنے سے نعمتوں میں بھی فراوانی ہو جاتی ہے۔

۶۷۔ یہ سورہ رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دنوں میں نازل ہوا۔ فتح مکہ کے بعد تبلیغ رسالت میں کوئی خطرہ باقی نہیں رہ گیا تھا جو وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا" کا تحفظ دینا پڑتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ میں کفر سے مراد اس آیت کے مندرجات سے انکار ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آیہ حج میں بھی یہی فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔

☆ یہ آیت ۱۸ ذی الحجہ، حجۃ الوداع ۱۰ ھ کو بمقام غدیر خم نازل ہوئی، جہاں حضور ﷺ نے ایک لاکھ حاجیوں کے مجمعے میں حضرت علی ؑ کا ہاتھ بلند کر کے فرمایا: من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے چالیس طرق سے، ابن جریر نے ستر طرق سے، علامہ جزری

الْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ

تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے، کو قائم نہ کرو تم کسی قابل اعتناء مذہب پر نہیں ہو اور (اے رسول) آپ کے رب کی طرف سے جو کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کرے گی مگر آپ ان کافروں کے حال پر افسوس نہ کریں۔☆ ﴿٦٩﴾ جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل انجام دیتے ہیں وہ خواہ مسلمان ہوں یا یہودی یا صابی ہوں یا عیسائی انہیں (روز قیامت) نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ محزون ہوں گے۔ ﴿٧٠﴾ بتحقیق ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے لیکن جب بھی کوئی رسول ان کی طرف ان کی خواہشات کے خلاف کچھ لے کر آیا تو انہوں نے بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل کر دیا۔ ﴿٧١﴾ اور ان کا خیال یہ تھا کہ ایسا کرنے سے کوئی فتنہ نہیں ہو گا اس لیے وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی پھر ان میں اکثر اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے اعمال

---

المقری نے اسی طرق سے، ابن عقدہ نے ایک سو پانچ، بجستانی نے ایک سو بیس اور علامہ جعابی نے ایک سو پچیس طرق سے روایت کیا ہے۔

(الغدیر) ہمارے معاصر علامہ امینی نے الغدیر جلد اول میں ایک سو دس طرق سے یہ روایت ثابت کی ہے۔ درج ذیل اصحاب روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی ہے: ۱۔ زید بن ارقم ۲۔ ابو سعید خدری ۳۔ عبد اللہ بن مسعود ۴۔ عبد اللہ بن عباس ۵۔ جابر بن عبد اللہ انصاری ۶۔ ابو ہریرہ ۷۔ براء بن عازب۔ (ملاحظہ ہو الدر المنثور ۲: ۵۲۸ ط بیروت، الواحدی اسباب النزول ص ۱۰۵ فتح القدیر ۳: ۵۷، تفسیر روح المعانی ۲: ۳۴۸)

۶۸۔ اہل کتاب اگر حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی امت ہونے پر ناز کرتے ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی ہے، وہ جن رسولوں کی امت ہونے کے مدعی ہیں، اگر وہ اس مذہب کی کتابوں اور دیگر تعلیمات پر عمل نہیں کرتے اور جو نظام حیات ان کو دیا گیا ہے اسے قائم نہیں کرتے تو پھر ان کا مذہب قابل اعتنا نہیں ہے۔ اگر وہ اپنی آسمانی کتابوں اور دیگر تعلیمات کو کما حقہ قبول کریں تو انہیں ماننا پڑے گا کہ سلسلہ نبوت اب نسل اسماعیل علیہ السلام میں ہے اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ برحق رسول ہیں۔

۷۱۔ یہود چونکہ اپنے آپ کو اللہ کی برگزیدہ قوم سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس جرم کا بھی ارتکاب کریں گے اس کا مواخذہ نہ ہو گا اس لیے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انبیائے کرام کی تکذیب کرنے اور قتل کرنے سے کوئی خرابی کیا لازم آئے گی، اللہ نے بنی اسرائیل کو عذاب میں ڈالا نہیں۔ لیکن اللہ نے اس کے باوجود ان پر اپنی رحمتیں جاری رکھیں

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝٧١ لَقَدْ كَفَرَ
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ
مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ اَنْصَارٍ ۝٧٢ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا
اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ
اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا
يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٧٣ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ
وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧٤
مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ

کو خوب دیکھ رہا ہے۔☆ ۝٧٢ وہ لوگ یقینا کافر ہو گئے جو کہتے ہیں: مسیح بن مریم ہی خدا ہیں جبکہ خود مسیح کہا کرتے تھے: اے بنی اسرائیل تم اللہ ہی کی پرستش کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، بے شک جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، بتحقیق اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔☆ ۝٧٣ بتحقیق وہ لوگ کافر ہو گئے جو کہتے ہیں: اللہ تین میں کا تیسرا ہے جبکہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہیں آتے تو ان میں سے کفر کرنے والوں پر دردناک عذاب ضرور واقع ہوگا۔☆ ۝٧٤ آخر یہ لوگ اللہ کے آگے توبہ کیوں نہیں کرتے اور مغفرت کیوں نہیں مانگتے؟ اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ۝٧٥ مسیح بن مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ

اور ان پر یہ غلط فہمی واضح فرمائی پھر بھی سب نہ سہی اکثر لوگ گمراہ ہو گئے۔

٧٢۔ موجودہ تحریف شدہ انجیل میں بھی قرآن مجید کے اس بیان کی شہادت موجود ہے۔ چنانچہ انجیل یوحنا ١٧: ٣ میں آیا ہے: ابدی زندگی یہ ہے کہ تجھے پہچان لیں کہ تو ہی واحد خدا ہے اور یسوع مسیحؑ کو آپ نے رسول بنا کر بھیجا۔

٧٣۔ مسیحیوں کا عقیدۂ تثلیث جن مراحل سے گزرا ہے اس پر ایک طائرانہ نظر: سب سے پہلے یہ اختلاف وجود میں آیا کہ مسیحؑ اللہ ہیں یا رسول؟ یہ نظریہ پہلے سے موجود تھا کہ مسیحؑ اللہ کے رسول ہیں۔ دوسرا نظریہ یہ قائم ہوا کہ انہیں اللہ کے ہاں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ تیسرا نظریہ یہ پیدا ہوا کہ مسیحؑ چونکہ بن باپ پیدا ہوئے اس لیے وہ اللہ کا بیٹا ہیں اور مخلوق بھی۔ چوتھا نظریہ یہ وجود میں آیا کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہیں مخلوق نہیں۔ ٣٢٥ عیسوی میں ان اختلافات کے تصفیے کے لیے روم میں ایک بڑا اجتماع ہوا جس میں ٤٨ ہزار علماء اور ماہرین نے شرکت کی۔ شہنشاہ قسطنطین نے، جو حال ہی میں مسیحی بن گیا تھا، یہ نظریہ اپنا لیا کہ مسیحؑ ہی خدا ہیں۔ چنانچہ باقی مذاہب خصوصاً نظریہ توحید پر پابندی لگا دی گئی۔ اس کے بعد روح القدس کے بارے میں بھی اختلاف ہوا۔ کچھ نے اسے خدا کا درجہ دیا اور کچھ منکر ہو گئے۔ ٣٨١ء میں قسطنطنیہ میں ایک اور اجتماع ہوا جس میں یہ فیصلہ ہوا: روح القدس روح اللہ ہے، روح اللہ، اللہ کی حیات ہے۔ اگر ہم نے روح اللہ کو مخلوق

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۗ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ۗ وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ ع لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ

صدیقہ (راست باز خاتون) تھیں، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے، دیکھو ہم کس طرح ان کے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتے ہیں، پھر دیکھو یہ لوگ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔☆ ﴿٧٦﴾ کہد یجیے: کیا تم اللہ کے سوا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو جو تمہارے نقصان اور نفع پر کوئی اختیار نہیں رکھتی؟ اور اللہ ہی خوب سننے، جاننے والا ہے۔☆ ﴿٧٧﴾ کہد یجیے: اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی گمراہی میں مبتلا ہیں اور دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی گمراہی میں ڈال چکے ہیں اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔☆ ﴿٧٨﴾ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی، کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔☆ ﴿٧٩﴾ جن برے کاموں کے وہ مرتکب ہوتے

کہد یا تو اللہ کی حیات مخلوق قرار پاتی ہے اور اللہ حی نہیں رہتا اور اگر ہم نے اللہ کو حی (زندہ) نہیں سمجھا تو ہم کافر ٹھہریں گے۔ چنانچہ اس اجتماع میں روح القدس بھی خدا کے درجے پر فائز ہو گیا۔ یوں باپ، بیٹے اور روح القدس کی تثلیث کو آخری شکل دے دی گئی۔ (محمد ابو زہرہ کی کتاب محاضرات فی النصرانیہ سے تلخیص)

۷۵۔ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ: ان کی والدہ راستباز خاتون تھیں۔ وہ اس بات میں راستباز تھیں کہ مسیح علیہ السلام کو انہوں نے جنا ہے اور جو ماں سے جنا جاتا ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ۔ مریم اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں کھانا کھاتے تھے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا جسم تحلیل ہوتا ہے اور تحلیل شدہ اجزاء کے تدارک کے لیے جسم طعام کا محتاج ہے، جس کی حیات طعام کی محتاج ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

۷۶۔ انسان کسی ہستی کی عبادت اس لیے کرتا ہے کہ وہ کائنات کی خالق اور مالک ہے۔ اس طرح وہ ہر خیر و شر اور نفع و نقصان کی بھی مالک ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز کسی بھی خیر و شر کی مالک نہ ہو، وہ خود کسی اور کی مملوک ہو تو وہ خدا کیسے بن سکتی ہے؟ ثانیاً نقصان اور نفع کا ذکر اس لیے کیا کہ اگرچہ عبادت کا معیار اس کا اہل ہونا اور کمال کا مالک ہونا ہے۔ لیکن اکثر لوگ دفع ضرر کی خاطر اور خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں اور نفع کی خاطر عبادت کرنا بھی انسانی سرشت میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیہ شریفہ میں فرماتا ہے کہ جن لوگوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ دفع ضرر پر قادر ہیں نہ کسی نفع کے حصول پر۔

۷۷۔ سابقہ آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ مسیحیوں نے اپنے دین میں غلو اور مبالغہ کے کتنے مراحل طے کیے۔ اس آیت میں ایک اور اہم حقیقت کی طرف

| | |
|---|---|
| عَنۡ مُّنۡكَرٍ فَعَلُوۡهُ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا | تھےان سے وہ باز نہیں آتے تھے، ان کا یہ عمل کتنا برا ہے۔ |
| يَفۡعَلُوۡنَ ﴿٧٩﴾ تَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يَتَوَلَّوۡنَ | ﴿۸۰﴾ آپ ان میں سے بیشتر لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ |
| الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ | (مسلمانوں کے مقابلے میں) کافروں سے دوستی کرتے |
| اَنۡفُسُهُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَ فِى | ہیں، انہوں نے جو کچھ اپنے لیے آگے بھیجا ہے وہ نہایت |
| الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوۡ كَانُوۡا | برا ہے جس سے اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ |
| يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِىِّ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ | عذاب میں رہیں گے۔ ﴿۸۱﴾ اور اگر وہ اللہ اور نبی اور ان |
| اِلَيۡهِ مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰكِنَّ | کی طرف نازل کردہ کتاب پر ایمان رکھتے تو ایسے لوگوں |
| كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿٨١﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ | سے دوستی نہ کرتے مگر ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ |
| النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الۡيَهُوۡدَ | ﴿۸۲﴾ (اے رسول) اہل ایمان کے ساتھ عداوت میں یہود |
| وَالَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقۡرَبَهُمۡ | اور مشرکین کو آپ پیش پیش پائیں گے اور ایمان والوں |
| مَّوَدَّةً لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا | کے ساتھ دوستی میں انہیں قریب تر پائیں گے، جو اپنے |
| نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ | آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عالم |
| وَرُهۡبَانًا وَّاَنَّهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿٨٢﴾ | اور درویش صفت لوگ ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔☆ |

اشارہ ہے، وہ اس بات کی نشاندہی ہے کہ اس میں غلو اور مبالغہ کا اصل سرچشمہ کہاں ہے؟ قرآن فرماتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی پیروی سے آیا ہے جو پہلے ہی گمراہی میں مبتلا تھے۔

مسیحی تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے والا بخوبی جانتا ہے کہ ان کے دین میں خرافات دو گروہوں کی طرف سے داخل ہوئے ہیں۔ ایک یہود اور دوسرا یونان کے بت پرست۔ اس مطلب پر گواہ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں مسیحی عالم ریورنیڈ چارلس اینڈرسن سکاٹ) کا مقالہ ہے جس میں اعتراف کرتے ہیں کہ باپ بیٹا اور روح القدس کی اصطلاحیں یہودی ذرائع کی بہم پہنچائی ہوئی ہیں۔

۷۸۔ اس لعنت کا ذکر عہد عتیق اور عہد جدید میں موجود ہے کیونکہ بنو اسرائیل نے حضرت داؤد ؑ کے زمانے میں قانون سبت کو توڑا پھر حضرت عیسیٰ ؑ کی تکذیب کی۔

۸۲۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ یہود اسلام دشمنی میں کس قدر آگے رہے ہیں، البتہ یہ بات غور طلب ہے کہ نصاریٰ مسلمانوں سے دوستی میں آگے ہیں۔ اگرچہ صلیبی جنگوں سے آج تک اسلام کے خلاف یہودیوں اور اسرائیل کی حمایت کرتے ہوئے عیسائیوں نے اپنی اسلام دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، تاہم جب اسلام کی دعوت چہار دانگ عالم پھیل رہی تھی تو یہودیوں کی نسبت عیسائی سربراہوں نے مثبت ردعمل کا اظہار کیا۔ چنانچہ حبشہ کے "نجاشی"، روم کے "ہرقل" اور مصر کے مقوقس نے اس دعوت پر یا تو لبیک کہی یا اچھے ردعمل کا اظہار کیا۔ آج تک مسیحی کثیر تعداد میں اسلام قبول کرتے آئے ہیں لیکن یہودیوں کے قبول اسلام کا اتفاق بہت کم نظر آتا ہے۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾ ع يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

﴿٨٣﴾ اور جب وہ رسول کی طرف نازل ہونے والے کلام کو سنتے ہیں، آپ دیکھتے ہیں کہ معرفت حق کی بدولت ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، وہ کہتے ہیں: ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمیں گواہی دینے والوں میں شامل فرما☆ ﴿٨٤﴾ اور ہم اللہ پر اور اس حق پر کیوں نہ ایمان لائیں جو ہمارے پاس آیا ہے؟ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک بندوں کی صف میں شامل کر لے گا۔ ﴿٨٥﴾ اللہ نے اس قول کے عوض انہیں ایسی جنتوں سے نوازا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نیکو کاروں کا یہی صلہ ہے۔ ﴿٨٦﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔ ﴿٨٧﴾ اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں انہیں حرام نہ کرو اور حد سے تجاوز بھی نہ کرو، اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو یقیناً دوست نہیں رکھتا۔☆ ﴿٨٨﴾ اور جو

---

٨٣۔ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مسلمانوں کی ایک جماعت نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی اور ایک مرتبہ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ نے سورۂ مریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں جس پر نجاشی اور ان کے علماء کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس سے اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ سابقہ اور یہ آیت دونوں نجاشی اور اس جیسے نصرانیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

٨٧۔ اسلام دین فطرت ہونے کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ اس کے ہر حکم کے لیے فطری تقاضے پیش نظر ہوں۔ لہٰذا جب ایک طرف کھانے پینے کا محتاج ہو اور مختلف چیزوں کی لذت سے محظوظ ہونے کا فطری ذوق بھی موجود ہو، دوسری طرف زمین میں مختلف لذتوں کی چیزیں بھی اللہ نے پیدا کی ہوں، پھر کیسے ممکن ہے کہ یہ چیزیں بندوں پر حرام ہوں۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کی نفی ہوتی ہے جو عیسائی راہبوں، ہندوؤں، بدھ مت کے پیروکاروں اور تصوف زدہ افراد کی طرح ترک لذات کو روحانی ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں کچھ لوگ اس ذہنیت کے طرفدار ہو گئے تھے، چنانچہ اس بارے میں حضور ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے پاک چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے؟ دیکھو میں رات کو سوتا ہوں، نکاح کرتا ہوں، دن کو گاہے روزہ رکھتا ہوں اور گاہے نہیں بھی رکھتا۔ جو میری سنت پر نہ چلے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

لَا تُحَرِّمُوْا: کسی چیز کو حلال اور حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ قانون سازی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا حصہ ہے۔ اس میں مداخلت اللہ کی حاکمیت اعلیٰ میں مداخلت ہے۔ لہٰذا کسی غیر

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ
مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ
اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ
الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ
مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ
اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ
فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ
اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا
الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ

حلال اور پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہیں عنایت کر رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اس اللہ کا خوف کرو جس پر تمہارا ایمان ہے۔☆ ﴿۸۹﴾ اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جو سنجیدہ قسمیں تم کھاتے ہو ان کا مواخذہ ہوگا، پس اس (قسم توڑنے) کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑا پہنانا یا غلام آزاد کرنا ہے اور جسے یہ میسر نہ ہو وہ تین دن روزے رکھے، جب تم قسم کھاؤ (اور اسے توڑ دو) تو یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اللہ اسی طرح اپنی آیات تمہارے لیے کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔☆ ﴿۹۰﴾ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور مقدس تھان اور پانسے سب ناپاک شیطانی عمل ہیں پس اس سے پرہیز کرو تاکہ تم نجات حاصل کر سکو۔☆ ﴿۹۱﴾ شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے

اللہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کرے۔ اسی لیے فقیہ پابند ہے کہ اللہ کی طرف سے تعین شدہ دلیلوں کی روشنی میں حلال حرام کو بیان کرے، جیسے قرآن و حدیث اور اگر جس چیز کو اللہ نے دلیل نہیں بنایا، اس کے ذریعے حلال و حرام ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ اللہ کی حاکمیت اعلیٰ میں مداخلت ہے۔

۸۸۔ رزق خدا سے استفادہ کرنے کا حکم ہے۔ البتہ دو شرائط کے ساتھ: اول یہ کہ حلال اور پاکیزہ طریقے سے استفادہ کیا جائے۔ دوم یہ کہ تقویٰ اور خوف خدا کے ساتھ ہو۔

۸۹۔ اگر بلا ارادہ زبان سے قسم کا لفظ نکل جائے تو اس کا کوئی کفارہ نہیں، کیونکہ قسم میں قصد و ارادہ شرط ہے۔ البتہ کسی امر میں پختہ قصد و ارادے کے ساتھ قسم کھائی جائے تو اسے توڑنے کی صورت میں کفارہ لازم ہے۔

۹۰۔ دور جاہلیت میں مشرکین جن پتھروں کی پوجا کرتے تھے ان کو انصاب کہتے ہیں، جبکہ ازلام ان تیروں کو کہتے ہیں جن کے ذریعے عرب دور جاہلیت میں قسمت آزمائی کرتے اور فال نکالتے تھے۔

۹۱۔ فھل انتم منتھون (کیا تم باز آؤ گے؟) اس لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس سے پہلے شراب نوشی کی ممانعت کی چنداں پرواہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بڑے بڑے اصحاب نے کہا: انتھینا انتھینا "ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔" (ابن جریر)۔ دریا بادی اس جگہ لکھتے ہیں: کیا ڈسپلن تھا بارگاہ نبوت ﷺ کا اور کیسی زبردست قوت تھی عرب کے اس امی حکیم کی کہ دم کے دم میں پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں اور

بَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِى الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ‌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا‌ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۹۲﴾ لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوۡا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحۡسَنُوۡا‌ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۹۳﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَيَبۡلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَىۡءٍ مِّنَ الصَّيۡدِ تَنَالُـهٗۤ اَيۡدِيۡكُمۡ وَرِمَاحُكُمۡ لِيَـعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّخَافُهٗ بِالۡغَيۡبِ‌ ۚ فَمَنِ

ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں یاد خدا اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آ جاؤ گے؟☆ (۹۲) اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنا بچاؤ کرو، پھر اگر تم نے منہ پھیر لیا تو جان لو ہمارے رسول کی ذمے داری تو بس واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔☆ (۹۳) جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے ان کی ان چیزوں پر کوئی گرفت نہ ہوگی جو وہ کھا پی چکے بشرطیکہ (آئندہ) پرہیز کریں اور ایمان پر قائم رہیں اور نیک اعمال بجا لائیں پھر پرہیز کریں اور ایمان پر قائم رہیں پھر پرہیز کریں اور نیکی کریں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔☆ (۹۴) اے ایمان والو! اللہ ان شکاروں کے ذریعے تمہیں آزمائش میں ڈالے گا جنہیں تم اپنے ہاتھوں اور اپنے نیزوں کے ذریعے پکڑتے ہو تاکہ اللہ یہ معلوم کرے کہ اس سے غائبانہ طور پر کون ڈرتا ہے، پس جو اس کے بعد (بھی)

---

جواریوں کو پاکباز اور متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کے سردار بنا دیا۔

۹۲۔ شراب جوئے وغیرہ سے باز آنے کا حکم بیان کرنے پر تاکید مزید کے طور پر فرمایا: ان ناپاک چیزوں کو ترک کر کے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر اس بار بھی اطاعت نہ ہوئی تو نہایت تہدیدی لہجے میں فرمایا: جان لو! ہمارا رسول تو بس حکم پہنچانے کی ذمہ داری رکھتا ہے۔ لیکن تمہاری یہ نافرمانی خود اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ ہے۔

۹۳۔ تفسیر صافی میں منقول ہے: جب شراب اور جوئے کی حرمت کا حکم بڑی شدت سے آیا تو مہاجرین و انصار نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے وہ ساتھی جو دنیا سے چلے گئے یا قتل ہو گئے وہ تو شراب نوشی کرتے تھے، ان کا کیا بنے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: ایمان کے مختلف حالات، درجات، طبقہ بندیاں اور منزلیں ہیں۔ کچھ ان میں سے کامل اور کچھ انتہائی کامل ہیں۔ کچھ کم رجحان اور کچھ زیادہ رجحان والے ہیں۔

۹۴۔ اس کے بعد کی آیت میں حج کے احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت کا حکم آنے والا ہے اس کی تمہید کے طور پر فرمایا کہ اس آزمائش میں یہ جاننا مطلوب ہے کہ ان دیکھے خدا سے کون ڈرتا ہے۔ امتحان و آزمائش کے بارے میں پہلے تفصیل سے بات ہو گئی ہے کہ امتحان سے اللہ کوئی علم حاصل نہیں کرنا

اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا ۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ

حد سے تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔☆ ﴿۹۵﴾ اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ کرو اور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر (کوئی جانور) مار دے تو جو جانور اس نے مارا ہے اس کے برابر ایک جانور مویشیوں میں سے قربان کرے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل افراد کریں، یہ قربانی کعبہ پہنچائی جائے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کا کفارہ دے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کیے کا ذائقہ چکھے، جو ہو چکا اسے اللہ نے معاف کر دیا اور اگر کسی نے اس غلطی کا اعادہ کیا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بڑا غالب آنے والا، انتقام لینے والا ہے۔☆ ﴿۹۶﴾ تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، یہ تمہارے اور مسافروں کے فائدے میں ہے اور جب تک تم احرام میں ہو خشکی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے اور جس اللہ کے سامنے جمع کیے جاؤ گے اس سے ڈرتے رہو۔☆ ﴿۹۷﴾ اللہ نے حرمت کے گھر کعبہ کو لوگوں کے لیے (امور معاش اور معاد کی) کی استواری (کا ذریعہ) بنایا اور حرمت

چاہتا۔ وہ عالم الغیب ہے، بلکہ استحقاق اور قابلیت کے لیے امتحان ضروری ہے۔

۹۵۔ احرام حج کی حالت میں خشکی کے جانور کا شکار حرام ہے۔ اگر کوئی جان بوجھ کر شکار کرے تو اگر اس جیسا حیوان میسر ہو تو اسے کفارے میں دے دے اور دو عادل افراد گواہی دیں کہ یہ اس جیسا ہے۔ اگر احرام حج میں شکار کرے تو اس شکار کے کفارے کی قربانی منیٰ میں ذبح کرے اور اگر احرام عمرہ میں شکار کرے تو قربانی کو مکہ میں ذبح کرنا ہوگا۔ اگر اس کا کوئی مثل میسر نہیں ہے تو اس کی قیمت کے مساوی گندم مساکین میں تقسیم کی جائے یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں۔ برابر یہ ہے کہ اس کی قیمت کے مساوی گندم کو صاع (۳ کلو گرام) میں تقسیم کیا جائے اور ہر نصف صاع کا ایک روزہ رکھا جائے۔ (الکافی ۴: ۸۳) اگر شکار پہلی بار ہو تو کفارہ ہے لیکن دوبارہ کرے تو گناہ کی شدت کے باعث کفارہ نہیں ہے۔

۹۶۔ ممکن ہے سمندر کے ذریعے سفر کرنے کی صورت میں زاد راہ ختم ہو جائے تو سمندر کا شکار جائز ہے۔ اس کے حکم کے فروع بہت ہیں جو فقہی کتابوں میں موجود ہیں۔

۹۷۔ کعبہ کی اہمیت صرف اس کے تقدسی اور عبادتی پہلو سے نہیں ہے بلکہ اس میں لوگوں کی زندگی کے بہت سے مصالح اور مفادات بھی مضمر ہیں۔ کل کعبہ قتل و غارت کے مارے ہوئے عربوں کے لیے جائے امن تھا۔ سال بھر کی خوفناک خانہ جنگی میں چار ماہ حرمت والے مہینوں میں امن و سکون ملتا تھا جن میں وہ اپنی معیشت اور تجارت کے لیے امن سے آتے جاتے تھے۔ حج کی وجہ سے اس غیر زراعتی خشک علاقوں میں لوگوں کے لیے دنیا بھر سے

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ
ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۭ ﴿٩٨﴾
مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ
لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ
اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ
اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا
حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ

کے مہینوں کو بھی اور قربانی کے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے باندھے گئے ہوں، یہ اس لیے تاکہ تم جان لو کہ اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔☆ (۹۸) جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (۹۹) رسول کے ذمے بس حکم پہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے۔ (۱۰۰) (اے رسول) کہد یجیے: ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے خواہ ناپاکی کی فراوانی تمہیں بھلی لگے، پس اے صاحبان عقل اللہ کی نافرمانی سے بچو شاید تمہیں نجات مل جائے۔☆ (۱۰۱) اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر ان کے بارے میں نزول قرآن کے وقت پوچھو گے تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی (جو کچھ اب تک ہوا) اس سے اللہ نے درگزر فرمایا اور اللہ بڑا بخشنے

آنے والی نعمتوں کی فراوانی ہوتی تھی۔ آج کعبہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ایک ایسا مرکز ہے جہاں امت اسلامیہ کے تقدیر ساز فیصلے ہو سکتے ہیں اگرچہ وقتی طور پر حکومتوں کی مصلحتیں اس راہ میں رکاوٹ ہیں۔

۱۰۰۔ دین اور شریعت امر واقع اور حقائق پر مبنی قدروں پر استوار ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پاک اور ناپاک یکساں نہیں ہو سکتے، خواہ حقائق میں ہوں یا کردار و صفات میں۔ مثلاً حلال و حرام، مفید و مضر، مؤمن و کافر، عادل و ظالم، مصلح و مفسد اور عالم و جاہل یکساں نہیں ہو سکتے۔

۱۰۱۔ بعض لوگ حضور اکرم ﷺ سے ایسے سوالات کرتے تھے جن کا تعلق نہ ان کے دین سے ہوتا تھا، نہ دنیا سے۔ مثلاً ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا: میرا حقیقی باپ کون ہے؟ وغیرہ۔ فریقین کے مصادر حدیث میں آیا ہے: ان اللہ افترض علیکم فرائض فلا تضیعوھا و حدلکم حدوداً فلا تعتدوھا ونھا کم عن اشیاء فلا تنتھکوھا و سکت لکم عن اشیاء ولم یدعھا نسیاناً فلا تتکلفوھا (مجمع البیان) "اللہ نے تم پر بعض چیزیں فرض کی ہیں پس انہیں ترک نہ کرو اور کچھ حدود متعین کیے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، کچھ چیزوں سے منع کیا ہے ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور کچھ چیزوں کے متعلق (عمداً) خاموشی اختیار کی ہے، بھول چوک کی وجہ سے نہیں، پس ان میں مت الجھو۔" بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ اس حدیث کے برخلاف صرف ان چیزوں کے بارے میں زیادہ سوالات اٹھاتا ہے جن میں نہ الجھنے کا حکم ہوا ہے۔

عَنۡهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدۡ سَاَلَهَا
قَوۡمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ثُمَّ اَصۡبَحُوۡا بِهَا
كٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا
سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰـكِنَّ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ
الۡـكَذِبَ ؕ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا
قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى
الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ
اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ
شَيۡـئًا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ ۚ لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ
ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ
جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾

والا، بردبار ہے۔☆ ﴿۱۰۲﴾ ایسی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے
بھی پوچھی تھیں پھر وہ لوگ انہی باتوں کی وجہ سے کافر ہو
گئے۔ ﴿۱۰۳﴾ اللہ نے نہ کوئی بحیرہ بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ
وصیلہ اور نہ حام، بلکہ کافر لوگ اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں
اور ان میں اکثر تو عقل ہی نہیں رکھتے۔☆ ﴿۱۰۴﴾ اور جب ان
لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو دستور اللہ نے نازل کیا ہے اس
کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں: ہمارے
لیے وہی (دستور) کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو
پایا، خواہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور ہدایت
پر بھی نہ ہوں۔ ﴿۱۰۵﴾ اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، اگر تم خود
راہ راست پر ہو تو جو گمراہ ہے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا، تم
سب کو پلٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے پھر وہ تمہیں آگاہ کرے
گا جو کچھ تم کیا کرتے رہے ہو۔☆ ﴿۱۰۶﴾ اے ایمان والو!

۱۰۳۔ عرب جاہلیت کی بعض بدعات اور ان کے خود ساختہ احکام کی بات ہو رہی ہے کہ وہ بعض جانوروں کو نشان لگا کر چھوڑتے تھے پھر ان سے خدمات لینا اور سوار ہونا وغیرہ حرام سمجھتے تھے اور ان جانوروں کے مختلف نام رکھتے تھے۔

بَحِیۡرَۃ: اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو پانچ مرتبہ بچے جن چکی ہو اور چھٹی بار بچہ نہ ہوا ہو۔ اس کا کان چیر کر نشان لگاتے تھے اور پھر اس سے کوئی کام نہیں لیتے تھے، نہ اسے ذبح کیا جاتا تھا۔

سَآئِبَۃ: اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو کسی مسافر کے باسلامت واپس آنے یا بیماری کی شفایابی وغیرہ کے لیے نذر مانتے تھے اور کہتے تھے کہ فلاں کام ہو جائے تو ناقتی سائبۃ تو پھر وہ اس اونٹنی سے کوئی کام نہیں لیتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ سائبۃ اس اونٹنی کو کہتے تھے جو دس دفعہ مادہ بچے جن چکی ہو، جن میں کوئی نر نہ ہو۔

وَصِیۡلَۃ: بکری کا پہلا بچہ اگر مادہ ہوتا تو اسے اپنے لیے رکھ لیتے تھے، اگر نر ہوتا تو اسے خداؤں کے نام ذبح کرتے تھے اور اگر نر اور مادہ ایک ساتھ پیدا ہو جائیں تو نر کو خداؤں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا، اس کا نام وصیلہ رکھ دیا گیا تھا۔

حام: اونٹ کا پوتا جب سواری دینے کا قابل ہو جاتا تو عمر رسیدہ اونٹ کو آزاد چھوڑتے یا اس کے شکم سے دس بچے پیدا ہو جاتے تو بھی آزاد چھوڑتے۔

اس آیت میں فرمایا کہ اللہ نے یہ احکام مقرر نہیں کیے یہ لوگوں کی خود ساختہ چیزیں ہیں۔

۱۰۵۔ مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنی نجات کے بارے میں سوچے۔ گمراہوں کی بہتات اور گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کی کثرت اسے متاثر نہ کرے۔ حق، حق ہوتا ہے، خواہ اس پر عمل کرنے والے تھوڑے

| | |
|---|---|
| يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝١٠٦ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ | جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے تو وصیت کرتے وقت گواہی کے لیے تم میں سے دو عادل شخص موجود ہوں یا جب تم سفر میں ہو اور موت کی مصیبت پیش آ رہی ہو تو دوسرے دو (غیر مسلموں) کو گواہ بنالو، اگر تمہیں ان گواہوں پر شک ہوجائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو روک لو کہ وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم گواہی کا کوئی معاوضہ نہیں لیں گے اگرچہ رشتہ داری کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہم خدائی شہادت کو چھپائیں گے اگر ایسا کریں تو ہم گناہگاروں میں سے ہوجائیں گے۔☆ ﴿۱۰۶﴾ پھر اگر انکشاف ہوجائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ کا ارتکاب کیا تھا تو ان کی جگہ دو اور افراد جن کی حق تلفی ہوگئی ہو اور وہ (میت کے) قریبی ہوں کھڑے ہوجائیں اور اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے کوئی تجاوز نہیں کیا، اگر ایسا کریں تو ہم ظالموں میں سے ہو |

ہی کیوں نہ ہوں اور باطل، باطل ہوتا ہے خواہ اس پر ساری دنیا عمل کرے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو لیکن اگر لوگ دنیادار، حریص اور خواہش پرست ہوجائیں اور ہر شخص خودسر ہوجائے تو تم اپنی ذات کو بچاؤ اور لوگوں کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ (نور الثقلین) یعنی مومن کو سب کی نجات کے لیے سوچنا چاہیے اور اس پر ہر ممکن کام کرنا بھی فرض ہے لیکن اگر وہ دوسروں کی نجات کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تو اس وقت اسے پوری توجہ اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر مرکوز کرنی چاہیے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ (تحریم: ۶)

۱۰۶ تا ۱۰۸۔ شان نزول: ایک مسلمان دو عیسائیوں کے ہمراہ تجارت کی غرض سے شام گیا۔ مسلمان سفر میں مریض ہوگیا تو اس نے اپنی وصیت میں سامان کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور دونوں ساتھیوں سے وصیت کی میرا سامان میرے گھر پہنچا دیں۔ چنانچہ جب مسلمان کا انتقال ہوا تو دونوں عیسائیوں نے اپنی پسند کا سامان نکال لیا، باقی گھر پہنچا دیا۔ گھر والوں کو سامان کی فہرست مل گئی جو مال مفقود تھا اس کے بارے میں دریافت کیا تو عیسائیوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں مسئلہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے نماز عصر کے بعد ان کو بلایا ان سے قسم لی۔ بعد میں وہ مفقود سامان کسی جگہ پایا گیا تو حضور ﷺ کے سامنے مسئلہ دوبارہ پیش کیا گیا تو حضور ﷺ نے مسلمان کے وارثوں سے قسم لی اور ان کے حق میں فیصلہ دیا۔

آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اگر موت کا وقت قریب آ جائے تو دو عادل اشخاص کو اپنی وصیت کے لیے گواہ بناؤ، اگر تم حالت سفر میں ہو اور مسلمان گواہ

الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا
بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ
تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾ ع يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ
فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ
اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ
يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ
وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ
وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ
كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ

جائیں گے۔☆ ﴿١٠٨﴾ اس طرح زیادہ امید کی جاسکتی ہے کہ لوگ صحیح شہادت پیش کریں یا اس بات کا خوف کریں کہ ان کی قسموں کے بعد ہماری قسمیں رد کر دی جائیں گی اور اللہ سے ڈرو اور سنو اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔☆

﴿١٠٩﴾ (اس دن کا خوف کرو) جس دن اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا: (امتوں کی طرف سے) تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ عرض کریں گے: (تیرے علم کی نسبت) ہمیں علم ہی نہیں، غیب کی باتوں کو یقیناً تو ہی خوب جانتا ہے۔☆

﴿١١٠﴾ جب عیسیٰ بن مریم سے اللہ نے فرمایا: یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو عطا کی ہے جب میں نے روح القدس کے ذریعے تمہاری تائید کی، تم گہوارے میں اور بڑے ہو کر لوگوں سے باتیں کرتے تھے اور جب میں نے تمہیں کتاب، حکمت، توریت اور انجیل کی تعلیم دی اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کا پتلا بناتے تھے پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو

میسر نہ آئیں تو غیر مسلم اہل کتاب میں سے کسی دو کو گواہ بناؤ۔ اگر میت کے وارثان کو شک ہو جائے تو ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لیا جائے اور ان سے اپنی گواہی کے سچ ہونے پر قسم لی جائے۔ اس طرح فیصلہ کر لیا جائے اور اگر انکشاف ہو جائے کہ ان دونوں گواہوں نے جھوٹ بولا تھا تو ان کی بجائے میت کے قریبی لوگوں میں سے دو گواہ پیش ہوں اور قسم کھا کر کہیں: ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے۔

اس قانون میں واقعے تک پہنچنے کے لیے دو ذریعے موجود ہیں: اول یہ کہ شک کی صورت میں خود گواہوں کو قسم کھانا پڑتی ہیں اور قسم غالباً جھوٹ ہونے کی صورت میں نہیں کھاتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وارثان پر قسم آنے کی صورت میں ان دونوں کی گواہی غلط ثابت ہو جائے گی اور ان دونوں کے لیے فضیحت کا باعث بنے گی۔ یہ وہ دو باتیں ہیں جن کی وجہ سے درست گواہی مل سکتی ہے۔

۱۰۹۔ رسولوں کی طرف سے اظہار لاعلمی آداب بندگی ہے۔ کیونکہ یہاں عدالت الٰہیہ میں علم خدا کے سامنے لب کشائی خلاف ادب تصور کی جاتی ہے۔

۱۱۰۔ وَاِذْ تَخْلُقُ: جس تخلیقی امر کو حضرت مسیح ؑ نے انجام دیا وہ خلق ابداعی یقیناً نہیں ہے بلکہ خلق ترکیبی ہے۔ اس خلق ترکیبی میں روح پھونکنے، مریضوں کو صحت یاب کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے میں بِاِذْنِیْ "میرے اذن سے" کا تکرار یہ بتلانے کے لیے ہے کہ ان امور میں مسیح ؑ کو استقلالاً قدرت حاصل نہیں ہے۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ ؑ کے لیے اللہ کی طرف سے عنایت شدہ چند ایک گرانقدر نعمتوں کا

طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾

میرے حکم سے صحت یاب کرتے تھے اور تم میرے حکم سے مردوں کو (زندہ کر کے) نکال کھڑا کرتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل کو اس وقت تم سے روک رکھا جب تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے تو ان میں سے کفر اختیار کرنے والوں نے کہا: یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔☆ (۱۱۱) اور جب میں نے حواریوں پر الہام کیا کہ وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آئیں تو وہ کہنے لگے: ہم ایمان لے آئے اور گواہ رہیے کہ ہم مسلمان ہیں۔☆ (۱۱۲) (وہ وقت یاد کرو) جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کا رب ہمارے لیے آسمان سے کھانے کا خوان اتار سکتا ہے؟ تو عیسیٰ نے کہا: اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرو۔☆ (۱۱۳) انہوں نے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ اس (خوان) میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوں اور یہ جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے اور اس پر ہم گواہ رہیں۔☆ (۱۱۴) تب عیسیٰ بن

ذکر ہے: ۱۔ روح القدس کے ذریعے تائید۔ اسی تائید کے طفیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں کلام کیا۔ ۲۔ کتاب حکمت توریت و انجیل کی تعلیم۔ ۳۔ مٹی سے پرندہ بنانا اور اس میں روح پھونکنا۔ ۴۔ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دینا۔ ۵۔ مردوں کو زندہ کرنا۔ ۶۔ بنی اسرائیل کے شر سے بچانا۔

۱۱۱۔ یہاں وحی سے مراد الہام ہے جیسا کہ قرآن نے متعدد جگہوں پر الہام کو وحی سے تعبیر کیا ہے۔ یہ الہام ایمان لانے اور حواری کے مقام پر فائز ہونے کے بعد تجدید عہد کے لیے ہوا۔

۱۱۲ تا ۱۱۵۔ یہ سوال حواریوں کی طرف سے اس وقت کیا گیا جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور ان کے حواریوں میں شامل ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت اور گہوارے میں کلام کرنے کو دیکھ کر ایمان لائے، اس کے باوجود مائدہ کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ درست ہے کہ ان کا یہ مطالبہ ایک قسم کے عدم اطمینان کا اظہار تھا۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو ان الفاظ میں سرزنش کی: اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ اگر تم ایمان والے ہو تو خدا سے ڈرو۔ یعنی ایسی خلاف ایمان باتیں نہ کرو۔ لیکن حواریوں نے اپنے مطالبہ کے جائز ہونے اور نیک نیتی پر مبنی ہونے اور یہ مطالبہ ایمان کے منافی نہ ہونے پر درج ذیل مطالب بیان کیے ہیں: ۱۔ اس خوان سے کھا کر ہمارے دلوں میں اطمینان آئے گا۔ ۲۔ آپ کی نبوت کی صداقت پر ایک اور تازہ معجزہ سامنے آئے گا۔ ۳۔ دوسروں کے لیے ہم آپ کی صداقت پر گواہی دیں گے۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۖ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

مریم نے دعا کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہمارے لیے آسمان سے کھانے کا ایک خوان نازل فرما کہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے وہ دن عید اور تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے کہ تو بہترین رزق دینے والا ہے۔☆ ﴿۱۱۴﴾ اللہ نے فرمایا: میں یہ خوان تم پر نازل کرنے والا ہوں، لیکن اگر اس کے بعد تم میں سے کوئی کفر اختیار کرے گا تو اسے میں ایسا عذاب دوں گا کہ اس جیسا عذاب عالمین میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔☆ ﴿۱۱۵﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو خدا بناؤ؟ عیسیٰ نے عرض کی: تو پاک ہے میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں؟ اگر میں نے ایسا کچھ کہا ہوتا تو تجھے اس کا علم ہوتا، کیونکہ تو میرے دل کی بات جانتا ہے لیکن میں تیرے اسرار نہیں جانتا، یقیناً تو ہی غیب کی باتیں خوب

---

سیاق آیت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی توجیہ حضرت عیسیٰ ؑ نے پسند فرمائی اور نزول مائدہ کی دعا کے ضمن میں اس کے دیگر فوائد و مصالح کی طرف اشارہ فرمایا: ۱۔ نزول مائدہ پوری امت کے لیے عید بن جائے۔ ۲۔ امت عیسیٰ ؑ کے لیے ایک خصوصی نشانی کی حیثیت بن جائے۔ ۳۔ اللہ کی طرف سے پانے والے براہ راست رزق کی سعادت سے مالامال ہو جائے۔

دعائے مسیح ؑ کا شرف قبولیت حاصل کرنا ایک طبیعی امر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں خوان نازل کرنے والا ہوں۔ اللہ کی طرف سے ایک حتمی وعدہ آنے کے بعد خوان نازل ہونا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین بعض روایت کی بنا پر لکھتے ہیں: سخت ترین عذاب کی دھمکی سن کر حواریوں نے اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔

موجودہ اناجیل میں اس خوان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ بعض واقعات ملتے ہیں لیکن جو واقعہ قرآن نے بیان کیا ہے اس کے مطابق نہیں ہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے صدیوں بعد جمع ہونے والی اناجیل سے یہ واقعہ رہ گیا ہو اور عین ممکن ہے کہ اس واقعہ کے ضمن میں حضرت عیسیٰ ؑ کے ابن اللہ نہ ہونے اور رسول ہونے پر واضح دلائل موجود ہوں۔ اس لیے اسے حذف کر دیا گیا ہو۔

۱۱۶۔ عیسائیوں نے باپ، بیٹے اور روح القدس کے ساتھ حضرت مریم ؑ کو "مادر خدا" کے نام سے معبود بنا لیا ہے۔ "مادر خدا" کا لقب پہلی بار ۴۳۱ء میں منعقدہ کونسل نے استعمال کیا۔ اس کے بعد "مادر خدا" کی اہمیت باپ، بیٹے اور روح القدس سے زیادہ ہو گئی۔ اگرچہ پروٹسٹنٹوں کی اصلاحی

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

جاننے والا ہے۔☆ ﴿۱۱۷﴾ میں نے تو ان سے صرف وہی کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، جب تک میں ان کے درمیان رہا میں ان پر گواہ رہا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو خود ہی ان پر نگران ہے اور تو ہی ہر چیز پر گواہ ہے۔☆ ﴿۱۱۸﴾ اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو ہی غالب آنے والا حکمت والا ہے۔☆ ﴿۱۱۹﴾ اللہ نے فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی فائدہ دے گی، ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ابد تک ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔☆ ﴿۱۲۰﴾ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان موجود ہے سب پر اللہ کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تحریک کے بعد اس فرقے میں حضرت مریم علیہا السلام کی پرستش میں کمی آ گئی۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: اللہ کو چھوڑ کر مسیح علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کو معبود بنانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت کو چھوڑ کر، ورنہ وہ مسیح علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے ساتھ اللہ کو بھی معبود سمجھتے تھے کیونکہ اللہ کی وہ عبادت قبول ہے جو اس کی وحدانیت کے ساتھ ہو۔ شرک کے ساتھ ایمان و عبادت قابل قبول نہیں ہے۔

۱۱۷۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ: چنانچہ موجودہ تثلیثی انجیل میں بھی یہ اعتراف موجود ہے: "ابدی زندگی یہ ہے کہ لوگ تیری معرفت حاصل کریں کہ تو ہی حقیقی اور واحد معبود ہے۔ یسوع مسیح کو آپ نے بھیجا۔" (یوحنا ۱۷: ۳۔ بحوالہ المنار)

۱۱۸۔ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ: اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔ اس تعبیر میں ایک قسم کی رحم طلبی ہے اور ساتھ آداب بندگی کا اظہار بھی ہے کہ یہ تیرے ہی بندے ہیں۔ ان پر صرف تیرا حکم نافذ ہے۔

۱۱۹۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب سچائی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے کہ بروز قیامت اللہ کی بارگاہ میں جو بیان دیا وہ سب حق پر مبنی تھا اور وہ اپنی ساری باتوں میں صادق القول نکلے۔ آخرت میں اللہ کے سامنے صادق القول وہ ہو سکتے ہیں جنہوں نے دنیا میں کوئی نافرمانی نہ کی ہو۔

اس کے بعد ایسے صادق القول افراد کے بارے میں جنت کی بشارت کے بعد فرمایا: رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ان سے اللہ راضی ہو گا۔ حقیقی بندوں کے لیے اللہ کی رضایت کے مقابلہ میں جنت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اٰیاتہا ١٦٥ — ٦ سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ ٥٥ — رکوعاتہا ٢٠

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّہِمْ یَعْدِلُوْنَ ① ھُوَ
الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ
وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَہٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ②
وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ
سِرَّکُمْ وَجَھْرَکُمْ وَ یَعْلَمُ مَا تَکْسِبُوْنَ ③ وَ
مَا تَاْتِیْہِمْ مِّنْ اٰیَۃٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّہِمْ اِلَّا کَانُوْا
عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ ④ فَقَدْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا
جَآءَھُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْہِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا کَانُوْا
بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا

سورۂ انعام۔ مکی۔ آیات ١٦٥

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① ثنائے کامل اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا، پھر بھی یہ کافر (دوسرے دیوتاؤں کو) اپنے رب کے برابر لاتے ہیں۔
② اسی نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک مدت کا فیصلہ کیا اور ایک مقررہ مدت اس کے پاس ہے، پھر بھی تم تردد میں مبتلا ہو۔☆ ③ اور آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی وہی ایک اللہ ہے، وہ تمہاری پوشیدہ اور ظاہری باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے۔☆ ④ اور اللہ کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی ان کے پاس آتی ہے یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔☆ ⑤ چنانچہ جب حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اسے بھی جھٹلا دیا، پس جس چیز کا یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں اس کی خبر عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گی۔☆ ⑥ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے

سورۂ انعام

٢۔ انسانی جسم کی تخلیق میں زمینی عناصر استعمال ہوئے ہیں اور اس میں کوئی عنصر ایسا نہیں ہے جو ارضی نہ ہو۔ آیت کے دوسرے جملے میں دو مدتوں کا ذکر ہے۔ ایک غیر معین مدت اور ایک معین مدت۔ چنانچہ انسانی زندگی میں دو قسم کے عوامل سامنے آتے ہیں، ایک طبیعی اور دوسرا غیر طبیعی۔ انسان بھی ایک مشین ہے جو قدرتی طور پر ایک معین مدت تک کے لیے بنائی گئی ہے۔ جس طرح مشین کی زندگی کا دارومدار مشین بنانے والے پر ہے جس کی رو سے بنانے والا گارنٹی دے سکتا ہے، لیکن کسی حادثے کی صورت میں اس مشین کی زندگی مختصر ہو سکتی ہے، جس کا دارومدار حالات پر ہے۔ بالکل اسی طرح انسان کو اللہ نے طبیعی لحاظ سے ایک مدت کے لیے بنایا ہے۔ اس مدت کے بعد انسان کو حتمی طور پر مرنا ہے، جسے "اجل محتوم" کہتے ہیں۔ لیکن غیر طبیعی علل و اسباب کی وجہ سے انسان کی عمر مختصر ہو سکتی ہے، یہ مدت غیر معین ہے۔ چونکہ اس کا دارومدار حالات پر ہے، لہٰذا اسے "اجل غیر حتمی" کہتے ہیں۔ "اجل محتوم" ناقابل تغییر ہے، جبکہ "غیر حتمی اجل" قابل تغیر ہے۔

٣۔ تمام مشرک قوموں کے مشرکانہ عقائد کی رد میں فرمایا: زمین کا دیوتا الگ اور آسمان کا دیوتا الگ نہیں ہوتا بلکہ آسمانوں اور زمین پر ایک ہی اللہ کی حکمرانی ہے۔

٤۔ ٥۔ مشرکین اور مفاد پرستوں کا ہمیشہ یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ الٰہی پیغام کی تکذیب کرتے ہیں اور جب بھی حق کا پیغام ان کے پاس آیا اس کا مذاق اڑایا۔ جدید جاہلیت بھی آیات الٰہی، تعلیمات قرآن اور اسلام کے نظام حیات کا مطالعہ کیے بغیر دین اور

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ
مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ
عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٦ وَلَوْ
نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ
بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ
اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ
مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ
لَا يُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ
رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩ وَ
لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ
بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

پہلے کتنی ہی ایسی قوموں کو نابود کر دیا جنہیں ہم نے زمین میں وہ اقتدار دیا تھا جو ہم نے تمہیں نہیں دیا؟ اور ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں جاری کر دیں پھر ہم نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کیں۔ ۞ ۷ اور (اے رسول) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کوئی کتاب (بھی) آپ پر نازل کرتے اور یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے اسے چھو بھی لیتے تب بھی کافر یہی کہتے کہ یہ ایک صریح جادو کے سوا کچھ نہیں۔ ۞ ۸ اور کہتے ہیں: اس (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا اور اگر ہم نے فرشتہ نازل کر دیا ہوتا تو (اب تک) فیصلہ بھی ہو چکا ہوتا پھر انہیں (ذرا) مہلت نہ دی جاتی۔☆ ۞ ۹ اور اگر ہم اسے فرشتہ قرار دیتے بھی تو مردانہ (شکل میں) قرار دیتے اور ہم انہیں اسی شبہ میں مبتلا کرتے جس میں وہ اب مبتلا ہیں۔☆ ۞ ۱۰ اور آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر ہوتا رہا ہے آخر کار تمسخر کرنے والوں کو اسی بات نے گرفت میں لیا

---

دین والوں کا مذاق اڑاتی ہے۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ خبردار فرماتا ہے کہ جس حق بات کا یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں اس کا انہیں عنقریب علم ہو جائے گا۔ دنیا میں حق کی فتح و نصرت کی خبریں سنیں گے اور آخرت میں عذاب الٰہی کے ذریعے اس مذاق کا مزہ چکھنا ہوگا۔

۸۔ مہلت کی وضاحت یہ ہے کہ جب تک ایمان بالغیب ہے اور تعقل و تفکر کے ذریعے ایمان کی دعوت دی جاتی ہے، تب تک مہلت مل جاتی ہے، لیکن جب منکرین کے مطالبے پر ایمان شہود کی منزل میں آ جاتا ہے اور تعقل و تفکر سے گزر کر محسوسات کے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد مہلت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ امتحان کے لیے مزید گنجائش نہیں رہتی۔ پس نتیجہ امتحان اور عذاب کا مرحلہ آ جاتا ہے۔

۹۔ اگر ہم فرشتے بھیجتے تو تمہیں وہی اشتباہ پیش آتا جواب پیش آ رہا ہے۔ کیونکہ ہم فرشتوں کو انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجتے تو لازماً لوگ انہیں دیکھ لیتے، ان سے ہم کلام ہوتے اور وہ فرشتے اطاعت کے لیے نمونہ عمل اور پابند احکام ہوتے۔ اس صورت میں ساری بشری خاصیتیں ان میں ہوتیں۔ پس لوگ ان پر بھی وہی اعتراض کرتے جو رسولوں پر کرتے ہیں۔

۱۰۔ سنت الٰہی ہے کہ تمسخر کرنے والے اسی بات کی گرفت میں آ جاتے ہیں جس کا وہ تمسخر کرتے تھے نیز تمسخر، بذات خود دلیل اور صحیح طرز فکر کے فقدان کی دلیل ہے۔

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ ع قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٤﴾ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ

جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔☆ ⑪ (ان سے) کہہ دیجیے: زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے؟☆ ⑫ ان سے پوچھ لیجیے: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ کہہ دیجیے: (سب کچھ) اللہ ہی کا ہے، اس نے رحمت کو اپنے پر لازم کر دیا ہے، وہ تم سب کو قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ضرور بہ ضرور جمع کرے گا جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔☆ ⑬ اور جو (مخلوق) رات اور دن میں بستی ہے وہ سب اللہ کی ہے اور وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔ ⑭ کہہ دیجیے: کیا میں آسمانوں اور زمین کے خالق اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا آقا بناؤں؟ جبکہ وہی کھلاتا ہے اور اسے کھلایا نہیں جاتا، کہہ دیجیے: مجھے یہی حکم ہے کہ سب سے پہلے اس کے آگے سر تسلیم خم کروں اور یہ (بھی کہا گیا ہے) کہ تم ہرگز مشرکین میں سے نہ ہونا۔☆ ⑮ (یہ بھی) کہہ دیجیے: اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے

۱۱۔ مطالعۂ تاریخ کی غرض سے سیر فی الارض جدید طریقۂ تحقیق ہے، جس کا عربوں کو علم ہی نہ تھا۔ بڑی بڑی تہذیبوں اور سلطنتوں کے باقی ماندہ کھنڈرات سے ان کے انجام بد کی گواہی مل جاتی ہے۔

۱۲۔ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ: اللہ نے رحمت کو اپنے ذمے لیا ہے وہ ارحم الراحمین ہے اور انسان کی تخلیق میں بھی رحیم ہے۔ چنانچہ اس نے انسان کو احسن تقویم کے سانچے میں ڈھالا۔ وہ انسان کے لیے تسخیر کائنات میں رحیم ہے۔ وہ انسانی تعلیم و تربیت میں رحیم ہے۔ انسان کی ہدایت و رہنمائی میں رحیم ہے۔ عفو و درگزر میں رحیم ہے اور قیامت کی عدالت میں رحیم ہے۔ اس رحیم و کریم رب کو چھوڑ کر بتوں کے سامنے جھکتے ہو؟

۱۴۔ اگر کسی کی عبادت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ خالق ہے تو آسمانوں اور زمین کا خالق تو اللہ ہے۔ اگر عبادت کی وجہ یہ ہے کہ ہماری جانوں کا مالک ہے تو اللہ ہی ہر مخلوق کا مالک ہے اور اگر عبادت نعمت کی فراوانی کی بنا پر ہوتی ہے تو یہ فراوانی بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

فَاطِرِ: فطر کے لغوی معنی شگاف کے ہیں۔ اگرچہ یہ لفظ خالق کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے تاہم اللہ کا طریقۂ تخلیق شگاف ہے۔ اللہ تخم اور دانے کو چیرتا ہے۔ دانے سے تنا اس سے شاخ اس سے پتے اس سے پھول، اس سے میوے چیر کر نکالتا ہے: فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی۔ (انعام:۹۵) دانے اور گٹھلی کا شگافتہ کرنے والا۔

۱۵۔ قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں خوف لاحق ہونا قدرتی بات ہے۔ اس آیت میں نہایت مؤثر

عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١٨﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿١٩﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ

عذاب کا خوف ہے۔☆ ﴿١٦﴾ جس شخص سے اس روز یہ (عذاب) ٹال دیا گیا اس پر اللہ نے (بڑا ہی) رحم کیا اور یہی نمایاں کامیابی ہے۔ ﴿١٧﴾ اور اگر اللہ تمہیں ضرر پہنچائے تو خود اس کے سوا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی عطا کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿١٨﴾ اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی بڑا حکمت والا، باخبر ہے۔ ﴿١٩﴾ کہہ دیجیے: گواہی کے لحاظ سے کون سی چیز سب سے بڑی ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ ہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس تک یہ پیغام پہنچے سب کو تنبیہ کروں، کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجیے: میں تو ایسی گواہی نہیں دیتا، کہہ دیجیے: معبود تو صرف وہی ایک ہے اور جو شرک تم کرتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔☆ ﴿٢٠﴾ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (رسول) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو

---

انداز میں یہ بات پیش کی گئی ہے۔ رسول کریم ﷺ خود اپنی ذات کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں خود اپنے رب کی نافرمانی کرتا تو مجھے بھی خوف لاحق ہو جاتا۔ یعنی معصیت کی صورت میں عدل الٰہی سے خوف آتا ہے۔

۱۹۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ؕ: تاکہ میں تمہیں اور جس تک یہ پیغام پہنچے سب کی تنبیہ کروں۔ اس جملے سے قرآن کا دائمی منشور ہونا ثابت ہے کہ قیامت تک جن جن لوگوں تک یہ الٰہی پیغام پہنچے ان سب کے لیے یہ قرآن دستور حیات اور خاتم ادیان ہے۔

قرآن کا ایک دائمی منشور اور جامع نظام حیات ہونا خود اپنی جگہ ان لوگوں کے لیے ایک چیلنج ہے، جو اس قرآن اور قرآنی نظریۂ توحید پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس چیلنج کے بعد پروردگار، منطق اور دلیل کے لہجے میں سوال فرماتا ہے: اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ کیا اس کے باوجود تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ یقینا کائناتی نظام کی وحدت خالق کی وحدت کی گواہی دیتی ہے۔

۲۰۔۲۱۔ اہل کتاب پر نازل ہونے والی کتابوں میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف و شمائل ایسے بیان ہوئے تھے کہ وہ ان کو پہنچاننے میں کسی اشتباہ یا دقت کے شکار نہ ہوتے بلکہ جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو ہزاروں میں سے بلاتردد پہچان لیتا ہے اسی طرح وہ رسول کریم ﷺ کو بھی پہچانتے ہیں، لہٰذا اہل کتاب کسی اشتباہ یا غلط فہمی کی وجہ سے اس رسول کے منکر نہیں ہو رہے ہیں، بلکہ ان کو رسول حق جاننے کے باوجود نہیں مانتے: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ (اعراف: ۱۵۷)

الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ
نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ
الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ
فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا
مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓي
اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰي
قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ
وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ
حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ

پہچانتے ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال
رکھا ہے، پس وہی ایمان نہیں لائیں گے۔☆ ﴿٢١﴾ اور اس
شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے
یا اس کی آیات کو جھٹلائے؟ یقیناً ایسے ظالم کبھی نجات نہیں
پائیں گے۔☆ ﴿٢٢﴾ اور جس دن ہم تمام لوگوں کو جمع کریں
گے پھر ہم مشرکوں سے پوچھیں گے: تمہارے وہ شریک اب
کہاں ہیں جن کا تمہیں زعم تھا؟☆ ﴿٢٣﴾ پھر ان سے اور کوئی
عذر بن نہ سکے گا سوائے اس کے کہ وہ کہیں: اپنے رب اللہ
کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔☆ ﴿٢٤﴾ دیکھیں: انہوں نے
اپنے آپ پر کیسا جھوٹ بولا اور جو کچھ وہ افترا کرتے تھے
کس طرح بے حقیقت ثابت ہوا؟☆ ﴿٢٥﴾ اور ان میں سے
کچھ لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر آپ کی باتیں سنتے ہیں،
لیکن ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ
انہیں سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی (بہرہ پن)
ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں پھر بھی ان پر ایمان نہیں
لائیں گے یہاں تک کہ یہ (کافر) آپ کے پاس آتے ہیں
تو آپ سے جھگڑتے ہیں، کفار کہتے ہیں: یہ تو بس قصہ ہائے

٢٢ تا ٢٤۔ بروز قیامت مشرکین سے یہ خطاب ہوگا
کہ وہ اپنے ان دیوتاؤں کو تلاش کریں جن سے
انہوں نے ساری امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں کہ وہ
اس روز ان کی شفاعت کریں، ان کو نجات
دلائیں۔ مشرکین جواب میں یہ عذر پیش کریں گے
اور قسم کھائیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ
اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ (مجادلۃ: ١٨)
وہی طرز قسم جو دنیا میں کھایا کرتے تھے۔ يَوْمَ تُبْلَى
السَّرَآئِرُ اس دن تمام راز فاش ہوجائیں گے۔ جس
کی وجہ سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی تاہم دنیا میں
جن لوگوں کا خلق وخو حقائق سے انکار کرنا تھا،
آخرت میں اسی خلق وخو کے ساتھ محشور ہوں گے۔
چنانچہ دنیا میں مشرکین کا خلق وخو حقائق سے انکار کرنا
تھا، یہی وطیرہ قیامت کے دن بھی اپنائیں گے۔
ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ: قیامت کے روز حقائق
سامنے آئے تو ان دیوتاؤں کی حقیقت فاش ہوگئی
کہ وہ ایک واہمہ کے سوا کچھ نہ تھے۔

٢٥۔ اس سے پہلے بھی کئی بار ذکر آیا کہ جو لوگ قابل
ہدایت نہیں رہتے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت و
شفقت کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اسی کو دلوں پر پردہ
ڈالنے اور مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ کا
طریقۂ کار اور سنت یہ کہ جو اس کی ہدایت کو قبول اور
حاصل کرنے کے لیے سعی کرتے ہیں ان کو ہدایت
سے نوازتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
سُبُلَنَا (عنکبوت: ٦٩) اور تزکیہ نفس کے ساتھ نجات
وکامیابی ممکن ہے:
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (شمس: ٩) اس کے برخلاف
جن لوگوں نے انکار اور عصبیت کا تہیہ کر رکھا ہے وہ
تمام نشانیاں دیکھ بھی لیں ایمان نہیں لاتے۔

٢٦۔ وَهُمْ یعنی وہ لوگ جو آپ ﷺ کے پاس آپ

الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُّهْلِكُوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوْٓا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۖ قَالَ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۖ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع قَدْ خَسِرَ

پارینہ ہیں۔☆ ⑳ اور یہ (لوگوں کو) اس سے روکتے ہیں اور (خود بھی) ان سے دور رہتے ہیں اور وہ صرف اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں مگر اس کا شعور نہیں رکھتے۔☆ ㉗ اور اگر آپ (وہ منظر) دیکھیں جب وہ جہنم کے کنارے کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے: کاش ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں اور ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کریں اور ہم ایمان والوں میں شامل ہو جائیں۔☆ ㉘ بلکہ ان پر وہ سب کچھ واضح ہو گیا جسے یہ پہلے چھپا رکھتے تھے اور اگر انہیں واپس بھیج بھی دیا جائے تو یہ پھر وہی کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے اور یقینا یہ جھوٹے ہیں۔☆ ㉙ اور کہتے ہیں: ہماری اس دنیاوی زندگی کے سوا کچھ بھی نہیں اور ہم (مرنے کے بعد دوبارہ) زندہ نہیں کیے جائیں گے۔ ㉚ اور اگر آپ (وہ منظر) دیکھ لیں جب یہ لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو وہ فرمائے گا: کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں؟ ہمارے رب کی قسم (یہ حق ہے)، وہ فرمائے گا: پھر اپنے کفر کے بدلے عذاب چکھو۔

سے جھگڑنے کے لیے آتے ہیں نیز لوگوں کو اس قرآن کے سننے سے روکتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ سیاق و سباق کلام، رسول اللہ ﷺ سے جھگڑنے والے مشرکین کے بارے میں ہے، لیکن ستم ظریفی دیکھیے کہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور اردو تفسیر معارف القرآن کے مؤلف وغیرہ نے اس روایت کی نقل میں کوئی خفت محسوس نہیں کی کہ یہ آیت حضرت ابوطالب ؑ کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ لوگوں کو رسول ﷺ کی اذیت سے روکتے تو تھے لیکن خود ایمان لانے سے دوری اختیار کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں: اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا میں جمع کا صیغہ مفرد کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس آیت میں ینھون اور یَنۡـَٔوۡنَ جمع کے صیغے مفرد کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں۔ فرق باپ بیٹے کا تو نہیں کہ بیٹے کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا، باپ کے لیے ہو سکتا ہے، بلکہ فرق یہ ہے کہ آیہ اِنَّمَا سے بیٹے حضرت علی ؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اس آیت سے (نعوذ باللہ) باپ کا کفر ثابت ہوتا ہے۔ خود روایت کا حال یہ ہے کہ اولاً حبیب بن ابی ثابت ایک مجہول شخص سے روایت ہے۔ ثانیاً یہ روایت ابن عباس کی طرف منسوب ہے جو ان متعدد روایات سے متصادم ہے جو خود ابن عباس سے مروی ہیں اور جن میں کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں ہے جو قرآن سننے سے روکتے تھے۔

۲۷۔۲۸۔ عالم آخرت کے مشاہدے کے بعد مشرک یہ آرزو کرے گا کہ کاش ہمیں ایک موقع اور مل جاتا تو ہم ایمان والوں میں شامل ہو جاتے۔ اگرچہ واپس دنیا میں جانا ممکن نہیں ہے لیکن انسان ناممکنات کی بھی آرزو کرتا ہے کہ کاش جوانی لوٹ آتی۔

الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتۡهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً قَالُوۡا يٰحَسۡرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطۡنَا فِيۡهَا ۙ وَهُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۲﴾ قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّهٗ لَيَحۡزُنُكَ الَّذِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَصَبَرُوۡا عَلٰى مَا كُذِّبُوۡا وَاُوۡذُوۡا حَتّٰۤى اَتٰٮهُمۡ نَصۡرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَكَ مِنۡ نَّبَاِى

(۳۱) وہ لوگ گھاٹے میں رہ گئے جو اللہ سے ملاقات کو جھٹلاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان پر اچانک قیامت آ جائے گی تو (یہی لوگ) کہیں گے: افسوس ہم نے اس میں کتنی کوتاہی کی اور اس وقت وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے، دیکھو کتنا برا ہے یہ بوجھ جو یہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ (۳۲) اور دنیا کی زندگی ایک کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں اور اہل تقویٰ کے لیے دار آخرت ہی بہترین ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟☆
(۳۳) ہمیں علم ہے کہ ان کی باتیں یقیناً آپ کے لیے رنج کا باعث ہیں، پس یہ صرف آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم لوگ درحقیقت اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔☆
(۳۴) اور بتحقیق آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جاتے رہے اور تکذیب و ایذا پر صبر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی اور اللہ کے کلمات تو کوئی بدل نہیں سکتا، چنانچہ سابقہ پیغمبروں کی خبریں آپ تک پہنچ چکی

بَلۡ بَدَا لَهُمۡ: یہ آرزو وہ اس وقت کریں گے جب ان پردہ بات واضح ہو جائے گی جسے یہ دنیا میں چھپاتے تھے۔ یعنی اپنے اعمال بد کو چھپاتے تھے، آج وہ آتش جہنم کے مشاہدے سے ظاہر ہو گئے۔

جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: وَبَدَا لَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا (زمر: ۴۸) یہ جنت و نار کی حقانیت کو دنیا میں چھپاتے تھے، آج آتش جہنم کے مشاہدے سے وہ بات عیاں ہو گئی۔

وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا: اگر انہیں دنیا میں واپس بھی کیا جائے تو وہی کفر اختیار کریں گے۔ چنانچہ جو لوگ جرائم پیشہ ہوتے ہیں وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو بڑے خلوص سے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جب عافیت مل جاتی ہے تو پھر اسی گندی زندگی میں مگن ہو جاتے ہیں۔

۳۲۔ ان لوگوں کی دنیا صرف لہو و لعب کھیل تماشا ہے جو حیات اخروی کے قائل نہیں ہیں اور صرف اسی دنیا کی زندگی کے لیے جی رہے ہیں۔ اس لیے اس زندگی کو کھیل اور لہو سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ لہو اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو اہم کاموں سے باز رکھے، ورنہ مؤمن کی دنیاوی زندگی آخرت کے لیے کھیتی ہے اور جتنی فصل مقدس ہے اتنی ہی کھیتی مقدس ہے۔

دنیا کو کھیل تماشہ کہنے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس زندگی کی اسلام کی نظر میں سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اخروی ابدی زندگی سے متصادم یہ زندگی کھیل تماشا ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی اگر آخرت کی زندگی کے خلاف گزاری جاتی ہے تو اس کی مذمت ہے۔ ورنہ اس زندگی کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہے۔

۳۳، ۳۴۔ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

النصف — وقف غفران — وقف منزل، عند المتقدمین علی یسمعون

ہیں۔☆ ﴿٣٥﴾ اور ان لوگوں کی بے رخی اگر آپ پر گراں گزرتی ہے تو آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کریں پھر ان کے پاس کوئی نشانی لے کر آئیں اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، پس آپ نادانوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔☆ ﴿٣٦﴾ یقینا مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو تو اللہ (قبروں سے) اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف پلٹائے جائیں گے۔ ﴿٣٧﴾ اور وہ کہتے ہیں: اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ نازل کیوں نہیں ہوا؟ کہہ دیجیے: اللہ معجزہ نازل کرنے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿٣٨﴾ اور زمین پر چلنے والے تمام جانور اور ہوا میں اپنے دو پروں سے اڑنے والے سارے پرندے بس تمہاری طرح کی امتیں ہیں، ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی پھر (سب) اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے۔☆ ﴿٣٩﴾ اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے

---

کفار کی طرف سے آپ ﷺ کی جو تضحیک و تکذیب ہو رہی ہے، یہ درحقیقت اللہ کی تکذیب ہے۔

دوسری آیت میں اس روش کی طرف توجہ دلائی کہ اس راستے میں تمام انبیاء کو اسی قسم کے مراحل سے گزارا گیا اور فرمایا کہ اللہ کی طرف سے فتح و نصرت اس سفر کے آخری مرحلے میں آتی ہے۔

۳۵۔ اس آیت میں دعوت الی اللہ کے بارے میں ایک الٰہی سنت (روش) کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کو وہ ایمان مطلوب ہے جسے قلب قبول کرے، جس کے سامنے ضمیر جھک جائے اور دل منطقی دلیل کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دے، نہ کہ طاقت و شمشیر کے سامنے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی: اگر اللہ چاہتا تو اپنی قوت قاہرہ سے انہیں ایمان لانے پر مجبور کر دیتا۔ لیکن ایسے جبری ایمان کی کیا قیمت ہوگی؟ اس قسم کا جبری ایمان تو وہ قیامت کے دن لائیں گے، مگر اس ایمان کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اس آیت سے اور دیگر متعدد آیات سے ان جاہل افراد کی حرکات کی شرعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے جو اپنے مسلک کی تقویت اور اپنے مخالفوں کو زیر کرنے کے لیے منطقی دلائل اور علمی استدلال کی بجائے طاقت استعمال کرتے ہیں۔

۳۷۔ معجزہ اگر اللہ کی طرف سے لوگوں کے مطالبے کے بغیر پیش کیا جائے تو رسول ﷺ کی حقانیت ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اگر اسے لوگ قبول نہ کریں تو عذاب نازل نہیں ہوتا ہے لیکن اگر معجزہ لوگوں کے مطالبے پر پیش کیا جائے تو اس پر ایمان نہ لانے کی صورت میں فوری عذاب نازل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ناقہ صالح کے سلسلے میں ہوا۔

۳۸۔ ہر جاندار تولد نسل اور حصول رزق کے طریقوں

صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا

ہیں وہ بہرے اور گونگے ہیں جو تاریکیوں میں (پڑے ہوئے) ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔ ﴿۳۹﴾ کہد یجیے: یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا قیامت آ جائے تو کیا تم (اس وقت) اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ ﴿۴۰﴾ بلکہ (اس وقت) تم اللہ ہی کو پکارو گے اور اگر اللہ چاہے تو یہ مصیبت تم سے ٹال دے گا جس کے لیے تم اسے پکارتے تھے اور جنہیں تم نے شریک بنا رکھا ہے اس وقت انہیں تم بھول جاؤ گے۔☆ ﴿۴۱﴾ اور بے شک آپ سے پہلے (بھی) بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے پھر ہم نے انہیں سختیوں اور تکالیف میں مبتلا کیا تا کہ وہ عاجزی کا اظہار کریں۔☆ ﴿۴۲﴾ پھر جب ہماری طرف سے سختیاں آئیں تو انہوں نے عاجزی کا اظہار کیوں نہ کیا؟ بلکہ ان کے دل اور سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر کے دکھائے۔☆ ﴿۴۳﴾ پھر جب انہوں نے وہ نصیحت فراموش کر دی جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر

---

کی شناخت نیز اپنی ذات سے محبت، دوست و دشمن کی شناخت اور حب بقا وغیرہ میں انسان کی طرح ہے۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات بھی اپنے شعور کے دائرے میں ذمہ دار ہیں۔ کل قیامت کے دن ان سب کو جمع کیا جائے گا۔

۴۱۔ اس آیت میں توحید پر فطری اور جبلتی دلیل پیش کی گئی ہے کہ اللہ کے وجود پر دلیل اور نشان خود تمہارے وجود کے اندر ہے کہ انسان کی فطرت اور جبلت میں یکتا پرستی ودیعت ہوئی ہوئی ہے کہ اگر انسان پر بیرونی منفی اثرات نہ ہوں، یعنی خواہشات اور برے ماحول اور منفی تربیت وغیرہ نے ضمیر کو دبا نہ رکھا ہو، تعصب اور جمود نے اس پر تعقل و تفکر کا دروازہ بند نہ کیا ہو، صرف انسان ہو اور اس کی فطرت تو انسان فطرتاً یکتا پرست رہتا ہے۔ اس کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب انسان پر کوئی ناگہانی آفت آ جاتی ہے۔ مثلاً کوئی مسافر کشتی پر سوار ہو اور وہ طوفان میں گھر جائے اور موت اپنی بھیانک صورت کے ساتھ سامنے آ جائے تو اس وقت انسان سے تمام غیر فطری عوامل دور ہو جاتے ہیں اور انسان اپنی خالص فطرت کی زندگی میں آ جاتا ہے، دبا ہوا ضمیر بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت دیو، دیوتا یاد نہیں آتا۔ صرف خدائے واحد کے سوا کوئی پناہ اسے نظر نہیں آتی۔ بڑا مشرک جو اپنے بتوں کے لیے سخت ترین تعصب رکھتا ہو، اس موقع پر وہ انہیں فراموش کرتا ہے اور اس خدائے حقیقی کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے جو اس کی جبلت کے اندر ہے۔ یہ دلیل ہے کہ یکتا پرستی خود انسان کے نفس کے اندر موجود ہے۔

۴۲۔ ۴۳۔ اللہ تعالیٰ اس قانون کی دفعات بیان فرما رہا ہے جو اس سے پہلے کی تمام قوموں پر حاکم رہی

بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ
مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ
وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ
ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ
اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ
يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ
الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ
فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

طرح (کی خوشحالی) کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ وہ ان بخششوں پر خوب خوش ہو رہے تھے ہم نے اچانک انہیں اپنی گرفت میں لے لیا پھر وہ مایوس ہو کر رہ گئے۔☆ ﴿۴۵﴾ اس طرح ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی اور ثنائے کامل اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔☆ ﴿۴۶﴾ کہہ دیجیے: (کافرو) مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تمہاری سماعت اور تمہاری بصارت تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں یہ (چیزیں) عطا کرے؟ دیکھو ہم کس طرح اپنی آیات بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ منہ موڑ لیتے ہیں۔☆ ﴿۴۷﴾ کہہ دیجیے: بھلا تم یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر اچانک یا علانیہ طور پر آ جائے تو کیا ظالموں کے سوا کوئی ہلاک ہو گا؟☆ ﴿۴۸﴾ اور ہم تو رسولوں کو صرف بشارت دینے والے اور تنبیہ کرنے والے بنا کر بھیجتے ہیں، پھر جو ایمان لے آئے اور اصلاح کر لے تو ایسے لوگوں کے لیے نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ محزون ہوں گے۔ ﴿۴۹﴾ اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ اپنی نافرمانیوں کی پاداش میں عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ہیں: اللہ نے مختلف قوموں کی طرف رسول بھیجے اور ان کو توحید کی طرف دعوت دی اور اللہ کی نشانیاں بھی دکھائیں۔ ان قوموں کو اللہ کی طرف متوجہ کرکے ان پر کچھ سختیاں بھی نازل فرمائیں۔ ایسی سختیاں جو انسان ساز ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں نرمی آنے کی بجائے یہ لوگ اور سخت ہو گئے اور ان کے مراسم خرافات اور اعمال بد کو شیطان نے مزید زیبائش دی۔ جیسا کہ قوم موسیٰ، فرعونیوں کو مختلف آفتوں میں مبتلا کیا: وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ۔ (اعراف: ۱۳۰) اور بتحقیق ہم آل فرعون کو قحط سالی اور پیداوار کی قلت میں مبتلا کیا شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔ اس کی مثال ہماری معاصر دنیا میں یورپ اور ایڈز کی بیماری ہے کہ شیطان اس بیماری کے محرک عمل بد کو آراستہ کرکے ان کو دکھاتا ہے۔

۴۴۔ ۴۵۔ اللہ تعالیٰ جس طرح مصائب و آلام کے ذریعے قوموں کی آزمائش فرماتا ہے، اسی طرح خوشحالی اور وافر نعمتوں سے مالا مال کر کے بھی آزمائش میں ڈالتا ہے وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔ (اعراف: ۱۶۸) اور ہم نے آسائشوں اور تکلیفوں کے ذریعے انہیں آزمایا کہ شاید وہ باز آ جائیں اور خوشحالی کی آزمائش بدحالی کی آزمائش سے زیادہ سنگین اور صبر آزما ہوتی ہے۔ چنانچہ ان آزمائشوں میں مؤمن خوشحالی میں شکر اور بدحالی میں صبر کرتا ہے اور غیر مؤمن خوشحالی میں اتراتا ہے اور بدحالی میں بے صبر ہوتا ہے۔

۴۶۔ ۴۷ نفی شریک پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ کے علاوہ کوئی اور ذات بھی موجود ہو جو اللہ کے ساتھ دفع ضرر اور جذب منفعت میں مؤثر ہو تو یہ دیکھ لو کہ تمہاری آنکھیں اور کان کی قوت، بصارت و سماعت اگر اللہ چھین لے تو پتھر کے یہ بت تمہیں یہ چیزیں واپس دلا سکیں گے؟ اگر نہیں دلا سکتے تو اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے ان پتھروں کو کیوں شفیع

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ
اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ
اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۵۰ ع وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ
يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ ۝۵۱ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ
مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ
حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ
فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۲ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ

۵۰ کہہ دیجیے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی ہوتی ہے، کہہ دیجیے: کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟☆ ۵۱ اور آپ اس (قرآن) کے ذریعے ان لوگوں کو متنبہ کریں جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے سامنے ایسی حالت میں جمع کیے جائیں گے کہ اللہ کے سوا ان کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ شفاعت کنندہ، شاید وہ تقویٰ اختیار کریں۔☆ ۵۲ اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ کریں، نہ آپ پر ان کا کوئی بار حساب ہے اور نہ ہی ان پر آپ کا کوئی بار حساب ہے کہ آپ انہیں (اپنے سے) دور کر دیں پس (اگر ایسا کیا تو) آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔☆ ۵۳ اور اس طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے (یوں) آزمائش میں ڈالا کہ وہ یہ

اور موثر سمجھتے ہو اور اپنے آپ کو ظالموں میں شامل کر کے ہر آنے والے عذاب کا نشانہ کیوں بنتے ہو۔

۵۰۔ خزانۂ الٰہی سے ممکن ہے وہ منبع فیض مراد ہو جس سے تمام موجودات ان کے وجود سمیت مستفیض ہو رہی ہیں۔ اسی کو خزائن رحمت سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی مصدر فیض سے پوری کائنات وجود میں آئی وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (منافقون: ۷) آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے۔ مشرکین کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف سے کوئی رسول آتا ہے تو اسے انسانوں کی طرح بھوک و پیاس سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ وہ رسول ایسا ہونا چاہیے کہ وہ جب حکم دے تو پہاڑ سونے کا ہو جائے، اس کے ایک اشارے سے دنیا کی ساری نعمتیں سمٹ کر سامنے آ جائیں۔ یہ کیسا رسول ہوا کہ اس کو اپنی ضرورتوں کے لیے لوگوں سے قرض لینے تک کی نوبت آ جائے۔ مشرکین کہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری نہیں کرتے یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی ایسا باغ ہو جس کے درمیان نہریں بہ رہی ہوں یا جیسا کہ آپ خیال کرتے ہیں آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں یا خود آپ کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو۔ (اسراء: ۹۳)
علم غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک ذاتی علم جو کسی تعلیم اور وحی کے بغیر بذات خود معلوم ہو۔ یہ علم صرف اللہ کے ساتھ مختص ہے۔ دوسرا وہ علم جو وحی اور تعلیم کے ذریعے کسی ذات میں آ جائے۔ یہ علم غیب اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو عنایت فرماتا ہے: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ۔ (آل عمران: ۴۴) یہ غیب کی

عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ
بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ
رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ
مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ
بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥٤﴾
وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٥٥﴾ ع قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ
الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ
اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا
مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ
مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا
تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ

کہہ دیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل و کرم کیا ہے؟ (کہہ دیجیے) کیا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو بہتر نہیں جانتا؟ ﴿۵۳﴾ اور جب آپ کے پاس ہماری آیات پر ایمان لانے والے لوگ آ جائیں تو ان سے کہیے: سلام علیکم تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ تم میں سے جو نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو وہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۵۵﴾ اور اسی طرح آیات کو ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ نمایاں ہو جائے۔ ﴿۵۶﴾ کہہ دیجیے: اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو ان کی بندگی سے مجھے منع کیا گیا ہے، کہہ دیجیے: میں تمہاری خواہشات کی اتباع نہیں کروں گا اور اگر ایسا کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ افراد میں شامل نہیں رہوں گا۔ ﴿۵۷﴾ کہہ دیجیے: میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر (قائم) ہوں اور تم اس کی تکذیب کر چکے ہو، جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، فیصلہ تو صرف اللہ

---

خبریں ہم آپ کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔

۵۱۔ اگرچہ قرآن عام لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے تاہم اس قرآن سے صحیح استفادہ کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو خوف خدا دل میں رکھتے ہیں۔

۵۲۔ شروع میں مفلوک الحال لوگوں نے ہی اسلام قبول کیا تھا، جس پر قریش طنز کرتے تھے کہ اس شخص کے گرد ہماری قوم کے ادنیٰ طبقے کے لوگ جمع ہیں۔ جیسا کہ قوم نوح نے بھی یہی طنز کیا تھا۔ (شعراء: ۱۱۱) اسی طرح تمام انبیاء نے مادی اقدار اور انسانی اقدار کی جنگ لڑی ہے۔ قریش کے رئیس از روئے طنز کہتے تھے: کیا اللہ نے اپنے فضل و کرم کے لیے ہم میں سے صہیب، بلال اور خباب جیسوں کا انتخاب کیا ہے جن کے جسم سے بدبو آتی ہے؟ ہم اسلام قبول کر بھی لیں تو کیا ہمیں ان کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا؟ جواب میں فرمایا: یہی اصل آزمائش ہے۔ ان اقدار کے امتحان میں آج بھی بہت سے لوگ ناکام نظر آتے ہیں۔

۵۴۔ زمانہ جاہلیت میں جن افراد کے ساتھ بیٹھنے کو عار سمجھا جاتا تھا انہی افراد کے بارے میں رسول ﷺ کو یہ حکم ملتا ہے کہ یہ لوگ جب آپ ﷺ کے پاس آئیں تو ان کو سلام علیکم کہیں اور عہد جاہلیت میں اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے تو اللہ معاف فرما دے گا۔

۵۸۔ ہر امت اپنے نبی سے فیصلہ کن معجزے طلب کرتی رہی ہے اور یہی مطالبہ رسول اسلام ﷺ کی امت نے بھی کر دیا۔ جواب میں فرمایا: جس چیز کی تمہیں جلدی ہے وہ میرے پاس نہیں ہے۔ فیصلہ تو اللہ نے کرنا ہے۔ وہ اگر چاہے تو تم پر عذاب نازل کرے اور قوم عاد و ثمود کی طرح تمہیں بھی ہلاک کر دے۔

يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ
لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ
الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا
يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ
وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ
فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ
اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ
يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ
بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ
مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ
عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا

ہی کرتا ہے وہ حقیقت بیان فرماتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ﴿۵۷﴾ کہہ دیجیے: جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو اگر وہ میرے پاس موجود ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔☆ ﴿۵۸﴾ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز سے واقف ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس سے آگاہ ہوتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور خشک وتر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔☆ ﴿۵۹﴾ اور وہی تو ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن میں جو کچھ تم کرتے ہو اس کا علم رکھتا ہے پھر وہ دن میں تمہیں اٹھا دیتا ہے تاکہ معینہ مدت پوری کی جائے پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔☆ ﴿۶۰﴾ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبانی کرنے والے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی ایک کو موت آ جائے تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)

۵۹۔ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ: اس کائنات میں موجود ہر شے اور یہاں رونما ہونے والے ہر واقعہ کے پیچھے ایک ایسی تحریر موجود ہے جسے آئین کی حیثیت حاصل ہے۔ اس عالم شہود میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ان دفعات کے تحت رونما ہوتا ہے جو اس آئین میں درج ہیں۔ اس آئین کو کتاب مبین، ام الکتاب، کتاب مکنون اور الزبر وغیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے: وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ۔ (قمر:۵۲)

۶۰۔ توفی، وفا پورا کرنے کے معنوں میں ہے۔ یہ لفظ موت کے لیے استعمال ہوا ہے اور نیند کے لیے بھی۔ چنانچہ ان کے بعد اٹھانے کو بعث کہتے ہیں۔ اس آیت میں نیند کے بعد اٹھنے کو بھی بعث کہا ہے: يَبْعَثُكُمْ۔ کیونکہ موت اور نیند دونوں حالتوں میں انسان میں تحرک نہیں رہتا اور جب کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے سے پھر تحرک شروع ہوتا ہے۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد بھی تحرک پیدا ہوتا ہے، لیل ونہار کی اس عارضی موت وحیات سے انسان اپنی زندگی پوری کرتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔

۶۱۔ اللہ اپنی قہاریت کی بنا پر انسانوں کے لیے نگہبان فرشتے معین فرماتا ہے۔ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اعمال کی نگہبانی کرتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (انفطار: ۱۰۔ ۱۱) جبکہ بعض دوسرے مفسرین کا نظریہ ہے کہ یہ فرشتے انسانوں کی اجل تک ان کی جان کی حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن آیت کے اطلاق میں دونوں قسم کی محافظت کا شامل ہونا بعید از امکان نہیں ہے۔

۶۳۔ ۶۴ اس سے پہلے آیت ۴ تا ۴۱ میں ذکر کیا گیا

| | |
|---|---|
| جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ | اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔☆ |
| هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ | ﴿٦٢﴾ پھر وہ اپنے مالک حقیقی اللہ کی طرف لوٹائے جائیں |
| مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ | گے، آگاہ رہو فیصلہ کرنے کا حق صرف اسی کو حاصل ہے اور |
| الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ | وہ نہایت سرعت سے حساب لینے والا ہے۔ ﴿٦٣﴾ کہد یجیے: |
| ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ | کون ہے جو تمہیں صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں نجات دیتا |
| خُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ | ہے؟ جس سے تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے التجا کرتے ہو کہ |
| الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ | اگر اس (بلا) سے ہمیں بچا لیا تو ہم شکر گزاروں میں سے |
| كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ | ہوں گے۔☆ ﴿٦٤﴾ کہد یجیے: تمہیں اس سے اور ہر مصیبت |
| الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ | سے اللہ ہی نجات دیتا ہے پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔☆ |
| فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ | ﴿٦٥﴾ کہد یجیے: اللہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ تمہارے |
| شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ | اوپر سے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے تم پر کوئی عذاب |
| كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ | بھیج دے یا تمہیں فرقوں میں الجھا کر ایک دوسرے کی لڑائی |
| وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ | کا مزہ چکھا دے، دیکھو ہم اپنی آیات کو کس طرح مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔☆ ﴿٦٦﴾ اور آپ کی قوم نے اس (قرآن) کی تکذیب کی ہے حالانکہ یہ |

کہ سخت مصیبت و شدید اضطراب کی حالت میں تمام مادی و دنیوی سہاروں سے مایوس ہو جاتا ہے تو انسان کے وجود کے اندر موجود وجدانی اور ضمیری انسان کے سامنے سے ساری رکاوٹیں ہٹ جاتی ہیں اور وہ اپنی فطرت کے عین مطابق اپنے خالق حقیقی ہی کی بارگاہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ عہد کرتا ہے کہ آئندہ زندگی شکر گزاروں کی طرح گزاروں گا لیکن وہ مادی دنیاوی عوامل دوبارہ اس کے اور اس کے وجدان اور فطرت کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں، پھر مشرکانہ حرکتیں شروع کر دیتا ہے۔ اس آیت میں ایسے مشرکوں کی تنبیہ ہے۔

۶۵۔ اوپر سے آنے والے اور قدموں کے نیچے سے آنے والے عذاب کے بارے میں مفسرین نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے:

الف: اوپر سے آنے والا عذاب طوفان اور سنگباری ہے جبکہ نیچے سے پھوٹنے والا عذاب زمین میں دھنس جانا ہے، جیسے قارون کے لیے ہوا۔

ب: اوپر سے آنے والا عذاب حکمرانوں کی طرف سے آنے والا عذاب ہے، جب کہ نیچے سے آنے والا عذاب نوکروں کی طرف سے آنے والا عذاب ہے۔

ج: ہمارے بعض معاصر مفسر جنگوں میں اوپر سے آنے والی بمباری اور نیچے سے پھٹنے والی مائنز بھی مراد لیتے ہیں۔

ان تمام اقوال سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ "اوپر نیچے" ایک تعبیر ہے۔ اصل مراد یہ ہے کہ اللہ تمہیں ہر طرف سے آنے والے عذاب سے گھیر سکتا ہے، ساتھ اس میں اس بات کا اشارہ بھی ہے کہ ایسے عذاب کے تم مستحق بھی ہو۔

عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ

حق ہے، کہہ دیجیے: میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ ﴿۶۶﴾ اور ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔☆ ﴿۶۷﴾ اور جب آپ دیکھیں کہ لوگ ہماری آیات کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں تو آپ وہاں سے ہٹ جائیں یہاں تک کہ وہ کسی دوسری گفتگو میں لگ جائیں اور اگر کبھی شیطان آپ کو بھلا دے تو یاد آنے پر آپ ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں☆ ﴿۶۸﴾ اور اہل تقویٰ پر ان (ظالموں) کا کچھ بار حساب نہیں تاہم نصیحت کرنا چاہیے شاید وہ اپنے آپ کو بچا لیں۔ ﴿۷۰﴾ اور (اے رسول) جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنایا ہوا ہے اور دنیا کی زندگی نے انہیں فریب دے رکھا ہے آپ انہیں چھوڑ دیں البتہ اس (قرآن) کے ذریعے انہیں نصیحت ضرور کریں مبادا کوئی شخص اپنے کیے کے بدلے پھنس جائے کہ اللہ کے سوا اس کا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ ہی شفاعت کنندہ اور اگر وہ ہر ممکن معاوضہ دینا چاہے تب بھی اس سے قبول نہ ہوگا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی کرتوتوں کی وجہ سے گرفتار بلا ہوئے، ان

---

عذاب الٰہی کی ایک صورت تو آسمانی آفات اور زمینی حوادث ہیں۔ دوسری صورت آپس کی بدامنی اور خانہ جنگی ہے جس میں امت مختلف گروہوں میں بٹ جاتی ہے اور ایک گروہ دوسرے گروہ پر چڑھ آتا ہے نیز امت داخلی بدامنی اور عدم تحفظ کا شکار ہو جاتی ہے۔

۶۷۔ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ: ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ جس زمانے میں اس آیت پر مشتمل سورہ مکہ میں نازل ہو رہا تھا، اس وقت غلبہ اسلام کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا، کی آواز پر آوازیں کسی جاتی تھیں اور اسلام کی فتح و نصرت کی کوئی علامت نظر نہیں آتی تھی۔ قرآن کی اس پیشگوئی پر لوگوں کو فتح مکہ کے بعد یقین آیا۔

۶۸۔ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ: کبھی شیطان تمہیں بھلا دے۔ اس جملے سے بعض لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھول چوک اور نسیان لاحق ہوتا تھا۔ حد یہ ہے کہ تفسیر المنار کے مولف نے نووی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے صحیح مسلم کی حدیث انما انا بشر انسی کما تنسون۔ "میں تم جیسا بشر ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں" کے ذیل میں لکھا ہے: یہ روایت اس بات پر دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو شریعت کے احکام بیان کرنے میں نسیان لاحق ہو سکتا ہے اور یہی جمہور علماء کا موقف ہے۔

جبکہ احکام بیان کرنے میں نسیان، نص قرآن سنقرئک فلا تنسی کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ بیان احکام میں رسول ﷺ کی عصمت کے بھی خلاف ہے۔

لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ۝۷۰ قُلۡ اَنَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعۡقَابِنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّيٰطِيۡنُ فِى الۡاَرۡضِ حَيۡرَانَ لَهٗۤ اَصۡحٰبٌ يَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَى الۡهُدَى ائۡتِنَا ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ وَاُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۷۱ وَاَنۡ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوۡهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝۷۲ وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ؕ قَوۡلُهُ الۡحَقُّ ؕ وَلَهُ الۡمُلۡكُ يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ ؕ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ

کے کفر کے عوض ان کے پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے۔☆ (۷۱) کہد یجیے: کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر انہیں پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکتے ہیں اور نہ برا؟ اور کیا اللہ کی طرف سے ہدایت ملنے کے بعد ہم اس شخص کی طرح الٹے پاؤں پھر جائیں جسے شیاطین نے بیابانوں میں راستہ بھلا دیا ہو اور وہ سرگرداں ہو؟ جب کہ اس کے ساتھی اسے بلا رہے ہوں کہ سیدھے راستے کی طرف ہمارے پاس چلا آ، کہد یجیے: ہدایت تو صرف اللہ کی ہدایت ہے اور ہمیں حکم ملا ہے کہ ہم رب العالمین کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ (۷۲) اور یہ کہ نماز قائم کرو اور تقوائے الٰہی اختیار کرو اور وہی تو ہے جس کی بارگاہ میں تم جمع کیے جاؤ گے۔ (۷۳) اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا اور جس دن وہ کہے گا ہو جا! تو ہو جائے گا، اس کا قول حق پر مبنی ہے اور اس دن بادشاہی اسی کی ہوگی جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی، وہ پوشیدہ اور ظاہری باتوں کا جاننے والا ہے اور وہی باحکمت

۷۰۔ خواہش پرستوں نے ہمیشہ دین کو اپنی خواہشات کے تابع بنایا ہے۔ جس طرح کوئی کھیلنے والا کسی چیز کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق الٹ پلٹ کرتا ہے، خواہش پرست دین کو بھی اپنی مرضی کے مطابق کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے کا حکم رحمۃ علی الخلق کی بنیاد پر دیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ثواب الٰہی سے محروم نہ رہ جائیں اور ہلاکت ابدی سے دوچار نہ ہوں، چونکہ اگر یہ لوگ دنیا میں اس نصیحت پر عمل نہ کریں تو روز آخرت ان کے لیے کوئی شفاعت، کوئی فدیہ اور کوئی کارساز نہ ہوگا، بلکہ ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہو گا۔

۷۴۔ آزر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آزر نمرود کے بتوں کے خزانے کا انچارج تھا اور ماہرین کے مطابق فینقی (Phoenic) زبان میں بعل بت کے مجاور کو آزر بعل کہتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: آزر نمرود کا وزیر اور دار الاصنام (بتکدہ) کا انچارج تھا (نور الثقلین ۱: ۷۳۷)۔

باپ کے لیے عربی میں دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں: ایک اب جو حقیقی باپ، چچا اور دادا کے لیے استعمال ہوتا ہے اور دوسرا والد جو صرف حقیقی باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس طرح ابن حقیقی اور غیر حقیقی فرزند سب کے لیے اور ولد صرف حقیقی فرزند کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آیت میں اب کا لفظ استعمال ہوا ہے جو حقیقی باپ بھی ہو سکتا ہے اور چچا بھی۔ جبکہ سورۂ ابراہیم کی آیت ۴۱ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آخری عمر کی دعا کا ذکر ہے جس میں آپ علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے دعا کی ہے:

وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٧٣﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٧٨﴾

خوب باخبر ہے۔ ﴿٧٣﴾ اور جب ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ میں تمہیں اور تمہاری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔☆ ﴿٧٤﴾ اور اس طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کا (نظام) حکومت دکھاتے تھے تاکہ وہ اہل یقین میں سے ہو جائیں۔☆ ﴿٧٥﴾ چنانچہ جب ابراہیم پر رات کی تاریکی چھائی تو ایک ستارہ دیکھا، کہنے لگے: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے: میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔☆ ﴿٧٦﴾ پھر جب چمکتا چاند دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے اور جب چاند چھپ گیا تو بولے: اگر میرا رب میری رہنمائی نہ فرماتا تو میں بھی ضرور گمراہوں میں سے ہو جاتا۔☆ ﴿٧٧﴾ پھر جب سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو بولے: یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے: اے میری قوم! جن چیزوں کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔☆

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ۔ (ابراھیم:۴۱) یہاں والد کا لفظ استعمال ہوا جو صرف حقیقی باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے واضح طور پر حضرت ابراہیمؑ کے حقیقی والدین کا مؤمن ہونا اور آزر کا حقیقی باپ نہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

۷۵۔ حضرت ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کا ملکوتی نظارہ کرایا کہ یہ سب کس کی ملکیت ہے، ان پر کس کی حکومت ہے اور یہ کس کی کرشمہ سازی ہے؟ تاکہ وہ ایمان وایقان کی اس منزل پر فائز ہو جائیں کہ آتش نمرود میں جاتے ہوئے جبرئیل امین جیسے مقتدر فرشتے کی مدد کو بھی ناقابل اعتنا سمجھیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کو بھی افق اعلیٰ کی سیر کرائی تاکہ عقل ومشاہدہ دونوں سے بالاتر مرتبۂ یقین پر فائز ہو جائیں۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔

۷۶۔ ۷۹ جدید ترین تحقیقات اور کھدائیوں سے جو کتبے ملے ہیں ان سے پتہ چلا ہے کہ اس زمانے میں ہر شہر کا دیوتا جدا ہوتا تھا اور ہر دیوتا کسی ستارے، چاند یا سورج سے مربوط سمجھا جاتا تھا۔ اب تک پانچ ہزار خداؤں کے نام ملے ہیں۔ قوم ابراہیم کی ستارہ پرستی کا تصور کچھ اس طرح تھا کہ سورج بادشاہوں کی تدبیر کرنے والا، ان میں شجاعت اور پیش قدمی کی روح پھونکنے والا، شاہوں کے لشکر کو فتح اور ان کے دشمنوں کو شکست دینے والا رب ہے، ستارہ زحل کو بینی کا نام دیتے تھے، اس کی خاصیت بھی تقریباً یہی تھی۔ ستارہ مشتری کو مرداغ کہتے تھے اور اسے بڑا رب کہتے تھے جو عدل وانصاف کا رب ہے۔ ستارہ مریخ کو انکال کہتے تھے۔ یہ شکار اور جنگوں کا رب ہے۔ ستارہ زہرہ کو عشقار کہتے تھے۔ یہ سعادت وخوشحالی کا رب ہے۔ آثار قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زہرہ سے منسوب بت ایک برہنہ عورت کی شکل میں ہے اور عطارد کو نبو کہتے تھے اور یہ علم وحکمت کا رب

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ ۚ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ۚ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۗ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٨٠﴾ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨١﴾ (وقف لازم) الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾ ع وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا

(٧٩) میں نے تو اپنا رخ پوری یکسوئی سے اس ذات کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔☆ (٨٠) اور ابراہیم کی قوم نے ان سے بحث کی تو انہوں نے کہا: کیا تم مجھ سے اس اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہو جس نے مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے؟ اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو ان سے مجھے کوئی خوف نہیں مگر یہ کہ میرا رب کوئی امر چاہے، میرے رب کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے، کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ (٨١) اور میں تمہارے بنائے ہوئے شریکوں سے کیونکر ڈروں جب کہ تم ان چیزوں کو اللہ کا شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کی کوئی دلیل اس نے تم پر نازل نہیں کی؟ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو تو بتاؤ کہ کون سا فریق امن و اطمینان کا زیادہ مستحق ہے۔ (٨٢) جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے ملوث نہیں کیا یہی لوگ امن میں ہیں اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (٨٣) اور یہ ہماری وہ دلیل ہے جو ہم

ہے۔

ایسے ماحول میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بے مثال عقلی و فکری صلاحیت کے ساتھ توحید کی دعوت شروع کرتے ہیں ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ۔ (انبیاء: ۵۱) اور بتحقیق ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے عقل کامل عطا کی تھی اور ہم اس کے حال سے باخبر تھے۔ اسی رشد و فہم کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ایسے بت پرستانہ ماحول میں توحید کا پرچم بلند کرنا ممکن ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعوت میں حکیمانہ انداز اختیار کرتے ہوئے لوگوں کے اس عقیدہ سے فائدہ اٹھایا کہ انسانی امور کی تدبیر کسی طاقت کے ہاتھ میں ہے اور اسی کو رب تسلیم کر لینا چاہیے۔ اس رب کی تلاش اور تشخیص میں فوراً اپنا موقف بیان نہیں فرماتے بلکہ چند قدم ان سادہ لوح بت پرستوں کے ساتھ چلتے ہیں اور انہیں کا ایک بلند مرتبہ رب ایک ستارہ (زہرہ یا مشتری) کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں قَالَ هٰذَا رَبِّیْ۔ اس وقتی موقف اور فرضی نظریہ سے بت پرستوں کی مذہبی حیثیت اور نظریاتی تعصب کو چھیڑے بغیر ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں۔

فَلَمَّآ اَفَلَ: جب یہ ستارہ ڈوب جاتا اور نظروں سے غائب ہو جاتا، دوسرے لفظوں میں مزعومہ رب اپنے بندوں کو بے سہارا چھوڑ کر پس پردہ چلا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کو اس رب کی بے مہری کی طرف متوجہ کرتے ہیں: قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ مجھے غائب ہونے والے پسند نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس بارے میں لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ جب ستارے طلوع کرتے ہیں تو طاقتور ہوتے ہیں اور جب غروب کرتے ہیں کمزور ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے اسی نظریے کے مطابق فرمایا ہو کہ میں کمزوروں سے محبت نہیں کرتا۔ ایسا رب مجھے پسند نہیں ہے جو کمزوری کی وجہ سے چھپ جاتا ہے۔

اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ

نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں عنایت فرمائی، جس کے ہم چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا، خوب علم والا ہے۔ ﴿۸۳﴾ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عنایت کیے، سب کی رہنمائی بھی کی اور اس سے قبل ہم نے نوح کی رہنمائی کی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کی بھی اور نیک لوگوں کو ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں، ﴿۸۴﴾ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کی بھی، (یہ) سب صالحین میں سے تھے۔☆ ﴿۸۵﴾ اور اسماعیل، یسع، یونس اور لوط (کی رہنمائی کی) اور سب کو عالمین پر فضیلت ہم نے عطا کی۔☆ ﴿۸۶﴾ اور اسی طرح ان کے آبا اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں کو بھی (ہدایت دی) اور ہم نے انہیں منتخب کر لیا اور ہم نے راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ ﴿۸۷﴾ یہ ہے اللہ کی ہدایت جس سے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے نوازے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو ان

---

کیونکہ رب اور مربوب کے درمیان محبت ہی کا رشتہ ہوتا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ۔ (بقرۃ: ۱۶۵) اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا مد مقابل قرار دیتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے محبت اللہ سے رکھنی چاہیے۔ امام محمد باقر ؑ سے روایت ہے: هل الدين الا الحب۔ (الکافی ۸: ۷۹) کیا دین محبت کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟ حضرت ابراہیم ؑ براہ راست اس محبت کو نشانہ بناتے ہیں جس پر یہ عقیدہ قائم ہے اور فرماتے ہیں: لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ میں غائب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

جب چاند طلوع ہوتا ہے تو پھر استدراجی طرز استدلال اختیار فرماتے ہیں کہ ستارہ نہ سہی، چمکتا چاند میرا رب ہے۔ جب چاند بھی اپنے بندوں کو بے سہارا چھوڑ کر ڈوب جاتا ہے اور وہی بے رخی اختیار کرتا ہے تو اس بار حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے حقیقی رب کی اس طرح نشاندہی کی: لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ اگر میرا رب میری رہنمائی نہ فرماتا تو میں بھی ضرور گمراہوں میں سے ہو جاتا۔

جب سورج نے طلوع کیا تو وہی طرز استدلال اختیار کیا اور فرمایا یہ تو کافی بڑا ہے۔ یہی میرا رب ہے جب سورج نے بھی بے اعتنائی برتی اور ڈوب گیا، ڈوب جانے اور غائب ہو جانے کے امر میں ستارے، چاند اور سورج سب کو یکساں پایا تو دیکھا ان میں سے کوئی ایک بھی رب بننے کے قابل نہیں ہے، یہاں پر آمدم برسر مطلب کے طور پر کہا: اے قوم جن چیزوں کو تم اللہ کے شریک بناتے ہو ان سے میں بیزار ہوں۔ اب حضرت ابراہیم ؑ نے ان ارباب کو اس مقام پر پہنچایا کہ ان سے اعلان برائت کیا جائے۔

اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ ع وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ

کے کیے ہوئے تمام اعمال برباد ہو جاتے۔ ﴿۸۹﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی، اب اگر یہ لوگ ان کا انکار کریں تو ہم نے ان پر ایسے لوگ مقرر کر رکھے ہیں جو ان کے منکر نہیں ہیں۔ ﴿۹۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے تو آپ بھی انہی کی ہدایت کی اقتدا کریں، کہہ دیجیے: میں اس (تبلیغ قرآن) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، یہ تو عالمین کے لیے فقط ایک نصیحت ہے۔☆ ﴿۹۱﴾ اور انہوں نے اللہ کو ایسے نہیں پہچانا جیسے اسے پہچاننے کا حق تھا جب انہوں نے کہا: اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا ان سے پوچھیں: پھر وہ کتاب جو موسیٰ لے کر آئے تھے کس نے نازل کی جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی؟ اس کا کچھ حصہ ورق ورق کر کے دکھاتے ہو اور بہت کچھ چھپا لیتے ہو اور تمہیں وہ علم سکھا دیا تھا جو نہ تم جانتے ہو نہ تمہارے باپ دادا، کہہ دیجیے: اللہ ہی نے (اسے نازل کیا تھا)، پھر انہیں ان کی بیہودگیوں میں کھیلتے

---

۸۵۔ ان ذریتوں میں حضرت عیسیٰ ؑ کا ذکر ہے، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ دختر کی اولاد بھی ذریت شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر ؑ نے حجاج بن یوسف کے سامنے اس آیت اور آیۂ مباہلہ سے حسنین ؑ کے ذریت رسول ﷺ ہونے پر استدلال فرمایا اور امام موسیٰ کاظم ؑ نے ہارون رشید کے سامنے اس آیت سے استدلال کیا کہ ہم ذریت رسول ﷺ ہیں۔

۸۶۔ اس آیت میں مذکور اسماعیل فرزند ابراہیم ؑ کے علاوہ ہیں۔ ملاحظہ ہو سورہ مریم آیت ۵۴۔

۹۰۔ حضور ﷺ کے لیے حکم ہوتا ہے کہ وہ ان انبیاء کی راہ پر چلیں ان کی اقتدا کریں یعنی تبلیغ رسالت، منکرین سے جہاد، مصائب و آلام میں صبر وغیرہ میں اقتدا کریں، نہ کہ ان انبیاء پر نازل ہونے والے ہر حکم کی اقتدا، جیسا کہ کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آخر میں اپنی بے غرضی کے اعلان کا حکم ہوا کہ کہہ دیجیے میں اس تبلیغ و ہدایت پر کوئی اجر نہیں مانگتا یہ تو ایک الٰہی نعمت اور انسانی نصیحت ہے، جو خود تمہاری اور اہل عالم کی نجات کے لیے ہے۔

۹۲۔ اُمَّ الْقُرٰی کا لفظی ترجمہ بستیوں کا مرکز ہے۔ ساری دنیا کی بستیوں کا مرکز وہ ہے جہاں دنیا کا پہلا خانہ خدا موجود ہے۔ جس کی طرف نماز و حج کے لیے ساری دنیا کی بستیوں سے لوگ رجوع کرتے ہیں۔

مستشرقین کی اسلام دشمنی کس سے پوشیدہ ہے؟ وہ اس جملے سے یہ مطلب اخذ کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں کہ محمد ﷺ شروع میں اپنے دین کی دعوت کو مکہ اور اس کے اطراف کی بستیوں تک محدود رکھنا چاہتے تھے لیکن بعد میں اپنی توقعات کے خلاف انہوں نے اسے پورے جزیرۃ العرب تک

یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ
مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ
الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ
یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ
شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ
اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ
الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ
اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ
الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَ
لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ

چھوڑ دیں۔ ﴿۹۱﴾ اور یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے بڑی بابرکت ہے جو اس سے پہلے آنے والی کی تصدیق کرتی ہے اور تا کہ آپ ام القریٰ (اہل مکہ) اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو تنبیہ کریں اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہی اس (قرآن) پر بھی ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔☆ ﴿۹۲﴾ اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا یہ دعویٰ کرے کہ مجھ پر وحی ہوئی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں ہوئی اور جو یہ کہے کہ جیسا اللہ نے نازل کیا ہے ویسا میں بھی نازل کرسکتا ہوں اور کاش آپ ظالموں کو سکرات موت کی حالت میں دیکھ لیتے جب فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوئے کہہ رہے ہوں: نکالو اپنی جان، آج تمہیں ذلت آمیز عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ پر ناحق باتوں کی تہمت لگایا کرتے تھے اور اللہ کی نشانیوں کے مقابلے میں تکبر کیا کرتے تھے۔☆ ﴿۹۳﴾ اور لو آج تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آ گئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو

پھیلا دیا نیز بعد میں اس دعوت کو مزید وسعت دی گئی۔ اسلامی دعوت کی آفاقیت کی بات تو اس وقت بھی ہوتی رہی جب اس دعوت کو شعب ابی طالبؑ میں حوصلہ شکن حالات کا سامنا تھا۔ اس وقت مکہ میں نازل ہونے والے سورۂ سبا آیت ۲۸ میں فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ اور مکی سورہ تکویر آیت ۲۷ میں فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ یہ قرآن عالمین کے لیے ایک نصیحت ہے نیز مکی سورہ انبیاء آیت ۱۰۷ میں فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ ہم نے تو آپ ﷺ کو بس تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

۹۳۔ اس آیت میں ظلم کی تین بدترین صورتوں کا بیان ہے۔ ۱۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانا۔ ۲۔ جس پر وحی نہ ہوئی ہو اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ مجھ پر وحی ہوئی ہے۔ ۳۔ کسی شخص کا قرآن جیسی کتاب کے نازل کرنے کا دعویٰ کرنا۔ پہلی قسم کا ظلم مشرکین انجام دے رہے تھے۔ دوسری قسم کے ظلم کی نسبت پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف دی جارہی تھی۔ تیسری قسم کا ظلم خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمسخر ہے۔ یہ ظلم بھی بعض مشرکین کی طرف سے کیا جارہا تھا۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ یہ تمسخر کرنے والا عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح ہے جو حضرت عثمان کا رضاعی بھائی اور کاتب وحی تھا۔ قرآن کی نگاہ میں ہر وہ شخص جو خدا اور اس کے رسول کا تمسخر اڑائے کافر ہوتا ہے، خواہ وہ کاتب وحی ہی کیوں نہ ہو۔

۹۴۔ اس آیت میں زندگی کی فکر انگیز تصویر کشی کی گئی ہے، کیونکہ جب انسان اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو عریاں، محروم، بے بس اور خالی ہاتھ قدم رکھتا ہے نیز جب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو بھی محروم، بے بس اور خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ درمیان میں کچھ

مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ

کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی نہیں دیکھ رہے ہیں جن کے بارے میں تمہارا یہ خیال تھا کہ وہ تمہارے کام بنانے میں تمہارے شریک ہوں گے، آج تمہارے باہمی تعلقات منقطع ہو گئے اور تم جو دعوے کیا کرتے تھے وہ سب ناپید ہو گئے۔☆ ۹۵ بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کا شگافتہ کرنے والا ہے، وہی مردے سے زندہ کو اور زندہ سے مردے کو نکالنے والا ہے، یہ ہے اللہ، پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو۔☆ ۹۶ وہ صبح کا شگافتہ کرنے والا ہے اور اس نے رات کو (باعث) سکون اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے، یہ سب غالب آنے والے دانا کی بنائی ہوئی تقدیر ہے۔☆ ۹۷ اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرو، اہل علم کے لیے ہم نے اپنی آیات کھول کر بیان کی ہیں۔☆ ۹۸ اور وہی ہے جس نے تم سب کو ایک

دیر کے لیے خواہشات میں مگن رہتا ہے۔

۹۵۔ وہی ہے جو زمین کی تہ میں بیج کو شگافتہ کر کے درخت اور فصل اگاتا ہے۔ وہی بے جان مادے کی گود میں زندگی کی پرورش کرتا ہے اور زندہ سے مردہ نکالتا ہے، جیسا کہ بہت سے مردہ مواد ایسے ہیں جو زندہ نامی اجسام کی پیداوار ہیں۔

۹۶۔۹۷۔ رات کی تاریکی کو شگافتہ کر کے صبح کی روشنی نکالنا بالکل اسی طرح ہے جس طرح زمین کی تہوں میں دانے کو پھاڑ کر درخت نکالنا ہے، جس طرح مردہ سے زندہ نکالنا ہے۔ چونکہ صبح نور ہے اور حیات ہے، جنبش ہے، صبح سے پھوٹنے والی روشنی اور سورج کی شعاع کو دانے کی شگفتگی اور حیات و زندگی میں بنیادی دخل ہے۔ یعنی نبات و حیات کا مدار اصباح و مساء یعنی صبح و شام پر ہے۔ دن کی حرکت، جنبش سے اعصاب بدن تھکے ہوئے ہوتے ہیں اور فکری و ذہنی پریشانیوں سے دماغ تھکا ہوا ہوتا ہے، رات کے پرسکون ماحول میں انسان اور بہت سے جاندار آرام کے لیے اپنی طاقت دوسرے دن کے لیے چارج کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی عظیم رحمت ہے۔

انسان کی زندگی میں اوقات و زمان کو بڑا دخل ہے۔ اس الٰہی تقویم سے انسان اپنی زندگی کے امور کو منظم کر لیتے ہیں۔ اللہ کی یہ سورج اور چاند پر مشتمل تقویم اس قدر دقیق اور منظم ہے کہ اربوں سال میں بھی ایک سیکنڈ کا فرق نہیں ہوتا۔

ستارے اگرچہ اپنی جگہ ایک مستقل نظام ہیں، اس کے ساتھ اہل ارض کے لیے یہ رہنما کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ یہاں خطاب اہل ارض سے ہے، اس لیے ستاروں کی اس افادیت کا ذکر ہوا۔

۹۸۔ جائے استقرار سے حیات اخروی اور ودیعت کی

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

ہی ذات سے پیدا کیا، پھر ایک جائے استقرار ہے اور جائے ودیعت، ہم نے صاحبانِ فہم کے لیے آیات کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔☆ ﴿۹۸﴾ اور وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس سے ہم نے ہر طرح کی روئیدگی نکالی پھر اس سے ہم نے سبزہ نکالا جس سے ہم تہ بہ تہ گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے شگوفوں سے آویزاں گچھے اور انگور، زیتون اور انار کے باغات (جن کے پھل) ایک دوسرے سے مشابہ اور (ذائقے) جدا جدا ہیں، ذرا اس کے پھل کو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو، اہل ایمان کے لیے یقیناً ان میں نشانیاں ہیں۔☆ ﴿۹۹﴾ اور ان لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا حالانکہ اس نے انہیں پیدا کیا ہے اور نادانی سے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ ڈالیں، جو باتیں یہ لوگ کہتے ہیں اللہ ان سے پاک اور بالاتر ہے۔☆ ﴿۱۰۰﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کا بیٹا کیونکر ہو

جگہ سے دنیاوی زندگی مراد ہو سکتی ہے۔

۹۹۔ حیات و نبات میں پانی کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن اللہ پانی کو اس سے بھی زیادہ اہمیت دیتا ہے جتنا انسان اور آج کی سائنس زندگی کے لیے پانی کو ضروری سمجھتی ہے۔

خالق کائنات فرماتا ہے: كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (ہود: ۷) اس کا عرش بھی پانی پر تھا نیز ہر زندہ شے کو پانی ہی کے ذریعے زندگی بخشی: وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ۔ (انبیاء: ۳۰) اور ہم نے تمام جاندار چیزیں پانی سے بنائیں۔

اس آیت میں فرمایا کہ آسمان سے ہم نے پانی برسایا جس سے ہم نے ہر طرح کی روئیدگی نکالی۔ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ اس کی ضرورت کے مطابق نشو و نما دی اور یہ بھی ممکن ہے نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ سے مراد ہر طرح اور ہر قسم کی نباتات ہو، کیونکہ نبات کی ہر قسم پانی ہی سے نشو و نما پاتی ہے۔ چنانچہ فضا میں موجود نائٹروجن بجلی کی چمک کے ساتھ بارش کے پانی کے ذریعے زمین پر گرتی ہے اور قدرتی کھاد کی صورت میں زمین کو سرسبز بناتی ہے۔

۱۰۰۔ ۱۰۱ جنات کی پرستش قدیم بت پرست اقوام میں مشہور تھی۔ روم اور یونان کے خرافاتی خداؤں میں کئی ایک خداؤں کے نام ملتے ہیں جو جنات سے منسوب ہیں اور جنات کی کئی ایک شکلیں اور سونے کے بت بنائے تھے۔ اس آیت میں فرمایا کہ ان لوگوں نے اللہ کے لیے جنات کو شریک بنایا حالانکہ ان جنات کا خالق خدا ہے۔ یہ جن اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہو سکتی ہے کہ وَخَلَقَهُمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف جائے اور معنی یہ بن سکتے ہیں کہ یہ لوگ جنات کو اللہ کا شریک بناتے ہیں، حالانکہ خود ان لوگوں کا خالق

أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ ۗ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٠٢﴾ لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ جَاءَكُم بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٥﴾ اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَأَعْرِضْ عَنِ

سکتا ہے جبکہ اس کی کوئی شریک زندگی نہیں ہے اور ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔☆ (۱۰۲) یہی اللہ تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔ (۱۰۳) نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں جب کہ وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ نہایت باریک بین، بڑا باخبر ہے۔☆ (۱۰۴) تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بصیرت افروز دلائل آ گئے ہیں، اب جس نے آنکھ کھول کر دیکھا اس نے اپنا بھلا کیا اور جو اندھا بن گیا اس نے اپنا نقصان کیا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔☆ (۱۰۵) اور ہم اس طرح آیات مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں جس سے وہ یہ کہیں گے کہ آپ نے (کسی سے قرآن) پڑھا ہے اور اس لیے بھی کہ ہم یہ بات اہل علم پر واضح کر دیں۔ (۱۰۶) آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو وحی ہوئی ہے اس کی اتباع

---

اللہ ہے۔ لہٰذا انہیں اپنے خالق ہی کی پرستش کرنی چاہیے۔

اللہ کے لیے اولاد کا تصور گھڑنے والوں میں تو اہل کتاب بھی شامل ہیں جو عزیرؑ اور مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ بعض مشرکین فرشتوں کو بنات اللہ یعنی اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں اور کچھ اقوام ایسی بھی ہیں جو اپنے آپ کو فرزندان خدا سمجھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس میں کسی اور چیز کی شرکت کا امکان بھی نہیں ہے اور یہ کہ اللہ کے لیے بیٹے بیٹیاں نہیں ہیں کیونکہ اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ اولاد تو جفت کے درمیان پیدا ہوتی ہے اللہ کا کوئی جفت نہیں ہے، وہ تو ہر چیز کا خالق ہے۔ شان الٰہی کے لیے خالق ہونے میں عظمت ہے، جب کہ صاحب اولاد ہونا ناممکن ہونے کے علاوہ شان خداوندی کے منافی بھی ہے۔

۱۰۳۔ نگاہوں کا اپنا ادراک ہوتا ہے اور عقل کا اپنا ادراک ہوتا ہے۔ آیت نے صاف الفاظ میں فرمایا: نگاہیں اللہ کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کا وجود ایسا نہیں جو نگاہوں کی حس و ادراک کے دائرے میں آ جائے۔ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے: آنکھیں صرف ان چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں جو رنگ اور کیفیت پر مشتمل ہوں۔ **و اللّٰہ تعالیٰ خالق الاشیاء و الکیفیۃ**۔ اللہ تعالیٰ تو رنگوں اور کیفیت کا خالق ہے۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے: **و کیف یجری علیہ ما ھو اجراہ و یعود الیہ ما ھو ابداہ و یحدث فیہ ما ھو احدثہ**۔ (الاحتجاج ۱: ۱۹۸) بھلا جو چیز اس نے مخلوقات پر طاری کی ہو وہ اس پر کیونکر طاری ہو سکتی ہے؟ اور جو چیزیں اس نے ایجاد کی ہوں وہ اس

الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا ۗ
وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَا أَنتَ
عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ
يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ
عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ
أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ
فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾ وَأَقْسَمُوا
بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ
آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ
عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا
جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ
وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ
وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١٠﴾ ع

کریں، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور مشرکین سے کنارہ کش ہو جائیں۔ ﴿١٠٦﴾ اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو یہ لوگ شرک کر ہی نہیں سکتے تھے اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ ہی آپ ان کے ذمے دار ہیں۔ ﴿١٠٧﴾ گالی مت دو ان کو جن کو یہ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں مبادا وہ عداوت اور نادانی میں اللہ کو برا کہنے لگیں، اس طرح ہم نے ہر قوم کے لیے ان کے اپنے کردار کو دیدہ زیب بنایا ہے، پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پس وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔☆ ﴿١٠٨﴾ اور یہ لوگ اللہ کی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آئے تو یہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے، کہد یجیے: معجزے صرف اللہ کے پاس ہیں، لیکن (مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ معجزے آ بھی جائیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔☆ ﴿١٠٩﴾ اور ہم ان کے دل و نگاہ کو اس طرح پھیر دیں گے جیسا کہ یہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں سرگرداں چھوڑے رکھیں گے۔ ﴿١١٠﴾

نے ایجاد کی ہوں وہ اس کی طرف کیونکر عائد ہو سکتی ہیں؟ اور جس چیز کو اس نے پیدا کیا وہ اس میں کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟

۱۰۴۔ جس سطح کے دلائل رسول ﷺ نے اس ناخواندہ قوم کے سامنے پیش فرمائے وہ نہ صرف ان کی فکری سطح سے بلند ہیں بلکہ اہل کتاب کی فکری سطح سے بھی بلند ہیں۔ موجودہ توریت اور انجیل کی خرافات کا قرآن کی متانت کے ساتھ موازنہ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

۱۰۸۔ مومنین اگر مشرکین کے خداؤں کو دشنام دیں تو جاہلی تعصب کی بنا پر مقابلے میں وہ اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ لہٰذا اس کے محرک اور سبب تم نہ بنو۔

گالی اور دشنام اپنی جگہ ایک برا عمل ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اس برے کام کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ یہاں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ برائت اور سب ایک چیز ہے۔ پاک کردار لوگ بدکرداروں کی بدکرداری سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، جو برائت ہے، جبکہ گالی گلوچ، گھٹیا لوگوں کا کام ہے۔ لہٰذا اعلیٰ کردار کے مالک لوگ برائت کرتے ہیں، سب نہیں کرتے۔

۱۰۹۔ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہٹ دھرم مشرکین کی طرف سے معجزے کے مطالبے پر بعض اہل ایمان کا بھی یہی خیال تھا۔ چنانچہ ان سے فرمایا: تمہیں کیا معلوم کہ معجزہ دکھانے کی صورت میں یہ ایمان لے آئیں گے؟ چنانچہ تاریخ انبیاء شاہد ہے کہ دریا شق ہو جاتا ہے، پہاڑ سے اونٹنی نکل آتی ہے، مردے زندہ کیے جاتے ہیں، لیکن جن لوگوں نے انکار کرنا تھا وہ منکر رہے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا

﴿۱۱۱﴾ اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی نازل کر دیں اور مردے بھی ان سے باتیں کرنے لگیں اور ہر چیز کو ہم ان کے سامنے جمع کر دیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے، مگر اللہ چاہے (تو اور بات ہے) لیکن ان میں سے اکثر لوگ جہالت میں ہیں۔☆ ﴿۱۱۲﴾ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے جن وانس کے شیطانوں کو دشمن قرار دیا ہے جو ایک دوسرے کو فریب کے طور پر ملمع آمیز باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے، پس انہیں بہتان تراشی میں چھوڑ دیں۔☆ ﴿۱۱۳﴾ اور (شیاطین وسوسہ ڈالتے ہیں) تاکہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل (ملمع آمیز باتوں کی طرف) مائل رہیں اور وہ اس سے راضی رہیں اور جن حرکتوں میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں انہی میں مصروف رہیں۔ ﴿۱۱۴﴾ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں؟ حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کی ہے اور جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن آپ کے رب کی طرف سے برحق نازل ہوا ہے، لہٰذا آپ ہرگز

۱۱۱۔ یعنی اگر ان لوگوں کا مطالبہ قبول کر لیں اور ان پر فرشتے نازل کریں، یہاں تک کہ مردے بھی ان سے بات کریں تو بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ جب کہ تاریخ انبیاء شاہد ہے کہ دریا شق ہو جاتا ہے، پہاڑ سے اونٹنی نکالی جاتی ہے۔ مردے زندہ ہوتے رہے مگر جن لوگوں نے انکار کیا وہ منکر ہی رہے۔ آج بھی یہی ہوگا لاکھ معجزے دکھائے جائیں یہ لوگ منکر ہی رہیں گے مگر جو اللہ چاہے۔ ان کافروں کے لیے اللہ چاہے گا نہیں کیونکہ یہ لوگ خود ہدایت نہیں چاہتے۔ یہ لوگ اہلیت اور اللہ کی رحمت و ہدایت کے ظرف نہیں رکھتے۔

۱۱۲۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ: اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے۔ اللہ کی مشیت یہ ہے کہ حق و باطل دونوں کو اپنا اپنا کردار ادا کرنے کا موقع دیا جائے۔ ابراہیم علیہ السلام و نمرود، موسیٰ علیہ السلام و فرعون، مصطفیٰ ﷺ اور ابوجہل اور حسین علیہ السلام و یزید میں سے ہر ایک کو اپنا اپنا کردار ادا کرنے کا موقع دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ حجت و دلیل اور قلب و ضمیر کی راہ سے ایمان چاہتا ہے۔ طاقت استعمال کرنا ہوتی تو یہ کام اللہ کے لیے نہایت آسان تھا۔

۱۱۴۔ کلام بزبان رسول ﷺ جاری کیا جا رہا ہے گویا یہ حکم ہو رہا ہے کہ اے رسول ﷺ آپ ان منکرین سے کہد یجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے اللہ ہی کی ذات ہے، کیا میں ان کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں جب کہ اس نے ہی تمہاری طرف ایک مفصل کتاب نازل کی ہے، لہٰذا جس نے رسالت کا کام میرے ذمہ لگایا ہے میرا وہی منصف ہوگا۔ اس کے علاوہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ اپنی کتابوں میں

تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔☆ ﴿۱۱۵﴾ اور آپ کے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کے اعتبار سے کامل ہے، اس کے کلمات کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں اور وہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿۱۱۶﴾ اور اگر آپ زمین پر بسنے والے لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلیں گے تو وہ آپ کو راہ خدا سے بہکا دیں گے، یہ لوگ تو صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ صرف قیاس آرائیاں ہی کیا کرتے ہیں۔☆ ﴿۱۱۷﴾ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹک جائے گا اور ہدایت پانے والوں سے بھی وہ خوب آگاہ ہے۔ ﴿۱۱۸﴾ لہٰذا اگر تم اللہ کی نشانیوں پر ایمان رکھتے ہو تو وہ (ذبیحہ) کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔☆ ﴿۱۱۹﴾ اور کیا وجہ ہے کہ تم وہ (ذبیحہ) نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو؟ حالانکہ اللہ نے جن چیزوں کو اضطراری حالت کے سوا تم پر حرام قرار دیا ہے ان کی تفصیل اس نے تمہیں بتا دی ہے اور بے شک اکثر لوگ اپنی خواہشات کی بنا پر نادانی میں گمراہ کرتے ہیں، آپ کا رب حد سے تجاوز کرنے والوں کو

پڑھ چکے ہیں کہ محمد نبی آخر الزمان ﷺ آنے والے ہیں اور ساتھ ہی وحی و غیر وحی کی تمیز بھی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ اس بارے میں شک و تردد نہ کریں۔ ممکن ہے یہاں پر خطاب ظاہراً رسول خدا ﷺ سے ہو اور دوسروں کو سمجھانا مقصود ہو۔

۱۱۵۔ اس آیت میں کلمۃ سے مراد فیصلہ، وعدہ اور وعید ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ نے اسلام کی فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا اور اسلام کے غلبے کا جو فیصلہ کیا تھا اور مشرکین کی خواری کی جو وعید سنائی تھی وہ سب پورے ہو گئے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ اللہ کے فیصلوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے۔

۱۱۶۔ دنیاوی معاملات میں تو لوگ ظن و گمان پر عمل کرتے ہیں کیونکہ یہاں یقینی صورت تو کم ہی میسر آتی ہے۔ لیکن عقائد و نظریات میں لوگوں کے ظن و گمان گمراہ کن ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہاں ظن و گمان پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔

۱۱۸۔ ۱۱۹۔ سابقہ آیات میں تمہید باندھنے کے بعد اصل مقصد بیان ہو رہا ہے کہ مشرکین نے جانوروں کے ذبح کے مسئلہ کو اپنے خداؤں کی عبادت کے ساتھ منسلک کر دیا تھا اور ان خداؤں کے نام پر ذبح کرتے تھے اس بنا پر ان دو آیتوں میں ذبیحہ کا حکم عقائد کے ضمن میں بیان فرمایا۔

سیاق آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیحہ کے بارے میں جو تفصیل اس سے پہلے بتائی جا چکی ہے۔ وہ یا تو اسی سورہ میں آنے والی ایک آیت مراد ہے جس میں مردار، خون اور سور کا گوشت حرام ہونے کا ذکر ہے یا سورہ نحل آیت ۱۱۵ میں بھی مردار، خون، سور کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، کے حرام ہونے کا ذکر ہے اور سورہ نحل مکی ہے ممکن ہے کہ سورہ انعام سے پہلے نازل ہوا ہو۔

بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ
بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ
سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا
تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ
لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى
اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ
اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾ ع اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا
فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى
النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ
بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ
كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا
فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا

يقینا خوب جانتا ہے۔☆ (١٢٠) اور تم ظاہری اور پوشیدہ گناہوں کو ترک کر دو، جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں بے شک وہ عنقریب اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔☆ (١٢١) اور جس (ذبیحہ) پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اسے نہ کھاؤ کیونکہ یہ سنگین گناہ ہے اور شیاطین اپنے دوستوں کو پڑھاتے ہیں کہ وہ تم سے بحث کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقینا تم بھی مشرک بن جاؤ گے۔☆ (١٢٢) کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اسے روشنی بخشی جس کی بدولت وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہو اور اس سے نکل نہ سکتا ہو؟ یوں کافروں کے لیے ان کے کرتوت خوشنما بنا دیے گئے ہیں۔ (١٢٣) اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑے بڑے مجرموں کو پیدا کیا کہ وہاں پر (برے) منصوبے بناتے رہیں (درحقیقت) وہ غیر شعوری طور پر اپنے ہی

١٢٠۔ ظاہری اور پوشیدہ گناہوں کے بارے میں مختلف اقوال سامنے آتے ہیں، مثلاً ظاہری گناہ وہ ہیں جو اعضاء و جوارح سے صادر ہوں۔ پوشیدہ وہ جو دل میں رکھے جائیں۔ مثلاً حسد وغیرہ۔ مگر آیت کا اطلاق کسی تخصیص کو قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا ہر قسم کا گناہ اس میں شامل ہے۔ مثلاً وہ گناہ جس کے بارے میں معاشرے میں احساس گناہ ہے وہ ظاہری ہو گا اور جس کے بارے میں سرے سے احساس گناہ نہیں ہے وہ پوشیدہ گناہ ہو گا وغیرہ۔ سب گناہ کی عمومیت کے لیے یہ تعبیر اختیار فرمایا ہے۔ ظاہری گناہوں میں فحش کاری، غیبت، جھوٹ، چوری، خیانت اور قتل وغیرہ شامل ہیں۔ پوشیدہ گناہوں میں نفاق، تکبر، حسد، طمع، حرص، مومن سے بغض، خود پسندی اور حب دنیا وغیرہ شامل ہیں۔

١٢١۔ ذبح کرتے وقت جانور پر اللہ کا نام نہ لینے کی چار صورتیں ہیں: ١۔ ذبح کرنے والا مسلمان ہو لیکن اللہ کا نام لینا بھول جائے۔ ٢۔ ذبح کرنے والا مسلمان ہو اور جان بوجھ کر اللہ کا نام نہیں لیتا۔ ٣۔ ذبح کرنے والا غیر مسلم ہو اور اللہ کا نام نہیں لیتا۔ ٤۔ ذبح کرنے والا غیر مسلم ہو اور اللہ کا نام نہیں لیتا اور غیر اللہ کا نام لیتا ہے نیز اگر ذبح سرے سے ہوا ہی نہیں تو جانور مردار ہو جاتا ہے۔ صرف پہلی صورت میں ذبیحہ حلال ہے اور باقی تمام صورتوں میں ذبیحہ حرام ہے۔

١٢٣۔ جس طرح اللہ نے بعض کو روشنی بخشی اور بعض کو اندھیرے میں رکھا، اسی طرح اللہ نے کسی میں ہدایت کے لیے نبی مبعوث فرمائے اور کسی بستی میں ایسے اکابر پیدا کیے جو لوگوں کو گمراہ کرتے اور اہل حق کو منحرف کرنے کے منصوبے بناتے تھے۔

يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ

خلاف منصوبے بناتے ہیں۔☆ ﴿١٢٤﴾ اور جب کوئی آیت ان کے پاس آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اس وقت تک ہرگز نہیں مانیں گے جب تک ہمیں بھی وہ چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے، اللہ (ہی) بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے، جن لوگوں نے جرم کا ارتکاب کیا انہیں ان کی مکاریوں کی پاداش میں اللہ کے ہاں عنقریب ذلت اور شدید عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔☆ ﴿١٢٥﴾ پس جسے اللہ ہدایت بخشنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہو، ایمان نہ لانے والوں پر اللہ اس طرح ناپاکی مسلط کرتا ہے۔☆ ﴿١٢٦﴾ اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نشانیاں واضح کر دی ہیں۔☆ ﴿١٢٧﴾ ان کے رب کے ہاں ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اور ان کے اعمال کے عوض وہی ان کا کارساز

کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت ظلم کے خلاف ہوتی ہے اور یہ لوگ ظالم ہوتے ہیں۔ انبیاء عدل و انصاف کی دعوت دیتے ہیں اور عدل و انصاف ہمیشہ مظلوموں کے حق میں اور ظالموں کے خلاف ہوتا ہے، جس سے ان سرداروں کا اقتدار متاثر ہوتا ہے۔

۱۲۴۔ انہی سرداروں کا ذکر ہے۔ وہ تکبر اور حسد کی بنا پر کہتے تھے: رسالت کا عہدہ ہمیں کیوں نہیں ملتا؟ ولید بن مغیرہ نے کہا: اگر نبوت حق ہے تو اس کا زیادہ حقدار میں ہوں۔ ابوجہل نے کہا: ہم اس بات پر ہرگز راضی نہ ہوں گے کہ ہم عبد مناف کی اولاد کی اتباع کریں، جب تک ہم پر بھی اسی طرح کی وحی نہ آئے۔ جواب میں فرمایا: الٰہی منصب کس کو دینا چاہیے اور اس بار امانت کو کس کے کاندھوں پر رکھنا چاہیے، اسے اللہ بہتر جانتا ہے۔ الٰہی منصب کا تعین اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کا حصہ ہے۔

۱۲۵۔ جو انسان ہدایت کی اہلیت اور نفس کی طہارت کا حامل ہے اور جس کے پاس قبول حق کے لیے وسیع ظرف موجود ہے، اللہ ایسے شخص کو شرح صدر سے نوازے گا اور جس کو خود اس کی شامت اعمال کے نتیجے میں اللہ گمراہی میں چھوڑ دینا چاہتا ہے وہ مناسب ظرف سے محروم ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اچھی باتیں سن کر اس کا دم گھٹتا ہے، گویا کہ وہ بلندی کی طرف چڑھ رہا ہو۔

۱۲۶۔ ۱۲۷۔ یہ اسلام جس کے لیے مؤمن کا سینہ کشادہ اور غیر مؤمن کا سینہ تنگ ہوتا ہے، صراط

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ
مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ
الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ
وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ
النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ
اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ
نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ
يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ
اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ
قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

ہے۔☆ ﴿۱۲۸﴾ اور اس دن اللہ سب کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے گروہ جنات! تم نے انسانوں (کی گمراہی) میں بڑا حصہ لیا، انسانوں میں سے جنات کے ہمنوا کہیں گے: ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے خوب استفادہ کیا ہے اور اب ہم اس وقت کو پہنچ گئے ہیں جو وقت تو نے ہمارے لیے مقرر کر رکھا تھا، اللہ فرمائے گا: اب آتش جہنم ہی تمہارا ٹھکانا ہے جس میں تم ہمیشہ رہو گے سوائے اس کے جسے اللہ (نجات دینا) چاہے، آپ کا رب یقینا بڑا حکمت والا، علم والا ہے۔☆ ﴿۱۲۹﴾ اور اس طرح ہم ظالموں کو ان کے ان کرتوتوں کی وجہ سے جو وہ کر رہے ہیں ایک دوسرے پر مسلط کریں گے۔☆ ﴿۱۳۰﴾ اے گروہ جن و انس! کیا تمہارے پاس خود تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو میری آیات تمہیں سناتے تھے اور آج کے دن کے وقوع کے بارے میں تمہیں متنبہ کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں اور دنیاوی زندگی نے انہیں دھوکہ دے رکھا تھا اور (آج) وہ اپنے خلاف گواہی دے

مستقیم ہے۔ اللہ کی آیات میں غور و فکر وہی لوگ کریں گے جن کے سینے میں ظرفیت ہو۔ روز آخرت اللہ کے امن و سلامتی کے گھر (جنت) میں یہی لوگ ہوں گے اور اللہ ہی ان کا (ولی) ہوگا۔ وہاں کسی اور کی حکومت نہیں چلے گی۔

۱۲۸۔ آیہ شریفہ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت جن و انس سب کو جمع کر کے جنوں سے فرمائے گا: جنو! تم نے انسانوں کو بہکانے، ان کو راہ راست سے ہٹانے کے لیے خوب کام کیا تو جنوں کے ہمنوا اور دوست انسانوں کی طرف سے بھی اعتراف ہو گا اور وہ کہیں گے: ہم نے ایک دوسرے سے خوب فائدہ اٹھایا۔ جنوں کے بہکانے سے انسانوں نے خوب خواہشات سے لذت حاصل کی اور جنوں نے انسانوں کو اپنے پیرو بنا کر خوب مزا اڑایا۔

۱۲۹۔ یعنی جب لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور شیطان کی اطاعت کرتے ہیں تو اللہ بھی ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر حاکم اور مسلط بنا دیتا ہے۔ ایک ظالم دوسرے ظالم پر حاکم اور مسلط ہوتا ہے تو وہ مزید ظلم اور گمراہی میں مبتلا کرے گا۔ یہ سب خود ان کے اعمال کا طبعی نتیجہ ہے۔

۱۳۰۔ جن و انس کو مجموعاً مخاطب کر کے فرمایا: ہم نے خود تم میں سے رسول بھیجے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنوں میں بھی انہی میں سے رسول آئے تھے، دوسری بات آیت میں یہ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ جواب طلبی فرمائے گا تو اس بات کا سب اعتراف کریں گے کہ دین قبول نہ کرنے کی

كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ
مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَ
لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ
بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ
ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ
مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ
ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ
لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يٰقَوْمِ
اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ
مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا
لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ

رہے ہیں کہ وہ کافر تھے۔☆ (١٣١) وہ اس لیے کہ آپ کا رب بستیوں کو ظلم سے اس حال میں تباہ نہیں کرتا کہ اس کے باشندے بے خبر ہوں۔☆ (١٣٢) اور ہر شخص کے لیے اس کے اعمال کے مطابق درجات ہوں گے اور آپ کا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔☆ (١٣٣) اور آپ کا رب بے نیاز ہے، رحمت کا مالک ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے تمہاری جگہ جسے چاہے جانشین بنا دے جیسا کہ خود تمہیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔☆ (١٣٤) جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بیشک وہ واقع ہونے ہی والا ہے اور تم (اللہ کو) مغلوب نہیں کر سکتے۔ (١٣٥) کہہ دیجیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے جاؤ میں بھی عمل کرتا ہوں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انجام کار اچھا ہوتا ہے (بہرحال) ظالموں کے لیے فلاح کی کوئی گنجائش نہیں۔☆ (١٣٦) اور یہ لوگ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں مثلاً کھیتی اور چوپاؤں میں اللہ کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے زعم میں کہتے ہیں: یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں (بتوں) کا ہے تو جو (حصہ) ان کے شریکوں کے لیے

وجہ یہ نہیں تھی کہ دین کے دلائل ناقابل فہم تھے، بلکہ وجہ یہ تھی کہ دنیاوی زندگی کی رعنائیوں نے انہیں دھوکہ دیا اور انہوں نے دعوت دین کو مسترد کر دیا تھا۔

١٣١۔ ہم نے پیغمبروں کو اس لیے بھیجا کہ حجت تمام ہونے سے پہلے بے خبری میں لوگوں پر عذاب نازل کرنا عدل خداوندی کے خلاف ہے۔

١٣٢۔ اعمال کی کیفیت اور نوعیت میں فرق ہے اور جن حالات میں اعمال بجالائے جاتے ہیں ان میں بھی فرق ہے۔ حدیث میں آیا ہے: افضل الاعمال احمزها (مفتاح الفلاح ص ٤٥) بہترین اعمال وہ ہیں جو زیادہ مشقت سے بجالائے جائیں۔

١٣٣۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور رحمت کا مالک ہے، لہٰذا کسی پر ظلم و زیادتی وہ کرے گا جو ضرورت مند اور محتاج ہو یا بلا ضرورت بھی ظلم صادر ہو سکتا ہے اگر اس کے پاس رحم کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ایک طرف تو عالمین سے بے نیاز ہے اسے کسی چیز کی ضرورت ہے، نہ کسی سے کوئی خوف اور دوسری طرف اللہ رحمت کا مالک ہے۔ حدیث کے مطابق سبقت رحمتہ غضبہ اس کی رحمت تو غضب سے پہلے کارفرما ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی بے نیازی کے تحت تم مشرکین کو ختم کر کے تمہاری جگہ صالح نسلوں کو پیدا کر سکتا ہے اور ان پر اپنی رحمتیں نازل کر سکتا ہے۔

١٣٥۔ ناقابل ہدایت ہونے کی صورت میں اللہ کی طرف سے بڑی عقوبت یہ ہے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے: اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ یعنی اپنی جگہ جو کرنا چاہتے ہو کرتے جاؤ۔ اسی نکتے کو اکثر اللہ تعالیٰ "اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے" کی تعبیر

لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ

(مخصوص) ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا، مگر جو (حصہ) اللہ کے لیے (متعین) ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے، یہ لوگ کتنے برے فیصلے کرتے ہیں۔☆ ﴿۱۳۷﴾ اور اسی طرح ان کے شریکوں نے اکثر مشرکوں کی نظر میں ان ہی کے بچوں کے قتل کو ایک اچھے عمل کے طور پر جلوہ گر کیا ہے تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے دین کو ان پر مشتبہ بنا دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے پس آپ انہیں بہتان تراشی میں چھوڑ دیں۔☆ ﴿۱۳۸﴾ اور یہ کہتے ہیں: یہ جانور اور کھیتی ممنوع ہیں انہیں صرف وہی کھا سکتے ہیں جنہیں ان کے زعم میں ہم کھلانا چاہیں اور کچھ جانور ایسے ہیں جن کی پیٹھ (پر سواری یا بار برداری) حرام ہے اور کچھ جانور ایسے ہیں جن پر محض اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتے، اللہ عنقریب انہیں ان کی بہتان تراشیوں کا بدلہ دے گا۔☆ ﴿۱۳۹﴾ اور کہتے ہیں: جو (بچہ) ان جانوروں کے شکم میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری بیویوں پر حرام ہے اور اگر وہ (بچہ) مرا ہوا ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں، اللہ ان کے اس بیان پر انہیں عنقریب سزا

---

کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔

۱۳۶۔ اگرچہ مشرکین کا عقیدہ یہ ہے کہ کھیتیاں اللہ اگاتا ہے اور جانوروں کا خالق بھی وہی ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ اللہ ان بتوں کے طفیل و برکت سے ان پر اپنا فضل و کرم کرتا ہے اور اس لیے وہ اپنی نذر و نیاز کے دو حصے کرتے تھے، ایک حصہ اللہ کے نام اور دوسرا حصہ ان شریکوں (بتوں) کے نام۔ اگر کمی آتی تو اللہ کے حصے سے بتوں کے حصے کو پورا کرتے تھے، لیکن کبھی اللہ کے حصے کی کمی کو بتوں کے حصے سے پورا نہیں کرتے تھے۔ اس عمل کے پیچھے مذہبی استحصال کارفرما تھا۔ کیونکہ اللہ کا حصہ غریبوں کو اور بتوں کا حصہ مجاوروں کو ملتا تھا۔

۱۳۷۔ عرب جاہلیت میں قتل اولاد کی تین صورتیں رائج تھیں: ۱۔ بتوں کی خوشنودی کے لیے قتل۔ ۲۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا۔ ۳۔ قحط و افلاس کے خوف سے قتل کرنا۔

۱۳۸۔ وہ جانوروں اور کھیتوں کی فصلوں کو اپنے خود ساختہ خداؤں کے نام نذر کرتے تھے اور ان نذروں کو کھانے کی اجازت ان خداؤں کے خدمت گزار مردوں کو تھی، عورتوں کو اجازت نہیں تھی۔ کچھ جانور ایسے تھے جن پر سوار ہونا حرام تھا اور بعض جانوروں پر اللہ کا نام لینا ممنوع تھا۔

۱۳۹۔ جاہلیت کی خود ساختہ شریعت کا ایک حکم یہ تھا کہ بعض مخصوص جانوروں کے بچے اگر زندہ پیدا ہو جاتے تو ان کا گوشت صرف مردوں پر حلال تھا اگر مردہ پیدا ہوتے تو مرد و زن سب کھا سکتے تھے۔

يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖؗ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ

دے گا، یقینا وہ بڑا حکمت والا، دانا ہے۔☆ ﴿۱۴۰﴾ وہ لوگ یقینا خسارے میں ہیں جنہوں نے بیوقوفی سے جہالت کی بنا پر اپنی اولاد کو قتل کیا اور اللہ نے جو رزق انہیں عطا کیا ہے اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام کر دیا، بیشک یہ لوگ گمراہ ہو گئے اور ہدایت پانے والے نہ تھے۔☆ ﴿۱۴۱﴾ اور وہ وہی ہے جس نے مختلف باغات پیدا کیے کچھ چھتریوں چڑھے ہوئے اور کچھ بغیر چڑھے نیز کھجور اور کھیتوں کی مختلف ماکولات اور زیتون اور انار جو باہم مشابہ بھی ہیں اور غیر مشابہ بھی پیدا کیے، تیار ہونے پر ان پھلوں کو کھاؤ، البتہ ان کی فصل کاٹنے کے دن اس (اللہ) کا حق (غریبوں کو) ادا کرو اور فضول خرچی نہ کرو، بتحقیق اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔☆ ﴿۱۴۲﴾ اور مویشیوں میں کچھ بوجھ اٹھانے والے (پیدا کیے) اور کچھ بچھانے (کے وسائل فراہم کرنے) والے، اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، بے شک وہ

۱۴۰۔ انسان کے لیے دو چیزیں باعث زینت و تقویت ہیں یعنی مال اور اولاد۔ عرب جاہلیت کی نادانی کی انتہا دیکھیے کہ یہ لوگ اولاد کو قتل کرتے تھے اور رزق خدا کا ایک حصہ اپنے اوپر حرام کرتے تھے، اس طرح وہ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ کا مصداق بن گئے۔

۱۴۱۔ یہاں دو قسم کے باغوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ باغ جن میں بیلیں ہوتی ہیں۔ مثلاً انگور کے باغ، ان کو جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ کہا ہے۔ دوسرے وہ باغ جن کے درخت تنوں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کے پھلوں اور فصلوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے تاہم وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ فصل کاٹنے (اور باغ چننے) کے دن اس کا حق ادا کرتے رہنا۔ یعنی اس باغ پر جو فقراء کا حق عائد ہوتا ہے وہ دیا کرو۔

اسی سلسلے میں امام رضاؑ سے دریافت کیا گیا کہ اگر فصل کاٹتے وقت غربا و مساکین موجود نہ ہوں تو کیا حکم ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: اس پر کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی۔ بعض دوسری روایات کے مطابق اگر غربا و مساکین موجود ہوں تو انہیں کچھ مقدار دینا مستحب ہے۔

اس آیت سے چند اہم نکات سامنے آتے ہیں:

الف: تخلیق کائنات میں اگر کسی ارادہ اور شعور کو دخل نہ ہوتا تو یہ مختلف میوے بے شعور مادے نے کیوں خلق کیے۔

ب: اگر قدرت کا مقصد انسان کو صرف زندہ رکھنا ہوتا تو گندم یا جو کا دانہ ہی کافی تھا، لہٰذا مختلف لذتوں کے میوے خالق کائنات کی نعمتوں کا مظہر ہیں۔

عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۝١٤٢ ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ‌ ۚ مِنَ الضَّاۡنِ اثۡنَيۡنِ وَمِنَ الۡمَعۡزِ اثۡنَيۡنِ‌ ؕ قُلۡ ءٰٓالذَّكَرَيۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَيَيۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَيۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ ؕ نَبِّـُٔوۡنِىۡ بِعِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝١٤٣ وَمِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَيۡنِ وَمِنَ الۡبَقَرِ اثۡنَيۡنِ‌ ؕ قُلۡ ءٰٓالذَّكَرَيۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَيَيۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَيۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ ؕ اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ وَصّٰٮكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا‌ ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝١٤٤ ع قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِىۡ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطۡعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ

تمہارا کھلا دشمن ہے۔☆ (۱۴۳) (اللہ نے) آٹھ جوڑے (پیدا کیے) ہیں، دو بھیڑ کے اور دو بکری کے، آپ ان سے پوچھ لیجیے: کیا اللہ نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادائیں؟ یا وہ (بچے) جو دونوں ماداؤں (بھیڑ یا بکری) کے پیٹ میں ہیں؟ اگر تم لوگ سچے ہو تو مجھے کسی علمی حوالے سے بتاؤ۔☆ (۱۴۴) اور دو اونٹوں میں سے اور دو گایوں میں سے، (یہ بھی) پوچھ لیں کہ کیا اس نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادائیں؟ یا وہ (بچے) جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہیں؟ کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ تمہیں یہ حکم دے رہا تھا؟ پس اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے تاکہ لوگوں کو بغیر کسی علم کے گمراہ کرے؟ بتحقیق اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔☆ (۱۴۵) کہد یجیے: جو وحی میرے پاس آئی ہے، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کھانے والے پر حرام ہو مگر یہ کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت کیونکہ یہ ناپاک ہیں یا

۱۴۲۔ مختلف جانوروں کا ذکر ہے جنہیں انسان کے لیے مسخر کیا گیا ہے، ان نعمتوں کو تمہارے لیے حلال کیا گیا۔ شیطان کی پیروی کر کے ان کو حرام قرار نہ دو۔ حَمُوْلَةً وہ جانور ہیں جو بوجھ اٹھانے کے قابل ہیں، جیسے اونٹ وغیرہ۔ فَرْشًا سے مراد چھوٹے جانور ہیں، جیسے بھیڑ بکریاں۔ ان کا وجود تقریباً زمین بوس ہونے کی وجہ سے انہیں فرش کہا گیا ہے یا ان کی اون اور کھال بچھانے کے کام آتی ہیں اس لیے انہیں فرش کہا گیا ہو۔ بعض اہل نظر کے نزدیک حَمُوْلَةً بوجھ اٹھانے والے جانور ہیں اور فَرْشًا سواری کے جانور ہیں۔

۱۴۳۔۱۴۴۔ چار جانوروں کا ذکر ہے: بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے۔ چار نر اور چار مادہ کی مجموعی تعداد آٹھ ہوگئی۔ یہاں جاہلی خرافات کی نامعقولیت بیان ہو رہی ہے کہ ایک ہی جانور کا نر حلال ہو اور مادہ حرام یا جانور خود تو حلال ہو مگر اس کے پیٹ میں موجود بچہ حرام ہو۔ کس قدر نامعقول ہے۔

۱۴۵۔ فَمَنِ اضْطُرَّ۔ کوئی مجبور ہوتا ہے: اسلامی قوانین دو قسم کے ہیں: ایک ثابت، دوسرے متحرک۔ متحرک قانون میں لچک ہوتی ہے اور حالات کے بدلنے سے قانون میں نرمی آ جاتی ہے۔ اس آیت میں یہ حکم آیا: مردار، خون اور سور کا گوشت حرام ہیں، لیکن یہ حکم مجبوری کی صورت میں اٹھ جاتا ہے۔ اسے "قانون نفی حرج" کہتے ہیں۔ اس قانون کے تحت ہر وہ حکم اٹھ جاتا ہے جس میں مکلف کو غیر معمولی مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ اس قانون کا مدرک چند قرآنی آیات ہیں۔ مثلاً مَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِي

يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۗ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿١٤٦﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

ناجائز ذبیحہ جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، پس اگر کوئی مجبور ہوتا ہے (اور ان میں سے کوئی چیز کھا لیتا ہے) نہ (قانون کا) باغی ہو کر اور نہ (ہی ضرورت سے) تجاوز کا مرتکب ہو کر تو آپ کا رب یقینا بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿١٤٦﴾ اور ہم نے یہود پر ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور بکری اور گائے کی چربی حرام کر دی تھی سوائے اس چربی کے جو ان کی پشت پر یا آنتوں میں یا ہڈی کے ساتھ لگی ہوئی ہو، ایسا ہم نے ان کی سرکشی کی سزا کے طور پر کیا اور ہم صادق القول ہیں۔☆ ﴿١٤٧﴾ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہدیں: تمہارا رب وسیع رحمتوں کا مالک ہے تاہم مجرموں سے اس کا عذاب ٹالا (بھی) نہیں جا سکتا ہے۔☆ ﴿١٤٨﴾ مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام گردانتے، اسی طرح ان سے پہلے والوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا، کہدیجیے: کیا تمہارے

---

الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج: ۷۸) اللہ نے دین کے معاملے میں تمہیں کسی مشکل سے دوچار نہیں کیا۔

۱۴۶۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے احکام کبھی مصالح و مفاسد کے پیش نظر نافذ ہوتے ہیں اور کبھی بطور سزا نافذ ہوتے ہیں۔ مثلاً سور کا گوشت، مضر اثرات کی وجہ سے حرام ہے اور یہاں یہودیوں پر چند مفید چیزیں ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام کر دی گئیں تھیں۔

۱۴۷۔ رحمت کا تقاضا یہ نہیں کہ مومن اور مجرم ایک ہی صف میں رکھے جائیں بلکہ رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ جب جرم ترک کر کے رحمت کے دروازے پر آ جائے تو اسے قبول کیا جائے۔

۱۴۸۔ ۱۴۹۔ مشرکین اپنے شرک و کفر کی توجیہ پیش کریں گے کہ ہم اللہ کی مشیت کے مطابق شرک کر رہے ہیں ورنہ اگر اللہ ہم سے شرک نہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ہم شرک کا عمل انجام دیتے۔ لہٰذا ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم سے پہلے کفر و شرک کرنے والے یہی طریقہ تکذیب اختیار کرتے رہے ہیں جو سراسر ظن و تخمین پر مبنی ہے۔ تم نے مشیت سے جبر مراد لیا ہے۔ اگر اللہ تربیت و تعلیم استدلال و تعقل کا راستہ چھوڑ کر جبر کا راستہ اختیار فرماتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا جیسے تمہارے جسمانی نظام کو قائم رکھنے کے لیے قلب و جگر کو ہدایت دے رکھی ہے لیکن اس مسلوب الاختیار ہدایت سے غرض خلقت اور مقصد شریعت پورا نہیں ہوتا۔

اللہ کی مشیت کو اس کی رضامندی سے تعبیر کرنا ایک نہایت فحش غلطی ہے جس میں کچھ اسلامی مذاہب بھی مبتلا ہیں۔ مشیت الٰہی یہ ہے کہ انسان خود مختار اور اپنے ارادے میں آزاد ہے تا کہ اس کو امتحان

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ
قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ
اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ
فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ
شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ
حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ
مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ
هُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا
حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ
شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ

پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے لاسکو؟ تم تو صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور یہ کہ تم فقط قیاس آرائیاں کرتے ہو۔☆ ﴿۱۴۹﴾ کہہ دیجیے: اللہ کے پاس نتیجہ خیز دلائل ہیں، پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا۔☆ ﴿۱۵۰﴾ (ان سے) کہہ دیجیے: اپنے گواہوں کو لے آؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ نے اس چیز کو حرام کیا ہے، پھر اگر وہ (خودساختہ) شہادت دیں بھی تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر سمجھتے ہیں۔☆ ﴿۱۵۱﴾ کہہ دیجیے: آؤ میں تمہیں وہ چیزیں بتا دوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، (وہ یہ کہ) تم لوگ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین پر احسان کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی اور علانیہ اور پوشیدہ (کسی طور پر بھی)

میں ڈالنا، اس کو مکلف بنانا اور اس کے اعمال کے لیے ثواب وعقاب مرتب کرنا درست رہ جائے۔ انسان اللہ کی اس عدم جبر کی مشیت کے تحت خودمختار ہے۔ اسی خودمختاری کے تحت گناہ بھی کرتا ہے اور ثواب کا کام بھی کرتا ہے۔ اچھے عمل کو اس نے پسند کیا ہے اور گناہ کو ناپسند کیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق ؑ سے قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ کے ذیل میں روایت ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا میرے بندے! کیا تو علم رکھتا تھا؟ اگر کہے ہاں تو فرمائے گا تو تو نے اپنے علم پر عمل کیوں نہیں کیا اور اگر کہے نہیں تو فرمائے گا تو تو نے سیکھا کیوں نہیں تاکہ عمل کر سکے۔ یہی حجت بالغہ ہے۔

۱۵۰۔ اگر تمہارا یہ دعویٰ درست ہے کہ ان چیزوں کو اللہ نے حرام کیا ہے تو گواہ پیش کرو۔ گواہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے سامنے یہ عمل انجام دیا گیا ہو۔ ایسا کرنا ان کے لیے ناممکن ہے۔ اسی لیے اس امر کو امر تعجیزی کہتے ہیں۔ یعنی گواہ پیش کرو کا حکم صرف اس لیے ہو رہا ہے کہ اس عمل کا ناممکن ہونا اور نتیجۃً اس دعوے کا باطل ہونا ثابت ہو جائے۔ اگر یہ لوگ کوئی خودساختہ گواہی پیش کرتے ہیں تو یہ گواہی دو باتوں کی وجہ سے مسترد ہو گی: اول یہ کہ یہ لوگ خواہشات کے غلام ہیں، حقائق کا ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ دوم یہ کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ ایمان بہ آخرت انسان کو جھوٹ بولنے اور گناہ کا ارتکاب کرنے سے روک سکتا ہے۔

۱۵۱۔ ان چند آیتوں میں دس ایسی چیزوں کا ذکر ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم صادر فرمایا ہے: i۔ شرک کی ممانعت۔ ii۔ والدین پر احسان۔ iii۔ قحط کے خوف سے اولاد کا قتل۔

وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ
الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ
اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ
اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ
وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٢﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ
مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى

بے حیائی کے قریب نہ جاؤ اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ، یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔☆ ﴿١٥٢﴾ اور یتیم کے مال کے نزدیک نہ جانا مگر ایسے طریقے سے جو (یتیم کے لیے) بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنے رشد کو پہنچ جائے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمے داری نہیں ڈالتے اور جب بات کرو تو عدل کے ساتھ اگرچہ اپنے قریب ترین رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ جائے اور اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرو، یہ وہ ہدایات ہیں جو اللہ نے تمہیں دی ہیں شاید تم یاد رکھو۔☆ ﴿١٥٣﴾ اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو اور مختلف راستوں پر نہ چلو ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں گے، اللہ نے تمہیں یہ ہدایات (اس لیے) دی ہیں تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔☆ ﴿١٥٤﴾ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تاکہ نیکی کرنے

iv۔ بے حیائی کا ارتکاب۔ v۔ ناحق قتل۔ vi۔ مال یتیم کھانے کی ممانعت۔ vii۔ ناپ تول میں انصاف۔ viii۔ عدل وانصاف۔ ix۔ عہد و پیمان کی پابندی۔ x۔ صراط مستقیم کی اتباع۔

۱۵۲۔ مال یتیم کے نزدیک نہ جاؤ یعنی یتیم کے مال پر تصرف نہ کرو۔ البتہ وہ تصرف جائز ہے جو یتیم کے حق میں ہو۔ مثلاً یتیم کا مال خراب ہونے کا خطرہ ہے، کوئی پھل گل سڑ جانے کا خطرہ ہے تو اسے فروخت کرنا اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کا مصداق ہے۔ البتہ رشد کو پہنچ جائے تو اس وقت خود تصرف کرنے کا اہل ہو گیا ہو گا تو اس کو یتیم نہیں کہتے۔

ناپ تول میں انصاف کرو اور پورا تولو۔ اس میں ممکن حد تک عدل وانصاف قائم رکھنا ضروری ہے۔

جب شہادت دینا ہو یا فیصلہ سنانا ہو تو اپنی گفتار میں بھی عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑو خواہ یہ شہادت یہ فیصلہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

۱۵۳۔ سیدھے راستے پر چلو۔ اسلامی دستور حیات کے چند ایک اہم نکات بیان فرمانے کے بعد فرمایا: میرا سیدھا راستہ یہی ہے۔ یہاں رسول کریم ﷺ اللہ کے حکم سے امت سے کہہ رہے ہیں: میں تمہیں وہ چیزیں بتاؤں جو تمہارے رب نے حرام کی ہیں۔ ان کے بیان کے بعد فرمایا: یہی میرا یعنی رسول کریم ﷺ کا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ راہ رسول ﷺ پر چلو، دوسرے مختلف راستوں پر نہ چلو۔ رسول ﷺ کے راستے پر چلیں تو کوئی تفرقہ نہ ہوگا کیونکہ یہ منزل تک جانے کا سیدھا راستہ ہے۔

ان آیات میں اصول حیات بیان ہونے کے بعد آیات کے اواخر میں تعقل، تذکر اور تقویٰ کا ذکر فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم بچے رہو۔ کیونکہ مذکورہ

الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ع وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ

والے پر احکام پورے کر دیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل بیان ہو اور ہدایت اور رحمت ( کا باعث ) ہو تا کہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لے آئیں۔ ﴿۱۵۵﴾ اور یہ ایک مبارک کتاب ہے جو ہم نے نازل کی پس اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو شاید تم پر رحم کیا جائے۔☆ ﴿۱۵۶﴾ تا کہ کبھی تم یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر نازل ہوئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے۔☆ ﴿۱۵۷﴾ یا تم یوں کہتے: اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہو جاتی تو ہم ان سے بہتر ہدایت لیتے، پس اب تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل، ہدایت اور رحمت تمہارے پاس آ گئی ہے، پس اس کے بعد اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کرے اور ان سے منہ موڑے؟ جو لوگ ہماری آیات سے منہ موڑ لیتے ہیں انہیں ہم اس روگردانی پر بدترین سزا دیں گے۔☆ ﴿۱۵۸﴾ کیا یہ لوگ اس بات کے

---

بالا احکام کے ادراک اور ان پر عمل کرنے سے انسان گناہ کی آلودگی سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۵۵۔۱۵۶۔ یہ قرآن ایک بابرکت کتاب ہے جس کی برکتیں غیر منقطع ہیں۔ اس کتاب میں خیر دنیا و خیر آخرت دونوں ہیں۔ یہ ایک دائمی دستور حیات ہے اس کی اتباع کرو تو امت مرحومہ بن جاؤ گے نیز اس کتاب کے نازل کرنے سے تمہاری یہ حجت بھی نہ رہی کہ کتاب ہدایت و شریعت تو دو گروہوں یہود و نصاریٰ پر نازل ہوئی ہے، ہمیں علم نہ ہو سکا کہ وہ کیا پڑھتے پڑھاتے تھے۔

۱۵۷۔ عربوں میں عموماً اور قبیلہ قریش میں خصوصاً ایک احساس برتری تھا کہ اقوام عالم میں ذہانت و لیاقت میں ہمارا کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہود و نصاریٰ کی طرح ہماری طرف بھی کوئی ہدایت کی کتاب آ جاتی تو ہم دوسروں سے زیادہ اس ہدایت سے فائدہ اٹھاتے۔ اس عذر کو قطع کرتے ہوئے فرمایا: لو اب تمہاری طرف ایسی کتاب آئی ہے جو سابقہ کتابوں سے زیادہ ہدایت و رحمت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس کتاب میں شریعت کے اصول، احکام، آداب دعوت، فضائل و اخلاق وغیرہ کی ایسے انمول تعلیمات ہیں جن سے روگردانی کی صورت میں عذاب بھی اتنا ہی سخت ہو گا جتنی حجت عظیم تھی۔

۱۵۸۔ جو اس قرآن کو نہیں مانتے اور اس واضح دلیل کو بھی قبول نہیں کرتے کیا یہ لوگ اس انتظار میں ہیں کہ فرشتے عذاب لے کر آئیں یا اللہ اور ان کے درمیان سے پردہ ہٹ جائے اور اللہ ان کے سامنے حاضر ہو جائے یا کچھ معجزات رونما ہو جائیں تو ایمان لائیں گے۔ جب کہ اگر کچھ ایسے فیصلہ کن معجزے آ جائیں تو اس وقت کا ایمان انہیں کوئی

يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦٠﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ

منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا رب خود آئے یا آپ کے رب کی کچھ نشانیاں آ جائیں؟ جس روز آپ کے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہیں دے گا جو (نشانی کے آنے سے) پہلے ایمان نہ لا چکا ہو یا حالت ایمان میں اس نے کوئی کار خیر انجام نہ دیا ہو، کہد یجیے: انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔☆ ﴿١٥٨﴾ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہوں میں بٹ گئے بیشک آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کا معاملہ یقینا اللہ کے حوالے ہے پھر وہ انہیں بتائے گا جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔☆ ﴿١٥٩﴾ جو (اللہ کے پاس) ایک نیکی لے کر آئے گا اسے دس گنا (اجر) ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا اسے صرف اسی برائی جتنا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔☆ ﴿١٦٠﴾ کہد یجیے: میرے رب نے مجھے صراط مستقیم دکھائی ہے جو ایک استوار دین ہے، (یہی) ملت ابراہیم (اور توحید کی طرف)

فائدہ نہ دے گا کیونکہ فرشتے عذاب الٰہی لے کر آئیں گے تو پھر انہیں مہلت نہیں ملے گی۔

اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا سے یہ استدلال درست ہے کہ صرف ایمان کافی نہیں ہے اگر ایمان کے ساتھ عمل صالح نہ ہو اور زندگی بھر گناہ میں رہا ہو اور موت یا عذاب آنے پر توبہ کرلے تو قبول نہیں ہے۔

١٥٩۔ مشرکین کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے آبائی دین میں تفرقہ ڈالا ہے۔ ارشاد فرمایا: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کا تفرقہ بازوں سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ عبد البر نے عوف بن مالک اشجعی کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تفترق امتی علی بضع و سبعین فرقة اعظمها فتنة علی امتی قوم یقیسون الامور برأیهم فیحلون الحرام ویحرمون الحلال۔ (تهذیب الکمال ١٨: ٣٩٦۔ المنار ٨: ٢١٩) میری امت ستر سے زائد فرقوں میں بٹ جائے گی۔ زیادہ فتنہ انگیز وہ فرقہ ہے جو دینی معاملات میں اپنی ذاتی رائے سے قیاس کرے گا، اس طرح وہ اللہ کے حلال کو حرام اور اللہ کے حرام کو حلال کر دیں گے۔

واضح رہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام بالاجماع قیاس کے مخالف ہیں اور قیاس پر عمل نہ کرنا فقہ جعفری کی امتیازی علامت ہے۔ کتاب المجروحین ٣: ٦٥ میں ابن حبان نے اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں یوسف بن اسباط سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے: لو ادرکنی رسول اللّٰہ و ادرکته لاخذ بکثیر من قولی۔ اگر رسول اللہ ﷺ میرے زمانے میں ہوتے اور میں ان کے زمانے میں ہوتا تو حضور ﷺ میرے بیشتر اقوال کو اخذ کر لیتے۔

ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہ کا یہ خیال حضرت امام جعفر

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٦١﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۗ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۗ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٥﴾

النصف

یکسوئی کا دین ہے اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ ﴿١٦٢﴾ کہد یجیے: میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب یقیناً اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔☆ ﴿١٦٣﴾ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔☆ ﴿١٦٤﴾ کہد یجیے: کیا میں کسی غیر اللہ کو اپنا رب بناؤں؟ حالانکہ اللہ ہر چیز کا رب ہے اور ہر شخص اپنے کیے کا خود ذمے دار ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر (وہاں) وہ تمہیں بتائے گا جس چیز کے بارے میں تم لوگ اختلاف کیا کرتے تھے۔☆ ﴿١٦٥﴾ اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض پر بعض کے درجات بلند کیے تاکہ جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں وہ تمہیں آزمائے، بے شک آپ کا رب (جہاں) جلد عذاب دینے والا ہے (وہاں) وہ یقیناً بڑا غفور، رحیم بھی ہے۔

---

صادق ؑ کی دو سالہ شاگردی سے پہلے کا ہو، بعد میں اگرچہ وہ رسول ﷺ کو نہیں پا سکے، لیکن فرزند رسول ﷺ کو پا کر کہتے تھے: لو لا السنتان لهلك النعمان۔ اگر دو سالہ شاگردی نہ ہوتی تو نعمان ہلاک ہو چکا ہوتا۔

١٦٠۔ حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان اللہ جعل الحسنة عشرا او ازید و السیئة واحدة او اغفر فالویل لمن غلبت احادہ اعشارہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کو دس گنا یا زیادہ کر دیا ہے اور گناہ کو ایک ہی رکھا ہے یا اسے بخش دیا جاتا ہے۔ پس افسوس ہے ان لوگوں پر جن کی اکائیاں (گناہ) دہائیوں (نیکیوں) پر غالب آ جاتی ہیں۔

١٦٢۔ ١٦٣۔ توحید خالص یہ ہے کہ تمام امور خواہ تشریعی ہوں جیسے نماز و دیگر عبادات خواہ تکوینی ہوں جیسے زندگی یا موت، سب کا تعلق رب العالمین سے ہے۔ عبادت ہو تو صرف اسی ذات کے لیے ہو۔ زندگی یا موت کا مسئلہ درپیش ہو تو راضی برضا اور تسلیم امر خدا ہو۔ عبادت میں یا موت و حیات کے مسئلے میں غیر اللہ کی طرف رجوع کا شائبہ تک نہ ہو۔ دین ابراہیمی کا اصل الاصول یہی ہے کہ آتش نمرود کے شعلوں کی لپیٹ میں جاتے ہوئے جبرئیل امین جیسے عظیم القدر فرشتے کو بھی اعتنا میں نہ لائے اور صرف اور صرف اپنے رب سے لو لگائے۔

١٦٤۔ توحید اور عدل الٰہی کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے نہ اس پر کسی اور کے عمل کا بوجھ آئے گا نہ اس کے عمل کا بوجھ کوئی اور اٹھائے گا۔

## سورۂ اعراف

اس سورہ کا نام الاعراف اس لیے ہے کہ آیت ٤٦۔ ٤٧ میں اعراف کا ذکر آیا ہے۔ اعراف

اٰیاتها ۲۰۶ ۷ سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَ كَمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ هُمْ قَآىِٕلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا غَآىِٕبِیْنَ ⑦ وَ الْوَزْنُ یَوْمَىِٕذِ ﹰالْحَقُّ ۚ

سورۂ اعراف۔ مکی۔ آیات ۲۰۶

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① الف لام میم صاد۔ ② یہ کتاب آپ پر (اس لیے) نازل کی گئی ہے کہ آپ اس سے لوگوں کو تنبیہ کریں اور اہل ایمان کے لیے نصیحت ہو پس آپ کو اس سے کسی قسم کی دل تنگی محسوس نہیں ہونی چاہیے۔ ③ اس (کتاب) کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اس کے سوا دوسرے آقاؤں کی اتباع نہ کرو، مگر تم نصیحت کم ہی قبول کرتے ہو۔ ④ اور کتنی ایسی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تباہ کیا پس ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آیا یا ایسے وقت جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے۔ ⑤ پس جب ہمارا عذاب ان پر آیا تو وہ صرف یہی کہہ سکے: واقعی ہم ظالم تھے۔ ⑥ پس جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ہر صورت میں ان سے سوال کریں گے اور خود پیغمبروں سے بھی ہم ضرور پوچھیں گے۔ ⑦ پھر ہم پورے علم و آگہی سے ان سے سرگزشت بیان کریں گے اور ہم غائب تو نہیں تھے۔ ⑧ اور اس دن (اعمال کا) تولنا برحق ہے، پھر

جنت اور جہنم کے درمیان ایک اونچی جگہ کا نام ہے جہاں کچھ ہستیاں اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کا مشاہدہ کریں گی۔

قرآنی سورتوں میں سے ہر سورہ اپنی جگہ جدا تشخص رکھتا ہے اور ہر سورہ ایک اہم خصوصیت کا حامل ہوتا ہے، جب کہ مقصد و منزل ایک ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ سورہ انعام اور اعراف دونوں مکی ہیں دونوں ایک جیسے ماحول اور حالت میں نازل ہوئے اور دونوں سورتوں کا موضوع اور رخ سخن بھی ایک ہے، یعنی توحید۔ اس کے باوجود سورۂ انعام توحید پر منطقی دلائل پیش کرتا ہے جب کہ سورۂ اعراف دعوت توحید کے تاریخی حقائق بیان کرتا ہے۔ شاید طبیعی ترتیب بھی یہی ہے کہ پہلے دعوت کی تاریخی شہادتیں پیش ہوں بعد میں اس کی معقولیت اور حقانیت پر دلیل پیش کی جائے۔ چنانچہ یہ سورہ توحید کی تاریخ کا بیان، تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت سے شروع کرتا ہے۔ پھر آدم علیہ السلام و ابلیس کا واقعہ بیان ہوتا ہے جو اس توحیدی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اس کاروان کے دیگر اہم ارکان نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب، موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا بھی ذکر ہے کہ جنہوں نے اپنے اپنے زمانے کے استعمار کو للکارتے ہوئے بے سرو سامانی کے باوجود ان شیطانی قوتوں کا اس طریقے سے ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ آج بھی اگر کوئی ان کی سیرت پر عمل پیرا ہو تو اس زمانے کے استعمار کی ذلت و نابودی کا سبب بن سکتا ہے۔

تاریخ توحید کے بیان کے ساتھ اس کے میر کاروان حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو سلوک یہ مشرک قوم آپ کے ساتھ کر رہی ہے ایسا ہی سلوک آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے کی قومیں اپنے رسولوں کے ساتھ کرتی رہی ہیں اور اپنے برے انجام کو پہنچ چکی ہیں۔

۸۔۹ آیت سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ نیکیوں کا وزن ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں گناہوں کا

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾ ع وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿١١﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿١٣﴾ قَالَ

جن (کے اعمال) کا پلڑا بھاری ہوگا پس وہی فلاح پائیں گے۔☆ ⑨ اور جن کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ لوگ ہماری آیات سے زیادتی کے سبب خود گھاٹے میں رہے۔☆ ⑩ اور ہم ہی نے تمہیں زمین میں بسایا اور اس میں تمہارے لیے سامان زیست فراہم کیا (مگر) تم کم ہی شکر کرتے ہو۔☆ ⑪ بتحقیق ہم نے تمہیں خلق کیا پھر تمہیں شکل و صورت دی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو پس سب نے سجدہ کیا صرف ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ تھا۔ ⑫ فرمایا: تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے باز رکھا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ بولا: میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔☆ ⑬ فرمایا: یہاں سے اتر جا! تجھے حق نہیں کہ یہاں تکبر کرے، پس نکل جا! تیرا شمار ذلیلوں میں ہے۔☆ ⑭ بولا: مجھے روز قیامت تک مہلت دے۔☆

وزن نہیں ہوتا۔ لہٰذا اعمال کے وزن کے بارے میں کسی تاویل و توجیہ کی طرف جانے کی بجائے خود قرآن کی تعبیر کے مطابق یہ مؤقف اختیار کرنا درست ہوگا۔ انسان کے اعمال اللہ کے معیار کے مطابق یا مثبت ہوں گے یا منفی۔ مثبت اعمال کا قیامت کے دن وزن اور قیمت ہوگی اور منفی اعمال بے وزن اور بے قدر ہوں گے۔ چنانچہ زیر بحث آیت اور دیگر متعدد آیات میں نیکیوں کے لیے وزن ثابت کیا ہے اور گناہوں کو بے وزن کہا ہے۔ قرآنی تعبیر ثَقُلَتۡ اور خَفَّتۡ میں وہی موازنہ ہے جو مثبت اور منفی میں، قیمتی اور بے قدری میں ہے۔ لہٰذا ثقل سے وزن، قدر اور قیمت کی طرف اشارہ ہے اور خفت سے بے قیمت اور بے قدری کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح اعمال کے وزن کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جس کی نیکیاں زیادہ ہوں اس کا مثبت پہلو غالب رہے گا اور وہ فلاح پائیں گے اور جس کا منفی پہلو غالب آیا ہو ہلاکت میں ہوگا۔

۱۰۔ کائنات کی فضا، حیات اور زندگی کے لیے سازگار نہیں ہے۔ کائناتی رکاوٹوں سے کہیں زیادہ طاقتور کوئی شعور و ارادہ اگر موجود نہ ہوتو یہاں زندگی کی نشو و نما ممکن نہیں ہے۔ ہمارے نظام شمسی کو لیجیے کہ اس میں صرف ایک ہی کرہ (زمین) اس وقت حیات کے لیے سازگار ہے اور یہ کرہ بھی ایک زمانے میں آگ کے شعلوں سے عبارت تھا۔ زمین نہ اتنی سخت بنائی کہ دانہ نہ نکل سکے اور نہ اتنی نرم بنائی کہ کوئی چیز اس پر ٹھہر نہ سکے، نہ اتنی بڑی کہ فضا سے آکسیجن زمین میں دھنس جائے نہ اتنی چھوٹی کہ فضا سے ہوا منتشر ہو جائے۔ سورج نہ چنداں دور ہے کہ سردی سے زندگی ممکن نہ ہو اور نہ چنداں نزدیک کہ گرمی سے حیات ممکن نہ ہو۔ علاوہ ازیں دیگر ہزاروں خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے زمین حیات کے لیے سازگار بن گئی۔

۱۲ تا ۱۸۔ انا خیر منه: ابلیس نے صریح نص کے

اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ
مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ
لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ
لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا
تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ
مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ
مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾
وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا
مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ
فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا
الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ
سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ

﴿۱۵﴾ فرمایا: بے شک تجھے مہلت دی گئی۔☆ ﴿۱۶﴾ بولا: جس
طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی تیرے سیدھے راستے
پر ان کی گھات میں ضرور بیٹھا رہوں گا۔☆ ﴿۱۷﴾ پھر ان کے
آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں (ہر طرف) سے انہیں ضرور
گھیر لوں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے
گا۔☆ ﴿۱۸﴾ فرمایا: تو یہاں سے ذلیل و مردود ہو کر نکل جا،
ان میں سے جو بھی تیری اتباع کرے گا تو میں تم سب سے
جہنم کو ضرور بھر دوں گا۔☆ ﴿۱۹﴾ اور اے آدم! آپ اور
آپ کی زوجہ اس جنت میں سکونت اختیار کریں اور دونوں
جہاں سے چاہیں کھائیں، مگر اس درخت کے نزدیک نہ جانا
ورنہ آپ دونوں ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ ﴿۲۰﴾ پھر
شیطان نے انہیں بہکایا تا کہ اس طرح ان دونوں کے شرم
کے مقامات جو ان سے چھپائے رکھے گئے تھے ان کے
لیے نمایاں ہو جائیں اور کہا: تمہارے رب نے اس درخت

مقابلے میں ذاتی رائے، امر الٰہی کے خلاف اپنا
اجتہاد، حکمت الٰہیہ کے مقابلے میں اپنا فلسفہ اور
خالق کے دستور کے مقابلے میں اپنی منطق پیش کی
اور اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کا نعرہ بلند کر کے ایک باطل قیاس کو
رواج دیا اور غیر منطقی استدلال کی روش کی ابتدا کی۔
ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، دیلمی نے امام جعفر
صادق علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے
اور انہوں نے اپنے جد بزرگوار سے روایت کی کہ
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اول من قاس برأیہ
ابلیس قال اللہ تعالی لہ اسجد لآدم فقال: انا
خیر منہ قال جعفر: فمن قاس امر الدین برأیہ
قرنہ اللہ تعالی یوم القیمۃ ابلیس (المنار ۸: ۳۳۱،
تفسیر مراغی ۸: ۱۱۲) "دینی معاملہ میں سب سے
پہلے ابلیس نے قیاس کو اپنایا۔ اللہ نے اسے حکم دیا
کہ آدم کو سجدہ کر۔ اس نے کہا: میں اس سے بہتر
ہوں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو دینی امر
میں قیاس کرتا ہے اللہ تعالی اسے قیامت کے دن
ابلیس کے ساتھ کر دے گا۔" اسی عبارت کے قریب
ایک روایت حضرت ابن عباس سے بھی مروی
ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی ۷: ۱۷۱، تفسیر ابو حیان
۵: ۱۸۔
سود کے بارے میں منکرین کا قیاس قرآن نے نقل
کیا ہے جو کہتے تھے اور کہتے ہیں: اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ
الرِّبٰوا (بقرۃ: ۲۷۵) "خرید و فروخت بھی تو سود ہی کی
طرح ہے۔" ذبیحہ کے بارے میں مشرکین مکہ قیاس
کرتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ جسے تم لوگوں نے مارا
ہے (ذبیحہ) وہ تو حلال ہو اور جسے اللہ نے مارا ہے

هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٜ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ

سے تمہیں صرف اس لیے منع کیا ہے کہ مبادا تم فرشتے بن جاؤ یا زندہ جاوید بن جاؤ۔ ﴿٢١﴾ اور اس نے قسم کھا کر دونوں سے کہا: میں یقینا تمہارا خیر خواہ ہوں۔ ﴿٢٢﴾ پھر فریب سے انہیں (اس طرف) مائل کر دیا، جب انہوں نے درخت کو چکھ لیا تو ان کے شرم کے مقامات ان کے لیے نمایاں ہو گئے اور وہ جنت کے پتے اپنے اوپر جوڑنے لگے اور ان کے رب نے انہیں پکارا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور تمہیں بتایا نہ تھا کہ شیطان یقینا تمہارا کھلا دشمن ہے؟☆ ﴿٢٣﴾ دونوں نے کہا: ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ ﴿٢٤﴾ فرمایا: ایک دوسرے کے دشمن بن کر نیچے اتر جاؤ اور زمین میں تمہارے لیے ایک مدت تک قیام اور سامان زیست ہو گا۔☆ ﴿٢٥﴾ فرمایا: زمین ہی میں تمہیں جینا اور وہیں تمہیں مرنا ہو گا اور (آخرکار) اسی میں سے تمہیں نکالا

---

(مردار) وہ حرام ہو؟

٢٢۔ انسان کو بہکانے کے لیے ابلیس کا سب سے پہلا حربہ انسان کے شرم کے مقامات کو عریاں کرنا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے آدم علیہ السلام اور حوا کو شجرہ ممنوعہ کا پھل کھانے پر اکسایا کیونکہ اس پھل کے کھانے اور شرم کے مقامات کے نمایاں ہونے میں کوئی ربط ضرور تھا: فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا۔ جب ان دونوں نے درخت (کے پھل) کو چکھ لیا تو ان پر ایک دوسرے کے اندام نہانی نمایاں ہو گئے۔ بائیبل میں آیا ہے: عورت (حوا) نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لیے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لیے خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے شوہر کو بھی دیا۔ تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہوا کہ ہم ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں۔

(بائبل پیدائش باب ٣ آیات ٦، ٧)

آج ابلیس کے بیٹے حوا کی بیٹیوں کو بے لباس کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

٢٤۔ ٢٥۔ اللہ تعالیٰ نے دو فیصلے انسان کے لیے لازمی قرار دیے ہیں: ایک یہ کہ انسان و ابلیس میں ہمیشہ عداوت رہے گی۔ دوسرا یہ کہ ارضی زندگی گزارنا انسان کے لیے لازمی ہو گا۔

٢٦۔ رِيْشًا: یعنی لباس جہاں حفظِ حیا و عفت کا ذریعہ ہے وہاں یہ زیب و زینت بھی ہے۔ قدرت نے جہاں انسانی فطرت میں جمالیاتی ذوق ودیعت فرمایا ہے وہاں اس ذوق کی تکمیل کے لیے ضروری

ع

وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝٢٥ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ
اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ
وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝٢٦
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ
اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا
لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ
قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٢٧ وَ
اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ
اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٢٨ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ قف

جائے گا۔☆ (۲۶) اے فرزندان آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا جو تمہارے شرم کے مقامات کو چھپائے اور تمہارے لیے آرائش (بھی) ہو اور سب سے بہترین لباس تو تقویٰ ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے شاید یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔☆ (۲۷) اے اولاد آدم! شیطان تمہیں کہیں اس طرح نہ بہکا دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا اور انہیں بے لباس کیا تا کہ ان کے شرم کے مقامات انہیں دکھائے، بے شک شیطان اور اس کے رفقائے کار تمہیں ایسی جگہ سے دیکھ رہے ہوتے ہیں جہاں سے انہیں تم نہیں دیکھ سکتے، ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا آقا بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔☆ (۲۸) اور جب یہ لوگ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا کرتے پایا ہے اور اللہ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، کہہ دیجیے: اللہ یقینا بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو جن کا تمہیں علم ہی نہیں؟ (۲۹) کہہ دیجیے: میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے

ہدایات بھی دی ہیں۔ یہاں سے استنباط کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ اللہ نے لباس کو باعث زینت بنانے کو بطور احسان ذکر کیا ہے، لہٰذا اس زینت کو اختیار کرنا نہ صرف مباح اور جائز ہے بلکہ اعتدال کی حدود میں رہ کر اسے استعمال کرنا مستحسن ہے۔

۲۷۔ انسان کو بہکانے کے لیے ابلیس کا سب سے پہلا حربہ انسان کے شرم کے مقامات تھے۔ چنانچہ سابقہ آیت ۲۰ میں فرمایا: فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا شیطان نے ان دونوں کو بہکایا تا کہ ان دونوں کے شرم کے مقامات جو ان دونوں سے چھپائے گئے تھے نمایاں ہو جائیں۔ آیت میں یہ نہیں بتایا کہ پھل کھانے اور لباس کے اترنے میں کیا ربط تھا۔ کیا یہ جنسی خواہشات کی طرف اشارہ ہے کہ پھل کھانے سے جنسی خواہشات شروع ہو گئیں اور انسان کو گمراہ کرنے کے لیے ابلیس نے اس کو ذریعہ بنایا؟ یا پھل کھانے سے بقول بائیبل آدم ؑ و حوا کی آنکھیں کھل گئیں؟ یا ان سے جنت کے لباس اتر گئے یا کوئی اور تکوینی امر تھا؟ یہ سب تحقیق طلب باتیں ہیں ان کی وضاحتیں قرآن و احادیث میں نہیں ملتیں۔ بہر حال اس آیت سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شرم و حجاب ایک فطری امر ہے اور یہ تہذیبی و تمدنی تربیت کی وجہ سے نہیں ہے۔ آج کا ابلیس بھی حوا کی بیٹیوں کو بے حجاب بنانے کے لیے پوری شدت کے ساتھ تلا ہوا ہے۔

۲۹۔ ۳۰۔ سلسلۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بیہودگی اور بے حیائی کا نہیں درج ذیل دستور کا حکم دیتا ہے: عدل و انصاف قائم کرے۔ عبادت میں اپنی پوری توجہ مبذول رکھیں۔ بے اعتنائی اور سہل انگاری کے ساتھ بجا لائی جانے والی عبادت بے جان ہوتی

وَّ اَقِيۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ ؕ ﴿۲۹﴾ فَرِيۡقًا هَدٰى وَفَرِيۡقًا حَقَّ عَلَيۡهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّكُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۳۱﴾ ع قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِيۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ قُلۡ هِىَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا خَالِصَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۲﴾ قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ

اور یہ کہ ہر عبادت کے وقت تم اپنی توجہ مرکوز رکھو اور اس کے مخلص فرمانبردار بن کر اسے پکارو، جس طرح اس نے تمہیں ابتدا میں پیدا کیا ہے اسی طرح پھر پیدا ہو جاؤ گے۔☆ (۳۰) (اللہ نے) ایک گروہ کو ہدایت دے دی ہے اور دوسرے گروہ پر گمراہی پیوست ہو چکی ہے، ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا آقا بنالیا ہے اور (بزعم خود) یہ سمجھتے ہیں کہ ہدایت یافتہ ہیں۔☆ (۳۱) اے بنی آدم! ہر عبادت کے وقت اپنی زینت (لباس) کے ساتھ رہو اور کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو یقینا دوست نہیں رکھتا۔☆ (۳۲) کہد یجیے: اللہ کی اس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور پاک رزق کو کس نے حرام کیا؟ کہد یجیے: یہ چیزیں دنیاوی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خالصتاً انہی کے لیے ہوں گی، ہم اسی طرح اہل علم کے لیے آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔☆ (۳۳) کہد یجیے:

ہے۔ اللہ کو پکارو تو اس حالت میں پکارو کہ قولاً و عملاً صرف اسی کے دین کے پابند ہو اور فرمانبرداری میں خلوص رکھو کہ خالصتاً اللہ کی ذات کو لائق عبادت واطاعت سمجھ کر اس کی فرمانبرداری کرو۔ کسی غیر اللہ کی رضامندی کا شائبہ تک اس کی فرمانبرداری میں نہ ہو۔ آخرت کی حیات ابدی پر بھی ایمان رکھو کہ وہ اللہ جس نے تم کو ابتداء ہی میں نیستی سے پیدا کیا تو تم دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک ہدایت پر دوسرا گمراہی پر۔ قیامت کے دن بھی ایسا ہی ہوگا، ایک گروہ ہدایت یافتہ لوگ ہوں گے اور دوسرا گروہ گمراہ لوگ ہوں گے۔

۳۱۔۳۲۔ یہ بات ممکن نہیں کہ اللہ دنیا کو زیب و زینت اور پاکیزہ چیزوں سے پر کردے پھر انہیں اپنے بندوں پر حرام کردے۔ اللہ کی شریعت میں کوئی شق ایسی نہیں ہے جو فطرت سے متصادم ہو۔ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ انسان بدزیبا و بدنما نظر آئے۔ اس نے انسان کو فطرتاً خوبصورت پیدا کیا ہے: لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِيۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ۔ (تین: ۴) ہم نے انسان کو بہترین انداز میں پیدا کیا ہے۔ كُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا۔ اس مختصر جملے میں بتایا گیا ہے کہ کیا کھانا چاہیے اور کتنا کھانا چاہیے۔ وَلَا تُسۡرِفُوۡا اسراف نہ کرو۔ یہ جملہ بتاتا ہے کہ کتنا کھانا چاہیے۔ کسی چیز کے حلال ہونے کی دلیل اس کی ضرورت ہے۔ لہٰذا انسانی جسم کو زندہ اور متحرک رکھنے کے لیے جتنی غذا کی ضرورت ہے، اس کا کھانا مباح اور کبھی واجب ہے۔ اگر کوئی چیز ضرورت کے اصول پر پورا نہیں اترتی تو اس کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کا نام اسراف ہے، لہٰذا اسراف ظلم ہے اپنی جان، اقتصادیات، اپنے ملک اور پوری انسانیت پر۔

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ

میرے رب نے علانیہ اور پوشیدہ بے حیائی (کے ارتکاب)، گناہ، ناحق زیادتی اور اس بات کو حرام کیا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کے لیے اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرو جنہیں تم نہیں جانتے۔☆ ﴿۳۳﴾ اور ہر قوم کے لیے ایک وقت مقرر ہے پس جب ان کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو نہ ایک گھڑی تاخیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔☆ ﴿۳۴﴾ اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے رسول آئیں جو تمہیں میری آیات سنایا کریں تو (اس کے بعد) جو تقویٰ اختیار کریں اور اصلاح کریں پس انہیں نہ کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔ ﴿۳۵﴾ اور جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور ان سے تکبر کرتے ہیں وہی اہل جہنم ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۳۶﴾ اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے؟ ایسے لوگوں کو وہ حصہ ملتا رہے گا جو ان کے حق میں لکھا ہے چنانچہ جب ہمارے بھیجے

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: اِنَّمَا الْاِسْرَافُ فِيْمَا اَفْسَدَ الْمَالَ وَ اَضَرَّ بِالْبَدَنِ (الکافی ۴: ۵۳) اسراف یہ ہے کہ مال کا ضیاع ہو اور بدن کا ضرر۔ حضرت علی علیہ السلام ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں: پرہیزگار دنیادار کی دنیا میں شرکت کرتے ہیں جبکہ دنیادار پرہیزگار کی آخرت میں شرکت نہیں کرتے۔ (نور الثقلین)

۳۳۔ سابقہ آیتوں میں جب یہ بتایا گیا کہ اللہ نے زینت اور پاکیزہ رزق کو حلال قرار دیا ہے تو محرمات کا بھی ذکر اس لیے ضروری ہو گیا کہ کسی قسم کی غلط فہمی یا سوء استفادہ کی گنجائش نہ رہے۔ اللہ کی شریعت میں حلال و حرام بھی بندوں پر رحمت ہے کہ وہ طیبات کو حلال اور فواحش کو حرام قرار دیتا ہے۔

۳۴۔ ہر قوم و ملت کے لیے عروج و زوال ہوتا ہے اور ہر عروج و زوال کے پیچھے اس کے علل و اسباب کار فرما ہوتے ہیں۔ یہی سنت الٰہی ہے جس کا قرآن اکثر حوالہ دیتا ہے۔ مثلاً جب کوئی قوم برائیوں کے ارتکاب میں حد سے گزر جاتی ہے تو اس بدکار قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔

خیانت، بدنظمی، کاہلی اور حکمرانوں کا اپنی عوام پر ظلم، زوال کے علل و اسباب میں سے ہیں۔ قانون فطرت و مکافات عمل میں نظم و ضبط کو ایک معجزانہ دخل ہے۔ دنیا کی بدترین چیز ظلم بھی ایک خاص نظم و ضبط سے کیا جائے تو وہ ظلم محسوس نہیں ہوتا۔ چنانچہ جدید تعلیم یافتہ جاہلیت نے یہی کیا ہے کہ اقوام عالم پر نہایت ہی منظم انداز میں ظلم کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ قرآن قوموں کے زوال کے مزید اسباب بھی ذکر کرتا ہے:

۱۔ افراد امت اگر ملک کے تدبیر امور میں شریک اور مشیر نہ رہیں بلکہ ان کی حیثیت بے بس فرمانبردار

مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْۤا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِىْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِى النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع اِنَّ

ہوئے (فرشتے) ان کی قبض روح کے لیے آئیں گے تو کہیں گے: کہاں ہیں تمہارے وہ (معبود) جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے تھے؟ وہ کہیں گے: وہ ہم سے غائب ہو گئے اور اب وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ واقعی کافر تھے۔ ﴿۳۷﴾ اللہ فرمائے گا: تم لوگ جن و انس کی ان قوموں کے ہمراہ داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے جہنم میں جا چکی ہیں، جب بھی۔ کوئی جماعت جہنم میں داخل ہوگی اپنی ہم خیال جماعت پر لعنت بھیجے گی، یہاں تک کہ جب وہاں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والی جماعت پہلی کے بارے میں کہے گی: ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا لہٰذا انہیں آتش جہنم کا دوگنا عذاب دے، اللہ فرمائے گا: سب کو دوگنا (عذاب) ملے گا لیکن تم نہیں جانتے۔☆ ﴿۳۸﴾ ان کی پہلی جماعت دوسری جماعت سے کہے گی: تمہیں ہم پر کوئی بڑائی حاصل نہ تھی؟ پس تم اپنے کیے کے بدلے عذاب چکھو۔☆

---

اور بے اختیار مطیع اور منقاد کی سی ہو جائے تو اقتدار والوں کی ہوس رانی کو آزادی مل جاتی ہے اور وہ اس قوم کو قعر مذلت تک پہنچا دیتے ہیں۔

۲۔ کسی امت اور قوم کے مقدرات پر چند خاندانوں کا تسلط قائم ہو جائے تو اس صورت میں تمام اقدار کو پامال کیا جاتا ہے۔ افراد کی طرح ہر قوم کی ایک طبیعی عمر ہوتی ہے جس طرح بعض صحت اور نفسیات کے اصولوں پر عمل کرنے سے فرد صحت مند ہوتا ہے اور عمر لمبی ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح بعض اصولوں پر عمل کرنے سے قومیں ترقی کرتی ہیں۔ مادی تنزل اور ترقی کا دار و مدار مادی علل و اسباب پر ہے۔ اگرچہ ایمان و عبادت کے اپنے اثرات ہیں لیکن یہ چیزیں مادی علل و اسباب کی جگہ نہیں لیتیں۔ مثلاً فصل کے لیے تسبیح و عبادت کھاد کا کام نہیں دے سکتی۔

۳۸۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کسی جماعت کو شکست اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ آپس میں ایک دوسرے پر اس شکست و ذلت کی ذمہ داری ڈالتے ہیں۔ روز قیامت بھی اہل جہنم اپنے ہم مذہب اور ہم مشرب لوگوں پر نفرین کریں گے اور ان پر دوگنے عذاب کی خواہش کریں گے۔ جواب ملے گا کہ تم سب کا عذاب دوگنا ہوگا، ایک عذاب اپنی گمراہی کا اور ایک عذاب دوسروں کے لیے گمراہی ورثہ میں چھوڑنے کا۔

۳۹۔ جس جماعت کو دوگنا عذاب دینے کا مطالبہ ہوا تھا اس جماعت کا بھی یہی موقف ہے کہ گمراہ ہونے اور دوسروں کے لیے گمراہی ورثہ میں چھوڑنے میں تم بھی ہماری طرح ہو۔ لہٰذا تم کو کوئی بڑائی ایسی حاصل نہیں ہے کہ تمہارا عذاب کم ہو اور ہمارا عذاب دوگنا ہو۔ لہٰذا تم بھی دوگنا عذاب چکھو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ

﴿۴۰﴾ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے تکبر کیا ہے ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور ان کا جنت میں جانا اسی طرح محال ہے جس طرح سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔☆ ﴿۴۱﴾ ان کے لیے جہنم ہی بچھونا اور اوڑھنا ہوگی اور ہم ظالموں کو ایسا بدلہ دیا کرتے ہیں۔☆ ﴿۴۲﴾ اور ایمان لانے والے اور نیک اعمال بجا لانے والے اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، ہم کسی کو (نیک اعمال کی بجا آوری میں) اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ دار نہیں ٹھہراتے۔ ﴿۴۳﴾ اور ہم ان کے دلوں میں موجود کینے نکال دیں گے، ان کے (محلات کے) نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور وہ کہیں گے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا اور اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ فرماتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، ہمارے رب کے پیغمبر یقینا حق لے کر آئے اور اس وقت ان (مومنین) کو یہ ندا آئے

۴۰۔ جَمَل: اونٹ کو اور کشتی کے رسے کو کہتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق کا یہ موقف ہے کہ سوئی کے ناکے اور اونٹ میں کوئی مناسبت نہیں ہے، لہٰذا یہاں جَمَل سے مراد رسا لینا زیادہ مناسب ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ اونٹ مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ یہاں سوئی کا ذکر کسی چیز کے سینے اور جوڑنے کے لیے نہیں ہو رہا کہ رسا زیادہ مناسب ہو، بلکہ یہاں کافروں کے جنت میں جانے کو بعید از امکان بتانا مقصود ہے اس کے لیے سوئی کے سوراخ اور اونٹ (چھوٹا سا سوراخ اور بڑا وجود) زیادہ مناسب ہے۔

۴۱۔ کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھلنے کا مطلب ممکن ہے یہ ہو کہ ان کے اعمال قبول نہ ہوں گے یا پھر یہ کہ ان کا جنت میں داخلہ ممنوع ہوگا۔ چنانچہ بعد کی عبارت سے دوسری تفسیر قرین قیاس معلوم ہوتی ہے جس میں کافروں کا جنت میں داخل ہونا سوئی کے ناکے سے اونٹ کے گزرنے کی طرح محال بتایا ہے۔ جس طرح کافر کا جنت میں داخل ہونا اللہ کے حتمی فیصلے کے خلاف ہے اسی طرح متقی اور پرہیزگار مومن کا جہنم میں داخل ہونا بھی محال اور عدل الٰہی کے خلاف ہے۔

۴۳۔ اہل ایمان کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے اگر دنیا میں ان کی آپس میں کدورت ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے ان کدورتوں اور عداوتوں کو صاف کر دے گا تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی اور کیف و سرور محسوس کریں۔ کیونکہ جن سے عداوت ہو ان کو دیکھنے سے اذیت ہوتی ہے۔ جنت میں کسی قسم کی اذیت نہ ہوگی اور احباب کے ساتھ بیٹھنے سے لطف اندوز ہوں گے۔

۴۴۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے اس مکالمے سے اہل جنت کو نعمتوں کی زیادہ قدر ہوگی اور اہل جہنم کی حسرت و ندامت میں اضافہ ہوگا۔ ایسے میں اہل جنت میں سے ایک مؤذن اذان برائت دے گا جس کا مضمون یہ ہوگا: ان لعنة اللّٰہ علی الظالمین۔

وَ نُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡکُمُ الۡجَنَّۃُ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّکُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَۃُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۴۴﴾ الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ یَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ کٰفِرُوۡنَ ﴿ۘ۴۵﴾ وَ بَیۡنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَی الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ یَّعۡرِفُوۡنَ کُلًّۢا بِسِیۡمٰهُمۡ ۚ وَ نَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ۟ لَمۡ یَدۡخُلُوۡهَا وَ هُمۡ یَطۡمَعُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِذَا صُرِفَتۡ اَبۡصَارُهُمۡ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوۡا

گی کہ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے صلے میں ہے جنہیں تم بجالاتے رہے ہو۔☆ ﴿۴۴﴾ اور اہل جنت اہل جہنم سے پکار کر کہیں گے: ہم نے وہ تمام وعدے سچے پائے جو ہمارے رب نے ہم سے کیے تھے، کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدوں کو سچا پایا؟ وہ جواب دیں گے: ہاں، تو ان (دونوں) کے درمیان میں سے ایک پکارنے والا پکارے گا: ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔☆ ﴿۴۵﴾ جو لوگوں کو راہ خدا سے روکتے اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے تھے اور وہ آخرت کے منکر تھے۔ ﴿۴۶﴾ اور (اہل جنت اور اہل جہنم) دونوں کے درمیان ایک حجاب ہوگا اور بلندیوں پر کچھ ایسے افراد ہوں گے جو ہر ایک کو ان کی شکلوں سے پہچان لیں گے اور اہل جنت سے پکار کر کہیں گے: تم پر سلامتی ہو، یہ لوگ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے مگر امیدوار ہوں گے۔ ﴿۴۷﴾ اور جب ان کی نگاہیں اہل جہنم کی طرف پلٹائی جائیں گی تو وہ کہیں گے: ہمارے رب ہمیں

---

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے کوفہ میں ایک خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: انا المؤذن فی الدنیا والآخرۃ، قال اللہ عزوجل: فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَۃُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ وانا ذلک المؤذن وقال: وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖۤ انا ذلک المؤذن۔ میں دنیا و آخرت دونوں میں مؤذن ہوں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَۃُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ میں ہی وہ مؤذن ہوں نیز فرمایا: وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖۤ "یہاں بھی میں ہی وہ مؤذن ہوں۔" (معانی الاخبار ص ۵۸)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مشرکین سے برائت کا اعلان بحکم خدا و رسولؐ حضرت علیؑ نے فرمایا جو دنیا میں شرک و ایمان کے درمیان ایک فیصلہ کن اذان تھی۔ وہ رسولؐ کی فتح، نفی شرک اور توحید کی اذان تھی۔ آخرت میں ہونے والی یہ اذان اسی اذان کا تسلسل ہے۔ وہی حق والوں کی اذان اور اہل جنت و اہل جہنم میں امتیاز کی اذان۔ اب ظالموں سے برائت کی نہیں بلکہ ظالموں پر لعنت کی اذان، تاریخ اذان کی سب سے اہم ترین اذان اور سب سے آخری اذان۔

البیان کے مطابق ابو القاسم حسکانی نے محمد حنفیہ سے اور انہوں نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: انا ذلک المؤذن۔ وہ مؤذن میں ہی ہوں۔

۴۷۔ یہ جملہ اصحاب الاعراف ہی کی طرف سے ہے کیونکہ دوسرے لوگ تو پس حجاب میں ہوں گے وہ اصحاب النار کی طرف نہیں دیکھ رہے ہوں گے۔ اس دعا سے اول تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ظالمین کی حالت کس قدر وحشت ناک ہوگی کہ ہر دیکھنے والا اس سے پناہ مانگتا ہے۔ ثانیاً اولوالعزم انبیاء نے بھی اس قسم کے مضمون کی دعائیں کی ہیں۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰی عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا

ظالموں کے ساتھ شامل نہ کرنا۔☆ ﴿۴۸﴾ اور اصحاب اعراف کچھ ایسے لوگوں کو بھی پکاریں گے جنہیں وہ ان کی شکلوں سے پہچانتے ہوں گے اور کہیں گے: آج نہ تو تمہاری جماعت تمہارے کام آئی اور نہ تمہارا تکبر۔☆ ﴿۴۹﴾ اور کیا یہ (اہل جنت) وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ان تک اللہ کی رحمت نہیں پہنچے گی؟ (آج انہی لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ جہاں نہ تمہیں کوئی خوف ہو گا اور نہ تم محزون ہو گے۔☆ ﴿۵۰﴾ اور اہل جہنم اہل جنت کو پکاریں گے: تھوڑا پانی ہم پر انڈیل دو یا جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں دے دو، وہ جواب دیں گے: اللہ نے جنت کا پانی اور رزق کافروں پر حرام کیا ہے۔ ﴿۵۱﴾ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا دیا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈالا تھا، پس آج ہم انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح وہ اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے اور ہماری

۴۸۔ متعدد روایات میں آیا ہے کہ اصحاب الاعراف ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ مجمع البیان میں آیا ہے کہ عالم اہل سنت ابو القاسم حسکانی نے اصبغ بن نباتہ سے اور انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ابن الکواء کو بتایا: ہم ہی اصحاب الاعراف ہیں۔

تفسیر البرہان میں آیا ہے کہ مفسر اہل سنت ثعلبی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اعراف صراط پر موجود ایک بلند جگہ کا نام ہے۔ وہاں عباسؓ، حمزہؓ، علی بن ابی طالب علیہ السلام اور جعفر ذو الجناحین ہوں گے۔

قیامت کے دن متعدد مقامات پر شفاعت کی ضرورت پیش آئے گی۔ ان میں سے ایک اہم جگہ اعراف یا صراط ہے۔ فریقین کے متعدد طرق سے یہ حدیث وارد ہوئی ہے: لایجوز علی الصراط الا من کتب له علی الجواز۔ صراط سے کوئی گزر نہیں سکے گا مگر وہ جسے علی علیہ السلام پروانہ عطا فرمائیں۔

۴۹۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ: جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ حکم اصحاب الاعراف کی طرف سے مل رہا ہے۔ اس سے وہ حدیث قرآن کے مطابق ثابت ہوئی جس میں فرمایا: عَلِیٌّ قَسِیْمُ النَّارِ وَ الْجَنَّةِ۔

۵۱۔ اس آیت میں کافروں کے لیے جنت کی نعمتوں کے حرام ہونے کے چند اسباب کا ذکر ہے: ☆ ان کا دین کو کھیل اور بے مقصد و لغو کاموں کی طرح بنا لینا۔ ☆ اپنی ساری توجہ دنیا کی چندروزہ زندگی پر مرکوز کر لینا۔ ☆ اپنے ذہنوں میں درگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کا خیال تک نہ لانا۔ ☆ آیات الٰہی کا تمسخر اڑانا اور ان کا انکار کرنا۔

۵۲۔ یہ قرآن ایک ایسا دستور پیش کرتا ہے جسے اس ذات نے ترتیب دیا ہے جو دانائے راز ہے، انسان کی ضرورتوں اور اس کے تمام تقاضوں پر علم و آگہی رکھتی ہے۔ یہ دستور مفصل ہے۔ تفصیل سے مراد یہ

يَجْحَدُوْنَ ﴿٥١﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ
فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ
يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ
قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ
فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ
فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ ع اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ
يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ
مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ

آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔☆ ﴿۵۲﴾ اور ہم ان کے پاس یقینا ایک کتاب لا چکے ہیں جسے ہم نے ازروئے علم واضح بنایا ہے جو ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔☆ ﴿۵۳﴾ کیا یہ لوگ صرف اس (کتاب کی تنبیہوں) کے انجام کار کے منتظر ہیں؟ جس روز وہ انجام کار سامنے آئے گا جو لوگ اس سے پہلے اسے بھولے ہوئے تھے وہ کہیں گے: ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے تھے کیا ہمارے لیے کچھ سفارشی ہیں جو ہماری شفاعت کریں یا ہمیں (دنیا میں) واپس کر دیا جائے تا کہ جو عمل (بد) ہم کرتے تھے اس کا غیر (عمل صالح) بجا لائیں؟ یقینا انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اور جو جھوٹ وہ گھڑتے رہتے تھے وہ ان سے ناپید ہو گئے۔☆ ﴿۵۴﴾ تمہارا رب یقینا وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر متمکن ہوا، وہ رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے جو اس کے پیچھے دوڑتی چلی آتی ہے اور سورج اور چاند اور ستارے سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔ آگاہ رہو! آفرینش اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا ہے،

ہے کہ حق کو باطل اور امر واقع و حقیقت کو خرافات سے جدا کرنے والی کتاب ہے۔ تفصیل سے مراد یہ نہیں کہ اس کتاب میں تمام جزئیات کو بیان کیا گیا ہے۔

۵۳۔ تاویل وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد احکام و اعمال کا مدار ہے۔ یعنی وہ راز و حکمت جس کی بنا پر احکام صادر ہوتے ہیں اور تمام احکام کا مآل و مرجع وہی نقطۂ نظر ہوتا ہے۔

قرآن جس دستور و نظام کو متعارف کرا رہا ہے اس کے راز و حکمت کو دنیا میں لوگ نہیں مانتے تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے، جب بروز قیامت وہ حقیقت منکشف ہو کر سامنے آجاتی ہے تو تسلیم کر لیتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے کیے کی سزا پاتے ہیں تو مانتے ہیں۔ یہاں وہ دو چیزوں میں سے ایک کی خواہش کریں گے۔ ایک یہ کہ دنیا میں پھر بھیج دیے جائیں اور ایک موقع اور دیا جائے تا کہ وہ اپنے اعمال کو درست کریں یا یہ کہ ان کے لیے کوئی شفاعت کرنے والا مل جائے۔

۵۴۔ قرآن مجید میں سات مقامات پر اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں خلق فرمایا ہے۔ یوم سے مراد ہمارے ارضی دن نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ ہمارے نظام شمسی کے وجود سے پہلے کا ذکر ہے، بلکہ خود زمانے کے وجود میں آنے سے پہلے کا ذکر ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہر چیز کا یوم اس کے حساب سے ہوتا ہے۔ حکومتوں کے عروج و زوال کے ادوار اور امتوں کے زوال و عروج کو یوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا خدائی ایام کا اندازہ ہم اپنے محدود پیمانوں سے نہیں کر سکتے، بلکہ ہم تو رسالتی ایام کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ معراج کے موقع پر حضورؐ ہمارے زمانے کے چند لمحوں میں پورے ملکوت سماوی کی سیر فرما کر واپس آ گئے۔

تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا
رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ ۚ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ
بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ
رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَ
هُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ
رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا
سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ
نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ
الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ
خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ
ع نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع لَقَدْ

بڑا بابرکت ہے اللہ جو عالمین کا رب ہے۔☆ ﴿۵۵﴾ اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کرو عاجزی اور خاموشی کے ساتھ، بے شک وہ تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔☆ ﴿۵۶﴾ اور تم زمین میں اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ اور اللہ کو خوف اور امید کے ساتھ پکارو، اللہ کی رحمت یقینا نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ ﴿۵۷﴾ اور وہی تو ہے جو ہواؤں کو خوش خبری کے طور اپنی رحمت کے آگے آگے بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ ابر گراں کو اٹھالیتی ہیں تو ہم انہیں کسی مردہ زمین کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر بادل سے مینہ برسا کر اس سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو بھی (زمین سے) نکالیں گے شاید تم نصیحت حاصل کرو۔☆ ﴿۵۸﴾ اور پاکیزہ زمین میں سبزہ اپنے رب کے حکم سے نکلتا ہے اور خراب زمین کی پیداوار بھی ناقص ہوتی ہے۔ یوں ہم شکر گزاروں کے لیے اپنی آیات کو مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں۔☆ ﴿۵۹﴾ ہم نے نوح کو ان کی

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ: خلق وامر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ خلق ایک تدریجی عمل ہے جیسا کہ چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کی خلقت عمل میں آئی اور امر فوری عمل کا نام ہے۔ وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (قمر: ۵۰) اور ہمارا امر تو ایک ہی ہوتا ہے آنکھ کے جھپکنے کی طرح۔

۵۵۔ یہاں انسان کے دو روابط کا ذکر ہے۔ ایک اس کا رابطہ اپنے رب سے اور دوسرا بندوں سے۔ رب کے ساتھ رابطہ عبودیت و بندگی کا ہونا چاہیے۔ بندگی کے آداب یہ ہیں:

ا۔ جو کچھ مانگنا ہے اس کی بارگاہ سے مانگا جائے۔ اللہ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ بندے اس سے مانگیں اور مانگنے کے آداب یہ بتلائے ہیں کہ عاجزی کے ساتھ ہو اور نہایت دھیمی آواز میں ہو کیونکہ چیخ کر مانگنا ادب کے منافی ہے۔

۲۔ کسی کی طرف رجوع کرنے کے عام طور پر دو عوامل ہوتے ہیں: خوف اور امید۔ اللہ سے مانگنے اور اس کو پکارنے میں یہ دو عوامل کارفرما ہونے چاہئیں۔ یعنی خوف صرف اللہ کا ہو اور امیدیں بھی صرف اسی سے وابستہ ہوں۔

بندوں سے تعلق و ربط کی نوعیت بھی اسی بندگی کے دائرے میں ہونی چاہیے۔

۵۷۔ خدائی مؤقف کے مطابق مردہ زمین اور بے جان مادے میں حیات کا پیدا ہونا اللہ کی نشانی اور خالق کے وجود کی علامت ہے نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو پہلی بار خلق کر سکتا ہے وہ دوبارہ بھی ایسا کر سکتا ہے۔

۵۸۔ زمین کی استعداد اور قابلیت کے اختلاف سے کوئی زمین پر فیض یعنی سرسبز و شاداب ہوتی ہے اور کوئی زمین روئیدگی کے قابل ہی نہیں ہوتی جب کہ باد و باران یکساں طور پر ان پر فیض کرتے ہیں۔ اسی طرح نیک باطن انسان خدائی رحمت و ہدایت کو فوراً قبول کر لیتا ہے اور خبیث انسان شوریدہ زمین

أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ۖ إِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِۦٓ إِنَّا لَنَرَىٰكَ فِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ لَيْسَ بِى ضَلَٰلَةٌ وَلَٰكِنِّى رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿٦١﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَٰلَٰتِ رَبِّى وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَٰهُ وَالَّذِينَ مَعَهُۥ فِى الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِـَٔايَٰتِنَآ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾ ع وَإِلَىٰ عَادٍ

قوم کی طرف بھیجا پس انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، مجھے تمہارے بارے میں ایک عظیم دن کے عذاب کا ڈر ہے۔☆ (۶۰) ان کی قوم کے سرداروں نے کہا: ہم تو تمہیں صریح گمراہی میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ (۶۱) کہا: اے میری قوم! مجھ میں تو کوئی گمراہی نہیں بلکہ عالمین کے رب کی طرف سے ایک رسول ہوں۔☆ (۶۲) میں اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچاتا ہوں اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔☆ (۶۳) کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ خود تم میں سے ایک شخص کے پاس تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے نصیحت آئی تا کہ وہ تمہیں تنبیہ کرے؟ اور تم تقویٰ اختیار کرو، شاید اس طرح تم رحم کے مستحق بن جاؤ۔ (۶۴) مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں اور کشتی میں سوار ان کے ساتھیوں کو بچا لیا اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی انہیں غرق کر دیا، کیونکہ وہ اندھے لوگ تھے۔ (۶۵) اور

---

کی مانند نہ صرف یہ کہ رحمتوں کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس کے اندر کی خباثت ابھر کر پورے ماحول کو آلودہ کر دیتی ہیں۔

۵۹۔ یہ انبیاء علیہم السلام میں قدیم ترین اور توحید کے بارے میں طویل ترین جہاد کرنے والے نبی حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ پہلے صاحب شریعت رسول ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دوسرے ابو البشر ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی دسویں پشت میں آتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کا مسکن موجودہ عراق کے بالائی علاقے تھا۔ آپ علیہ السلام نے نو سو پچاس سال تبلیغ فرمائی۔ آپ علیہ السلام کی دعوت، توحید اور تصور آخرت پر مشتمل تھی۔ کیونکہ قوم نوح، اللہ کی منکر نہ تھی بلکہ وہ شرک کا ارتکاب کرتی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان فطرتاً خدا پرست ہے اور انبیاء نے شرک جیسے انحراف کا مقابلہ کیا ہے۔

۶۱۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے سامنے ہمیشہ اس قوم کا مراعات یافتہ طبقہ رکاوٹ بنتا رہا، کیونکہ الٰہی دعوت عدل و انصاف اور برادری و برابری کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے جس سے یہ مراعات یافتہ طبقہ متاثر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے انبیاء کی دعوت کو غریب طبقے میں پذیرائی ملی اور طاغوتی طاقتوں نے اس کا مقابلہ کیا۔

۶۲۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی رسالت کے اوصاف بیان فرما رہے ہیں۔ وہ تین باتوں سے عبارت ہے: ۱۔ تبلیغ رسالت ۲۔ نصیحتیں ۳۔ علم کے مقام پر فائز ہونا۔ الٰہی منصب پر فائز ہونے کے لیے علم اولین شرط ہے۔

شروع ہی سے تمام انبیاء پر ایک اعتراض یہ وارد کرتے رہے ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی پیغام لاتا ہے تو وہ ایسی ذات ہو جو ما فوق الفطرت ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص ہمارے درمیان میں پلا بڑھا ہو وہی اللہ کی نمائندگی کے مقام پر فائز ہو۔

اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۗ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ

قوم عاد کی طرف ہم نے انہی کی برادری کے (ایک فرد) ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، کیا تم (ہلاکت سے) بچنا نہیں چاہتے؟☆ ﴿۶۶﴾ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ہمیں تو تم احمق لگتے ہو اور ہمارا گمان ہے کہ تم جھوٹے بھی ہو۔ ﴿۶۷﴾ انہوں نے کہا: اے میری قوم! میں احمق نہیں ہوں، بلکہ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔ ﴿۶۸﴾ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا ناصح (اور) امین ہوں۔ ﴿۶۹﴾ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ خود تم میں سے ایک شخص کے پاس تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں تنبیہ کرے؟ اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اس نے تمہیں جانشین بنایا اور تمہاری جسمانی ساخت میں وسعت دی (تنومند کیا)، پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، شاید تم فلاح پاؤ۔ ﴿۷۰﴾ انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں اور جن کی

۶۵۔ حضرت ہود علیہ السلام بن عابر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ سامی نسل کے سب سے قدیم ترین نبی ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ آپ عربی تھے جب کہ عربی یعرب بن قحطان بن ہود کی نسل سے شروع ہوتا ہے۔ البتہ عربوں کے سلسلۂ نسب میں ضرور آتے ہیں۔

قوم عاد: اگرچہ عرب کا سلسلہ تو یعرب بن قحطان سے شروع ہوتا ہے اور عاد یعرب سے پانچ پشت پہلے کا ہے۔ یعرب بن قحطان بن ہود بن عبد اللہ بن ریاح بن الجلود بن عاد۔ تاہم سلسلۂ نسب کے اعتبار سے قوم عاد کو قدیم ترین عرب قوم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قرآن کے مطابق اس قوم کا مسکن الاحقاف کی سر زمین تھی۔ احقاف کا علاقہ شرقاً غرباً عمان سے یمن تک اور شمالاً جنوباً نجد سے حضر موت تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ قوم اپنے زمانے کی تمدن یافتہ تھی۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ۔ (فجر: ۷۔۸) ارم کے ستونوں والے جس کا مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔ دوسری جگہ قرآن میں آیا ہے: فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ۔ (احقاف: ۲۵) قوم عاد ایسے ہو گئے کہ سوائے ان کے مکانات کے اور کچھ دیکھنے کو نہیں رہا۔ ان علاقوں میں حضرت ہود علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل کتبے بھی ملے ہیں۔ اخیراً عمان کے جنوب میں ایک مقام پر کھدائی سے آبار نامی شہر کے آثار دریافت ہوئے ہیں جو غالباً حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد سے مربوط ہیں۔

۷۰۔ اس آیت اور دیگر متعدد آیات و تاریخی اور دیگر

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧٠﴾
قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ
وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ
سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ
بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ
الْمُنتَظِرِينَ ﴿٧١﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِآيَاتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾ وَإِلَىٰ ثَمُودَ
أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا
لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ
مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ
فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا
بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوا

ع ۱٦ — وقف لازم

ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے انہیں چھوڑ دیں؟ پس اگر تم سچے ہو تو ہمارے لیے وہ (عذاب) لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو۔☆ ﴿۷۰﴾ ہود نے کہا: تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب مقرر ہو چکا ہے، کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں؟ اللہ نے تو اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے، پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔☆ ﴿۷۱﴾ ہم نے اپنی رحمت کے ذریعے ہود اور انکے ساتھیوں کو بچالیا اور جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے ان کی جڑ کاٹ دی (کیونکہ) وہ تو ایمان لانے والے ہی نہ تھے۔☆ ﴿۷۲﴾ اور قوم ثمود کی طرف ہم نے انہی کی برادری کے (ایک فرد) صالح کو بھیجا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آچکی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک نشانی ہے، اسے اللہ کی زمین میں چرنے دینا اور اسے برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ

شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام قدیم قومیں خدا پرست تھیں۔ انبیاء لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے ہیں، یعنی اصل دین لوگوں میں فطرتاً موجود تھا۔ انبیاء انحرافات کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ اس سے یہ فرض باطل ثابت ہوتا ہے کہ دین خوف، جہالت اور اقتصادی عوامل وغیرہ کی وجہ سے وجود میں آیا ہے۔

۷۱۔ دنیا میں مختلف قوموں نے جن جن کو خدائی کا مقام دیا ہے اور اپنے وہم و گمان کی بنا پر ان کو خدائی کا کچھ حصہ دیا اور اس کے لیے ایک نام تجویز کیا جو اللہ کے ساتھ شریک اور خدائی اختیارات میں حصہ دار ہونے کا عندیہ دیتا ہے۔ ان کے پاس کوئی دلیل و سند بھی نہیں ہوتی، صرف باپ دادا کی اندھی تقلید ہی کو سند کا درجہ دیتے ہیں۔

۷۲۔ قوم عاد کا وہ حصہ جو عذاب الٰہی سے نابود ہو گیا اسے عاد اولیٰ کہتے ہیں اور حضرت ہودؑ کے ساتھ جو حصہ باقی رہا اسے عاد ثانیہ کہتے ہیں۔

۷۳۔ ثَمُوۡدَ: قوم ثمود کا نام ان کے بزرگ ثمود بن جیثر کی طرف منسوب ہے۔ قوم ثمود عرب کے مغربی و شمالی علاقوں میں آباد تھی۔ ان کے دار الحکومت کا نام الحجر تھا جس کا موجودہ نام مدائن صالح ہے جو حجاز سے شام کو جانے والے قدیم راستے پر واقع ہے۔

حضرت صالحؑ بن آسف بن کاشح بن ارم بن ثمود بن جیثر بن ارم بن سام بن نوح۔ ناقۂ صالحؑ کے بارے میں کچھ حضرات کا یہ خیال درست نہیں کہ یہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ صرف امان کی علامت تھی جبکہ قرآن کی صریح آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ناقۂ صالح ایک معجزہ تھی۔

اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي
الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ
تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ
اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٧٤﴾
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ
قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ
الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ
رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾

دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔☆ ﴿٧٣﴾ اور یاد کرو جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں آباد کیا، تم میدانوں میں محلات تعمیر کرتے ہو اور پہاڑ کو تراش کر مکانات بناتے ہو، پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔☆ ﴿٧٤﴾ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کمزور طبقہ اہل ایمان سے کہا: کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے (رسول) ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: جس پیغام کے ساتھ انہیں بھیجا گیا ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔☆ ﴿٧٥﴾ متکبرین نے کہا: جس پر تمہارا ایمان ہے ہم تو اس سے منکر ہیں۔ ﴿٧٦﴾ آخر انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیے اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے: اے صالح! اگر تم واقعی پیغمبر ہو تو ہمارے لیے وہ (عذاب) لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو۔ ﴿٧٧﴾ چنانچہ انہیں زلزلے نے گرفت میں لے لیا اور وہ اپنے گھروں میں

٧٤۔ قوم ثمود اپنے زمانے کی متمدن قوم تھی۔ وہ میدانوں میں قلعے اور محلات تعمیر کرتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر عالی شان محلات بناتے تھے۔ چنانچہ مدائن صالح میں آج تک ان عمارتوں کے آثار نمایاں طور پر موجود ہیں۔ بعض روایات کے مطابق رسول کریم ﷺ غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے اس علاقے سے گزرے تو آپ ﷺ نے اس کنویں کی نشاندہی فرمائی جس سے ناقہ صالح پانی پیتی تھی اور فج الناقۃ نامی وہ درہ بھی دکھایا جہاں سے بعض روایات کے مطابق اونٹنی نکلی تھی۔

٧٥۔ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ انبیاء کی دعوت کے سامنے مراعات یافتہ، خوشحال طبقہ ہی رکاوٹ بنتا ہے، کیونکہ عدل و انصاف سے یہی طبقہ متاثر ہوتا ہے۔ محروم طبقہ ہمیشہ عدل و انصاف چاہتا ہے نیز مراعات یافتہ طبقے میں غرور و سرکشی آ جاتی ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (علق ٦-٧) انسان جب اپنے آپ کو غنی دیکھتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے۔ قوم ثمود کے مراعات یافتہ طبقہ متکبرین نے اپنی رعونت کے ساتھ ایمان والے محروم طبقہ مستضعفین سے کہا: اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ؟ اہل ایمان پوری استقامت کے ساتھ ان کے سامنے یہ کہہ کر ڈٹ گئے: اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ہم اس کے ہر پیغام پر ایمان لاتے ہیں۔

٨٠۔ حضرت لوط بن حاران بن تارح، حضرت ابراہیم ؑ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ آپ عراق کی سرزمین کلدانیوں کی بستی اور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے چچا حضرت ابراہیم ؑ کے ساتھ مابین النہرین تشریف لے گئے وہاں سے جزیرہ قورا چلے گئے جسے آج کل جزیرۂ ابن عمر کہتے ہیں جو نہر دجلہ کے کنارے پر

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا
تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ
لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا
مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ
الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ
اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ
قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ
قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾
فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ ع وَ
اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ

اوندھے پڑے رہ گئے۔ ﴿٧٩﴾ پس صالح اس بستی سے نکل پڑے اور کہا: اے میری قوم! میں نے تو اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ ﴿٨٠﴾ اور لوط (کا ذکر کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسی بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا میں کسی نے اس کا ارتکاب نہیں کیا۔☆ ﴿٨١﴾ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو، بلکہ تم تو تجاوز کار ہو۔ ﴿٨٢﴾ اور ان کی قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ کہیں: انہیں اپنی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بڑے پاکیزہ بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ﴿٨٣﴾ چنانچہ ہم نے لوط اور ان کے گھر والوں کو نجات دی سوائے ان کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ ﴿٨٤﴾ اور ہم نے اس قوم پر ایک بارش برسائی پھر دیکھو ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔ ﴿٨٥﴾ اور اہل مدین کی طرف ہم نے انہی کی برادری کے (ایک فرد) شعیب کو بھیجا، انہوں

---

واقع ہے جہاں آشوریوں کی حکومت قائم تھی۔ وہاں سے کنعان کی سرزمین کی طرف چلے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حکم پر آپ نے شرق اردن کے سرسبز و شاداب علاقہ کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا۔

قوم لوط: یہ قوم عراق و فلسطین کے درمیان واقع شرق اردن میں بستی تھی۔ ان کے دارالحکومت کا نام سدوم تھا جو بحیرۂ مردار جسے بحر لوط بھی کہتے ہیں کے کنارے پر آباد تھا۔ اس بحیرہ کے گرد کئی ایک بستیاں آباد تھیں۔ تاریخ میں ان بستیوں کا نام بھی آتا ہے لیکن آج ان بستیوں کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔ بعض مؤرخین یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ممکن ہے یہ بستیاں بحیرہ مردار میں غرق ہو گئی ہوں۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ قوم لوط نے ہی ہم جنس بازی کے عمل بد کی ابتدا کی اور اسی کو رواج دیا اور دنیا میں اس غیر فطری فحش کاری کو متعارف کرایا۔ لہٰذا یہ قوم اس عمل بد کے ارتکاب کے علاوہ اسے رواج دینے اور اسے دنیا میں متعارف کرانے کی بھی مجرم ہے۔ قوم لوط کے بعد یونانی قوم نے اس فحش کاری کو اخلاقی جواز دینے کی کوشش کی اور مغرب کی جدید جاہلیت نے تو اس کو قانونی تحفظ بھی فراہم کیا۔ یہ لوگ صنفی حقوق کے ضامن تعدد زوجات کو ناجائز سمجھتے ہیں لیکن مردوں کو زنانہ پن میں مبتلا کر کے اقلاً دو عورتوں کی جنسی حق تلفی کر کے ان کے لیے صنفی خیانت اور اخلاقی بے راہ روی کے اسباب فراہم کرتے ہیں، اس طرح وہ تعدد زوجات کو غیر انسانی اور تعدد تجاوزات کو اخلاقی و قانونی سمجھتے ہیں۔ مغرب کے مادی انسان کی فکری و اخلاقی پستی اور قدروں کی پامالی پر حیرت ہوتی ہے لیکن طفیلی سوچ رکھنے والے مشرقی مغرب زدہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے، لہٰذا تم ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو اور زمین میں اصلاح ہو چکی ہو تو اس میں فساد نہ پھیلاؤ، اگر تم واقعی مومن ہو تو اس میں خود تمہاری بھلائی ہے۔☆ ﴿۸۶﴾ اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو خوفزدہ کرنے، انہیں اللہ کے راستے سے روکنے اور اس میں کجی پیدا کرنے کے لیے ہر راستے پر (راہزن بن کر) مت بیٹھا کرو اور یہ بھی یاد کرو جب تم کم تھے اللہ نے تمہیں زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔☆ ﴿۸۷﴾ اور اگر تم میں سے ایک گروہ میری رسالت پر ایمان لاتا ہے اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لاتا تو ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔☆

حضرات کی حالت زار پر تو حیرت کی انتہا ہوتی ہے کہ وہ بھی تعدد زوجات کے بارے میں مغربی سوچ سے بات کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے شیعوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہم جنس بازی کے عمل سے پاک رہتے ہیں: **لا یکون فیھم من یؤتی فی دبرہ۔** (کتاب الخصال، تفسیر نور الثقلین ۲: ۵۰)

۸۵۔ مدین: بحر احمر اور خلیج عقبہ کے جنوب اور حجاز کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ علاقہ تجارتی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ کیونکہ یمن سے مکہ اور شام کا راستہ، دوسری طرف عراق سے مصر کا راستہ اس علاقے سے گزرتا تھا۔ یہ شہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے حضرت مدین کے نام سے موسوم ہے۔

۸۶۔ اس آیت سے حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے پیش آنے والی مشکلات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رہزن بن کر اہل ایمان کو امن و سکون سے ایمان کی راہ پر چلنے نہ دیتے تھے۔ اس بارے میں وہ تین طریقوں سے اہل ایمان پر حملہ کرتے تھے۔ پہلا یہ کہ انہیں خوفزدہ کرتے تھے۔ دوسرا یہ کہ ایمان لانے کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے تھے۔ تیسرا یہ کہ دلوں میں شبہ پیدا کر کے کجی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

۸۷۔ ہر نبی کی قوم کا یہی حال رہا ہے کہ ایک گروہ ایمان لے آتا ہے اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لاتا۔ اہل ایمان ہمیشہ کافروں کی طرف سے اذیت و مصائب کا شکار رہتے ہیں۔ یہاں فاصبروا صبر کرو بیک لہجہ اہل ایمان کے لیے نوید فتح و نصرت ہے اور کافروں کے لیے دھمکی اور انجام بد کی خبر ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ
مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَ
لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا
اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ
اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ
شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ
بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ
الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا
فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

﴿٨٨﴾ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیب! ہم تجھے اور تیرے مومن ساتھیوں کو اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے یا تمہیں ہمارے مذہب میں واپس آنا ہوگا، شعیب نے کہا: اگرچہ ہم بیزار ہوں تو بھی؟☆ ﴿٨٩﴾ اگر ہم تمہارے مذہب میں واپس آ گئے تو ہم اللہ پر بہتان باندھنے والے ہوں گے جبکہ اللہ نے ہمیں اس (باطل) سے نجات دے دی ہے اور ہمارے لیے اس مذہب کی طرف پلٹنا کسی طرح ممکن نہیں مگر یہ کہ ہمارا رب اللہ چاہے، ہمارے رب کا علم ہر چیز پر محیط ہے، ہم نے اللہ (ہی) پر توکل کیا ہے، اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان برحق فیصلہ کر اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔☆ ﴿٩٠﴾ اور قوم شعیب کے کافر سرداروں نے کہا: اگر تم لوگوں نے شعیب کی پیروی کی تو یقینا بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔☆ ﴿٩١﴾ چنانچہ انہیں زلزلے نے آ لیا پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔☆ ﴿٩٢﴾ جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی

۸۸۔ حضرت شعیبؑ کا نسب نامہ: شعیبؑ بن میکیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیمؑ۔

حضرت شعیبؑ کو متکبر سرداروں نے عقل و استدلال کی جگہ طاقت کے استعمال کی دھمکی دی کہ آپؑ یا تو ملک چھوڑ دیں یا ہمارا مذہب قبول کریں۔ جواب میں حضرت شعیبؑ نے عقلی اور منطقی طرز استدلال اختیار کرتے ہوئے فرمایا: کیا کراہت و بیزاری کے ساتھ کسی مذہب کو اختیار کیا جاتا ہے؟ کیونکہ کسی مذہب کو قبول کرنے اور مسترد کرنے میں جبر کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

۸۹۔ کفر اختیار کرنے اور نہ کرنے کے مسئلے کو مشیت خداوندی سے مربوط کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ خدا کفر کو بھی چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے کہ کوئی بندہ کافر ہو جائے تو وہ اسے کافر بنا دیتا ہو، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ سے ہٹ کر قطعی بات کرنا انبیاءؑ کے ہاں خلاف ادب سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے قول و فعل کو مشیت خداوندی سے مربوط کرتے ہیں۔

۹۰۔ ایمان کی منزل پر فائز ہونے والا نہ شک کرتا ہے نہ مرتد ہوتا ہے۔ جبکہ مادی سوچ رکھنے والوں کا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ شریعت کی پابندی میں خسارہ ہے۔

۹۱۔ مدین کی تباہی کی داستانیں بعد کی قوموں میں ایک مدت تک ضرب المثل بنی رہیں اور توریت کی گنتی ۳۱ تا ۳۵ میں مدین کی تباہی کا ذکر ملتا ہے۔

شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۛۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى
عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ
رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى
قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ
مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ
وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا
مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ
قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ
فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا
لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا

(ایسے تباہ ہوئے) گویا وہ کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے، شعیب کی تکذیب کرنے والے خود خسارے میں رہے۔ ﴿۹۳﴾ شعیب ان سے نکل آئے اور کہنے لگے: اے میری قوم! میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچائے اور تمہیں نصیحت کی، تو (آج) میں کافروں پر رنج و غم کیوں کروں؟ ☆ ﴿۹۴﴾ اور ہم نے جس بستی میں بھی نبی بھیجا وہاں کے رہنے والوں کو تنگی اور سختی میں مبتلا کیا کہ شاید وہ تضرع کریں۔ ☆ ﴿۹۵﴾ پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی میں بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوشحال ہو گئے اور کہنے لگے: ہمارے باپ دادا پر بھی برے اور اچھے دن آتے رہے ہیں، پھر ہم نے اچانک انہیں گرفت میں لے لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ ☆ ﴿۹۶﴾ اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے

۹۳۔ اللہ ارحم الراحمین ہے۔ اس کی رحمت ہر شے پر محیط ہے۔ اس کی عظیم اور وسیع رحمت کے شامل حال ہونے کے لیے اہلیت شرط ہے۔ حضرت شعیب ﷺ کا یہ فرمانا کہ کافر قوم کی حالت پر رنج والم کیوں کروں، اس بات کا اظہار ہے کہ جو لوگ رحمت الٰہی کی اہلیت نہیں رکھتے وہ قابل رحم بھی نہیں ہوتے۔

۹۴۔ ۹۵۔ بعض اقوام و امم کے حالات اور ان کے انجام کے ذکر کے بعد اللہ اپنی اس لایتغیر سنت اور ثابت نظام کو بیان فرماتا ہے جس سے اس نے ہر قوم کو گزارا۔ پہلے اس قوم کو مصائب و آفات میں ڈالا اور طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کیا تاکہ لوگوں کے غرور و تکبر کا نشہ ٹوٹ جائے اور اپنی طاقت و قوت اور مال و دولت قوم و قبیلہ کے بھروسے پر اس کی نخوت کا طلسم بھی ٹوٹ جائے۔ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ۔ (حم سجدہ: ۵۱) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ ایسے حالات میں انبیاء ﷺ مبعوث ہوتے ہیں اور دعوت الی اللہ کے لیے فضا سازگار اور زمین ہموار ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ماہرین نفسیات کا بھی یہی نظریہ ہے کہ مصائب و آفات انسان کی تربیت و اصلاح کے لیے نہایت مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ عالمی جنگوں کے دوران یہ بات سب کے مشاہدے میں آئی ہے کہ عبادت گاہیں ہر وقت سے زیادہ آباد رہتی تھیں اور یہ بات بھی تجربے میں آئی ہے کہ شدائد و مصائب سے صلاحیتیں نکھرتی ہیں۔

اسی سے ہے کہ اکثر نابغۂ روزگار غریب اور نادار خاندانوں سے ابھرتے ہیں۔ اس سازگار فضا میں بھی ان کا تکبر و نخوت فرو نہیں ہوتا تو ان کو آسودگی اور دولت کی فراوانی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے برے دن بھول جاتے ہیں اور اسے اللہ کی طرف سے آزمائش و امتحان کے طور پر قبول

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۗ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا

انہیں گرفت میں لے لیا۔☆ ﴿۹۷﴾ کیا ان بستیوں کے لوگ بے فکر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آ جائے جب وہ سو رہے ہوں؟ ☆ ﴿۹۸﴾ یا کیا ان بستیوں کے لوگ بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن کو آ جائے جب وہ کھیل رہے ہوں؟ ☆ ﴿۹۹﴾ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے خوف نہیں کرتے اللہ کی تدبیر سے تو فقط خسارے میں پڑنے والے لوگ بے خوف ہوتے ہیں۔☆ ﴿۱۰۰﴾ جو لوگ اہل زمین (کی ہلاکت) کے بعد زمین کے وارث ہوئے ہیں، کیا ان پر یہ بات عیاں نہیں ہوئی کہ ہم چاہیں تو ان کے جرائم پر انہیں گرفت میں لے سکتے ہیں؟ اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔☆ ﴿۱۰۱﴾ یہ وہ بستیاں ہیں جن کے حالات ہم آپ کو سنا رہے ہیں اور ان کے پیغمبر واضح دلائل لے کر ان کے پاس آئے لیکن جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے وہ اس پر ایمان لانے کے لیے آمادہ نہ تھے، اللہ اس طرح کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ ﴿۱۰۲﴾ اور

---

کرنے کو بھی تیار نہیں ہوتے، بلکہ اسے طبیعت کا کھیل تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے آباو اجداد بھی اس نشیب و فراز سے دوچار رہے ہیں۔ اس کے پیچھے کسی قصد و ارادہ اور کسی شعور و مصلحت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ جیسے ہمارے برے دن بے مقصد آئے تھے ایسے یہ اچھے دن بھی اتفاقیہ ہیں۔ اسی لغو اور طغیانی اور غفلت و نادانی کے عین عالم میں ان کو اچانک گرفت میں لے لیا گیا اور نابود ہو گئے۔

۹۶۔ ایمان باللہ انسانی زندگی سے الگ کسی اور چیز کا نام نہیں ہے۔ ایمان باللہ کا حامل معاشرہ ظلم و استحصال سے پاک ہوگا اور ہر ایک کو قدرتی وسائل و ذرائع اور ذخائر سے استفادہ کرنے کا مساویانہ حق اور موقع ملے گا۔ اس طرح نعمتوں کی فراوانی ہو جائے گی۔ البتہ مادی وسائل کے لیے نظریات کافی نہیں ہوتے، بلکہ نظریات مادی وسائل سے مساویانہ استفادہ کرنے کا حق دلانے میں بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

۹۷ تا ۹۹۔ سرکش اقوام کا انجام اور سنت الٰہی بیان کرنے کے بعد دوسری قوموں کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے پروردگار عالم فرماتا ہے: عذاب خداوندی میں آزمائشی وقفے سے کسی قوم کو دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ مجرموں کو مکافات عمل اس وقت اپنی گرفت میں لے گا جب وہ فحشا اور خواب غفلت میں مگن ہوں گے۔ مَكْرَ اللّٰهِ سے مراد اللہ کا وہ عذاب ہے جو مجرموں پر اس وقت آ پڑتا ہے جب وہ اپنی بدمستیوں اور بے شعوری کی حالت میں ہوتے ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ ان کی اپنی بے حسی کی وجہ سے اللہ انہیں ایسی راہ پر لگا دیتا ہے جس سے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے حق میں یہ بہتر ہے حالانکہ وہ عذاب الٰہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

۱۰۰۔ ہر آنے والی قوم کے لیے اپنے پیشروؤں کا انجام بدسبق آموز ہوتا ہے۔ ان کے عروج و زوال میں

لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ ع

ہم نے ان میں سے اکثر کو بدعہد پایا اور اکثر کو ان میں فاسق پایا۔ ﴿۱۰۲﴾ پھر ان رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرکردہ لوگوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان نشانیوں (کے انکار) کے سبب (اپنے اوپر) ظلم کیا پھر دیکھ لو مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔☆ ﴿۱۰۳﴾ اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون! میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ ﴿۱۰۴﴾ (مجھ پر) لازم ہے کہ میں اللہ کے بارے میں صرف حق بات کروں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل لے کر آیا ہوں، لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دے۔ ﴿۱۰۵﴾ فرعون نے کہا: اگر تم سچے ہو اور کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو۔ ﴿۱۰۶﴾ موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ دفعتاً سچ مچ کا ایک اژدھا بن گیا۔ ﴿۱۰۷﴾ اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ ناظرین کے سامنے یکایک چمکنے لگا۔ ﴿۱۰۸﴾ قوم فرعون کے سرداروں نے کہا: یہ

---

عبرتیں ہوتی ہیں کہ ان کو کس قسم کی غلطیوں نے تباہ کر دیا۔ اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں آتی، انہی حالات سے ہر سرکش قوم دوچار ہوگی۔ اس فقرے سے اللہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ مضطرب الحال رہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ لوگ بیدار رہیں، کیونکہ غفلت میں تباہی اور ہوشیاری میں نجات ہے۔

۱۰۳۔ موجودہ ترتیب کے مطابق یہ پہلا مکی سورہ ہے جس میں حضرت موسیٰ ؑ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ۱۳۰ مرتبہ سے زیادہ حضرت موسیٰ ؑ کا ذکر آیا ہے۔ اس خصوصیت کے چند اسباب ہیں:

☆ قدیم انسانی تاریخ کے اہم ابواب حضرت ابراہیم ؑ سے لے کر حضرت مسیح ؑ تک کے زمانے میں رقم ہوئے۔ حق و باطل کا سب سے طولانی جہاد بنی اسرائیل کے دور میں ہوا اور اس صبر آزما جہاد کے میر کارواں حضرت موسیٰ ؑ تھے۔

☆ حضرت موسیٰ ؑ کے دور میں جہاں تمدن و ترقی کا ایک اہم مرحلہ طے ہوا تھا وہاں کفر و شرک نے بھی ایک مستحکم نظام بنا لیا تھا جو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا دعویدار تھا۔ اس کے مقابلے میں توحید پرست لوگ مظلوم و محروم ہو گئے تھے۔☆ حضرت موسیٰ ؑ کا تعلق ایک محروم اور ضعیف طبقے سے تھا جس کو زندہ رہنے کا حق حاصل نہ تھا۔ ان کی نسل کشی ہوتی تھی۔ ایسے مظلوم طبقے کا ایک فرد اپنے زمانے کی بڑی طاقت کا مقابلہ کرتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا تعلق بھی ایسے ہی خاندان سے تھا۔ لوگ آپ ﷺ کو عبداللہ کا یتیم کہکر پکارتے تھے۔

☆ حضرت موسیٰ ؑ کو ایک جامع نظام حیات اور ایک کامل شریعت عنایت ہوئی، اور ایک عظیم امت کی تشکیل عمل میں آئی جس نے روئے زمین کا نقشہ

فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ
يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾
قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ
حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾
وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا
لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ
نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا
يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ
نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ
اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ
وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى
مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا
يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا

یقینا بڑا ماہر جادوگر ہے۔ ﴿۱۱۰﴾ یہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکالنا چاہتا ہے، بتاؤ اب تمہاری کیا صلاح ہے؟ ﴿۱۱۱﴾ انہوں نے کہا: موسیٰ اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دو اور لوگوں کو جمع کرنے والے (ہرکاروں) کو شہروں میں روانہ کر دو۔ ﴿۱۱۲﴾ وہ تمام ماہر جادوگروں کو تمہارے پاس لائیں، ﴿۱۱۳﴾ اور جادوگر فرعون کے پاس آئے (اور) کہنے لگے: اگر ہم غالب رہے تو ہمیں صلہ ملے گا؟ ﴿۱۱۴﴾ فرعون نے کہا: ہاں یقینا تم مقرب بارگاہ ہو جاؤ گے۔ ﴿۱۱۵﴾ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! پہلے تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں؟ ﴿۱۱۶﴾ موسیٰ نے کہا: تم پھینکو، پس جب انہوں نے پھینکا تو لوگوں کی نگاہوں کو مسحور اور انہیں خوفزدہ کر دیا اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا۔ ﴿۱۱۷﴾ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا پھینک دیں، چنانچہ اس نے یکایک ان کے خود ساختہ جادو کو نگلنا شروع کیا۔☆ ﴿۱۱۸﴾ اس طرح

---

بدل کر رکھ دیا۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ کو ایک جامع نظام حیات اور ایک ابدی شریعت عنایت ہوئی اور ایک عظیم امت کی تشکیل عمل میں آئی، جس نے نہ صرف زمین کا نقشہ بدل دیا بلکہ انسانیت کو تہذیب و تمدن سکھایا اور تسخیر کائنات کا راستہ کھول دیا۔ ☆ انسانی تاریخ کے اس دور میں لکھے گئے اوراق میں ایسے اسباق ملتے ہیں جو آنے والی تمام توحیدی تحریکوں اور مظلوم قوموں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ بنی اسرائیل کو مختلف آزمائشوں سے گزارنے کے بعد اللہ نے امامت عظمیٰ کے منصب پر فائز کیا۔

مگر بنی اسرائیل نے کس احساس ذمہ داری کا ثبوت دیا؟ انہیں تاریخ انبیاءؑ میں سب سے زیادہ معجزات دیے گئے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے پیغمبر کی آواز پر کہاں تک لبیک کہا؟ آخر میں ان سے امامت عظمیٰ کا منصب کیسے سلب ہوا؟ وغیرہ۔

فرعون: قدیم مصری اپنے رب اعلیٰ سورج کو رَع کہتے تھے اور حکمرانوں کو رَع کا مظہر سمجھتے تھے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ جس فرعون کے گھر میں حضرت موسیٰؑ نے پرورش پائی وہ رعمیس دوم تھا اور جس فرعون کی طرف حضرت موسیٰؑ کو بھیجا گیا وہ رعمیس دوم کا بیٹا منفتاح تھا۔

۱۱۷۔ ہم نے پہلے بھی بتایا ہے کہ معجزہ قانون طبیعت کی عام دفعات سے ہٹ کر ہوتا ہے البتہ معجزات کے اپنے ناقابل تسخیر علل و اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ جو لوگ معجزات کو خارق عادت نہیں بلکہ قانون طبیعت کی عام دفعات کے دائرے میں داخل سمجھتے ہیں وہ دراصل اللہ کو نہ صرف فاعل مختار نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک اللہ سے امور اس طرح سرزد ہوتے

يَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۸ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝۱۱۹ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝۱۲۰ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۲۱ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝۱۲۲ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۲۳ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۲۴ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝۱۲۵ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝۱۲۶ ع

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ

حق ثابت ہوا اور ان لوگوں کا کیا دھرا باطل ہو کر رہ گیا۔ ۝۱۱۹ پس وہ وہاں شکست کھا گئے اور ذلیل ہو کر لوٹ گئے۔ ۝۱۲۰ اور سب جادوگر سجدے میں گر پڑے۔☆ ۝۱۲۱ کہنے لگے: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے۔ ۝۱۲۲ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ ۝۱۲۳ فرعون نے کہا: قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا تم اس پر ایمان لے آئے یقیناً یہ تو ایک سازش ہے جو تم نے اس شہر میں کی ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے بے دخل کرو پس عنقریب تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ ۝۱۲۴ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے ضرور کاٹوں گا پھر تم سب کو ضرور بالضرور سولی چڑھا دوں گا۔☆ ۝۱۲۵ انہوں نے کہا: ہمیں تو اپنے رب کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔☆ ۝۱۲۶ اور تو نے ہم میں کون سی بری بات دیکھی سوائے اس کے کہ جب ہمارے رب کی نشانیاں ہمارے پاس آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے،

ہیں جس طرح آگ سے حرارت اور پانی سے رطوبت صادر ہوتی ہے۔

جو لوگ معجزات کو قانون طبیعت سے بالاتر نہیں سمجھتے وہ فاعل مختار اللہ کو نہیں بلکہ ایک غیر شعوری فاعل طبیعت کو خدا مانتے ہیں۔

اگر اللہ بے جان مادے سے عام طریقے سے اژدھا بنا سکتا ہے تو فوراً بھی بنا سکتا ہے کیونکہ عام طریقے کا خالق بھی اللہ ہے اور وہ اپنے کسی عمل میں عادت اور زمانے کا محتاج نہیں ہے۔

۱۲۰۔ حضرت موسیٰ ؑ کا معجزہ دیکھ کر جادوگر ایمان و یقین کی اس منزل پر پہنچ گئے کہ اس ایمان نے انہیں سجدے میں گرا دیا، جو لوگ جادو کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں ان پر معجزے کی حقانیت بہتر طور پر عیاں ہو جاتی ہے۔ اسی لیے جادوگر چیلنج کے مقام سے تسلیم و رضا کی منزل، غرور و تکبر سے سجدہ کی منزل اور کفر و عناد سے ایمان و ایقان کی منزل پر فائز ہو گئے۔

۱۲۴ تا ۱۲۶۔ ایمان قبول کرنے والے جادوگر عبادت گاہوں کے کاہن لوگ تھے جو سرکاری ملازمین اور معبود بادشاہ کے وظیفہ خوار تھے۔ جو کل حضرت موسیٰ ؑ کے دعوائے رسالت کو باطل ثابت کرنے کی انتھک کوشش کر رہے تھے، آج نہ صرف اس رسالت پر ایمان لاتے ہیں بلکہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔

طاغوت کو اپنی رعیت کی ہر حرکت اور ہر جنبش پر تسلط حاصل ہے اور اس مملکت میں اس کی اجازت کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ اس کی مرضی کے بغیر حضرت موسیٰ ؑ پر ایمان لانے پر برہم ہوتا ہے

مُوسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ

اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما اور ہمیں اس دنیا سے مسلمان اٹھالے۔☆ ﴿۱۲۶﴾ اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا: فرعون! کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو آزاد چھوڑ دے گا کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں اور وہ تجھ سے اور تیرے معبودوں سے دست کش ہو جائیں؟ فرعون بولا: عنقریب ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے اور ہمیں ان پر بالادستی حاصل ہے۔☆ ﴿۱۲۷﴾ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو، بے شک یہ سرزمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام اہل تقویٰ کے لیے ہے۔ ﴿۱۲۸﴾ (قوم موسیٰ نے) کہا: آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیت دی گئی اور آپ کے آنے کے بعد بھی، موسیٰ نے کہا: تمہارا رب عنقریب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور زمین میں تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ ﴿۱۲۹﴾ اور بتحقیق ہم نے آل فرعون کو قحط

اور کہتا ہے میری اجازت کے بغیر تم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کیوں لائے۔ گویا طاغوت اس خیال میں ہوتا ہے کہ جس طرح لوگوں کی گردنوں پر اس کا تسلط قائم ہے، ان کے دلوں اور ضمیروں پر بھی اس کی حکومت ہے۔ وہ ہر رونما ہونے والے واقعات کو اپنے خلاف سازش سمجھتا ہے اور ہر بات پر اسے اپنے تخت و تاج کی فکر لاحق رہتی ہے، کیونکہ اللہ کی طرف دعوت اور فرعونیت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ تشدد، ظلم اور طاقت کا استعمال کرنا طاغوت کا پرانا طریقہ کار ہے اور حق کا مقابلہ کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

۱۲۷۔ اس آیت میں جہاں فرعون کی طرف سے اسرائیلیوں کی نسل کشی کا ذکر ملتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرعون اہل مصر کا معبود تھا اور خود فرعون کا کوئی اور معبود تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۶ء میں قدیم مصری آثار کا کتبہ برآمد ہوا ہے جو آج کل مصری میوزیم میں محفوظ ہے، اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ وہ عبارت درج ذیل ہے: جب سے دیوتا وجود میں آیا ہے اس وقت سے مصر معبود رع کی واحد نسل ہے اور منفتاح اسی معبود کی نسل ہے اور معبود شو کے تخت نشین ہیں اور معبود رع نے مصر کی طرف نظر ڈالی، اس سے منفتاح پیدا ہوا اور اسرائیل کو مٹا دیا گیا۔ اس کا بیج بھی باقی نہ رہا اور فلسطین مصر کے زیر سلطنت آیا۔ (المنار ۹: ۸۰)

۱۳۰۔۱۳۱ فرعونیوں نے پہلے قحط سالی نہیں دیکھی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی پر قحط سالی آ گئی تو بجائے اس کے کہ اس کو عذاب الٰہی اور معجزہ موسیٰ علیہ السلام تصور کریں، اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بدشگونی قرار دیا، حالانکہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی بدشگونی نہیں، یہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے۔

قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ

سالی اور پیداوار کی قلت میں مبتلا کیا شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔☆ ﴿۱۳۱﴾ پس جب انہیں آسائش حاصل ہوتی تو کہتے: ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر برا زمانہ آتا تو اسے موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی بدشگونی ٹھہراتے، آگاہ رہو! ان کی بدشگونی اللہ کے پاس ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔☆ ﴿۱۳۲﴾ اور کہنے لگے: اے موسیٰ! ہم پر جادو کرنے کے لیے خواہ کیسی نشانی لے آؤ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔☆ ﴿۱۳۳﴾ پھر ہم نے بطور کھلی نشانیوں کے ان پر طوفان، ٹڈی دل، جوؤں، مینڈکوں اور خون (کا عذاب) نازل کیا مگر وہ تکبر کرتے رہے اور وہ جرائم پیشہ لوگ تھے۔☆ ﴿۱۳۴﴾ اور جب ان پر کوئی بلا نازل ہو جاتی تو کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کریں جیسا کہ اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (کہ وہ آپ کی دعا سنے گا) اگر آپ نے ہم سے عذاب دور کر دیا تو ہم آپ پر ضرور ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی ضرور آپ کے ساتھ جانے دیں گے۔☆ ﴿۱۳۵﴾ پھر جب ہم ایک مقررہ

۱۳۲۔ ۱۳۳۔ دل میں جب کسی سے عناد آ جاتا ہے تو اس کی کوئی خوبی، دلیل اور منطق دلنشین نہیں ہوتی۔ فرعونیوں کو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے ساتھ نہایت قلبی عناد تھا اس لیے انہوں نے صریحاً کہا: موسیٰ علیہ السلام آپ لاکھ معجزے پیش کریں، ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ جیسا کہ آج مغرب اور مغرب زدہ ذہنوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اسلام کے پیش کردہ جامع نظام حیات کو ایک معجزہ سمجھنے کی بجائے الٹا اس کے خلاف نتیجے نکالتے ہیں۔

طوفان شدید اور ہمہ گیر حادثہ کو کہتے ہیں۔ بعض نے طوفان سے مراد موت یا وبائی مرض بھی قرار دیا ہے۔ توریت میں آیا ہے کہ آسمان سے آتشیں ژالہ باری ہوئی اور مصر کے تمام شہروں کو اپنے لپیٹ میں لے لیا۔ (خروج ۹: ۲۳۔ ۲۷)

ٹڈی دل نے مصر کی زراعت کو تباہ کر دیا۔ توریت میں طوفان کے بعد اس کا ذکر آیا ہے۔

قمل، جوئیں یا مطلق گندے کیڑے۔ راغب نے لکھا ہے کہ قمل چھوٹی مکھیوں کو کہتے ہیں۔ توریت نے بھی چھوٹی مکھیوں کا ذکر کیا ہے کہ یہ مکھیاں مصریوں کے گھروں میں گھس جاتی تھیں، صرف بنی اسرائیل کے افراد محفوظ رہتے تھے۔

مینڈک: توریت خروج فصل ۸ میں آیا ہے کہ نہریں مینڈکوں سے پر ہو گئیں وہاں سے وہ فرعونیوں کے گھروں، بستروں اور ہر جگہ پھیل جاتے تھے۔

خون: دریائے نیل مصریوں کے لیے خونین ہو گیا۔ توریت فصل ۷ میں آیا ہے کہ مصریوں کے لیے ان کی نہریں، تالاب، گھاٹ اور جہاں جہاں پانی تھا سب خون ہو گئے۔ مصر کی ساری سرزمین خونین ہو گئی، لکڑی اور پتھروں میں بھی خون آ گیا۔

اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ

مدت کے لیے جس کو وہ پہنچنے والے تھے عذاب کو دور کر دیتے تو وہ عہد کو توڑ ڈالتے۔ ﴿۱۳۵﴾ تب ہم نے ان سے انتقام لیا پھر انہیں دریا میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور وہ ان سے لاپرواہی برتتے تھے۔ ﴿۱۳۶﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو جو بے بس کر دیے گئے تھے اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنایا جسے ہم نے برکتوں سے نوازا تھا اور بنی اسرائیل کے ساتھ آپ کے رب کا نیک وعدہ پورا ہو گیا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم جو کچھ بنایا کرتے تھے اور جو اونچی عمارتیں تعمیر کرتے تھے وہ سب کچھ ہم نے تباہ کر دیا۔☆ ﴿۱۳۷﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرایا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس پہنچ گئے جو اپنے بتوں کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے تھے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا: تم تو بڑی نادان قوم ہو۔☆ ﴿۱۳۸﴾ یہ قوم جس روش پر گامزن ہے یقینا

۱۳۴۔ تقریباً یہی مضمون توریت میں بھی ملتا ہے۔ تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے اور میں ان لوگوں کو جانے دوں گا۔ (خروج ۹: ۲۱۔ ۲۷)

۱۳۷۔ جس سرزمین کا بنی اسرائیل کو وارث بنایا گیا ہے اس کے بارے دو نظریے ہیں: ایک نظریہ یہ ہے کہ اس سرزمین سے مراد فلسطین اور شام کی سرزمین ہے۔ اس پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلسطین کی نواحی ارض مقدس کو مبارک سرزمین کہا ہے۔

۱۳۸۔ بنی اسرائیل دریا عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا کے علاقوں میں داخل ہوئے تو یہاں مختلف آبادیاں موجود تھیں، ان میں سے کسی قوم کا ذکر ہے جو بتوں کی پوجا پاٹ میں مصروف تھی۔ ممکن ہے یہ قوم عمالقہ سے متعلق ہو اور ممکن ہے عرب کا ایک قبیلہ بنی لخم ہو جو مصر کی حدود میں آباد تھا جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے۔

بعض اہل قلم کے مطابق یہاں مصری ہی آباد تھے جو اس علاقے میں موجود تانبے اور فیروزے کی کانوں کی محافظت پر مامور تھے۔ صحرائے سینا کا مغربی اور شمالی حصہ مصر کی سلطنت میں شامل تھا۔ اس علاقہ میں مفقہ نامی جگہ ایک بڑا بت خانہ تھا جس کے آثار اب بھی موجود ہیں اور اسی علاقے میں سامی قوموں کی چاند دیوی کا بت خانہ بھی تھا۔ ممکن ہے بنی اسرائیل کا گزر انہیں بت خانوں میں سے کسی سے ہوا ہو۔

اسلامی مؤرخ ابن جریج کے مطابق ان کے بت تانبے کے بنے ہوئے گوسالہ کی شکل میں تھے۔ یہ روایت قرین قیاس ہے کیونکہ یہ بات اپنی جگہ

فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ

برباد ہونے والی ہے اور جو اعمال یہ انجام دیتے ہیں وہ باطل ہیں۔☆ ﴿۱۴۰﴾ موسیٰ نے کہا: کیا میں تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے۔☆ ﴿۱۴۱﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب میں مبتلا کرتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔ ﴿۱۴۲﴾ اور ہم نے موسیٰ سے تیس (۳۰) راتوں کا وعدہ کیا اور دس (دیگر) راتوں سے اسے پورا کیا اس طرح ان کے رب کی مقررہ میعاد چالیس راتیں پوری ہوگئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کا راستہ اختیار نہ کرنا۔ ﴿۱۴۳﴾ اور جب موسیٰ ہماری مقررہ میعاد پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے: میرے رب! مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار کروں، فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے لیکن اس پہاڑ

ثابت ہے قدیم مصری لوگ گوسالہ کی پرستش کرتے تھے جس کو وہ ابیس کے نام سے یاد کرتے تھے۔ بنی اسرائیل دور غلامی میں مصریوں کے ساتھ ایک طویل مدت تک گوسالہ پرستی کرتے رہے۔ چنانچہ سامری نے گوسالہ کا بت اسی بنا پر بنایا تھا کہ بنی اسرائیل اس سے خاصے مانوس تھے۔

۱۳۹۔ بت پرستی کا مذہب اصولاً و فروعاً درست نہیں ہے۔ جو نظریہ اور عقیدہ یہ لوگ رکھتے ہیں وہ تباہ کن عقیدہ ہے۔ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ، کیونکہ ہلاکت کے لیے عقیدہ ہی بنیاد ہے اور اس غلط عقیدہ کی بنیاد پر بجا لانے والا عمل باطل اور بے سود ہے: وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

اس کے بعد فرمایا بت پرستی اگرچہ کسی بھی قوم کو زیب نہیں دیتی مگر بنی اسرائیل تو اس وقت توحید کے علمبردار اور اقوام عالم کی قیادت کے ذمہ دار ہیں۔ ان کے لیے بت پرستی نہایت ہی مجرمانہ عمل ہے۔

۱۴۰۔ فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے اور بنی اسرائیل کے ایک آزاد اور مستقل قوم کی حیثیت حاصل کرنے کے بعد حضرت موسیٰ ؑ پر شریعت نازل ہونا شروع ہوگئی اور احکام شریعت کا بوجھ اٹھوانے کے لیے حضرت موسیٰ ؑ کو چالیس راتوں کے لیے اپنی بارگاہ میں کوہ طور پر بلایا۔

حضرت موسیٰ ؑ نے چالیس دن کوہ طور پر گزارے ہیں جن میں دن رات دونوں شامل تھے۔ اس کے باوجود رات کا ذکر کیا چونکہ رات کو پوری یکسوئی سے مناجات کرتے تھے، چنانچہ رسالتمآب ﷺ کے لیے بھی رات کے وقت کا انتخاب فرمایا۔

۱۴۳۔ اگر اللہ طبیعی آنکھوں سے نظر آئے تو وہ لَيْسَ

فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا
تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى
صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ
تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾
قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ
مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ
شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا
بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾
سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ
فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ
اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ

کی طرف دیکھو پس اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے، پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کرنے لگے: پاک ہے تیری ذات میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔☆ ﴿۱۴۳﴾ فرمایا: اے موسیٰ! میں نے لوگوں میں سے آپ کو اپنے پیغامات اور ہمکلامی کے لیے منتخب کیا ہے لہٰذا جو کچھ میں نے آپ کو عطا کیا ہے اسے اخذ کریں اور شکرگزاروں میں سے ہو جائیں۔ ﴿۱۴۴﴾ اور ہم نے موسیٰ کے لیے (توریت کی) تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھی (اور حکم دیا کہ) اسے پوری قوت سے سنبھالیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس میں سے شائستہ ترین باتوں کو اپنا لو، عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کا ٹھکانا دکھا دوں گا۔☆ ﴿۱۴۵﴾ میں انہیں اپنی آیات سے دور رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور تمام نشانیاں دیکھ کر بھی ان پر ایمان نہیں لاتے اور اگر یہ راہ راست دیکھ بھی

گنجائش نہیں رہتا، چنانچہ رویت خدا کو ممکن جاننے والے اللہ کو کسی چیز کا مثل قرار دیتے ہیں۔ رویت خداوندی کا مطالبہ شان خداوندی میں گستاخی تھا اس لیے بنی اسرائیل کے اس مطالبے کو اللہ نے ظلم قرار دیا اور ان پر فوری عذاب نازل ہوا: فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ۔ (نساء: ۱۵۳) پس انہوں نے کہا ہمیں علانیہ طور پر اللہ دکھا دو، چنانچہ ان کی اس زیادتی پر انہیں بجلی نے گرفت میں لے لیا۔

رہا یہ سوال کہ اگر ایسا ہے تو حضرت موسیٰؑ نے کیسے رویت کا سوال کیا؟ جواب یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰؑ کا اپنا مطالبہ نہ تھا، ورنہ یہ مطالبہ زیادہ قابل سرزنش ہوتا، جبکہ نہ حضرت موسیٰؑ کو سرزنش کی گئی اور نہ ہی ان پر عذاب نازل ہوا۔ البتہ جب پہاڑ پر تجلی ہوئی تو موسیٰؑ غش کھا گئے اور بنی اسرائیل کے مطالبے کو پیش کرنے پر توبہ و انابت کا اظہار فرمایا اور کہا: میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔ یہ ایمان رویت کے

بارے میں ہے کہ میرا سب سے پہلے یہ ایمان ہے کہ تیری ذات اس سے بالاتر ہے کہ حاسۂ بصر کی محدودیت میں سما جائے۔

۱۴۵۔ ان تختیوں کا نام توریت ہے۔ ان تختیوں کی مقدار کے بارے میں سوائے لفظ الْاَلْوَاحِ کے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور ان تختیوں پر جو لکھا تھا وہ فعل خدا تھا۔ ہمارے پاس سوائے كَتَبْنَا کے کوئی دلیل نہیں ہے۔ البتہ توریت میں آیا ہے کہ یہ خدا کا لکھا ہوا اور ان پر کندہ کیا ہوا تھا۔ (خروج

الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۚ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ (وقف لازم) اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى

لیں تو اس راستے کو اختیار نہیں کرتے اور اگر انحراف کا راستہ دیکھ لیں تو اس راستے کو اپنا لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی اور ان سے غفلت برتتے رہے۔☆ ﴿۱۴۶﴾ اور جنہوں نے ہماری آیات اور آخرت کی پیشی کی تکذیب کی ان کے اعمال ضائع ہو گئے، کیا ان لوگوں کو اس کے سوا کوئی بدلہ مل سکتا ہے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں؟ ﴿۱۴۷﴾ اور موسیٰ کے (کوہ طور پر جانے کے) بعد ان کی قوم نے اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنا لیا (یعنی) ایسا جسم جس میں بیل کی آواز تھی، کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ نہ تو ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کی رہنمائی کر سکتا ہے، ایسے کو انہوں نے معبود بنا لیا اور وہ زیادتی کے مرتکب تھے۔☆ ﴿۱۴۸﴾ اور جب وہ سخت نادم ہوئے اور دیکھ لیا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے: اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمیں معاف نہ فرمائے تو ہم حتمی طور پر خسارے میں رہ جائیں گے۔☆ ﴿۱۵۰﴾ اور جب موسیٰ نہایت

(۱۵:۳۲)۔

۱۴۶۔ یہ سنت الٰہی ہے کہ جو لوگ از روئے عناد اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کرتے ہیں، اللہ ان سے ہر قسم کی توفیق سلب فرماتا ہے اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ہر برے راستے کو اختیار اور ہر نیک راستے سے انحراف کرتے ہیں۔ ترتیب امر اس طرح ہے کہ جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اللہ ان کی رہنمائی اور ہدایت کا سامان فراہم نہیں کرتا۔ جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے، راہ راست پر نہیں چلتے، ہر برے راستے پر چلتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہوا کہ انہوں نے جان بوجھ کر از روئے عناد اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی۔

۱۴۸۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے کوہ طور پر بلایا اور انہوں نے چالیس دن کوہ طور پر گزارے تو اس اثنا میں بنی اسرائیل نے بچھڑے کی سنہری مورت بنائی جس کے اندر سے بیل کی آواز نکلتی تھی، بنی اسرائیل مصریوں کی گوسالہ پرستی سے خاصے متاثر تھے اور ان کے گوسالہ سے تو آواز بھی نکلتی تھی اس لیے قوم موسیٰ کے جمہور (اکثریت) نے اس گوسالہ کے حق میں فیصلہ دیا کہ یہی موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے جس نے ہمیں فرعون سے نجات دلائی، حضرت ہارون علیہ السلام کی سربراہی میں صرف ایک چھوٹی سی جماعت نے استقامت دکھائی اور حق پر قائم رہی۔

۱۴۹۔ سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ: انتہائی ندامت کی طرف اشارہ ہے۔ بنی اسرائیل کی گمراہی کا یہ عالم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صرف دس دن کی تاخیر کی وجہ سے یہ قوم گمراہ ہو گئی جبکہ حجت خدا حضرت ہارون علیہ السلام ان کے درمیان موجود تھے۔

اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا اِنَّ

غصے اور رنج کی حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو کہنے لگے: تم نے میرے بعد بہت بری جانشینی کی، تم نے اپنے رب کے حکم سے عجلت کیوں کی؟ اور (یہ کہکر) تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ہارون نے کہا: اے ماں جائے! یقینا قوم نے مجھے کمزور بنا دیا تھا اور وہ مجھے قتل کرنے والے تھے لہٰذا آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ان ظالموں میں شمار نہ کریں۔☆ ﴿۱۵۱﴾ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۱۵۲﴾ جنہوں نے گوسالہ کو (معبود) بنایا بیشک ان پر عنقریب ان کے رب کا غضب واقع ہوگا اور دنیاوی زندگی میں ذلت اٹھانا پڑے گی اور بہتان پردازوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔☆ ﴿۱۵۳﴾ اور جنہوں نے گناہ کا ارتکاب کیا پھر اس کے

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد ان کی گمراہی کا کیا عالم ہوا ہوگا۔ یکے بعد دیگرے انبیاء مبعوث ہونے کے باوجود چشم جہاں نے بنی اسرائیل کی بغاوت، سرکشی، ارتداد اور تحریف کا منظر دیکھ لیا۔

۱۵۰۔ حضرت موسیٰ ؑ کو اللہ نے کوہ طور پر قوم کی گمراہی کی خبر دی تھی۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ ؑ غضبناک ہوئے اور حضرت ہارون ؑ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر کھینچ لیا تاکہ قوم کو اس بات پر تنبیہ کریں کہ گوسالہ پرستی کا جرم کتنا بڑا ہے۔ اس جرم کا ارتکاب حضرت ہارون ؑ کے سامنے ہوا لیکن وہ بے بس تھے اور اقلیت میں ہونے کی وجہ سے نہ صرف لوگ ان کی نہیں سنتے تھے بلکہ ان کو جان کا خطرہ بھی لاحق تھا۔

یہ عمل حضرت موسیٰ ؑ کی اجتہادی غلطی نہیں تھا جیسا کہ تھانوی صاحب کا خیال ہے اور نہ ہی حضرت ہارون ؑ گوسالہ پرستی کے جرم میں شریک تھے، جیسا کہ توریت میں آیا ہے، بلکہ ہارون ؑ کے ساتھ سختی سے پیش آنے اور توریت کی تختیوں کو زمین پر پھینکنے سے قوم کو یہ بتانا مقصود تھا کہ انہوں نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

۱۵۲۔ روایات کے مطابق سامری اور گوسالہ پرستی کے تین ہزار مجرموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ تورات میں اصل واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ۔۔۔ تو موسیٰ ؑ نے لشکر گاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا: جو خداوند کی طرف ہے وہ میرے پاس آئے۔ تب سب بنی لاوی (بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ) اس کے پاس جمع ہو گئے اور بنی لاوی نے موسیٰ ؑ کے کہنے کے موافق عمل

رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٥٣﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ

بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو اس (توبہ) کے بعد آپ کا رب یقیناً بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿١٥٤﴾ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہو گیا تو انہوں نے (توریت کی) وہ تختیاں اٹھائیں جن کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے رب سے خائف رہتے ہیں۔☆ ﴿١٥٥﴾ اور موسیٰ نے ہماری مقررہ میعاد کے لیے اپنی قوم سے ستر افراد منتخب کیے، پھر جب انہیں زلزلے نے گرفت میں لیا (تو) موسیٰ نے عرض کیا: میرے رب! اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے پہلے ہی ہلاک کر دیتا، کیا تو ہمارے کم عقل لوگوں کے اعمال کی سزا میں ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ تو تیری ایک آزمائش تھی جس سے جسے تو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، تو ہی ہمارا آقا ہے، پس ہمیں معاف فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔☆ ﴿١٥٦﴾ اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھلائی مقرر فرما ہم نے تیری

---

کیا۔ چنانچہ اس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار مرد کھیت آئے۔ (تورات۔ خروج باب ۳۲ آیات ۲۶، ۲۸)

۱۵۳۔ آیت کا اطلاق عام ہے تاہم اس جگہ مراد گوسالہ پرستوں میں سے وہ گروہ ہے جو صحیح معنوں میں اپنے اس عمل پر نادم ہوا اور صحیح معنوں میں ایمان پر قائم رہا۔ اسی طرح ہر ایماندار تائب کے لیے اللہ کی رحمت اس گناہ سے عظیم ہے جس کا ارتکاب ہوا ہے۔

۱۵۴۔ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تختیاں سالم تھیں۔ اس میں توریت کی اس بات کی رد ہے کہ تختیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

۱۵۵۔ ان ستر افراد کو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر کس غرض سے بلایا تھا اور وہ کون سا جرم تھا جس کی سزا میں ان کو زلزلے نے گرفت میں لیا اور سب کو ہلاک بھی کر دیا؟ اور وہ کون سا سفیہانہ عمل تھا جس کی طرف حضرت موسیٰ ؑ نے اشارہ فرمایا؟ اس آیت میں ان باتوں کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ قوم موسیٰ ؑ کے یہ نمائندہ افراد گوسالہ پرستی کی معافی طلب کرنے کے لیے آئے تھے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معافی و توبہ کے لیے آنے پر ہلاکت کی سزا کیوں؟

درحقیقت ان سوالات کا جواب سورۂ بقرہ میں موجود ہے جہاں اس واقعے کو اس ترتیب سے بیان کیا ہے: قوم موسیٰ کے لیے پہلے دریا شگافتہ ہوا پھر حضرت موسیٰ ؑ کو چالیس دنوں کے لیے کوہ طور پر بلایا گیا۔ اس دوران گوسالہ پرستی کا واقعہ پیش آیا۔

اس کے بعد قوم موسیٰ نے اللہ کو عیاناً دکھانے کا مطالبہ کیا اور مطالبہ کی صورت یہ تھی: لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ

| | |
|---|---|
| أُصِيبُ بِهٖ مَنْ أَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ | طرف رجوع کر لیا ہے، ارشاد فرمایا: عذاب تو جسے میں چاہتا |
| كُلَّ شَيْءٍ ۗ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَ | ہوں دیتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے، پس اسے |
| يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا | میں ان لوگوں کے لیے مقرر کر دوں گا جو تقویٰ رکھتے ہیں اور |
| يُؤْمِنُونَ ۚ ﴿١٥٦﴾ اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ | زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ |
| النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهٗ مَكْتُوبًا | ﴿۱۵۷﴾ (یہ رحمت ان مومنین کے شامل حال ہوگی) جو لوگ اس |
| عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ ۡ يَأْمُرُهُمْ | رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امی کہلاتے ہیں جن کا ذکر |
| بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ | وہ اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں |
| لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ | نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور پاکیزہ |
| وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي | چیزیں ان کے لیے حلال اور ناپاک چیزیں ان پر حرام |
| كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۗ فَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِهٖ وَ | کرتے ہیں اور ان پر لدے ہوئے بوجھ اور (گلے کے) |
| عَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِيٓ | طوق اتارتے ہیں، پس جو ان پر ایمان لاتے ہیں ان کی |
| أُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ ع | حمایت اور ان کی مدد اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو ان |
| قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ | کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔☆ ﴿۱۵۸﴾ کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا |

حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ۔ (بقرۃ: ۵۵) جب تک ہم اللہ کو علانیہ دیکھ نہ لیں ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس پر قوم کے ستر افراد کو زلزلے نے گرفت میں لے لیا اور ہلاک ہو گئے۔

۱۵۷۔ اہل کتاب عربوں کو امی کہتے تھے اور انہیں اپنے برابر حقوق کے اہل نہ سمجھتے تھے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس لفظ امی کو اہل کتاب خاص کر یہودی تحقیر کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ لیکن قرآن نے اس لفظ کو رسول کریم ﷺ کی شناخت کے طور پر بیان فرمایا۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ وہ رسول ﷺ جن کے بارے میں تم خود تسلیم کرتے ہو کہ وہ امی ہیں، ایک ایسا کامل نظام حیات پیش کرتے ہیں جس کی نظیر پیش کرنے سے انسانی درسگاہوں کے پڑھے ہوئے دانشور قاصر ہیں۔ وہ تمہارے پڑھے لکھوں سے کہیں زیادہ پڑھے لکھے ہیں، البتہ وہ بشری درسگاہوں کے فارغ التحصیل نہیں، یہ ملکوتی درس گاہ کے پڑھے لکھے ہیں۔ انہوں نے ان سیاہ لکیروں والی تحریروں کو نہیں پڑھا۔ وہ لوح کائنات پر قلم قدرت سے لکھی ہوئی تحریروں کو پڑھ کر آئے ہیں۔

الَّذِي يَجِدُونَهٗ: تغیر و تحریف کے باوجود موجودہ توریت و انجیل میں رسول کریم ﷺ کی آمد کے بارے میں تصریحات موجود ہیں۔ توریت استثناء ۱۸، ۱۵ میں مذکور ہے: خداوند تیرا خدا، تیرے لیے، تیرے ہی درمیان سے، تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھریو۔ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد اولاد اسماعیل ہی ہو سکتی ہیں۔ انجیل یوحنا ۱۴: ۱ میں

اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ࣙالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٥٨ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝١٥٩ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَىْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۗ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۗ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۗ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۗ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۗ

(بھیجا ہوا) رسول ہوں جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی اور وہی موت دیتا ہے، لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اس امی نبی پر جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو شاید تم ہدایت حاصل کرلو۔ ﴿۱۵۸﴾ اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی تھی جو حق کے مطابق رہنمائی اور اسی کے مطابق عدل کرتی تھی۔☆ ﴿۱۵۹﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کرکے جدا جدا جماعتیں بنائیں اور جب ان کی قوم نے ان سے پانی طلب کیا تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو، چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ہر جماعت نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کرلیا اور ہم نے ان کے سروں پر بادل کا سائبان بنایا اور ان پر من وسلویٰ نازل کیا، جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عنایت کی ہیں انہیں کھاؤ اور (بعد میں نافرمانی کی وجہ سے) یہ لوگ

آیا ہے: اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار فارقلیط بخشے گا جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ فارقلیط یونانی لفظ ہے اس کا تلفظ Paraclete ہے۔ اس سے مراد ہے عزت یا مدد دینے والا۔ اس کا دوسرا تلفظ فیرقلیط ہے اور یونانی تلفظ Periclite ہے۔ جس سے مراد ہے عزت دینے والا، بلند مرتبہ اور بزرگوار۔ یہ محمد اور محمود کے قریب المعنی ہے۔

واضح رہے کہ یہ لوگ توریت اور انجیل کا جب کسی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں تو ان کی یہ عادت عام ہے کہ اصل نام کی جگہ اس کا ترجمہ کردیتے ہیں۔ یہاں بھی فیرقلیط کی جگہ "مددگار" رکھ دیا ہے۔ مزید معلومات کے لیے سورۂ صف آیت ۶ ملاحظہ فرمائیں۔

اس رسول کے اہم اوصاف جو توریت و انجیل میں بیان ہوئے ہیں یہ ہیں کہ وہ: ☆ اچھی باتوں کی دعوت دے گا اور بری باتوں سے روکے گا۔ یاد رہے کہ اسلامی تعلیمات کو زندہ رکھنے اور امت میں اخلاقی اور اجتماعی اقدار کا شعور بیدار کرنے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک انسان ساز نظام ہے۔ ☆ وہ پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دے گا۔ ☆ وہ انسانوں کو ناروا قید و بند سے آزادی دلائے گا۔

۱۵۹۔ بنی اسرائیل کی تاریخ اور ان کی سیرت و کردار کے بیان سے ایسا لگتا تھا کہ پوری کی پوری قوم سراپا جرائم سے ڈھکی ہوئی ہے۔ قرآن انصاف کا حق ادا کرتے ہوئے اس بات کو واضح کرتا ہے، ایسا بھی

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٠﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ
الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا
حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ
خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾
فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ
الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا
مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾ ع وَسْـَٔلْهُمْ
عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ
اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ
يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا
تَاْتِيْهِمْ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ

(حاشیہ: ۲۰ع — وقف لازم — معانقة ۲ — النصف)

ہم پر نہیں بلکہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔☆ ﴿۱۶۰﴾ اور جب ان سے کہا گیا کہ اس بستی میں سکونت اختیار کرو اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ اور حطہ کہتے ہوئے اور دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے، نیکی کرنے والوں کو ہم عنقریب مزید عطا کریں گے۔☆ ﴿۱۶۱﴾ مگر ان میں سے ظالم لوگوں نے وہ لفظ بدل ڈالا جو خلاف تھا اس کلمہ کے جو انہیں کہا گیا تھا، پھر ان کے اس ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا۔☆ ﴿۱۶۲﴾ اور ان سے اس بستی (والوں) کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی، جب یہ لوگ ہفتہ کے دن خلاف ورزی کرتے تھے اور مچھلیاں ہفتہ کے دن ان کے سامنے سطح آب پر ابھر آتی تھیں اور ہفتہ کے علاوہ باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں، اس طرح ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم انہیں آزماتے تھے۔☆ ﴿۱۶۳﴾ اور جب ان میں سے ایک فرقے نے کہا: ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے

نہیں کہ پوری قوم بدکردار ہو بلکہ ان میں ایک جماعت حق پر قائم تھی اور دوسروں کو حق کی طرف بلاتی رہی اور حق کے مطابق انصاف پر بھی قائم رہی۔ سلسلہ کلام اور سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عصر موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل کے بارے میں ہے نہ کہ نزول قرآن کے زمانے کے۔

۱۶۰۔ بنی اسرائیل کی سرکشیوں کا ذکر کرنے کے بعد ان انعامات و احسانات کا ذکر ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو نوازا ہے۔ توریت میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل نے جب صحرائے سینا میں نزول کیا تو ان میں بیس سال سے زائد عمر کے افراد کی تعداد جو جنگ میں شرکت کرنے کے قابل تھے چھ لاکھ سے زائد تھی۔ اس طرح کل تعداد پندرہ سے بیس لاکھ تک ہو سکتی ہے۔ ان میں نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے ان کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کیا۔ اس خشک بیابان میں پانی فراہم کیا۔ تپتی دھوپ سے بچانے کے لیے بادلوں کا سائبان، کھانے کے لیے من و سلویٰ۔ ان تمام نعمتوں کے باوجود یہ قوم مسلسل غداریوں کا ارتکاب کرتی رہی۔

۱۶۱۔ ۱۶۲۔ انسانی تاریخ کا جو باب بنی اسرائیل نے رقم کیا ہے اس کے سیاہ صفحہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ اس قوم نے اللہ کے بے شمار احسانات کے جواب میں کیا کیا مجرمانہ حرکتیں کیں۔

۱۶۳۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ یہ قریہ (بستی) ایلہ تھا۔

سبت (ہفتہ) کے دن مچھلیوں کا پانی کی سطح پر ابھر آنا حکمت امتحان کے مطابق ایک اصلاحی عمل تھا

تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝١٦٤ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٔيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝١٦٥ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝١٦٦ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٦٧ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ

ہو جنہیں اللہ ہلاکت یا شدید عذاب میں ڈالنے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: (ہم یہ نصیحت) تمہارے رب کی بارگاہ میں عذر پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں اور (اس لیے بھی کہ) شاید وہ تقویٰ اختیار کریں۔☆ ١٦٥ پس جب انہوں نے وہ باتیں فراموش کر دیں جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو نجات دی اور ظالموں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے برے عذاب میں مبتلا کر دیا۔☆ ١٦٦ پس جب انہوں نے اس امر میں سرکشی کی جس سے انہیں روکا گیا تھا تو ہم نے کہا: خوار ہو کر بندر بن جاؤ۔ ١٦٧ اور (یاد کریں) جب آپ کے رب نے اعلان کیا کہ وہ ان (یہودیوں) پر قیامت تک ایسے لوگوں کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب دیں گے آپ کا رب یقینا جلد سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ غفور، رحیم بھی ہے۔☆ ١٦٨ اور ہم نے انہیں زمین میں مختلف گروہوں میں تقسیم کیا، ان میں کچھ لوگ نیک اور کچھ لوگ دوسری طرح کے تھے اور ہم نے آسائشوں اور تکلیفوں کے ذریعے انہیں

جس سے کامیاب و ناکام لوگ چھن کر الگ ہو گئے۔ سبت عبرانی لفظ شبت کی تعریب شدہ شکل ہے۔ اس کا لغوی معنی ختم کرنا اور آرام کرنا ہے۔ یہ دن یہودیوں کا ہفتہ وار آرام اور پرستش کا دن ہے۔ اس کی تاریخ آغازِ آفرینش جتنی ہی پرانی ہے۔ اس سلسلے میں تورات کا بیان یہ ہے: سو آسمان اور زمین اور ان کے کل لشکر کا بنانا ختم ہوا اور خدا نے اپنے کام کو جسے وہ کرتا تھا ساتویں دن ختم کیا اور خدا نے ساتویں دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا، کیونکہ اس میں خدا ساری کائنات سے، جسے اس نے پیدا کیا اور بنایا، فارغ ہوا۔ (تورات پیدائش باب ٢ آیات ١۔٣)

١٦٤۔ اس آیت میں تین گروہوں کا ذکر ہے: ایک گروہ وہ جس نے یوم سبت کے جرم کا ارتکاب کیا۔ دوسرا گروہ وہ جو اس گروہ کو ایسا نہ کرنے کی نصیحت کرتا تھا۔ تیسرا گروہ وہ جو ان کی اصلاح سے مایوس تھا اور نصیحت کے حق میں نہ تھا۔

١٦٥۔ اس آیت میں دو گروہوں کا ذکر صریح لفظوں میں ہے: ایک وہ جنہوں نے وعظ و نصیحت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری پوری کی اور نجات پائی۔ دوسرا وہ جس نے عدم تاثیر کا بہانہ کر کے اس ذمہ داری سے پہلوتہی کی۔

١٦٧۔ سیاق آیت وَ اِذۡ تَاَذَّنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ

يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتٰبَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَأْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿١٧٠﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧١﴾ ع وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ

آزمایا کہ شاید وہ باز آجائیں۔☆ ﴿١٦٩﴾ پھر ان کے بعد ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جو کتاب اللہ کے وارث بن کر اس ادنیٰ زندگی کا مال ومتاع سمیٹتے تھے اور کہتے تھے: ہم جلد ہی بخش دیے جائیں گے اور اگر ایسی ہی اور متاع ان کے سامنے آجائے تو اسے بھی اچک لیتے، کیا ان سے کتاب کا میثاق نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ بھی نہ کہیں گے اور جو کچھ کتاب کے اندر ہے اسے یہ لوگ پڑھ چکے ہیں اور اہل تقویٰ کے لیے آخرت کی زندگی ہی بہترین زندگی ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟☆ ﴿١٧٠﴾ اور جو لوگ کتاب اللہ سے متمسک رہتے اور نماز قائم کرتے ہیں ہم (ایسے) مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ ﴿١٧١﴾ اور (یہ بات بھی یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اس طرح اٹھایا گویا وہ سائبان ہو اور انہیں یہ گمان تھا کہ وہ ان پر گرنے ہی والا ہے (ہم نے ان سے کہا) جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے پوری قوت کے ساتھ اس سے متمسک رہو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو شاید کہ تم تقویٰ والے بن جاؤ۔ ﴿١٧٢﴾ اور جب آپ کے رب نے

---

یہودیوں کو یہ تنبیہ قدیم زمانے سے کی جا رہی تھی۔ چنانچہ توریت میں آیا ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے سامنے قتل کیے جاؤ گے اور جو لوگ تمہارے ساتھ کینہ رکھتے ہیں تم پر حکومت کریں گے۔

قرآن میں یہی تنبیہ متعدد مقامات پر مذکور ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ٨ میں اس تنبیہ کے بعد فرمایا: عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ ہوسکتا ہے تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر وہی حرکت کی تو ہم بھی وہی سلوک کریں گے۔

١٦٨۔ آزمائشوں میں کامیابی کا واحد راستہ یہ ہے کہ انسان آسائشوں میں شاکر اور تکلیفوں میں صابر رہے۔

١٦٩۔ بنی اسرائیل میں ایک زمانہ تک کچھ لوگ نیک اور صالح رہے ہیں، لیکن بعد میں ان کی جگہ ایسے ناخلف لوگوں نے لی جنہوں نے کتاب خدا کو پڑھ لیا حلال وحرام سے واقف ہوئے، لیکن ان سے مثبت اثر لینے کی بجائے ان لوگوں نے ناجائز ذرائع سے دنیاوی مال ومتاع سمیٹنا شروع کیا۔

اور یہ کہ ان گناہوں کے ارتکاب پر نالاں ہونے کی بجائے وہ نازاں تھے اور کہتے تھے: سَيُغْفَرُ لَنَا ہم بخشے جائیں گے۔ کیونکہ ہم اللہ کی برگزیدہ قوم ہیں ہم کو اللہ عذاب نہیں دے گا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ (آل عمران: ٢٤) آتش جہنم ہمارے نزدیک نہیں آئے گی۔ یہ بات اللہ پر بہتان وافتراء پردازی ہے۔ حالانکہ ان سے عہد ومیثاق لیا گیا تھا کہ وہ اس قسم کی ناحق نسبت اللہ کی طرف نہ دیں۔

١٧٢۔ آیت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تخلیق

مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۚ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿١٧٥﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ

معانقة

اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور ان پر خود انہیں گواہ بنا کر (پوچھا تھا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا تھا: ہاں! (تو ہمارا رب ہے) ہم اس کی گواہی دیتے ہیں، (یہ اس لیے ہوا تھا کہ) قیامت کے دن تم یہ نہ کہ سکو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔☆ (۱۷۲) یا یہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد کی اولاد ہیں، تو کیا اہل باطل کے قصور کے بدلے میں ہمیں ہلاکت میں ڈالو گے؟ (۱۷۳) اور اس طرح ہم آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں شاید کہ یہ لوٹ آئیں۔ (۱۷۴) اور انہیں اس شخص کا حال سنا دیجیے جسے ہم نے اپنی آیات دیں مگر وہ انہیں چھوڑ نکلا پھر شیطان نے اس کا پیچھا کیا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ (۱۷۵) اور اگر ہم چاہتے تو ان (آیات) کے طفیل اس کا رتبہ بلند کرتے لیکن اس نے تو اپنے آپ کو زمین بوس کر دیا اور اپنی نفسانی خواہش کا تابعدار بن گیا تھا، لہٰذا اس کی مثال اس کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تو بھی زبان لٹکائے رہے اور چھوڑ دو تو بھی

انسان کے موقع پر اللہ نے اولاد آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تھا۔ ہمارے نزدیک اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ خالق نے تخلیق انسان کے موقع پر ان کی فطرت اور سرشت میں معرفت رب ودیعت فرمائی جیسا کہ انسان کی تخلیق میں کام آنے والے اربوں خلیوں کی پیدائش ایک خلیے سے ہوئی اور جو سبق ابتدائی خلیے میں موجود جین (Gene) کو پڑھایا گیا ہے وہ آنے والے تمام خلیات میں بطور وراثت منتقل ہو جاتا ہے۔ انسان نے اب تک جس حد تک عالم خلیات کے اندر جھانک کر دیکھا ہے اور تخلیق و تعمیر پر مامور اس محیر العقول لشکر کی حیرت انگیز کرشمہ سازیوں کا مشاہدہ کیا ہے، اس سے یہ بات بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا تھا تو نسل انسانی کی جبلت کے ابتدائی خلیے کو اپنی ربوبیت کا درس پڑھایا ہو اور پھر اس سے اس کا اقرار لیا ہو۔ چنانچہ انبیاء کی بعثت کے بارے میں حضرت علیؑ سے روایت ہے: لِيَسْتَأْدُوهُم مِيثَاقَ فِطْرَتِهِ انہیں اس لیے بھیجا تاکہ لوگوں کو اللہ کی فطرت کا عہد و میثاق یاد دلائیں۔ (نہج البلاغة)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے اس بارے میں منقول ہے: ثبتت المعرفة فی قلوبھم ونسوا الموقف۔ (المحاسن ۱: ۲۴۱) یعنی لوگ واقعہ بھول گئے مگر معرفت دلوں میں نقش ہو گئی۔ ہم اپنے الفاظ میں یوں کہ سکتے ہیں: کلاس بھول گئے مگر سبق یاد ہے۔

۱۷۶۔ حضرت امام رضاؑ سے منقول ہے کہ یہ آیت بلعم باعور کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اسے اسم اعظم کا علم دیا گیا تھا جس سے اس کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ جب فرعون حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی طلب میں نکلا تو

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا

زبان لٹکائے رکھے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں، پس آپ انہیں یہ حکایتیں سنا دیجیے کہ شاید وہ فکر کریں۔☆ ﴿۱۷۶﴾ بدترین مثال ان لوگوں کی ہے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿۱۷۷﴾ راہ راست وہ پاتا ہے جسے اللہ ہدایت عطا کرے اور جنہیں اللہ گمراہ کرے وہ خسارے میں ہیں۔☆ ﴿۱۷۸﴾ اور بتحقیق ہم نے جن و انس کی ایک کثیر تعداد کو (گویا) جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے، ان کے پاس دل تو ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے، یہی لوگ تو (حق سے) غافل ہیں۔☆ ﴿۱۷۹﴾ اور زیبا ترین نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس تم اسے انہی (اسمائے حسنیٰ) سے پکارو اور جو اللہ کے اسماء میں کج روی کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو، وہ عنقریب اپنے کیے کی

---

فرعون نے بلعم باعور سے کہا: موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کرو۔ بلعم باعور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکلنے کے لیے اپنے گدھے پر سوار ہوا لیکن گدھے نے ساتھ نہ دیا اور اسم اعظم بھی ذہن سے نکل گیا۔

مفسرین و محدثین کو اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض کے نزدیک امیہ بن ابی صلت ہے۔ بعض کے نزدیک عامر بن نعمان راہب ہے۔ لیکن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس آیت کا اصل شان نزول بلعم باعور کے بارے میں ہے۔ (مجمع البیان)

وَلَوْ شِئْنَا: اگر ہم چاہتے۔ اللہ کی مشیت ہے۔ اس کی مشیت حکمت و مصلحت کے تحت ہوتی ہے۔ اس شخص نے اگر اپنے علم پر عمل کیا ہوتا تو اس کا رتبہ بلند ہونا تھا۔ مگر اس نے بدعمل ہو کر اپنے آپ کو گرا دیا اور زمین بوس ہو گیا۔ جب علم رکھنے والا خواہش پرست اور دنیادار ہو جاتا ہے تو اس کی مثال کتے کی سی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مزاج اور طبیعت میں لچک نہیں رکھتا، اسے نصیحت کر دیا اسے اپنی حالت پر چھوڑ دو، وہ قابل ہدایت نہیں ہوتا۔ یعنی اس کی حرص و ہوس کی آتش بجھنے والی نہیں ہے۔

۱۷۸۔ حقیقی ہدایت وہ ہے جس میں اللہ کی مشیت شامل ہو۔ اللہ کی مشیت تو صرف اہل لوگوں کے بارے میں ہوتی ہے اور اس طرح گمراہ وہ ہے جس کی گمراہی میں اللہ کی مشیت شامل ہو اور اللہ کی مشیت صرف ناقابل ہدایت لوگوں کی ضلالت کے بارے میں ہوتی ہے۔

۱۷۹۔ یہاں چار صورتیں قابل تصور ہیں: اول یہ کہ اللہ مومن و کافر سب کو جنت بھیج دے۔ دوم یہ کہ کافر و مومن سب کو جہنم بھیج دے۔ سوم یہ کہ مومن کو جہنم اور کافر کو جنت روانہ کرے اور چہارم یہ کہ مومن کو

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ
بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ
مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ
مِّنْ جِنَّةٍ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾
اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ
عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ
فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۚ وَيَذَرُهُمْ
فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ
السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا

سزا پائیں گے۔☆ ﴿۱۸۱﴾ اور جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق عدل کرتی ہے۔☆ ﴿۱۸۲﴾ اور جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں ہم انہیں بتدریج اس طرح گرفت میں لیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہو گی۔ ﴿۱۸۳﴾ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، میری تدبیر یقینا نہایت مضبوط ہے۔ ﴿۱۸۴﴾ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (محمد ﷺ) میں کسی قسم کا جنون نہیں ہے؟ وہ تو بس صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۸۵﴾ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان میں غور نہیں کیا اور (یہ نہیں سوچا کہ) شاید ان کی موت کا وقت نزدیک ہو رہا ہو؟ آخر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟☆ ﴿۱۸۶﴾ جسے اللہ گمراہ کرے کوئی اس کی ہدایت کرنے والا نہیں اور اللہ ایسے لوگوں کو ان کی اپنی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔ ﴿۱۸۷﴾ یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت واقع ہونے کا وقت کب

جنت اور کافر کو جہنم بھیج دے۔ پہلی، دوسری اور تیسری صورتیں ناممکن ہیں۔ پس چوتھی صورت ہی ممکن اور عدل و انصاف کے مطابق ضروری بھی ہے۔ اس نظام عدل کے مطابق لازم آتا ہے کہ کچھ لوگوں کو گویا جہنم ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

۱۸۰۔ مسمّٰی کی عظمت اور حسن سے اسم میں عظمت اور حسن آتا ہے۔ مسمّٰی اگر آپ کا محبوب ہے تو اسم بھی شیریں محسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا آداب بندگی یہی ہیں کہ اللہ کو اس کے اچھے ناموں کا ساتھ پکارا جائے۔ فریقین کی روایات میں آیا ہے کہ اللہ کے ننانوے اسمائے حسنٰی ہیں۔ جو ان اسما کے ساتھ دعا کرے اس کی دعا قبول ہو گی۔

۱۸۱۔ تفسیر المنار میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: یہ امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سب جہنمی ہوں گے سوائے اس فرقے کے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ آئمہ اہل البیت علیہم السلام کی روایات میں اس فرقے کی نشاندھی کی گئی ہے۔

۱۸۴۔ عناد و دشمنی ہر قسم کے کمالات اور صحیح ادراک کے لیے مانع ہوتی ہے ورنہ رسول خدا ﷺ کی سیرت، اخلاق، فکری صلاحیت، امانت اور صداقت جسے وہ دن رات دیکھتے آئے تھے نیز آسمانوں اور زمین کی وحدت حکومت، انسان سمیت ساری مخلوقات خدا اور خود انسانوں کی موت ان سب پر صاف دل اور کھلے دماغ سے غور و فکر کرتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ رسول خدا ﷺ کو جن زدہ سمجھتے اور قرآن پر ایمان نہ لاتے۔

بِصَاحِبِهِمْ: رسول ﷺ کو ان کا ساتھی اس لیے کہا کہ رسول چالیس سال تک انہی کے درمیان رہے ہیں اور سب ان کے اخلاق، سیرت، فکری صلاحیت اور امانت و صداقت سب دیکھ چکے ہیں۔

۱۸۵۔ یہ لوگ رسول اکرم ﷺ کو تو مجنون کہتے ہیں، لیکن خود عقل و فکر سے کام نہیں لیتے ورنہ یہ لوگ اگر

عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ
ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا
تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔــلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ
عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ
لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ
وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ
مِنَ الْخَيْرِ ۚۖ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚۛ اِنْ اَنَا
اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ
فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ
بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ

ہے؟ کہد یجیے: اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے، قیامت کے وقت کو اللہ کے سوا کوئی ظاہر نہیں کر سکتا، (قیامت کا واقع ہونا) آسمانوں اور زمین کا بڑا بھاری حادثہ ہوگا جو ناگہاں تم پر آجائے گا، یہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی کھوج میں ہوں، کہد یجیے: اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿۱۸۸﴾ کہد یجیے: میں خود بھی اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں مگر اللہ جو چاہتا ہے (وہ ہوتا ہے) اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہ پہنچتی، میں تو بس ایمان والوں کو تنبیہ کرنے اور بشارت دینے والا ہوں۔☆ ﴿۱۸۹﴾ وہی تو ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ (انسان) اس سے سکون حاصل کرے پھر اس کے بعد جب مرد نے عورت کو ڈھانپ لیا (مقاربت کی) تو عورت کو ہلکا سا حمل ہو گیا جس کے ساتھ وہ چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ حمل بھاری ہوا تو دونوں (میاں بیوی) نے اپنے رب اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں سالم بچہ دیا تو ہم

---

اللہ کی اس سلطنت وحکومت پر غور کرتے جو آسمانوں اور زمین پر قائم ہے اور اس کی مخلوقات میں غور وفکر کرتے تو انہیں رسول ﷺ کی تعلیمات کی حقانیت کا علم ہوتا کہ اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔
کائنات کی وحدت، سلطنت کی وحدت، نظام کی وحدت، خالق کی وحدت پر دلالت کرتی ہے۔ وہ دنیا کی اس ظاہری زندگی کے فریب میں بدمست ہیں، ورنہ یہ لوگ اگر اپنی موت کا تصور کرتے تو بھی از راہ احتیاط رسول ﷺ کی تعلیمات کو مسترد نہ کرتے۔ قرآن جیسے معجزے کو یہ نہیں مانتے تو وہ کون سی ایسی بات ہو سکتی ہے جس پر یہ ایمان لائیں۔

۱۸۷۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام ادیان میں یہ بات مسلمہ ہے کہ قیامت برپا ہونے کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ چنانچہ انجیل متی ۲۴: ۳۶ میں آیا ہے: اس دن اور اس گھڑی کی بات کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے اور نہ بیٹا، مگر صرف باپ۔
مشرکین مکہ یہود سے مل کر اسی لیے رسول کریم ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھنے آئے کہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۸۸۔ مشیت وارادۂ خداوندی سب پر حاکم ہے تو نبی اور عام بشر میں کیا فرق ہے؟ جواب یہ ہے کہ نبی اور بشر میں فرق کا دارومدار اسی مشیت ومنشاء الٰہی پر موقوف ہے۔ مشیت کی بنیاد ظرفیت اور اہلیت پر ہے۔ یہی مشیت وارادۂ خداوندی رسول اللہ ﷺ کو قاب قوسین تک لے جاتا ہے اور ابولہب کو اسفل سافلین تک۔
غیب کی جو نفی کی گئی ہے وہ ذاتی علم غیب کی نفی ہے، مگر وہ علم غیب جو اللہ کی طرف سے عنایت ہوتا ہے اس کی نفی نہیں کی گئی، بلکہ دوسری آیات اسے ثابت کرتی ہیں۔

اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ

ضرور تیرے شکر گزار رہوں گے۔☆ ﴿۱۹۰﴾ پس جب اللہ نے انہیں سالم بچہ عطا کیا تو وہ دونوں اللہ کی اس عطا میں (دوسروں کو) اللہ کے شریک ٹھہرانے لگے، اللہ ان کی مشرکانہ باتوں سے بالاتر ہے۔☆ ﴿۱۹۱﴾ کیا یہ لوگ ایسوں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں جو کوئی چیز خلق نہیں کر سکتے بلکہ خود مخلوق ہوتے ہیں؟☆ ﴿۱۹۲﴾ اور جو نہ تو ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی خود اپنی مدد کرنے پر قادر ہیں۔☆ ﴿۱۹۳﴾ اور اگر تم انہیں راہ راست کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری اطاعت نہیں کریں گے، تمہارے لیے یکساں ہے خواہ تم انہیں دعوت دو یا تم خاموشی اختیار کرو۔☆ ﴿۱۹۴﴾ اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں، پس اگر تم سچے ہو تو تم انہیں ذرا پکار کر تو دیکھو انہیں چاہیے کہ تمہیں (تمہاری دعاؤں کا) جواب دیں۔☆ ﴿۱۹۵﴾ کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں؟ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ کہہ دیجیے: تم اپنے

۱۸۹۔۱۹۰۔ پہلے انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ اللہ ہی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اللہ ہی نے تمہارے سکون کے لیے اور نسل آدم کو آگے بڑھانے کے لیے جوڑا بھی بنایا، اس کے بعد جب نسل آدم آگے چلی تو انسان کی تخلیق میں مشرکانہ نظریات وجود میں آنے لگے۔

چنانچہ اس آیت میں مشرکین کی ایک جاہلانہ سوچ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ والدین زمانہ حمل میں تو ساری امیدیں اللہ سے وابستہ کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو صحیح سالم بچہ عنایت فرما۔ جب اللہ ان کو صحیح و سالم بچہ عنایت فرماتا ہے تو اس بچے کو عطائے خداوندی تصور کر کے اس کی بارگاہ میں شکر گزار ہونے کی بجائے وہ اسے غیر اللہ کی عنایت گردانے لگتے ہیں۔ مثلاً فلاں پیر نے یہ اولاد دی ہے یا فلاں دیوی اوتار یا فلاں بت یا ستارے کا عطیہ ہے۔

واضح رہے اگر یہ تصور کیا جائے کہ فلاں بزرگ کی دعا سے اللہ نے یہ بچہ عنایت فرمایا ہے تو یہ شرک نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ سے دعا تو عین توحید ہے یا کسی برگزیدہ ہستی کو وسیلہ بنا کر دعا کی جائے تو یہ عقیدہ بھی درست ہے کہ اس وسیلے کی وجہ سے میری دعا قبول ہوئی اور اللہ نے بچہ عنایت فرمایا۔

۱۹۱ تا ۱۹۳۔ انسانی عقل و شعور کے لیے دعوت فکر ہے کہ ایسی ذات کے سامنے جھکنا چاہیے جو مؤثر فی الوجود ہو، یعنی جو خالق ہے اس کی پرستش ہو۔ جن کو یہ لوگ شریک مانتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ مؤثر فی الوجود نہیں ہیں بلکہ وہ خود متاثر اور مخلوق ہیں۔

دوسری آیت میں بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا: وہ تو نہ صرف اپنے پرستاروں کی مدد نہیں کرتے بلکہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔

تیسری آیت میں مشرکین کی مزید حماقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ جن کو تم شریک خدا بناتے ہو وہ تمہاری راہنمائی کرنا تو درکنار بلکہ اگر تم ان شریکوں

لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا
شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿١٩٥﴾
اِنَّ وَلِیِّۧ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖۚ وَهُوَ
یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ
اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٧﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ
اِلَى الْهُدٰى لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ
یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿١٩٨﴾
خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ
عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿١٩٩﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ
الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ
عَلِیْمٌ ﴿٢٠٠﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ
طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ

شریکوں کو بلاؤ پھر میرے خلاف (جو) تدبیریں (کر سکتے ہو) کرو اور مجھے مہلت تک نہ دو۔☆ ﴿١٩٦﴾ بے شک میرا آقا تو وہ اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی اور جو صالحین کا کارساز ہے۔☆ ﴿١٩٧﴾ اور اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔☆ ﴿١٩٨﴾ اور اگر ہدایت کے لیے تم انہیں بلاؤ تو وہ تمہاری بات بھی سن نہیں سکتے اور تم انہیں دیکھتے ہو کہ بظاہر وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں جبکہ وہ کچھ بھی دیکھ نہیں سکتے۔☆ ﴿١٩٩﴾ (اے رسول) درگزر سے کام لیں، نیک کاموں کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔☆ ﴿٢٠٠﴾ اور اگر شیطان آپ کو کسی طرح اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگیں، یقیناً وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿٢٠١﴾ بے شک جو لوگ اہل تقویٰ ہیں انہیں جب کبھی شیطان کی طرف سے کسی خطرے کا احساس ہوتا ہے تو وہ چوکنے ہو جاتے ہیں

کی راہنمائی کرنا چاہو تو وہ کسی کی راہنمائی قبول کرنے کے بھی اہل نہیں ہیں۔ تمہاری پکار کا جواب تک دینے کے قابل نہیں ہیں۔

١٩٤ تا ١٩٦۔ جن غیر اللہ کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری طرح مخلوق اور محتاج ہیں۔ ان معبودوں میں سے کچھ تو تمہاری پکار تک سننے کے اہل نہیں ہیں بلکہ جو اعضاء و جوارح خود تمہارے پاس ہیں وہ بھی تمہارے ان شریکوں کے پاس نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ شریک خود تم سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔ نہایت حیرت کی بات ہے کہ ایسی بے بس چیزوں کو معبود مانتے ہو۔ اس کے بعد ان ناداں کم عقل اور جاہل لوگوں کو ایک چیلنج کے ذریعے اس پرحماقت مسئلے کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اے رسول ان سے کہد یجیے: تم اپنے معبودوں سے مل کر میرے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو کرو اور اپنے معبود کی قدرت و طاقت کا مظاہرہ میرے خلاف کر کے دکھاؤ۔ چیلنج میں اتنا اعتماد ظاہر کریں کہ ان سے کہیں کہ میرے خلاف پورا زور لگائیں اور مہلت بھی نہ دیں، میرا والی اور میرا کارساز میری مدد کرے گا۔

١٩٧۔ ١٩٨ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان کے معبودوں کی ناتوانی اور بے بسی کو ظاہر کرتے ہوئے ان کو چیلنج کرو کہ وہ نہ صرف یہ کہ تمہاری ہدایت نہیں کرتے، بلکہ تم ان کی ہدایت کرنا چاہو تو وہ تمہاری بات تک سننے کی اہلیت نہیں رکھتے، نہ وہ تمہیں دیکھ سکتے ہیں۔

١٩٩۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم اس وقت مل رہا ہے جب آپ ﷺ مکے میں ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھے۔ اس آیت میں دعوت و تبلیغ کے یہ اہم عناصر بیان ہوئے ہیں: ☆ اس دعوت کی راہ میں عوام کے منفی ردعمل کے نتیجے میں جو مظالم توڑے جائیں گے ان کا مقابلہ عفو و درگزر سے کیا جائے۔ ☆ شدائد و تکالیف کی پرواہ کیے بغیر بھلائی کی دعوت جاری رکھی جائے۔ ☆ جاہلوں سے الجھنے

مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ۚ وَ اِخۡوَانُهُمۡ یَمُدُّوۡنَهُمۡ فِی الۡغَیِّ ثُمَّ لَا یُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾ وَ اِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰیَۃٍ قَالُوۡا لَوۡ لَا اجۡتَبَیۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ مِنۡ رَّبِّیۡ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ وَ هُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾ وَ اِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَ اَنۡصِتُوۡا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾ وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ فِیۡ نَفۡسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیۡفَۃً وَّ دُوۡنَ الۡجَهۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ وَ لَا تَکُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَ یُسَبِّحُوۡنَهٗ وَ لَهٗ یَسۡجُدُوۡنَ ﴿۲۰۶﴾ؑ السجدۃ

اور انہیں اسی وقت سوجھ آجاتی ہے۔ ﴿۲۰۲﴾ اور ان کے (شیطانی) بھائی انہیں گمراہی میں کھینچتے لیے جاتے ہیں پھر وہ (انہیں گمراہ کرنے میں) کوتاہی بھی نہیں کرتے۔ ﴿۲۰۳﴾ اور جب آپ ان کے سامنے کوئی معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں: تم نے خود اپنے لیے کسی نشانی کا انتخاب کیوں نہ کیا؟ کہد یجیے: میں یقیناً اس وحی کا پابند ہوں جو میرے رب کی جانب سے میری طرف بھیجی جاتی ہے، یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے باعث بصیرت اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔☆ ﴿۲۰۴﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو پوری توجہ کے ساتھ اسے سنا کرو اور خاموش رہا کرو، شاید تم پر رحم کیا جائے۔☆ ﴿۲۰۵﴾ (اے رسول) اپنے رب کو تضرع اور خوف کے ساتھ دل ہی دل میں اور دھیمی آواز میں صبح و شام یاد کیا کریں اور غافل لوگوں میں سے نہ ہوں۔☆ ﴿۲۰۶﴾ جو لوگ آپ کے رب کے حضور میں ہوتے ہیں وہ یقیناً اس کی عبادت کرنے سے نہیں اکڑتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز رہتے ہیں۔

سے گریز کیا جائے۔

۲۰۰۔ شیطان کو اکسانے کا موقع اس وقت ملتا ہے جب لوگ صاحب دعوت کی اہانت کرتے ہیں اور انسان میں جذبہ انتقام ابھر آتا ہے۔ حضور ﷺ کے لیے ایسی نوبت تو نہیں آتی لیکن رسول ﷺ سے خطاب کر کے امت کو سمجھانا مقصود ہے۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران

۲۰۳۔ کفار نے طنز و استہزاء کے لہجے میں کہا کہ اگر آپ نے نبی کا دعویٰ کرنا تھا تو ادھر ادھر سے کوئی معجزہ بھی گھڑ کر بنا لاتے۔ عرب جاہل حضور ﷺ سے بھی اسی طرح کا معجزہ طلب کرتے تھے جو قرون وسطیٰ کے لوگوں کے لیے دکھایا گیا تھا اور جو محدود شریعت کے حامل انبیاء کے لیے دیا گیا تھا۔ اسلام اس وقت آیا جب انسانیت تمدن و تہذیب کے قابل ہوگئی۔ اس کی عقل و شعور بلوغ کو پہنچنے والا تھا اور یہ ایک ابدی دستور اور دائمی نظام حیات ہے۔ اس لیے کل عہد طفولیت کے محسوس پرست لوگوں کے لیے محسوس معجزہ دیا گیا تھا تو آج عہد تمدن و روشنی کے لیے معقول معجزہ دیا گیا ہے، وہ قرآن ہے اس کے اندر بصیرت اور روشنیاں ہیں اور ہدایت و رحمت سے پر ایک جامع نظام حیات ہے۔

۲۰۴۔ قرآن کی تلاوت کی آواز سنائی دے رہی ہو تو اس وقت خاموشی کے ساتھ سننا واجب ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: یجب الانصات للقران فی الصلوۃ و غیرھا۔ (وسائل الشیعۃ ۶: ۲۱۴) تلاوت قرآن کا سننا واجب ہے، خواہ قرآن نماز کی حالت میں ہو یا اس کے علاوہ۔

۲۰۵۔ ذکر کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں: ایک ذکر قلبی، تضرع و تذلل کے ساتھ اور دوسرا ذکر لسانی ہلکی آواز

آیاتها ۷۵ ٨ سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ٨٨ رکوعاتها ١٠

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ ۖ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۚۖ ﴿۲﴾ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ؕ ﴿۳﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَهُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَمَغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۚ ﴿۴﴾ كَمَاۤ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِيۡقًا

سورۂ انفال ۔ مدنی ۔ آیات ۷۵

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) (اے رسول) لوگ آپ سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: یہ انفال اللہ اور رسول کے ہیں، پس تم لوگ اللہ کا خوف کرو اور باہمی تعلقات مصالحانہ رکھو اور اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔☆ (۲) مومن تو صرف وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔☆ (۳) جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (۴) یہی لوگ حقیقی مومن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت اور باعزت روزی ہے۔☆ (۵) (انفال کے بارے میں صورت حال ویسے ہی ہے) جیسے آپ کے رب نے آپ کو حق کے ساتھ گھر سے (جنگ کے لیے) نکالا جبکہ (یہ امر)

---

کے ساتھ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: اللہ تمہارے نہایت ہی قریب ہے اس کو آہستہ آواز میں پکارو۔

سورۂ انفال

۱۔ الانفال جمع ہے نفل کی۔ اس کے معنی زائد کے ہیں۔ جو واجب کے علاوہ ہو اسے نفل کہا جاتا ہے۔ جنگی غنیمت کو انفال اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسلمان راہ خدا میں لڑتے ہیں اور غنیمت ایک اضافی انعام ہے۔

اگرچہ انفال کا حکم جنگ بدر کی غنیمت کے بارے میں آیا، تاہم یہ حکم ہر قسم کے انفال یعنی اموال زائد کو شامل ہے۔ مثلاً متروک آبادیاں، پہاڑوں کی چوٹیاں، جنگل، غیر آباد زمینیں اور لاوارث املاک وغیرہ، جو کسی کی ملکیت نہ ہوں۔ اسی طرح وہ اموال جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کے قبضے میں آئے ہوں، جنہیں فیٔ کہتے ہیں۔ یہ سب اللہ اور رسول ﷺ کی ملکیت ہیں۔

۲۔ غنیمت پر قابض لوگوں سے واپس لینے کے بارے میں شکایت کے سدباب کے طور پر مومن کی تعریف بیان فرمائی کہ اگر تم مومن ہو تو: ☆ تقویٰ اختیار کرو۔ ☆ آپس میں صلح و آشتی قائم رکھو۔ ☆ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔

سچے مومن وہی ہیں جو: ☆ ذکر خدا کے موقع پر کانپ جاتے ہیں۔ ☆ کلام اللہ کی تلاوت سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ☆ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ☆ نماز قائم کرتے ہیں۔ ☆ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

۴۔ انسان مذکورہ اوصاف کا مالک ہو تو سچے مومن کی منزل پر فائز ہوتا ہے اور قرب الٰہی کے اعلیٰ درجات پر فائز ہو جاتا ہے۔ ایمان کے مذکورہ اوصاف سے متصف ہونے کے بعد انسان گناہوں

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ
فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ
اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ
اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ
اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ
الْكٰفِرِيْنَ ۙ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ۝۸ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ
رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ
اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا
النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ۝۱۰ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ ع ۱۵

مومنوں کی ایک جماعت پر سخت گراں گزرا تھا۔☆
۶ حق ظاہر ہو چکنے کے بعد یہ لوگ آپ سے حق کے
بارے میں الجھ رہے تھے گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا
رہے ہوں (جس کو) وہ دیکھ رہے ہوں۔☆ ۷ اور (وہ
وقت یاد کرو) جب اللہ تم لوگوں سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دو
گروہوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ آجائے گا اور تم
چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارے ہاتھ آجائے جب کہ
اللہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنے فرامین کے ذریعے ثبات بخشے اور
کافروں کی جڑ کاٹ دے۔☆ ۸ تاکہ حق کو ثبات مل
جائے اور باطل نابود ہو جائے خواہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار
گزرے۔ ۹ (یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر
رہے تھے تو اس نے تمہاری سن لی اور فرمایا: میں یکے بعد
دیگرے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد
کروں گا۔☆ ۱۰ اور اس مدد کو اللہ نے تمہارے لیے
صرف بشارت اور اطمینان قلب کا باعث بنایا اور (یہ باور کرا
یا کہ) نصرت تو بس اللہ کی جانب سے ہے، بے شک اللہ بڑا
غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ۱۱ (وہ وقت یاد

---

سے مبرا نہیں ہوتا لیکن اللہ سچے مومن کے گناہوں
سے درگزر فرماتا ہے اور اس کی لغزشوں سے چشم
پوشی فرماتا ہے اور اس کے نیک اعمال کا اجر و ثواب
دیتا ہے۔

۵۔۶ انفال کو اللہ اور رسول کی ملکیت قرار دینا بعض
لوگوں کو سخت ناگوار تھا۔ اسی طرح جنگ بدر کے
موقع پر لشکر قریش کے مقابلے پر جانا سخت ناگوار
گزرا اور اس کو خودکشی تصور کرتے تھے۔ لیکن
دونوں جگہ حق کا تقاضا یہ تھا کہ خطرے کا مقابلہ کیا
جائے اور مال غنیمت اللہ اور رسول کے لیے چھوڑ دیا
جائے۔

اس آیت میں نہایت شدید ترین لہجہ میں ان لوگوں
کی سرزنش فرمائی جو جنگ میں شرکت کے حق میں نہ
تھے اور اللہ کی طرف سے وعدہ فتح کے باوجود رسول
اللہ ﷺ سے مجادلہ کرتے تھے۔ اگر یہ مجادلہ وعدہ فتح
سے پہلے ہوتا تو کسی حد تک قابل فہم تھا۔ چنانچہ
سرزنش و عتاب کا جو لہجہ یہاں اختیار کیا گیا ہے، وہ
وہی لہجہ ہے جو مشرکین کے ساتھ اختیار کیا جاتا
ہے۔ لہٰذا بعض علماء نے تو یہ موقف اختیار کیا ہے کہ
یہ آیت مشرکین کے بارے میں ہے۔ صاحب
المنار لکھتے ہیں: و ھی بھم الیق یہ مشرکین ہی
کے لیے سزاوار ہے۔ لیکن بعد میں دلیل دیتے ہیں
کہ یہ مسلمانوں کے بارے میں ہی ہے۔

واقعہ یہ تھا کہ قریش کا ایک بڑا تجارتی قافلہ شام سے
مکہ کو واپس جاتے ہوئے مدینہ کے قریب سے گزر
رہا تھا۔ اس قافلہ کے سردار ابوسفیان کو خطرہ تھا کہ
کہیں مسلمانوں کا کوئی دستہ ان پر حملہ نہ کر دے۔
چنانچہ اس نے مکہ کی طرف ایک آدمی کو روانہ کر دیا
کہ وہاں سے مدد لے آئے۔ قریش مکہ نہ صرف
اپنے قافلہ کو بچانے، بلکہ مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کی

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۗ ⑪ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۗ ⑫ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑬ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۚ ⑮ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ

کرو) جب اللہ اپنی طرف سے امن دینے کے لیے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے لیے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطانی نجاست دور کرے اور تمہارے دلوں کو مضبوط بنائے اور تمہارے قدم جمائے رکھے۔☆ ⑫ (وہ وقت بھی یاد کرو) جب آپ کا رب فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو میں تمہارے ساتھ ہوں، عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا، لہٰذا تم ان کی گردنوں کے اوپر ضرب لگاؤ اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کی پوروں پر وار کرو۔☆ ⑬ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو اللہ یقیناً سخت عذاب دینے والا ہے۔ ⑭ یہ ہے تمہاری سزا پس اسے چکھو اور بتحقیق کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ ⑮ اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں کافروں سے تمہارا سامنا ہو جائے تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا۔ ⑯ اور جس نے اس روز اپنی پیٹھ پھیری

نیت سے نکلے تھے۔

۷۔ مسلمانوں کو یہ علم نہ تھا کہ ان کا سامنا تجارتی قافلے سے ہوگا یا لشکر قریش سے۔ اس وقت یہ نوید سنائی گئی کہ ان دو جماعتوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ آئے گی۔ اس کے باوجود لوگ چاہتے تھے کہ قافلے پر حملہ کیا جائے اور اللہ چاہتا تھا کہ لشکر کا مقابلہ کر کے ایک فیصلہ کن جنگ کی جائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دی جائے۔

۹ تا ۱۱۔ اس آیت سے اس نظریے کی تائید ہوتی ہے کہ فرشتوں کی شرکت کا مقصد روحانی تقویت اور مسلمانوں کے دلوں سے خوف و ہراس کو دور اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔ جس صبح بدر کی جنگ ہونا تھی، اس رات کافی بارش ہوئی جس سے مسلمانوں کو کافی مدد ملی۔ اس وقت پانی پر مشرکین کا قبضہ تھا اور بارش سے مسلمانوں کو پانی میسر آیا۔ دوسری بات یہ کہ بارش سے ریت سخت ہو گئی جس سے مسلمانوں کے قدم جم گئے۔ تیسری بات یہ ہوئی کہ دشمن نشیبی علاقے میں تھا۔ بارش سے کیچڑ ہو گیا اور دشمن کے لیے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔

۱۲۔ فرشتوں سے وحی میں فرمایا کہ تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔ یہ کام فرشتوں کے ذمے لگایا۔ اللہ نے اپنے ذمے لیا کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنا اور ان کو خوف و ہراس میں مبتلا کرنا۔ چنانچہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کفار کے دلوں میں ایک عجیب قسم کا خوف و وحشت طاری تھا۔ مسلمانوں میں قربانی کے جذبات، ان کے شجاعانہ نعرے، طوفان باد و باران، مکہ میں مسلمانوں کی استقامت کی داستانیں۔ یہ سب باتیں ان کے دلوں میں رعب و وحشت ڈالنے کا باعث بنیں۔ اس کے بعد رخ کلام مومنوں کی طرف مڑ جاتا

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا

مگر یہ کہ جنگی چال کے طور پر ہو یا کسی فوجی دستے سے جا ملنے کے لیے تو (کوئی حرج نہیں ورنہ) وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بہت بری جگہ ہے۔☆ ﴿۱۷﴾ پس انہیں تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور (اے رسول) جب آپ کنکریاں پھینک رہے تھے اس وقت آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے کنکریاں پھینکی تھیں تاکہ اپنی طرف سے مومنوں کو بہتر آزمائش سے گزارے بے شک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿۱۸﴾ یہ تھی تمہاری بات اور رہی کافروں کی بات تو اللہ ان کی مکاری کا زور توڑ دینے والا ہے۔ ﴿۱۹﴾ (کافروں سے کہہ دو کہ) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا اب اگر تم باز آ جاؤ تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے (اس جرم کا) اعادہ کیا تو ہم بھی (اس سزا کا) اعادہ کریں گے اور تمہاری جماعت کثیر ہو بھی تو تمہارے کسی کام نہ آئے گی اور اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔☆ ﴿۲۰﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد تم اس سے روگردانی نہ کرو۔☆ ﴿۲۱﴾ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا

ہے۔ اگرچہ سیاق کلام فرشتوں کے ساتھ ہے، تاہم ثابت قدمی مسلمانوں کی طرف اور رعب وحشت کافروں کی طرف، ایسے سازگار حالات تھے جس میں گردنوں پر ضرب اور ہاتھوں پر چوٹ لگانے کا بہترین موقع میسر آیا۔ اس لیے یہ خطاب مومنین کے لیے ہو سکتا ہے۔

۱۶۔ میدان جنگ سے جان بچانے کے لیے بھاگنا تمام دنیا کے حربی قوانین میں بڑا جرم ہے۔ اسلامی جنگوں (جہاد) میں تو دو کامیابیوں احدی الحسنیین میں سے ایک کامیابی ملتی ہے: فتح یا شہادت۔ جس سے فرار کا مطلب یہ ہے کہ بھاگنے والوں کا ان چیزوں پر ایمان نہیں ہے، اس لیے یہ جرم زیادہ سخت ہے۔

۱۷۔ ایک بے سہارا چھوٹا سا لشکر بڑی طاقت کو ذلت آمیز شکست دے۔ یہ تمہاری قوت بازو کی بدولت نہیں بلکہ اللہ کی مدد کی بدولت ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ: رسول کریم ﷺ نے حضرت علی ؑ سے فرمایا: ناولنی کفا من حصی فناولہ۔ (بحار الانوار ۱۹: ۳۲۴) مجھے مٹھی بھر کنکریاں دے دو، سو علی ؑ نے دے دیں۔ رسول کریم ﷺ نے شاهت الوجوه کہکر دشمن کی طرف پھینکیں تو سب کی آنکھوں میں ریزے بھر گئے۔ اس طرح عمل رسول ﷺ عمل خدا قرار پاتا ہے۔

۱۹۔ روایت میں آیا ہے کہ ابوجہل نے جنگ بدر کے موقع پر یہ دعا کی تھی: اے اللہ! ہمارے قدیم دین اور محمد ﷺ کے جدید دین میں سے جس سے تجھے محبت ہے اور جس کو تو پسند کرتا ہے اس کے ماننے

تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا
يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ
الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ
عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ
أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا
دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ
تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ
الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ
أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ
تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ

جنہوں نے یہ تو کہدیا کہ ہم نے سن لیا مگر در حقیقت وہ سنتے نہ تھے۔☆ ﴿۲۲﴾ اللہ کے نزدیک تمام حیوانوں میں بدترین یقینا وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔☆ ﴿۲۳﴾ اور اگر اللہ ان میں بھلائی (کا مادہ) دیکھ لیتا تو انہیں سننے کی توفیق دیتا اور اگر انہیں سنوا دیتا تو وہ بے رخی کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے۔☆ ﴿۲۴﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کو لبیک کہو جب وہ تمہیں حیات آفرین باتوں کی طرف بلائیں اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور یہ بھی کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔☆ ﴿۲۵﴾ اور اس فتنے سے بچو جس کی لپیٹ میں تم میں سے صرف ظلم کرنے والے نہیں بلکہ (سب) آئیں گے اور یہ جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔☆ ﴿۲۶﴾ اور (وہ وقت) یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، تمہیں زمین میں کمزور سمجھا جاتا تھا اور تمہیں خوف رہتا تھا کہ مبادا لوگ تمہیں ناپید کر دیں تو اس نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے تمہیں

والوں کی نصرت فرما۔ (مجمع البیان) چنانچہ اللہ نے اپنے پسندیدہ دین کی نصرت فرمائی اور مستقبل میں مؤمنوں کے لیے دائمی فتح اور کافروں کے لیے دائمی شکست کی نوید بھی سنائی۔

۲۰۔۲۱ کافروں کو ان کے انجام بد کی خبر دینے کے بعد مؤمنوں سے خطاب فرمایا: اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اس کے بعد خصوصی طور پر فرمایا: رسول کے حکم سے روگردانی نہ کرو۔ یہاں اگرچہ تعبیر عام ہے مگر گفتگو جنگ سے مربوط ہے، لہٰذا بحیثیت سپاہ دار اعظم رسول کی حکم عدولی ناقابل عفو جرم ہوگا۔

۲۲۔۲۳ یہاں کافروں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام جانداروں میں بدتر وہ لوگ ہیں جو عقل و شعور ملنے کے باوجود عقل سے کام نہیں لیتے۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ ان میں خیر کی استعداد اور قبول حق کے لیے ان میں کسی قسم کی صلاحیت و آمادگی نہیں ہے۔ اگر ان میں کسی قسم کی خوبی نہ ہونے کے باوجود ان کو سنوا دے اور اللہ کی طرف سے توفیق حاصل ہو جائے تو بھی اس سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔

۲۴۔ اسلامی تعلیمات دستور حیات ہی نہیں، بلکہ اس دستور میں، حیات بھی ہے اور ابدی حیات بھی۔ رسول اسلام ﷺ کی دعوت کا ہر لفظ اور ہر حرف حیات ابدی کے لیے زندہ خلیوں کی مانند ہے، جس سے ایک زندہ و فعال ہستی وجود میں آتی ہے۔

۲۵۔ کچھ فتنے ایسے ہوتے ہیں جن کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں اور ان کی لپیٹ میں بے گناہ افراد بھی آتے ہیں۔ مثلاً خیانت حکمران کرتے ہیں لیکن اس کی سزا اقتصادی، عسکری اور ثقافتی میدانوں میں پوری امت کو بھگتنا پڑتی ہے۔ تفرقہ بازی، تنگ نظر لوگ کرتے ہیں مگر اس کے منفی اثرات پوری قوم پر پڑتے ہیں۔

۲۶۔ مسلمانوں کو مکی زندگی یاد دلائی جا رہی ہے کہ جہاں معدودے چند مسلمان ہمیشہ کفار کے خطرے

وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ

تقویت پہنچائی اور تمہیں پاکیزہ روزی عطا کی تاکہ تم شکر کرو۔☆ ﴿٢٦﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو درحالیکہ تم جانتے ہو۔ ﴿٢٧﴾ اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں اور بے شک اللہ ہی کے ہاں اجر عظیم ہے۔☆ ﴿٢٨﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمہیں (حق و باطل میں) تمیز کرنے کی طاقت عطا کرے گا اور تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔☆ ﴿٢٩﴾ اور (وہ وقت یاد کریں) جب یہ کفار آپ کے خلاف تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو نکال دیں وہ اپنی چال سوچ رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔☆ ﴿٣٠﴾ اور جب انہیں ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے سن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو ایسی باتیں ہم بھی بنا سکتے ہیں، یہ تو

میں گھرے ہوئے ہوتے تھے، اللہ نے ان کو مدینہ میں امن کی جگہ دے دی اور کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد فرمائی اور جنگی غنیمت سے ان کو روزی عطا فرمائی۔

٢٨۔ مال و اولاد خود مقصد ہیں یا رضائے رب کا ذریعہ؟ اس کی مثال کشتی اور پانی کی سی ہے۔ پانی اگر کشتی کے نیچے رہے تو پار ہونے کا بہترین ذریعہ ہے اور اگر یہی پانی کشتی کے اندر آجائے تو غرق ہونے کا سبب بنتا ہے۔

٢٩۔ اہل تقویٰ کا ضمیر شفاف، وجدان صاف، احساس زندہ اور عقل بیدار ہوتی ہے، اس لیے انہیں حق و باطل کی تمیز میں مشکل پیش نہیں آتی۔ حدیث میں آیا ہے: المؤمن ينظر بنور الله۔ (بحار الانوار ٧: ٣٢٣) مومن نور خدا کی روشنی میں دیکھتا ہے۔

٣٠۔ یہ آیت تاریخ اسلام کے عظیم واقعے (ہجرت) کے بارے میں ہے جب مکہ کے سرداروں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر رسول کریم ﷺ کو قید کرنے یا جلا وطن یا شہید کرنے پر غور کیا۔ آخر کار ابوجہل کی اس تجویز پر اتفاق ہوا کہ تمام قبائل کی شرکت سے محمد ﷺ کو قتل کیا جائے۔ ادھر جبرئیل امین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آج رات آپ ﷺ اپنے بستر پر نہ سوئیں بلکہ اپنی جگہ علی بن ابی طالب ؑ کو سلائیں۔ علی ؑ بستر رسول ﷺ پر سوئے اور رسول اکرم ﷺ ہجرت فرما گئے۔ امام علی ؑ نے جان نثاری و فداکاری کی ایک ابدی مثال قائم کی۔ چنانچہ خود حضرت علی ؑ فرماتے ہیں: وقيت بنفسي خير من وطئ الحصى۔ روئے زمین پر چلنے والوں میں سے سب سے بہتر ہستی کی خاطر میں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ (بحار الانوار ١٩: ٦٣۔ روح المعانی ٩: ١٩٨)

اقول: فدتك نفسي يا خير من وفى۔

٣١۔ صرف لوگوں کی توجہ قرآن سے ہٹانے اور اس معجزہ کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے کہتے تھے ہم بھی

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذۡ قَالُوا
اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ
فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا
بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ
وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ
وَهُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمۡ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ
اللّٰهُ وَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ
وَمَا كَانُوۡۤا اَوۡلِيَآءَهٗ ؕ اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا
الۡمُتَّقُوۡنَ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَ
مَا كَانَ صَلَاتُهُمۡ عِنۡدَ الۡبَيۡتِ اِلَّا مُكَآءً
وَّتَصۡدِيَةً ؕ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ
تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنۡفِقُوۡنَ
اَمۡوَالَهُمۡ لِيَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ

وہی داستان ہائے پارینہ ہیں۔☆ ﴿۳۲﴾ اور (یہ بھی یاد کرو) جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ بات تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب نازل کر۔☆ ﴿۳۳﴾ اور اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں اور نہ ہی اللہ انہیں عذاب دینے والا ہے جب وہ استغفار کر رہے ہوں۔ ﴿۳۴﴾ اور اللہ ان پر عذاب نازل کیوں نہ کرے جب کہ وہ مسجد الحرام کا راستہ روکتے ہیں حالانکہ وہ اس مسجد کے متولی نہیں ہیں؟ اس کے متولی تو صرف تقویٰ والے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿۳۵﴾ اور خانہ کعبہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی پس اب اپنے کفر کے بدلے عذاب چکھو۔ ﴿۳۶﴾ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ اپنے اموال (لوگوں کو) راہ خدا سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، ابھی مزید خرچ کرتے رہیں گے پھر یہی بات ان کے لیے باعث

---

ایسی عبارت اور ایسا مضمون بنا سکتے ہیں۔ اگر وہ اس پر قادر ہوتے تو ایسا ضرور کرتے اور ایک نہیں کئی ایک عبارتیں یکے بعد دیگرے ہر سو سے بن کر آ جاتیں اور قرآن کے خلاف جنگ کرنے اور جانی قربانیاں دینے کی نوبت نہ آتی۔

۳۲۔ یہ ایک چیلنج تھا جو رسالتمآب ﷺ کی دعوت کی حقانیت کے خلاف کیا گیا۔ یہ چیلنج کرنے والا کون تھا مفسرین میں اختلاف ہے۔ علامہ امینی نے الغدیر جلد اول صفحہ ۲۳۹۔۲۶۶ میں شیعہ وسنی متعدد مصادر سے ذکر کیا ہے کہ یہ چیلنج غدیر کے موقع پر کیا گیا اور چیلنج کرنے والا حارث بن نعمان فہری تھا، جب رسول خدا ﷺ نے غدیر کے موقع پر فرمایا: من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ تو حارث فہری نے جو منافق تھا، کہا: آپ نے توحید کا حکم دیا ہم نے مان لیا، بتوں سے بیزاری کا حکم دیا ہم نے مان لیا، اپنی رسالت کی تصدیق کرنے کے لیے کہا ہم نے تصدیق کی، پھر جہاد، حج، روزہ، نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہم نے مان لیا۔ آپ ﷺ نے ان پر اکتفا نہ کیا اور اس لڑکے کو اپنا خلیفہ بنا دیا اور کہہ دیا: من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ۔ کیا آپ ﷺ کی اپنی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: اللہ کی طرف سے ہے۔ نعمان لوٹا اور کہا: اے اللہ اگر یہ بات حق ہے اور آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے۔ اتنے میں ایک پتھر آسمان سے اس پر گرا اور وہ مر گیا۔ آیہ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ (معارج:۱) اسی سلسلے میں نازل ہوا۔

اس واقعہ کو ابو عبیدہ ہروی متوفی ۲۲۳ھ نے اپنی تفسیر غریب القرآن میں، ابوبکر نقاش موصلی متوفی ۳۵۱ھ نے اپنی تفسیر شفاء الصدور میں، ابواسحاق ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ نے اپنی تفسیر میں، حاکم حسکانی نے دعاۃ الھداۃ میں، ابوبکر یحییٰ قرطبی متوفی ۵۶۷ھ نے سورۃ المعارج کی تفسیر میں، سبط ابن

فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً
ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ
يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ
الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ
بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي
جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾ ع قُل
لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم
مَّا قَدْ سَلَفَ ج وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ
مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ
حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ
لِلَّهِ ج فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

حسرت بنے گی پھر وہ مغلوب ہوں گے اور کفر کرنے والے جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔☆ ﴿۳۷﴾ تاکہ اللہ ناپاک کو پاکیزہ سے الگ کر دے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باہم ملا کر یکجا کر دے پھر اس ڈھیر کو جہنم میں جھونک دے، (دراصل) یہی لوگ خسارے میں ہیں۔☆ ﴿۳۸﴾ کفار سے کہد یجیے کہ اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے (ان سے سرزد) ہو چکا اسے معاف کر دیا جائے گا اور اگر انہوں نے (پچھلے جرائم کا) اعادہ کیا تو گزشتہ اقوام کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ (ان کے بارے میں بھی) نافذ ہوگا۔ ﴿۳۹﴾ اور تم لوگ کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا اللہ کے لیے خاص ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ یقینا ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔☆ ﴿۴۰﴾ اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا سرپرست ہے، جو بہترین سرپرست اور بہترین مددگار ہے۔

جوزی متوفی ۶۵۴ھ نے تذکرہ میں، حموینی متوفی ۷۲۲ھ نے فرائد السمطین میں و دیگر ۳۰ کے قریب علماء نے ذکر کیا ہے۔

۳۴۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: کَانَ فِی الْاَرْضِ اَمَانَانِ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ وَ قَدْ رُفِعَ اَحَدُھُمَا فَدُوْنَکُمُ الْاٰخَرَ۔ اہل ارض کے لیے عذاب خدا سے دو امان موجود تھیں (رسول خداؐ اور استغفار)۔ ان میں سے ایک اٹھا لی گئی ہے اور دوسری تمہاری دسترس میں ہے۔ (نہج البلاغۃ حکمت: ۸۸)

۳۶ ۔ ۳۷۔ ان آیات میں کفار کے مستقبل کے عزائم اور ان کا انجام بیان ہوا ہے کہ وہ زمانہ حال و مستقبل دونوں میں اسلام اور انسانیت کے خلاف اپنا سارا سرمایہ خرچ کریں گے۔ اسی سرمایہ کے بل بوتے پر وہ اقتصادی، سیاسی، عسکری اور ثقافتی غرض ہر لحاظ سے ناروا سازشیں کرتے رہیں گے۔ اللہ بھی انہیں مہلت دیتا ہے تاکہ یہ ناپاک عناصر ایک مرکز پر جمع ہو جائیں اور اپنا آخری سرمایہ بھی خرچ کر دیں۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور انسانیت کے خلاف ان ناپاک عناصر کا عالمی اتحاد ہوگا تو خداوند ان سب کو اٹھا کر جہنم میں جھونک دے گا، یوں یہ کفار کے دیوالیہ پن کی انتہا ہوگی اور اپنا سب کچھ مٹانے کے بعد بھی نتیجہ ان کی اپنی تباہی کی شکل میں نکلے گا۔

۳۹۔ ہم نے لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ کے ذیل میں یہ بات واضح کی ہے کہ اسلامی جنگیں سلب شدہ آزادی کے حصول کے لیے تھیں نہ آزادی کو سلب کرنے کے لیے۔ اس آیت سے بھی اسلام کے انسانیت ساز نظریے کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اسلام فتنے کے خاتمے کے لیے جنگ کرنے کا حکم دیتا ہے، نہ کہ جنگ کے ذریعہ فتنہ قائم کرنے کا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤١﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا

﴿٤١﴾ اور جان لو کہ جو غنیمت تم نے حاصل کی ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول اور قریب ترین رشتے داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان لائے ہو جو ہم نے فیصلے کے روز جس دن دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے تھے اپنے بندے پر نازل کی تھی اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ﴿٤٢﴾ (وہ وقت یاد کرو) جب تم قریبی ناکے پر اور وہ دور کے ناکے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے کی جانب تھا اور اگر تم باہمی مقابلے کا عہد کر چکے ہوتے تب بھی مقررہ وقت میں تم ضرور اختلاف کرتے لیکن (جو کچھ ہوا) وہ اس لیے تھا کہ اللہ اس امر کو پورا کرے جس کا فیصلہ کر چکا تھا تاکہ ہلاک ہونے والا واضح دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور زندہ رہنے والا واضح دلیل کے ساتھ زندہ رہے اور یقینا اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿٤٣﴾ (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے آپ کے خواب میں ان (کافروں کے لشکر کو) تھوڑا دکھلایا

۴۱۔ مادہ غ ن م، اہل لغت کے نزدیک الفوز بالشیء بلا مشقة ۔ کسی چیز کا بغیر مشقت کے حاصل ہونا ہے۔ اسلامی جنگوں کے بعد یہ لفظ جنگی غنیمت میں زیادہ استعمال ہونے لگا۔ لہٰذا جب یہ لفظ قرآن وسنت میں استعمال ہو تو ہم اسے قدیم لغوی معنوں میں لیں گے اور اگر اسلامی جنگوں کے بعد اہل اسلام نے اس لفظ کو استعمال کیا ہو تو ہم جنگی غنیمت مراد لیں گے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غنیمت کے علاوہ کسی اور چیز پر خمس نہیں ہے، کیونکہ غنیمت کے علاوہ معدنیات، خزانہ اور آبی دولت پر بالاتفاق خمس ہے۔

خمس کے سلسلے میں ان تحریروں کا مطالعہ ضروری ہے جن میں رسول اسلام ﷺ نے مختلف علاقوں سے آنے والے وفود کو اور مختلف قبائل کو دیے گئے امان ناموں میں جہاں اطاعت رسول ﷺ، برائت از مشرکین، نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے وہاں ادائے خمس کا بھی حکم صادر فرمایا ہے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے خمس کے بارے میں سوال کے جواب میں فرمایا: فی کل ما افاد الناس من قلیل او کثیر۔ تمام آمدنی پر خمس ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ دوسری روایت میں سوال ہوا: کیا ہر قسم کی کمائی پر خمس ہے؟ معصوم علیہ السلام نے فرمایا: علیه الخمس بعد مؤنة عیاله و بعد خراج السلطان۔ ہاں! اپنے عیال کا خرچ اور حکومتی ٹیکس ادا کرنے کے بعد اس پر خمس ہے۔ (وسائل الشیعة)

۴۲۔ جنگ بدر کا نقشہ بیان ہو رہا ہے کہ لشکر اسلام قریبی محاذ پر اور دشمن نشیبی علاقے میں تھے۔ جنگی نقطہ نظر سے مسلمان نامناسب اور دشمن مناسب مقام پر تھے۔ قافلہ بھی مسلمانوں کی دسترس سے

لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾
وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ
قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ
اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ
تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا
اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ ج وَاَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا
وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ ج وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

اور اگر آپ کو ان کی مقدار زیادہ دکھلاتا تو (اے مسلمانو) تم ہمت ہار جاتے اور اس معاملے میں جھگڑا شروع کر دیتے لیکن اللہ نے (تمہیں) بچا لیا، بیشک وہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔☆ ﴿۴۳﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم مقابلے پر آ گئے تھے تو اللہ نے کافروں کو تمہاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھایا اور تمہیں بھی کافروں کی نظروں میں تھوڑا کر کے دکھایا تاکہ اللہ کو جو کام کرنا منظور تھا وہ کر ڈالے اور تمام معاملات کی بازگشت اللہ کی طرف ہے۔☆ ﴿۴۴﴾ اے ایمان والو! جب کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ﴿۴۵﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ ناکام رہو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔☆ ﴿۴۶﴾ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے نکلے ہیں اور اللہ کا راستہ روکتے ہیں اور اللہ ان کے اعمال پر

نکل چکا تھا۔ اب وہ دشمن کی کمک کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کے لیے کسی قسم کی کمک کا امکان نہیں تھا اور مسلمان تو ایک تجارتی قافلے کا راستہ روکنے کے لیے نکلے تھے۔ غرض یہ کہ مسلمان کسی اعتبار سے بھی جنگ لڑنے کی حالت میں نہ تھے۔ ۳۱۳ کا بے سروسامان لشکر اچانک ایک ہزار پر مشتمل مسلح لشکر کے مقابلے میں آ گیا۔ ایسے نہایت نامساعد حالات میں اگر جنگ کا فیصلہ پہلے کر لیا جاتا تو آپس کے اختلاف کا شکار ہو کر جنگ کرنے کی نوبت نہ آتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں سوچنے کا موقع دیے بغیر فیصلہ کن جنگ میں جھونک دیا۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا تاکہ اس امر کو پورا کر دے جس کا فیصلہ اللہ کر چکا ہے۔

۴۳۔ ۴۴۔ راستے میں رسول کریم ﷺ کو خواب میں دشمن کا لشکر تھوڑا دکھایا اور بیداری میں مسلمانوں کی نگاہ میں دشمن کی تعداد کم دکھائی تاکہ مسلمانوں کا حوصلہ بلند رہے اور دشمن کو بھی مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی تاکہ وہ اس جنگ کو آسان سمجھیں اور زیادہ طاقت کے ساتھ منظم ہو کر نہ لڑیں۔

۴۶۔ اطاعت اور تعمیل حکم۔ دوسرے لفظوں میں تنظیم اور ڈسپلن کو جنگی حکمت عملی میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے جیسا کہ تمام عسکری قوانین میں اس بات کو اولیت دی جاتی ہے۔

باہمی نزاع سے احتراز کرنا۔ اگرچہ ہر معاشرے کو اتحاد کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے تاہم اس کی ضرورت جنگ میں زیادہ ہوتی ہے۔ باہمی نزاع اطاعت اور قیادت کے فقدان کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔

۴۷۔ کفار قریش جس حال میں نکلے تھے اس کی طرف اشارہ ہے۔ وہ رقص و سرود، مے نوشی کی محفلیں

يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ

خوب احاطہ رکھتا ہے۔☆ ﴿۴۸﴾ اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے آراستہ کیے اور کہا: آج لوگوں میں سے کوئی تم پر فتح حاصل کر ہی نہیں سکتا اور میں تمہارے ساتھ ہوں، پھر جب دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوا تو وہ الٹے پاؤں بھاگ گیا اور کہنے لگا: میں تم لوگوں سے بیزار ہوں میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ یقینا سخت عذاب دینے والا ہے۔☆ ﴿۴۹﴾ جب (ادھر) منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری تھی، کہہ رہے تھے: انہیں تو ان کے دین نے دھوکہ دے رکھا ہے، جب کہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو اللہ یقینا بڑا غالب آنے والا حکمت والا ہے۔☆ ﴿۵۰﴾ اور کاش آپ (اس صورت حال کو) دیکھ لیتے جب فرشتے (مقتول) کافروں کی روحیں قبض کر رہے تھے، ان کے چہروں اور پشتوں پر ضربیں لگا رہے تھے اور (کہتے جا رہے تھے) اب جلنے کا عذاب چکھو۔ ﴿۵۱﴾ یہ عذاب تمہارے اپنے ہاتھوں

جماتے ہوئے غرور وتکبر کے ساتھ نکلے تھے اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو کر انہیں واپس جانا پڑا۔ جنگی تاریخ میں اس بات پر بے شمار شواہد موجود ہیں کہ جو لشکر خود بینی وتکبر اور غرور کا شکار رہا، وہ شکست سے دوچار ہوا ہے۔ بدر کی فتح کے بعد مسلمانوں کو تکبر وغرور سے بچانے کے لیے اس تنبیہ کی ضرورت پیش آئی۔

۴۸۔ شیطان اور شیطان صفت افراد لوگوں کو گناہ و معصیت اور حق کے خلاف بغاوت اور جنگ پر ابھارتے ہیں اور جب تک خطرہ محسوس نہ ہو خود بھی ساتھ دیتے ہیں، لیکن جس لمحہ خطرہ محسوس کرتے ہیں وہ اپنی فریب خوردہ فوج کو میدان میں چھوڑ کر خود بھاگ جاتے ہیں۔

۴۹۔ منافقین اور دین میں شک وشبہ میں مبتلا لوگ اہل ایمان کے توکل، ایثار وقربانی اور راہ خدا میں جد وجہد کو احمقانہ عمل قرار دیتے ہیں اور اس کا سبب دینی تعلیمات اور ایمان باللہ کو قرار دیتے ہیں۔ چونکہ ان کی نگاہ ظاہری علل واسباب پر ہوتی ہے اور ان علل واسباب کے ماوراء موجود غیبی علل واسباب اور اللہ کی قدرت کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، لہٰذا وہ مسلمانوں کی بے سرو سامانی کے ساتھ کفار و مشرکین کے طاقتور لشکر سے مقابلے کو خودکشی اور خود فریبی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے دینی نظریات نے انہیں دھوکہ دیا ہے، اب یہ بے چارے اس غلط فہمی کی وجہ سے مارے جائیں گے۔ اللہ انہیں جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ طاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ حکمت ومصلحت اور فتح ونصرت اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ لہٰذا جو اللہ پر توکل کرے، اللہ غالب ہے، وہ غلبہ اور فتح عطا فرماتا ہے۔

وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ
اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا
نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا
مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ
بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلٌّ
كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ
عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ

آگے بھیجے ہوئے کا نتیجہ ہے اور یہ کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے
والا نہیں ہے۔ ﴿۵۲﴾ ان کا حال فرعونیوں اور ان سے پہلوں
کا سا ہے، انہوں نے اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا تو اللہ نے ان
کے گناہوں کے باعث انہیں پکڑ لیا، بیشک اللہ قوت والا،
سخت عذاب دینے والا ہے۔ ﴿۵۳﴾ ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ جو
نعمت کسی قوم کو عنایت فرماتا ہے اس وقت تک اسے نہیں بدلتا
جب تک وہ خود اسے نہیں بدلتے اور یہ کہ اللہ خوب سننے والا،
جاننے والا ہے۔☆ ﴿۵۴﴾ جیسے فرعون والوں اور ان سے
پہلوں کا حال ہے، انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا
تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب انہیں ہلاکت میں ڈال
دیا اور فرعونیوں کو غرق کر دیا، کیونکہ وہ سب ظالم تھے۔
﴿۵۵﴾ یقینا اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والوں میں بدترین
وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں، پس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔
﴿۵۶﴾ جن سے آپ نے عہد لیا پھر وہ اپنے عہد کو ہر بار توڑ

۵۰۔ معرکہ بدر کی فتح و نصرت میں ظاہری علل و اسباب کے ماوراء غیر مرئی علل و اسباب کا ذکر ہے کہ فرشتے کافروں کی روحیں قبض کر رہے ہیں اور ذلت و خواری کے ساتھ ان کو آتش جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یہ سزا خود ان کی حرکتوں کا لازمی نتیجہ اور مکافات عمل ہے۔ بلا وجہ عذاب دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ایسا کرنا ظلم ہے اور ظلم وہ کرتا ہے جسے اس کی ضرورت ہو یا اس کے ذریعے وہ اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے مبرا ہے، لہٰذا اس سے ظلم صادر نہیں ہوتا۔

۵۳۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان کی تقدیر خود اس کے ہاتھ میں ہے اور اس پر کوئی بات باہر سے مسلط نہیں ہوتی۔ وہ کسی نعمت کو اپنے لیے جاری رکھ سکتا ہے اور اپنے ہی عمل سے اسے ختم بھی کر سکتا ہے۔ لہٰذا انسان اپنی تقدیر کو خود اپنے عمل کے قلم اور اپنے ارادے کی روشنائی سے لکھتا ہے۔

۵۶۔ معاہدوں کا احترام باہمی زندگی کے لیے بنیاد اور انسان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس کا احترام نہ کرنے والے شَرَّ الدَّوَآبِّ (بدترین حیوان) ہیں۔ بنابریں: ☆ زمانہ صلح میں کسی قسم کا معاندانہ طرز عمل اختیار کرنا جائز نہیں اور ایسا عمل خیانت کے زمرے میں آتا ہے۔ ☆ اگر دشمن نے معاندانہ طرز عمل اختیار کیا اور یقین ہو گیا کہ دشمن معاہدہ توڑنے والا ہے تو اس وقت بھی معاہدے کے غیر مؤثر ہونے کے اعلان سے پہلے حملہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ ☆ اگر دشمن معاہدہ فسخ کرنے کا اعلان کر دے اور معاندانہ طرز عمل شروع کر دے تو اسے اعلان جنگ تصور کیا جائے گا، جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر عمل میں آیا۔
ان آیات کی شان نزول مدینہ اور اس کے اطراف

| | |
|---|---|
| يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِىۡ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ | ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں ہیں۔☆ ۵۷ اگر آپ لڑائی |
| هُمۡ لَا يَتَّقُوۡنَ ۝٥٦ فَاِمَّا تَثۡقَفَنَّهُمۡ فِى | میں ان پر غالب آ جائیں تو (انہیں کڑی سزا دے کر) ان |
| الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِهِمۡ مَّنۡ خَلۡفَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ | کے ذریعے بعد میں آنے والوں کو بھگا دیں اس طرح شاید |
| يَذَّكَّرُوۡنَ ۝٥٧ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ | یہ عبرت حاصل کریں۔ ۵۸ اور اگر آپ کو کسی قوم سے |
| خِيَانَةً فَانۡۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ | خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد اسی طرح مسترد کر دیں جیسے |
| اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآئِنِيۡنَ ۝٥٨ وَلَا | انہوں نے کیا ہے، بیشک اللہ خیانت کاروں کو دوست نہیں |
| يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَبَقُوۡا ؕ اِنَّهُمۡ | رکھتا۔☆ ۵۹ کفار یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ نکلے ہیں، وہ |
| لَا يُعۡجِزُوۡنَ ۝٥٩ وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا | (ہمیں) عاجز نہ کر سکیں گے۔☆ ۶۰ اور ان (کفار) کے |
| اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ | مقابلے کے لیے تم سے جہاں تک ہو سکے طاقت مہیا کرو |
| الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ | اور پلے ہوئے گھوڑوں کو (مستعد) رکھو تاکہ تم اس سے |
| وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ لَا تَعۡلَمُوۡنَهُمُ ۚ | اللہ کے اور اپنے دشمنوں نیز دوسرے دشمنوں کو خوفزدہ کرو |
| اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ | جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور راہ خدا میں جو |
| فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا | کچھ تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا دیا جائے گا اور تم |

میں موجود یہودی ہیں جن کے ساتھ حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد بہتر تعاون اور باہمی امن و آشتی کا معاہدہ کیا تھا۔ مگر یہودی قبائل مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ وہ اوس اور خزرج کی پرانی دشمنی کو اٹھاتے تھے۔ انہوں نے مدینہ کے منافقین اور مکہ کے مشرکین کے ساتھ بھی ساز باز شروع کر دی تھی۔

۵۸ تا ۶۰ یہاں خطاب پوری امت سے ہے۔ جبکہ معاہدے کے بارے میں خطاب رسول کریمؐ سے تھا۔ اس سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ معاہدوں کا برقرار رکھنا یا ختم کرنا سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے اور دفاعی وسائل و سامان حرب فراہم کرنا پوری امت کی ذمہ داری ہے۔

مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس مسئلے میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوم یہ کہ اس میں ہر زمانے کی استطاعت شامل ہے۔

مِنۡ قُوَّةٍ: قوت میں اسلحہ، مہارت، تربیت اور تجربے کی قوتیں شامل ہیں۔

رِبَاطِ الۡخَيۡلِ: اس زمانے میں گھوڑے سامان حرب میں شامل ہونے کے ساتھ سریع ترین مواصلاتی ذریعہ بھی تھے۔ جنگ میں مواصلات کو آج بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ: اسلحے کی فراہمی کا مقصد صرف اس کا استعمال نہیں ہوتا بلکہ اکثر اسلحے امن کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ نہیں فرمایا تقتلون بہ تاکہ تم اس سے دشمن کو قتل کرو، بلکہ فرمایا تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ تاکہ تم اس اسلحے سے دشمن کو مرعوب کرو۔

وَاٰخَرِيۡنَ: عسکری منصوبہ بندی میں صرف موجودہ صورت حال پر انحصار نہیں کرنا چاہیے بلکہ دشمن کی محسوس قوت کے ساتھ غیر محسوس طاقت کا بھی اندازہ

تُظْلَمُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ
لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ
فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ
بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ
قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ
جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾ ع يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ
الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ
عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ
اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ

پر زیادتی نہ ہوگی۔☆ ﴿٦١﴾ اور (اے رسول) اگر وہ صلح و آشتی کی طرف مائل ہو جائیں تو آپ بھی مائل ہو جائیے اور اللہ پر بھروسا کیجیے۔ یقینا وہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿٦٢﴾ اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو آپ کے لیے یقینا اللہ کافی ہے، وہی تو ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعے آپ کو قوت بخشی ہے۔ ﴿٦٣﴾ اور اللہ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی ہے، اگر آپ روئے زمین کی ساری دولت خرچ کرتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان (کے دلوں) کو جوڑ دیا، یقینا اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿٦٤﴾ اے نبی! آپ کے لیے اللہ اور مومنین میں سے جس نے آپ کی پیروی کی ہے کافی ہے۔☆ ﴿٦٥﴾ اے نبی! مومنوں کو جنگ کی ترغیب دیں، اگر تم میں بیس صابر (جنگجو) ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سو افراد ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آ جائیں

لگانا ہوگا۔

وَمَا تُنۡفِقُوۡا: اس سلسلے میں عوام کی طرف سے مالی معاونت ضروری ہے۔

٦١۔ اس آیت سے واضح ہوا کہ اسلامی جنگیں دفاعی تھیں۔ چنانچہ حکم یہ ہے: اگر صلح و آشتی کے لیے کوئی صورت موجود ہو تو صلح کو ہر صورت میں ترجیح دینی چاہیے۔ اسلامی اخلاق و اقدار کا بھی یہی تقاضا ہے کہ دشمن اگر صلح کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اس کے جواب میں ہاتھ بڑھایا جائے۔ مصالحت کا یہ حکم ممکن ہے ابتدائے اسلام میں ہو جب کافروں کی مکاریاں اور سازشیں سامنے نہیں آئیں، بعد میں جب کافر اسلام کو ختم کرنے پر تل گئے تو مسند احمد بن حنبل و بحار الانوار کی متعدد روایات و تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام نے ان کفار کے بارے میں یہ مؤقف اختیار کیا کہ وہ یا اسلام قبول کریں یا جنگ کے لیے آمادہ ہوں یا جزیہ دے کر معاہدہ کریں۔

٦٤۔ اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: اے نبی آپ کے لیے اللہ اور آپ کی اتباع کرنے والے مؤمنین کافی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پہلا ترجمہ اسلام کے توحیدی مزاج کے مطابق ہونے کی وجہ سے قابل ترجیح ہے۔ ہمارے نزدیک دوسرا ترجمہ توحید کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اس سے پہلے آیت ٦٢ میں فرمایا: هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ اس میں اللہ کی نصرت کے ساتھ مؤمنین کو شامل کیا ہے۔ حافظ ابو نعیم کی روایت ہے کہ یہ آیت حضرت علی ؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ (الغدیر ۲: ۵۱)

٦٦۔ فتح و غلبے کے لیے مادی سے زیادہ معنوی طاقت درکار ہوتی ہے۔ معنوی طاقت، بیرونی عضلاتی قوت کے لیے قوت محرکہ ہوتی ہے اور طاقت کا توازن قوت محرکہ کے پاس ہوتا ہے۔ اس

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۶۵﴾ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا ؕ فَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَيۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِىٍّ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰى حَتّٰى يُثۡخِنَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۷﴾ لَوۡلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۶۹﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلۡ

گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۶۶﴾ اب اللہ نے تم لوگوں سے ہلکا کر دیا ہے چونکہ اللہ کو علم ہوا ہے کہ اب تم میں کمزوری آ گئی ہے لہٰذا اب اگر تم میں سو صابر افراد ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں تو دو ہزار پر باذن خدا غالب آئیں گے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔☆ ﴿۶۷﴾ یہ کسی نبی کے شایان نہیں ہے کہ زمین میں دشمن کو کچل دینے سے پہلے اس کے پاس قیدی ہوں، تم لوگ دنیاوی مفاد چاہتے ہو جب کہ اللہ (تمہارے لیے) آخرت چاہتا ہے، یقینا اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۶۸﴾ اگر اللہ کی طرف سے ایک بات لکھی نہ جا چکی ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی تمہیں بڑی سزا ہو جاتی۔☆ ﴿۶۹﴾ بہرحال اب تم نے جو مال حاصل کیا ہے اسے حلال اور پاکیزہ طور پر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقینا اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۷۰﴾ اے نبی! جو قیدی تمہارے قبضے میں ہیں ان سے

---

لیے سابقہ آیت میں فرمایا: تم میں سو افراد ہوں تو ہزار کافروں پر غالب آؤ گے۔ دوسری آیت میں اس قوت محرکہ کی کمزوری کی بنا پر فرمایا: اب تم میں سو افراد ہوں تو وہ صرف دو سو پر غالب آ سکیں گے۔

۶۷۔ اسلامی جنگی حکمت عملی کے مطابق یہ دستور پہلے دیا جا چکا تھا کہ جنگ کے دوران دشمن کی طاقت کو کچلنے پر توجہ مرکوز ہونی چاہیے اور قیدی بنانے کا عمل اس کے بعد شروع ہونا چاہیے۔ لیکن بدر میں اس ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ چنانچہ جب دشمن کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے افراد کو قیدی بنانے میں مصروف ہو گیا۔ اگر مسلمانوں کی پوری طاقت دشمن کے تعاقب پر صرف ہوتی تو دشمن کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ اس لیے اس عمل پر رسول کریم ﷺ کو خطاب کر کے مسلمانوں کی سرزنش کی جو کہ اللہ تعالیٰ کا اسلوب خطاب ہے۔ چنانچہ حضرت علی ؑ نے ساری توجہ دشمن کے کچلنے پر مرکوز رکھی تو قریش کے ستر مقتولین میں سے ستائیس افراد صرف آپ ؑ نے قتل کیے اور باقی ۴۳ افراد کل مسلمانوں نے۔

اَثۡخَنَ کے معنی کچلنے کے ہیں اور قدم جمانے، اقتدار مضبوط کرنے اور قدم روکنے کے بھی ہیں۔ علامہ عاملی اپنی کتاب **النص و الاجتهاد** میں یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر میں جنگ لڑنے کی جگہ قریش کے تجارتی قافلے کو اسیر بنانا چاہتے تھے۔ ان لوگوں کی سرزنش میں فرمایا: نبی کے لیے سزاوار نہیں کہ دشمن کو کچل کر اپنے قدم جمانے سے پہلے اسیر بنائے۔

۶۸۔۶۹ ممکن ہے سورہ محمد کی طرف اشارہ ہو جس میں فدیہ لینے کو حلال قرار دیا تھا۔ اس طرح اصل فدیہ

لِّمَنۡ فِیۡۤ اَیۡدِیۡکُمۡ مِّنَ الۡاَسۡرٰۤی ۙ اِنۡ یَّعۡلَمِ اللّٰہُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ خَیۡرًا یُّؤۡتِکُمۡ خَیۡرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنۡکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۷۰﴾ وَ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡا خِیَانَتَکَ فَقَدۡ خَانُوا اللّٰہَ مِنۡ قَبۡلُ فَاَمۡکَنَ مِنۡہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَمۡ یُہَاجِرُوۡا مَا لَکُمۡ مِّنۡ وَّلَایَتِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ حَتّٰی یُہَاجِرُوۡا ۚ وَ اِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ فَعَلَیۡکُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰی قَوۡمٍۭ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ

کہدیں کہ اگر اللہ کو علم ہوا کہ تمہارے دلوں میں کوئی اچھائی ہے تو جو تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے وہ تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا اور تمہیں معاف کرے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۷۰﴾ اور اگر یہ لوگ آپ سے خیانت کرنا چاہیں تو اس سے پہلے وہ اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں پس اس نے انہیں (آپ کے) قابو میں کر دیا اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿۷۱﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور انہوں نے اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں اور جو لوگ ایمان تو لائے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی تو ان کی ولایت سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک وہ ہجرت نہ کریں، البتہ اگر انہوں نے دینی معاملے میں تم لوگوں سے مدد مانگی تو ان کی مدد کرنا تم پر اس وقت فرض ہے جب یہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جن کے اور تمہارے

لینا پہلے سے حلال کیا جا چکا تھا۔ عتاب اس بات پر ہو رہا ہے کہ مسلمانوں نے دشمن کا تعاقب کرنے پر اسیر کرنے کو ترجیح دی۔ اس عمل سے دشمن کا خاتمہ ہونے سے رہ گیا۔ یہ ایسا ہے کہ کوئی شخص نماز کے وقت نماز چھوڑ کر حلال شکار پکڑ لے تو نماز پر شکار پکڑنے کو ترجیح دینا بڑا جرم ہے تاہم شکار حلال ہے۔

قاسمی اپنی تفسیر محاسن التاویل ۸:۹۹ میں لکھتے ہیں: قاضی نے کہا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اجتہاد کرتے ہیں اور کبھی غلطی کر جاتے ہیں، مگر وہ اس غلطی پر قائم نہیں رہتے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں عتاب نبی ﷺ پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر ہے۔

۷۲۔ مہاجرین و انصار کے درمیان حضور ﷺ نے مؤاخات کے ذریعہ رشتۂ ولایت قائم کیا، جس کے تحت مہاجرین و انصار کی صلح و جنگ ایک ہوگئی۔ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بن گئے، مگر بعد میں وراثت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ البتہ مہاجرین و انصار اور دار الکفر میں موجود مسلمانوں کے درمیان عام ولایت قائم بھی نہیں تھی۔ یعنی اگرچہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لے آیا، مگر اس کا ایمان اس کے کردار پر مؤثر نہیں رہا، اس نے ہجرت نہیں کی، اس کی وجہ سے وہ اس امت کے رشتہ ولایت کا ممبر نہ بن سکا۔ مَا لَکُمۡ مِّنۡ وَّلَایَتِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ حَتّٰی یُہَاجِرُوۡا۔ ہجرت کے بعد ہی وہ اس امت کا حقیقی ممبر بن سکتا ہے۔ ہارون نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا: آپ لوگ وارث رسول ﷺ کیسے ہیں۔ چچا کی موجودگی

مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ
اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ
وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا
وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا
وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ
فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

درمیان معاہدہ ہے اور اللہ تمہارے اعمال پر خوب نظر رکھتا ہے۔☆ ﴿۷۳﴾ اور جنہوں نے کفر کیا ہے وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اگر تم لوگ اس (دستور) پر عمل نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔☆ ﴿۷۴﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور مہاجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا نیز جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت اور باعزت رزق ہے۔☆ ﴿۷۵﴾ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ہمراہ جہاد کیا وہ بھی تم میں شامل ہیں اور اللہ کی کتاب میں خونی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، بے شک اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔☆

## ۹ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳

آیاتها ۱۲۹ — رکوعاتها ۱۶

سورۂ توبہ۔ مدنی۔ آیات ۱۲۹

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ

﴿۱﴾ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے (اعلان) بیزاری

---

میں چچا کی اولاد وارث نہیں بن سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت ابو طالب زندہ نہ تھے، عباس زندہ تھے۔ امامؑ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ان کو وارث نہیں بناتے جنہوں نے ہجرت نہیں کی، نہ ان کے لیے ولایت حاصل ہے۔ (عباس نے ہجرت نہیں کی) پھر امام نے دلیل میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ نہایت قابل توجہ ہے کہ جب ایمان کے باوجود ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے امت مسلمہ کے ساتھ رشتہ ولایت میں کوئی منسلک نہیں ہو سکتا تو فتح مکہ تک ایمان بھی نہ لانے والے کیسے منسلک ہو سکتے ہیں۔ صرف ایک حالت کی استثنا ہے کہ ان کافروں کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی جو مسلمانوں سے حالت جنگ میں ہیں۔ اگر کافر مسلمانوں سے حالت جنگ میں نہیں ہیں، ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد نہیں کی جائے گی۔

۷۳۔ اسلامی ریاست کے لیے مؤمنوں کا آپس میں اس ولایت کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان کے مقابلے میں کافر لوگ اسلامی ریاست کے خلاف انفرادی طور پر قیام نہیں کرتے بلکہ وہ الکفر ملت واحدہ کے طور پر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، لہٰذا اسلامی ریاست کو بھی بطور ایک امت واحدہ ان کا مقابلہ کرنا ہوگا، ورنہ مسلمان ایسے فتنہ و فساد سے دوچار ہوں گے جسے اللہ تعالیٰ نے کبیر فرمایا ہے۔

۷۵۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ: اس جملے میں وراثت کا ایک قاعدہ قائم کیا گیا ہے کہ خونی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس آیت سے مہاجرین و انصار میں توارث کا حکم منسوخ ہو گیا۔

عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِي
الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ
غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي
الْكٰفِرِيْنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ
اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ
بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ
تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣ اِلَّا
الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ
يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ
اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى
مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٤

ہے ان مشرکوں کی طرف جن سے تمہارا معاہدہ تھا۔☆
(٢) پس تم لوگ اس ملک میں چار مہینے چل پھر لو اور جان
رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں
کو رسوا کرنے والا ہے۔ (٣) اور اللہ اور اس کے رسول
کی طرف سے حج اکبر کے دن لوگوں کے لیے اعلان ہے
کہ اللہ اور اس کا رسول بھی مشرکین سے بیزار ہے اور پس
اگر تم توبہ کر لو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر منہ پھیر
لو گے تو جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور کافروں
کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔☆ (٤) البتہ جن
مشرکین سے تمہارا معاہدہ تھا پھر انہوں نے تمہارے
ساتھ کوئی قصور نہیں کیا اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کی مدد
کی تو ایسے لوگوں کے ساتھ جس مدت کے لیے معاہدہ ہوا
ہے اسے پورا کرو، تحقیق اللہ اہل تقویٰ کو دوست رکھتا

---

سورۂ توبہ

۱۔ یہ اعلان اس قاعدے کے تحت ہے جو اسلام نے قائم کیا ہے کہ دشمن سے خیانت اور معاہدے کی خلاف ورزی کا خوف ہو تو کسی جنگی کارروائی سے پہلے معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کرنا ضروری ہے۔ اگر دشمن کی طرف سے عہد شکنی کا عمل سرزد نہ ہوا ہو تو یک طرفہ طور پر معاہدہ ختم کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ مشرکین مکہ نے عہد شکنی میں پہل کی، تاہم رحمت و ہدایت کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو پھر بھی چار مہینے کی مہلت دی جائے۔

سنہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا۔ اس سال مسلمانوں نے پہلا حج کیا۔ سنہ ۹ ہجری میں سورۂ برائت کے ساتھ حضرت ابوبکر کو امیر الحجاج بنا کر بھیجا گیا۔ لیکن بعد میں حضرت رسول اکرم ﷺ پر جبرئیل نازل ہوئے اور اللہ کا یہ پیغام پہنچایا: الا یؤدی عنک الا انت او رجل منک اعلان برائت کی اس ذمہ داری کو یا تو آپ خود بنفس نفیس انجام دیں یا ایسا شخص جو آپ سے ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان برائت کی ذمے داری حضرت علیؑ کو دے دی۔ (الارشاد: ۶۵) اس روایت کو کبار اصحاب نے نقل کیا ہے۔ واضح رہے کہ تبلیغ کا پہلا مرحلہ یعنی اللہ کا حکم لوگوں تک پہنچانا رسول کریم ﷺ کی ذمہ داری اور فرض منصبی ہے۔ تبلیغ کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ سننے والوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دوسروں تک پہنچائیں۔ برائت از مشرکین کا اعلان پہلے مرحلے میں تھا، یعنی خود رسول اللہ ﷺ کا فرض منصبی تھا کہ لوگوں میں اعلان کریں۔ اگر کسی وجہ سے یہ نہ ہو سکتا تو یہ ذمہ داری وہ انجام دیتا جو رسول اللہ ﷺ کے بعد کے درجے کا ہو۔ یعنی اس اعلان کو یا تو اس مشن کی پہلی شخصیت انجام دے یا دوسری

| | |
|---|---|
| فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا | ہے۔ ⑤ پس جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو |
| الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ | مشرکین کو تم جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر |
| خُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ | گھات پر ان کی تاک میں بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور |
| كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ | نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، |
| وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ | بیشک اللہ بڑا درگزر کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ |
| غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ | ⑥ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے |
| الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى | تو اسے پناہ دے دیں تاکہ وہ کلام اللہ کو سن لے پھر اسے |
| يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۗ | اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں، ایسا اس لیے ہے کہ یہ لوگ |
| ع ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ كَيْفَ | جانتے نہیں ہیں۔☆ ⑦ اللہ اور اس کے رسول کے |
| يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ | نزدیک کوئی عہد مشرکین کے لیے کیسے ہوسکتا ہے بجز ان |
| عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ | لوگوں کے جن سے تم نے مسجد الحرام کے پاس معاہدہ کیا |
| عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا | ہے؟ پس جب تک وہ تمہارے ساتھ (اس عہد پر) قائم |
| لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ | رہیں تو تم بھی ان کے ساتھ قائم رہو، یقیناً اللہ اہل تقویٰ کو |

شخصیت۔ چنانچہ حضرت علیؓ اس مشن کی دوسری شخصیت ثابت ہوئے۔

۵۔ حرمت کے چار مہینے سے مراد وہ چار مہینے ہیں جن کی مہلت دی گئی ہے۔ مہلت کے یہ چار مہینے گزر جائیں تو مسلمانوں کو یہ حکم ملتا ہے کہ وہ مشرکین کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں اور اللہ کی زمین کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کریں۔ یہ وہ مشرکین ہیں جن کو گزشتہ ۲۲ سالوں سے اسلام کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس دوران میں ان لوگوں نے مسلمانوں کو ہر قسم کی اذیت دی، ان کو گھروں سے نکالا، ان کے خلاف کئی جنگیں لڑیں اور کوئی ایسا ظلم و زیادتی نہیں چھوڑی جو وہ کر سکتے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آج مسلمانوں کو یہ حکم مل رہا ہے کہ اگر وہ توبہ کریں اور اسلامی شعائر پر عمل پیرا ہوں تو ان سے معترض نہ ہوں ان کو امن و آزادی دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم کوئی انتقامی یا نسل کشی کا عمل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حکمت عملی ہے۔ مخلوق خدا کو امن و سکون دینے کے لیے اور لوگوں کو راہ راست کی طرف دعوت دینے کا ایک اسلوب ہے۔

۶۔ اسلامی جنگوں کا مقصد اپنے نظریات کو جبر و اکراہ کے ساتھ دوسروں پر مسلط کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ جنگیں جبر و اکراہ کے خلاف لڑی گئی تھیں۔ جیسے ہی جبر کی یہ رکاوٹ دور ہو جائے اسلام آزادنہ غور و فکر کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور نہ صرف امن فراہم کرتا ہے بلکہ اسے اپنی پناہ گاہ تک پہنچا دیتا ہے۔

۷۔ عہد شکن مشرکین کے ساتھ کسی معاہدہ کے برقرار رہنے کی نفی کے ساتھ ایک بار ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو عہد و پیمان پر قائم ہیں، یعنی بنی نضیر، بنی کنانہ اور

الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ
لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ
بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ
فٰسِقُوْنَ ۚ ۝۸ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا
قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ
مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ
وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱ وَ اِنْ
نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ
وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ
الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ

دوست رکھتا ہے۔☆ ۸ (ان سے عہد) کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ نہ تو تمہاری قرابتداری کا لحاظ کریں گے اور نہ عہد کا؟ وہ زبان سے تو تمہیں خوش کر دیتے ہیں مگر ان کے دل انکار پر تلے ہوئے ہیں اور ان میں اکثر لوگ فاسق ہیں۔☆ ۹ انہوں نے اللہ کی آیات کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کر لی ہے پس وہ اللہ کے راستے سے ہٹ گئے ہیں یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں یقینا وہ بہت برا ہے۔☆ ۱۰ نہ تو یہ کسی مومن کے حق میں قرابتداری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد کا اور یہی لوگ زیادتی کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔☆ ۱۱ پس اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور علم رکھنے والوں کے لیے ہم آیات کو واضح کر کے بیان کرتے ہیں۔☆ ۱۲ اور اگر عہد کرنے کے بعد یہ لوگ اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کی عیب جوئی کرنے لگ جائیں تو کفر کے اماموں سے جنگ کرو، کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شاید وہ باز

بنی خزاعہ کے قبائل جنہوں نے معاہدہ کی پابندی کی تھی۔

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ: جب تک وہ تمہارے ساتھ عہد پر قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ قائم رہو۔ عہد توڑنا جائز نہیں، خواہ یہ عہد مشرکین کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

۸۔ یعنی یہ لوگ درحقیقت معاہدہ نہیں کرتے بلکہ عجز و ناتوانی کی صورت میں زبانی طور پر معاہدے کا نام لیتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ان کو تم پر بالادستی حاصل ہوگی وہ کسی معاہدے یا قرابتداری کی پاسداری نہیں کریں گے۔

۹۔۱۰ عہد شکنی کے پیچھے موجود عوامل و محرکات کا ذکر ہے کہ یہ لوگ جس نفسیات کے مالک ہیں اس کے تحت نہایت حقیر مالی مفادات کی خاطر آیات الٰہی کو نظر انداز کرتے ہیں اور راہ حق سے ہٹ جاتے ہیں اور زیادتی و تجاوز کو ان لوگوں نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ ان سے عہد و پیمان کی پاسداری کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

۱۱۔ جن لوگوں نے مسلمانوں پر ایک طویل عرصہ ظلم و زیادتی کا سلسلہ روا رکھا آج توبہ کر کے وہ ان کے بھائی بن گئے۔ انہیں بھی وہی حقوق مل گئے جو پرانے ظلم سہنے والوں کے تھے۔ البتہ اخروی ثواب اور درجات میں وہ ظلم سہنے والوں کے برابر نہیں ہوں گے۔

۱۲۔ کفر کے ائمہ میں دو باتیں ہوتی ہیں: ایک بدعہدی دوسری دین کی عیب جوئی۔ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ کفر کی اس جڑ کو کاٹ دو۔

۱۳۔ اس آیت میں گزشتہ بائیس سالوں میں ہونے والے مظالم کا ذکر ہے: ☆ ان لوگوں نے حدیبیہ میں جس معاہدے کی پاسداری کرنے کی قسمیں کھائی تھیں ان قسموں کو توڑ دیا۔ ☆ رسول اللہ ﷺ کو مکے سے ہجرت کرنے پر مجبور ہی نہیں کیا بلکہ ان کو حرم الٰہی اور امن کی جگہ پر قتل کرنے کا منصوبہ بھی

يَنۡتَهُوۡنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَيُخۡزِهِمۡ وَيَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَيَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۴﴾ ۙ وَيُذۡهِبۡ غَيۡظَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَيَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۵﴾ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَلَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ ع مَا كَانَ

آ جائیں۔☆ ﴿۱۳﴾ کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جو اپنی قسمیں توڑ دیتے ہیں اور جنہوں نے رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا؟ پہلی بار تم سے زیادتی میں پہل بھی انہوں نے کی تھی کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔☆ ﴿۱۴﴾ ان سے لڑو تاکہ تمہارے ہاتھوں اللہ انہیں عذاب دے اور انہیں رسوا کرے اور ان پر تمہیں فتح دے اور مومنین کے دلوں کو ٹھنڈا کرے۔☆ ﴿۱۵﴾ اور ان کے دلوں کا غصہ نکالے اور اللہ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۱۶﴾ کیا تم لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے؟ حالانکہ اللہ نے ابھی یہ بھی نہیں دیکھا ہے کہ تم میں سے کس نے جہاد کیا اور کس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی اور کو اپنا بھیدی نہیں بنایا اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۱۷﴾ مشرکین کو یہ حق حاصل نہیں کہ

---

بنایا۔☆ جتنی جنگیں لڑی گئیں ان سب میں ان لوگوں نے پہل کی۔

۱۴۔۱۵ ان سے جنگ کرو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت و ارادے کے لیے سبب بنائے گا اور تمہارے ہاتھوں اللہ ان کو عذاب دے گا۔ اس سے ان مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچے گی جن کو ان مشرکوں نے آزار پہنچایا تھا اور مسلمانوں کی فتح و نصرت دیکھ کر ان ظالموں کے بارے میں جو غیظ و غضب ہے وہ فرو ہو جائے گا۔

انسان اپنے افعال میں خود مختار ہیں یا مجبور، اہل سنت کے ہاں دو نظریے ہیں۔ ایک اشعری مذہب جو جبر کا قائل ہے اور اہل سنت کا اکثریتی مذہب ہے۔ دوسرا معتزلہ جو خود مختاری اور تفویض کا نظریہ رکھتا ہے۔ یہ مذہب آج کل تقریباً متروک ہو چکا ہے۔ اشعری مذہب والے اپنے نظریہ جبر پر اس آیت کے جملہ یُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں: دیکھیے عذاب کو اللہ نے اپنا فعل قرار دیا ہے اور یہ فعل مسلمانوں کے ہاتھ سے صرف آلہ کے طور پر صادر ہو رہا ہے، لہٰذا ثابت ہوا ہے کہ تمام افعال اللہ کے ہیں، بندے تلواروں اور نیزوں کی طرح صرف آلہ ہیں۔

۱۶۔ اظہار ایمان کے لیے زبان ہلا دینا نہایت آسان ہے، مگر اس زبانی دعوی کے پیچھے دل میں کیا ہے؟ وہ صرف آزمائش ہی کے ذریعے فاش ہوتا ہے۔ لہٰذا ضمیروں کا فاش کرنا اور دلوں میں چھپے ہوئے کافرانہ بھیدوں کو طشت از بام کرنا اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں ہے۔ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی زندگی کے اواخر میں منافقوں اور حاطب بن ابی بلتعہ جیسے کمزور ایمان والوں کا ایک قابل توجہ گروہ مشرکین کے ساتھ خفیہ روابط رکھتا تھا اور وہ مشرکین مکہ کے لیے مخبری کرتا تھا، لہٰذا یہ بات ضروری ہو گئی تھی کہ خداوند واضح کرے کہ سچے مؤمن کون ہیں اور

لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ
اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ
اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ
خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى
اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾
اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا
يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

وقف لازم

اللہ کی مساجد کو آباد کریں درحالیکہ وہ خود اپنے کفر کی
شہادت دے رہے ہیں، ان لوگوں کے اعمال برباد ہو گئے
اور وہ آتش میں ہمیشہ رہیں گے۔☆ ﴿۱۸﴾ اللہ کی مسجدوں کو
صرف وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر
ایمان رکھتے ہوں اور نماز قائم کرتے ہوں نیز زکوٰۃ ادا
کرتے ہوں اور اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کھاتے ہوں،
پس امید ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہو
جائیں گے۔☆ ﴿۱۹﴾ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور
مسجد الحرام کی آبادکاری کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے
جس نے اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا اور راہ خدا میں
جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ
ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا☆ ﴿۲۰﴾ جو لوگ ایمان لائے
اور ہجرت کی اور اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے راہ

صرف دعویٰ ایمان کرنے والے کون ہیں؟

۱۷۔ شرک باللہ چونکہ عبادت اور عبودیت کے منافی ہے اس لیے مشرکوں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی عبادت کے لیے مسجدیں آباد کریں۔ کیونکہ جن کا عقیدہ صحیح نہیں ہے ان کی عبادت بھی صحیح نہیں۔

۱۸۔ جو لوگ نماز و زکوٰۃ کے پابند نہیں اور اللہ کے علاوہ دل میں دوسروں کا خوف رکھتے ہیں وہ مسجد کے متولی نہیں بن سکتے۔

۱۹ تا ۲۱۔ عباس بن عبد المطلب اور شیبہ آپس میں مفاخرہ کر رہے تھے۔ عباس اس بات پر فخر کر رہے تھے کہ مجھے حاجیوں کو آب زم زم پلانے کا شرف حاصل ہے۔ شیبہ کو اس بات پر فخر تھا کہ وہ کعبہ کا معمار ہے۔ اسی اثنا میں حضرت علی ؑ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ ؑ نے فرمایا: اگرچہ میں آپ دونوں سے کم عمر ہوں، مگر جو شرف مجھے حاصل ہے، آپ دونوں کو حاصل نہیں ہے۔ دونوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ ؑ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ میں نے تلوار سے آپ دونوں کی ناک رگڑوا دی جس کی وجہ سے آپ دونوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے۔ اس پر یہ آیت حضرت علی ؑ کے موقف کی تائید میں نازل ہوئی۔ اس مضمون روایت کو مختلف الفاظ کے ساتھ خود عباس، ابوذر، بریدہ، محمد بن کعب اور انس وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

ایمان و خلوص سے خالی تعمیر مسجد اور حاجیوں کی خدمت پر ایمان و جہاد کو فضیلت دیتے ہوئے اس مومن و مجاہد کے لیے درج فضائل بھی بیان ہوئے:

۱۔ وہ نہایت عظیم درجہ رکھتے ہیں: اَعْظَمُ دَرَجَةً
۲۔ کامیابی انہیں کو حاصل ہے: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔
۳۔ جنت و رضوان رحمت کی نوید: يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ

بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ
وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ﴿٢١﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ
اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾
قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ
وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ
اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ

خدا میں جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک نہایت عظیم درجہ رکھتے
ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔☆ ﴿٢١﴾ ان کا رب انہیں
اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور ان جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے
جن میں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں۔☆ ﴿٢٢﴾ ان میں وہ
ابد تک رہیں گے، بے شک اللہ کے پاس عظیم ثواب ہے۔
﴿٢٣﴾ اے ایمان والو! تمہارے آباء اور تمہارے بھائی اگر
ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کریں تو انہیں اپنا ولی نہ بناؤ
اور یاد رکھو کہ تم میں سے جو لوگ انہیں ولی بنائیں گے پس
ایسے ہی لوگ تو ظالم ہیں۔☆ ﴿٢٤﴾ کہہ دیجیے: تمہارے آباء
اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور
تمہاری برادری اور تمہارے وہ اموال جو تم کماتے ہو اور
تمہاری وہ تجارت جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور
تمہاری پسند کے مکانات اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور

بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ ۴۔ ابدی نعمت کی نوید: لَهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ۔ ۵۔ جنت میں دائمی زندگی کی نوید: خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ ۶۔ اجر عظیم کی بشارت اس کے علاوہ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔

۲۳۔ رشتہ داری، مال و دولت، کاروبار اور پسندیدہ مکانات عموماً ایسی چیزیں ہیں کہ جن کی محبت اور چاہت دینی موقف سے ٹکراتی ہے۔ ایسے مواقع پر اکثر لوگ دینی ذمہ داری اور موقف کو نظر انداز کر کے مذکورہ چیزوں کو سینے سے لگا لیتے ہیں۔ دوسری طرف سے چونکہ دین کو مانتے بھی ہیں۔ لہٰذا مفادات سے غیر متصادم دینی تقاضوں پر عمل کرتے ہیں اور خود کو مومن سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ آیات ایسے ہی اہل ایمان سے مخاطب ہیں۔

مومن کے لیے اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ دو حالتیں پیش آ سکتی ہیں: ☆ خالصتاً انسانی حالت، جس میں ان رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا اپنے کسی دینی موقف کے ساتھ متصادم نہیں ہے، اس صورت میں ان کے ساتھ نیکی کرنا چاہیے۔ ☆ اگر ان رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات قائم رکھنا، ان پر احسان کرنا اور ان کے ساتھ نیکی کرنا اپنے دینی موقف کے ساتھ متصادم ہو تو یہاں اسے دین یا رشتہ دار میں سے ایک کو اختیار کرنا ہوگا۔

۲۴۔ خطاب اہل ایمان سے ہے کہ اگر تمہارے دلوں میں ایمان ہے تو ان دلوں میں ایمان کے منافی چیزوں کے لیے گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اگر ایمان کے منافی چیز کی دل پر حاکمیت ہے تو یہ ایمان

اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا

راہ خدا میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو ٹھہرو! یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ فاسقوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔☆ ﴿۲۵﴾ بتحقیق بہت سے مقامات پر اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے اور حنین کے دن بھی، جب تمہاری کثرت نے تمہیں غرور میں مبتلا کر دیا تھا مگر وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔☆ ﴿۲۶﴾ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور تمہیں نظر نہ آنے والے لشکر اتارے اور کفار کو عذاب میں مبتلا کر دیا اور کفر اختیار کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔ ﴿۲۷﴾ پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۲۸﴾ اے ایمان والو! مشرکین تو بلاشبہ ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے

---

کی نفی ہے۔

۲۵۔ فتح مکہ کے بعد طائف اور گرد و پیش کے جنگجو قبائل ہوازن نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ چار ہزار افراد پر مشتمل لشکر مال و اولاد کو ساتھ لے کر میدان میں آ گیا۔ ان کے مقابلے کے لیے رسول اسلام ﷺ بارہ ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ ان میں سے دو ہزار فتح مکہ کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے طلقاء (آزاد کردہ لوگ) تھے۔ لشکر اسلام حضرت علی ؑ کی علمداری میں وادی حنین میں اتر رہا تھا کہ قبیلہ ہوازن نے اچانک ہلہ بول دیا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چاروں طرف تیروں کی بارش کر دی جس سے لشکر اسلام بری طرح پسپا ہو گیا اور رسول کے گرد صرف دس افراد جمے رہے۔ مسلمانوں کی پسپائی کے موقع پر ابوسفیان کا یہ جملہ مشہور ہے: اب مسلمانوں کی شکست سمندر تک چلی جائے گی۔ بعد میں حضرت عباسؓ کی آواز پر سب واپس آ گئے اور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یوں لشکر کفر پسپا ہو گیا۔ اس جنگ میں لشکر کفر کے ستر افراد مارے گئے۔ صرف حضرت علی ؑ نے چالیس افراد کو قتل کیا۔

۲۸۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ: لفظ نجس قرآن میں اس معنی میں استعمال ہوا ہے جو لغت میں عربوں کے درمیان مستعمل تھے۔ جدید فقہی اصطلاح میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے نجاست سے مراد نفسانی یا کردار کی پلیدی ہو اور ممکن ہے کہ پلید سے مراد حسی ہو، اس کا فیصلہ سنت و سیرت

| | |
|---|---|
| الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ | بعد وہ مسجد الحرام کے قریب نہ آنے پائیں اور اگر |
| الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ | (مشرکین کا داخلہ بند ہونے سے) تمہیں غربت کا خوف |
| عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ | ہے تو (اس کی پرواہ نہ کرو) اگر اللہ چاہے تو جلد ہی تمہیں |
| شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا | اپنے فضل سے بے نیاز کر دے گا یقیناً اللہ بڑا جاننے والا، |
| الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ | حکمت والا ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ اہل کتاب میں سے جو اللہ اور |
| الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ | روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے |
| وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ | رسول نے جو کچھ حرام کیا ہے اسے حرام نہیں ٹھہراتے اور |
| مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا | دین حق بھی قبول نہیں کرتے، ان لوگوں کے خلاف جنگ |
| الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع وَ | کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا |
| قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ | کریں۔☆ ﴿۲۹﴾ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے |
| النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ | اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے منہ کی |
| قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ | باتیں ہیں ان لوگوں کی باتوں کے مشابہ ہیں جو ان سے |
| الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ | پہلے کافر ہو چکے ہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے، یہ کدھر بہکتے |

رسول ﷺ وائمہ علیہم السلام کی روشنی میں فقہاء کرتے ہیں۔

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ: نجاست کا جو بھی مفہوم مراد لیا جائے اس نجاست کی وجہ سے مشرکین کے لیے مسجد الحرام میں داخلہ ممنوع ہو گیا، کیونکہ اس مسجد میں داخل ہونے کے لیے جس طہارت کی ضرورت ہے وہ شرک و کفر کے ساتھ ممکن نہیں ہے۔

۲۹۔ اہل کتاب سے جزیہ وصول کرنے کے بارے میں معذرت خواہانہ لہجہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کی وضاحت کے ساتھ اس قانون کا پرچار کرنا چاہیے۔

اسلام کسی نظریے کو قبول یا رد کرنے کے لیے جبر کو برداشت نہیں کرتا۔ اہل کتاب نے روز اول سے آج تک آزادانہ طور پر اسلام قبول کرنے والوں کے خلاف ہر ممکن سازش کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ وہ آج بھی مسلمانوں کے اپنے ہی وطن میں اپنے دین کا پرچار کرنے کو برداشت نہیں کرتے۔

اسلامی حکومت اہل کتاب کو ہر قسم کی آزادی دینے کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ان سے دو چیزیں چاہتی ہے: اول یہ کہ وہ جزیہ دیں۔ اسلامی حکومت اپنی مسلم رعایا سے زکوٰۃ اور غیر مسلم رعایا سے جزیہ وصول کرتی ہے۔ اس کے عوض اسلامی حکومت ان کی جان و مال اور عزت و ناموس کا تحفظ فراہم کرتی ہے اور جیسے مسلمانوں کا دفاع کرتی اور اپنے مذہب پر

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

النصف

پھرتے ہیں؟ ﴿۳۱﴾ انہوں نے اللہ کے علاوہ اپنے علماء اور راہبوں کو اپنا رب بنا لیا ہے اور مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ذات ان کے شرک سے پاک ہے۔ ﴿۳۲﴾ یہ لوگ اپنی پھونکوں سے نور خدا کو بجھانا چاہتے ہیں مگر اللہ اپنے نور کو مکمل کرنے کے علاوہ کوئی بات نہیں مانتا اگرچہ کفار کو ناگوار گزرے۔ ﴿۳۳﴾ اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اسی نے بھیجا ہے تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا ہی لگے۔☆ ﴿۳۴﴾ اے ایمان والو! (اہل کتاب کے) بہت سے علماء اور راہب ناحق لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور انہیں راہ خدا سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور

آزادی سے عمل کرنے کی اجازت دیتی ہے، اسی طرح ان کا بھی دفاع کرتی اور انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ جو لوگ محنت مزدوری کرنے پر قادر نہیں ہیں انہیں بیت المال سے مسلمانوں کے برابر حصہ ملتا ہے۔ دوم یہ کہ وہ اسلامی حکومت کی رعیت بن کر رہیں، نخوت و تکبر ترک کریں۔ هُمْ صٰغِرُوْنَ یعنی اسلامی ریاست کا ماتحت تسلیم کر کے جزیہ دیں۔ عورتوں بوڑھوں، نابیناؤں، معذوروں اور دیوانوں سے جزیہ ٹیکس وصول نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کو بلا معاوضہ تحفظ دیا جائے گا۔

۳۳۔ ادیان عالم میں صرف اسلام وہ دین ہے جس کا دستور (قرآن) حرف بحرف محفوظ ہے اور جس کی بنیادی تعلیمات تواتر اور قطعی ذرائع کے ساتھ محفوظ ہیں۔

مفسرین کو اس آیت کی تفسیر کرنے میں دشواری پیش آئی ہے کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ ہمارے نزدیک اس کی صحیح تفسیر یہ ہے: جب انسانیت مادیت کی تاریکی میں مزید ڈوب جائے گی اور امن و سکون عنقا ہو جائے گا، اس وقت لوگ ایک نجات دہندہ کو پکاریں گے اور ایک عالمگیر انقلاب کے لیے راہ ہموار ہو جائے گی اور مہدی برحق (عج) ظہور فرمائیں گے اور یہ دین تمام ادیان پر غالب آئے گا۔

اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ

اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔☆ ﴿۳۴﴾ جس روز وہ مال آتش جہنم میں تپایا جائے گا اور اسی سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پشتیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کر رکھا تھا، لہٰذا اب اسے چکھو جسے تم جمع کیا کرتے تھے۔ ﴿۳۵﴾ کتاب خدا میں مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک یقینا بارہ مہینے ہے جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے ان میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں، یہی مستحکم دین ہے، لہٰذا ان چار مہینوں میں تم اپنے آپ پر ظلم نہ کرو اور تم، سب مشرکین سے لڑو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے۔☆ ﴿۳۶﴾ (حرمت کے مہینوں میں)

۳۴۔ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں جب قرآن ایک ہی قرائت کے مطابق لکھا جا رہا تھا تو حکومت کی یہ کوشش تھی کہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ میں واؤ نہ لکھی جائے، لیکن حکومت کے اس موقف کے خلاف مزاحمت کی گئی اور واؤ لکھی گئی۔ (الدر المنثور ۳: ۱۹۴)

۳۶ ۔ ۳۷۔ اللہ کی کتاب تکوین میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ یعنی جب زمین سورج کے گرد ایک چکر پورا کر لیتی ہے تو چاند زمین کے گرد بارہ چکر لگا لیتا ہے۔ یہ ایک قدرتی اور عالمگیر جنتری ہے۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے محرم، رجب، ذی القعدہ اور ذی الحجہ حرمت والے مہینے ہیں۔ ان میں قتل و غارت اور جنگ و خون ریزی حرام ہے۔ عرب اگرچہ بنیادی طور پر حرمت والے ان چار مہینوں میں جنگ و خونریزی کو حرام سمجھتے تھے لیکن وہ ان چار مہینوں کو کبھی اپنی خواہشات کے مطابق بدل دیتے تھے۔ مثلاً محرم میں جنگ کرنی ہو تو محرم کو ربیع الاول اور ربیع الاول کو محرم فرض کر لیتے۔ یوں حرمت والے مہینے حلال قرار دے کر جنگ کرتے تھے۔ اس عمل کو وہ نسیء کہتے تھے۔ ان کا یہ عمل اللہ کے مقرر کردہ قوانین میں دخل اندازی تھا، لہٰذا ان آیات میں اسے کفر قرار دے کر ممنوع قرار دیا، البتہ اگر مسلمانوں پر جنگ مسلط کی گئی تو دفاع جائز ہوگا۔ ان دو آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کے قوانین

زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَّ يُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۬ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ

تقدیم و تاخیر بے شک کفر میں اضافہ کرتا ہے جس سے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے وہ کسی سال ایک مہینے کو حلال اور کسی سال اسے حرام قرار دیتے ہیں تاکہ وہ مقدار بھی پوری کرلیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے اور ساتھ ہی خدا کے حرام کو حلال بھی کرلیں، ان کے برے اعمال انہیں بھلے کر کے دکھائے جاتے ہیں اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔☆ ﴿۳۸﴾ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین سے چمٹ جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کی جگہ دنیاوی زندگی کو زیادہ پسند کرتے ہو؟ دنیاوی زندگی کی متاع تو آخرت کے مقابلے میں بہت کم ہے۔☆ ﴿۳۹﴾ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کرے گا اور تم اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔☆ ﴿۴۰﴾ اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو (جان لو کہ) اللہ نے اس وقت ان کی مدد کی جب کفار نے

میں تبدیلی اور دخل اندازی کفر ہے۔ جب یہ جرم و گناہ بھلا دکھائی دے تو اللہ ایسے لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا۔

۳۸۔ ۹ ہجری میں جب آنحضرت ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کو خبر ملی کہ روم کی فوجیں تبوک میں جمع ہو رہی ہیں۔ تبوک مدینہ کے شمال میں شام کی سرحد پر ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے ۶۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اس مرتبہ لشکر اسلام کو ایک ایسے منظم شاہی فوج کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے جو اس زمانے کی بڑی طاقت شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ تیس ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔

اس مرتبہ اس جنگ کے لیے نکلنے میں چند ایک دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔ مدینہ سے تبوک کی مسافت کافی دور تھی۔ موسم بھی سخت گرم تھا۔ فصل پکنے اور کاٹنے کا وقت بھی آ گیا تھا اور پھر اس زمانے کی بڑی طاقت کے ساتھ لڑنا تھا۔ یہ ساری باتیں مسلمانوں کے ایمان کے وزن کو تولنے کے لیے کافی تھیں۔ چنانچہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ رسول کریم ﷺ کی زندگی کے اواخر میں ایمان و ایقان کی کس منزل پر فائز تھے کہ رسول کریم ﷺ کی طرف سے جہاد کا اعلان عام ہو رہا ہے لیکن لوگ زمین سے چمٹ رہے ہیں۔ ان کے لیے دنیاوی زندگی اور مال و متاع رکاب رسول ﷺ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہے۔

۳۹۔ یہ سنت الٰہی ہے کہ وہ قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی جو اپنا دفاع کرنا نہیں جانتی اور اپنے امام کے پکارنے

إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾ انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۗ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ

انہیں نکالا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے وہ دو میں کا دوسرا
تھا جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا رنج نہ کر یقیناً اللہ
ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے ان پر اپنا سکون نازل فرمایا
اور ایسے لشکروں سے ان کی مدد کی جو تمہیں نظر نہ آتے تھے
اور یوں اس نے کافروں کا کلمہ نیچا کر دیا اور اللہ کا کلمہ تو
سب سے بالاتر ہے اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا
ہے۔☆ ﴿۴۱﴾ (مسلمانو) تم ہلکے ہو یا بوجھل (ہر حالت
میں) نکل پڑو اور اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ راہ
خدا میں جہاد کرو، اگر تم سمجھو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔
﴿۴۲﴾ اگر آسانی سے حاصل ہونے والا کوئی فائدہ ہوتا اور سفر
ہلکا ہوتا تو وہ ضرور آپ کے پیچھے چل پڑتے لیکن یہ مسافت
انہیں دور نظر آئی اور اب وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے:
اگر ہمارے لیے ممکن ہوتا تو یقیناً ہم آپ کے ساتھ چل
دیتے (ایسے بہانوں سے) وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال
رہے ہیں اور اللہ کو علم ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹ بول رہے

---

پر زمین سے چمٹ جاتی ہے اور اپنے رہبر کی
نافرمانی کرتی ہے۔ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا
غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد:۳۸) اگر تم نے
منہ موڑ لیا تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کرے گا
پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔ کیونکہ دشمن سے
خوف کھانا اور اس کے سامنے ہتھیار ڈالنا اپنے وجود
کی نفی ہے۔

۴۰۔ رسول کریم ﷺ کی آواز پر لبیک نہ کہنے والوں
سے اللہ تہدید آمیز لہجے میں فرما رہا ہے کہ اگر تم نے
رسول ﷺ کی مدد نہ کی تو اللہ ان کی مدد کرے گا۔
جس نے اپنے رسول ﷺ کی اس وقت مدد کی جب
وہ دو میں کا دوسرا تھا اور کوئی تیسرا آدمی ان کے
ساتھ نہ تھا اور حالت بھی یہ تھی کہ وہ اپنے تنہا ساتھی
(حضرت ابوبکر) سے فرما رہے تھے: حزن نہ کر،
اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

سید قطب اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: اللہ
انہیں تاریخ کی ایک مثال دے رہا ہے جسے وہ خود
بھی جانتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی ان
کے بغیر کیسے مدد کی۔

۴۲۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ مکمل طور پر ایک امتحان
تھی جس سے بہت سے لوگوں کی حقیقت عیاں ہو
گئی اور کلام اللہ میں ان لوگوں کے ایمان کا وزن
ثابت ہو گیا۔ منافقین اور خفیف الایمان لوگوں کے
چہرے بے نقاب ہو گئے کہ ان کی ترجیحات کیا
ہیں۔ وہ جنگوں میں شرکت کرتے بھی ہیں تو آسانی
سے حاصل ہونے والے مفادات کے لیے کرتے
ہیں۔

ع

وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ تَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۴۳﴾ لَا یَسۡتَاۡذِنُکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اَنۡ یُّجَاہِدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا یَسۡتَاۡذِنُکَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ ارۡتَابَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ فَہُمۡ فِیۡ رَیۡبِہِمۡ یَتَرَدَّدُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَوۡ اَرَادُوا الۡخُرُوۡجَ لَاَعَدُّوۡا لَہٗ عُدَّۃً وَّ لٰکِنۡ کَرِہَ اللّٰہُ انۡۢبِعَاثَہُمۡ فَثَبَّطَہُمۡ وَ قِیۡلَ اقۡعُدُوۡا مَعَ الۡقٰعِدِیۡنَ ﴿۴۶﴾ لَوۡ خَرَجُوۡا فِیۡکُمۡ مَّا زَادُوۡکُمۡ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاَ۠اوۡضَعُوۡا خِلٰلَکُمۡ یَبۡغُوۡنَکُمُ

ہیں۔☆ ﴿۴۳﴾ (اے رسول) اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی قبل اس کے کہ آپ پر واضح ہو جاتا کہ سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے؟☆ ﴿۴۴﴾ جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے ہرگز آپ سے اجازت نہیں مانگیں گے اور اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۴۵﴾ ایسی اجازت یقیناً وہی لوگ مانگیں گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں مبتلا ہیں پس اس طرح وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں۔ ﴿۴۶﴾ اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیے سامان کی کچھ تیاری کرتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا ناپسند تھا اس لیے اس نے (ان سے توفیق سلب کر کے) انہیں ہلنے نہ دیا اور کہہ دیا گیا: تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔☆ ﴿۴۷﴾ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو تمہارے لیے صرف خرابی میں اضافہ کرتے اور تمہارے

۴۳۔ ایک طرف ان لوگوں کو اجازت دینے میں مصلحت تھی کیونکہ اگلی آیت ۴۷ میں صریحاً فرمایا: لَوۡ خَرَجُوۡا فِیۡکُمۡ مَّا زَادُوۡکُمۡ اِلَّا خَبَالًا اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو وہ صرف خرابی میں اضافہ کرتے، اور دوسری طرف اجازت دینے کی صورت میں ان کے نفاق اور ضعف ایمانی پر پردہ پڑا رہتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے خطاب کر کے سر دلبران در حدیث دیگران کا اسلوب اختیار کیا۔ یوں ان کا ضمیر بھی فاش کیا نیز ان کے شر سے لشکر اسلام بھی محفوظ رہا۔

اس مختصر بیان سے ان لوگوں کا نظریہ باطل ثابت ہوا جو صاحب مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی کو مجتہد کا درجہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ما لا نص فیہ میں رسول ﷺ سے اجتہادی غلطی سرزد ہو جاتی ہے اور انبیاء ایسی باتوں میں، یعنی جہاں نص نہ ہو معصوم عن الخطاء نہیں ہیں۔ (المنار ۱۰: ۴۶۵) جب کہ ما لا نص فیہ کے معاملے میں اللہ کا حکم ہے: وَ اصۡبِرۡ حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰہُ (یونس: ۱۰۹) "اللہ کا حکم آنے تک صبر کرو۔" لہٰذا رسول ﷺ حکم خدا کے بغیر فیصلے نہیں کرتے۔ ثانیاً اس نظریے سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول ﷺ حکم خدا آنے سے پہلے فیصلہ کرتے ہیں اور ساتھ غلطی بھی کرتے ہیں۔ یوں بیانِ احکام میں رسول ﷺ معصوم عن الخطا نہیں رہتے۔ اس طرح اساسِ اسلام منہدم ہو جاتی ہے۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

۴۶۔ جب ان لوگوں میں جہاد کا شوق نہ تھا، اللہ نے بھی ان سے توفیق کے سارے راستے بند کر دیے، جس سے بدتوفیقی کے راستے کھل گئے اور رسول ﷺ کے مخالف سمت سے آواز آئی: قِیۡلَ اقۡعُدُوۡا بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ یہ آواز ان کے لیے آشنا تھی۔ اس کی تعمیل ہو گئی۔

۴۷۔ اگر یہ منافقین اور ضعیف الایمان اسلامی لشکر میں شامل ہو جاتے تو عسکری نظم و ضبط میں خلل

الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِالظّٰلِمِينَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْاُمُورَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُونَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّيْ ۗ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌۢ بِالْكٰفِرِينَ ﴿٤٩﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَّقُولُوا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۗ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ

درمیان فتنہ کھڑا کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے اور تمہارے درمیان ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں اور اللہ ظالموں کا حال خوب جانتا ہے۔☆ ﴿٤٨﴾ یہ لوگ پہلے بھی فتنہ انگیزی کی کوشش کرتے رہے ہیں اور آپ کے لیے بہت سی باتوں میں الٹ پھیر بھی کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آپہنچا اور اللہ کا فیصلہ غالب ہوا اور وہ برا مانتے رہ گئے۔☆ ﴿٤٩﴾ ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے: مجھے اجازت دیجیے اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیے، دیکھو یہ فتنے میں پڑ چکے ہیں اور جہنم نے ان کافروں کو یقیناً گھیر رکھا ہے۔☆ ﴿٥٠﴾ اگر آپ کا بھلا ہوتا ہے تو انہیں دکھ ہوتا ہے اور اگر آپ پر کوئی مصیبت آئے تو کہتے ہیں: ہم نے پہلے ہی سے اپنا معاملہ درست کر رکھا ہے اور خوشیاں مناتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں۔☆ ﴿٥١﴾ کہد یجیے: اللہ نے جو ہمارے لیے مقدر فرمایا ہے اس کے سوا ہمیں کوئی حادثہ ہرگز پیش نہیں آتا وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنین کو چاہیے کہ اللہ پر بھروسہ کریں۔☆ ﴿٥٢﴾ کہد یجیے: کیا تم ہمارے بارے میں دو بھلائیوں (فتح یا شہادت) میں سے ایک ہی کے منتظر ہو اور

ڈالتے، جیسا کہ احد میں راستے سے واپس جا کر بدنظمی پھیلائی اور جنگ حنین میں ان لوگوں اور مکہ کے طلقاء نے مل کر لشکر اسلام کو شکست سے دوچار کر دیا۔ لہٰذا مصلحت اسی میں تھی کہ یہ لوگ شرکت نہ کریں۔ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ان کی عدم شرکت کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ان کے جاسوس کو بھی فتنہ انگیزی کا موقع نہ ملا۔

۴۸۔ وہ اس سے پہلے احد کی جنگ میں فتنہ انگیزی کر چکے ہیں۔ منافقین راستے سے واپس چلے گئے جس سے اوس و خزرج کے قبائل بھی بددل ہو کر واپس جانے والے تھے اور ضعیف الایمان لوگوں نے نافرمانی اور فرار اختیار کر کے مسلمانوں کو شکست سے دوچار کر دیا تھا۔ بعد میں اللہ نے چند استقامت دکھانے والے مجاہدین کے ذریعے لشکر اسلام کی محافظت فرمائی۔

۴۹۔ کچھ منافقین نے یہ عذر تراش لیا کہ اس جنگ میں شرکت کریں تو ممکن ہے مال غنیمت کا لالچ انہیں گمراہ کر دے یا ممکن ہے کہ وہ خوش شکلی میں مشہور رومی عورتوں پر فریفتہ ہو جائیں۔ جواب میں فرمایا: اس قسم کے فتنے میں تو تم مبتلا ہو چکے ہو۔ یہی عذر تراشی سب سے بڑا فتنہ ہے۔

۵۰۔۵۱ ان دو آیتوں میں فتح و شکست اور دکھ سکھ کی حالت میں مومن اور منافق کے نقطۂ نظر اور عملی کیفیت کا موازنہ ہوا ہے۔ وہ یوں کہ منافق کی نگاہ محسوسات تک محدود ہوتی ہے۔ وہ مسلمانوں کے دکھ، شکست و ناکامی پر خوش ہوتا ہے۔ خود ان کے ان حالات سے دوچار نہ ہونے کو وہ اپنی حسن تدبیر اور احتیاطی پیش بندی کا نتیجہ قرار دیتا ہے جبکہ مومن کی نگاہ اپنے مولا و سرپرست پر ہوتی ہے۔ وہ وقتی فتح و شکست اور وقتی دکھ سکھ پر بھروسہ نہیں رکھتا بلکہ وہ ان تمام محسوسات سے بالاتر ہو کر اللہ کی حکمت و سرپرستی پر یقین رکھتا ہے۔ یوں وہ ہر حال میں راضی بہ رضائے الٰہی رہتا ہے اور ہر حالت کو

بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ
اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ
مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ
كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ
قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ
مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ
بِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ
كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾
فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا
يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾
وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ
مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ

ہم تمہارے بارے میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ خود اپنے پاس سے تمہیں عذاب دے یا ہمارے ہاتھوں عذاب دلوائے، پس اب تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔☆ ﴿۵۳﴾ کہد یجیے: تم اپنا مال بخوشی خرچ کرو یا بادل نخواستہ، تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ تم فاسق قوم ہو۔☆ ﴿۵۴﴾ اور ان کے خرچ کیے ہوئے مال کی قبولیت کی راہ میں بس یہی رکاوٹ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور نماز کے لیے آتے ہیں تو کاہلی کے ساتھ اور راہ خدا میں تو بادل نخواستہ ہی خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۵۵﴾ لہٰذا ان کے اموال اور اولاد کہیں آپ کو فریفتہ نہ کر دیں، اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے انہیں دنیاوی زندگی میں بھی عذاب دے اور کفر کی حالت میں ہی ان کی جان کنی ہو۔☆ ﴿۵۶﴾ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہاری جماعت میں شامل ہیں حالانکہ وہ تمہاری جماعت میں شامل نہیں ہیں دراصل وہ بزدل لوگ ہیں۔ ﴿۵۷﴾ اگر

---

اپنے لیے عطیہ الٰہی سمجھتا ہے۔

۵۲۔ یہ کائنات کے بارے میں دو مختلف تصورات و نظریات کا موازنہ ہے۔ ایک کے مطابق ہر صورت میں کامیابی اور دوسرے مؤقف کے مطابق ہر صورت میں ناکامی ہے۔ مومن مجاہد کو فتح ملتی ہے تو بھی کامیابی اور اگر شہادت نصیب ہوتی ہے تو رضائے رب کا حصول اس سے بھی بڑی کامیابی ہے، جبکہ کافر کو اگر فتح ملتی ہے تو چند دنوں کے لیے وہ زندہ رہے گا اور آخرت میں ان کے لیے عذاب الیم ہے نیز اگر قتل ہو جائے تو بھی عذاب الیم ہے۔

۵۳۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اپنی جگہ نیک عمل ہے۔ لیکن عمل کا نیک ہونا کافی نہیں ہے بلکہ عمل کرنے والے کا نیک ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً اگر کوئی فرزند باپ کو باپ نہیں مانتا تو باپ ایسے بیٹے کی کسی نیکی کو قبول نہیں کرے گا۔

۵۵۔ لِیُعَذِّبَهُمْ: اللہ غیر مؤمن کو مال و اولاد کے ذریعے دنیا ہی میں عذاب دیتا ہے۔ کیا مال مایۂ خوشحالی ہے یا اضطراب و بدحالی ہے؟ اس آیت میں فرمایا: غیر مؤمن کے لیے دولت ایک عذاب ہے اور ہدایت کے لیے رکاوٹ ہے۔ وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ مال ہی کی وجہ سے وہ کفر کی حالت میں مریں گے۔

۵۸۔ ابوسعید خدری راوی ہیں کہ تقسیم زکوٰۃ و غنیمت کے بارے میں ایک بار ذوالخویصرہ تمیمی نے آ کر کہا: یا رسول اللہ ﷺ انصاف سے کام لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر! میں انصاف نہ کروں تو کون انصاف کرے گا؟ جس پر حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں اس کی گردن مار دوں؟ فرمایا: اسے رہنے دو۔ اس کے اور بھی ساتھی ہیں۔ تم ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے۔ یہ لوگ دین سے ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ ان کی

يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا
لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا
مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ
يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ
اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ
لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ
وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ

انہیں کوئی پناہ گاہ یا غار یا سر چھپانے کی جگہ میسر آ جائے تو وہ اس کی طرف لپکتے ہوئے جائیں گے۔ ﴿۵۸﴾ اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صدقات (کی تقسیم) میں آپ کو طعنہ دیتے ہیں پھر اگر اس میں سے انہیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر اس میں سے کچھ نہ دیا جائے تو بگڑ جاتے ہیں۔☆ ﴿۵۹﴾ اور کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ انہیں دیا ہے وہ اس پر راضی ہو جاتے اور کہتے: ہمارے لیے اللہ کافی ہے، عنقریب اللہ اپنے فضل سے ہمیں بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول بھی، ہم اللہ سے لو لگائے بیٹھے ہیں۔☆ ﴿۶۰﴾ یہ صدقات تو صرف فقیروں، مساکین اور صدقات کے کام کرنے والوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مقصود ہو اور غلاموں کی آزادی اور قرضداروں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ایک مقرر حکم ہے اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿۶۱﴾ اور ان میں کچھ لوگ ایسے

---

نشانی وہ سیاہ آدمی ہے جس کی چھاتی عورتوں کی چھاتی کی طرح ہو گی یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح۔ لوگوں میں تفرقہ کے وقت یہ لوگ نمودار ہوں گے۔ ابوسعید کہتے ہیں: گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرمان سنا تھا اور اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ علی ؑ نے جب (نہروان میں) ان کو قتل کیا تو میں ان کے ہمراہ تھا۔ پس اس شخص کو سامنے لایا گیا جس کے اوصاف رسول اللہ ﷺ نے بیان کیے تھے۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب)

۵۹۔ مدینہ کے محدود معاشرے میں عربوں نے اتنی دولت ایک جگہ نہیں دیکھی تھی جو زکوٰۃ کے فنڈ میں حضور ﷺ کے خزانے میں جمع ہوتی تھی۔ منافق اس دولت کو مسلمانوں میں تقسیم ہوتے دیکھ نہیں سکتے تھے اور جل کر حضور ﷺ کو مطعون کرنے کی کوشش کرتے اور جو کچھ ان کے حصہ میں آتا اس پر قانع بھی نہیں رہتے تھے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ سے منافقین کو بھی حصہ ملا کرتا تھا، مگر وہ صرف مادی نگاہ سے اس حصہ کو دیکھتے تھے اور اس پر راضی نہیں ہوتے تھے، نہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کسی فضل و کرم پر بھروسہ رکھتے تھے۔

ایک بار امام ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق ؑ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ جب کھانا کھا چکے تو امام ؑ نے فرمایا: الحمد للہ رب العالمین ھذا منک و من رسولک۔ رب العالمین کا شکر ہے کہ یہ روزی تیری طرف سے اور تیرے رسول ﷺ کی طرف سے ہے۔ ابوحنیفہ نے کہا: اے ابو عبداللہ آپ ؑ نے شرک کا ارتکاب کیا۔ تو آپ ؑ نے فرمایا: مقام افسوس ہے کہ اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (توبہ: ۷۴) انہیں اس بات پر غصہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں دولت سے مالا مال کیا ہے۔ دوسری جگہ

وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ اَحَقُّ اَن يُرْضُوهُ اِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوٓا اَنَّهٗ مَن يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُونَ اَن تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُم بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِءُوا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِن سَاَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ

بھی ہیں جو نبی کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ کانوں کے کچے ہیں، کہدیجیے: وہ تمہاری بہتری کے لیے کان دے کر سنتا ہے اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مومنوں کے لیے تصدیق کرتا ہے اور تم میں سے جو ایمان لائے ہیں ان کے لیے رحمت ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ﴿٦١﴾ یہ لوگ تمہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے اگر یہ مومن ہیں۔☆ ﴿٦٢﴾ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ ﴿٦٣﴾ منافقوں کو یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ کہیں ان کے خلاف (مسلمانوں پر) کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دلوں کے راز کو فاش کر دے، ان سے کہدیجیے: تم استہزاء کیے جاؤ، اللہ یقیناً وہ (راز) فاش کرنے والا ہے جس کا تمہیں ڈر ہے۔☆ ﴿٦٤﴾ اور اگر آپ ان سے

---

فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ (توبہ: ۵۹) اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دیے ہوئے پر خوش رہتے اور کہدیتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے عنقریب اللہ اپنے فضل سے ہمیں بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول بھی اور ہم اللہ کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ ابوحنیفہ نے تعجب کے لہجے میں کہا: گویا یہ آیت میں نے قرآن میں پڑھی ہی نہیں۔ (بحار الانوار ۱۰: ۲۱۶)

۶۲۔ منافق چونکہ گمراہ ہیں اور گمراہ کو پتہ نہیں چلتا کہ کون سا عمل اس کے حق میں بہتر ہے، وہ عام مسلمانوں کو راضی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس طرح ان کا راز فاش نہ ہو گا۔ لوگ ان پر اعتماد کریں گے۔ جبکہ ان کے حق میں بہتری اس میں تھی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو راضی کریں، مگر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کر کے اپنے زعم میں دوسرا چارہ کار تلاش کر رہے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے: اللہ اور رسول کی مخالفت کے ساتھ جہنم اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۶۴۔ منافقین رسول کو سچا تو نہیں سمجھتے تھے تاہم انہیں گزشتہ چند سالوں میں ایسے اتفاقات پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے رازوں کا علم ہوا۔ وہ اسے بذریعہ وحی نہیں بلکہ یہ تصور کرتے تھے کہ رسول ﷺ کے خاص لوگوں نے کھوج لگا کر یہ باتیں ان کو بتائی ہیں۔ اب غزوہ تبوک کے سفر کے دوران ان منافقین کو زیادہ خوف لاحق رہتا تھا کہ کہیں ہمارے دل کی باتوں کا ان لوگوں نے کھوج لگایا ہو اور محمد ﷺ اس کو قرآن بنا کر لوگوں میں پیش نہ کریں اور ہم نے آپس میں رسول کا جو استہزاء کیا ہے اس کو کہیں برملا نہ کریں، اس طرح ہم بے نقاب

إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَ
آيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا
تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ
إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ
طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾ ع
الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ
بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ (وقف لازم)
عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ
نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ
الْفَاسِقُونَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَ
الْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ
فِيهَا ۚ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٦٨﴾ لا كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

دریافت کریں تو وہ ضرور کہیں گے: ہم تو صرف مشغلہ اور دل لگی کر رہے تھے، کہد یجیے: کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑا رہے تھے۔☆ (٦٦) عذر تراشی مت کرو تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو، اگر ہم نے تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر بھی دیا تو دوسری جماعت کو ضرور عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہے۔ (٦٧) منافق مرد اور عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں، وہ برے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ روکے رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا ہے، بے شک منافقین ہی فاسق ہیں۔☆ (٦٨) اللہ نے منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں سے آتش جہنم کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہی ان کے لیے کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔☆ (٦٩) (تم

ہو جائیں گے۔

٦٥۔ مختلف اور متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین رسول کریم ﷺ کی تضحیک کرتے تھے۔ جب بذریعہ وحی رسول ﷺ کو اطلاع ہو جاتی اور منافقین سے دریافت کیا جاتا تو وہ جو جواب دیتے تھے اس جواب میں بھی اللہ اور اس کی آیات اور رسول اسلام ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے۔ یعنی یہ کہنا کہ ہم خوش گپی میں یہ باتیں کہہ گئے۔ یہ خود اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ استہزاء ہے۔

٦٧۔ منافقین چاہے مرد ہوں یا عورت ان کی سوچ اور کردار میں ہم آہنگی ہوتی ہے۔ وہ ایک جیسے سوچتے اور ایک جیسے کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ نیکیوں سے روک کر برائی کی ترغیب دینا، انفاق سے دوری اور خدا فراموشی کے ساتھ اپنی انسانی حیثیت کو فراموش کرنا ان کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ یہ باتیں ہر زمانے میں نفاق کی علامات ہیں۔

٦٨۔ اس آیت میں منافقین کے خلاف نہایت شدید لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ ١۔ آتش جہنم میں ہمیشہ رہنا ٢۔ یہ عذاب اس حد تک ہوگا کہ اس سے زائد کے لیے گنجائش نہیں۔ هِيَ حَسْبُهُمْ ٣۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ ٤۔ ان کے لیے ایک اور عذاب کا ذکر ہوا ہے، جس کے لیے لفظ مُّقِيمٌ استعمال فرمایا۔ ممکن ہے یہ عذاب جہنم کے عذاب کے علاوہ دنیاوی عذاب ہو اور اس زندگی میں بھی وہ ایک نفسیاتی اور معنوی عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہتے ہوں۔ واللہ العالم۔

٦٩۔ منافقین کی تاریخ کا ذکر ہے کہ شاید عصر نزول قرآن اور اس کے بعد آنے والے منافقین تاریخ سے عبرت حاصل کریں کہ گزشتہ تاریخ کے منافقین زیادہ عیش و عشرت، کیف و سرور، مال و دولت اور

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۙ۬ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

منافقین بھی) ان لوگوں کی طرح (ہو) جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے زیادہ طاقتور اور اموال اور اولاد میں تم سے بڑھ کر تھے، انہوں نے اپنے حصے کے خوب مزے لوٹے پس تم بھی اپنے حصے کے مزے اسی طرح لوٹ رہے ہو جس طرح تم سے پہلوں نے اپنے حصے کے خوب مزے لوٹے اور جس طرح وہ باطل بحثیں کرتے تھے تم بھی کرتے رہو، یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے اور یہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔☆ ﴿۷۰﴾ کیا ان کے پاس ان سے پہلے لوگوں (مثلاً) قوم نوح اور عاد و ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور الٹی ہوئی بستیوں والوں کی خبر نہیں پہنچی؟ جن کے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر آئے، پھر اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ یہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے۔☆ ﴿۷۱﴾ اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کے بہی خواہ ہیں، وہ نیک کاموں کی ترغیب دیتے ہیں

طاقت وقدرت کے حامل تھے۔ چونکہ وہ بھی تمہاری طرح باطل بحثوں اور گندی باتوں میں وقت ضائع کرتے رہے۔ زندگی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو دنیا و آخرت میں ان کی زندگی تلف ہو گئی۔

۷۰۔ تاریخ کے اہم ابواب کا مطالعہ ہے کہ نوح کی قوم نے اسی طرح اپنے رسول کا مذاق اڑایا، وہ غرق ہو گئی۔ یہی وطیرہ اختیار کرنے پر قوم عاد کو آندھی نے ہلاکت میں ڈال دیا۔ اپنے رسول کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرنے پر ثمود کی قوم بھی نابود ہو گئی۔ ابراہیم ؑ کی قوم کو جو ذلت اٹھانا پڑی وہ بھی صفحہ تاریخ میں ثبت ہے۔ مدین والے اور لوط کی قوم کا جو حشر ہوا وہ بھی تاریخ کا ایک عبرتناک واقعہ ہے۔

۷۱۔ ایک مؤقف ایک مزاج اور ایک ہی قسم کی سوچ نے جس طرح منافقین کو ایک جتھا بنا دیا تھا اسی طرح ایک عقیدہ ایک نظریہ اور ایک ہی قسم کے ایمان نے مومنوں کو ایک امت بنا دیا۔ یوں تمام مومن مرد اور عورتیں جسد واحد کی طرح ہو گئے کہ کسی کی نیکی کو دیکھ لیا تو خود بھی اس پر عمل کیا اور ساتھ یہ خواہش بھی دل میں جاگزیں ہو گئی کہ اس کا ہم عقیدہ برادر ایمانی بھی اس پر عمل کرے۔ اسی طرح برائی سے خود بھی دور رہا اور اپنے مومن بھائی کو بھی دور رکھنے کی کوشش کی۔ اس طرح مومن آپس میں ولاء اور ولایت کا حق ادا کرتے ہیں۔

۷۲۔ اس آیت میں دو جنتوں کا ذکر ہے: ایک وہ جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، دوسری جنت عدن۔ جنت عدن کے بارے میں روایت ہے کہ جنت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے، جس میں انبیاء، شہداء اور آئمہ ؑ

بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ
سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ
الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ
جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ
جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ
عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ
لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ

اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا
کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں
یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحم فرمائے گا، بے شک اللہ
بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ (۷۲) اللہ نے ان
مومن مردوں اور مومنہ عورتوں سے ایسی بہشتوں کا وعدہ کر
رکھا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ
رہیں گے اور ان دائمی جنتوں میں پاکیزہ قیام گاہیں ہیں اور
اللہ کی طرف سے خوشنودی تو ان سب سے بڑھ کر ہے، یہی تو
بڑی کامیابی ہے۔☆ (۷۳) اے نبی! کفار اور منافقین سے
لڑو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت برا ٹھکانا
ہے۔ (۷۴) یہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے
کچھ نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کی بات کہدی ہے اور وہ
اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے وہ کچھ

ہوں گے، رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ تمام تر نعمتیں اللہ کی
خوشنودی کے ساتھ مربوط ہیں۔ ممکن ہے کہ اکبر
سے مراد اکبر من کل شی ہو یعنی جنت کی تمام
نعمتیں خواہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہوں، رضائے رب
کے مقابلے میں کچھ نہیں اور ممکن ہے اکبر من ان
یوصف ہو یعنی اللہ کی خوشنودی کی عظمت بیان کی
حد سے بڑھ کر ہے۔ بندہ مؤمن جب جنت میں
رب رحیم کے جوار میں اس کی خوشنودی کی پر
سکون اور کیف و سرور کی فضا میں قدم رکھے گا تو اس
کے لیے ایک ایک لمحہ بھی وصف بیان سے بڑھ کر ہو
گا۔

۴۷۔ تبوک سے واپسی پر بعض منافقین نے فیصلہ کیا
کہ حضور ﷺ کو گھاٹی میں گرا کر شہید کر دیں۔ اللہ
نے حضور ﷺ کو بچایا اور ایک بجلی چمکی جس سے
راستہ واضح ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے حذیفہ کو بتایا
کہ وہ منافقین فلاں فلاں تھے۔ پھر فرمایا: انہیں
راز میں رکھو۔

اَغْنٰهُمُ: اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے ان کو مالا
مال کر دیا۔ اس جملے میں ان لوگوں کے لیے دعوت
فکر ہے جو موحدین کو مشرک بنانے کے شوقین ہیں۔
جبکہ شرک اس وقت لازم آتا ہے جب مخلوق کو اللہ
کے مقابلے میں لایا جائے، لیکن اگر انہیں اللہ کی مدد
کے ذیل میں قرار دیں تو یہ شرک نہیں ہے۔ جیسا کہ
قبض روح کو کبھی اللہ نے فرشتوں کی طرف، کبھی
ملک الموت کی طرف اور کبھی اپنی ذات کی طرف
نسبت دی ہے۔ اللہ کی ذات علۃ العلل ہے۔ اس
کے ذیل میں واقع ہونے والی علت قریبہ کی طرف

اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ

کرنے کی ٹھان لی تھی جو وہ نہ کر پائے اور انہیں اس بات پر غصہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان (مسلمانوں) کو دولت سے مالا مال کر دیا ہے، پس اگر یہ لوگ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار۔☆ ﴿۷۵﴾ اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کر رکھا تھا کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے نوازا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور ضرور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔☆ ﴿۷۶﴾ لیکن جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور (عہد سے) روگردانی کرتے ہوئے پھر گئے۔☆ ﴿۷۷﴾ پس اللہ نے ان کے دلوں میں اپنے حضور پیشی کے دن تک نفاق کو باقی رکھا کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ بدعہدی کی اور وہ جھوٹ بولتے رہے۔☆ ﴿۷۸﴾ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ان کے پوشیدہ رازوں اور سرگوشیوں سے بھی واقف ہے اور یہ کہ اللہ

---

نسبت دینا شرک ہرگز نہیں۔

۷۵۔۷۶ اس آیت کے شان نزول میں روایت ہے کہ انصار کا ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اصرار کرتا ہے کہ دولت کی فراوانی کے لیے دعا فرمائیں میں وعدہ کرتا ہوں اس صورت میں تمام مالی حقوق ادا کروں گا۔ چنانچہ تھوڑے عرصے میں وہ بڑا دولت مند ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا نمائندہ اس سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے گیا تو اس نے زکوٰۃ دینے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ یہ طنز بھی کیا کہ یہ تو جزیہ کا بھائی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۷۷۔ اللہ کے ساتھ بدعہدی اور بخل کا طبیعی نتیجہ یہ ہوا کہ قیامت تک کے لیے ان کے دلوں میں نفاق جاگزین ہو گیا۔ یعنی جب ان لوگوں سے مذکورہ بالا نافرمانیاں سرزد ہوئیں تو اس سے وہ اللہ کی طرف سے ہدایت و توفیق کے قابل نہ رہے۔ جب توفیق و ہدایت سلب ہو جاتی ہے تو اس کی جگہ نفاق اور کفر پر کرتا ہے۔

۷۸۔ منافقین کی اندرونی حالت پر شدید لہجہ میں تنبیہ ہو رہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں سینوں میں کس قدر عناد رکھتے ہیں اور آپس کی سرگوشیوں میں اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

۷۹۔ غزوۂ تبوک کی تیاری کے موقع پر مسلمانوں سے مالی اعانت جمع کرنے کی مہم شروع ہوئی۔ منافقین

وَنَجۡوٰىهُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ۚ ﴿۷۸﴾
اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ مِنَ
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيۡنَ لَا
يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَيَسۡخَرُوۡنَ
مِنۡهُمۡ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ
اَلِيۡمٌ ﴿۷۹﴾ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ
اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ
يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا
بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ
الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۸۰﴾ ع فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ
خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوۡۤا اَنۡ
يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ
اللّٰهِ وَقَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِى الۡحَرِّ ؕ قُلۡ

غیب کی باتوں سے بھی خوب آگاہ ہے؟☆ ﴿۷۹﴾ جو لوگ ان مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو برضا و رغبت خیرات کرتے ہیں اور جنہیں اپنی محنت و مشقت کے سوا کچھ بھی میسر نہیں ان پر ہنستے بھی ہیں، اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔☆ ﴿۸۰﴾ (اے رسول) آپ ایسے لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں یا دعا نہ کریں (مساوی ہے) اگر ستر بار بھی آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا، یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اللہ فاسقین کو ہدایت نہیں دیتا۔☆ ﴿۸۱﴾ (غزوۂ تبوک میں) پیچھے رہ جانے والے رسول اللہ کا ساتھ دیے بغیر بیٹھے رہنے پر خوش ہیں انہوں نے اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا اور کہنے لگے: اس گرمی میں مت نکلو، کہد یجیے: جہنم کی آتش کہیں زیادہ

زیادہ رقم دینے والوں پر ریاکاری کا الزام لگاتے تھے اور کوئی نادار مسلمان اپنی محنت مزدوری سے کچھ کھجوریں دیتا تو منافقین اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ مگر اللہ کو ان کا تھوڑا انفاق پسند تھا اس لیے اللہ نے ان منافقین کا مذاق اڑایا۔

رسول اکرم ﷺ سے سوال ہوا کہ کون سی خیرات بہتر ہے؟ فرمایا: نادار کی محنت و مشقت۔

۸۰۔ یعنی جب یہ لوگ بدتر جرم جو کفر اور فسق سے عبارت ہے، کے ارتکاب میں مشغول ہیں، عین اس وقت ان کے لیے درگزر اور معاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس بات کے ناممکن اور نامعقول ہونے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا: اے رسول ﷺ خواہ آپ بنفس نفیس ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں پھر بھی یہ لوگ قابل عفو و درگزر نہیں ہیں کیونکہ ان کی طرف سے جرم ہنوز جاری ہے۔ ستر سے کثرت مراد ہے، حد بندی نہیں۔

۸۱۔ ایمان کی فراست سے محروم لوگ اپنے فیصلوں کے وقتی نتائج پر خوش اور ابدی فضیحت اور دائمی رسوائی سے بے خبر ہوتے ہیں۔ دھوپ کی تپش سے بھاگتے ہوئے آتش جہنم کی تپش میں جا گرتے ہیں۔

۸۲۔ کم ہنسنے اور زیادہ رونے کا حکم تمام انسانوں کے لیے ایک کلی حکم نہیں ہے بلکہ اس آیت میں یہ حکم ان افراد کے ساتھ مخصوص ہے جو ایثار و قربانی کے مواقع

نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا
يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا
كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾
فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ
فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ
تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ
عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ
مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا
تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا
تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا
تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَ

گرم ہے، کاش وہ سمجھ پاتے۔☆ ﴿۸۲﴾ پس انہیں چاہیے کہ کم ہنسا کریں اور زیادہ رویا کریں، یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے رہے ہیں۔☆ ﴿۸۳﴾ پھر اگر اللہ آپ کو ان میں سے کسی گروہ کے پاس واپس لے جائے اور وہ آپ سے (ساتھ) نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیں: (اب) تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے اور نہ ہی میرے ساتھ کسی دشمن سے لڑائی کرو گے، پہلی مرتبہ تم نے بیٹھے رہنے کو پسند کیا لہٰذا اب پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔☆ ﴿۸۴﴾ اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس پر آپ کبھی بھی نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں، انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ نافرمانی کی حالت میں مرے ہیں۔☆ ﴿۸۵﴾ اور ان کی دولت اور اولاد کہیں آپ کو فریفتہ نہ کریں، اللہ تو بس ان چیزوں کے ذریعے انہیں دنیا میں عذاب دینا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کی جان کنی کفر کی حالت میں ہو۔☆

پر مختلف حیلے بہانے کر کے پیچھے رہتے ہیں اور جان و مال سے اللہ کی راہ میں جد و جہد نہیں کرتے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کے دور کے منافقین ایسا کیا کرتے تھے۔

۸۳۔ جو لوگ ضرورت کے وقت پیچھے ہٹتے ہیں اور آسودگی کے وقت بڑھ چڑھ کر آگے آنے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، اس آیت میں حکم ہوا کہ ایسے لوگوں کو کوئی ایسا موقع نہ دیں کہ وہ اپنے نفاق پر پردہ ڈال سکیں۔ ایسے لوگوں کو کسی عام سفر میں بھی اپنی صحبت میں نہ رکھیں، نہ کسی جہاد میں شرکت کرنے کی اجازت دیں۔

۸۴۔ نماز جنازہ پڑھنا اور میت کی قبر پر بغرض دعا و زیارت کھڑا ہونا میت کے لیے عزت و تکریم ہے۔ منافق جو مسلمانوں کی صف میں داخل نہیں ہے، اس عزت و تکریم کا مستحق نہیں ہے۔

۸۵۔ غیر مومن لوگوں کے مال و دولت اور افرادی قوت کی فراوانی پر فریفتہ نہ ہونے کا حکم ہے کیونکہ اگر غیر مومن کے پاس مال و اولاد کی فراوانی ہے تو اس کے دو برے نتائج ہیں: الف۔ بظاہر خوشحال نظر آنے کے باوجود وہ ہمیشہ اضطراب اور پریشانی کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔ ب: انہی چیزوں کی محبت اس سے حق و باطل کو سمجھنے کی صلاحیت چھین لیتی ہے اور وہ ناقابل ہدایت ہو کر کفر کی موت مرتا ہے۔

تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِذَآ
اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا
مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ
مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ
الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ
الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا
يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ
ع الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ
الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ

﴿۸۶﴾ اور جب کوئی ایسی سورت نازل ہوتی ہے (جس میں کہا جاتا ہے) کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی معیت میں جہاد کرو تو ان (منافقین) میں سے دولتمند افراد آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں چھوڑ جائیں کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ (بیٹھے) رہیں۔☆ ﴿۸۷﴾ انہوں نے گھر بیٹھنے والی عورتوں میں شامل رہنا پسند کیا اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی پس وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔☆ ﴿۸۸﴾ جب کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور (اب) ساری خوبیاں انہی کے لیے ہیں اور وہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔☆ ﴿۸۹﴾ ان کے لیے اللہ نے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی عظیم کامیابی ہے۔ ﴿۹۰﴾ اور کچھ عذر تراشنے والے صحرانشین بھی (آپکے پاس) آئے کہ انہیں بھی (پیچھے رہ جانے کی) اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جھوٹ بولا وہ (گھروں

۸۶۔ ان صاحبان ثروت منافقین کا ذکر ہے جو رسول کے ساتھ جہاد سے کتراتے تھے۔ سورہ سے مراد یہاں جزء سورہ ہے، جیسا کہ قرآن کا اطلاق جز اور کل دونوں پر ہوتا ہے۔

۸۷۔ خوش حال طبقہ ہمیشہ مراعات طلب ہوتا ہے۔ تن پروری کی وجہ سے ان میں مردانگی و حمیت بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے قرآنی تعبیر میں ان کو گھر بیٹھنے والی عورتوں میں شامل کیا گیا، جو ایک تحقیر آمیز طنز ہے۔ تن پروری نفاق کا سبب بنتی ہے اور نفاق سے انسان کے دل پر مہر لگ جاتی ہے یوں وہ دینی تعلیمات اور کائنات کے اصل و حقیقی معارف کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔

۸۸۔ سابقہ کردار کے مقابلے میں دوسرا کردار، کفر و نفاق کے سیاہ صفحات کے مقابلے میں ایمان و جہاد کے تابندہ صفحات، ذلت و رسوائی کے کردار کے مقابلے میں عزت و وقار کا کردار، دو قدروں کا مقابلہ، ہر ایک قدر کے اہل افراد کا ذکر ہے کہ عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھنے والوں کو عار و ننگ ملا ہے تو راہ خدا میں جہاد کرنے والے ساری خوبیوں کے مالک ہو گئے: اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ۔

۹۰۔ اسلام کی بقا و سربلندی سے مربوط اجتماعی امور میں شرکت ضروری ہے۔ ان میں شریک نہ ہونے کے لیے عذر تراشی اور بہانہ جوئی رسول کو جھٹلانے کے مترادف اور کفر و عذاب الیم کی موجب ہے۔

كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى
الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ
لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا
لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ
سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى
الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ
لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ
اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا
يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى
الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ
رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ
وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

میں) بیٹھے رہے، ان میں سے جو کافر ہو گئے ہیں انہیں عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا۔☆ (۹۱) ضعیفوں اور مریضوں اور ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں، نیک لوگوں پر الزام کی کوئی راہ نہیں ہوتی اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ (۹۲) اور نہ ہی ان لوگوں پر (کوئی الزام ہے) جنہوں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ ان کے لیے سواری فراہم کریں آپ نے کہا: میرے پاس کوئی سواری موجود نہیں کہ تمہیں اس پر سوار کروں (یہ سن کر) وہ واپس گئے جب کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسو بہا رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ تھا۔ (۹۳) الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہونے کے باوجود آپ سے درخواست کرتے ہیں (کہ جہاد سے معاف کیے جائیں)، انہوں نے گھر بیٹھنے والی عورتوں میں شامل رہنا پسند کیا اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی لہٰذا وہ نہیں جانتے۔

البتہ اگر کسی کے پاس معقول عذر ہو تو اسے چاہیے کہ اسلامی قیادت کے سامنے اس عذر کو پیش کرے۔

۹۱۔ کمزوری، بیماری اور مفلسی اس صورت میں قابل در گزر عذر بنتی ہیں جب یہ اس کی نیت، عزم اور ارادے کے سامنے رکاوٹ ہوں۔ یعنی یہ شخص اللہ اور رسول ﷺ کے لیے خیر خواہ تھا، جذبہ جہاد سے سرشار تھا۔ اعلان جہاد سن کر یہ بستر پر تلملاتا ہے اور جہاد میں شرکت سے رہ جانے پر افسوس کرتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے یہ چیزیں عذر نہیں بنتیں جو جہاد میں شرکت کا جذبہ نہیں رکھتے، بیماری اور ضعیفی ان کے عزم و ارادے کے سامنے رکاوٹ نہیں، بلکہ وہ تو خوش ہوتے ہیں کہ اچھے موقع پر بیماری آ گئی ورنہ یہ مصیبت اٹھانی ہی پڑتی۔

۹۲۔ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو جذبہ جہاد سے سرشار ہیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کے لیے خیر خواہ ہیں۔ لیکن ان کے اس نیک ارادے کے سامنے وسائل کا فقدان مانع ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ جنگی وسائل نہ حکومت کے پاس ہیں، نہ عوام کے پاس۔ اس وقت ان کے سچے جذبات کے گواہ ان کے مقدس رخساروں پر آنسوؤں کی شکل میں شہادت دے رہے ہیں۔

۹۳۔ اگر یہ لوگ کچھ جانتے ہوتے تو اس ذلت و رسوائی کو ہرگز پسند نہ کرتے۔ معذوروں اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں رہ کر اپنے لیے تاریخ میں عار و ننگ ثبت نہ کرتے۔ ملاحظہ ہو آیت ۸۷۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ

﴿۹۴﴾ جب تم ان کے پاس واپس پہنچ جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے، کہہ دیجیے: عذر مت تراشو! ہم تمہاری بات ہرگز نہیں مانیں گے اللہ نے ہمیں تمہارے حالات بتا دیے ہیں اور عنقریب اللہ تمہارے اعمال دیکھے گا اور اس کا رسول بھی پھر تم لوگ غیب و شہود کے جاننے والے کی طرف پلٹائے جاؤ گے پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔☆ ﴿۹۵﴾ جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو پس تم ان سے درگزر کر دینا، یہ لوگ ناپاک ہیں اور ان سے سرزد ہونے والے اعمال کی سزا میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔☆ ﴿۹۶﴾ یہ تمہارے سامنے قسم کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، پس اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ یقینا فاسق قوم سے راضی نہ ہوگا۔ ﴿۹۷﴾ یہ بادیہ نشین بدو کفر و نفاق میں انتہائی سخت ہیں اور اس قابل ہی

۹۴۔ جو منافق پیچھے رہنے والی عورتوں میں رہے ہیں وہ بہانے تراشیں گے۔ حضور ﷺ کے لیے یہ حکم ہو رہا ہے کہ آپ ان کے ان بہانوں کو قبول نہ کریں اور یہ مؤقف اختیار کریں: تمہاری گزشتہ کرتوتوں کی اللہ نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ تم کیا کرتے اور کیا کہتے ہو اور آئندہ تمہارے اعمال پر اللہ اور اس کا رسول ﷺ نظر رکھے گا کہ تم کیا کرنے والے ہو، پھر تمہیں اللہ کی بارگاہ میں اپنی کرتوتوں کا بوجھ لے کر پہنچنا ہے۔

۹۵۔ پہلے جملے لِتُعۡرِضُوۡا میں اعراض سے مراد درگزر ہے کہ وہ چاہیں گے کہ ان کے عذر قبول ہوں اور درگزر کیا جائے۔ دوسرے جملے فَاَعۡرِضُوۡا میں اعراض سے مراد بے اعتنائی ہے، یعنی ان منافقین کی باتوں کو اعتنا میں نہ لائیں کیونکہ یہ لوگ ناپاک ہیں ان کو نزدیک نہ آنے دیں۔

۹۷۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے آگے کی چند آیات غزوہ تبوک سے واپسی پر نازل ہوئی ہیں۔ یہاں ذکر دیہاتی عربوں کا ہے کہ یہ لوگ تہذیب و تمدن سے دور ہونے کی وجہ سے سخت مزاج اور تند خو ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ صحرائی لوگ کفر و نفاق میں بھی شہریوں سے زیادہ سخت مؤقف رکھنے والے ہوتے ہیں، کیونکہ علماء و صالحین کی صحبت نہ ملنے کی وجہ سے ان میں انسانی اقدار بیدار نہیں ہوتیں، اس لیے یہ لوگ اسلام کے انسان ساز

اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۹﴾ ع وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ

نہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ نازل کیا ہے ان کی حدود کو سمجھ سکیں اور اللہ بڑا دانا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۹۸﴾ اور ان بدوؤں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تم پر گردش ایام آئے، بری گردش خود ان پر آئے اور اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔ ﴿۹۹﴾ اور انہی بدوؤں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے تقرب اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ہاں یہ ان کے لیے تقرب کا ذریعہ ہے اللہ انہیں عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۱۰۰﴾ اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے سب سے پہلے سبقت کی اور جو نیک چال چلن میں ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی

دستور و احکام کو بھی نہیں سمجھ پاتے۔ اعرابیت اسلامی تہذیب و اخلاق سے دوری کو کہتے ہیں خواہ مروجہ تمدن کے مرکز میں ہی کیوں نہ ہو۔

۱۰۰۔ مہاجرین سابقین اولین وہ لوگ ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی یا جنگ بدر سے پہلے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی۔ انصار میں سابقین اولین وہ سات افراد ہیں جنہوں نے بعثت کے گیارہویں سال منیٰ کی بیعت عقبہ میں شرکت کی۔ ان کے بعد وہ ستر افراد ہیں جنہوں نے بعثت کے بارہویں سال کی بیعت میں شرکت کی۔ ان کے بعد ان لوگوں کا رتبہ آتا ہے جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے فرستادہ حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ ان کے بعد ان لوگوں کا رتبہ آتا ہے جنہوں نے جنگ بدر سے پہلے اسلام قبول کیا۔ کیونکہ سنہ ۲ ہجری میں جنگ بدر کے موقع پر منافقت شروع ہوگئی تھی۔

تابعین ان لوگوں کو کہتے ہیں جو نیک کرداری میں مہاجرین و انصار کی اتباع کریں لیکن مطلق نہیں، بِاِحۡسَانٍ کی قید کے ساتھ۔ دریابادی صاحب اس جگہ لکھتے ہیں: بہت قابل غور ہے۔ وہ مہاجر ہوں یا انصار یا صحابہ کرام کی کوئی قسم ہو، بہرحال یہ حضرات معصوم نہ تھے۔ عصمت صرف خاصۂ نبوت ہے۔ اس لیے حکم ان حضرات کی اتباع مطلق کا نہیں، بلکہ نیک کرداری میں ان کی اتباع کی جائے۔

تابعین میں قیامت تک کے تمام طبقات شامل ہیں۔ یہاں اصطلاحی تابعین کو مراد لینا درست نہیں

تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ ۛؕ وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ ۛؔ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ

ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ابد تک ہمیشہ رہیں گے یہی عظیم کامیابی ہے۔☆ ﴿۱۰۱﴾ اور تمہارے گرد و پیش کے بدوؤں میں اور خود اہل مدینہ میں بھی ایسے منافقین ہیں جو منافقت پر اڑے ہوئے ہیں، آپ انہیں نہیں جانتے (لیکن) ہم انہیں جانتے ہیں، عنقریب ہم انہیں دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔☆ ﴿۱۰۲﴾ اور کچھ دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا انہوں نے نیک عمل کے ساتھ دوسرے برے عمل کو مخلوط کیا، بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۰۳﴾ (اے رسول) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لیجیے، اس کے ذریعے آپ انہیں پاکیزہ اور بابرکت بنائیں اور ان کے حق میں دعا بھی کریں، یقیناً آپ کی دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے اور اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿۱۰۴﴾ کیا انہیں علم نہیں کہ اللہ ہی اپنے

---

ہے۔ تابعین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سابقین اولین کے کردار کو مشعل راہ بنانے کے لیے نیک کرداری اور اس کے عدم میں تمیز کریں، اس کے بغیر پیروی نہیں ہو سکتی۔ اس تمیز کرنے کو طعن کہنا درست نہیں ہے اور تمیز سے آگے بڑھنا (طعن) بھی درست نہیں ہے۔

۱۰۱۔ مدینہ کے منافق اپنی منافقت میں مشاق ہو گئے تھے۔ دو مرتبہ عذاب سے کیا مراد ہے؟ ممکن ہے اس سے مراد ایک تو مقصد میں ناکامی اور فضیحت و رسوائی ہو اور ثانیاً اپنی آنکھوں کے سامنے فروغ اسلام کا مشاہدہ کرنا نیز ممکن ہے دوسرا قبر کا عذاب ہو۔

۱۰۲۔ جنگ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں میں کچھ لوگ ضعیف الایمان بھی تھے ان لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے والوں کی مذمت میں آیات نازل ہوئی ہیں تو انہوں نے ندامت سے اپنے آپ کو ستون مسجد سے باندھا کہ رسول ﷺ خود انہیں کھولیں گے۔ یہ آیت ان کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں نازل ہوئی۔

۱۰۳۔ توبہ کی قبولیت کے بعد انہوں نے اپنے اموال رسول خدا ﷺ کی خدمت میں پیش کیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس بارے میں کوئی حکم نہیں ملا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اگرچہ شان نزول خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔

تُطَهِّرُهُمۡ: یعنی زکوۃ وصول کر کے ان کو بخل، طمع، بے رحمی اور دولت پرستی جیسے برے اوصاف سے پاک کریں۔

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ
اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ وَقُلِ
اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَ
الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ
اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ
اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ
اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ

بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات بھی وصول کرتا ہے
اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔
﴿١٠٤﴾ اور کہد یجیے: لوگو! عمل کرو کہ تمہارے عمل کو عنقریب
اللہ اور اس کا رسول اور مومنین دیکھیں گے اور پھر جلد ہی
تمہیں غیب و شہود کے جاننے والے کی طرف پلٹا دیا جائے گا
پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔☆ ﴿١٠٥﴾ اور
کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے،
وہ چاہے انہیں عذاب دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول
کرے اور اللہ بڑا دانا، حکیم ہے۔ ﴿١٠٦﴾ اور کچھ لوگ ایسے
ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی ضرر رسانی اور کفر اور مومنین
میں پھوٹ ڈالنے کے لیے نیز ان لوگوں کی کمین گاہ کے
طور پر جو پہلے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑ چکے ہیں اور
وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارے ارادے فقط نیک
تھے، لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔☆
﴿١٠٧﴾ آپ ہرگز اس مسجد میں کھڑے نہ ہوں، البتہ جو مسجد

---

تُزَكِّيْهِمْ: یعنی ان میں سخاوت، ہمدردی اور ایثار و قربانی جیسے اچھے اوصاف کو پروان چڑھائیں۔ اس طرح زکوۃ، اوصاف رذیلہ کی تطہیر اور اوصاف حمیدہ کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

١٠٥۔ یعنی تم اس زندگی میں جو عمل خیر یا عمل شر انجام دو گے، اس سے اللہ آگاہ ہے۔ وہ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ہے۔ اس سے اس کائنات میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ کائنات اللہ کا دربار ہے۔ دربار میں بیٹھ کر جو بھی کام انجام دیا جاتا ہے وہ صاحب دربار سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

وَرَسُوْلُهٗ: اللہ کا رسول بھی تمہارے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ تمہارے اعمال کے شاہد ہیں۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ: اور مومنین بھی تمہارے اعمال پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہوں گے کیونکہ یہ لوگ بھی تمہارے اعمال کے شاہد ہیں۔ ائمہ اہل البیت علیہم السلام کی تفسیر و روایت کے مطابق المؤمنون سے مراد ائمہ اہل البیت علیہم السلام ہیں۔

وَسَتُرَدُّوْنَ: آخرت کے دن خود تم بھی اپنے اعمال کا مشاہدہ کرو گے، جب اللہ کی بارگاہ میں جوابدہی کے لیے حاضر کیے جاؤ گے۔

اس آیت میں اگرچہ روئے سخن منافقین کی طرف ہے لیکن یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ قرآنی تعبیر دیکھنا چاہیے۔ تعبیر اگر عام ہے تو قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہے، صرف نزول قرآن کے زمانے کے مخاطبین تک محدود نہیں ہے۔

١٠٧۔ رسول کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے مضافات میں آباد محلہ قبا میں قیام فرمایا۔ ایک جگہ نماز کے لیے معین فرمائی۔ اسی جگہ بعد میں ایک مسجد تعمیر ہوئی جو مسجد قبا

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ ع إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ

پہلے ہی دن سے تقویٰ کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو صاف اور پاکیزہ رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔☆ ﴿١٠٩﴾ بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خوف خدا اور اس کی رضا طلبی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی ہو، چنانچہ وہ (عمارت) اسے لے کر آتش جہنم میں جا گرے؟ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔☆ ﴿١١٠﴾ ان لوگوں کی بنائی ہوئی یہ عمارت ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں اور اللہ بڑا دانا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿١١١﴾ یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں، یہ توریت و انجیل اور قرآن میں

---

سے مشہور ہے۔ منافقین نے اس کے مقابلے میں ایک اور مسجد بنائی اور بہانہ یہ بنایا کہ یہ مسجد ان لوگوں کے لیے ہے جو ضعیفی، کمزوری، تاریکی اور بارش کی وجہ سے مسجد قبا نہیں جا سکتے اور رسول کریم ﷺ سے درخواست کی کہ ایک بار اس مسجد میں تشریف لے آئیں۔ تبوک سے واپسی پر یہ آیات نازل ہوئیں اور اس مسجد کی تعمیر کے پیچھے جو منافقانہ محرکات تھے ان کو فاش کیا۔

۱۰۸ یعنی مسجد ضرار میں کھڑے ہونے کی نہی ہے۔ کھڑے ہونے سے مراد نماز کے لیے کھڑا ہونا۔ جیسے قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (مزمل: ۲) میں قیام سے مراد نماز کا قیام ہے۔ مسجد قبا کے بارے میں فرمایا: یہ مسجد تقویٰ کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے کہ اس میں اللہ کی عبادت ہو، مومنین کا اجتماع ہو، باہمی تعاون و تعارف ہو اور نفاق و خود غرضی سے پاک لوگوں کا اس مسجد میں اجتماع ہوتا ہے، لہٰذا آپ ﷺ اس پاک مسجد میں نماز پڑھیں۔

۱۰۹۔ دونوں مسجدوں کے بانیان میں فرق کو واضح فرما رہا ہے کہ ایک بانی اپنی عمارت کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر استوار کرتا ہے اس کو ثبات اور دوام حاصل ہے۔ جبکہ دوسرا بانی اپنی عمارت کو کھائی کے کنارے پر بناتا ہے تو ایسے بانی کی نہ صرف عمارت اس کھائی میں گر جاتی ہے بلکہ خود بانی کو لے کر گر جائے گی اور وہ بھی جہنم کی آگ میں۔

۱۱۰۔ کیونکہ اس عمارت کے بنانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن مذموم مقاصد کے لیے انہوں نے یہ عمارت بنائی تھی وہ بھی پورے نہیں ہوئے اور ساتھ دنیا میں رسوائی اور فضیحت سے بھی دوچار ہو گئے۔ یہ ندامت اور حسرت ان کے دلوں میں مرتے دم تک رہے گی۔ دلوں کا پاش پاش ہونا، ممکن ہے موت کی طرف

| | |
|---|---|
| يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ | اللہ کے ذمے پکا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنا عہد پورا |
| الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ | کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ پس تم نے اللہ کے ساتھ جو سودا |
| مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ | کیا ہے اس پر خوشی مناؤ اور یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے۔☆ |
| بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾ | ﴿١١٢﴾ (یہ لوگ) توبہ کرنے والے، عبادت گزار، ثنا کرنے |
| اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ | والے، (راہ خدا میں) سفر کرنے والے، رکوع کرنے |
| الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ | والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کی دعوت دینے والے اور |
| وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ | برائی سے روکنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے |
| لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ مَا | ہیں اور (اے رسول) مومنین کو خوشخبری سنا دیجیے۔☆ |
| كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ | ﴿١١٣﴾ نبی اور ایمان والوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مشرکوں کے |
| يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ | لیے مغفرت طلب کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی |
| قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ | کیوں نہ ہوں جبکہ یہ بات ان پر عیاں ہو چکی ہے کہ وہ جہنم |
| الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ | والے ہیں۔☆ ﴿١١٤﴾ اور (وہاں) ابراہیم کا اپنے باپ |
| لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ | (چچا) کے لیے مغفرت طلب کرنا اس وعدے کی وجہ سے تھا |

اشارہ ہو۔

١١١۔ دائرہ ایمان میں داخل ہونے کا مطلب صرف دعوائے ایمان نہیں ہے۔ ایمان اپنے رب کے ساتھ ایک معاملہ اور اپنے مالک کے ساتھ ایک عہد ہے۔ اس معاملے کا ایک فریق اللہ تعالیٰ اور دوسرا فریق عبد مومن ہے۔ جس مال کا سودا ہو رہا ہے وہ مومن کی جان و مال ہے اور اس کی قیمت جنت اور سندِ معاملہ توریت، انجیل اور قرآن ہیں۔

١١٢۔ آیت ١١١ میں جس مبارک سودے اور خرید و فروخت کا شرف جن مؤمنین کو حاصل ہوا ہے تو وہ صرف زبانی دعووں کی وجہ سے نہیں، بلکہ آیت ١١٢ میں مذکورہ صفات کے حامل ہونے کی بنا پر تعمیر اور ارتقائے معاشرہ کے داعی بن جاتے ہیں۔ اسلام چونکہ انسان ساز اور حیات بخش عقائد اور اعمال و اقدار کا حامل دین ہے۔ اللہ کے ساتھ جان و مال کا معاملہ کرنے والے اس حیات آفرین دستور حیات کی حفاظت کرنے میں جہاد سے کام لیتے ہیں اور اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ اس عظیم کامیابی پر خوشی مناتے ہیں۔

١١٣۔ شرک، اللہ کی وحدانیت کے ساتھ بڑی گستاخی اور ناقابل معافی جرم ہے۔ اس آیت کی شان نزول میں متعدد روایات ہیں۔ سیاق آیت سے قریب روایت یہ ہے کہ کچھ اصحاب نے کہا: جب حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے باپ کے لیے استغفار کیا ہے تو ہم بھی اپنے آبا و اجداد کے لیے استغفار کیوں نہ کریں؟

مگر غیر امامیہ کے صحاح میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب ؑ کی وفات کے موقع پر نازل ہوئی ہے جب حضرت ابوطالب ؑ کی طرف سے کلمہ پڑھنے سے انکار کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے استغفار کیا۔ یہ روایت از لحاظ متن و سند قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ اولاً سورۂ توبہ سنہ ٩ ہجری میں نازل ہوئی ہے جبکہ حضرت ابوطالب ؑ

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا

جوانہوں نے اس کے ساتھ کر رکھا تھا لیکن جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ وہ دشمن خدا ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، ابراہیم یقینا نرم دل اور بردبار تھے۔ ﴿۱۱۴﴾ اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا یہاں تک کہ ان پر یہ واضح کر دے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا ہے، بتحقیق اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔☆ ﴿۱۱۵﴾ آسمانوں اور زمین کی سلطنت یقینا اللہ ہی کے لیے ہے، زندگی بھی وہی دیتا ہے اور موت بھی اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔ ﴿۱۱۶﴾ بتحقیق اللہ نے نبی پر اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے مشکل گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا تھا بعد اس کے کہ ان میں سے بعض کے دلوں میں کجی آنے ہی والی تھی پھر اللہ نے انہیں معاف کر دیا، بے شک وہ ان پر بڑا شفقت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۱۷﴾ اور

---

نے ہجرت سے پہلے وفات پائی ہے۔ ثانیاً اس کا راوی سعید بن مسیب ناصبی ہے جیسا کہ واقدی نے لکھا ہے کہ اس نے امام زین العابدین ؑ کے جنازے میں شرکت تک گوارا نہیں کی۔ ثالثاً اس آیت کی شان نزول میں روایات مضطرب ہیں۔ مثلاً غیر امامیہ کے مصادر میں ابن عباس، ابن مسعود اور عطیہ کی طرف سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی والدہ حضرت آمنہ کے لیے استغفار کیا تو اس آیت کے ذریعے منع کیا گیا۔ (معاذ اللہ) (المنار ۲: ۵۸)

۱۱۵۔ اس آیت کے شان نزول میں آیا ہے کہ کچھ مسلمان بعض فرائض، واجبات کے نزول سے پہلے وفات پا گئے تو چند افراد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جو افراد ان واجبات کو بجا نہیں لائے اور وفات پا گئے ان کا کیا انجام ہو گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا: بیان احکام سے پہلے جو لوگ وفات پا گئے ہیں ان سے باز پرس نہ ہو گی۔ باز پرس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں پر احکام واضح ہو گئے ہوں، حجت پوری ہو چکی ہو اس کے باوجود بلا عذر ان کو انجام نہ دیں۔

۱۱۷۔ اس آیت میں لفظ تاب دو بار آیا ہے۔ پہلی بار بیان فضیلت کے ساتھ ہے، لہٰذا توبہ یہاں اللہ کی طرف سے شفقت اور مہربانی کے معنوں میں ہے۔ دوسری بار ایک کوتاہی (دلوں میں کجی آنے والی تھی) کے ذکر کے بعد یہاں توبہ معافی کے مفہوم کی حامل ہے۔ لہٰذا یہ کہنا سراسر ناانصافی ہے کہ پہلی بار کی توبہ بھی معافی کے معنوں میں ہے اور (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ سے بھی لغزش سرزد ہوئی تھی۔

۱۱۸۔ یہ تین اصحاب کعب بن مالک، بلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ ان حضرات نے پہلے بھی اپنے

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ
ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا
مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ط ثُمَّ تَابَ
عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ط إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾ ع يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا
اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾ مَا كَانَ
لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ
الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ
وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ط ذَٰلِكَ
بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا
مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ
مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ
مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ

ان تینوں کو بھی (معاف کر دیا) جو (تبوک میں) پیچھے رہ گئے تھے، جب اپنی وسعت کے باوجود زمین ان پر تنگ ہوگئی تھی اور اپنی جانیں خود ان پر دوبھر ہوگئی تھیں اور انہوں نے دیکھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے بچنے کے لیے خود اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں تو اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ (١١٩) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔☆ (١٢٠) اہل مدینہ اور گرد و پیش کے بدوؤں کو یہ حق حاصل ہی نہ تھا کہ وہ رسول خدا سے پیچھے رہ جائیں اور اپنی جانوں کو رسول کی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں، یہ اس لیے کہ انہیں نہ پیاس کی تکلیف ہوگی اور نہ مشقت کی اور نہ راہ خدا میں بھوک کی اور نہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھائیں گے جو کافروں کو ناگوار گزرے اور نہ انہیں دشمن سے کوئی گزند پہنچے گا مگر یہ کہ ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے، بے شک اللہ

خلوص کا مظاہرہ کیا اور جنگ تبوک میں عدم شرکت کے لیے منافقین کی طرح عذر تراشی نہیں کی بلکہ اعتراف جرم کر لیا۔ مسلمانوں کو ان سے سلام و کلام کرنے کی ممانعت ہوگئی۔ چالیس دن کے بعد ان کو اپنی بیویوں سے بھی الگ کر دینے کا حکم ہوا۔ پچاس روز بعد ان کے لیے معافی کا حکم لے کر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہاں بندے کی ایک توبہ لِيَتُوبُوا، اللہ کی دو مہربانیوں تَابَ اور التَّوَّابُ کے درمیان ہے۔

منافقین کو سزا نہیں دی گئی لیکن چند راست گو مومنین کو سزا ملی کہ انہوں نے مؤمن ہو کر منافقین والا کام کیوں کیا۔

١١٩۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ الصّٰدِقِيْنَ سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ یہی روایت ابن عساکر نے حضرت امام محمد باقرؑ سے نقل کی ہے۔ واضح رہے کہ حقیقی معنوں میں صادق وہ ہے جس سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہوا ہو جو اس کے ایمان و عقیدے کے خلاف ہو، اسے معصوم کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے فخر الدین رازی نے اس آیت سے یہ سمجھا ہے کہ معصوم کی اتباع واجب ہے اور ہر زمانے میں ایک معصوم کا ہونا لازمی ہے، ورنہ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کا حکم بے معنی ہو جاتا ہے۔ مگر وہ آگے چل کر اس معصوم کی تلاش میں راہ گم کر جاتے ہیں۔

١٢٠۔ نَيْلًا: اس کا مادہ ن و ل ہے تو عطاء کے معنوں میں آتا ہے اور اگر مادہ ن ی ل ہے تو یہ گزند پہنچانے، گالی دینے کے معنوں میں آتا ہے۔ لسان العرب میں آیا ہے: و فلان ینال من عرض فلان اذا سبه، اور کہتے ہیں: و هو ینال من ماله و ینال من عدوه اذا وَتَرَه فی مال او شیء۔ لہٰذا اس آیت میں نَيْلًا گزند پہنچانے کے معنوں

صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾ وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ

نیکی کرنے والوں کا ثواب ضائع نہیں کرتا۔☆ ﴿١٢١﴾ اور (اسی طرح) وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور جب کوئی وادی (بغرض جہاد) پار کرتے ہیں تو یہ سب ان کے حق میں لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے اچھے اعمال کا صلہ دے۔ ﴿١٢٢﴾ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب مومنین نکل کھڑے ہوں، پھر کیوں نہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے تاکہ وہ دین کی سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو انہیں تنبیہ کریں تاکہ وہ (ہلاکت خیز باتوں سے) بچے رہیں۔☆ ﴿١٢٣﴾ اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے نزدیک ہیں اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر ٹھوس شدت کا احساس کریں اور جان رکھو اللہ متقین کے ساتھ ہے۔☆ ﴿١٢٤﴾ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ (از راہ تمسخر) کہتے ہیں: اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا

---

میں ہے۔ اس جگہ اکثر مترجمین کو اشتباہ ہوا ہے کہ تَنَبُّہ حاصل ہونے کے معنوں میں لیا ہے، جس کا آیت کے سیاق کے ساتھ کوئی ربط نہیں بنتا۔

۱۲۲۔ یہ آیت دینی تعلیم کے لیے ایک دستور وضع کرتی ہے: یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مومنین دینی تعلیم یا جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ ایسا کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا کیوں نہ ان کے ہر گروہ سے ایک جماعت علمی مراکز کی طرف سفر کرے، جہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس آئے اور اپنی قوم کو تعلیم دے۔ تفقہ فی الدین دین کی سمجھ سے مراد صرف اصطلاحی فقہ نہیں ہے بلکہ اسلامی نظام حیات کا فہم و ادراک ہے۔ بالفاظ دیگر ہر وہ علم جو مسلمانوں کے لیے دین و دنیا میں فائدہ مند ہو دینی علم ہے۔ ہاں استعمار نے علم کو علم دین اور علوم دنیا میں تقسیم کیا ہے۔

۱۲۳۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ سرحدی علاقوں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اگر علاقے میں اسلام کے لیے خطرہ ہو تو وہ دفاع کرتے ہوئے کفار کے ساتھ جنگ کریں اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اسلامی اصولوں اور اقدار پر عمل کرنے کے حوالے سے غیر لچکدار رویہ رکھیں تاکہ کفار کو محسوس ہو کہ مسلمان اپنے موقف میں کسی قسم کی سودے بازی اور سازش کا شکار نہیں ہوں گے۔ دشمن ہمیشہ اپنے مدمقابل کا کمزور پہلو تلاش کرتا ہے تاکہ وہاں سے اس پر حملہ کرے۔ جب اسلام دشمن دیکھیں گے کہ مسلمان ہر اعتبار سے مضبوط ہیں اور ٹھوس موقف رکھتے ہیں اور ان میں کوئی کمزور پہلو نہیں تو وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔ آیت میں اس خصوصیت کے حصول کا طریقہ تقویٰ الٰہی ذکر ہوا ہے کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

اِيۡمَانًا‌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿١٢٥﴾ اَوَلَا يَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ فِىۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ ثُمَّ لَا يَتُوۡبُوۡنَ وَلَا هُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿١٢٦﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا‌ ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿١٢٧﴾ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿١٢٨﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ‌ۖ

ہے؟ پس ایمان والوں کے ایمان میں تو اس نے اضافہ ہی کیا ہے اور وہ خوشحال ہیں۔☆ ﴿١٢٥﴾ اور البتہ جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کی نجاست پر اس نے مزید نجاست کا اضافہ کیا ہے اور وہ مرتے دم تک کفر پر ڈٹے رہے۔☆ ﴿١٢٦﴾ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ انہیں ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے؟ پھر نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی عبرت حاصل کرتے ہیں۔ ﴿١٢٧﴾ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ کوئی تمہیں دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر نکل کر بھاگتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر رکھا ہے کیونکہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں۔ ﴿١٢٨﴾ بتحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہیں تکلیف میں دیکھنا ان پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مومنین کے لیے نہایت شفیق، مہربان ہے۔☆ ﴿١٢٩﴾ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کہ

۱۲۴۔۱۲۵۔ منافق اپنے دل کی کیفیت پر دوسروں کو قیاس کرتے ہوئے یہ خیال کرتے تھے کہ جس طرح ان کے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے، اسی طرح کسی کے دل پر اس کا کوئی اثر مترتب نہیں ہو رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس تصور کی رد میں فرمایا کہ سارے دل یکساں نہیں ہوتے۔ اگرچہ قرآن سب کے لیے ہدایت ہے مگر اس سے فیض لینے والے یکساں نہیں۔ آفتاب سب کو نور دیتا ہے، بارش سب کے لیے فیض دیتی ہے، لیکن فیض لینے والے یکساں نہیں ہوتے۔ مومن کا دل زرخیز ہوتا ہے اس پر قرآنی بارش جس قدر زیادہ برسے گی اتنی ہی اس میں شادابی آئے گی جب کہ منافق کا دل شورہ زار ہے، اس پر قرآنی بارش جس قدر زیادہ برسے گی اتنا ہی اس کی شورہ زاری میں اضافہ ہوگا۔ یعنی ہر جدید سورہ ایک معجزہ، ایک رہنمائی، ایک حیات بخش دستور لے کر آتا ہے تو مومن کا دل ایمان کے نور سے اور منور ہوتا ہے، جبکہ کافر پہلے بھی شک میں تھا، جدید سورہ میں بھی شک کرتا ہے تو اس کے شک اور خباثت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

۱۲۸۔ منافقین کے خلاف مذکورہ رویہ اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ وہ رحمت حق اور رحمت رسول ﷺ کے اہل نہیں ورنہ رسول رحمت ﷺ کی خصوصیات یہ ہیں: ☆ تمہیں تکلیف میں دیکھنا اسے شاق گزرتا ہے۔☆ وہ تمہاری بھلائی کے نہایت آرزومند

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۲۹﴾ ع

دیجیے: میرے لیے اللہ ہی کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

۱۰ سُوۡرَةُ يُوۡنُسَ مَكِّيَّةٌ ۵۱ — اٰیاتہا ۱۰۹ — رکوعاتہا ۱۱

سورۂ یونس ۔مکی۔آیات ۱۰۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ؕ

(۱) الف لام را۔ یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت والی ہے۔ (۲) کیا لوگوں کے لیے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے خود انہیں میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی کہ لوگوں کو تنبیہ کرے اور جو ایمان لائیں انہیں بشارت دے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچا مقام ہے، (اس پر) کافروں نے کہا: یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے۔☆ (۳) یقینا تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر اس نے عرش پر اقتدار قائم کیا، وہ تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے، یہی اللہ تو تمہارا رب ہے پس

ہیں۔☆ وہ مومنین کے لیے نہایت شفیق و مہربان ہیں۔

سورۂ یونس

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا اور مضمون سورہ سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے اواخر میں نازل ہوا ہو گا جب مسلمانوں پر سختیوں میں اور اضافہ ہوا ہے، جس کی بنا پر مسلمانوں کو فتح و نصرت کی نوید دی جاتی تھی: وَلَا يَرۡهَقُ وُجُوۡهَهُمۡ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ (۱۰:۲۶) ان کے چہروں پر نہ سیاہ (دھبہ) ہو گا نہ ذلت (کے آثار)۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس سورہ سے پہلے قرآن کا ایک معتدبہ حصہ نازل ہو چکا تھا۔ چنانچہ منکرین کا یہ مطالبہ اسی سورہ میں ہے: ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اس کو بدل دو یعنی ترمیم کرو۔ (یونس:۱۵)

اس سورہ میں باقی سورہ ہائے مکی کی طرح اصول عقائد کے بارے میں مباحث ملتے ہیں، یعنی توحید، نبوت، حیات اخروی اور ان پر منکرین کی طرف سے عائد کردہ شبہات کا جواب اور تحریک توحید کے تاریخ ساز انبیاء اور ان کے مقابلے میں آنے والے منکرین کا ذکر۔

۲۔ معاندین اور منکرین کے خیالات کے برخلاف یہ کتاب حکمت آمیز باتوں سے پر ہے۔ نہ شاعرانہ تخیلات کا مجموعہ ہے نہ زبانی جادوگری ہے بلکہ یہ قرآن حکیمانہ باتوں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کراتا ہے۔ لوگوں کو فکر و نظر کی دعوت دیتا ہے۔ عقل و استدلال اور منطق کو قیمت دیتا ہے۔ لوگوں کے باطل رجحانات کو فروغ دے کر ان کا استحصال نہیں کرتا بلکہ باطل نظریات کا مقابلہ کر کے لوگوں کی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ
بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ
الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ
الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ
يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ
فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

اس کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت نہیں لیتے ؟☆ ۝۴ تم سب
کی بازگشت اسی کی طرف ہے، اللہ کا وعدہ حق پر مبنی ہے،
وہی خلقت کی ابتدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے
گا تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے انہیں
انصاف کے ساتھ جزا دے اور جو کافر ہوئے انہیں اپنے کفر
کی پاداش میں کھولتا ہوا پانی پینا ہو گا اور انہیں دردناک
عذاب (بھی) بھگتنا ہو گا۔☆ ۝۵ وہی تو ہے جس نے
سورج کو روشن کیا اور چاند کو چمک دی اور اس کی منزلیں
بنائیں تا کہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کر سکو، اللہ نے
یہ سب کچھ صرف حق کی بنیاد پر خلق کیا ہے، وہ صاحبان علم
کے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے۔☆ ۝۶ بے
شک رات اور دن کی آمد و رفت میں اور جو کچھ اللہ نے
آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان میں ان لوگوں کے
لیے نشانیاں ہیں جو (ہلاکت سے) بچنا چاہتے ہیں۔☆

یہ لوگ نہ وحی کو سمجھ سکے، نہ ہی انسانی مقام کو۔ ان
کے خیال میں انسان اس بات کا اہل نہیں ہے کہ اللہ
کا نمائندہ بنے۔
پوری تاریخ میں منکرین نے ہمیشہ انبیاء کو ساحر کہا
ہے۔ یہ الزام اس بات کا اعتراف ہے کہ رسول
اسلام ﷺ عام بشری سطح سے بالاتر ہیں اور جادو کا
الزام صرف انکار کے لیے بہانہ ہے۔
۳۔ کائنات کو چھ مختلف مرحلوں میں پیدا کرنے کے
بعد وہ عرش سلطنت پر متمکن ہوا۔ کوئی چیز اس کے
قبضۂ اقتدار اور تدبیر سے خارج نہیں ہے اور اس
کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کے
تحت ہو رہا ہے، یعنی اس کے حکم و تدبیر یا اس کے
اذن سے ہو رہا ہے اور اس کائنات کی تدبیر و تنظیم کا
وہی منتہی ہے۔ اگر کوئی کام اس کے اذن سے ہوتا
ہے، مثلاً شفاعت تو بھی مرکز و مصدر تنظیم و تدبیر وہی
ذات ہے۔
۴۔ انسانی خلقت میں یہ بات ودیعت کر دی گئی ہے
کہ اسے اللہ کی بارگاہ تک جانا ہے۔ لہٰذا اپنی جائے
بازگشت سے پہلے جن ارتقائی مراحل سے گزرنا ہوتا
ہے ان میں انسان کو لاکھ نعمت و آسائش میسر آئے
اسے نہ صرف یہ کہ قرار نہیں آتا بلکہ مزید بے چین
ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ اس دنیا کے لیے خلق نہیں کیا گیا
ہے۔
جو اس انسان کو عدم سے وجود میں لایا ہے وہی اسے
دوبارہ پیدا کرے گا۔ اگر دوبارہ پیدا کرنا نہ ہوتا تو
ابتدا میں بھی پیدا نہ کرتا کیونکہ نیک لوگوں کو جزا اور
برے لوگوں کو سزا نہ ملے تو یہ زندگی عبث ہو جاتی
ہے۔
۵۔ سورج اور چاند اہل ارض کے لیے قدرت کے دو
حسین مناظر ہیں۔ چاند رات کی تاریکی میں چراغ

يَتَّقُوْنَ ⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ⑦ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑧ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑨ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑩ ع وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ

⑦ بے شک جولوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیاوی زندگی ہی پر راضی ہیں اور اسی میں اطمینان محسوس کرتے ہیں اور جولوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں، ⑧ ان کا ٹھکانا جہنم ہے ان اعمال کی پاداش میں جن کا یہ ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ ⑨ جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے بے شک ان کا رب ان کے ایمان کے سبب انہیں نعمتوں والی جنتوں کی راہ دکھائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔☆ ⑩ جہاں ان کی صدا سبحانک اللّٰھم (اے اللہ تیری ذات پاک ہے) اور وہاں ان کی تحیت سلام ہوگی اور ان کی دعا کا خاتمہ الحمدللہ رب العالمین ہوگا۔☆ ⑪ اور اگر اللہ لوگوں کے ساتھ (ان کی بداعمالیوں کی سزا میں) برا معاملہ کرنے میں اسی طرح عجلت سے کام لیتا جس طرح وہ لوگ (دنیا کی) بھلائی کی طلب میں جلد بازی کرتے ہیں تو ان کی مہلت کبھی کی ختم ہوچکی ہوتی، لیکن جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے ہم انہیں

---

کا کام دینے کے ساتھ ساتھ قدرتی تقویم بھی ہے جس سے ہر خواندہ ناخواندہ استفادہ کرسکتا ہے اور مہینے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے کہ پندرہ دنوں میں چاند بڑھتا جاتا ہے اور دوسرے پندرہ دنوں میں گھٹتا رہتا ہے۔ اس طرح مہینوں کا حساب آسان اور سادہ بنایا ہے۔

۶۔ قرآن وجدان، عقل اور قلب سے سروکار رکھتا ہے۔ لیکن اس آیت میں صاحبان تقویٰ کو یہ دعوت دی جارہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل و خرد والوں کو ہی خطرے کا احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس طرح تقویٰ یعنی اپنا بچاؤ کرنا عقل و خرد کا لازمہ ہے۔

۹۔ جنات نعیم تک رہنمائی کے لیے بنیادی محرک ایمان ہے اور عمل صالح اس محرک کے لیے معاون ہے۔ چونکہ عمل صالح کے لیے بھی ایمان محرک ہے، لہٰذا ایمان انسان کو ارتقائی منازل سے گزار کر منتہائے مقصود یعنی اللہ تک پہنچانے کا ضامن ہے: وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (نجم: ۴۲) اور یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ جنت تقرب الٰہی کی ایک تعبیر ہے۔

۱۰۔ اس قرب الٰہی کی فضا میں اہل جنت کے لیے سب سے زیادہ محبوب ترین مشغلہ وہی تسبیح ہوگی جس تسبیح سے وہ دنیاوی زندگی میں مانوس رہ چکے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ دنیا میں وہ اپنے رب پر ایمان بالغیب رکھتے تھے اور آخرت میں شہود کے مرحلے میں داخل ہوئے ہوں گے، پردے اٹھ گئے ہوں گے اور اللہ کی عظمت اور اس کی بے پایاں رحمتوں کا قریب سے مشاہدہ کر رہے ہوں گے۔ ایسے ماحول میں سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کے ورد میں کیا کیف و سرور ہوگا اس کا اندازہ ہم اس مادی ماحول میں نہیں کرسکتے۔

۱۱۔ منکرین، رسول اکرم ﷺ سے کہتے تھے: اگر

لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ⑪ وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑫ وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ⑬ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓىِٕفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ

مہلت دیے رکھتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔☆ ⑫ اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹے، بیٹھے اور کھڑے ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس سے تکلیف دور کر دیتے ہیں تو ایسا چل دیتا ہے گویا اس نے کسی تکلیف پر جو اسے پہنچی ہمیں پکارا ہی نہیں، حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے ان کے اعمال اسی طرح خوشنما بنا دیے گئے ہیں۔☆ ⑬ اور بتحقیق تم سے پہلی قوموں کو بھی ہم نے اس وقت ہلاک کیا جب وہ ظلم کے مرتکب ہوئے اور ان کے رسول واضح دلائل لے کر ان کے پاس آئے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے، ہم مجرموں کو ایسے ہی سزا دیتے ہیں۔☆ ⑭ پھر ان کے بعد ہم نے زمین میں تمہیں جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔☆ ⑮ اور جب انہیں ہماری آیات کھول کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں: اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسے بدل دو،

آپ ﷺ سچے ہیں تو وہ عذاب کیوں نہیں آتا جس کی آپ ﷺ دھمکی دے رہے ہیں۔ جواب میں فرمایا: اگر اللہ تمہیں عذاب دینے میں وہی عجلت کرے جو تم پر رحم کرنے میں فرماتا ہے تو تمہاری مہلت کا وقت ختم ہو چکا ہوتا۔

۱۲۔ عام طور پر انسان صرف مصیبت کے وقت سہارا ڈھونڈتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اللہ کی ذات ہی واحد سہارا ہے، لہٰذا وہ اسی کے در پر دستک دیتا ہے۔ لیکن جب اس سے تکلیف دور کر دی جاتی ہے۔ جسم صحت مند، دولت فراوان، حالات سازگار اور لوگوں میں باوقار ہو جاتا ہے تو اللہ کو یوں مکمل بھول جاتا ہے جیسے اس ذات سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہ پڑا ہو۔

۱۳۔ ۱۴ مخاطب قوم کو اس کی حیثیت کا احساس دلایا جا رہا ہے کہ تم گزشتہ قوموں کے جانشین اور اسی سنت الٰہی کی زد میں ہو۔ جس امتحانی مرحلے سے وہ گزرے ہیں اسی سے تم بھی گزر رہے ہو۔

۱۵۔ عرب جاہلیت کے لیے قرآن عقیدۃً و عملاً قابل قبول نہ تھا۔ عقیدۃً قرآن توحید کی دعوت دیتا ہے اور اللہ کی ذات کے سوا تمام لات و عزیٰ کی نفی کرتا ہے۔ یہاں شرک و بت پرستی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے اور عملاً قرآن نے جو انسان ساز دستور زندگی پیش کیا ہے وہ سراسر ان کے مفادات اور خواہشات کے خلاف تھا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ یہ نیا دین ان کے عقائد اور مفادات کو تحفظ دے۔ دوسرے لفظوں میں وہ چاہتے تھے یا تو اس قرآن کو چھوڑ کر ایک اور قرآن ایسا بنا لائیں جو ان کے نظریات و خواہشات کے مطابق ہو یا اسی قرآن میں ترمیم کر کے ان مواد کو نکال دیں جو انہیں پسند نہیں ہیں۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

کہد یجیے: مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اسے بدل دوں، میں تو اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے، میں اپنے رب کی نافرمانی کی صورت میں بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔☆ ﴿۱۵﴾ کہد یجیے: اگر اللہ چاہتا تو میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی اللہ تمہیں اس سے آگاہ کرتا، اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔☆ ﴿۱۶﴾ پس اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے؟ مجرم لوگ یقینا فلاح نہیں پائیں گے۔ ﴿۱۷﴾ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ انہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ انہیں کوئی فائدہ دے سکتے ہیں اور (پھر بھی) کہتے ہیں: یہ اللہ کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں، کہد یجیے: کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو نہ آسمانوں میں معلوم ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک و

۱۶۔ جواب کا سلسلہ جاری ہے کہ کہد یجیے کہ یہ قرآن مشیت الٰہی کے تابع ہے، اگر وہ چاہتا تو اس قرآن کو پیش نہ کرتا، جیسا کہ میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں، اس مدت میں کوئی قرآن پیش نہیں کیا اور جس شخص نے اپنی چالیس سالہ زندگی کے کسی حصہ میں خیانت نہ کی ہو اور جس کا مزاج جعل، فریب اور جھوٹ سے آشنا ہی نہ ہو وہ یکایک اتنی بڑی فریب کاری کرنا شروع کر دے، ایک پوری کتاب ایک دین اور ایک نظام گھڑ کر اللہ کی طرف نسبت دینا شروع کر دے ممکن نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضورؐ چالیس سال کی زندگی ان کلام شناس اور فصاحت و بلاغت کے مالک عربوں کے درمیان گزار چکے ہیں۔ انہیں حضورؐ کے طرز کلام انداز بیان، اسلوب سخن کا علم تھا۔ کیا قرآن اسی انداز و اسلوب کا مظہر ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس شک کے لیے گنجائش ہے کہ یہ محمدؐ کی اپنی تصنیف ہے اور اگر ان دونوں اسلوبوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے تو یہ ان کی اپنی تصنیف کیسے ہو سکتی ہے؟

تیسری بات یہ ہے حضورؐ نے چالیس سال کی زندگی ان لوگوں کے سامنے گزاری۔ اس مدت میں نہ کسی معلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، نہ کسی سے کتاب پڑھی، نہ کسی قانون کا مطالعہ کیا، نہ کسی دستور زندگی اور نظام حیات سے واسطہ پڑا، نہ شعر و خطابت میں حصہ لیا، آج ایک ایسا کلام پیش کرتے ہیں کہ اسلوب و ترکیب میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور جامع نظام حیات لے کر آتا ہے جو قیامت تک کے لیے قابل عمل ہے۔ لہٰذا یہ کلام کسی انسان کی تصنیف نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کلام الٰہی ہے۔

۱۹۔ علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ فرماتے ہیں:

يُشۡرِكُوۡنَ ۝١٨ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخۡتَلَفُوۡا ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ فِيۡمَا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ۝١٩ وَيَقُوۡلُوۡنَ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلۡ اِنَّمَا الۡغَيۡبُ لِلّٰهِ فَانۡتَظِرُوۡا ۚ اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ۝٢٠ ع وَاِذَاۤ اَذَقۡنَا النَّاسَ رَحۡمَةً مِّنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُمۡ اِذَا لَهُمۡ مَّكۡرٌ فِىۡۤ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسۡرَعُ مَكۡرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكۡتُبُوۡنَ مَا تَمۡكُرُوۡنَ ۝٢١ هُوَ الَّذِىۡ يُسَيِّرُكُمۡ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنۡتُمۡ فِى الۡفُلۡكِ ۚ وَجَرَيۡنَ بِهِمۡ بِرِيۡحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوۡا بِهَا جَآءَتۡهَا رِيۡحٌ

بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ (۱۹) اور سب انسان ایک ہی امت تھے پھر اختلاف رونما ہوا اور اگر آپ کا رب پہلے طے نہ کر چکا ہوتا تو ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دیا جاتا جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔☆ (۲۰) اور کہتے ہیں: اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ پس کہد یجیے: غیب تو صرف اللہ کے ساتھ مختص ہے پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔☆ (۲۱) اور جب انہیں پہنچنے والے مصائب کے بعد ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری آیات کے بارے میں حیلے بازیاں شروع کر دیتے ہیں، کہد یجیے: اللہ کا حیلہ تم سے زیادہ تیز ہے، بیشک ہمارے فرشتے تمہاری حیلے بازیاں لکھ رہے ہیں۔☆ (۲۲) وہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے، چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ لوگوں کو لے کر باد موافق کی مدد سے چلتی ہیں اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اتنے میں کشتی کو مخالف تیز ہوا کا تھپیڑا لگتا

لوگوں کے درمیان دو قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ دنیاوی معاملات کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعے ختم کیا۔ دوسرا اختلاف خود دین کے بارے میں ہے۔ یہ طبعی اختلاف نہیں بلکہ مفادات کا اختلاف ہے۔ یہاں ہدایت اور ضلالت کی دو راہیں جدا ہو جاتی ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ عجلت سے کام نہیں لیتا بلکہ ایک وقت تک انہیں مہلت دیتا ہے۔

۲۰۔ قرآن کی متعدد آیات میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ لوگ حضور ﷺ سے ایسے محسوس معجزے کا مطالبہ کرتے تھے جیسے سابقہ انبیاء علیہم السلام نے دکھائے ہیں اور قرآن کو معجزہ تسلیم نہیں کرتے تھے اور ساتھ قرآن کے چیلنج کا جواب بھی نہیں دے سکتے تھے۔ اس مطالبہ کا اس آیت میں یہ جواب دیا گیا ہے کہ غیب تو صرف اللہ کے ساتھ مختص ہے۔ تم انتظار کرو، فرمائشی معجزے کے بعد اگر ایمان نہ لائے تو مہلت نہیں دی جاتی۔ اس لیے فرمائشی معجزہ نہ دینے کی صورت میں انتظار کے لیے موقع رہ جاتا ہے۔

۲۱۔ جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے وہ اللہ کی نعمتوں پر بھی ایمان نہیں رکھتے اللہ نے اگر انہیں کسی مصیبت سے نجات دلا دی تو وہ اس کی دوسری توجیہیں کرتے ہیں، اس میں اللہ کی مشیت و ارادے کی نفی کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں اس قسم کی تنگی اور راحت سے تو ہمارے باپ دادا بھی دو چار رہے ہیں یعنی یہ طبیعت کا کھیل ہے قدرت کا کرشمہ نہیں۔ جو لوگ اللہ کی رحمتوں کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کی مادی توجیہ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو سامنے معجزہ رکھا جائے تو بھی وہ اس کی کوئی اور توجیہ کریں گے جیسا کہ آج کل کے مغرب زدہ اور شکست خوردہ ذہنوں نے معجزات انبیاء علیہم السلام کی

عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ
وَّ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِيۡطَ بِهِمۡ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ
مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ لَئِنۡ اَنۡجَيۡتَنَا مِنۡ
هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ
اَنۡجٰىهُمۡ اِذَا هُمۡ يَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ
الۡحَـقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡيُكُمۡ
عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ ۙ مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖ ثُمَّ
اِلَيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ فَنُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا
كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ
نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا يَاۡكُلُ النَّاسُ
وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ
زُخۡرُفَهَا وَازَّيَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ

ہے اور ہر طرف سے موجیں ان کی طرف آنے لگتی ہیں اور وہ
خیال کرتے ہیں کہ (طوفان میں) گھر گئے ہیں تو اس وقت
وہ اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے دعا کرتے
ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے بچایا تو ہم ضرور
بالضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔☆ ﴿۲۲﴾ پھر جب
خدا نے انہیں بچا لیا تو یہ لوگ زمین میں ناحق بغاوت کرنے
لگے، اے لوگو تمہاری یہ بغاوت خود تمہارے خلاف ہے، دنیا
کے چند روزہ مزے لے لو پھر تمہیں ہماری طرف پلٹ کر
آنا ہے پھر اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ تم کیا کرتے
رہے ہو۔☆ ﴿۲۳﴾ دنیاوی زندگی کی مثال یقینا اس پانی کی
سی ہے جسے ہم نے آسمان سے برسایا جس سے زمین کی
نباتات گھنی ہو گئیں جن میں سے انسان اور جانور سب
کھاتے ہیں پھر جب زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہو
گئی اور زمین کے مالک یہ خیال کرنے لگے کہ اب وہ اس پر
قابو پا چکے ہیں تو (ناگہاں) رات کے وقت یا دن کے وقت

مادی توجیہ کرنا شروع کیا ہے۔

۲۲۔ یہ ان دلائل میں سے ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کا تصور ہر انسان کے نفس اور اس کی فطرت میں ودیعت ہے لیکن جب بیرونی رکاوٹیں اس فطرت سلیمہ کے تقاضوں کے خلاف ہوتی ہیں تو انسان فطری راہوں سے منحرف ہو جاتا ہے۔ مثلاً علم دوستی بھی انسانی فطرت میں ودیعت ہے لیکن منفی تربیت جیسی رکاوٹوں کی وجہ سے فطری تقاضے جامۂ عمل نہیں پہن سکتے۔ جب یہ بیرونی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور جن ظاہری اسباب کے دھوکے میں یہ گم تھا، وہ سب ٹوٹ جاتے ہیں تو اس وقت فطرت سلیمہ کو اپنا تقاضا پورا کرنے کا موقع ملتا ہے اور بے ساختہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس جگہ اس انسان کو کسی نبی، عالم یا ناصح نے نہیں بلکہ صرف اس کی فطرت سلیمہ نے اسے اللہ یاد دلایا تو یہ مان گیا: مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ پھر اسی کو پکارا۔

۲۳۔ مشروط ایمان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حالت اضطرار سے نکلنے کے بعد پھر کفر و انکار اور بغاوت پر اتر آتا ہے کیونکہ اسے اللہ کی بارگاہ میں معرفت نے نہیں اضطرار نے پہنچایا تھا۔ اضطرار ختم ہونے کے بعد وہ اللہ کی طرف رخ نہیں کرتا۔

اس کے بعد انسانی ضمیر اور وجدان سے خطاب کر کے فرمایا: لوگو! اس بغاوت سے اللہ کی سلطنت و حکومت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دنیا کے چند دنوں کے عوض آخرت کی ابدی زندگی تباہ کر کے خود تم اپنے خلاف قدم اٹھا رہے ہو۔ اس کا علم تمہیں اس وقت ہو گا جب تم ہماری بارگاہ میں پہنچ جاؤ گے۔ روایت ہے: الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا۔ (بحار الانوار ۴: ۴۳) لوگ خواب غفلت میں ہوتے

قُدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٥﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَ

اس پر ہمارا حکم آ پڑا تو ہم نے اسے کاٹ کر ایسا صاف کر ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ بھی موجود نہ تھا، غور وفکر سے کام لینے والوں کے لیے ہم اپنی نشانیاں اس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں۔☆ ﴿۲۵﴾ اللہ (تمہیں) سلامت کدے کی طرف بلاتا ہے اور جسے وہ چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔☆ ﴿۲۶﴾ جنہوں نے نیکی کی ہے ان کے لیے نیکی ہے اور مزید بھی، ان کے چہروں پر نہ سیاہ دھبہ ہوگا اور نہ ذلت (کے آثار)، یہ جنت والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔☆ ﴿۲۷﴾ اور جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے تو بدی کی سزا بھی ویسی ہی (بدی) ہے اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا گویا ان کے چہروں پر تاریک رات کے سیاہ (پردوں کے) ٹکڑے پڑے ہوئے ہوں، یہ جہنم والے ہیں، اس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔☆ ﴿۲۸﴾ اور جس دن ہم ان سب کو (اپنی

---

ہیں، جب مرجاتے ہیں تو بیدار ہوتے ہیں۔

۲۴۔ یہ دنیا کی زیب وزینت، یہاں کے کیف وسرور کی بے ثباتی کی ایک مثال ہے کہ انسان خواہ اس محدود زندگی کو کتنا ہی آراستہ وخوشنما بنائے، بالآخر ایک مختصر مدت کے بعد اس زندگی کو ساتھ چھوڑنا ہے، وہ بھی عین اس عالم میں کہ انسان یہاں کی رعنائیوں سے خوب لطف اندوز ہو رہا ہے، یہاں کی نعمتوں میں نازاں ہے اور دیر تک زندہ رہنے کے آرزو میں مگن ہے۔ عین اس عالم میں اللہ کا حکم آ پڑتا ہے اور روئے زمین سے اس کا وجود ایسا ناپید کر دیا جاتا ہے کہ گویا وہ کل یہاں تھا ہی نہیں۔

کیا انسان ایسی ناپائیدار زندگی کے لیے آخرت کی ابدی زندگی کو تباہ کرتا ہے؟ یہ غور وفکر کا مقام ہے، اسی لیے آیت کا مخاطب صاحبان غور وفکر ہیں۔

۲۵۔ مقام تعجب ہے کہ مالک اپنے بندوں کو اپنی رحمتوں اور امن وسلامتی کی طرف بلاتا ہے مگر بندوں کو اس دعوت کے قبول کرنے میں تامل ہے۔

۲۶۔ زِیَادَۃٌ سے مراد اصل ثواب اور اس کے دس گنا سے بھی زیادہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ الحسنی میں دس گنا ثواب ہے اور زِیَادَۃٌ میں کوئی حد بندی نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ (ق:۳۵) اس جنت میں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہتے ہیں اور مزید بھی ہے۔ یعنی انسانی خواہشات سے بھی زیادہ نعمتیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جنت کی نعمتیں دنیوی فہم و ادراک سے بھی بالاتر ہیں اور انسانی خواہشات جنت کی نعمتوں کے مقابلے میں بہت محدود ہیں۔

۲۷۔ نیکی کا بدلہ تو دس گنا اور اس سے بھی زیادہ ملے گا جبکہ برائی کا بدلہ صرف اسی برائی کے برابر ملے گا، اس سے زیادہ نہیں۔ یعنی جتنی برائی ہے اتنی سزا دی

يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع النصف قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ

عدالت میں) جمع کریں گے پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے: تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہر جاؤ، پھر ہم ان میں جدائی ڈال دیں گے تو ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت تونہیں کرتے تھے۔☆ ﴿۲۹﴾ پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے، تمہاری اس عبادت سے ہم بالکل بے خبر تھے۔ ﴿۳۰﴾ اس مقام پر ہر کوئی اپنے اس عمل کو جانچ لے گا جو وہ آگے بھیج چکا ہوگا اور پھر وہ اپنے مالک حقیقی اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو بہتان وہ باندھا کرتے تھے ان سے ناپید ہو جائیں گے۔☆ ﴿۳۱﴾ کہدیجیے: تمہیں آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ سماعت اور بصارت کا مالک کون ہے؟ اور کون ہے جو بے جان سے جاندار کو پیدا کرتا ہے اور جاندار سے بے جان کو پیدا کرتا ہے؟ اور کون امور (عالم) کی تدبیر کر رہا ہے؟ پس وہ کہیں گے: اللہ، پس کہدیجیے: تو پھر تم بچتے کیوں نہیں ہو؟☆ ﴿۳۲﴾ پس یہی اللہ تمہارا برحق رب ہے، پھر حق کے

---

جائے گی۔ اس سزا سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ اگر یہ برائی شرک ہے تو کوئی شفاعت کرنے والا بھی شفاعت نہیں کر سکے گا۔

اس کے بعد اس برائی کا جو بھی بدلہ ہوگا اس کی ایک تصویر یہاں بیان ہوئی کہ ان کو تہ بہ تہ تاریکیوں میں ڈالا جائے گا کہ کچھ بھی دکھائی نہ دے، کیونکہ تاریکی یاس و نومیدی میں مبتلا کرتی ہے۔

۲۸۔۲۹ مشرکین جن شریکوں کی عبادت کرتے رہے ہیں کل بروز قیامت وہ شریک اس بات کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تونہیں کرتے تھے۔ اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عبادت ہوتی ہی نہیں ہے۔ ان مشرکوں نے حقیقی معبود کی عبادت کی نہیں اور جن کی عبادت کی تھی وہ معبود تھے نہیں، لہٰذا ان کی یہ عبادت رائیگاں گئی۔ مثلاً ایک شخص ایک انسان کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت کرتا رہا ہے اور کل اس انسان سے سوال ہو تو وہ انکار کرے گا کہ میری کسی نے عبادت نہیں کی۔ کیونکہ اس نے نہ کسی کی دعا سنی ہے، نہ اس تک کوئی پکار پہنچی ہے، نہ سجدہ و خشوع کا اسے علم ہے۔ اس طرح اس کی یہ عبادت نہ صرف رائیگاں گئی بلکہ مشرک ہونے کی وجہ سے وبال جان بن گئی۔

۳۰۔ دنیا میں انسان اپنے اعمال کے بارے میں غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے لیکن قیامت کے دن وہ اپنے اعمال کا مشاہدہ کرے گا تو وہ اسے اپنے حقیقی خدوخال میں نظر آئیں گے۔

۳۱۔ آسمان اور زمین سے رزق دینے والا اللہ ہے۔ آسمان کا ذکر پہلے آیا، شاید اس لحاظ سے کہ انسانی ضروریات اور روزی کا اکثر حصہ آسمان کی طرف سے ہے۔ پھر زمین کا نمبر آتا ہے اَمَّنْ يَّمْلِكُ اور تم خود مانتے ہو کہ کون تمہارے سمع و بصر کا مالک ہے۔ آج کی جاہلیت کو بہتر پتہ چلا ہے کہ سمع و بصر کی خلقت ایسی نہیں کہ ایک چیز سے دوسری چیز اتفاقاً جڑ گئی تو سماعت اور بصارت کی قوت وجود میں

رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا

بعد گمراہی کے سوا کیا رہ گیا؟ پھر تم کدھر پھرائے جا رہے ہو؟☆ ﴿۳۳﴾ اس طرح (ان فاسقوں کے بارے میں) آپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ﴿۳۴﴾ کہد یجیے: کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہو پھر اسے دوبارہ بھی پیدا کرے؟ کہد یجیے: اللہ تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بھی پیدا کرے گا، پھر تم کدھر الٹے جا رہے ہو۔ ﴿۳۵﴾ کہد یجیے: کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف ہدایت کرے؟ کہد یجیے: حق کی طرف صرف اللہ ہدایت کرتا ہے تو پھر (بتاؤ کہ) جو حق کی راہ دکھاتا ہے وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود اپنی راہ نہیں پاتا جب تک اس کی رہنمائی نہ کی جائے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟☆ ﴿۳۶﴾ ان میں سے اکثر محض ظن کی پیروی کرتے ہیں جب کہ ظن انسان کو حق (کی ضرورت) سے ذرہ برابر بے نیاز نہیں کرتا، اللہ ان کے اعمال سے خوب آگاہی رکھتا ہے۔

آ گئی، بلکہ ان کی خلقت کے اندر تہ بہ تہ پیچیدگیوں سے پتہ چلتا ہے ان کی خلقت کے پیچھے ایک باشعور ذات کا ارادہ کارفرما ہے۔

۳۲۔ اگر تم مانتے ہو کہ اللہ ہی رازق، مالک، حیات دینے والا اور مدبر ہے تو یہی اللہ تمہارا برحق رب ہے اور برحق رب ہی معبود ہوتا ہے، لہٰذا اللہ ہی تمہارا معبود برحق ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ معبود کوئی ہو اور رب کوئی اور۔ جب حق بات واضح ہو گئی کہ اللہ رب ہے اور معبود بھی، تو حق اور باطل کے درمیان کوئی تیسری بات تو ہے نہیں، لہٰذا جو بھی اس حق کے خلاف ہو گا، وہ باطل ہی ہو گا اور جن کی تم پوجا کرتے ہو وہ رازق ہیں نہ مالک، نہ حیات دہندہ ہیں، نہ امور جہاں کی تدبیر ان کے ہاتھ میں ہے، تو وہ تمہاری عبادت کے حقدار کیسے بن گئے؟

۳۵۔ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ: حق کی طرف اللہ ہی ہدایت کرتا ہے۔ حق امر واقع کو کہتے ہیں۔ واقع کی اتباع تمام عقلاء کے نزدیک ضروری ہے۔ لہٰذا جو حق تک پہنچائے اس کی اتباع بھی ضروری ہے۔ اس آیت میں یہ سوال اٹھایا: کیا اتباع اس کی ہونی چاہیے جو بذات خود حق تک پہنچا دیتا ہے یا اس کی جو خود محتاج ہدایت ہے؟ آیت کی صراحت ہے کہ جو خود ہدایت کا محتاج ہے وہ ہدایت نہیں دے سکتا۔ ہدایت صرف وہ دے سکتا ہے جو خود محتاج ہدایت نہ ہو۔ یعنی اللہ ہی ہدایت دے سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں سلسلہ ہدایت کا سرچشمہ اللہ ہی ہے۔ یہ بالکل وجود کی طرح ہے جو بذات خود وجود نہیں رکھتا، وہ دوسروں کو وجود نہیں دے سکتا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہدایت خلقت کا لازمہ ہے، ہدایت کے بغیر غرض تخلیق پوری نہیں ہوتی، بلکہ ہدایت کے بغیر تخلیق عبث ہو جاتی ہے۔ لہٰذا خلقت اور ہدایت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں: قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۔ (طٰہ: ۵۰) ہمارا رب تو وہ ہے جس نے ہر شی

يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ
يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ
الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا
رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ قف اَمْ
يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ
مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا
لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ
كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ
بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ ع وَاِنْ
كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ج

﴿٣٧﴾ اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس قرآن کو اللہ کے سوا کوئی اور
اپنی طرف سے بنا لائے بلکہ یہ تو اس سے پہلے جو (کتاب)
آچکی ہے اس کی تصدیق ہے اور تمام (آسمانی) کتابوں کی
تفصیل ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ رب العالمین کی
طرف سے ہے۔☆ ﴿٣٨﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن
کو (محمد نے) از خود بنایا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر تم (اپنے الزام
میں) سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ
کے سوا جسے تم بلا سکتے ہو بلا لاؤ۔☆ ﴿٣٩﴾ بلکہ (حقیقت یہ
ہے کہ) انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جو ان کے احاطہ علم میں
نہیں آئی اور ابھی اس کا انجام بھی ان کے سامنے نہیں کھلا،
اسی طرح ان سے پہلوں نے بھی جھٹلایا تھا، پھر دیکھ لو ان
ظالموں کا کیا انجام ہوا۔☆ ﴿٤٠﴾ اور ان میں سے کچھ ایسے
ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ایمان نہیں
لاتے اور آپ کا رب ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔☆
﴿٤١﴾ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجیے: میرا عمل
میرے لیے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لیے، تم میرے عمل

کو خلقت عنایت کی پھر ہدایت و راہنمائی بھی
عنایت فرمائی۔ چنانچہ ہر مخلوق کو اس کی زندگی کی
ضروریات اور طریقہ حیات و تولید نسل کی ہدایات
اس کی فطرت میں ودیعت کر دی ہے۔

۳۷۔ ۳۸ امکان کی نفی ہے یعنی ممکن ہی نہیں کہ یہ
قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہو۔ اس پر خود قرآن
شاہد ہے جو سب کے سامنے ہے۔

هٰذَا الْقُرْاٰنُ: اس قرآن کا کائناتی تصور، اس کے
ملکوتی معانی اور ماورائے طبیعی موضوعات، الٰہیاتی
حقائق پھر انسانوں کے درمیان زیر استعمال حروف
و جملوں کی حدود میں رہ کر ایک اسلوب بیان کے
اندر سمو دینا، ایک ناخواندہ ماحول میں پیدا ہونے
والا فرد تو کیا تمام جن و انس مل کر بھی ایسا کلام پیش
نہیں کر سکتے۔ اس جگہ ابو جہل کا اعتراف قابل ذکر
ہے۔ وہ کہتا ہے: محمد ﷺ نے کسی انسان پر افترا نہیں
باندھا تو وہ اللہ پر کیسے افترا باندھیں گے۔

۳۹۔ ان لوگوں کو قرآنی حقائق کا علم ہی نہیں تو ان
چیزوں کی تکذیب کر رہے ہیں جو ان کے احاطۂ علم
میں آئی ہی نہیں اور نہ ہی اس کی تکذیب کا انجام جو
خود عذاب سے عبارت ہے، ابھی ان کے سامنے
کھلا ہے۔ جب عذاب الٰہی ان کے سامنے آئے گا
تو وہ بطور اضطرار تصدیق کریں گے، وہاں تکذیب
کی گنجائش نہیں ہے۔

تاویل سے مراد اس تکذیب کا انجام ہے، یعنی
عذاب جو ان کے سامنے نہیں، اس کا انہیں علم نہیں
ہے، نہ بذات خود علم رکھتے ہیں، نہ رسول کے
ذریعے علم حاصل کرتے ہیں۔ تکذیب کا یہ عمل بھی
اپنی جگہ انوکھا نہیں۔ سابقہ انبیاء میں کوئی نبی ایسا
نہیں گزرا جس کی تکذیب نہ کی گئی ہو۔

۴۰۔ ۴۱ آج جو لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں،
ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو آئندہ ایمان
لائیں گے۔ انہیں کی وجہ سے ان پر عذاب نازل
نہیں ہوتا۔ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو مرتے دم

أَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيْٓءٌ
مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ
إِلَيْكَ ۭ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا
يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ إِلَيْكَ ۭ
أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا
يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ
شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾
وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا إِلَّا
سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ
قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ
وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ
بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ
فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا

سے بری ہو اور میں تمہارے عمل سے بری ہوں۔☆ (۴۲) اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگائے بیٹھے ہیں، پھر کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں خواہ وہ عقل نہ رکھتے ہوں؟ (۴۳) اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں پھر کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں خواہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں۔ (۴۴) اللہ یقیناً لوگوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ لوگ ہیں جو اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (۴۵) اور جس (قیامت کے) دن اللہ انہیں جمع کرے گا تو (دنیا کی زندگی یوں لگے گی) گویا وہ دن کی ایک گھڑی بھر سے زیادہ یہاں نہیں رہے وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا وہ خسارے میں رہے اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے۔☆ (۴۶) اور جس (عذاب) کا ہم ان کافروں سے وعدہ کر رہے ہیں اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو زندگی میں دکھا دیں یا آپ کو پہلے (ہی دنیا) سے اٹھا لیں انہیں بہر حال پلٹ کر ہماری بارگاہ میں آنا ہے پھر جو کچھ یہ لوگ کر رہے

تک ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے ایمان نہ لانے کا محرک ان کا مفسد ہونا ہے۔ اللہ کو ان مفسدین کا خوب علم ہے، یہ کون لوگ ہیں۔

دوسری آیت میں وہ موقف بتایا جو ان مفسدین کے ساتھ اختیار کیا جانا چاہیے کہ پہلے تو ان مفسدین کو حق کی طرف دعوت دی جائے، انکار کی صورت میں ان سے بیزاری اختیار کرنی چاہیے۔ کسی قسم کے جبر و اکراہ سے کام نہیں لینا چاہیے۔

۴۵۔ جب ان منکرین کو اللہ کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا تو یہ لوگ اپنے آگے ایک بے پایاں زندگی کا مشاہدہ کریں گے اور دنیا کی زندگی اس ابدی زندگی کے مقابلے میں نہایت حقیر محسوس ہوگی گویا کہ ایک گھڑی تھی جو غفلت میں گزر گئی، ایک لمحہ تھا جو بیہودگی میں بسر ہوا۔ اس وقت انہیں احساس ہوگا کہ اس حقیر زندگی کی خاطر اپنی ابدی زندگی تباہ کر کے انہوں نے کتنا بڑا خسارہ اٹھایا ہے۔

۴۶۔ منکرین کو ذلت اور شکست و خواری جیسے عذاب سے دوچار ہونا ہوگا۔ یہ سورہ مکی ہونے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس وعدے کا مطلب سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ اللہ کے اس سچے وعدے کے بعد بدر کی نکبت سے لے کر فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کو طلقا (آزاد کردہ) قرار دینے تک، پھر حنین کی شکست کو نظر میں لایا جائے تو اللہ کے اس وعدے کی سچائی ثابت ہو جاتی ہے کہ اس عذاب کا ایک حصہ رسول ﷺ کی زندگی میں ان منکرین پر نازل ہوگیا۔ چنانچہ سابقہ امتوں کو دفعتہً عذاب دے کر تباہ کر دیا اور رسول آخر الزمان ﷺ کی رسالت کے منکرین کو تدریجاً ختم کر دیا، البتہ دفعتہً عذاب نازل نہ کرنا اس امت پر اللہ کی رحمت ہے اور وجود رسول ﷺ کی برکت۔

يَفْعَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ۗ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۗ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ۗ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ

ہیں اس پر اللہ شاہد ہے۔☆ ﴿٤٧﴾ اور ہر امت کے لیے ایک رسول (بھیجا گیا) ہے، پھر جب ان کا رسول آتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم روا نہیں رکھا جاتا۔ ﴿٤٨﴾ اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ﴿٤٩﴾ کہہ دیجیے: میں اللہ کی منشا کے بغیر اپنے نقصان اور نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتا، ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جب ان کا مقررہ وقت آئے گا تو وہ گھڑی بھر کے لیے نہ تاخیر کر سکیں گے اور نہ تقدیم۔☆ ﴿٥٠﴾ ان سے کہہ دیجیے: مجھے بتاؤ کہ اللہ کا عذاب رات کو یا دن کو تم پر آ جائے؟ ایسی کون سی چیز ہے جس کے لیے یہ مجرم جلد بازی کرتے ہیں؟ ﴿٥١﴾ کیا جب عذاب آ چکے گا تب اس پر ایمان لاؤ گے؟ کیا اب (بچنا چاہتے ہو؟) حالانکہ تم خود اسے جلدی چاہ رہے تھے۔ ﴿٥٢﴾ پھر ظالموں سے کہا جائے گا: دائمی عذاب چکھو، جو تم کرتے رہے ہو اس کی سزا

۴۹۔ منکرین یہ بات طنز و تکذیب کے طور پر کہتے تھے کہ تمہاری دھمکی کب پوری ہو گی؟ جواب میں فرمایا: اے رسولؐ! کہہ دیجیے کہ یہ وعدہ میں نے نہیں، اللہ نے کیا ہے اور اسے پورا کرنے کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ سے ہٹ کر تو میں اپنے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔ یعنی میں بذات خود کوئی اختیار نہیں رکھتا، جو کچھ رکھتا ہوں وہ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ (مگر جو اللہ چاہے) کے تحت رکھتا ہوں۔ یہ اللہ کے مقابلے میں ذاتی اختیار کی نفی ہے۔ اللہ کی طرف سے اس کی مشیت کے تحت عطا کردہ اختیارات کی نہ صرف نفی نہیں ہے بلکہ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ لہٰذا سرور کائنات ﷺ کو ان غیر اذن یافتہ مشائخ و اولیاء پر قیاس کرنا بہت بڑی ناانصافی ہے۔ نہ معلوم بعض مفسرین کی نگاہیں صرف لَآ اَمْلِكُ پر کیوں مرکوز ہوتی ہیں اور اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ کو کیوں نظرانداز کرتے ہیں؟ مَامِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ (یونس: ۳) میں جملہ مَامِنْ شَفِيْعٍ کے ساتھ انہیں بڑی دلچسپی ہوتی ہے، لیکن اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ سے نگاہیں چراتے ہیں۔ بالکل اس شخص کی طرح جو کہتا ہے:

کلوا و اشربوا را فراگوش کن
و لا تسرفوا را فراموش کن

البتہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اذن دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔ اللہ کے علاوہ ساری دنیا کے انسان جمع ہو کر بھی ایک فرد کو نہ الٰہی منصب دے سکتے ہیں اور نہ ولی بنا سکتے ہیں۔

۵۳۔ منکرین اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کی تکذیب کرتے تھے لیکن وہ اندر سے خوفزدہ بھی تھے اور پوچھتے تھے کہ یہ دھمکی صرف دہشت زدہ کرنے کے لیے ہے یا واقعی ہے؟ جواب نہایت ٹھوس لفظوں

اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ

کے علاوہ اور تمہیں کیا مل سکتا ہے؟ ﴿٥٢﴾ اور یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں (کہ جو آپ کہہ رہے ہیں) کیا وہ حق ہے؟ کہد یجیے: ہاں! میرے رب کی قسم یقینا یہی حق ہے اور تم اللہ کو کسی طرح عاجز نہیں کر سکتے۔☆ ﴿٥٣﴾ اور جس جس نے ظلم کیا ہے اگر اس کے پاس روئے زمین کی دولت بھی ہوتب بھی وہ (عذاب سے بچنے کے لیے یہ پوری دولت) فدیہ دینے پر آمادہ ہو جائے گا اور جب عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو دل ہی دل میں پشیمان ہوں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔☆ ﴿٥٤﴾ آگاہ رہو! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے یقینا وہ اللہ کی ملکیت ہے، اس بات پر بھی آگاہ رہو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿٥٥﴾ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جاؤ گے۔ ﴿٥٦﴾ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے (یہ قرآن) تمہارے پاس نصیحت اور تمہارے دلوں کی بیماری کے لیے شفا اور مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت بن کر آیا ہے۔☆ ﴿٥٧﴾ کہد یجیے: اللہ کے اس فضل اور اس کی

---

میں دیا کہ اس عذاب نے حتماً آنا ہے جب یہ عذاب آئے گا تو اس وقت تم کچھ کر بھی نہیں سکتے۔

۵۴۔ عذاب کی شدت اور حدت کی طرف اشارہ ہے کہ منکرین اس سے بچنے کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہوں گے اور رسوائی کا یہ عالم ہو گا کہ وہ اپنی ندامت کا اظہار بھی نہیں کر پائیں گے اور دل ہی دل میں پچھتاتے رہیں گے۔

۵۵۔ پوری کائنات کی ملکیت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی صاحب اختیار نہیں ہے جو اس کے وعدے کی تکمیل میں رکاوٹ بنے۔ موت و حیات بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں یوں تمام مخلوقات نے بالآخر اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، لہٰذا اللہ اپنی حکمت بالغہ سے جیسے چاہے گا تصرف کرے گا۔ یوں وعدۂ الٰہی کے مطابق عمل ہو کر رہے گا تو سچ ثابت ہوگا۔

یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ اس کے جواب میں فرمایا: اس وعدے کا تعلق اس الٰہی قانون و دستور کے ساتھ ہے جو تمام قوموں پر حاکم ہے۔ وہ دستور یہ ہے کہ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ۔ ہر امت کے لیے ایک عمر ہوتی ہے اور ایک وقت مقرر ہے، اس عمر کو پورا کرنے کے بعد مہلت نہیں دی جائے گی۔

۵۷۔☆ قرآن موعظہ ہے اور انسان کو ہر قسم کے خطرات سے بچاتا ہے۔ ☆ قرآن دل کی تمام بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ ☆ قرآن ہدایت ہے۔ یہ انسان کو ہر قسم کے ہلاکت خیز راستوں سے بچا کر راہ راست کی طرف لے جاتا ہے۔☆ قرآن رحمت ہے اور ارحم الراحمین کی تجلی ہے۔ یہ ہیں وہ ارتقائی مراحل جو مَّوْعِظَةٌ سے شروع ہو کر رَحْمَةٌ پر ختم ہوتے ہیں۔

۵۸۔ قرآن کے ذریعے جس فضل و کرم سے اللہ نے

فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰ ع وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ

اس رحمت کو پا کر لوگوں کو خوش ہونا چاہیے کیونکہ یہ اس (مال و متاع) سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔☆ ۵۹ کہد یجیے: مجھے بتاؤ کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لیے نازل کیا ہے اس میں سے تم از خود کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال ٹھہراتے ہو؟ کہد یجیے: کیا اللہ نے تمہیں (اس بات کی) اجازت دی ہے یا تم اللہ پر افترا کر رہے ہو؟☆ ۶۰ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا کیا خیال ہے قیامت کے دن کے بارے میں کہ (اللہ ان کیساتھ کیا سلوک کرے گا؟) اللہ تو لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔ ۶۱ اور (اے نبی) آپ جس حال میں ہوتے ہیں اور آپ قرآن میں سے اللہ کی طرف سے جو تلاوت کر رہے ہوتے ہیں اور تم لوگ جو عمل بھی کرتے ہو دوران مصروفیت ہم تم پر ناظر ہیں اور زمین اور آسمان کی ذرہ برابر اور اس سے چھوٹی یا بڑی کوئی

---

اپنے بندوں کو نوازا اور قرآن کو فیضان رحمت کا وسیلہ بنایا ہے، وہ مومن کے لیے متاع حیات و سرمایہ زندگی ہے۔ اگر انسان نے کسی چیز کو پا کر خوش ہونا ہے تو اس فضل و رحمت کو پا کر خوش ہونا چاہیے۔

۵۹۔ قانون سازی کا حق، اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کا حصہ ہے۔ لہٰذا اللہ کی حاکمیت اعلیٰ میں مداخلت کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ کل مشرکین تشریع و تقنین (قانون سازی) میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ میں مداخلت کرتے تھے، آج مسلمان اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کرنے کے بعد بھی قانون سازی کے معاملے میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ میں مداخلت کرتے ہیں۔

قیاس و استحسان ذاتی رائے ہے، ما اذن اللہ میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا ان چیزوں سے حلال و حرام ثابت کرنا مداخلت فی التشریع ہے، خواہ اس پر کتنا زور صرف کر دیا جائے۔ کیونکہ قیاس میں محل نص کے علاوہ غیر منصوص کا حکم ذاتی رائے سے نکالا جاتا ہے۔

۶۲۔ اولیاء اللہ کے دل میں ہمیشہ یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں آداب زندگی میں خلل نہ آئے۔ یہ خوف ولی اللہ کو ہر خوف سے نجات دلاتا ہے۔ وہ رنجیدہ و غمگین نہیں ہوتے، کیونکہ غمگین وہ ہوتا ہے جس نے کسی متاع عزیز کو کھویا ہو۔ ولی اللہ کا نعرہ یہ ہے: ما ذا وجد من فقدک و ما الذی فقد من وجدک۔ جس نے تجھے کھویا اس نے کیا پایا اور جس نے تجھے پایا اس نے کیا کھویا؟ (امام حسین علیہ السلام دعائے عرفہ۔ بحار الانوار ۹۵:۲۲۶)

إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

وقف لازم

چیز ایسی نہیں جو آپ کے رب سے پوشیدہ ہو اور روشن کتاب میں درج نہ ہو۔ (۶۲) سنو! جو اولیاء اللہ ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔☆ (۶۳) جو ایمان لائے اور تقویٰ پر عمل کیا کرتے تھے۔☆ (۶۴) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی، اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں آ سکتی، یہی بڑی کامیابی ہے۔ (۶۵) اور (اے نبی) آپ کو ان (کافروں) کی باتیں رنجیدہ نہ کریں ساری بالادستی یقیناً اللہ کے لیے ہے، وہ خوب سننے والا، دانا ہے۔ (۶۶) آگاہ رہو! جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے یقیناً سب اللہ کی ملکیت ہے اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے پیچھے نہیں چلتے بلکہ صرف ظن کے پیچھے چلتے ہیں اور وہ فقط اندازوں سے کام لیتے ہیں۔☆ (۶۷) اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ اس میں تم آرام کرو اور دن کو روشن بنایا،

۶۳۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے خاص بندوں کا ذکر فرماتا ہے تو پورے اہتمام کے ساتھ پہلے توجہ مبذول کراتا ہے اَلَا سنو! آگاہ رہو۔ اسکے بعد مضمون شروع ہو جاتا ہے۔

ولی، الولاء و التوالی کے اصل معنی بقول راغب اصفہانی دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا اس طرح یکے بعد دیگرے آنا کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ آئے جو ان میں سے نہ ہو۔ آگے لکھتے ہیں: الولایۃ بکسر واو کے معنی نصرت اور الولایۃ بفتح الواو کے معنی کسی کام کے متولی ہونے کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے یہ وَلایۃ، وِلایۃ کی طرح ہے یعنی اس میں دو لغت ہیں اور اس کے اصل معنی کسی کام کا متولی ہونے کے ہیں۔

اس تشریح کے مطابق ولی کا اصل معنی تولیت و حاکمیت ہے پھر بطور استعارہ دیگر مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ رسول اور امام جب لوگوں کے ولی ہوتے ہیں تو تولیت و حاکمیت کے معنوں میں ہوتا ہے اور جب کوئی ہستی اللہ کی ولی بن جاتی ہے تو اس ولایت کے چند ایک آثار اس آیت میں بیان فرمائے ہیں۔

۶۶۔ یہ استدلال اس طرح ہے کہ جب کل کائنات کی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو غیر اللہ کے پاس کچھ نہیں رہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ یہ مشرکین جن چیزوں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں وہ حقیقت کے مقابلے میں ظن و تخمین سے عبارت ہیں اور حقیقت سے عاری ایک موہوم چیز سے اپنی امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔

لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ
مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ
فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ
الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع النصف
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ وقف لازم
يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ
وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ
فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ
اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا

بتحقیق سننے والوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔☆
(۶۸) وہ کہتے ہیں: اللہ نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے اس کی ذات
پاک ہے وہ بے نیاز ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
وہ سب اسی کا ہے، تمہارے پاس اس بات پر کوئی دلیل بھی
نہیں ہے، کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو جو
تمہارے علم میں نہیں؟☆ (۶۹) کہد یجیے: جو اللہ پر جھوٹ
بہتان باندھتے ہیں وہ یقینا فلاح نہیں پائیں گے۔ (۷۰) یہ
دنیا کی عیش ہے پھر انہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر ہم
انہیں شدید عذاب چکھائیں گے اس کفر کی پاداش میں جس
کے وہ مرتکب رہے ہیں۔ (۷۱) انہیں نوح کا قصہ سنا دیجیے
جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر میرا
تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات سنا کر تمہیں نصیحت
کرنا تمہیں ناگوار گزرتا ہے تو میرا بھروسہ اللہ پر ہے پس تم
اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر مضبوطی سے اپنا فیصلہ کر لو پھر
اس فیصلے کا کوئی پہلو تم پر پوشیدہ نہ رہے پھر میرے ساتھ

۶۷۔ کائناتی نظام میں باہمی ربط اور وحدت سے خالق نظام کی وحدت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ رات کا وجود دن کے وجود کے ساتھ متصادم ہو بلکہ یہ دونوں ایک نظام کی تشکیل میں مددگار ہیں۔ قرآن توحید کے اثبات کے لیے دن اور رات کی حکمت پر زیادہ تکیہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ زمین پر بسنے والوں کے لیے کائنات کے سب سے زیادہ واضح اور محسوس مظاہر قدرت ہیں۔

۶۸۔ اللہ کے لیے بیٹے کا تصور اللہ کی خالقیت اور مالکیت کے تصور کے منافی ہے اور نہایت بیہودہ اور سطحی ذہن کی ایجاد ہے کہ اللہ کو انسان پر قیاس کر کے یہ تصور قائم کیا جائے کہ جس طرح انسان اولاد کے ذریعے اپنے وجود کا تسلسل برقرار رکھنا چاہتا ہے اسی طرح اللہ بھی اپنے لیے فرزند پیدا کرتا ہے۔

۷۱۔ تاریخ انبیاء کا وہ حصہ بیان ہو رہا ہے جس میں انبیاء علیہم السلام اس قسم کے حالات سے دوچار رہ چکے ہیں، جن سے رسالتمآب ﷺ مکہ میں دوچار تھے۔ تکذیب کرنے والوں کی کثرت و قوت، ایمان لانے والوں کی قلت و کمزوری۔ منطق و استدلال کے مقابلے میں خرافات۔ ایسے نامساعد حالات میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جس لہجے و انداز میں چیلنج اور جس استقامت و توکل کا اظہار کیا ہے، وہ اس قسم کے حالات سے دوچار ہونے والے حضرت رسول خدا ﷺ کے لیے باعث تسلی و اطمینان ہے۔

تُنظِرُونِ ﴿٧١﴾ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوۡهُ فَنَجَّيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡفُلۡكِ وَجَعَلۡنٰهُمۡ خَلٰٓـئِفَ وَاَغۡرَقۡنَا الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿٧٤﴾ ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ٮِٕه بِاٰيٰتِنَا فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا

جو کچھ کرنا ہے کرگزرو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔☆ ﴿٧١﴾ پس اگر تم نے منہ موڑ لیا تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں شامل رہوں۔☆ ﴿٧٢﴾ مگر جب انہوں نے نوح کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے بچا لیا اور انہیں (زمین پر) جانشین بنا دیا اور ان سب کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، پھر دیکھ لو جنہیں تنبیہ کی گئی تھی (نہ ماننے پر) ان کا کیا انجام ہوا۔☆ ﴿٧٣﴾ پھر نوح کے بعد ہم نے بہت سے پیغمبروں کو اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا پس وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ جس چیز کی پہلے تکذیب کر چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ تھے، اس طرح ہم حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔☆ ﴿٧٤﴾ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف

٧٢۔ انبیاء کسی ذاتی اور مادی مفاد کے لیے لوگوں کو حق کی طرف دعوت نہیں دیتے۔ انبیاء کا مفاد لوگوں سے وابستہ نہیں ہوتا کہ لوگوں کی توجہ نہ ہونے سے انہیں کوئی ضرر پہنچے۔ انبیاء کا تمام مفاد اپنے رب سے وابستہ ہے اور وابستگی کے لیے تسلیم و رضا درکار ہوتی ہے کہ سارا معاملہ اسی پر چھوڑ دیا جائے۔

٧٣۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کا نتیجہ یہ ہے نکلا کہ کمزور اور اقلیت والے زمین کے وارث بن گئے اور رسول ﷺ کی تکذیب و تحقیر کرنے والے ایسے مٹ گئے کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

٧٤۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے انبیاء کا ذکر ہے۔ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوم نے ایک ہی روش اختیار کی۔ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم کو حق کی دعوت دیتے اور اللہ کا نمایندہ ہونے کا اعلان کرتے تھے۔ اس اعلان کو ہر قوم نے مسترد کیا اور اللہ کا نمایندہ ہونے کی تکذیب کی اور اس کے ثبوت کے لیے معجزہ بھی طلب کیا جس پر انبیاء علیہم السلام نے واضح اور روشن دلائل اور معجزات بھی پیش کیے مگر وہ اپنی سابقہ تکذیب پر اڑے رہے۔ آیات و بینات کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

٧٥۔ مراعات یافتہ طبقہ اور درباری جرائم پیشہ لوگ ہر وقت مصلحین کو حقیر سمجھتے اور ان کے مقابلے میں تکبر سے پیش آئے ہیں۔ اسی حالت سے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی دوچار تھے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام بے بس، بنی اسرائیل غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے اور فرعون اور اس کے درباری اپنی

مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ

بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔☆ ﴿٧٦﴾ پھر جب ہمارے ہاں سے حق ان کے پاس آیا تو کہنے لگے: بے شک یہ تو صریح جادو ہے۔☆ ﴿٧٧﴾ موسیٰ نے کہا: جب حق تمہارے پاس آیا تو کیا اس کے بارے میں یہ کہتے ہو، کیا یہ جادو ہے؟ جب کہ جادوگر تو کبھی فلاح نہیں پاتے۔☆ ﴿٧٨﴾ وہ کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اس راستے سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ملک میں تم دونوں کی بالادستی قائم ہو جائے؟ اور ہم تو تم دونوں کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔☆ ﴿٧٩﴾ اور فرعون نے کہا: تمام ماہر جادوگروں کو میرے پاس لے آؤ۔☆ ﴿٨٠﴾ جب جادوگر حاضر ہوئے تو موسیٰ نے ان سے کہا: تمہیں جو کچھ ڈالنا ہے ڈالو۔☆ ﴿٨١﴾ پس جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا: جو کچھ تم نے پیش کیا ہے وہ جادو ہے، اللہ یقینا اسے نابود کر دے گا، بے شک اللہ مفسدوں کے کام نہیں سدھارتا۔☆ ﴿٨٢﴾ اور اللہ اپنے فیصلوں سے

---

دولت و اقتدار کے نشے میں بدمست۔ اسی لیے وہ حضرت موسیٰ ؑ کے مقابلے میں بڑے متکبرانہ انداز میں پیش آتے اور کسی قسم کے جرم کے ارتکاب سے باز نہیں آتے تھے۔

٧٦۔٧٧ حضرت موسیٰ ؑ نے جو معجزات پیش کیے تھے ان کے انکار کے لیے منکرین کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ اسے جادو کا کرشمہ قرار دیں جبکہ حق اور جادو میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ کیا جادو کے ذریعے ایک انسان ساز دستور دیا جا سکتا ہے؟ کیا جادو کے ذریعے انسان کو دارین کی سعادت کی رہنمائی کی جا سکتی ہے اور انسان کو اخلاق و روحانیت کی منزل پر فائز کیا جا سکتا ہے؟

٧٨۔ مصری مذہب کے تحت وہ اپنے بادشاہ کو خدا کا اوتار مانتے تھے۔ حضرت موسیٰ ؑ کی دعوت کا نتیجہ دینی اور سیاسی اعتبار سے یکساں نکلتا تھا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ ؑ کی دعوت کا نتیجہ یہ تھا کہ مصری بادشاہت غیر قانونی ہے اور حضرت موسیٰ و ہارون ؑ اللہ کے حقیقی نمائندے ہیں۔ مصری مذہب نے جو مقام فرعون کو دے رکھا تھا، حضرت موسیٰ و ہارون ؑ اللہ کی دعوت سے اس مقام کی نفی ہوتی تھی۔

٧٩ تا ٨١۔ معجزات حضرت موسیٰ ؑ کو فرعونیوں نے سحر کہہ کر مسترد کیا تھا۔ آج حضرت موسیٰ ؑ کو سحر کی نشاندہی کا موقع ملا اور فرمایا سحر تو یہ ہے جو تم پیش کر رہے ہو۔ صرف نگاہوں کا دھوکہ، حقائق سے عاری۔ کوئی مشن نہ کوئی پیغام، نہ کوئی انسانی تحریک۔ ایسے جادو کو اللہ خود نابود کر دے گا۔ جبکہ اللہ کفار و فاسقین کی ہدایت نہیں کرتا۔ ایسے مفسدوں کے کام نہیں سدھارتا۔

٨٢۔ کلمات سے مراد اللہ کا تکوینی ارادہ یا وعدہ فتح و

الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٨٢ ع
فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ
عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ
اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي
الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝٨٣
وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ
بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ
مُّسْلِمِيْنَ ۝٨٤ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝٨٥ۙ
وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝٨٦
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ
تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا
بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ

حق کو ثابت کر دکھاتا ہے خواہ مجرموں کو ناگوار گزرے۔☆
(۸۳) چنانچہ موسیٰ پر ان کی اپنی قوم کے چند افراد کے سوا کوئی
ایمان نہ لایا، فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف کی وجہ
سے کہ کہیں وہ انہیں مصیبت سے دوچار نہ کر دیں کیونکہ ملک
میں فرعون کی بالادستی تھی اور وہ حد سے بڑھا ہوا تھا۔☆
(۸۴) اور موسیٰ نے کہا: اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان
لائے ہو تو اسی پر بھروسا کرو اگر تم مسلمان ہو۔☆ (۸۵) پس
انہوں نے کہا: ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا ہے، اے ہمارے
رب! ہمیں ظالموں کے لیے (ذریعہ) آزمائش نہ بنا۔☆
(۸۶) اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات عطا
فرما۔☆ (۸۷) اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف
وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لیے مکانات مہیا کرو اور
اپنے مکانوں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو بشارت

نصرت یا معجزات و دلائل ہیں۔ یعنی اللہ اپنے فیصلوں کے ذریعے حق کو دوام و ثبات فراہم کرتا اور باطل کو نابود کرتا ہے۔

۸۳۔ قرآن اس خوف کے پیچھے دو اسباب بیان فرماتا ہے: ایک یہ کہ فرعون کو اس ملک میں بالادستی حاصل تھی اور دوسری بات یہ کہ وہ کسی قانون و اخلاق یا انسانی اقدار کی حدود و قیود کا قائل نہ تھا۔ ایمان کی تاریخ ہمیشہ ایسے لوگوں نے لکھی ہے جو جابروں کے ظلم و تشدد کی پرواہ کیے بغیر ایمان لے آتے ہیں۔

ذُرِّيَّةٌ سے مراد بعض نے کمزور اور بے آسرا لیا ہے۔ ممکن ہے ذُرِّيَّةٌ سے مراد جواں سال افراد ہوں کیونکہ کم عمر لوگ ہی ایسے معاملات میں پاک باطن ہوتے ہیں اور فرعونیت کی پرواہ کیے بغیر ایمان لے آتے اور استقامت دکھاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو جعفر ابو الاحول سے فرمایا: کیا تو بصرہ گیا تھا؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا: لوگوں کی ہمارے مکتب میں شمولیت کیسی تھی؟ عرض کیا: بہت کم۔ فرمایا: **علیک بالأحداث فانهم اسرع الی کل خیر۔** تم نئی نسل پر توجہ دو۔ کیونکہ یہی لوگ ہر کارِ خیر کی طرف سبقت لے جاتے ہیں۔
(کافی ۸: ۹۳)

۸۴ تا ۸۶۔ توکل اور بھروسہ ایمان کے بعد بہت بڑی طاقت ہے جس کے ساتھ طاغوت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے تمام امور اللہ کے سپرد کیے جائیں اور نتیجہ اسی پر چھوڑ دیا جائے۔ ظاہری علل و اسباب کو اگرچہ تمہیدی دخل ہے لیکن منزل مقصود تک جانے کے لیے توکل کی ضرورت ہے۔ یہاں توکل کے لیے دو باتوں کو بنیاد بنایا ہے: ایک یہ کہ ایمان ہو۔ ظاہر ہے کہ ایمان باللہ کے بغیر **توکل علی اللہ** کا تصور ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری بات یہ کہ تسلیم کی منزل پر ہو کہ اللہ کے ہر فیصلے کو تسلیم و رضا سے لیا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کے

الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ

دو۔☆ ﴿۸۸﴾ اور موسیٰ نے عرض کی: اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیاوی زندگی میں زینت بخشی اور دولت سے نوازا ہے ہمارے رب! کیا یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ (دوسروں کو) تیری راہ سے بھٹکائیں؟ ہمارے رب! ان کی دولت کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ یہ لوگ دردناک عذاب کا سامنا کرنے تک ایمان نہ لائیں۔☆ ﴿۸۹﴾ اللہ نے فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کی گئی ہے پس تم دونوں ثابت قدم رہنا اور ان لوگوں کے راستے پر نہ چلنا جو علم نہیں رکھتے۔☆ ﴿۹۰﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو کہنے لگا: میں ایمان لے آیا کہ اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہو گیا ہوں۔☆ ﴿۹۱﴾ (جواب ملا) اب (ایمان لاتا ہے) جب تو

---

جواب میں اہل ایمان نے کہا: ہم اللہ پر توکل کرتے اور دو چیزوں کی اللہ سے درخواست کرتے ہیں: پہلی درخواست یہ کہ ظالم ہمیں اپنے دین و مذہب سے منحرف کرنے کے لیے ہمیں تختۂ مشق نہ بنا پائیں، دوسری یہ کہ ان کافروں سے نجات دے۔

۸۷۔ ظاہر آیت سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ملا کہ بنی اسرائیل کے لیے مکانات تعمیر کریں اور اپنے گھروں کو قبلہ بنائیں۔ قرآنی اصطلاح میں قبلہ اس مکان کو کہتے ہیں جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے اور اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اس بات پر قرینہ ہے کہ قبلہ سے یہی معنی مراد ہے۔ لیکن بحار الانوار اور مستدرک الوسائل کی روایت سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ ان گھروں میں نماز پڑھیں، ممکن ہے گھر تعمیر کرنے کا حکم اسی لیے ہوا ہو کہ فرعونیوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر نماز قائم کی جائے۔

۸۸۔ یہ دعائے بد اس وقت کی گئی جب ہر قسم کے دلائل و معجزات دکھانے کے باوجود وہ اپنے کفر پر اڑے رہے اور آیندہ ایمان لانے کی امید بھی باقی نہ رہی۔ یہ بددعا بالکل اسی طریقہ پر ہے جو خود اللہ تعالیٰ اختیار فرماتا ہے کہ حجت پوری ہونے پر بھی کفر پر جمے رہیں تو پھر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ان کا ہاتھ نہیں تھامتا، انہیں توفیق نہیں دیتا اور دعا کا مضمون بھی یہی ہے۔

۸۹۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرعون اس دعا کے بعد چالیس سال تک زندہ رہا۔

۹۰۔ فرعون جب مرا تو بنی اسرائیل کی نظریاتی بالادستی کو قبول کر کے مرا۔

۹۱۔ وہ اسلام اور توبہ قبول نہیں جو موت اور عذاب سامنے آنے کے بعد اختیار کی جاتی ہے۔ کچھ لوگوں

عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾ ع وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاۗءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾ ۙ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ

پہلے نافرمانی کرتا رہا اور فسادیوں میں سے تھا؟☆ ﴿٩٢﴾ پس آج ہم تیری لاش کو بچائیں گے تا کہ تو بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت کی نشانی بنے، اگر چہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل رہتے ہیں۔ ﴿٩٣﴾ بتحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو خوشگوار ٹھکانے فراہم کیے اور انہیں پاکیزہ رزق سے نوازا پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا، آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان یقینا ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے رہے ہیں۔☆ ﴿٩٤﴾ اگر آپ کو اس بات میں کوئی شبہ ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھ رہے ہیں، بتحقیق آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس حق آ چکا ہے لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔☆ ﴿٩٥﴾ اور ہرگز ان لوگوں میں سے نہ ہوں جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کی ورنہ آپ نقصان اٹھانے والوں میں

---

کا خیال ہے کہ اس فرعون کا نام منفتاح بن رمسیس ۱۲۲۵ ق م ہے۔ ڈاکٹر زحیلی کہتے ہیں: میں نے خود (قاہرہ کے میوزیم میں) اس ممی کا معائنہ کیا اور اس لاش کی پیشانی کی ہڈی پر بحر ابیض کے نمکین پانی کے اثرات کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ (تفسیر منیر) اور سر گرافٹن الیٹ سمتھ نے اس ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی جو کھارے پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت ہے۔ (تفہیم القرآن)

۹۳۔ خوشگوار ٹھکانے سے مقصود فلسطینی سرزمین ہے جس کی شادابی اور اچھی پیداوار آج بھی مشہور ہے۔ حق تو یہ تھا کہ غلامی اور سختی سے نجات دلا کر فلسطین جیسی جنت ارضی پر تمکنت اور اقتدار دینے پر شکر الٰہی بجا لاتے، لیکن انہوں نے اس نعمت کے شکرانے کی بجائے دین میں اختلاف اور تفرقہ بازی کی۔ اس تفرقہ بازی کی علت قوانین الٰہی سے لاعلمی نہیں تھی بلکہ مادی خواہشات کی تکمیل کے لیے دینی نصوص کی غلط تشریح تھی۔

۹۴۔ کسی بات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرنا ہو یا اس پر وارد ہونے والے شکوک و شبہات کو رد کرنا مقصود ہو تو یہ تعبیر اختیار کی جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ڰ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (۴۳: ۸۱) کہہ دیجیے کہ اگر رحمن کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا عبادت گزار بن جاتا۔ یہ اس بات کی وضاحت کے لیے ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اسی طریقہ تعبیر کے مطابق فرمایا: اگر شک ہے تو کتاب پڑھنے والوں سے پوچھیں۔ یعنی یہاں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا آیت سے یہ بات ہرگز ظاہر نہیں ہوتی کہ حضور ﷺ کو اپنی نبوت کے بارے میں شک تھا۔ حضور ﷺ کی بات کیا، ان کے

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ
عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾
وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ
الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ
فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ
اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾
وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ
كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى
يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ
تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا
مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي

سے ہوں گے۔ ﴿٩٦﴾ جن لوگوں کے بارے میں آپ کے
رب کا فیصلہ قرار پا چکا ہے وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے۔☆
﴿٩٧﴾ اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آ جائے جب تک
دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔☆ ﴿٩٨﴾ کیا کوئی بستی ایسی
ہے کہ (بروقت) ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لیے
سودمند ثابت ہوا ہو سوائے قوم یونس کے؟ جب وہ ایمان
لائے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے
ٹال دیا اور ایک مدت تک انہیں (زندگی سے) بہرہ مند
رکھا۔☆ ﴿٩٩﴾ اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام اہل زمین ایمان
لے آتے، پھر کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر سکتے
ہیں؟☆ ﴿١٠٠﴾ اور کوئی شخص اللہ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں
لا سکتا اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اللہ انہیں پلیدی میں
مبتلا کر دیتا ہے۔☆ ﴿١٠١﴾ کہدیجیے: آسمانوں اور زمین میں
نظر ڈالو کہ ان میں کیا کیا چیزیں ہیں اور جو قوم ایمان لانا ہی
نہ چاہتی ہو اس کے لیے آیات اور تنبیہیں کچھ کام نہیں

---

شاگرد رشید حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: ما شککت فی الحق منذ رایتہ۔ (الارشاد ۱: ۲۵۳) جب سے میں نے حق کو دیکھا ہے، کبھی شک نہیں کیا۔

۹۶۔۹۷ جنہیں عذاب میں ڈالنے کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ فیصلہ اس لیے ہو چکا ہے کہ اپنی طغیانی و سرکشی کی وجہ سے وہ ایمان لانے کی استعداد اور صلاحیت کھو چکے تھے، ان پر کوئی معجزہ اثر کرتا ہے نہ دلائل و براہین۔ صرف یہ کہ عذاب کا مشاہدہ کرنے پر ان کو یقین آئے گا، مگر اضطراری عمل ایمان نہیں ہے۔

۹۸۔ غالباً ایسا تو ہوتا رہا ہے کہ مختلف علاقوں اور بستیوں میں انبیاء آتے رہے، لوگوں کو راہ حق کی طرف دعوت دی مگر لوگوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور عذاب الٰہی سے ڈرانے اور عذاب کے آثار دکھانے پر بھی ایمان لانے کے لیے آمادہ نہ ہوئے، سوائے قوم یونس کے کہ جب عذاب کے آثار نمایاں ہوئے تو وہ ایمان لے آئے اور ان سے عذاب ٹل گیا۔
اس طرح ان کا ایمان سودمند ثابت ہوا۔

۹۹۔ اگر اللہ چاہتا تو تمام اہل ارض کو مؤمن بنا دیتا اور ان سے کفر اختیار کرنے کی قدرت سلب کر لیتا۔ اگر اللہ ایسا چاہتا تو انسان کو کفر و ایمان کے درمیان کھڑا نہ کرتا اور ان دونوں میں سے ایک کو اپنی مرضی سے ترجیح دینے کی صلاحیت نہ دیتا۔ اس صورت میں وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔ لیکن اس قسم کا جبری ایمان اللہ کو منظور نہیں: "تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ ایمان لے آئیں؟"

۱۰۰۔ یہ ترجیح دینا اگرچہ انسان کا اپنا عمل ہے تاہم وہ اس عمل کو اللہ کی طرف سے فراہم شدہ اسباب و علل کے ذریعے ہی انجام دے سکتا ہے۔ یہی اذن خدا

الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ
خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ
مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ
رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا
عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع قُلْ يٰٓاَيُّهَا
النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ
فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ
وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ لا
وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا
تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ

دیتیں۔ ﴿۱۰۲﴾ اب یہ لوگ اس کے سوا کس کے انتظار میں ہیں کہ اس طرح کے برے دن دیکھیں جو ان سے پہلے کے لوگ دیکھ چکے ہیں؟ کہد یجیے: پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ ﴿۱۰۳﴾ پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیں گے، یہ بات ہمارے ذمے ہے کہ ہم مومنین کو نجات دیں۔ ﴿۱۰۴﴾ کہد یجیے: اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین میں کوئی شک ہے تو (جان لو کہ) تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں تو صرف اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے ہوں۔ ﴿۱۰۵﴾ اور یہ کہ آپ یکسوئی کے ساتھ اپنا رخ دین کی طرف ثابت رکھیں اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔☆ ﴿۱۰۶﴾ اور اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو نہ پکاریں جو آپ کو نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے

ہے اور یہی خود مختاری ہے اور یہی امر بین امرین ہے۔ مزید تشریح ہماری تفسیر میں مذکور ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: اَلرِّجْسُ هُوَ الشَّكُّ وَ اللّٰهِ لَا نَشُكُّ فِی رَبِّنَا اَبَدًا۔ رجس سے مراد شک ہے اور ہم اپنے رب کے بارے میں کبھی شک نہیں کرتے۔ (الکافی ۱: ۲۸۲)

۱۰۱۔ ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور قلب جبر کی منطق کو نہیں سمجھتا۔ وہ دلیل فکر و استدلال اور عقل سے رام ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے رام کرنے کے لیے فکر و نظر سے کام لیں۔ آسمانوں اور زمین میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن پر غور و فکر کر کے انسان آسانی کے ساتھ اپنے رب تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن یہ سب اس شخص کے لیے ہے جو حسن نیت سے اپنی عقل کو بروئے کار لاتا ہے اور جو لوگ شروع سے یہ تہیہ کر رکھتے ہیں کہ ہم نے ایمان لانا ہی نہیں، ان کے لیے آیات اور تنبیہیں کچھ کام نہیں دیتیں۔

۱۰۵۔ ۱۰۶ کہد یجیے کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی پوری توجہ اسی دین پر مرکوز کروں اور اپنا پورا وجود اسی دین کے ساتھ مربوط رکھوں۔ کسی اور نظریہ اور مذہب کو اعتنا میں نہ لاؤں اور ایسی چیزوں سے اپنی امیدیں وابستہ نہ کروں جن کو کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں ہے۔ اگر ایسی بے بس چیزوں سے امیدیں وابستہ کرتا ہوں تو یہ اپنی ذات کے ساتھ زیادتی ہے۔

۱۰۷۔ جس دین توحید پر آپ کو استقامت کے ساتھ رہنا ہے اس کے توحیدی تقاضے اس طرح ہیں:

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۗ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ ع

اور نہ نقصان، اگر آپ ایسا کریں گے تو یقیناً آپ ظالموں میں شمار ہوں گے۔☆ ﴿١٠٧﴾ اور اگر اللہ آپ کو کسی تکلیف میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس تکلیف کو دور کرے اور اگر اللہ آپ سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو روکنے والا کوئی نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فضل کرتا ہے اور وہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿١٠٨﴾ کہد یجیے: اے لوگو! بتحقیق تمہارے رب کی جانب سے حق تمہاری طرف آ چکا ہے، پس جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو اپنی ذات کے لیے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو وہ بھی اپنی ذات کو گمراہ کرتا ہے اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔☆ ﴿١٠٩﴾ اور (اے نبی) آپ کی طرف جو وحی بھیجی جاتی ہے اس کی پیروی کریں اور اللہ کا فیصلہ آنے تک صبر کریں اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔☆

آیاتہا ١٢٣ — ١١ سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ ٥٢ — رکوعاتہا ١٠

سورۂ ہود۔ مکی۔ آیات ١٢٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

---

☆ اس بات کا یقین کہ ہر قسم کی تکلیف، بیماری، دشمن کے خوف، مالی نقصانات، ظالم کی طرف سے زیادتی اور قدرتی آفات وغیرہ کو دور کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ کائنات پر اسی کی حاکمیت ہے، نیز کوئی اور اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔☆ اللہ کسی بندے پر فضل و کرم کرتا ہے تو اس کے فضل و کرم کو روکنے والا کوئی نہیں۔ کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں طاقت آزمائی کرے؟ تو کیا یہ عقلمندی نہیں کہ انسان بتوں سے امیدیں وابستہ کرنے کی بجائے صرف اسی ذات کی عبادت کرے اور اسی سے ساری امیدیں وابستہ کرے اور اپنے آپ کو اللہ کے فضل و کرم کا سزاوار بنائے؟ اس کا فضل اندھی بانٹ نہیں ہے کہ بغیر استحقاق اور ضابطے کے جس کو چاہے دے دے۔

١٠٨۔ حق تمہاری دسترس میں آ گیا ہے اب خود تمہاری اپنی ذمہ داری ہے کہ گمراہی کو چھوڑ کر حق کی طرف آ ؤ۔ حق اور ہدایت کوئی مکروہ چیز نہیں ہے جو لوگوں پر مسلط کی جائے بلکہ ہدایت نور ہے چشم بینا رکھنے والے خود شوق سے جس کی طرف آتے ہیں۔ وہ کسی اور کے لیے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لیے لپکتے ہیں۔

١٠٩۔ کسی کا اعتنا کیے بغیر صرف وحی کی پیروی کرو اور اللہ کی طرف سے جو رہنمائی آتی رہے گی اس پر عمل کرتے جاؤ، ساتھ اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ صبر سے کرو۔ ایک دن آنے والا ہے کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے گا۔ اس دن حق کا بول بالا ہوگا اور باطل مٹ چکا ہوگا۔

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ
مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا
اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ۙ﴿۲﴾
وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا
اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ
مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ
وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَ
هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ
يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا
مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ
يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ۚ
اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾

(۱) الف لام را، یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات مستحکم کی گئی ہیں پھر ایک باحکمت باخبر ذات کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ (۲) کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں اللہ کی طرف سے تمہیں تنبیہ کرنے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔☆ (۳) اور یہ کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے آگے توبہ کرو وہ تمہیں مقررہ مدت تک (دنیا میں) اچھی متاع زندگی فراہم کرے گا اور ہر احسان کوش کو اس کی احسان کوشی کا صلہ دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔☆ (۴) تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۵) آگاہ رہو! یہ لوگ اپنے سینوں کو لپیٹ لیتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپائیں، یاد رکھو! جب یہ اپنے کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں تب بھی وہ ان کی علانیہ اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، وہ سینوں کی باتوں سے یقینا خوب واقف ہے۔☆

سورہ ہود

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا اور مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں اس وقت نازل ہوا جب رسول کریم ﷺ نامساعد ترین حالات سے دوچار تھے اور مشرکین کی طرف سے طنز و آزار اور نامعقول مطالبے اور استہزاء میں اضافہ ہوتا تھا۔

۲۔۳ ان دو آیتوں میں تین باتوں کا ذکر ہے: اول یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ دوم یہ کہ اپنے رب سے مغفرت مانگو۔ سوم یہ کہ اپنے رب کی طرف متوجہ رہو تو دنیا کی زندگی میں بھی بہتری آئے گی، کیونکہ مذکورہ باتوں سے باطن کی تطہیر ہو جاتی ہے، انسان فطری طور پر اعتدال میں آ جاتا ہے، اس کا ضمیر مطمئن اور روح پر سکون ہو جاتی ہے نیز اس کے اعصاب میں توازن آ جاتا ہے۔ اس طرح دنیاوی زندگی سدھر جاتی ہے۔

یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ دینداری غربت و افلاس کا دوسرا نام ہے اور صاحب دولت ہونے کا مطلب بے دینی ہے۔ دین کی سمجھ رکھنے والے مومن کو دنیا و آخرت دونوں کی سعادتیں میسر آ جاتی ہیں۔

۵۔ شان نزول میں روایت ہے کہ مشرکین جب خانہ کعبہ کے گرد رسول خدا ﷺ کے نزدیک سے گزرتے تو سر اور پشت جھکا کر اور کپڑے سے سر ڈھانپ کر گزرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی نگاہ ان پر نہ پڑے۔

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَ لَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ ع وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا

۶۔ اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور وہ جانتا ہے کہ اس کی جائے قرار کہاں ہے اور عارضی جگہ کہاں ہے، سب کچھ روشن کتاب میں موجود ہے۔ ۷۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں بہتر عمل کرنے والا کون ہے اور (اے نبی) اگر آپ (لوگوں) سے یہ کہدیں کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور کہیں گے: یہ تو محض کھلا جادو ہے۔☆ ۸۔ اور اگر ہم ایک مقررہ مدت تک ان سے عذاب کو ٹال دیں تو وہ ضرور کہنے لگتے ہیں: اسے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ آگاہ رہو! جس دن ان پر عذاب واقع ہوگا تو ان سے ٹالا نہیں جائے گا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں وہی انہیں گھیر لے گی ☆ ۹۔ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد وہ نعمت اس سے چھین لیں تو بیشک وہ

---

۷۔ اللہ کی سلطنت پانی پر تھی۔ پانی سے مراد یہی پانی ہو سکتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا۔ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (انبیاء: ۳۰) اور تمام زندہ چیزوں کو ہم نے پانی سے بنایا ہے۔ ان دو آیتوں سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ کی سلطنت پانی پر تھی اور پانی مایۂ حیات اور تمام زندہ موجودات کا مادۂ مشترکہ ہے۔ لیکن ہم اس پانی کی تفصیل میں اس سے زیادہ نہیں جا سکتے کہ پانی سے مراد مائع مذاب ہے یا گیس یا سوڈیم یا ہوا ہے؟ ایسے غیبی موضوعات میں صریح نص کے بغیر اظہار خیال کرنا درست نہیں ہے۔

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حسین کائنات کی غرض خلقت حسن عمل ہے۔ لہٰذا جو ہستی حسن عمل میں سب سے افضل ہے، وہی مقصد خلقت میں سب سے نمایاں ہے۔ اس نکتے کو سمجھنے کے بعد پڑھیے: لولاک لما خلقت الافلاک۔ (بحار الانوار ۱۶: ۴۰۵)

۸۔ قرآن کی متعدد آیات سے مشرکین کو اس بات کی دھمکی مل چکی تھی کہ اگر وہ یہ تکذیبی عمل جاری رکھیں گے تو ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ مشرکین نے اس کے جواب میں نہایت تحقیر آمیز لہجے میں کہا: تو وہ آنے والا عذاب آتا کیوں نہیں ہے، کس چیز نے اسے روک رکھا ہے۔ ہم اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں اور تکذیبی عمل جاری رکھ ہوئے ہیں تو وہ عذاب آتا کیوں نہیں؟ جواب میں فرمایا: جب وہ عذاب آئے گا تو تم اس چیز کے گھیرے میں آ ؤ گے جس کا تم استہزاء کر رہے ہو۔ عذاب کی تاخیر میں جو حکمت پوشیدہ ہے اس کا پہلے کئی بار ذکر ہو چکا ہے۔

۹۔۱۰ انسان کی جلد بازی، کم ظرفی اور متلون مزاجی کی بات ہے کہ جب نعمتیں چھن جاتی ہیں تو یہ تنگ نظر

رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ
كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ
مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ
لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ
اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا
يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ
يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ
مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ
قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ
ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ

ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ ☆ (۱۰) اور اگر ہم اسے تکلیفوں کے بعد نعمتوں سے نوازتے ہیں تو ضرور کہ اٹھتا ہے: سارے دکھ مجھ سے دور ہو گئے، بیشک وہ خوب خوشیاں منانے اور اکڑنے لگتا ہے ☆ (۱۱) البتہ صبر کرنے والے اور نیک اعمال بجا لانے والے ایسے نہیں ہیں ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (۱۲) (اے رسول) آپ کی طرف جو وحی کی گئی ہے شاید آپ اس کا کچھ حصہ چھوڑنے والے ہیں اور ان کی اس بات پر دل تنگ ہو رہے ہیں کہ اس پر خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ آپ تو صرف تنبیہ کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا ذمہ دار ہے۔ ☆ (۱۳) کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے (قرآن کو) خود بنایا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اس جیسی خود ساختہ دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو بلا لاؤ۔ ☆ (۱۴) پھر اگر وہ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا

انسان خیال کرتا ہے کہ اب اس نے آنا ہی نہیں اور وہ یوں مایوس ہو جاتا ہے اور جب نعمتیں وافر ہو جاتی ہیں تو خیال کرتا ہے کہ اب اس نے جانا ہی نہیں اور اس خوشی میں مغرور ہو جاتا ہے۔ اس کی کوتاہ نظر صرف حال حاضر پر لگی رہتی ہے۔ اسی کو ساری دنیا تصور کرتا ہے۔ نہ ان نعمتوں کے سرچشمہ پر نظر ہے کہ مایوس نہ ہو اور نہ ہی ان نعمتوں کے حقیقی مالک کی معرفت ہے کہ وہ ان نعمتوں کو دیکھ کر اکڑ نہ جائے۔

۱۲۔ نہایت نامساعد حالات میں بار رسالت کی سنگینی کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں کے راہ راست پر آنے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے بلکہ ان کے عناد اور ہٹ دھرمی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسے میں یہ خیال دل میں آ سکتا ہے کہ وحی کی باتیں سنانے کا کیا فائدہ۔ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ابلاغ وحی کا مطلب صرف ایمان لے آنا نہیں ہے بلکہ صرف تبلیغ سے بھی کچھ حکمتیں وابستہ ہیں یا آپ صرف تنبیہ و تبلیغ کریں اور بس۔ انہیں گرفت میں لینا ہمارا کام ہے۔ اس آیت سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ رسول ﷺ ترک تبلیغ کا قصد رکھتے تھے۔

۱۳۔ قرآن نے کئی بار چیلنج کیا ہے کہ اگر یہ قرآن کسی ایک انسان کا تصنیف ہے تو تمہارے درمیان بھی ایسا انسان موجود ہوگا جو ایسا کلام تصنیف کر سکے۔ ایک سے نہیں ہوتا تو پوری جماعت مل کر ایسا کلام بنا لائے جس میں انسانیت کے لیے ایک پیغام ہو اور دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہو۔ مضمون بھی اسی طرح کا ہو اور ساتھ اسلوب کلام بھی یہی ہو۔ لیکن بار بار چیلنج دینے کے باوجود تم ایسا کلام پیش نہیں کر سکتے تو تمہیں قبول کرنا ہوگا کہ یہ میرا نہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

۱۴۔ اس چیلنج میں اللہ کی وحدانیت کا ثبوت بھی فراہم

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ وَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَھَا نُوَفِّ اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ فِیْھَا وَ ھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ ۖ٭ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْھَا وَ بٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَ یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ وَ مِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّ رَحْمَۃً ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ؕ وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ ۚ فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ ۚ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

کوئی معبود نہیں، کیا تم اس بات کو تسلیم کرنے والے ہو؟☆ ﴿۱۵﴾ جو دنیوی زندگی اور اس کی زینت کے طالب ہوتے ہیں ان کی محنتوں کا معاوضہ ہم انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور ان کے لیے اس میں کمی نہیں کی جائے گی۔☆ ﴿۱۶﴾ ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں آتش کے سوا کچھ نہ ہو گا اور وہاں ان کے عمل برباد اور ان کا کیا دھرا سب نابود ہو جائے گا۔ ﴿۱۷﴾ بھلا وہ شخص (افترا کر سکتا ہے) جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہو اور اس کے پیچھے اس کے رب کی طرف سے ایک شاہد بھی آیا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (بھی دلیل ہو جو) راہنما اور رحمت بن کر آئی ہو؟ یہی لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور دوسرے فرقوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کریں تو اس کی وعدہ گاہ آتش جہنم ہے، آپ اس (قرآن) کے بارے میں کسی شک میں نہ رہیں، یقینا یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر

ہے کہ اگر تمہارے خداؤں کا بھرپور مخالف اور توحید کا علمبردار یہ قرآن محمدؐ کا اپنا خود ساختہ ہے تو اپنے خداؤں کو مدد کے لیے بلاؤ۔ اگر ان کو خدائی میں کوئی دخل ہے تو وہ تم میں ایسی صلاحیت پیدا کر دیں گے کہ تم اس قرآن کا مقابلہ کر سکو۔ اگر ایسا نہ کیا تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے: ☆قرآن اللہ کا کلام ہے۔ ☆تمہارے معبود سب خود ساختہ ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ☆قرآن ہر موقف کے لیے دلیل پیش کرتا ہے۔

۱۵۔ اس روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا ایک مادی و تکوینی نظام ہے جسے نظامِ علل و اسباب کہتے ہیں۔ اس نظام کے تحت جو بھی ان علل و اسباب کو بروئے کار لائے گا، وہ نتیجہ اخذ کرے گا۔ اس میں مومن و کافر کا کوئی فرق نہیں۔ فرق یہ ہے کہ کافر کا نصب العین صرف دنیا ہے، اس لیے کافر کو اس کی محنتوں کا نتیجہ اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ وَ ھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ۔ اللہ کے مادی و تکوینی قانون میں کسی کی حق تلفی نہیں کی جاتی، البتہ آخرت میں انہیں کچھ نہیں ملے گا، خواہ کافر کے عمل میں اگرچہ حسن ہو لیکن عمل کنندہ میں حسن نہیں ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ ایک بدکار عورت اپنی ناجائز کمائی سے یتیم پالتی ہو۔ اسی طرح ایک منکر خدا جو خدا کے وجود کا معترف نہیں یا اس کے ساتھ شرک کر کے مقام الٰہیت میں جسارت کا ارتکاب کرتا ہے نیز وہ اپنا کام اللہ کے لیے کرتا ہی نہیں تا کہ اللہ سے اسے کوئی صلہ مل جائے۔ اس میں وہ ریاکار بھی شامل ہے جو اپنے اعمال دنیاوی مفاد کے لیے انجام دیتا ہے، وہ نیک اعمال انجام دیتا ہے لیکن اس کی نمازوں، روزوں اور خدمات کا نصب العین اللہ نہیں، دنیاوی مفادات ہیں، اس کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں اور سارا کیا دھرا ناکارہ ہو جاتا ہے۔

۱۷۔ ابو حاتم ابن مردویہ، ابونعیم اور ابن عساکر کی روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: عَلٰی بَیِّنَۃٍ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ
اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ
الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى
رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ ﴿۱۸﴾
الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا
مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ
وقف لازم
دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ
الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ
مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي

لوگ ایمان نہیں لاتے۔☆ (۱۸) اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتا ہے، ایسے لوگ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے: یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا، خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔☆ (۱۹) جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی لانا چاہتے ہیں اور یہی لوگ آخرت کے منکر ہیں۔ (۲۰) یہ لوگ زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی حامی ہے ان کا عذاب دوگنا کیا جائے گا، کیونکہ وہ (کسی کی) سن ہی نہ سکتے تھے اور نہ ہی دیکھتے تھے۔☆ (۲۱) یہی لوگ ہیں جو اپنے آپ کو خسارے میں ڈال چکے ہیں اور وہ جو کچھ افترا کرتے تھے وہ بھی ان سے کھو گیا۔☆ (۲۲) لازمی بات ہے آخرت میں یہ لوگ سب سے زیادہ گھاٹے میں ہوں گے۔☆

سے مراد حضرت رسول خدا ﷺ ہیں اور شَاهِدٌ مِّنْهُ سے مراد میں ہوں۔ (الدر المنثور ۳:۵۸۶)

۱۸۔ مشرکین کا مؤقف یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ایک کتاب بنائی اور اسے اللہ کی طرف نسبت دی اور افتراء کیا۔ جواباً اس آیت میں فرمایا: وہ افترا باز جو سب سے بڑھ کر ظالم ہے، تم خود ہو۔ اللہ پر شرک کر کے افترا کرتے ہو، اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دیتے ہو۔

۲۰ تا ۲۲۔ اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دینے والے نہ تو خود کسی طاقت و قدرت کے مالک ہوتے ہیں نہ ہی اللہ کے سوا ان کا کوئی حامی و کارساز۔ اس کے باوجود وہ اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دیتے ہیں۔ انبیاء کو جھوٹا سمجھتے ہیں، بالآخر انہوں نے اللہ کے حضور پلٹ کر جانا ہے تو انہیں دوہرا عذاب ملے گا، کیونکہ یہ خود گمراہ تھے اور دوسروں کو گمراہ کرتے تھے۔

۲۳۔ انبیاء کو جھٹلانے والی جماعت کے برعکس اہل ایمان اپنے پروردگار کے سامنے تواضع اور عاجزی کرتے ہیں جو ایمان کا بہترین مظہر اور ایمان کی پختگی پر بہت بڑی دلیل ہے۔ عبادت اور خضوع کو ذوق بندگی سے محروم لوگ انسان کی توہین اور ذلت پسندی سمجھتے ہیں، جب کہ خدا کی معرفت رکھنے والے اس کمال مطلق کے سامنے تواضع اور عاجزی کو اپنے لیے معراج سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کمال کے سامنے اکڑ جاتے ہے وہی لوگ انسانی اقدار سے محروم اور ذلت پسند ہوتے ہیں۔

۲۴۔ دونوں فریقوں کی صورت حال کی ایک محسوس اور

الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٢٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى
رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ
كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ
هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾ ع
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ لَكُمْ
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٥﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٦﴾
فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا
نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ
اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَ
مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ

﴿٢٣﴾ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کرتے رہے یقینا یہی اہل جنت ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔☆ ﴿٢٤﴾ دونوں فریقوں (مومنوں اور کافروں) کی مثال ایسی ہے جیسے (ایک طرف) اندھا اور بہرا ہو اور (دوسری طرف) دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم نصیحت نہیں لیتے؟☆ ﴿٢٥﴾ اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، (انہوں نے اپنی قوم سے کہا) میں تمہیں صریحا تنبیہ کرنے والا ہوں۔☆ ﴿٢٦﴾ کہ تم غیر اللہ کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہارے بارے میں ایک دردناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ ﴿٢٧﴾ تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ہماری نظر میں تو تم صرف ہم جیسے بشر ہو اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہم میں سے ادنیٰ درجے کے لوگ سطحی سوچ سے تمہاری پیروی کر رہے ہیں اور ہمیں کوئی ایسی بات بھی نظر نہیں آتی جس سے تمہیں ہم پر فضیلت حاصل ہو بلکہ ہم تو تمہیں کاذب

سادہ مثال۔ مؤمن اپنی عقل سے کام لینے کے لیے اپنے اعضاو جوارح سے کام لیتا ہے۔ وہ دیکھتا اور سنتا ہے، پھر سمجھتا ہے اس پر عمل کرتا ہے، نجات اور کامیابی نصیب ہو جاتی ہے۔ کافر اپنے اعضا سے کام نہیں لیتا، نہ بصارت سے، نہ سماعت سے اور نتیجۃً نہ عقل سے، لہٰذا وہ نہ ہدایت حاصل کر سکتا ہے نہ نصیحت سن سکتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایسا سوال ہے جس کا جواب واضح ہے۔

۲۵۔ تاریخ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ابوالانبیاء، بت پرستی کے خلاف سب سے پہلے مجاہد اور تاریخ تمدن میں سب سے پہلی شریعت پیش کرنے والے اولوالعزم پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے، جنہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم جن مہلک خطرات میں گھرے ہوئے ہو اور جس انجام سے تمہیں دوچار ہونا ہوگا، اس سے بچانے اور تنبیہ کرنے آیا ہوں اور یہ سمجھانے آیا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، بت پرستی چھوڑ دو۔

۲۷۔ مادی نظریہ رکھنے والی، قدیم و جدید جاہلیت، انسان کو انسانی نہیں بلکہ مادی اقدار میں تولتی ہے۔ فقیر اور نادار لوگ انبیاء کی دعوت پر لبیک کہنے میں غالباً پہل کرتے ہیں۔ ان پر مادیت غالب نہ آنے کی وجہ سے ان کی روح شفاف ہوتی ہے اور باطن صاف ہوتا ہے۔

بَادِيَ الرَّاْيِ: منکرین کا خیال یہ ہوتا ہے کہ دین کو قبول کرنے والے، سطحی سوچ کے مالک، کم فکر لوگ ہوتے ہیں جن کی فکری بلوغت اس حد تک نہیں ہوتی کہ ان کے ایمان کو کوئی وزن دیا جائے۔ آج کے

كَٰذِبِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن
كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَءَاتَىٰنِي رَحْمَةً
مِّنْ عِندِهِۦ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۖ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَ
أَنتُمْ لَهَا كَٰرِهُونَ ﴿٢٨﴾ وَيَٰقَوْمِ لَآ أَسْـَٔلُكُمْ
عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ وَمَآ
أَنَا۠ بِطَارِدِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا ۚ إِنَّهُم مُّلَٰقُوا
رَبِّهِمْ وَلَٰكِنِّيٓ أَرَىٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٩﴾
وَيَٰقَوْمِ مَن يَنصُرُنِي مِنَ ٱللَّهِ إِن
طَرَدتُّهُمْ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣٠﴾ وَلَآ أَقُولُ
لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ ٱللَّهِ وَلَآ أَعْلَمُ
ٱلْغَيْبَ وَلَآ أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَآ أَقُولُ
لِلَّذِينَ تَزْدَرِيٓ أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ
ٱللَّهُ خَيْرًا ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِيٓ أَنفُسِهِمْ ۖ

خیال کرتے ہیں۔☆ ﴿۲۸﴾ (نوح نے) کہا: اے میری قوم! مجھے بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے مگر وہ تمہیں نہ سوجھتی ہو تو کیا ہم تمہیں اس پر مجبور کر سکتے ہیں جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو؟☆ ﴿۲۹﴾ اور اے میری قوم! میں اس کام پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور میں ان لوگوں کو اپنے سے دور بھی نہیں کر سکتا جو ایمان لا چکے ہیں، یقیناً یہ لوگ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل قوم ہو۔☆ ﴿۳۰﴾ اور اے میری قوم! اگر میں انہیں دور کروں تو مجھے اللہ (کے قہر) سے کون بچائے گا؟ کیا تم نصیحت نہیں لیتے؟ ﴿۳۱﴾ اور میں تم سے نہ تو یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جنہیں تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ انہیں بھلائی سے نہیں نوازے گا، ان کے دلوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے، اگر

منکرین اور مستکبرین، اہل ایمان کو قدامت پسند، سادہ لوح اور ناخواندہ کہتے ہیں۔ اسی لیے وہ ان کے لیے کسی قدر و منزلت اور خاص حیثیت کے قائل نہیں ہوتے۔

۲۸۔ سابقہ آیات میں منکرین کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات میں سے ایک ایک کا جواب ہے۔ پہلا شبہ یہ تھا کہ تم ہم جیسے بشر ہو۔ اس کے جواب میں فرمایا: میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہوں کہ میں اس کا نمائندہ ہوں۔ اس نے مجھے اپنی رحمت یعنی نبوت سے نوازا ہے۔ پھر بھی میں تم جیسا ہوں۔

۲۹۔ دوسرا شبہ یہ تھا کہ تمہاری پیروی ادنی درجے کے لوگ کر رہے ہیں۔ اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے: انبیاء علیہم السلام لوگوں کے مال و دولت سے بے نیاز ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے سامنے امیر و فقیر یکساں ہوتے ہیں۔ ہدایت و رہنمائی کا بھی لوگوں سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں مانگا جاتا۔ اس لیے دعوت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فقیر و امیر کا سوال بے معنی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ جن لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہی ہے، ان کو صرف فقیر و نادار ہونے کی بنیاد پر دھتکار دیا جائے۔

۳۱۔ منکرین کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت کے جاہلی معیار کی اس آیت میں نفی کی گئی ہے کہ نہ میرے پاس اللہ کے خزانوں کی کنجیاں ہیں کہ جس کو چاہوں دولت سے مالا مال کروں، نہ کاہنوں کی طرح غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہوں۔ میں نے کبھی فرشتہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، میں انسان ہوں، کھاتا پیتا چلتا پھرتا ہوں۔ رسول کا کام انسان کی ہدایت و رہبری اور اللہ کی طرف سے دستور حیات دینا ہے، مگر جاہلی طرز فکر کے مطابق رسول کو مافوق البشر خزانوں کا مالک اور غیب دان ہونا چاہیے۔

۳۲۔ ۳۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جب حجت و دلیل

إِنِّيٓ إِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٤﴾ ؕ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي

میں ایسا کہوں تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔☆ (۳۲) لوگوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے بحث کی ہے اور بہت بحث کی اور اب اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔☆ (۳۳) کہا: اسے تو بے شک اللہ ہی تم پر لائے گا اگر وہ چاہے اور تم (اسے) عاجز تو نہیں کر سکتے۔☆ (۳۴) اور جب اللہ نے تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تو اگر میں تمہیں نصیحت کرنا بھی چاہوں تو میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی، وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔☆ (۳۵) کیا یہ لوگ کہتے ہیں: اس شخص (محمد) نے یہ باتیں بنائی ہیں؟ کہہ دیجیے: اگر یہ باتیں میں نے بنائی ہیں تو میں اپنے جرم کا خود ذمے دار ہوں اور جس جرم کے تم مرتکب ہو میں اس سے بری ہوں۔☆ (۳۶) اور نوح کی طرف یہ وحی کی گئی کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ آپ کی قوم میں سے ہرگز کوئی اور ایمان نہیں لائے گا لہٰذا جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں۔ (۳۷) اور ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے ایک کشتی بنائیں اور ظالموں

---

کا مقابلہ نہ کر سکی تو دلیل کی جگہ چیلنج کو اختیار کیا اور اسی تحقیری اور تکذیبی لہجے میں کہا: وہ عذاب لے آؤ جس سے ہمیں ڈراتے رہے ہو اگر تم سچے ہو۔ یعنی تمہارا دعوائے نبوت سچا ہے اور نہ عذاب کی دھمکی۔

لوگوں نے عذاب لانے کی نسبت حضرت نوحؑ کی طرف دی لیکن حضرت نوحؑ نے یہ نسبت اللہ کی طرف دے کر یہ واضح کر دیا کہ میں خود بھی مشیت الٰہی کے تابع ہوں۔ عذاب لانا نہ لانا میرے اختیار میں نہیں ہے، بلکہ یہ عذاب اللہ کی مشیت کے مطابق آئے گا۔

۳۴۔ اللہ کسی کو از خود گمراہ نہیں کرتا بلکہ انسان خود اپنی گمراہی پر ڈٹ جاتا ہے اور اپنی ضلالت کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ تو اللہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور اللہ جسے اس کے حال پر چھوڑ دے اسے کون بچا سکتا ہے۔

۳۵۔ حضرت نوحؑ کا قصہ سن کر اندازہ ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ کو بھی اسی قسم کے دلائل پیش کرنا پڑے اور مکہ کے منکرین نے بھی اسی قسم کا جواب دیا تھا تو کفار مکہ نے یہ الزام لگایا کہ محمدؐ نوحؑ کے نام سے ایسے واقعات خود گھڑ لیتے ہیں جو خود انہیں پیش آ رہے ہیں اور اسے ہم پر چسپاں کرتے

ہیں۔ اس لیے واقعہ نوحؑ کے بارے میں سلسلہ کلام قطع کر کے اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ اگر میں اپنی طرف سے اس قسم کے قصے کہانیاں بنا لیتا ہوں تو یہ ایک جرم ہے۔ جب اسے میں جرم سمجھتا ہوں تو میں کیسے اس کا ارتکاب کروں گا؟ مگر تم جس جرم کے ہمیشہ مرتکب ہو رہے ہو اسے جرم ہی نہیں سمجھتے، لہٰذا تم ہی جرم کے مرتکب ہو، میں اس سے برائت چاہتا ہوں۔

۳۷۔ ممکن ہے حضرت نوحؑ کے زمانے میں جہاز رانی اور کشتی رانی کی صنعت رائج نہ ہو اس لیے بذریعہ وحی اس صنعت کو متعارف کرایا گیا ہو۔ کہتے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ ؕ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٩﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿٤٠﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤١﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟ وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ وَ

قرأ حفص بفتح الميم وامالة الراء

کے بارے میں مجھ سے بات ہی نہ کریں کیونکہ وہ ضرور ڈوبنے والے ہیں۔☆ (۳۷) اور وہ (نوح) کشتی بنانے لگے اور ان کی قوم کے سرداروں میں سے جو وہاں سے گزرتا وہ ان کا مذاق اڑاتا تھا، نوح نے کہا: اگر آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو کل ہم تمہارا اسی طرح مذاق اڑائیں گے جیسے تم مذاق اڑاتے ہو۔☆ (۳۸) عنقریب تمہیں علم ہو جائے گا کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر ہمیشہ رہنے والا عذاب نازل ہوگا۔ (۳۹) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور (سے پانی) ابلنے لگا تو ہم نے کہا: (اے نوح!) ہر جوڑے میں سے دو دو کشتی پر سوار کرو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کی بات پہلے ہو چکی ہے اور ان کو بھی (سوار کرو) جو ایمان لا چکے ہیں، اگرچہ ان کے ساتھ ایمان لانے والے بہت کم تھے۔☆ (۴۰) اور نوح نے کہا: کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے، بتحقیق میرا رب بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ (۴۱) اور کشتی انہیں لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں

ہیں مسیحی علماء نے اس کشتی کے طول و عرض کی تحقیق کی ہے کہ اس کی لمبائی پانچ سو پچیس فٹ، عرض ساڑھے ستاسی فٹ اور اونچائی ساڑھے باون فٹ تھی، جبکہ اسلامی روایات اس سے مختلف ہیں۔

۳۸۔ خشکی پر کشتی بناتے دیکھ کر ایمان بالغیب سے محروم لوگ اس عمل کو حضرت نوح کی دیوانگی کا ثبوت قرار دیتے تھے اور غیب پر ایمان رکھنے والے اطمینان سے اپنے لیے نجات کا ذریعہ بنا رہے تھے۔

۴۰۔ التَّنُّوْرُ کے بارے میں متعدد اقوال ہیں: اس سے مراد وجہ الارض روئے زمین ہے۔ لسان العرب میں آیا ہے: وَ كُلُّ مَفْجَرِ مَاءٍ تَنُّور۔ ہر پانی پھوٹنے کی جگہ کو تنور کہتے ہیں۔ مجمع البحرین میں مادہ (ت ن ر) میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس مراد سورج کا طلوع ہے۔ فَارَ التَّنُّوْرُ کا مطلب یہ ہے: جب سورج کی روشنی پھوٹ پڑی۔ یہ قول حضرت علی ؑ کی طرف منسوب ہے۔ (تفسیر عیاشی) تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد روٹی کا تنور ہے۔ آج بھی مسجد کوفہ میں اس تنور کی جگہ معروف ہے۔ یہ احتمال بھی دیا جاتا ہے کہ ایک دم دار ستارے کے سمندر میں گرنے سے طوفان آیا تھا۔

۴۱ تا ۴۳ اللہ کے غضب اور عذاب سے نجات کے لیے نجات کی کشتی میں سوار ہونا ضروری ہے۔ اگر انسان کشتی نجات سے انحراف کرے تو کسی اولو العزم نبی کے ساتھ رشتہ داری نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ اسی لیے حضرت نوح ؑ کا ایک بیٹا غرق ہوا کیونکہ وہ نجات کے حقیقی ذریعہ ایمان اور اطاعت رسول اور کشتی کی بجائے ایک موہوم ذریعہ یعنی پہاڑ کو نجات کا ذریعہ سمجھتا رہا۔ حضرت نوح کی بیوی بھی غرق ہو گئی کیونکہ وہ بھی کشتی نجات پر عقیدہ نہیں رکھتی تھی اور حضرت نوح ؑ کے ساتھ خیانت کرتی تھی۔ جیسا کہ سورہ تحریم میں ارشاد ربانی ہے:

كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا
تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى
جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ
الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ
بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾
وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ
اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَ
اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا
لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ
فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ
وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾
قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ
عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ڶ فَلَا تَسْــَٔلْنِ مَا لَيْسَ

چلنے لگی، اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو جو کچھ فاصلے پر تھا پکارا: اے بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔☆ ﴿۴۲﴾ اس نے کہا: میں پہاڑ کی پناہ لوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا، نوح نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر اللہ رحم کرے، پھر دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہوگیا۔☆ ﴿۴۳﴾ اور کہا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی (کوہ) جودی پر ٹھہر گئی اور کہا گیا ظالموں پر نفرین ہو۔☆ ﴿۴۴﴾ اور نوح نے اپنے رب کو پکار کر عرض کی: اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور یقینا تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔☆ ﴿۴۵﴾ فرمایا: اے نوح! بے شک یہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے، یہ غیر صالح عمل ہے لہٰذا جس چیز کا آپ کو علم نہیں اس کی مجھ سے درخواست نہ کریں، میں آپ

---

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا۔ اللہ کافروں کے لیے نوح اور لوط کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے۔ یہ دونوں ہمارے صالح بندوں کے نکاح میں تھیں، لیکن ان دونوں کے ساتھ ان دونوں (عورتوں) نے خیانت کی۔

طوفان میں کشتی کی دو حالتیں ہوتی ہیں: ایک دوران طوفان اس کا چلنا۔ دوسری طوفان کے بعد اس کا تھمنا اور کسی ساحل پر آ کر رکنا۔ پانی کی طوفانی موجیں ہوں یا خشکی یا خوف و ہراس کی حالتیں ہوں یا ساحل امن، ہر حالت میں انسان خدا کا نام اور اذن کی طرف محتاج رہتا ہے۔ حضرت نوح ؑ کے اس خطاب میں توحید کا عنصر سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اگرچہ وسیلہ اور تدبیر سے غافل نہیں، کشتی بنائی جاتی ہے، سوار کرائے جاتے ہیں، لیکن موثر فی الوجود اور حقیقی نجات دہندہ تو اللہ ہے، لہٰذا اسی کا نام لو، اسی پر بھروسہ رکھو، چاہے کشتی چلتی رہے، چاہے کسی ساحل امن پر رک جائے۔

۴۴۔ توریت میں آیا ہے کہ کوہ ارارات پر کشتی نوح ؑ ٹھہری۔ ارارات ایک کوہستانی سلسلہ ہے جو آرمینیا سے لے کر کردستان تک پھیلا ہوا ہے۔ قرآن نے تو اس چوٹی کا بھی ذکر کیا ہے جس پر نوح ؑ کی کشتی ٹھہری تھی۔ یعنی جودی۔ چنانچہ قبل از مسیح کی قدیم تاریخ میں کشتی کے ٹھہرنے کی یہی جگہ بتائی گئی ہے۔

۴۵۔ جب نوح ؑ اور ان کے بیٹے کے درمیان موج حائل ہوگئی اس وقت اضطراری حالت میں پکارا ہو گا۔ حضرت نوح ؑ نے یہ موقف اختیار کیا کہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں شامل ہے اور تیرا وعدہ

لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ
الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ
اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ
وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ
الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا
وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ
وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ
اَلِیْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ
اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ
مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ
لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾ ع وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ
قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ یٰقَوْمِ

معانقة ۹ الوقف علی فاصبر احسن

کو نصیحت کرتا ہوں کہ مبادا نادانوں میں سے ہو جائیں۔☆
﴿۴۷﴾ نوح نے کہا: میرے رب میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں
اس بات سے کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کا مجھے علم
نہیں ہے اور اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گا اور مجھ پر رحم نہیں
کرے گا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں
گا۔☆ ﴿۴۸﴾ کہا گیا: اے نوح ﷺ! اترو ہماری طرف سے
سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر اور ان جماعتوں پر
ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں اور کچھ جماعتیں ایسی بھی ہوں گی
جنہیں ہم کچھ مدت زندگی کا موقع بخشیں گے پھر انہیں ہماری
طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔☆ ﴿۴۹﴾ یہ ہیں غیب کی
کچھ خبریں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، اس سے
پہلے نہ آپ ان باتوں کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم پس
صبر کریں انجام یقینا پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور
عاد کی طرف ان کی برادری کے فرد ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا:
اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی
معبود نہیں ہے، (دوسرے معبودوں کو) تم نے صرف افتراء
کیا ہے۔ ﴿۵۱﴾ اے میری قوم! میں اس کام پر تم سے کوئی

ہے کہ گھر والوں کو نجات مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ
نے جواب میں فرمایا: تو نہیں جانتا کہ تیرا بیٹا تیرے
گھر والوں میں شامل نہیں ہے۔ حضرت نوح ﷺ
اس مسئلے میں ایک نکتہ نہیں جانتے تھے یا تو وہ یہ نہیں
جانتے تھے کہ خاندانی رشتہ کے لیے نسبی رشتہ کافی
نہیں ہے، ایمانی رشتہ ضروری ہے یا یہ نہیں جانتے
تھے کہ بیٹا فی الواقع مومن نہیں ہے۔ ایک اولی
العزم نبی کے لیے ناممکن ہے کہ وہ پہلے نکتے کو نہ
جانتا ہو، لہٰذا لازماً حضرت نوح ﷺ اس بات کو نہیں
جانتے تھے کہ بیٹا مؤمن نہیں ہے۔
۴۶۔ حضرت نوح ﷺ کی جس عمل پر سرزنش کی گئی ہے
وہ ممکن ہے یہ ہو کہ بیٹے کا کشتی پر سوار ہونے سے
انکار معصیت نہیں، کفر ہے۔
نوح ﷺ کے بیٹے کے واقعے میں ان لوگوں کے
نظریات کی نفی ہے جو نسلی بنیاد پر اپنے آپ کو اللہ کی
پسندیدہ قوم تصور کرتے ہیں۔ شاید بائیبل میں
نوح ﷺ کے بیٹے کا واقعہ درج نہ ہونے کی یہی وجہ
ہو کہ اس سے ان کے بنیادی عقیدے کی نفی ہوتی
ہے۔
۴۷۔۴۸ زمین کو طوفان کے ذریعے کفر و طغیان سے
پاک کرنے کے بعد بھی دو گروہوں کے موجود
ہونے کا ذکر ہے۔ ایک حضرت نوح ﷺ کی معیت
میں ہے۔ اس ایمانی معیت اور ہمراہی میں آنے
والی نسلوں کے لیے اللہ کی طرف سے سلامتی اور
برکتیں ہوں گی، جب کہ دوسرے گروہ کو دنیاوی
زندگی کے مال و متاع سے لطف اندوز ہونے کے
بعد عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ اس
لیے ہے کہ چونکہ انسان کو آزادی و خود مختاری عطا
ہوئی ہے اور دنیا میں اس کے ذریعے اسے پرکھنا
ہے۔ لہٰذا حق و باطل کی جنگ جاری رہے گی اور نور و
ظلمت کا آمنا سامنا ہوتا رہے گا، جس کا لازمی نتیجہ
یہی نکلے گا کہ کچھ لوگ حق کا راستہ انتخاب کریں گے
اور کچھ باطل کا۔

لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ

اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اس ذات پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟☆ ﴿۵۱﴾ اور اے میری قوم! اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کے حضور توبہ کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا اور مجرم بن کر منہ نہ پھیرو۔☆ ﴿۵۲﴾ کہنے لگے: اے ہود! تم ہمارے سامنے کوئی شہادت نہیں لائے اور ہم تمہاری بات پر اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے اور نہ ہی ہم تجھ پر ایمان لا سکتے ہیں۔☆ ﴿۵۳﴾ کیونکہ ہم تو یہ کہتے ہیں: تجھے ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آسیب پہنچایا ہے، ہود نے کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ (اللہ کے سوا) جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔☆ ﴿۵۴﴾ اس اللہ کے سوا تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو پھر مجھے مہلت نہ دو۔☆ ﴿۵۵﴾ میں نے اللہ پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے، کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی

۵۱۔ یعنی جب میں ہر قسم کے مفاد سے بالاتر ہو کر اس دعوت کے سلسلے میں مشقتیں اٹھا رہا ہوں اور تمہارے دین کی مخالفت کر کے سب کو اپنا دشمن بنا چکا ہوں تو تمہیں سوچنا چاہیے کہ اگر حق و حقیقت جیسی اطمینان بخش طاقت میری پشت پر نہ ہوتی تو ان سب مصائب و مشکلات سے بے پرواہ ہو کر اس گرداب میں کیوں کود پڑتا۔

۵۲۔ اس مضمون کی ایک آیت رسول کریم ﷺ کی طرف نازل ہوئی تھی جو سورہ کی ابتدا میں گزر گئی۔ اس کے علاوہ دیگر متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی زندگی کی سعادت و شقاوت میں دینی قدروں کو دخل حاصل ہے۔

۵۳۔ قوم ہود ؑ کا مؤقف یہ تھا کہ اگر آپ ؑ اللہ کے نمائندہ ہیں تو اس پر کوئی دلیل پیش کریں اور جو دلیل وہ پیش کرتے اسے مسترد کرتے تھے۔ بالکل مشرکین مکہ کی طرح جو حضور ﷺ سے معجزات مانگتے تھے اور جو معجزہ پیش کیا جاتا اسے مسترد کرتے تھے۔

۵۴۔ ۵۵ حضرت ہود ؑ نے کمال استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا: میں اللہ اور تم سب کو گواہ بنا کر تمہارے معبودوں سے اعلان بیزاری کرتا ہوں اور تم سب مل کر میرے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ اگر تمہارے معبود مجھے آسیب پہنچا سکتے ہیں تو میرے خلاف تمہاری مدد بھی کر سکتے ہیں، ایک بار میرے خلاف ان معبودوں سے مدد لے کر دکھاؤ۔ حضرت ہود ؑ اپنے اس چیلنج پر اس قدر اپنے رب پر اعتماد کا اظہار فرما رہے ہیں کہ کافروں سے فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ تمہیں مہلت دیتا ہے، مجھے مہلت بھی نہ دو اور اپنی سازش پر فوری عمل کرو۔

۵۶۔ حضرت ہود ؑ نے دشمن کو اس کی ناتوانی کا احساس دلایا، اس کے بعد اپنی طاقت کا بھی احساس دلا رہے ہیں کہ میں نے اس رب پر

دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ
اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ
يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا
تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا
وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ
نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ
جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ
وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَ
اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ
اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ ع

اللہ کی گرفت میں نہ ہو، بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔☆ ﴿۵۶﴾ پھر اگر تم منہ پھیرتے ہو تو میں نے تو وہ پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ میں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا اور میرا رب تمہاری جگہ اور لوگوں کو لائے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، بیشک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔☆ ﴿۵۷﴾ پھر جب ہمارا فیصلہ آیا تو ہود اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں بچا لیا اور ہم نے انہیں سنگین عذاب سے نجات دی۔ ﴿۵۸﴾ یہ وہی عاد ہیں، جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش دشمن کے حکم کی پیروی کی۔☆ ﴿۵۹﴾ اور اس دنیا میں بھی لعنت نے ان کا تعاقب کیا اور قیامت کے روز بھی (ایسا ہوگا)، واضح رہے عاد نے اپنے رب سے کفر کیا، آگاہ رہو! ہود کی قوم (یعنی) عاد کے لیے (رحمت حق سے) دوری ہو۔ ﴿۶۰﴾ اور ثمود کی طرف ان کی برادری کے فرد صالح کو بھیجا، انہوں نے

بھروسہ کیا ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہر جاندار کی جان ہے، وہی طاقت کا سرچشمہ ہے اور وہی عدل و انصاف کا مالک بھی ہے۔ وہ حق کا ساتھ دیتا ہے اور باطل کو نابود کرتا ہے۔

۵۷۔ حجت پوری ہونے کے بعد حق سے منہ پھیرنے کی صورت میں جو کچھ امتوں کے ساتھ ہوا ہے، اسی انجام کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا کر تمہاری جگہ دوسری قوموں کو آباد کرے گا۔

۵۹۔ قوم عاد کی تین خصلتوں کا ذکر ہے: I۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد کو حضرت ہود ؑ نے معجزات بھی دکھائے تھے۔ II۔ اس قوم نے رسولوں کی نافرمانی کی۔ چونکہ تمام رسولوں کا پیغام اور رسالت ایک ہی ہوتی ہے لہٰذا ایک رسول کی نافرمانی دوسرے رسولوں کی بھی نافرمانی شمار ہوتی ہے۔ III۔ اس قوم نے اللہ کے نمائندوں کی نافرمانی کر کے سرکشوں کی پیروی کی اور اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں آ گئی۔ ان تین خصلتوں کی وجہ سے وہ دنیا و آخرت دونوں میں اللہ کی رحمت سے دور ہو گئی۔ کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، جب کھیتی ہی رحمت سے دور ہو اور اسے مناسب پانی اور روشنی نہ ملے تو جو کچھ کھیتی کی دنیا میں رونما ہوگا وہ اثر فصل پر پڑنا ایک طبعی امر اور واضح بات ہے۔ آیت بتاتی ہے کہ خدا کی طرف

وقف لازم

أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ
مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ
الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ
ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ
مُّجِيبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا
مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا
يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا
تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يَا قَوْمِ
أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي
وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي
مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِي
غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿۶۳﴾ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ
لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ

کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمہیں آباد کیا لہٰذا تم اسی سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور توبہ کرو، بے شک میرا رب بہت قریب ہے، (دعاؤں کا) قبول کرنے والا ہے۔☆ ﴿۶۱﴾ انہوں نے کہا: اے صالح! اس سے پہلے ہم تم سے بڑی امیدیں وابستہ رکھتے تھے، اب کیا ان معبودوں کی پوجا کرنے سے تم ہمیں روکتے ہو جن کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے؟ اور جس بات کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو اس بارے میں ہمیں شبہ انگیز شک ہے۔☆ ﴿۶۲﴾ صالح نے کہا: اے میری قوم! مجھے بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنی رحمت سے مجھے نوازا ہے تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اللہ کے مقابلے میں میری حمایت کون کرے گا؟ تم تو میرے گھاٹے میں صرف اضافہ کر سکتے ہو۔☆ ﴿۶۳﴾ اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے لہٰذا اسے آزاد چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں

---

سے مقرر شدہ رہنمائی کی مخالفت اور ان کی نافرمانی کا لازمی نتیجہ طاغوت کی غلامی ہے اور طاغوت کی اطاعت دنیا و آخرت میں لعنت خداوندی کا باعث ہے۔

۶۱۔ تاریخ قوم ثمود کے لیے ملاحظہ ہو: اعراف: ۷۳ حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کا مرکزی نکتہ وہی ہے جو تمام انبیاء کا ہے: اے قوم اللہ کی بندگی کرو، بندگی اس ذات کی ہونی چاہیے جس نے تمہیں زندگی دی اور زندہ رہنے کے وسائل بھی دیے۔

اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ: اللہ اور تمہارے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ تم بتوں کو وسیلہ بنائے بغیر براہ راست استغفار کرو۔ میرا رب قریب ہے، دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

۶۲۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام رسالت پر مبعوث ہونے سے قبل اپنی قوم میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے اور قوم کو ان سے امیدیں وابستہ تھیں، جیسا کہ مکہ والے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی بعثت سے پہلے اسی قسم کا مؤقف رکھتے تھے۔

۶۳۔ حضرت صالح علیہ السلام منکرین کے سامنے اپنا مؤقف بیان فرماتے ہیں: معجزہ اور نبوت عطا ہونے کے باوجود اگر میں اللہ کی نمائندگی چھوڑ کر تمہاری بات مان لوں اور غنی مطلق کو چھوڑ کر محتاج بندوں کے دروازوں پر دستک دوں اور رحمت کے خزانے کو

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ
قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ
دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ
مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا
وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ
خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ
الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ لَّمْ
يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا
رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ ع وَلَقَدْ جَآءَتْ
رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ
قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ
حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ

چرتی رہے اور اسے تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تمہیں ایک فوری عذاب گرفت میں لے گا۔☆ ﴿٦٥﴾ پس انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالح نے کہا: تم لوگ تین دن اپنے گھروں میں بسر کرو، یہ ناقابل تکذیب وعدہ ہے۔☆ ﴿٦٦﴾ پھر جب ہمارا فیصلہ آ گیا تو ہم نے صالح اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات دی اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچا لیا، یقیناً آپ کا رب بڑا طاقتور، غالب آنے والا ہے۔☆ ﴿٦٧﴾ اور جنہوں نے ظلم کیا تھا انہیں ایک ہولناک چنگھاڑ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔☆ ﴿٦٨﴾ گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، واضح رہے ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا آگاہ رہو! ثمود کی قوم کے لیے (رحمت حق سے) دوری ہو۔☆ ﴿٦٩﴾ اور جب ہمارے فرشتے بشارت لے کر ابراہیم کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: سلام، ابراہیم نے (جواباً) کہا: سلام، ابھی دیر نہ گزری تھی کہ ابراہیم ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔☆ ﴿٧٠﴾ جب

---

چھوڑ کر حاجتمندوں کی خالی جھولیوں کو تکتا رہوں تو ہر آن میرے گھاٹے میں اضافہ ہوگا۔

۶۵-۶۶ جب قوم ثمود نے اس ناقہ کو مار ڈالا تو حضرت صالحؑ نے انہیں تین دنوں کی مہلت دی۔ یہ مہلت اس لیے دی گئی کہ کوئی راہ راست پر آنا چاہے تو آ جائے (الکافی) نیز ممکن ہے کہ تین دنوں کی مہلت سے یہ تشخص مل جائے کہ یہ وہی عذاب ہے جس کی دھمکی صالحؑ نے دی تھی ورنہ اسے اتفاقیہ بھی قرار دے سکتے تھے۔

اللہ نے حضرت صالحؑ اور مومنین کو عذاب سے بچایا اور رسوائی سے بھی بچایا۔ یعنی ثمود کی ہلاکت کے بعد حضرت صالحؑ اور مومنین نے عزت و تکریم کی زندگی گزاری۔

۶۷-۶۸ سورہ اعراف آیت ۷۸ میں اس واقعہ کا ذکر ہو چکا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ وہاں الرجفة زلزلے کا لفظ آیا ہے اور یہاں الصیحة ہولناک آواز وارد ہوا ہے۔ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ زلزلے کے ساتھ ہولناک گڑگڑاہٹ عموماً ہوا کرتی ہے۔

واضح رہے کہ حضرت صالحؑ کی اونٹنی کو ایک آدمی نے مارا تھا اور عذاب سب پر اس لیے آیا کہ سب اس بات پر راضی تھے۔ اسلامی تعلیمات میں جرم و نیکی پر راضی ہونا اس میں شریک ہونے کے برابر ہے۔

۶۹- یہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دینے اور قوم لوط کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے آئے تھے۔ فرشتے بشری شکل میں آئے اور انہوں نے سلام کیا۔ سلام صرف زمینی ادیان کی نہیں بلکہ آسمانی مخلوقات اور اہل بہشت کی بھی ثقافت ہے۔

بھنے ہوئے بچھڑے سے مہمانوں کی تواضع کی۔ اس

نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا
تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ﴿٧٠﴾
وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا
بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾
قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا
بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾
قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ
اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ
الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ
قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ﴿٧٤﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ
مُّنِيْبٌ ﴿٧٥﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ
اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ

ابراہیم نے دیکھا ان کے ہاتھ اس (کھانے) تک نہیں پہنچتے تو انہیں اجنبی خیال کیا اور ان سے خوف محسوس کیا، فرشتوں نے کہا: خوف نہ کیجیے ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔☆ ﴿٧٠﴾ اور ابراہیم کی زوجہ کھڑی تھیں پس وہ ہنس پڑیں تو ہم نے انہیں اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔☆ ﴿٧١﴾ وہ بولی: ہائے میری شامت! کیا میرے ہاں بچہ ہوگا جبکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں؟ یقیناً یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔☆ ﴿٧٢﴾ انہوں نے کہا: کیا تم اللہ کے فیصلے پر تعجب کرتی ہو؟ تم اہل بیت پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہیں، یقیناً اللہ قابل ستائش، بڑی شان والا ہے۔☆ ﴿٧٣﴾ پھر جب ابراہیم کے دل سے خوف نکل گیا اور انہیں خوشخبری بھی مل گئی تو وہ قوم لوط کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگے۔☆ ﴿٧٤﴾ بے شک ابراہیم بردبار، نرم دل، اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔☆ ﴿٧٥﴾ (فرشتوں نے ان سے کہا) اے ابراہیم! اس بات کو چھوڑ دیں، بیشک

---

سے حضرت ابراہیم ؑ کی مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ ان کی سطح زندگی کا بھی کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔

۷۰۔ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو حضرت ابراہیم ؑ کو بادی النظر میں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں دشمنی کے ارادے سے تو نہیں آئے۔

۷۱ تا ۷۳ مجمع البیان کا موقف یہ ہے کہ ضحک حیض کے معنوں میں ہے۔ جس وقت حضرت ابراہیم ؑ اور مہمانوں میں گفتگو ہو رہی تھی، اس وقت حضرت سارہ کھڑی گفتگو سن رہی تھیں۔ اس وقت حضرت سارہ کو عالم پیری میں ماہواری آنا شروع ہوگئی اور فرشتوں نے حضرت سارہ کو خوشخبری سنائی کہ آپ کے ہاں بیٹا ہونے والا ہے اور ساتھ ہی پوتے کی خوشخبری بھی دی۔ اس پر حضرت سارہ کو حیرت ہوئی اور اظہار تعجب کیا، کیونکہ بنابر روایت بائیبل حضرت ابراہیم ؑ کی عمر ۱۰۰ سال اور حضرت سارہ کی عمر ۹۰ برس تھی۔ فرشتوں نے سارہ کے تعجب و حیرانگی کے جواب میں کہا: اللہ کے فیصلے پر تعجب کرتی ہو جبکہ اس گھرانے پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوتی رہی ہیں۔ حضرت سارہ ان پاک خواتین میں سے ایک ہیں جو فرشتوں سے ہمکلام ہوئی ہیں۔ فرشتوں نے یہ بشارت حضرت سارہ کو اس لیے دی ہو گی کہ حضرت ابراہیم ؑ کے ہاں حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل ؑ جیسے جلیل القدر فرزند موجود تھے۔

۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶ قوم لوط سے عذاب ٹالنے کے لیے حضرت ابراہیم ؑ کا اصرار و تکرار ایک طرف تو ان کی اللہ کے ساتھ گہری محبت و ناز کو ظاہر کرتا ہے، دوسری طرف ان کی نرم دلی اور حلم و بردباری کی عظمت کا

عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ
رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ
ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾
وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ
قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ
هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ
رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ
مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ
لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ
قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا
يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا
اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا

آپ کے رب کا فیصلہ آ چکا ہے اور ان پر ایک ایسا عذاب آنے والا ہے جسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ ﴿۷۶﴾ اور جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس آئے تو لوط ان سے رنجیدہ ہوئے اور ان کے باعث دل تنگ ہوئے اور کہنے لگے: یہ بڑا سنگین دن ہے۔ ﴿۷۷﴾ اور لوط کی قوم بے تحاشا دوڑتی ہوئی ان کی طرف آئی اور یہ لوگ پہلے سے بدکاری کا ارتکاب کرتے تھے، لوط نے کہا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں پس تم اللہ کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی ہوشمند آدمی نہیں ہے؟☆ ﴿۷۸﴾ وہ بولے: تمہیں خوب علم ہے ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی غرض نہیں ہے اور یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔☆ ﴿۷۹﴾ لوط نے کہا: اے کاش! مجھ میں (تمہیں روکنے کی) طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا۔☆ ﴿۸۰﴾ فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرستادے ہیں یہ لوگ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے، پس آپ رات کے کسی حصے میں اپنے

---

غماز ہے۔

۷۸۔ حضرت لوط ؑ کی بدکار قوم نے جب ان خوش شکل لڑکوں کو دیکھا تو حضرت لوط ؑ کے گھر کی طرف دوڑ پڑے۔ شاید فرشتے خوش شکل لڑکوں کی صورت میں اسی لیے آئے ہوں کہ ان کی بدکاری ثابت ہو جائے۔

حضرت لوط ؑ نے فرمایا: جنسی خواہشات کو پورا کرنا ہے تو اس کے لیے شائستہ اور فطری راستہ اختیار کرو اور میری بیٹیاں تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ پاکیزگی یعنی نکاح۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کافروں کے ساتھ نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب دیا گیا ہے: ممکن ہے شریعت حضرت لوط ؑ میں کافر سے نکاح جائز ہو نیز ممکن ہے "میری بیٹیاں" سے مراد قوم کی بیٹیاں ہوں۔

اس واقعے سے مہمان کی عزت اور اس کے وقار کے تحفظ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس کے لیے حضرت لوط ؑ ہر قربانی دینے کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں۔

۷۹۔۸۰ وہ حضرت لوط ؑ ہی کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے کہ یہ مسئلہ تو خود آپ ؑ کے علم میں ہے کہ آپ کی بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کے قومی رواج کے مطابق لوگوں کی عورتوں پر بزور بازو قبضہ کرنا درست نہیں تھا، مگر لڑکوں سے اپنی ہوس پوری کرنے میں کوئی حرج نہ تھا۔ (المیزان ۹: ۳۴۰) اور ممکن ہے ان کی ساری رغبت اس گندگی کی طرف ہو گئی ہو اور فطری راہوں کی طرف وہ سرے سے راغب ہی نہ ہوتے ہوں۔

جب حضرت لوط ؑ نے اس عار و ننگ سے بچنے

يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ
مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ
الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا
جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ
اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ۬
مَّنْضُوْدٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ
النصف ع وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٣﴾ ع وَاِلٰى
مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا
تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ
بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿٨٤﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ
وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے سوائے آپ کی بیوی کے، بیشک جو عذاب دوسروں پر پڑنے والا ہے وہی اس (بیوی) پر بھی پڑے گا، یقینا ان کے وعدہ عذاب کا وقت صبح ہے، کیا صبح کا وقت قریب نہیں؟ ☆ ﴿۸۱﴾ پس جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس (بستی) کو تہ و بالا کر دیا اور اس پر پختہ مٹی کے پتھروں کی لگاتار بارش برسائی۔ ☆ ﴿۸۲﴾ جن پر آپ کے رب کے ہاں (سے) نشانی لگی ہوئی تھی اور یہ (عذاب) ظالموں سے (کوئی) دور نہیں۔ ☆ ﴿۸۳﴾ اور مدین کی طرف ہم نے ان کی برادری کے فرد شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو، میں تمہیں آسودگی میں دیکھ رہا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ دن نہ آ جائے جس کا عذاب تمہیں گھیر لے۔ ﴿۸۴﴾ اور اے میری قوم! انصاف کے ساتھ پورا ناپا اور تولا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا

کے تمام ذرائع استعمال کیے۔ وعظ ونصیحت تو شروع سے کرتے رہے، فطری راہوں سے خواہشات پوری کرنے کی تجویز بھی سامنے رکھ دی اور قوم کے کسی ہوشمند آدمی کی بھی تلاش کی جو ان کی مدد کو پہنچے، جب ان سب چیزوں سے مایوس ہوئے تو اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ کاش کوئی قوم وقبیلہ ہوتا جو میرا دفاع کرتا یا کوئی جائے پناہ ہوتی جس کا سہارا لیتا۔

۸۱۔ حضرت لوط ؑ کے اضطراب و پریشانی کو دیکھ کر فرشتوں نے اصل راز سے پردہ اٹھایا اور کہا: ہم تو آپ ؑ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ وہ سب اندھے ہو گئے۔

حضرت لوط ؑ کو حکم ہوا کہ خاندان کے تمام افراد کو لے کر نکل جائیں۔ البتہ ان کی بیوی چونکہ خیانت کار تھی، اس لیے کہا گیا کہ وہ ہلاکت میں جائے گی۔ ممکن ہے حضرت لوط ؑ نے قوم کی بداعمالیوں اور فحش کاریوں کی بنا پر جلدی عذاب کی درخواست کی تو فرمایا گیا کہ صبح کے وقت عذاب آنے ہی والا ہے۔

۸۲۔ ۸۳ ممکن ہے یہ عذاب آتش فشانی کے دھاکے کے ساتھ آیا ہو جس میں زلزلہ بھی ہوتا ہے اور زمین کو الٹ کر تہ و بالا بھی کر دیا جاتا ہے اور آتش فشانی کی وجہ سے اوپر سے پتھروں کی بارش بھی ہو سکتی ہے اور ہر پتھر پر نشانی کی کیا تفصیل ہے، آیت اس سلسلے میں خاموش ہے اور ظن و تخمین کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کہتے ہیں آج تک بحر لوط کے جنوب اور مشرق کے علاقے میں اس انفجار کے

أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ﴿٨٥﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ أَنَا عَلَيْكُمْ
بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ
تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ أَوْ أَنْ
نَّفْعَلَ فِيْٓ أَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۖ إِنَّكَ لَأَنْتَ
الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ
إِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ
مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۖ وَمَآ أُرِيْدُ أَنْ
أُخَالِفَكُمْ إِلٰى مَآ أَنْهٰكُمْ عَنْهُ ۖ إِنْ أُرِيْدُ
إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۖ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ
إِلَّا بِاللّٰهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ ﴿٨٨﴾
وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ أَنْ يُّصِيْبَكُمْ

کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ (۸۶) اللہ کی طرف سے باقی ماندہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تم پر نگہبان تو نہیں ہوں۔☆ (۸۷) انہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں یا ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی سے تصرف کرنا بھی چھوڑ دیں؟ صرف تو ہی بڑا بردبار عقلمند آدمی ہے؟☆ (۸۸) شعیب نے کہا: اے میری قوم! مجھے بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل کے ساتھ ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے بہترین رزق (نبوت) سے نوازا ہے، میں ایسا تو نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں میں تو حسب استطاعت فقط اصلاح کرنا چاہتا ہوں اور مجھے صرف اللہ ہی سے توفیق ملتی ہے، اسی پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔☆ (۸۹) اور اے میری قوم! میری مخالفت کہیں اس بات کا موجب نہ بنے کہ تم پر بھی وہی

آثار ہر طرف نمایاں ہیں۔

۸۶۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہاں الٰہی اقدار سے روشناس کرانے کی کوشش کی وہاں ان کو ناجائز ذرائع سے کمانے اور معاشرے میں معاشی بگاڑ پیدا کرنے سے روکا۔ آپ نے انہیں جائز منافع پر اکتفا کرنے کی نصیحت کی۔ اس آیت میں عادلانہ معاملات کے ذریعے حاصل شدہ جائز منافع کو بَقِيَّتُ اللّٰهِ سے تعبیر کرنا یہ بتاتا ہے کہ کسی مومن تاجر کے لیے جائز ذرائع سے حاصل ہونے والا منافع اللہ کی عنایت اور اس کی طرف سے بقا کا ضامن ہے۔

۸۷۔ وہ بطور طنز کہتے تھے: کیا تمہاری نماز کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اپنے معبودوں کی پوجا ترک کر دیں؟ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کے دین اور ان کی نماز کو طنز کا نشانہ بناتے تھے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس نماز کے اثرات عبادت و معاملات پر یکساں طور پر مترتب ہو رہے ہیں۔ اس نماز میں توحید پرستی ہے جس میں بت پرستی اور شرک کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس نماز کے اثرات مالی معاملات پر بھی مترتب ہو رہے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین و مذہب صرف عبادتی رسوم کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تمدن معاشرت سیاست اور معاشی نظام پر مشتمل ایک جامع نظام کا نام ہے۔ قدیم جاہلیت کا بھی یہی نظریہ تھا جو آج کل کے روشن خیالوں کا ہے کہ دین کو انسانی زندگی میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔

چنانچہ قدیم جاہلیت کو اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ دین و مذہب، اقتصادی امور میں مداخلت کرے اور اپنے اموال میں ہر قسم کے تصرفات کی پوری آزادی نہ ہو۔ اس طرح کل کی غیر منظم

مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ

عذاب آجائے جو قوم نوح یا قوم ہود یا صالح کی قوم پر آیا تھا اور لوط کی قوم (کا زمانہ) تو تم سے دور بھی نہیں ہے۔☆ ﴿۹۰﴾ اور تم لوگ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے آگے توبہ کرو، میرا رب یقیناً بڑا رحم کرنے والا، محبت کرنے والا ہے۔ ﴿۹۱﴾ انہوں نے کہا: اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور بیشک تم ہمارے درمیان بے سہارا بھی نظر آتے ہو اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے (کیونکہ) تمہیں ہم پر کوئی بالادستی حاصل نہیں ہے۔☆ ﴿۹۲﴾ شعیب نے کہا: اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تمہارے لیے اللہ سے زیادہ اہم ہے کہ تم نے اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے؟ میرا رب یقیناً تمہارے اعمال پر احاطہ رکھتا ہے۔☆ ﴿۹۳﴾ اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے جاؤ میں بھی عمل کرتا جاؤں گا، عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ رسوا کن عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے، پس تم بھی انتظار کرو میں بھی

جاہلیت اور آج کی منظم جاہلیت میں فکری یکسانیت پائی جاتی ہے۔

۸۸۔ حق کے داعی کی سچائی پر بہترین دلیل یہ ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ دوسروں سے کہتا ہے اسی پر خود بھی عمل کرتا ہے اور جن قدروں کی طرف وہ دوسروں کو بلاتا ہے وہ قدریں خود اس کے لیے سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ لہٰذا داعی الی الحق اور مصلح ایسا نہیں کرتا کہ دوسروں کو حرام مال کھانے سے منع کرے اور خود مختلف توجیہات کر کے حرام کھائے۔ حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں: میں استحصالی نہیں ہوں، میں مصلح ہوں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ان اصلاحی اقدار پر خود سب سے زیادہ کاربند ہوں اور اس دعوت و عمل کے لیے اللہ کی توفیق کا محتاج ہوں۔

۸۹۔ حضرت شعیبؑ کی قوم بلحاظ زمانہ بھی قوم لوطؑ سے قریب تھی اور از لحاظ مکان بھی قریب تھی۔ چنانچہ قوم لوطؑ کی سرزمین سدوم سے دور نہ تھی جو بحر مردار جسے بحر لوط بھی کہتے ہیں کے کنارے پر آباد تھی۔

۹۱۔ عموماً تنگ نظر لوگ اپنے خیالات سے مختلف باتوں کو سننے اور سمجھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ چنانچہ مکے کے لوگ بھی اس تنگ نظری میں کسی سے کم نہ تھے۔ اسی مناسبت سے حضرت شعیبؑ کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے اور اسی مناسبت سے مشرکین مکہ بھی بنی ہاشم کے خوف کی وجہ سے حضورؐ کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے۔

۹۲۔ قوم کے توہین آمیز موقف کے جواب میں حضرت شعیبؑ نے ان کے فکری سفلہ پن اور عقلی بے مائیگی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: تم اللہ کے مقابلے میں ایک قبیلے کے چند افراد کو طاقتور اور

مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا
شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ
فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩٤﴾ كَأَن
لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا
بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴿٩٥﴾ ع وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ
بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٩٦﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ
وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ
فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ
الْمَوْرُودُ ﴿٩٨﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿٩٩﴾
ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْقُرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ

تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں۔☆ ﴿٩٣﴾ اور جب ہمارا فیصلہ آ گیا تو ہم نے شعیب اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ظالموں کو ہولناک چیخ نے آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ﴿٩٤﴾ گویا کہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے، آگاہ رہو! قوم مدین (رحمت حق سے) اس طرح دور ہو جس طرح قوم ثمود دور ہوئی۔ ﴿٩٥﴾ اور بتحقیق موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔ ﴿٩٦﴾ فرعون اور ان کے درباریوں کی طرف، پھر بھی انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی، جب کہ فرعون کا حکم عقل کے مطابق نہ تھا۔ ﴿٩٧﴾ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے ہوگا اور انہیں جہنم تک پہنچا دے گا، کتنی بری جگہ ہے جہاں یہ وارد کیے جائیں گے☆ ﴿٩٨﴾ اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے تعاقب میں ہے اور قیامت کے دن بھی، کتنا برا صلہ ہے یہ جو (کسی کے) حصے میں آئے☆ ﴿٩٩﴾ ﴿١٠٠﴾ یہ ہیں ان بستیوں کے حالات جو ہم آپ کو سنا رہے ہیں، ان میں سے بعض کھڑی ہیں اور بعض کی جڑیں کٹ چکی

---

قابل لحاظ سمجھتے ہو۔ لیکن جس ذات کے قبضے میں ان کی جان ہے، اس سے بے پرواہی برتتے اور اسے پس پشت ڈالتے ہو اور چند بے بس انسانوں سے خوفزدہ ہوتے ہو۔

٩٣۔ حضرت شعیب علیہ السلام ملکوتی طاقت کے حوالے سے بات کر رہے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو طاقتور اور حضرت شعیب علیہ السلام کو کمزور خیال کر رہے تھے ان سے فرمایا: اگر تم کوئی طاقت رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو۔

٩٨۔ ٩٩ اس آیت اور دیگر آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو گمراہ کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں وہی قیامت کے دن انہیں جہنم کی طرف لے جانے میں آگے آگے ہوں گے۔

ورد یعنی ان کو پانی کے گھاٹ پر اتارا۔ جیسے کہ چرواہا جانوروں کو پانی کے گھاٹ کی طرف لے جاتا ہے، یہ کافر بھی جانوروں کی طرح بلا سوچے سمجھے ان گمراہوں کے پیچھے چلتے رہے۔ کل قیامت کے روز جب ان کے پیرو ان کے پیچھے جہنم کی طرف جا رہے ہوں گے تو ان پر لعنتوں کی بوچھاڑ کرتے جا رہے ہوں گے۔ لعنتوں کا یہ صلہ کتنا برا صلہ ہوگا۔

اس آیہ شریفہ میں عذاب جہنم کو پانی کے گھاٹ اور عذاب کو عطیے اور صلے کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، یہ

مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ
لٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ
اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ
غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ
اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ
اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ
خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ
لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا
نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ
لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ
سَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ
لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

ہیں۔☆ ﴿۱۰۱﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے
اپنے آپ پر ظلم کیا، پس جب آپ کے رب کا حکم آ گیا تو
اللہ کے سوا جن معبودوں کو وہ پکارتے تھے وہ ان کے کچھ بھی
کام نہ آئے اور انہوں نے تباہی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ
کیا۔ ﴿۱۰۲﴾ اور آپ کے رب کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ
کسی ظالم بستی کو اپنی گرفت میں لیتا ہے، تو اس کی گرفت یقینا
دردناک اور سخت ہوا کرتی ہے۔ ﴿۱۰۳﴾ عذاب آخرت سے
ڈرنے والے کے لیے یقینا اس میں نشانی ہے، وہ ایسا دن ہو
گا جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ ایسا دن ہو گا
جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔☆ ﴿۱۰۴﴾ اور ہم اس
دن کے لانے میں فقط ایک مقررہ وقت کی وجہ سے تاخیر
کرتے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ جب وہ دن آئے گا تو اللہ کی اجازت
کے بغیر کوئی بات نہ کر سکے گا، پھر ان میں سے کچھ لوگ
بدبخت اور کچھ نیک بخت ہوں گے۔☆ ﴿۱۰۶﴾ پس جو
بدبخت ہوں گے وہ جہنم میں جائیں گے جس میں وہ چلائیں
گے اور دھاڑیں گے۔ ﴿۱۰۷﴾ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے جب

---

بتانے کے لیے کہ انسان کو اپنی تشنگی رفع کرنے کے لیے پانی اور ثواب و صلہ کی طرف جانا چاہیے تھا، لیکن فرعون جیسے رہنما ان کو پانی کی بجائے جہنم اور صلہ و عطیہ کی جگہ عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔

۱۰۰۔ بعض بستیاں جن پر ہلاکت آ گئی ان کے آثار نزول وحی کے زمانے تک، بلکہ بعض تو آج تک موجود ہیں۔ جیسے عاد اور ثمود کی بستیوں کے آثار اب تک موجود ہیں۔

ان کی ہلاکت کی وجہ غیر اللہ سے ان کی وابستگی تھی۔ جب عذاب کا وقت آیا تو انہیں بچانے والا کوئی نہ تھا۔ جنہیں وہ پکارتے تھے وہی ان کی ہلاکت کا سبب بن گئے تو انہیں کون بچائے؟

۱۰۳۔ قوموں کے انحطاط اور زوال میں عمیق مطالعہ کرنے والوں کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہے کہ یہ ہلاکتیں ایک اندھے اتفاق کے طور پر وقوع پذیر نہیں ہوتیں، بلکہ کائنات پر حاکم ایک جامع قانون اور حکمت آمیز مکافات عمل کا نتیجہ اور قیامت میں پیش آنے والے مکافات کا نمونہ ہیں۔

۱۰۵۔ قیامت کے دن اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکے گا۔ یعنی اللہ کی بارگاہ سے کسی قسم کی شفاعت اور التجا کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوگی مگر یہ کہ اللہ اجازت دے دے۔

۱۰۷۔ جہنمی زندگی کی ابدیت کو بتاتے ہوئے فرمایا: جب تک آسمان و زمین موجود ہوں گے یہ لوگ جہنم

مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا

تک آسمانوں اور زمین کا وجود ہے مگر یہ کہ آپ کا رب (نجات دینا) چاہے، بیشک آپ کا رب جو ارادہ کرتا ہے اسے خوب بجالاتا ہے۔☆ ﴿۱۰۷﴾ اور جو نیک بخت ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین کا وجود ہے مگر جو آپ کا رب چاہے، وہاں منقطع نہ ہونے والی بخشش ہوگی۔☆ ﴿۱۰۸﴾ (اے نبی) جس کی یہ لوگ پوجا کر رہے ہیں اس سے آپ کو شبہ نہ ہو، یہ لوگ اسی طرح پوجا کر رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے باپ دادا پوجا کرتے تھے اور ہم انہیں ان کا حصہ (عذاب) بغیر کسی نقص و کسر کے پورا کرنے والے ہیں۔☆ ﴿۱۰۹﴾ بتحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پھر اس کے بارے میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے فیصلہ کن کلمہ نہ کہا گیا ہوتا تو ان کا بھی فیصلہ ہو چکا ہوتا اور وہ اس بارے میں تردد میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ اور بے شک آپ کا رب ان سب کے اعمال کا پورا بدلہ ضرور دے

---

میں رہیں گے۔ اس سے جہنم کے آسمان و زمین مراد ہیں، ورنہ دنیاوی آسمان و زمین تو نابود ہو چکے ہوں گے۔

۱۰۸۔ جو نیک بخت لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہ اللہ کے وعدے کے مطابق ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اللہ اپنے وعدے کے خلاف ورزی کرے، لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ کوئی نیک بخت جنت میں نہ جائے اور ساتھ یہ بھی وعدہ ہے کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، لہٰذا یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ کسی کو جنت سے نکال دے۔ اس لیے فرمایا کہ جنت کی بخشش غیر مقطوع اور دائمی ہے۔ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ صرف اپنی قدرت کاملہ و تصرف کو بتانے کے لیے ہے کہ یہ امر کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں ہے، اللہ ہر وقت ہر عمل پر قادر ہے۔

۱۰۹۔ تاریخ اقوام و ملل اور ان کے انحطاط و ہلاکت کی عبرت انگیز داستانیں بیان فرمانے کے بعد فرمایا: یہ لوگ بھی انہی خطوط پر چل رہے ہیں۔ انحطاط و ہلاکت کے عوامل ان میں بھی موجود ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ ہماری سنت جاریہ کے مطابق پوری طرح مکافات عمل کی گرفت میں آجائیں گے۔ بت پرستوں کا انجام بھی وہی ہوگا۔ یہاں رسول کریم ﷺ کی تسلی خاطر بھی مراد ہے اور ساتھ یہ بھی بیان کرنا مقصود ہے کہ جن بتوں کی یہ لوگ جو پوجا کر رہے ہیں وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کے بارے میں شک کیا جائے بلکہ ہر صاحب عقل کو پہلی نظر میں ہی اسے مسترد کر دینا چاہیے۔

۱۱۲۔ جس عظیم انقلاب کا حضور ﷺ نے بیڑا اٹھایا تھا وہ ایک سنگین ذمہ داری ہے۔ چونکہ یہ انقلاب ایسی قوم میں لانا مقصود تھا جو ہر اعتبار سے پسماندہ اور تمام اقدار سے نا آشنا تھی، خصوصاً جس انقلاب کی بنیاد

يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ

گا، وہ ان کے اعمال سے یقینا خوب باخبر ہے۔ ﴿۱۱۱﴾ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) پلٹ آئے ہیں ثابت قدم رہیں اور (حد سے) تجاوز بھی نہ کریں، اللہ تمہارے اعمال کو یقینا خوب دیکھنے والا ہے۔☆ ﴿۱۱۲﴾ اور جنہوں نے ظلم کیا ہے ان پر تکیہ نہ کرنا ورنہ تمہیں جہنم کی آگ چھو لے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی سرپرست نہ ہوگا پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کی جائے گی۔☆ ﴿۱۱۳﴾ اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں اور رات کے کچھ حصوں میں، نیکیاں بیشک برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، نصیحت ماننے والوں کے لیے یہ ایک نصیحت ہے۔☆ ﴿۱۱۴﴾ اور صبر کرو یقینا اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ﴿۱۱۵﴾ تم سے پہلے قوموں میں عقل و خرد والے کیوں نہیں رہے جو زمین میں فساد پھیلانے سے منع کرتے سوائے ان چند افراد کے جنہیں ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا؟ اور ظالم لوگ ان چیزوں کے پیچھے لگے رہے جن

لوگوں کے عقائد و مقدسات کو مسترد کرنے پر استوار ہو تو اسے ایک لامحدود نفرت و حقارت کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے پھر ایک مدت تک مشکلات و مصائب برداشت کرنے کے بعد توقع کی جاتی ہے کہ اب شاید فتح و ظفر کی کوئی نوید آنے والی ہے۔ اتنے میں مزید استقامت اور ثابت قدمی کا حکم زور دار الفاظ میں آتا ہے تو یہ حکم اور سنگین ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ سے روایت ہے: شيبتني سورة هود۔ مجھے سورہ ھود نے بوڑھا کر دیا۔ (وسائل الشیعة ۶: ۱۷۲)

۱۱۳۔ اسلامی سیاست و معاشرت کی ایک اہم ترین اساس ظلم و ناانصافی کی نفی ہے، اس لیے ظالموں کے ساتھ اس قسم کے تعلقات ممنوع ہو گئے جن سے ظالم کی بالادستی قائم رہتی ہو۔ ظالم پر تکیہ کرنا ظالم کے ظلم کی عملی تائید ہے۔

۱۱۴۔ اس آیت میں دن کے دونوں سروں سے مراد بعض احادیث کے مطابق صبح اور مغرب کی نمازیں ہیں اور رات کے کچھ حصوں سے مراد عشا کی نماز ہے۔ اس آیت میں نماز ظہرین کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ ابتدائے تشریع نماز میں نمازوں کے اوقات یہی ہوں اور معراج کے بعد پانچ نمازیں فرض کی گئیں، جیسا کہ بعض مفسرین کہتے ہیں اور ضروری بھی نہیں کہ تمام نمازوں کا ذکر ہر جگہ ہو۔

نیکیاں برائی کو دور کر دیتی ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: صَلَاةُ الْمُؤْمِنِ بِاللَّيْلِ تَذْهَبُ بِمَا عَمِلَ مِنْ ذَنْبِ النَّهَارِ۔ مؤمن کی

اُتۡرِفُوۡا فِیۡهِ وَ كَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِیُهۡلِكَ الۡقُرٰی بِظُلۡمٍ وَّ اَهۡلُهَا مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ ؕ وَ تَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَیۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَ جَآءَكَ فِیۡ هٰذِهِ الۡحَقُّ وَ مَوۡعِظَةٌ وَّ ذِكۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَكَانَتِكُمۡ ؕ اِنَّا عٰمِلُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ وَ انۡتَظِرُوۡا ۚ

میں عیش و نوش تھا اور وہ جرائم پیشہ لوگ تھے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور آپ کا رب ان بستیوں کو ناحق تباہ نہیں کرتا اگر ان کے رہنے والے اصلاح پسند ہوں۔☆ ﴿۱۱۸﴾ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔☆ ﴿۱۱۹﴾ سوائے ان کے جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا ہے اور اسی کے لیے تو اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے اور تیرے رب کا وہ فیصلہ پورا ہو گیا (جس میں فرمایا تھا) کہ میں جہنم کو ضرور بالضرور جنات اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔☆ ﴿۱۲۰﴾ اور (اے رسول) ہم پیغمبروں کے وہ تمام حالات آپ کو بتاتے ہیں جن سے ہم آپ کو ثبات قلب دیتے ہیں اور ان کے ذریعے حق بات آپ تک پہنچ جاتی ہے نیز مومنین کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہو جاتی ہے۔☆ ﴿۱۲۱﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے کہد یجیے: تم اپنی جگہ عمل کرتے جاؤ ہم بھی عمل کرتے جائیں گے۔☆ ﴿۱۲۲﴾ اور تم انتظار کرو ہم بھی انتظار کریں

---

رات کی نماز، دن کے گناہوں کو دور کر دیتی ہے۔ (مستدرک الوسائل ۶: ۳۳۰)

۱۱۷۔ وہ جماعت جو خیر کی طرف دعوت دے، وہ اہل ارض کے لیے امان ہے۔

۱۱۸۔۱۱۹ آیت میں مذکور اختلاف سے مراد اختلاف در دین ہے۔ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ استثنا ہے لَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ سے، لِذٰلِكَ اشارہ ہے رحمت کی طرف۔ لَجَعَلَ النَّاسَ میں جعل سے مراد جبر ہے۔ آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے: اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت رہنے پر مجبور کر دیتا۔ مگر اللہ نے ایسا نہیں چاہا۔ نتیجتاً لوگ اختلاف در دین کرتے رہیں گے۔ صرف وہ لوگ اختلاف نہیں کریں گے جو اللہ کی رحمت کے اہل ہیں۔ اللہ نے لوگوں کو اسی لیے خلق کیا تھا کہ وہ اختلاف نہ کریں اور اللہ کی رحمت ان کے شامل حال رہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: خَلَقَهُمۡ لِیَفۡعَلُوا مَا یَسۡتَوۡجِبُونَ بِهِ رَحۡمَتَهُ فَیَرۡحَمَهُمۡ۔ (وسائل الشیعۃ ۱: ۸۴) اللہ نے انہیں اس لیے خلق فرمایا کہ وہ ایسے اعمال بجا لائیں جو موجب رحمت خدا ہوں۔ پھر اللہ ان پر رحم کرے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: اهل الرحمة لا یختلفون فی الدین۔ (بحار الانوار ۲۴: ۲۰۴) جو اہل رحمت ہیں وہ دین کے بارے میں اختلاف نہیں کرتے۔

۱۲۰۔ اس سورے میں تاریخ انبیاء بیان فرمانے کے بعد اس تاریخ کے بیان کے فوائد و اغراض کا بیان ہے تاکہ اس سے قلب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ کو ثبات ملے چونکہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام بھی ایسے ہی نامساعد اور مشکل حالات سے دوچار رہے اور آخر میں ہمیشہ نتائج انبیاء علیہم السلام کے حق میں رہے اور مخالفین نابود ہو گئے۔

۱۲۱۔۱۲۲ مطالعۂ تاریخ کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ کا دل مطمئن ہو گیا کہ آخر فتح آپ صلی اللہ علیہ و آلہ کی ہے اور

اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ
فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٣﴾ ع

گے۔☆ ﴿١٢٣﴾ اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم صرف اللہ کو ہے اور سارے امور کا رجوع اسی کی طرف ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسا کرو اور تمہارا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔☆

## ١٢ سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ ٥٣

اٰیاتھا ١١١ — رکوعاتھا ١٢

سورۂ یوسف۔مکی۔آیات ١١١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

الٓرٰ ۟ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿١﴾ قف اِنَّآ
اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢﴾
نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ
مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٣﴾ اِذْ قَالَ
يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ
عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ

﴿١﴾ الف لام را، یہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔ ﴿٢﴾ ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا تاکہ تم سمجھ سکو۔ ﴿٣﴾ ہم اس قرآن کو آپ کی طرف وحی کر کے آپ سے بہترین قصہ بیان کرنا چاہتے ہیں اور آپ اس سے پہلے (ان واقعات سے) بے خبر تھے۔☆ ﴿٤﴾ جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: اے بابا! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں کو دیکھا ہے اور سورج اور چاند کو میں نے دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ

---

آپ ﷺ کے معاندین کے نصیب میں رسوائی اور نابودی ہے تو بے خوف ہو کر دو ٹوک لفظوں میں اعلان کرو: کافرو! اپنی پوری طاقت صرف کر کے جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ ظلم و ستم توڑتے جاؤ، تحقیر و تکذیب اور استہزاء کرتے جاؤ، طعنے دیتے جاؤ، ہم بھی پوری استقامت کے ساتھ انقلاب کا عمل جاری رکھیں گے۔ آؤ ہم دونوں اس تاریخ ساز مقابلے کے انجام کا انتظار کرتے ہیں۔

١٢٣۔ اس کے بعد اس عمل اور انتظار کے انجام کے بارے میں فرمایا: انجام ان لوگوں کے حق میں ہوگا، جن کا تعلق اس ذات سے ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم رکھتی ہے اور تمام معاملات کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہے اور کسی کے عمل سے وہ غافل بھی نہیں ہے۔ انجام کی کامیابی کے لیے صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور صرف اسی پر توکل کرنا چاہیے۔

سورۂ یوسف

٣۔ اس قصے کو قرآن نے احسن القصص اس لیے کہا کہ اس میں متعدد کرداروں اور ان کے انجام کا ذکر ہے۔ پدری شفقت، آتش حسد اور اس کا انجام، اسارت و غلامی، پرتعیش زندگی، عورت کی مکاری، پاکدامنی و عفت کی راہ میں قربانی، زندان کی زندگی۔ صرف اللہ سے امیدیں وابستہ کرنے کا درس، طاقت کے باوجود عفو و درگزر، حکمرانی کے آداب، عدل و انصاف، قحط زدہ سالوں میں اقتصادی منصوبہ بندی کی اہمیت وغیرہ۔

٤۔ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام، آپ غالباً ١٩١٠ قبل مسیح میں فلسطین کی وادی حبرون جسے آج کل الخلیل کہتے ہیں، میں پیدا ہوئے۔ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف کے گیارہ بھائی اور سورج چاند سے مراد آپ کے والدین ہیں اور سجدے سے مراد تعظیمی سجدہ ہے۔ آپ علیہ السلام کے زمانے کے شاہان عربی النسل تھے جو

سٰجِدِيْنَ ﴿٤﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ
عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ
الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٥﴾ وَكَذٰلِكَ
يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ
الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ
يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿٦﴾ ع لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ
اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿٧﴾ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ
وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ
عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٨﴾
اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ
لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ

کر رہے ہیں۔☆ ﴿٥﴾ کہا: بیٹا! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ آپ کے خلاف کوئی چال سوچیں گے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ﴿٦﴾ اور آپ کا رب اسی طرح آپ کو برگزیدہ کرے گا اور آپ کو خوابوں کی تعبیر سکھائے گا اور آپ پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت اسی طرح پوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے آپ کے اجداد ابراہیم و اسحاق پر کر چکا ہے، بے شک آپ کا رب بڑا علم والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿٧﴾ بتحقیق یوسف اور اس کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ ﴿٨﴾ جب بھائیوں نے (آپس میں) کہا: یوسف اور اس کا بھائی ہمارے ابا کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں، بے شک ہمارے ابا تو صریح غلطی پر ہیں۔☆ ﴿٩﴾ یوسف کو مار ڈالو یا اسے کسی سرزمین میں پھینک دو تاکہ تمہارے ابا کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے اور اس کے بعد تم لوگ نیک بن جاؤ گے۔☆

---

فلسطین و شام کے ساتھ مصر پر بھی حکمرانی کرتے تھے۔ عرب مورخ انہیں عمالیق کہتے ہیں۔ بعض مؤرخین کی تحقیقات کے مطابق حضرت یوسف، بادشاہ رع کائن کے زمانے میں مصر آگئے، جسے عرب ریان بن ولید کا نام دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ ؑ کو کنویں سے نکالا، انہوں نے آپ ؑ کو مصری پولیس کے سربراہ فوطینا کے ہاتھ فروخت کیا۔ (دائرۃ المعارف فرید وجدی) شاید یہی وجہ ہو کہ قرآن حضرت یوسف ؑ کے معاصر بادشاہ کو فرعون کا نام نہیں دیتا، کیونکہ فرعون مصریوں کی مذہبی اصطلاح تھی۔

قرآنی تصریح کے مطابق خواب سے آئندہ نگری ہوتی ہے اور آنے والے واقعات جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتے، ماورائے طبیعی آنکھوں سے نظر آتے ہیں۔ یہ بات روح کے تجرد اور استقلال پر ایک دلیل بھی سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ روح غیر مادی ہونے کی وجہ سے زمان و مکان کی حد بندی میں مقید نہیں ہوتی لہٰذا اس کے لیے حال و مستقبل، قریب و بعید میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

٦۔ حضرت یعقوب ؑ خواب کی تعبیر بیان فرماتے ہیں کہ حقیقت بھی اسی طرح ہے جس طرح آپ ؑ نے خواب میں دیکھا ہے کہ اللہ نے آپ ؑ کو ایک منصب کے لیے برگزیدہ کیا ہے اور علم تاویل سے نوازا ہے، جس کے ذریعے ہر معاملے کے انجام کو سمجھ سکو گے، جس میں تعبیر خواب سرفہرست ہے۔ یہ نظریہ درست نہیں ہے کہ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ سے مراد صرف خواب کی تعبیر ہے، بلکہ ہر معاملے کے انجام کا آپ ؑ کو علم دیا گیا تھا۔

٧۔ اس قصے میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت و حقانیت کی چند نشانیاں موجود ہیں کیونکہ اہل عرب اس قصے سے بالکل ناواقف تھے اور اس تاریخی واقعے کو اخذ کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہ تھا اور خود واقعے میں اللہ کی حکمت و قدرت کی نشانیاں ہیں۔

قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝٩ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا
تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ
الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ
كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝١٠ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا
تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝١١
اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا
لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝١٢ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ
تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ
اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝١٣ قَالُوْا لَئِنْ
اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ۝١٤ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ
يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ
اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا

(١٠) ان میں سے ایک کہنے والا بولا: یوسف کو قتل نہ کرو (اور اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو) اسے کسی گہرے کنویں میں ڈال دو کوئی قافلہ اسے نکال کر لے جائے گا۔☆ (١١) کہنے لگے: اے ہمارے ابا جان! کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔☆ (١٢) کل اسے ہمارے ہمراہ بھیج دیجیے تاکہ کچھ کھا پی لے اور کھیل کود کرے اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔☆ (١٣) یعقوب نے کہا: تمہارا اسے لے جانا میرے لیے حزن کا باعث ہے اور مجھے ڈر ہے اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو۔☆ (١٤) کہنے لگے: ہم ایک جماعت ہیں اس کے باوجود اگر یوسف کو بھیڑیا کھا جائے تو ہم نقصان اٹھانے والے ٹھہریں گے۔☆ (١٥) پس جب وہ اسے لے گئے اور سب نے اتفاق کر لیا کہ اسے گہرے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے یوسف کی طرف وحی کی (کہ ایک دن ایسا آئے گا) کہ آپ ان کے پاس ان

٨۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی سے مراد بنیامین ہیں۔ یہ دونوں ایک ماں کے بطن سے تھے اور سب بھائیوں میں چھوٹے تھے۔ باقی سوتیلے بھائی تھے۔

٩۔ اس آیت میں مفادات کے لیے ناجائز ذرائع کے استعمال اور اس میں ناکامی کی ایک عبرت انگیز مثال کا ذکر ہے۔

١٠۔ دوسری تجویز منظور کر لی گئی۔ چنانچہ یہی طے ہوا کہ ایک گہرے کنویں میں پھینک دیا جائے تاکہ راہ گزر لوگ اسے نامعلوم جگہ لے جائیں۔ چنانچہ اس زمانے میں تجارتی قافلوں کے راستے میں کنویں ہوا کرتے تھے اور فلسطین کے جنوب مشرقی علاقوں میں مصر اور فلسطین کے درمیان تجارتی قافلوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔

١١۔ ١٢ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کو یوسف علیہ السلام کے بارے میں برادران پر اعتماد نہ تھا اور عدم اعتماد کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں: ایک یہ کہ وہ یوسف علیہ السلام کے خیر خواہ نہ ہوں اور دوسری یہ کہ وہ یوسف علیہ السلام کو تحفظ نہ دے سکتے ہوں۔ برادران یوسف نے دونوں باتوں میں والد کا اعتماد بحال کرنے کی سعی کی کہ اس کے خیر خواہ ہیں اور تحفظ بھی دے سکتے ہیں۔

١٣۔ ممکن ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف سے بھیڑیے کا ذکر آنے میں قدرت کا دخل ہو کہ بعد میں اسی بھیڑیے کے ذمے خون یوسف علیہ السلام ڈال دیا گیا یعنی بعد میں تراشا جانے والا عذر خود کلام یعقوب علیہ السلام میں مل گیا۔

١٤۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے عدم اعتماد کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ غفلت کے خطرے کا اظہار فرمایا تو بیٹوں نے طاقت و قوت کا اظہار کیا اور کہا: ہمارے طاقتور جماعت ہونے کے باوجود اگر یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا لے تو ہم معاشرے میں اپنی حیثیت کھو دیں گے۔ بعد میں بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اپنے اظہار کردہ خطرے کو بہانہ بنایا اور کہا ہم

يَشْعُرُوْنَ ﴿١٥﴾ وَ جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً
يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا
نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا
فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ
لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى
قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ
لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ
وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾
وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ
فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ
وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ
دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ

کے اس فعل (شنیع) کے بارے میں انہیں ضرور بتائیں گے جبکہ انہیں اس بات کا شعور تک نہیں ہوگا۔☆ ﴿١٦﴾ اور یہ لوگ رات کی ابتدا میں اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ ﴿١٧﴾ کہنے لگے: اے ابا جان! ہم دوڑ لگانے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ ہماری بات نہیں مانتے گو ہم سب سچے ہوں۔ ﴿١٨﴾ چنانچہ وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر لے آئے، یعقوب نے کہا: نہیں، تم نے اپنے تئیں ایک بات بنائی ہے، پس میں بہت اچھے صبر کا مظاہرہ کروں گا اور جو بات تم بیان کر رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔☆ ﴿١٩﴾ پھر ایک قافلہ آیا اور انہوں نے اپنا سقا بھیجا جس نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا (تو یوسف آویزاں نکلے) وہ بولا: کیا خوب! یہ تو ایک لڑکا ہے اور انہوں نے اسے تجارتی سرمایہ بنا کر چھپا لیا اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ ﴿٢٠﴾ اور انہوں نے یوسف کو تھوڑی سی قیمت معدودے چند درہموں کے عوض بیچ

---

یوسف ؑ کو سامان کے پاس چھوڑ کر کھیل کود میں لگے رہے یعنی ہم غفلت میں رہے اور یوسف ؑ کو بھیڑیا کھا گیا۔

۱۵۔ برادران یوسف ؑ جب حضرت یوسف ؑ کو کنویں میں ڈال رہے تھے تو قدرتی طور پر یوسف ؑ پریشان تھے۔ اس وقت ان پر وحی نازل ہوتی ہے کہ فکر نہ کرو، وہ وقت آنے والا ہے کہ تم ان برادران کو بتاؤ گے کہ تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔

۱۸۔ روایات کے مطابق خود قمیص ان کے جھوٹا ہونے کی دلیل تھی۔ چنانچہ حضرت یعقوب ؑ نے قمیص دیکھ کر فرمایا: بڑا ہوش مند بھیڑیا ہے جس نے قمیص کو پھاڑے بغیر اس کے اندر موجود یوسف ؑ کو کھا لیا، اس کا کوئی عضو تو بچا ہوگا، پس یوسف ؑ کو بھیڑیے نے نہیں کھایا بلکہ تم لوگوں نے یہ بات بنا لی ہے۔

۲۰۔ بائبل کے مطابق یوسف ؑ کو کنویں سے نکالنے والے مدین کے سوداگر تھے۔ ان لوگوں نے یوسف ؑ کو قافلے والوں کے ہاتھ فروخت کیا۔ تلمود کے مطابق حضرت یوسف ؑ کو صرف بیس درہم میں فروخت کیا گیا۔

۲۱۔ بائبل کے مطابق یہ شخص شاہی گارڈ کا آفیسر تھا۔ قرآن مجید اس خریدنے والے کو عزیز کہتا ہے اور ایک جگہ قرآن نے حضرت یوسف ؑ کو بھی عزیز کہا ہے جب آپ ؑ اقتدار پر تھے۔ خریدنے والے نے سمجھ لیا تھا کہ یوسف غلام نہیں بلکہ کسی اہم خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ اس لیے اکرمیہ 'اسے معزز رکھنا' نہیں کہا بلکہ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ 'اس کا مقام معزز رکھنا' کہا، ورنہ غلاموں کا کوئی احترام نہیں کیا جاتا۔

الزَّاهِدِينَ ۝٢٠ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝٢١ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝٢٢ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝٢٣ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ

ڈالا اور وہ اس میں زیادہ طمع بھی نہیں رکھتے تھے۔☆ ۝٢١ اور مصر کے جس آدمی نے انہیں خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کا مقام معزز رکھنا، ممکن ہے کہ وہ ہمارے لیے فائدہ مند ہو یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں تمکنت دی اور اس لیے بھی کہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر کی تعلیم دیں اور اللہ اپنے امر میں غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ۝٢٢ اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں علم اور حکمت عطا کی اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔☆ ۝٢٣ اور یوسف جس عورت کے گھر میں تھے اس نے انہیں اپنے ارادے سے منحرف کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور سارے دروازے بند کر کے کہنے لگی: آجاؤ، یوسف نے کہا: پناہ بخدا! یقیناً میرے رب نے مجھے اچھا مقام دیا ہے، بے شک اللہ ظالموں کو کبھی فلاح نہیں دیتا۔☆ ۝٢٤ اور اس عورت نے یوسف کا ارادہ کر لیا اور یوسف بھی اس کا ارادہ کر لیتے اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ چکے ہوتے، اس

٢٢۔ اس جگہ اشدّ سے مراد رشد و جوانی ہو سکتا ہے چونکہ حضرت یوسف ؑ کم عمری میں مصر پہنچے تھے اور بنا بر بعض روایات سترہ سال کی عمر میں مصر پہنچے۔ دو یا تین سال عزیز مصر کے گھر رہے اور چند سال زندان میں۔ اسی اثنا میں آپ ؑ رشد کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں عنایت فرمائیں: ١۔ حُكْمًا، حکمت سے مراد ان امور میں فیصلہ کن بینش ہے جن میں لوگ نادانی کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ ٢۔ عِلْمًا: علم سے مراد وہ علم لدنی ہے جو استاد کے بغیر اللہ تعالیٰ یوسف ؑ جیسی پاکیزہ ہستیوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ ہر وہ شخص جو نیکی و پاکدامنی میں یوسف ؑ کے مرتبے کو پہنچے اسے بھی حکم اور علم سے نوازتا ہے۔

٢٣۔ ایک طرف ملک کی شہزادی، گھر کی ملکہ، خلوت، افشا کا خوف نہیں، سارے دروازے بند ہیں اور هَيْتَ لَكَ کہکر دعوت آمیزش دی جا رہی ہے، اب کوئی رکاوٹ نہیں، یوسف ؑ کا عالم شباب ہے اور شہوانی جنون کی عمر ہے۔ ایسے ماحول میں یوسف ؑ کا جواب تھا: مَعَاذَ اللّٰهِ (خدا کی پناہ)۔ اس جوان صالح نے اس ذات کا سہارا لیا جس نے اسے ممتاز مقام دیا۔ واضح رہے کہ رَبِّيٓ سے مراد عزیز مصر نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگوں نے لکھا ہے۔ چونکہ بعید ہے حضرت یوسف ؑ عزیز مصر کو ''میرا رب'' کہیں اور یہ بھی بعید ہے کہ اپنے دامن کو پاک رکھنے کا محرک یہ ہو کہ اس عورت کے شوہر نے اسے اچھا مقام دیا ہے۔

٢٤۔ بُرْهَانَ اس یقینی کیفیت کا نام ہے جس کے بعد انبیاء یقین کی اس منزل پر فائز ہو جاتے ہیں جہاں کسی قسم کے شک و تردد کی گنجائش نہیں رہتی اور یقین کی اس منزل سے عصمت شروع ہو جاتی ہے۔

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۲۶﴾ وَ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ

طرح ہوا تا کہ ہم ان سے بدی اور بے حیائی کو دور رکھیں، کیونکہ یوسف ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔☆ ﴿۲۵﴾ دونوں دروازے کی طرف دوڑ پڑے اور اس عورت نے یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ دیا اتنے میں دونوں نے اس عورت کے شوہر کو دروازے پر موجود پایا، عورت کہنے لگی: جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی سزا کیا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ اسے قید میں ڈالا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے؟ ﴿۲۶﴾ یوسف نے کہا: یہ عورت مجھے اپنے ارادے سے پھسلانا چاہتی تھی اور اس عورت کے خاندان کے کسی فرد نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو یہ سچی ہے اور یوسف جھوٹا ہے۔ ﴿۲۷﴾ اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ جھوٹی ہے اور یوسف سچا ہے۔ ﴿۲۸﴾ جب اس نے دیکھا کہ کرتہ تو پیچھے سے پھٹا ہے (تو اس کے شوہر نے) کہا: بے شک یہ (سب) تم عورتوں کی فریب کاری ہے، تم عورتوں کی فریب کاری تو بہت بھاری ہوتی ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ یوسف اس معاملے سے درگزر کرو اور

اس سے معلوم ہوا کہ برگزیدہ بندوں کو برہان دیا جاتا ہے اور جن کو برہان ملتا ہے وہ معصوم ہوا کرتے ہیں۔

۲۸۔ واقعہ کی حقیقت حال کا عینی نہ سہی لیکن عقلی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو اقدام یوسف علیہ السلام کی طرف سے ہوا ہو گا اور مدافعت عورت کی طرف سے ہوئی ہو گی اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یوسف علیہ السلام بچ نکلنا چاہتے تھے اور عورت نے تعاقب کیا ہو گا۔ حالات کی شہادت حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں تھی۔ اس لیے شوہر نے بادی الرائے میں اپنی بیوی کو مجرم قرار دے کر کہا: تم عورتوں کی فریب کاری عظیم ہوتی ہے۔ لیکن قدیم سے مراعات یافتہ طبقے ہمیشہ اپنے گھروں میں ہونے والے جنسی سکینڈلز کا الزام دوسروں پر ڈالتے رہے ہیں۔

اس آیۂ شریفہ سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں: ☆ جو دنیا کی رسوائیوں سے بھاگ نکلتا ہے وہ کسی بھی دروازے پر رسوا نہیں ہوتا۔ ☆ کسی کا دامن عفت چاک نہ کرو ورنہ اپنا دامن چاک ہو جائے گا: وَ قَدَّتْ قَمِیْصَهٗ۔ ☆ مخالف فریق سے بھی حق کو حمایت مل سکتی ہے: شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ☆ جنسی معاملات میں عورت کی فریب کاری عظیم ہوتی ہے: اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ۔

۲۹۔ اس معاملے سے درگزر کر۔ یعنی اسے افشا نہ کر اور نہ کسی سے اس کا ذکر کر۔ اس نے اپنی زوجہ سے کہا: تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ کہتے ہیں مصری لوگ اگرچہ بت پرست تھے، تاہم وہ اللہ کے وجود کے قائل تھے، پرستش بتوں کی کرتے تھے کیونکہ وہ انہیں وسیلہ سمجھتے تھے اور ممکن ہے مطلب یہ ہو کہ وہ جس کے سامنے اپنے آپ کو جوابدہ سمجھتی تھی، اس

وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخٰطِئِينَ ﴿٢٩﴾ ع وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرٰهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا

(اے عورت) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بیشک تو ہی خطا کاروں میں سے تھی۔☆ (۳۰) اور شہر کی عورتوں نے کہنا شروع کیا: عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے ارادے سے پھسلانا چاہتی ہے، اس کی محبت اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکی ہے، ہم تو اسے یقینا صریح گمراہی میں دیکھ رہی ہیں۔☆ (۳۱) پس اس نے جب عورتوں کی مکارانہ باتیں سنیں تو انہیں بلا بھیجا اور ان کے لیے مسندیں تیار کیں اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دے دی (کہ پھل کاٹیں) پھر اس نے یوسف سے کہا ان کے سامنے نکل آؤ، پس جب عورتوں نے انہیں دیکھا تو انہیں بڑا حسین پایا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور کہ اٹھیں: پاک ہے اللہ، یہ بشر نہیں، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔☆ (۳۲) اس نے کہا: یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں اور بیشک میں نے اسے اپنے ارادے سے پھسلانے کی کوشش کی مگر اس نے اپنی عصمت قائم رکھی اور اگر میرا حکم نہ مانے گا

سے معافی مانگے، وہ خدا ہو یا بت۔

۳۰۔ یوسف ؑ کے ساتھ معاشقہ کا معاملہ ایک مدت تک درون خانہ چلتا رہا۔ رفتہ رفتہ یہ بات گھر سے باہر نکل گئی۔ شہر کی عورتوں میں یہ بات پھیل گئی اور طعنہ زنی شروع ہو گئی، عزیز کی بیوی اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے جو مصری بھی نہیں، کنعانی ہے۔ اگر یہ لڑکا حسن و جمال کا مالک بھی ہے تو شہزادی کے حسن و جمال سے زیادہ نہ ہوگا۔ ان تمام باتوں کے باوجود یکطرفہ محبت تو شہزادی کے لیے عار و ننگ ہے کہ اس کا زرخرید غلام اس کے عشق و محبت کو اعتنا میں نہ لائے اور عورت کے لیے یہ بھی عار و ننگ ہے کہ وہ مرد کے پیچھے دوڑے۔ عین ممکن ہے کہ شہر کے بڑے خاندان کی عورتوں نے یوسف ؑ کی صورت و سیرت کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے حیلہ بازیاں کی ہوں یا عزیز کی عورت کے خلاف سازش کی ہو۔ کیونکہ بعد کی آیت میں اس عمل کو مکاری سے تعبیر کیا ہے۔

۳۱۔ عزیز مصر کی بیوی نے ان طعنہ زن خواتین کے خلاف ایسا حربہ استعمال کیا جس سے وہ بھی رسوا اور شریک جرم ہو جائیں۔ تکیوں سے آراستہ مجلس کے اہتمام اور کھانے کے لیے چھریوں کے استعمال سے مصری تہذیب و تمدن کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس مجلس میں اونچے خاندانوں کی خواتین مدعو تھیں۔

۳۲۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی راز کی بات نہ تھی اور مصری بیگمات کی یہ محفل بعد میں حضرت یوسف ؑ کی پاکدامنی کے لیے گواہ بن گئی۔ اس واقعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس وقت بے عفتی عیب کی بات نہ تھی اور اس کا برملا اظہار ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ آج کل کی جدید جاہلیت میں رائج

مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ع وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا

توضرور قید کر دیا جائے گا اور خوار بھی ہوگا۔☆ ﴿۳۳﴾ یوسف نے کہا: اے میرے رب! قید مجھے اس چیز سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو ان کی مکاریاں مجھ سے دور نہ فرمائے گا تو میں ان عورتوں کی طرف راغب ہو جاؤں گا اور نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا۔☆ ﴿۳۴﴾ پس یوسف کے رب نے یوسف کی دعا سن لی اور یوسف سے ان عورتوں کی مکاری دور کر دی، بیشک وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ ﴿۳۵﴾ پھر (یوسف کی پاکدامنی کی) علامات دیکھ چکنے کے باوجود انہوں نے مناسب سمجھا کہ کچھ مدت کے لیے یوسف کو ضرور قید کر دیں۔☆ ﴿۳۶﴾ اور قید خانے میں یوسف کے ساتھ دو جوان بھی داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ شراب کشید کر رہا ہوں اور دوسرے نے کہا: میں نے دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں، پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں، ہمیں اس کی تاویل بتا

ہے۔

۳۳۔ پہلے صرف عزیز مصر کی بیگم اس جرم میں ملوث تھی، اب بڑے گھرانوں کی دیگر خواتین بھی اس میں شریک ہیں۔ یعنی شہر بھر کے امیر گھرانوں کی خواتین بھی ان کے پیچھے پڑ جاتی ہیں اور ہر طرف حسین و جمیل عورتیں انہیں پھانسنے کے لیے اپنا اپنا جال لیے کھڑی ہیں۔ لیکن نگاہ یوسف علیہ السلام ان عورتوں پر فریفتہ ہونے کی بجائے عرفان حق کی رعنائیوں پر فریفتہ ہو جاتی ہے، دل ان عورتوں کی طرف مائل ہونے کی بجائے عشق الٰہی سے سرشار ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت یوسف ان تمام عورتوں کی مکاریوں کا مقابلہ کر کے اسے اپنا ذاتی کمال تصور کرنے کی بجائے تائید الٰہی سمجھتے ہیں۔

۳۵۔ عزیز مصر اپنے گھر کی حالت بگڑتے دیکھ کر مزید رسوائی سے بچنے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کو زندان میں ڈال دیتا ہے۔ یہ درحقیقت مصری سرداروں کی شکست اور یوسف علیہ السلام کی فتح تھی، کیونکہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی جرم میں نہیں بلکہ اپنی عورتوں کو قابو کرنے کے لیے زندان بھیجا۔

۳۶۔ ان دو جوانوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت اور ان کے کردار کی عظمت کا علم ہو جاتا ہے اور یہ بھی علم ہو جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کسی جرم میں نہیں بلکہ جرم نہ کرنے کے جرم میں زندان میں ہیں۔ اس اعتماد کے بعد وہ آپ علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھتے ہیں، کیونکہ روح کی صفائی اور فکر کی طہارت کی وجہ سے حقائق پر سے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ جس قدر روح شفاف ہو جاتی ہے پردے بھی شفاف ہو جاتے ہیں۔

۳۷۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان دو قیدیوں میں ایک قسم کا حسن ظن پیدا ہو گیا ہے، لہٰذا مزید اعتماد بڑھانے کے لیے اپنا علمی مقام و ماخذ بیان فرماتے ہیں تاکہ ایسی سازگار فضا وجود میں آ جائے

نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٨﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ

دیکھیے، یقینا ہمیں آپ نیک انسان نظر آتے ہیں۔☆ ﴿٣٧﴾ یوسف نے کہا: جو کھانا تم دونوں کو دیا جاتا ہے وہ ابھی آیا بھی نہ ہوگا کہ میں اس کی تعبیر تمہیں بتادوں گا قبل اس کے کہ وہ کھانا تمہارے پاس آئے، یہ ان (تعلیمات) میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں، میں نے اس قوم کا مذہب ترک کر دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔☆ ﴿٣٨﴾ اور میں نے تو اپنے اجداد ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب کو اپنایا ہے، ہمیں کسی چیز کو اللہ کا شریک بنانے کا حق حاصل نہیں ہے، ہم پر اور دیگر لوگوں پر یہ اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔☆ ﴿٣٩﴾ اے میرے زندان کے ساتھیو! کیا متفرق ارباب بہتر ہیں یا وہ اللہ جو یکتا ہے جو سب پر غالب ہے۔☆ ﴿٤٠﴾ تم لوگ اللہ کے سوا جن چیزوں کی بندگی کرتے ہو وہ صرف تم اور تمہارے باپ دادا کے خودساختہ نام ہیں، اللہ نے تو ان پر کوئی دلیل نازل نہیں کی، اقتدار تو

جس میں وہ اپنا اصل مدعا (تبلیغ توحید) بیان کر سکیں۔ اس کے بعد کفار سے بیزاری کا اعلان فرماتے ہیں۔

۳۸۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی زندگی کے کسی نازک اور مشکل مرحلے میں اپنے حسب ونسب کا سہارا نہیں لیتے اور اس کا ذکر نہیں کرتے، صرف دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں اپنا مذہب ونسب بیان فرماتے ہیں۔ مخاطب کو یہ باور کرانے کے لیے کہ ان کا تعلق توحید کے عظیم داعی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل سے ہے اور اللہ نے ہدایت الٰہی التوحید کے فضل وکرم سے خاندان ابراہیم علیہ السلام کو نوازا ہے اور ان لوگوں کو بھی جو ان کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ ہدایت فطرت سلیمہ اور رسالت انبیاء کے ذریعے اللہ نے اپنے بندوں تک پہنچائی ہے۔

۳۹۔ ۴۰ یہ سوال ضمیر اور فطرت سے ہے کہ اس جہاں میں ایک ہی رب قہار ہو سکتا ہے، کیونکہ تعدد کی صورت میں محدودیت آ جاتی ہے اور محدود مغلوب ہوتا ہے، نہ کہ غالب۔ کیونکہ متعدد ہونے کی صورت میں ہر رب دوسرے رب کی حدود میں مقہور ومغلوب ہوتا ہے، لہٰذا قہاریت کے لیے غیر محدود ہونا ضروری ہے۔ جو غیر محدود ہو وہ متعدد نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جو متعدد ہو وہ لامحدود نہیں ہوسکتا جیسا کہ متعدد غیر محدود نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد بت پرستوں کے نظریات کے بے حقیقت ہونے کی طرف اشارہ فرمایا کہ خدا کے علاوہ جن کو تم پوجتے ہو وہ بے مفہوم الفاظ، بے معنی عبارات اور اسم بے مسمی ہیں۔ یہ صرف تمہارے باپ دادا کی ذہنی اختراع ہیں کہ کسی کو آسمانوں کا رب، کسی کو زمین کا مالک، کسی کو صحت ومرض کا رب اور کسی کو نعمتوں کا رب بنا دیا۔ حقائق وہ ہیں جن کی سند اللہ کی طرف سے آئے اور ایک خدا کی پرستش ہی مستحکم دین ہے۔

الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ

صرف اللہ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو، یہی مستحکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ (۴۱) اے میرے زندان کے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور دوسرا سولی چڑھایا جائے گا پھر پرندے اس کا سر نوچ کھائیں گے، جو بات تم دونوں مجھ سے دریافت کر رہے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔☆ (۴۲) اور ان دونوں میں سے جس کی رہائی کا خیال کیا تھا (یوسف نے) اس سے کہا: اپنے مالک (شاہ مصر) سے میرا ذکر کرنا مگر شیطان نے اسے بھلا دیا کہ وہ اپنے مالک سے یوسف کا ذکر کرے، یوں یوسف کئی سال زندان میں پڑے رہے۔☆ (۴۳) اور (ایک روز) بادشاہ نے کہا: میں نے خواب میں سات موٹی گائیں دیکھی ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے ہیں اور سات خشک (خوشے)، اے دربار والو! اگر تم خوابوں کی تعبیر کر سکتے ہو تو میرے اس خواب کی تعبیر سے مجھے آگاہ کرو۔☆ (۴۴) انہوں نے کہا: یہ تو پریشان خوابوں

۴۱۔ توحید کا درس سنانے کے بعد اب خواب کی تعبیر بیان فرماتے ہیں اور جس وثوق و یقین کے ساتھ آپ ؑ نے اس تعبیر کو بیان فرمایا اور اپنی تعبیر کو فیصلہ کن قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعبیر کا مآخذ یقینی بنیادوں پر تھا اور وہ مآخذ وحی ہی ہو سکتی ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا، روایات کے مطابق وہ پہلے بھی اس منصب پر فائز تھا۔ جس کے بارے میں فرمایا کہ وہ مصلوب ہو گا روایات کے مطابق یہ شخص بادشاہ کا نان بائی تھا۔

۴۲۔ اس آیت میں ظَنَّ کا استعمال بہ معنی یقین ہے، جیسا کہ دیگر بعض آیات میں بھی یہ لفظ یقین کے معنی میں آیا ہے۔ رَب کے معانی میں سے ایک معنی مالک ہے۔ چنانچہ جوہری نے الصحاح میں کہا ہے رب کل شیء مالکه۔ ہر شئی کا رب وہی ہے جو اس کا مالک ہے۔ لہٰذا یہ لفظ جہاں حقیقی مالک اللہ کے لیے استعمال ہوتا ہے وہاں اس کے دیگر معنوں میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ لفظ اولیاء طاغوت کے لیے استعمال ہوا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ اور اللہ کے لیے بھی اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (بقرۃ: ۲۵۷) لہٰذا یہ اعتراض درست نہیں کہ ایک پیغمبر نے بادشاہ کو رَب کیسے کہہ دیا۔

علل و اسباب کے ساتھ متوسل ہونا اخلاص و توکل کے منافی نہیں۔ لہٰذا حضرت یوسف ؑ کا قید سے رہائی کے لیے وسائل و ذرائع تلاش کرنا اخلاص و توکل کے منافی نہیں ہے۔

۴۳۔ قرآن حضرت یوسف ؑ کے معاصر مصری بادشاہ کو اَلْمَلِكُ کہتا ہے اور بائبل اسے فرعون کہتی ہے جبکہ حضرت یوسف ؑ کے معاصر بادشاہ عربی النسل تھے اور لفظ فرعون مصریوں کی مذہبی اصطلاح ہے۔ لہٰذا عربی النسل بادشاہان کو فرعون کہنا سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ اس سے قرآن کی

اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ
بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا
وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ
فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ
اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ
سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ
وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ
سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ
فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾
ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ
يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ

میں سے ہے اور ہم اس قسم کے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ ﴿۴۵﴾ اور ان دو قیدیوں میں سے جس نے رہائی پائی تھی اور اسے وہ بات بڑی مدت بعد یاد آگئی، اس نے کہا: میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتاتا ہوں مجھے (یوسف کے پاس زندان) بھیج دیجیے۔ ﴿۴۶﴾ اے یوسف! اے بڑے راستگو! سات دبلی گائیں سات موٹی گایوں کو کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز اور سات خوشے خشک ہیں، ہمیں (اس کی تعبیر) بتائیں تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں (آپ کی سچی تعبیر سن کر) شاید وہ جان لیں۔ ﴿۴۷﴾ یوسف نے کہا: تم سات برس تک متواتر کھیتی باڑی کرتے رہو گے ان سالوں میں جو فصل تم کاٹو ان میں سے قلیل حصہ تم کھاؤ باقی اس کے خوشوں ہی میں رہنے دو۔ ﴿۴۸﴾ پھر اس کے بعد سات برس ایسے سخت آئیں گے جن میں وہ غلہ کھا لیا جائے گا جو تم نے ان سالوں کے لیے جمع کر رکھا ہوگا سوائے اس تھوڑے حصے کے جو تم بچا کر رکھو گے۔ ﴿۴۹﴾ اس کے بعد ایک سال ایسا

حقانیت اور بائبل کے مؤلفین کی جہالت اور ان کی طرف سے تحریف ثابت ہو جاتی ہے۔

چنانچہ توریت میں آیا ہے: اور فرعون جاگا اور دیکھا کہ وہ خواب تھا اور یوں ہوا کہ صبح اس کا جی گھبرایا۔ تب اس نے مصر کے سارے جادوگروں اور اس کے سب دانشمندوں کو بلا بھیجا اور فرعون نے اپنا خواب ان سے کہا، پر ان میں کوئی فرعون کے خواب کی تعبیر نہ کر سکا۔ (پیدائش ۴۱: ۸)

۴۹۔ حضرت یوسف علیہ السلام صرف تعبیر پر اکتفا نہیں فرماتے، بلکہ ساتھ آنے والے حالات کے لیے منصوبہ بندی بھی فرماتے ہیں۔ ورنہ خواب کی تعبیر تو یہ بنتی ہے کہ موٹی گائیں نعمت کی فراوانی اور سبز خوشے اچھی کھیتی باڑی کی علامت ہیں۔ دبلی گائیں اور خشک خوشے قحط کی علامت ہیں۔ سات موٹی گائیوں کا سات دبلی گائیوں کو کھانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قحط کے سات سالوں میں وہی غلہ کھانا ہے جو گزشتہ سات سالوں میں جمع کر رکھا ہو اور خشک خوشے اس بات کی بھی علامت ہیں کہ فصلوں کو خوشوں کے اندر محفوظ رکھا جائے تاکہ اتنی لمبی مدت میں خراب نہ ہوں۔ ان باتوں کے علاوہ دو دیگر باتوں کا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی فراست یا وحی کے ذریعے ذکر فرمایا: ایک یہ کہ قحط کے سالوں میں کچھ دانے بیج کے لیے محفوظ رکھنا ہوں گے ورنہ خشک سالی ختم ہونے پر بھی زراعت نہ ہو سکے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ سات سالوں کے بعد شادابی شروع ہوگی۔

داستان یوسف میں تین خواب قابل توجہ ہیں: I۔ یوسف کا خواب II۔ قیدی کا خواب III۔ بادشاہ کا خواب۔ اور تین کرتے قابل توجہ ہیں: I۔ خون آلود کرتہ II۔ وہ کرتا جس کا دامن چاک تھا۔ III۔ وہ کرتا جس سے یعقوب علیہ السلام کو بینائی ملی۔

۵۰۔ تعبیر خواب سن کر بادشاہ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ یوسف علیہ السلام ایک غیر معمولی شخصیت ہیں۔ وہ نہ

ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ٚ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

آئے گا جس میں لوگوں کو خوب بارش ملے گی اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے۔☆ ﴿۵۰﴾ اور بادشاہ نے کہا: یوسف کو میرے پاس لاؤ پھر جب قاصد یوسف کے پاس آیا تو انہوں نے کہا: اپنے مالک کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا مسئلہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیے تھے؟ میرا رب تو ان کی مکاریوں سے یقینا خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۵۱﴾ (بادشاہ نے عورتوں سے) پوچھا: اس وقت تمہارا کیا واقعہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے ارادے سے پھسلانے کی کوشش کی تھی؟ سب عورتوں نے کہا: پاکیزہ ہے اللہ، ہم نے تو یوسف میں کوئی برائی نہیں دیکھی، (اس موقع پر) عزیز کی بیوی نے کہا: اب حق کھل کر سامنے آ گیا، میں نے ہی یوسف کو اس کی مرضی کے خلاف پھسلانے کی کوشش کی تھی اور یوسف یقینا سچوں میں سے ہیں۔☆ ﴿۵۲﴾ (یوسف نے کہا) ایسا میں نے اس لیے کیا کہ وہ جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کاروں کے مکر و فریب کو کامیابی سے ہمکنار نہیں کرتا۔☆

صرف خوابوں کی تعبیر جانتے ہیں بلکہ اپنی جوانی زندان میں گزارنے اور جوان و ناتجربہ کار ہونے کے باوجود تدبیر مملکت کی خاصی مہارت رکھتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی پر الزام دھرنے کی بجائے حقیقت امر میں تحقیق کی خواہش کی اور عزیز مصر کی بیوی کا ذکر نہیں کیا، بلکہ واقعہ کے گواہوں کا ذکر کیا اور حضرت یوسف یہ نہیں چاہتے تھے کہ الزام کا داغ لے کر بادشاہ کی معافی کے ذریعے زندان سے آزاد ہو جائیں۔

۵۱۔ بادشاہ بذات خود اس مسئلے میں تحقیق شروع کرتا ہے اور ان عورتوں سے سوال کرنے سے پہلے لگتا ہے بادشاہ اس معاملے کی تہ تک پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کے سوال کا لب و لہجہ بتاتا ہے مَا خَطْبُكُنَّ وہ قابل توجہ معاملہ اور اس کی حقیقت کیا تھی، جب تم نے یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ عورتوں نے دیکھا کہ اس جگہ اعتراف جرم کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ معاملہ اس حد تک واضح ہو چکا تھا کہ عورتوں نے اپنی صفائی تک پیش نہیں کی، صرف یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی۔ بعد میں اس جرم کے مرکزی کردار عزیز کی بیوی نے دیکھا راز کھل چکا ہے حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ اس نے اعتراف جرم کر لیا اور یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دی۔ مقدمہ ختم ہوا یوسف کی فتح ہوئی۔ اس طویل سازش میں کنعان کا غریب الوطن غلام اور برسوں کا زندانی کامیاب ہوا، جبکہ عزیز مصر، اس کی بیگم اور بڑے بڑے خاندانوں کی بیگمات ناکام ہو گئے اور حق سربلند ہوا۔

۵۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات اس وقت کہی ہوگی جب شاہی دربار میں فیصلہ آپ علیہ السلام کے حق میں ہوا ہو گا۔ میں نے زندان سے آزاد ہونے کو قبول نہیں کیا اور اپنے اوپر عائد الزام کی تحقیقات کی شرط لگائی تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے اور عزیز جان لے کہ

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ
لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ
اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الۡمَلِکُ
ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ
قَالَ اِنَّکَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾
قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ
اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا
لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنۡہَا
حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ
نَّشَآءُ وَلَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾
وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَۃِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ
کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ ع وَجَآءَ اِخۡوَۃُ یُوۡسُفَ
فَدَخَلُوۡا عَلَیۡہِ فَعَرَفَہُمۡ وَ ہُمۡ لَہٗ

﴿۵۳﴾ اور میں اپنے نفس کی صفائی پیش نہیں کرتا، کیونکہ (انسانی) نفس تو برائی پر اکساتا ہے مگر یہ کہ میرا رب رحم کرے، بیشک میرا رب بڑا بخشنے، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لے آؤ، میں اسے خاص طور سے اپنے لیے رکھوں گا پھر جب یوسف نے بادشاہ سے گفتگو کی تو اس نے کہا: بے شک آج آپ ہمارے بااختیار امانتدار ہیں۔☆ ﴿۵۵﴾ یوسف نے کہا: مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کریں کہ میں بلاشبہ خوب حفاظت کرنے والا، مہارت رکھنے والا ہوں۔ ﴿۵۶﴾ اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار دیا کہ وہ جہاں چاہے اپنا مسکن بنا لے، ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں اور نیک لوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے۔☆ ﴿۵۷﴾ اور آخرت کا اجر تو ایمان اور تقویٰ والوں کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ ﴿۵۸﴾ اور برادران یوسف (مصر) آئے اور یوسف کے ہاں حاضر ہوئے پس یوسف نے تو انہیں پہچان

میں نے در پردہ اس کی ناموس کے بارے میں کوئی خیانت نہیں کی اور دنیا والے بھی یہ جان لیں کہ مکر و فریب پر مبنی کوئی سازش کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتی۔

۵۴۔ گفتگو کے بعد بادشاہ کو اندازہ ہوگیا کہ حضرت یوسفؑ نفس کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کے ساتھ فہم و فراست کے لحاظ سے ایک مشیر کے منصب سے بالاتر ہیں۔ اس لیے ان کو امور مملکت کا مالک بنا دیا۔

۵۶۔ اللہ جب کسی کو اقتدار دینا چاہتا ہے تو اس کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ بھائیوں نے کنویں میں ڈالا، اللہ نے عزیز مصر کے گھر پہنچایا، لوگوں نے انہیں زندان میں ڈالا، اللہ نے ان کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔

۵۸۔ واقعے میں چند کڑیاں مذکور نہیں ہیں جو قرائن سے ذہن میں آ جاتی ہیں۔ تعبیر خواب کے مطابق سات سال غلے کی فراوانی رہی۔ اس کے بعد قحط سالی شروع ہوگئی اور حضرت یوسفؑ کے حسن تدبیر کی وجہ سے صرف مصر میں غلہ کی فراوانی تھی اور قریبی ہمسایہ لوگ غلہ خریدنے مصر آتے تھے۔ چنانچہ برادران یوسف بھی غلہ خریدنے مصر آگئے اور حضرت یوسفؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت یوسفؑ نے انہیں پہچان لیا، لیکن وہ یوسفؑ کو نہیں پہچان سکے۔ کیونکہ جسے وہ کنویں میں ڈال آئے تھے اس کے بارے میں یہ تصور نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خزائن الارض کا مختار کل بن چکا ہے۔

مُنۡكِرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمۡ بِجَهَازِهِمۡ قَالَ ائۡتُوۡنِىۡ بِاَخٍ لَّـكُمۡ مِّنۡ اَبِيۡكُمۡ‌ ۚ اَلَا تَرَوۡنَ اَنِّىۡۤ اُوۡفِى الۡـكَيۡلَ وَاَنَا خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَاۡتُوۡنِىۡ بِهٖ فَلَا كَيۡلَ لَكُمۡ عِنۡدِىۡ وَلَا تَقۡرَبُوۡنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوۡا سَنُرَاوِدُ عَنۡهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتۡيٰنِهِ اجۡعَلُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ فِىۡ رِحَالِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَعۡرِفُوۡنَهَاۤ اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوۡۤا اِلٰٓى اَبِيۡهِمۡ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الۡكَيۡلُ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكۡتَلۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلۡ اٰمَنُكُمۡ عَلَيۡهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنۡتُكُمۡ عَلٰۤى اَخِيۡهِ مِنۡ

لیا اور وہ یوسف کو پہچان نہیں رہے تھے۔☆ ﴿۵۹﴾ اور جب یوسف ان کے لیے سامان تیار کر چکے تو کہنے لگے: (دوبارہ آؤ تو) باپ کی طرف سے اپنے ایک (سوتیلے) بھائی کو میرے پاس لانا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا ناپتا ہوں اور بہترین مہمان نواز ہوں؟ ﴿۶۰﴾ پس اگر تم اس بھائی کو نہ لاؤ گے تو میرے پاس سے نہ تو تمہیں کوئی غلہ ملے گا اور نہ ہی تم میرے نزدیک آنا۔☆ ﴿۶۱﴾ انہوں نے کہا: ہم اس کے والد سے اسے طلب کریں گے اور ہم ایسا کر کے رہیں گے۔ ﴿۶۲﴾ اور یوسف نے اپنے خدمتگاروں سے کہا: ان کی پونجی (جو غلے کی قیمت تھی) انہی کے سامان میں رکھ دو تا کہ جب وہ پلٹ کر اپنے اہل و عیال کی طرف جائیں تو اسے پہچان لیں، اس طرح ممکن ہے وہ واپس آ جائیں۔☆ ﴿۶۳﴾ پھر جب وہ اپنے والد کے پاس واپس گئے تو کہنے لگے: اے ہمارے ابا! ہمارے لیے غلے کی بندش ہو گئی لہٰذا آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے تا کہ ہم غلہ حاصل کریں اور بے شک ہم بھائی کی حفاظت کریں گے۔☆ ﴿۶۴﴾ یعقوب بولے: کیا میں اس کے بارے میں تم پر اسی

---

۶۰۔ ممکن ہے کہ حضرت یوسف ؑ نے ان کے ساتھ اس طرح بات چلائی ہو کہ بنیامین کا ذکر آئے۔ بنیامین کو اپنے پاس لانے کے لیے حضرت یوسف ؑ نے کئی طریقے استعمال کیے۔ غلہ پورا دیا، بہترین مہمان نوازی کی، آئندہ غلہ نہ دینے کی دھمکی دی اور غلہ کی قیمت واپس کی۔

۶۲۔ اس زمانے میں معاملات مال کے بدلے مال کی بنیاد پر ہوتے تھے۔ حضرت یوسف ؑ نے ان کا مال غلے کے ساتھ واپس کر دیا۔

۶۳۔ ۶۴ سیاق آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ بیٹوں نے سب سے پہلے حضرت یعقوب ؑ کو آیندہ غلہ کی بندش کی خبر سنائی اور بنیامین کو آیندہ ان کے ہمراہ مصر بھیجنے پر اصرار کیا۔ حضرت یعقوب ؑ نے ان کو یاد دلایا کہ تم نے یوسف کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس سے تم پر اعتماد ختم ہوا ہے اگرچہ یوسف ؑ کا بہترین محافظ اللہ ہے لیکن تم نے اپنی بداعتمادی ظاہر کر دی ہے۔

۶۵۔ جب دیکھا کہ یوسف ؑ نے غلہ کی قیمت بھی واپس کی ہے تو یہ بات مزید باعث اطمینان ہو گئی کہ ایسے مہربان شخص کے پاس بنیامین کو لے کر جانے میں کوئی باک نہیں ہے۔ اس سے اولاد یعقوب کے مؤقف میں تقویت آ گئی اور انہوں نے اپنے مؤقف کی حمایت میں مزید چند تاکیدی باتوں کا اضافہ کیا۔ اول یہ کہ بنیامین کے بھیجنے سے

قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ

طرح اعتماد کروں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں کیا تھا؟ اللہ بہترین محافظ ہے اور وہ سب سے بہترین رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿٦٥﴾ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا ان کی پونجی انہیں واپس کر دی گئی کہنے لگے: اے ہمارے ابا! ہمیں اور کیا چاہیے؟ دیکھئے! ہماری یہ پونجی ہمیں واپس کر دی گئی ہے اور ہم اپنے اہل وعیال کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ زیادہ لائیں گے اور وہ غلہ آسانی سے (حاصل) ہوجائے گا۔☆ ﴿٦٦﴾ (یعقوب نے) کہا: میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کے ساتھ عہد نہ کرو کہ تم اسے میرے پاس ضرور واپس لاؤ گے مگر یہ کہ تم (کسی مشکل میں) گھیر لیے جاؤ پھر جب انہوں نے اپنا عہد دے دیا تو یعقوب نے کہا: ہم جو بات کر رہے ہیں اس پر اللہ ضامن ہے۔☆ ﴿٦٧﴾ اور یعقوب نے کہا: بیٹو! تم سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا، حکم صرف

---

اہل وعیال کے لیے غلہ مل جائے گا۔ دوم یہ کہ ایسے شخص کے پاس جانے میں ہمیں تحفظ ہے۔ سوم یہ کہ بنیامین کے جانے سے ایک بار شتر کا اضافہ ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ غلہ کی تقسیم ایک شتر کے حساب سے کرتے تھے اور راشننگ کا نظام نافذ تھا۔ چہارم یہ کہ بنیامین کے جانے سے اعتماد بحال ہوگا اور ان سب چیزوں کا حصول آسان ہوجائے گا۔

٦٦۔ یہ عہد و میثاق ان باتوں کے بارے میں ہے جو انسان کے دائرۂ اختیار میں ہیں جیسا کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر یوسفؑ کے ساتھ کیا تھا۔ اگر بامر مجبوری اس کی خلاف ورزی ہوگئی تو قابل درگزر ہوگا کیونکہ اس زمانے میں کنعان سے مصر کا سفر کرنا خطرے سے خالی نہ تھا اور سفر بھی دراز تھا۔ عہد و پیمان ملنے کے بعد حضرت یعقوبؑ نے اللہ پر توکل کا اظہار کیا۔ کیونکہ توکل کا مطلب اسباب و علل سے بے نیازی نہیں ہے بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ صرف اسباب وعلل کافی نہیں ہیں بلکہ ان کے ماوراء ارادۂ درکار ہوتا ہے۔ وہی قابل بھروسہ ہے۔

٦٧۔ ان ہدایات کے پیچھے کون سے عوامل اور مقاصد کارفرما تھے اس کی طرف آیت میں کوئی اشارہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ نظر بد سے بچنا مقصود ہو یا یہ کہ کسی حادثے کی صورت میں باپ (یعقوب) کو کچھ اور

الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ۚ وَعَلَيۡهِ
فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوۡا
مِنۡ حَيۡثُ اَمَرَهُمۡ اَبُوۡهُمۡ ؕ مَا كَانَ يُغۡنِىۡ
عَنۡهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ اِلَّا حَاجَةً فِىۡ
نَفۡسِ يَعۡقُوۡبَ قَضٰٮهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوۡ عِلۡمٍ
لِّمَا عَلَّمۡنٰهُ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا
يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ع وَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰى يُوۡسُفَ
اٰوٰٓى اِلَيۡهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىۡۤ اَنَا اَخُوۡكَ فَلَا
تَبۡتَـئِسۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا
جَهَّزَهُمۡ بِجَهَازِهِمۡ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىۡ
رَحۡلِ اَخِيۡهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا
الۡعِيۡرُ اِنَّكُمۡ لَسٰرِقُوۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوۡا وَاَقۡبَلُوۡا
عَلَيۡهِمۡ مَّاذَا تَفۡقِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوۡا نَفۡقِدُ

اللہ ہی کا چلتا ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔☆ ﴿۶۸﴾ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے والد نے انہیں حکم دیا تھا تو کوئی انہیں اللہ سے بچانے والا نہ تھا مگر یہ کہ یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جسے انہوں نے پورا کر دیا اور یعقوب یقیناً صاحب علم تھے اس لیے کہ ہم نے انہیں علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿۶۹﴾ اور جب یہ لوگ یوسف کے ہاں داخل ہوئے تو یوسف نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی۔ کہا: بے شک میں ہی تیرا بھائی ہوں پس ان لوگوں کے سلوک پر ملال نہ کرنا۔ ﴿۷۰﴾ پھر جب (یوسف نے) ان کا سامان تیار کر لیا تو اپنے بھائی کے سامان میں پیالہ رکھ دیا پھر کسی پکارنے والے نے آواز دی: اے قافلے والو! تم چور ہو۔☆ ﴿۷۱﴾ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے: تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے؟ ﴿۷۲﴾ کہنے لگے: بادشاہ کا پیالہ کھو گیا ہے اور جو اسے پیش کر دے اس کے لیے ایک بار

بیٹوں سے بچھڑنا نہ پڑے۔

۶۸۔ ممکن ہے خواہش جو پوری ہو گئی، یہ ہو کہ وہ خطرہ ٹل گیا جو ایک دروازے سے داخل ہونے کی صورت میں سب کو لاحق ہو سکتا تھا۔

۷۰۔ اپنے بھائی کے سامان میں پیالہ رکھنا حضرت یوسف ؑ کی طرف سے ایک تدبیر و حیلہ تھا جو غالباً دونوں برادران نے مل کر بنایا تھا اور بنیامین وقتی خفت اٹھانے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

انہیں سارق کہنا چونکہ پہلے سے بنیامین کے ساتھ طے تھا اس لیے کوئی حرج نہیں ہے۔ ثانیاً یہ کہ پیالہ عمداً رکھنے کے راز سے یہ آواز دینے والا واقف ہی نہ ہو گا، لہٰذا ممکن ہے کہ آواز دینے والا ان کو فی الواقع چور گمان کرتا ہو۔

۷۳۔ قافلہ والوں کے لب و لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف ؑ کے گرد و پیش کے لوگوں کو اس بات کا علم ہوا تھا کہ یہ لوگ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ قافلہ والے ان کی اس شناخت پر تکیہ کر کے بات کر رہے ہیں کہ تمہیں خود علم ہے کہ ہم زمین مصر میں فساد کرنے نہیں آئے۔

۷۵۔ پہلے سے طے شدہ بہانے کے تحت پوچھا جاتا ہے کہ اگر تم چور ثابت ہوئے تو اس کی کیا سزا ہو گی؟ حضرت یوسف ؑ کو علم تھا کہ اس کا کیا جواب آنے والا ہے۔ کیونکہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا یہ تھی کہ صاحب مال چور کو اپنا غلام بنا لے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت یوسف ؑ نے بھائیوں کی بہترین مہمان نوازی کی اور کھانے کے لیے دسترخوان کو یوں ترتیب دیا کہ دو دو بھائی مل کر

صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ

شتر (انعام) ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔ ﴿٧٢﴾ قافلے والوں نے کہا: اللہ کی قسم تم لوگوں کو بھی علم ہے کہ ہم اس سرزمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔☆ ﴿٧٣﴾ انہوں نے کہا: اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو اس کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ ﴿٧٤﴾ کہنے لگے: اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں (مسروقہ مال) پایا جائے وہی اس کی سزا میں رکھ لیا جائے، ہم تو ظلم کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔☆ ﴿٧٥﴾ پھر یوسف نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں کو (دیکھنا) شروع کیا پھر اسے اپنے بھائی کے تھیلے سے نکالا، اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی ورنہ وہ شاہی قانون کے تحت اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ کی مشیت ہو، جس کے ہم چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں اور ہر صاحب علم سے بالاتر ایک بہت بڑی دانا ذات ہے۔☆ ﴿٧٦﴾ (برادران یوسف نے) کہا: اگر اس نے چوری کی ہے (تو نئی بات نہیں) اس کے بھائی

کھائیں۔ بنیامین تنہا رہ گئے جس پر وہ یوسف ؑ کو یاد کر کے روئے تو حضرت یوسف ؑ نے ان کو اپنے دسترخوان پر جگہ دی اور کہا: میں تیرا بھائی ہوں۔ اس طرح دو دو بھائیوں کے لیے ایک ایک کمرہ تیار کیا۔ بنیامین پھر تنہا رہ گئے۔ حضرت یوسف ؑ نے بنیامین کو اپنے کمرے میں جگہ دی اور تخلیہ ہونے پر پورا راز کھول دیا اور کہا: میں تیرا بھائی ہوں۔

٧٦۔ تدبیر پر نہایت ہوشیاری سے عمل کیا جا رہا ہے۔ حضرت یوسف ؑ کو علم ہے کہ پیالہ اپنے بھائی کے تھیلے میں ہے، مگر تلاشی کی ابتدا دوسرے بھائیوں کے تھیلوں سے کرتے ہیں تاکہ کسی سوچی سمجھی تدبیر کا کہیں شائبہ نہ ہو جائے۔ اس تدبیر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت یوسف ؑ کے پاس اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا اور کوئی بہانہ نہ تھا۔ کیونکہ حضرت یوسف ؑ کے لیے درست ہی نہ تھا کہ وہ شاہی قانون کے مطابق عمل کریں۔ وہ پیغمبر ہیں، الٰہی قانون پر ہی عمل کریں گے۔ اگرچہ یہاں بنیامین حقیقتاً چور نہیں ہیں، لہٰذا سزا بھی حقیقی نہیں تھی۔ تاہم ظاہری طور پر بھی ایک رسول کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ الٰہی قانون کو چھوڑ کر شاہی قانون پر عمل کرے۔ رہا یہ سوال کہ حضرت یوسف ؑ کے حکومت میں داخل ہوتے ہوئے شاہی قانون کس طرح نافذ تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قوانین کا نفاذ اور تبدیلی نظام ہمیشہ تدریجی ہوا کرتی ہے۔ ابتدا میں رسول اسلام ﷺ کے لیے بھی ممکن نہ تھا کہ بہ یک جنبش قلم تمام جاہلی قوانین ختم کر کے اسلامی قوانین

قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

(یوسف) نے بھی تو پہلے چوری کی تھی، پس یوسف نے اس بات کو دل میں سہ لیا اور اسے ان پر ظاہر نہ کیا (البتہ اتنا ضرور) کہا: تم لوگ برے ہو (نہ کہ ہم دونوں) اور جو بات تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ بہتر جانتا ہے۔☆ ﴿۷۸﴾ وہ کہنے لگے: اے عزیز! اس کا باپ بہت سن رسیدہ ہو چکا ہے پس آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں ہمیں آپ نیکی کرنے والے نظر آتے ہیں۔ ﴿۷۹﴾ کہا: پناہ بخدا! جس کے ہاں سے ہمارا سامان ہمیں ملا ہے اس کے علاوہ ہم کسی اور کو پکڑیں؟ اگر ہم ایسا کریں تو زیادتی کرنے والوں میں ہوں گے۔☆ ﴿۸۰﴾ پھر جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے، ان کے بڑے نے کہا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کا عہد لیا ہے اور اس سے پہلے بھی یوسف کے بارے میں تقصیر کر چکے ہو؟ لہٰذا میں تو اس سرزمین سے ہلنے والا نہیں ہوں جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔☆

نافذ کریں۔

۷۷۔ ہنوز ان کے دلوں میں یوسف ؑ اور بنیامین کے خلاف حسد کی آگ بجھی نہیں تھی۔ لہٰذا پہلے تو کہہ دیا: ہم اولاد یعقوب چور نہیں ہیں۔ جب پیمانہ بنیامین کے تھیلے سے نکلا تو بنیامین اور یوسف ؑ کو اپنے سے الگ شمار کیا اور کہا اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔

۷۸۔ یہاں حضرت یوسف ؑ کو عزیز کہا گیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت یوسف ؑ مصر میں ایک ایسے منصب پر فائز تھے جسے مصری اصطلاح میں عزیز کہتے تھے جو تقریبا سرکار کے قریب المعنی ہے۔ ان آیات میں ایک جگہ الملک کا ذکر آیا ہے اور یوسف ؑ کے لیے عزیز کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف ؑ الملک بادشاہ تو نہیں تھے، اس کے بعد کا منصب حضرت یوسف ؑ کے پاس تھا جسے عزیز کہتے تھے۔

۷۹۔ حضرت یوسف ؑ بنیامین کو چور نہیں کہتے، بلکہ یہ تعبیر اختیار کرتے ہیں: جس کے ہاں سے ہمارا سامان ملا ہے، اسے چھوڑ کر کسی اور کو پکڑنا ظلم ہے۔ اس عمل کو توریہ کہتے ہیں جو مصلحتاً امر واقع کو چھپانے اور صریحاً جھوٹ نہ بولنے سے عبارت ہے۔ مثلاً غیر مستحق آپ سے پیسے مانگے تو آپ توریۃً کہیں گے: میرا ہاتھ خالی ہے۔ اس سے سائل سمجھے گا کہ آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں، جب کہ آپ اپنے ہاتھ کا قصد کر رہے ہیں جو واقعاً اس وقت خالی ہے۔ ایسا کرنا عند الضرورۃ درست ہے۔ روایت ہے کہ یوسف ؑ اپنی پھوپھی کے ہاں رہتے تھے۔ حضرت یعقوب ؑ نے اپنے ہاں بلانا چاہا تو انہوں نے یوسف ؑ کی کمر میں ایک کمر بند باندھ دیا پھر چوری کا الزام دے کر اپنے ہاں روک لیا۔

۸۰۔ اولاد یعقوب ؑ میں بڑا بیٹا نسبتاً ذمہ دار معلوم

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ

﴿۸۱﴾ تم اپنے والد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: اے ہمارے ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہمیں جو علم ہوا اس کی ہم نے گواہی دے دی ہے اور غیب کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ ﴿۸۲﴾ اور اس بستی (والوں) سے پوچھیے جس میں ہم ٹھہرے تھے اور اس قافلے سے پوچھیے جس میں ہم آئے ہیں اور (یقین جانیے) ہم بالکل سچے ہیں۔ ﴿۸۳﴾ (یعقوب نے) کہا: بلکہ تم نے خود اپنی طرف سے ایک بات بنائی ہے پس بہترین صبر کروں گا امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے، یقیناً وہ بڑا دانا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۸۴﴾ اور یعقوب نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے یوسف اور ان کی آنکھیں (روتے روتے) غم سے سفید پڑ گئیں اور وہ گھٹے جا رہے تھے۔☆ ﴿۸۵﴾ (بیٹوں نے) کہا: قسم بخدا! یوسف کو برابر یاد کرتے کرتے آپ جان بلب ہو جائیں گے یا جان دے دیں گے۔ ﴿۸۶﴾ یعقوب نے کہا: میں اپنا

---

ہوتا ہے۔ ممکن ہے شروع میں بھی اسی نے کہا ہو کہ یوسف ؑ کو قتل نہ کرو، اسے کنویں میں ڈال دو۔

حضرت یعقوب ؑ کو علم تھا کہ یوسف ؑ زندہ ہیں بلکہ یہ بھی اشارہ دیا کہ یوسف ؑ، بنیامین اور بڑا بیٹا سب ایک ساتھ واپس آئیں گے۔

۸۳۔ اس مرتبہ جو واقعہ پیش آیا ہے، اگرچہ اسے ان لوگوں نے خود نہیں بنایا تھا، لیکن یہ واقعہ اس زیادتی کا نتیجہ تھا جو ان لوگوں نے یوسف ؑ کے بارے میں کی تھی۔ اس لیے ان کو اس واقعہ کا بھی ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ پھر حضرت یعقوب ؑ کے لیے یہ بات بھی قابل قبول نہ تھی کہ بنیامین جیسا نیک سیرت فرزند چوری کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

حضرت یعقوب ؑ کے اس جملے سے "امید ہے اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے" معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؑ کو علم تھا کہ یوسف ؑ زندہ ہیں، بلکہ یہ بھی اشارہ دیا کہ یوسف ؑ، بنیامین اور بڑا لڑکا سب ایک ساتھ واپس آنے والے ہیں اور یوسف ؑ کا خواب پورا ہونے والا ہے۔

۸۴۔ صبر جمیل کے باوجود یعقوب ؑ کا نابینائی کی حد تک رونا بتاتا ہے کہ اظہار حزن اور گریہ کرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ بقول بعض اہل قلم: یہ اشک فشانی، کمالات نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں ہے، جیسا کہ آج کل کے بعض نافہموں نے لکھ دیا ہے، بلکہ یہ مزید شفقت اور رقت قلب کی علامت ہے۔ حضرت یوسف ؑ تو خیر جوان تھے، ہمارے حضور انور ﷺ تو اپنے فرزند ابراہیم کی وفات پر آنسوؤں کے ساتھ روئے ہیں، جو ابھی شیر خوار تھے۔ (دریابادی)

صبر کے منافی یہ ہے کہ اس فیصلہ کو پسند نہ کیا جائے اور جزع فزع اس لیے ہو کہ یہ فیصلہ کیوں ہوا۔

۸۶۔ یہ شکوہ اگر کسی اور سے کروں تو بے صبری کہلائے۔ میں تو اس ذات کے سامنے اپنے دل کی حالت کھول کر بیان کرتا ہوں جس سے میری ساری

وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَاَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِیْ ز قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ

اضطراب اور غم صرف اللہ کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور اللہ کی جانب سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔☆ ﴿۸۷﴾ اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کے فیض سے مایوس نہ ہونا کیونکہ اللہ کے فیض سے تو صرف کافر لوگ مایوس ہوتے ہیں۔☆ ﴿۸۸﴾ پھر جب وہ یوسف کے ہاں داخل ہوئے تو کہنے لگے: اے عزیز! ہم اور ہمارے اہل و عیال سخت تکلیف میں ہیں اور ہم نہایت ناچیز پونجی لے کر آئے ہیں پس آپ ہمیں پورا غلہ دیجیے اور ہمیں خیرات (بھی) دیجیے، اللہ خیرات دینے والوں کو یقینا اجر عطا کرنے والا ہے۔ ﴿۸۹﴾ یوسف نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ جب تم نادان تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟☆ ﴿۹۰﴾ وہ کہنے لگے: کیا واقعی آپ یوسف ہیں؟ کہا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے، اگر کوئی تقویٰ اختیار کرے اور صبر

امیدیں وابستہ ہیں۔ عبد معبود کی بارگاہ میں جب اپنا احوال واقعی بیان کرتا ہے تو عین بندگی ہوتی ہے، یہی باتیں اگر غیر خدا سے کی جائیں تو بے صبری ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت یعقوبؑ فرماتے ہیں: میں تو اپنے غم و اندوہ کا اظہار کسی اور سے نہیں صرف اپنے رب سے کرتا ہوں، جس سے میری ساری امیدیں وابستہ ہیں اور اس سے میں مایوس نہیں ہوں، اس علم کی وجہ سے جو تمہارے پاس نہیں میرے پاس ہے۔

۸۷۔ حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اور بنیامین کے یکجا موجود ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور ساتھ یہ درس بھی دے رہے ہیں کہ مومن اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ سے مایوس ہونے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس کی قدرت و طاقت محدود ہے اور یہ کفر ہے۔

۸۹۔ اس قسم کا طرز خطاب ان لوگوں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے جن کو ان کی غلط کاریوں کی سرزنش کرنا مقصود ہو۔ حضرت یوسفؑ نے ابتدائے کلام میں سرزنش کا لہجہ اختیار کیا لیکن معا اس کی توجیہ بھی بیان فرمائی کہ یہ کام تم لوگوں نے نادانی میں کیا تھا۔

۹۰۔ بھائیوں نے جب یوسفؑ کو پہچان لیا تو ان کے ذہنوں میں اپنی بدسلوکی اور یوسفؑ کے حسن سلوک کا تصور گھومنا شروع ہوا ہوگا اور ان دونوں سلوکوں میں موجود نمایاں فرق نے ان کو مزید شرمندہ کیا ہوگا۔ اس جگہ حضرت یوسفؑ نے ان عوامل کا ذکر کیا جن کی وجہ سے ان کو کامیابی حاصل ہوئی اور وہ ہیں صبر اور تقویٰ۔ چنانچہ قرآن کی دیگر متعدد آیات میں صبر و تقویٰ کو مشکلات سے نکلنے کا ذریعہ بتایا ہے۔

وَ يَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَاِنۡ كُنَّا لَخٰطِـئِيۡنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ‌ ؕ يَغۡفِرُ اللّٰهُ لَكُمۡ‌ وَهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۹۲﴾ اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ يَاۡتِ بَصِيۡرًا‌ ۚ وَاۡتُوۡنِىۡ بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الۡعِيۡرُ قَالَ اَبُوۡهُمۡ اِنِّىۡ لَاَجِدُ رِيۡحَ يُوۡسُفَ لَوۡلَاۤ اَنۡ تُفَـنِّدُوۡنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوۡا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىۡ ضَلٰلِكَ الۡقَدِيۡمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَ الۡبَشِيۡرُ اَلۡقٰٮهُ عَلٰى وَجۡهِهٖ فَارۡتَدَّ بَصِيۡرًا‌ ۚ قَالَ اَلَمۡ اَقُلْ لَّكُمۡ ۚۙ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾

کرے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔☆ ﴿۹۱﴾ انہوں نے کہا: قسم بخدا! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور ہم ہی خطا کار تھے۔ ﴿۹۲﴾ یوسف نے کہا: آج تم پر کوئی عتاب نہیں ہوگا، اللہ تمہیں معاف کر دے گا اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے☆ ﴿۹۳﴾ یہ میرا کرتا لے جاؤ پھر اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی بصارت لوٹ آئے گی اور تم اپنے تمام اہل و عیال کو میرے پاس لے آنا۔☆ ﴿۹۴﴾ اور جب یہ قافلہ (مصر کی سرزمین سے) دور ہوا تو ان کے باپ نے کہا: اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو تو یقیناً مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔☆ ﴿۹۵﴾ لوگوں نے کہا: قسم بخدا! آپ اپنے اسی پرانے خبط میں (مبتلا) ہیں۔ ﴿۹۶﴾ پھر جب بشارت دینے والا آیا تو اس نے یوسف کا کرتا یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا تو وہ دفعتاً بینا ہوگئے، کہنے لگے: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟☆

۹۲۔ بھائیوں نے جرم کا اعتراف کیا تو صاحب فضیلت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے فضل کا ثبوت فراہم کیا۔ چنانچہ اس اعتراف کے جواب میں فرمایا: لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ۔ آج تم پر کوئی عتاب نہیں ہوگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے موقع پر اپنے جانی دشمنوں سے درگزر فرماتے ہوئے یہی جملہ دہرایا: لاتثریب علیکم الیوم۔

۹۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ بھائیوں نے خون آلود قمیص والد کے سامنے پیش کی تھی، جس نے والد کو غمگین کیا تھا، سو آج قمیص کے ذریعے ہی ان کو خوشخبری دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میری یہ قمیص وہی شخص میرے والد کے پاس لے جائے جس نے میری خون آلود قمیص والد کے سامنے پیش کی تھی تاکہ جس نے میرے والد کو غمگین کیا وہی انہیں خوشخبری بھی دے۔

۹۴۔ ممکن ہے یہ خوشبو حسی قوت شامہ سے نہیں، بلکہ مشام ماورائے حس سے درک کی ہو جو انبیاء کے لیے بعید نہیں ہے۔

۹۶۔ بصارت یعقوب علیہ السلام کا عود کرآنا عام طبیعی دستور کے مطابق نہیں ہو سکتا، کیونکہ طبیعی طور پر علاج کے بغیر ممکن نہیں ہے اور یوسف علیہ السلام کا کرتا منہ پر ڈالا جانا آنکھوں کی بصارت کے لیے طبیعی علاج ہرگز نہیں ہے، نہ اس فرط مسرت سے بصارت واپس آ سکتی ہے، بلکہ یہ صرف اعجاز کی صورت ہے جس سے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام آگاہ تھے۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ؕ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

﴿۹۷﴾ بیٹوں نے کہا: اے ہمارے ابا! ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا کیجیے، ہم ہی خطا کار تھے۔☆ ﴿۹۸﴾ (یعقوب نے) کہا: عنقریب میں تمہارے لیے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا، وہ یقینا بڑا بخشنے والا، مہربان ہے ﴿۹۹﴾ جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ بٹھایا اور کہا: اللہ نے چاہا تو امن کے ساتھ مصر میں داخل ہو جائیے۔☆ ﴿۱۰۰﴾ اور یوسف نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب ان کے آگے سجدے میں گر پڑے اور یوسف نے کہا: اے ابا جان! یہی میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا، بتحقیق میرے رب نے اسے سچ کر دکھایا اور اس نے سچ مچ مجھ پر احسان کیا جب مجھے زندان سے نکالا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈالا آپ کو صحرا سے (یہاں) لے آیا، یقینا میرا رب جو چاہتا ہے اسے تدبیر خفی سے انجام دیتا ہے، یقینا وہی بڑا دانا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۱۰۱﴾ اے میرے رب! تو نے

۹۷۔ اولاد یعقوب ؑ خطا کار سہی، لیکن خاندان نبوت کے افراد ہیں اور ابراہیم خلیل اللہ ؑ کے پڑپوتے ہیں۔ آداب بندگی سے واقف ہیں کہ اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے، رسول خدا ؑ، اپنے والد بزگوار کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اللہ سے طلب عفو کے لیے انہیں وسیلہ بناتے ہیں۔

۹۸۔ حضرت یعقوب ؑ بالفور دعا نہیں فرماتے، بلکہ عنقریب دعا کرنے کا وعدہ فرماتے ہیں۔

۹۹۔ برسوں کی جدائی اور یوسف ؑ پر ایک زندگی گریہ وزاری کے بعد یہ ملاقات کس قدر رقت آمیز ہوئی ہوگی۔ مصر میں داخل ہو جائیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت یوسف ؑ اپنے والد بزرگوار کے استقبال کے لیے مصر یا شہر کی حدود سے نکل آئے تھے۔ اس طرح آلوسی کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یوسف اپنے والدین کے گلے لپٹے۔ چنانچہ اس استقبال کا ذکر توریت میں بھی ملتا ہے۔

۱۰۰۔ حضرت یوسف ؑ نے والدین کو تخت پر بٹھایا۔ تخت سے مراد تخت حکومت لیا جائے تو اس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ یوسف ؑ مصر کے تخت نشین بادشاہ بن گئے تھے، لیکن ممکن ہے تخت شاہی نہ ہو، کیونکہ قرآن یوسف ؑ کو عزیز کہتا ہے اور ساتھ بادشاہ کا بھی ذکر آتا ہے۔ تاریخ نے بھی مصری بادشاہوں کے سلسلے میں یوسف ؑ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

سجدے سے مراد ایک قسم کی تعظیم ہے، جو زراز مین کی طرف جھک کر بجا لائی جاتی تھی۔ یہ زمین پر پیشانی رکھنے والا سجدہ نہیں ہے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع وَ كَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ مَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ

مجھے اقتدار کا ایک حصہ عنایت فرمایا اور ہر بات کے انجام کا علم دیا، آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا میں بھی میرا سرپرست ہے اور آخرت میں بھی، مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھا لے اور نیک بندوں میں شامل فرما۔☆ ﴿۱۰۲﴾ یہ غیب کی خبروں کا حصہ ہیں جنھیں ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں ورنہ آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنا عزم پختہ کر کے سازش کر رہے تھے۔☆ ﴿۱۰۳﴾ اور آپ کتنے ہی خواہش مند کیوں نہ ہوں ان لوگوں میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔☆ ﴿۱۰۴﴾ اور (حالانکہ) آپ اس بات پر ان سے کوئی اجرت بھی نہیں مانگتے اور یہ (قرآن) تو عالمین کے لیے بس ایک نصیحت ہے۔ ﴿۱۰۵﴾ اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ بغیر اعتنا کے گزر جاتے ہیں۔ ﴿۱۰۶﴾ ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لائے بھی ہیں تو

۱۰۱۔ حضرت یوسفؑ اپنے رب کی بارگاہ میں یہ مناجات عین اس وقت کر رہے ہیں، جب ان کے بھائی سامنے موجود ہیں، جو کل ان کی جان کے دشمن تھے۔ آج یوسفؑ اپنی کامیابی پر فخر و مباہات کرنے کی بجائے اپنے رب کا شکر بجالا رہے ہیں۔

۱۰۲۔ قصۂ یوسفؑ کے بارے میں یہ سارے حقائق وحی پر مبنی ہیں ورنہ مکہ جیسے ماحول میں زندگی گزارنے والے کسی شخص کے پاس کسی قسم کے تاریخی ذرائع نہ تھے۔ ممکن ہے کہ کوئی یہ سوال اٹھائے کہ ان حقائق کو بائبل اور دوسری کتب کے ذریعے حاصل کیا گیا ہو گا۔ جواب یہ ہے کہ قدیم کتابوں مثلاً بائبل اور تلمود کا قرآن کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو ان کتابوں میں اس قصے کے صرف واقعاتی پہلو ملیں گے، وہ بھی بہت اختلاف کے ساتھ۔ ان میں اس کے روحانی اور رسالتی پہلو کا سرے سے کوئی ذکر نہیں ہے۔

۱۰۳۔ یہودیوں نے رسول اکرمؐ کی نبوت کی آزمائش کے لیے سوال کیا تھا کہ اس نبی کا حال بتایئے جس کا بیٹا شام سے مصر لے جایا گیا۔ اس پر پورا واقعہ بیان کرنے پر توقع کی جا سکتی تھی کہ اس معجزے کو دیکھ کر وہ ایمان لے آئیں گے، لیکن اس جگہ اللہ فرماتا ہے: خواہ آپ کتنا ہی چاہیں یہ لوگ اب بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں، کیونکہ ان کا ایمان نہ لانا اس لیے نہیں کہ یہاں کوئی معقول دلیل موجود نہیں، نہ ہی ان کے سوال کا یہ مطلب ہے کہ وہ حق جوئی کر رہے ہیں بلکہ وہ تو بہانہ جوئی کر رہے ہیں۔

مُّشْرِكُوْنَ ۝۱۰۶ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ
غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۰۷ قُلْ
هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي (وقف النبی)
بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ
اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۸ وَمَآ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ
اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا
فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ
خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹
حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا
اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ

اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔ ۝۱۰۷ کیا یہ لوگ اس بات سے بے فکر ہیں کہ اللہ کی طرف سے کوئی عذاب انہیں گھیر لے یا ناگہاں قیامت کی گھڑی آ جائے اور انہیں خبر تک نہ ہو؟ ☆ ۝۱۰۸ کہد یجیے: یہی میرا راستہ ہے، میں اور میرے پیروکار، پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور پاکیزہ ہے اللہ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ☆ ۝۱۰۹ اور آپ سے پہلے ہم ان بستیوں میں صرف مردوں ہی کو بھیجتے رہے ہیں جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، تو کیا یہ لوگ روئے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا؟ اور اہل تقویٰ کے لیے تو آخرت کا گھر ہی بہتر ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۝۱۱۰ یہاں تک کہ جب انبیاء (لوگوں سے) مایوس ہو گئے اور لوگ بھی یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا تو پیغمبروں کے لیے ہماری نصرت پہنچ گئی، اس کے بعد

۱۰۷۔ ایمان اور شرک کے مراتب ہیں۔ بہت سے لوگوں کا ایمان شرک کے ساتھ آمیختہ ہوتا ہے۔ حدیث نبوی ہے: اِنَّ الشِّرْکَ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ۔ (وسائل الشیعة ۱۶: ۲۵۴) تمہارے اندر شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ طور پر موجود ہے۔

۱۰۸۔ اس دعوت کا خاصہ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ ہے۔ یعنی اس کی بنیاد یقین و بصیرت پر ہے، لہٰذا پیروکاروں میں جو لوگ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ کے درجہ پر فائز ہیں، وہ اس دعوت میں شریک ہیں۔ واضح رہے تبلیغ اور دعوت اصولی اور ابتدائی طور پر رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری ہے۔ اس مرحلے میں رسول ﷺ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے، البتہ سورہ برائت کی تبلیغ کے سلسلہ میں ایک موقع ایسا آیا کہ رسول اللہ ﷺ خود تبلیغ کا کام انجام نہیں دے سکتے تھے، اس لیے حضرت علی ؑ کو رجل منک کے عنوان سے رسول اسلام ﷺ کے بعد مَنِ اتَّبَعَنِیْ کی منزل پر فائز کر دیا اور سورۃ برائت کی ابتدائی تبلیغ فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تبلیغ عمل میں آنے کے بعد ہر وہ ہستی جو عَلٰی بَصِیْرَۃٍ کے مقام پر فائز ہو دعوت الی اللہ کی ذمہ داری انجام دے سکتی ہے۔

لہٰذا دعوت الی اللہ کے دو ارکان ہیں: اتباع رسول ﷺ اور بصیرت و یقین۔ چنانچہ حاکم حسکانی نے شواہد التنزیل ۱: ۲۸۵ میں، شہاب الدین شافعی نے توضیح الدلائل قلمی نسخہ ص ۱۶۱ میں اور کلینی نے کافی میں اس روایت کا ذکر کیا ہے کہ مَنِ اتَّبَعَنِیْ سے مراد حضرت علی ؑ ہیں۔

دعوت الی اللہ کے پیچھے اگر یقین محکم جیسی طاقت نہیں ہے تو مشکلات اور صبر شکن مصائب کا انسان مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مشکلات اس قدر سنگین اور

فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع

جسے ہم نے چاہا اسے نجات مل گئی اور مجرموں سے تو ہمارا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا۔☆ ﴿۱۱۱﴾ بتحقیق ان (رسولوں) کے قصوں میں عقل رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے، یہ (قرآن) گھڑی ہوئی باتیں نہیں بلکہ اس سے پہلے آئے ہوئے کلام کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل (بتانے والا) ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

آياتها ۴۳ ۔ ۱۳ سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۶ ۔ رکوعاتها ۶

سورۂ رعد۔ مدنی۔ آیات ۴۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ

﴿۱﴾ الف لام میم را، یہ کتاب کی آیات ہیں اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔☆ ﴿۲﴾ اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو تمہیں نظر آنے والے ستونوں کے بغیر بلند کیا پھر اس نے عرش پر سلطنت استوار کی اور سورج اور چاند کو مسخر کیا، ان میں سے ہر ایک مقررہ مدت کے لیے چل رہا ہے، وہی امور کی تدبیر کرتا ہے وہی نشانیوں کو تفصیل

---

مصائب و آلام اتنے طویل ہوتے ہیں اور داعیان الی الحق کو اس حد تک ستایا جاتا ہے کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی چیخ اٹھتے ہیں کہ آخر اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ (بقرۃ: ۲۱۴)۔

۱۱۰۔ رسول کریم ﷺ کی تسکین قلب اور فتح و نصرت کے لیے اللہ کی سنت جاریہ کا ذکر ہے۔ دعوت الی اللہ کے لیے یقین و برہان جیسی مضبوط اور محکم اساس اس لیے درکار ہوتی ہے کہ یہ کام کوئی ایسا آسان کھیل نہیں کہ ہر شخص اسے انجام دے سکے اور تھوڑی سی مشقت پر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے۔

### سورۂ رعد

اپنے مضامین و اسلوب خطاب کی روشنی میں اس سورت کا مکی ہونا واضح ہے۔ اگرچہ بعض روایات اور بعض مصاحف میں اس سورت کو مدنی کہا گیا ہے۔ سورہ رعد باقی مکی سورتوں کی طرح بیشتر توحید، رسالت اور معاد پر گفتگو کرتا ہے، لیکن اس سورہ میں جو طرز کلام اور آہنگ سخن و طریقہ استدلال اختیار کیا گیا ہے وہ باقی سورتوں سے منفرد ہے کہ ایک ہی موضوع پر کئی بار گفتگو ہوتی ہے لیکن ہر مرتبہ انداز سخن جدید اور طرز استدلال نرالا ہے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی حقانیت کے اثبات سے سورت کا افتتاح ہو رہا ہے کہ اس کتاب یعنی قرآن کے مضامین خود گواہ ہیں کہ یہ مبنی برحق ہیں۔ اس قسم کی آیات کسی بشر کی ساختہ و بافتہ نہیں ہو سکتیں۔ اس بات کو زندہ ضمیر کا مالک انسان سمجھ سکتا ہے اور سمجھ لیتا بھی ہے اور ایمان لاتا ہے، لیکن اکثر اس حقیقت کو نہیں مانتے۔

۲۔ اس آیہ شریفہ میں چند ایسے شواہد کا ذکر ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کے پیچھے

كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ
يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّكُمۡ
تُوۡقِنُوۡنَ ۝۲ وَهُوَ الَّذِىۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَ
جَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَاَنۡهٰرًا ؕ وَمِنۡ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيۡهَا زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ
يُغۡشِى الَّيۡلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝۳ وَفِى الۡاَرۡضِ
قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ
زَرۡعٌ وَّنَخِيۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّغَيۡرُ صِنۡوَانٍ
يُّسۡقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۚ وَنُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰى
بَعۡضٍ فِى الۡاُكُلِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۝۴ وَاِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ
قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىۡ خَلۡقٍ

سے بیان کرتا ہے شاید تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔☆ ۳ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر طرح کے پھلوں کے دو جوڑے بنائے، وہی رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے، غور و فکر کرنے والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔ ۴ اور زمین میں باہم متصل ٹکڑے ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں نیز کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ دوہرے تنے کے ہوتے ہیں اور کچھ دوہرے نہیں ہوتے، سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے لیکن پھلوں میں (لذت میں) ہم بعض کو بعض سے بہتر بناتے ہیں، عقل سے کام لینے والوں کے لیے یقیناً ان چیزوں میں نشانیاں ہیں۔☆ ۵ اور اگر آپ کو تعجب ہوتا ہے تو ان (کفار) کی یہ بات تعجب خیز ہے کہ جب ہم خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے

ایک شعور اور ارادہ قائم ہے۔ آسمانوں کو نامرئی اور غیر محسوس ستونوں پر قائم کیا۔ یعنی ستونوں کی نفی نہیں ہے، بلکہ رویت کی نفی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آسمان غیر مرئی ستونوں پر قائم ہیں۔ اب تک کی فہم کے مطابق یہ ستون جاذبہ و دافعہ کا تعادل ہے۔ اجرام فلکی دو چیزوں پر مشتمل ہیں: ایک ان کا حجم مادی اور دوسری ان کی حرکت۔ حرکت کی وجہ سے دفع و فرار از مرکز، وجود میں آتا ہے اور اجرام کی وجہ سے جذب و کشش وجود میں آتی ہے۔ ان دونوں میں تعادل وہ غیر مرئی ستون ہیں جن پر اجرام فلکی قائم ہیں۔ لہٰذا اب تک کی انسانی فہم کے مطابق یہ تعادل وہ غیر مرئی ستون ہیں جن پر آسمان قائم ہے، لہٰذا آسمان سے مراد اجرام فلکی ہی ہو سکتے ہیں۔

۴۔ زمین کے قطعات ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں۔ یہ سب قطعات نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے متصل ہیں، بلکہ جن عناصر پر مشتمل ہیں ان میں بھی یہ ایک دوسرے کے قریب اور متشابہ ہیں۔

۵۔ جو انسان ابتدا میں مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اس کے بارے میں یہ کہنا کس قدر تعجب خیز ہے کہ اسے دوبارہ مٹی سے کیسے پیدا کیا جائے گا۔ گویا وہ یہ مانتے ہیں کہ پہلی بار انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے، لیکن یہ انسان مٹی ہو جاتا ہے تو دوبارہ مٹی سے انسان پیدا نہیں ہو سکتا۔ تعجب یہاں ہے کہ دوبارہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ یہ خدائے عادل و حکیم کا انکار ہے کہ اگر معاد نہیں ہے تو اللہ نہ عادل رہتا ہے، نہ حکیم۔ یہ عقیدہ ایک قسم کی فکری بے مائیگی ہے، وہ مغلول الفکر اور اسیر تقلید ہیں۔ آزادانہ غور و فکر نہیں

جَدِيۡدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الۡاَغۡلٰلُ فِيۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۵﴾ وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبۡلَ الۡحَسَنَةِ وَقَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمُ الۡمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلۡمِهِمۡ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۶﴾ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ﴿۷﴾ ع اَللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ كُلُّ اُنۡثٰى وَمَا تَغِيۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ ؕ وَكُلُّ شَىۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ ﴿۸﴾ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡكَبِيۡرُ الۡمُتَعَالِ ﴿۹﴾ سَوَآءٌ

رب کے منکر ہو گئے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں اور یہی جہنم والے ہیں جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔☆ ⑥ اور یہ لوگ آپ سے بھلائی سے پہلے برائی میں عجلت چاہتے ہیں جب کہ ان سے پہلے عذاب کے واقعات پیش آ چکے ہیں اور آپ کا رب ظلم و زیادتی کے باوجود لوگوں سے یقیناً درگزر کرنے والا ہے اور آپ کا رب یقیناً سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے۔ ⑦ اور جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں: اس شخص پر اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی نازل کیوں نہیں ہوتی؟ آپ تو محض تنبیہ کرنے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک رہنما ہوا کرتا ہے۔☆ ⑧ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہر مادہ (مؤنث) کیا اٹھائے ہوئے ہے اور ارحام کیا گھٹاتے اور کیا بڑھاتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک (معین) مقدار ہے۔☆ ⑨ (وہ) پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا بزرگ برتر ہے۔ ⑩ تم میں سے کوئی آہستہ بات کرے یا آواز سے

---

کر سکتے۔

۷۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سینے پر رکھ کر فرمایا: انا المنذر و لکل قوم ھاد و اوما بیدہ الی منکب علیؑ و قال: انت الھادی یا علی بک یھتدی المھتدون۔ یعنی المنذر میں ہوں ہر قوم کا ایک ہادی ہوتا ہے۔ پھر اپنا دست مبارک علی ؑ کے کندھے پر رکھ کر فرمایا: اے علیؑ! وہ ہادی آپ ؑ ہیں۔ آپ ؑ کے ذریعے ہدایت پانے والے ہدایت حاصل کریں گے۔ اس حدیث کو حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، ابو برزہ اسلمی، جابر بن عبد اللہ انصاری، ابوفردہ سلمی، یعلی بن مرہ، عبد اللہ بن مسعود اور سعد بن معاذ نے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو المستدرک ۳:۱۲۹، تفسیر کبیر، تفسیر طبری، روح البیان وغیرہ۔ ابن طاؤس فرماتے ہیں: محمد بن عباس نے اس حدیث کو ۵۰ طرق سے نقل کیا ہے۔

۸۔ ماورائے رحم میں تخم مادر اور جرثومہ پدر کے جفت ہونے سے نطفہ ٹھہرتا ہے اور مرد کے ایک مکعب سینٹی میٹر نطفہ میں ایک سو ملین جرثومے موجود ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ Y اور کچھ X ہوتے ہیں، جبکہ عورت کے تخم میں صرف X ہوتے ہیں۔ اگر باپ کا Y ماں کے X کے ساتھ جفت ہو جائے تو لڑکا پیدا ہوگا اور اگر باپ کا X ماں کے X کے ساتھ جفت ہو تو لڑکی پیدا ہوگی۔ لیکن: ☆ یہ بات صرف اللہ جانتا ہے کہ ان سو ملین جرثوموں میں سے کون سا جرثومہ تخم مادر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگا۔ ☆ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ آنے والا بچہ ان ایک سو ملین خاصیتوں میں سے کس خاصیت کا حامل ہے، چونکہ ان ایک سو ملین جرثوموں میں سے ہر ایک کی

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (١٠) لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۤءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (١١) هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (١٢) وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ (١٣) لَهٗ دَعْوَةُ

اور کوئی پردہ شب میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں (سرعام) چل رہا ہو (اس کے لیے) برابر ہے۔ (۱۱) ہر شخص کے آگے اور پیچھے یکے بعد دیگرے آنے والے پہرے دار (فرشتے) مقرر ہیں جو بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں، اللہ کسی قوم کا حال یقیناً اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کو برے حال سے دوچار کرنے کا ارادہ کرلے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے۔☆ (۱۲) وہی ہے جو تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے۔ (۱۳) اور (بجلی کی) گرج اس کی ثنا کے ساتھ اور فرشتے اس کے خوف سے (لرزتے ہوئے) تسبیح کرتے ہیں اور وہی بجلیوں کو روانہ کرتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے گراتا ہے جب وہ اللہ کے بارے میں الجھ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت طاقت والا ہے۔ (۱۴) صرف اللہ کو پکارنا برحق

خاصیت جدا ہے۔☆ وہ کون سا محرک ہے جس کے تحت یہ جاندار اس تخم کی طرف دوڑتے ہیں اور اس میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں؟☆ انسان تو جانداروں کی کائنات میں ہر مادہ کو جاننے سے قاصر ہے، یہ کیسے جان سکتا ہے کہ ہر مادہ کیا اٹھانے والی ہے؟ اگر رحم میں تخلیق کی تکمیل کے بعد انسان کو کچھ علم حاصل ہوا ہے تو یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ رحم کا حال تو انسان بھی جاننے لگا ہے۔

۱۱۔ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ: اصل میں جماعۃ معقبۃ ہے۔ یعنی فرشتوں کی ایک جماعت ہے جن کے ذریعے انسان کی محافظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے، لیکن انسان کو اس کے اپنے اعمال و حرکات کے اثرات سے بچانے کا ذمہ نہیں لیا۔ اس میں تو انسان کا اپنا عمل تقدیر ساز ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ: حالات میں تغیر کی دو صورتیں ممکن ہیں: ☆ اصلاح احوال کی صورت میں دوام نعمت۔ اس صورت کے بارے میں یہ آیت ایک ضابطہ قائم کرتی ہے کہ جب تک اصلاح احوال موجود ہے، اس صورت میں اللہ کوئی تبدیلی نہیں لائے گا، جب تک لوگ خود تبدیلی نہ لائیں۔☆ فساد احوال کی صورت میں زوال نعمت۔ متعدد آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ظلم کا نتیجہ ہلاکت اور گناہوں کا نتیجہ ذلت و خواری ہے۔ تاہم یہ لطف خداوندی ہے کہ اس نتیجہ کو لازمی قرار نہیں دیا بلکہ بعض حالات میں درگزر فرماتا ہے: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ ۔ (نحل: ۶۱) اگر اللہ لوگوں کا ان کے ظلم پر مؤاخذہ فرماتا تو روئے زمین پر کوئی جاندار نہ چھوڑتا۔

۱۵۔ علامہ طباطبائیؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں: وہ اجتماعی اعمال جو کسی معنوی مقاصد کے لیے

الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ

ہے اور وہ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہیں وہ انہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے، ایسے ہی جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ پانی (ازخود) اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں ہے اور کافروں کی دعا (اسی طرح) محض بے سود ہی ہے۔ ﴿۱۵﴾ اور آسمانوں اور زمین میں بسنے والے سب بشوق یا بزور اور ان کے سائے بھی صبح و شام اللہ ہی کے لیے سربسجود ہیں۔☆ ﴿۱۶﴾ ان سے پوچھیے: آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہد یجیے: اللہ ہے، کہد یں: تو پھر کیا تم نے اللہ کے سوا ایسوں کو اپنا اولیاء بنایا ہے جو اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں؟ کہد یجیے: کیا بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہیں؟ جنہیں ان لوگوں نے اللہ کا شریک بنایا ہے کیا انہوں نے اللہ کی خلقت کی طرح کچھ خلق کیا ہے جس کی وجہ سے پیدائش کا مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا ہو؟ کہد یجیے: ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور

انجام دیے جاتے ہیں، مثلاً صدر نشین ریاست کے لیے جھک جانا، انکسار کے لیے سجدہ کرنا اپنے آپ کو کسی جلالت کے سامنے حقیر ظاہر کرنے کے لیے، ان معانی میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں، وہ جیسا کہ ان اعمال کے لیے بولے جاتے ہیں، ان مقاصد و اغراض کے لیے بھی بولے جاتے ہیں جن کے لیے یہ اعمال انجام دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ جھک جانے کو رکوع کہتے ہیں، انکسار کو بھی رکوع کہتے ہیں اور جس طرح پیشانی زمین پر رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں، اسی طرح کسی کی جلالت کے سامنے حقیر ظاہر کرنے کو بھی سجدہ کہتے ہیں۔ ایسا اس مناسبت کی وجہ سے ہے کہ حقیقتاً ان اعمال کی ظاہری شکل و صورت مطلوب نہیں ہوتی، بلکہ ان کے اغراض و مقاصد مطلوب ہوتے ہیں۔ اس بیان کے مطابق پیشانی زمین پر رکھنا بھی سجدہ ہے جو انسان سے صادر ہوتا ہے اور کسی کی جلالت کے سامنے اظہار حقارت کرنے کو بھی سجدہ کہتے ہیں جو دوسری موجودات سے صادر ہوتا ہے۔

۱۶۔ توحید خالقیت سے توحید ولایت و ربوبیت پر استدلال ہے، کیونکہ یہ بت پرست اللہ ہی کو زمین و آسمان کا مالک سمجھتے تھے۔ ان کو ربوبیت کی توحید کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا: اگر ایسا ہے تو تم ایسوں کو اپنا ولی اور حاکم کیوں بناتے ہو جو خود اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اللہ کے ساتھ ربوبیت میں کسی اور کا شریک نہ ہونا ایسا واضح ہے جیسے نابینا اور بینا میں اور نور و ظلمت میں فرق واضح ہے۔ لہٰذا ہر چشم بینا اور نور بصیرت رکھنے والا توحید کا

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ
بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ
وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ
حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا
الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ
النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِيْنَ
اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ
لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا
بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ

وہ یکتا، بڑا غالب آنے والا ہے۔☆ ﴿١٧﴾ اللہ نے آسمانوں سے پانی برسایا پھر نالے اپنی گنجائش کے مطابق بہنے لگے پھر سیلاب نے پھولے ہوئے جھاگ کو اٹھایا اور ان (دھاتوں) پر بھی ایسے ہی جھاگ اٹھتے ہیں جنہیں لوگ زیور اور سامان بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں، اس طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے، پھر جو جھاگ ہے وہ تو ناکارہ ہو کر ناپید ہو جاتی ہے اور جو چیز لوگوں کے فائدے کی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے، اللہ اسی طرح مثالیں پیش کرتا ہے۔☆ ﴿١٨﴾ جنہوں نے اپنے رب کی دعوت مان لی ان کے لیے بہتری ہے اور جنہوں نے اس کی دعوت قبول نہیں کی وہ اگر ان سب چیزوں کے مالک بن جائیں جو زمین میں ہیں اور اتنی دولت مزید بھی ساتھ ہو تو وہ (آخرت میں) ان سب کو (اپنی نجات کے لیے) فدیہ دے دیں، ایسے لوگوں کا برا حساب ہوگا اور جہنم ان کا ٹھکانا

قائل ہو جائے گا اور ہر بینائی سے محروم اور تاریکی میں رہنے والا شخص نور توحید سے بھی محروم ہوگا۔

١٧۔ جھاگ پانی کو ڈھانپ دیتا ہے۔ وقتی طور پر صرف جھاگ نظر آتا ہے اور وہی بظاہر اچھل کود کرتا ہے اور پانی کا حیات بخش ذخیرہ اس جھاگ کے نیچے موجود ہے جو نظر نہیں آتا۔ اسی طرح دھات کو تپا کر کارآمد بنایا جاتا ہے تو میل کچیل اوپر آتا ہے اور صرف وہی نظر آتا ہے۔ باطل بھی اس جھاگ اور خس و خاشاک کی مانند وقتی اچھل کود کرتا ہے۔ بصیرت رکھنے والے، باطل کی وقتی ہنگامہ خیزی اور شورش سے متاثر نہیں ہوتے، بلکہ وہ حق کے ظہور کا انتظار کرتے ہیں۔

١٨۔ حقیقی قدروں کا مالک وہ ہے جو دعوت الٰہی کو قبول کر لے اور اصلی قیمت اس عاقبت حسنیٰ کو حاصل ہے جو اللہ کے پاس ہے۔ جو لوگ اس حسنیٰ سے محروم ہوں گے وہ اس محرومیت کی تلافی نہیں کر سکیں گے۔ اس جہاں میں قابل فہم تلافی اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک شخص پوری دنیا کا مالک ہو اور مزید اتنی دولت اسے میسر آئے، وہ ان سب کو فدیہ دے کر تلافی کرنا چاہے تو بھی ممکن نہ ہوگا۔ عاقبت حسنیٰ سے محروم لوگوں کا برا حساب ہوگا۔ یہاں برے حساب سے مراد انسان کی بہ نسبت برا ہو گا کہ اس سے پورا حساب لیا جائے گا۔ کسی معاملہ میں عفو اور درگزر نہ ہوگا۔ ورنہ یہ حساب اللہ کی بہ نسبت عدل و انصاف پر مبنی ہے اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ یعنی اپنے گناہوں کا حساب ان گنہگاروں کو برا لگے گا، جبکہ عاقبت حسنیٰ والوں سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔

١٩۔ اس آیہ شریفہ میں علم کو عقل کے ساتھ اور جہل کو نابینائی کے ساتھ مقرون کیا گیا ہے کہ فرمایا: علم رکھنے والا نابینا کی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علم عقل

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنۡ يَّعۡلَمُ اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَقُّ كَمَنۡ هُوَ اَعۡمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۙ ﴿۱۹﴾ الَّذِيۡنَ يُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَلَا يَنۡقُضُوۡنَ الۡمِيۡثَاقَ ۙ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَيَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ وَيَخَافُوۡنَ سُوۡٓءَ الۡحِسَابِ ؕ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عُقۡبَى الدَّارِ ۙ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَ

ہوگا اور وہ برا ٹھکانا ہے۔☆ ﴿۱۹﴾ کیا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نابینا ہے؟ نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔☆ ﴿۲۰﴾ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پیمان کو نہیں توڑتے۔☆ ﴿۲۱﴾ اور اللہ نے جن رشتوں کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں اور برے حساب سے بھی خائف رہتے ہیں۔☆ ﴿۲۲﴾ اور جو لوگ اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو روزی ہم نے انہیں دی ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں اور نیکی کے ذریعے برائی کو دور کرتے ہیں آخرت کا گھر ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے۔☆ ﴿۲۳﴾ (یعنی) ایسی دائمی جنتیں ہیں جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے آبا اور ان کی بیویوں اور

ہے اور عقل رکھنے والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اسلام کی حقانیت کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ اسلام عقل پر تکیہ کرتا ہے اور عقل واقع کی نشاندہی کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور جو مذہب حق پر مبنی ہوتا ہے، وہ ان ذرائع کو اہمیت دیتا ہے جو حق اور واقع کی نشاندہی کرتے ہیں۔

۲۰ تا ۲۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ یہ آیت آل محمد علیہم السلام کی صلہ رحمی کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے اور یہ خود تیرے رشتہ داروں کے بارے میں بھی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم آیت کو ایک ہی مصداق میں بند کرو۔ (الکافی ۲: ۵۶)

ان آیات میں صاحبان عقل کے سات اوصاف بیان فرمائے ہیں: ☆ وہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ ☆ وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ☆ وہ اپنے رب اور یوم حساب کا خوف رکھتے ہیں۔ ☆ وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے صبر کرتے ہیں۔ ☆ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ ☆ وہ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ ☆ وہ نیکی کے ذریعے برائیوں کو دور کرتے ہیں۔

۲۳۔ ۲۴ آخرت کا گھر وہ دائمی جنت ہوگی جس میں وہ اپنے تمام صالح اور نیک رشتہ داروں کے ساتھ رہیں گے۔ اگرچہ آیت میں باپ دادا، بیویوں اور اولاد کا ذکر ہے، لیکن ان تین رشتوں کے ذکر میں تمام رشتہ دار آ گئے، کیونکہ آباء میں باپ دادا آ گئے۔ ازواج یعنی باپ دادا کی ازواج میں اولاد کی مائیں آ گئیں۔ ذریات میں بھائی بہن اور ان کی اولاد شامل ہوگئی۔ اس طرح نہایت مختصر الفاظ میں انسان کے خاندان کے اہم ترین افراد کا ذکر آ گیا۔

سابق الذکر اوصاف میں سے فرشتے صرف صبر کا

ذُرِّيّٰتِهِمۡ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ
مِّنۡ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ
فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ
عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ وَيَقۡطَعُوۡنَ مَآ
اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَيُفۡسِدُوۡنَ
فِى الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ
سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ
يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ وَفَرِحُوۡا بِالۡحَيٰوةِ
الدُّنۡيَا ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ
اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قُلۡ
اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ
اِلَيۡهِ مَنۡ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ

اولاد میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔☆ ﴿۲۳﴾ (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو یہ تمہارے صبر کا صلہ ہے، پس عاقبت کا گھر کیا ہی عمدہ گھر ہے۔☆ ﴿۲۴﴾ اور جو لوگ اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اللہ نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں منقطع کر دیتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ایسے ہی لوگوں پر لعنت ہے اور ان کے لیے ٹھکانا بھی برا ہوگا۔☆ ﴿۲۵﴾ اللہ جس کی چاہے روزی بڑھاتا ہے اور گھٹاتا ہے اور لوگ دنیاوی زندگی پر خوش ہیں جب کہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک (عارضی) سامان ہے۔ ﴿۲۶﴾ اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں: اس (رسول) پر اپنے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا؟ کہ دیجئے: اللہ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہے اپنی طرف اس کی رہنمائی فرماتا ہے۔☆ ﴿۲۷﴾ (یہ لوگ ہیں) جو

ذکر اس لیے کریں گے کہ باقی تمام اعمال کے لیے صبر درکار ہوتا ہے۔ صبر کے بغیر نہ اطاعت ہو سکتی ہے، نہ معصیت سے اجتناب۔

۲۵۔ صاحبان عقل کے مقابلے میں دنیا پرستوں کا ذکر آیا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے اور جو نیک اعمال صاحبان عقل انجام دیتے ہیں، یہ لوگ اس کے خلاف حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ وفائے عہد کی جگہ عہد شکنی کرتے ہیں۔ ان رشتوں کو قطع کرتے ہیں جنہیں جوڑنے کا حکم ہے اور وہ خوف خدا، خوف عاقبت، صبر و استقامت اور اقامہ نماز، راہ خدا میں انفاق اور نیکی کے ذریعے برائی کو دور کرنے کی جگہ فساد پھیلاتے ہیں۔ مذکورہ اعمال کے مقابلے میں فساد فی الارض کے ذکر سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ ان اعمال میں اصلاح فی الارض مضمر ہے۔

۲۷۔ ان کا ایمان نہ لانا معجزات کے فقدان کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ توجہ الی اللہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے، جس کی وجہ سے اللہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے تو وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔

۲۸۔ انسان کے وجود کے اندر ایک اور انسان ہے جسے ہم ضمیر، وجدان، قلب اور فطرت کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ ہمارا داخلی انسان یعنی ہمارا ضمیر اور وجدان کبھی کوئی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لیکن ظاہری انسان جب کبھی جرائم کا ارتکاب کرتا ہے تو داخلی انسان سرزنش اور محاسبہ کرتا ہے، جسے ہم ضمیر کی ملامت کہتے ہیں۔ اس صورت میں ان دونوں انسانوں میں داخلی جنگ چھڑ جاتی ہے اور انسان اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر ظاہری انسان داخلی انسان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتا ہے تو داخلی ہم آہنگی اور آشتی سے انسان کو سکون ملتا

تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ
اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ
مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْۤ اُمَّةٍ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ
الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ
بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ
قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ
الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ
الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ
جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ایمان لائے ہیں اور ان کے دل یادِ خدا سے مطمئن ہو جاتے ہیں یاد رکھو! یاد خدا سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے ان کی نیک نصیبی ہے اور ان کے لیے بہترین ٹھکانا ہے۔ ﴿۳۰﴾ (اے رسول) اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی قوم میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کریں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے جبکہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کو نہیں مانتے، کہہ دیجیے: وہی میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔☆ ﴿۳۱﴾ اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا جس سے پہاڑ چل پڑتے یا زمین پھٹ جاتی یا مردے کلام کرتے (تو بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) بلکہ یہ سارے امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں، کیا اہل ایمان پر یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ہدایت دے دیتا اور ان کافروں پر ان کے اپنے کردار کی وجہ سے آفت آتی رہے گی یا ان کے گھروں کے

ہے۔ ذکر خدا فطری تقاضوں کے عین مطابق ہونے اور ضمیر، وجدان سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے سکون حاصل ہوتا ہے۔

۳۰۔ اے محمد ﷺ آپ کا مبعوث ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے بھی ایسی قومیں گزری ہیں جن میں ہم نے رسول بھیجے۔ آپ ﷺ کی ذمہ داری یہ ہے کہ جو آپ ﷺ کی طرف وحی ہوئی ہے اس کی تبلیغ کریں، اگرچہ وہ خدائے رحمٰن کو نہیں مانتے۔ لفظ رحمٰن کے ذکر سے اس مطلب کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ رحمت کے منکر ہیں جس میں دین و دنیا دونوں کی سعادت مضمر ہے۔

۳۱۔ سلسلہ کلام معجزہ کے مطالبے کے بارے میں ہے کہ یہ لوگ معجزوں سے ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ روئے سخن اہل ایمان کی طرف ہے، جو یہ خواہش رکھتے تھے کہ کفار کے بار بار مطالبوں پر مذکورہ معجزات کا ظہور ہو جاتا تو یہ لوگ ایمان لے آتے اور ان لوگوں کو شبہات پھیلانے کا موقع نہ ملتا۔ جواباً اہل ایمان سے فرمایا جا رہا ہے: ایسا نہیں ہے کہ ان کی ہدایت معجزات کے ساتھ مربوط ہے اور وہ ایمان لانے کے لیے آمادہ ہوں۔ اگر ایمان و ہدایت کے لیے معجزہ ہی کارفرما ہوتا تو سابقہ انبیاء کے معجزات کو جادو کہکر مسترد نہ کیا جاتا۔ دوسرے جملے میں فرمایا: اہل ایمان پر یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو مجبوراً ایمان لانا پڑتا۔ مگر اس ایمان کی کیا قیمت ہے۔ اللہ اس ہدایت کو طاقت کے ذریعے مسلط نہیں فرماتا۔ اللہ لوگوں کو ہدایت اور ضلالت کے درمیان کھڑا کرتا ہے۔ جو چاہے ہدایت اختیار کرے اور جو چاہے ضلالت کی راہ لے۔ تیسرے جملے میں فرمایا: ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ واضح رہے کہ مکہ میں

تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ
قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ
إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ
اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ
كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ
نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ
قُلْ سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي
الْأَرْضِ أَم بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ
زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا
عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ
مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ لَّهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّنَ

قریب (مصیبت) آتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے، یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔☆ (۳۲) اور آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے پھر میں نے ان کافروں کو ڈھیل دی پھر میں نے انہیں گرفت میں لے لیا (تو دیکھ لو) عذاب کیسا شدید تھا۔☆ (۳۳) کیا وہ اللہ جو ہر نفس کے عمل پر کڑی نظر رکھتا ہے (بے حس بتوں کی طرح ہو سکتا ہے جنہیں) ان لوگوں نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے؟ کہہ دیجیے: ان کے نام (اور اوصاف) بیان کرو (جیسے اللہ کے اسمائے حسنیٰ ہیں)، کیا تم اللہ کو ایسی خبر دینا چاہتے ہو جسے وہ اس زمین میں نہیں جانتا یا یہ محض ایک کھوکھلی بات ہے؟ بلکہ دراصل کافروں کے لیے ان کی مکاری زیبا بنا دی گئی ہے اور ان کے لیے ہدایت کا راستہ مسدود ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ (۳۴) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو زیادہ مشقت والا ہے اور انہیں اللہ کے

نازل ہونے والے اس سورہ میں ایک طرف تو مسلمانوں کو یہ خبر دی جا رہی ہے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں دوسری طرف یہ خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے اور اللہ کا وعدہ فتح بھی پورا ہونے والا ہے۔

۳۲۔ تاریخ انبیاء اور سنت الٰہی کا ذکر ہے کہ منکرین نے ہمیشہ انبیاء کی طرف سے آنے والے عذاب کا مذاق اڑایا اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ ان منکرین کی تمام تر اہانتوں کے باوجود ان کو مہلت دی جاتی اور عذاب نازل کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیا جاتا۔ منکرین کو مزید موقع دیا جاتا کہ راہ راست پر آئیں۔ نہ آنے کی صورت میں ان کے جرم و عذاب میں اضافہ ہو جاتا۔

۳۵۔ اس آیت میں اہل کفر کے مقابلے میں اہل ایمان کا نہیں بلکہ اہل تقویٰ کا ذکر ہے۔ اس میں یہ لطیف اشارہ ملتا ہے کہ نیک عاقبت کے لیے صرف ایمان کافی نہیں بلکہ عمل صالح اور تقویٰ کی بھی ضرورت ہے۔ سایہ سے مراد ممکن ہے وہ فضا ہو جو جنت میں قائم ہے، جس میں نہ تو دھوپ کی تپش ہے، نہ سردی۔

۳۶۔ رسول اسلام ﷺ کی حقانیت پر ایک دلیل یہ ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں سے وہ لوگ جو حق کے طالب ہوتے ہیں بخوشی اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ اپنے گمشدہ کو اس قرآن میں پا کر خوش ہو جاتے ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ اہل کتاب اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں، بلکہ فرمایا: وہ اس کتاب سے خوش ہوتے

اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ
الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
اُكُلُهَا دَآىٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ
اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَ
الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ
اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ
بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ
وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَیْهِ
مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِیًّا ؕ
وَ لَىٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا
جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا
مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا

عذاب سے بچانے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ ﴿۳۵﴾ اہل تقویٰ سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان ایسی ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس کے میوے اور اس کا سایہ دائمی ہیں، یہ ہے اہل تقویٰ کی عاقبت اور کافروں کا انجام تو آتش ہے۔☆ ﴿۳۶﴾ اور جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ کی طرف نازل ہونے والی کتاب سے خوش ہیں اور بعض فرقے ایسے ہیں جو اس کی بعض باتوں کو نہیں مانتے، کہد یجیے: مجھے تو صرف یہ حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی بندگی کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں، میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے رجوع کرنا ہے۔☆ ﴿۳۷﴾ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی میں ایک دستور بنا کر نازل کیا ہے اور اگر آپ نے علم آ جانے کے بعد بھی لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں آپ کو نہ کوئی حامی ملے گا اور نہ کوئی بچانے والا۔ ﴿۳۸﴾ بتحقیق ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے اور انہیں ہم نے ازواج اور اولاد سے بھی نوازا اور کسی رسول

ہیں۔ یعنی وہ جس رسول کی آمد کے منتظر تھے، اس کے آنے سے خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابتدائے بعثت میں بہت سے اہل کتاب ایمان لائے۔

۳۸۔ ایک عامیانہ اعتراض کا جواب ہے جو رسول کریم ﷺ کے انسانی پہلو پر کیا جاتا تھا کہ یہ کیسا رسول ہے جو بیوی اور بچے رکھتا ہے۔ اللہ کے نمائندے کو خواہشات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ جواب میں فرمایا: اللہ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کو انسانی تقاضوں کے دائرے میں رکھتا ہے تاکہ تمام انسانوں کے لیے نمونہ عمل بن جائیں اور قولاً و عملاً حجت پوری ہو جائے۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ سابقہ انبیاء کے واضح معجزات تھے، آپ ﷺ کون سا معجزہ لے کر آئے ہیں؟ جواب میں فرمایا: لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ۔ سابقہ امتوں کے لیے محسوس معجزات کی ضرورت تھی، وہ عقلی بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔ اب انسان فکری بلوغت کو پہنچ گیا ہے۔ اس لیے محسوس معجزات کی جگہ معقول معجزات کی ضرورت ہے۔ سابقہ ادوار کی شریعتیں محدود تھیں، اس لیے محسوس معجزات دکھائے تو مشاہدہ کرنے والوں تک محدود رہے۔ نبی آخر زماں ﷺ کی شریعت دائمی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ معجزہ بھی دائمی ہو۔ لہٰذا دور موسیٰ علیہ السلام کا دستور، دور عیسیٰ علیہ السلام سے جدا ہے۔ دور نوح علیہ السلام کا دستور تو اور جدا ہے کہ یہاں تو انسان ابتدائی دور میں محسوس معجزوں کے بھی اہل نہ تھے، اس لیے ان کو غرق کر دیا۔ دور ختم المرسلین ﷺ ان سب سے جدا ہے۔

وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثۡبِتُ ۖۚ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنۡ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِيۡعًا ؕ يَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ ؕ وَسَيَعۡلَمُ الۡكُفّٰرُ لِمَنۡ عُقۡبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ

کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لے آئے، ہر زمانے کے لیے ایک دستور ہوتا ہے۔☆ ﴿۳۹﴾ اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔☆ ﴿۴۰﴾ اور جو وعدے ہم ان سے کر رہے ہیں خواہ ان کا کچھ حصہ ہم آپ کو (زندگی میں) دکھا دیں یا ہم آپ کو اٹھا لیں بہرحال آپ کے ذمے صرف پیغام پہنچانا اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے۔ ﴿۴۱﴾ کیا ان لوگوں کو نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کا رخ کرتے ہیں تو اس کو اطراف سے کم کرتے چلے آتے ہیں؟ اللہ حکم صادر فرماتا ہے اس کے حکم کو پس پشت ڈالنے والا کوئی نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿۴۲﴾ اور بیشک ان سے پہلے والوں نے بھی مکاریاں کی ہیں لیکن تمام تر تدبیریں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ ہر نفس کے عمل سے باخبر ہے اور کافروں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کا مسکن کس کے لیے ہے۔ ﴿۴۳﴾ اور کافر کہتے ہیں: کہ آپ رسول نہیں ہیں،

۳۹۔ کائناتی نظام میں اللہ تعالیٰ کے دو فیصلے ہوتے ہیں: ایک فیصلہ اٹل، حتمی اور ناقابل تغیر اور دوسرا فیصلہ قابل تغیر ہوتا ہے۔ اگر اللہ کے حتمی فیصلے نہ ہوتے تو اس کائنات کی کسی چیز پر بھروسا نہ ہوتا۔ مثلاً فصل اگنا حتمی نہ ہوتا تو کوئی کاشت نہ کرتا اور اگر فیصلوں میں لچک نہ ہوتی تو انسان مجبور ہوتا اور اپنے کردار و اعمال کا اس پر کوئی اثر مترتب نہ ہوتا۔ حدیث میں آیا ہے: لا یرد القضاء الا الدعاء و لا یزید فی العمر الا البر (بحار الانوار ۹۰: ۳۰۰) اللہ کے فیصلے کو صرف دعا روک سکتی ہے اور نیکی ہی سے عمر دراز ہو سکتی ہے۔

البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ کا فیصلہ ایسے نہیں بدلتا جیسے ہمارا فیصلہ بدلتا ہے۔ ہمارا فیصلہ تو اس وقت بدلتا ہے جب کوئی نئی بات سامنے آ جاتی ہے جو پہلے معلوم نہ تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ کو تمام فیصلوں کا یکساں علم ہوتا ہے: وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ (رعد: ۳۹) تمام فیصلوں کا منبع و سرچشمہ اس کے پاس ہے۔ تمام قابل تغیر اور ناقابل تغیر فیصلوں کا علم اس کے پاس ہے۔ یعنی اللہ کے پاس ایک قانون کلی ہے جس کے تحت فیصلے بدلتے ہیں۔ یہی مسئلہ بداء ہے، جس کی تفصیل ہم نے مقدمہ تفسیر قرآن میں ذکر کی ہے۔

۴۳۔ جب کافروں کا یہ مطالبہ کہ قرآن کے علاوہ کوئی معجزہ دکھاؤ، مسترد ہو گیا تو کہنے لگے: پھر تو آپ ﷺ پیغمبر نہیں ہیں۔ جواب میں فرمایا: میرے حق میں گواہی کے لیے اللہ کافی ہے جس نے ایک معجزانہ کلام میری رسالت کی گواہی کے لیے نازل فرمایا اور وہ ذات بھی گواہی کے لیے کافی ہے جس کے پاس عِلۡمُ الۡكِتٰبِ ہے۔

شواهد التنزیل حسکانی، مناقب مغازلی،

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع

كہد یجیے: میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے اللہ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے کافی ہیں۔☆

## ۱۴ سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲
آیاتها ۵۲ — رکوعاتها ۷

سورۃ ابراہیم۔مکی۔آیات ۵۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن ورحیم

الٓرٰ ۚ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۱﴾ ۙ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ﴿۲﴾ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

(۱) الف لام را، یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو انکے رب کے اذن سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، غالب آنے والے قابل ستائش اللہ کے راستے کی طرف۔☆ (۲) جس اللہ کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی تمام موجودات ہیں اور کافروں کے لیے عذاب شدید کی تباہی ہے۔ (۳) جو آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی سے محبت کرتے ہیں اور راہ خدا سے روکتے ہیں اور اس میں انحراف لانا چاہتے ہیں یہ لوگ گمراہی میں دور تک چلے گئے ہیں۔ (۴) ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی زبان میں تاکہ وہ انہیں وضاحت سے بات سمجھا سکے پھر اس کے

---

تفسیر ثعلبی، ابن بطریق کی کتاب العمدة میں آیا ہے کہ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں محمد بن الحنفیه اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی اس روایت کا ذکر کرتے ہیں کہ اس آیت میں مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ پھر کہتے ہیں: مجھے اپنی زندگی کی قسم! علی علیہ السلام کے پاس علم الکتاب ہے۔لیکن اس آیت سے علی علیہ السلام مراد نہیں ہیں۔

### سورۂ ابراہیم

یہ سورہ بھی باقی مکی سورتوں کی طرح اصول عقائد پر زیادہ زور دیتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ بھی ان دنوں میں نازل ہو رہا تھا جب کفار قریش کی طرف سے ظلم انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ کیونکہ اس سورہ میں ان مشکلات کا ذکر ہے جو انبیاء علیہم السلام کو پیش آئیں۔ اس سورہ میں سرکشوں کے برے انجام اور انبیاء کی فتح و نصرت کا ذکر ہے۔

۱۔ قرآن ضلالت کی تاریکیوں سے ہدایت کے نور کی طرف لے جانے والی کتاب ہے۔ وہ نور خدائے ذوالجلال کا راستہ ہے۔ اس قرآن کی اہمیت کا کیا کہنا کہ یہ انسان کو ابدی راستے کے لیے نور کا کام دیتا ہے اور کل کائنات کے مالک کے دربار تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سامان ہدایت میں کسی قسم کا ابہام اور اتمام حجت میں کسی قسم کا نقص نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ اس آیت میں فرمایا: ہم نے تمام رسولوں کو انہی کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے تاکہ بات وضاحت کے

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ
وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى
بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ ۙ۬ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَاِذْ
قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ
اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ
ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ وَاِذْ ع ۱۲
تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ
لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷ وَقَالَ

بعد اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ۵ اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا (اور حکم دیا) کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ اور انہیں ایام خدا یاد دلاؤ، ہر صبر و شکر کرنے والے کے لیے یقینا ان میں نشانیاں ہیں۔☆ ۶ اور (یاد کیجیے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ نے تمہیں جس نعمت سے نوازا ہے اسے یاد کرو جب اس نے تمہیں فرعونیوں سے نجات بخشی، وہ تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا۔☆ ۷ اور (اے مسلمانو! یاد کرو) جب تمہارے رب نے خبردار کیا کہ اگر تم شکر کرو تو میں تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب یقینا سخت ہے۔☆ ۸ اور موسیٰ نے کہا: اگر تم اور زمین میں بسنے والے سب ناشکری

ساتھ سمجھا سکیں اور ہدایت کی زبان میں کسی قسم کی پیچیدگی اور ابہام نہ رہے۔

۵۔ اَيّٰىمِ اللّٰهِ سے مراد تاریخ انسانیت کے وہ ایام ہو سکتے ہیں جن میں درسہائے عبرت اور صبر و شکر کے مواقع موجود ہیں۔ مثلاً فرعون کی غلامی اور اس کے ظلم و ستم کے ایام، صبر و تحمل کے ہیں اور فرعون سے نجات کے ایام، شکر کے ہیں۔ ان ایام میں ایسی نشانیاں موجود ہیں کہ یہ واقعات مکافات کے ایک جامع قانون کے تحت رونما ہوتے ہیں، جن کے پیچھے ایک شعور و ارادہ حاکم ہے اور وہ ارادہ، مشیت الٰہی ہے۔ اس لیے ان نشانیوں کا ادراک صبر و شکر کرنے والے ہی کر سکتے ہیں۔

۷۔ شکر کی صورت میں زیادہ کے وعدے کو تاکیدی لفظوں لام اور نون تاکید کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ شکر کی صورت میں اضافہ و فراوانی اللہ کا ایک لازمی قانون ہے، جو خود اپنی جگہ ایک رحمت ہے۔ جبکہ ناشکری کی صورت میں عذاب کے لیے تاکیدی الفاظ اختیار نہیں فرمائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفرانِ نعمت کی صورت میں عذاب ایک لازمی قانون نہیں ہے اور یہاں عفو کے لیے گنجائش ہے۔ اسی لیے لَاَزِيْدَنَّكُمْ فرمایا، لاعذبنکم نہیں فرمایا۔ نعمتوں پر شکر کرنا ایک صحیح طرز فکر، متوازن سوچ اور اعلیٰ قدروں کا مالک ہونے کی دلیل ہے۔ ایسے لوگ نعمتوں کی قدردانی کرتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے: شُكْرُ النِّعْمَةِ اجْتِنَابُ الْمَحَارِمِ وَ تَمَامُ الشُّكْرِ قَوْلُ الرَّجُلِ

مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٨ اَلَمْ
يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ
وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ڔ لَا
يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَ
قَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ
مُرِيْبٍ ۝٩ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ
فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ
لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى
اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ

کریں تو بھی اللہ یقینا بے نیاز، لائق حمد ہے۔☆ ⑨ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (مثلاً) نوح، عاد اور ثمود کی قوم اور جو ان کے بعد آئے جن کا علم صرف اللہ کے پاس ہے؟ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیے اور کہنے لگے: ہم تو اس رسالت کے منکر ہیں جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس میں ہم شبہ انگیز شک میں ہیں۔☆ ⑩ ان کے رسولوں نے کہا: کیا (تمہیں) اس اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تمہیں اس لیے دعوت دیتا ہے تاکہ تمہارے گناہ بخش دے اور ایک معین مدت تک تمہیں مہلت دے، وہ کہنے لگے: تم تو ہم جیسے بشر ہو تم ہمیں ان معبودوں سے روکنا چاہتے ہو جن کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے، پس اگر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ حرام چیزوں سے اجتناب ہی نعمت کا شکر ہے اور شکر اس وقت پورا ہو جاتا ہے، جب بندہ کہدے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس نکتے سے بھی آگاہ کیا کہ اللہ تمہارے شکر کا محتاج نہیں ہے۔ شکر کا فائدہ اللہ کو نہیں خود تمہیں پہنچتا ہے اور ناشکری سے اللہ کو نہیں خود تمہیں ضرر پہنچ جاتا ہے۔ اللہ ہر صورت میں قابل ستائش ہے خواہ تم اس کی حمد کرو یا نہ کرو۔

۹۔ بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ کلام جاری ہے اور اپنی قوم سے اَیامُ اللّٰہ کا تفصیلی ذکر فرما رہے ہیں اور نوح عاد اور ثمود کی اقوام کا ذکر بعنوان مثال آیا ہے، جن کی تاریخ اور تفصیلی علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ ان اقوام نے اپنے پیغمبران علیہم السلام کا اس طرح مقابلہ کیا کہ انبیاء علیہم السلام کو آزادی سے بات کرنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔

۱۰۔ دعوت انبیاء درحقیقت اللہ کی رحمت کی طرف دعوت ہے: يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ (ابراہیم: ۱۰) وہ تمہیں اس لیے دعوت دیتا ہے تاکہ وہ تمہارے گناہ بخش دے۔

اللہ کے ہاں مدت کا تعین قوموں کے اوصاف کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ ایک اچھی قوم اگر اپنے اندر بگاڑ پیدا کرے تو اس کی مہلت عمل اٹھا دی جاتی ہے اور اسے تباہ کر دیا جاتا ہے اور ایک بگڑی ہوئی قوم اگر اپنے برے اوصاف کو اچھے اوصاف میں بدل لے تو اس کی مہلت عمل بڑھا دی جاتی ہے۔ (تفہیم

يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾
قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ
بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا
نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ
لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
ع فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ
اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ
رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٣﴾ ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ
الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ

کوئی کھلی دلیل ہے تو ہمارے پاس لے آؤ۔☆ (١١) ان کے رسولوں نے ان سے کہا: بیشک ہم تم جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمہارے سامنے کوئی دلیل (معجزہ) اذن خدا کے بغیر پیش کریں اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔☆ (١٢) اور ہم اللہ پر توکل کیوں نہ کریں جب کہ اس نے ہمارے راستے ہمیں دکھا دیے ہیں، (منکرو) جو اذیتیں تم ہمیں دے رہے ہو اس پر ہم ضرور صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔☆ (١٣) اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا: ہم تمہیں اپنی سرزمین سے ضرور نکال دیں گے یا بہرصورت تمہیں ہمارے دین میں واپس آنا ہوگا، اس وقت ان کے رب نے ان پر وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔☆ (١٤) اور ان کے بعد اس سرزمین میں ہم ضرور تمہیں آباد کریں گے، یہ (خوشخبری) اس کے لیے ہے جو

---

القرآن) بدا یہی ہے جس کے تمام مفسرین قائل ہیں۔

١١۔ مشرکین بشر ہونے کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے۔ کسی انسان پر اللہ کا احسان ہوتا ہے تو کوتاہ بین لوگ اللہ کے احسان کی عظمت کو نہیں دیکھتے، بلکہ انسان کے بشر ہونے کی حیثیت پر نگاہ رکھتے ہیں۔

١٢۔ حق کی ہدایت و رہنمائی اور اسے پہچاننے کے بعد اس پر توکل اور بھروسہ کرنا ایک قدرتی امر ہوتا ہے۔ بھروسہ اس وقت نہیں ہوتا جب معرفت اور یقین میں استحکام نہ ہو اور تردد کا شکار ہو۔ معرفت کے بعد اس کا عاشق اس کی راہ میں صبر و تحمل کرتا ہے، خواہ اس راہ میں جتنی اذیتیں دی جائیں اور اس کی قیمت کچھ بھی ادا کرنی پڑے۔

١٣۔ کافر لوگ جب انبیاء کا منطقی مقابلہ کرنے سے عاجز آ جاتے تو طاقت کی منطق استعمال کرتے تھے۔ اہل حق کو وطن سے بے وطن کرتے اور مذہب چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ صبر آزما سنگین مراحل کامیابی کے ساتھ طے کرنے کے بعد فتح کی نوید سنائی جاتی ہے: لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ان ظالموں کو ہم ضرور ہلاک کرنے والے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: انبیاء نے جب فتح و نصرت مانگی تو ہر سرکش دشمن نامراد ہو کر رہ گیا۔

١٥ تا ١٧۔ یہ آیات مکہ میں اس وقت نازل ہو رہی ہیں کہ جب رسول اسلام ﷺ اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والے نہایت بے بسی میں تھے اور مشرکین مکہ کی طرف سے ملنے والی اذیتیں برداشت کر رہے

مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ

میرے حضور کھڑے ہونے (کے دن) سے ڈرتا ہو اور اسے میرے وعدہ عذاب کا خوف بھی ہو۔ ﴿۱۵﴾ اور انبیاء نے فتح و نصرت مانگی تو ہر سرکش دشمن نامراد ہو کر رہ گیا۔☆ ﴿۱۶﴾ اس کے بعد جہنم ہے اور وہاں اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔☆ ﴿۱۷﴾ جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیے گا مگر وہ اسے نہایت ناگوار گزرے گا، اسے ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور اس کے پیچھے (مزید) سنگین عذاب ہو گا۔☆ ﴿۱۸﴾ جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی سی ہے جسے آندھی کے دن تیز ہوا نے اڑا دیا ہو، وہ اپنے اعمال کا کچھ بھی (پھل) حاصل نہ کر سکیں گے، یہی تو بہت گہری گمراہی ہے۔☆ ﴿۱۹﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے؟ اگر وہ چاہے تو تمہیں تباہ کر دے اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق لے آئے۔☆ ﴿۲۰﴾ اور یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ﴿۲۱﴾ اور سب اللہ کے سامنے پیش ہوں گے تو

تھے۔ ان میں مسلمانوں کو تاریخ انبیاء اور سنت الٰہی کی روشنی میں یہ نوید سنائی جا رہی ہے کہ مکہ کے مشرکین خواہ کتنے جبار ہوں، نامراد رہیں گے اور کامیابی مسلمانوں کی ہے۔

۱۸۔ مشرکین کے اعمال حبط ہیں اور جن اعمال پر انہیں ناز تھا کل قیامت کے دن اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ملے گا۔ عین ضرورت و احتیاج کے وقت ہوا میں خاکستر کی طرح ناپید ہو جائیں گے۔

۱۹۔ اگر یہ دنیا صرف کافروں جیسی مخلوقات میں منحصر ہو جاتی تو آسمانوں اور زمین کی خلقت بے مقصد ہو جاتی۔ آسمانوں اور زمین کی حقانیت اس بات کی متقاضی ہے کہ جو لوگ اس کائناتی فطرت کے تقاضوں کے مطابق نہیں چلتے وہ نابود ہو جائیں اور ان کی جگہ نئی مخلوق آ جائے۔

۲۱۔ بروز قیامت ظالم، مفاد پرست اور ان کے پیروکار اور شیطان سب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو حقائق سامنے آ چکے ہوں گے۔ عذاب الٰہی کا جب مشاہدہ کریں گے تو پیروکار اپنی دنیاوی عادت کے مطابق آخرت میں بھی انہی رؤساء کی طرف رجوع کریں گے اور دنیا میں ان کی پیروی کو ذریعہ نجات تصور کر کے کہیں گے: ہم تمہارے تابع تھے کیا تم اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو۔ جبکہ یہ تابعیت اور اطاعت نہ صرف ذریعہ نجات نہیں ہے بلکہ ہلاکت ہے۔

دنیا میں کمزور لوگ ہمیشہ طفیلی سوچ رکھتے تھے۔ وہ اپنے عقائد و افکار میں آزاد نہ تھے، وہ آنکھیں بند کر کے اپنے بڑوں کی پیروی کرتے تھے۔ وہ

جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ
قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ
عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ
مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ
الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ
وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ
فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ
بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ
مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ

ع ۱۵

کمزور لوگ ان لوگوں سے جو (دنیا میں) بڑے بنتے تھے کہیں گے: ہم تمہارے تابع تھے تو کیا تم اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اللہ نے ہمارے لیے کوئی راستہ چھوڑ دیا ہوتا تو ہم تمہیں بھی بتا دیتے، ہمارے لیے یکساں ہے کہ ہم فریاد کریں یا صبر کریں۔ ہمارے لیے فریاد کا کوئی راستہ نہیں۔☆ (۲۲) اور (قیامت کے دن) جب فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہہ اٹھے گا: اللہ نے تمہارے ساتھ یقیناً سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا پھر وعدہ خلافی کی اور میرا تم پر کوئی زور نہیں چلتا تھا۔ مگر یہ کہ میں نے تمہیں صرف دعوت دی اور تم نے میرا کہنا مان لیا ۔پس اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ خود کو ملامت کرو (آج) نہ تو میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، پہلے تم مجھے اللہ کا شریک بناتے تھے میں (اب) یقیناً اس سے بیزار ہوں، ظالموں کے لیے تو یقیناً

آخرت میں بھی دنیاوی عادت کے مطابق پھر انہی کی طرف رجوع کریں گے۔

۲۲۔ جب بروز قیامت جابروں اور ان کے پیروکاروں کے خلاف فیصلہ سنایا جائے گا تو اس وقت شیطان اپنے پیروکاروں سے کہے گا: اللہ نے تمہیں جنت اور نعمتوں کا وعدہ دیا تھا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پورا کر دیا اور انہیں جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور میں نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ قیامت کو حساب کتاب نہیں ہوگا اور بتوں سے سعادتیں مل جاتی ہیں۔ ان وعدوں کی میں نے خلاف ورزی کی۔ میرا تم پر کوئی زور نہیں چلتا تھا۔ یعنی تم پر میری بالادستی قائم نہ تھی کہ میری اطاعت کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ نہ طاقت کی بالادستی تھی نہ دلیل و برہان کی، میں نے تمہارا ہاتھ پکڑ کر گمراہی کی طرف نہیں دھکیلا۔ میں نے صرف حق کی دعوت کے مقابلے میں باطل کی دعوت تمہارے سامنے رکھ دی۔ اسے مان لینے یا رد کرنے کے اختیارات تمہارے پاس تھے۔ لہٰذا اب اس انجام کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔ یہ ہیں شیطان کے طعنے، جو اس کے پیروکار اس وقت سنیں گے جب وقت ہاتھ سے نکل گیا ہوگا اور فیصلہ الٰہی ہو چکا ہوگا۔ ان کے پاس ان طعنوں کا کوئی جواب نہ ہوگا۔

۲۳۔ گمراہوں اور شیطان کے پیروکاروں کے آپس میں ہونے والے طعن و تشنیع اور برائت و بیزاری پر مشتمل مکالمے کا ذکر کرنے کے بعد اہل جنت کے ماحول کا ذکر آیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کس محبت کی فضا میں ملتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو حیات جاودانی اور امن و سلامتی کی دعائیں دیتے ہیں۔

۲۴۔ ۲۵ کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کا لفظی ترجمہ "پاکیزہ بات"

اَلِیْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ

دردناک عذاب ہے۔☆ ﴿۲۳﴾ اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اپنے رب کی اجازت سے وہ ان جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، وہاں (آپس میں) ان کی تحیت سلام ہوگی۔☆ ﴿۲۴﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال پیش کی ہے کہ کلمہ طیبہ شجرہ طیبہ کی مانند ہے جس کی جڑ مضبوط گڑی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں؟☆ ﴿۲۵﴾ وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں اس لیے دیتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔☆ ﴿۲۶﴾ اور کلمہ خبیثہ کی مثال اس شجرہ خبیثہ کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا گیا ہو اور اس کے لیے کوئی ثبات نہ ہو۔☆ ﴿۲۷﴾ اللہ ایمان والوں کو دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی قول ثابت پر قائم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ اپنی

---

ہے۔

اس سے مراد وہ پاکیزہ مؤقف و اعتقاد ہے جس کا اظہار قول و عمل سے ہوتا ہے۔ وہ مؤقف جو انبیاء و رسل نے اللہ کی طرف سے پیش کیا ہے، وہ پاکیزہ نظام زندگی و دستور حیات ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے انسانیت کے لیے عنایت فرمایا ہے، جس کا نقطہ آغاز و محکم اساس کلمہ توحید ہے۔

اس آیت میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

☆حق کی جڑیں مضبوط اور شاخیں بارآور ہوتی ہیں: اَصْلُهَا ثَابِتٌ۔☆حق کی افادیت زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہے: تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ۔

☆ایمان و عقیدہ جڑ اور اعمال صالحہ شاخیں ہیں۔

۲۶۔ كَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ، كَلِمَةً طَیِّبَةً کے مقابلے میں ہے۔ یعنی کلمہ حق کے مقابلے میں آنے والا کلمہ باطل، صحیح عقائد کے مقابلے میں آنے والے فاسد عقائد، مبنی برحقیقت نظام حیات کے مقابلے میں آنے والا فاسد نظام، کلمہ حق کی استواری اور دوام اور کلمہ باطل کی بے ثباتی سب پر واضح ہے۔ چنانچہ وہ کلمہ جو حضرت ابراہیمؑ نے بلند کیا، اس کی گونج آج تک پوری طاقت کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے مقابلے میں آنے والے ہزاروں نمرود و نمرودیوں کے نام صرف صفحہ تاریخ میں چند سیاہ حرفوں میں باقی ہیں۔

۲۷۔ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے آپ کو شجرہ طیبہ جیسے عظیم اور پائیدار درخت کے ساتھ پیوست کیا اور اپنے آپ کو اللہ کی عنایتوں کا سزاوار اور اہل ثابت کر دیا ہے، ایسے مومنوں کو اللہ دنیا میں ثابت قدمی بخشتا ہے کہ مشکلات و مصائب ان کو

وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا
يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ
الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَ بِئْسَ
الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا
عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ
اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا
بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ
وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ

مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا؟ ﴿۲۹﴾ وہ جہنم ہے جس میں وہ جھلس جائیں گے جو بدترین ٹھکانا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور انہوں نے اللہ کے لیے کچھ ہمسر بنا لیے تاکہ راہ خدا سے (لوگوں کو) گمراہ کریں، ان سے کہد یجیے: (کچھ دن) لطف اٹھا لو آخر کار تمہارا ٹھکانا آتش ہے۔ ﴿۳۱﴾ میرے ایمان والے بندوں سے کہ دیجیے: نماز قائم کریں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ کریں، اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ سودا ہوگا اور نہ دوستی کام آئے گی۔☆ ﴿۳۲﴾ اللہ ہی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہاری روزی کے لیے پھل پیدا کیے اور کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں

---

متزلزل نہ کر سکیں۔

۳۱۔ عبادی: یہ تعبیر کس قدر شیریں اور کس قدر اللہ نے اپنے بندوں کو عزت و شرف سے نوازا ہے۔ کفار اور مشرکین کو اپنی درگاہ سے دھتکارنے کے بعد رحمت و شفقت کے لہجے میں اپنے مؤمن بندوں کی طرف کلام کا رخ فرمایا ہے: میرے مؤمن بندوں سے کہد یجیے کہ وہ نماز قائم کریں تاکہ معراج مؤمن کی منزل کو پہنچ جائیں اور اللہ کی عطا کردہ روزی کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ پوشیدہ طور پر خرچ کریں، جہاں لینے والوں کے وقار کے تحفظ کا مسئلہ ہو، محتاجوں کی انسانی کرامت اور دینے والوں کے اخلاص عمل کو ریاکاری سے بچانے کا مسئلہ ہو۔ علانیہ طور پر خرچ کریں، جہاں انفاق فی سبیل اللہ کے عمل کو نمونہ عمل بنانا اور معاشرے میں اس سوچ کو عام کرنا مقصود ہو۔

۳۴۔ ہر وہ چیز تمہیں دے دی گئی جس کا تم نے سوال کیا۔ یہ سوال ہماری فطرت کی طرف سے تھا یا انسانی ارتقاء اور زندگی کی بقا کے تقاضوں کی طرف سے؟ ہماری ضرورتوں کی طرف سے تھا یا ہماری خواہشات کی طرف سے؟ بہرحال اللہ تعالیٰ نے صرف ضرورت کی حد تک نعمتیں عنایت نہیں فرمائیں۔ کیونکہ ضرورت تو صرف دانہ گندم یا جو سے پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود مختلف دانوں، طرح طرح کے میووں اور سینکڑوں غذائی اشیاء کی فراہمی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے ہر وہ نعمت عطا کی ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ کی غیر محدود نعمتوں کو محدود انسان شمار نہیں کر سکتا، کیونکہ انسان کے لیے ان نعمتوں کا احاطہ کرنا مشکل ہے اور وہ ان کا شمار نہیں کر سکتا بلکہ وہ ان نعمتوں سے غفلت برتتا ہے اور ان پر توجہ ہی نہیں

بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿٣٢﴾ وَ
سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَ
سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾ ۚ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ
كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ
كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾ ع وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ
هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ
نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ ؕ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ
كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ
مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ
رَّحِیْمٌ ﴿٣٦﴾ رَبَّنَآ اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ
ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ
الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ

اور دریاؤں کو بھی تمہارے لیے مسخر کیا۔ ﴿۳۲﴾ اور اسی نے
ہمیشہ چلتے رہنے والے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا
اور رات اور دن کو بھی تمہارے لیے مسخر بنایا۔ ﴿۳۳﴾ اور اسی
نے تمہیں ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے اس سے مانگی اور
اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے، انسان
یقینا بڑا ہی بے انصاف، ناشکرا ہے۔☆ ﴿۳۴﴾ اور (وہ وقت
یاد کیجیے) جب ابراہیم نے دعا کی: میرے رب! اس شہر کو پر
امن بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔
﴿۳۵﴾ میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر
رکھا ہے پس جو شخص میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو
میری نافرمانی کرے تو تو یقینا بڑا معاف کرنے والا، مہربان
ہے۔ ﴿۳۶﴾ اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد میں سے
بعض کو تیرے محترم گھر کے نزدیک ایک بنجر وادی میں بسایا،
اے ہمارے رب! تاکہ یہ نماز قائم کریں لہٰذا تو کچھ لوگوں

---

ہوتی۔ سچ مچ انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔
رہی زبانی سوال کی بات تو اللہ کی درگاہ سے کوئی دعا
رد نہیں ہوتی۔ جو دعائیں بظاہر قبول نہیں ہوتیں
اس کی چند ایک وجوہات ہیں: ☆ وہ دعا سرے
سے دعا ہی نہیں ہوتی بلکہ صرف زبان ہلائی جاتی
ہے۔☆ دعا کا قبول ہونا سائل کے مفاد میں نہیں
ہوتا۔☆ ایسے گناہوں کا ارتکاب کیا ہو جو قبول دعا
کے لیے رکاوٹ ہیں: و اغفرلی الذنوب التی
تحبس الدعاء۔ (دعائے کمیل)

۳۷۔ یہ دعا حضرت ابراہیم ؑ نے اس وقت کی
جب آپ ؑ نے بیت اللہ تعمیر فرمایا تھا، یعنی اپنی
زندگی کے آخری حصے میں۔ چونکہ حضرت اسماعیل
و اسحاق ؑ، آپ ؑ کے عالم پیری میں پیدا
ہوئے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ
اِسْحٰقَ اور بیت اللہ کی تعمیر حضرت اسماعیل ؑ کی
جوانی کے وقت عمل میں آئی۔

لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ: کیا نماز قائم کرنے کے لیے بے
آب و گیاہ خشک بیابان کی ضرورت تھی؟ حضرت
علی ؑ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
عَزَّوَجَلَّ یَخْتَبِرُ عَبِیْدَهٗ بِاَنْوَاعِ الشَّدَائِدِ۔
(اصول الکافی ۴: ۱۹۸) اللہ اپنے بندوں کو
مختلف اقسام کی سختیوں کے ذریعے آزماتا ہے۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ: لوگوں کے
دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ دینی قیادت
کے لیے ہر دلعزیزی ہی بنیاد ہے۔ چونکہ مذہبی
قیادت کی حکومت گردنوں پر نہیں دلوں پر ہوتی
ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ رائے عامہ کو دینی

| | |
|---|---|
| اَفۡـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ | کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کا رزق |
| وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ | عطا فرما تاکہ یہ شکرگزار بنیں۔☆ ۳۸ ہمارے رب! جو |
| یَشۡکُرُوۡنَ ۳۷ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ | کچھ ہم پوشیدہ رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں تو اسے |
| وَ مَا نُعۡلِنُ ؕ وَ مَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰهِ | جانتا ہے، اللہ سے کوئی چیز نہ تو زمین میں چھپ سکتی ہے اور نہ |
| مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۳۸ | آسمان میں۔ ۳۹ ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس |
| اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ وَهَبَ لِیۡ عَلَی | نے عالم پیری میں مجھے اسماعیل اور اسحق عنایت کیے، میرا |
| الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ | رب تو یقینا دعاؤں کا سننے والا ہے۔☆ ۴۰ میرے رب! |
| لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ۳۹ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ | مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی، اے |
| الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ | ہمارے رب اور میری دعا قبول فرما۔☆ ۴۱ اے ہمارے |
| دُعَآءِ ۴۰ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ | رب مجھے اور میرے والدین اور ایمان والوں کو بروز حساب |
| ع ۱۸ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ۴۱ | مغفرت سے نواز۔☆ ۴۲ اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں آپ |
| وَ لَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعۡمَلُ | اس سے اللہ کو غافل تصور نہ کریں، اللہ نے بیشک انہیں اس |
| الظّٰلِمُوۡنَ ۬ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمۡ لِیَوۡمٍ | دن تک مہلت دے رکھی ہے جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی |

معاشرے میں کس قدر اہمیت حاصل ہے۔

۳۹۔ توریت کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابرہیمؑ ۸۶ سال کی عمر کو پہنچ گئے تھے اور حضرت اسحقؑ کی ولادت کے وقت آپ کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔ پیرانہ سالی میں اولاد نرینہ بڑی نعمت ہے اور خصوصاً جب وہ دعا اور تمناؤں سے ملی ہو۔

اقامہ صلوٰۃ یعنی معاشرے میں نماز کا رواج قائم کرنا انبیاء اور ائمہؑ کا فرض اولین بھی ہے اور ان کی دعا و تمنا بھی۔ چنانچہ فرزند خلیل حضرت امام حسینؑ کی زیارت میں ہم کہتے ہیں اشھد انک قد اقمت الصلوۃ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم کی۔

۴۱۔ اس آیت سے حضرت ابراہیمؑ کے والدین کا ایمان قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ دعا حضرت اسماعیل و اسحاقؑ کی ولادت کے بعد عالم پیری میں کی تھی۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کے والدین یقینا وفات پا چکے تھے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ آزر کے لیے اب کا لفظ استعمال ہوا ہے جو حقیقی باپ اور چچا دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جبکہ والد صرف حقیقی باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت میں والدین کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے باوجود لوگ اب سے مراد حقیقی باپ لیتے ہیں اور والد سے مراد آدم یا نوحؑ لیتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں: یہاں والدی نہیں ولدی ہے، یعنی میرے دو بیٹوں کو بخش دے۔ ان ھذا الشیء عجاب۔

تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ ۙ﴿۴۲﴾ مُهۡطِعِيۡنَ
مُقۡنِعِىۡ رُءُوۡسِهِمۡ لَا يَرۡتَدُّ اِلَيۡهِمۡ
طَرۡفُهُمۡ ۚ وَاَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾ وَاَنۡذِرِ
النَّاسَ يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمُ الۡعَذَابُ فَيَقُوۡلُ
الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰٓى اَجَلٍ
قَرِيۡبٍ ۙ نُّجِبۡ دَعۡوَتَكَ وَنَـتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ
اَوَلَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَـكُمۡ
مِّنۡ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنۡتُمۡ فِىۡ مَسٰكِنِ
الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَتَبَيَّنَ لَـكُمۡ كَيۡفَ
فَعَلۡنَا بِهِمۡ وَضَرَبۡنَا لَـكُمُ الۡاَمۡثَالَ ﴿۴۵﴾ وَ
قَدۡ مَكَرُوۡا مَكۡرَهُمۡ وَعِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ ؕ
وَاِنۡ كَانَ مَكۡرُهُمۡ لِتَزُوۡلَ مِنۡهُ
الۡجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ

رہ جائیں گی۔ ﴿۴۳﴾ وہ سر اٹھائے دوڑ رہے ہوں گے، ان کی نگاہیں خود ان کی طرف بھی لوٹ نہیں رہی ہوں گی اور ان کے دل (خوف کی وجہ سے) کھوکھلے ہو چکے ہوں گے۔☆ ﴿۴۴﴾ اور لوگوں کو اس دن کے بارے میں تنبیہ کیجیے جس دن ان پر عذاب آئے گا تو ظالم لوگ کہیں گے: ہمارے رب ہمیں تھوڑی مدت کے لیے ڈھیل دے دے۔ اب ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور رسولوں کی اتباع کریں گے، (انہیں جواب ملے گا) کیا اس سے پہلے تم قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمہارے لیے کسی قسم کا زوال و فنا نہیں ہے؟☆ ﴿۴۵﴾ حالانکہ تم ان لوگوں کے گھروں میں آباد تھے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے اور تم پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا اور تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کی تھیں۔☆ ﴿۴۶﴾ اور انہوں نے اپنی مکاریاں کیں اور ان کی مکاریاں اللہ کے سامنے تھیں اگرچہ ان کی مکاریاں ایسی تھیں کہ جن سے پہاڑ بھی ٹل جائیں۔☆ ﴿۴۷﴾ پس آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی

۴۲۔ ظالم اور جابر لوگوں کو دنیا میں ہر قسم کے ظلم و بربریت کرنے اور ناز و نعم میں زندگی گزارنے کی جو کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے، اس سے ذہنوں میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ظالموں کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں ہے؟ جواب میں فرمایا: اللہ ان کے ظلم سے غافل نہیں ہے بلکہ اس نے ان کو قیامت کے دن سخت ترین عذاب کے لیے مہلت دے رکھی ہے۔

۴۴۔ یہاں روز عذاب سے مراد عذاب دنیا ہے جیسے قوم عاد و ثمود پر نازل ہوا۔ اس پر اَخِّرۡنَاۤ یعنی تاخیر کرو، کچھ مدت کے لیے ڈھیل دے دو، قرینہ ہے۔ اگر قیامت کے روز کے لیے ہوتا تو تاخیر کا لفظ استعمال نہ ہوتا، بلکہ اس کے لیے تو رَدّ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

۴۵۔ تم انہی ظالموں کی جگہ رہائش پذیر ہو۔ ان کی تباہی کے بعد ان کی جگہ تم آباد ہو اور اس بات کا بھی تمہیں علم ہو گیا کہ ظالم لوگ کیسے ہلاک و نابود ہو گئے اور ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا اور ہم نے ان ہلاکتوں اور ان ظالموں کے انجام کی مثالیں دے کر تمہیں بھی برے انجام سے خبردار کیا مگر تم نے کوئی عبرت حاصل نہ کی۔

۴۶۔ دعوت انبیاءؑ کے خلاف ان کی مکاریاں کچھ کم نہ تھیں، لیکن اللہ ان کی مکاریوں سے آگاہ تھا۔ اس لیے ان کی ساری مکاریاں خواہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہوں اکارت جاتی ہیں، خواہ ان کی مکاریوں میں پہاڑوں کو ہٹانے کی طاقت ہو تو بھی یہ اللہ کے سامنے ہیں۔ ان کی یہ ساری مکاریاں بے اثر رہی ہیں۔

۴۸ تا ۵۰۔ یعنی قیامت کے دن اس زمین و آسمان کا موجودہ نظام دگرگوں ہو جائے گا اور موجودہ نظام

وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ۝۴۷ يَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوۡا لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ۝۴۸ وَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَئِذٍ مُّقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ۝۴۹ سَرَابِيۡلُهُمۡ مِّنۡ قَطِرَانٍ وَّتَغۡشٰى وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ ۝۵۰ لِيَجۡزِىَ اللّٰهُ كُلَّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝۵۱ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنۡذَرُوۡا بِهٖ وَلِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝۵۲

آیاتها ۹۹ | ۱۵ سُوۡرَةُ الۡحِجۡرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴ | رکوعاتها ۶

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱

کرے گا، اللہ یقینا بڑا غالب آنے والا، انتقام لینے والا ہے۔ (۴۸) یہ (انتقام) اس دن ہوگا جب یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب خدائے واحد و قہار کے سامنے پیش ہوں گے۔☆ (۴۹) اس دن آپ مجرموں کو ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں گے۔☆ (۵۰) ان کے لباس گندھک کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہوگی۔☆ (۵۱) تاکہ اللہ ہر نفس کو اس کے عمل کی جزا دے، اللہ یقینا بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔ (۵۲) یہ (قرآن) لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کی تنبیہ کی جائے اور وہ جان لیں کہ معبود تو بس وہ ایک ہی ہے نیز عقل والے نصیحت حاصل کریں۔☆

سورۃ حجر۔ مکی۔ آیات ۹۹

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) الف لام را، یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیات ہیں۔

---

عالم بدل جائے گا۔ چنانچہ ایک جرثومہ جس نظام زندگی کے تحت زندہ رہتا ہے، وہ جب بدل جاتا ہے اور عالم نطفہ میں داخل ہوتا ہے تو زندگی کے طور و طریقے اور لوازم و قوانین بدل جاتے ہیں۔ نطفہ جب جنین بنتا ہے نیز جب جنین شکم مادر سے اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو زندگی کے لوازم و قوانین بدل جاتے ہیں۔ عالم آخرت کا نظام اگرچہ طبیعی ہے، مگر وہ مختلف نظام طبیعت ہے۔ اس نظام میں یہ زمین کسی اور زمین میں بدل جائے گی۔ اس نظام طبیعت میں مجرم لوگ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ان کے جسم پر گندھک یا تارکول جیسا آتش گیر مادہ بطور لباس ہوگا اور ان کے جسم پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔ اس کے باوجود وہ زندہ رہیں گے۔

۵۲۔ یہ قرآن پوری انسانیت کے لیے ایک پیغام رکھتا ہے۔ یہ پیغام تین چیزوں پر مشتمل ہے: ☆لوگوں کی تنبیہ۔ خطرات میں گھرے ہوئے اس انسان کے لیے سب سے زیادہ ضرورت تنبیہ کی ہے۔ ☆توحید یعنی ایک خدا کی پرستش کرنا، ایک خدا کی حاکمیت قبول کرنا اور ایک ہی قانون ساز کو تسلیم کرنا۔ ☆عقل سلیم کو سوچنے اور حقائق کا کھوج لگانے کی دعوت۔

سورہ حجر

اس سورہ میں قوم ثمود، قوم حجر کا ذکر آیا ہے، اس لیے سورہ کا نام حجر ہے۔ بعض آیات کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ اوائل بعثت میں نازل ہوا ہے۔

۱۔ اس سورہ مبارکہ کے تعارفی جملے ہیں کہ یہ سورہ کتاب الٰہی اور صریح البیان قرآن کی آیات پر مشتمل ہے۔ بعض کے نزدیک کتاب سے مراد لوح

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٢﴾ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٣﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ﴿٤﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٥﴾ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ﴿٦﴾ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ﴿٨﴾ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ

(۲) ایک وقت ایسا ہوگا کہ کافر لوگ آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ (۳) انہیں چھوڑ دیجیے کہ وہ کھائیں اور مزے کریں اور (طویل) آرزوئیں انہیں غافل بنا دیں کہ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔☆ (۴) اور ہم نے کسی بستی کو ہلاکت میں نہیں ڈالا مگر یہ کہ اس کے لیے ایک معینہ مدت لکھی ہوئی تھی۔ (۵) کوئی قوم اپنی معینہ مدت سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔☆ (۶) اور (کافر لوگ) کہتے ہیں: اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے یقینا تو مجنون ہے۔ (۷) اگر تو سچا ہے تو ہمارے سامنے فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا؟☆ (۸) (کہد یجیے) ہم فرشتوں کو صرف (فیصلہ کن) حق کے ساتھ ہی نازل کرتے ہیں اور پھر کافروں کو مہلت نہیں دیتے۔☆ (۹) اس ذکر کو یقینا ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔☆ (۱۰) اور تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بھی گزشتہ قوموں میں رسول بھیجے ہیں۔ (۱۱) اور ان کے پاس کوئی رسول ایسا

محفوظ ہے۔

۲۔ اس آیت میں کفر پر قائم رہنے والوں کے لیے تہدید اور ایمان لانے کی تشویق بھی ہے اور اس استہزاء کا بھی اشارہ ہے جس کا کافر سامنا کریں گے۔

۳۔ ان کافروں پر حجت پوری ہوگئی اور یہ قابل ہدایت نہیں ہیں، انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دیجیے۔ ان کی زندگی کا مقصد خورد و نوش ہے اور وہ آرزؤں میں مگن ہیں۔ حضرت علی ؑ فرماتے ہیں: اَلَا اِنَّ اَخوَفَ مَا یُخَافُ عَلَیکُم خَصلَتَانِ اتِّبَاعُ الْھَوٰی وَ طُولُ الْاَمَلِ اَمَّا اتِّبَاعُ الْھَوٰی فَیَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَ طُولُ الْاَمَلِ یُنسِی الْآخِرَۃَ۔ (وسائل الشیعۃ ۲: ۴۳۸) مجھے تمہارے بارے میں دو چیزوں کا خوف ہے: خواہشات کی پیروی اور لمبی آرزوئیں۔ خواہشات کی پیروی حق سے باز رکھتی ہے اور لمبی آرزو آخرت کو بھلا دیتی ہے۔

۵۔ ہر قوم کا ایک صحیفہ عمل ہوتا ہے جس میں اس قوم کی مدتِ حیات درج ہوتی ہے۔ مہلت برائے عمل اور عمل کے مطابق اجل کی بنیاد پر۔

۸۔۷ تقریباً اکثر رسولوں سے ان کی امتوں نے یہی مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دعوائے نبوت کی تصدیق کے لیے فرشتوں کو حاضر کریں۔ جبکہ فرشتوں کا نزول امتحان کے لیے نہیں، بلکہ نتیجۂ امتحان کے موقع پر ہوتا ہے۔

۹۔ اس آیت میں پورے تاکیدی لفظوں کے ساتھ متکلم کی تین ضمیریں اِنَّا، نَحْنُ، نَزَّلْنَا لا کر فرمایا: اس ذکر کو ہم نے خود نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی محافظت کریں گے۔ چنانچہ آج اس محافظت کو ہم واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ آسمانی کتابوں میں صرف قرآن مجید لفظ بہ لفظ محفوظ ہے، بلکہ طرز و

إِلَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ
نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا
مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭
لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ
قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮ ع وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي
السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯ وَ
حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ⑰ اِلَّا
مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ
مُّبِيْنٌ ⑱ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا
فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
مَّوْزُوْنٍ ⑲ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ

نہیں آیا جس کا انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو۔ ⑫ اسی طرح ہم اس ذکر کو مجرموں کے دلوں میں سے گزارتے ہیں، ⑬ کہ وہ اس (رسول) پر ایمان نہیں لائیں گے اور بے شک پہلوں کی روش بھی یہی رہی ہے۔ ⑭ اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ روز روشن میں اس پر چڑھتے چلے جائیں۔☆ ⑮ تو یہی کہیں گے: ہماری آنکھوں کو یقینا مدہوش کیا گیا بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔☆
⑯ اور بتحقیق ہم نے آسمانوں میں نمایاں ستارے بنا دیے اور دیکھنے والوں کے لیے انہیں زیبائی بخشی۔ ⑰ اور ہم نے ہر شیطان مردود سے انہیں محفوظ کر دیا ہے۔ ⑱ ہاں اگر کوئی چوری چھپے سننے کی کوشش کرے تو ایک چمکتا ہوا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔☆ ⑲ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ گاڑ دیے اور ہم نے زمین میں معینہ مقدار کی ہر چیز اگائی۔☆ ⑳ اور ہم نے تمہارے لیے زمین میں

طریقۂ تحریر تک میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ قرآن مسلمانوں کے ہاتھوں یداً بید اور نسلاً بعد نسلٍ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح جنگ احد یا فتح مکہ کا واقعہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔

۱۴۔ ۱۵ اگر فرشتوں کو حاضر کرنے سے زیادہ مؤثر یہ قدم اٹھائیں کہ ہم ان کو آسمان کی طرف اٹھا کر لے جائیں اور عجائب آسمانی کا بچشم خود مشاہدہ کرائیں تو بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے اور اسے جادو قرار دیں گے۔ چنانچہ پہلے خلانورد نے کہا بھی: ایسا لگ رہا تھا کہ ہماری آنکھوں پر جادو کیا گیا ہے۔

۱۸۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان نے فضا میں قدم رکھ کر دیکھ لیا ہے کہ آسمان میں ایسے اسرار موجود نہیں ہیں جو چرائے جا سکیں۔ مفسرین نے اس سوال کے جواب میں آیت کی تاویل کی ہے، جبکہ تاویل کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب آیت کا مفہوم کسی امر مسلم سے متصادم ہو۔ یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ انسان نے جس فضا کو تسخیر کیا ہے کائنات کی فضائے بیکراں میں اس کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سورۂ ملک: ۵ میں فرمایا: ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطان کو مارنے کا ذریعہ بنایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن ستاروں کے شہاب سے شیطان کو مارا جاتا ہے ان سے مراد ہماری ارضی فضا کے شہاب نہیں ہو سکتے جو در حقیقت وہ آسمانی پتھر ہیں جو ہر روز اوسطاً دس کھرب کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ ان میں سے دو کروڑ زمین کی فضا میں داخل ہوتے ہیں۔ تیز رفتاری سے زمین کی طرف آنے کی وجہ سے وہ شعلۂ آتش بن جاتے ہیں اور ہوائی غلاف سے ٹکرانے پر ہم انہیں آتشیں گولے کی طرح مشاہدہ کرتے ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۹۔ زمین سے اگنے والی تمام چیزیں موزوں و معین

مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ ۚ وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ

سامان زیست فراہم کیا اور ان مخلوقات کے لیے بھی جن کی روزی تمہارے ذمے نہیں ہے۔☆ ﴿۲۱﴾ اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں پھر ہم اسے مناسب مقدار کے ساتھ نازل کرتے ہیں۔☆ ﴿۲۲﴾ اور ہم نے باردار کنندہ ہوائیں چلائیں پھر ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہیں سیراب کیا (ورنہ) تم اسے جمع نہیں رکھ سکتے تھے۔☆ ﴿۲۳﴾ اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔ ﴿۲۴﴾ اور بتحقیق ہم تم میں سے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی جانتے ہیں۔☆ ﴿۲۵﴾ اور آپ کا رب ہی ان سب کو (ایک جگہ) جمع کرے گا، بے شک وہ بڑا حکمت والا، علم والا ہے۔ ﴿۲۶﴾ بتحقیق ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے سے تیار شدہ خشک مٹی سے پیدا کیا۔☆ ﴿۲۷﴾ اور اس سے پہلے ہم لو (گرم ہوا) سے جنوں کو پیدا کر چکے تھے۔☆ ﴿۲۸﴾ اور (وہ

---

مقدار میں ہیں اور ان کے وجود اور نشو ونما کا دار و مدار عناصر کے توازن میں ہے۔

۲۰۔ اس زمین میں جیسا کہ انسانوں کے لیے سامان حیات فراہم کیا گیا ہے، ایسے ہی ان جانداروں پرندوں، چرندوں اور بری و بحری حیوانات کے لیے بھی سامان زیست فراہم کیے گئے ہیں، جن کی روزی کسی غیر اللہ کے ذمے نہیں ہے۔

۲۱۔ خزانۂ قدرت سے مرحلۂ خلقت میں آنے کو نزول سے تعبیر فرمایا۔ یہ نزول اندھی بانٹ نہیں ہے بلکہ بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ایک مقررہ حد، ایک معین دستور اور ایک حکیمانہ تقدیر کے مطابق ہے۔ آج کے انسان کے لیے اس بات کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی کہ اللہ کے خزانوں سے نزول کیسے ہوتا ہے۔ کہکشاؤں اور دیگر آفاق عالم سے آنے والی شعاعوں کے زمین پر نمودار ہونے والی چیزوں پر بنیادی اثرات ہیں، بلکہ یہاں کے لیے خام میٹیریل وہاں سے نازل ہوتا ہے، جس کے بعد یہاں انسان، حیوان، درخت، میوے وغیرہ وجود میں آتے ہیں۔ اگر زمین کو اس نزول سے الگ کیا جائے تو یہاں ایک پتہ بھی سبز نہ ہو۔

۲۲۔ اس آیت میں ایک اہم رازِ قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ بعض درختوں اور نباتات کو بارآوری کی ضرورت ہے اور یہ بارآوری ہواؤں کے ذریعے انجام پاتی ہے۔

۲۶۔ اس میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو براہِ راست خاکی عناصر سے بنایا ہے۔ اس آیت سے ارتقاء انواع ثابت نہیں ہوتا، البتہ تخلیق آدم ؑ کے مراحل کا عندیہ ملتا ہے۔

۲۷۔ جن ایک مخفی مخلوق ہے جو آتشیں ہوا نَارِ السَّمُوْمِ سے تخلیق ہوئی اور کرۂ ارض ابتدا میں آتشیں گیس سے عبارت تھا۔ ممکن ہے اسی سے جن کی تخلیق ہوئی ہو۔

۲۸۔۲۹ بَشَر: البشرۃ و البشر انسان کی ظاہری

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ

موقع یاد رکھو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: میں سڑے ہوئے گارے سے تیار شدہ خشک مٹی سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔☆ ﴿۲۹﴾ پھر جب میں اس کی تخلیق مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ۔☆ ﴿۳۰﴾ پس تمام کے تمام فرشتوں نے سجدہ کر لیا، ﴿۳۱﴾ سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ ﴿۳۲﴾ اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ ﴿۳۳﴾ کہا: میں ایسے بشر کو سجدہ کرنے کا نہیں ہوں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے سے تیار شدہ خشک مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ﴿۳۴﴾ اللہ نے فرمایا: نکل جا! اس مقام سے کیونکہ تو مردود ہو چکا ہے۔☆ ﴿۳۵﴾ اور تجھ پر تا روز قیامت لعنت ہو گئی۔☆ ﴿۳۶﴾ کہا: میرے رب! پھر مجھے لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن (قیامت) تک مہلت دے دے۔☆ ﴿۳۷﴾ فرمایا:

جلد کو کہتے ہیں۔ بشرۃ الارض زمین سے نمایاں ہونے والی نبات کو کہتے ہیں (صحاح)۔ لہٰذا بَشَر ظہور کے معنی میں ہے اور جن پوشیدہ اور مخفی کے معنی میں۔

نَفَخ کسی چیز کے اندر ہوا بھرنے کو کہتے ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے اور ہم آیندہ تفصیلاً ذکر کریں گے کہ روح غیر مادی چیز ہے، لہٰذا یہاں نفخ سے مراد جسم مادی سے روح کا تعلق ہے۔ یہ تعلق ارادہ خدا سے وجود میں آیا ہے۔ اسی ارادے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس روح کو اپنی طرف نسبت دی ہے۔ اس طرح ہم روح کو الٰہی توانائی کہ سکتے ہیں۔

۳۴ تا ۳۸۔ ابلیس کو اپنی درگاہ سے راندہ کرنے کے بعد فرمایا: تا روز قیامت تجھ پر لعنت ہے۔ شاید ابلیس نے "تا روز قیامت" سے یہ مفہوم اخذ کیا ہو کہ اسے قیامت تک انسان سے واسطہ پڑنے کا امکان ہے۔ یہاں سے اس نے اللہ سے مہلت مانگی۔ یہ مہلت قیامت تک کے لیے مانگی تھی، مگر ایک معلوم وقت تک کے لیے مہلت دے دی گئی۔ ابلیس کو مہلت دینے پر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ ابلیس کو مہلت اور موقع دے کر قدرت نے اسباب ضلالت فراہم کیے۔ جواب یہ ہے کہ اولاً ابلیس کو انسانوں پر اتنا تسلط حاصل نہیں ہے کہ لوگوں کو گمراہ ہونے پر مجبور کرے۔ وہ صرف سبز باغ دکھا سکتا ہے۔ ثانیاً اللہ نے اگر ابلیس کو مہلت دی ہے اور گمراہی پھیلانے کا موقع دیا ہے تو اس کے مقابلے میں رشد و ہدایت کے بھی بہت سے اسباب فراہم کیے ہیں۔ اللہ نے انسان کو توحید کی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اس کی جبلت میں حق کی معرفت کی استعداد ودیعت فرمائی ہے۔ اللہ نے نفس انسانی کو نیک و بد کی سمجھ دی ہے۔ انبیاء بھیجے ہیں۔ ملائکہ بھی انسان کو راہ راست پر ڈالنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان دونوں مواقع کی موجودگی میں امتحان و آزمائش ہو سکتی ہے۔ اگر معاملات یکطرفہ ہوتے تو امتحان نامعقول اور ثواب وعقاب کا نظام ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے انسان کو خیر و شر کے درمیان

الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا

تو مہلت ملنے والوں میں سے ہے ﴿۳۸﴾ معین وقت کے دن تک۔☆ ﴿۳۹﴾ (ابلیس نے) کہا: میرے رب! چونکہ تو نے مجھے بہکایا ہے (لہٰذا) میں بھی زمین میں ان کے لیے (باطل کو) ضرور آراستہ کر کے دکھاؤں گا اور سب کو ضرور بالضرور بہکاؤں گا۔☆ ﴿۴۰﴾ ان میں سے سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ ﴿۴۱﴾ اللہ نے فرمایا: یہی راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ ﴿۴۲﴾ جو میرے بندے ہیں ان پر یقینا تیری بالادستی نہ ہوگی سوائے ان بہکے ہوئے لوگوں کے جو تیری پیروی کریں۔ ﴿۴۳﴾ ان سب کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔☆ ﴿۴۴﴾ جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان کا ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔☆ ﴿۴۵﴾ (ادھر) اہل تقویٰ یقینا باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔☆ ﴿۴۶﴾ (ان سے کہا جائے گا) سلامتی و امن کے ساتھ ان میں داخل ہو جاؤ۔ ﴿۴۷﴾ اور ان کے دلوں میں جو کینہ ہوگا ہم نکال دیں گے وہ برادرانہ طور پر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ﴿۴۸﴾ جہاں نہ انہیں کوئی تکلیف پہنچے گی نہ انہیں وہاں سے

ٹھہرا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے جسے چاہے انتخاب کرے۔

۳۹۔ ابلیس نے اپنے بہکانے کی نسبت اللہ کی طرف دی اور اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی بات کو رد بھی نہیں فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی نے ابلیس کو گمراہ کیا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اللہ نے اسے گمراہ کیا ہے، خود نہیں ہوا۔ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو گمراہ کیا، لیکن گمراہی اس نافرمانی کے لازمی نتیجے کے طور پر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوئی نیز اللہ کی طرف گمراہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے اور جس سے اللہ اپنی رحمت کا ہاتھ اٹھاتا ہے اور اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے وہ گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔ اللہ کے خالص بندے وہ ہیں کہ جنہیں خود اللہ نے خالص بنایا ہے اور اللہ ہر کسی کو خالص نہیں بناتا، بلکہ ان لوگوں کو خالص بناتا ہے جنہوں نے اپنی ذات کو اللہ کے لیے خالص بنایا ہو۔ یعنی ذات کو بلاشرکت غیرے صرف اللہ کی بندگی کے لیے خالص کیا ہو۔

۴۳۔ ۴۴ جہنم شیطان کے پیروکاروں کی وعدہ گاہ ہے۔ شیطان کے پیروکاروں کے لیے ایک ہی سطح کا عذاب نہ ہوگا، بلکہ ہر مجرم کو اس کے جرم کے مطابق جہنم میں جگہ دی جائے گی۔ ممکن ہے مجرمین کے سات گروہ بنتے ہوں، اس لیے جہنم کے سات طبقات ہوں، ہر طبقہ کو دروازہ کہا گیا ہو۔ چنانچہ تفسیر در المنثور جلد ۴ صفحہ ۱۸۶ میں آیا ہے کہ ابن مردویہ نے حضرت ابوذرؓ سے پیغمبر اکرم ﷺ کی یہ روایت بیان کی ہے: جہنم کا ایک دروازہ ایسا ہے جس میں وہی لوگ داخل ہوں گے جنہوں نے میرے اہل بیت علیہم السلام کے حق میں مجھے اذیت دی اور میرے بعد ان کے خون بہائے۔

۴۵۔ الْمُتَّقِيْنَ: (و ق ی) تقویٰ کا ترجمہ عموماً پرہیزگار، اگر فعل امر کی شکل میں آئے تو خوف کرو کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ تقویٰ کا لازمہ ضرور ہے لیکن ترجمہ نہیں ہے۔ یہ لفظ و ق ی وَقَی سے ہے، جس کے معنی محافظت اور بچانے کے ہیں۔ لہٰذا

نَصَبٌ وَّمَا هُمۡ مِّنۡهَا بِمُخۡرَجِيۡنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئۡ عِبَادِىۡۤ اَنِّىۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِىۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِيۡمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئۡهُمۡ عَنۡ ضَيۡفِ اِبۡرٰهِيۡمَ ﴿۵۱﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيۡمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِىۡ عَلٰٓى اَنۡ مَّسَّنِىَ الۡكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوۡا بَشَّرۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِيۡنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنۡ يَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطۡبُكُمۡ اَيُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمٍ مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۵۸﴾

وقف لازم

نکالا جائے گا۔ ﴿۴۹﴾ (اے رسول) میرے بندوں کو بتا دو کہ میں بڑا درگزر کرنے والا، مہربان ہوں۔☆ ﴿۵۰﴾ اور یہ کہ میرا عذاب بھی یقیناً بڑا دردناک عذاب ہے۔ ﴿۵۱﴾ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال بھی سنا دو۔ ﴿۵۲﴾ جب وہ ابراہیم کے ہاں داخل ہوئے تو انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے کہا: ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔☆ ﴿۵۳﴾ کہنے لگے: آپ خوف نہ کریں ہم آپ کو ایک دانا لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ ﴿۵۴﴾ کہا: کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دیتے ہو جب بڑھاپے نے مجھے گرفت میں لے لیا ہے؟ کس بات کی خوشخبری دیتے ہو؟ ﴿۵۵﴾ کہنے لگے: ہم نے آپ کو سچی خوشخبری دی ہے آپ مایوس نہ ہوں۔ ﴿۵۶﴾ ابراہیم بولے: اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔☆ ﴿۵۷﴾ پھر فرمایا: اے فرستادگان! تمہاری مہم کیا ہے؟ ﴿۵۸﴾ کہنے لگے: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ﴿۵۹﴾ مگر آل لوط کہ ان سب کو ہم ضرور بچا لیں گے۔

---

تقویٰ کے اصل معنی نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کے ہیں جس سے گزند پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ تقویٰ کی لغوی تشریح کی روشنی میں تقویٰ کا شرعی اصطلاح میں مفہوم یہ بنتا ہے: اسلام نے زندگی کے لیے جو اصول متعین کیے ہیں، ان کے دائرے میں رہنا اور جن چیزوں کو گناہ اور پلیدی قرار دیا ہے، ان سے اپنے آپ کو بچانا۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: اللہ سے تقویٰ کرنے کی وجہ سے اللہ نے اپنے دوستوں کو اپنی حمایت میں لیا ہے اور محرمات میں مبتلا ہونے سے بچایا ہے اور خوف خدا کو دلوں میں جاگزیں کیا ہے۔

۴۹۔ کس قدر رحمت و شفقت ہے اس آواز میں: میرے بندوں کو بتا دو۔ بتا دو میں غفور ہوں۔ بتا دو میں رحیم ہوں کس قدر شیریں ہے یہ خطاب میرے بندوں کو بتا دو، کس قدر مہر و محبت ہے اس لہجے میں، کسی قدر امید افزا ہے۔ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ۔ میں نہایت درگزر کرنے والا، مہربان ہوں۔ گنہگاروں کے لیے سرمایہ امید و رجا ہے یہ جملہ: میں درگزر کرنے والا ہوں۔

۵۶۔ اس کے بعد عذاب الٰہی کی بھی خبر دے دو تاکہ لوگ خوف و امید کے درمیان رہیں، ورنہ اگر وہ یاس و ناامیدی میں رہیں تو گمراہ ہو جاتے ہیں نیز اگر یہودیوں کی طرح صرف امیدوں اور آرزوؤں میں رہیں تو بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔

۶۵۔ حضرت لوط علیہ السلام کے اہل بیت، اللہ کے نزدیک اس قدر عزیز ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے پیچھے چلنے کا حکم ملتا ہے کہ ان کی محافظت یقینی ہو جائے۔

اِلَّاۤ اٰلَ لُوۡطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۵۹﴾ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ قَدَّرۡنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۶۰﴾ ع فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ِۨالۡمُرۡسَلُوۡنَ ۙ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ ضَيۡفِىۡ

﴿۶۰﴾ البتہ ان کی بیوی کے بارے میں ہم نے یہ طے کیا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی۔ ﴿۶۱﴾ جب یہ فرستادگان آل لوط کے ہاں آئے۔ ﴿۶۲﴾ تو لوط نے کہا: تم تو ناآشنا لوگ ہو۔ ﴿۶۳﴾ کہنے لگے: ہم آپ کے پاس وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں لوگ شک کر رہے تھے۔ ﴿۶۴﴾ اور ہم تو آپ کے پاس امر حق لے کر آئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔ ﴿۶۵﴾ لہٰذا آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصے میں یہاں سے چلے جائیں اور آپ ان کے پیچھے چلیں اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے اور جدھر جانے کا حکم دیا گیا ہے ادھر چلے جائیں۔☆ ﴿۶۶﴾ اور ہم نے لوط کو اپنا فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہی ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ ﴿۶۷﴾ ادھر شہر کے لوگ خوشیاں مناتے (لوط کے گھر) آئے۔☆ ﴿۶۸﴾ لوط نے کہا: بلا شبہ یہ میرے مہمان ہیں لہٰذا تم مجھے رسوا نہ

---

کیونکہ آنے والے واقعہ کا علم تو صرف حضرت لوط علیہ السلام کو ہے، دوسروں کو یا تو علم نہیں ہے، اگر ہو تو بھی ایک نبی کی طرح قطعی علم نہیں ہوتا۔ اس لیے ممکن ہے تساہل برتیں اور پیچھے رہ جائیں۔ مڑ کر نہ دیکھنے کا حکم ممکن ہے اس لیے ہو کہ نازل ہونے والا عذاب دیکھنے نہ پائیں، کیونکہ وہ عذاب اس قدر شدید تھا کہ اس کے دیکھنے کا بھی انسان متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

۶۷ تا ۷۱۔ ترتیب آیات واقعہ کی ترتیب کے مطابق اس لیے نہیں ہے کہ قرآن اپنی غرض بیان کے مطابق واقعات بیان کرتا ہے۔

قوم لوط کے بارے میں تلمود میں کچھ ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ لکھتے ہیں: کوئی مسافر ان علاقوں سے بخیریت نہ گزر سکتا تھا اور کوئی غریب ان بستیوں سے روٹی کا ٹکڑا نہ پا سکتا تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ باہر کا آدمی ان کے علاقے میں پہنچ کر فاقوں سے مر جاتا اور یہ اس کے کپڑے اتار کر برہنہ دفن کر دیتے۔

اس طرح اس قوم کا یہ معمول تھا کہ مسافروں کو لوٹ لیا جائے یا ان سے اپنی ہوس پوری کریں۔ حضرت لوط کے مہمانوں کے ساتھ یہی کچھ ہو رہا تھا۔ چنانچہ قوم لوط کی اس بات سے ان کے اخلاق کی پستی کا اندازہ ہوتا ہے، جو انہوں نے حضرت لوط سے کہا: ہم نے تمہیں ساری دنیا کے لوگوں کی پذیرائی سے منع نہیں کیا تھا۔ گویا کہ مہمانوں کی پزیرائی ان کے اخلاق میں جرم سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر خوشیاں منانے سے معلوم ہوتا ہے کہ

فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا
تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَ لَمْ نَنْهَكَ
عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ
اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ
لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا
سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً
مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ
كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ (وقف لازم)
مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ (ع ۵)

کرو۔☆ ﴿۶۹﴾ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بدنام نہ کرو۔☆
﴿۷۰﴾ کہنے لگے: کیا ہم نے تمہیں ساری دنیا کے لوگوں (کی
پذیرائی) سے منع نہیں کیا تھا؟☆ ﴿۷۱﴾ لوط نے کہا: یہ میری
بیٹیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو۔☆ ﴿۷۲﴾ (اے
رسول) آپ کی زندگی کی قسم! یقینا وہ بدمستی میں مدہوش
تھے۔☆ ﴿۷۳﴾ پھر سورج نکلتے وقت انہیں خوفناک آواز
نے گرفت میں لے لیا۔ ﴿۷۴﴾ پھر ہم نے اس بستی کو تہ و بالا
کر کے رکھ دیا اور ہم نے ان پر کنکر یلے پتھر برسائے۔
﴿۷۵﴾ اس واقعہ میں صاحبان فراست کے لیے نشانیاں
ہیں۔☆ ﴿۷۶﴾ اور یہ بستی زیر استعمال گزرگاہ میں (آج
بھی) موجود ہے۔☆ ﴿۷۷﴾ اس میں ایمان والوں کے لیے
یقینا نشانی ہے۔ ﴿۷۸﴾ اور ایکہ والے یقینا بڑے ظالم
تھے۔☆ ﴿۷۹﴾ تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور یہ دونوں
بستیاں ایک کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔ ﴿۸۰﴾ اور بتحقیق حجر کے

یہ لوگ کس قدر اخلاقی پستی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ
حضرت لوط ان کو جائز طریقے سے خواہشات پوری
کرنے کی پیشکش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

۷۲۔ ابن عباس کہتے ہیں: اللہ نے محمد ﷺ سے افضل
کسی کو پیدا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے صرف
آپ ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

۷۵۔ متوسمین: (و س م) التوسم کے معنی آثار و قرائن
سے کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنے کے ہیں اور اسے
علم ذکاوت و فراست اور فطانت بھی کہا جاتا ہے۔

۷۶۔ سبیل مقیم غیر متروک راستے کو کہتے ہیں۔ قوم
لوط کی تباہ شدہ بستی آباد گزرگاہ میں آج بھی موجود
ہے۔ مکہ سے شام جاتے ہوئے راستے میں یہ تباہ
شدہ علاقہ آج بھی قابل دید ہے۔ بعض جغرافیہ
دانوں کے مطابق یہاں اس درجہ ویرانی پائی جاتی
ہے جس کی نظیر روئے زمین پر کہیں اور نہیں دیکھی
گئی۔

۷۸۔ بعض روایات کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام دو
قوموں مدین اور ایکہ کی طرف مبعوث ہوئے اور
بعض کتابوں کے مطابق ایکہ تبوک کا قدیم نام تھا
اور بعض فرنگی مورخین کے مطابق ایکہ اور مدین
ایک ہی بستی کے دو نام ہیں۔

۸۰۔ حضرت صالح علیہ السلام ثمود کی طرف مبعوث ہوئے۔
ثمود کے دارالحکومت کا نام الحجر تھا۔ مزید تشریح
کے لیے ملاحظہ ہو: اعراف آیت ۷۴۔ پہاڑوں
کے شکم کے اندر محفوظ ترین گھروں میں ہی ان کو
ایک دھماکے کی آواز نے تباہ کر دیا اور ان کے محفوظ
ترین مکان ان کی حفاظت نہ کر سکے۔

۸۵۔ تخلیق کائنات ایک واہمہ اور خیال نہیں ہے، نہ ہی
عبث اور بے مقصد وجود ہے، بلکہ اس کی تخلیق کے
سامنے ایک حکمت، ایک مقصد اور ایک دستور ہے۔
اگر یہ کائنات ایک عبث اور فضول کے طور پر وجود
میں آ گئی ہوتی تو اسے بے مقصد ختم ہونا چاہیے۔
ایسا نہیں ہے، بلکہ روز قیامت آنے والا ہے۔

الْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا
عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ
الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ﴿٨٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ
مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ ۖ
فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ﴿٨٥﴾ إِنَّ
رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ
آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ
الْعَظِيمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ
مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا
تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ

باشندوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی۔☆ ﴿۸۰﴾ اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں لیکن وہ ان سے منہ پھیرتے تھے۔ ﴿۸۱﴾ اور وہ پہاڑوں کو تراش کر پرامن مکانات بناتے تھے۔ ﴿۸۲﴾ اور انہیں صبح کے وقت ایک خوفناک آواز نے گرفت میں لے لیا۔ ﴿۸۳﴾ پس جو وہ کیا کرتے تھے ان کے کام نہ آیا۔ ﴿۸۴﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان موجودات کو برحق پیدا کیا ہے اور قیامت یقیناً آنے والی ہے لہٰذا (اے رسول) ان سے باوقار انداز میں درگزر کریں۔☆ ﴿۸۵﴾ یقیناً آپ کا رب خالق اور بڑا دانا ہے۔ ﴿۸۶﴾ اور بتحقیق ہم نے آپ کو (بار بار) دہرائی جانے والی سات (آیات) اور عظیم قرآن عطا کیا ہے۔☆ ﴿۸۷﴾ (اے رسول) آپ اس سامان عیش کی طرف ہرگز نگاہ نہ اٹھائیں جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف جماعتوں کو دے رکھا ہے اور نہ ہی ان کے حال پر رنجیدہ خاطر ہوں اور آپ مومنوں کے ساتھ تواضع سے پیش

وہاں اس کائنات کی تخلیق کا نتیجہ سامنے آئے گا۔ لہٰذا اے رسول ﷺ! آپ ان کی طرف سے ہونے والے استہزاء اور آزار سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر فرمائیں۔ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ایسا خوبصورت درگزر جس میں سرزنش اور غم و غصے کا اظہار نہ ہو۔ آپ ﷺ کا پروردگار خلاق ہے۔ پورا تسلط رکھتا ہے۔ علیم ہے، ان کے اعمال پر نظر رکھتا ہے کہ وہ ایسی ذات کی گرفت سے چھٹ کر کہاں جائیں گے جو طاقت بھی رکھتی ہے اور علم بھی۔ کیونکہ کسی کمزور اور کسی ناداں سے تو ممکن ہے راہ فرار مل جائے مگر اللہ سے نہیں۔

۸۷۔ السبع المثاني سے مراد سورۃ فاتحہ ہے جو سات آیات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے مروی متعدد روایات میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ السبع المثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک آیت، بلکہ سب سے افضل آیت ہے۔ اس طرح سورہ فاتحہ قرآن کا ہم پلہ قرار پاتا ہے۔
چنانچہ صحیح بخاری میں مرفوع روایت موجود ہے کہ السبع المثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ اکثر مفسرین کا بھی یہی مؤقف ہے۔ چنانچہ اصحاب میں سے ابوسعید خدری، عبد اللہ بن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب اور ابو ہریرہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔ آیت کا سیاق بتاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ پر یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ مکہ میں نہایت نامساعد حالات سے دوچار تھے۔ یہ آیت آپ ﷺ کی تسلی کے لیے نازل ہوئی کہ مصائب خواہ کتنے ہی گھمبیر کیوں نہ ہوں وہ السبع المثانی اور قرآن کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔

۸۸۔ آداب پیمبری بیان ہوتے ہیں کہ نہ کافروں کے مال و دولت پر اپنی توجہ مرکوز کریں، نہ ہی ان کی ضلالت پر تاسف کریں۔ آپ ﷺ کے لیے قابل توجہ اور آپ ﷺ کی عنایتوں کے مستحق اہل

لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلۡ اِنِّيۡۤ اَنَا النَّذِيۡرُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَى الۡمُقۡتَسِمِيۡنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيۡنَ جَعَلُوا الۡقُرۡاٰنَ عِضِيۡنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسۡـَٔلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيۡنٰكَ الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيۡنَ يَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۹۸﴾ وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴿۹۹﴾

آئیں۔☆ ﴿۸۹﴾ اور کہدیجیے: میں توصریحاً تنبیہ کرنے والا ہوں۔ ﴿۹۰﴾ جیسا (عذاب) ہم نے دھڑے بندی کرنے والوں پر نازل کیا تھا۔☆ ﴿۹۱﴾ جنہوں نے قرآن کوٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ ﴿۹۲﴾ پس آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور پوچھیں گے۔ ﴿۹۳﴾ ان اعمال کی بابت جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۴﴾ آپ کو جس چیز کا حکم ملا ہے اس کا واشگاف الفاظ میں اعلان کریں اور مشرکین کی اعتنا نہ کریں۔☆ ﴿۹۵﴾ آپ کے واسطے ان تمسخر کرنے والوں سے نپٹنے کے لیے یقینا ہم کافی ہیں۔ ﴿۹۶﴾ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنا لیتے ہیں عنقریب انہیں (اپنے انجام کا) علم ہو جائے گا۔ ﴿۹۷﴾ اور بتحقیق ہمیں علم ہے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے آپ یقینا دل تنگ ہو رہے ہیں۔ ﴿۹۸﴾ پس آپ اپنے رب کی ثنا کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔☆ ﴿۹۹﴾ اور اپنے رب کی عبادت کریں یہاں تک کہ آپ کو یقین (موت) آجائے۔

ایمان ہیں۔

۹۰۔ ولید بن مغیرہ نے حج کے دنوں میں سولہ افراد کو مکہ کی طرف آنے والے راستوں میں تقسیم کر کے بھیجا کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے نہ پائے اور ایمان نہ لائے۔ ان میں سے بعض کہتے تھے قرآن جادو ہے، بعض کہتے تھے قرآن صرف داستانیں ہے اور کچھ کہتے تھے قرآن خود ساختہ ہے۔ چنانچہ ان لوگوں پر ایسا عذاب نازل ہوا کہ بدترین حالت میں مر گئے۔ (مجمع البیان)

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے روایت ہے کہ الۡمُقۡتَسِمِيۡنَ سے مراد قریش ہیں۔

۹۴۔ نہایت نامساعد حالات میں تبلیغ رسالت کو ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل کرنے کا حکم مل رہا ہے جس کے بعد رسول کریم ﷺ نے اعلانیہ طور پر تبلیغ شروع فرمائی جبکہ قریش کی طرف سے تمسخر و استہزاء کا ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا۔

۹۷۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی دلجوئی فرماتا ہے کہ ہمیں علم ہے کہ آپ ان کافروں کی باتوں سے دل تنگ ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ آگاہ ہیں کہ ہر بات اللہ کے علم میں ہے، لیکن محض تسلی اور اظہار شفقت کے لیے فرمایا: ہمیں علم ہے۔ یعنی ہم آپ ﷺ کے حامی ہیں اور اپنے مقصد کی راہ میں جن مصیبتوں اور ذہنی پریشانیوں سے دوچار ہیں ہم ان سے آگاہ ہیں۔

۹۸۔ کفار کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تسبیح وسجود سے تقویت حاصل کرو۔ یعنی نمازیں پڑھا کرو۔ جس نے اس دل و جان کو

آیاتھا ۱۲۸ ۱۶ سُورَۃُ النَّحۡلِ مَکِّیَّۃٌ ۷۰ رکوعاتھا ۱۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱﴾ یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۴﴾ وَ الۡاَنۡعَامَ خَلَقَہَا ۚ لَکُمۡ فِیۡہَا دِفۡءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۵﴾ ۪ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا جَمَالٌ حِیۡنَ تُرِیۡحُوۡنَ وَ حِیۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ﴿۶﴾ ۪ وَ تَحۡمِلُ اَثۡقَالَکُمۡ اِلٰی بَلَدٍ

سورۂ نحل ۔مکی۔آیات ۱۲۸

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) اللہ کا امر آ گیا پس تم اس میں عجلت نہ کرو وہ پاک اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ (۲) وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے (اس حکم کے ساتھ) کہ انہیں تنبیہ کرو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم میری مخالفت سے بچو۔ (۳) اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور جو شرک یہ لوگ کرتے ہیں اللہ اس سے بالاتر ہے۔ (۴) اس نے انسان کو ایک بوند سے پیدا کیا پھر وہ یکایک کھلا جھگڑالو بن گیا۔☆ (۵) اور اس نے مویشیوں کو پیدا کیا جن میں تمہارے لیے گرم پوشاک اور فوائد ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ (۶) اور ان میں تمہارے لیے رونق بھی ہے اور جب تم انہیں شام کو واپس لاتے ہو اور صبح کو چرنے کے لیے بھیجتے ہو۔☆ (۷) اور وہ تمہارے

---

خلق کیا ہے، اس سے یہ جان زیادہ مانوس ہے۔ اس انس کے کیف و سرور کے عالم میں دنیا کی مصیبتیں اور مشقتیں آسان ہو جاتی ہیں۔

سورۂ نحل

اس سورہ میں نحل (شہد کی مکھی) کا ذکر آیا ہے اسی مناسبت سے اسے سورۂ نحل کہتے ہیں۔

بعض آیات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورہ اس وقت نازل ہوا جب کفار مکہ کی طرف سے ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ دیگر سورہ ہائے مکی کی طرح یہ سورہ بھی الٰہیات، وحی معاد، جیسے موضوعات پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔ معاملات کے بارے میں بھی احکام ملتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں کا اس سورہ میں کثرت سے ذکر ملتا ہے، یہاں تک کہ اسے سورۃ النعم (نعمات کا سورہ) بھی کہا جاتا ہے۔

۴۔ باوجودیکہ انسان کو ایک نطفے جیسی حقیر بوند سے پیدا کیا ہے، اس کی سرکشی اور گستاخی کا یہ حال ہے کہ وہ اللہ سے جھگڑنے لگتا ہے، کہاں نطفہ اور کہاں اللہ کا مقابلہ۔ حضرت علی علیہ السلام اس انسان کے بارے میں فرماتے ہیں: اَوَّلُہٗ نُطْفَۃٌ وَ آخِرُہٗ جِیفَۃٌ (وسائل الشیعۃ ۱: ۳۳۴) یہ انسان آغاز میں ایک نطفہ اور انجام میں ایک بدبودار لاش ہے۔

۶۔ چوپائے انسان کے لیے مسخر ہیں، یعنی ان کی غرض تخلیق انسان ہے۔ دیہی زندگی ہو یا تمدن یافتہ،

لَمْ تَكُونُوا بٰلِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ
إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾ وَالْخَيْلَ وَ
الْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ
وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾ وَعَلَى اللَّهِ
قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ
لَهَدٰكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩﴾ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ ع
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَ
مِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿١٠﴾ يُنۢبِتُ لَكُم
بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَ
الْأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۗ إِنَّ فِي
ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾ وَسَخَّرَ
لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ
وَالنُّجُومُ مُسَخَّرٰتٌ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ

بوجھ اٹھا کر ایسے علاقوں تک لے جاتے ہیں جہاں تم جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے، تمہارا رب یقینا بڑا شفیق، مہربان ہے۔ ⑦ اور (اس نے) گھوڑے خچر اور گدھے بھی (اس لیے پیدا کیے) تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمہارے لیے زینت بنیں، ابھی اور بھی بہت سی چیزیں پیدا کرے گا جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔☆ ⑧ اور سیدھا راستہ (دکھانا) اللہ کے ذمے ہے اور بعض راستے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کرتا۔☆ ⑨ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے اور اس سے درخت اگتے ہیں جن میں تم جانور چراتے ہو۔☆ ⑩ جس سے وہ تمہارے لیے کھیتیاں، زیتون کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، غور و فکر سے کام لینے والوں کے لیے ان چیزوں میں یقینا نشانی ہے۔☆ ⑪ اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے اور ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر

کوئی بھی ان چوپاؤں سے بے نیاز نہیں ہے۔

۸۔ سواری میں کام آنے والے حیوانات کے دو مقاصد بیان فرمائے: ایک یہ کہ سواری کے کام آئے اور دوسرا یہ کہ زینت کا کام دے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کو اللہ تعالیٰ نے اہمیت دی ہے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ اور ابھی بہت سی چیزیں پیدا کرے گا جن کا تمہیں علم نہیں۔ موجودہ دور کی ایجادات عصر نزول قرآن کے لوگوں کے لیے مَا لَا تَعْلَمُونَ تھیں اور آئندہ ہونے والی ایجادات ہمارے لیے مَا لَا تَعْلَمُونَ ہیں۔ اس طرح ہر نسل کے لیے آیت کا خطاب مَا لَا تَعْلَمُونَ زندہ رہے گا۔

۹۔ مادی نعمتوں کے ذکر کے بعد روحانی نعمت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر لازم قرار دیا ہے کہ سیدھا راستہ دکھایا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فطرت اور شریعت دونوں کے ذریعے انسان کی ہدایت کا سامان فراہم فرمایا۔ فطرت کے ذریعے خود انسان کے وجود، اس کی ساخت و بافت میں ہدایت ودیعت فرمائی: رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۔ (طٰہٰ: ۵۰) ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت دے دی، پھر ہدایت فرمائی۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (دہر: ۳) ہم نے اسے راستہ بتایا پھر یا تو وہ شکر گزار ہو یا کافر۔ چنانچہ امتحان اور استحقاق کے لیے ضروری تھا کہ انسان خود مختار ہو۔ اگر جبری ہدایت منشائے خداوندی میں ہوتی تو سب کی ہدایت ہو جاتی۔ مگر اس جبری ہدایت کی قیمت کچھ نہ ہوتی۔ جیسے بے حس پتھر، جسے آپ جہاں چاہیں رکھ دیں یا ایک گدھا جسے جہاں چاہیں باندھیں۔

۱۰ تا ۱۲۔ مذکورہ پھلوں کی فراہمی اہل فکر کو بتاتی ہے کہ یہ اندھے اتفاق اور ناداں بے شعور طبیعت کا کام نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کی فراہمی کے پیچھے ایک شعور ایک ارادہ کارفرما ہے، ورنہ آسمان سے برسنے

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ
فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ
الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ
لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً
تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ
فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ
اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ
يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا
يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ
تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

ہیں، عقل سے کام لینے والوں کے لیے ان چیزوں میں یقینا نشانیاں ہیں۔☆ ﴿۱۲﴾ اور تمہارے لیے زمین میں رنگ برنگ کی جو مختلف چیزیں اگائی ہیں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے ان میں یقینا نشانی ہے۔☆ ﴿۱۳﴾ اور اسی نے (تمہارے لیے) سمندر کو مسخر کیا تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پہنتے ہو اور آپ دیکھتے ہیں کہ کشتی سمندر کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے تا کہ تم اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور شاید تم شکر گزار بنو۔ ﴿۱۴﴾ اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو گاڑ دیا تا کہ زمین تمہیں لے کر ڈگمگا نہ جائے اور نہریں جاری کیں اور راستے بنائے تا کہ تم راہ پاتے رہو۔☆ ﴿۱۵﴾ اور علامتیں بھی (بنائیں) اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کر لیتے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کرتا؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟☆ ﴿۱۷﴾ اور اگر تم اللہ کی

---

والا پانی انسان اور روئے زمین پر موجود باقی چیزوں کے لیے مفید و مناسب نہ ہوتا۔ زمین سے اگنے والی چیزوں کا انسان اور باقی جانوروں کے مزاج اور طبیعت کے عین مطابق اور مفید ہونا بھی ضروری نہ تھا۔ لہٰذا ان مختلف چیزوں کا ایک دوسرے کے لیے ضروری ہونا اور باہم موافق طبع ہونا بتاتا ہے کہ ان چیزوں کی تخلیق کے پیچھے ایک حکیمانہ ذہن کارفرما ہے۔ کھیتی کی افادیت اور زیتون، کھجور اور انگور کے انسانی جسم کی ساخت و بافت کے ساتھ نہایت سازگار ہونے کی وجہ سے ممکن ہے ان کا خاص طور پر ذکر کیا ہو۔

۱۳۔ یہاں وجود اور وحدانیت خدا پر تین دلائل دیے گئے ہیں: پہلی دلیل نباتات سے۔ یہ اہل فکر کے لیے ہے۔ دوسری دلیل فلکیات سے۔ یہ اہل عقل کے لیے ہے۔ تیسری دلیل موجودات ارضی کی اقسام و انواع سے۔ یہ اہل نصیحت کے لیے ہے۔

۱۵۔ قرآن متعدد آیات میں اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان فرماتا ہے کہ پہاڑ کی تخلیق کا اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے زمین میں اضطرابی حالت ختم ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ زمین کے اندرون طبقات میں موجود لاوا آتش فشانی کے ذریعہ سطح زمین پر آتا ہے اور پہاڑ بن جاتا ہے، ورنہ زیر زمین موجود لاوا اور آتشیں مواد سے زمین ڈھلک جاتی اور ڈگمگانے لگتی۔ دوسرا اہم فائدہ پہاڑوں سے بہنے والے پانی سے وجود میں آنے والی نہریں ہیں جن سے نشیبی علاقے سیراب ہو جاتے ہیں۔ پہاڑوں کے بارے میں مزید تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیں سورہ نبا آیت ۷۔

۱۷۔ ایک واضح حقیقت اور ایک نہایت سادہ سی بات، جسے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے، یہ ہے کہ جو خلق کرتا ہے، وہ اس کی طرح تو نہیں ہو سکتا جو خلق نہیں کرتا۔ خطاب مشرکوں سے ہے کہ تم ایسی واضح باتیں بھی نہیں سمجھ

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا
تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا
وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع
اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ
مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۗ اِنَّهٗ لَا
يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ
كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ

نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے، اللہ یقیناً بڑا
درگزر کرنے والا، مہربان ہے۔☆ ﴿۱۹﴾ اور اللہ سب سے
باخبر ہے جو تم پوشیدہ رکھتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔☆
﴿۲۰﴾ اور اللہ کو چھوڑ کر جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو
خلق نہیں کر سکتے بلکہ خود مخلوق ہیں۔ ﴿۲۱﴾ وہ زندہ نہیں مردہ
ہیں اور انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔
﴿۲۲﴾ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے لیکن جو آخرت پر
ایمان نہیں لاتے ان کے دل (قبول حق کے لیے) منکر ہیں
اور وہ تکبر کر رہے ہیں۔☆ ﴿۲۳﴾ یہ حقیقت ہے کہ وہ جو کچھ
پوشیدہ رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ اسے جانتا
ہے، وہ تکبر کرنے والوں کو یقیناً پسند نہیں کرتا۔ ﴿۲۴﴾ جب
ان سے کہا جاتا ہے: تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟
تو کہتے ہیں: داستانہائے پارینہ۔ ﴿۲۵﴾ (گویا) یہ لوگ
قیامت کے دن اپنا سارا بوجھ اور کچھ ان کا بوجھ بھی

سکتے، اللہ اور بتوں کے ایک جیسے اختیارات کے قائل ہو۔

۱۸۔ اللہ کی بے پایاں نعمتوں کا احاطہ یہ انسان نہیں کر سکتا۔ یہ غافل انسان تو ان نعمتوں میں سے موٹی موٹی نعمتوں کی طرف صرف اس وقت متوجہ ہوتا ہے جب اس سے یہ نعمت چھن جاتی ہے۔ اس کے باوجود اللہ غفور و رحیم ہے، اللہ کا غفران اور درگزر دیکھیے کہ انسان ان بے شمار نعمتوں میں مالا مال رہنے کے باوجود اللہ کے حق میں اس قدر گستاخ اور نافرمان ہوتا ہے کہ کبھی تو اللہ کے وجود ہی کا منکر ہو جاتا ہے، پھر بھی اللہ درگزر فرماتا ہے اور رحم کا یہ عالم ہے کہ ایسے ناشکرے انسان کو بھی برابر نعمتوں کی ارزانی فرماتا رہتا ہے۔

۱۹۔ اللہ ان مشرکین کے حال سے بے خبر ہونے کی بنیاد پر تو نعمتیں فراہم نہیں کرتا، بلکہ وہ ان کے دلوں کی بات سے بھی واقف ہے نیز ربوبیت کے لائق تو صرف وہ ذات ہے جو خالق ہے، منعم ہے اور انسان کے اندرونی حالات پر علم و آگہی رکھتی ہے۔ جبکہ جن بتوں کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں نہ تو وہ خالق ہیں، بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ نہ منعم ہیں نہ ان کو انسان کے حالات پر آگہی ہے۔

۲۲۔ اللہ کی وحدانیت پر ایمان اور آخرت پر ایمان باہم مربوط معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور جزا و سزا کے نظام کا قائل نہیں ہے اس کے لیے اللہ کا وجود اور اس کائنات کی تخلیق ناقابل فہم ہو جاتے ہیں۔

۲۵۔ خود گمراہ ہونے کے ساتھ یہ لوگ دوسروں کی گمراہی کے لیے سبب بن جاتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ کے علاوہ دوسروں کے گناہوں کا بھی بوجھ اٹھا رہے ہیں۔ چنانچہ حدیث

الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ لا الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ

اٹھانا چاہتے ہیں جنہیں وہ نادانی میں گمراہ کرتے ہیں دیکھو! کتنا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں۔☆ ﴿۲۶﴾ ان سے پہلے لوگوں نے مکاریاں کی ہیں لیکن اللہ نے ان کی عمارت کو بنیاد سے اکھاڑ دیا، پس اوپر سے چھت ان پر آ گری اور انہیں وہاں سے عذاب نے آ لیا جہاں سے انہیں توقع نہ تھی۔☆ ﴿۲۷﴾ پھر اللہ انہیں قیامت کے دن رسوا کرے گا اور (ان سے) کہے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم جھگڑتے تھے؟ (اس وقت) صاحبان علم کہیں گے: آج کافروں کے لیے یقینا رسوائی اور برائی ہے۔ ﴿۲۸﴾ فرشتے جن کی روحیں اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہوں تب وہ کافر تسلیم کا اظہار کریں گے (اور کہیں گے) ہم تو کوئی برا کام نہیں کرتے تھے، ہاں! جو کچھ تم کیا کرتے تھے اللہ یقینا اسے خوب جانتا ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ پس اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ

میں آیا ہے: من سن سنة سيئة كان عليه وزرها و وزر من عمل بها۔ (بحار الانوار ۷۱: ۲۰۴) جو ایک برے کام کو رواج دیتا ہے، اس پر اس برائی کا بوجھ ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی اسی پر ہوگا۔

۲۶۔ اسلامی تحریک کے خلاف کفر کی مکاریاں اور سازشیں قدیم سے اسی طرح رہی ہیں جس طرح آج مشرکین مکہ کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کی سازشیں خود ان کے خلاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ دینی تحریکوں کے خلاف جو عمارت انہوں نے کھڑی کی تھی، یہی عمارت ان کی ہلاکت کا سبب بن گئی۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے لیے نوید فتح ہے اور فتح کی نوعیت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔ چنانچہ ان مشرکین نے اسلام کے خلاف جو جنگیں لڑیں، وہی جنگیں ان کی تباہی کا سبب بن گئیں۔

۲۷۔ روز قیامت جب مشرکین عالم شہود میں آ گئے ہوں گے، ان پر ان کے شرک کا بطلان عیاں ہو گیا ہوگا، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سوال ہوگا: کہاں ہیں وہ شریک جن کے بارے میں اہل توحید سے جھگڑتے تھے۔ ظاہر ہے مشرکین کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔

۲۸۔ ۲۹ ان کفار کا ذکر جاری ہے جو دینی تحریک کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ ان کی جان کنی کے وقت کی بات ہے، ابھی زندگی کی چند رمقیں باقی ہیں کہ حقیقت ان پر کھل گئی، حق و باطل کا راز منکشف ہو گیا۔ البتہ فرصت ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ جان کنی سے پہلے نہ توبہ کی، نہ کفر چھوڑا۔ اس وقت وہ سر تسلیم خم کرتے ہیں، لیکن اب اس تسلیم و اطاعت کا کوئی فائدہ نہیں اور دنیا سے جانے سے پہلے ہی جہنم میں داخل ہونے کا حکم مل جاتا

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى
الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا
مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ
وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا
مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ
طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ
ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ
اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ

جہاں تم ہمیشہ رہو گے، تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا نہایت برا
ہے۔☆ ﴿۳۰﴾ اور متقین سے پوچھا جاتا ہے: تمہارے رب
نے کیا نازل کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں: بہترین چیز، نیکی کرنے
والوں کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو
بہترین ہے ہی اور اہل تقویٰ کے لیے یہ کتنا اچھا گھر
ہے۔☆ ﴿۳۱﴾ یہ لوگ دائمی جنت میں داخل ہوں گے جن
کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں ان کے لیے جو چاہیں
گے موجود ہوگا۔ اللہ اہل تقویٰ کو ایسا اجر دیتا ہے۔ ﴿۳۲﴾ جن
کی روحیں فرشتے پاکیزہ حالت میں قبض کرتے ہیں (اور
انہیں) کہتے ہیں: تم پر سلام ہو! اپنے (نیک) اعمال کی جزا
میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔☆ ﴿۳۳﴾ کیا یہ لوگ اس بات
کے منتظر ہیں کہ فرشتے (ان کی جان کنی کے لیے) ان کے
پاس آئیں یا آپ کے رب کا فیصلہ آئے؟ ان سے پہلوں

---

ہے۔

۳۰۔ قرآن کو داستان پارینہ کہنے والوں کے مقابلے میں اہل تقویٰ ہیں جو قرآن کو خیر محض جانتے ہیں۔ کفار کی پروپیگنڈا مہم کے جواب کے لیے اہل تقویٰ میدان عمل میں ہوتے ہیں اور لوگوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرتے ہیں اور یہ نکتہ بھی سمجھاتے ہیں کہ اس قرآن میں خیر الدنیا و الآخرہ ہے۔

۳۲۔ اس کے مقابلے میں اہل تقویٰ کو حالت احتضار میں جنت میں داخل ہونے کا حکم مل جاتا ہے۔

چنانچہ اس جگہ ایک درس آموز روایت کا خلاصہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ابو بصیر سے مروی ہے کہ میرا ایک ہمسایہ مے نوشی کی محفلیں جماتا تھا۔ میں نے ہر چند نصیحتیں کیں لیکن وہ باز نہیں آیا۔ ایک دن اس نے کہا اگر آپ اپنے مولا (امام جعفر صادق ؑ) سے میرا تعارف کرا دیں تو ممکن ہے آپ ؑ کے ذریعے اللہ مجھے بچا لے۔ میں جب امام ؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس شخص کا حال بیان کیا تو آپ ؑ نے فرمایا: اس سے کہنا جعفر بن محمد ؑ کہتے ہیں تو اس مے نوشی کو ترک کرے تو میں اللہ کے حضور تیرے لیے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔ واپس جا کر میں نے یہ پیغام اس کو سنایا تو وہ رویا اور چلا گیا۔ کچھ دنوں بعد اس نے مجھے بلایا تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر کے عقب میں عریاں بیٹھا ہے۔ وہ بولا: اے ابو بصیر میں نے

| | |
|---|---|
| الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ | نے بھی ایسا ہی کیا تھا، اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود |
| وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ | اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔☆ ﴿۳۳﴾ آخر کار انہیں ان |
| فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ | کے برے اعمال کی سزائیں ملیں اور جس چیز کا یہ لوگ مذاق |
| مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع وَقَالَ | اڑاتے تھے اسی نے انہیں گھیر لیا۔ ﴿۳۵﴾ اور مشرکین کہتے |
| الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا | ہیں: اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے علاوہ |
| مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ | کسی اور چیز کی پرستش نہ کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی |
| لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ | چیز کو حرام قرار دیتے، ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ایسا ہی |
| فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى | کیا تھا، تو کیا رسولوں پر واضح انداز میں تبلیغ کے سوا کوئی اور |
| الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ | ذمہ داری ہے؟☆ ﴿۳۶﴾ اور تحقیق ہم نے ہر امت میں ایک |
| بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا | رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے |
| اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ | اجتناب کرو، پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور |
| هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ | بعض کے ساتھ ضلالت پیوست ہوگئی، لہٰذا تم لوگ زمین پر |
| الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا | چل پھر کر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا |

اپنے گھر سے سب کچھ نکال دیا ہے اور میرا یہ حال ہوگیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ بیمار ہوگیا اور احتضار کا وقت آ گیا۔ اس پر غشی طاری ہوئی، ہوش میں آیا تو کہنے لگا: اے ابوبصیر! قد وفی صاحبک لنا۔ آپ کے مولا نے میرے ساتھ اپنا وعدہ پورا کیا۔ پھر اس کی روح پرواز کر گئی۔ چنانچہ حج کے موقع پر جب میں نے امام علیہ السلام کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگی تو مجھے دیکھتے ہی مولا علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوبصیر قد وفینا صاحبک ہم نے تمہارے ساتھی کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ (اصول الکافی ۱: ۴۷۴)

۳۳۔ اس دین توحید کو سمجھانے کا جو بھی طریقہ ہوسکتا تھا وہ اختیار کیا گیا۔ نہ منطق میں کمی ہے، نہ استدلال میں نقص، نہ ہی حجت و برہان میں ضعف ہے۔ یہ لوگ پھر کس چیز کے انتظار میں ہیں؟ کیا یہ فرشتہ موت کے انتظار میں ہیں کہ حالت نزع میں حقیقت حال ان پر منکشف ہو جائے یا یہ نزول عذاب کے منتظر ہیں۔

۳۵۔ مشرکین کا ایک طرز فکر یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اگر اللہ یہ چاہتا کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کی جائے تو ہم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کر پاتے، جبکہ اب ہم یہ کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا اللہ نے اس کام سے ہم کو نہیں روکا۔ جواب میں فرمایا: اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے تشریعی طور پر روکا ہے، البتہ اللہ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٣٦
اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
نّٰصِرِيْنَ ۝٣٧ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ
اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ
بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٣٨ ۙ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ
يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝٣٩ اِنَّمَا قَوْلُنَا
لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ۝٤٠ ع وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ
بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ

تھا۔ ۝٣٧ اگر آپ کو ان کی ہدایت کی شدید خواہش ہو بھی تو
اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ ضلالت میں ڈال چکا ہو
اور نہ ہی کوئی ان کی مدد کرنے والا ہوگا۔☆ ۝٣٨ اور یہ لوگ
اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں: جو مر جاتا ہے اسے اللہ
زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا، کیوں نہیں (اٹھائے گا)؟ یہ ایک
ایسا برحق وعدہ ہے جو اللہ کے ذمے ہے لیکن اکثر لوگ نہیں
جانتے۔☆ ۝٣٩ تاکہ اللہ ان کے لیے وہ بات واضح طور پر
بیان کرے جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور کافر
لوگ بھی جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ ۝٤٠ جب ہم کسی چیز
کا ارادہ کر لیتے ہیں تو بے شک ہمیں اس سے یہی کہنا ہوتا
ہے: ہو جا! پس وہ ہو جاتی ہے۔☆ ۝٤١ اور جنہوں نے ظلم کا
نشانہ بننے کے بعد اللہ کے لیے ہجرت کی انہیں ہم دنیا ہی
میں ضرور اچھا مقام دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت

---

نے اس سلسلے میں طاقت اور جبر استعمال نہیں کیا۔

۳۷۔ اگرچہ رسول ﷺ کی شفقت ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کی ہدایت کے متمنی ہوتے تھے، لیکن ہدایت وضلالت کا ایک کلیہ ہے جس کے تحت جو ہدایت کی اہلیت رکھتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے، جو اس کی اہلیت نہیں رکھتا اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جسے اللہ اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے وہ ضلالت کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔

۳۸۔ حیات بعد الموت، تخلیق، تکلیف اور آزمائش کا عقلی لازمہ ہے۔ اگر جرم وسزا کا کوئی دن نہ ہوتا تو مؤمن و کافر، ظالم اور مظلوم میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ کیا جس نے انسانیت کے خون سے ہولی کھیلی ہو، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے انسانیت کی خدمت کی ہے۔ اگر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے تو یہ زندگی ایک عبث اور کھلونا ہونا لازم آتا ہے۔

۴۰۔ اللہ تعالیٰ کے دو ارادے ہیں: ایک ارادہ تشریعی، یعنی وہ قانون اور شریعت سازی کے ذریعہ لوگوں سے چاہتا ہے کہ وہ اس قانون کی پابندی کریں۔ اللہ کے اس ارادے کی اطاعت بھی ہو سکتی ہے اور نافرمانی بھی۔ دوسرا ارادہ تکوینی۔ یہ عالم خلق وایجاد سے مربوط ارادہ ہے۔ یہاں اللہ کا ارادہ فوراً نافذ العمل ہوتا ہے، بلکہ یہاں ارادہ اور ایجاد دو چیزیں نہیں ہیں، بلکہ اللہ کا ارادہ اور خلقت ایک ہیں۔ چنانچہ کن ایک تعبیر ہے، ورنہ ارادہ اور مراد میں کاف ونون کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

۴۱۔ فی سبیل اللہ ہجرت کے اچھے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ ایک طرف سے دنیا میں اچھا مقام ملتا ہے اور آخرت کا اجر تو قابل وصف و بیان نہیں

كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾ أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا

النصف

بڑا ہے، اگر وہ جانتے ہوتے۔☆ ﴿۴۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ ﴿۴۳﴾ اور ہم نے آپ سے قبل صرف مردان (حق) رسول بنا کر بھیجے ہیں جن پر ہم وحی بھیجا کرتے ہیں، اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔☆ ﴿۴۴﴾ (جنہیں) دلائل اور کتاب دے کر بھیجا تھا اور (اے رسول) آپ پر (بھی) ہم نے ذکر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ باتیں کھول کر بتا دیں جو ان کے لیے نازل کی گئی ہیں اور شاید وہ (ان میں) غور کریں۔☆ ﴿۴۵﴾ جو بدترین مکاریاں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آئے کہ جہاں سے انہیں خبر ہی نہ ہو؟☆ ﴿۴۶﴾ یا انہیں آتے جاتے ہوئے (عذاب الٰہی) پکڑ لے؟ پس وہ اللہ کو عاجز تو کر نہیں سکتے۔☆ ﴿۴۷﴾ یا انہیں خوف میں رکھ کر گرفت میں لیا جائے؟ پس تمہارا رب یقیناً بڑا شفقت کرنے والا، مہربان ہے۔☆ ﴿۴۸﴾ کیا انہوں نے اللہ کی مخلوقات میں ایسی چیز

ہے۔

۴۳۔ ۴۴ اللہ تعالیٰ نے جب بھی اہل ارض کی طرف کسی رسول کو بھیجا ہے تو انہی آدمیوں کو وحی دے کر بھیجا ہے جن کے پاس اگر کوئی طاقت تھی تو وہ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ کی طاقت تھی۔ یعنی دلیل و منطق کی طاقت۔ ان کو مافوق البشر طاقت کی اجازت دے کر نہیں بھیجا کہ اس طاقت کے ذریعے وہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ اگر اللہ کی سنت اس قسم کی طاقت استعمال کرنے کی ہوتی تو آج کے مشرک یہ کہہ سکتے تھے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کر سکتے۔ اس بارے میں یہ حکم ہوا کہ گزشتہ انبیاء کے بارے میں اگر تم جاننا چاہتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔

اگرچہ فَسْئَلُوْٓا کا خطاب مشرکین سے ہے، لیکن تفسیری قاعدے کے تحت لفظ کا عموم دیکھا جاتا ہے اور حکم صرف شان نزول کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاتا، اس طرح یہ آیت ہر نہ جاننے والے کے لیے، جاننے والوں سے سوال کرنے کے بارے میں ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل ذکر سے مراد اہل قرآن ہیں۔ حضرت امام علی رضاؑ سے روایت ہے: نَحْنُ اَهْلُ الذِّكْرِ وَ نَحْنُ الْمَسْئُولُوْنَ۔ (اصول الکافی ۱: ۲۱۰) ہم اہل الذکر ہیں اور ہم سے سوال کیا جانا چاہیے۔ غیر امامیہ مصادر کے لیے ملاحظہ ہو احقاق الحق ۳: ۴۸۲۔

۴۵ تا ۴۷۔ کیا رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانے کے لیے بدترین سازشیں کرنے والے یہ خیال نہیں کرتے کہ اللہ ان کو کسی زمینی آفت میں مبتلا کر دے۔ ان پر نزول عذاب کے لیے کسی خاص وقت مقام اور ذریعے کی ضرورت نہیں ہے۔ بیٹھے بیٹھے

خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ
عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ
هُمْ دٰخِرُوْنَ ۝۴۸ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ
وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۴۹
يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا
يُؤْمَرُوْنَ ۝۵۰ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا
اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۵۱ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ
اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝۵۲ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ
اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ
تَجْـَٔرُوْنَ ۝۵۳ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ

نہیں دیکھی جس کے سائے دائیں اور بائیں طرف سے عاجز ہو کر اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے جھکتے ہیں؟ (۴۸) اور آسمانوں اور زمین میں ہر متحرک مخلوق اور فرشتے سب اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔☆ (۴۹) وہ اپنے رب سے جو ان پر بالادستی رکھتا ہے ڈرتے ہیں اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔☆ (۵۰) اور اللہ نے فرمایا: تم دو معبود نہ بنایا کرو، معبود تو بس ایک ہی ہے پس تم صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ (۵۱) اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی ملکیت ہے اور دائمی اطاعت صرف اسی کے لیے ہے تو کیا تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟ (۵۲) اور تمہیں جو بھی نعمت حاصل ہو وہ اللہ کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو تم اس کے حضور زاری کرتے ہو۔☆ (۵۳) پھر جب اللہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے

زمین میں دھنس سکتے ہیں، غیر متوقع جگہ سے عذاب آ سکتا ہے، جیسا کہ جنگ بدر میں بالکل غیر متوقع جگہ سے ان پر عذاب آیا۔ یا کسی تجارت وغیرہ کے سفر میں جاتے آتے ہوئے عذاب آ سکتا ہے کچھ نہ ہوا اور اللہ نے شفقت و رحمت سے کام لیا تو خوف و ہراس میں مبتلا کیا جا سکتا ہے۔ دوسری تشریح کے مطابق اللہ نے اگر رحم کیا تو مال و دولت کو گھٹا کر تم کو کم سے کم سزا دے سکتا ہے۔

۴۹۔ دَآبَّۃٍ رینگنے اور چلنے والے جانداروں کو کہتے ہیں۔ آیت سے معلوم ہوا کہ آسمانوں میں فرشتوں کے علاوہ چلنے والے جاندار ہیں، جو اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ یہ مخلوق فرشتوں کے علاوہ اس لیے ہے کہ فرشتوں کا الگ ذکر ہوا ہے۔ یہ چلنے والی مخلوق اور فرشتے اللہ کے لیے سجدہ کرنے سے تکبر نہیں کرتے اور اپنے رب کا خوف دل میں رکھتے ہیں۔

۵۰۔ مِّنْ فَوْقِهِمْ یعنی وہ رب جو ان پر فوقیت اور بالادستی رکھتا ہے۔ اس جگہ غیر امامیہ علمائے سلف کا یہ مؤقف رہا ہے کہ اللہ کے لیے مکان ہے۔ وہ اس آیت سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کے لیے بالانشینی ثابت ہے۔ چنانچہ علامہ شام قاسمی نے محاسن التاویل میں، علامہ ذہبی نے کتاب العلو میں، ابن قیم نے الجیوش الاسلامیۃ میں اور حکیم ابن رشد نے مناهج الدولۃ میں طویل بحث کی ہے اور سب کی رائے سے ثابت کیا ہے کہ اللہ اوپر ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل مقدمہ میں مذکور ہے۔

۵۳۔ ۵۴۔ بیرونی عوامل سے انسان اپنے فطری تقاضوں سے انحراف کرتا ہے۔ مثلاً علم دوستی، جمالیات پرستی اور احسان کرنے کا جذبہ بالاتفاق

إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ۙ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ

ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔☆ ﴿۵۵﴾ اس طرح وہ ان نعمتوں کی ناشکری کرنا چاہتے ہیں جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں سو ابھی تم مزے کر لو، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ ﴿۵۶﴾ اور یہ لوگ ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے ان کے لیے حصے مقرر کرتے ہیں جنہیں یہ جانتے بوجھتے تک نہیں، اللہ کی قسم اس افترا کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔☆ ﴿۵۷﴾ اور انہوں نے اللہ کے لیے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں جس سے وہ پاک و منزہ ہے اور (یہ لوگ) اپنے لیے وہ (اختیار کرتے ہیں) جو یہ خود پسند کرتے ہیں (یعنی لڑکے)۔☆ ﴿۵۸﴾ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو مارے غصے کے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے۔☆ ﴿۵۹﴾ اس بری خبر کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کیا اسے ذلت کے ساتھ زندہ رہنے دے یا اسے زیر خاک دبا دے؟ دیکھو! کتنا برا فیصلہ ہے جو یہ کر رہے ہیں؟ ☆ ﴿۶۰﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لیے بری صفات ہیں اور اللہ کے لیے تو اعلیٰ صفات ہیں

---

انسان کے فطری امور ہیں، اس کے باوجود برے ماحول اور بری تربیت کی وجہ سے انسان ان فطری تقاضوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح خدا پرستی بھی انسانی فطرت میں رچی بسی ہوئی ہے، لیکن بیرونی عوامل کی وجہ سے وہ اس فطری تقاضے سے منحرف ہو جاتا ہے۔ جب انسان کسی مشکل میں مبتلا ہو جاتا ہے، بیرونی عوامل کا دباؤ ہٹ جاتا ہے اور انسان اپنی فطرت سلیم کے ساتھ سرگوشی کرنے لگتا ہے تو فطرت بنیادی طور پر اپنے خالق سے مانوس ہے، اسے فوراً پکارتا ہے اور صرف اسی سے لو لگاتا ہے۔ جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر بیرونی عوامل کے دباؤ میں آتا ہے اور دیگر مشرکین کی طرح یہ بھی اللہ کو بھول جاتا ہے اور شرک کرنے لگتا ہے۔

۵۶۔ وہ ایسی چیزوں کے لیے نیاز و بھینٹ چڑھاتے ہیں جن کے بارے میں انہیں کوئی علم حاصل نہیں ہے کہ ان چیزوں کو بھی خدائی امور میں مداخلت کا حق ہے یا ان چیزوں کا اللہ کی سلطنت میں حصہ اور شراکت ہے، بلکہ اپنے ظن و تخمین کے مطابق ان بتوں کے سامنے اپنے نذرانے پیش کرتے ہیں۔

۵۷ تا ۵۹۔ عرب جاہلیت کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور جب اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے تو کہتے تھے: الحقوا البنات بالبنات۔ ان بیٹیوں کو ان بیٹیوں سے ملا دو۔ خود مشرکین لڑکیوں کو عار و ننگ تصور کرتے تھے اور انہیں اقتصادی طور پر بھی بوجھ تصور کرتے اور قحط کے خوف سے مار ڈالتے تھے۔ اس ماحول میں مبعوث ہونے والے رسول ﷺ اپنی بیٹی کو اپنے وجود کا ٹکڑا اقرار دیتے ہیں: اِنَّ فَاطِمَةَ بَضۡعَةٌ مِنِّی۔ (وسائل الشیعۃ ۲۰: ۶۷)

۶۰۔ ایمان بالآخرہ وہ محرک ہے جو انسان کو برے

الْاَعْلٰی ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۶۰ وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۶۱ وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ وَ تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰی ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝۶۲ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِیُّهُمُ الْیَوْمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۶۳ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا

اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ (۶۱) اور اگر لوگوں کے ظلم کی وجہ سے اللہ ان کا مواخذہ کرتا تو روئے زمین پر کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا، لیکن اللہ انہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے پس جب ان کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو وہ نہ گھڑی بھر کے لیے پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔☆ (۶۲) اور یہ لوگ وہ چیزیں اللہ کے لیے قرار دیتے ہیں جو خود (اپنے لیے) پسند نہیں کرتے اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے جب کہ ان کے لیے یقیناً جہنم کی آگ ہے اور یہ لوگ سب سے پہلے پہنچائے جائیں گے۔☆ (۶۳) اللہ کی قسم! آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف ہم نے (رسولوں کو) بھیجا لیکن شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر کے دکھائے پس آج وہی ان لوگوں کا سرپرست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۶۴) اور ہم نے صرف اس لیے آپ پر کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ وہ

اعمال سے روکتا ہے اور نیک اعمال کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ عقاب و ثواب پر ایمان سے انسان اپنی زندگی کو اچھے اعمال سے سدھارتا ہے اور اس دنیا میں جتنے جرائم اور مظالم موجود ہیں وہ ایمان بالآخرہ نہ ہونے یا اس پر ایمان کمزور ہونے کی وجہ سے ہیں۔

۶۱۔ کرۂ زمین میں کون سا خطہ ہے جہاں پر ہر گھڑی بدترین جرائم کا ارتکاب نہ ہوتا ہو؟ انسانیت کا خون نہ ہوتا ہو؟ عصمتیں نہ لٹتی ہوں اور احکام الٰہی اور انسانی قدریں پامال نہ ہوتی ہوں۔ ان جرائم کا فوری مؤاخذہ کیا جاتا تو کوئی ظالم نہ بچتا۔ ظالموں کے نہ ہونے کے باعث مظلوم بھی نہ ہوتے، انصاف کی بھی ضرورت نہ ہوتی، ہدایت کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ نتیجۃً زمین کی پشت پر کوئی زندہ نہ رہتا، اگر دَآبَّۃٍ سے مراد انسان لیا جائے اور اگر دَآبَّۃٍ سے مراد تمام جاندار لیے جائیں تو کہا جا سکتا ہے کہ تمام حیوانات انسان کے لیے مسخر تھے۔ جب انسان نہیں تو حیوان کا وجود بھی بے معنی ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان تمام جرائم کے۔ باوجود اپنی حکمت کے مطابق ان کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دیتا ہے۔ یہ مہلت توبہ کرنے والوں کے لیے رحمت اور مجرموں کے لیے مزید عقوبت کا موجب ہے۔ اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے: کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑنے سے مراد ظالم ہے۔ یعنی کسی ظالم کو نہ چھوڑتا۔ اس سے یہ سوال ختم ہوا کہ دابۃ میں تو بے گناہ بھی شامل ہیں، ان کو کس جرم میں ختم کیا جاتا۔

۶۲۔ بیٹیاں جو خود انہیں ناپسند ہیں وہ اللہ کے لیے قرار دیتے ہیں اور اللہ کی ذات کے خلاف نہایت گستاخی اور جسارت کرتے ہیں پھر ساتھ یہ جھوٹ بھی زبانوں پر لاتے ہیں کہ اگر محمد ﷺ سچے ہیں اور آخرت بھی موجود ہے تو جنت ہمارے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کے جواب میں فرمایا

فِيهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ

باتیں ان کے لیے واضح طور پر بیان کریں جن میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ثابت ہوں۔☆ ﴿۶۵﴾ اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو زندہ کیا اس کے مردہ ہونے کے بعد، سننے والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانی ہے۔☆ ﴿۶۶﴾ اور تمہارے لیے مویشیوں میں یقیناً ایک سبق ہے، ان کے شکم میں موجود گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔☆ ﴿۶۷﴾ اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم نشے کی چیزیں بناتے ہو اور پاک رزق بھی بنا لیتے ہو، عقل سے کام لینے والوں کے لیے اس میں ایک نشانی ہے۔☆ ﴿۶۸﴾ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی پر وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں گھر (چھتے) بنائے۔☆ ﴿۶۹﴾ پھر ہر (قسم کے) پھل (کا رس) چوس لے اور اپنے رب کی طرف سے تسخیر کردہ راہوں پر

---

یہ لوگ جہنم کی طرف سب سے پہلے پہنچائے جائیں گے۔

۶۴۔ جو لوگ حقیقت امر سے ناواقف ہوتے ہیں وہ اختلاف کرتے ہیں اور اس اختلاف کو صرف وہ شخص ختم کر سکتا ہے جو حقیقت امر سے واقف ہو۔ حقیقت اور امر واقع کے بیان کے بعد جو لوگ اس بیان پر ایمان لاتے ہیں، ان کے لیے یہ بیان ہدایت اور رحمت بن جاتا ہے۔

۶۵۔ ایک زمین کئی سالوں کی خشک سالی سے بنجر ہو گئی ہے اور اس میں دراڑیں پڑ گئیں اور زندگی کے آثار مٹ گئے۔ لیکن جب دو تین بار بارشیں ہوتی ہیں تو زندگی کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اور سرسبز کھیتیاں لہرانے لگتی ہیں۔ زمین پر حشرات اور فضا میں پرندوں کی چہل پہل ہوتی ہے۔ حیات بعد الموت کا یہ نظارہ ہمیشہ ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ اس میں گوش شنوار کھنے والوں کے لیے معاد جسمانی پر ایک واضح نشانی ہے کیونکہ نباتات و حیوانات حیاتیاتی رشتہ میں دونوں برادر ہیں، جو صرف شکل و اثر میں باہم مختلف ہیں۔

۶۶۔ جانور کی اوجھڑی کے اندر جو کچھ ہوتا ہے اسے فرث کہتے ہیں۔ آج کے ماہرین کے مطابق بھی دودھ کی یہی ترکیب ہے۔ دودھ نہ صاف شدہ خون ہے نہ ہضم شدہ غذا، بلکہ فرث سے بالاتر اور خون سے نیچے کی ایک چیز ہے۔

۶۷۔ یہاں مسکر کا ذکر رزق حسن کے مقابلے میں آنے کی وجہ سے اس کا ناپاک ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

۶۸۔ ۶۹۔ i۔ مکھیوں کا گھر (چھتا) معماری کا ایک حیرت انگیز شاہکار ہے، کیونکہ مسدس شکل میں کوئی کونہ بیکار نہیں جاتا ii۔ پھولوں کی جڑوں میں موجود شکر کا خاص مادہ چوستی ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ اس سے پھلوں پر بہت ہی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں iii۔ غذا کی تلاش میں نکلنے والی مکھی کو غذا کا ذخیرہ

رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۛ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾ ع

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ

چلتی جائے، ان مکھیوں کے شکم سے مختلف رنگوں کا مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں ایک نشانی ہے۔☆ ﴿۷۰﴾ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی نکمی ترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ وہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے، اللہ یقیناً بڑا جاننے والا، قدرت والا ہے۔☆

﴿۷۱﴾ اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، پھر جنہیں فضیلت دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو دینے والے نہیں ہیں کہ دونوں اس رزق میں برابر ہو جائیں، کیا (پھر بھی) یہ لوگ اللہ کی نعمت سے انکار کرتے ہیں؟☆ ﴿۷۲﴾ اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور اس نے تمہاری ان بیویوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کیے اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں تو کیا۔ یہ لوگ باطل پر ایمان لائیں گے اور اللہ کی نعمت کا

کہیں نظر آئے تو چھتے میں واپس آتی ہے اور ایک خاص قسم کے رقص کے ذریعہ دائرہ بناتی ہے اور اس دائرے کو مخصوص زاویے سے کاٹتی ہے جس سے دوسری مکھیوں کو پتہ چلتا ہے کہ غذا کس سمت میں اور کتنے فاصلہ پر ہے۔ iv۔ انسانی آنکھ میں دو عدسے ہوتے ہیں، جبکہ شہد کی مکھی کی ہر آنکھ میں چھ ہزار عدسے ہوتے ہیں، جن کی مدد سے وہ باریک سے باریک جراثیم اور گرد وغبار کو دیکھ سکتی ہے۔ یہ ہیں وہ راہیں جو اللہ نے ان کے لیے تسخیر کی ہیں۔ v۔ اگر کوئی مکھی گندگی پر بیٹھ چکی ہو تو دربان اسے چھتے کے باہر روک دیتا ہے اور ملکہ اس کو قتل کر دیتی ہے۔ قدرت نے ان مکھیوں کو مختلف مواد کا تجزیہ کرنے کی ایسی صلاحیت دے رکھی ہے کہ انسان بڑی بڑی لیبارٹریوں میں ہی ایسا کر سکتے ہیں۔ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔

۷۰۔ انسان کی بے بسی اس بات کی علامت ہے کہ کسی طاقت کے ہاتھ میں اس کی باگ ڈور ہے۔ چنانچہ وہی انسان کو خلق فرماتا ہے، وہی مارتا ہے اور وہ انسان جو علم کی وجہ سے دوسروں پر برتری رکھتا ہے، اس پر پیرانہ سالی کا ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ جسمانی اور دماغی طاقت سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جسے اپنے علم وہنر پر ناز تھا، آج بڑھاپے کی وجہ سے اسے اپنی ناک کی چھینک کا بھی علم نہیں ہوتا کہ اسے صاف کرے۔ حقیقی علم وقدرت کا مالک اللہ ہے۔ دوسروں میں جو جزئی علم وقدرت ہوتی ہے وہ اللہ کی عطا کردہ اور عارضی ہے۔

۷۱۔ تم آقا اور غلام کے درمیان لحاظ مراتب کے پابند ہو۔ تم اپنے غلاموں اور نوکروں کو اتنا مال واختیار نہیں دیتے ہو کہ وہ تمہارے برابر ہو جائیں۔ پس یہ بات جو تم خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے ہو اللہ

اَفَبِالۡبَاطِلِ یُؤۡمِنُوۡنَ وَ بِنِعۡمَتِ اللّٰہِ ہُمۡ یَکۡفُرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ۙ وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمۡلِکُ لَہُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ﴿۷۳﴾ۚ فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ الۡاَمۡثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبۡدًا مَّمۡلُوۡکًا لَّا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ وَّ مَنۡ رَّزَقۡنٰہُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَہُوَ یُنۡفِقُ مِنۡہُ سِرًّا وَّ جَہۡرًا ؕ ہَلۡ یَسۡتَوٗنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیۡنِ اَحَدُہُمَاۤ اَبۡکَمُ لَا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ وَّ ہُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوۡلٰىہُ ۙ اَیۡنَمَا یُوَجِّہۡہُّ لَا یَاۡتِ بِخَیۡرٍ ؕ

انکار کریں گے؟☆ ﴿۷۳﴾ اور اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ ایسوں کی پوجا کرتے ہیں جنہیں نہ آسمانوں سے کوئی رزق دینے کا اختیار ہے اور نہ زمین سے اور نہ ہی وہ اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔☆ ﴿۷۴﴾ پس اللہ کے لیے مثالیں نہ دیا کرو، (ان چیزوں کو) یقیناً اللہ بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔☆ ﴿۷۵﴾ اللہ ایک غلام کی مثال بیان فرماتا ہے جو دوسرے کا مملوک ہے اور خود کسی چیز پر قادر نہیں اور دوسرا (وہ شخص) جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دے رکھا ہے پس وہ اس رزق میں سے پوشیدہ و علانیہ طور پر خرچ کرتا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ثنائے کامل اللہ کے لیے ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿۷۶﴾ اور اللہ دو (اور) مردوں کی مثال دیتا ہے، ان میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر بھی قادر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے، وہ اسے جہاں بھی بھیجے کوئی بھلائی نہیں لاتا، کیا یہ اس شخص کے برابر

کے لیے کیسے پسند کرتے ہو۔

۷۲۔ اللہ تمہیں ازواج اور اولاد جیسی نعمتیں عطا فرماتا ہے اور پاکیزہ ارزاق کی فراوانی کرتا ہے اور تم ایسی چیزوں پر ایمان رکھتے ہو جو باطل ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں سے اولاد مانگتے ہو، حاجات کی برآوری چاہتے ہو جو بے بنیاد اور بے حقیقت اوہام کے سوا کچھ نہیں ہیں اور جس کے ہاتھ میں یہ سب کچھ ہے اس کے دروازے پر دستک نہیں دیتے۔

۷۳۔ یہ لوگ حقیقی رازق کو چھوڑ کر ایسے بے شعور بتوں کی پرستش کرتے ہیں جن میں سرے سے رزق دینے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ دنیا کے بادشاہوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جنہیں وسیلہ بنایا جاتا ہے ان میں شعور ہوتا ہے۔ اگر دنیا کے بادشاہوں تک رسائی کے لیے پتھر کے بت دروازوں پر نصب کیے جائیں تو یہ ایک مضحکہ ہوگا۔

۷۴۔۷۵ یعنی اللہ کے لیے اپنے محسوسات کی روشنی میں مثالیں نہ دیا کرو اور یہ مت کہو کہ اللہ کی بیٹیاں اور بیٹے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنے کے لیے بتوں کا وسیلہ اختیار کرنا پڑتا ہے، تم صفات خدا کو نہیں جانتے ہو۔ اس باب میں صحیح مثال یہ ہے کہ مملوک اور مالک برابر نہیں ہوتے، مملوک بے بس ہوتا ہے اور مالک صاحب اختیار ہوتا ہے۔ جب ایک مجازی مالک اور مملوک برابر نہیں ہو سکتے تو حقیقی مالک اور مملوک کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

۷۶۔ اس آیت میں اس بات کی مزید وضاحت ہے کہ اللہ اور ان کے خود ساختہ معبودوں کے درمیان فرق یہ بھی ہے کہ ایک غلام جو اپنی زندگی کا بوجھ بھی خود نہیں اٹھا سکتا، نہ کسی کی بات سن سکتا ہے، نہ خود

هَلۡ يَسۡتَوِيۡ هُوَ ۙ وَمَنۡ يَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾ ع وَ لِلّٰهِ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَـكُمۡ مِّنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَـكُمۡ مِّنۡ جُلُوۡدِ

ہوسکتا ہے جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود صراط مستقیم پر قائم ہے؟☆ ﴿۷۷﴾ اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ کے لیے (خاص) ہے اور قیامت کا معاملہ تو ایسا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی قریب تر، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔☆

﴿۷۸﴾ اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے کہ شاید تم شکر کرو۔☆

﴿۷۹﴾ کیا انہوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو فضائے آسمان میں مسخر ہیں؟ اللہ کے سوا انہیں کسی نے تھام نہیں رکھا، ایمان والوں کے لیے یقیناً ان میں نشانیاں ہیں☆

﴿۸۰﴾ اور اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے سکون کی جگہ بنایا ہے اور اس نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لیے ایسے گھر بنائے جنہیں تم سفر کے دن اور حضر کے دن ہلکا محسوس کرتے ہو اور ان (جانوروں مثلاً بھیڑ) کی اون اور

بات کر سکتا ہے، نہ ہی کسی قسم کے کام میں آتا ہے، جبکہ اس کا آقا خود بھی راہ راست پر ہے اور دوسروں کو عدل و انصاف کی دعوت دیتا ہے، جب ایک غلام جو ہر اعتبار سے بے بس اور بے سود ہے، اس آقا کے برابر نہیں ہو سکتا جو معاشرے کے لیے رہنما کی حیثیت رکھتا ہے تو اللہ اور یہ جامد بے حس پتھر کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

۷۷۔ قیامت پر اللہ کی مالکانہ گرفت ہے۔ اس کے آنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔ صرف ارادے کی دیر ہے، جب اللہ کا ارادہ ہوگا، چشم زدن یا اس سے بھی کم وقت میں قیامت برپا ہوگی۔

۷۸۔ تمام جانداروں میں انسان کا بچہ زیادہ بے بس اور بے خبر ہوتا ہے۔ بے بس اتنا کہ اپنا سر اپنی گردن پر بھی نہیں سنبھال سکتا اور بے خبر بھی اتنا کہ ایک عرصہ تک اپنی ماں کو بھی نہیں پہچان سکتا، لیکن اس کے باوجود انسان اس قدر ارتقا پذیر ہے کہ یہی بے بس اور بے خبر انسان تمام حیوانات کو تسخیر کرتا ہے۔

۷۹۔ اس فضائے بیکراں میں معلق پرندے بھی اللہ کی نشانیاں ہیں، اگرچہ اس کرۂ ارض کو فضا میں معلق رکھنا اور اس کی پشت پر موجودات کو ٹھہرانا خود اپنی جگہ اللہ کی قابل توجہ نشانیاں ہیں، تاہم اس کرے کی فضا میں پرندوں کا معلق نظر آنا زیادہ محسوس نشانی ہے کہ کشش ثقل کے باوجود ہوا میں محو پرواز پرندوں کو اللہ ہی نے اپنے نظام فطرت کے تحت تھام رکھا ہے۔

۸۰۔ گھر سکون اور امن و حفاظت کی جگہ ہے، اسلام گھر کی چار دیواری کو تقدس اور تحفظ دیتا ہے کہ بلا اجازت گھر میں داخل ہونا، گھر کا تجسس کرنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ جنگ میں بھی کسی کے گھر کے

الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ
ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا
وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا
اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ
ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا
وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ
وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾
يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا
وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع وَيَوْمَ نَبْعَثُ
مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ
لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

(اونٹ کی) پشم اور (بکرے کے) بالوں سے گھر کا سامان اور ایک مدت تک کے لیے (تمہارے) استعمال کی چیزیں بنائیں۔☆ ﴿۸۰﴾ اور اللہ نے تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سائے بنائے اور پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں اور تمہارے لیے ایسی پوشاکیں بنائیں جو تمہیں گرمی سے بچائیں اور ایسی پوشاکیں جو تمہیں جنگ سے بچائیں، اس طرح اللہ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے شاید تم فرمانبردار بن جاؤ۔☆ ﴿۸۱﴾ پھر اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو (اے رسول) آپ کی ذمے داری تو صرف واضح انداز میں تبلیغ کرنا ہے۔ ﴿۸۲﴾ یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچان لیتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر تو کافر ہیں۔ ﴿۸۳﴾ اور اس روز ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے پھر کافروں کو نہ تو اجازت دی جائے گی اور نہ ہی ان سے اپنے عتاب کو دور کرنے کے لیے کہا جائے

اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی حکومت یا فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی گھر کے مکینوں کے امن و سکون کے خلاف قدم اٹھائے۔

۸۱۔ غروب آفتاب کے بعد خود زمین کا سایہ، درخت پہاڑ دیواروں کے سائے انسانی زندگی کے لیے نہایت ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں کہ اگر یہ سائے نہ ہوتے تو تپتی زمین پر زندگی کا باقی رہنا ممکن نہ ہوتا۔ گرم ترین علاقوں میں مسافر کے لیے گرمی سے بچنے کے لیے غار بہترین جگہ ہے۔ پوشاکوں کے بارے میں گرمی سے بچانے کا ذکر کیا۔ سردی سے بچانے کا ذکر ممکن ہے اس لیے نہ کیا ہو کہ جو لباس انسان کو گرمی سے بچاتا ہے وہی سردی سے بھی بچاتا ہے۔ آپس کی جنگوں میں انسان کو تحفظ دینے والی پوشاک سے مراد زرہ ہے۔ اتمام نعمت کے بارے میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ضرورت کے لیے کسی چیز میں کمی نہیں چھوڑی ہے۔ انسانی تحفظ کے لیے مکان، سایہ، لباس، غار، زرہ وغیرہ فراہم فرمائے۔ یعنی اس پہلو میں اللہ نے نعمت پوری فرمائی۔ اس طرح انسانی ضرورت اور خواہش کے دیگر پہلوؤں میں کوئی نقص نہیں چھوڑا۔

۸۵۔ مشاہدۂ عذاب کا مرحلہ آنے سے پہلے، یعنی دنیا میں تو اس بات کی گنجائش ہے کہ عذاب میں تخفیف ہو یا مہلت مل جائے۔ لیکن جب اللہ کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہوگا اور عذاب کے مشاہدے کی نوبت آ گئی ہو گی تو پھر نہ تخفیف ہو سکتی ہے، نہ ہی مہلت مل سکتی ہے۔ اسی سورہ کی آیت ۲۹ میں اس بات کا ذکر

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا
رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا
رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا
نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ
الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى
اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ
الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ
نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ
اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى
هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا

گا۔ ﴿۸۵﴾ اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے تو نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔☆ ﴿۸۶﴾ اور جنہوں نے شرک کیا ہے جب وہ اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے: اے ہمارے رب! یہ ہمارے وہی شریک ہیں جنہیں ہم تیرے بجائے پکارتے تھے تو وہ (شرکاء) اس بات کو مسترد کر دیں گے (اور کہیں گے) بے شک تم جھوٹے ہو۔ ﴿۸۷﴾ اور اس دن وہ اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیں گے اور ان کی افترا پردازیاں ناپید ہو جائیں گی۔ ﴿۸۸﴾ جنہوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) راہ خدا سے روکا ان کے لیے ہم عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے اس فساد کے عوض جو یہ پھیلاتے رہے۔☆ ﴿۸۹﴾ اور (انہیں اس دن سے آگاہ کیجیے) جس روز ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ خود انہی میں سے اٹھائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لے آئیں گے اور ہم نے آپ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان

آ گیا کہ مشاہدۂ عذاب کا مرحلہ جان کنی کے وقت آ جاتا ہے۔

۸۸۔ وہ کافر جو کفر اختیار کرنے کے ساتھ دوسروں کو راہ خدا سے روکتے بھی تھے، دوہرے جرم کے مرتکب ہیں۔ ایک کفر اور دوسرا دوسروں کو روکنا۔ اسی اعتبار سے ان کا عذاب بھی دوگنا ہوگا۔

۸۹۔ اللہ اپنی قدرت کاملہ کے باوجود اصول و ضوابط کے مطابق گواہ پیش فرماتا ہے۔ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ سے مراد ہر جماعت اور ہر صدی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۳ کے مطابق رسول اکرم ﷺ گواہوں پر گواہ ہیں۔ اس لیے ہم اس آیت سے بھی یہی سمجھیں گے کہ هٰٓؤُلَآءِ کا اشارہ گواہوں کی طرف ہے۔ اس طرح آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ خود انہیں میں سے اٹھائیں گے اور آپ ﷺ کو ان (گواہوں) پر گواہ بنا کر لے آئیں گے اور سورہ زمر کی آیت ۶۹ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبروں کے علاوہ بھی گواہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا کوئی عصر گواہ اور حجت سے خالی نہ ہوگا۔ اس شاهد میں دو باتوں کا ہونا ضروری ہے: ایک یہ کہ وہ خطا نہ کرتا ہو، ورنہ بقول رازی: "اس کے لیے بھی گواہ کی ضرورت ہوگی اور اس کا سلسلہ کہیں بھی نہ رکے گا، لہٰذا ہر زمانے میں ایسے افراد موجود ہونے چاہئیں جن کی گفتار حجت ہو۔" (تفسیر فخر الدین رازی ۳۰: ۹۸) فخر الدین رازی نے امت کو معصوم از خطا اور شاہد قرار دے کر اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ جواب اس لیے درست نہیں کہ اجماع امت اعمال امت پر ناظر کیسے ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں آیت کی ترکیب یہ بنتی ہے: و یوم نبعث فی کل امة اجماعها۔ اجماع قابل بعثت نہیں ہے، لہٰذا تسلیم

لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ

کرنے والی اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت بنا کر نازل کی ہے۔☆ ﴿۹۰﴾ یقینا اللہ عدل اور احسان اور قرابتداروں کو (ان کا حق) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے شاید تم نصیحت قبول کرو۔☆ ﴿۹۱﴾ اور جب تم عہد کرو تو اللہ سے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنا ضامن بنا چکے ہو، جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ اسے جانتا ہے۔ ﴿۹۲﴾ اور تم اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے پوری طاقت سے سوت کاتنے کے بعد اسے تار تار کر ڈالا، تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا ذریعہ بناتے ہو تاکہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ جائے، اس بات کے ذریعے اللہ یقیناً تمہیں آزماتا ہے اور قیامت کے دن تمہیں وہ بات کھول کر ضرور بتا دے گا جس میں تم اختلاف

---

کرنا پڑے گا کہ ہر امت میں ایسی ہستیاں موجود رہتی ہیں جو معصوم ہیں اور اعمال امت پر ناظر ہیں۔

۹۰۔ عدل کے بارے میں سورۂ مائدہ آیت ۸ میں تشریح ملاحظہ فرمائیں۔ اس آیت میں جہاں عدل و انصاف کا حکم ہے وہاں احسان کا بھی حکم ہے۔ عدل یہ ہے کہ کسی نے آپ پر ظلم کیا ہے تو اس کا بدلہ لیں۔ احسان یہ ہے کہ معذرت کرنے کی صورت میں اس کو معاف کر دیں۔ عدل یہ ہے کہ مقروض سے قرض وصول کریں، جبکہ احسان یہ ہے کہ مقروض کے نادار ہونے کی صورت میں اسے معاف کر دیں۔ عدل سے معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے تو احسان سے حلاوت اور شیرینی پیدا ہوتی ہے۔ ظلم کے مارے لوگوں کو جہاں عدل کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں حالات و گردش ایام کے مارے لوگوں کو احسان کی ضرورت ہے۔

۹۲۔ کوئی قوم کسی دوسری قوم سے ایک معاہدہ کرتی ہے تو اس معاہدے کی پابندی کرنا ایک انسانی و اخلاقی فریضہ ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے، خواہ دوسرا فریق مسلم ہو یا غیر مسلم، ہدایت یافتہ ہو یا گمراہ۔ وفائے عہد چونکہ ایک انسانی مسئلہ ہے، لہٰذا فریق مخالف کو نہیں دیکھا جاتا کہ وہ کون ہے، بلکہ معاہدہ دیکھا جاتا ہے کہ کیا ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو اپنے حریف کو گمراہ خیال کر کے اس کے ساتھ عہد شکنی، کذب و افترا اور بہتان تراشی کرتے ہیں۔ یہاں مسئلہ یہ ہے کہ کوئی فریق حق پر ہی ہو اور اس کا فریق مقابل باطل ہی ہو تو بھی عہد شکنی، مکر و فریب کرنا ایسا جرم ہے جس

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ
دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ
تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا
بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾ مَا
عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ
لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

کرتے رہے۔☆ ﴿۹۲﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی
امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے
چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کے
بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔☆ ﴿۹۳﴾ اور تم اپنی
قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناؤ کہ قدم جم جانے
کے بعد اکھڑ جائیں اور راہ خدا سے روکنے کی پاداش میں
تمہیں عذاب چکھنا پڑے اور (ایسا کیا تو) تمہارے لیے
بڑا عذاب ہے۔☆ ﴿۹۴﴾ اور اللہ کے عہد کو تم قلیل معاوضے
میں نہ بیچو، اگر تم جان لو تو تمہارے لیے صرف وہی بہتر ہے
جو اللہ کے پاس ہے۔ ﴿۹۵﴾ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم
ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے
اور جن لوگوں نے صبر کیا ہے ان کے بہترین اعمال کی جزا
میں ہم انہیں اجر ضرور دیں گے۔☆ ﴿۹۶﴾ جو نیک عمل کرے
خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ

کے بارے میں بروز قیامت سوال ہوگا اور الٰہی امتحان میں ناکام ثابت ہوگا۔

۹۳۔ اپنے مذہب کا پرچار کرنے والوں سے خطاب ہے کہ اگر دوسرے مذاہب کو طاقت کے ذریعے مٹا کر لوگوں کو ایک ہی مذہب پر لانا مقصود ہوتا تو یہ کام اللہ کے لیے نہایت آسان تھا۔ اس کے لیے اللہ کو ایسے ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرنے والے نادانوں سے مدد لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے ایک ایسا غیر جبری نظام قائم فرمایا ہے کہ جس کے تحت کچھ لوگ اپنے اختیار سے ضلالت کی طرف جاتے ہیں تو اللہ طاقت کے ذریعے نہیں روکتا، انہیں جانے دیتا ہے۔ اسی مطلب کو اللہ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ، جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، کی تعبیر سے بیان فرماتا ہے۔ واضح رہے کہ ناجائز ذرائع سے حق کا پرچار کرنا خود اپنی جگہ حق کی پامالی ہے۔ جب عہد شکنی اور مکر و فریب، بہتان تراشی جیسی باطل اور غیر انسانی اقدار کا ارتکاب کیا جاتا ہے تو حق کس قدر کا نام ہے جسے یہ نادان زندہ کرنا چاہتا ہے۔

۹۴۔ یعنی تمہاری بدعہدی دیکھ کر لوگ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں گے جس کی ذمہ داری تم پر عائد ہو گی۔ چنانچہ بعض نومسلم افراد نے کہا ہے: اللہ کا شکر ہے کہ میں مسلمانوں سے متعارف ہونے سے پہلے اسلام سے آشنا ہوا ہوں، ورنہ مسلمانوں کے کردار دیکھ کر اسلام سے متنفر ہو جاتا۔

۹۶۔ عہد الٰہی کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی چیز بھی قلیل معاوضہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز فنا پذیر اور وقتی ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ دائمی اور غیر فانی ہے اور ان فنا پذیر چیزوں کو دوام بخشنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ انہیں عند اللہ موجود خزانے میں پس انداز کیا جائے۔

اللہ کی اطاعت کے لیے بالعموم اور ایفائے عہد کے لیے بالخصوص صبر کی ضرورت ہے اور صبر سے عمل کی

فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيۡسَ لَهٗ سُلۡطٰنٌ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلۡطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يَتَوَلَّوۡنَهٗ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِهٖ مُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۳ وَاِذَا بَدَّلۡنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُفۡتَرٍ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلۡ نَزَّلَهٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ

زندگی ضرور عطا کریں گے اور ان کے بہترین اعمال کی جزا میں ہم انہیں اجر (بھی) ضرور دیں گے۔☆ ﴿۹۸﴾ پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو راندہ درگاہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔☆ ﴿۹۹﴾ شیطان کو یقینا ان لوگوں پر کوئی بالادستی حاصل نہ ہوگی جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ ﴿۱۰۰﴾ اس کی بالادستی تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اسے اپنا سرپرست بناتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔☆ ﴿۱۰۱﴾ اور جب ہم ایک آیت کو کسی اور آیت سے بدلتے ہیں تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ کیا نازل کرے، یہ لوگ کہتے ہیں: تم تو بس خود ہی گھڑ لاتے ہو، درحقیقت ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔☆ ﴿۱۰۲﴾ کہہ دیجیے: اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے برحق نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کو ثابت (قدم) رکھے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت (ثابت) ہو۔☆ ﴿۱۰۳﴾ اور بتحقیق ہمیں علم ہے کہ یہ

---

قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے صبر کرنے والوں کے عمل کو احسن قرار دیا ہے۔

۹۷۔ جی ہاں! قبول عمل کے لیے مؤمن ہونا شرط ہے: وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ (مائدۃ: ۵) "جو ایمان کا منکر ہے اس کا عمل رائیگاں جاتا ہے" کیونکہ عمل کا اچھا ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ عمل کنندہ کا حسن ایمانی بھی شرط ہے۔ ایمان سے عمل کی قدر و قیمت بنتی ہے، نیک کردار مومن کو پاکیزہ زندگی میسر آتی ہے، چنانچہ غریب پرور انسان کو مساکین کی دادرسی میں جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ غریبوں کا خون چوسنے والوں کو کبھی نصیب نہیں ہوتی۔

۹۸۔ توجہ رکھنی چاہیے کہ تلاوت قرآن کے وقت شیطان انسان کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ درآمد شدہ نظریات سے متصادم ہے، جدید تجرباتی علوم سائنس سے ہم آہنگ نہیں ہے وغیرہ۔

۱۰۰۔ اللہ کی پناہ میں وہ شخص جائے گا جس پر شیطان کی بالادستی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مؤمن ہے اور اللہ پر توکل کرتا ہے، یعنی اللہ کی پناہ میں جاتا ہے اور جو ایمان اور توکل رکھتا ہے، وہ شیطان پر بھروسا نہیں کرے گا۔ شیطان کا زور ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کی بالادستی اور سرپرستی کو قبول کریں اور شیطان کی سرپرستی میں آنے والے مؤمن نہیں مشرک ہوتے ہیں۔

۱۰۱۔ آیت سے یہاں آیات الاحکام مراد ہیں۔ وقتی مصلحت ختم ہونے پر بعض احکام اٹھائے جاتے ہیں اسے نسخ کہا جاتا ہے۔

۱۰۲۔ ان نادان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ قرآن کسی انسان کا ساختہ نہیں ہے، بلکہ روح القدس (پاکیزہ فرشتے) نے بتدریج نازل کیا ہے۔ یہاں وحی لانے والے فرشتے جبرئیل کا نام نہیں لیا اور اس امکان کو رد کرنے کے لیے کہ اس سے کوئی غلطی اور فریب کاری صادر ہو سکتی ہے، اسے روح الامین

اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىۡ يُلۡحِدُوۡنَ اِلَيۡهِ اَعۡجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهۡدِيۡهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفۡتَرِى الۡكَذِبَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَـئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ وَلٰـكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡـكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾

لوگ (آپ کے بارے میں) کہتے ہیں: اس شخص کو ایک انسان سکھاتا ہے، حالانکہ جس شخص کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ (قرآن) تو واضح عربی زبان ہے۔ ﴿۱۰۳﴾ جو لوگ اللہ کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے، یقینا اللہ ان کی ہدایت نہیں کرتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ جھوٹ تو صرف وہی لوگ افترا کرتے ہیں جو اللہ کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرے (اس کے لیے سخت عذاب ہے) بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو (تو کوئی حرج نہیں) لیکن جنہوں نے دل کھول کر کفر اختیار کیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔☆ ﴿۱۰۶﴾ یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا ہے اور اللہ کافروں کی

بھی کہتے ہیں۔

احکام بتدریج نازل کرنے اور مصالح عباد کے ساتھ احکام کو تبدیل و تنسیخ کرنے سے اہل ایمان کی ثابت قدمی اور ایمان میں پختگی آ جاتی ہے، کیونکہ احکام کو وقت کے تقاضوں کے مطابق کرنے سے انسان مطمئن ہوتا ہے کہ قانون گزار کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ اگر ایسا قانون بنائے جو وقت کے تقاضوں کے خلاف ہو تو ایمان میں کمزوری آ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ تدریج و تنسیخ سے مسلمان ایک تابناک مستقبل اور ایک عظیم کامیابی کے انتظار میں رہتے ہیں، جو ایک مشن کی کامیابی کے لیے کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔

۱۰۶۔ یہ آیت عمار، صہیب، بلال اور خباب کے بارے میں نازل ہوئی جن کو مکہ میں اذیتیں دی گئیں۔ عمار کے والد یاسر اور والدہ قتل ہو گئے اور عمار نے وہ کچھ کہہ دیا جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ عمار کافر ہو گیا: یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ان عمارا ملیء ایمانا من قرنه الی قدمه و اختلط الایمان بلحمه و دمه۔ یعنی عمار سرتا پا ایمان سے سرشار ہے۔ ایمان اس کے گوشت وخون میں رچا بسا ہوا ہے۔ عمار روتے ہوئے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان عادوا لک فعد لھم اگر وہ پھر ایسا کرے تو تو بھی دوبارہ ایسا کہہ دینا۔ (بحار الانوار ۱۹: ۳۵) تنگ نظر مخالفین کی طرف سے نظریے وعقیدے کی آزادی سلب کرنے کی صورت میں تقیہ کی نوبت آتی ہے، ایسے حالات میں اپنے عقیدے پر قائم رہ کر اپنا بچاؤ کرنا ایک انسانی حق ہے۔ عار و ننگ ان لوگوں کے لیے ہے جو دوسروں کو تقیہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

۱۰۷ تا ۱۰۹۔ تمام قوانین میں بغاوت کی سزا سنگین ہوتی ہے کیونکہ بغاوت ایک سنگین جرم ہے، خصوصاً

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٠﴾ ع يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ

ہدایت نہیں کرتا۔☆ (۱۰۸) یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں۔☆ (۱۰۹) لازماً آخرت میں یہی لوگ خسارے میں رہیں گے۔☆ (۱۱۰) پھر آپ کا رب یقیناً ان لوگوں کے لیے جنہوں نے آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا ان باتوں کے بعد آپ کا رب یقیناً بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔☆ (۱۱۱) اس دن ہر شخص اپنی صفائی کی حجتیں قائم کرتے ہوئے پیش ہوگا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔☆ (۱۱۲) اور اللہ ایسی بستی کی مثال دیتا ہے جو امن سکون سے تھی، ہر طرف سے اس کا وافر رزق اسے پہنچ رہا تھا، پھر اس نے اللہ کی نعمات کی ناشکری شروع کی تو اللہ نے ان کی حرکتوں کی وجہ سے انہیں بھوک اور خوف کا ذائقہ چکھا دیا۔☆ (۱۱۳) اور بتحقیق ان کے پاس خود انہی میں سے ایک

عہد و پیمان کے بعد ہو تو۔ ان آیات میں اسلام سے بغاوت کرنے والوں کے لیے کئی ایک سزاؤں کا ذکر ہے: ۱۔ ان کے لیے عظیم عذاب ہے۔ ۲۔ ان کو اللہ ہدایت سے نہیں نوازتا۔ ۳۔ ان کے دلوں پر اللہ مہر لگا دیتا ہے۔ آیت میں مہر لگانے کا سبب، آخرت کے مقابلے میں ان کی حب دنیا کو قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دنیا پرستی سے انسان کے شعور و ادراک پر پردہ پڑ جاتا ہے۔

۱۱۰۔ سلسلہ کلام ان لوگوں کے بارے میں جاری ہے جو راہ ایمان میں ظلم و ستم سے دوچار ہوئے اور اس جان لیوا آزمائش میں کامیاب ہوئے اور اپنے ایمان پر قائم رہے اور ہجرت اختیار کی۔ ممکن ہے حبشہ کی ہجرت کی طرف اشارہ ہو یا بعد میں رسول اکرم ﷺ کی معیت میں ہونے والی ہجرت کی طرف اشارہ ہو۔ ان تمام مراحل کے بعد یعنی آزمائش میں استقامت، راہ خدا میں مہاجرت، جہاد فی سبیل اللہ اور مشکلات میں صبر اختیار کرے تو اگر کوئی کوتاہی ان سے سرزد ہو جائے تو اللہ بڑا معاف فرمانے والا مہربان ہے۔

۱۱۱۔ بروز قیامت نفسا نفسی کے عالم میں انسان کو صرف اپنے نفس کی فکر لاحق ہوگی اور بارگاہ الٰہی میں حساب کے لیے جب پیش ہوگا اور بداعمالیوں کے بارے میں پوچھا جائے گا تو عذر پیش کرنے اور حیل و حجت میں مصروف ہوگا۔ چونکہ جرم خود منصف کے سامنے سرزد ہوا ہے، اس لیے اس کی معذرت اور حجت قبول نہ ہوگی۔ تاہم اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ نیکی کے اجر میں کمی نہ ہوگی، زیادہ ہو سکتا ہے اور بدی کے بدلہ زیادہ نہ ہوگا، کمی ہو سکتی ہے۔

۱۱۲۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق اس بستی سے مراد مکہ ہے۔ بظاہر مکہ میں دعوت ابراہیم ؑ

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪
وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ
تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ
وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ
اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا
لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ
وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ
الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ؕ مَتَاعٌ
قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى

رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس انہیں عذاب نے اس حال میں آلیا کہ وہ ظالم تھے۔ ﴿۱۱۳﴾ پس جو حلال اور پاکیزہ رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اس کی بندگی کرتے ہو۔ ﴿۱۱۴﴾ اس نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور اس چیز کو جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو حرام کر دیا ہے، پس اگر کوئی مجبور ہوتا ہے نہ (قانون کا) باغی ہو کر اور نہ (ضرورت سے) تجاوز کا مرتکب ہو کر تو اللہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۱۵﴾ اور جن چیزوں پر تمہاری زبانیں جھوٹے احکام لگاتی ہیں ان کے بارے میں نہ کہو یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم اللہ پر جھوٹ افترا کرو، جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ یقیناً فلاح نہیں پاتے۔☆ ﴿۱۱۶﴾ چندروزہ کیف ہے اور پھر ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور جنہوں نے یہودیت اختیار کی ہے ان پر ہی

کے بعد یہ دو باتیں موجود تھیں: امن اور رزق کی فراوانی۔ حرم کعبہ کی وجہ سے امن حاصل تھا اور حاجیوں کے باعث ہر سال ہر طرف سے رزق کی فراوانی ہوتی تھی۔ مگر ان لوگوں نے اس نعمت کی قدر دانی نہیں کی تو ان پر قحط اور خوف کا تسلط ہو گیا۔

۱۱۵۔۱۱۶ خطاب اس مرتبہ مسلمانوں سے ہے کہ تم پر جو حرام قرار دیا ہے وہ مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ ان کے علاوہ جن چیزوں کو تم حرام و حلال قرار دیتے ہو یہ اللہ پر افترا ہے۔ واضح رہے قانون سازی اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کا حصہ ہے۔ لہٰذا اس میں مداخلت اللہ کی حاکمیت اعلیٰ میں مداخلت ہے۔

۱۱۹۔ یہاں جہالت سے مراد حقیقت گناہ اور اس کے ارتکاب کے برے اثرات سے ناآشنائی ہو سکتی ہے، ورنہ بغیر کسی کوتاہی کے گناہ کا علم ہی نہ ہو تو یہ سرے سے گناہ نہیں ہے۔ توبہ کے بعد اصلاح کا ذکر اس لیے آیا کہ اصلاح توبہ کا لازمی نتیجہ ہے، کیونکہ توبہ برے اعمال سے برگشتہ ہونے کو کہتے ہیں اور برے اعمال کو چھوڑنے کا مطلب اصلاح ہے۔

۱۲۰ تا ۱۲۲۔ حضرت ابراہیم ؑ دنیائے کفر کے مقابلے میں ایک ملت کی مانند تھے اور ایک امت کی طرح طاقتور رہے۔ آپ ؑ نے ایک امت کی

الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا مَا قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ عَمِلُوا السُّوۡۤءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰ لِكَ وَاَصۡلَحُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَـغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ‏ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ ؕ اِجۡتَبٰٮهُ وَهَدٰٮهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ؕ‏ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ‏ ﴿۱۲۳﴾

چیزیں ہم نے حرام کر دیں جن کا ذکر پہلے ہم آپ سے کر چکے ہیں اور ہم نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿۱۱۹﴾ پھر بے شک آپ کا رب ان کے لیے جنہوں نے نادانی میں برا عمل کیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو یقیناً اس کے بعد آپ کا رب بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔☆ ﴿۱۲۰﴾ ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے اللہ کے فرمانبردار اور (اللہ کی طرف) یکسو ہونے والے تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔☆ ﴿۱۲۱﴾ (وہ) اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے انہیں برگزیدہ کیا اور صراط مستقیم کی طرف ان کی ہدایت کی۔☆ ﴿۱۲۲﴾ اور ہم نے دنیا میں انہیں بھلائی دی اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہیں۔☆ ﴿۱۲۳﴾ (اے رسول) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ یکسوئی کے ساتھ ملت ابراہیمی کی پیروی کریں اور ابراہیم مشرکین میں سے نہ تھے۔

طرح قیام کیا، ایک امت کی طرح وقت کے طاغوت کا مقابلہ کیا، طاغوت پر فتح حاصل کی اور ایک امت کی طرح انسانیت کی تاریخ کا رخ بدلا۔ وہ اللہ کے فرمانبردار تھے حضرت ابراہیمؑ کو یہ طاقت اللہ کی اطاعت اور طاقت کے سرچشمہ سے گہرے ربط کی وجہ سے ملی۔

یکسو ہونے والا: وہ تمام غیر اللہ سے منقطع ہو کر یکسوئی کے ساتھ صرف اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے اور اسی پر تکیہ کرتے تھے۔ غیر اللہ سے منقطع ہونے کی صورت میں ہی اللہ پر کامل بھروسا ہو سکتا ہے اور اگر کوئی غیر اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو اللہ اس کو اسی غیر اللہ پر چھوڑتا ہے۔ ابراہیمؑ کے عقائد اور کردار میں شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کرنے کا شائبہ تک نہ تھا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ مقام شکر پر فائز ہونا حضرت ابراہیمؑ جیسے خلیل الرحمٰن کے لیے بھی اہم ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شکر نعمت قولاً و عملاً کس قدر عند اللہ قابل قدر عمل ہے۔

درج بالا اوصاف کے حامل ہونے پر حضرت ابراہیمؑ کو ان عنایتوں سے نوازا گیا: i۔ ان کو برگزیدہ کیا۔ ii۔ ان کو صراط مستقیم کی رہنمائی کی۔ iii۔ دنیا میں بھی ان کو حسنات سے نوازا اور آخرت میں بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کے اثرات اس زندگی پر بھی مترتب ہوتے ہیں۔

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا
فِيهِ ؕ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۴﴾
ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ
الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ؕ
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ
سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾
وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا
عُوقِبْتُمْ بِهِ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ
لِلصَّابِرِينَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا
بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي
ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۷﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ
الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶/۲۲

﴿۱۲۴﴾ سبت (کا احترام) ان لوگوں پر لازم کیا گیا تھا جنہوں نے اس بارے میں اختلاف کیا اور آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔ ﴿۱۲۵﴾ (اے رسول) حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کی راہ کی طرف دعوت دیں اور ان سے بہتر انداز میں بحث کریں، یقیناً آپ کا رب بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔☆ ﴿۱۲۶﴾ اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور اگر تم نے صبر کیا تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔ ﴿۱۲۷﴾ اور آپ صبر کریں اور آپ کا صبر صرف اللہ کی مدد سے ہے اور ان (مشرکین) کے بارے میں حزن نہ کریں اور نہ ہی ان کی مکاریوں سے تنگ ہوں۔ ﴿۱۲۸﴾ اللہ یقیناً تقویٰ اختیار کرنے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

---

۱۲۵۔ دعوت الی الحق دو بنیادوں پر استوار ہے: ایک حکمت اور دوسری موعظہ حسنہ۔ حکمت یعنی حقائق کا صحیح ادراک۔ لہٰذا حکمت کے ساتھ دعوت دینے سے مراد دعوت کا وہ اسلوب ہو سکتا ہے جس سے مخاطب پر حقائق آشکار ہونے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ دعوت کو حکیمانہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مخاطب کی ذہنی و فکری صلاحیت، نفسیاتی حالت، اس کے عقائد و نظریات اور ماحول و عادات کو مدنظر رکھا جائے۔ موقع و محل اور مقتضی حال کے مطابق بات کی جائے کہ مخاطب کو کون سی دلیل متاثر کر سکتی ہے اور اس بات پر بھی توجہ ہو کہ ہر بات ہر جگہ نہیں کہی جاتی بلکہ ہر حق بات ہر جگہ نہیں کہی جاتی۔ جیسا کہ ہر دوائی سے ہر مرض کا علاج نہیں کیا جاتا بلکہ ہر صحیح علاج بھی ہر مریض کے لیے مناسب نہیں۔ اگر مریض کا معدہ اس دوائی کو ہضم کرنے کے قابل نہ ہو۔ جیسا کہ رسول اسلام ﷺ نے تبلیغ اسلام میں تدریجی حکمت عملی اختیار فرمائی اور شروع میں صرف قولو لا الٰہ الا اللہ تفلحوا پر اکتفا فرمایا۔ چونکہ یہ حکیمانہ تقاضوں کے منافی تھا کہ نظام شریعت کے تمام احکام بہ یک وقت تبلیغ اور نافذ کیے جاتے۔

الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ: موعظہ کے ساتھ حسنہ کی قید سے معلوم ہوا کہ موعظہ غیر حسنہ بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس دعوت میں ہر قسم کا موعظہ درکار نہیں ہے۔ مثلاً وہ موعظہ جس میں واعظ اپنی بڑائی دکھانا چاہتا ہے، مخاطب کو حقیر سمجھتا ہے یا صرف سرزنش پر اکتفا کرتا ہے۔ موعظہ حسنہ کے لیے سب سے پہلے خود واعظ کا اس موعظہ کا پابند ہونا ضروری ہے، ورنہ اس کا موعظہ موثر نہ ہوگا، بلکہ ایسا کرنا قابل سرزنش ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا
الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى
الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ
مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا
شَكُوْرًا ۝ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي
الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ
وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ
اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ

شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ
وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝٥ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ
عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ
وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝٦ اِنْ اَحْسَنْتُمْ
اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ
فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ
وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ
مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝٧ عَسٰى
رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ
وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝٨ اِنَّ
هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ
وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝٩ وَّاَنَّ

وقف لازم

بندوں کو تم پر مسلط کیا پھر وہ گھر گھر گھس گئے اور یہ پورا ہونے والا وعدہ تھا۔☆ (۶) پھر دوسری بار ہم نے تمہیں ان پر غالب کر دیا اور اموال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہاری تعداد بڑھا دی۔☆ (۷) اگر تم نے نیکی کی تو اپنے لیے نیکی کی اور اگر تم نے برائی کی تو بھی اپنے حق میں کی پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے ایسے دشمنوں کو مسلط کیا) وہ تمہارے چہرے بدنما کر دیں اور مسجد (اقصیٰ) میں اس طرح داخل ہو جائیں جس طرح اس میں پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور جس جس چیز پر ان کا زور چلے اسے بالکل تباہ کر دیں۔☆ (۸) امید ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے گا اور اگر تم نے (شرارت) دہرائی تو ہم بھی (اسی روش کو) دہرائیں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے۔☆ (۹) یہ قرآن یقیناً اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور ان مومنین کو جو نیک اعمال بجالاتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ (۱۰) اور

گنجائش نہیں رہتی کہ معراج عالم خواب میں تھی یا بیداری میں۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کو جس بیداری کی حالت میں آسمانی ملکوت کی سیر کرائی گئی، ایسی بیداری تو حضرت ابراہیم ؑ کے سوا کسی نبی مرسل کو نصیب نہیں ہوئی۔

نیز ہمیں غیر زمانی حقائق کا ادراک کرنے کے لیے اپنے محدود زمانی و مکانی دائرے میں نہیں سوچنا چاہیے۔ چنانچہ الکسس کارل کے مطابق افراد کو زمان و مکان میں محدود سمجھنا ایک مفروضہ ہے اور آئین سٹائن کے نظریہ اضافت کے مطابق زمان و مکان ہر جگہ یکساں نہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر کوئی چیز نور کی رفتار سے سفر کرے تو اس کے دس منٹ ہمارے سینکڑوں سالوں کے برابر ہوں گے۔ لہٰذا معراج کے بارے میں ہمارے نظام شمسی میں موجود رکاوٹوں کا ذکر اور ان کا جواب ایک غیر ضروری بحث ہے۔

۴۔ قرآن کے اس بیان کی تصدیق توریت وانجیل کی متعدد تنبیہات سے ہوتی ہے جن میں بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ تمہاری بدکاری اور فسق و فجور کی پاداش میں تمہارے شہر ویران کر دیے جائیں گے اور تمہاری لاشیں پرندوں اور درندوں کی خوراک ہوں گی۔

۵۔ یہ طاقتور جنگجو کون لوگ تھے؟ اس میں بہت اختلاف ہے۔ ممکن ہے اس سے مراد بابل کا بادشاہ بخت نصر ہو جس نے یروشلم اور ہیکل سلیمانی تک کو زمین کے برابر کر دیا تھا۔

۶۔ ممکن ہے اس آیت کا اشارہ بابل سے رہائی کے بعد کے واقعات کی طرف ہو۔ چنانچہ ایرانی بادشاہ کورش نے بابل فتح کیا اور اسرائیلیوں کو وطن واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ حضرت عزیر ؑ نے یہودی مذہب کی تجدید کی اور توریت کو از سر نو مرتب کیا۔

۷۔ خطاب اگرچہ بنی اسرائیل سے ہے تاہم یہ ایک کلیہ ہے کہ نیکی کے مثبت اثرات سب سے پہلے

الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا
لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۰﴾ ع وَ یَدْعُ الْاِنْسَانُ
بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ
عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾ وَ جَعَلْنَا الَّیْلَ وَ النَّهَارَ اٰیَتَیْنِ
فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ
مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ
لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ
شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ﴿۱۲﴾ وَ كُلَّ اِنْسَانٍ
اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ
كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ
حَسِیْبًا ﴿۱۴﴾ ؕ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ
لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ

یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لیے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۱﴾ اور انسان کو جس طرح خیر مانگنا چاہیے اسی انداز سے شر مانگتا ہے اور انسان بڑا جلد باز ہے۔☆ ﴿۱۲﴾ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے پھر ہم نے رات کی نشانی کو ماند کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور سالوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو اور ہم نے ہر چیز کو پوری تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے لیے ایک کتاب پیش کریں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔☆ ﴿۱۴﴾ پڑھ اپنا نامۂ اعمال! آج اپنے حساب کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔☆ ﴿۱۵﴾ جو ہدایت حاصل کرتا ہے وہ اپنے لیے ہدایت حاصل کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے ہی خلاف گمراہ ہوتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی

---

نیکی کرنے والے پر مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح برائی کے منفی اثرات برائی کا ارتکاب کرنے والے پر مرتب ہوتے ہیں۔

حضرت حذیفہ کی ایک روایت کے مطابق فساد اول سے مراد بخت نصر کا حملہ اور فساد دوم سے مراد رومیوں کا حملہ ہے۔ رومیوں کا حملہ سنہ ۷۰ء میں یروشلم پر ہوا، جس میں ایک لاکھ تینتیس ہزار افراد مارے گئے۔

۸۔ اللہ کی رحمت میں دریغ نہیں ہے، صرف اس رحمت کے لیے اہل ہونا شرط ہے۔ اگر بنی اسرائیل توبہ و انابت کے ساتھ اپنے آپ کو رحمت خدا کا اہل بنا دیں تو اللہ ان پر رحم کرے گا۔ وہ ارحم الراحمین ہے، لیکن جہاں اللہ ارحم الراحمین ہے وہ شدید الانتقام بھی ہے کہ اگر تم نے پھر وہی سرکشی وہی نافرمانی وہی ظلم و بربریت کی روش اختیار کی تو ہم بھی وہی سلوک اختیار کریں گے کہ تم پھر قتل و اسیری اور ذلت و خواری سے دوچار ہو گے۔

ہمارے معاصر یہود انسان سوز جرائم کے ارتکاب کی پرانی روش پر گامزن ہیں۔ عُدْتُّمْ کا مرحلہ آ گیا ہے اور انشاء اللہ عنقریب وعدۂ الٰہی کے مطابق عُدْنَا کا مرحلہ آنے والا ہے۔

۱۱۔ انسان کی عجلت پسندی عزت کی جگہ ذلت، کامیابی کی جگہ ناکامی اور خیر کی جگہ شر کی طرف لے جاتی ہے۔ چنانچہ انسان کی بیشتر ناکامیوں کا سبب یہی عجلت پسندی ہے۔ عجلت پسندی کا مغلوب انسان زمینی حقائق کی جگہ ذہنی آرزوؤں پر چلتا ہے اور ناکام ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ انسان کا عمل بطور انرجی اڑ جاتا ہے۔ اس لیے اس کو طائر کہا ہے۔ (قاموس قرآن)

۱۴۔ ہر انسان کی سعادت و شقاوت، کامیابی و ناکامی نیز اچھی عاقبت یا برے انجام کا دار و مدار اس کے اپنے عمل پر ہے۔ وہ اپنے عمل کے ہاتھوں اسیر ہے اور اپنے عمل ہی کے ذریعے آزاد ہو سکتا ہے۔ وہ خیر

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ۝۱۵ وَاِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِيۡهَا فَفَسَقُوۡا فِيۡهَا فَحَقَّ عَلَيۡهَا الۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنٰهَا تَدۡمِيۡرًا ۝۱۶ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡۢ بَعۡدِ نُوۡحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ۝۱۷ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلٰٮهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ۝۱۸ وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰۤٮِٕكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ۝۱۹ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۤءِ وَهٰٓؤُلَاۤءِ مِنۡ عَطَآءِ

دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور جب تک ہم کسی رسول کو مبعوث نہ کریں عذاب دینے والے نہیں ہیں۔ ⑮ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس بستی میں فسق و فجور کا ارتکاب کرتے ہیں، تب اس بستی پر فیصلہ عذاب لازم ہو جاتا ہے پھر ہم اسے پوری طرح تباہ کر دیتے ہیں۔☆ ⑯ اور نوح کے بعد کتنی نسلوں کو ہم نے ہلاکت میں ڈال دیا اور آپ کا رب ہی اپنے بندوں کے گناہوں پر آگاہی رکھنے، نگاہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔☆ ⑰ جو شخص عجلت پسند ہے تو ہم جسے جو چاہیں اس دنیا میں اسے جلد دیتے ہیں پھر ہم نے اس کے لیے جہنم کو مقرر کیا ہے جس میں وہ مذموم اور راندہ درگاہ ہو کر بھسم ہو جائے گا۔☆ ⑱ اور جو شخص آخرت کا طالب ہے اور اس کے لیے جتنی سعی درکار ہے وہ اتنی سعی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے لوگوں کی سعی مقبول ہو گی۔☆ ⑲ ہم (دنیا میں) ان کی بھی اور ان کی

وشر کے دروازے اپنے عمل کی چابی سے کھول سکتا ہے۔ قیامت کے دن اس کے اعمال کھلی کتاب کی شکل میں اس کے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔

۱۶۔ قرآن کے مطابق ہر قوم کی تباہی اس کے مراعات یافتہ طبقہ مترفین کی طرف سے آتی ہے، وہ تمام تر وسائل اور سہولیات کو اپنا حق تصور کرتے ہیں اور محروم طبقہ کے حقوق کو پامال کرتے ہیں۔ یہاں سے بقائے باہمی کا توازن بگڑ جاتا ہے اور قومیں ہلاکت کا شکار ہوتی ہیں۔

۱۷۔ تاریخ عالم کا آغاز نوح ؑ کے بعد ہوا۔ اس دور میں انسان نے تمدن میں قدم رکھا، انحراف آیا، شریعت بنی اور سرکشیاں ہوئیں۔ اس لیے ہلاکتیں بھی نوح ؑ کے بعد کی نسلوں میں آئیں۔

۱۸۔ ۱۹ یہ اس شخص کا ذکر ہے جو صرف طالب دنیا ہو اور آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ ایسے شخص کے لیے فرمایا: جو شخص عجلت پسند ہو ہم بھی عجلت سے دے دیتے ہیں۔ یعنی ہم اس کے لیے دنیا کی نعمتوں میں فراوانی کرتے ہیں، نادان اس فراوانی نعمت کو دیکھ کر اسے کامیابی تصور کرتے ہیں، جبکہ درحقیقت یہ اس کے لیے نقمت اور عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ لیکن اگر کوئی آخرت کے لیے کھیتی کے عنوان سے طالب دنیا ہو تو یہ مذموم نہیں ہے بلکہ دنیا سعادت اخروی کے لیے بہترین ذریعہ ہے۔ انبیاء، صلحاء اور متقین نے اسی دنیاوی زندگی سے عنداللہ مقام بنایا ہے۔ چنانچہ دوسرے جملے میں فرمایا: اور جو شخص طالب آخرت ہو، اس کے لیے مطلوبہ سعی بھی کرتا ہو تو اس کی سعی کی قدردانی ہو گی۔ ظاہر ہے یہ سعی اسی دنیاوی زندگی میں کرنا ہے۔ البتہ اس سعی کے ساتھ ایمان کا ہونا شرط ہے۔ اگر ایمان باللہ اور ایمان بالآخرہ نہ ہو تو سعی بھی وجود میں نہ آئے گی۔

۲۰۔ چنانچہ یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام نہایت غیر جانبدار ہے۔ پانی، خاک، ہوا اور دھوپ وغیرہ سے مؤمن اور کافر

رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَاۗءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰
اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝۲۱
لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝۲۲ ع
وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝۲۴
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵

بھی آپ کے رب کے عطیے سے مدد کرتے ہیں اور آپ کے رب کا عطیہ (کسی کے لیے بھی) ممنوع نہیں ہے۔☆ ۝۲۱ دیکھ لیجیے: ہم نے کس طرح ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور آخرت تو درجات کے اعتبار سے زیادہ بڑی اور فضیلت کے اعتبار سے بھی زیادہ بڑی ہے۔☆ ۝۲۲ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناورنہ تو مذموم اور بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ جائے گا۔☆ ۝۲۳ اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے پاس ہوں اور بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا بلکہ ان سے عزت و تکریم کے ساتھ بات کرنا۔☆ ۝۲۴ اور مہر و محبت کے ساتھ ان کے آگے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو اور دعا کرو: میرے رب! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا تھا۔☆ ۝۲۵ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس پر تمہارا رب زیادہ باخبر ہے، اگر تم صالح ہوئے تو وہ پلٹ کر آنے والوں کے لیے یقینا بڑا معاف کرنے والا ہے۔

دونوں یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۲۱۔ دنیا میں محنت اور کوشش کی بنا پر بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے۔ جو زیادہ محنت کرتا ہے اس کے پاس زیادہ مال و دولت ہوتی ہے۔ اسی سے آخرت کا حال بھی قابل فہم ہو جاتا ہے کہ وہاں بھی سعی اور کوشش یعنی عمل کے ذریعے بعض کو فوقیت حاصل ہو گی۔ مگر دنیا میں جو مال و جاہ میں فضیلت حاصل ہوا کرتی ہے، اس سے آخرت کی فضیلت بہت زیادہ بڑی ہے۔ دنیا کا مال و دولت، جاہ و سلطنت ناپائیدار اور آخرت کے درجات و فضیلت ابدی اور دائمی ہیں۔

۲۲۔ اس کائنات کے سرچشمہ قوت کے ساتھ کسی ایسی چیز کو سرچشمہ طاقت قرار دیا جائے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو تو یہاں دو باتیں اس کے لازمہ کے طور پر سامنے آتی ہیں: ا۔ یہ عمل خود اپنی جگہ ایک قابل مذمت ہے کہ ایک لاشی ءکو خدائے قہار کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ ۲۔ طاقت و قوت اور سرچشمہ فیض سے محرومی کا بھی سبب بنے گا۔ کیونکہ جب وہ ایک لا شی ءکو سرچشمہ فیض قرار دیتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ محرومیت اور بے یار و مددگار رہنا ہے۔

۲۳۔ ۲۴ جس طرح والدین بڑھاپے میں اولاد کے احسان کے محتاج ہوتے ہیں، اولاد کو بھی خردسالی میں والدین کی توجہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ نے اس ضرورت کو فطرت کے ذریعے پورا کیا اور والدین کے دل میں اولاد کی محبت اس طرح ودیعت فرمائی کہ وہ اولاد کو جان سے عزیز سمجھتے ہیں، جبکہ والدین پر احسان کو توحید کے بعد اہم ترین فریضہ قرار دیا، کیونکہ انسان فطرتاً آنے والی نسل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اولاد والدین کو فراموش کرتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: اَدْنَی الْعُقُوقِ اُفٍّ وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ شَیْئاً اَھْوَنَ مِنْہُ لَنَھَی عَنْہُ۔ (اصول الکافی ۲: ۳۴۸) کم ترین نافرمانی اف کرنا

وَ اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَ الۡمِسۡکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ؕ وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾ وَ اِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡہُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکَ تَرۡجُوۡہَا فَقُلۡ لَّہُمۡ قَوۡلًا مَّیۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾ وَ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبۡسُطۡہَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿۳۰﴾ وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُہُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَہُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا ﴿۳۱﴾ وَ لَا

﴿۲۶﴾ اور قریب ترین رشتہ دار کو اس کا حق دیا کرو اور مساکین اور مسافروں کو بھی اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔☆ ﴿۲۷﴾ فضول خرچی کرنے والے یقینا شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ اور اگر آپ اپنے رب کی رحمت کی تلاش میں جس کی آپ کو امید بھی ہو ان لوگوں کی طرف توجہ نہ کر سکیں تو ان سے نرمی کے ساتھ بات کریں۔ ﴿۲۹﴾ اور نہ تو آپ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ کر رکھیں اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دیں، ورنہ آپ ملامت کا نشانہ اور تہی دست ہو جائیں گے۔☆ ﴿۳۰﴾ یقینا آپ کا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ اور تنگ کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے بارے میں یقینا نہایت باخبر، نگاہ رکھنے والا ہے۔ ﴿۳۱﴾ اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل نہ کیا کرو، ہم انہیں رزق دیں گے اور تمہیں بھی، ان کا قتل یقینا بہت بڑا گناہ ہے۔☆ ﴿۳۲﴾ اور زنا کے

ہے۔ اگر اس سے بھی کمتر بات ہوتی تو اللہ اس سے بھی منع فرماتا۔

۲۶۔ ابن مردویہ، بزاز، ابویعلی اور ابوحاتم نے ابوسعید خدری سے اور ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فدک حضرت فاطمہ علیہا السلام کے حوالے کر دیا۔ (در منثور ۴: ۳۲۰)۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک شامی کے سوال کے جواب میں فرمایا ذاالقربی ہم ہیں (در منثور ۴: ۳۱۸)

۲۷۔ اسراف اور تبذیر میں فرق یہ ہے کہ اگر خرچ کرنا بنیادی طور پر درست ہو، مگر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے تو یہ اسراف ہے اور اگر خرچ کرنا سرے سے درست ہی نہ ہو تو یہ تبذیر ہے، جیسے کتے اور بلی کو شوقیہ پالنا وغیرہ۔

مال اطاعت الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے، اس ذریعے کا اتلاف تبذیر ہے اور شیطان کا بنیادی ہدف ذرائع کا اتلاف ہے، لہٰذا وہ لوگ جو ذرائع کو بے مقصد چیزوں پر خرچ کر کے تلف کر دیتے ہیں وہ عمل میں شیطان کے بھائی قرار پاتے ہیں۔

۲۹۔ ہاتھ باندھنا بخل اور کھلا چھوڑنا فضول خرچی کی طرف اشارہ ہے۔

۳۱۔ یہ آیت واضح طور پر ان اقتصادی اصولوں کو بے بنیاد قرار دے رہی ہے جن کے تحت قدیم زمانے سے آج تک نسل کی افزائش کو اقتصادی بدحالی کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔ محسوس پرست لوگ ہمیشہ محسوسات کو پیمانہ بناتے ہیں۔ وہ اس بات کی توجیہ کرنے سے قاصر ہیں کہ ہر متنفس اپنا رزق لے کر آتا ہے۔ وہ اس نکتے کو سمجھ نہیں سکتے کہ گھر میں مہمان زیادہ آنے سے اور سخاوت کرنے سے رزق میں فراوانی کیسے آتی ہے اور آبادی بڑھنے سے معاشی وسائل میں اضافہ کیسے ہوتا ہے؟ اگر وہ اپنے محسوس پیمانے ہی کو معیار قرار دیں تو بھی یہ بات محسوس میں آئی ہوئی ہے کہ مختلف ملکوں کی آبادی میں جتنا اضافہ ہوا ہے، اس سے کہیں زیادہ ان کے معاشی ذرائع میں اضافہ ہوا ہے۔ ایسے لوگوں کو افزائش نسل روکنے کی بجائے قدرت کی فیاضی پر

تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ
سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ
اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ
جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى
الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى
يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ
كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ
وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ
وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا
تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ

قریب بھی نہ جاؤ، یقینا یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت
برا راستہ ہے۔☆ ﴿۳۲﴾ اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا
ہے تم اسے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلوم مارا
جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے،
پس اسے بھی قتل میں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، یقینا
نصرت اسی کی ہوگی۔☆ ﴿۳۳﴾ اور تم یتیم کے مال کے قریب
نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جس میں بہتری ہو یہاں تک کہ وہ
اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو، یقینا عہد کے
بارے میں پوچھا جائے گا۔ ﴿۳۴﴾ اور تم ناپتے وقت پیمانے کو
پورا کر کے دو اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھو، بھلائی
اسی میں ہے اور انجام بھی اسی کا زیادہ بہتر ہے۔ ﴿۳۵﴾ اور اس
کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں ہے کیونکہ کان اور آنکھ اور
دل ان سب سے باز پرس ہوگی۔☆ ﴿۳۶﴾ اور زمین پر اکڑ کر
نہ چلو، بلاشبہ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ ہی بلندی کے لحاظ

توجہ دینا چاہیے، جو سورج کی صرف ایک منٹ کی
تابش سے کرہ ارض کے تمام بسنے والوں کے لیے
ایک سال کی ضرورت کی انرجی فراہم کرتی ہے، جس
کی عطا کردہ دماغی صلاحیت میں سے صرف چند
فیصد استعمال میں لائی جاتی ہے۔ جس کی وسیع و
عریض زمین میں سے صرف کچھ حصے سے فائدہ
اٹھایا جاتا ہے۔ جس کے عنایت کردہ سمندر اور بارش
کے پانی کے کچھ فیصد سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

۳۲۔ زنا ان تمام اقدار کو درہم برہم کر دیتا ہے جن پر
خاندان کی تشکیل کا دارومدار ہے۔ زنا کے نتیجے میں
پیدا ہونے والے بچے کا کوئی ذمہ دار ہوتا ہے اور نہ
ہی عورت کی عزت و آبرو کا کوئی مقام باقی رہتا
ہے۔

۳۳۔ اللہ کی دی ہوئی زندگی کا ختم کرنا بڑا جرم ہے۔
جو شخص ناحق مارا جائے تو اس کے وارث کو اختیار
حاصل ہے کہ وہ قصاص لے، مگر خود نہیں بلکہ حاکم
شرع کے ذریعے یا دیت لے کر قصاص معاف
کرے۔ حکومت کو قصاص لینے یا معاف کرنے کا
حق نہیں ہے اور قتل میں اسراف نہ کرنے کا مطلب
یہ ہے کہ وارث کو صرف قاتل سے قصاص لینے کا حق
ہے، دیگر عزیزوں سے نہیں۔ ایک کے بدلے
صرف ایک مارا جائے گا، زیادہ نہیں۔ مگر انسانی
حقوق کا پرچار کرنے والے اپنی قوم کے ایک فرد کا
قصاص دوسری پوری قوم سے لیتے ہیں۔

۳۶۔ بنیادی اسلامی عقائد کے لیے ضروری ہے کہ
انہیں علمی دلائل سے سمجھا جائے۔ اس طرح اوہام
پرستی کا خاتمہ ہوگا۔ اسی طرح قضاوت، شہادت،
اخلاقیات اور احکام کے مآخذ کے لئے بھی علم ضروری
ہے یا کوئی ایسی دلیل ہو جسکے دلیل ہونے کا علم ہو۔
حقوق کی پامالی، کدورتیں، اختلافات اور غلط فیصلے
اکثر علم کے بغیر عمل سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

۳۷۔۳۸ تکبر کرنے والا عموماً اپنی چال میں اپنی
بڑائی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ چنانچہ بردباری کا اظہار

الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ
ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿٣٨﴾
ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ
الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ
فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿٣٩﴾
اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ
الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا
ع عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤١﴾
قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ
اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا
كَبِيْرًا ﴿٤٣﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ

سے پہاڑوں تک پہنچ سکتے ہو۔☆ ﴿٣٨﴾ ان سب کی برائی
آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔☆ ﴿٣٩﴾ یہ
حکمت کی وہ باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف
وحی کی ہیں اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ ورنہ ملامت
کا نشانہ اور راندہ درگاہ بنا کر جہنم میں ڈال دیے جاؤ گے۔☆
﴿٤٠﴾ (اے مشرکین) کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں
کے لیے چن لیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا، بتحقیق
تم لوگ بہت بڑی (گستاخی کی) بات کرتے ہو۔ ﴿٤١﴾ اور
ہم نے اس قرآن میں (دلائل کو) مختلف انداز میں بیان
کیا ہے تاکہ یہ لوگ سمجھ لیں مگر وہ مزید دور جا رہے ہیں۔☆
﴿٤٢﴾ کہہ دیجیے: اگر اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہوتے
جیسا کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں تو وہ مالک عرش تک پہنچنے کے
لیے راستہ تلاش کرتے۔☆ ﴿٤٣﴾ پاکیزہ اور بالاتر ہے وہ ان
باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ ﴿٤٤﴾ ساتوں آسمان اور

بھی چال کے ذریعے ہوتا ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے
تکبر انسان کی شخصیت میں احساس خلا کے تدارک
کی ناکام کوشش ہے، جس طرح نیم خواندہ شخص
اپنے علمی خلا کو القاب کے ذریعے پر کرنا چاہتا ہے۔
چونکہ تکبر کا تعلق دوسروں سے بھی ہے یعنی متکبر شخص
دوسروں کو زیر اور اپنے آپ کو دوسروں سے اونچا
دکھانا چاہتا ہے، اس لیے تکبر ایک ایسی بیماری ہے
جس کے منفی اثرات معاشرے پر مرتب ہوتے
ہیں۔ لوگ تکبر کرنے والوں سے متنفر ہوتے ہیں
جس سے باہمی مودت و محبت متاثر ہوتی ہے۔

٣٩۔ اگرچہ خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ لیکن
اصل مخاطب ہر انسان ہے۔ قرآن مجید اس قسم کا
طرز خطاب اس وقت اختیار کرتا ہے جب موضوع
اہمیت کا حامل ہو۔ جیسے کوئی شخص اپنے غلاموں کو
ایک اہم ترین حکم دینا چاہتا ہے تو وہ اپنے عزیز بیٹے
کو خطاب کر کے کہہ دے کہ اس پر عمل نہ کرنے کی
صورت میں تیرا انجام اچھا نہ ہوگا تو غلاموں کو
اندازہ ہو جاتا ہے کہ موضوع کس قدر اہمیت کا حامل
ہے۔

٤١۔ قرآن نے اپنی تعلیمات کے بارے میں کوئی
ابہام نہیں چھوڑا ہے۔ مشرکین اگر توحید کو نہیں مانتے
تو یہ اس لیے نہیں کہ دلیل میں قوت نہیں ہے، بلکہ یہ
ان مشرکین کے عناد کی وجہ سے ہے کہ وہ ان دلائل
سے متاثر ہونے کی بجائے مزید متنفر ہو جاتے ہیں۔
سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں دلائل قائم
کرنے کا کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ اگرچہ ان
دلائل سے چند معاندین کی نفرت میں اضافہ ہوگا مگر
ان دلائل سے ہدایت لینے والے تاقیامت ہدایت
لیتے رہیں گے اور معاندین پر حجت پوری ہو جائے
گی۔

٤٢۔ اس کائنات میں دوسرے خداؤں کا بھی دخل
ہوتا تو ان خداؤں کے ارادوں میں تصادم ہوتا اور
نظم کائنات درہم برہم ہو جاتا۔ بعض مفسرین کی

وَ الۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡهِنَّ ؕ وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَ لٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ جَعَلۡنَا بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ حِجَابًا مَّسۡتُوۡرًا ﴿۴۵﴾ ۙ وَّ جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَکِنَّۃً اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ وَ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ وَ اِذَا ذَکَرۡتَ رَبَّکَ فِی الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَهٗ وَلَّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِهِمۡ نُفُوۡرًا ﴿۴۶﴾ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَسۡتَمِعُوۡنَ بِهٖۤ اِذۡ یَسۡتَمِعُوۡنَ اِلَیۡکَ وَ اِذۡ هُمۡ نَجۡوٰۤی اِذۡ یَقُوۡلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴿۴۷﴾ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَکَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا

زمین اور ان میں جو موجودات ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثنا میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو، اللہ یقینا نہایت بردبار، معاف کرنے والا ہے۔☆ ﴿۴۵﴾ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک نامرئی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ ﴿۴۶﴾ اور ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں سنگینی کر دیتے ہیں اور جب آپ قرآن میں اپنے یکتا رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت سے اپنی پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔☆ ﴿۴۷﴾ ہم خوب جانتے ہیں کہ جب یہ لوگ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں تو کیا سنتے ہیں اور جب یہ لوگ سرگوشیاں کرتے ہیں تو یہ ظالم کہتے ہیں: تم (لوگ) تو ایک سحر زدہ آدمی کی پیروی کرتے ہو۔ ﴿۴۸﴾ دیکھ لیں! ان لوگوں نے آپ کے بارے میں کس طرح کی

---

رائے کے مطابق اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: تو وہ مالک عرش کے مقابلے میں آنے کی کوشش کرتے۔

۴۴۔ تسبیح تنزیہ الٰہی بیان کرنے کو کہتے ہیں کہ اس کی ذات ہر نقص و عیب سے پاک ہے اور کائنات کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے۔ تسبیح ارادے کے ساتھ تنزیہ کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لیے آیت سے یہ بات بھی ضمناً ثابت ہو جاتی ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں شعور ہے۔ قرآن میں ہدہد اور چیونٹی کے شعور کا ذکر ملتا ہے۔ سورۂ انبیاء آیت ۷۹ اور سورۂ ص آیت ۱۸ میں پہاڑوں کی تسبیح کا ذکر ہے۔ انسان اور باقی موجودات کے درجات شعور میں نمایاں فرق کی وجہ سے انسان اس شعور کا ادراک نہیں کر سکتا جو اپنے سے مختلف درجہ میں ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر شے کی تسبیح سے زبان حال کو مراد لینا آیت کی ظاہری دلالت کے ساتھ سازگار نہیں ہے کہ قرآن کہے ان کی تسبیح کو تم سمجھتے نہیں اور ہم کہیں: ہم نے سمجھ لیا ہے اور اس سے مراد زبان حال ہے۔

۴۶۔ یہ آیت مکہ کے ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب رسول اللہ ﷺ رات کو تلاوت قرآن کرتے تھے اور خانہ کعبہ کے پاس نماز ادا فرماتے تھے تو وہ ان کو اذیت دیتے اور ان کو پتھر مارتے اور اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دینے میں حائل ہوتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم فرمایا اور تلاوت قرآن کے وقت وہ حضور ﷺ کو اذیت نہیں دے سکتے تھے۔ (مجمع البیان)

۴۷۔ ابوسفیان، ابوجہل اور اخنس بن شریق رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے گھر کے گرد ایک دوسرے سے بے خبر آپ ﷺ کی تلاوت قرآن سنا کرتے تھے۔ جب وہ آپس میں باتیں کرتے تو کوئی کہتا: یہ

فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۴۸﴾ وَ قَالُوۡۤا ءَاِذَا
کُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ
خَلۡقًا جَدِیۡدًا ﴿۴۹﴾ قُلۡ کُوۡنُوۡا حِجَارَۃً
اَوۡ حَدِیۡدًا ﴿۵۰﴾ اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا یَکۡبُرُ
فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ ۚ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ مَنۡ
یُّعِیۡدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیۡ فَطَرَکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ۚ
فَسَیُنۡغِضُوۡنَ اِلَیۡکَ رُءُوۡسَہُمۡ وَ یَقُوۡلُوۡنَ
مَتٰی ہُوَ ؕ قُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ قَرِیۡبًا ﴿۵۱﴾
یَوۡمَ یَدۡعُوۡکُمۡ فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِہٖ وَ
تَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۵۲﴾ وَ قُلۡ
لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ
الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ
لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ

مثالیں بنائی ہیں پس یہ گمراہ ہو چکے ہیں چنانچہ یہ کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔☆ ﴿۴۹﴾ اور وہ کہتے ہیں: کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟ ﴿۵۰﴾ کہہ دیجیے: تم خواہ پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔☆ ﴿۵۱﴾ یا کوئی ایسی مخلوق جو تمہارے خیال میں بڑی ہو (پھر بھی تمہیں اٹھایا جائے گا) پس وہ پوچھیں گے: ہمیں دوبارہ کون واپس لائے گا؟ کہہ دیجیے: وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا، پس وہ آپ کے آگے سر ہلائیں گے اور کہیں گے: یہ کب ہوگا؟ کہہ دیجیے: ہو سکتا ہے وہ (وقت) قریب ہو۔☆ ﴿۵۲﴾ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی ثنا کرتے ہوئے تعمیل کرو گے اور (اس وقت) تمہارا یہ گمان ہوگا کہ تم (دنیا میں) تھوڑی دیر رہ چکے ہو۔☆ ﴿۵۳﴾ اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے: وہ بات کرو جو بہترین ہو کیونکہ شیطان ان میں فساد ڈلواتا ہے، بتحقیق شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔☆ ﴿۵۴﴾ تمہارا رب تمہارے حال سے

دیوانہ ہے کوئی کہتا: یہ کاہن ہے اور کوئی کہتا: یہ شاطر ہے۔ اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۹ تا ۵۱۔ مشرکین کہتے تھے: یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان مر کر ہڈی اور خاک ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائے؟ بوسیدہ ہڈی اور خاک، حیات سے بہت دور ہے۔ ان سے فرمایا: خاک کو تو حیات کے ساتھ ربط ہے۔ تم ایسی چیز فرض کرو جو تمہاری نظر میں حیات سے بہت دور ہے۔ مثلاً پتھر اور لوہا جن میں روئیدگی کی صلاحیت نہیں ہے۔ اللہ ان کو بھی دوبارہ زندگی دے سکتا ہے۔ اس کا ایک عام فہم اور منطقی جواب یہ دیتا ہے کہ اس خاک کو دوبارہ زندگی وہی دے گا جس نے پہلی بار تم کو عدم سے وجود بخشا ہے۔ جو ایجاد پر قادر ہے، وہ اعادہ پر بھی قادر ہے۔

۵۲۔ منکرین معاد سے خطاب ہے: منکرو! جب قیامت کے دن تمہیں قبروں سے اٹھنے کے لیے کہا جائے گا تو اس وقت تمہارے پاس سوائے حمد و ستائش الٰہی کے کوئی جواب نہ ہوگا۔ قیامت کی ابدی زندگی کو سامنے دیکھ کر دنیوی زندگی کو تم نہایت حقیر سمجھو گے۔

۵۳۔ خوش گفتاری کا اپنا اثر ہے۔ ایک مناسب اور برمحل جملہ انسان کی تقدیر بدل کر رکھ سکتا ہے اور ایک نامناسب جملہ ایک بڑے فساد کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ اچھی گفتگو سے محبت بڑھتی ہے اور بدکلامی سے دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسانوں میں بدکلامی کے ذریعے فساد کا بیج بوتا ہے۔

۵۴۔ کسی کو گمراہ اور جہنمی قرار دینا یا کسی کو جنتی قرار دینا تمہارے دائرہ علم میں نہیں ہے۔ ممکن ہے جسے تم گمراہ سمجھتے ہو اس کا انجام ایمان پر ہوا اور جسے تم بڑا مؤمن سمجھتے ہو اس کا انجام برا ہو، لہٰذا رحم اور عذاب

بِكُمۡ ؕ اِنۡ یَّشَاۡ یَرۡحَمۡكُمۡ اَوۡ اِنۡ یَّشَاۡ یُعَذِّبۡكُمۡ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَیۡهِمۡ وَكِیۡلًا ﴿۵۴﴾ وَ رَبُّكَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ لَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَلَا یَمۡلِكُوۡنَ كَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡكُمۡ وَ لَا تَحۡوِیۡلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الۡوَسِیۡلَةَ اَیُّهُمۡ اَقۡرَبُ وَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَهٗ وَ یَخَافُوۡنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحۡذُوۡرًا ﴿۵۷﴾ وَ اِنۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِكُوۡهَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡهَا عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الۡكِتٰبِ

زیادہ باخبر ہے، اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے اور (اے رسول) ہم نے آپ کو ان کا ضامن بنا کر نہیں بھیجا۔☆ ﴿۵۴﴾ اور (اے رسول) آپ کا رب آسمانوں اور زمین کی موجودات کو بہتر جانتا ہے اور تحقیق ہم نے انبیاء میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور داؤد کو ہم نے زبور عطا کی ہے۔☆ ﴿۵۵﴾ کہہ دیجیے: جنہیں تم اللہ کے سوا (اپنا معبود) سمجھتے ہو انہیں پکارو، پس وہ تم سے نہ کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ (ہی اسے) بدل سکتے ہیں۔ ﴿۵۶﴾ جن (معبودوں) کو یہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب تک رسائی کے لیے وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ قریب ہو جائے اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خائف بھی، کیونکہ آپ کے رب کا عذاب یقیناً ڈرنے کی چیز ہے۔☆ ﴿۵۷﴾ اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت کے دن سے پہلے ہلاک نہ کریں یا سخت عذاب میں مبتلا نہ کریں، یہ بات کتاب

---

اللہ کے علم اور مشیت کے ساتھ مربوط ہے۔

۵۵۔ مشرکین مکہ کے اس سوال کا جواب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نبوت دینے کے لیے عبد اللہ کا یتیم ہی مل گیا۔ بھلا سابقہ انبیاء کہاں اور یہ یتیم کہاں۔ فرمایا: اللہ کی نگاہ پوری کائنات پر ہے، جب کسی پر اللہ کی نگاہ انتخاب پڑتی ہے تو انبیاء کو اسی بنیاد پر فضیلت دیتا ہے۔ یہاں حسن گفتار میں حضرت داود علیہ السلام کو فضیلت دی کہ ان کی تسبیح سے جمادات بھی متاثر ہوتے تھے اور پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے۔

۵۷۔ جن کو یہ مشرکین وسیلہ بنا کر پکارتے ہیں وہ خود قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے ایسا وسیلہ تلاش کرتے ہیں جو اللہ کے زیادہ قریب ہو۔ قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرنا درست ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کون سا وسیلہ اقرب ہے۔ جہاں عبادت اور انفاق وسیلہ ہیں وہاں جن ذوات مقدسہ نے عبادت کی رہنمائی کی ہے وہ بھی وسیلہ ہیں۔ وسیلہ اقرب وہ ہے جس کی نشاندہی خود اللہ نے کی ہو۔

۵۸۔ یعنی کوئی بستی ایسی نہ ہوگی جو اللہ کے عادلانہ قانون، قانون مکافات کی زد میں نہ آئے اور وہ ہلاکت یا عذاب شدید کی صورت میں وقوع پذیر ہو گا۔ ہلاکت کو عذاب کے مقابلے میں ذکر کرنے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہلاکت سے مراد طبعی موت ہے۔ وہ ہلاکت نہیں ہے جو عذاب کی صورت میں آتی ہے۔ اس لیے بعض کی یہ رائے ہے کہ ہلاکت (طبعی موت) اچھی بستیوں کے لیے ہے اور عذاب بری بستیوں کے لیے۔ لیکن ہو سکتا ہے ہلاکت اور عذاب مکافات عمل کی دو صورتیں ہوں۔

فِی الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا: اس عالم ہستی کو اللہ تعالیٰ نے جس

مَسۡطُوۡرًا ﴿۵۸﴾ وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ
بِالۡاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ کَذَّبَ بِہَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ وَ
اٰتَیۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَۃَ مُبۡصِرَۃً فَظَلَمُوۡا بِہَا ؕ
وَ مَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّا تَخۡوِیۡفًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذۡ
قُلۡنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا
جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً
لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَۃَ الۡمَلۡعُوۡنَۃَ فِی الۡقُرۡاٰنِ ؕ وَ
نُخَوِّفُہُمۡ ۙ فَمَا یَزِیۡدُہُمۡ اِلَّا طُغۡیَانًا
کَبِیۡرًا ﴿۶۰﴾ ع وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ قَالَ
ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِیۡنًا ﴿ۚ۶۱﴾ قَالَ
اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ۫ لَئِنۡ
اَخَّرۡتَنِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَاَحۡتَنِکَنَّ

(تقدیر) میں لکھی جا چکی ہے۔☆ ﴿۵۹﴾ اور نشانیاں بھیجنے سے ہمارے لیے کوئی مانع نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس سے پہلے کے لوگوں نے اسے جھٹلایا ہے اور (مثلاً) ثمود کو ہم نے اونٹنی کی کھلی نشانی دی تو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا اور ہم ڈرانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجتے ہیں۔☆ ﴿۶۰﴾ اور (اے رسول وہ وقت یاد کریں) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون ٹھہرایا گیا ہے اسے ہم نے صرف لوگوں کی آزمائش قرار دیا اور ہم انہیں ڈراتے ہیں مگر یہ تو ان کی بڑی سرکشی میں اضافے کا سبب بنتا جاتا ہے۔☆ ﴿۶۱﴾ اور (یاد کریں) جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے کہا: کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟ ﴿۶۲﴾ پھر کہا: مجھے بتاؤ! یہی ہے وہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟ اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دی تو قلیل تعداد کے

قانون اور دستور پر قائم کر رکھا ہے اس دستور کو لَوۡحٌ مَّحۡفُوۡظٌ، کبھی کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ کہا ہے۔ یعنی اس کائنات میں جو کچھ رونما ہوتا ہے وہ اس قانون اور اس تقدیر کے مطابق ہوتا ہے جس پر اس کائنات کا نظام قائم ہے، جو اللہ کے اس حتمی فیصلے سے عبارت ہے کہ ہر علت پر معلول کا ترتب ضروری ہے۔

۵۹۔ کفار کی طرف سے تجویز شدہ معجزہ اس وقت دکھایا جاتا ہے جب ان کو تباہ کرنا مقصود ہو۔ مکہ کے کفار کی طرف سے معجزہ کا مطالبہ درحقیقت اپنی تباہی کا مطالبہ تھا، جیسا کہ قوم ثمود کو معجزہ ناقہ دکھا کر تباہ کر دیا گیا، جبکہ مشیت الٰہی یہ رہی ہے کہ ان کو سمجھنے کی مہلت دی جائے۔

۶۰۔ قرآن نے جن سلسلوں کو لعنت کا نشانہ بنایا ہے وہ تین ہیں: اہل کتاب، مشرکین اور منافقین۔ رسول ﷺ کے خواب میں جس ملعون سلسلہ کو مسلمانوں کے لیے آزمائش قرار دیا گیا ہے، وہ اہل کتاب اور مشرکین نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ دونوں اسلام کے کھلے دشمن ہیں اور جن کی دشمنی کھلی ہوئی ہے وہ آزمائش نہیں ہوتے۔ آزمائش وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کا لبادہ اوڑھے ہوتے ہیں یعنی منافقین۔

چنانچہ احادیث میں متعدد طرق سے وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ بندر آپ ﷺ کے منبر پر اچھل کود کر رہے ہیں، جس کے بعد آپ ﷺ بہت کم ہنسے۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد، یعلی بن مرہ، سعید بن المسیب اور حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ شجرہ ملعونہ سے مراد بنی امیہ ہیں۔ (درمنثور۔ تفسیر کبیر رازی۔ تفسیر قرطبی) امامیہ طرق سے زرارہ، حمران، محمد بن مسلم، معروف بن خربوذ، جعفی، قاسم بن سلیمان، یونس بن عبد الرحمٰن

ذُرِّیَّتَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذۡہَبۡ فَمَنۡ
تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ فَاِنَّ جَہَنَّمَ جَزَآؤُکُمۡ جَزَآءً
مَّوۡفُوۡرًا ﴿۶۳﴾ وَ اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ
مِنۡہُمۡ بِصَوۡتِکَ وَ اَجۡلِبۡ عَلَیۡہِمۡ بِخَیۡلِکَ وَ
رَجِلِکَ وَ شَارِکۡہُمۡ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ
وَ عِدۡہُمۡ ؕ وَ مَا یَعِدُہُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا
غُرُوۡرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ
سُلۡطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیۡلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّکُمُ
الَّذِیۡ یُزۡجِیۡ لَکُمُ الۡفُلۡکَ فِی الۡبَحۡرِ
لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِکُمۡ
رَحِیۡمًا ﴿۶۶﴾ وَ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الۡبَحۡرِ
ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِیَّاہُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىکُمۡ
اِلَی الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ

سوا میں اس کی سب اولاد کی جڑیں ضرور کاٹ دوں گا۔ ﴿۶۳﴾ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: دور ہو جا! ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو تم سب کے لیے جہنم کی سزا ہی یقینا مکمل سزا ہے۔ ﴿۶۴﴾ اور ان میں سے تو جس جس کو اپنی آواز سے لغزش سے دوچار کر سکتا ہے کر اور اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ ان پر چڑھائی کر دے اور ان کے اموال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا اور انہیں (جھوٹے) وعدوں میں لگا رکھ اور شیطان سوائے دھوکے کے انہیں اور کوئی وعدہ نہیں دیتا۔☆ ﴿۶۵﴾ میرے بندوں پر تیری کوئی بالادستی نہیں ہے اور آپ کا رب ہی ضمانت کے لیے کافی ہے۔☆ ﴿۶۶﴾ تمہارا رب وہ ہے جو سمندر میں تمہارے لیے کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل (روزی) تلاش کرو، اللہ تم پر یقینا نہایت مہربان ہے۔ ﴿۶۷﴾ اور جب سمندر میں تمہیں کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو سوائے اللہ کے جن جن کو تم پکارتے تھے وہ سب ناپید ہو جاتے ہیں پھر جب اللہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑنے لگتے ہو اور

---

اور عبد الرحیم قیصر نے ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ شجرہ ملعونہ سے مراد بنی امیہ ہیں۔

۶۴۔ ایک جنگ ایک معرکہ جس میں ایک طرف شیطان اپنی سوار اور پیادہ فوج اور ساز و آواز کے ساتھ اولاد آدم پر حملہ آور ہے۔ اس حملے میں شیطان درج ذیل وسائل حرب بروئے کار لاتا ہے: ۱۔ آواز: حق کے مقابلے میں، ہر اس آواز کے ذریعے جس سے انسانی عقل مغلوب ہو جاتی ہے، ہر اٹھنے والی آواز کو جاذب، پرکشش بنانا اور اس پر آج کے ذرائع ابلاغ شاہد ہیں کہ سمعی ذرائع سے شیاطین کس قدر گمراہ کن افکار پھیلاتے ہیں۔

۲۔ طاقت کا استعمال: وہ اپنے کارندوں کے ذریعے لوگوں کے عقل و حواس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بالکل ایک گرم معرکہ کی طرح جس میں دشمن اپنے سوار اور پیدل فوج دونوں کو جھونک دیتا ہے۔

۳۔ اقتصادی حربے: اصولی طور پر انسان اپنے فائدے کے لیے مال کماتا ہے اور اولاد پالتا ہے، مگر جب انسان شیطان کے حملے کی زد میں آتا ہے تو اس سے شیطان زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ چنانچہ آج کے شیطانی معاشروں میں مال کا اکثر حصہ غیر انسانی امور پر خرچ ہوتا ہے۔

۴۔ نفسیاتی حربے: دلفریب وعدوں کے ذریعے انسان کو فریب دینا شیاطین کا خطرناک ترین ہتھیار ہے۔ وہ انسان سے دولتمندی جاہ وریاست اور بالادستی کے پرکشش وعدے کرتے ہیں اور انسان سے احساس گناہ سلب کر کے گناہ کو ناچیز بنا کر پیش کرتے ہیں۔ کبھی گناہ کے بعد توبہ کا فریب دے کر گناہ کے ارتکاب پر، کبھی غلط توجیہات سے گناہ کا ارتکاب کرنے پر اکساتے ہیں۔

۶۵۔ یعنی شیاطین کے حربوں کے مقابلے میں مؤمن

كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ
جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا
تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿٦٨﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ
يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ
عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا
كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ
تَبِيْعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ
فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾ ع
يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ
اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ
كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ
فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ

انسان بڑا ہی ناشکرا ثابت ہوا ہے۔ ﴿۶۸﴾ تو کیا تم اس بات سے خائف نہیں ہو کہ اللہ تمہیں خشکی کی طرف زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی چلا دے، پھر تم اپنے لیے کوئی ضامن نہیں پاؤ گے۔☆ ﴿۶۹﴾ آیا تمہیں اس بات کا خوف نہیں کہ اللہ تمہیں دوبارہ سمندر کی طرف لے جائے پھر تم پر تیز ہوا چلا دے پھر تمہارے کفر کی پاداش میں تمہیں غرق کر دے؟ پھر تمہیں اپنے لیے اس بات پر ہمارا پیچھا کرنے والا کوئی نہ ملے گا۔☆ ﴿۷۰﴾ اور بتحقیق ہم نے اولاد آدم کو عزت و تکریم سے نوازا اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سواری دی اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں بڑی فضیلت دی۔☆ ﴿۷۱﴾ قیامت کے دن ہم ہر گروہ کو اس کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے پھر جن کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا پس وہ اپنا نامہ اعمال پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔☆ ﴿۷۲﴾ اور جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا بلکہ (اندھے سے بھی) زیادہ گمراہ

کے پاس عبودیت و بندگی کا اسلحہ موجود ہوتا ہے۔ یعنی جس قدر انسان اللہ کے نزدیک ہوتا ہے شیطان سے دور ہوتا ہے۔ اللہ کے نزدیک ہونے کا راستہ اس کی بندگی ہے۔

۶۸۔ ۶۹ انسان کاملاً اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ دریا میں ہو یا خشکی میں، اس کے لیے اللہ کی گرفت سے بچ نکلنا ممکن نہیں ہے۔ خشکی میں اگر وہ زمین میں دھنس جائے اور آندھی میں گھر جائے اور سمندر کی لہروں میں پھنس جائے تو اللہ کے علاوہ اسے بچانے والا کوئی نہیں ہے، کیونکہ ان تمام چیزوں پر اللہ کی حکومت ہے اور اللہ کی حکومت سے فرار ممکن نہیں ہے۔

۷۰۔ انسان کو عزت و تکریم سے اس طرح سے نوازا گیا ہے کہ اللہ نے کائنات کی ہر چیز کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے، جبکہ انسان کو کسی اور مخلوق کے لیے مسخر نہیں کیا نیز انسان میں ارتقائی صلاحیت ودیعت فرمائی، دوسری مخلوقات میں نہیں۔ چنانچہ جانور آج ایٹمی دور میں بھی اسی طرح چرتے ہیں جس طرح وہ تخلیق کے ابتدائی دور میں چرتے تھے۔

۷۱۔ ۷۲ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں امام حق اور امام باطل دونوں موجود ہوتے ہیں۔ جہاں باطل کی طرف دعوت دینے والے امام شیطان اور اس کے ہمنوا ہوتے ہیں، وہاں حق کی طرف دعوت دے کر لوگوں پر حجت پوری کرنے والے امام کا وجود بھی ضروری ہے۔ چنانچہ امام حق کے ساتھ محشور ہونے والوں کو ان کا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ انتخاب امام اور حق کی پیروی کے مسئلے میں جو لوگ دنیا میں اندھے ہوں گے وہ آخرت میں بھی اندھے رہیں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: کیا تم اللہ کی

أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ
عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا
غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْ
لَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ
شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ
وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا
نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ
الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَا
يَلْبَثُونَ خِلٰفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَنْ
قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا
تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾ أَقِمِ الصَّلٰوةَ
لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ
الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾

ہوگا۔☆ ﴿٧٣﴾ اور (اے رسول) یہ لوگ آپ کو اس وحی سے منحرف کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے تاکہ آپ (وحی سے ہٹ کر) کوئی اور بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کریں اس صورت میں وہ ضرور آپ کو دوست بنا لیتے۔ ﴿٧٤﴾ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ آپ کچھ نہ کچھ ان کی طرف مائل ہو جاتے۔☆ ﴿٧٥﴾ اس صورت میں ہم آپ کو زندگی میں بھی دوہرا عذاب اور آخرت میں بھی دوہرا عذاب چکھا دیتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے۔ ﴿٧٦﴾ اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کے قدم اس سرزمین سے اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں اور اگر یہ ایسا کریں گے تو آپ کے بعد یہ زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔☆ ﴿٧٧﴾ یہ ہمارا دستور ہے جو ان تمام رسولوں کے ساتھ رہا ہے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔ ﴿٧٨﴾ زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب و عشاء کی) نماز قائم کرو اور فجر کی نماز بھی کیونکہ فجر کی نماز

حمد و ثنا بجا نہیں لاتے کہ جب قیامت کے دن اللہ ہر قوم کو اس شخص کے ساتھ بلائے گا جس کی پیشوائی اس نے قبول کی ہوگی تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پکارے گا تو تم ہماری پناہ میں آؤ گے؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم کدھر لے جائے جاؤ گے؟ رب کعبہ کی قسم! جنت کی طرف۔ اس جملہ کو امامؑ نے تین مرتبہ دہرایا۔ (مجمع البیان)

٧٤۔ یہ آیت عصمت رسول ﷺ پر دلالت کرتی ہے کیونکہ فرمایا: اگر اللہ رسول ﷺ کو ثابت قدم نہ رکھتا تو بعید نہ تھا کہ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اب چونکہ اللہ نے آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھا ہے تو ان کی طرف جھکنا بعید ہے۔

٧٦۔ قرآن کی یہ پیشین گوئی چند سالوں کے اندر صحیح ثابت ہوگئی۔ چنانچہ اس سورے کے نزول کے صرف ایک سال کے بعد رسول کریم ﷺ کو مکہ سے نکل جانے پر مجبور کیا گیا اور ابھی آٹھ سال کا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور اس کے بعد ایک مختصر عرصہ میں جزیرہ عرب مشرکین سے پاک ہوگیا۔

٧٨۔ یعنی زوال آفتاب سے لے کر رات کی تاریکی تک چار نمازوں کا وقت ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ یعنی زوال آفتاب غَسَقِ الَّيْلِ یعنی نصف شب تک یہ چار نمازیں ہیں جن کے اوقات کا رسول اللہ ﷺ نے تعین فرمایا اور قُرْاٰنَ الْفَجْرِ سے مراد صبح کی نماز ہے۔
نماز فجر کے بارے میں فرمایا: صبح کی نماز مشاہدہ میں آتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نماز صبح کو مشہود اس لیے کہا ہے کہ تَشْهَدُهٗ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَ مَلَائِكَةُ النَّهَارِ۔ رات کے فرشتے اور دن کے

وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ٭ۖ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾ وَ قُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ﴿۸۰﴾ وَ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَہَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَہُوۡقًا ﴿۸۱﴾ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا ہُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ وَ لَا یَزِیۡدُ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِہٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ کَانَ یَـُٔوۡسًا ﴿۸۳﴾ قُلۡ کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ ؕ فَرَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ہُوَ اَہۡدٰی سَبِیۡلًا ﴿۸۴﴾ ع وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ

(ملائکہ کے) حضور کا وقت ہے۔☆ ﴿۷۹﴾ اور رات کا کچھ حصہ قرآن کے ساتھ بیداری میں گزارو، یہ ایک زائد (عمل) صرف آپ کے لیے ہے، امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔☆ ﴿۸۰﴾ اور یوں کہیے: میرے رب! تو مجھے (ہر مرحلہ میں) سچائی کے ساتھ داخل کر اور سچائی کے ساتھ (اس سے) نکال اور اپنے ہاں سے مجھے ایک قوت عطا فرما جو مددگار ثابت ہو۔ ﴿۸۱﴾ اور کہد یجیے: حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل کو تو یقیناً مٹنا ہی تھا۔☆ ﴿۸۲﴾ اور ہم قرآن میں سے ایسی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے تو شفا اور رحمت ہے لیکن ظالموں کے لیے تو صرف خسارے میں اضافہ کرتی ہے۔☆ ﴿۸۳﴾ اور جب ہم انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو وہ روگردانی کرتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ ﴿۸۴﴾ کہد یجیے: ہر شخص اپنے مزاج و طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے، پس تمہارا رب بہتر علم رکھتا ہے کہ کون بہترین راہ ہدایت پر ہے۔☆ ﴿۸۵﴾ اور لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں،

---

فرشتے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (الکافی ۳: ۲۸۳)

فقہ جعفری کے مطابق اوقات نماز اس طرح ہیں کہ زوال کی ابتدا ظہر کے ساتھ مخصوص ہے اور دن کا آخری حصہ عصر کے ساتھ مخصوص اور درمیانی وقت دونوں میں مشترک ہے نیز غروب کی ابتدا مغرب کے ساتھ مخصوص اور نصف شب کا آخری حصہ عشاء کے ساتھ مخصوص ہے اور درمیانی وقت دونوں میں مشترک ہے۔

۷۹۔ تہجد نیند توڑنے کے معنوں میں ہے۔ یعنی رات کے آخری حصے میں نماز پڑھنے کو تہجد کہتے ہیں۔ نافلہ کے معنی ہیں فرض سے زائد یعنی یہ نماز پانچ نمازوں سے زائد ہے۔

حدیث میں آیا ہے: تین چیزیں مؤمن کے لیے باعث افتخار اور دنیا و آخرت کی زینت ہیں۔ آخر شب کی نماز، لوگوں کے مال سے بے نیازی اور آل محمد ﷺ میں سے امام کی ولایت میں اطاعت۔ (الکافی ۸: ۲۳۴)

۸۱۔ یہ اعلان مکی زندگی کے نہایت سنگین مظالم کے سائے میں ہو رہا ہے، جب ان مظالم سے تنگ آ کر کچھ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور بظاہر کامیابی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اسی مکہ میں حضور ﷺ بتوں پر ضرب لگا رہے تھے اور اسی آیت کی تلاوت کر رہے تھے: وَ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَہَقَ الۡبَاطِلُ۔

۸۲۔ قرآن پہلے اخلاقی بیماریوں کو شفا دیتا اور انسانی نفس کو جلا بخشتا ہے نیز رذائل سے پاک کر دیتا ہے، اس کے بعد انسان کو رحمت الٰہی کا اہل بنا دیتا ہے اور اس اہلیت کے نہ ہونے کی وجہ سے یہی قرآن ظالم لوگوں کے لیے رحمت کی جگہ خسارے کا سبب بن جاتا ہے۔

۸۴۔ ہر شخص اپنے مزاج و طبیعت کے مطابق کام کرتا

الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ
الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۸۵﴾ وَ لَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ
بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ
عَلَیۡنَا وَكِیۡلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ
اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَیۡكَ كَبِیۡرًا ﴿۸۷﴾ قُلۡ
لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ
یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَ
لَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا ﴿۸۸﴾ وَ لَقَدۡ
صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ
مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤی اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾ وَ
قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا
مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا ﴿۹۰﴾ اَوۡ تَكُوۡنَ لَكَ
جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡهٰرَ

کہد یجیے: روح میرے رب کے امر سے متعلق (ایک راز) ہے اور تمہیں تو بہت کم علم دیا گیا ہے۔☆ ﴿۸۶﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ہم نے جو کچھ آپ کی طرف وحی کی ہے وہ سب سلب کر لیں، پھر آپ کو ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہیں ملے گا۔☆ ﴿۸۷﴾ سوائے آپ کے رب کی رحمت کے، آپ پر یقینا اس کا بڑا فضل ہے۔ ﴿۸۸﴾ کہد یجیے: اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کی مثل لا نہیں سکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔ ﴿۸۹﴾ اور بتحقیق ہم نے اس قرآن میں ہر مضمون کو لوگوں کے لیے مختلف انداز میں بیان کیا ہے لیکن اکثر لوگ کفر پر ڈٹ گئے۔ ﴿۹۰﴾ اور کہنے لگے: ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے جب تک آپ ہمارے لیے زمین کو شگافتہ کر کے ایک چشمہ جاری نہ کریں۔ ﴿۹۱﴾ یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایسا باغ ہو جس کے درمیان آپ

ہے، اسے بدلنا اگرچہ مشکل ہے، تاہم ناممکن نہیں ہے۔ انسانی جین (gene) میں وہ بنیادی نقشہ ہوتا ہے جس پر آگے چل کر اس کی شخصیت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ آگے جو کچھ بننا ہے، وہ اس جین میں کمپیوٹر کے ایک کوڈ کی طرح ملفوف ہوتا ہے۔

۸۵۔ روح: اس حقیقت کا نام ہے جس سے حیات کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسی سے علم اور ہدایت کو بھی روح کہتے جن سے حیات مزید فعال ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن اور وحی کو روح کہا گیا ہے۔

سوال حقیقت حیات سے ہے، جو ابھی تک انسان کے لیے ایک سربستہ راز ہے۔ جواب میں اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا، بلکہ اجمالاً فرمایا کہ یہ عالم امری سے متعلق ہے۔ ممکن ہے عالم خلقی کی باتیں قابل وصف و بیان ہوں، کیونکہ یہ علل و اسباب کے تحت ہوتے ہیں جب کہ عالم امری، کن فیکونی ہوتا ہے۔ اس کی علت بس ارادہ الٰہی ہے۔

تاہم سائنسدانوں کو اس سلسلے میں کچھ پیشرفت حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ ۲۶ مارچ، ۲۰۰۰ء کو ایک عظیم انکشاف کا اہم ترین دن قرار دیا گیا او دعویٰ کیا گیا کہ اس روز سینہ کائنات میں پوشیدہ ایک راز، رازِ حیات سے پردہ اٹھ گیا اور انسانی D.N.A میں موجود تین ارب سالموں کی منظم ترتیب کے ذریعے جینیاتی کوڈ کا معمہ حل ہو گیا۔ اس انکشاف سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تمام زندہ موجودات کے لیے جبلتی ہدایات اللہ تعالیٰ نے خلیات (cells) کے مرکزی حصے D.N.A میں ودیعت فرمائی ہیں جو تین ارب چھوٹے سالموں پر مشتمل ہے اور حیات کا راز انہی سالموں اور ان کی منظم ترتیب میں پوشیدہ ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

۸۶۔ ربط کلام اس طرح ہو سکتا ہے کہ تمہیں تو بہت کم علم دیا گیا ہے اور اے رسول ﷺ آپ کو وحی کے

خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ
كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ
مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ
نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا
نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا
بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ
يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ
قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ
لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ
مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ
مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا
بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا

نہریں جاری کریں۔ ﴿۹۲﴾ یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں جیسا کہ خود آپ کا زعم ہے یا خود اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں۔ ﴿۹۳﴾ یا آپ کے لیے سونے کا ایک گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک آپ ہمارے لیے ایسی کتاب اپنے ساتھ اتار نہ لائیں جسے ہم پڑھیں، کہہ دیجیے: پاک ہے میرا رب، میں تو صرف پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔☆ ﴿۹۴﴾ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو اس پر ایمان لانے میں اور کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ وہ کہتے تھے: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ﴿۹۵﴾ کہہ دیجیے: اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے بس رہے ہوتے تو ہم آسمان سے ایک فرشتے کو رسول بنا کر ان پر نازل کرتے۔☆ ﴿۹۶﴾ کہہ دیجیے: میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے اللہ کافی ہے، وہی اپنے بندوں کا حال یقیناً خوب جانتا اور

ذریعے جو کچھ دیا گیا ہے اس پر بھی آپ ﷺ کی گرفت نہیں ہے۔ ہم اگر چاہیں تو جو کچھ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے علم دیا گیا ہے وہ سب سلب کر سکتے ہیں اور اگر ہم سلب کرنے پر آئیں تو ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہیں ملے گا کہ سلب کرنے نہ دے۔ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ صرف آپ کے رب کی رحمت ہے جو اس جگہ آپ کے کام آ سکتی ہے۔ عملاً نہ اللہ اس علم کو آپ ﷺ سے سلب کرے گا، نہ آپ ﷺ کو رحمت رب کے سوا کسی اور حمایتی کی ضرورت ہے۔

اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا: آپ ﷺ پر یقیناً اللہ کا بڑا فضل ہے جس پر اللہ کا بڑا فضل ہے، اس سے یہ فضل سلب نہیں ہو سکتا۔

۹۳۔ پیغام لانے والے انسان کی ذمہ داری دلیل و حجت کے ساتھ پیغام پہنچانا ہے، نہ یہ کہ شعبدہ بازوں کی طرح ہر ایک کے مطالبے پر روزانہ معجزات کا مظاہرہ کرتا رہے۔

۹۴۔۹۵ بے علم لوگوں کے لیے یہ بات قابل فہم نہیں ہے کہ انسان اللہ کا نمایندہ کیسے ہو سکتا ہے، خاص کر بت پرستوں کا تو عقیدہ ہی انکار نبوت پر مبنی ہے۔ ان کے خیال میں نبوت اور انسان ناقابل جمع ہیں۔ وہ انسان کے مقام والا سے بے خبر ہیں۔ انہیں علم نہیں کہ اس کائنات میں انسان اشرف مخلوقات کے مقام اور معلم ملائکہ کی منزلت پر فائز ہے۔

جواب میں فرمایا: زمین جس طرح انسان کے لیے نہایت سازگار جگہ ہے، اسی طرح اگر فرشتے بھی یہاں اسی سازگاری اور اطمینان سے رہ رہے ہوتے تو ہم ان کی طرف کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔ اب یہاں انسان نہایت سازگاری کے ساتھ رہ رہا ہے، اس لیے ان انسانوں کے لیے انسان ہی رہنما اور مشعل راہ بن سکتا ہے، کیونکہ ہدایت کا تعلق قول و فعل دونوں سے ہے۔ ہادی اگر عمل میں شریک نہیں ہے تو تعلیم و تربیت کے اصولوں کی تطبیق اور سیرت و

بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿٩٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٩٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ

النصف

دیکھتا ہے۔☆ ﴿٩٧﴾ اور ہدایت یافتہ وہ ہے جس کی اللہ ہدایت کرے اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو آپ اللہ کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں پائیں گے اور قیامت کے دن ہم انہیں اوندھے منہ اندھے اور گونگے اور بہرے بنا کر اٹھائیں گے، ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جب آگ فرو ہونے لگے گی تو ہم اسے ان پر اور بھڑکائیں گے۔☆ ﴿٩٨﴾ یہ ان کے لیے اس بات کا بدلہ ہے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کا انکار کیا اور کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور خاک ہو جائیں گے تو کیا پھر ہم نئے سرے سے خلق کر کے اٹھائے جائیں گے؟ ﴿٩٩﴾ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے وہ ان جیسوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے؟ اور اس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں لیکن ظالم لوگ انکار پر تلے ہوئے ہیں۔☆ ﴿١٠٠﴾ کہد یجیے: اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں پر اختیار رکھتے تو تم خرچ کے خوف سے

---

کردار کی مثال کون پیش کرے گا۔ چنانچہ اسی مطلب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:٢١)

٩٦۔ حجت پوری ہوگئی، دلیل و برہان میں کوئی کمی نہیں رہی حق کی دعوت دلیل کے ساتھ ان تک پہنچا دی گئی، لیکن وہ حق کے واضح ہونے کے باوجود اپنے عناد اور ہٹ دھرمی پر قائم ہیں تو کہد یجیے: اس معاملے کو اپنے مالک حقیقی کے پاس لے جاتے ہیں، وہی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا، چونکہ وہ میرے اعمال اور تمہارے عناد، سب کا شاہد اور گواہ ہے۔

٩٧۔ حقیقی ہدایت وہی ہے جو ہدایت کے سرچشمہ اللہ کی جانب سے ہو اور جو اس سرچشمہ سے فیض حاصل کرتا ہے وہی فیضیاب ہے اور جسے اللہ ہدایت سے محروم کر دے تو وہ گمراہی کی اتھاہ گہرائی میں منہ کے بل گرنے لگے گا تو کون ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ لے۔ واضح رہے اللہ کسی کو از خود گمراہی میں نہیں ڈالتا، بلکہ جو لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور اللہ کی رحمت کے لیے اپنے اندر ظرفیت پیدا نہیں کرتے، ان سے اللہ اپنی رحمت روک لیتا ہے۔ اس صورت کا لازمی نتیجہ گمراہی ہے۔

٩٩۔ منکرین قیامت کے جواب میں فرمایا: جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ ان کے مثل بنانے پر قادر ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ۔ (المومن: ٥٧) یعنی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے خلق کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے۔ آسمانوں اور زمین میں ہمیشہ شکست و ریخت اور تجدید خلق کا سلسلہ جاری ہے: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ۔ وہ ہر روز کرشمہ سازی میں مصروف ہے۔ مشرکین کے لیے جو نا قابل فہم بات تھی وہ جسم کا اعادۂ خلق ہے۔ اس لیے فرمایا: اس جسم کی مثل بنانے پر اللہ قادر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین یہی جسم دوبارہ پیدا

ع الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ
بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ
فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾
قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ
لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ
يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ
مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ
اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ
وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ
اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
وقف لازم اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ

انہیں روک لیتے اور انسان بہت (تنگ دل) واقع ہوا ہے۔☆ ﴿۱۰۰﴾ اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو نو (۹) واضح نشانیاں دی تھیں یہ بات خود بنی اسرائیل سے پوچھ لیجیے، جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان (موسیٰ) سے کہا: اے موسیٰ! میرا خیال ہے کہ تم سحر زدہ ہو گئے ہو۔☆ ﴿۱۰۱﴾ موسیٰ نے کہا: (اے فرعون دل میں) تو یقینا جانتا ہے کہ ان نشانیوں کو آسمانوں اور زمین کے رب نے ہی بصیرت افروز بنا کر نازل کیا ہے اور اے فرعون! میرا خیال ہے کہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ ﴿۱۰۲﴾ پس فرعون نے ارادہ کر لیا تھا کہ انہیں زمین سے ہٹا دے مگر ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایک ہی ساتھ غرق کر دیا۔ ﴿۱۰۳﴾ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا: تم اس سرزمین میں سکونت اختیار کرو پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو ایک ساتھ لے آئیں گے۔ ﴿۱۰۴﴾ اور اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور اسی حق کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے اور (اے رسول) ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿۱۰۵﴾ اور قرآن کو ہم نے جدا جدا

نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ یہ جسم تو دنیا میں ہر سات سال بعد بدل کر کاربن کی صورت میں فضا میں منحل ہوتا رہتا ہے اور ہر سات سال بعد اللہ تعالیٰ قدیم جسم کی مثل خلق فرماتا رہتا ہے اور نفس کے اعتبار سے عیناً وہی انسان ہوگا جو دنیا میں ہے چونکہ نفس کے لیے فنا نہیں۔

۱۰۰۔ لوگوں پر بخل و کنجوسی کی خصلت جب غالب آ جاتی ہے تو وہ کسی کو کشائش میں نہیں دیکھ سکتے۔ کسی پر اللہ کا فضل و رحمت ہو جائے تو جل مرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر اللہ کے ختم نہ ہونے والے خزانوں کا مالک بنایا جائے تو بھی وہ خرچ نہیں کر پائیں گے۔ یہ اشارہ ان مشرکین کی طرف ہے جو صرف از راہ حسد و بخالت رسول کریم ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ابوجہل نے کئی بار اس بات کا اظہار کیا کہ محمد ﷺ لوگوں پر افترا نہیں باندھتا، وہ اللہ پر افترا کیسے باندھ سکتا ہے۔ تاہم ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم محمد ﷺ کی نبوت کو قبول کر کے اس کی برتری قبول کریں۔

۱۰۱۔ مکہ کے مشرکین کو معجزات کے مطالبے کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جو لوگ ایمان کی خاطر نہیں صرف بہانہ جوئی کے لیے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں وہ معجزوں سے کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ جیسا کہ فرعون کی مثال سامنے ہے اور بنی اسرائیل سے اس کی تصدیق لے سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ ؑ کی طرف سے ایک دو نہیں نو (۹) معجزے دکھانے کے بعد ایمان لانے کی جگہ حضرت موسیٰ ؑ کو سحر زدہ قرار دیا۔ اگرچہ حضرت موسیٰ ؑ کے معجزے نو سے زیادہ ہیں لیکن یہاں ان معجزوں کا ذکر ہے جو فرعون کو حجت تمام کرنے کے لیے پیش کیے۔

۱۰۶۔ تاکہ لوگوں کو اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں آسانی ہو اور تدریجی عمل سے لوگوں میں اس دستور کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی استعداد پیدا کرنے کا موقع ملتا رہے تاکہ علم کے ساتھ عمل اور تعلیم کے ساتھ تربیت کا سلسلہ جاری رہے۔ ورنہ بنی اسرائیل کو توریت دفعتاً دی گئی تو اسے سنوانے کے لیے پہاڑوں کو سر پر اٹھانا پڑا۔

لِتَقۡرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّ نَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِیۡلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلۡ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَ یَزِیۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدۃ قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدۡعُوۡا فَلَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۚ وَ لَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِکَ وَ لَا تُخَافِتۡ بِهَا وَ ابۡتَغِ بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرۡهُ تَکۡبِیۡرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

رکھا ہے تاکہ آپ اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا ہے۔☆ ﴿۱۰۷﴾ کہدیجیے: تم خواہ اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ، اس سے پہلے جنہیں علم دیا گیا ہے جب یہ پڑھ کر انہیں سنایا جاتا ہے تو یقینا وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔☆ ﴿۱۰۸﴾ اور کہتے ہیں: پاک ہے ہمارا رب اور ہمارے رب کا وعدہ پورا ہوا۔☆ ﴿۱۰۹﴾ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں اور روتے جاتے ہیں اور اللہ ان کا خشوع مزید بڑھا دیتا ہے۔ ﴿۱۱۰﴾ کہدیجیے: اللہ کہ کر پکارو یا رحمٰن کہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں اور آپ اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھیں، نہ بہت آہستہ بلکہ درمیانی راستہ اختیار کریں۔☆ ﴿۱۱۱﴾ اور کہدیجیے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ وہ ناتواں ہے کہ کوئی اس کی سرپرستی کرے اور اس کی بڑائی کماحقہ بیان کرو۔☆

۱۰۷۔ قرآن پیغام فطرت ہے۔ فطرت سلیمہ رکھنے والے قرآنی آیات کو سن کے بے ساختہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف آیات الٰہی سن کر سجدہ کرتے ہیں بلکہ بے ساختہ سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ان کے پاس جو علم ہے وہ ان کو ایسا کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ان کے اعضاء و جوارح سجدہ ریز ہوتے ہیں تو ان کے دل میں بھی خشوع آجاتا ہے اور فرط جذبات سے گریہ کرتے ہیں۔

۱۰۸۔ یعنی تمہارے ایمان نہ لانے سے قرآن کی حقانیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ قرآن کے انسانی فطرت و ضمیر کی آواز ہونے کے ثبوت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس آواز کو پاک فطرت والوں کی طرف سے پذیرائی ملی ہے۔

۱۱۰۔ مشرکین اللہ کے لفظ سے مانوس تھے، مگر رحمٰن کے لفظ سے مانوس نہ تھے۔ جب رسالتمآب ﷺ یا اللہ یا رحمٰن کہتے تو مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ یہ ہمیں توحید کی دعوت دیتا ہے خود دو خداؤں کو پکارتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ دونوں لفظوں کا مقصد و مراد ایک ہی ذات ہے۔ دوسرے جملے میں فرمایا: نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھو، نہ بہت پست آواز سے، بلکہ آواز میں اعتدال رکھو۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: اَلْجَھرُ بِھَا رَفْعُ الصَّوْتِ وَ التَّخَافُتُ مَا لَمْ تُسْمِعْ نَفْسَکَ وَ اقْرَأْ مَا بَیْنَ ذٰلِکَ۔ (وسائل الشیعۃ ۶:۹۸) جھر بہت زیادہ بلند آواز کو کہتے ہیں اور اخفات یہ ہے کہ خود بھی نہ سن سکو۔ ان دونوں کے درمیان اعتدال سے پڑھو۔ یعنی جہری نمازوں کو زیادہ بلند آواز سے نہ پڑھو اور اخفاتی نمازوں کو اتنی پست آواز میں نہ پڑھو کہ تم خود بھی نہ سن سکو اور صرف لبوں کی جنبش رہ جائے۔

۱۱۱۔ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ اکبر من کل شیء کہنا اور مفہوم لینا کہ اللہ ہر چیز سے بڑا ہے، غلط تصور ہے کیونکہ اس میں اللہ کا دیگر موجودات سے موازنہ کیا گیا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے: اللہ اکبر من ان یوصف۔ اللہ وصف و بیان کی حد سے بڑا ہے۔ (الکافی ۱:۱۱۷)

ایاتها ۱۱۰ — ۱۸ سُوۡرَۃُ الۡکَہۡفِ مَکِّیَّۃٌ ۶۹ — رکوعاتها ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ
الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ۜ﴿ؕ۱﴾ قَیِّمًا
لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ
اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾ مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ
اَبَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّ یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ
اللّٰہُ وَلَدًا ٭﴿۴﴾ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّ لَا
لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ
اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ﴿۵﴾
فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ
یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ اِنَّا جَعَلۡنَا

سورۂ کہف۔ مکی۔ آیات ۱۱۰

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① ثنائے کامل اس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی۔☆ ② نہایت مستحکم ہے تاکہ اس کی طرف سے آنے والے شدید عذاب سے خبردار کرے اور ان مومنین کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لیے بہتر اجر ہے۔ ③ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ④ اور انہیں تنبیہ کرے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے۔☆ ⑤ اس بات کا علم نہ انہیں ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو، یہ بڑی (جسارت کی) بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے، یہ تو محض جھوٹ بولتے ہیں۔☆ ⑥ پس اگر یہ لوگ اس (قرآنی) مضمون پر ایمان نہ لائے تو ان کی وجہ سے شاید آپ اس رنج میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔☆ ⑦ روئے زمین پر جو کچھ موجود ہے اسے ہم نے زمین کے

سورۂ کہف

۱۔ ۲ قرآن ایک دستور حیات ہے جو انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ قرآنی تعلیمات میں کوئی ناہم آہنگی عوج نہیں ہے۔ اس لیے یہ دستور حیات ہونے کے لحاظ سے قیم ہے۔ یعنی ایک نہایت استوار دستور حیات ہے جو بندوں کے نظام زندگی کا محافظ ہے۔

۴۔ ۵ اللہ تعالیٰ کو جسم و جسمانی قرار دینا اور اللہ کے لیے وہ چیزیں ثابت کرنا جو جسم و جسمانی ہونے کی صورت میں حاصل ہو سکتی ہیں، شان الٰہی میں گستاخی ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی سخت ہوتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے جب یہ مطالبہ کیا کہ ہمیں اللہ علانیہ طور پر دکھا دے تو ان پر بجلی گری۔

اس آیت میں خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی اولاد ہونے کے قائل ہیں ان کی خصوصی طور پر تنبیہ ہوگی، کیونکہ یہ کہنا کہ اللہ کے لیے اولاد ہے، اس کو اللہ نے بڑی جسارت سے تعبیر فرمایا ہے۔

۶۔ لوگوں کے عدم ایمان اور اللہ کے پیغام حق کو پذیرائی نہ ملنے پر جو رنج و غم رسول اللہ ﷺ کو درپیش ہوتا تھا اس رنج و غم کی سنگینی کا اندازہ اس آیت سے ہوتا ہے کہ رب العالمین کو یہ کہنا پڑا کہ آپ اس حد تک ان کے عدم ایمان کی وجہ سے غم و اندوہ میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کیجیے کہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

۷۔ ہم نے زمین کو پرکشش بنایا۔ اس میں ایسی دلفریب چیزیں پیدا کیں جن سے ہم انسان کی آزمائش کریں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: وَ نَبۡلُوۡکُمۡ بِالشَّرِّ وَ الۡخَیۡرِ یعنی ہم تمہیں خیر و شر سے آزمائیں گے۔ کیا اس پر موجود پرکشش چیزوں سے رب کی رضا حاصل کی جاتی ہے؟ یا ان چیزوں

مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ
اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا
صَعِيْدًا جُرُزًا ۭ ⑧ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ
الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا
عَجَبًا ⑨ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ
فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ
هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا
عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۙ ⑪
ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى
لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۧ ⑫ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ (ع ١٢)
نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ
وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۖ ⑬ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ

لیے زینت بنایا تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سب سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔☆ ⑧ اور اس پر جو کچھ ہے اسے ہم (کبھی) بنجر زمین بنانے والے ہیں۔☆ ⑨ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار اور کتبے والے ہماری قابل تعجب نشانیوں میں سے تھے؟☆ ⑩ جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی تو کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت عنایت فرما اور ہمیں ہمارے اقدام میں کامیابی عطا فرما۔ ⑪ پھر کئی سالوں تک غار میں ہم نے ان کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈال دیا۔ ⑫ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم دیکھ لیں کہ ان دو جماعتوں میں سے کون ان کی مدت قیام کا بہتر شمار کرتی ہے۔ ⑬ ہم آپ کو ان کا حقیقی واقعہ سناتے ہیں، وہ کئی جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے انہیں مزید ہدایت دی۔☆ ⑭ اور جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا پس انہوں نے کہا: ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں

کو اللہ کی خوشنودی کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے؟

٨۔ سطح زمین پر موجود عارضی زیب و زینت ایک وقت ختم ہو کر یہ زمین ایک چٹیل میدان میں بدل جائے گی تو اس وقت پتہ چلے گا کہ زمین کی زندگی میں عیش و عشرت محض ایک آزمائش تھی۔

٩۔ اصحاب کہف کو چند سو سال سلائے رکھنا اللہ کی عظیم نشانیوں میں کوئی انوکھی بات نہیں، نہ ہی قدرت خدا کے لیے یہ کوئی مشکل کام ہے۔ کہف وسیع غار کے معنوں میں ہے اور رقیم بمعنی مرقوم ہے۔ جیسے قتیل بمعنی مقتول آتا ہے۔ اس سے مراد وہ لوح ہے جس پر اصحاب کہف کے نام و نسب اور مختصر واقعہ درج تھا۔ اس لیے انہیں اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ کہا گیا۔

١٣۔ اس واقعہ کی متعدد روایات ہیں۔ سب سے قدیم روایت سریانی روایت ہے کہ جو تقریباً ۴۷۴ء میں اس واقعے کے تیس چالیس سال بعد ایک شامی پادری نے زبانی روایت کی بنیاد پر لکھی۔ بعد کی یونانی اور لاطینی روایتوں کا بھی ماخذ یہی سریانی روایت رہی ہے اور اسلامی مورخین کی روایت سریانی سے مختلف نہیں ہے۔ سریانی روایت کا خلاصہ یہ ہے:

رومی حکمران دقیانوس یا تھیوڈوسیس متوفی ٢٥١ء کے دور میں بت پرستی کا مذہب رائج تھا۔ وہ مسیح علیہ السلام کے پیروؤں پر سخت ظلم و ستم روا رکھتا تھا۔ سات جوانوں نے اپنے دین کو بچانے کے لیے ہجرت کی اور راستے میں ایک کتا ان کے ساتھ ہو لیا۔ ان کی کوشش کے باوجود وہ کتا ان سے الگ نہ ہوا۔ جس شہر سے یہ ہجرت واقع ہوئی، وہ اکثر مورخین کے بقول شہر افسوس یا افسس تھا جو موجودہ ترکی کے شہر ازمیر سے ٢٠ میل کے فاصلے

الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ
قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ
بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا
يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ
يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ
مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا
طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ
اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ
فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ
يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ ع وَتَحْسَبُهُمْ
ع ۵/۱۴

اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے، (اگر ہم ایسا کریں) تو ہماری یہ بالکل نامعقول بات ہوگی۔ ﴿۱۵﴾ ہماری اس قوم نے تو اللہ کے سوا اوروں کو معبود بنایا ہے، یہ ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لائے؟ پس اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے والوں سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے؟ ﴿۱۶﴾ اور جب تم نے مشرکین اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں سے کنارہ کشی اختیار کی ہے تو غار میں چل کر پناہ لو، تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے معاملات میں تمہارے لیے آسانی فراہم کرے گا۔ ﴿۱۷﴾ اور آپ دیکھتے ہیں کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے داہنی طرف سمٹ جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے اور وہ غار کی کشادہ جگہ میں ہیں، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے، جسے اللہ ہدایت کرے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے آپ سرپرست و رہنما نہ پائیں گے۔☆ ﴿۱۸﴾ اور آپ

پر موجود تھا۔ یہ شہر ایشیائے کوچک میں بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ وہ ایک بڑے گہرے غار میں چھپ گئے اور کتا اس غار کے دہانے پر بیٹھ گیا۔ پیدل سفر کی وجہ سے تھک گئے تھے، فوراً سو گئے۔ یہ واقعہ تقریباً ۲۵۱ عیسوی کو پیش آیا اور قیصر تھیوڈوسیس کے عہد ۴۴۷ء میں بیدار ہوئے۔ اس طرح اصحاب کہف کے خواب کی مدت ۱۹۷ سال بنتی ہے۔

جب وہ قیصر تھیوڈوسیس کے عہد میں بیدار ہوئے تو اس وقت رومی سلطنت مسیحیت اختیار کر چکی تھی۔ بیدار ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھا ہم کتنی دیر سوئے ہوں گے؟ کسی نے کہا دن بھر۔ کسی نے کہا دن کا کچھ حصہ۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو چاندی کے چند سکے دے کر کھانا لانے کے لیے شہر بھیجا۔ جب وہ شہر پہنچا تو حیرت زدہ ہو گیا کہ ہر چیز بدلی ہوئی ہے، سب لوگ مسیحی ہو گئے ہیں اور بت پرستی کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ ایک دوکان سے روٹی خریدی، دوکاندار کو چاندی کا ایک سکہ دیا جس پر قیصر تھیوڈوسیس کی تصویر تھی تو وہ اس سے پوچھنے لگے کہ وہ دفینہ کہاں ہے جہاں سے تم یہ سکہ لائے ہو؟ کیونکہ قیصر تھیوڈوسیس کو مرے ہوئے مدت گزر چکی ہے۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گیا اور کہا کل ہی تو میں اور میرے ساتھی اس شہر سے بھاگے تھے اور غار میں پناہ لی تھی کہ دقیانوس (تھیوڈوسیس) کے ظلم سے بچے رہیں۔ اس کی باتیں سن کر لوگ اس غار تک پہنچ گئے اور خود بادشاہ بھی ان سے ملا۔

۱۷۔ اس غار کا محل وقوع بیان ہو رہا ہے کہ سورج سے کس جانب واقع تھا۔ فرمایا: وہ اس غار کے تنگ دہانے پر نہیں کشادہ جگہ پر موجود تھے اور دھوپ کی ان تک رسائی نہیں ہوتی تھی یا اس لیے کہ غار کا رخ شمال کی جانب تھا اور کسی موسم میں بھی غار کے اندر دھوپ نہیں پہنچتی تھی یا اس لیے کہ اصحاب کہف

اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف بانّ التاء بعد الياء من النصف الاول واللام الثانية من النصف الآخر ۱۲

خیال کریں گے کہ یہ بیدار ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم انہیں دائیں اور بائیں کروٹ بدلاتے رہتے ہیں اور ان کا کتا غار کے دھانے پر دونوں ٹانگیں پھیلائے ہوئے ہے اگر آپ انہیں جھانک کر دیکھیں تو ان سے ضرور الٹے پاؤں بھاگ نکلیں اور ان کی دہشت آپ کو گھیر لے۔☆ ⑲ اسی انداز سے ہم نے انہیں بیدار کیا تاکہ یہ آپس میں پوچھ گچھ کر لیں، چنانچہ ان میں سے ایک نے پوچھا: تم لوگ یہاں کتنی دیر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ایک دن یا اس سے بھی کم، انہوں نے کہا: تمہارا رب بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی مدت رہے ہو پس تم اپنے میں سے ایک کو اپنے اس سکے کے ساتھ شہر بھیجو اور وہ دیکھے کہ کون سا کھانا سب سے ستھرا ہے پھر وہاں سے کچھ کھانا لے آئے اور اسے چاہیے کہ وہ ہوشیاری سے جائے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔☆ ⑳ کیونکہ اگر وہ تم پر غالب آ گئے تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا اپنے مذہب میں پلٹائیں گے اور اگر ایسا ہوا تو تم ہرگز فلاح نہیں

غار کے دہانے سے اندر کی طرف کشادہ جگہ پر تھے اور سورج کی کرنیں ان تک نہیں پہنچ پاتی تھیں، اگرچہ غار کا رخ جنوب کی طرف تھا۔ آیت میں ان دونوں باتوں کے لیے گنجائش موجود ہے۔ اگر غار میں داخل ہونے کے اعتبار سے دائیں اور بائیں کہا جا رہا ہے تو غار کا رخ شمال کی طرف ہوگا اور اگر خارج ہونے کے اعتبار سے ہے تو غار کا رخ جنوب کی طرف ہوگا۔

۱۸۔ ان کو کروٹ بدلتے دیکھ کر یہ خیال گزرنا قرین قیاس ہے کہ یہ بیدار ہیں، حالانکہ وہ محو خواب ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوں، دیکھنے والے یہ خیال کریں کہ یہ لوگ بیدار بھی ہیں اور بیداروں کی سی حرکتیں بھی نہیں کر رہے ہیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر ایک خوفناک تصور ذہن میں آئے گا اور انسان وہاں سے بھاگنے میں ہی اپنی سلامتی تصور کرے گا۔ واضح رہے کہ بہت سے مقامات پر قرآن کا یہ طرز خطاب رہا ہے کہ ایک مطلب کو عام لوگوں کے لیے بیان کیا جاتا ہے لیکن خطاب اپنے رسول ﷺ سے کیا جاتا ہے۔

۱۹۔ وہ کفر کی طاقت سے مایوس ہو کر بھاگ گئے تھے اور دل میں یہ حسرت لیے گھر بار چھوڑ دیا کہ وہ دن کب آئے گا کہ باطل مٹ چکا ہوگا اور بت پرستی ختم ہو گئی ہوگی اور توحید پرستی عام ہو گئی ہو۔ اللہ نے ان کو اتنی مدت سلا دیا کہ وہ دن دیکھ پائیں کہ باطل مٹ چکا ہے اور حق کا بول بالا ہے۔

اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا: صرف روحانی غذا کی پاکیزگی نہیں، بلکہ جسمانی غذا کی طہارت و پاکیزگی بھی اسی قدر اہمیت کی حامل ہے۔ درحقیقت باطنی طہارت و ظاہری طہارت میں گہرا ربط ہے۔ اسی طرح دعا کی قبولیت کے لیے بھی غذا کی پاکیزگی اور حلال ہونے کو بڑا دخل ہے۔

۲۱۔ سریانی روایت میں آیا ہے کہ اس وقت مسیحیوں میں قیامت اور اخروی زندگی کے بارے میں بحث

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۟ۙ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾

ع ۳ ۱۵

پاؤ گے۔ ﴿۲۱﴾ اور اس طرح ہم نے (لوگوں کو) ان سے باخبر کر دیا تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (کے آنے) میں کوئی شبہ نہیں، یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ ان کے بارے میں جھگڑ رہے تھے تو کچھ نے کہا: ان (کے غار) پر عمارت بنا دو، ان کا رب ہی ان کا حال بہتر جانتا ہے، جنہوں نے ان کے بارے میں غلبہ حاصل کیا وہ کہنے لگے: ہم ان کے غار پر ضرور ایک مسجد بناتے ہیں۔☆ ﴿۲۲﴾ کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین ہیں، چوتھا ان کا کتا ہے اور کچھ کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے، یہ سب دیکھے بغیر اندازے لگا رہے ہیں اور کچھ کہیں گے: وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے، کہد یجیے: میرا رب ان کی تعداد کو بہتر جانتا ہے ان کے بارے میں کم ہی لوگ جانتے ہیں لہٰذا آپ ان کے بارے میں سطحی گفتگو کے علاوہ کوئی بحث نہ کریں اور نہ ہی ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ دریافت کریں۔☆ ﴿۲۳﴾ اور آپ کسی کام کے بارے میں ہرگز یہ نہ کہیں کہ میں

چھڑی ہوئی تھی اور منکرین قیامت کے مقابلے میں مؤمنین کے دلائل کمزور تھے۔ عین اس وقت اصحاب کہف کی بیداری کا واقعہ پیش آیا تو قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو ایک سند مل گئی اور حیات بعد الموت ان کے لیے ناقابل فہم مسئلہ نہ رہا۔

ممکن ہے یہ نزاع قیامت کے بارے میں ہو۔ جو لوگ اس واقعہ کو قیامت کی دلیل نہیں سمجھتے تھے ان کا یہ کہنا تھا کہ اس غار پر دیوار چن دینا چاہیے اور جو لوگ اس واقعہ کو دلیل آخرت سمجھتے تھے، ان کا یہ کہنا تھا کہ اس پر مسجد تعمیر کرنی چاہیے۔

۲۲۔ نزول قرآن کے وقت عیسائیوں میں اصحاب کہف کے بارے میں مختلف باتیں پھیلی ہوئی تھیں ان میں سے کسی ایک پر کوئی سند نہیں ہوتی تھی، صرف ظن و تخمین پر مبنی باتیں تھیں۔ اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں جن اقوال کا ذکر فرمایا، ان میں سے صرف آخری قول کی تردید نہ کرنے سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہی تعداد صحیح ہے۔ تعداد اتنی اہم بات نہیں ہے، اس لیے حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ نہ تو تعداد پر بحث کریں، نہ اس کے بارے میں کسی سے سوال کریں۔ اس سلسلے میں اہمیت کا حامل وہ سبق ہے جو اس واقعہ سے ملتا ہے۔

۲۳۔ اصل فعل و عمل کی نسبت بندے کی طرف بھی ہو سکتی ہے، اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن نے متعدد مقامات پر اعمال کو انسانوں کی طرف نسبت دی ہے۔ یہاں بات استقلال کی ہو رہی ہے کہ کسی عمل کو بطور استقلال اپنی طرف نسبت نہ دو۔ اس کائنات میں اذن و مشیت الٰہی کے بغیر کوئی پتا نہیں ہل سکتا۔ البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اذن و مشیت الٰہی امور تکوینی سے متعلق ہیں، امور تشریعی سے نہیں۔

۲۴۔ دوسرے جملے میں فرمایا کہ اگر آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں۔ یہاں خطاب اگرچہ اپنے حبیب سے ہے، لیکن ان لوگوں کو سمجھانا مقصود ہے

| | |
|---|---|
| اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۫ وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّہۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ ہٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوۡا فِیۡ کَہۡفِہِمۡ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیۡنَ وَازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ۚ لَہٗ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَبۡصِرۡ بِہٖ وَاَسۡمِعۡ ؕ مَا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ کِتَابِ رَبِّکَ ۚؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ۟ وَلَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مُلۡتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ ۚ | اسے کل کروں گا،☆ ﴿۲۳﴾ مگر یہ کہ اللہ چاہے اور اگر آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں اور کہد یجیے: امید ہے میرا رب اس سے قریب تر حقیقت کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا۔☆ ﴿۲۴﴾ اور وہ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو کا اضافہ کیا۔☆ ﴿۲۵﴾ آپ کہد یجیے: ان کے قیام کی مدت اللہ بہتر جانتا ہے، آسمانوں اور زمین کی غیبی باتیں صرف وہی جانتا ہے، وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے، اس کے سوا ان کا کوئی سرپرست نہیں اور نہ ہی وہ کسی کو اپنی حکومت میں شریک کرتا ہے۔ ﴿۲۶﴾ (اے رسول) آپ کے رب کی کتاب کے ذریعے جو کچھ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھ کر سنا دیں کوئی اس کے کلمات کو بدلنے والا نہیں ہے اور نہ ہی آپ اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ پائیں گے۔ ﴿۲۷﴾ اور (اے رسول) اپنے آپ کو ان لوگوں کی معیت میں محدود رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اپنی نگاہیں ان |

جن کے لیے یہ قرآن دستور حیات ہے، سر دلبران در حدیث دیگران۔

۲۵۔ اصحاب کہف قیصر روم تھیوڈوسیس کے عہد سلطنت میں تقریباً ۴۴۵ء میں بیدار ہوئے اور بقول بعضے یہ واقعہ قیصر دقیانوس کے عہد ۲۴۹۔۲۵۱ میں پیش آیا۔ اس طرح ان کے خواب کی مدت ۱۹۷ سال بنتی ہے۔ جبکہ قرآن یہ مدت ۳۰۹ سال بتاتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ اصل تحقیق کے مطابق اصحاب کہف کا واقعہ قیصر روم طراجان کے عہد سلطنت ۹۸۔۱۱۷ء میں پیش آیا، نہ کہ قیصر دقیانوس ۲۵۱ء کے عہد میں، جیسا کہ بعض مسیحی روایات میں آیا ہے اور نہ دقیانوس ۴۰۵ء کے عہد میں جیسا کہ بعض دیگر مسلم و غیر مسلم روایات میں آیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ اصحاب کہف قیصر تھیوڈوسیس کے عہد میں بیدار ہوئے جس کی سلطنت ۴۰۸ء سے ۴۵۰ء تک رہی۔ لہٰذا اگر ہم ۴۲۱ سے ۳۰۹ منفی کریں تو طراجان کا عہد حکومت ۱۱۲ء نکل آتا ہے۔ بعض مستشرقین سریانی روایت کو بنیاد بنا کر قرآنی روایت کو مطعون کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ سریانی روایت اصحاب کہف کی بیداری کے چالیس سال بعد لکھی گئی جو بیداری کے حالات کے بارے میں کسی قدر قابل اعتماد ہو سکتی ہے، لیکن ان کی ہجرت کا واقعہ کب پیش آیا؟ اس کے بارے میں سریانی روایت بالکل قابل اعتماد نہیں ہے، کیونکہ واقعہ اس روایت سے صدیوں پہلے پیش آیا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مدت بیان کرنے کا یہ قول لوگوں کے قول کا بیان ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنا قول، کیونکہ بعد میں اللہ فرماتا ہے کہ ان سے کہد یجیے اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت سوئے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ اللہ کا اپنا قول نہیں، لوگوں کے قول کا بیان ہے۔

تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ
اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ
وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ
فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ
اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا
يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ
بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا
لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۚ ﴿۳۰﴾
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ
مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ

سے نہ پھیریں، کیا آپ دنیاوی زندگی کی آرائش کے خواہشمند ہیں؟ اور آپ اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ اور کہدیجیے: حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، ہم نے ظالموں کے لیے یقینا ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیرے میں لے رہی ہوں گی اور اگر وہ فریاد کریں تو ایسے پانی سے ان کی داد رسی ہو گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو گا ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا بدترین مشروب اور بدترین ٹھکانا ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجا لاتے ہیں تو ہم نیک اعمال بجا لانے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔☆ ﴿۳۰﴾ ان کے لیے دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ سونے کے کنگنوں سے مزین ہوں گے اور باریک ریشم اور

۲۸۔ شان نزول کے بارے میں منقول ہے کہ اشراف قریش کی طرف سے یہ دباؤ تھا کہ رسول ﷺ نادار و مسکین مؤمنین کو اپنی بارگاہ سے دور کر دیں۔ ممکن ہے کہ آیت نادار و مسکین مؤمنین کی دل جوئی کے لیے ہو یا ممکن ہے خود رسول اللہ ﷺ کی دل جوئی کے لیے ہو، کیونکہ آپ ﷺ کو قدرتاً یہ آرزو رہتی تھی کہ رؤسائے قریش اگر ایمان لے آتے تو رونق اسلام میں نمایاں اضافہ ہو جاتا۔

۲۹۔ حق کے واضح ہونے اور حجت پوری ہونے کے بعد ایمان اور کفر اختیار کرنا خود بندے کے دائرہ اختیار میں ہوتا ہے۔

۳۰۔ ۳۱ سونے کے کنگن، حجلہ ابریشم، اطلس کے لباس، یہ سب جنت کی شاہانہ زندگی کی طرف اشارہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم آخرت، عالم دنیا سے مختلف ہے۔ وہاں کا طرز زندگی اللہ تعالیٰ ہمارے محسوسات کی روشنی میں سمجھاتا ہے، ورنہ عالم آخرت کے حقائق اس عالم ناسوت والوں کے لیے قابل فہم و ادراک نہیں ہیں۔ واضح رہے کہ ان دو آیات سے یہ بات واضح ہے کہ یہ ثواب ان کے لیے ہے جن کے پاس ایمان کے ساتھ عمل صالح ہے۔ اس لیے فرمایا: ہم نیک عمل بجا لانے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ اس سے واضح ہوا ہے کہ اگر ایمان کے ساتھ عمل صالح نہ ہو تو اس کا کوئی اجر ہی نہیں ہوتا کہ ضائع کا سوال پیدا ہو جائے، بلکہ اس پر ایمان ہی صادق نہیں آتا۔

۳۲۔ آیت میں ایک نادار اور ایک سرمایہ دار میں مکالمے کی مثال پیش کی گئی ہے۔ سرمایہ دار کا طرز تفکر یہ ہے: ☆ وہ مال و اولاد کی فراوانی کو ہی انسان کی منزل مقصود قرار دیتا ہے اور وہ صرف مادی اقدار کو جانتا ہے: اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا۔

سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿٣١﴾ ع وَ اضۡرِبۡ لَہُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَیۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِہِمَا جَنَّتَیۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّ حَفَفۡنٰہُمَا بِنَخۡلٍ وَّ جَعَلۡنَا بَیۡنَہُمَا زَرۡعًا ؕ ﴿٣٢﴾ کِلۡتَا الۡجَنَّتَیۡنِ اٰتَتۡ اُکُلَہَا وَ لَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡہُ شَیۡئًا ۙ وَّ فَجَّرۡنَا خِلٰلَہُمَا نَہَرًا ﴿٣٣﴾ ۙ وَّ کَانَ لَہٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِہٖ وَ ہُوَ یُحَاوِرُہٗۤ اَنَا اَکۡثَرُ مِنۡکَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَ دَخَلَ جَنَّتَہٗ وَ ہُوَ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِہٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنۡ تَبِیۡدَ ہٰذِہٖۤ اَبَدًا ﴿٣٥﴾ ۙ وَّ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَۃَ قَآئِمَۃً ۙ وَّ لَئِنۡ رُّدِدۡتُّ اِلٰی رَبِّیۡ لَاَجِدَنَّ خَیۡرًا مِّنۡہَا

اطلس کے سبز کپڑوں میں ملبوس مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، بہترین ثواب ہے اور خوبصورت منزل۔☆ (٣٢) اور (اے رسول) ان سے دو آدمیوں کی ایک مثال بیان کریں جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ عطا کیے اور ان کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑھ لگا دی اور دونوں کے درمیان کھیتی بنائی تھی۔☆ (٣٣) دونوں باغوں نے خوب پھل دیا اور ذرا بھی کمی نہ کی اور ان کے درمیان ہم نے نہر جاری کی۔ (٣٤) اور اسے پھل ملتا رہتا تھا، پس باتیں کرتے ہوئے اس نے اپنے ساتھی سے کہا: میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور افرادی قوت میں بھی زیادہ معزز ہوں۔☆ (٣٥) اور وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا، کہنے لگا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی فنا ہو جائے گا۔ (٣٦) اور میں خیال نہیں کرتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر مجھے میرے رب کے حضور پلٹا دیا گیا تو میں ضرور اس

☆ دولت میں مدہوش انسان عاقبت کی فکر نہیں کرتا۔ وہ اپنی خوشحالی کو دائمی تصور کرتا ہے: مَاۤ اَظُنُّ اَنۡ تَبِیۡدَ ہٰذِہٖۤ اَبَدًا۔

☆ مراعات کا عادی انسان خود کو آخرت کی تمام مراعات کا بھی حقدار سمجھتا ہے: لَاَجِدَنَّ خَیۡرًا مِّنۡہَا مُنۡقَلَبًا۔

جبکہ مؤمن کا مؤقف یہ ہے: ☆ ایمان انسان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ خالق کی معرفت حاصل کرنے والا ہی عالی قدروں کا مالک ہے: اَکَفَرۡتَ بِالَّذِیۡ خَلَقَکَ مِنۡ تُرَابٍ

☆ مال و دولت میسر آنے کی صورت میں مؤمن ناز وغرور کی جگہ اس کو اللہ کی عطا کردہ نعمت تصور کرتا ہے: مَا شَآءَ اللّٰہُ ۙ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ☆ مؤمن مال و اولاد کی قلت پر شاکر رہتا ہے اور اللہ کی رحمتوں کی امید رکھتا ہے: فَعَسٰی رَبِّیۡۤ اَنۡ یُّؤۡتِیَنِ خَیۡرًا مِّنۡ جَنَّتِکَ۔

☆ مؤمن اس مال و دولت کی ناپائیداری پر نگاہ رکھتا ہے اور عاقبت اندیش ہوتا ہے: وَ یُرۡسِلَ عَلَیۡہَا حُسۡبَانًا۔ آخر میں مؤمن کو اس ناعاقبت اندیش سرمایہ دار کی ندامت اور برے انجام کا مشاہدہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے: وَ اُحِیۡطَ بِثَمَرِہٖ فَاَصۡبَحَ یُقَلِّبُ کَفَّیۡہِ عَلٰی مَاۤ اَنۡفَقَ فِیۡہَا۔

٣٤۔ یہ ملحد اپنے مؤمن رفیق سے کہتا ہے کہ اگر میں برحق نہ ہوتا تو میں مال و اولاد کی فراوانی میں تجھ سے بہتر نہ ہوتا۔ تقریباً تمام دنیاداروں کا طرز فکر یہی ہے کہ مال و دولت کی قدر و قیمت ایمان وتقویٰ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

٣٦۔ مراعات کا عادی انسان جس طرح دنیا میں تمام مراعات کو اپنا حق تصور کرتا ہے اسی طرح آخرت کی مراعات کو بھی اپنا حق تصور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اگرچہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا لیکن اگر کوئی قیامت ہے تو میرا حال وہاں اس دنیا سے بھی

مُنۡقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرۡتَ بِالَّذِىۡ خَلَقَكَ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ سَوّٰٮكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰـكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىۡ وَلَاۤ اُشۡرِكُ بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوۡلَاۤ اِذۡ دَخَلۡتَ جَنَّتَكَ قُلۡتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنۡ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنۡكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ ۚ فَعَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يُّؤۡتِيَنِ خَيۡرًا مِّنۡ جَنَّتِكَ وَيُرۡسِلَ عَلَيۡهَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِيۡدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ ۙ اَوۡ يُصۡبِحَ مَآؤُهَا غَوۡرًا فَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيۡطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصۡبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيۡهِ عَلٰى مَاۤ اَنۡفَقَ فِيۡهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

سے بھی اچھی جگہ پاؤں گا۔☆ ﴿۳۷﴾ اس سے گفتگو کرتے ہوئے اس کے ساتھی نے کہا: کیا تو اس اللہ کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پھر نطفے سے پیدا کیا پھر تجھے ایک معتدل مرد بنایا؟☆ ﴿۳۸﴾ لیکن میرا رب تو اللہ ہی ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔☆ ﴿۳۹﴾ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو کیوں نہیں کہا: ما شآء اللہ لا قوۃ الا باللہ؟ (ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہے طاقت کا سرچشمہ صرف اللہ ہے) اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کمتر سمجھتا ہے،☆ ﴿۴۰﴾ تو بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عنایت فرمائے اور تیرے باغ پر آسمان سے آفت بھیج دے اور وہ صاف میدان بن جائے۔☆ ﴿۴۱﴾ یا اس کا پانی نیچے اتر جائے پھر تو اسے طلب بھی نہ کر سکے۔☆ ﴿۴۲﴾ چنانچہ اس کے پھلوں کو (آفت نے) گھیر لیا پس وہ اپنے باغ کو اپنی چھتوں پر گرا پڑا دیکھ کر اس سرمائے پر کف افسوس ملتا رہ گیا جو اس نے اس باغ پر لگایا تھا اور کہنے لگا: اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی

---

بہتر ہو گا۔

۳۷۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ جاگیردار عقیدۃً مشرک، منکر قیامت اور منکر خدا تھا؟ یا وہ عقیدۃً ایسا نہ تھا بلکہ وہ دولت میں بدمست ہونے کی وجہ سے اس قسم کے کردار کا مالک تھا جو ایک منکر خدا اور منکر قیامت اختیار کرتا ہے۔ دوسری صورت کے لیے دو قرینے موجود ہیں: اول یہ کہ یہ شخص قیامت کے امکان کا اظہار کرتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ شخص وَّلَئِنۡ رُّدِدۡتُّ اِلٰى رَبِّىۡ میں رَبِّىۡ کا فقرہ استعمال کرتا ہے۔ اس سے عندیہ ملتا ہے کہ وہ عقیدۃً منکر خدا نہیں تھا بلکہ وہ عملاً اس مالک حقیقی کو نہیں اپنے آپ کو مالک سمجھتا تھا اور اس دولت کو عنایت الٰہی نہیں اپنے ہنر اور مہارت کا نتیجہ سمجھتا ہے۔

۳۸۔ اس سرمایہ دار کے مقابلے میں مؤمن اپنا مؤقف بیان کرتا ہے کہ مؤمن اللہ ہی کو اپنا رب اور مالک مانتا ہے یعنی عقیدۃً و عملاً اللہ کو ہی مالک سمجھتا ہے اور مال و دولت کو اپنی مہارت کا مرہون نہیں مانتا۔

۳۹ تا ۴۳۔ دولت کے بارے میں مؤمن اپنا مؤقف بیان کرتا ہے۔ مال دولت کے حصول میں انسان کو استقلال حاصل نہیں ہے، اس میں مشیت الٰہی کو بھی دخل ہے۔ مال دولت کا جب مشاہدہ ہو گا تو یہ مؤقف اختیار کرنا چاہیے: مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے اور طاقت و قوت کا سرچشمہ صرف اللہ ہے: لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

جاگیردار کی سرمایہ دارانہ مادی سوچ کے مقابلے میں مؤمن اپنا مؤقف نہایت مہذب اور منطقی انداز میں پیش کرتا ہے۔ جاگیردار نے فخریہ اور غیر مہذب انداز میں کہا تھا کہ میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور افرادی طاقت میں تم سے برتر ہوں۔ مؤمن نے جواب میں کہا: تجھے ایک ناپائیدار جاگیر پر ناز ہے، جبکہ مجھے اس جاگیر پر ناز ہے جو میرے رب کے پاس محفوظ ہے۔ گو کہ تمہاری قدروں کے مطابق میں مال و اولاد میں تم سے کمتر ضرور ہوں لیکن الٰہی

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝۴۳ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ
الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝۴۴ وَ
اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ
اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ
الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۴۵
اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝۴۶ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ
تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ
نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ ۝۴۷ وَعُرِضُوْا عَلٰى
رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

کو شریک نہ ٹھہراتا۔☆ (۴۳) اور (ہوا بھی یہی ہے کہ) اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کے لیے مددگار ثابت نہ ہوئی اور نہ ہی وہ بدلہ لے سکا۔☆ (۴۴) یہاں سے عیاں ہوا کہ اقتدار تو خدائے برحق کے لیے مختص ہے، اس کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا ہوا انجام اچھا ہے۔☆ (۴۵) اور ان کے لیے دنیاوی زندگی کی یہ مثال پیش کریں: یہ زندگی اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے برسایا جس سے زمین کی روئیدگی گھنی ہوگئی پھر وہ ریزہ ریزہ ہوگئی، ہوائیں اسے اڑاتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۴۶) مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور امید کے اعتبار سے بھی بہترین ہیں۔☆ (۴۷) اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین کو آپ صاف میدان دیکھیں گے اور سب کو ہم جمع کریں گے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ (۴۸) اور وہ صف در صف تیرے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے (تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا)

قدروں کے مطابق جس جاگیر کا میں مالک بننے والا ہوں وہ تیری ناپائیدار جاگیر سے بہتر ہے۔ تیری جاگیر آسمانی اور زمینی آفت کی زد میں ہے۔ ہوسکتا ہے آسمان سے تیری جاگیر پر آفت آ گرے اور زمین خشک ہو جائے۔ چنانچہ اس کے باغ کی ناپائیداری کا وقت آ گیا اور اس کا باغ تباہ ہو گیا۔ اس کے دماغ سے دولت و جاگیر کا غرور اتر گیا تو حقائق کا فہم شروع ہو گیا اور کہنے لگا: کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا اور اس دولت پر تکیہ کرنے کی جگہ اپنے رب پر تکیہ کرتا۔

۴۴۔ یہاں سے یعنی اس واقعہ یا مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کل کائنات میں اقتدار اعلیٰ اللہ کے پاس ہے۔ لِلّٰهِ الْحَقِّ سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اقتدار اعلیٰ ایک امر واقع اور حق و حقیقت پر مبنی ہے اور اس کے مقابلے میں آنے والی ہر چیز ایک سراب اور دھوکہ ہے۔ اگر کسی کو مال و دولت مل گئی ہے تو اس دولت کے حصول کے لیے درمیان آنے والے علل و اسباب سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ ان علل و اسباب میں اللہ نے خاصیت ودیعت فرمائی ہے۔ اس طرح ہر ذرّے پر اللہ کی ولایت اور حاکمیت قائم ہے۔ اگر ان علل و اسباب سے ان کی خاصیتیں سلب ہو جائیں تو کوئی طاقت نہیں جو ان کو یہ سلب شدہ خاصیت واپس دلا دے۔

۴۶۔ اگر انسان مال و دولت کو ایک مقدس مقصد کے لیے ذریعہ نہ بنائے اور خود اسی کو مقصد قرار دے تو یہ صرف چند روزہ دنیوی زندگی کے لیے ایک عارضی زیب و زینت ہے، جبکہ نیکیاں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

شیعہ و سنی مآخذ میں کثرت سے یہ روایت ملتی ہے کہ باقیات صالحات سے مراد تسبیحات اربعہ سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ہیں۔ بعض دیگر روایات کے مطابق اس سے مراد نماز ہے۔ در

اَوَّلَ مَرَّةٍۢ بَلۡ زَعَمۡتُمۡ اَلَّنۡ نَّجۡعَلَ
لَكُمۡ مَّوۡعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ فَتَرَى
الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا فِيۡهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ
يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ
صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰهَا ۚ وَ
وَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظۡلِمُ
رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓـئِكَةِ ع ۱۸
اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ
كَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهٖ ؕ
اَفَتَتَّخِذُوۡنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِىۡ
وَهُمۡ لَكُمۡ عَدُوٌّ ؕ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِيۡنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾
مَاۤ اَشۡهَدْتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ ۖ وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ

تم اسی طرح ہمارے پاس آ گئے ہو جیسا کہ ہم نے پہلی بار تمہیں خلق کیا تھا، بلکہ تمہیں تو گمان تھا کہ ہم نے تمہارے لیے وعدے کا کوئی وقت مقرر نہیں کیا ہے۔ ﴿۴۹﴾ اور نامۂ اعمال (سامنے) رکھ دیا جائے گا، اس وقت آپ دیکھیں گے کہ مجرمین اس کے مندرجات کو دیکھ کر ڈر رہے ہیں اور یہ کہ رہے ہیں: ہائے ہماری رسوائی! یہ کیسا نامۂ اعمال ہے؟ اس نے کسی چھوٹی اور بڑی بات کو نہیں چھوڑا (بلکہ) سب کو درج کر لیا ہے اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ ان سب کو حاضر پائیں گے اور آپ کا رب تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔☆ ﴿۵۰﴾ اور (یہ بات بھی) یاد کریں جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ جنات میں سے تھا، پس وہ اپنے رب کی اطاعت سے خارج ہو گیا، تو کیا تم لوگ میرے سوا اسے اور اس کی نسل کو اپنا سرپرست بناؤ گے حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ یہ ظالموں کے لیے برا بدل ہے۔☆ ﴿۵۱﴾ میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا مشاہدہ نہیں کرایا اور نہ خود ان کی اپنی تخلیق کا اور میں کسی گمراہ کرنے والے کو اپنا مددگار بنانے والا نہیں

---

حقیقت ان روایات میں باقیات صالحات کے اہم مصادیق کا ذکر ہے۔

۴۹۔ جو کچھ ان لوگوں نے کیا تھا وہ ان کو اپنے سامنے حاضر پائیں گے۔ یعنی خود عمل کو حاضر پائیں گے۔ پہلے بھی ذکر ہوا ہے کہ انسان کا عمل جب ایک بار وجود میں آتا ہے تو مٹتا نہیں ہے۔ ممکن ہے قیامت کے دن اسی عمل کو دکھایا جائے اور انسان کو اس حال میں دکھایا جائے کہ وہ یہ عمل انجام دے رہا ہے، جس میں ہر چھوٹی اور بڑی حرکت نظر آئے گی اور ان کے جرائم کے عین مطابق سزا دی جائے گی۔ نہ اس کتاب کے مندرجات میں زیادتی ہو گی، نہ اس کے مطابق سزا دینے میں۔

۵۰۔ ابلیس جنات میں سے ہونے کی وجہ سے انسان کی طرح اپنے ارادے میں خود مختار ہے۔ وہ نیکی بھی کر سکتا ہے اور برائی بھی۔ اسی لیے اس نے اطاعت الٰہی سے سرکشی کی۔

۵۱۔ مَاۤ اَشۡهَدْتُّهُمۡ میں ھم کی ضمیر اگر ابلیس اور اس کی اولاد کی طرف جاتی ہے تو آیت کا مطلب یہ بنتا ہے: ہم نے ابلیس اور اس کی اولاد کو کائنات کی خلقت کے وقت حاضر نہیں کیا تھا کہ ابلیس کا بھی تدبیر کائنات میں کوئی حصہ ہو، کیونکہ جب تخلیق کا مشاہدہ نہیں ہے تو ابلیس اور اس کی اولاد کو اس بارے میں علم نہیں ہے اور جب علم نہیں ہے تو علم کے بغیر تدبیر کیسے کر سکتے ہیں۔ علم کے بغیر شفاعت بھی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں شفاعت کا ذکر کیا ہے، غالباً وہاں علم کا بھی ذکر آیا ہے۔

الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا
شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ
يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَ
رَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا
وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع ۱۹ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا
فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ
وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَ
مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ
الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ
تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ
الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ
اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ

ہوں۔☆ (۵۲) اور جس دن اللہ فرمائے گا: انہیں بلاؤ جنہیں
تم نے میرا شریک ٹھہرایا تھا تو وہ انہیں بلائیں گے لیکن وہ
انہیں جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی
ایک جگہ بنا دیں گے۔ (۵۳) اور مجرمین اس دن آتش جہنم کا
مشاہدہ کریں گے اور سمجھ جائیں گے کہ انہیں اس میں گرنا ہے
اور وہ اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔ (۵۴) اور
بتحقیق ہم نے اس قرآن میں انسانوں کے لیے ہر مضمون کو
مختلف انداز میں بیان کیا ہے مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو
(ثابت ہوا) ہے۔ (۵۵) اور جب ان کے پاس ہدایت آ
گئی تھی تو ایمان لانے اور اپنے رب سے معافی طلب کرنے
سے لوگوں کو کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ ان کے
ساتھ بھی وہی کچھ ہو جائے جو ان سے پہلوں کے ساتھ ہوا یا
ان کے سامنے عذاب آ جائے۔☆ (۵۶) اور ہم پیغمبروں کو
صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور تنبیہ کریں اور
کفار باطل باتوں کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں تاکہ وہ اس
طرح حق بات کو مسترد کر دیں، انہوں نے میری آیات کو اور

یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا اللہ کو کسی کو بازو بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اللہ کائنات کے نظام کے لیے ذرائع استعمال فرماتا ہے، احتیاج کی بنیاد پر نہیں حکمت کی بنیاد پر۔ حضرت علی ؑ سے جب کہا گیا کہ آپ ؑ کی حکومت کی مصلحت اس میں ہے کہ فی الحال معاویہ کو معزول نہ کیا جائے تو آپ ؑ نے فرمایا: میں ظلم و جور کے ذریعے عدل قائم نہیں کروں گا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

ایک نہایت قابل توجہ مطلب یہ ہے کہ اکثر یہ مسئلہ ہماری دینی زندگی میں پیش آتا ہے کہ ہم ایک کار خیر کے لیے دانستہ یا نادانستہ طور پر گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ثواب کے حصول کی راہ میں گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ایک مسجد، مدرسہ، امام بارگاہ یا مجلس قائم کرنے کے سلسلے میں کسی مؤمن کی غیبت یا کسی کی اہانت کرتے ہیں یا کسی کا حق مارتے ہیں، اس سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہم اس کار خیر کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے نہیں کر رہے تھے، ورنہ اس کار خیر کے ذریعے اللہ کو ناراض نہ کرتے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

۵۵۔ یہ لوگ سابقہ امتوں کی روش پر چلتے ہیں۔ یعنی عذاب آنے تک ایمان نہیں لاتے۔ جبکہ عذاب آنے کے بعد کا ایمان ان کے لیے فائدہ مند نہیں ہے۔ اس طرح یہ لوگ ایسے ایمان کے لیے آمادہ ہیں جو ان کے لیے مفید نہیں ہے۔ اس قسم کا ایمان تو فرعون بھی غرق ہوتے وقت لایا تھا۔

الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْۤا اٰيٰتِیْ وَمَاۤ اُنْذِرُوْا
هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ
رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ
يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً
اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ
تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا
اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ
يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ
الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ
دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ
ع لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ وَ
اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ
مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا

ان باتوں کو جن کے ذریعے انہیں تنبیہ کی گئی تھی مذاق بنا لیا۔ ﴿۵۷﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور جو ان گناہوں کو بھول گیا جنہیں وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا تھا؟ ہم نے ان لوگوں کے دلوں پر یقیناً پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں کو سنگین کر دیا ہے (تاکہ وہ سن نہ سکیں) اور اب اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں بھی تو یہ کبھی راہ راست پر نہیں آئیں گے۔☆ ﴿۵۸﴾ اور آپ کا رب بڑا بخشنے والا، رحمت کا مالک ہے، اگر وہ ان کی حرکات پر انہیں گرفت میں لینا چاہتا تو انہیں جلد ہی عذاب دے دیتا لیکن ان کے لیے وعدے کا وقت مقرر ہے، وہ (اس سے بچنے کے لیے) اس کے سوا کوئی پناہ گاہ ہرگز نہیں پائیں گے۔☆ ﴿۵۹﴾ اور ان بستیوں کو ہم نے اس وقت ہلاکت میں ڈال دیا جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے بھی ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔☆ ﴿۶۰﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا: جب تک میں دونوں سمندروں کے سنگم پر نہ

۵۷۔ وہ اپنے جرائم کی وجہ سے ایمان کی اہلیت کھو بیٹھے ہیں جس کی بنا پر اللہ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ رکھا ہے۔ جن کو اللہ اپنی رحمت سے محروم کرے ان میں پھر شنوائی رہتی ہے نہ سمجھنے کے لیے ان کی عقل و فکر کام کرتی ہے۔

۵۸۔ یہ اللہ کی غفاریت اور رحمت ہے کہ وہ مجرموں کو پکڑنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا بلکہ باز آنے کے لیے انہیں مواقع فراہم کرتا ہے۔

۵۹۔ مجرموں کو مہلت دینا کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ تمام امتوں کے بارے میں خدا کی دائمی روش ہے۔

۶۰۔ اللہ تعالیٰ کے اس مرئی اور ظاہری نظام کے پس پردہ ایک نامرئی اور باطنی نظام بھی موجود ہے۔ ظاہری اور مرئی نظام اس باطنی نظام کے تابع ہے۔ ظاہر بین لوگ جو صرف محسوسات پر ایمان رکھتے ہیں اس ظاہری نظام کی ناہمواری کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس نظام کے پیچھے کوئی شعور کام نہیں کر رہا۔ اس قصے کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس باطنی اور نامرئی نظام کی ایک جھلک دکھائی جائے۔

اسلامی روایت کے مطابق یہ واقعہ حضرت موسیٰ بن عمران ؑ کے ساتھ پیش آیا۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے اولوالعزم نبی کو اس باطنی نظام سے آگاہ کرنا چاہتا تھا کہ اس ظاہری دنیا میں پیش آنے والے حادثات کے پیچھے کون سی حکمتیں کارفرما ہیں۔ جیسا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کو معراج میں عالم ملکوت کی سیر کرائی تاکہ اللہ کی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کریں۔ یعنی ان رازہائے قدرت سے آگاہی حاصل کریں جو اس عالم ناسوت کے پردے کے پیچھے پوشیدہ ہیں۔ یہ واقعہ کہاں پیش آیا اس پر کوئی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے۔ ممکن

بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۙ ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ

پہنچوں اپنا سفر جاری رکھوں گا خواہ برسوں چلتا رہوں۔☆ ﴿۶۱﴾ جب وہ ان دونوں کے سنگم پر پہنچ گئے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے تو اس مچھلی نے چیر کر سمندر میں اپنا راستہ بنا لیا۔☆ ﴿۶۲﴾ جب وہ دونوں آگے نکل گئے تو موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا: ہمارا کھانا لاؤ ہم اس سفر سے تھک گئے۔ ﴿۶۳﴾ جوان نے کہا: بھلا مجھے بتاؤ کہ جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی وہیں بھول گیا؟ اور مجھے شیطان کے سوا کوئی نہیں بھلا سکتا کہ میں اسے یاد کروں اور اس مچھلی نے تو عجیب طریقے سے سمندر میں اپنی راہ بنائی۔☆ ﴿۶۴﴾ موسیٰ نے کہا: یہی تو ہے جس کی ہمیں تلاش تھی، چنانچہ وہ اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس ہوئے۔ ﴿۶۵﴾ وہاں ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور اپنی طرف سے علم سکھایا تھا۔☆ ﴿۶۶﴾ موسیٰ نے اس سے کہا: کیا میں آپ کے پیچھے چل سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ مفید علم سکھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے؟☆ ﴿۶۷﴾ اس نے جواب دیا، آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔

---

ہے مدین میں زندگی کے دوران پیش آیا ہو اور ممکن ہے کہ مصر میں پیش آیا ہو۔

۶۱۔ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ: دونوں دریاؤں کے سنگم۔ بعض کے نزدیک بحر ازرق اور بحر ابیض، جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں آپس میں ملتی ہیں، وہ مقام مراد ہے جو موجودہ شہر خرطوم کے نزدیک ہے اور بعض کے نزدیک یہ خلیج فارس اور بحر روم کا سنگم ہے۔ لیکن یہ سب باتیں ظن و گمان اور اندازے کے سوا کچھ نہیں۔

۶۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ معلم دو دریاؤں کے سنگم پر ملیں گے، جہاں سے مچھلی دریا میں چلی جائے گی۔ اس بات کی تفسیر کہیں نہیں ملتی کہ وہ جوان اس حیرت انگیز واقعے کو کیسے بھول گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آتے ہیں اور اسی سنگم پر وہ بندۂ خدا سے ملتے ہیں۔

۶۵۔ جس عبد خدا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم حاصل کرنا تھی، وہ اسلامی روایات کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاصر نبی تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ ابھی تک زندہ ہیں۔

اٰتَیۡنٰہُ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا: جسے اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ رحمت سے مراد قرآنی اصطلاح میں نبوت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی نبوت کے بارے میں فرمایا: وَ اٰتٰىنِیۡ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِہٖ۔ (ہود: ۲۸)

۶۶۔ تعلیم کے ذکر سے پہلے اتباع کا ذکر بتلاتا ہے کہ شاگرد کے لیے استاد کی اتباع اور پیروی کرنا بنیادی بات ہے اور ساتھ شاگردی کے آداب میں اتباع کو اولیت حاصل ہے۔ شاید اسی لیے اتباع کا ذکر پہلے اور تعلیم کا ذکر بعد میں آ گیا۔

۶۸۔ انجام کا علم نہ ہو تو صبر نہیں آتا۔ لہٰذا صبر کا علم سے

صَبۡرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعۡصِیۡ لَكَ اَمۡرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَكَ مِنۡهُ ذِكۡرًا ﴿٧٠﴾ ع فَانۡطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیۡنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقۡتَهَا لِتُغۡرِقَ اَهۡلَهَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا اِمۡرًا ﴿٧١﴾ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ عُسۡرًا ﴿٧٣﴾ فَانۡطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیۡرِ نَفۡسٍ ؕ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا نُّكۡرًا ﴿٧٤﴾

﴿٦٨﴾ اور اس بات پر بھلا آپ کیسے صبر کر سکتے ہیں جو آپ کے احاطہ علم میں نہیں ہے؟☆ ﴿٦٩﴾ موسیٰ نے کہا: انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔☆ ﴿٧٠﴾ اس نے کہا: اگر آپ میرے پیچھے چلنا چاہتے ہیں تو آپ اس وقت تک کوئی بات مجھ سے نہیں پوچھیں گے جب تک میں خود اس کے بارے میں آپ سے ذکر نہ کروں۔☆ ﴿٧١﴾ چنانچہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے کشتی میں شگاف ڈال دیا، موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے اس میں شگاف اس لیے ڈالا ہے کہ سب کشتی والوں کو غرق کر دیں؟ یہ آپ نے بڑا ہی نامناسب اقدام کیا ہے☆ ﴿٧٢﴾ اس نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟ ﴿٧٣﴾ موسیٰ نے کہا: مجھ سے جو بھول ہوئی ہے اس پر آپ میرا مؤاخذہ نہ کریں اور میرے اس معاملے میں مجھے سختی میں نہ ڈالیں۔☆ ﴿٧٤﴾ پھر روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو اس نے لڑکے کو قتل کر دیا، موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے ایک بے گناہ کو بغیر قصاص کے مار ڈالا؟ یہ تو آپ نے واقعی برا کام کیا۔☆

گہرا ربط ہے۔ اگر شفا کے حصول کا علم نہ ہو تو معالجے کی تلخی قابل تحمل نہیں ہوتی۔ حدیث میں آیا ہے: وَ مَنۡ عَرَفَ قَدۡرَ الصَّبۡرِ لَا یَصۡبِرُ عَمَّا مِنۡهُ الصَّبۡرُ۔ (مستدرک الوسائل ٢: ٤٢٧) اگر صبر کی قدر و قیمت کا علم ہو جائے تو جس سے صبر کرنا ہوتا ہے، اس پر صبر نہ کرنے پر صبر نہ آتا۔

٦٩۔ یہ ایک عزم و ارادے کا اظہار ہے اور حالات کا سامنا کرنے سے پہلے یہ اظہار اپنی جگہ سچا ہے۔ یہ عہد و پیمان حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اعتبار سے دیا ہے کہ اللہ کے حکم سے جس استاد سے علم حاصل کرنا ہے، وہ یقیناً خلاف شرع کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ بعد میں جب خلاف ورزی سرزد ہوئی، اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عہد کی خلاف ورزی تصور نہیں کرتے تھے، جبکہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کی خلاف ورزی پر برہم تھے۔ بادی الرائے میں اس برہمی کو خلاف ورزی تصور نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سے توجہ دلانے پر انہوں نے معذرت کی۔

٧٠۔ یعنی کوئی بھی حادثہ یا مسئلہ پیش آتا ہے تو اس کے انجام کا انتظار کرنا ہوگا۔ اگر اس حادثہ اور مسئلہ کی کوئی توجیہ آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو لب اعتراض نہ کھولنا۔

٧١۔ اس سلسلہ تعلیم کا پہلا سبق شروع ہوتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام سے ایسا عمل سرزد ہوتا ہے جو عقل و ضمیر کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ اس واقعے کی ظاہری صورت یہ ہے کہ یہ کشتی چند مسکینوں کا واحد ذریعۂ معاش تھی اور وہ بھی حادثے کی نذر ہو گئی۔ ظاہر بین نگاہوں کے لیے یہ ناقابل فہم ہے کہ ان مسکینوں کا ذریعۂ معاش بھی چھن جائے، جبکہ اس واقعہ کا باطنی پہلو یہ ہے کہ اس حادثے کی وجہ سے ان کا ذریعہ معاش بچ جاتا ہے۔

٧٣۔ یہاں بھول بقول بعض مفسرین ترک کے معنوں میں ہے۔ یعنی میں نے جو عہد آپ کے ساتھ کیا تھا اس پر عمل کرنا ترک ہوا، اس پر معذرت چاہتا ہوں۔ یہ نامناسب اور غیر ضروری عمل سرزد ہوتے دیکھ کر بادی النظر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ردعمل ظاہر ہونا اور برہم ہونا فطری ہے۔

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝٧٥ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي ۖ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۝٧٦ فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ ۖ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۝٧٧ قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝٧٨ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ

۝٧٥ اس نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے؟ ۝٧٦ موسیٰ نے کہا: اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کسی بات پر سوال کیا تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں میری طرف سے آپ یقینا عذر کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ ۝٧٧ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک بستی والوں کے ہاں پہنچ گئے تو ان سے کھانا طلب کیا مگر انہوں نے ان کی پذیرائی سے انکار کر دیا، پھر ان دونوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی پس اس نے اسے سیدھا کر دیا، موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت لے سکتے تھے۔☆ ۝٧٨ انہوں نے کہا: (بس) یہی میری اور آپ کی جدائی کا لمحہ ہے، اب میں آپ کو ان باتوں کی تاویل بتا دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔☆ ۝٧٩ وہ کشتی چند غریب لوگوں کی تھی جو سمندر میں محنت کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اسے عیب دار بنا دوں کیونکہ ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر (سالم) کشتی کو جبراً

---

۷۶۔ اس سلسلہ تعلیم کا دوسرا درس شروع ہوا۔ اس مرتبہ پہلے سے زیادہ قابل سرزنش اور ناقابل تحمل جرم سرزد ہوتے ہوئے دیکھا۔ ایک بیگناہ پاکیزہ جان کا قتل۔ اس مرتبہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے۔ ان کا وجدان، ضمیر اور جذبہ اس عہد پر غالب آ گیا جو حضرت خضر علیہ السلام سے کر رکھا تھا۔

اس واقعہ کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ والدین کا اکلوتا بیٹا مارا جائے، جبکہ باطنی پہلو والدین کے حق میں ہے۔

۷۷۔ سلسلہ تعلیم کا تیسرا سبق شروع ہوتا ہے۔ اس مرتبہ درس کی نوعیت اور اس کے مضمون میں تبدیلی آ گئی۔ پہلے سبق میں وہ مضامین پڑھائے گئے جو بظاہر ناانصافی اور زیادتی دکھائی دیتے ہیں، جبکہ اس مرتبہ وہ مضمون پڑھایا جا رہا ہے جس میں ایک ایسا عمل ہے، جس میں کوئی حکمت اور فلسفہ بظاہر دکھائی نہیں دیتا۔ دونوں کو بھوک کا سامنا ہے۔ گاؤں والے کنجوس ہیں۔ بجائے اس کے کہ کوئی ایسا عمل انجام دیا جائے جس سے بھوک کا علاج ہو جائے، ایک ایسا عمل شروع ہو گیا جس کا بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض کا محرک جذبات نہیں، خواہش نفسی ہے اور حکمت عملی کے فقدان کا احساس ہے۔ بظاہر اس کام کی انجام دہی میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا تھا، لیکن باطن میں ایک صالح شخص نے اپنے یتیم بچوں کے لیے جو خزانہ محفوظ کرایا تھا اسے بچانا مقصود تھا۔

۷۸۔ اس تحقیقی و تدریسی سفر کا جاری رکھنا اب ممکن نہیں ہے، جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسرے سبق کے دوران ہی سمجھ لیا تھا۔ لیکن جدائی سے پہلے ان واقعات سے پردہ اٹھاؤں جن پر تجھے اور ہر چشم ظاہر بین کو اعتراض تھا اور ان میں مضمر ان رازوں

غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ أَبَوٰهُ
مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَآ أَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا
وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَآ أَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا
خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَأَمَّا
الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي
الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ
أَبُوهُمَا صَالِحًا ۚ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَآ
أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً
مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۗ ذٰلِكَ
تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ ع
وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۗ قُلْ
سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ إِنَّا مَكَّنَّا
لَهُ فِي الْأَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

چھین لیتا تھا۔ ﴿٨٠﴾ اور لڑکے (کا مسئلہ یہ تھا کہ اس) کے
والدین مؤمن تھے اور ہمیں اندیشہ ہوا کہ لڑکا انہیں سرکشی
اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔ ﴿٨١﴾ پس ہم نے چاہا کہ ان کا
رب انہیں اس کے بدلے ایسا فرزند دے جو پاکیزگی میں
اس سے بہتر اور محبت میں اس سے بڑھ کر ہو۔ ﴿٨٢﴾ اور
(رہی) دیوار تو وہ اسی شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے
نیچے ان دونوں کا خزانہ موجود تھا اور ان کا باپ نیک شخص تھا،
لہٰذا آپ کے رب نے چاہا کہ یہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ
جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکالیں اور
یہ میں نے اپنی جانب سے نہیں کیا، یہ ہے ان باتوں کی
تاویل جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔☆ ﴿٨٣﴾ اور لوگ آپ
سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہدیجیے: جلد
ہی اس کا کچھ ذکر تمہیں سناؤں گا۔☆ ﴿٨٤﴾ بے شک ہم نے
اسے زمین میں اقتدار عطا کیا اور ہم نے ہر شے کے

---

کا انکشاف کروں جو نظام حیات کی بہتری کے لیے ضروری ہیں۔

٨٢۔ یہ وہ حقائق ہیں جن پر چشم ظاہر بین کو صبر نہیں آتا۔ یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ کشتی میں سوراخ کرنا اور لڑکے کو قتل کرنا حضرت خضرؑ کا عمل نہ ہو بلکہ اللہ کے نظام تکوینی میں رونما ہونے والے واقعات کو تمثیلی طور پر پیش کیا گیا ہو اور ان حقائق کو حضرت خضرؑ کے عمل کی صورت میں دکھایا گیا ہو جو کہ درحقیقت اللہ کی طرف سے تھا۔

تاویل کے بارے میں مقدمہ میں بھی بحث ہو گئی ہے کہ ہر واقعہ اور فعل کی تاویل وہ مرکزی نکتہ ہے جس پر فعل کی مصلحت اور اس کی افادیت کا انحصار ہے۔ وہی اس کا محرک اور جواز بنتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو اس طرح نظام کائنات کے پوشیدہ رازوں کا مطالعہ کرانا مقصود ہے۔ البتہ اس فرق کے ساتھ کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت خاتم الانبیاءؐ کو جس مرتبہ کا ملکوتی مطالعہ کرایا، موسیٰؑ کو اس سے کم تر درجے کا مطالعہ کرایا۔ چنانچہ اس درس سے حضرت موسیٰؑ نے یہ سیکھا کہ اس کائنات میں رونما ہونے والے وہ واقعات جن کی ہم کوئی مثبت توجیہ نہیں کر سکتے، ان کے پیچھے ایک حکمت پوشیدہ ہے جو اس کائنات کے بہتر نظام کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ یہ ہمارے روز کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص کا اکلوتا بچہ مر جاتا ہے۔ کسی غریب مسکین کی جمع پونجی ضائع ہو جاتی ہے۔ کسی شخص کی دولت میں بے تحاشا اضافہ ہو جاتا۔ ایک ظالم کے پاس طاقت اور ایک مظلوم کے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ اور اس کی توجیہ اور مصلحت عام لوگوں کی فہم سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نظام تکوینی میں رونما ہونے والے اس قسم کے حالات اور حادثات کے پیچھے جو اسرار و رموز پوشیدہ ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو آگاہ فرماتا ہے۔

٨٣۔ ذوالقرنین، دو سینگوں والا کی وجہ تسمیہ میں یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ خسرو نے سیڈیا اور فارس دونوں بادشاہتوں کو فتح کر لیا، اس لیے دو سینگوں والا لقب ہو گیا اور سینگ اس زمانے میں

سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتّٰىٓ إِذَا بَلَغَ
مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ
عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا
يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّآ أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّآ
أَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ أَمَّا مَنْ
ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ إِلٰى رَبِّهٖ
فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَأَمَّا مَنْ اٰمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ
وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ أَتْبَعَ
سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰىٓ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ
وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ
مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ۖ وَقَدْ
أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ أَتْبَعَ

(مطلوبہ) وسائل بھی اسے فراہم کیے۔ ﴿٨٥﴾ چنانچہ پھر وہ راہ پر ہولیا۔ ﴿٨٦﴾ یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اس نے سورج کو سیاہ رنگ کے پانی میں غروب ہوتے دیکھا اور اس کے پاس اس نے ایک قوم کو پایا، ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! انہیں سزا دو یا ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو (تمہیں اختیار ہے)۔☆ ﴿٨٧﴾ ذوالقرنین نے کہا: جو ظلم کا ارتکاب کرے گا عنقریب ہم اسے سزا دیں گے پھر جب وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا تو وہ اسے برا عذاب دے گا۔ ﴿٨٨﴾ لیکن جو ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو اسے بہت اچھا اجر ملے گا اور ہم بھی اپنے معاملات میں اس سے نرمی کے ساتھ بات کریں گے۔ ﴿٨٩﴾ پھر وہ راہ پر ہولیا۔ ﴿٩٠﴾ یہاں تک کہ جب وہ طلوع آفتاب کی جگہ پہنچا تو دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لیے ہم نے آفتاب سے بچنے کی کوئی آڑ نہیں رکھی۔☆ ﴿٩١﴾ اسی طرح (کا حال تھا) اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہمیں اس کی مکمل خبر تھی۔ ﴿٩٢﴾ پھر وہ

طاقت کی نشانی ہو سکتی ہے۔ المیزان کے مطابق خسرو کا مجسمہ ماضی قریب میں مرغاب جنوب ایران میں دریافت ہوا، اس میں اس کے تاج میں دو سینگ بھی ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس بادشاہ کو ذوالقرنین کیوں کہا گیا۔

یہودیوں کے ہاں جس عالمی فرماں روا کو ذوالقرنین کے نام سے شہرت حاصل تھی وہ ایران کے فرماں روا خسرو یا سائرس ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ جب ۵۳۹ ق م خسرو نے بابل فتح کیا تو اس نے بابل میں اسیر یہودیوں کو اپنے ملک واپس جانے کی اجازت دے دی، جس کی وجہ سے یہودی دوبارہ اپنے وطن میں آباد ہوئے اور اسی خسرو نے یہودیوں کو ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دی جو یہودیوں کی تاریخ میں اہم ترین واقعہ ہے۔ لہٰذا زیادہ امکان یہی ہے کہ ذوالقرنین سے مراد خسرو ہی ہے۔

مشہور یہ ہے کہ ذوالقرنین سے مراد سکندر اعظم مقدونی متوفی ۳۲۳ ق م ہے، جو قرآن کے سیاق کلام کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ سکندر اعظم موحد نہ تھا، نہ ہی اس نے کوئی بند باندھا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین سے مراد ایرانی بادشاہ کورش کبیر متوفی ۵۳۹ ق م ہے۔ بعض محققین کے مطابق یہی قرین قیاس ہے۔

۸۶۔ جب آفتاب غروب ہو رہا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سیاہ گدلے پانی میں ڈوب رہا ہے۔ بعض اہل قلم کے مطابق ذوالقرنین کے کورش ہونے کی صورت میں اس پانی سے مراد ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل ہو سکتا ہے اور سکندر اعظم ہونے کی صورت میں جنوبی یوگوسلاویہ کی بڑی جھیل ہو سکتی ہے، جس کا پانی گدلا اور سیاہی مائل ہے یا سواحل افریقہ ہو سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ان میں سے کسی پر قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔

۹۰۔ یعنی مشرق کی انتہائی سمت، جہاں تمدن کا سرے سے فقدان تھا، وہ مکان و لباس وغیرہ سے ناآشنا تھے۔ ایک گمان یہ ہے کہ یہ علاقہ بلخ کا ہو سکتا ہے جو کہ کورش کے دائرہ حکومت کی مشرق کی طرف

سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيۡنَ السَّدَّيۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوۡا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِنَّ يَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ خَرۡجًا عَلٰٓى اَنۡ تَجۡعَلَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَهُمۡ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىۡ فِيۡهِ رَبِّىۡ خَيۡرٌ فَاَعِيۡنُوۡنِىۡ بِقُوَّةٍ اَجۡعَلۡ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ رَدۡمًا ۙ ﴿٩٥﴾ اٰتُوۡنِىۡ زُبَرَ الۡحَدِيۡدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيۡنَ الصَّدَفَيۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِىۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَيۡهِ قِطۡرًا ؕ ﴿٩٦﴾ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هٰذَا رَحۡمَةٌ

راہ پر ہولیا۔ ﴿٩٣﴾ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو اسے ان دونوں پہاڑوں کے اس طرف ایک ایسی قوم ملی جو کوئی بات سمجھنے کے قابل نہ تھی۔☆ ﴿٩٤﴾ لوگوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج یقیناً اس سرزمین کے فسادی ہیں کیا ہم آپ کے لیے کچھ سامان کا انتظام کریں تاکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بند باندھ دیں؟☆ ﴿٩٥﴾ ذوالقرنین نے کہا: جو طاقت میرے رب نے مجھے عنایت فرمائی ہے وہ بہتر ہے، لہٰذا تم محنت کے ذریعے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان بند باندھ دوں گا۔☆ ﴿٩٦﴾ تم مجھے لوہے کی چادریں لا کر دو، یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کی درمیانی فضا کو برابر کر دیا تو اس نے لوگوں سے کہا: آگ پھونکو یہاں تک کہ جب اسے بالکل آگ بنا دیا تو اس نے کہا: اب میرے پاس تانبا لے آؤ تاکہ میں اس (دیوار) پر انڈیلوں۔☆ ﴿٩٧﴾ اس کے بعد وہ نہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکیں۔ ﴿٩٨﴾ ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب

آخری حد ہے۔

٩٣۔ مشرق اور مغرب کی طرف فوج کشی کے بعد یہ تیسری فوج کشی ہے۔ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوج کشی شمال کی طرف تھی جہاں ایک وحشی قوم بستی تھی جو کسی زبان کے ذریعے بھی افہام و تفہیم کے قابل نہ تھی۔

بَيۡنَ السَّدَّيۡنِ: دو پہاڑوں کے درمیان۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ دو پہاڑ بحر خزر اور بحر اسود کے درمیان واقع ہیں جو کیشیا کے پہاڑی سلسلوں پر قابل تطبیق ہے۔ در منثور میں ابن عباس سے روایت ہے کہ سدین یعنی دو پہاڑوں سے مراد ارمینیا اور آذربائیجان ہے۔ ممکن ہے روایت کا اشارہ ان دو پہاڑوں کے محل وقوع کی طرف ہو کہ یہ سدین ان علاقوں میں ہے۔

٩٤۔ یہ بند بعض کے بقول قفقاز کے علاقہ داغستان میں دربند اور داریال کے درمیان موجود ہے جو ۵٠ میل لمبا اور ٢٩ فٹ اونچا ہے اور بعض کے نزدیک یہ بند اس دربند میں ہے جو علاقہ وسط ایشیاء کے مشرقی حصے میں بخارا سے کوئی ١۵٠ میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔

یاجوج و ماجوج کون ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ یہ وہی قوم ہے جسے تاتاری منگولی وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، جو قدیم زمانے سے یورپ اور ایشیا کی متمدن قوموں پر حملے کرتے رہے ہیں۔ بائبل میں ان کو حضرت نوح ؑ کے فرزند یافث کی نسل میں قرار دیا گیا ہے۔ (پیدائش باب ١٠) چنانچہ بحار الانوار ٦: ٢٩٨ اور علل الشرائع میں بھی ایک روایت میں یاجوج و ماجوج کو یافث کی نسل قرار دیا گیا ہے اور حزقی ایل صحیفے باب ٣٨ میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔

٩۵۔ یعنی تم مجھے افرادی قوت فراہم کرو۔

٩٦۔ بَيۡنَ الصَّدَفَيۡنِ یعنی دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیانی حصہ کو لوہے کے ٹکڑوں سے پر کر کے

مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ
دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا
بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي
الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ
يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ
كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ
وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ ع اَفَحَسِبَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ
مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ
لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ
بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ
سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ
يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

کی طرف سے رحمت ہے لہٰذا جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اسے زمین بوس کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔☆ (۹۹) اور اس دن ہم انہیں ایسے حال میں چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہو جائیں گے اور صور میں پھونک ماری جائے گی پھر ہم سب کو ایک ساتھ جمع کریں گے۔ (۱۰۰) اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے سامنے پیش کریں گے۔ (۱۰۱) جن کی نگاہیں ہماری یاد سے پردے میں پڑی ہوئی تھیں اور وہ کچھ سن بھی نہیں سکتے تھے۔☆ (۱۰۲) کیا کافر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو سرپرست بنائیں گے؟ ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے مہمان سرا بنا کر تیار رکھا ہے۔☆ (۱۰۳) کہہ دیجیے: کیا ہم تمہیں بتا دیں کہ اعمال کے اعتبار سے سب سے نامراد کون لوگ ہیں؟☆ (۱۰۴) جن کی سعی دنیاوی زندگی میں لاحاصل رہی جب کہ وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ

پہاڑوں کے برابر کر دیا۔ پھر اس دیوار پر پگھلا ہوا لوہا یا سیسہ ڈالنے سے وہ درہ ایسا بند ہو گیا کہ یاجوج و ماجوج اسے توڑ کر دوسری آبادیوں کی طرف نہیں آ سکے۔

۹۸۔ اس وعدے سے مراد قیامت کے قریب یاجوج و ماجوج کا خروج ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ حضرت امام مہدی عجل اللہ فرجہ کے ظہور کی علامتوں میں سے ایک ہے۔ یعنی دیوار اگرچہ مضبوط ہے لیکن میرے رب کا وعدہ آنے پر یہ مضبوط دیوار بھی ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

۱۰۱۔ جن کا عقل و شعور غفلت و جہالت کے پردے میں ہے، وہ حرف حق کو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ وہ حق سے کراہت اور نفرت کرتے ہیں اور ان کا باطل سے مانوس ذہن حق کو دیکھ کر وحشت زدہ ہو جاتا ہے۔

۱۰۲۔ اللہ کی جگہ مِنْ دُوْنِيْٓ بندوں کو سرپرست بنا لینا شرک ہے۔ یعنی جہاں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت ہونی چاہیے، وہاں بندوں کی پرستش ہو جائے تو یہ شرک ہے۔ عِبَادِيْ (میرے بندوں) سے مراد فرشتے، جن اور نیک انسان ہو سکتے ہیں، جن کی یہ مشرکین پوجا کرتے ہیں۔

۱۰۳۔۱۰۴ سب سے زیادہ ناقابل تلافی خسارے میں وہ لوگ ہیں جو مرکب ضلالت میں ہیں۔ مرکب ضلالت کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو وہ خود ضلالت میں ہیں، دوسرا یہ کہ وہ اپنی اس ضلالت کو درست کام سمجھتے ہیں۔ اس قسم کی گمراہی زیادہ خطرناک اور ہدایت سے دور ہوتی ہے۔ یہ بالکل جہل مرکب کی طرح ہے کہ ایک شخص ایک مطلب کو نہیں جانتا اور اپنے اس نہ جاننے کو بھی نہیں جانتا۔ ایسا شخص جاننے کی کوشش کبھی نہیں کرے گا۔ اس لیے اس گمراہی کو سب سے زیادہ نامراد قرار دیا ہے۔ چاہے وہ خوارج کی طرح عبادات بجا لائیں، نواصب کی طرح کلام اللہ کی تلاوت کریں، اہل

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ
لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ
جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ
وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ
الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا
يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ
مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ
تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ
مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ
كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا

درست کام کر رہے ہیں۔☆ ﴿١٠٥﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں اور اللہ کے حضور جانے کا انکار کیا جس سے ان کے اعمال برباد ہو گئے لہٰذا ہم قیامت کے دن ان کے (اعمال کے) لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔☆ ﴿١٠٦﴾ ان کے کفر کرنے اور ہماری آیات اور رسولوں کا استہزاء کرنے کی وجہ سے ان کی سزا یہی جہنم ہے۔☆ ﴿١٠٧﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجا لائے ہیں ان کی میزبانی کے لیے یقینا جنت الفردوس ہے۔☆ ﴿١٠٨﴾ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہاں سے کہیں اور جانا پسند نہیں کریں گے۔ ﴿١٠٩﴾ کہد یجیے: میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لیے اگر سمندر روشنائی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن میرے رب کے کلمات ختم نہیں ہوں گے اگرچہ ہم اتنے ہی مزید (سمندر) سے کمک رسانی کریں۔☆ ﴿١١٠﴾ کہد یجیے: میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود تو بس ایک ہی ہے لہٰذا جو اللہ کے حضور جانے کا امیدوار ہے اسے چاہیے کہ

---

شرک کی طرح بے جان چیزوں کی پوجا کریں، یہ سب اعمال جن کو وہ کار خیر سمجھ کر بجا لا رہے ہیں، عبث ثابت ہوں گے اور ثواب و نجات کے لیے ان کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔

۱۰۵۔۱۰۶ جو لوگ بدترین خسارے میں ہیں، ان کے بارے میں بیان جاری ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آیات الٰہی اور آخرت کا انکار کرتے تھے۔ آیات الٰہی میں آفاق و انفس کے ساتھ رسالت و نبوت بھی شامل ہیں جن کے یہ لوگ منکر ہیں۔ یعنی جو مطلوب تھا وہ کیا نہیں اور جو کیا وہ مطلوب نہ تھا۔ اس لیے حبط ہونا قدرتی بات ہے اور جب حبط ہو گا تو قدروں کے ترازو میں ان اعمال کا کوئی وزن نہ ہو گا۔

۱۰۷۔ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ: فردوس ایسے باغ کو کہتے ہیں جس میں گھنے درخت ہوں اور غالب درخت انگور کے ہوں۔

۱۰۹۔ کلمہ بشری استعمال میں اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی معنی پر دلالت کرے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات وہ ارادہ اور وہ تخلیق و ایجاد ہیں جو اپنے خالق اور موجد کی نشاندہی کریں، وہ فیوض ہیں جو ہمیشہ جاری رہتے ہیں: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ۔ فیض خدا، تخلیق خدا لامحدود ہے۔ ان لامحدود کلمات کا احاطہ کرنا کسی محدود کے بس میں نہیں ہے، خواہ وہ محدود کتنا ہی عظیم اور وسیع کیوں نہ ہو۔

۱۱۰۔ کہد یجیے: میں تم جیسا انسان ہوں۔ مِّثْلُكُمْ ہوں۔ جسمانی طور پر تم جیسا ہوں، ظاہر بین لوگوں کے لیے تم جیسا ہوں، تمہاری طرح مادی وسائل کو استعمال میں لاتا ہوں، کھاتا اور پیتا ہوں، سوتا ہوں، ازدواج کرتا ہوں اور اولاد رکھتا ہوں۔ تم مجھے دیگر انسانوں کی طرح چلتے، اٹھتے، بیٹھتے اور بات کرتے ہوئے دیکھ سکتے ہو۔ ایک نامرئی وجود نہیں ہوں لیکن يُوْحٰٓى اِلَيَّ مجھ پر وحی ہوتی ہے۔ میرے جس وجود پر وحی ہوتی ہے وہ تم جیسا نہیں ہے۔ یعنی میرا دل تمہارے دل کی طرح نہیں ہے۔ میرا دل مخزن راز خدا ہے نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ میری نگاہ بھی تمہاری نگاہوں کی طرح نہیں۔ مَا زَاغَ

صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿١١٠﴾ ع

اٰياتها ٩٨ — ١٩ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ٤٤ — رکوعاتها ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ
زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً
خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ
مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ
بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ
الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ
عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾
يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ
رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ
بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ

وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائے۔☆

سورۃ مریم۔مکی۔آیات ۹۸

بنام خدائے رحمن و رحیم

(۱) کاف، ہا، یا، عین، صاد۔ (۲) یہ اس رحمت کا ذکر ہے جو آپ کے رب نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔☆ (۳) جب انہوں نے اپنے رب کو دھیمی آواز میں پکارا۔☆ (۴) عرض کی: میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور بڑھاپے کی وجہ سے سر کے سفید بال چمکنے لگے ہیں اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی ناکام نہیں رہا۔☆ (۵) اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔ (۶) جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور میرے رب! اسے (اپنا) پسندیدہ بنا۔ (۷) (جواب ملا) اے زکریا! ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، اس سے پہلے ہم نے

---

الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ (نجم:۱۷)

سورۂ مریم

۲۔ اس آیت میں اس بات پر روشنی ڈالی جا رہی ہے کہ اللہ اپنے صالح بندوں کی خواہش کس طرح پوری کرتا ہے۔ اگر بندہ خلوص دل سے اللہ سے اپنی ساری امیدیں وابستہ کرتا ہے تو ظاہری وسائل کے فقدان کے باوجود اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کرتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام خود بڑھاپے میں ہیں اور ان کی زوجہ پہلے ہی بانجھ ہیں۔

۳۔ اس سے آداب دعا کا ایک اہم پہلو معلوم ہوا کہ اللہ کو دھیمی آواز میں پکارنا چاہیے۔

۴۔۵ وَلِيًّا سے مراد اولاد ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران آیت ۳۸ میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً میرے رب مجھے اپنی عنایت سے صالح اولاد عطا فرما۔

يَّرِثُنِيْ : جو میرا وارث بنے۔ خِفْتُ الْمَوَالِيَ میں موالی سے مراد سب کے نزدیک چچا اور چچا زاد ہیں، جو اولاد نہ ہونے کی صورت میں وارث بنتے ہیں۔ جن کے وارث بننے کا حضرت زکریا علیہ السلام کو خوف تھا۔ ظاہر ہے یہ خوف نبوت کے وارث بننے کا نہ تھا، بلکہ نااہل لوگوں کے وارث بننے کا خوف تھا۔ نااہل لوگ نبوت کے وارث نہیں بن سکتے۔

اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے متروکات کے بھی وارث ہوتے ہیں۔ اس سے حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام کا موقف قرآن کے مطابق ثابت ہوتا ہے اور مقابلے میں پیش کی جانے والی روایت قرآن کی صراحت کے خلاف جاتی ہے۔

۷۔ يَحْيٰى یا یوحنا، یہ نام ان کے خاندان میں اس سے پہلے کسی کا نہ تھا۔ بعض نے سَمِيًّا سے مراد مثل و نظیر لیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے ایسی کوئی مثال نہیں تھی، لیکن پہلے معنی کو زیادہ ترجیح حاصل ہے۔

قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ
غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ
مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ
رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ
قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝٩ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ
لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ
ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝١٠ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ
مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا
بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝١١ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ
بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝١٢ۙ وَّحَنَانًا
مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝١٣ۙ
وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا
عَصِيًّا ۝١٤ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ

کسی کو اس کا ہمنام نہیں بنایا۔☆ ⑧ عرض کی: میرے رب! میرے ہاں بیٹا کس طرح ہوگا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بھی بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں؟☆ ⑨ فرمایا: اسی طرح ہوگا، آپ کے رب کا ارشاد ہے: یہ تو میرے لیے آسان ہے، چنانچہ اس سے پہلے خود آپ کو بھی تو میں نے پیدا کیا جب کہ آپ کوئی چیز نہ تھے۔☆ ⑩ کہا: اے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما، فرمایا: آپ کی نشانی یہ ہے کہ آپ تندرست ہوتے ہوئے بھی (کامل) تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کر سکیں گے۔ ⑪ پھر وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے اشارتاً کہا: صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔ ⑫ اے یحییٰ! کتاب (خدا) کو محکم تھام لو اور ہم نے انہیں بچپن ہی سے حکمت عطا کی تھی۔☆ ⑬ اور اپنے ہاں سے مہر و پاکیزگی دی تھی اور وہ پرہیزگار تھے۔ ⑭ اور وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش و نافرمان نہیں تھے۔ ⑮ اور سلام ہو ان پر جس دن وہ پیدا ہوئے

۸۔ بڑھاپے کی وجہ سے طاقت تولید ختم ہونے اور بیوی کے بانجھ ہونے کی صورت میں اولاد کی خوشخبری باعث تعجب ہے اور اس جملے میں اسی تعجب کا اظہار ہے یا ممکن ہے ایمان کے باوجود برائے اطمینان یہ سوال اٹھایا ہو۔

۹۔ بوڑھے باپ اور بانجھ عورت سے اولاد پیدا کرنا اللہ کا تخلیقی عمل ہے اور اللہ کا تخلیقی عمل ایک ارادے پر موقوف ہے، لہٰذا اللہ کے لیے کوئی بھی کام مشکل اور آسان نہیں ہوتا۔ سب کام اس کے لیے یکساں آسان ہیں۔

۱۲۔ بچپن میں ان کو حکمت عنایت ہوئی سے مراد عقل و فہم بھی ہو سکتے ہیں اور نبوت بھی۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب بندوں کو ابتدائے طفولیت ہی میں الٰہی منصب سے نوازے۔ اس کے دیگر شواہد اور نظیریں بھی موجود ہیں۔

☆۔ حضرت یحییٰ ؑ کے عہد کا بادشاہ ہیرود اپنے بھائی کی بیوی پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ حضرت یحیٰ اس بات پر ہیرود کی ملامت کرتے تھے۔ اس پر ہیرود نے ان کو گرفتار کیا۔ بعد میں اس فاحشہ عورت کی خواہش پر حضرت یحییٰ ؑ کا سر قلم کر کے ایک تھال میں رکھ کر اس کو نذر کیا۔ حضرت امام حسین ؑ کا سر مبارک بھی تھال میں رکھ کر یزید کو پیش کیا جاتا تھا۔ اس شباہت کی بنا پر امام حسین ؑ یحییٰ کو یاد کر کے گریہ فرمایا کرتے تھے۔

۱۵۔ نہایت اہمیت کے حامل تین مراحل میں سے پہلا مرحلہ دنیاوی زندگی میں قدم رکھنا اور اس کی سلامتی ہے۔ دوسرا مرحلہ عالم آخرت کے لیے سفر کی ابتدا ہے، یعنی وفات کا دن اور تیسرا مرحلہ قیامت کا دن ہے۔ ان تین مرحلوں کے لیے سلامتی کا پیغام ہے۔

يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي
الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا
مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ
حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ
لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ
بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ
إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ
غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلٰمٌ
وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾
قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ
هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً
مِنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ
فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَأَجَاءَهَا

اور جس دن انہوں نے وفات پائی اور جس دن انہیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔☆ ﴿۱۶﴾ اور (اے رسول!) اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرق کی جانب گئی تھیں۔☆ ﴿۱۷﴾ پھر انہوں نے ان سے پردہ اختیار کیا تھا پس ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا، پس وہ ان کے سامنے مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ﴿۱۸﴾ مریم نے کہا: اگر تو پرہیز گار ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ ﴿۱۹﴾ اس نے کہا: میں تو بس آپ کے رب کا پیغام رساں ہوں تا کہ آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں۔☆ ﴿۲۰﴾ مریم نے کہا: میرے ہاں بیٹا کیسے ہو گا؟ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکردار بھی نہیں ہوں۔ ﴿۲۱﴾ فرشتے نے کہا: اسی طرح ہو گا، آپ کے رب نے فرمایا: یہ تو میرے لیے آسان ہے اور یہ اس لیے ہے کہ ہم اس لڑکے کو لوگوں کے لیے نشانی قرار دیں اور ہماری طرف سے رحمت ثابت ہو اور یہ کام طے شدہ ہے۔☆ ﴿۲۲﴾ اور مریم اس بچے سے حاملہ ہو گئیں اور وہ اسے لے کر دور مقام پر چلی گئیں۔ ﴿۲۳﴾ پھر زچگی کا درد انہیں کھجور کے تنے کی

---

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے واقعہ کے بیان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا بیان ہے، کیونکہ دونوں کی ولادت معجزانہ طریقے سے ہوئی ہے اور دونوں کو عالم طفولیت میں الٰہی منصب ملا ہے۔

۱۶۔ حضرت مریم علیہا السلام شہر ناصرہ میں قیام پذیر تھیں۔ زمانہ حمل میں آپ بیت اللحم کی طرف منتقل ہو گئیں۔

کون تسلیم کرے گا کہ بغیر باپ کے حمل ٹھہر گیا اور آنے والی تہمتوں کا میں کس طرح مقابلہ کر سکوں گی؟ صرف دردزہ کی وجہ سے نہیں شرمساری کی وجہ سے آبادی سے دور بیابان میں نکل گئیں اور کھجور کے ایک خشک درخت کے سائے میں پناہ لی۔

۱۹۔ رَسُوْلُ رَبِّكِ: آپ کے رب کا رسول ہوں۔ یعنی ایک کام کے لیے آپ کے رب کا فرستادہ ہوں۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ غیر نبی پر بھی جبرئیل کا نزول ہوتا ہے اور اللہ غیر نبی پر بھی اپنا رسول بھیجتا ہے۔

۲۱۔ غیر مانوس طریقہ تولید سے ایک بچے کی معجزانہ ولادت میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ اس طرف اشارہ ہے: اس میں ایک تو یہ کہ الٰہی قدرت کاملہ کی ایک نشانی ہے کہ وہ اپنے ارادے میں کسی خاص طریقے کا محتاج نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس مولود کے ذریعے اللہ اپنی رحمت کا جلوہ دکھانا چاہتا ہے کہ یہ مولود، مریضوں کی شفایابی کے لیے محتاج معاشرے اور مجبور و مقہور انسانیت کے لیے رحمت الٰہی کا ایک مظہر ہو گا۔ یہ اللہ کا ایک اٹل فیصلہ تھا۔

الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ
يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا
مَنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي
قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّي
إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ
رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي
عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۙ
فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا
فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ ۚ فَأَتَتْ بِهِ
قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ
جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ
مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ
أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ ۚ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا

طرف لے آیا، کہنے لگیں: اے کاش! میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور صفحہ فراموشی میں کھو چکی ہوتی۔☆ ﴿٢٤﴾ فرشتے نے مریم کے پائین پا سے آواز دی: غم نہ کیجیے! آپ کے رب نے آپ کے قدموں میں ایک نہر جاری کی ہے۔☆ ﴿٢٥﴾ اور کھجور کے تنے کو ہلائیں کہ آپ پر تازہ کھجوریں گریں گی۔☆ ﴿٢٦﴾ پس آپ کھائیں اور پئیں اور آنکھیں ٹھنڈی کریں اور اگر کوئی آدمی نظر آئے تو کہدیں: میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر مانی ہے اس لیے آج میں کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی۔☆ ﴿٢٧﴾ پھر وہ اس بچے کو اٹھا کر اپنی قوم کے پاس لے آئیں، لوگوں نے کہا: اے مریم! تو نے بہت غضب کی حرکت کی۔☆ ﴿٢٨﴾ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکردار تھی۔☆ ﴿٢٩﴾ پس مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا لوگ کہنے لگے: ہم اس سے کیسے بات کریں جو بچہ ابھی

٢٣۔ ایک باعفت و باغیرت دوشیزہ کے ہاں بن شوہر بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا یہی حال ہونا چاہیے جس کا اظہار حضرت مریم ؑ کر رہی ہیں۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت مریم ؑ کو علم تھا کہ یہ بچہ اللہ کی طرف سے معجزانہ طور پر پیدا ہو رہا ہے تو انہیں گھبرانا نہیں چاہیے تھا بلکہ اللہ پر بھروسا کر کے مطمئن ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب حضرت امام صادق ؑ سے مروی روایت میں ملتا ہے جس میں آپ ؑ نے اس پریشانی کی وجہ بیان فرمائی ہے: لانها لم ترفی فی قومها رشیدا ذا فراسة ینزهها عنا السوء۔ (بحار الانوار ١٤: ٢٢٦) یعنی کیونکہ مریم ؑ سمجھتی تھیں کہ ان کی قوم میں کوئی فہم و فراست کا مالک شخص نہیں ہے جو مریم ؑ کو اس بدنامی سے بچالے۔

٢٤۔ پائنتی سے مریم ؑ کو پکارا۔ پکارنے والا کون تھا؟ اکثر کے نزدیک جبرئیل یا فرشتے تھے۔ بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ ؑ تھے۔ اس پر قرینہ مِنۡ تَحۡتِهَاۤ (پائنتی سے) کو قرار دیتے ہیں کہ اس وقت حضرت مریم ؑ کی پائنتی میں نومولود حضرت عیسیٰ ؑ تھے۔ لیکن یہ بات ثابت نہیں ہے کہ عیسیٰ ؑ نے اس مرحلے میں کوئی کلام کیا ہے۔

٢٥۔ کھجور کے تنے کو ہلانے کے حکم میں اس بات کی تصریح ہے کہ اگر کوئی عمل انسان خود انجام دے سکتا ہے تو اللہ اسے خود انسان پر چھوڑ دیتا ہے۔

٢٦۔ یہاں سے اصل پریشانی کے حل کا بیان شروع ہو گیا ہے کہ بچے کے بارے میں نہ آپ کو پریشانی ہو گی اور نہ بولنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ آپ چپ کا روزہ رکھ لیں، مسئلے کا حل ہمارے ذمے ہے۔ واضح رہے اس زمانے کی شریعت میں چپ کا روزہ رکھنے کا شرعی جواز تھا جبکہ اسلامی شریعت میں یہ حکم منسوخ ہے۔

٢٧۔ توقع کے مطابق قوم کے افراد نے اس معاملے کو بہت بڑی فضیحت قرار دیا۔

كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾
قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَ
جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ لا وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ
مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ
مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ ۖ وَّ بَرًّا ۢ بِوَالِدَتِيْ ۡ وَ
لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلٰمُ
عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ
اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ
قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾
مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ لا
سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا
يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٣٥﴾ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ
رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ

گہوارے میں ہے؟☆ ﴿٣٠﴾ بچے نے کہا: میں اللہ کا بندہ
ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔☆
﴿٣١﴾ اور میں جہاں بھی رہوں مجھے بابرکت بنایا ہے اور
زندگی بھر نماز اور زکوۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ ﴿٣٢﴾ اور
اپنی والدہ کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والا قرار دیا ہے اور
اس نے مجھے سرکش اور شقی نہیں بنایا۔ ﴿٣٣﴾ اور سلام ہو مجھ پر
جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں وفات پاؤں گا اور جس
روز زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ ﴿٣٤﴾ یہ ہیں عیسیٰ بن مریم،
(اور یہ ہے) وہ حق بات جس میں لوگ شبہ کر رہے ہیں۔☆
﴿٣٥﴾ اللہ کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ
(ایسی باتوں سے) پاک ہے، جب وہ کسی امر کا ارادہ کر لیتا
ہے تو بس اس سے فرماتا ہے: ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔☆
﴿٣٦﴾ اور یقینا اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے پس

۲۸۔ حضرت مریم علیہا السلام ہارون کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے ممکن ہے اخت ہارون کہا گیا ہو۔

۲۹۔ حضرت مریم علیہا السلام کو یقین تھا کہ بچہ خود ماں کی طہارت کی گواہی دے گا۔ یہ یقین یا تو سابقہ تجربے سے آیا، اگر پالنے سے بات کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے یا فرشتوں کے کہنے پر یقین آیا ہوگا۔ یہ بات زیادہ قرین واقع نظر آتی ہے کہ جہاں چپ کا روزہ رکھنے کا حکم آیا ہے وہاں اس بات کی یقین دہانی ہوئی ہوگی کہ بچہ خود گواہی دے گا۔
کچھ لوگ کَانَ کو ماضی بعید کے معنوں میں لے جا کر یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو کل کا بچہ ہے۔ جبکہ کَانَ یہاں ثبت کے معنوں میں ہے جیسے آیت ۱۸ میں اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا میں ہے۔

۳۰۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں پاکیزہ طور پر پیدا ہوا ہوں بلکہ اس سے کہیں بالاتر فرمایا کہ میں نبوت کے مقام پر فائز ہو کر آ رہا ہوں اور مجھے کتاب عنایت ہوئی ہے۔

۳۴۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حق پر مبنی واقعہ یہ ہے کہ وہ عبد خدا ہیں۔ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کو کتاب دی گئی۔ نہ کہ وہ فرزند خدا ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا نظریہ ہے۔ نہ ان کی ولادت باطہارت میں شک ہے جیسا کہ یہود کی طرف سے الزام ہے۔

۳۵۔ اللہ اور باقی کائنات کا تعلق کن فیکونی والا ہے۔ یعنی خلق و ایجاد ہے، نہ تولید۔

۳۶۔ اس آیہ مبارکہ میں فرمایا: چونکہ اللہ ہی رب ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عبادت صرف رب کی ہوتی ہے۔ اسی لیے ہم نے عبادت کی یہ تعریف اختیار کی ہے: کسی کی تعظیم اس عنوان سے کی جائے کہ وہ رب اور خالق ہے۔ لہٰذا اگر کسی کی تعظیم رب اور خالق کے

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٧﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٤٠﴾ ع وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ

وقف لازم

اس کی بندگی کرو، یہی راہ راست ہے۔☆ ﴿٣٧﴾ مگر (مختلف) فرقوں نے باہم اختلاف کیا پس تباہی ان کافروں کے لیے ہو گی بڑے دن کے حاضر ہونے سے۔☆ ﴿٣٨﴾ جس دن وہ ہمارے سامنے ہوں گے تو اس وقت کیا خوب سننے والے اور کیا خوب دیکھنے والے ہوں گے لیکن آج یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔☆ ﴿٣٩﴾ اور (اے رسول) انہیں حسرت کے دن سے ڈرائیے جب قطعی فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور یہ ایمان نہیں لاتے۔☆ ﴿٤٠﴾ اور ہم ہی زمین کے اور جو کچھ اس پر ہے سب کے وارث ہوں گے پھر وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ ﴿٤١﴾ اور اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے، یقیناوہ بڑے سچے نبی تھے۔☆ ﴿٤٢﴾ جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) سے کہا: اے ابا! آپ اسے کیوں پوجتے ہیں جو نہ سننے کی اہلیت رکھتا ہے اور نہ دیکھنے کی اور نہ ہی آپ کو کسی چیز سے بے نیاز کرتا ہے۔☆ ﴿٤٣﴾ اے ابا! بتحقیق میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا پس آپ

عنوان سے نہ ہو تو یہ تعظیم عبادت اور شرک نہیں ہے۔

۳۷۔ مسیحی فرقوں کے آپس کے اختلافات کا ذکر ہے۔ کلیسا کی تاریخ نزاعات و اختلافات سے پر ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ اختلاف رونما ہوا کہ حضرت مسیح اللہ ہیں یا رسول۔ ایک نظریہ تو یہ تھا کہ مسیح اللہ کے رسول ہیں۔ دوسرا یہ کہ رسول ضرور ہیں لیکن ایک خاص مقام ہے۔ تیسرا یہ کہ مسیح اللہ کے بیٹے اور مخلوق ہیں۔ چوتھا یہ کہ اللہ کے بیٹے ہیں، مخلوق نہیں ہیں، باپ کی طرح قدیم ہیں۔ اس کے بعد روح القدس کے بارے میں ایک اور اختلاف پیدا ہوا۔ کچھ نے کہا روح القدس کو بھی خدا کا درجہ حاصل ہے۔ کچھ منکر ہو گئے۔ سن ۳۸۱ عیسوی میں قسطنطنیہ میں ایک فیصلے کے تحت روح القدس کو خدا کے درجے پر فائز کیا گیا اور تثلیث کے نظریے کو آخری شکل دے دی گئی۔ اس کے بعد حضرت مسیح کے انسانی، خدائی، ملکوتی، لاہوتی اور ناسوتی پہلوؤں پر اختلافات رونما ہوئے۔

۳۸۔ دنیا میں ان کی بصارت و سماعت پر مفادات، خواہشات اور آرزوؤں کے تہ درتہ پردے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ تمام پردے ہٹ جائیں گے اور ہر چیز کما حقہ نظر آئے گی۔

۳۹۔ حسرت کا دن کفار اور مشرکین کے لیے نہایت المناک ہو گا۔ انسان کو روز قیامت کی حسرت سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔

۴۱۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے ایمان بالتوحید میں سچائی کے اس مقام پر فائز تھے کہ ان کے ذہن وخیال میں بھی غیر اللہ کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے وہ وقت کے طاغوت کے مقابلے میں تنہا ڈٹ گئے۔

۴۲۔ سماعت اور بصارت تو ناتواں حیوانوں میں بھی ہوتی ہیں۔ تم ایسی چیز کی پوجا کرتے ہو جو ان ناتواں حیوانوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

۴۳۔ علم ہی کو قیادت اور رہنمائی کا حق ملتا ہے اور علم

فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾
يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ
اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ
فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ
اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ
تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾
قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ
اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ
عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾
فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا

میری بات مانیں، میں آپ کو سیدھی راہ دکھاؤں گا۔☆
﴿۴۴﴾ اے ابا! شیطان کی پوجا نہ کریں کیونکہ شیطان تو
خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے۔☆ ﴿۴۵﴾ اے ابا! مجھے خوف
ہے کہ خدائے رحمٰن کا عذاب آپ کو گرفت میں لے لے،
ایسا ہوا تو آپ شیطان کے دوست بن جائیں گے۔
﴿۴۶﴾ اس نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے
برگشتہ ہو گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور سنگسار
کروں گا اور تو ایک مدت کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔☆
﴿۴۷﴾ ابراہیم نے کہا: آپ پر سلام ہو! میں آپ کے لیے
اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا یقیناً وہ مجھ پر نہایت
مہربان ہے۔☆ ﴿۴۸﴾ اور میں تم لوگوں سے نیز اللہ کے سوا
جنہیں تم پکارتے ہو ان سے علیحدہ ہو جاتا ہوں اور میں
اپنے رب ہی کو پکاروں گا، مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب
سے مانگ کر کبھی ناکام نہیں رہوں گا۔ ﴿۴۹﴾ پھر جب
ابراہیم ان لوگوں سے اور اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پوجتے

والوں کی پیروی کی جاتی ہے، ورنہ جاہل بقول
امیر المؤمنین علیؑ یا زیادتی کرتا ہے یا کوتاہی۔
۴۴۔ شیطان کی عبادت سے مراد اطاعت ہے۔
یہاں شیطان کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے۔
۴۶۔ منکر کے پاس جب منطق نہیں ہوتی تو طاقت
کے استعمال پر اتر آتا ہے، لیکن جس کے پاس
منطق ہوتی ہے وہ اس دھمکی کے جواب میں سلام
پیش کرتا ہے اور مغفرت طلب کرتا ہے۔
الِهَتِيْ الٰہ کی جمع ہے۔ وہ اپنے بہت سے معبودوں کا
ذکر کرتا ہے۔ چنانچہ کلدانی مذہب میں ان کے
معبودوں کے پانچ ہزار تک ناموں کے کتبوں کا
انکشاف ہوا ہے۔
وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا: آزر نے حضرت ابراہیمؑ کو
اپنے پاس سے ایک طویل مدت یا ہمیشہ کے لیے
دور ہونے کو کہا۔ اس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ حضرت
ابراہیمؑ آزر کے پاس ہوتے تھے۔ اس سے
اس بات کو تقویت ملتی ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت
ابراہیمؑ کے والد اس وقت زندہ نہیں تھے۔
۴۷۔ واضح رہے حضرت ابراہیمؑ نے ابتدائے
دعوت میں آزر کے لیے استغفار کی۔ یہ استغفار
ایک مدت تک کے لیے تھی۔ جس میں حضرت
ابراہیمؑ نے ساستغفر کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ
دعوت حضرت ابراہیمؑ کے ابتدائی دنوں کے بعد
جب حضرت ابراہیمؑ پر واضح ہو گیا تھا کہ آزر
اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزاری اختیار کی۔
حضرت ابراہیمؑ اپنی آخری زندگی میں اپنے
والدین کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں:
رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ
الْحِسَابُ۔ (ابراہیم: ۴۱) اس سے معلوم ہوا کہ آزر
حضرت ابراہیمؑ کے والد نہیں ہیں۔ آزر تو اللہ کا دشمن
تھا۔ اس سے بیزاری ہوئی تھی۔ اب آخری عمر میں اس
کے لیے طلب مغفرت کیسے ممکن ہے۔
۴۹۔ آپ نے ترک وطن کر کے ملک شام کی طرف

جَعَلۡنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا
وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع
وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مُوۡسٰٓى ۫ اِنَّهٗ كَانَ
مُخۡلَصًا وَّكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيۡنٰهُ
مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنِ وَقَرَّبۡنٰهُ
نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ
هٰرُوۡنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ
اِسۡمٰعِيۡلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ
وَكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاۡمُرُ
اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنۡدَ
رَبِّهٖ مَرۡضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ
اِدۡرِيۡسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾
وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ

تھے ان سے کنارہ کش ہوئے تو ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔☆ ﴿۵۰﴾ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے بھی نوازا اور انہیں اعلیٰ درجے کا ذکر جمیل بھی عطا کیا۔☆ ﴿۵۱﴾ اور اس کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجیے، وہ یقینا برگزیدہ نبی مرسل تھے۔☆ ﴿۵۲﴾ اور ہم نے انہیں طور کی داہنی جانب سے پکارا اور راز دار بنانے کے لیے انہیں قربت عطا کی۔ ﴿۵۳﴾ اور ان کے بھائی ہارون کو ہم نے اپنی رحمت سے نبی بنا کر (بطور معاون) انہیں عطا کیا۔ ﴿۵۴﴾ اور اس کتاب میں اسماعیل کا (بھی) ذکر کیجیے، وہ یقینا وعدے کے سچے اور نبی مرسل تھے۔☆ ﴿۵۵﴾ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔☆ ﴿۵۶﴾ اور اس کتاب میں ادریس کا (بھی) ذکر کیجیے، وہ یقینا راستگو نبی تھے۔☆ ﴿۵۷﴾ اور ہم نے انہیں اعلیٰ مقام پر اٹھایا۔ ﴿۵۸﴾ یہ وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ

ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں صالح اولاد سے نوازا اور ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رکھا۔

۵۰۔ لسان صدق سے مراد ثنائے جمیل ہے جس میں سچائی کے سوا کسی اور بات کا شائبہ نہ ہو۔ چنانچہ آج دنیا کے تمام ادیان، یہود، مسیح اور اسلام سب آپ کی تجلیل کرتے ہیں۔

۵۱۔ مُخۡلَصًا: خالص برگزیدہ۔ اس کے وجود، کردار، افکار میں غیر اللہ کے لیے کوئی جگہ نہ ہو۔ وہ خالص اللہ کے لیے زندہ رہتے ہیں اور اللہ کے لیے کام کرتے ہیں۔

۵۴۔ یہ اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ ہیں۔ یہ اسماعیل بن حزقیل علیہ السلام ہیں۔ ان کے بارے میں تفسیر البرھان میں اس آیت کے ذیل میں متعدد روایات ہیں۔

۵۵۔ اپنے اہل خانہ کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دینا اخلاق انبیاء میں سے ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا: قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا (تحریم: ۶) اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو آتش سے بچاؤ۔

۵۶۔ حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے تھے اور بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے نہ تھے۔ اس لیے اسرائیلی تاریخ میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ ان کا نسب اس طرح بیان ہوا ہے: ادریس بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث۔ کہتے ہیں ان کا عبرانی نام خنوخ ہے۔ یونانی ان کو ارمیس کہتے ہیں۔ مصری ان کو ھرمس کہتے ہیں۔ قرآن نے ان کو ادریس کے نام سے یاد کیا ہے۔ توریت میں قابیل کے فرزند حنوک کا ذکر آتا ہے۔ ممکن ہے وہ یہی حضرت ادریس علیہ السلام ہوں۔ کیونکہ اس میں یہ ذکر بھی ہے کہ ان کو خدا نے اٹھا لیا۔

أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ ﴿٥٨﴾ السجدة ٥

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ﴿٥٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ﴿٦٠﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ

نے انعام فرمایا جو اولاد آدم میں سے ہیں اور ان میں سے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں اٹھایا اور ابراہیم و اسرائیل کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا، جب ان پر رحمٰن کی آیات کی تلاوت کی جاتی تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے۔☆ ﴿٥٩﴾ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات کے پیچھے چل پڑے پس وہ عنقریب ہلاکت سے دوچار ہوں گے۔☆ ﴿٦٠﴾ مگر جو توبہ کریں، ایمان لائیں اور نیک اعمال بجا لائیں تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔☆ ﴿٦١﴾ ایسی جاودانی بہشت (میں) جس کا اللہ نے اپنے بندوں سے غیبی وعدہ فرمایا ہے، یقیناً اس کا وعدہ آنے والا ہے۔☆ ﴿٦٢﴾ وہاں وہ بیہودہ باتیں نہیں سنیں گے سوائے سلام کے اور وہاں انہیں صبح و شام رزق ملا کرے

۵۸۔ تاریخ انسانیت کی انسان ساز ہستیوں کا ذکر تین سلسلوں میں آیا: آدم، نوح اور ابراہیم علیہم السلام، یہ وہ ہستیاں ہیں جن پر اللہ نے اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور پوری انسانیت کے لیے ہدایت کی روشنی کا منبع یہی تھے۔

۵۹۔ انبیاء، صلحاء اور اوصیاء سب کو ناخلف لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ جنہوں نے ان کی آنکھ بند ہوتے ہی بگاڑ شروع کر دیا اور اس سلسلے کا اولین زینہ نماز کا ضیاع ہے جو مومن کا اپنے رب کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جس کے ضیاع کے بعد اس امت کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔

۶۰۔ ان انحرافیوں پر رحمت خدا کا دروازہ بند نہیں ہوگا اگر یہ لوگ انحراف کے بعد تَابَ، اللہ کی طرف واپس آ جائیں۔ چونکہ یہ لوگ انحراف کی وجہ سے اللہ سے منہ موڑ چکے تھے۔☆

اٰمَنَ اپنے ایمان کی نئے سرے سے تجدید کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان انحرافیوں کا ایمان بھی مخدوش ہو گیا تھا۔

۶۱۔ عَدۡنٍ دائمی قیام گاہ کو کہتے ہیں۔ وہ ایسی جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔

۶۲۔ جنت میں لغویات کا وجود نہ ہوگا۔ یہاں امن و سکون، کیف و سرور اور رضائے رب کے سائے میں ہر خواہش پوری ہوگی تو فضا سلام ہی سلام کی ہوگی۔ صبح و شام رزق میسر آنے کا مطلب یا تو یہ ہو سکتا ہے کہ رزق انہیں بغیر کسی تعطل کے ہمیشہ ملتا رہے گا یا اس سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جنت کی زندگی میں سورج چاند نہ بھی ہوں، تاہم صبح و شام کے اوقات

عَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ ع وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ

گا۔☆ ﴿٦٣﴾ یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے متقین کو بنائیں گے۔ ﴿٦٤﴾ اور ہم (فرشتے) آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے، جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اسی کا ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔☆ ﴿٦٥﴾ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اسی کی بندگی پر ثابت قدم رہو، کیا اس کا کوئی ہمنام تمہارے علم میں ہے؟☆ ﴿٦٦﴾ اور انسان کہتا ہے: جب میں مر جاؤں گا تو کیا میں زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟☆ ﴿٦٧﴾ کیا اس انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے اسے پہلے اس وقت پیدا کیا، جب وہ کچھ بھی نہ تھا؟ ﴿٦٨﴾ آپ کے رب کی قسم! پھر ہم ان سب کو اور شیاطین کو ضرور جمع کریں گے پھر ہم انہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل ضرور حاضر کریں گے۔ ﴿٦٩﴾ پھر ہم ہر فرقے میں سے ہر اس شخص کو جدا کر دیں گے جو رحمٰن کے مقابلے میں زیادہ سرکش تھا۔☆ ﴿٧٠﴾ پھر (یہ بات) ہم بہتر جانتے

ہوں گے۔

۶۴۔ روایت ہے کہ وحی کے آنے میں تاخیر پر حضور ﷺ نے جبرئیل سے سوال کیا تو جبرئیل کا یہ جواب تھا: ہم اللہ کے حکم سے ہی نازل ہو سکتے ہیں۔

۶۵۔ وہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اس کا کوئی ہمنام نہیں ہے۔ یعنی اللہ کے علاوہ کسی کے لیے بھی یہ نام شایان نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمین کا ایک ہی رب ہے۔

۶۶۔ سطحی اذہان میں سوال آتا ہے کہ انسان کے خاک ہونے اور بکھرنے کے بعد اور کبھی دیگر حیوانات کی غذا بننے کے بعد کس طرح دوبارہ وہی جسم اور وہی انسان زندہ ہو سکتا ہے؟ جواب یہ ہے: دنیوی زندگی میں بھی انسانی جسم ہمیشہ تحلیل ہوتا رہتا ہے۔ اربوں خلیے (Cells) روزانہ جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور کاربن کی شکل میں ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ ان کی جگہ نئے خلیے (Cells) بنتے ہیں۔ اس طرح چھ سالوں میں انسان کا پورا مادی جسم بدل جاتا ہے، جبکہ انسان نہیں بدلتا۔

۶۹۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ میدان قیامت میں لوگ گروہ گروہ ہوں گے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے آقا کے ساتھ محشور ہوگا۔ ہر جماعت میں مختلف لوگ ہو سکتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ سرکش ہوں گے اور کچھ لوگ سرکش نہیں ہوں گے۔

۷۱۔ بعض روایات کے مطابق اس سے مراد حضور اور مشاہدہ ہے جیسا کہ آیت ۶۸ میں مذکور ہے اور بعض دوسری روایات کے مطابق داخل ہونا مراد ہے۔ لیکن مؤمنین کے لیے اس آتش میں ٹھنڈک اور سلامتی ہوگی جیسے حضرت ابراہیم ؑ کے لیے آتش نمرود تھی نیز یہ بات بھی بعید نہیں کہ اس سے مراد صراط ہو جو آتش جہنم پر سے گزرتی ہے اور یہ بھی روایت میں ہے کہ مؤمن کو جنت میں جانے سے پہلے ایک بار جہنم دکھا دی جائے گی اور کافر کو جہنم جانے سے پہلے ایک بار جنت دکھا دی جائے گی تا کہ مؤمن جنت کی نعمتوں کی قدر کرے اور کافر کے عذاب میں اضافہ ہو۔

لَنَحۡنُ اَعۡلَمُ بِالَّذِیۡنَ ہُمۡ اَوۡلٰی بِہَا
صِلِیًّا ﴿۷۰﴾ وَ اِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُہَا ۚ
کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتۡمًا مَّقۡضِیًّا ۚ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّی
الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡہَا
جِثِیًّا ﴿۷۲﴾ وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ
قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ
اَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ خَیۡرٌ مَّقَامًا وَّ اَحۡسَنُ
نَدِیًّا ﴿۷۳﴾ وَ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ
ہُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءۡیًا ﴿۷۴﴾ قُلۡ مَنۡ
کَانَ فِی الضَّلٰلَۃِ فَلۡیَمۡدُدۡ لَہُ الرَّحۡمٰنُ
مَدًّا ۬ۚ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا
الۡعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَۃَ ؕ فَسَیَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ
ہُوَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضۡعَفُ جُنۡدًا ﴿۷۵﴾ وَ یَزِیۡدُ

ہیں کہ جہنم میں جھلسنے کا زیادہ سزاوار ان میں سے کون ہے۔
﴿۷۱﴾ اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو جہنم پر وارد نہ ہو، یہ
حتمی فیصلہ آپ کے رب کے ذمے ہے۔☆ ﴿۷۲﴾ پھر اہل
تقویٰ کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل
پڑا چھوڑ دیں گے۔ ﴿۷۳﴾ اور جب انہیں ہماری صریح آیات
سنائی جاتی ہیں تو کفار اہل ایمان سے کہتے ہیں: دونوں
فریقوں میں سے کون بہتر مقام پر (فائز) ہے اور کس کی
محفلیں زیادہ بارونق ہیں؟☆ ﴿۷۴﴾ اور ہم ان سے پہلے کتنی
ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو سامان زندگی اور نمود میں
اس سے کہیں بہتر تھیں۔☆ ﴿۷۵﴾ کہد یجیے: جو شخص گمراہی
میں ہے اسے خدائے رحمٰن لمبی مہلت دیتا ہے لیکن جب وہ
اس کا مشاہدہ کریں گے جس کا وعدہ ہوا تھا، خواہ وہ عذاب ہو
یا قیامت تو اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ کس کا مقام زیادہ برا
ہے اور کس کا لاؤ لشکر زیادہ کمزور ہے۔☆ ﴿۷۶﴾ اور جو لوگ
ہدایت یافتہ ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے اور

۷۳۔ چشم ظاہر بین اور سطحی ذہن رکھنے والے مال و دولت اور جاہ و سلطنت کو حقائق کے لیے بنیاد بناتے ہیں۔ جب یہ دولت اور اقتدار والے تاریخ کا حصہ بنتے ہیں تو تاریخ کے نزدیک مادی قدروں کو اہمیت نہیں ملتی۔ آج تاریخ انسانیت پر ہارون ؑ کی سلطنت ہے، قارون کی نہیں اور آج بلال حبشی کا صفحہ تاریخ تابناک ہے، ابوجہل کا نہیں۔

۷۴۔ جو چند روزہ اللہ نے تمہیں ڈھیل دی ہے اسے اپنے حق میں اللہ کی طرف سے رعایت سمجھتے ہو، ان چند دنوں کے بعد تمہاری ہلاکت کا وقت آئے گا تو تم تاریخ کا حصہ بن جاؤ گے اور تمہارے نام سے نفرت و مذلت کا تعفن پھیلے گا جب کہ عمار و بلال تابناک تاریخ کی جبین پر فخر و مباہات کی علامت بن جائیں گے۔

۷۵۔ وہ جس ڈھیل کو اپنے حق میں اللہ کا اکرام سمجھتے ہیں، درحقیقت سرکشوں کے خلاف سب سے بڑی سزا یہی ڈھیل ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۷۸ میں فرمایا: وَ لَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ خَیۡرٌ لِّاَنۡفُسِہِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَہُمۡ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا جب وعدہ الٰہی کا وقت آئے گا تو معلوم ہوگا کس کا مقام برا ہے۔
وعدہ الٰہی کے دو مرحلوں کا ذکر آیا ہے: اِمَّا الۡعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَۃَ۔ پہلا مرحلہ عذاب کا ہے۔ یعنی قیامت سے پہلے جب ان پر عذاب الٰہی ہوگا۔ گویا کہ وہ اس دنیا میں بھی ذلت و خواری سے دوچار ہوں گے اور مسلمانوں سے شکست کھا رہے ہوں گے، اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ کس کا مقام برا ہے۔ چشم جہاں نے ان کی ذلت و خواری کا مشاہدہ میدان بدر سے کرنا شروع کیا۔ دوسرا مرحلہ قیامت کا ہے، جب قیامت کے دن ابدی ذلت و رسوائی کے ساتھ عذاب جہنم کا مشاہدہ کریں گے تو معلوم ہو گا کہ کس کا مقام برا ہے۔

۷۶۔ روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق ؑ سے باقیات الصالحات کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: ھی الصلوۃ فحافظوا علیھا۔ یہ نماز ہے، اس کی حفاظت کرو۔ (مستدرک الوسائل ۳:

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ
الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا
وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ
بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ۭ
اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ
عَهْدًا ﴿٧٨﴾ۙ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ
وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ۙ وَّنَرِثُهٗ
مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ
عِزًّا ﴿٨١﴾ۙ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ
يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ ع اَلَمْ تَرَ
اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾ۙ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ

آپ کے رب کے نزدیک باقی رہنے والی نیکیاں ثواب کے لحاظ سے بہتر ہیں اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہیں۔☆ ﴿٧٧﴾ مجھے بتلاؤ جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے: مجھے مال اور اولاد کی عطا ضرور بالضرور جاری رہے گی؟ ﴿٧٨﴾ کیا اس نے غیب کی اطلاع حاصل کی ہے یا خدائے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ ﴿٧٩﴾ ہرگز نہیں، جو کچھ یہ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیں گے اور ہم اس کے عذاب میں مزید اضافہ کر دیں گے۔☆ ﴿٨٠﴾ اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم مالک بن جائیں گے اور وہ ہمارے پاس اکیلا حاضر ہوگا۔☆ ﴿٨١﴾ اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا لیے ہیں تاکہ ان کے لیے باعث تقویت بنیں۔☆ ﴿٨٢﴾ ہرگز نہیں، (کل) یہ سب ان کی عبادت ہی سے انکار کریں گے اور ان کے سخت مخالف ہوں گے۔ ﴿٨٣﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر مسلط کر رکھا ہے جو انہیں اکساتے رہتے ہیں؟☆ ﴿٨٤﴾ پس

---

١٩) دوسری روایت میں آیا ہے کہ باقیات الصالحات مؤمن کا یہ کہنا ہے: سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔ (حوالہ سابق ۵:۳۲۷) واضح رہے کہ یہ احادیث باقیات الصالحات کے اہم مصادیق کی نشاندہی کرتی ہیں۔

٧٩۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ: اللہ کی طرف سے ضبط تحریر میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کا جرم علم خدا میں ثبت ہو جاتا ہے اور جو علم خدا میں ثبت ہو جائے اس میں بھول چوک ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ کسی مطلب کو ضبط تحریر میں لانے سے بھول چوک اور اشتباہ کا امکان کم ہو جاتا ہے۔

٨٠۔ نَرِثُهٗ: یعنی کافروں کا یہ تمسخر اور ان کے کفر کی باتیں ان کے مرنے کے بعد ان کے لیے وبال جان بن کر باقی رہیں گی اور ہمارے پاس وہ اکیلا پہنچ جائے گا۔ جن کو اس نے خدا کے ساتھ شریک مانا تھا، ان میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہ ہوگا۔

٨١۔ مشرکین جن چیزوں کی پوجا کرتے تھے اور ان سے جو مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ تقویت ہے۔ وہ ان معبودوں سے اپنی دنیاوی زندگی کے لیے تقویت چاہتے تھے۔ مشرکین آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے، لہٰذا وہ ان معبودوں کو اپنی دنیاوی مفادات کے حصول کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ جواب میں فرمایا: جس یوم آخرت کے تم منکر ہو، وہ دن ضرور آئے گا اور اس دن تمہارے یہ معبود نہ صرف تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے، بلکہ تمہارے خلاف ہوں گے۔

٨٣۔ اَرْسَلْنَا یعنی ہم نے چھوڑ رکھا ہے کہ شیاطین کافروں کو جرائم کے ارتکاب پر اکساتے رہیں۔ ورنہ اللہ اپنے بندوں کو شیطان کے شر سے بچاتا ہے۔

٨٥۔ اہل تقویٰ کے لیے اس آیت میں دو بشارتیں ہیں: ایک یہ کہ انہیں رحمٰن کے پاس لے جایا جائے گا۔ اس ذات کی بارگاہ میں جمع ہوں گے جو رحمٰن

إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

وقف لازم

آپ ان پر (عذاب کے لیے) عجلت نہ کریں، ہم ان کی گنتی یقیناً پوری کریں گے۔ ﴿٨٥﴾ اس روز ہم متقین کو خدائے رحمٰن کے پاس مہمانوں کی طرح جمع کریں گے۔☆ ﴿٨٦﴾ اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح ہانک کر لے جائیں گے۔ ﴿٨٧﴾ کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد لیا ہو۔☆ ﴿٨٨﴾ اور وہ کہتے ہیں: رحمٰن نے کسی کو فرزند بنا لیا ہے۔ ﴿٨٩﴾ بتحقیق تم بہت سخت بیہودہ بات (زبان پر) لائے ہو۔ ﴿٩٠﴾ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں۔ ﴿٩١﴾ اس بات پر کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے فرزند (کی موجودگی) کا الزام لگایا ہے۔☆ ﴿٩٢﴾ اور رحمٰن کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔☆ ﴿٩٣﴾ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اس رحمٰن کے حضور صرف بندے کی حیثیت سے پیش ہوگا۔☆ ﴿٩٤﴾ بتحقیق اس نے ان سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہیں شمار کر رکھا ہے۔☆ ﴿٩٥﴾ اور قیامت کے دن ہر ایک کو اس

---

ہے۔ رحمٰن کے جوار میں مقام پانا ناقابل وصف و بیان نعمت ہے۔ دوسری بشارت وَفْدًا ہے، جو مہمان کی حیثیت سے رحمٰن کی بارگاہ میں جائیں گے۔

٨٧۔ شفاعت کرنے کے مجاز صرف وہ لوگ ہیں جن کا اللہ کے ساتھ ایک خاص عہد ہے۔ یعنی جو ہستیاں اس عہد الٰہی کے تحمل کے لیے اہل ہیں وہی شفاعت کرنے کی مجاز ہیں۔

٩١۔ ٩٢ اللہ کے لیے بیٹا ہونے کا تصور نہ صرف یہ کہ شان باری میں گستاخی ہے بلکہ تصور الوہیت کے سراسر منافی ہے کیونکہ کائنات میں موجود تمام چیزوں کا اللہ کے ساتھ عبد و معبود، مالک و مملوک اور خالق و مخلوق کا تعلق ہے تو ان مملوکوں میں سے کسی ایک کو اللہ کا ٹکڑا اور حصہ قرار دینا مقام معبود کے منافی اور گستاخی ہے اور اس قدر سنگین گستاخی ہے کہ کائنات کا ضمیر اسے برداشت نہیں کر سکتا۔

٩٣۔ کائنات کی تمام موجودات بلا استثناء اللہ کی بندگی میں ہیں۔ موجودات میں کوئی ایسا وجود نہیں ہے جس کی اللہ کے ساتھ بندگی کے علاوہ کوئی نسبت ہو۔ رسول اللہ اور ولی اللہ کے لیے رسالت اور ولایت کی نسبت ہے، تو پہلے بندگی کی نسبت ہے۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُولُهٗ۔

٩٤۔ اَحْصٰهُمْ یعنی کائنات کی تمام موجودات اللہ کی بندگی میں ہونے کے اعتبار سے اللہ کی مملوک اور مالک کے قبضے میں ہیں، جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور گھیرے اور احاطے میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کے گھیرے سے نہیں نکل سکتیں۔
وَعَدَّهُمْ اور یہ امکان بھی نہیں ہے کہ کوئی اللہ کی نظر سے اوجھل ہو جائے۔ ہر موجود اللہ کی کتاب تکوین میں شمار شدہ اور ثبت شدہ ہے۔

٩٦۔ کائنات میں کوئی فرد اللہ کی بندگی سے بالاتر نہیں، البتہ اس بندگی میں مراتب ضرور ہیں۔ جب بندہ

فَرۡدًا ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَ تُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا ﴿٩٨﴾

کے سامنے تنہا حاضر ہونا ہے۔ ﴿٩٦﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجالائے ہیں ان کے لیے رحمٰن عنقریب دلوں میں محبت پیدا کرے گا۔☆ ﴿٩٧﴾ (اے رسول) پس ہم نے یہ قرآن آپ کی زبان میں یقینا آسان کیا ہے تاکہ آپ اس سے صاحبان تقویٰ کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کی تنبیہ کریں۔ ﴿٩٨﴾ اور ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کیا ہے۔کیا آج آپ کہیں بھی ان میں سے کسی ایک کا نشان پاتے ہیں یا ان کی کوئی آہٹ سنتے ہیں؟

اٰیاتها ١٣٥ — ٢٠ سُوۡرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ ۴۵ — رکوعاتها ٨

سورۂ طٰہٰ۔مکی۔آیات ١٣٥

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

طٰهٰ ﴿١﴾ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ﴿٢﴾ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ﴿٣﴾ تَنۡزِیۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَ السَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ﴿۴﴾ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی ﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ

﴿١﴾ طا، ہا۔☆ ﴿٢﴾ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔☆ ﴿٣﴾ بلکہ یہ تو خوف رکھنے والوں کے لیے صرف ایک یاد دہانی ہے۔☆ ﴿۴﴾ یہ اس کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو بنایا ہے۔ ﴿۵﴾ وہ رحمٰن جس نے عرش پر اقتدار قائم کیا۔☆ ﴿٦﴾ جو کچھ آسمانوں اور جو

ایمان و عمل صالح کے ایک خاص مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اللہ کے نزدیک قرب و منزلت کے علاوہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ایک مقام پیدا فرما دیتا ہے۔

ابن مردویہ اور دیلمی نے حضرت براء سے اور طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی (الدر المنثور ۴: ۵١٢)

سورۂ طٰہ

١۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے روایت ہے کہ طٰہ اور یٰس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ ہیں۔

٢۔٣ آپ پر قرآن نازل کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ لوگوں کو ایمان پر آمادہ کرنے کے لیے ناقابل برداشت مشقت اٹھائیں۔ یہ تو ان لوگوں کے لیے یاد دہانی ہے جن کے دلوں میں خوف خدا ہے۔

۵۔ غیر امامیہ کے علمائے سلف کا یہ مؤقف رہا ہے کہ اللہ عرش پر ہے اور اللہ کے وزن سے عرش سے چرچراہٹ کی آواز آتی ہے۔ جبکہ امامیہ کا ہمیشہ یہ مؤقف رہا ہے کہ اللہ مکان کا محتاج نہیں ہے۔ روایت ہے کہ اس آیت کے بارے میں سوال کے جواب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس نے اللہ کو کسی شے میں یا کسی شے پر قرار دیا اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔

٨۔ پرستش کے جتنے بھی محرکات ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر کوئی لفظ دلالت کرتا ہے تو وہ کماحقہ نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کسی کو عالم کہا جائے تو عالم اس شخص پر کماحقہ دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ جو علم اس عالم کے پاس ہے وہ عارضی اور ناقص ہے۔ نہ اس کا ذاتی ہے بلکہ کسی کا دیا ہوا ہے، نہ وہ تمام معلومات کا علم رکھتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم کسی کا دیا ہوا نہیں بلکہ ذاتی ہے اور وہ

وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿٦﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿٧﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿٨﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ﴿٩﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ؕ﴿١١﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ؕ﴿١٢﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿١٣﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾ اِنَّ السَّاعَةَ

وقف لازم

کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان اور جو کچھ زمین کی تہ میں ہے سب کا وہی مالک ہے۔ ﴿٧﴾ اور اگر آپ پکار کر بات کریں تو وہ رازوں کو بلکہ اس سے زیادہ مخفی باتوں کو بھی یقینا جانتا ہے۔ ﴿٨﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، بہترین نام اسی کے ہیں۔☆ ﴿٩﴾ اور کیا آپ تک موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ ﴿١٠﴾ جب انہوں نے ایک آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا: ٹھہر جاؤ! میں نے کوئی آگ دیکھی ہے، شاید میں اس میں سے تمہارے لیے کوئی انگارے لے آؤں یا آگ پر پہنچ کر راستے کا پتہ کر لوں۔☆ ﴿١١﴾ پھر جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو آواز آئی: اے موسیٰ!☆ ﴿١٢﴾ میں ہی آپ کا رب ہوں، پس اپنی جوتیاں اتار دیں، بتحقیق آپ طویٰ کی مقدس وادی میں ہیں۔☆ ﴿١٣﴾ اور میں نے آپ کو منتخب کر لیا ہے لہٰذا جو وحی کی جا رہی ہے اسے سنیں۔ ﴿١٤﴾ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس صرف میری بندگی کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کریں۔☆ ﴿١٥﴾ قیامت یقینا آنے والی

---

تمام معلومات کا علم رکھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حیات ذاتی اور کامل ہے، عارضی اور ناقص نہیں ہے۔ لہٰذا علم، حیات، قدرت وغیرہ میں جو بھی جمال و کمال قابل تصور ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ جیسا کہ ہم علیم، قدیر، حی و قادر کے اسماء سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

۱۰۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چند سال مدین میں گزارنے کے بعد اپنی زوجہ کے ہمراہ مصر واپس جاتے ہوئے جزیرہ نمائے سینا سے گزر رہے تھے، رات کی تاریکی میں راستہ بھولنے کا خطرہ تھا اور سردی بھی تھی۔ آگ دیکھ کر خیال آیا دونوں مسئلے حل ہو جائیں گے۔ نزدیک پہنچے تو دو جہاں کا مسئلہ حل ہو گیا۔

۱۱۔ نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى: اس ندا کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہچان لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ اس آواز کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عام ظاہری حواس سے نہیں سنا کہ شک کی گنجائش باقی رہ جائے بلکہ اپنے باطنی حواس سے سنا جس میں شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

۱۲۔ جوتے اتارنے کا حکم اس بقعہ مبارکہ کے تقدس کی وجہ سے ہے جس کو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہونے کے لیے منتخب کیا۔ یہیں سے جوتے اتارنا یہودیوں کی تہذیب و آداب کا حصہ بن گیا۔

۱۴۔ ابتدائے وحی میں اللہ نے تاکیدی لفظوں میں فرمایا: میں ہی اللہ ہوں۔ تاکہ موسیٰ علیہ السلام وحی وصول کرنے کے لیے یقین کے مرحلے میں آ جائیں۔ جبکہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا ہوئی تو اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور اِقْرَاْ کا حکم براہ راست وصول فرمایا۔ آخری جملے میں فرمایا نماز قائم کرو میری یاد کے لیے۔ اللہ کی یاد سے غافل نہ رہنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔

اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ
بِمَا تَسْعٰى ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا
يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿١٦﴾
وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ
هِىَ عَصَاىَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ
بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ
اُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾
فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ
خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۫ وقفة سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا
الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ
تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً
اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾
اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾ ع

ہے، میں اسے پوشیدہ رکھوں گا تا کہ ہر فرد کو اس کی سعی کے مطابق جزا ملے۔ (۱۶) پس جو شخص قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے کہیں وہ آپ کو اس راہ سے نہ روک دے، ایسا ہوا تو آپ ہلاک ہو جائیں گے۔ (۱۷) اور اے موسیٰ! یہ آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ (۱۸) موسیٰ نے کہا: یہ میرا عصا ہے، اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں کئی اور مفادات بھی ہیں۔ (۱۹) فرمایا: اے موسیٰ! اسے پھینکیں۔ (۲۰) پس موسیٰ نے اسے پھینکا تو وہ یکایک سانپ بن کر دوڑنے لگا۔☆ (۲۱) اللہ نے فرمایا: اسے پکڑ لیں اور ڈریں نہیں، ہم اسے اس کی پہلی حالت پر پلٹا دیں گے۔☆ (۲۲) اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں رکھیے تو وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہے۔☆ (۲۳) (یہ اس لیے) کہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیاں دکھا دیں۔ (۲۴) اب آپ فرعون کی طرف جائیں کہ وہ سرکش ہو

۲۰۔ ہم نے پہلے بھی لکھا ہے کہ معجزات عام طبیعیاتی قوانین کی دفعات کے تحت رونما نہیں ہوتے، نہ ہی بغیر علل و اسباب کے وقوع پذیر ہوتے ہیں، بلکہ معجزات کے اپنے علل و اسباب ہوتے ہیں۔ مگر یہ دوسروں کے لیے قابل تسخیر نہیں ہوتے۔

۲۱۔ حضرت موسیٰ ؑ سانپ کو دیکھ کر ڈر گئے۔ کیا یہ خوف ایک طبعی امر ہے؟ بعض خوف اور خشیۃ میں فرق کے قائل ہیں کہ غیر خدا سے خشیۃ انبیاء کے لیے روا نہیں، جبکہ خوف میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض دیگر لوگ کہتے ہیں کہ اگر حادثہ مخلوق کی طرف سے ہو جیسے آتش نمرود، تو نہ ڈرنا کمال ہے اور امر اگر خالق کی طرف سے ہو تو ڈرنا کمال ہے۔ بہرحال اس قسم کے خوف کا مطلب شر سے بچنے کی کوشش کا نام ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ بادی النظر میں اس سانپ کو شر سمجھے تھے۔

۲۲۔ ید بیضاء حضرت موسیٰ ؑ کے لیے دوسرا عظیم معجزہ ہے۔ ہاتھ کی سفیدی اور چمک برص کی بیماری کی وجہ سے نہیں تھی جیسا کہ توریت کا کہنا ہے، بلکہ یہ ایک معجزہ تھا جو عصا کے اژدھا بننے کی سطح کا تھا۔ برص عیب ہوتا ہے نہ کہ معجزہ۔

۲۴۔ رسالت کا حکم ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ زمانے کی بڑی طاقت سرکش فرعون کی طرف جانے کا حکم نہایت سنگین حکم ہے، چونکہ حضرت موسیٰ ؑ کا معاصر فرعون بڑا جابر اور متکبر تھا۔

۲۷۔ اس آیت اور دوسری متعدد آیتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کو بولنے میں دقت پیش آتی تھی۔ اس لیے درخواست ہوئی کہ ہارون کو شریک نبوت کیا جائے۔ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا۔ وہ مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے۔

۲۹۔ ابن مردویہ، خطیب اور ابن عساکر نے حضرت

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَ
يَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ
لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَل لِّي
وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾
اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي
أَمْرِي ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَّ
نَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾
قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾
وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾ إِذْ
أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾ أَنِ
اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي
الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ
عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ

گیا ہے۔☆ ﴿٢٥﴾ موسیٰ نے کہا: میرے رب! میرا سینہ کشادہ فرما، ﴿٢٦﴾ اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے، ﴿٢٧﴾ اور میری زبان کی گرہ کھول دے،☆ ﴿٢٨﴾ تاکہ وہ میری بات سمجھ جائیں۔ ﴿٢٩﴾ اور میرے کنبے میں سے میرا ایک وزیر بنا دے۔☆ ﴿٣٠﴾ میرے بھائی ہارون کو۔ ﴿٣١﴾ اسے میرا پشت پناہ بنا دے، ﴿٣٢﴾ اور اسے میرے امر (رسالت) میں شریک بنا دے، ﴿٣٣﴾ تاکہ ہم تیری خوب تسبیح کریں، ﴿٣٤﴾ اور تجھے کثرت سے یاد کریں۔ ﴿٣٥﴾ یقینا تو ہی ہمارے حال پر خوب نظر رکھنے والا ہے۔ ﴿٣٦﴾ فرمایا: اے موسیٰ! یقینا آپ کو آپ کی مراد دے دی گئی۔ ﴿٣٧﴾ اور بتحقیق ہم نے ایک مرتبہ پھر آپ پر احسان کیا۔ ﴿٣٨﴾ جب ہم نے آپ کی والدہ کی طرف اس بات کا الہام کیا جو بات الہام کے ذریعے کی جانا تھی۔☆ ﴿٣٩﴾ (وہ یہ) کہ اس (بچے) کو صندوق میں رکھ دیں پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دیں تو دریا اسے ساحل پر ڈال دے گا (تو) میرا اور اس کا دشمن اسے اٹھا لے گا اور میں نے

---

اسماء بنت عمیسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی حضرت علی ؑ کے بارے میں ہو بہو یہی دعا کی۔ (الدر المنثور ۴: ۵۲۸) مگر اس طباعت میں اسم علی ؑ کو حذف کیا گیا ہے!!

۳۸۔ وحی سے مراد الہام ہے یعنی مادر موسیٰ ؑ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ فرعون کو اس بچے کا علم ہونے سے پہلے دریا کے ذریعے فرعون کے محلات تک پہنچایا جائے۔ مسیحی روایات کے مطابق حضرت موسیٰ ؑ کے والد عمران کا گھر لب دریا تھا۔ والدہ موسیٰ ؑ نے سوچا کہ فرعون کے محلات کی خواتین جس وقت دریا کی سیر کے لیے آتی ہیں اس وقت دریا کے حوالے کیا جائے تاکہ خواتین کو اس خوبصورت بچے پر ترس آئے۔

۴۰۔ جب بچے کو دریائے نیل کے حوالے کر دیا گیا تو مادر موسیٰ نے اپنی ایک بیٹی کو تجسس کے لیے بھیجا۔ موسیٰ ؑ کی بہن قصر فرعون کے گرد چکر لگاتی رہی۔ فرعون کا آدمی بچے کو دودھ پلانے والی دائی کی تلاش میں نکلا تو ہارون کی بہن نے کہا: کیا میں ایک خاندان کی نشاندہی کروں جو اس بچے کو دودھ پلائے؟ اس طرح بچہ ماں کی گود میں واپس آ گیا۔

فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ: ماں کی ممتا دوبارہ دلانا ایک عظیم احسان ہے۔

كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا: ماں کو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک واپس دلانا بھی ایک عظیم احسان ہے۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا: قبطی کے قتل کی وجہ سے حضرت موسیٰ ؑ کو فرعون کی حکومت سے خوف لاحق تھا، اللہ نے اس سے نجات دلائی۔ پھر مدین میں چند سال گزارنے کے بعد آج اس مقام پر ہو۔

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى: جس دن کا قدرت نے تیری رسالت کے لیے تعین کیا تھا، اسی مقررہ وقت

وقف لازم

مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝٣٩
اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ
عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ
تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ڛ وَقَتَلْتَ نَفْسًا
فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۣ
فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ
جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝٤٠ وَاصْطَنَعْتُكَ
لِنَفْسِيْ ۝٤١ ۚ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ
وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝٤٢ ۚ اِذْهَبَآ اِلٰى
فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝٤٣ ښ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا
لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝٤٤ قَالَا
رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ
اَنْ يَّطْغٰى ۝٤٥ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ

آپ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی تا کہ آپ میرے سامنے پرورش پائیں۔ (۴۰) (وہ وقت یاد کرو) جب آپ کی بہن (فرعون کے پاس) گئیں اور کہنے لگیں: کیا میں تمہیں ایسا شخص بتادوں جو اس بچے کی پرورش کرے؟ اس طرح ہم نے آپ کو آپ کی ماں کے پاس پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھ ٹھنڈی ہو جائے اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور آپ نے ایک شخص کو قتل کیا پس ہم نے آپ کو غم سے نجات دی اور ہم نے آپ کی خوب آزمائش کی، پھر سالوں تک آپ مدین والوں کے ہاں مقیم رہے پھر اے موسیٰ! اب عین مقرر وقت پر آ گئے ہیں۔☆ (۴۱) اور میں نے آپ کو اپنے لیے اختیار کیا ہے۔☆ (۴۲) لہٰذا آپ اور آپ کا بھائی میری آیات لے کر جائیں اور دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا۔☆ (۴۳) دونوں فرعون کے پاس جائیں کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ (۴۴) پس دونوں اس سے نرم لہجے میں بات کرنا شاید وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے۔☆ (۴۵) دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا مزید سرکش ہو جائے گا۔☆ (۴۶) فرمایا: آپ دونوں خوف

پر تم یہاں آ گئے ہو اے موسیٰ!

۴۱۔ یہ فرمانا کہ میں نے تجھے اپنے لیے منتخب کیا ہے، عند اللہ حضرت موسیٰ ؑ کی منزلت اور رتبہ بتاتا ہے۔

۴۲۔ حضرت موسیٰ و ہارون ؑ جب اللہ کی طرف سے معجزاتی اسلحہ سے مسلح ہوئے تو فرمایا: میرے یہ معجزات فرعون کے پاس لے جاؤ۔

وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ: ذکر خدا کی طاقت سے کبھی بھی غافل نہ ہونا، اگرچہ معجزات موسیٰ ؑ عظیم ہیں، تاہم اس کی پشت پر ذکر خدا اس سے بھی زیادہ عظیم طاقت ہے۔

۴۴۔ تبلیغ و ارشاد میں طرز گفتگو کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اس میں یہ نکتہ بھی پنہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تبلیغ کے لیے بھی وسائل کے استعمال کا حکم دیا ہے۔ اگرچہ فرعون سرکش ہو گیا ہے تاہم گفتگو میں پھر بھی نرمی ہو کیونکہ انداز کلام میں اگر شیرینی نہیں ہے تو مضمون کلام خواہ کتنا ہی منطقی اور معقول کیوں نہ ہو، موثر نہیں ہوتا۔

۴۵۔ اِنَّنَا نَخَافُ: یہاں ذات و جان کا خوف نہیں ہے، بلکہ یہاں خوف دعوت کی کامیابی اور پیشرفت کے بارے میں ہے کہ کہیں دعوت کی راہ میں فرعون کی سرکشی اور زیادتی حائل نہ ہو جائے۔

۴۷۔ رَسُوْلَا رَبِّكَ: اس میں صراحت موجود ہے کہ حضرت ہارون ؑ شریک رسالت تھے۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: فرعون بنی اسرائیل سے بیگار لیتا تھا اور مصری معاشرے میں بنی اسرائیل نسلی تعصب کا شکار رہتے تھے۔ اس لیے بنی اسرائیل کو اس ذلت آمیز زندگی سے نکالنا حضرت موسیٰ ؑ کی ذمہ داری بن گئی تھی۔ لوگوں کو اس دنیا میں عزت کی زندگی دینا انبیاء کی ذمہ داری

أَسْمَعُ وَأَرٰى ﴿٤٦﴾ فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ

نہ کریں میں آپ دونوں کے ساتھ ہوں اور (دونوں کی بات) سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ ﴿۴۷﴾ دونوں اس کے پاس جائیں اور کہیں: ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں پس بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان پر سختیاں نہ کر، بلاشبہ ہم تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر تیرے پاس آئے ہیں اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔☆ ﴿۴۸﴾ ہماری طرف یقیناً وحی کی گئی ہے کہ عذاب اس شخص کے لیے معین ہے جو تکذیب کرے اور منہ موڑے۔ ﴿۴۹﴾ فرعون نے کہا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟☆ ﴿۵۰﴾ موسیٰ نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر ہدایت دی۔☆ ﴿۵۱﴾ فرعون بولا: پھر گزشتہ نسلوں کا کیا بنا؟☆ ﴿۵۲﴾ موسیٰ نے کہا: ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے، میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔☆ ﴿۵۳﴾ جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنائے اور آسمانوں سے پانی برسایا پھر اس سے ہم نے مختلف

ہے۔

۴۹۔ فرعون کو مصر میں سورج دیوتا کا مظہر سمجھا جاتا تھا اور جس طرح سورج ان کا سب سے بڑا معبود تھا خود فرعون بھی معبود کا درجہ رکھتا تھا کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق فرعون کی پرستش عین سورج کی پرستش سمجھی جاتی تھی۔

فرعون کا سوال: تم دونوں کا رب کون ہے؟ بتاتا ہے کہ موسیٰؑ اور فرعون میں بنیادی اختلاف رب پر ہے۔

۵۰۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب میں فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا کی اور تخلیق کے بعد اسے اپنے حال پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کے زندہ رہنے کے طور طریقوں کی ہدایت (تکوینی) اور جن باتوں پر ان موجودات کی بقا و ارتقا موقوف ہے، ان کی سوجھ بھی ان میں ودیعت فرمائی۔ جو سوجھ بوجھ خلقت کے ہمراہ ودیعت ہوئی ہے، وہ تکوینی اور فطری ہے اور جو خلقت کی تکمیل کے بعد ہدایت ملے گی وہ تشریعی ہے۔ اس آیت کے اطلاق میں دونوں ہدایتیں شامل ہیں۔

۵۱۔ ۵۲ فرعون نے کہا: اگر رب کی یہی تعریف ہے جو تم بیان کر رہے ہو تو ہمارے آبا و اجداد کے بارے میں کیا کہتے ہو، کیا وہ سب گمراہ تھے؟ ان کے پاس کوئی عقل و فہم نہیں تھی کہ انہوں نے نسلاً بعد نسلٍ رب کے بارے میں وہی تصور اختیار کیے رکھا جو آج ہم رکھتے ہیں۔ اگر وہ گمراہ تھے تو تم بتا سکتے ہو کہ وہ کس حال میں ہیں؟

حضرت موسیٰؑ نے جواب میں فرمایا: ان کے اعمال کا پورا حساب میرے رب کے ہاں محفوظ ہے۔ جہاں بھول چوک کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾
كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾ ع مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ
فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً
اُخْرٰی ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا
فَكَذَّبَ وَاَبٰی ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا
مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۵۷﴾
فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا
وَ بَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَاۤ
اَنْتَ مَكَانًا سُوًی ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ
یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَ اَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ
ضُحًی ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰی فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَیْدَهٗ
ثُمَّ اَتٰی ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی وَیْلَكُمْ

نباتات کے جوڑے اگائے۔ ﴿۵۴﴾ تم بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ، صاحبانِ علم کے لیے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ ﴿۵۵﴾ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔ ﴿۵۶﴾ اور بتحقیق ہم نے فرعون کو ساری نشانیاں دکھا دیں سو اس نے پھر بھی تکذیب کی اور انکار کیا۔ ﴿۵۷﴾ فرعون نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہماری سرزمین سے نکالنے ہمارے پاس آئے ہو؟ ☆ ﴿۵۸﴾ پس ہم بھی تمہارے مقابلے میں ایسا ہی جادو پیش کریں گے، لہٰذا ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت جس کی نہ ہم خلاف ورزی کریں اور نہ تم، صاف میدان مقرر کر لو۔ ﴿۵۹﴾ موسیٰ نے کہا: تمہارے ساتھ جشن کے دن وعدہ ہے اور یہ کہ دن چڑھے لوگ جمع کیے جائیں۔☆ ﴿۶۰﴾ پس فرعون نے پلٹ کر اپنی ساری مکاریوں کو یکجا کیا پھر (مقابلے میں) آ گیا۔☆ ﴿۶۱﴾ موسیٰ نے ان سے کہا: تم

۵۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے فرعون کی سلطنت کو خطرہ اس لیے لاحق ہو گیا تھا کہ فرعون اپنے آپ کو سورج دیوتا کا مظہر اور نمائندہ سمجھتا تھا جسے اس کے زعم میں حکومت کرنے کا حق حاصل تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ اعلان فرمایا: میں اللہ کا نمائندہ ہوں تو فرعون کی حکومت غیر قانونی ہو جاتی تھی۔ اس لیے اس نے کہا: یہ اپنے جادو سے ہمیں اپنے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔ جبکہ جادو سے کوئی کسی ملک کو فتح نہیں کر سکتا۔

۵۹۔ یَوۡمُ الزِّیۡنَۃِ: وقت اور دن کی پیشکش حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہو رہی ہے۔ قومی تہوار کا دن جس میں پوری قوم اپنی زیب و زینت کے ساتھ جمع ہوتی ہے اور جشن کے دن کا وقت بھی تعین کر دیا کہ ضُحًی کا ہو، یعنی جب دن چڑھ جائے۔

۶۰۔ پورے ملک سے جادوگروں کو میلے کے دن جمع کیا اور عوام کو بھی جمع کیا تا کہ جادوگروں کے عظیم کرتب سے عصائے موسیٰ علیہ السلام کا رعب ختم ہو جائے۔

۶۱۔ جب وہ پوری قوت کے ساتھ میدان میں اتر آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی کہ اللہ پر بہتان مت باندھو، اللہ کے معجزے کو جادو مت کہو، اللہ کی دعوت کی غلط تشریح نہ کرو اور یہ کہ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو کائنات کا مدبر نہ مانو۔ اس افتراء اور بہتان کا نتیجہ تمہاری ہلاکت ہو گا اور تمہاری ساری امیدیں خاک میں مل جائیں گی۔

۶۲۔۶۳ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مواعظ کے یا ان کے للکارنے کے نتیجے میں فرعونیوں کے درمیان جھگڑا شروع ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کیا جائے یا نہیں۔ ان لوگوں نے آپس کے مشورے کو چھپا کر ایسے نعرے بنا لیے جن سے وہ لوگوں کے جذبات ابھارنا چاہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام حکومت و اقتدار پر

لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ
بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾
فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا
النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ
يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ
بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾
فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ
اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا
يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ
اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا
حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ
اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً
مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ

پر تباہی ہو! تم اللہ پر جھوٹ بہتان نہ باندھو ورنہ اللہ تمہیں ایک عذاب سے نابود کرے گا اور جس نے بھی بہتان باندھا وہ نامراد رہا۔☆ ﴿٦٢﴾ پھر انہوں نے اپنے معاملے میں آپس میں اختلاف کیا اور (باہمی) مشورے کو خفیہ رکھا۔☆ ﴿٦٣﴾ وہ کہنے لگے: یہ دونوں تو بس جادوگر ہیں، دونوں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری اس سرزمین سے نکال باہر کریں اور دونوں تمہارے اس مثالی مذہب کا خاتمہ کر دیں۔☆ ﴿٦٤﴾ لہٰذا اپنی ساری تدبیریں یکجا کرو پھر قطار باندھ کر میدان میں آؤ اور آج جو جیت جائے گا وہی فلاح پائے گا۔☆ ﴿٦٥﴾ (جادوگروں نے) کہا: اے موسیٰ! تم پھینکو گے یا پہلے ہم پھینکیں؟ ﴿٦٦﴾ موسیٰ نے کہا: بلکہ تم پھینکو، اتنے میں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ کو دوڑتی محسوس ہوئیں۔☆ ﴿٦٧﴾ پس موسیٰ نے اپنے اندر خوف محسوس کیا۔☆ ﴿٦٨﴾ ہم نے کہا: خوف نہ کر یقینا

قابض ہونا، تمہیں اس ملک سے بے دخل کرنا اور تمہارے مثالی طور وطریقے کا خاتمہ چاہتے ہیں، لہٰذا تم اپنی تدبیر کو مزید مستحکم کرو، کیونکہ آج فیصلہ کن دن ہے۔

٦٤۔ سیاق کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلے کے موضوع پر اختلاف تھا اور مقابلے کے لیے ساحروں ہی کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ لہٰذا امکان یہی ہے کہ ساحروں میں یا ساحروں اور درباریوں میں اختلاف تھا۔

وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى: فرعون اس مقابلے کو فیصلہ کن قرار دے رہا ہے کہ جو آج جیت جائے گا، کامیابی اسی کا مقدر ہے۔

٦٦۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساحروں کو پہل کرنے کے لیے کہا تاکہ باطل اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کرے۔ اس طرح حق باطل کو جب اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کی مہلت دیتا ہے اور باطل اس مہلت میں اچھل کود کرتا ہے تو چشم ظاہر بین انجام کا انتظار کیے بغیر اس باطل کو کامیابی تصور کرتی ہے۔ چنانچہ باطل نے اپنی کاذب طاقت کا مظاہرہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس باطل کو کامیابی تصور کیا گیا۔ خیال میں آیا کہ ان کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں جبکہ حقیقت میں ان لاٹھیوں اور رسیوں میں روح نہیں آئی تھی۔ لیکن جادو کا مطلب یہی ہے ایک غیر واقعی چیز کو واقعی دکھایا جائے۔

٦٧۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف یہ تھا کہ کہیں اس بھرپور جادو کو دیکھ کر لوگ برگشتہ ہو کر گمراہ نہ ہو جائیں۔

٦٨۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی خوف نہ کریں آپ ہی کو بالادستی حاصل رہے گی۔

الۡاَعۡلٰی ﴿۶۸﴾ وَ اَلۡقِ مَا فِیۡ یَمِیۡنِکَ تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوۡا کَیۡدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَیۡثُ اَتٰی ﴿۶۹﴾ فَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوۡنَ وَ مُوۡسٰی ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنۡتُمۡ لَهٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ ؕ اِنَّهٗ لَکَبِیۡرُکُمُ الَّذِیۡ عَلَّمَکُمُ السِّحۡرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّکُمۡ فِیۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ ۫ وَ لَتَعۡلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبۡقٰی ﴿۷۱﴾ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیۡ فَطَرَنَا فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقۡضِیۡ هٰذِهِ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۷۲﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا

آپ ہی غالب آنے والے ہیں۔☆ ﴿۶۹﴾ اور جو کچھ آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اسے پھینک دیں کہ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے یہ ان سب کو نگل جائے گا، یہ لوگ جو کچھ بنا لائے ہیں وہ فقط جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی ہو کامیاب نہیں ہو سکتا۔☆ ﴿۷۰﴾ پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے: ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔☆ ﴿۷۱﴾ فرعون بولا: تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں، یہ یقینا تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا اب میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کٹوا دوں گا اور کھجور کے تنوں پر تمہیں یقینا سولی چڑھوا دوں گا پھر تمہیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے سخت اور دیرپا عذاب دینے والا کون ہے☆ ﴿۷۲﴾ (جادوگروں) نے کہا: جو دلائل ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں ان پر اور جس نے ہمیں خلق کیا ہے اس پر ہم تجھے مقدم نہیں رکھیں گے لہٰذا اب تو نے جو فیصلہ کرنا ہے کر ڈال، تو بس اس دنیا کی زندگی کا خاتمہ کر سکتا ہے۔☆ ﴿۷۳﴾ ہم اپنے

۶۹۔ ان لاٹھیوں اور رسیوں کا نگل جانا ہمارے محسوس اور مانوس مادی علل و اسباب کی رو سے تو قابل فہم نہیں ہے، البتہ اُن ناقابل تسخیر علل و اسباب سے اس کی توجیہ ہو سکتی ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی گرفت ہے اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔

۷۰۔ انہیں یقین حاصل ہو گیا کہ حضرت موسیٰ ؑ نے عصا کے ذریعے جو کام انجام دیا ہے وہ جادو نہیں ہے کیونکہ جادو کے ماہرین اس راز کو جانتے تھے جس سے جادو کا عمل انجام دیا جاتا ہے۔

۷۱۔ "میری اجازت سے پہلے" کا یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اجازت کے بعد ایمان لانے میں کوئی حرج نہ تھا۔ ممکن ہے مطلب یہ ہو کہ میرا موقف سننے سے پہلے۔ چنانچہ وہ اپنا موقف بتا دیتا ہے کہ یہ تمہاری اور موسیٰ ؑ کی ملی بھگت ہے بلکہ موسیٰ تمہارا استاد ہے جس سے تم نے جادو سیکھ لیا ہے۔ یہ ایک نعرہ تھا جس سے رائے عامہ کو اپنے خلاف اور موسیٰ ؑ کے حق میں جانے سے روکنا چاہتا تھا، ورنہ سب ہی کو معلوم تھا کہ یہ جادوگر موسیٰ ؑ کے شاگرد نہیں ہیں۔

۷۲۔ جن کے قلب و وجدان پر مفادات کے پردے پڑے ہوئے تھے اور فرعون کی طاغوتی طاقت کی قسم کھا کر حضرت موسیٰ ؑ کو زیر کرنے کی باتیں کرتے تھے، آج حقائق سے پردہ اٹھ جانے کے بعد یہی لوگ فرعون کی طاغوتیت کو اعتنا میں نہیں لاتے اور نہایت دلیری سے کہہ رہے ہیں: جو فیصلہ کرنا ہے کر ڈال۔

ایمان و یقین کی منزل پر آنے کے بعد دنیا کی زندگی حقیر نظر آنے لگتی ہے اور حقائق کے وسیع صفحات کھل جاتے ہیں۔

۷۳ تا ۷۶ ایمان و یقین کی منزل پر فائز ہونے کے بعد جن الٰہی قدروں کا ان ساحروں نے اعلان کیا

لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ
مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿٧٣﴾ اِنَّهٗ
مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ
لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ
مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ
لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ وَلَقَدْ
اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ
فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا
تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾ فَاَتْبَعَهُمْ
فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا
غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ

رب پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور جس جادوگری پر تم نے ہمیں مجبور کیا تھا اسے بھی معاف کر دے اور اللہ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔☆ ﴿٧٣﴾ بے شک جو مجرم بن کر اپنے رب کے پاس آئے گا اس کے لیے یقینا جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔☆ ﴿٧٤﴾ اور جو مومن بن کر اس کے پاس حاضر ہوگا جب کہ وہ نیک اعمال بھی بجا لا چکا ہو تو ایسے لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں۔☆ ﴿٧٥﴾ دائمی باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی پاکیزہ رہنے والے کی جزا ہے۔☆ ﴿٧٦﴾ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو لے کر رات کے وقت چل پڑیں پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا دیں، آپ کو (فرعون کی طرف سے) نہ پکڑے جانے کا خطرہ ہوگا اور نہ ہی (غرق کا) خوف۔☆ ﴿٧٧﴾ پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور پھر سمندر ان پر ایسا چھایا کہ جس طرح چھا جانا چاہیے تھا۔☆ ﴿٧٨﴾ اور فرعون

ہے وہ نہایت قابل توجہ ہیں:
۱۔ ایمان کے دائرے میں داخل ہونے کے بعد کفر کی حالت کے گزشتہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ۲۔ فرعون نے ان ساحروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے مجبور کیا تھا، ممکن ہے یہ جبر اس وقت عمل میں آیا ہو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا موعظہ سننے کے بعد فرعونیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ ۳۔ یقین کی منزل پر فائز ہونے پر ان کے لیے واضح ہو گیا کہ فرعون کے مقابلے میں جو اللہ کے پاس ہے وہ ابدی اور دائمی ہے۔ ۴۔ جو مجرم بن کر اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچے گا اسے زندگی کی لذت ملے گی، نہ موت کی راحت۔ ۵۔ ایمان کے ساتھ عمل صالح ہو تو نجات ہے۔ ۶۔ جنت عدن کی زندگی دائمی اور ابدی ہے۔

۷۷۔ سمندر میں خشک راستہ بنا لینے میں ان لوگوں کا جواب موجود ہے جو اس معجزے کی توجیہ ہمارے محسوس اور مانوس علل و اسباب کی روشنی میں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہوا کے طوفان یا مد و جزر سے راستہ بن گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ہوا سے یا مد و جزر سے راستہ بننے کی صورت میں نہ راستہ خشک ہوتا ہے، نہ ہی پانی دونوں طرف بڑے ٹیلوں کی طرح ہوتا ہے اور نہ ہی عصا مارنے سے راستہ بننے کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

۷۸۔ جس دریا کو بنی اسرائیل نے فلسطین جانے کے لیے عبور کیا اور فرعون جس میں غرق ہوا وہ دریائے نیل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دریائے نیل جہاں سے اسرائیلیوں نے سفر شروع کیا، وہاں سے مغرب کی طرف واقع تھا، جبکہ بنی اسرائیل مشرق میں فلسطین کی طرف سفر کر رہے تھے، بلکہ اس دریا سے مراد بحر احمر ہی ہو سکتا ہے جسے عبور کر کے وہ صحرائے سینا

وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ
اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ
جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ
الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ
عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ
فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ
وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾
وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾
قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ
اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا
قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ
السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ

نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور ہدایت کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ﴿٨٠﴾ اے بنی اسرائیل! تمہارے دشمن سے یقینا ہم نے تمہیں نجات دی اور تمہیں طور کی دائیں جانب وعدہ دیا اور ہم نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا۔ ﴿٨١﴾ جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور اس میں سرکشی نہ کرو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا بتحقیق وہ ہلاک ہوگیا۔☆ ﴿٨٢﴾ البتہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل انجام دے پھر راہ راست پر چلے تو میں اسے خوب بخشنے والا ہوں۔☆ ﴿٨٣﴾ اور (فرمایا) اے موسیٰ! آپ نے اپنی قوم سے پہلے (آنے میں) جلدی کیوں کی؟ ﴿٨٤﴾ موسیٰ نے عرض کیا: وہ میرے پیچھے آ رہے ہیں اور میرے رب! میں نے تیری طرف (آنے میں) جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو جائے۔☆ ﴿٨٥﴾ فرمایا: پس آپ کے بعد آپ کی قوم کو ہم نے آزمائش میں ڈالا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے۔☆ ﴿٨٦﴾ چنانچہ موسیٰ غصے اور حزن کی حالت میں اپنی

---

پہنچ گئے۔

٨١۔ هَوٰى: اوپر سے نیچے گرنا۔ خواہشات کو بھی هَوٰى کہتے ہیں، چونکہ یہ بھی انسان کو اپنی منزلت سے گرا دیتی ہیں۔ رزق حلال ہی طیب و پاکیزہ ہے، اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ حکم ہے۔ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ: البتہ حد سے تجاوز کرنے کی صورت میں یہ غضب الٰہی کا باعث بن جاتا ہے۔ حد سے تجاوز کے ضمن میں ان نعمتوں کو گناہ کے ارتکاب کا ذریعہ بنانا ہے اور کم سے کم تجاوز پرخوری اور اسراف ہے اور کم سے کم غضب الٰہی پرخوری کی صحت پر پڑنے والے اثرات ہو سکتے ہیں۔

٨٢۔ مغفرت کے لیے چار مراحل طے کرنا پڑتے ہیں: اول گناہوں سے توبہ، دوم اللہ اور آخرت کے ثواب پر ایمان لانا، سوم عمل صالح بجا لانا اور چہارم راہ راست پر قائم رہنا۔ توبہ کے بعد ضروری ہے کہ پھر انحراف کا شکار نہ ہو۔

٨٣۔ ٨٤ جب حضرت موسیٰ ؑ کو اپنی قوم سے ستر (٧٠) سرداروں کو منتخب کر کے کوہ طور پر حاضر ہونے کا حکم ملا تو حضرت موسیٰ ؑ دوسرے نقبائے قوم سے پہلے کوہ طور پر پہنچ گئے۔

حضرت موسیٰ ؑ نے جواب میں عرض کیا: یہ عجلت تیری رضا جوئی کے لیے تھی۔ تجھ سے مناجات کی حلاوت، تجھ سے راز و نیاز کے کیف و سرور اور تیری قربت کی چاشنی نے مجھے عجلت پر مجبور کر دیا۔

٨٥۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کو چالیس دن گزارنے کے بعد خبر دی کہ ان کی قوم آزمائش میں گمراہ ہو گئی ہے۔ فَتَنَّا قَوْمَكَ: اللہ تعالیٰ کی حکمت کا

غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدتُّمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ﴿٨٦﴾ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ ع وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَٰقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ

قوم کی طرف پلٹے، بولے: اے میری قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا مدت تمہارے لیے لمبی ہوگئی تھی؟ یا تم نے یہ چاہا کہ تمہارے رب کا غصہ تم پر آ کر رہے؟ اسی لیے تم نے میرے ساتھ وعدہ خلافی کی؟ ﴿٨٧﴾ انہوں نے کہا: ہم نے آپ سے وعدہ خلافی اپنے اختیار سے نہیں کی بلکہ ہوا یہ کہ ہم پر قوم کے زیورات کا بوجھ لادا گیا تھا تو ہم نے اسے پھینک دیا اور سامری نے بھی اس طرح ڈال دیا۔☆ ﴿٨٨﴾ اور ان کے لیے ایک بچھڑے کا قالب بنا کر نکالا جس میں گائے کی سی آواز تھی پھر وہ بولے: یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود پھر وہ بھول گیا۔ ﴿٨٩﴾ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ (بچھڑا) ان کی کسی بات کا جواب تک نہیں دے سکتا اور وہ نہ ان کے کسی نفع اور نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ ﴿٩٠﴾ اور ہارون نے ان سے پہلے کہدیا تھا: اے میری قوم! بے شک تم اس کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے ہو جب کہ تمہارا رب تو رحمٰن ہے لہٰذا تم میری

تقاضا ہے کہ لوگوں کے ایمان کا امتحان کیا جائے تا کہ لوگوں کے ایمان کی حقیقت عملاً ظاہر ہو جائے۔

٨٧۔ سامری کسی قبیلہ، مقام یا نسل کی طرف نسبت ہو سکتی ہے اور حضرت ابراہیم ؑ کے دور میں ایک قوم سمیر کے نام سے مشہور تھی۔ ممکن ہے اس قوم سے تعلق رکھنے والے مصر میں آباد ہوئے ہوں جو سامری کہلاتے ہوں اور ممکن ہے سمرون نامی شخص کی اولاد ہوں، جیسے صاحب تفسیر من ھدی القرآن لکھتے ہیں: سامری سمرون کی اولاد میں سے تھا اور اس کے باپ کا نام یشاکر تھا جو یعقوب ؑ کی اولاد میں سے تھا۔

سامری سے مراد ہو سکتا ہے سامری العقیدہ ہو۔ اگرچہ حضرت موسیٰ ؑ کے زمانے میں گوسالہ پرست کو سامری نہیں کہتے تھے تاہم حضرت موسیٰ ؑ سے کئی صدیوں بعد ایک نسل پیدا ہوئی تھی جو گوسالہ پرستی میں شہرت رکھتی تھی۔ اس گوسالہ پرست قوم کو سامری کہتے تھے۔ قرآن نے گوسالہ پرست شخص کے لیے وہی نام دیا ہو جو نزول قرآن کے وقت یہودیوں میں رائج تھا، اگرچہ حضرت موسیٰ ؑ کے زمانے میں یہ نام رائج نہ تھا، بہرحال مستشرقین کا یہ بہتان نہایت ہی بیہودہ اور بے بنیاد ہے کہ سامری کے نام سے شہرت پانے والی قوم حضرت موسیٰ ؑ سے صدیوں بعد وجود میں آئی ہے۔ قرآن کے مصنف نے لاعلمی میں اسے حضرت موسیٰ ؑ کا معاصر بتایا ہے۔

٩٠۔ بائبل کے نزدیک گوسالہ پرستی کا جرم حضرت ہارون ؑ سے سرزد ہوا تھا۔ قرآن نے حضرت ہارون ؑ کو اس ناکردہ گناہ سے بری الذمہ قرار دیا۔ لیکن آج بھی مستشرقین کا یہ اصرار ہے کہ گوسالہ پرستی جیسے مشرکانہ جرم کا ارتکاب ان کے

رَبُّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَ اَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ

پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔☆ ﴿۹۱﴾ وہ کہنے لگے: ہم موسیٰ کے ہمارے پاس واپس آنے تک برابر اسی کی پرستش میں منہمک رہیں گے۔☆ ﴿۹۲﴾ موسیٰ نے کہا: اے ہارون! جب آپ دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں ﴿۹۳﴾ تو میری پیروی کرنے سے آپ کو کس چیز نے روکا؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ ﴿۹۴﴾ ہارون نے جواب دیا: اے ماں جائے! میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑیں، مجھے تو اس بات کا خوف تھا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔☆ ﴿۹۵﴾ کہا: اے سامری! تیرا مدعا کیا ہے؟ ﴿۹۶﴾ اس نے کہا: میں نے ایسی چیز کا مشاہدہ کیا جس کا دوسروں نے مشاہدہ نہیں کیا پس میں نے فرستادہ خدا کے نقش قدم سے ایک مٹھی (بھر خاک) اٹھالی پھر میں نے اسے (بچھڑے کے قالب میں) ڈال دیا اور میرے نفس نے یہ بات میرے لیے بھلی بنا دی۔☆ ﴿۹۷﴾ موسیٰ نے کہا: دور ہو جا (تیری سزا یہ ہے کہ) تجھے زندگی بھر یہ کہتے رہنا

نبی ہارون علیہ السلام ہی نے کیا تھا۔

جبکہ قرآن کے مطابق گوسالہ پرستی پر قوم موسیٰ علیہ السلام کی بڑی اکثریت نے اتفاق کیا، حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ صرف ایک چھوٹی جماعت حق پر قائم رہی اور اکثریت کی طرف سے اس چھوٹی سی جماعت پر تشدد ہوتا تھا۔ سورہ اعراف آیت ۱۵۰ میں ذکر ہو چکا ہے کہ یہ تشدد قتل کے اقدام تک پہنچ گیا تھا۔

۹۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصی علیہ السلام کی نصیحت کو ٹھکرا دیا البتہ فیصلے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک کے انتظار کا بھی اظہار ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وقت کے رسول واپس نہ آتے تو ساری امت گوسالہ پرست ہو جاتی اور اجماع امت کو اس پر دلیل کے طور پر پیش کرتے۔

۹۴۔ معلوم ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو سر اور داڑھی سے پکڑ کر مارنا چاہا۔ چنانچہ سورہ اعراف آیت ۱۵۰ میں آیا ہے: وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ اور اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

۹۶۔ سامری نے خود یہ بات بھی گھڑ لی تھی کہ رسول کے قدموں کی مٹی کی یہ کرامت تھی کہ گوسالہ میں یہ آواز آ گئی۔ ممکن ہے رسول سے مراد خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں یا جبرئیل، جبکہ گوسالہ کی ساخت اس طرح تھی کہ اس سے ہوا گزرتی تو آواز نکلتی تھی۔

۹۷۔ یعنی اسے معاشرے سے اس طرح جدا کر دیا گیا کہ وہ خود اس کا اعلان کرتا پھرے: خبردار مجھے چھونا نہیں۔ ممکن ہے اسے ایسی بیماری میں مبتلا کر دیا گیا ہو جس سے وہ اچھوت بن کر رہ گیا ہو۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر قریب آنے والے کو مطلع کرتا رہتا تھا کہ

لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى
اِلٰـهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ
لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِى الْيَمِّ
نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ
نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ
وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۚۖ ﴿۹۹﴾ مَنْ
اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
وِزْرًا ۙ ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى
الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ
زُرْقًا ۚۖ ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ
اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

ہوگا مجھے ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لیے ایک وقت مقرر ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں ہے اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس (کی پوجا) میں تو منہمک تھا، ہم اسے ضرور جلا ڈالیں گے پھر اس (کی راکھ) کو اڑا کر دریا میں ضرور بکھیر دیں گے۔☆ ﴿۹۸﴾ بتحقیق تمہارا معبود تو وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔☆ ﴿۹۹﴾ (اے رسول) اسی طرح ہم آپ سے گزشتگان کی خبریں بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے ہاں سے ایک نصیحت عطا کی ہے۔☆ ﴿۱۰۰﴾ جو اس سے منہ موڑے گا پس بروز قیامت وہ یقیناً ایک بوجھ اٹھائے گا۔☆ ﴿۱۰۱﴾ جس میں یہ لوگ ہمیشہ بتلا رہیں گے اور قیامت کے دن یہ ان کے لیے بدترین بوجھ ہوگا۔☆ ﴿۱۰۲﴾ اس دن صور میں پھونک ماری جائے گی اور ہم مجرموں کو جمع کریں گے (خوف کے مارے) اس روز جن کی آنکھیں بے نور ہو جائیں گی۔☆ ﴿۱۰۳﴾ (اس وقت) وہ آپس میں دھیمے دھیمے کہیں گے (دنیا میں) تم صرف دس دن رہے ہو گے۔☆ ﴿۱۰۴﴾ ہم خوب

---

میں ناپاک ہوں، مجھے چھونا نہیں۔

۹۸۔ یعنی معبود وہ ہوتا ہے جو اپنی معبودیت میں یکتا ہو۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جب کسی معبودیت میں شرکت آجائے تو وہ باطل ہے۔

۹۹۔ گزشتہ قوموں کی سرگزشت میں آنے والی قوموں کے لیے درسہائے عبرت ہوتے ہیں جن سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔

مِنۡ لَّدُنَّا ذِكۡرًا: ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور ممکن ہے حوادث و واقعات کو ذکر کہا ہو چونکہ ان میں انسان کے لیے عبرتوں، اخلاقیات اور احکام وغیرہ پر مشتمل نصائح موجود ہیں۔

۱۰۰۔ ۱۰۱ جس نے بھی اس ذکر سے، یعنی ان عبرتوں سے منہ موڑ لیا اس نے اپنی پشت پر گناہوں کا بوجھ اٹھا لیا۔ یہ بوجھ اس قسم کا ہوگا جو اس کی پشت پر ہمیشہ سوار رہے گا۔

۱۰۲۔ قیامت کے دن تمام مخلوقات کو جمع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قدم اٹھایا جائے گا اسے صور میں پھونکنے سے تعبیر کیا ہے جو ہمارے لیے قریب الفہم ہے اور مجرموں کو نابینائی کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

۱۰۳۔ ۱۰۴ قیامت کی حقیقی اور ابدی زندگی کا مشاہدہ کرنے کے بعد دنیاوی عارضی زندگی کی بے مائیگی سامنے آجائے گی اور اس پوری زندگی کو صرف دس دن تصور کریں گے اور جو زیادہ صائب الرائے ہو گا، جسے آخرت کی ابدی زندگی کا صحیح ادراک ہوگا وہ اس کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کو ایک دن شمار کرے گا اور اگر حیات برزخی ہوئی تو عالم برزخ کے بارے میں بھی ان کا یہی خیال ہوگا کہ تھوڑے دن گزارے ہیں۔ یعنی آخرت کی حقیقی زندگی سامنے آنے کے بعد دوسری زندگیوں کی بے وقعتی

اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ وَ یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ یَوْمَىٕذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ؕ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا

جانتے ہیں جو باتیں یہ کرتے ہیں جب ان میں سے زیادہ صائب الرائے کا یہ کہنا ہوگا کہ تم تو صرف ایک دن رہے ہو۔☆ ﴿۱۰۴﴾ اور یہ لوگ ان پہاڑوں کے بارے میں آپ سے پوچھتے ہیں پس آپ کہہ دیجیے: میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا۔☆ ﴿۱۰۵﴾ پھر اسے ہموار میدان بنا کر چھوڑے گا۔☆ ﴿۱۰۶﴾ نہ آپ اس میں کوئی ناہمواری دیکھیں گے نہ بلندی۔☆ ﴿۱۰۷﴾ اس دن لوگ منادی کے پیچھے دوڑیں گے جس میں کوئی انحراف نہ ہوگا اور رحمٰن کے سامنے آوازیں دب جائیں گی، پس آپ آہٹ کے سوا کچھ نہ سنیں گے۔☆ ﴿۱۰۸﴾ اس روز شفاعت کسی کو فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔☆ ﴿۱۰۹﴾ اور وہ لوگوں کے سامنے اور پیچھے کی سب باتیں جانتا ہے اور وہ کسی کے احاطہ علم میں نہیں آسکتا۔☆ ﴿۱۱۰﴾ سب چہرے اس حی اور قیوم کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے اور جو کوئی ظلم کا بوجھ اٹھائے گا وہ نامراد ہوگا۔ ﴿۱۱۱﴾ اور جو نیک اعمال بجالائے اور وہ مومن بھی ہو تو

سامنے آئے گی۔

۱۰۵ تا ۱۰۷۔ سوال ہوا کہ روز قیامت پہاڑوں کی کیا صورت ہوگی؟ جواب میں فرمایا پہاڑ نابود ہو جائیں گے اور اس کرۂ ارض کی عمر اختتام کو پہنچے گی اور اس کی موجودہ کیفیت تبدیل ہو کر پورا کرہ ارض ایک ہموار میدان بن جائے گا۔

۱۰۸۔ قیامت کے دن لوگ پکارنے والے کی ایسی اتباع کریں گے جس میں کسی قسم کی کوتاہی یا انحراف نہ ہوگا۔ چونکہ روز قیامت یوم حساب ہے اور حکم صرف اللہ کا چلے گا۔ دنیا کی طرح آزاد نہیں ہیں کہ کوئی سرکشی کر سکے، حتیٰ کہ اونچی آواز میں بات بھی نہیں کر سکیں گے۔

۱۰۹۔ قیامت کے دن ہر مجرم کو اپنے جرم کی سزا ملے گی۔ یہاں اللہ کی عدالت میں عدل و انصاف کے ساتھ ہونے والے فیصلے کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی، لہٰذا کسی کی شفاعت فائدہ مند نہیں ہو گی۔ یہاں دو حالتوں کی استثناء ہے: اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ۔ قیامت کے دن اذن خدا کے بغیر کوئی بات تک نہیں کر سکے گا کیونکہ روز قیامت صرف اللہ کی حاکمیت ہوگی۔ علل و اسباب کی تاثیر ختم ہو جائے گی جیسا کہ دنیا میں ہے۔ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوۡلًا۔ دنیا میں اللہ اس شخص کی بات پسند کرتا ہے جو اس کے عمل کے عین مطابق ہو اور اس کا عمل اس کے قول کے خلاف نہ ہو۔ آخرت میں بھی اللہ کی مزاج شناس ہستیاں ہوں گی جو صرف اللہ کی مرضی کے مطابق شفاعت کریں گی۔

۱۱۰۔ متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاعت کا تعلق علم سے ہے۔ یعنی اعمال عباد کا علم ہو تو شفاعت کے لیے گنجائش بنتی ہے اور دنیا میں جو لوگ بندوں کے اعمال پر شاہد ہیں ان کو اللہ اعمال عباد پر

يَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَ كَذٰلِكَ
اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ
الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ
لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ
وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ
عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ
فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع وَ اِذْ قُلْنَا
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ
اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا
عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ
الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا
وَ لَا تَعْرٰى ۙ ﴿١١٨﴾ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا

اسے نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ حق تلفی کا۔☆ ﴿١١٣﴾ اور اسی طرح ہم نے یہ قرآن عربی میں نازل کیا اور اس میں مختلف انداز میں تنبیہیں بیان کی ہیں کہ شاید وہ پرہیزگار بن جائیں یا (قرآن) ان کے لیے کوئی نصیحت وجود میں لائے۔ ﴿١١٤﴾ پس وہ بادشاہ حقیقی اللہ برتر ہے اور آپ پر ہونے والی اس کی وحی کی تکمیل سے پہلے قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کریں اور کہا کریں: میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔☆ ﴿١١٥﴾ اور تحقیق ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا۔☆ ﴿١١٦﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کے لیے سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا۔ ﴿١١٧﴾ پھر ہم نے کہا: اے آدم! یہ آپ اور آپ کی زوجہ کا دشمن ہے، کہیں یہ آپ دونوں کو جنت سے نکال نہ دے پھر آپ مشقت میں پڑ جائیں گے۔☆ ﴿١١٨﴾ یقینا اس جنت میں آپ نہ تو بھوکے رہیں گے اور نہ ننگے۔☆ ﴿١١٩﴾ اور یقینا اس میں آپ نہ تو پیاسے رہیں گے اور نہ

آگاہ کرتا ہے۔ اس لیے قیامت کے دن ان کو شفاعت کا حق مل سکتا ہے۔

١١٢۔ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ: نیکیاں ایمان کے ساتھ ہوں تو نیکیاں رہتی ہیں، غیر مؤمن سے صادر ہونے والا کام نیکی نہیں ہوسکتا اور اگر غیر مؤمن کوئی نیکی انجام دیتا ہے تو اسکا عمل کفر کی وجہ سے حبط ہوجاتا ہے۔

١١٤۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ رسالت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو وحی وصول کرنے اور قرآن اخذ کرنے کے آداب و طریقے بیان فرماتا ہے: دوران نزول وحی قرآن کو پڑھنے کی جلدی نہ کریں۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ (قیامۃ: ١٧) اسے محفوظ کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے اور سورہ اعلیٰ میں فرمایا: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى۔ ہم آپ کو پڑھوا دیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے۔ اس آیت میں فرمایا: وحی کی تکمیل سے پہلے قرآن پڑھنے کی کوشش کی جگہ مزید علم کی خواہش ہونی چاہیے۔

١١٥۔ آدم علیہ السلام سے جو لغزش سرزد ہوئی تھی وہ جان بوجھ کر نہ تھی بلکہ بھول کی وجہ سے سرزد ہوئی تھی اور بھول عزم میں مضبوطی نہ ہونے کی وجہ سے سرزد ہوئی تھی۔ کیونکہ عزم اور بھول میں ربط ہے۔ کسی کام کے بارے میں عزم کمزور ہوتا ہے تو وہ کام بھول جاتا ہے۔

١١٧۔ یعنی آدم و حوا کو پہلے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کو جنت سے نکال دیا جائے۔

١١٨۔ اس جنت کا محل وقوع جہاں بھی ہو اس کے یہ اوصاف تھے۔ وہاں خوراک و پوشاک کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اس سے ایک نکتہ سمجھنے کا موقع ملتا ہے کہ شجرہ ممنوعہ کھانے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم پر لباس موجود تھا۔ لہٰذا یہ توجیہ درست ثابت نہیں

تَضْحٰی ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَیْہِ الشَّیْطٰنُ قَالَ
یٰۤاٰدَمُ ہَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَۃِ الْخُلْدِ
وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی ﴿۱۲۰﴾ فَاَکَلَا مِنْہَا فَبَدَتْ
لَہُمَا سَوْاٰتُہُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْہِمَا
مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ ۫ وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ
فَغَوٰی ﴿۱۲۱﴾ۖ ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ
وَہَدٰی ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اہْبِطَا مِنْہَا جَمِیْعًۢا
بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ
مِّنِّیْ ہُدًی ۙ۬ فَمَنِ اتَّبَعَ ہُدَایَ فَلَا
یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ
ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُہٗ
یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ
حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾

دھوپ کھائیں گے۔☆ ﴿۱۲۰﴾ پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا: اے آدم! کیا میں تمہیں ہیشگی کے درخت اور لازوال سلطنت کے بارے میں بتاؤں؟ ﴿۱۲۱﴾ چنانچہ دونوں نے اس میں سے کھایا تو دونوں کے لیے ان کے ستر کھل گئے اور دونوں نے اپنے اوپر جنت کے پتے گانٹھنے شروع کر دیے اور آدم نے اپنے رب کے حکم میں کوتاہی کی تو غلطی میں رہ گئے۔☆ ﴿۱۲۲﴾ پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ کیا اور ان کی توبہ قبول کی اور ہدایت دی۔☆ ﴿۱۲۳﴾ فرمایا: یہاں سے دونوں اکٹھے اتر جاؤ ایک دوسرے کے دشمن ہو کر پھر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی اتباع کرے گا وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ شقی۔ ﴿۱۲۴﴾ اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اسے یقینا ایک تنگ زندگی نصیب ہو گی اور بروز قیامت ہم اسے اندھا محشور کریں گے۔☆ ﴿۱۲۵﴾ وہ کہے گا: میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا؟ ﴿۱۲۶﴾ جواب ملے گا: ایسا ہی ہے! ہماری

ہوتی کہ درخت کا پھل کھانے سے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی برہنگی کا احساس ہوا، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ درخت کا پھل کھانے سے جنت کا لباس اتر گیا۔

۱۱۹۔ آدم کی نفسیات میں جو کمزوریاں تھیں ابلیس نے ان کے ذریعے حملہ کیا۔ حب بقا انسان کی کمزوری ہے۔ انسان قدرتی طور پر بقا کو پسند کرتا ہے اور موت کو ناپسند کرتا ہے۔ اسی طرح سلطنت و اقتدار کو بھی، پھر سلطنت بھی ایسی جسے زوال نہ ہو۔ اس قسم کی خواہشات کے راستے سے شیطان انسان میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔

۱۲۱۔ اس درخت کا پھل کھانے سے حضرت آدم علیہ السلام کے جنتی لباس اتر گئے یا چھین لیے گئے؟ تفصیل کا ہمیں علم نہیں ہے، البتہ پھل کھانے اور لباس کے اترنے میں کوئی گہرا ربط ضرور تھا۔

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ: ایک حکم تکوینی کی نافرمانی تھی جسے حکم ارشادی کہتے ہیں جس طرح طبیب حضرات مضر صحت چیزوں سے پرہیز کے لیے کہتے ہیں۔ کوئی اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو قدرتی اثر اس پر مترتب ہوتا ہے۔

۱۲۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کے بعد نبوت سے سرفراز کیا اور مکلف بنایا۔ ان کی رہنمائی فرمائی، اللہ کی مرضی کے حصول کی رہنمائی، آیندہ کے لیے نوع انسانی کی نسل کو چلانے کی رہنمائی، زندگی کے لوازمات کی رہنمائی۔ لفظ ھَدٰی مطلق ہے۔ ہر قسم کی رہنمائی کو شامل کرتا ہے۔

۱۲۴۔ جو قلب ذکر خدا سے معطر نہ ہو اسے زندگی کا لطف نہیں آتا۔ یہ قلب اپنے خالق سے بہت مانوس ہوتا ہے اس سے جدائی کی صورت میں اسے سکون نہیں ملتا خواہ دنیا کی ساری دولت اور حکومت اس

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى ﴿١٢٦﴾ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ اَسۡرَفَ وَلَمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبۡقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ ع وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ ؕ فَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ وَمِنۡ اٰنَآئِ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا

نشانیاں تیرے پاس آئی تھیں تو نے انہیں بھلا دیا تھا اور آج تو بھی اسی طرح بھلایا جا رہا ہے۔☆ ﴿١٢٦﴾ اور ہم حد سے تجاوز کرنے والوں اور اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان نہ لانے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو زیادہ شدید اور تادیر باقی رہنے والا ہے۔☆ ﴿١٢٧﴾ کیا انہوں نے اس بات سے کوئی ہدایت حاصل نہیں کی کہ ان سے پہلے بہت سی نسلوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جن کی بستیوں میں آج یہ لوگ چل پھر رہے ہیں؟ اس بات میں یقیناً ہوشمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔☆ ﴿١٢٨﴾ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک مدت کا تعین نہ ہو چکا ہوتا تو (عذاب کا نزول) لازمی تھا۔☆ ﴿١٢٩﴾ لہٰذا جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس پر صبر کریں اور طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے رب کی ثنا کی تسبیح کریں اور کچھ اوقات شب میں اور دن کے اطراف میں بھی اس کی تسبیح کیا کریں تاکہ آپ خوش رہیں۔☆ ﴿١٣٠﴾ اور (اے رسول) دنیاوی زندگی کی اس

---

کو میسر آ جائے۔ اس سے یہ نکتہ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ انسان صرف اس دنیا کی زندگی کے لیے پیدا نہیں ہوا، کیونکہ اس دنیا کی ریل پیل سے اس کا جی نہیں بھرتا، بلکہ وہ مزید بے سکون ہو جاتا ہے۔ اگر یہ انسان صرف اسی زندگی کے لیے پیدا ہوا ہوتا تو اسی دنیا کی چیزوں سے اسے اس طرح سکون ملنا چاہیے تھا جس طرح مچھلی کو پانی میں سکون ملتا ہے۔

۱۲۵ تا ۱۲۷۔ ایک ضابطہ کلی کا بیان ہے کہ جس طرح مذکورہ شخص کو اندھا ہو کر اللہ کی بارگاہ میں جانا پڑے گا اسی طرح ہر حد سے تجاوز کرنے والے کی سزا بھی یہی ہوگی۔ جیسے اس دار دنیا میں اللہ کو فراموش کیا ہے، ویسے اللہ بھی دار آخرت میں اسے فراموش کرے گا۔

۱۲۸۔ گزشتہ اقوام کی سرگزشت میں دروس عبرت موجود ہیں، جن کے تباہ شدہ محلات سے لوگوں کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ اہل مکہ احقاف یمن جاتے ہوئے قوم عاد کے تباہ شدہ تمدن، شام جاتے ہوئے قوم ثمود کی تباہ شدہ تہذیب اور فلسطین جاتے ہوئے قوم لوط کی تباہ حالی کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔

۱۲۹۔ جب اللہ تعالیٰ کی حکمت میں مجرم کو فوری سزا دینا نہیں ہے تو ان مجرموں کے بارے میں بھی فوری سزا کی توقع نہ رکھو بلکہ صبر سے کام لو۔

۱۳۰۔ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى: قلب کی رضایت اللہ کی تسبیح و تمجید میں ہے۔ قلب و ضمیر کی غذا ذکر خدا ہے اس سے انسان کو جو کیف و سرور نصیب ہوتا ہے وہ کسی اور غذا میں نہیں ہے۔

۱۳۱۔ دنیاوی زندگی کی رونق اور آسائشیں اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کی نگاہ میں ان کے لیے کوئی وقعت ہو۔ یہ خیال نہ ہو کہ ان پر اللہ کی طرف سے

مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ؕ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا ؕ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَا يَاۡتِيۡنَا بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوۡ اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلۡ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا ۚ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِىِّ وَمَنِ اهۡتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

رونق کی طرف اپنی نگاہیں اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جو ہم نے آزمانے کے لیے ان میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے اور آپ کے رب کا دیا ہوا رزق بہتر اور زیادہ دیرپا ہے۔☆ ﴿۱۳۲﴾ اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہیں، ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم آپ کو رزق دیتے ہیں اور انجام (اہل) تقویٰ ہی کے لیے ہے۔☆ ﴿۱۳۳﴾ اور لوگ کہتے ہیں: یہ اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے؟ کیا ان کے پاس اگلی کتابوں میں سے واضح ثبوت نہیں آیا؟☆ ﴿۱۳۴﴾ اور اگر ہم (نزول قرآن سے) پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ ضرور کہتے: ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کسی رسول کو کیوں نہیں بھیجا کہ ذلت و رسوائی سے پہلے ہی ہم تیری آیات کی اتباع کر لیتے؟☆ ﴿۱۳۵﴾ کہد یجیے: سب انتظار میں ہیں لہٰذا تم بھی انتظار کرو پھر عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ راہ راست پر چلنے والے کون ہیں اور ہدایت پانے والے کون ہیں۔

فیاضی ہو رہی ہے اور مسلمانوں کو محروم رکھا جا رہا ہے بلکہ یہ آسائشیں ان کے لیے آزمائش ہیں، جو ان کے لیے باعث عذاب و موجب ہلاکت ہوں گی۔ اس کے مقابلے میں جو رزق آپ کو حاصل ہے یعنی ایمان کی حلاوت اور ذکر خدا کی دولت بہتر اور پائیدار ہے۔

۱۳۲۔ جیسے انسان اپنی ذات کا ذمہ دار ہے کہ نماز پڑھے اور تقویٰ اختیار کرے، اسی طرح اپنے اہل و عیال کا بھی ذمہ دار ہے کہ ان کو نماز کے لیے آمادہ کرے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَكَانَ يَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (مریم: ۵۵) وہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے تھے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا۔ (تحریم: ۶) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش سے بچاؤ۔

۱۳۳۔ معجزے کا مطلب صرف طاقت کا اظہار نہیں بلکہ اس کا مطلب حجت تمام کرنا ہے۔ اگر حجت پوری ہو چکی ہو تو معجزے کے بارے میں ہر مطالبے کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ سابقہ کتابوں میں واضح ثبوت یہی ہے کہ سابقہ امتوں نے حجت تمام ہونے کے بعد بھی معجزے طلب کیے تو جب وہ معجزے دکھائے گئے، وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر فوری عذاب نازل ہوا۔

۱۳۴۔ اگر ان پر حجت پوری ہونے سے پہلے ہم ان پر عذاب کرتے تو حجت اور دلیل ان کے پاس ہوتی اور یہ کہتے: اگر آپ کی طرف سے کوئی رسول آتا تو ہم ضرور اس کی اتباع کرتے۔

اٰیاتھا ١١٢ — ٢١ سُوۡرَةُ الۡاَنۡۢبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ ٧٣ — رکوعاتھا ٧

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ
مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ‏ ﴿١﴾ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنۡ
رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ
يَلۡعَبُوۡنَ ۙ‏ ﴿٢﴾ لَاهِيَةً قُلُوۡبُهُمۡ‌ ؕ وَاَسَرُّوا
النَّجۡوَى ‌ۖ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ‌ۖ هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا
بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ‌ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَاَنۡتُمۡ
تُبۡصِرُوۡنَ‏ ﴿٣﴾ قٰلَ رَبِّىۡ يَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ
فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ‌ وَهُوَ السَّمِيۡعُ
الۡعَلِيۡمُ‏ ﴿٤﴾ بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍۢ
بَلِ افۡتَرٰٮهُ بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ ۖ ۚ فَلۡيَاۡتِنَا بِاٰيَةٍ
كَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ‏ ﴿٥﴾ مَاۤ اٰمَنَتۡ

سورۂ انبیاء ۔مکی۔آیات ۱۱۲۔

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے جب کہ وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔☆ (۲) ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے یہ لوگ اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں۔☆ (۳) ان کے دل لہویات میں مصروف ہوتے ہیں اور ظالم آپس کی سرگوشیاں چھپاتے ہیں کہ یہ شخص بھی تم جیسا بشر ہے، تو کیا تم لوگ دانستہ طور پر جادو کے چکر میں آتے ہو؟ (۴) رسول نے کہا: میرا رب ہر وہ بات جانتا ہے جو آسمان و زمین میں ہے اور وہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔ (۵) بلکہ وہ کہتے ہیں: یہ (قرآن) تو پریشان خوابوں کا ایک مجموعہ ہے بلکہ یہ اس کا خود ساختہ ہے بلکہ یہ تو شاعر ہے ورنہ یہ کوئی معجزہ پیش کرے جیسے پہلے انبیاء (معجزوں کے ساتھ) بھیجے گئے تھے۔☆ (۶) ان سے پہلے جس بستی کو بھی ہم نے ہلاک کیا

---

سورہ انبیاء

۱۔ایک نظریہ یہ ہے کہ حیاتِ برزخی سب کے لیے نہیں ہے بلکہ مقرب بارگاہ، صالحین اور شہداء کے لیے ہے یا بہت بڑے مجرموں کے لیے برزخ میں عذاب کی زندگی ہے۔ باقی افراد کے لیے برزخی زندگی نہیں ہے۔ اس نظریے کے مطابق روز قیامت اور روز حساب نہایت قریب ہے کہ جیسے انسان کو موت آتی ہے، قیامت برپا ہو گی تو ایسے محسوس ہو گا گویا دوسرے لمحے میں قیامت برپا ہو گئی۔ چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ سے روایت ہے: فان احدکم اذا مات فقد قامت قیامتہ۔ (ارشاد القلوب ۱: ۱۸) تم میں سے جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کی قیامت فوری قائم ہو جاتی ہے۔

حیات برزخی سب کے لیے ہونے کی صورت میں قیامت کو اس لیے قریب کہا گیا کہ ہر روز گزرنے کے ساتھ ساتھ قیامت نزدیک ہوتی جاتی ہے۔

۲۔کھیلتے ہوئے سنتے ہیں یعنی یہ سنجیدہ نہیں ہوتے کہ نصیحت ان کے دلوں میں اتر جائے اور ان کے دل چونکہ لہویات میں مصروف ہوتے ہیں اس لیے صرف حق کے لیے ان کے دل میں جگہ نہیں ہوتی۔

۵۔مشرکین نبوت کو تسلیم ہی نہیں کرتے، وہ سابقہ انبیاء کو بھی نہیں مانتے تو یہاں پر کیسے کہہ دیا کہ سابقہ انبیاء کی مانند معجزے پیش کرو؟

جواب یہ ہے کہ مشرکین کا مؤقف اگرچہ یہ تھا کہ

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ
يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ
اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧ وَمَا
جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا
كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝٨ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ
فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَ مَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا
الْمُسْرِفِيْنَ ۝٩ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا
ع فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠ وَكَمْ
قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا
بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝١١ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا
بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝١٢ لَا
تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ

وہ ایمان نہیں لائی، تو کیا یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ (۶) اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مردان (حق) ہی کی طرف وحی بھیجی ہے، اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔☆ (۷) اور ہم نے انہیں ایسے جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ (زندہ) رہنے والے تھے۔☆ (۸) پھر ہم نے ان کے ساتھ وعدہ پورا کیا پس ہم نے انہیں اور جنہیں ہم نے چاہا بچا لیا اور تجاوز کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ (۹) بتحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہاری نصیحت ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟☆ (۱۰) اور ہم نے کتنی ظالم بستیوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اور ان کے بعد دوسری قوم کو پیدا کیا۔ (۱۱) پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تب وہ وہاں سے بھاگنے لگے۔ (۱۲) بھاگو نہیں، اپنی عیش پرستی میں اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ، شاید

نبوت کا سرے سے وجود نہیں ہوتا، تاہم اگر کوئی وجود ہوتا ہے تو سابقہ انبیاء کی طرح تو ہونا چاہیے۔ آپ کے پاس تو اتنا معجزہ بھی نہیں ہے۔

اگلی آیت میں جواب فرمایا: سابقہ امتوں کو معجزات دیے مگر وہ ایمان نہیں لائے تو کیا تم ایمان لاؤ گے؟ معجزہ تلاش حق کے لیے دلیل و حجت مانگنے والوں کو دکھایا جاتا ہے۔ حق سے فرار کا بہانہ تلاش کرنے والوں کو اتمام حجت کے بعد ہر مطالبے پر معجزہ پیش نہیں کیا جاتا۔

۷۔ نبوت اور انسان کو دو متضاد چیزیں سمجھنے والوں سے خطاب ہے کہ تاریخ انبیاء کا مطالعہ خود نہیں کر سکتے تو اہل مطالعہ سے پوچھو کہ سابقہ انبیاء انسان تھے یا کوئی اور مخلوق۔ وہ سب مردان حق تھے، انسان تھے، البتہ ان کی روحیں تمہاری طرح نہ تھیں وہ وحی الٰہی کے لیے اہل تھیں۔ یہی ان میں اور باقی افراد بشر میں فرق ہے اور یہ فرق بنیادی ہے۔

۸۔ انبیاء کے جسم ہوتے تھے۔ وہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتے تھے اور ہم نے ایسا کوئی زندہ جسم نہیں بنایا جس میں دو چیزیں نہ ہوں: ایک یہ کہ وہ زندہ جسم طعام کھانے والا نہ ہو اور دوسری یہ کہ وہ زندہ جسم ہمیشہ رہنے والا ہو اور اس کے لیے موت نہ ہو۔

۱۰۔ اس قرآن میں کسی اور مخلوق کا ذکر نہیں ہے جسے تم اجنبی اور بیگانہ تصور کرو، بلکہ اس میں خود تمہارا ذکر ہے اور تمہارے فائدے کی باتیں ہیں۔ وہ

وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿١٣﴾ قَالُوْا
يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ
تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا
خٰمِدِيْنَ ﴿١٥﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ
الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿١٦﴾ لَوْ
اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ
لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾ بَلْ نَقْذِفُ
بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ
زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾ وَ
لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ
عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ
لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ ج يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ
النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا

تم سے پوچھا جائے۔ (١٤) کہنے لگے: ہائے ہماری تباہی!
بے شک ہم لوگ ظالم تھے۔ (١٥) اور وہ فریاد کر رہے ہیں
یہاں تک کہ ہم نے انہیں (جڑوں سے) کاٹ کر خاموش کر
دیا۔ (١٦) اور ہم نے اس آسمان اور زمین اور جو کچھ ان
دونوں کے درمیان ہے کو بیہودہ خلق نہیں کیا۔☆ (١٧) اگر ہم
کھیل کا ارادہ کرتے تو ہم اسے اپنے پاس سے بنا لیتے اگر
ہم (ایسا) کرنے والے ہوتے (تو تمہیں خلق کرنے کی کیا
ضرورت تھی)۔☆ (١٨) بلکہ ہم باطل پر حق کی چوٹ لگاتے
ہیں جو اس کا سر کچل دیتا ہے اور باطل مٹ جاتا ہے اور تم پر
تباہی ہو ان باتوں کی وجہ سے جو تم بناتے ہو۔☆ (١٩) اور
آسمانوں اور زمین میں موجود مخلوقات اسی کی ہیں اور جو اس
کے پاس ہیں وہ اللہ کی عبادت سے نہ تو تکبر کرتے ہیں اور نہ
ہی اکتاتے ہیں۔ (٢٠) وہ شب و روز تسبیح کرتے ہیں، تساہل
نہیں برتتے۔ (٢١) کیا انہوں نے زمین سے ایسے معبود بنا

---

تمہارے لیے دستور حیات و راہ نجات ہے۔

١٦۔ لہو و لعب ایک خیالی اور وہمی دل جوئی ہے جس کا کوئی معقول اور مفید نتیجہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ لہویات سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے، وہ نہ تنہائی سے تنگ ہوتا ہے نہ اسے کسی دل جوئی کی ضرورت ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا: اگر بفرض محال کسی دل جوئی کی ضرورت ہوتی تو اللہ یہ کام اپنے وجود سے لے سکتا تھا، اتنی بڑی کائنات بنانے کی ضرورت نہ تھی۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اس کائنات کو عبث نہیں، بلکہ ایک مقصد کے لیے بنایا ہے۔ اگر کوئی آخرت نہیں، حساب کتاب نہیں، جنت و نار نہیں، دوسرے لفظوں میں کوئی ارتقائی سفر نہیں تو دنیا ایک کھیل ہو جائے گی اور انسان ایک بے مقصد کیڑا، ایک نامعقول کھلونا بن جائے گا، جس کو بلا وجہ دکھ درد دیا گیا اور مصائب سہ کر آخر میں خاک ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسی عبث کاری سے پاک و منزہ ہے۔

١٨۔ حق اسے کہتے ہیں جو ثبات رکھتا ہو اور جو ثبات نہیں رکھتا وہ باطل ہے۔ مثلاً آپ کی بات امر واقع کے مطابق ہے تو واقع کو حق اور آپ کی بات کو سچ کہتے ہیں۔ اگر آپ کی بات امر واقع کے مطابق نہیں ہے تو آپ کی بات کو جھوٹ اور غیر واقع کو باطل کہتے ہیں۔ لہٰذا حق اور باطل وجود و عدم کی طرح ہے۔ حق وجود کا نام ہے اور باطل نابودی کا نام ہے۔

اٰلِهَةً مِّنَ الۡاَرۡضِ هُمۡ يُنۡشِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسۡئَلُ عَمَّا يَفۡعَلُ وَهُمۡ يُسۡئَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ‌ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ ۚ هٰذَا ذِكۡرُ مَنۡ مَّعِىَ وَذِكۡرُ مَنۡ قَبۡلِىۡ‌ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَـقَّ‌ فَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا‌ سُبۡحٰنَهٗ‌ ؕ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ ۙ ﴿۲۶﴾ لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ

رکھے ہیں جو انہیں زندہ کرتے ہوں؟ ﴿۲۲﴾ اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو دونوں (کے نظام) درہم برہم ہو جاتے، پس پاک ہے اللہ، ربّ عرش ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔☆ ﴿۲۳﴾ وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرسش نہیں ہو گی اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی ان سے پرسش ہو گی۔☆ ﴿۲۴﴾ کیا انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا لیے ہیں؟ کہد یجیے: تم اپنی دلیل پیش کرو، یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے پہلے والوں کی کتاب ہے، (ان میں کسی غیر اللہ کا ذکر نہیں) بلکہ اکثر لوگ حق کو جانتے نہیں اس لیے (اس سے) منہ موڑ لیتے ہیں۔☆ ﴿۲۵﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا ہے اس کی طرف یہی وحی کی ہے، بتحقیق میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم صرف میری عبادت کرو۔☆ ﴿۲۶﴾ اور وہ کہتے ہیں: اللہ نے بیٹا بنایا ہے، وہ پاک ہے (ایسی باتوں سے) بلکہ یہ تو اللہ کے محترم بندے ہیں۔☆ ﴿۲۷﴾ وہ تو اللہ (کے حکم) سے پہلے بات (بھی) نہیں کرتے اور اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ﴿۲۸﴾ اللہ ان

۲۲۔ آیت، معبود کی وحدت پر دلیل قائم کرتی ہے۔ اگر اس کائنات میں ایک سے زیادہ معبود و مدبر ہوتے تو ذاتاً ایک دوسرے سے مختلف ہوتے۔ ذات میں مختلف ہونے سے تدبیر میں بھی اختلاف لازم آتا ہے۔ تدبیر میں اختلاف سے نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، لہٰذا نظام کی وحدت نظام دہندہ کی وحدت کی دلیل ہے۔ قانون کی وحدت قانون ساز کی وحدت کا واضح ثبوت ہے۔

واضح رہے مشرکین غیر اللہ کی عبادت اس بنیاد پر کرتے تھے کہ تدبیر کائنات میں ان کا حصہ اور دخل ہے اس طرح معبود اور مدبر ایک ہی ذات کے لیے دو تعبیریں ہیں۔

۲۳۔ کسی کے عمل میں غلطی کا امکان ہو تو اس پر سوال ہوتا ہے کہ یہ کام تم نے کیسے انجام دیا؟ اللہ کی طرف سے کسی قسم کی غلطی کا امکان نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ہر عمل مصلحت و حکمت پر مشتمل ہوتا ہے، لہٰذا اللہ پر یہ سوال نہیں ہوتا کہ یہ عمل اللہ نے کیسے انجام دیا؟

۲۴۔ جو لوگ اللہ کے علاوہ معبود بناتے ہیں۔ ان سے مطالبہ ہے کہ اپنے مدعیٰ پر دلیل پیش کرو۔ کوئی بھی دعویٰ بغیر دلیل کے قابل قبول نہیں ہے۔ غیر اللہ کو معبود بنانے والوں کے پاس نہ صرف دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل ان کے خلاف قائم ہے اور تمام آسمانی کتابوں میں اللہ کے علاوہ کسی معبود کا ذکر نہیں ہے۔ اس آیت میں ذکر سے مراد کتاب ہے۔

۲۵۔ تمام انبیاء کی دعوت کا مرکزی نکتہ ایک معبود کی بندگی کرنا ہے، ایک معبود کی عبادت کی دعوت کا مطلب ایک امر واقعی کی طرف دعوت ہے کہ امر واقع یہ ہے کہ اس کائنات کا سرچشمۂ فیض صرف اللہ ہے اور مالک حقیقی صرف اللہ ہے۔ لہٰذا عبادت اس کی ہو جس کے پاس سب کچھ ہے۔

۲۶۔ بت پرستوں کا عقیدہ ہے کہ فرشتے اللہ کے فرزند ہیں۔ اس آیت میں ولدیت کی نفی فرمائی اور

اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ښ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ

باتوں کو جانتا ہے جو ان کے روبرو اور جو ان کے پس پردہ ہیں اور وہ فقط ان لوگوں کی شفاعت کر سکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ کی ہیبت سے ہراساں رہتے ہیں۔☆ ﴿٢٩﴾ اور ان میں سے جو کوئی یہ کہدے کہ اللہ کے علاوہ میں بھی معبود ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزا دیتے ہیں، چنانچہ ظالموں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ ﴿٣٠﴾ کیا کفار اس بات پر توجہ نہیں دیتے کہ یہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کر دیا ہے اور تمام جاندار چیزوں کو ہم نے پانی سے بنایا ہے؟ تو کیا (پھر بھی) وہ ایمان نہیں لائیں گے؟☆ ﴿٣١﴾ اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیے تاکہ وہ لوگوں کو متزلزل نہ کرے اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنائے کہ لوگ راہ پائیں۔ ﴿٣٢﴾ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا اور اس کے باوجود وہ اس کی نشانیوں سے منہ موڑتے ہیں۔ ﴿٣٣﴾ اور اسی نے شب و روز اور آفتاب و ماہتاب پیدا کیے، یہ سب کسی نہ کسی فلک میں تیر

---

عبودیت کو ثابت فرمایا اور بندگی کی ایک اہم خصوصیت کا ذکر فرمایا کہ وہ حکم خدا کے منتظر رہتے ہیں۔ حکم خدا سے پہلے کوئی بات نہیں کرتے اور جب حکم خدا مل جاتا ہے تو اس پر عمل کرنے میں تامل نہیں کرتے۔

۲۸۔ شفاعت ان کو ملے گی جن سے اللہ راضی ہے۔ شرک ایسی چیز ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والے سے اللہ راضی نہیں ہو سکتا، لہٰذا مشرک کو شفاعت ملنے کا امکان نہیں ہے۔

۳۰۔ رتق کے معنی یکجا ہونا اور فتق کے معنی جدا ہونا ہیں۔ آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جن عناصر سے اجرام ارضی و سماوی وجود میں آئے ہیں، ان سب کا مادہ اصلیہ ایک تھا۔ ممکن ہے یہ مادہ ابتدا میں سحابی شکل میں ہو جس کو قرآن نے دخان (دھواں) کہا ہے اور بعد میں یہ اجرام سماوی و ارضی میں منقسم ہو کر جدا ہو گیا ہو۔ یہ رتق و فتق کے ایک مصداق کا ذکر ہے۔

امام باقر علیہ السلام کی ایک حدیث میں اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ شروع میں آسمان اور زمین بند تھے، اللہ نے ان دونوں کو کھول دیا تو آسمان سے بارش ہوئی اور زمین سے پیداوار نیز اس امکان کا بھی اظہار کیا جاتا ہے کہ کائنات کی ابتدا ایک نقطہ سے ہوئی جس کے پھیلنے سے تمام اجرام سماوی وجود میں آ گئے اور پھیلنے کا سلسلہ جاری ہے۔ کہتے ہیں فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اس نظریے پر قرینہ ہے، چونکہ فطر شگافتہ کرنے کو کہتے ہیں۔

یہ بات تو اب سب کے لیے واضح ہو گئی ہے کہ ہر جاندار کے تخلیقی عناصر میں پانی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ پانی حیات کے وجود و بقا دونوں کے لیے بنیاد ہے۔

۳۳۔ یعنی کل کے کل اجرام فلکی اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ یہاں سکوت و سکون کہیں نظر نہیں آتا۔ ہر چیز گردش میں ہے۔

وَ الْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳
وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ
اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝۳۴ كُلُّ
نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ
الْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۳۵ وَاِذَا
رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ
اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ
وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۶ خُلِقَ
الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا
تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝۳۷ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا
الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸ لَوْ يَعْلَمُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ
وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا

رہے ہیں۔☆ ۝۳۴ ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی انسان کو حیات جاودانی نہیں دی تو کیا اگر آپ انتقال کر جائیں تو یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟☆ ۝۳۵ ہر نفس کو موت (کا ذائقہ) چکھنا ہے اور ہم امتحان کے طور پر برائی اور بھلائی کے ذریعے تمہیں مبتلا کرتے ہیں اور تم پلٹ کر ہماری ہی طرف آؤ گے۔☆ ۝۳۶ اور کافر جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا بس استہزاء کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا (برے الفاظ میں) ذکر کرتا ہے؟ حالانکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں۔☆ ۝۳۷ انسان عجلت پسند خلق ہوا ہے، عنقریب میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا پس تم جلد بازی نہ کرو۔ ۝۳۸ اور وہ کہتے ہیں: اگر آپ سچے ہیں تو بتائیں یہ (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟ ۝۳۹ کاش! کفار کو اس وقت کا علم ہو جاتا جب وہ آتش جہنم کو نہ اپنے چہروں سے اور نہ ہی اپنی پشتوں سے ہٹا

---

۳۴۔ مشرکین اپنے آپ کو یہ تسلی دیتے تھے کہ جب محمد ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو ہم اور ہمارے معبود کو اس شخص سے تحفظ ملے گا۔ جواب میں فرمایا: محمد ﷺ دنیا سے رخصت ہو جائیں تو تمہیں حیات جاودانی نہیں ملے گی، تم نے بھی مرنا اور نابود ہونا ہے۔ لہٰذا تم محمد ﷺ کے بعد کسی کامیابی کی امید نہ رکھو۔ ہو سکتا ہے تم پہلے مر جاؤ۔

۳۵۔ نفس ذات کو کہتے ہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں: بنفس نفیس آیا، یعنی بذات خود آیا۔ پھر ذات انسان کے لیے استعمال ہونے لگا، جیسے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ۔ (اعراف: ۱۸۹) پھر روح کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ اسی سے خون کے لیے نفس کا استعمال ہونے لگا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے نفس سائلہ اچھلنے والا خون۔ موت، جسم کی روح سے جدائی کا نام ہے۔ خود روح کے لیے موت نہیں ہے۔

خیر کے ذریعے آزمائش، شر کے ذریعے آزمائش سے زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ غربت شر ہے۔ اس میں ممکن ہے کہ انسان کامیاب رہے، لیکن دولت خیر ہے، اس آزمائش میں کامیاب رہنا زیادہ مشکل ہے۔ اسی طرح محکوم ہونا بہتر ہے، شاید انسان صبر کرے۔ لیکن حاکم ہونا خیر ہے، اس میں کامیابی بہت کم نظر آتی ہے۔

۳۶۔ رسول کریم ﷺ مشرکین کے معبودوں کی برائی نہیں کرتے تھے۔ صرف یہ فرماتے تھے کہ تمہارے معبود تمہیں نہ فائدہ دے سکتے ہیں نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ اس کا مشرکین برا مانتے تھے۔

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤١﴾ ع قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾

سکیں گے اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔ ﴿٤٠﴾ بلکہ یہ (قیامت کا ہولناک عذاب) ان پر اچانک آئے گا تو انہیں بدحواس کر دے گا پھر انہیں نہ اسے ہٹانے کی استطاعت ہو گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ ﴿٤١﴾ اور بتحقیق آپ سے پہلے بھی رسولوں کا استہزا ہوتا رہا ہے مگر ان استہزا کرنے والوں کو اسی عذاب نے آ گھیرا جس کا وہ استہزا کیا کرتے تھے۔☆ ﴿٤٢﴾ کہد یجیے: رات اور دن میں رحمٰن سے تمہیں کون بچائے گا؟ بلکہ یہ لوگ تو اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے ہوئے ہیں☆ ﴿٤٣﴾ کیا ہمارے علاوہ بھی ان کے معبود ہیں جو انہیں بچالیں؟ وہ تو خود اپنی مدد کی بھی استطاعت نہیں رکھتے اور نہ ہی ہماری طرف سے ان کا ساتھ دیا جائے گا۔ ﴿٤٤﴾ بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے آبا کو سامان زیست دیتے رہے یہاں تک کہ ان پر عرصہ دراز گزر گیا تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم عرصہ زمین ہر طرف سے تنگ کر رہے ہیں؟ تو کیا (پھر بھی) یہ لوگ غالب آنے والے ہیں۔☆

---

۴۱۔ استہزاء اور تمسخر ایک غیر انسانی جرم ہے اور احترام آدمیت کے منافی ہے۔ اس میں دوسرے کی تحقیر اور اپنے تکبر کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں کو ایک ایسا دن دیکھنا ہوگا جس میں خود ان کے ساتھ یہی تمسخرانہ اور تحقیر آمیز سلوک کیا جائے گا۔

۴۲۔ الکلاءۃ کے معنی حفظ کے ہیں: اگر اللہ ان کو عذاب دینا چاہے تو اللہ کے عذاب سے ان کو کون بچائے گا؟ جس اللہ سے انہیں پناہ ملتی تھی، اس سے تو یہ منہ موڑے ہوئے ہیں اور ساری توقعات ان بتوں سے وابستہ کیے ہوئے ہیں جو خود اپنی ذات کو بھی نہیں بچا سکتے۔

۴۴۔ ان مشرکوں کو ہم نے زندگی گزارنے کی ایک مدت تک ڈھیل دے رکھی تھی۔ یہ اس لیے نہیں تھا کہ ان کو ہم سے کوئی بچانے والا تھا، بلکہ ہم نے خود ان کو اور ان کے آبا و اجداد کو لمبی مدت تک ڈھیل دے رکھی ہے۔ اب ان کی مدت مہلت ختم ہو رہی ہے۔ کیا ان کو نظر نہیں آتا کہ ان پر زمین تنگ ہو رہی ہے اور ہر طرف سے ان پر دائرہ تنگ ہو رہا ہے؟ تو کیا ایسے آثار نظر آتے ہیں کہ یہ لوگ غالب آ جائیں؟ نہیں بلکہ ان کے مغلوب ہونے کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اس آیت کی جو تفسیر دیگر مفسرین نے کی ہے وہ اس سورہ کے مکی ہونے کے اعتبار سے مربوط نہیں ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ

﴿۴۵﴾ کہہ دیجیے: میں وحی کی بنا پر تمہیں تنبیہ کر رہا ہوں مگر جب بہروں کو تنبیہ کی جائے تو (کسی) پکار کو نہیں سنتے۔☆ ﴿۴۶﴾ اور اگر انہیں آپ کے رب کا تھوڑا سا عذاب بھی چھو جائے تو وہ ضرور کہنے لگ جائیں گے: ہائے ہماری تباہی! ہم یقینا ظالم تھے۔ ﴿۴۷﴾ اور ہم قیامت کے دن عدل کا ترازو قائم کریں گے پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوا تو ہم اسے اس کے لیے حاضر کر دیں گے اور حساب کرنے کے لیے ہم ہی کافی ہیں۔☆ ﴿۴۸﴾ اور بتحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور ایک روشنی اور ان متقین کے لیے نصیحت عطا کی۔ ﴿۴۹﴾ جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے رہے اور قیامت سے بھی خوف کھاتے ہیں۔ ﴿۵۰﴾ اور یہ (قرآن) ایک مبارک ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، کیا تم اس کے بھی منکر ہو؟☆ ﴿۵۱﴾ اور بتحقیق ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے کامل عقل

۴۵۔ وحی اگر کسی پر اثر پذیر نہیں ہے تو اس لیے نہیں کہ پیغام وحی میں مضمون نہیں ہے بلکہ سننے والوں میں اہلیت نہیں ہے کہ اس پیغام سے اثر لیں۔

۴۷۔ روز قیامت جو ترازو نصب ہوگا اس کی حقیقت ہمارے لیے قابل درک نہیں ہے۔ وہ دنیوی ترازو کی مانند یقینا نہیں ہے بلکہ کوئی ایسی میزان ہے جس سے خود انسان کو اپنے عمل کا وزن یعنی اس کی قیمت معلوم ہو جائے گی۔

۵۰۔ یہ قرآن پوری انسانیت کے لیے بابرکت ہے اس قرآن نے انسانیت کو تہذیب سکھائی، تمدن دیا، دنیا کو زندگی کا سلیقہ سکھایا، دستور حیات دیا، جس سے کافر بھی مستفید ہوئے۔

۵۱۔ اللہ کسی کو اپنی عنایتوں سے بلا استحقاق نہیں نوازتا بلکہ حکمت و انصاف اور اہلیت کی بنیاد پر عنایت فرماتا ہے۔ اسی سلسلے میں فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیت سے ہم آگاہ تھے۔ اس لیے ان کو ہم نے رشد سے نوازا۔ رشد واضح حقیقت کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں گمراہی ہے۔

۵۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا۔ اس کا صحیح جواب تو یہ تھا کہ یہ بت ایک جامد بے جان پتھر ہیں، لیکن مشرکین بتوں کی حقیقت کی طرف نہیں جاتے تھے، کیونکہ ان بتوں کی حقیقت تو سب پر عیاں ہے۔ اس لیے وہ اس کی پرستش کی وجہ بیان کرنے کی طرف گئے

وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ
وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ
اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ
اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ
اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ
وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾
وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ
تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا
كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾
قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ

عطا کی اور ہم اس کے حال سے باخبر تھے۔☆ (۵۲) جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے کہا: یہ مورتیاں کیا ہیں جن کے گرد تم جمے رہتے ہو؟☆ (۵۳) کہنے لگے: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا ہے۔ (۵۴) ابراہیم نے کہا: یقیناً تم خود اور تمہارے باپ دادا بھی واضح گمراہی میں مبتلا ہیں۔ (۵۵) وہ کہنے لگے: کیا آپ ہمارے پاس حق لے کر آئے ہیں یا بیہودہ گوئی کر رہے ہیں؟☆ (۵۶) ابراہیم نے کہا: بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور میں اس بات کے گواہوں میں سے ہوں۔☆ (۵۷) اور اللہ کی قسم! جب تم یہاں سے پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے ان بتوں کی خبر لینے کی تدبیر ضرور سوچوں گا۔ (۵۸) چنانچہ ابراہیم نے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا سوائے ان کے بڑے (بت) کے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔☆ (۵۹) وہ کہنے لگے: جس نے ہمارے معبودوں کا یہ حال کیا ہے یقیناً

---

اور اس پر بھی سوائے اندھی تقلید کے کوئی جواب نہ تھا۔

۵۵۔ ہر اندھی تقلید کرنے والا حق کو کھیل اور عبث خیال کرتا ہے اور اپنے باطل نظریے پر نظر ثانی کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔

۵۶۔ مشرکین کے عقیدے کی رد ہے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمانوں اور زمین کا رب اور ہے اور ہمارا رب اور ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ اللہ صرف خالق ہے، ارباب دوسرے ہیں، ان دونوں نظریوں کی رد میں فرمایا: خالقیت اور ربوبیت میں تفریق نہیں ہے۔ جو خالق ہے وہی رب ہے۔ آسمانوں اور زمین کے رب اور انسانوں کے رب میں بھی تفریق نہیں ہے۔

۵۸۔ تاریخ کی پہلی بت شکنی۔ ایک عظیم سلطنت میں صرف ایک موحد ہے جو پوری قوم کے معبودوں کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور بت کی تاریخ میں یہ پہلے بت ہیں جو ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ مشرکین کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے جس میں ان کے معبود ایک اکیلے شخص کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اِلَّا كَبِيْرًا، بڑے بت کو اس لیے چھوڑا کہ ان کے معبود نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے، بلکہ یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ کس نے دوسرے بتوں کو ریزہ ریزہ کیا ہے تاکہ بت پرستوں کی منطق بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔

الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوۡا سَمِعۡنَا فَتًی یَّذۡکُرُہُمۡ یُقَالُ لَہٗۤ اِبۡرٰہِیۡمُ ؕ﴿۶۰﴾ قَالُوۡا فَاۡتُوۡا بِہٖ عَلٰۤی اَعۡیُنِ النَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡہَدُوۡنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوۡۤا ءَاَنۡتَ فَعَلۡتَ ہٰذَا بِاٰلِہَتِنَا یٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ ؕ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلۡ فَعَلَہٗ ٭ۖ کَبِیۡرُہُمۡ ہٰذَا فَسۡـَٔلُوۡہُمۡ اِنۡ کَانُوۡا یَنۡطِقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوۡۤا اِلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ فَقَالُوۡۤا اِنَّکُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿ۙ۶۴﴾ ثُمَّ نُکِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِہِمۡ ۚ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا ہٰۤؤُلَآءِ یَنۡطِقُوۡنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُکُمۡ شَیۡئًا وَّ لَا یَضُرُّکُمۡ ؕ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّکُمۡ وَ لِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوۡا حَرِّقُوۡہُ وَ انۡصُرُوۡۤا

وہ ظالموں میں سے ہے۔ ﴿۶۰﴾ کچھ نے کہا: ہم نے ایک جوان کو ان بتوں کا (برے الفاظ میں) ذکر کرتے ہوئے سنا ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں۔☆ ﴿۶۱﴾ کہنے لگے: اسے سب کے سامنے پیش کرو تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں۔☆ ﴿۶۲﴾ کہا: اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کا یہ حال تم نے کیا ہے؟ ﴿۶۳﴾ ابراہیم نے کہا: بلکہ ان کے اس بڑے (بت) نے ایسا کیا ہے سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔☆ ﴿۶۴﴾ (یہ سن کر) وہ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور کہنے لگے: حقیقتاً تم خود ہی ظالم ہو۔ ﴿۶۵﴾ پھر وہ اپنے سروں کے بل اوندھے ہو گئے اور (ابراہیم سے کہا): تم جانتے ہو یہ نہیں بولتے۔☆ ﴿۶۶﴾ ابراہیم نے کہا: تو پھر تم اللہ کو چھوڑ کر انہیں کیوں پوجتے ہو جو تمہیں نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان؟☆ ﴿۶۷﴾ تف ہو تم پر اور ان (معبودوں) پر جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

۶۰۔ فَتًی، عمر کے لحاظ سے جواں سال کو کہتے ہیں اور جو ہمت و مردانگی میں اونچا مقام رکھتا ہو اسے بھی فتی کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم ؑ دونوں لحاظ سے فتی تھے۔ جواں سال اور جواں ہمت تھے۔ حضرت ابراہیم ؑ کے بت شکن عظیم فرزند علی مرتضیٰ ؑ کے بارے میں فرمایا گیا: لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ۔ (الکافی ۸: ۱۱۰) فتوت و مردانگی صرف انہیں میں منحصر ہے۔

۶۱۔ حضرت ابراہیم ؑ کا مقصد یہی تھا کہ سب لوگوں کے سامنے یہ مسئلہ چھڑ جائے تاکہ ان بتوں کی بے بسی سب کے سامنے عیاں ہو جائے۔

۶۳۔ ان بتوں کی بے بسی کو ظاہر کرنے اور بت پرستی کو باطل ثابت کرنے کے لیے دلیل کے طور پر ایک مفروضہ سامنے رکھا کہ ان چھوٹے بتوں کو بڑے بت نے توڑا ہے۔ حضرت ابراہیم ؑ جھوٹ نہیں بول رہے تھے بلکہ ایک مفروضہ قائم کر رہے ہیں کہ تمہارے معبود سے اگر کوئی کام بن سکتا ہے تو دوسرے بتوں کو اسی نے توڑا ہے۔ خود ان سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں۔ بت پرستوں کو علم تھا کہ نہ یہ بول سکتے ہیں، نہ توڑ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ یہ بے بس معبود نہ کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ کچھ فائدہ دے سکتے ہیں۔

۶۵۔ ضمیر کی اس آواز کے برعکس ان لوگوں نے الٹا سوچنا شروع کیا اور ابراہیم ؑ کو ملزم قرار دیتے ہوئے کہنے لگے: ابراہیم تجھے خود علم ہے یہ نہیں بول سکتے، لہٰذا تم نے ہی توڑا ہے۔

۶۶۔ اگر یہ بول بھی نہیں سکتے اور دیگر بتوں کے ریزہ ریزہ کرنے والے کا بھی نہیں بتا سکتے تو تم ایسی بے بس چیز کی پوجا کیوں کرتے ہو۔

۶۹۔ جس ذات نے ان تمام اشیاء کو وجود دیا اور ان کو

اٰلِهَتَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿٦٨﴾ قُلۡنَا يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ﴿٦٩﴾ وَ اَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَخۡسَرِيۡنَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيۡنٰهُ وَلُوۡطًا اِلَى الۡاَرۡضِ الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا لِلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ ؕ وَيَعۡقُوۡبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا صٰلِحِيۡنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوۡا لَنَا عٰبِدِيۡنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوۡطًا اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا وَّنَجَّيۡنٰهُ مِنَ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ كَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِيۡنَ ﴿٧٤﴾

﴿٦٨﴾ وہ کہنے لگے: اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی نصرت کرو۔ ﴿٦٩﴾ ہم نے کہا: اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لیے سلامتی بن جا۔☆ ﴿٧٠﴾ اور انہوں نے ابراہیم کے ساتھ اپنا حربہ استعمال کیا اور ہم نے خود انہیں ناکام بنا دیا۔ ﴿٧١﴾ اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جسے ہم نے عالمین کے لیے بابرکت بنایا ہے۔☆ ﴿٧٢﴾ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بطور عطیہ دیے اور ہم نے ہر ایک کو صالح بنایا۔☆ ﴿٧٣﴾ اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے نیک عمل کی انجام دہی اور قیام نماز اور ادائیگی زکوۃ کے لیے ان کی طرف وحی کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔ ﴿٧٤﴾ اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نے انہیں اس بستی کے شر سے نجات دی جہاں کے لوگ بے حیائی کا ارتکاب کرتے تھے، یقینا وہ

---

مختلف خاصیتیں عنایت فرمائیں، اس کی قدرت میں ہے کہ ان اشیاء سے ان کی خاصیتیں سلب کر لے۔ ہم نے اس سے پہلے بھی معجزوں کے بارے میں کہا ہے کہ معجزے بلا علت و اسباب رونما نہیں ہوتے۔ البتہ ان کے پیچھے جو علت و سبب ہے وہ ہمارے لیے ناقابل تسخیر ہے۔ آتش کو سوزش دینا اور اس سے اس سوزش کو سلب کرنا خالق آتش کے ہاتھ میں ہے۔ جس ذات کے حکم کُن سے لامحدود کائنات وجود میں آئی ہے، يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا سے ایک آتش پر کُن کے اثر کے بارے میں سوال نامعقول بات ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آتش نمرود میں جاتے ہوئے یہ دعا پڑھی تھی: یا احد یا احد یا صمد یا صمد یا من لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوا احد۔ (الکافی ٨: ٣٦٨)

روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جبرئیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس وقت پوچھا کوئی حاجت ہے؟ تو فرمایا: اما الیک فلا مگر آپ سے کوئی حاجت نہیں (مستدرک الوسائل ٣: ٣٠٣) اللہ پر کامل ایمان و بھروسا رکھنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جبرئیل جیسے مقتدر فرشتے کو بھی اعتنا میں نہیں لاتے۔

٧١۔ قوم ابراہیم علیہ السلام میں سے صرف حضرت لوط علیہ السلام ایمان لے آئے جو آپ کے بھانجے تھے۔ وہ سر زمین جو عالمین کے لیے بابرکت بنائی گئی ہے، سرزمین شام ہے۔ واضح رہے بلاد شام لبنان، فلسطین، اردن اور سوریا کے علاقوں کو کہتے ہیں۔ یہ علاقہ دو ہزار برس تک انبیاء علیہم السلام کا علاقہ رہا ہے۔

٧٢۔ یعنی بیٹے اسحاق کے بعد پوتا یعقوب ایک عطیۂ الٰہی تھا جو دونوں نبوت کی منزلت پر فائز رہے۔ حدیث میں آیا ہے: ولد الولد نافلة (بحار الانوار

وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ ع وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؗ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَ الطَّیْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ

برائی والے اور بدکار قوم تھی۔ ﴿۷۵﴾ اور ہم نے انہیں (لوط کو) اپنی رحمت میں داخل کیا وہ یقینا صالحین میں سے تھے۔ ﴿۷۶﴾ اور نوح کو بھی (ہم نے نوزا) جب انہوں نے ابراہیم سے پہلے (ہمیں) پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول کی، پس انہیں اور ان کے گھر والوں کو بڑی پریشانی سے نجات دی۔ ﴿۷۷﴾ اور اس قوم کے مقابلے میں ان کی مدد کی جو ہماری نشانیوں کی تکذیب کرتی تھی، یقیناوہ برے لوگ تھے چنانچہ ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ ﴿۷۸﴾ اور داؤد و سلیمان کو بھی (نوازا) جب وہ دونوں ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں رات کے وقت لوگوں کی بکریاں بکھر گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلے کا مشاہدہ کرر ہے تھے۔☆ ﴿۷۹﴾ تو ہم نے سلیمان کو اس کا فیصلہ سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد کے لیے مسخر کیا جو ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور ایسا کرنے والے ہم ہی تھے۔☆ ﴿۸۰﴾ اور ہم نے تمہارے لیے انہیں زرہ سازی کی صنعت سکھائی تا کہ تمہاری لڑائی میں

---

۱۲: ۱۰۳) بیٹے کا بیٹا (پوتا) نافلۃ کہلاتا ہے۔ نافلۃ یعنی عطیہ۔

۷۸۔ اس آیت کے شان نزول میں روایت ہے کہ ایک شخص کے کھیت میں دوسرے شخص کی بکریاں رات کے وقت گھس گئی تھیں۔ حضرت داؤدؑ نے فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان نے فیصلہ دیا کہ بکریوں سے اس وقت تک کھیت والا فائدہ اٹھائے جب تک بکریوں والا اس کھیت کو اسی حالت میں تیار کر کے نہ دے۔ روایت کے مطابق یہ عملی فیصلہ نہیں تھا کہ دونوں میں اختلاف آ جائے بلکہ فیصلہ تو حضرت داود کا ہی ہونا چاہیے جو وقت کے حجت ہیں بلکہ حضرت سلیمان کا فہم و ذکاوت دیکھنا مقصود تھا چنانچہ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے: دونوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، بلکہ دونوں آپس میں مشاورت کر رہے تھے تو اللہ نے سلیمانؑ کو سمجھا دیا۔ (الفقیہ ۳: ۱۰۰ باب الحکم)

۷۹۔ حضرت داؤدؑ کی خوش الحانی میں یہ معجزہ بھی تھا کہ ان کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح پڑھتے تھے۔ کچھ حضرات اس کی تاویل کرتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کی سریلی آواز سے پہاڑ گونج اٹھتے تھے، پرندے ٹھہر جاتے تھے۔ یہ تاویل ظاہر آیت کے خلاف ہے۔ سریلی آواز کا پہاڑ میں گونجنا حضرت داؤدؑ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ہر اونچی آواز کی گونج پہاڑوں میں سنائی دیتی ہے، اس کو سَخَّرْنَا "ہم نے پہاڑ کو داؤدؑ کے لیے مسخر کر دیا" کہنا درست نہیں۔

| | |
|---|---|
| اَنۡتُمۡ شٰكِرُوۡنَ ﴿٨٠﴾ وَ لِسُلَيۡمٰنَ الرِّيۡحَ | وہ تمہارا بچاؤ کرے تو کیا تم شکر گزار ہو؟☆ ﴿٨١﴾ اور سلیمان |
| عَاصِفَةً تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖۤ اِلَى الۡاَرۡضِ | کے لیے تیز ہوا کو (مسخر کیا) جو ان کے حکم سے اس سرزمین |
| الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَىۡءٍ | تک چلتی تھی جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا اور ہم ہر چیز کا علم |
| عٰلِمِيۡنَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيۡنِ مَنۡ يَّغُوۡصُوۡنَ | رکھنے والے ہیں۔☆ ﴿٨٢﴾ اور شیاطین میں سے کچھ (کو مسخر |
| لَهٗ وَيَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا | بنایا) جو ان کے لیے غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ |
| لَهُمۡ حٰفِظِيۡنَ ۙ﴿٨٢﴾ وَاَيُّوۡبَ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ | دیگر کام بھی کرتے تھے اور ہم ان سب کی نگہبانی کرتے |
| اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ | تھے۔☆ ﴿٨٣﴾ اور ایوب کو بھی (اپنی رحمت سے نوازا) جب |
| الرّٰحِمِيۡنَ ۚۖ﴿٨٣﴾ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَكَشَفۡنَا | انہوں نے اپنے رب کو پکارا: مجھے (بیماری سے) تکلیف ہو |
| مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّاٰتَيۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ | رہی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔☆ ﴿٨٤﴾ تو ہم نے ان کی |
| مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَذِكۡرٰى | دعا قبول کی اور ان کی تکلیف ان سے دور کر دی اور انہیں ان |
| لِلۡعٰبِدِيۡنَ ﴿٨٤﴾ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِدۡرِيۡسَ وَذَا | کے اہل و عیال عطا کیے اور اپنی رحمت سے ان کے ساتھ |
| الۡكِفۡلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ۚۖ﴿٨٥﴾ وَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ | اتنے مزید بھی جو عبادت گزاروں کے لیے ایک نصیحت |
| فِىۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿٨٦﴾ | ہے۔ ﴿٨٥﴾ اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو بھی (اپنی رحمت سے نوازا) یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔☆ ﴿٨٦﴾ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کیا، |

٨٠۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات کے مطابق بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہی زرہ سازی کی صنعت شروع ہو گئی تھی۔

٨١۔ ممکن ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تسخیر ہوا، جہاز رانی میں ہوئی ہو، کیونکہ اس زمانے میں بحری جہاز کا انحصار صرف ہوا پر تھا اور ممکن ہے کہ وہ دوش ہوا پر سفر کرتے ہوں۔

٨٢۔ تسخیر جنات کی طرف اشارہ ہے۔ شیاطین کو حضرت سلیمان کے لیے مسخر کرنے کے بعد ان شیطانوں کی نگہبانی خود خداوند عالم کرتا تھا کہ وہ حضرت علیہ السلام کے حسب منشا کام کریں، سرکشی اور فساد پیدا نہ کریں۔

٨٣۔ حضرت ایوب علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ آپ علیہ السلام تقریباً نویں صدی قبل مسیح میں مبعوث ہوئے۔ آپ کو مال و اولاد اور بیماری کی کڑی آزمائشوں سے گزارا گیا اور آپ صابر و شاکر ثابت ہوئے۔

٨٥۔ حضرت ذوالکفل کے بارے میں قدیم و جدید مورخین و مفسرین میں اختلاف ہے کہ یہ پیغمبر کون ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ حزقیل پیغمبر ہیں جن کا ذکر بائبل میں صحیفہ حزقی ایل میں ملتا ہے۔ ہماری روایات میں آیا ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام حضرت سلیمان کے بعد مبعوث ہوئے۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ
اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ
اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ
كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ
وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِى
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَزَكَرِيَّاۤ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ
رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ
الْوٰرِثِيْنَ ۚ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا
لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ
كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا
رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾
وَالَّتِىْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا
مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰيَةً

یقیناً یہ صالحین میں سے تھے۔ (٨٦) اور ذوالنون کو بھی (اپنی رحمت سے نوازا) جب وہ غصے میں چل دیے اور خیال کرنے لگے کہ ہم ان پر سختی نہیں کریں گے، چنانچہ وہ اندھیروں میں پکارنے لگے: تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ہی زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔☆ (٨٧) پھر ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے انہیں غم سے نجات دی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیتے ہیں۔ (٨٨) اور زکریا کو بھی (رحمتوں سے نوازا) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا: میرے رب! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو بہترین وارث ہے۔☆ (٨٩) پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں یحییٰ عطا کیے اور ان کی بیوی کو ان کے لیے نیک بنا دیا، یہ لوگ کارہائے خیر میں سبقت کرتے تھے اور شوق و خوف (دونوں حالتوں) میں ہمیں پکارتے تھے اور ہمارے لیے خشوع کرنے والے تھے۔☆ (٩٠) اور اس خاتون کو بھی (نوازا) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی اس لیے ہم نے ان میں اپنی روح میں سے پھونک دیا اور انہیں اور ان کے بیٹے

٨٧۔ ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے۔ یعنی مچھلی والے، وہ اپنی قوم کی نافرمانی کی وجہ سے قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ ان کو مچھلی نے نگل لیا۔ اللہ نے ان کو نجات دی۔ یہ نجات کوتاہی کے اعتراف اور تسبیح کی وجہ سے دے دی گئی۔ پھر تمام اہل ایمان کے لیے نوید سنائی کہ ان کو بھی اسی طرح غم سے نجات مل جایا کرے گی۔ اگر مؤمن، یونس علیہ السلام کی طرح صدق دل سے اللہ کو پکارے تو اللہ بھی اس کو اسی طرح نجات دے گا جس طرح یونس علیہ السلام کو نجات دی ہے۔

٨٩۔ تنہا نہ چھوڑ یعنی بے اولاد نہ چھوڑ۔

٩٠۔ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے کے دو سبب ہوتے ہیں: اس کی خوشنودی کا شوق اور اس کی ناراضی کا خوف۔ خوف و امید کے درمیان میں رہ کر ہی بندگی کرنا مستحسن ہے۔

٩١۔ انسانی تخلیق کے لیے پہلے نطفہ، پھر اس میں روح پھونکنا ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت قانون فطرت کے دائرے سے خارج نہ تھی۔ صرف یہ کہ حمل اور نفخ روح دو الگ مرحلوں میں نہیں ہوا جو عام طور پر ہوتا ہے، بلکہ یہ کام ایک ہی مرحلے میں ہو گیا یعنی نفخ روح کے ساتھ ساتھ۔

٩٢۔ تمام انسانوں کا رب ایک ہے تو لازماً سب انسان ایک ہی امت ہیں۔ سب اللہ کے بندے ہیں اور تمام انبیاء اسی ایک رب کی طرف بلانے آئے ہیں۔ لیکن لوگوں نے اس ایک پیغام کو اپنی اپنی خواہشات و مفادات کے تحت کچھ بڑھا کر کچھ گھٹا کر مختلف فرقے بنا دیئے۔

لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ‌ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ كُلٌّ اِلَيۡنَا رٰجِعُوۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا كُفۡرَانَ لِسَعۡيِهٖ‌ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوۡنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَاۤ اَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتۡ يَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ مِّنۡ كُلِّ حَدَبٍ يَّنۡسِلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَاقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَـقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبۡصَارُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ يٰوَيۡلَنَا قَدۡ كُنَّا فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا بَلۡ كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا

(عیسیٰ) کو تمام اہل عالم کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔☆ ﴿۹۲﴾ یہ تمہاری امت یقیناً امت واحدہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا تم صرف میری عبادت کرو۔☆ ﴿۹۳﴾ لیکن انہوں نے اپنے (دینی) معاملات میں تفرقہ ڈال دیا۔ آخر کار سب نے ہماری طرف رجوع کرنا ہے۔ ﴿۹۴﴾ پس جو نیک اعمال بجا لائے اور وہ مومن ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہ ہوگی اور ہم (اس کے اعمال) اس کے لیے لکھ رہے ہیں۔☆ ﴿۹۵﴾ اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا ہے اس کے (مکینوں) کے لیے ممکن نہیں کہ وہ (دوبارہ) لوٹ کر آئیں۔☆ ﴿۹۶﴾ یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج (کا راستہ) کھول دیا جائے گا تو وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے۔☆ ﴿۹۷﴾ اور برحق وعدہ قریب آنے لگے گا تو کفار کی آنکھیں یکایک کھلی رہ جائیں گی، (وہ کہیں گے) ہائے ہماری تباہی! ہم واقعی اس سے غافل تھے، بلکہ ہم تو ظالم تھے۔☆ ﴿۹۸﴾ بتحقیق تم اور تمہارے وہ معبود جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے تھے جہنم کا ایندھن ہیں جہاں تمہیں داخل ہونا

۹۴۔ عمل کو ایمان سے قیمت ملتی ہے۔ اگر ایمان نہیں تو بے ایمان کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایمان کے بغیر عمل کو قیمت نہیں ملتی، اسی طرح عمل کے بغیر ایمان کو وجود نہیں ملتا۔

۹۵۔ جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا ہو، ان کے لیے واپسی ممکن نہیں۔ اس پورے سفر میں واپسی ممکن نہیں۔ نہ شکم مادر سے صلب پدر کی طرف، نہ روئے زمین سے شکم مادر کی طرف، نہ قبر سے روئے زمین کی طرف پلٹ سکتے ہیں۔

۹۶۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج ایسی درندگی کی علامت ہیں جو کسی انسانی و اخلاقی قدروں کو نہیں جانتے۔ وہ ہر طرف سے پر امن لوگوں پر حملہ کریں گے، بلکہ یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ وہ اونچی جگہوں سے حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے نزدیک ہونے کی علامات میں سے ایک خروج دجال و یاجوج و ماجوج ہے۔

۹۷۔ قیامت کا دہشت ناک منظر دیکھنے کے بعد کافر پہلے تو یہ کہیں گے کہ ہم نے خیال نہیں کیا تھا کہ قیامت اس قدر خوفناک ہے۔ بعد میں متوجہ ہو جائیں گے کہ انبیاء نے ساری صورت حال بیان کی تھی۔ لیکن ہم نے ان کی بات تسلیم نہ کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

۹۸۔ اس سے مراد وہ معبود ہیں جو عقل و شعور نہیں رکھتے اور خود بھی غیر اللہ کو معبود بنانے میں ملوث نہیں ہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں ما صاحب عقل کے لیے استعمال نہیں ہوتا، لہٰذا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اس میں حضرت عیسیٰؑ و ملائکہ بھی شامل ہیں جن کی لوگ پرستش کرتے ہیں۔

وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا
وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ
فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ
اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾ ۙ لَا يَسْمَعُوْنَ
حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ
خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٢﴾ ۚ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ
تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ
كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ
كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ
خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا
فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ
بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ

ہے۔☆ ﴿٩٩﴾ اگر یہ معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے اور اب سب کو اسی میں ہمیشہ رہنا ہے۔ ﴿١٠٠﴾ جہنم میں ان کا شور ہوگا اور وہ اس میں کچھ نہ سن سکیں گے۔ ﴿١٠١﴾ جن کے حق میں ہماری طرف سے پہلے ہی (جنت کی) خوشخبری مل چکی ہے وہ اس آتش سے دور ہوں گے۔ ﴿١٠٢﴾ جہاں وہ اس کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور وہ ہمیشہ ان چیزوں میں رہیں گے جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوں گی۔ ﴿١٠٣﴾ انہیں قیامت کے بڑے خوفناک حالات بھی خوفزدہ نہیں کریں گے اور فرشتے انہیں لینے آئیں گے (اور کہیں گے) یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔☆ ﴿١٠٤﴾ اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح طومار میں اوراق لپیٹتے ہیں، جس طرح ہم نے خلقت کی ابتدا کی تھی، اسے ہم پھر دہرائیں گے، یہ وعدہ ہمارے ذمے ہے جسے ہم ہی پورا کرنے والے ہیں۔☆ ﴿١٠٥﴾ اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے

١٠٣۔ قیامت کی اس عظیم ہولناک حالت میں ان لوگوں کو کوئی غم نہ ہوگا جن کو اللہ نے پہلے وعدۂ نجات دے دیا ہے۔ فرشتے انہیں خوش آمدید کہیں گے اور کہیں گے: هٰذَا يَوْمُكُمُ آج تمہارا دن ہے۔ وہی دن جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

١٠٤۔ یعنی جس حالت سے ہم نے آسمان کی خلقت کی ابتدا کی تھی اسی حالت کو دہرائیں گے۔ یعنی اس وسیع و عریض آسمان کو طومار میں اوراق کی طرح لپیٹ لیں گے۔ جس سے ساری کتابت نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔ اسی طرح آسمان بھی غائب ہو جائے گا اور آسمان کی خلقت سے پہلے کی حالت کا اعادہ ہو جائے گا: لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا کی حالت میں آ جائے گا۔ اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہو سکتی ہے کہ موجودہ آسمان کے لپیٹ لینے کے بعد ہم ایک نیا عالم اور جدید کائنات پیدا کریں گے۔ یعنی جس طرح موجودہ آسمان کے لپیٹ لینے کے بعد ہم ایک نیا عالم اور جدید کائنات پیدا کریں گے۔ اس طرح ہم اس کا اعادہ کریں گے اور جدید کائنات بنائیں گے۔ یہ تفسیر لفظ اعادہ کے ساتھ قرین حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

١٠٥۔ دنیا میں ہر شخص موجودہ صورت حال سے نالاں ہے، کوئی مالی فقر میں مبتلا ہے تو کوئی روحانی محرومیت سے دوچار ہے۔ اس لیے ہر شخص کا ضمیر اور وجدان ایک عدل و انصاف اور امن و آشتی پر مبنی نظام کا طالب ہے۔ ظاہر ہے جس چیز کا سرے سے کوئی وجود نہ ہو انسانی ضمیر اسے طلب نہیں کرتا۔ اگر پانی کا وجود نہ ہوتا تو اس کی کسی کو طلب بھی نہ ہوتی۔ لہٰذا

الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

النصف

ہوں گے۔☆ (۱۰۶) اس (بات) میں بندگی کرنے والوں کے لیے یقینا ایک آگاہی ہے۔ (۱۰۷) اور (اے رسول) ہم نے آپ کو بس عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔☆ (۱۰۸) کہد یجیے: میرے پاس وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے، تو کیا تم تسلیم کرتے ہو؟ (۱۰۹) پھر اگر انہوں نے منہ موڑ لیا تو کہ دیجیے: ہم نے تمہیں یکساں طور پر آگاہ کر دیا ہے اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا دور، یہ میں نہیں جانتا۔☆ (۱۱۰) اور وہ بلند آواز سے کہی جانے والی باتوں کو بھی یقینا جانتا ہے اور انہیں بھی جانتا ہے جنہیں تم پوشیدہ رکھتے ہو۔ (۱۱۱) اور میں نہیں جانتا شاید اس (عذاب کی تاخیر) میں تمہاری آزمائش ہے اور ایک مدت تک سامان زیست ہے۔ (۱۱۲) رسول نے کہا: میرے رب تو ہی حق کا فیصلہ فرما اور تم جو باتیں بناتے ہو اس کے مقابلے میں ہمارے مہربان رب سے ہی مدد مانگی جاتی ہے۔☆

آیاتہا ۷۸ | ۲۲ سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِیَّةٌ ۱۰۳ | رکوعاتہا ۱۰

سورۂ حج۔ مدنی۔ آیات: ۷۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

---

انسانی ضمیر کی طلب اس بات کی دلیل ہے کہ انسانیت کو ایک ایسا نظام ملنے والا ہے جس میں اللہ کے نیک بندے ہی زمین کے وارث ہوں گے اور زمین عدل و انصاف سے اس طرح پر ہو جائے گی جس طرح یہ ظلم و جور سے پر ہو گئی تھی۔

دنیا کو ہے اس مہدی ؑ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلہ عالم افکار

۱۰۷۔ اہل عالم کو اپنے اللہ کی طرف سے ایک ایسا دستور حیات پیش فرمایا جس میں زندگی کے ہر قدم کی رہنمائی ہے، دارین کی سعادت ہے۔ اس نے دنیا کو تہذیب سکھائی، تمدن کی راہ کھولی، اس نے زندگی کا سلیقہ سکھایا، انسانیت کو امن کا درس دیا، انسان کو اس کی قدریں سمجھا دیں، انسان کو انسانی عظمت واپس دلا دی اور یہ عالمین کے لیے رحمت بن کر آیا۔

۱۰۹۔ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ: تمہیں حقائق سے یکساں طور پر آگاہ کر دیا ہے۔ تبلیغ احکام میں تفریق سے کام نہیں لیا گیا کہ کچھ کو پورے حقائق سے آگاہ کیا ہو اور کچھ سے پوشیدہ رکھا ہو۔ سَوَآءٍ کے معنی "نہایت صاف" یا "علی الاعلان" کرنا اشتباہ ہے۔

وَاِنْ اَدْرِیْۤ: اللہ کی دعوت کو مسترد کرنے کی صورت میں تمہیں گرفت میں لینے کا وقت قریب ہے یا دور، اس کا میں اظہار نہیں کر سکتا۔

۱۱۲۔ پہلے جملے میں رسول کریم ﷺ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنے حق کا فیصلہ دینے کی درخواست کرتے ہیں۔ بعد میں لوگوں کی طرف رخ کرتے ہیں اور اللہ کی رحمانیت کے حوالے سے بات کرتے ہیں: ہمارے مہربان رب سے مدد لی جاتی ہے۔ وہ تمہارے مقابلے ہماری مدد کرے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿١﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿٢﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۙ﴿٣﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٤﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ

﴿١﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو کیونکہ قیامت کا زلزلہ بڑی (خوفناک) چیز ہے۔ ﴿٢﴾ جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی (ماں) اپنے شیرخوار کو بھول جائے گی اور تمام حاملہ عورتیں اپنا حمل گرا بیٹھیں گی اور تم لوگوں کو نشے کی حالت میں دیکھو گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بڑا شدید ہوگا۔☆ ﴿٣﴾ اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو لاعلمی کے باوجود اللہ کے بارے میں کج بحثیاں کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔☆ ﴿٤﴾ جب کہ اس شیطان کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ جو اسے دوست بنائے گا اسے وہ گمراہ کرے گا اور جہنم کے عذاب کی طرف اس کی رہنمائی کرے گا۔ ﴿٥﴾ اے لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد زندگی کے بارے میں شبہ ہے تو سوچو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر لوتھڑے سے پھر گوشت کی تخلیق شدہ اور غیر تخلیق شدہ بوٹی سے تاکہ ہم (اس حقیقت کو) تم پر واضح

سورہ حج

٢۔ قیامت کے موقع پر، وہ ماں جو جان سے بھی زیادہ عزیز لاڈلے بچے کو دودھ پلا رہی ہوگی، اس بچے سے بھی غافل ہو جائے گی۔

٣۔ جو لوگ اللہ کے بارے میں کج بحثی کرتے ہیں وہ جہالت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے بارے میں بحث پوری کائنات کے بارے میں بحث ہے، جس پر انسان کا احاطہ علم ناممکن ہے۔ لہٰذا کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے پوری کائنات کو چھان مارا ہے کہیں اللہ نظر نہیں آیا۔ جب کہ اللہ کے وجود کے لیے ایسا نہیں ہے۔ آثار و نشانیوں سے اس کی معرفت ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک گھڑی گھر میں گم ہو جاتی ہے تو یہ کہنے کے لیے کہ گھڑی گھر میں نہیں ہے، پورا گھر چھان مارنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ کہنے کے لیے کہ گھڑی گھر میں ہے، آثار کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً گھڑی کی آواز آ رہی ہو تو ثبوت کے لیے کافی ہے کہ گھڑی گھر میں موجود ہے۔ اسی طرح اللہ کے وجود کے اثبات کے لیے کائنات کو چھان مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آثار سے ثابت ہو جاتا ہے۔

۵۔ جو لوگ بروز قیامت دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن تصور کرتے ہیں ان سے خطاب ہے کہ جو ذات تمہیں پہلی بار مٹی سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہی ذات تمہیں اس مٹی سے دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔ اس نے پہلی بار جب انسان کو مٹی سے خلق فرمایا تو اس میں منتشر عناصر کو ایک جگہ جمع کیا۔ چنانچہ مٹی کے یہ عناصر کرہ ارض کے گوشہ و کنار سے سمٹ کر انسان کی غذا بن گئے۔ گندم کسی علاقے سے، پھل کسی علاقے سے، گوشت کسی علاقے سے، پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے، غرض یہ بکھرے ہوئے عناصر سمٹ کر انسان کے دسترخوان پر آئے جن سے انسانی تخلیق کے لیے مواد فراہم ہوا۔ غذا، نطفہ، لوتھڑا، گوشت کی بوٹی پھر ایک کامل انسان۔

لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى
اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ
لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ
مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا
يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــــًٔا ۭ وَتَرَى
الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ
بَهِيْجٍ ۝٥ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ
يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٦ۙ
وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ
اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝٧ وَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا
هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝٨ۙ ثَانِيَ عِطْفِهٖ

کریں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک مقررہ وقت تک رحموں
میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تمہیں ایک طفل کی شکل میں نکال
لاتے ہیں تاکہ پھر تم جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے کوئی فوت
ہوجاتا ہے اور کوئی تم میں سے نکمی عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ وہ
جاننے کے بعد بھی کچھ نہ جانے اور تم دیکھتے ہو کہ زمین خشک
ہوتی ہے لیکن جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو یہ جنبش
میں آ جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے اور مختلف اقسام کی پر
رونق چیزیں اگاتی ہے۔☆ ⑥ یہ سب اس لیے ہے کہ
اللہ ہی برحق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر
چیز پر قادر ہے۔☆ ⑦ اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے
جس میں کوئی شک نہیں اور یہ کہ اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو
قبروں میں ہیں۔☆ ⑧ اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں
جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی علم اور ہدایت اور روشن کتاب
کے کج بحثیاں کرتے ہیں۔ ⑨ تاکہ متکبرانہ انداز میں

---

وہی ذات اس انسان کے بکھرے ہوئے عناصر کو دوبارہ جمع کر کے اسے زندگی دے سکتی ہے۔ دوسری بات مردہ زمین کی ہے کہ جس پر پانی پڑنے سے یہ متحرک ہوجاتی ہے، پھر اس کے اندر نباتی حیات پیدا ہوجاتی ہے۔ اس طرح تم حیات بعد از موت کا منظر روز مشاہدہ کرتے ہو، پھر بھی تمہیں اس بات میں شک ہے کہ اللہ مردے کو کس طرح دوبارہ زندہ کرے گا؟

مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ: مفسرین اور مترجمین نے مُّخَلَّقَةٍ کا ترجمہ پوری اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ کا ترجمہ ادھوری سے کیا ہے، جو بظاہر درست نہیں، کیونکہ مُّخَلَّقَةٍ اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اس مُّضْغَةٍ کی صفت ہے جس سے انسان خلق ہو رہا ہے، ادھوری سے خلق نہیں ہوتا۔

جدید تحقیقات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مضغة کی دو ذمہ داریاں ہیں: ایک بچے کے اعضاء کی ساخت اور دوسرے اس کی حفاظت۔ مخلقة کی ذمہ داری اعضاء کی ساخت ہے، جب کہ مضغة غیر مخلقة کا کام اس کی حفاظت اور غذا کا انتظام کرنا ہے۔ چنانچہ ظلمات ثلاث میں بند اس نازک مخلوق کے لیے شش جہت سے غذا بہم پہنچائی جاتی ہے۔

٦۔ یعنی اللہ ایک حقیقت واقعیہ ہے کسی کی ذہنی اختراع نہیں ہے بلکہ تمام حق و حقیقت کا سرچشمہ اللہ ہے، اللہ کا حق ہونا کسی کی طرف سے عطا شدہ نہیں ہے۔ وہ بذات خود حق ہے۔

٧۔ اللہ کے حق ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خلقت کائنات کا ایک معقول انجام ہے، وہ حیات بعد الموت ہے۔ اگر مرنے کے بعد کوئی زندگی نہ ہوتی تو دنیا کی یہ زندگی عبث اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

٩۔ ثَانِيَ عِطْفِهٖ کا لفظی ترجمہ شانہ پھیرنے والا ہے الثَّنْيُ: پھیرنا۔ العطف یعنی الجانب، شانہ پہلو۔

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا
خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ
الْحَرِيْقِ ﴿٩﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ
وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٠﴾ ع ٨
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ
فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ
اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ ۛ خَسِرَ
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ
الْمُبِيْنُ ﴿١١﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا
يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ
الْبَعِيْدُ ﴿١٢﴾ ۚ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ
مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ
الْعَشِيْرُ ﴿١٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ

لوگوں کو راہ خدا سے گمراہ کریں، اس کے لیے دنیا میں خواری ہے اور قیامت کے روز ہم اسے آگ کا عذاب چکھائیں گے۔☆ ⑩ یہ سب تیرے اپنے دونوں ہاتھوں سے آگے بھیجے ہوئے کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ ⑪ اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی یکطرفہ بندگی کرتا ہے، اگر اسے کوئی فائدہ پہنچے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو منہ کے بل الٹ جاتا ہے، اس نے دنیا میں بھی خسارہ اٹھایا اور آخرت میں بھی، یہی کھلا نقصان ہے۔☆ ⑫ یہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکارتا ہے جو اسے نہ ضرر دے سکتی ہے اور نہ اسے فائدہ دے سکتی ہے، یہی تو بڑی کھلی گمراہی ہے۔☆ ⑬ وہ ایسی چیز کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے فائدے سے زیادہ قریب ہے، کتنا برا ہے اس کا سرپرست اور اس کا رفیق بھی کتنا برا ہے۔☆ ⑭ اللہ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجا

یہ جملہ تکبر کرنے اور اکڑنے والے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

ظلّام: صیغہ مبالغہ کبھی پیشہ بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ جیسے نجار، تمار۔ بعض فرماتے ہیں: اگر اللہ کافر اور ظالم کو عذاب دینے کی جگہ مؤمنوں اور پاکیزہ لوگوں کے برابر رکھتا تو یہ بہت بڑا ظلم ہوتا۔ اس لیے فرمایا: اللہ ظلّام بہت ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

١١۔ یک طرفہ بندگی۔ یعنی صرف ایک صورت میں بندگی کرتے ہیں۔ وہ آسودگی کی صورت ہے کہ اگر نعمتیں فراواں ہو جائیں، دین کی طرف سے آسائشیں مل جائیں تو دینداری کرتے ہیں۔ فی الواقع وہ اپنی دنیا کے لیے دینداری کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر دینداری میں اس کو دنیا نہ ملے اور قربانی دینا پڑے تو فوراً منقلب ہو جاتے ہیں اور دینداری چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کا انجام یہ ہوگا: نہ دنیا ملی، نہ دین ہاتھ میں رہا۔ دونوں جہانوں کا خسارہ اٹھایا۔

١٢۔ ١٣ پہلی آیت میں فرمایا: ان کے معبود نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ فائدہ۔ دوسری آیت میں فرمایا: ان کا ضرر فائدہ سے زیادہ قریب ہے۔ یعنی ضرر زیادہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ خود بے جان بت نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ فائدہ۔ ان دونوں باتوں کی ان میں صلاحیت نہیں ہے۔ جبکہ دوسری آیت کا **مطمح نظر** یہ ہے کہ خود بتوں سے قطع نظر، بتوں کی پرستش میں ضرر ہے۔ لہذا پہلی آیت کی نظر خود بتوں کی طرف ہے۔ دوسری آیت کی نظر پرستش کی طرف

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا
يُرِيْدُ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ
اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ
اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ
يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿١٥﴾ وَكَذٰلِكَ
اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ
مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ
وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَ

لانے والوں کو یقینا ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اللہ جس چیز کا ارادہ کر لیتا ہے اسے یقینا کر گزرتا ہے۔ ﴿١٤﴾ جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ دنیا و آخرت میں رسول کی مدد نہیں کرے گا اب رسول کی کامیابی سے تنگ ہے) تو اسے چاہیے کہ ایک رسی اوپر کی طرف باندھے پھر اپنا گلا گھونٹ لے پھر دیکھے کہ کیا اس کا یہ حربہ اس کے غصے کو دور کر دیتا ہے؟☆ ﴿١٥﴾ اور اسی طرح ہم نے قرآن کو واضح آیات کی صورت میں نازل کیا اور اللہ جس کے لیے ارادہ کرتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔ ﴿١٦﴾ یقینا ایمان لانے والوں، یہودیوں، صابیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور مشرکوں کے درمیان اللہ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا، یقینا اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔☆ ﴿١٧﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے نیز سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور اور بہت سے انسان

ہے۔

١٥۔ يَّنْصُرَهٗ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف جاتی ہے تو اس آیت کا مطلب وہی بنتا ہے جو ترجمے میں اختیار کیا گیا اور اگر یہ ضمیر مَنْ کی طرف جاتی ہے تو مطلب یہ بنتا ہے: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اس کی مدد نہیں کرے گا وہ اپنے آپ کے ساتھ جو چاہے کرے، یہاں تک کہ اگر رسی کے ساتھ لٹک کر خود کشی کرے تو کیا اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا؟

١٧۔ ایمان والوں سے مراد مسلمان ہیں۔ ھادو سے مراد یہود ہیں، جو حضرت موسیٰ ؑ کی شریعت کے تابع ہیں۔ ان کی کتاب توریت ہے۔ بخت نصر بابل کے بادشاہ نے یہود پر فتح حاصل کی اور توریت کو جلا دیا۔ بعد میں از روئے حفظ ایک نئی توریت بنا لی گئی۔ نصاریٰ حضرت مسیح کے پیروکاروں کو کہتے ہیں۔ صابئین کا مذہب حضرت یحییٰ ؑ سے منسوب ہے۔ مجوس یعنی زرتشت کے ماننے والے۔ ان کی مقدس کتاب کو اوستا کہتے ہیں۔ عناصر کو تقدس دیتے ہیں، خصوصاً آتش کو۔ وہ روشنی اور تاریکی دو خداؤں کو مانتے ہیں۔ مشرکین سے مراد غیر اہل کتاب مشرک ہیں۔ اگرچہ بعض اہل کتاب شرک میں ملوث ہیں۔

ان مختلف ادیان کے درمیان دنیا میں فیصلہ نہیں ہو گا۔ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق ہے، اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ وَالنُّجُوۡمُ وَالۡجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيۡرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيۡرٌ حَقَّ عَلَيۡهِ الۡعَذَابُ ؕ وَمَنۡ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّكۡرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿١٨﴾ هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِىۡ رَبِّهِمۡ ۚ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِيَابٌ مِّنۡ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِيۡمُ ﴿١٩﴾ يُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَالۡجُلُوۡدُ ؕ ﴿٢٠﴾ وَلَهُمۡ مَّقَامِعُ مِنۡ حَدِيۡدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا ۗ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿٢٢﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ جن پر عذاب حتمی ہو گیا ہے اور جسے اللہ خوار کرے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں، یقینا اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔☆ ⑲ ان دونوں فریقوں نے اپنے رب کے بارے میں اختلاف کیا ہے، پس جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آتشیں لباس آمادہ ہے، ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔☆ ⑳ جس سے ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے اور کھالیں گل جائیں گے۔ ㉑ اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔ ㉒ جب وہ رنج کی وجہ سے جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو پھر اسی میں پلٹا دیے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب چکھو۔ ㉓ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے ہیں اللہ یقینا انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے ان

١٨۔ یعنی کائنات میں موجود تمام مخلوقات خواہ انسانوں کی طرح صاحب عقل ہوں یا جمادات و نباتات کی طرح بے عقل ہوں، اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں۔ اس کارواں میں پوری کائنات شامل ہے اور تمام موجودات اپنے خالق کے حضور سجدہ ریز ہیں، سوائے اس انسان کے۔ یہاں انسانوں میں بہت سے لوگ اس قافلے میں شامل نہیں ہیں۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا۔ (احزاب: ٧٢)

١٩۔ دونوں فریق ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آراء ہیں۔ حق اور باطل ایمان اور کفر پوری انسانیت کی تاریخ میں برسر پیکار ہیں۔ اگرچہ باطل کی شاخیں بے شمار ہیں، تاہم سب اہل باطل اپنے کفر میں متحد ہیں: الكفر ملة واحدة۔

تفسیر درمنثور میں آیا ہے کہ یہ آیت بدر کے اسلامی مجاہدین حمزہ و عبیدہ بن حارث اور علی علیہ السلام نیز کفار کے عتبہ و شیبہ اور ولید بن عتبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ بات صحاح میں منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: انا اول من يجثو بين يدي الرحمٰن للخصومة يوم القيامة۔ (صحیح بخاری ۹: ۷۴ ح ۶۲۶ ۴، بحار الانوار ۱۹: ۳۱۲/۳۱۳) میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو حق طلبی کے لیے قیامت کے روز اللہ کے سامنے دوزانو ہو گا۔

٢٣۔ یعنی جنت میں دنیاوی تصورات کے مطابق شاہانہ زندگی ہو گی۔ چنانچہ سونے کے کنگن بادشاہوں

تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ لُؤۡلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ ﴿۲۳﴾ وَ هُدُوۡۤا اِلَی الطَّیِّبِ مِنَ الۡقَوۡلِ ۚۖ وَ هُدُوۡۤا اِلٰی صِرَاطِ الۡحَمِیۡدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ الَّذِیۡ جَعَلۡنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الۡعَاکِفُ فِیۡهِ وَ الۡبَادِ ؕ وَ مَنۡ یُّرِدۡ فِیۡهِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۵﴾ ع وَ اِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِکۡ بِیۡ شَیۡئًا وَّ طَهِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡقَآئِمِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ

کی آرائش کی جائے گی اور ان جنتوں میں ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔☆ ﴿۲۳﴾ اور انہیں پاکیزہ گفتار کی طرف ہدایت دی گئی اور انہیں لائق ستائش (خدا) کی راہ دکھائی گئی ہے۔☆ ﴿۲۴﴾ جو لوگ کافر ہوئے اور راہ خدا میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں اور اس مسجد الحرام کی راہ میں بھی جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے بنایا ہے اور جس میں مقامی لوگ اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں اور جو اس میں زیادتی کے ساتھ کجروی کا ارادہ کرے اسے ہم ایک دردناک عذاب چکھائیں گے۔☆ ﴿۲۵﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کو مستقر بنایا (اور آگاہ کیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔☆ ﴿۲۶﴾ اور لوگوں میں حج کے لیے اعلان کرو کہ لوگ آپ کے پاس دور دراز

---

کے استعمال میں ہوتے تھے۔

۲۴۔ پاکیزہ باطن سے ہی پاکیزہ گفتار وجود میں آتی ہے۔ آخرت میں اہل جنت کے باطن پاکیزہ ہوں گے، گفتار بھی پاکیزہ ہوگی۔ چنانچہ دنیا میں پاکیزہ ہستیوں کے پاکیزہ کلام ہمارے لیے رہنما اصول ہوتے ہیں۔

۲۵۔ مسجد الحرام تمام مسلمانوں کے لیے وقف ہے۔ اس میں عبادت سے منع کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اس حق میں مقامی باشندے اور دیگر علاقوں سے آنے والے سب برابر ہیں۔

۲۶۔ یعنی اسی شریعت اور قانون کو رواج دو جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کی جا سکے، جس میں شرک کا شائبہ نہ ہو اور ساتھ ہی اس عبادت کے اہم ارکان کا ذکر فرمایا جو طواف، قیام، رکوع اور سجود سے عبارت ہیں۔

۲۷۔ وَ اَذِّنۡ: بیت اللہ کی تطہیر کے حکم کے بعد لوگوں میں حج کے اعلان کا حکم دیا جا رہا ہے۔ مخاطب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم مل رہا ہے کہ حج کا آغاز کرو۔ اس کے بعد اس اعلان ابراہیمی کے اثرات بیان فرمائے کہ لوگ قیامت تک پیدل چل کر کمزور اونٹوں تک کے ذریعے سفر طے کر کے آپ کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ چنانچہ آج حج میں لاکھوں کا مجمع اسی اذان ابراہیمی کے نتیجے میں ہے۔

ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿٣٠﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ

راستوں سے پیدل چل کر اور کمزور اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں۔☆ ﴿٢٨﴾ تاکہ وہ ان فوائد کا مشاہدہ کریں جو انہیں حاصل ہیں اور خاص دنوں میں اللہ کا نام لو ان جانوروں پر جو اللہ نے انہیں عنایت کیے ہیں، پس ان سے تم لوگ خود بھی کھاؤ اور مفلوک الحال ضرورتمندوں کو بھی کھلاؤ۔☆ ﴿٢٩﴾ پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں۔☆ ﴿٣٠﴾ بات یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کی عظمت کا پاس کرے تو اس کے رب کے نزدیک اس میں اس کی بہتری ہے اور تم لوگوں کے لیے مویشی حلال کر دیے گئے ہیں سوائے ان کے جن کے بارے میں تمہیں بتایا جائے گا، پس تم لوگ بتوں کی پلیدی سے اجتناب کرو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔ ﴿٣١﴾ صرف (ایک) اللہ کی طرف یکسو ہو کر، کسی کو اس کا شریک بنائے بغیر اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو وہ ایسا ہے گویا آسمان سے گر گیا پھر یا تو اسے پرندے

٢٨۔ اطراف عالم سے جمع ہونے والے حجاج ان روحانی و مادی فوائد کا مشاہدہ کرتے ہیں جن سے ان کے دین اور دنیا پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں آ کر حاجی اس انسان ساز تاریخ کے مختلف ادوار کی یادگاروں کا مشاہدہ کرتے ہیں جن سے اس تاریخ کے بانی حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام اور ہاجرہ گزرے ہیں۔ بے آب و گیاہ بیابان میں بچوں کا چھوڑنا، پانی کی تلاش میں حضرت ہاجرہ کا پریشان حال ہونا، بیٹے کو قربانی کے لیے اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنا، اسلامی تاریخ میں بت شکن کے وارث کی بت شکنی، فتح مکہ، تعمیر بیت اللہ وغیرہ۔

دنیوی فوائد کے اعتبار سے حج کرنے سے مالی وسعت آ جاتی ہے۔ ایک اسلامی اجتماع میں شرکت سے فکری وسعت اور سوچ میں آفاقیت آ جاتی ہے۔ اسلامی ثقافت اور تجارت میں فروغ سے دنیاوی مفادات حاصل ہو جاتے ہیں۔

٢٩۔ دوران حج کی پابندیاں قربانی کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔ آپ احرام کھول لیں، حجامت کرائیں، نہا دھو کر میل کچیل دور کریں۔ صرف عورتیں ابھی حرام ہیں۔ طواف النساء کے بعد عورتیں بھی حلال ہو جائیں گی۔

وَلْيَطَّوَّفُوْا: طواف کریں۔ اس طواف سے طواف الزیارۃ مراد لیا جاتا ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے

فِيۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ
شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾
لَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ
مَحِلُّهَاۤ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۳۳﴾ ع وَلِكُلِّ
اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا لِّيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ
عَلٰى مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ ؕ
فَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسۡلِمُوۡا ؕ وَبَشِّرِ
الۡمُخۡبِتِيۡنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَالصّٰبِرِيۡنَ عَلٰى مَاۤ
اَصَابَهُمۡ وَالۡمُقِيۡمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا
رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَالۡبُدۡنَ جَعَلۡنٰهَا
لَكُمۡ مِّنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمۡ فِيۡهَا خَيۡرٌ ۖ
فَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا

اچک لیں یا اسے ہوا اڑا کر کسی دور جگہ پھینک دے۔☆ ﴿۳۲﴾ بات یہ ہے کہ جو شعائر اللہ کا احترام کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔☆ ﴿۳۳﴾ اس (قربانی کے جانور) سے ایک معین مدت تک فائدہ اٹھانا تمہارے لیے (جائز) ہے، پھر اس کا (ذبح ہونے کا) مقام قدیم خانہ کعبہ کے پاس ہے۔ ﴿۳۴﴾ اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک دستور مقرر کیا ہے تاکہ وہ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں عطا کیے ہیں، پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس اسی کے آگے سر تسلیم خم کرو اور (اے رسول) عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔☆ ﴿۳۵﴾ جن کا یہ حال ہے کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپنے لگتے ہیں اور وہ مصیبت پر صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور نماز قائم کرنے والے ہوتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۳۶﴾ اور قربانی کے اونٹ جنہیں ہم نے تم لوگوں کے لیے شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے، پس اسے کھڑا کر کے اس پر اللہ کا

---

نزدیک اس طواف سے مراد طواف نساء ہے جو طواف الزیارۃ کے بعد بجالایا جاتا ہے، فقہ جعفریہ کے مطابق طواف نساء سے پہلے عورتیں حلال نہیں ہوتیں۔ (الکافی ۴: ۵۱۳ باب طواف النساء)

۳۱۔ اس مثال سے معلوم ہوا کہ شرک سے انسان کا انسانی تشخص ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آسمان سے گرنے والے کے جسم کے پرخچے اڑ جاتے ہیں اور پرندے اس کے جسم کے ٹکڑے اچک کر لے جاتے ہیں۔ یعنی ایک مردار کی طرح ہو جاتا ہے۔

۳۲۔ شعائر یعنی وہ چیزیں جو اطاعت الٰہی کے لیے علامات ہیں۔ جیسے صفا، مروہ اور قربانی کے اونٹ وغیرہ۔ تقویٰ وہ ہے جس کا محرک دل میں ہو، یعنی عشق الٰہی سے سرشار دل ہی تقویٰ کا محرک ہو سکتا ہے۔

۳۴۔ تم پہلی امت نہیں ہو جس کو یہ حکم مل رہا ہے۔ سب امتوں کے لیے ہم نے قربانی کا دستور دیا ہے کیونکہ تم سب کا معبود ایک ہے۔ اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

۳۶۔ قربانی کے اونٹ کے بارے میں فرمایا: جَعَلۡنٰهَا ہم نے ان کو شعائر اللہ قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کوئی چیز شعائر اللہ میں اس وقت شامل ہوتی ہے، جب اللہ اسے شعائر اللہ قرار دے۔

صَوَآفَّ: صفوں میں کھڑے اونٹوں پر اللہ کا نام لو۔ یہ اونٹوں کے نحر سے متعلق ہے کہ اونٹ باندھ کر

وَجَبَتۡ جُنُوۡبُهَا فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا
الۡقَانِعَ وَالۡمُعۡتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرۡنٰهَا
لَكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ
لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى
مِنۡكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمۡ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ
عَلٰى مَا هَدٰٮكُمۡ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۳۷﴾
اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوۡرٍ ﴿۳۸﴾ ع اُذِنَ
لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ
اللّٰهَ عَلٰى نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيۡرُ ۙ ﴿۳۹﴾ الَّذِيۡنَ
اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بِغَيۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ
يَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ
بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ

نام لو پھر جب یہ پہلو پر گر پڑے تو اس میں سے خود بھی کھاؤ اور سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے فقیر کو کھلاؤ، یوں ہم نے انہیں تمہارے لیے مسخر کیا ہے تا کہ تم شکر کرو۔☆ ﴿۳۷﴾ نہ اس کا گوشت اللہ کو پہنچتا ہے اور نہ اس کا خون بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح اللہ نے انہیں تمہارے لیے مسخر کیا ہے تا کہ اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر تم اس کی بڑائی کا اظہار کرو اور (اے رسول) آپ نیکی کرنے والوں کو بشارت دیں۔☆ ﴿۳۸﴾ اللہ ایمان والوں کا یقینا دفاع کرتا ہے اور اللہ کسی قسم کے خیانت کار ناشکرے کو یقینا پسند نہیں کرتا۔☆ ﴿۳۹﴾ جن لوگوں پر جنگ مسلط کی جائے انہیں (جنگ کی) اجازت دی گئی ہے کیونکہ وہ مظلوم واقع ہوئے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر یقینا قدرت رکھتا ہے۔☆ ﴿۴۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں، محض اس جرم میں کہ وہ یہ کہتے تھے: ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے روکے نہ رکھتا تو راہبوں کی کوٹھریاں اور گرجوں اور

کھڑی حالت میں نحر کیا جاتا ہے۔

الْقَانِعَ: گوشت کا ایک حصہ اس فقیر کو دے دیں جو قانع ہے۔ یعنی جو کچھ اسے دیا جاتا ہے، اسے قبول کرتا ہے۔ الْمُعْتَرَّ وہ ہے جو آپ کے پاس سوال کے لیے آتا ہے۔ کچھ حصہ المعتر یعنی سائل کو دیں۔

۳۷۔ جیسا کہ مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ بھینٹ چڑھا کر خون کو کعبے کی دیواروں پر ملنے سے قربانی کا خون اور گوشت اللہ کو پہنچ جاتا ہے۔

۳۸۔ اہل ایمان کا دفاع اللہ تعالی نے اپنے ذمے لیا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان بھی بنی اسرائیل کی طرح اپنے رسول ﷺ سے کہیں: آپ اور آپ کا رب لڑائی کریں، ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ اللہ ان ایمان والوں کا دفاع کرتا ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے دستور پر عمل کرتے ہیں اور دشمن کے مقابلے کے لیے اپنی پوری توانائیاں صرف کرتے ہیں۔

۳۹۔ اس آیت اور اس طرح کی دیگر متعدد آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی جنگیں صرف دفاعی حیثیت کی تھیں۔ چنانچہ اس آیت میں فرمایا کہ جہاد کا اذن ان لوگوں کے لیے ہے جن پر جنگ مسلط

وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ
كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۴۰ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ
فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ
وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ
فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ
وَّثَمُوْدُ ۝۴۲ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝۴۳
وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى
فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ
كَانَ نَكِيْرِ ۝۴۴ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ
اَهْلَكْنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى
عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝۴۵

عبادت گاہوں اور مساجد کو جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا
جاتا ہے منہدم کر دیا جاتا اور اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا جو
اس کی مدد کرے گا، اللہ یقینا بڑا طاقتور اور بڑا غالب آنے
والا ہے۔☆ (۴۰) یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں
اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوۃ ادا کریں گے اور
نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام امور
کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔☆ (۴۱) اگر لوگ آپ کی
تکذیب کرتے ہیں تو ان سے پہلے بھی تکذیب کی قوم نوح
نے اور قوم عاد اور ثمود نے، (۴۲) اور قوم ابراہیم اور قوم لوط
نے، (۴۳) اور مدین والوں نے بھی، اور موسیٰ کی بھی تکذیب
کی گئی ہے پس میں نے کفار کو پہلے مہلت دی پھر میں نے
انہیں گرفت میں لے لیا پھر (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا سخت
ہے؟ (۴۴) پھر (قابل فکر ہے) کتنی ہی بستیاں ان کے ظلم
کی وجہ سے ہم نے تباہ کیں اور وہ اپنی چھتوں پر گری
پڑی ہیں اور کتنے کنویں اور اونچے قصر بیکار پڑے ہیں۔ (۴۵)

کی گئی اور جو مظلوم واقع ہوئے اور وہ گھروں سے صرف اس جرم میں نکالے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت پہلی آیت ہے جس میں قتال کا حکم آیا ہے اور اسی لیے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے، چونکہ جہاد کا حکم مدینے میں آیا تھا۔

۴۰۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت تکوینی کے تحت کسی ایک قوم یا گروہ کو اتنی طاقت نہیں دیتا کہ وہ دوسری تمام قوموں سے جینے کا حق سلب کر لے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی کی عبادت گاہ تک محفوظ نہ رہتی بلکہ اللہ نے سب کو کسی نہ کسی طاقت کے ذریعے لگام دے رکھی ہے۔

۴۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قانونی حکومت وہ ہے جو اقتدار حاصل ہونے پر تین چیزوں کو اپنا شعار بنائے: اقامہ نماز، زکوۃ کی ادائیگی اور اصلاح معاشرہ۔ اقامہ نماز کے ذریعے اللہ سے بندگی کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور ادائے زکوۃ کے ذریعے غریبوں اور ناداروں کی کفالت حکومت کی ذمہ داری ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے عدل و انصاف قائم کرنا اسلامی حکومت کی

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ
قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ
بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ
تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿۴۶﴾
وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ
اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ
كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ﴿۴۷﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ
قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ
أَخَذْتُهَا ۖ وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿۴۸﴾ ع قُلْ يَا أَيُّهَا
النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۴۹﴾ ج
فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا
فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

۴۶۔ کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہو جاتے؟ حقیقتاً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔☆ ۴۷۔ اور یہ لوگ آپ سے عذاب جلدی طلب کر رہے ہیں اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرتا اور آپ کے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے مطابق یقینا ہزار برس کی طرح ہے۔
۴۸۔ اور بہت سی بستیاں ایسی ہیں جنہیں مہلت دیتا رہا ہوں جب کہ وہ ظلم کرنے والی تھیں، پھر میں نے انہیں گرفت میں لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ ۴۹۔ کہد یجیے: اے لوگو! میں تو تمہارے لیے صرف صریح تنبیہ کرنے والا ہوں۔
۵۰۔ پس جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔
۵۱۔ اور جو لوگ ہماری آیات کے خلاف سعی کرتے ہیں کہ

ذمہ داری ہے۔
۴۶۔ واضح رہے کہ قرآن ادب و محاورہ کی زبان میں بات کرتا ہے، چنانچہ وہ اسی محاورہ کے تحت خود اپنی ذات کے لیے دو ہاتھوں کا ذکر کرتا ہے بَلۡ یَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ یُنۡفِقُ کَیۡفَ یَشَآءُ (مائدہ: ۶۴) اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے انفاق کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی محاورہ ہے کہ بات میرے دل میں ہے، یہ راز میرے سینے میں ہے اور سینہ بہ سینہ بھی ایک محاورہ ہے، ورنہ نہ تو اللہ کے لیے دو ہاتھ ہیں، نہ ہی سوچنے کا کام دل سے لیا جاتا ہے اور نہ راز سینے میں ہوتے ہیں، یہ سب سائنسی اعتبار سے دماغ کا کام ہے، مگر محاورۃً دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔
۵۲۔ غیر امامیہ کے مصادر میں روایت کی گئی ہے: نبی اکرم ﷺ کے دل میں بات آ گئی کہ کاش قرآن میں کوئی ایسی آیت نازل ہو جائے جس سے کفار قریش کی نفرت دور ہو۔ ایک دن آپ ﷺ قریش کی ایک بڑی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ پر سورہ نجم نازل ہوا: اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَ الۡعُزّٰی ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الۡاُخۡرٰی ﴿۲۰﴾ اس جگہ آپ ﷺ کی زبان سے یہ عبارت جاری ہوئی: تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجى۔ (تحفة الأحوذی ج ۳ ص ۱۴۷ کتاب السفر باب ما جاء في السجدة في النجم) "یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں ان کی شفاعت کی ضرور امید کی جاتی ہے۔" یہ حدیث غرانیق کے نام سے مشہور ہے۔ حافظ حدیث ابن حجر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں: "۔۔۔ مگر اسناد کی کثرت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے۔" اس کے ساتھ ایک طریق سے بسند صحیح بھی نقل ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو شرح صحیح البخاری۔
ابو بکر جصاص زمخشری اور ابن جریر جیسی قد آور علمی شخصیات اس روایت کو صحیح تسلیم کرتی

| | |
|---|---|
| الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ | (ہم کو) مغلوب کریں وہ اہل جہنم ہیں۔ ﴿۵۱﴾ اور (اے رسول) آپ سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ نبی مگر جب اس نے (کامیابی کی) تمنا کی تو شیطان نے اس کی آرزو میں خلل اندازی کی لیکن اللہ شیطان کے خلل کو نابود کرتا ہے، پھر اللہ اپنی آیات کو محکم کرتا ہے اور اللہ بڑا دانا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۵۲﴾ تاکہ شیطان کی خلل اندازی کو ان لوگوں کے لیے آزمائش قرار دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل جامد ہیں اور ظالم لوگ یقینا بہت گہرے عناد میں مبتلا ہیں۔☆ ﴿۵۳﴾ اور اس لیے بھی ہے کہ جنہیں علم دیا گیا ہے وہ جان لیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، پس وہ اس پر ایمان لے آئیں اور اللہ کے سامنے ان کے دل نرم ہو جائیں اور اللہ ایمان والوں کو یقینا راہ راست کی ہدایت کرتا ہے۔☆ ﴿۵۴﴾ اور کافر لوگ تو اس کی طرف سے ہمیشہ اسی شک میں مبتلا رہیں گے یہاں |

ہیں۔ چنانچہ رشدی نے اپنی شیطانی کتاب میں اسی قسم کی روایات کو اساس بنا کر رسول اسلام ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔
جبکہ سورہ نجم بعثت کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوا ہے اور سورہ حجر کے مدنی ہونے کی صورت میں تو واضح ہے کہ ہجرت کے بعد نازل ہوا اور اگر مکی فرض کر لیا جائے تو واقعہ معراج کے بعد نازل ہوا ہے، کیونکہ اس روایت میں سورہ بنی اسرائیل کی ایک آیت کے نزول کا بھی ذکر ہے نیز سورہ نجم کی پوری عبارت بتوں کی مذمت میں ہے۔ درمیان میں انہی بتوں کے حق میں کوئی جملہ آجائے تو اس تضاد بیانی سے مشرکین کیسے متاثر ہو سکتے ہیں؟ بہر حال اس روایت کے باطل ہونے پر دیگر بہت سے شواہد موجود ہیں۔ اسی لیے امامیہ کے ساتھ بہت سے غیر امامیہ محدثین نے اس روایت کو عصمت رسول ﷺ کے منافی قرار دے کر رد کیا ہے۔ اس بے اساس روایت کو مستشرقین نے اپنی اسلام دشمنی کے اظہار کے لیے اساس قرار دیا اور اسے اچھالنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ حالانکہ یہ روایت، تاریخ نزول قرآن، متن اور سند کے اعتبار سے قابل توجہ ہی نہیں ہے۔

۵۳۔ شیطان کو خلل اندازی سے اللہ نے قانون کے ذریعے تو روکا ہے، لیکن طاقت کے ذریعے نہیں روکا۔ اسی طرح ظالم کو قانون کے ذریعے روکا ہے، طاقت کے ذریعے نہیں روکا۔ فرعونوں، نمرودوں کو مہلت مل جاتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں بنی امیہ اور بنی عباس کے ظلم و ناانصافیوں کو بھی مہلت ملی۔ یہ مہلت کیوں ملتی ہے؟ اللہ فرماتا ہے: اس مہلت سے وہ لوگ فاش ہو جاتے ہیں، جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دلوں میں حق پذیری کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ اس امتحان کے نتیجے میں فاش ہونے والوں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے اور بنی امیہ، خاص کر یزید کے حامیوں کی کمی نہیں ہے۔

۵۴۔ کڑی آزمائش کے طویل ہونے سے وہ لوگ چھن کر سامنے آتے ہیں جنہیں ان آزمائشوں میں

بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿٥٩﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ

تک کہ ان پر یکایک قیامت آ جائے گی یا نامراد دن کا عذاب ان پر آ جائے گا۔ ﴿٥٦﴾ اس روز بادشاہی صرف اللہ ہی کی ہوگی، وہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، لہٰذا جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال بجا لائے وہ نعمتوں والی جنتوں میں ہوں گے۔ ﴿٥٧﴾ اور جو کافر ہوئے اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے رہے پس ان کے لیے ذلت آمیز عذاب ہوگا۔ ﴿٥٨﴾ اور جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت اختیار کی پھر وہ مارے گئے یا مر گئے انہیں اللہ یقینا اچھی روزی سے ضرور نوازے گا اور رزق دینے والوں میں یقینا اللہ ہی بہترین ہے۔☆ ﴿٥٩﴾ وہ ایسی جگہ میں انہیں ضرور داخل فرمائے گا جسے وہ پسند کریں گے اور اللہ یقینا بڑا دانا، بڑا بردبار ہے۔☆ ﴿٦٠﴾ یہ بات اپنی جگہ درست ہے لیکن اگر کوئی شخص اتنا ہی بدلہ لے جتنا سخت برتاؤ اس کے ساتھ کیا گیا تھا پھر اس پر زیادتی بھی کی جائے تو اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا، بتحقیق اللہ بڑا درگزر کرنے والا معاف کرنے والا ہے۔☆ ﴿٦١﴾ ایسا اس لیے ہے کہ اللہ رات کو دن میں داخل

موجود مصلحتوں کا علم ہے اور ظلم و بربریت کے طویل ہونے سے ان کا ایمان متزلزل نہیں ہوا۔ بلکہ ان کے دل مزید نرم ہوتے ہیں۔

٥٨ تا ٦٢۔ ان آیات میں ربط اس طرح ہے:

i۔ جو راہ خدا میں ہجرت کرتے ہیں اور مارے جاتے ہیں یا فوت ہو جاتے ہیں، ان کو اللہ رزق حسن عنایت فرماتا ہے۔ ii بنا برایں یہ بات سنت الٰہی کے مطابق ہے کہ بدلہ لینے کے بعد ظالم اور مظلوم برابر ہو گئے۔ لیکن ظالم اس مظلوم پر پھر ظلم اور زیادتی کرے ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی مدد کرے گا۔ یعنی مظلوم کی طرف سے انتقام لینا جائز تھا، ظالم کو دوبارہ زیادتی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ iii وہ اس لیے کہ اللہ کی یہ بھی سنت ہے کہ اللہ ظلم کو عدل سے اور ناانصافی کو انصاف سے ایسے بدلتا ہے جیسے رات کو دن سے بدلتا ہے۔ iv یہ سب اس لیے کہ اس کائنات میں صرف اللہ کی ذات ہی حقیقت ہے۔ یعنی حقیقی اختیار اور تصرف کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے اور جن غیر اللہ کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ باطل ہیں۔

٦٣۔ لطیف کا معنی مہربان لیا جائے تو مطلب بنتا ہے کہ یہ اللہ کی رحمت و مہربانی ہے کہ زمین کی سرسبزی سے نہ صرف انسانوں کی تمام ضروریات کو پورا کیا بلکہ انسانوں کے رزق کی تسکین کا بھی سامان فراہم فرمایا۔ اگر لطیف کے معنی باریک بین لیا جائے تو

الَّيۡلَ فِي النَّهَارِ وَيُوۡلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيۡلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ ۝۶۱ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ هُوَ الۡبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡعَلِيُّ الۡكَبِيۡرُ ۝۶۲ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصۡبِحُ الۡاَرۡضُ مُخۡضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ ۝۶۳ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِيُّ الۡحَمِيۡدُ ۝۶۴ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي الۡاَرۡضِ وَالۡفُلۡكَ تَجۡرِيۡ فِي الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝۶۵ وَهُوَ الَّذِيۡۤ

ع ۱۵

کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا سننے والا، دیکھنے والا ہے۔☆ ۝۶۲ یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی برحق ہے اور اس کے سوا جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور یہ کہ اللہ بڑا ابرتر ہے۔☆ ۝۶۳ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا تو (اس سے) زمین سرسبز ہو جاتی ہے؟ اللہ یقیناً بڑا مہربان، بڑا باخبر ہے۔☆ ۝۶۴ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اللہ ہی بے نیاز اور لائق ستائش ہے۔☆ ۝۶۵ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین کی ہر چیز کو مسخر کر دیا ہے اور وہ کشتی بھی جو سمندر میں بحکم خدا چلتی ہے اور اسی نے آسمان کو تھام رکھا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر وہ زمین پر گرنے نہ پائے، یقیناً اللہ لوگوں پر بڑا مہربان، رحم کرنے والا ہے۔☆ ۝۶۶ اور اسی نے تمہیں حیات عطا کی پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا، انسان تو

---

مطلب یہ بنتا ہے: زمین کو سرسبز کر کے انسان کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کو پورا کیا، جن چھوٹی باتوں کی ابھی تک انسانوں کو آگاہی بھی نہیں ہے۔

۶۴۔ آسمان اور زمین اس کی ملکیت ہیں۔ اس کے لیے آسمان سے پانی نازل کرنا اور زمین کو سرسبز کرنا اپنی ملکیت میں تصرف ہے۔ یہ ملکیت کسی احتیاج اور ضرورت کے تحت نہیں ہے۔ چونکہ ہر مالک اپنے مملوک کا محتاج ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے مملوک کا محتاج نہیں ہے۔ اسی لیے آیت کے اختتام میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِيُّ یعنی اللہ بے نیاز ہے۔

۶۵۔ آسمان سے مراد وہ سب اجرام فلکی ہو سکتے ہیں جو فضاؤں میں معلق ہیں۔ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ میں ممکن ہے وہ اجرام مراد ہوں جو روزانہ لاکھوں کی تعداد میں زمین کی طرف آتے ہیں، فضا میں پاش پاش ہو جاتے ہیں اور ان کے ذرات زمین پر گرتے ہیں۔

۶۶۔ انسان کو زندگی عنایت فرما کر ارتقاء کا موقع فراہم کیا۔ پھر موت آنے کے بعد دوبارہ زندگی عنایت فرمائے گا۔ یہ زندگی ابدی زندگی ہو گی۔ پہلی مختصر زندگی سے دوسری ابدی زندگی کو سنوارنا انسان کے لیے بہت آسان تھا۔ لیکن یہ انسان بڑا ہی ناشکرا ثابت ہوا۔

أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ
الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾ لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا
مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ
فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۗ إِنَّكَ لَعَلَىٰ
هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ
اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ
تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ
مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي
كِتَابٍ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَ
يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ
بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ ۗ
وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٧١﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ

یقیناً بڑا ہی ناشکرا ہے۔☆ (٦٧) ہر امت کے لیے ہم نے
قربانی کا ایک دستور مقرر کیا ہے جس پر وہ چلتی ہے لہٰذا وہ اس
معاملے میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کی
طرف دعوت دیں، آپ یقیناً راہ راست پر ہیں۔☆
(٦٨) اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیجیے: جو کچھ
تم کر رہے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ (٦٩) اللہ بروز
قیامت تمہارے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ کرے گا جن
میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ (٧٠) کیا آپ کو علم نہیں کہ
جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ ان سب کو جانتا ہے؟ یہ
سب یقیناً ایک کتاب میں درج ہیں، یہ اللہ کے لیے یقیناً
نہایت آسان ہے۔ (٧١) اور یہ لوگ اللہ کے علاوہ ایسی
چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جن کی نہ اس نے کوئی دلیل نازل
کی ہے نہ اس کے بارے میں یہ کوئی علم رکھتے ہیں اور
ظالموں کا تو کوئی مددگار نہیں ہے۔☆ (٧٢) اور جب انہیں

٦٧۔ مشرکین قربانی کے بارے میں یہ قیاس کیا کرتے تھے کہ مسلمان جو خود مارتے ہیں اس کو کھاتے ہیں، جو خدا مارتا ہے اسے نہیں کھاتے۔ یعنی مردار۔

اس آیت کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے: ہر امت کے لیے ہم نے ایک طریقہ عبادت مقرر کیا ہے۔ ان کافروں کو یہ حق حاصل نہیں کہ آپ ﷺ نے جو طریقہ عبادت پیش کیا ہے اس میں جھگڑا کریں کیونکہ آپ نے جو طریقہ پیش کیا ہے وہ کوئی انوکھی چیز نہیں ہے۔ ہر امت کے لیے ایک طریقہ عبادت ہوا کرتا ہے۔

٧١۔ کسی عقیدے کو اختیار یا رد کرنے کے لیے دلیل ہونی چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے دلیل قائم نہیں ہو سکتی تو اس پر علم ہو تو بھی عقیدہ رکھنا درست ہے۔

کسی موقف کی سند اور تائید کے لیے دلیل اور علم نہ ہو تو کوئی اور سند نہیں جو اس موقف کی حمایت کرے۔

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ
وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ
يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ
قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ
وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ
فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ
اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ
شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ
الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿٧٣﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ
حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٧٤﴾
اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ

ہماری صریح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو آپ کافروں کے چہروں پر انکار کے آثار دیکھتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پڑھ کر انہیں سناتے ہیں یہ ان پر حملہ کرنے کے قریب ہوتے ہیں، کہد یجیے: کیا میں تمہیں اس سے بھی بری چیز کی خبر دوں؟ وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کفار سے وعدہ کر رکھا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔☆ ﴿٧٢﴾ اے لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے، اسے سنو: اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بنانے پر بھی ہرگز قادر نہیں ہیں خواہ اس کام کے لیے وہ سب جمع ہو جائیں، اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو یہ اس سے اسے چھڑا بھی نہیں سکتے، طالب اور مطلوب دونوں ناتواں ہیں۔☆ ﴿٧٣﴾ لوگوں نے اللہ کی ویسی قدر نہیں کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی، اللہ یقیناً بڑا طاقت رکھنے والا، غالب آنے والا ہے۔☆ ﴿٧٤﴾ اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے اللہ

٧٢۔ تقریباً ہر گمراہ کا یہی مزاج ہوتا ہے۔ جب اسے حق کی بات سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کا رویہ وہی ہوتا ہے، جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ آیات الٰہی کی تلاوت سے یہ کفار جس آتش حسد میں جلتے ہیں، اس سے بدتر تو ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ اس لیے یہ لوگ دنیا و آخرت دونوں میں جلنے والے ہیں۔

٧٣۔ مدد طلب کرنے والے خود بے بس ہیں اور جس سے مدد طلب کی جاتی ہے اس کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ کمزور ترین مخلوق مکھی کے سامنے بھی بے بس ہے۔ اس طرح ان کا حال یہ ہے کہ خود بھی کمزور ہیں اور ان کی امیدوں کا مرکز بھی کمزور ہے۔

٧٤۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ ناقدری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ایک مخلوق کو اپنا رب بنا لیتے ہیں اور اس سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۚ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ | یقیناً خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔ ﴿۷۶﴾ جو ان کے |
| مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ | سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اسے سب کا علم ہے اور |
| تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا | سب معاملات کی برگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔ ﴿۷۷﴾ اے |
| ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ | ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت |
| وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۷۷﴾ السجدة | کرو نیز نیک عمل انجام دو، امید ہے کہ (اس طرح) تم فلاح |
| وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ | پا جاؤ۔☆ ﴿۷۸﴾ اور راہ خدا میں ایسے جہاد کرو جیسے جہاد |
| اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ | کرنے کا حق ہے، اس نے تمہیں منتخب کیا ہے اور دین کے |
| مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ | معاملے میں تمہیں کسی مشکل سے دوچار نہیں کیا، یہ تمہارے |
| سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا | باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اس |
| لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا | (قرآن) سے پہلے اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ یہ |
| شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ | رسول تم پر گواہ رہے اور تم لوگوں پر گواہ رہو، لہٰذا نماز قائم |
| وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ | کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ کے ساتھ متمسک رہو، وہی |
| مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع | تمہارا مولا ہے سو وہ بہترین مولا اور بہترین مددگار ہے۔☆ |

۷۷۔ فلاح و نجات کے اسباب، رکوع و سجود اور ہر قدم پر اللہ کی بندگی کے دستور پر چلنے اور نیک عمل انجام دینے میں منحصر ہیں۔ یعنی ایمان کے بعد جن چیزوں پر ایمان لایا ہے، ان پر عمل کرنے میں نجات ہے۔

۷۸۔ خطاب اہل ایمان کی ایک جماعت سے ہے کہ ان کو اللہ نے چند باتوں سے نوازا ہے: i ان کو اللہ نے راہ خدا میں جہاد کے لیے منتخب کیا ہے۔ ii ان کو ایک سہل اور آسان شریعت عنایت فرمائی ہے جس میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ واضح رہے کہ نفی حرج، ایک ضابطہ ہے جس کی رو سے حرج (غیر معمولی مشقت) پر مشتمل کوئی حکم شریعت میں موجود نہیں ہے اور اگر کسی غیر حرجی حکم پر معروضی طور پر حرج لازم آئے تو اس حکم کی نفی ہو جاتی ہے۔ مثلاً وضو کے لیے پانی استعمال کرنے میں اگر حرج ہے یعنی غیر معمولی مشقت برداشت کرنا پڑے تو وضو کا حکم اٹھ جاتا ہے اور اس کی جگہ تیمم کا حکم آتا ہے۔ نفی حرج اس امت پر اللہ کی رحمت ہے۔ iii تمام انبیاء کے پیروکار مسلم کہلاتے ہیں۔ ابراہیمی، موسوی، مسیحی اور محمدی نہیں کہلاتے۔ حالانکہ سیاق آیت سے واضح ہے کہ اس الٰہی پیغام کے تمام ماننے والوں کے لیے حضرت ابراہیم ؑ کے زمانے سے مسلم نام رکھا گیا ہے۔ هُوَ سَمّٰىكُمْ اور اجْتَبٰىكُمْ کے مخاطبین کے بارے میں مولانا مودودی کا سہو قلم اور تضاد بیانی قابل مطالعہ ہے۔ یہ خطاب مؤمنین کی ایک برگزیدہ جماعت کے لیے ہونے پر قرائن موجود ہیں۔ وہ ہیں: اجْتَبٰىكُمْ اللہ نے تمہیں منتخب کیا ہے۔ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ تمہارے باپ ابراہیم۔ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اور تم لوگوں پر گواہ رہو۔ ظاہر ہے کہ سب لوگوں میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ یہ ایسا ہے کہ جیسا کہ بنی اسرائیل سے خطاب میں فرمایا: وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔ (مائدہ: ۲۰) ظاہر ہے سب کو بادشاہ نہیں بنایا۔

آیاتها ۱۱۸ | ۲۳ سُوۡرَةُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ مَكِّيَّةٌ ۷۴ | رکوعاتها ۶

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱ الَّذِيۡنَ هُمۡ
فِىۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۝۲ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ
عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۝۳ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ
لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوۡنَ ۝۴ وَ الَّذِيۡنَ هُمۡ
لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ
اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ
مَلُوۡمِيۡنَ ۝۶ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۝۷ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ
لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۝۸ وَالَّذِيۡنَ
هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ۝۹ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۝۱۰ الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ

سورہ مؤمنون۔مکی۔آیات ۱۱۸

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) وہ ایمان والے یقینا فلاح پا گئے ☆ (۲) جو اپنی نماز
میں خشوع کرنے والے ہیں، (۳) اور جو لغویات سے منہ
موڑنے والے ہیں، (۴) اور جو زکوۃ کا عمل انجام دینے
والے ہیں، (۵) اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے
والے ہیں، (۶) سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو
ان کی ملکیت ہوتی ہیں کیونکہ ان پر کوئی ملامت نہیں
ہے۔☆ (۷) لہذا جو ان کے علاوہ اوروں کے طالب ہو
جائیں تو وہ زیادتی کرنے والے ہوں گے۔ (۸) اور وہ جو
اپنی امانتوں اور معاہدوں کا پاس رکھنے والے ہیں، (۹) اور
جو اپنی نمازوں کی محافظت کرنے والے ہیں، (۱۰) یہی
لوگ وارث ہوں گے، (۱۱) جو (جنت) فردوس کی میراث

سورہ مؤمنون

۱۔ فلاح و کامیابی کے لیے ایمان شرط ہے۔ ایمان دل سے باور کرنے اور یقین حاصل کرنے کا نام ہے۔ اگر صرف عدم انکار ہو تو اسے اسلام کہتے ہیں، جس پر صرف ظاہری احکام اسلام مرتب ہوتے ہیں مثلا حلیت ذبیحہ ومناکحہ وغیرہ۔ ایمان کے بعد فلاح کے لیے دوسری شرط نماز میں خشوع و انکساری ہے۔ واضح رہے کہ نماز خشوع قلب کے ساتھ قبول ہو گی اور نماز کی قبولیت پر ثواب و رضائے رب مترتب ہوتی ہے۔ اگر قبول نہ ہو تو ثواب نہیں ہے۔ نماز بجا لانے کی وجہ سے عذاب بھی نہیں ہے۔

تیسری شرط لغویات سے اجتناب ہے۔ لغو اس عمل کو کہتے ہیں جس کا فائدہ نہ دنیا کے لیے ہو اور نہ آخرت کے لیے۔ چوتھی شرط زکوۃ کا ادا کرنا ہے۔ واضح رہے کہ ہر قسم کے مال کا انفاق زکوۃ ہے، آگے اس کی اصطلاحات مختلف ہیں۔ مثلا خمس، فطرہ، عشر وغیرہ۔ پانچویں شرط پاکدامنی و عفت ہے۔ چھٹی شرط امانتوں کی ادائیگی اور معاہدوں کی پابندی ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں باتیں اسلام کے نزدیک انسانی حقوق میں شامل ہیں۔ فریق مقابل خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اس کے معاملے میں امانت کی ادائیگی اور معاہدوں کی پاسداری لازمی

ہے۔ ساتویں شرط نمازوں کی محافظت ہے۔ یعنی نماز کے اوقات اور حدود کی محافظت۔ ایسے لوگ جنت فردوس کے مالک و وارث ہوں گے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے لیے دو مقام نہ ہوں: ایک جنت میں اور ایک جہنم میں۔ پس اگر کوئی جہنم جاتا ہے تو جنت میں اس کے مقام کے وارث اہل جنت ہوں گے۔ یعنی اپنے اعمال کی جزا میں جو مقام ملے گا یہ اس کے علاوہ ہے اور بغیر زحمت کے اللہ کی طرف سے عنایۃً مل رہا ہے۔ اس لیے اس کو وراثت سے تعبیر فرمایا ہے۔

۶۔ اس آیت سے لوگ حرمت متعہ پر استدلال کرتے

الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑪ وَلَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ⑫
ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۪ ⑬ ثُمَّ
خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا
الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ ⑭ ثُمَّ
اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ؕ ⑮ ثُمَّ اِنَّكُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ⑯ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ
الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ⑰ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ
مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَ
اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ ⑱ فَاَنْشَاْنَا

پائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۱۱) اور بتحقیق ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے بنایا۔ (۱۲) پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ پر نطفہ بنا دیا۔☆ (۱۳) پھر ہم نے نطفے کو لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کو بوٹی کی شکل دی پھر بوٹی سے ہڈیاں بنا دیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا، پس بابرکت ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین خالق ہے☆ (۱۴) پھر اس کے بعد تم بلاشبہ مرجاتے ہو۔ (۱۵) پھر تمہیں قیامت کے دن یقیناً اٹھایا جائے گا۔ (۱۶) اور بتحقیق ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے ہیں اور ہم تخلیقی کارناموں سے غافل نہیں ہیں۔☆ (۱۷) اور ہم نے آسمان سے ایک خاص مقدار میں پانی برسایا پھر اسے زمین میں ہم نے ٹھہرایا اور ہم یقیناً اسے ناپید کرنے پر بھی قادر ہیں۔☆ (۱۸) پھر ہم نے اس سے تمہارے لیے

ہیں کہ متعہ والی عورت نہ تو ازواج کے حکم میں شامل ہے اور نہ لونڈی کے حکم میں ہے۔ جبکہ اسی آیت سے یہ ثابت ہے کہ متعہ والی عورت ازواج میں شامل ہے۔ کیونکہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے اور متعہ دور مکی میں بالاتفاق جائز اور مشروع تھا۔

غیر امامیہ کا اس بات میں اختلاف ہے کہ متعہ کی حرمت کا حکم خیبر کے موقع پر آیا تھا یا فتح مکہ کے سال۔ لہٰذا اس آیت کے نزول کے موقع پر جب متعہ جائز تھا تو متعہ والی عورت لونڈی یقیناً نہیں تھی، لہٰذا ازواج میں یقیناً شامل تھی۔ بعض اہل قلم کا قانونِ متعہ پر اعتراض قابل مطالعہ ہے جو فی الحقیقت اس کے مقنن پر اعتراض ہے۔

۱۳۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً: پھر ہم نے اس مٹی کو نطفہ بنا دیا۔ اس وقت تک کی معلومات کے مطابق نطفہ نصف سیل (Cell) کا نام ہے جو جرثومہ پدر اور تخم مادر سے عبارت ہے۔ آیت کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب جرثومہ پدر تخم مادر کے ساتھ مل جاتا ہے تو نطفہ وجود میں آتا ہے۔ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ اس نطفے کو ایسے مستقر میں رکھ دیا جو مکین یعنی طاقتور ہے۔ جو اس نطفے کو تحفظ دے سکتا اور اس کی پرورش کر سکتا ہے۔ یہ طاقتور جگہ رحم مادر ہے۔

۱۴۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ: حیات و شعور کا مالک بنا دیا۔ حیات اس کائنات کی پراسرار مخلوق اور اپنے خالق کی خلاقیت کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

۱۷۔ سات آسمان کی جگہ سات راستوں کا ذکر قابل توجہ ہے۔ کیا آسمان راستوں سے عبارت ہے یا کیا آسمانوں کی تعداد کے مطابق سات راستے ہیں۔ دونوں صورتوں میں معلوم ہوا زمین پر اللہ کی تدبیر پر مشتمل احکام سات آسمانوں یا سات راستوں سے آتے ہیں۔ اسی لیے آیت کے آخر

وقف لازم

لَكُمۡ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ ۘ لَكُمۡ
فِيۡهَا فَوَاكِهُ كَثِيۡرَةٌ وَّ مِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۙ﴿۱۹﴾
وَ شَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ
بِالدُّهۡنِ وَ صِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِنَّ
لَكُمۡ فِي الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا
فِيۡ بُطُوۡنِهَا وَ لَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ كَثِيۡرَةٌ
وَّ مِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۙ﴿۲۱﴾ وَ عَلَيۡهَا وَ عَلَى الۡفُلۡكِ
تُحۡمَلُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ع وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى
قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ
مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ
الۡمَلَؤُا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ
مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ يُرِيۡدُ
اَنۡ يَّتَفَضَّلَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ

کھجوروں اور انگور کے باغات پیدا کیے جن میں تمہارے لیے بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ (۲۰) اور اس درخت کو بھی پیدا کیا جو طور سینا سے نکلتا ہے اور کھانے والوں کے لیے تیل اور سالن لے کر اگتا ہے۔☆ (۲۱) اور تمہارے لیے جانوروں میں یقینا ایک درس عبرت ہے، ان کے شکم سے ہم تمہیں (دودھ) پلاتے ہیں اور ان میں تمہارے لیے (دیگر) بہت سے فوائد ہیں اور ان میں سے کچھ کو تم کھاتے بھی ہو۔☆ (۲۲) اور ان جانوروں پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو۔☆ (۲۳) اور بتحقیق ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، پس نوح نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم بچتے نہیں ہو؟ (۲۴) تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: یہ تو بس تم جیسا بشر ہے، جو تم پر اپنی بڑائی چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کرتا، ہم نے اپنے پہلے باپ

میں فرمایا: ہم تخلیقی عمل سے غافل نہیں ہیں۔ اس جملے کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: ہم مخلوقات سے غافل نہیں ہیں کہ خلق کرنے کے بعد ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔

۱۸۔ ممکن ہے اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اہل ارض کے لیے ایسا وقت بھی آ سکتا ہے کہ وہ پانی کی قلت کا شکار ہو جائیں۔

فَاَسۡكَنّٰهُ فِی الۡاَرۡضِ۔ پھر اس پانی کو ہم نے زمین میں ٹھہرایا۔ اس سے واضح ہوا کہ قرآن نے چودہ صدیوں پہلے یہ بات واضح کر دی تھی کہ زیر زمین آبی ذخائر کا تعلق بارشوں سے ہے۔ جبکہ انسان کو بہت بعد میں اس حقیقت کا علم ہوا۔

۲۰۔ ان درختوں کا خاص طور پر ذکر، ممکن ہے ان کی افادیت کی وجہ سے ہو اور ممکن ہے کہ اس لیے بھی ہو کہ یہ درخت سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال تک پھل دیتے رہتے ہیں۔

۲۱۔ حیوانات انسان کے لیے مسخر ہیں۔ جیسا کہ کائنات کی تمام مادی اشیاء انسان کی خدمت کے لیے مسخر ہیں۔ چنانچہ حیوانات سے انسان دودھ، گوشت، اون، سواری وغیرہ کے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

۲۲۔ پانی کی سنگینی، کشتی کی خفت اور ہوا کی روانی، ان تین چیزوں کی ہم آہنگی سے پانی پر کشتی رانی ممکن ہوئی۔ ان عناصر کا باہمی ربط بتاتا ہے کہ اس کی تخلیق کے پیچھے ایک باشعور ذات کا ارادہ کارفرما ہے۔

۲۴۔ وہ اس دعوت کو ذاتی مفاد پر محمول کرتے ہیں کہ

لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِکَۃً ۚۖ مَّا سَمِعۡنَا بِہٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۲۴﴾ ۚ اِنۡ ہُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِہٖ جِنَّۃٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِہٖ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِیۡ بِمَا کَذَّبُوۡنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِ اَنِ اصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَ وَحۡیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ فَاسۡلُکۡ فِیۡہَا مِنۡ کُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ وَ اَہۡلَکَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡہِ الۡقَوۡلُ مِنۡہُمۡ ۚ وَ لَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّہُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسۡتَوَیۡتَ اَنۡتَ وَ مَنۡ مَّعَکَ عَلَی الۡفُلۡکِ فَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ نَجّٰىنَا مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۸﴾ وَ قُلۡ رَّبِّ اَنۡزِلۡنِیۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَکًا

دادا سے یہ بات کبھی نہیں سنی۔☆ ﴿۲۵﴾ بس یہ ایک ایسا شخص ہے جس پر جنون کا عارضہ ہوا ہے لہٰذا کچھ دیر انتظار کرو۔ ﴿۲۶﴾ نوح نے کہا: اے میرے رب! انہوں نے جو میری تکذیب کی ہے اس پر تو میری مدد فرما۔ ﴿۲۷﴾ پس ہم نے نوح کی طرف وحی کی (اور کہا) ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ، پھر جب ہمارا حکم آ جائے اور تنور ابلنا شروع کر دے تو ہر قسم کے (جانوروں کے) جوڑوں میں سے دو دو سوار کرو اور اپنے گھر والوں کو بھی، ان میں سے سوائے ان لوگوں کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ صادر ہو چکا ہے اور (اے نوح) ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا کہ یہ اب یقینا غرق ہونے والے ہیں۔☆ ﴿۲۸﴾ اور جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر سوار ہو جائیں تو کہیں: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دلا دی۔ ﴿۲۹﴾ اور کہیں: میرے رب! ہمیں بابرکت جگہ اتارنا اور تو بہترین جگہ دینے والا

---

حضرت نوح ؑ ان پر اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ اس دعوت کو اپنی ظرفیت کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

۲۷۔ نوح ؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا کہ طوفان سے نجات اللہ کی طرف سے ہوگی، مگر ہاتھ پر ہاتھ دھرنے والوں کے لیے نہیں، اس کے لیے اپنے ممکنہ وسائل کو بروئے کار لانے کی کوشش شرط ہے۔

وَفَارَ التَّنُّوۡرُ: آتش کی جگہ سے پانی کا ابلنا خود ایک معجزہ ہے۔

مِنۡ کُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ: جوڑوں میں سے دو، دو تاکہ نسلوں کو تحفظ اور بقا ملے۔ اس سے معلوم ہوا انسان کے کام آنے والے جانوروں کو تحفظ دینا چاہیے۔ حدیث میں آیا ہے: حرمۃ مال المسلم کحرمۃ دمہ۔ (عوالی اللآلی ۳: ۴۷۳) مسلمان کے مال کو وہی تحفظ حاصل ہے جو اس کے خون کو ہے۔

۳۱۔ اس قوم سے مراد قوم عاد ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف آیت ۶۹ میں عاد کے بارے میں فرمایا:

وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ

۳۴۔ مراعات یافتہ لوگ ہمیشہ تمام مراعات کو اپنا فطری حق تصور کرتے ہیں۔ لہٰذا ان مراعات کے منافی ہر فکر کو رد کرنے میں یہ لوگ پیش پیش ہوتے تھے۔ دوسری بات وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انسان

وَّ اَنۡتَ خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ وَّاِنۡ كُنَّا لَمُبۡتَلِيۡنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا
مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرۡسَلۡنَا
فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۳۲﴾ ع
وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
وَكَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ وَاَتۡرَفۡنٰهُمۡ
فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثۡلُكُمۡ ۙ يَاۡكُلُ مِمَّا تَاۡكُلُوۡنَ مِنۡهُ وَ
يَشۡرَبُ مِمَّا تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلَـئِنۡ اَطَعۡتُمۡ
بَشَرًا مِّثۡلَـكُمۡ اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۳۴﴾
اَيَعِدُكُمۡ اَنَّكُمۡ اِذَا مِتُّمۡ وَكُنۡتُمۡ تُرَابًا
وَّعِظَامًا اَنَّكُمۡ مُّخۡرَجُوۡنَ ﴿۳۵﴾ هَيۡهَاتَ

ہے۔ (۳۰) اس (واقعے) میں یقینا نشانیاں ہیں اور ہم
آزمائش کرگزریں گے۔ (۳۱) پھر ان کے بعد ہم نے ایک
اور قوم کو پیدا کیا۔☆ (۳۲) پھر خود انہی میں سے ایک رسول
ان میں مبعوث کیا، (جس کی دعوت یہ تھی کہ لوگو) اللہ کی
بندگی کرو تمہارے لیے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے کیا
تم بچنا نہیں چاہتے؟ (۳۳) اور ان کی قوم کے کافر سرداروں
نے جو آخرت کی ملاقات کی تکذیب کرتے تھے اور جنہیں
ہم نے دنیاوی زندگی میں آسائش فراہم کر رکھی تھی کہا:
یہ تو بس تم جیسا بشر ہے، وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور
وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ (۳۴) اور اگر تم نے اپنے جیسے
کسی بشر کی اطاعت کی تو بے شک تم خسارے میں رہو
گے۔☆ (۳۵) کیا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مرجاؤ
گے اور تم خاک اور ہڈی ہو جاؤ گے تب تم نکالے جاؤ گے؟

الٰہی رسالت کا اہل نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص اس رسالت کا مدعی ہے وہ کوئی نرالی مخلوق تو ہے نہیں کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان واسطہ بن جائے۔ اس کے پاس وہی وسائل ہیں جو ہمارے پاس ہیں۔ اس کے پاس کان ہیں تو ہمارے پاس بھی کان ہیں۔ وہ وحی کو سن لیتا ہے، ہم کیوں نہیں سنتے۔ حتیٰ کہ اس کی ضروریات زندگی بھی ہماری طرح ہیں، جیسے ہم کھاتے پیتے ہیں یہ رسول بھی کھاتا پیتا ہے۔

قرآن نے متعدد مقامات پر اس کا جواب دیا ہے۔ سورہ انعام آیت ۹ میں فرمایا: وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَـكًا لَّجَـعَلۡنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّا يَلۡبِسُوۡنَ۔ اگر ہم اس رسول کو فرشتہ قرار دیتے تو مردانہ شکل میں قرار دیتے اور ہم انہیں اسی شبہ میں مبتلا کرتے جس میں وہ اب ہیں۔ کیونکہ اس فرشتہ رسول کو بھی نمونہ عمل بننا پڑتا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں۔ اس طرح ساری بشری خصوصیات اس فرشتے میں موجود ہوتیں تو اس صورت میں تم نے پھر یہی کہنا تھا: یہ تو ہم جیسا بشر ہے۔

۴۱۔ بِالۡحَقِّ یعنی وعدہ حق کے مطابق ان کو اور ان کی رہائش گاہوں کو خس و خاشاک میں تبدیل کر دیا۔

غُثَآءً: انہیں خس و خاشاک میں تبدیل کر دیا۔ غثاء اس خس و خاشاک کو کہتے ہیں جسے سیلابی پانی بہا کر لے جاتا ہے۔

هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝۳۶ اِنْ هِيَ اِلَّا
حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ
بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۳۷ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ
افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ
لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۳۸ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا
كَذَّبُوْنِ ۝۳۹ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ
نٰدِمِيْنَ ۝۴۰ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ
فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ
قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۴۲ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ
اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۴۳ ثُمَّ
اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً
رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا

(۳۶) جس بات کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے بعید ہی بعید ہے۔ (۳۷) بس یہی دنیاوی زندگی ہے جس میں ہمیں مرنا اور جینا ہے اور ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔ (۳۸) یہ تو بس ایسا آدمی ہے جو اللہ پر جھوٹی نسبت دیتا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (۳۹) عرض کیا: میرے رب! ان لوگوں کی تکذیب پر میری نصرت فرما۔ (۴۰) اللہ نے فرمایا: تھوڑے وقت میں یہ لوگ پشیمان ہو جائیں گے۔ (۴۱) چنانچہ (وعدہ) حق کے مطابق زوردار آواز نے انہیں گرفت میں لے لیا تو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا کر رکھ دیا، پس (رحمت حق سے) دور ہو یہ ظالم قوم۔☆ (۴۲) پھر ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کیں۔☆ (۴۳) کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے جا سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔☆ (۴۴) پھر ہم نے یکے بعد دیگرے برابر اپنے رسول بھیجے، جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آتا تو وہ اس کی تکذیب کرتی تو ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک

۴۲۔ ان قوموں اور رسولوں کا صراحتاً ذکر نہیں آیا اور قرینہ سے ظاہر ہے کہ حضرت نوح ؑ کے بعد کے انبیاء اور قوموں سے مراد قوم ہود ؑ اور قوم صالح ؑ وغیرہ ہیں۔

۴۳۔ افراد کی طرح قوموں کی بھی عمریں معین ہوتی ہیں اور یہ قومیں خود اپنی زندگی کا تعین اپنے کردار کے ذریعے کرتی ہیں۔ پس ان کے اپنے کردار پر مترتب ہونے والی عمر نہ کوئی بڑھا سکتا ہے، نہ گھٹا سکتا ہے۔

۴۴۔ حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان آنے والے متواتر انبیاء کا اجمالی ذکر ہے کہ ان سب انبیاء اور ان کی قوموں کے ساتھ سنت الٰہی یکساں رہی ہے۔ چونکہ ان سب قوموں نے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ نے ان پر حجت پوری کرنے کے بعد ان کو ایسے تباہ کیا کہ اب ان کی صرف عبرت آموز داستانیں ہی رہ گئی ہیں۔ اَحَادِیْث، اُحْدُوْثَۃ کی جمع ہے۔ یعنی داستانیں۔

۴۷۔ عٰبِدُوْنَ: یہاں رام اور مطیع و فرمانبردار کے معنوں میں ہے۔ اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ کسی کی اطاعت کرنا بھی عبادت ہے۔

۵۰۔ رَبْوَۃٍ سطح مرتفع کو کہتے ہیں۔ یہ علم نہیں ہو سکا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ بعض کے نزدیک مرتلہ ہے، بعض کے نزدیک دمشق اور مسیحی روایات کے مطابق اس سے مراد مصر ہے، جس کی طرف حضرت

وَّ جَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِیۡثَ ۚ فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی وَ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ ۬ۙ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ۙ۴۵﴾ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَ کَانُوۡا قَوۡمًا عَالِیۡنَ ﴿ۚ۴۶﴾ فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَیۡنِ مِثۡلِنَا وَ قَوۡمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ ﴿ۚ۴۷﴾ فَکَذَّبُوۡهُمَا فَکَانُوۡا مِنَ الۡمُهۡلَکِیۡنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ لَعَلَّهُمۡ یَهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَ جَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡیَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰیَةً وَّ اٰوَیۡنٰهُمَاۤ اِلٰی رَبۡوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیۡنٍ ﴿ؑ۵۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ﴿ؕ۵۱﴾ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُکُمۡ

کرتے رہے اور ہم نے انہیں افسانے بنا دیا، (رحمت حق سے) دور ہوں جو ایمان نہیں لاتے۔☆ ﴿۴۵﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔ ﴿۴۶﴾ فرعون اور ان کے درباریوں کی طرف مگر انہوں نے تکبر کیا اور وہ بڑے متکبر لوگ تھے۔ ﴿۴۷﴾ اور کہنے لگے: کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں جب کہ ان کی قوم ہماری تابعدار ہے؟☆ ﴿۴۸﴾ پھر انہوں نے دونوں کی تکذیب کی، (نتیجے کے طور پر) وہ ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو گئے۔ ﴿۴۹﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اس امید پر کتاب دی کہ وہ (لوگ) اس سے رہنمائی حاصل کر لیں گے۔ ﴿۵۰﴾ اور ابن مریم اور ان کی والدہ کو ہم نے ایک نشانی بنایا اور انہیں ہم نے ایک بلند مقام پر جگہ دی جہاں اطمینان تھا اور چشمے پھوٹتے تھے۔☆ ﴿۵۱﴾ اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل صالح بجا لاؤ، جو عمل تم کرتے ہو میں اسے خوب جاننے والا ہوں۔☆ ﴿۵۲﴾ اور

---

مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد ملک شام کے حاکم ہیرودیس کے خوف سے ہجرت کی تھی۔

۵۱۔ پاکیزہ چیزیں اور عمل صالح بجا لانے میں گہرا ربط ہے۔ پاکیزہ اور حلال چیزیں کھانے سے ضمیر بیدار، نفس پاک اور شفاف رہتا ہے، جس سے عمل صالح بجا لانے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی بلکہ پاکیزہ نفس، عمل صالح بجا لانے پر انسان کو آمادہ کرتا ہے اور ذکر خدا سے اس کو سکون ملتا ہے۔

۵۳۔ یعنی اللہ نے تو متواتر انبیاء بھیج کر، تمام انسانوں کو ایک ہی خدا اور ایک ہی دین کی طرف دعوت دے کر، سب کو ایک امت بنایا تھا، مگر لوگ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ اپنے مذہب و دین پر خوش ہے۔

۵۴۔ فَذَرۡهُمۡ یعنی ان کو اپنی غفلت میں چھوڑ دو۔ یہ سب سے بڑی سزا ہے کہ اللہ نے ان سے اپنی رحمت کا ہاتھ اٹھا لیا۔ اسی لیے مؤمن کو ہمیشہ یہ دعا کرنی چاہیے، جو امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے: رَبِّ لَا تَکِلۡنِی اِلٰی نَفۡسِی طَرۡفَةَ عَیۡنٍ اَبَداً۔ (الکافی ۲: ۵۸۱) میرے رب! مجھے ایک لمحے کے لیے بھی میرے حال پر نہ چھوڑ۔

۵۵۔ ان کا یہ گمان درست نہیں ہے کہ جن کو اللہ نے مال و دولت اور مہلت دے رکھی ہے، یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ انہیں اس بات کا ادراک نہیں کہ یہ

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾
فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ
حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ
فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ
اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ﴿۵۵﴾
نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ
رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ
رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ
لَا يُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ
اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ
رٰجِعُوْنَ ۙ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي
الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا

تمہاری یہ امت یقینا امت واحدہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا مجھ ہی سے ڈرو۔ ﴿۵۲﴾ مگر لوگوں نے اپنے (دینی) معاملات میں تفرقہ ڈال کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اب ہر فرقہ اپنے پاس موجود (نظریات) پر خوش ہے۔☆ ﴿۵۳﴾ انہیں ایک مدت تک اپنی غفلت میں پڑا رہنے دیجیے۔☆ ﴿۵۴﴾ کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو انہیں مالا مال کرتے ہیں، ☆ ﴿۵۵﴾ تو ہم انہیں تیزی سے بھلائی پہنچا رہے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ ﴿۵۶﴾ (حقیقت یہ ہے کہ) جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ہراساں ہیں، ☆ ﴿۵۷﴾ اور جو اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں، ﴿۵۸﴾ اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے، ﴿۵۹﴾ اور جو کچھ وہ دیتے ہیں اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل اس بات سے لرز رہے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿۶۰﴾ یہی لوگ ہیں جو نیکی کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں اور یہی لوگ نیکی میں سبقت لے جانے والے ہیں۔☆ ﴿۶۱﴾

مہلت و دولت ان کے لیے ایک امتحان ہے اور موجب عذاب۔

۵۷۔ خدا ایسی ذات نہیں جس سے خوف آ جائے، وہ تو ارحم الراحمین، غفور الرحیم ہے، بلکہ خوف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عدل سے خوف آ جائے اور عدل سے خوف، ہمیشہ خلاف ورزی کی صورت میں آتا ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ خلاف ورزی کرنے والوں کو عدل خداوندی سے خوف کھانا چاہیے۔

۶۱۔ ربط کلام یہ ہے کہ جن کو ہم نے دنیا میں مال و دولت دے کر مہلت دے رکھی ہے، یہ ان کے لیے بھلائی کا باعث نہیں ہے۔ بھلائی میں سبقت لے جانے والے لوگ وہ ہیں جو اللہ کی نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں، شرک کا ارتکاب نہیں کرتے، اللہ نے جو ان پر فضل کیا ہے اس میں فیاضی کرتے ہیں اور خوف خدا دل میں رکھتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ اللہ کی رضایت کے لیے نیک اعمال انجام دیتے ہوئے دل میں خوف رکھتے ہیں کہ نہ معلوم میرا یہ عمل صحیح ہے، قبول درگاہ ہے۔ حقیقی بندگی یہی ہے کہ اس کی بندگی کر کے اپنے اس عمل کو ہیچ سمجھے اور بندگی کا حق ادا نہ ہونے پر استغفار کرے۔ چنانچہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کا استغفار کرنا اسی نوعیت کا ہوتا ہے۔

۶۲۔ اللہ تعالیٰ خود اس انسان کا خالق ہے، وہی اس کی طاقت و قابلیت سے خوب واقف ہے۔ اسی کے

نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ
يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۲ بَلْ
قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ
مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝۶۳ حَتّٰٓى
اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا
هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝۶۴ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ قف
اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۶۵ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ
تَنْكِصُوْنَ ۝۶۶ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا
تَهْجُرُوْنَ ۝۶۷ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ
اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ
الْاَوَّلِيْنَ ۝۶۸ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ
فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝۶۹ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ

(۶۲) اور ہم کسی شخص پر اس کی قوت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتے اور ہمارے پاس وہ کتاب ہے جو حقیقت بیان کرتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔☆ (۶۳) مگر ان (کافروں) کے دل اس بات سے غافل ہیں اور اس کے علاوہ ان کے دیگر اعمال بھی ہیں جن کے یہ لوگ مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔☆ (۶۴) حتیٰ کہ جب ہم ان کے عیش پرستوں کو عذاب کے ذریعے گرفت میں لیں گے تو وہ اس وقت چلا اٹھیں گے۔☆ (۶۵) آج مت چلاؤ! تمہیں ہم سے یقینا کوئی مدد نہیں ملے گی۔ (۶۶) میری آیات تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو اس وقت تم الٹے پاؤں پھر جاتے تھے۔ (۶۷) تکبر کرتے ہوئے، افسانہ گوئی کرتے ہوئے، بیہودہ گوئی کرتے تھے۔☆ (۶۸) کیا انہوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا یا ان لوگوں کے پاس کوئی ایسی بات آئی ہے جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی؟ (۶۹) یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا ہی نہیں جس کی وجہ سے وہ اس کے منکر ہو گئے ہیں؟ (۷۰) یا وہ یہ کہتے ہیں: وہ مجنون ہے؟ نہیں بلکہ وہ

---

مطابق اس پر ذمہ داری ڈالتا ہے اور اس کی استطاعت سے زیادہ اس پر ذمہ داری نہیں ڈالتا۔ اگر کسی حکم میں کوئی ایسا امر عارض ہو گیا جو مکلف کی طاقت سے باہر ہے تو اس حکم کی نفی ہو جاتی ہے۔ مثلاً حکم تو ہے اٹھ کر نماز پڑھنے کا، لیکن اٹھنا ممکن نہ ہونے کی صورت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم اٹھ جاتا ہے اور بیٹھ کر نماز پڑھنا کافی ہے۔
اس کے بعد فرمایا: ہمارے پاس تمام اعمال کے لیے ایک ایسی کتاب ہے جس میں اعمال درج ہو جاتے ہیں اور کسی کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا۔

۶۳۔ یعنی کافروں کے دل مِّنْ هٰذَا مذکورہ نیک عمل سے غافل ہیں اور نیک اعمال کی جگہ وہ دیگر اعمال زشت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۶۴۔ حق و حقیقت سے زیادہ تر وہ لوگ غافل رہتے ہیں جو دنیا کے ناز و نعمت کے تاریک پردوں کے پیچھے زندگی گزارتے ہیں۔

۶۷۔ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ میں بِهٖ کا مرجع النکوص ہے۔ بعض کے نزدیک قرآن ہے، یعنی قرآن سے سرکشی کرتے ہوئے۔ سٰمِرًا رات کو خوش گپی کرنا۔

۷۱۔ لوگوں کی خواہشات ایک دوسرے کے ساتھ متصادم ہوتی ہیں اور تصادم کا نتیجہ فساد ہے، جبکہ حق سب کے لیے یکساں ہوتا ہے جس میں کوئی تصادم نہیں ہے۔
لہٰذا حق کبھی خواہشات کے تابع نہیں ہو سکتا۔

جَنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ
لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝۷۰ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ
اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ
بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ
مُّعْرِضُوْنَ ۝۷۱ ؕ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ
رَبِّكَ خَيْرٌ ۖۗ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۷۲ وَ
اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۷۳
وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝۷۴ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ
وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۷۵ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ
بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا

ان لوگوں کے پاس حق لے کر آئے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ ۝۷۰ اور اگر حق ان لوگوں کی خواہشات کے مطابق چلتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ ہو جاتے، بلکہ ہم تو ان کے پاس خود ان کی اپنی نصیحت لائے ہیں اور وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑتے ہیں۔☆ ۝۷۱ یا (کیا) آپ ان سے کوئی خراج مانگتے ہیں؟ (ہرگز نہیں کیونکہ) آپ کے رب کا دیا ہوا سب سے بہتر ہے اور وہی بہترین رازق ہے۔☆ ۝۷۲ اور آپ تو انہیں یقینا صراط مستقیم کی دعوت دیتے ہیں۔ ۝۷۳ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقینا وہ راستے سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ ۝۷۴ اور اگر ہم ان پر رحم کر دیں اور انہیں جو تکلیف لاحق ہے اسے دور کر بھی دیں پھر بھی یہ لوگ اپنی سرکشی میں برابر بھٹکتے جائیں گے۔ ۝۷۵ اور بتحقیق ہم نے تو انہیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا تھا لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے رب سے نہ عاجزی کا اظہار کیا نہ زاری

دوسرے لفظوں میں دین حق فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ حق اگر خواہشات کے تابع ہو جائے تو فطرت کو چھوڑنا پڑے گا اور فطرت کو چھوڑنے میں آسمانوں اور زمین کی تباہی ہے۔ درحقیقت یہ فرض محال ہے، چونکہ حق کے لیے ممکن ہی نہیں کہ لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرے۔ لوگوں کی خواہشات یہ ہیں کہ ایک رب کی جگہ کئی ارباب ہوں اور ایک معبود کی جگہ کئی معبود ہوں۔ حق امر واقع کو کہتے ہیں اور امر واقع میں رب اور معبود ایک ہے، کئی ہو نہیں سکتے۔ اگر بفرض محال ہو جائیں تو عالم تباہ ہو جائے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (الانبیاء: ۲۲)

۷۲۔ خراج اصل میں زمین کے لگان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت پر ایک دلیل ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف اس تبلیغ پر لوگوں سے کوئی خراج نہیں مانگتے بلکہ آپ ﷺ نے اپنی ساری دولت اس راہ میں خرچ کر دی۔

۷۶۔ اس عذاب سے مراد بعض روایات کے مطابق وہ شکست و خواری ہے جو جنگ بدر میں مشرکین کو پیش آئی۔ بعض دیگر روایات کے مطابق یہ عذاب وہ قحط سالی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے مکہ والوں کو پیش آئی جس میں وہ جانوروں کی کھال اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

۷۷۔ جن کا بھروسا اس کائنات کے سرچشمہ قوت پر نہیں ہوتا ان کے لیے ہر حادثہ باعث یاس و ناامیدی ہوتا ہے اور اس ناامیدی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے

يَتَضَرَّعُوۡنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيۡدٍ اِذَا هُمۡ فِيۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۷۷﴾ ع وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـئِدَةَ‌ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ ذَرَاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ وَلَـهُ اخۡتِلَافُ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۸۰﴾ بَلۡ قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸۳﴾ قُلۡ لِّمَنِ

کی۔☆ ﴿۷۷﴾ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر شدید عذاب کا ایک دروازہ کھول دیا تو پھر ان کی امیدیں ٹوٹ گئیں۔☆ ﴿۷۸﴾ اور اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے لیکن تم پھر بھی کم شکر گزار ہو۔☆ ﴿۷۹﴾ اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب کو جمع کیا جانا ہے۔☆ ﴿۸۰﴾ اور وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور اسی کے قبضہ قدرت میں شب و روز کا آنا جانا ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟☆ ﴿۸۱﴾ لیکن یہ لوگ وہی بات کر رہے ہیں جو ان سے پہلے والے کرتے رہے۔☆ ﴿۸۲﴾ وہ کہتے تھے: کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہڈی (رہ جائے گی) تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے؟ ﴿۸۳﴾ یہی وعدہ یقینا ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی ہوتا رہا ہے یہ تو صرف قصہ ہائے پارینہ ہیں۔ ﴿۸۴﴾ کہد یجیے: یہ

---

کہ وہ ہر جرم کے ارتکاب کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔

مُبۡلِسُوۡنَ: ناامید ہونا۔ دل شکستہ ہونا۔ اسی سے شیطان کا نام ابلیس ہے، چونکہ وہ حق سے ناامید ہے۔

۷۸۔ آنکھ، کان اور دل انسان کو اس لیے دیے گئے تھے کہ ان سے انسانی کام لیں اور حیوانات کو بھی یہ چیزیں دی گئیں کہ ان سے وہ حیوانی کام لیں۔ لیکن یہ ناشکرا انسان ان سے انسانی کام لینے کی جگہ حیوانی کام لیتا ہے اور ان کو صرف اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لیے استعمال میں لاتا ہے، مگر حق کی طرف جانے کے لیے انہیں استعمال نہیں کرتا۔

۷۹۔ مشرکین جو اللہ کی خالقیت، مالکیت اور ربوبیت کے معترف تھے ان سے سوال ہے کہ اگر اللہ زمین اور اہل زمین کا مالک ہے، آسمانوں اور عرش عظیم کا رب ہے اور ہر شے پر اس کی مالکیت اور حاکمیت ہے تو وہ حیات بعد الموت پر قادر کیوں نہیں ہے؟ تمہیں کس چیز سے دھوکہ ہوا ہے؟ اللہ کی کس کمزوری سے دھوکہ ہو گیا کہ اللہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں؟

۸۰۔ زندگی اور موت لیل و نہار کی آمد و رفت اس کے قبضہ قدرت میں ہے تو کیا اس کے لیے دوبارہ زندگی دینا مشکل امر ہے؟

۸۱۔ اندھی تقلید کی بنا پر وہ آخرت کے منکر ہیں، ورنہ جن اصولوں کو وہ مانتے ہیں ان کی روشنی میں اس سے انکار کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿٨٩﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٩٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٩١﴾ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ

زمین اور جو اس پر (آباد) ہیں کس کی ہے اور اگر تم جانتے ہو؟ (تو بتاؤ)۔ ﴿٨٥﴾ وہ کہیں گے: اللہ کی ہے، کہہ دیجیے: تو پھر تم سوچتے کیوں نہیں ہو؟☆ ﴿٨٦﴾ کہہ دیجیے: سات آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ﴿٨٧﴾ وہ کہیں گے: اللہ ہے، کہہ دیجیے: تو پھر تم بچتے کیوں نہیں ہو؟☆ ﴿٨٨﴾ کہہ دیجیے: وہ کون ہے جس کے قبضے میں ہر چیز کی بادشاہی ہے؟ اور وہ کون ہے جو پناہ دیتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو؟ (تو بتاؤ)۔ ﴿٨٩﴾ وہ کہیں گے: اللہ، کہہ دیجیے: تو پھر تمہاری یہ خبطی کہاں سے ہے؟ ﴿٩٠﴾ بلکہ ہم حق کو ان کے سامنے لے آئے ہیں اور یہ لوگ یقینا جھوٹے ہیں۔ ﴿٩١﴾ اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوقات کو لے کر جدا ہو جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا، اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔☆ ﴿٩٢﴾ وہ غیب و شہود کا علم رکھتا

٨٥۔ اللہ کے زمین کا مالک ہونے کے مشرکین قائل تھے، چونکہ اللہ زمین کا خالق ہے اور خالق مالک ہوتا ہے۔ اس نظریہ کے تحت اللہ کا رب ہونا لازم آتا ہے چونکہ ربوبیت اور مالکیت لازم و ملزوم ہیں، بلکہ رب کہتے ہی مالک کو ہیں اور حقیقتاً خالق ہی مالک ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ عارضی مالک ہوتا ہے جسے خالق مالک بنائے۔

٨٧۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے معاصر مشرکین اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور عرش کا رب تسلیم کرتے تھے۔ وہ زمین میں اللہ کو رب نہیں مانتے تھے۔

٩١۔ کائنات کے نظام میں وحدت، اس کو نظام بخشنے والے کی وحدانیت پر دلیل ہے۔ اگر اس کائنات کا نظام بنانے اور چلانے والے متعدد ہوتے تو ہر خالق اپنا الگ نظام بنا لیتا اور وہ دیگر نظاموں کے ساتھ سازگار نہ ہوتا۔ ارضی نظام آسمانی نظام کے ساتھ، حیوانات نباتات کے ساتھ، پانی ہوا کے ساتھ سازگار نہ ہوتا۔ پس نظام کائنات میں ہم آہنگی و سازگاری اس بات پر واضح دلیل ہے کہ اس کائنات کو ایک ہی ذات نے نظام بخشا ہے۔

اللہ کی وحدت پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر نظام دہندہ متعدد ہوتے تو مختلف ذاتوں سے مختلف چیزیں وجود میں آتیں۔ کائنات کے موجودہ نظاموں میں ایک نظام دوسرے نظام پر فوقیت رکھتا ہے۔ مثلاً انسانی نظام ارضی نظام کے تحت ہے، تو اگر ایک خدا کے نظام کو دوسرے خدا کے نظام پر فوقیت مل جائے تو ماتحت نظام خود بخود باطل ہو جائے گا اور اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکے گا۔

كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ سے معلوم ہوا کہ معبود خالق ہوتا ہے۔ خلق اور معبودیت قابل تفریق نہیں ہے، خالق کوئی ہو اور معبود کوئی اور اسی طرح خلق اور تدبیر بھی قابل تفریق نہیں ہے کہ خلق کوئی کرے اور تدبیر کوئی اور، کیونکہ تدبیر ایک مسلسل تخلیق سے عبارت

ع ۵ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾
قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾
رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾
وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ
لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ
قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ
الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ
يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ
الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ
اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا
كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ
بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي

ہے پس وہ منزہ ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔
(۹۳) (اے رسول) کہد یجیے: میرے رب! اگر تو وہ
عذاب مجھے دکھا دے جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے،
(۹۴) تو میرے رب! مجھے اس ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ
کرنا۔ (۹۵) اور جس (عذاب) کا ہم نے ان سے وعدہ کیا
ہے، ہم اسے آپ کو دکھانے کی یقینا طاقت رکھتے ہیں۔☆
(۹۶) آپ برائی کو احسن برتاؤ کے ذریعے دور کریں، ہم
خوب جانتے ہیں جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں۔☆
(۹۷) اور کہد یجیے: اے میرے رب! میں شیطانی وسوسوں
سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔☆ (۹۸) اور اے رب! میں ان
کے میرے سامنے آنے سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔
(۹۹) (یہ غفلت میں پڑے ہیں) یہاں تک کہ جب ان میں
سے کسی کو موت آلے گی تو وہ کہے گا: اے رب! مجھے واپس
دنیا میں بھیج دے، (۱۰۰) جس دنیا کو چھوڑ کر آیا ہوں شاید اس
میں عمل صالح بجا لاؤں، ہرگز نہیں، یہ تو وہ جملہ ہے جسے وہ
کہدے گا اور ان کے پیچھے اٹھائے جانے کے دن تک ایک
برزخ حائل ہے۔☆ (۱۰۱) پھر جب صور میں پھونک ماری

---

ہے۔ جو دانے کا سینہ چاک کر کے زمین کو سرسبز بنا دیتا ہے، وہی روزی دیتا ہے۔

۹۵۔ چنانچہ جنگ بدر میں اس عذاب کا دکھانا شروع ہوا۔

۹۶۔ مکی زندگی میں دعوت کا یہی اسلوب اختیار کرنے کا حکم تھا۔ بعد میں جب اسلام کی دعوت میں طاقت آ گئی تو مقابلہ بالمثل بھی جائز ہو گیا۔

۹۷۔ هَمَزٰتِ: الھمز کے اصل معنی کسی چیز کو دبا کر نچوڑنے کے ہیں اور اسی سے عیب گوئی کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

۱۰۰۔ ارتقائی سفر میں واپسی ممکن نہیں ہوتی۔ جس طرح انسان عالم جنین سے عالم نطفہ کی طرف واپس نہیں آ سکتا، اسی طرح عالم برزخ سے بھی واپسی ممکن نہیں ہے۔ برزخ، قبر سے لے کر قیامت تک کے عرصے کا نام ہے۔ برزخ دو چیزوں کے درمیان حد فاصل کو کہتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے: القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار (الخرائج ۱: ۱۷۲) قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہوگی یا آتش کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ: اس آیت میں فرمایا: موت اور قیامت کے درمیان ایک برزخ یعنی حد فاصل ہے۔ لیکن اس حد فاصل میں زندگی بھی ہے۔ اس کی صراحت نہیں ہے، البتہ شہیدوں کی حیات برزخی کے بارے میں صراحت موجود ہے۔ حیات برزخی کی نوعیت بھی ہمارے لیے معلوم نہیں ہے، چونکہ یہ حیات، دنیوی حیات کی طرح ہرگز نہیں۔ ہمارے نزدیک حیات برزخی مؤمن خالص اور کافر خالص کے لیے موجود ہے۔ باقی انسانوں کے لیے قبر کے سوال کے بعد حیات برزخی نہیں ہے۔ بعض اہل تحقیق نے برزخی زندگی کو عالم خواب کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ کچھ کو بہت شیریں خواب آتا ہے اور بعض کو ڈراونا خواب اور بعض کو کوئی خواب نہیں آتا۔

الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا

جائے گی تو ان میں اس دن نہ کوئی رشتہ داری رہے گی اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔☆ ﴿١٠١﴾ پس جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی نجات پانے والے ہیں۔☆ ﴿١٠٢﴾ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا ہو اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ﴿١٠٣﴾ جہنم کی آگ ان کے چہروں کو جھلسا دے گی اور اس میں ان کی شکلیں بگڑی ہوئی ہوں گی۔ ﴿١٠٤﴾ کیا تم وہی نہیں ہو کہ جب میری آیات تمہیں سنائی جاتیں تو تم انہیں جھٹلاتے تھے؟ ﴿١٠٥﴾ وہ کہیں گے: ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی تھی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ ﴿١٠٦﴾ اے ہمارے رب! ہمیں اس جگہ سے نکال دے، اگر ہم نے پھر وہی (جرائم کیے) تو ہم لوگ ظالم ہوں گے۔ ﴿١٠٧﴾ اللہ فرمائے گا: خوار ہو کر اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ ﴿١٠٨﴾ میرے بندوں میں سے کچھ لوگ یقیناً یہ دعا کرتے تھے: اے ہمارے رب! ہم

١٠١۔ یہ دوسرا صور ہے جس کے پھونکنے سے سب زندہ ہو جائیں گے۔ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ۔ ان میں کوئی رشتہ داری نہیں رہے گی۔ رشتہ داری اور خاندان کی تشکیل، دنیوی اجتماعی زندگی کے لیے ضروری تھی۔ آخرت میں اس قسم کے سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے اور ہر شخص کو انفرادی طور پر اللہ کو حساب دینا ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے: کل نسب و صهر ينقطع يوم القيامة الا نسبي و صهري (الدر المنثور۔ کنز العمال حدیث ٣١٩١٥) ہر نسب اور رشتہ قیامت کے دن ختم ہو جائے گا، سوائے میرے نسب اور رشتے کے۔

وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ: نہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے۔ چونکہ ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی۔

١٠٢۔ ایک دوسرے کا حال پوچھنے کی حالت میں اس لیے نہیں ہوں گے کہ ہر ایک کو اپنے اعمال کا وزن دیکھنا ہوگا۔ اس ترازو پر نظریں جمی ہوئی ہوں گی، جس سے آنے والی ابدی زندگی کی تقدیر بننا ہے۔

١٠٩۔ کلمہ حق پر قائم یہ جماعت دنیا میں ہمیشہ دنیا داروں کی طرف سے تمسخر کا نشانہ بنتی رہی ہے اور جو علم و عقیدہ اس جماعت کے پاس ہوتا ہے دنیادار اسے علم شمار نہیں کرتے۔

١١٢۔ فِي الْاَرْضِ: زمین میں۔ کیا اس سے مراد روئے زمین کی زندگی ہے یا زیر زمین برزخ کی زندگی۔ دو نظریے ہیں۔ میرے نزدیک روئے زمین کی زندگی زیادہ قرین قیاس ہے۔ چونکہ برزخ کی زندگی عذاب کی زندگی ہوگی، وہ ان کے لیے تھوڑی نہ ہوگی اور عذاب کی زندگی کے بارے میں سوال نہ

وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذۡتُمُوۡہُمۡ سِخۡرِیًّا حَتّٰۤی اَنۡسَوۡکُمۡ ذِکۡرِیۡ وَکُنۡتُمۡ مِّنۡہُمۡ تَضۡحَکُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّیۡ جَزَیۡتُہُمُ الۡیَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّہُمۡ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ کَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوۡا لَبِثۡنَا یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّیۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا لَّوۡ اَنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّاَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَی اللّٰہُ الۡمَلِکُ الۡحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡکَرِیۡمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنۡ یَّدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرۡہَانَ لَہٗ بِہٖ ۙ فَاِنَّمَا

ایمان لائے ہیں پس ہمیں معاف فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۱۰﴾ تو تم نے ان کا مذاق اڑایا یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں ہماری یاد سے غافل کر دیا اور تم ان پر ہنستے تھے۔ ﴿۱۱۱﴾ آج میں نے ان کے صبر کا انہیں یہ بدلہ دیا کہ وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ﴿۱۱۲﴾ اللہ پوچھے گا: تم زمین میں کتنے سال رہے ہو؟☆ ﴿۱۱۳﴾ وہ کہیں گے: ایک روز یا روز کا ایک حصہ (ہم وہاں) ٹھہرے ہیں، پس شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے۔ ﴿۱۱۴﴾ فرمایا: تم وہاں تھوڑا ہی (عرصہ) ٹھہرے ہو، کاش کہ تم (اس وقت) جانتے۔☆ ﴿۱۱۵﴾ کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تمہیں عبث خلق کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹائے نہیں جاؤ گے؟☆ ﴿۱۱۶﴾ پس بلند و برتر ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش کریم کا مالک ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب

ہوگا، بلکہ جرائم کی زندگی کے بارے میں سوال ہو گا۔

۱۱۴۔ دنیا میں ہادیان برحق تم سے کہتے رہے کہ یہ دنیا ایک عارضی منزل، بلکہ ایک گزرگاہ ہے۔ اس عارضی منزل سے اپنی دائمی منزل کے لیے فائدہ اٹھاؤ۔ اس صورت میں دنیاوی زندگی بہت اہم اور قیمتی بن جاتی ہے۔ یہ وہی دنیا ہے جس سے صالحین نے اللہ کے نزدیک اپنا مقام بنایا، مرتبے حاصل کیے۔ دوسرے لفظوں میں یہ دنیا قرب الٰہی اور حیات اخروی کے لیے ذریعہ اور زینہ بن جائے تو نہ صرف اس کی مذمت نہیں ہے، بلکہ اس کی فضیلت ہے۔ یہاں دانائے راز مولائے متقیان علی علیہ السلام سے روایت ہے: یہ دنیا اس شخص کے لیے سچائی کا گھر ہے جو اس کو راست گو سمجھے۔ عافیت کا گھر ہے جو اس دنیا کو سمجھے۔ تونگری کا گھر ہے جو یہاں سے زادراہ حاصل کرے، نصیحت کا گھر ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔ یہ دنیا اللہ کے دوستوں کی مسجد، اللہ کے فرشتوں کی عبادت گاہ، اللہ کی۔ وحی اترنے کی جگہ اور اولیاء اللہ کی تجارت گاہ ہے، جس سے ان حضرات نے رحمت کی کمائی کی اور جنت کا منافع حاصل کیا۔ (نہج البلاغۃ) اس دنیاوی زندگی کی مذمت اس وقت ہوتی ہے جب یہ خود مقصد بن جائے۔ بالکل پانی اور کشتی کی طرح کہ پانی اگر کشتی کے نیچے رہے تو پار کرنے کے لیے بہترین ذریعہ ہے اور یہی پانی اگر کشتی کے اندر آ جائے تو کشتی کو غرق کر دیتا ہے۔

۱۱۵۔ جیسا کہ آج کا مادی انسان یہی نظریہ رکھتا ہے کہ

حِسَابُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلۡ رَّبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

کے پاس ہے اور کافر یقینا فلاح نہیں پا سکتے۔ ﴿۱۱۸﴾ اور کہد یجیے: اے میرے رب! معاف فرما اور رحم فرما اور تو سب سے بہترین رحم کرنے والا ہے۔

آیاتہا ۶۴ — ۲۴ سُوۡرَةُ النُّوۡرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ — رکوعاتہا ۹

سورہ نور۔ مدنی۔ آیات ۶۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَفَرَضۡنٰهَا وَاَنۡزَلۡنَا فِيۡهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۱﴾ اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِىۡ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ ۖ وَّلَا تَاۡخُذۡكُمۡ بِهِمَا رَاۡفَةٌ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِىۡ لَا يَنۡكِحُ اِلَّا

﴿۱﴾ یہ ایک سورہ ہے جسے ہم نے نازل کیا اور اسے فرض کیا اور اس میں صریح آیات کو نازل کیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔☆ ﴿۲﴾ زنا کار عورت اور زنا کار مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور دین خدا کے معاملے میں تمہیں ان پر ترس نہیں آنا چاہیے اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت موجود رہے۔☆ ﴿۳﴾ زانی صرف زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کرے

یہ انسان ایک لایعنی وجود اور نیچر (nature) کے ہاتھوں ایک کھلونا ہے۔ وہ اسے بلاوجہ دکھ درد دیتی اور مصائب میں مبتلا رکھتی ہے اور نتیجہ لاحاصل۔ اس کے مقابلے میں آخرت پر ایمان رکھنے والا اس زندگی کو عبث اور نیچر (nature) کے ہاتھوں کھلونا تصور نہیں کرتا۔ اس کی زندگی کا ہر لحہ نہایت قیمتی ہے۔ اس طرح رجوع الی اللہ کا تصور انسانی زندگی کو مقصدیت سے ہمکنار کرتا ہے۔

سورۂ نور

۱۔ وَفَرَضۡنٰهَا: اس سورت میں متعدد اہم احکام کا ذکر ہے۔ اس لیے ان احکام کے نفاذ کے لیے یہ سورہ نازل کیا جا رہا ہے۔

۲۔ زنا یہ ہے کہ انسان ایسی عورت سے بغیر عقد یا ملکیت یا شبہ کے ہمبستری کرے جو اس پر حرام ہو۔ زنا کا ثبوت اقرار اور گواہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ اقرار اگر چار مرتبہ کیا جائے تو اس پر حد جاری ہو

گی۔ اس سے کمتر اقرار پر حد جاری نہیں ہوگی۔ گواہ کے لیے ضروری ہے کہ چار مرد یا تین مرد اور دو عورتیں یا دو مرد اور چار عورتیں اس طرح گواہی دیں کہ انہوں نے بچشم خود ملزم کو ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ زانی پر حد جاری کرنے کے سلسلے میں مجرم کے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کرنا قانون پر پختہ یقین کے منافی ہے اور جس طرح مجرم نے سرعام جرم کا ارتکاب کیا ہے،

زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ
اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ
الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ
شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا
تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ۝٤ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝٥ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ
وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ
فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ
بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦
وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ

گا اور زانیہ صرف زانی یا مشرک سے نکاح کرے گی اور
مومنوں پر یہ حرام کیا گیا ہے۔☆ ④ اور جو لوگ پاک
دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں پھر اس پر چار
گواہ نہ لائیں پس انہیں اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان
کی گواہی ہرگز قبول نہ کرو اور یہی فاسق لوگ ہیں۔☆
⑤ سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور
اصلاح کرلیں، اس صورت میں اللہ بڑا معاف کرنے
والا، رحم کرنے والا ہے۔ ⑥ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر
زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا کوئی
گواہ نہ ہو تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت یہ ہے کہ چار
مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ سچا ہے۔ ⑦ اور
پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت

چنانچہ چار افراد کو مشاہدے کا موقع ملا، اسی طرح اس کو سزا بھی سرعام دینی چاہیے۔

۳۔ اس آیت کی تفسیر میں تین نظریے ہیں: ایک یہ کہ یہ حکم نہیں بلکہ ان کی حالت واقعی کا بیان ہے کہ برے لوگ برے لوگوں کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر زانی مرد اور عورت زنا کے ارتکاب سے باز نہ آئیں اور ان پر حد جاری ہوگئی ہو اور انہوں نے توبہ نہ کی ہو تو ان کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ تیسرا یہ کہ نکاح سے مراد یہاں عقد نہیں بلکہ ہمبستری ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے: زانی مرد زنا نہیں کرتا مگر زانی عورت یا مشرکہ کے ساتھ اور زانی عورت زنا نہیں کرتی، مگر زانی مرد یا مشرک کے ساتھ۔

۴۔ جو شخص پاکدامن عورتوں پر زنا کا الزام لگائے وہ یا تو چار گواہوں سے اپنا الزام ثابت کرے، ورنہ اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے تاکہ بلا ثبوت لوگوں کی عزت و آبرو کے ساتھ کھیلنے کی جرات نہ کرے۔ کسی مرد پر بلا ثبوت الزام لگانے کا بھی یہی حکم ہے۔

۸۔۹ عورت سے حد کی سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ مرد جھوٹا ہے۔ پانچویں بار کہے اگر مرد سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ اسے فقہی اصطلاح میں لعان کہتے ہیں، جس سے میاں بیوی ہمیشہ کے لیے جدا ہوجاتے ہیں۔

كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٧﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٨﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١﴾ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ

ہو۔ ﴿٨﴾ اور عورت سے سزا اس صورت میں ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔☆ ﴿٩﴾ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہے۔☆ ﴿١٠﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تمہیں اس سے خلاصی نہ ملتی) اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿١١﴾ جو لوگ بہتان باندھ لائے وہ یقیناً تمہارا ہی ایک دھڑا ہے، اسے اپنے لیے برا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لیے اچھا ہے، ان میں سے جس نے جتنا گناہ کمایا اس کے لیے اتنا ہی حصہ ہے اور ان میں سے جس نے بڑا حصہ لیا ہے اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔☆ ﴿١٢﴾ جب تم نے یہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور مومنہ عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور

١١۔ رسول اللہ ﷺ غزوہ بنی مصطلق سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ اس غزوہ میں حضرت ام المؤمنین ہمراہ تھیں جو قافلہ سے پیچھے رہ گئیں۔ صفوان بن معطل نے، جو قافلے سے پیچھے چل رہے تھے، انہیں دیکھا اور اپنے اونٹ پر بٹھا کر قافلہ تک پہنچایا۔ اس واقعہ کو منافقین کے سرکردہ عبد اللہ بن ابی اور کچھ سادہ لوح مسلمانوں نے اچھالا اور حضرت ام المؤمنین کا دامن داغدار کرنے کی کوشش کی۔ اس الزام کو اللہ تعالیٰ نے افک سے تعبیر فرمایا۔ افک بات کو الٹ دینے اور حقیقت کے خلاف کچھ کہہ دینے کے معنوں میں ہے۔ قرآن میں اس لفظ کا استعمال بذات خود اللہ کی طرف سے اس الزام کی تردید ہے۔ بعد کی چند آیات بھی اسی الزام کی تردید میں نازل ہوئیں۔

واضح رہے کہ ان آیات کے نزول سے قبل یہ الزام گناہ کبیرہ تھا، لیکن ان آیات کے نزول کے بعد بھی اگر کوئی یہ الزام عائد کرے تو اس سے اللہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ (معاذ اللہ)

عُصْبَةٌ: گروہ کو کہتے ہیں جو باہم مربوط ہوتا ہے۔ بقول بعض دس سے چالیس افراد پر مشتمل ہو تو عصبہ کہا جاتا ہے۔

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ: برا اس لیے نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس قسم کے واقعات سے کچھ لوگوں کی دل کی خباثت فاش ہوجاتی ہے۔ وہ لوگ اسلامی معاشرے

مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ
شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ
فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ
لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۖ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ
وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ
عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ
عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا
يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ
هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ
اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ

کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح بہتان ہے؟☆ (۱۳) وہ لوگ اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اب چونکہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں لہٰذا وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ (۱۴) اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں کا تم نے چرچا کیا تھا ان کے سبب تم پر بڑا عذاب آ جاتا۔ (۱۵) جب تم اس جھوٹی خبر کو اپنی زبانوں پر لیتے جا رہے تھے اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا اور تم اسے ایک معمولی بات خیال کر رہے تھے جب کہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی بات ہے۔☆ (۱۶) جب تم نے یہ بات سنی تھی تو کیوں نہ کہا: ہمیں ایسی بات نہیں کہنی چاہیے تھی؟ خدایا تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔☆ (۱۷) اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو آیندہ کبھی بھی ایسے کام کا اعادہ نہ کرنا۔ (۱۸) اور اللہ آیات

---

میں مزید فساد نہیں پھیلا سکتے، کیونکہ وہ اس واقعہ سے پہچانے گئے ہوتے ہیں۔

یہ ام المؤمنین کون تھیں؟ غیر امامیہ روایات میں یہ حضرت عائشہ تھیں۔ امامیہ کی روایات میں یہ حضرت ماریہ قبطیہ تھیں۔ صاحب تفسیر المیزان کو دونوں روایات میں تأمل ہے۔

۱۲۔ اس سے اسلامی تربیت کا ایک اہم اصول سامنے آتا ہے کہ کسی مؤمن کے بارے میں کوئی ناشائستہ الزام سننے میں آئے تو حکم یہ ہے کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے بلکہ اس مؤمن کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے اور اسے ایک بہتان قرار دیا جائے۔

۱۵۔ اول تو کسی مؤمن کے خلاف بہتان لگانا گناہ ہے جب کہ یہاں ناروا نسبت کا تعلق ام المؤمنین سے ہے اور اس سے خود رسول خداؐ کا دل آزردہ ہوتا ہے۔

مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ: ثبوت اور علم کے بغیر کسی کی طرف کوئی الزام عائد کرنا اسلامی شریعت میں ایک جرم ہے کیونکہ اس سے مؤمن کا وقار مجروح ہوتا ہے۔

۱۶۔ ظاہر ہے ان آیات کے نزول کے بعد بھی اگر کوئی ایسا الزام لگائے تو یہ سراسر ایمان باللہ کے خلاف ہے نیز اس قسم کے بہتان کی مطلق ممانعت آ گئی۔ یہ قرآنی ادب اور اسلامی تعلیمات کا اہم حصہ ہے کہ انسانی قدروں کی پاسداری کی جائے، کیونکہ انسان کو اللہ نے عزت و تکریم سے نوازا ہے اور احترام آدمیت کے خلاف ہر قدم ممنوع ہے۔

وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ
يُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِيۡعَ الۡفَاحِشَةُ فِى الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۙ فِى الدُّنۡيَا وَ
الۡاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا
تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ لَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ
وَ رَحۡمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۰﴾ ع النصف
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ
الشَّيۡطٰنِ ؕ وَ مَنۡ يَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ
فَاِنَّهٗ يَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَ لَوۡلَا
فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَ رَحۡمَتُهٗ مَا زَكٰى
مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىۡ
مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۱﴾ وَ لَا
يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَ السَّعَةِ

تمہارے لیے بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿۱۹﴾ جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان کے درمیان بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اللہ یقینا جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے۔☆ ﴿۲۰﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر فوری عذاب آ جاتا) اور یہ کہ اللہ بڑا شفیق، مہربان ہے۔ ﴿۲۱﴾ اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلے گا تو وہ بے حیائی اور برائی کا حکم دے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے ایک شخص بھی کبھی پاک نہ ہوتا مگر اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ خوب سننے، جاننے والا ہے۔☆ ﴿۲۲﴾ تم میں سے جو لوگ احسان کرنے والے اور (مال و دولت میں) وسعت والے ہیں وہ قریبی رشتہ داروں،

۱۹۔ بے حیائی پھیلنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ خود فحش پھیلے اور دوسری یہ کہ فحش کا الزام اور بہتان عام ہو جائے۔ دونوں چیزوں سے مسلم معاشرے پر برے اثرات مترتب ہوتے ہیں اور ساتھ بہتان عائد کرنا مقام انسان کے خلاف ہے اور کسی مؤمن کے وقار کو مجروح کرنا خود بڑا جرم ہے۔

۲۱۔ اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔ اللہ کی چاہت اندھی بانٹ نہیں ہوتی۔ جو اس تزکیہ کا اہل ہو گا، اللہ اسے پاکیزہ کرے گا اور اہلیت توبہ اور استغفار سے آسکتی ہے۔ یہ اللہ کا فضل و رحمت ہے کہ وہ توبہ قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے: التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ (الکافی ۲: ۴۳۵) گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہیں۔

۲۲۔ غیر امامیہ کے مصادر میں آیا ہے کہ یہ آیت مسطح بن اثاثہ کے بارے میں نازل ہوئی جو واقعہ افک میں ملوث تھا اور حضرت ابوبکر نے اس کی کمک بند کی تھی۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں آیا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اس واقعہ کے بعد اس شخص کی کمک روک دی تھی جس نے اس الزام تراشی میں حصہ لیا تھا۔

وَلَا يَاۡتَلِ: دریغ نہ کریں۔ الایتلاء کوتاہی نہ کرنے، ترک کرنے کے معنوں میں ہے۔

آیت سے جو حکم استنباط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مال و دولت والے کسی محتاج کی کمک کرتے ہیں اور اس محتاج سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو اپنی کمک بند نہ کریں اور اس کی غلطی سے درگزر کریں۔ اس سلسلے میں اپنے آپ کو ترازو بنائیں۔ تم پر اللہ تعالیٰ کی

| | |
|---|---|
| اَنۡ یُّؤۡتُوۡۤا اُولِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنَ وَ | مسکینوں اور فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں کو کچھ دینے |
| الۡمُہٰجِرِیۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۪ۖ وَ لۡیَعۡفُوۡا | سے دریغ نہ کریں اور انہیں عفو و درگزر سے کام لینا چاہیے۔ |
| وَ لۡیَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ | کیا تم خود یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور |
| اللّٰہُ لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ | اللہ غفور، رحیم ہے۔☆ ﴿۲۳﴾ جو لوگ بے خبر پاک دامن |
| الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ | مومنہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں |
| الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۪ | لعنت ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔☆ ﴿۲۴﴾ اس |
| وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿ۙ۲۳﴾ یَّوۡمَ تَشۡہَدُ | دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان |
| عَلَیۡہِمۡ اَلۡسِنَتُہُمۡ وَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ | سب اعمال کی گواہی دیں گے جو یہ کرتے رہے ہیں۔☆ |
| بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۴﴾ یَوۡمَئِذٍ یُّوَفِّیۡہِمُ | ﴿۲۵﴾ اس دن اللہ ان کا حقیقی بدلہ پورا کرے گا اور وہ جان |
| اللّٰہُ دِیۡنَہُمُ الۡحَقَّ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ ہُوَ | لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے (اور حق کا) ظاہر کرنے والا |
| الۡحَقُّ الۡمُبِیۡنُ ﴿۲۵﴾ اَلۡخَبِیۡثٰتُ لِلۡخَبِیۡثِیۡنَ | ہے۔☆ ﴿۲۶﴾ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے اور |
| وَ الۡخَبِیۡثُوۡنَ لِلۡخَبِیۡثٰتِ ۚ وَ الطَّیِّبٰتُ | خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ عورتیں |
| لِلطَّیِّبِیۡنَ وَ الطَّیِّبُوۡنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِکَ | پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے |

بے شمار مہربانیاں ہوتی ہیں اور تم سے اللہ کے حق میں ہمیشہ کوتاہیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں، اس کے باوجود اللہ اپنی مہربانیاں بند نہیں فرماتا۔ اگر تمہیں اللہ کی طرف سے معافی پسند ہے تو تم بھی معاف کرو: تخلقوا باخلاق اللہ۔ (بحار الانوار ۵۸: ۱۲۹) اپنے اندر الٰہی اخلاق پیدا کرو۔

یہاں نجف اشرف کے ایک بزرگ مرجع تقلید کا اخلاق قابل تقلید ہے: نماز جماعت سے فارغ ہوتے ہی ایک سائل نے آپ سے کمک مانگی۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس تجھے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ اس پر سائل نے آیۃ اللہ کے منہ پر تھوک دیا۔ آیۃ اللہ کھڑے ہوئے اور اپنے مقتدی نمازیوں سے چندہ مانگا اور سائل کی کمک کی۔

۲۳۔ اگرچہ یہ آیت واقعہ افک پر نازل ہوئی ہے مگر اس کا حکم عام ہے ہر اس شخص کے لیے جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتا ہے۔

۲۴۔ زبان سے جو گناہ سرزد ہوا ہے، اس کی گواہی زبان دے گی۔ ہاتھ سے جو جرم سرزد ہوا ہے، اس کی گواہی ہاتھ دیں گے۔ پاؤں سے جو گناہ سرزد ہوا ہے اس کی گواہی پاؤں دیں گے۔ ممکن ہے جرم سرزد ہونے کے وقت کے اعضاء کو پیش کیا جائے اور وہ گواہی دیں گے۔ لہٰذا یہ سوال پیدا نہ ہوگا کہ انسانی اعضا تو تحلیل کے ذریعے بدلتے رہتے ہیں، ان میں سے کون سے اعضا گواہی دیں گے؟

۲۵۔ اَنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡحَقُّ الۡمُبِیۡنُ: اللہ وہ حق ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ چشم حق بین کے لیے اللہ اس کائنات میں سب سے زیادہ ظاہر اور واضح ہے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: ھو اللہ الحق المبین احق و ابین مما تری العیون۔ (نہج البلاغۃ) اللہ ہی حق مبین ہے۔ جن چیزوں کو

مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ

لیے ہیں، یہ ان باتوں سے پاک ہیں جو لوگ بناتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔☆ ﴿۲۷﴾ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہونا جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے شاید تم نصیحت حاصل کرو۔☆ ﴿۲۸﴾ اور اگر تم اس گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو بغیر اجازت کے اس میں داخل نہ ہونا اور اگر تم سے لوٹ جانے کے لیے کہا جائے تو لوٹ جاؤ، اسی میں تمہاری پاکیزگی ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب آگاہی رکھتا ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ البتہ ایسے گھروں میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں جن میں کوئی رہائش پذیر نہ ہو اور ان میں تمہارا کوئی سامان ہو اور اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ ﴿۳۰﴾ آپ مومن مردوں سے کہد یجیے: وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بچا کر رکھیں،

آنکھیں دیکھتی ہیں، ان سے بھی زیادہ حق اور زیادہ آشکار ہے۔

۲۶۔ یعنی خبیث اور طیب کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہے نہ طبیعت و خصلت میں، نہ کردار و سیرت میں۔

۲۷۔ اسلام ہی نے گھر کی چار دیواری کو امن اور تقدس دیا اور قانون کے ذریعے گھر کو سکون اور اطمینان کی جگہ بنا دیا۔ انسان اپنے گھر میں پوری آزادی کے ساتھ رہے۔ کسی اجنبی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کی خلوت میں مداخلت کرے، جب تک اجازت نہ لے اور سلام نہ کرے، تاکہ برائی کو پنپنے کا موقع ہی نہ ملے، کسی کی ناموس پر ایسی نامناسب حالت میں نظر نہ پڑے اور برے خیالات ذہن میں پیدا نہ ہوں جو آگے چل کر بے عصمتی کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ نے تَسْتَاْنِسُوْا کی تعبیر اختیار فرمائی جس کے معنی ہیں مانوسیت پیدا کرنا، یعنی پہلے مانوسیت کی فضا قائم کرو کہ اہل خانہ آپ کے استقبال کے لیے آمادہ ہو جائیں، پھر داخل ہو جاؤ۔

۲۸۔ اس بات کا برا مت مانو، کیونکہ لوگوں کے پاس ایک معقول عذر ہوتا ہے جو آپ سے پوشیدہ ہے اور عذر قبول کرنا چاہیے۔

۳۰۔ مرد اور عورت کے درمیان فطرتاً ایک کشش ہوتی ہے جو نوع انسانی کی بقا کے لیے ضروری ہے اور خطرناک بھی۔ اسلام نے اس خواہش کو فطری اور

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا
يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ
مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا
يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ
لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ
اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ
اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ
اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ
اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ
الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ
النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ

یہ ان کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے، اللہ کو ان کے اعمال کا
یقینا خوب علم ہے۔☆ ﴿۳۱﴾ اور مومنہ عورتوں سے بھی
کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو
بچائے رکھیں اور اپنی زیبائش (کی جگہوں) کو ظاہر نہ کریں
سوائے اس کے جو اس میں سے خود ظاہر ہو اور اپنے
گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنی زیبائش
کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اپنے شوہروں، آباء، شوہر کے
آباء، اپنے بیٹوں، شوہروں کے بیٹوں، اپنے بھائیوں،
بھائیوں کے بیٹوں، بہنوں کے بیٹوں، اپنی (ہم صنف)
عورتوں، اپنی کنیزوں، ایسے خادموں جو عورت کی خواہش نہ
رکھتے ہوں اور ان بچوں کے جو عورتوں کے پردوں کی باتوں
سے واقف نہ ہوں، اور مومن عورتوں کو چاہیے کہ (چلتے
ہوئے) اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جس سے ان کی
پوشیدہ زینت ظاہر ہو جائے اور اے مومنو! سب مل کر اللہ

پر امن طریقہ سے پورا کرنے کی تاکید کی ہے، جب
کہ اس سے پھیلنے والی خرابیوں کی راہ روکنے کی بھی
چارہ جوئی کی ہے۔ چنانچہ قدرتاً یہ خواہش انسان
میں رکھی اور قانوناً اس کو لگام دی۔ یہ لگام نگاہ سے
شروع ہوتی ہے، کیونکہ فساد کی ابتدا بھی نگاہ سے
ہوتی ہے۔ ایک نگاہ، ایک تبسم پھر باہمی گفتگو، پھر
بے تکلفی، پھر۔۔۔۔

۳۱۔ عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ غیر مردوں
کی طرف عمداً نہ دیکھیں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ و
حضرت میمونہ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب ابن ام
مکتوم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں داخل ہوئے تو
آپ ﷺ نے دونوں سے فرمایا: پردہ کرو۔ بیبیوں
نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ اندھے نہیں
ہیں؟ وہ نہ ہمیں دیکھیں گے، نہ پہچانیں گے۔ فرمایا:
کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم دونوں انہیں نہیں
دیکھ سکتیں؟

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔
احادیث کے مطابق چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائیوں
تک اور دونوں قدم مراد ہیں، اگر کوئی دوسری
روایت اس کے معارض نہ ہو۔ وَلْيَضْرِبْنَ اور اپنی
اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں۔ دور
جاہلیت میں عورتیں اپنے سینوں کو کھلا رکھتی تھیں۔
اس آیت میں یہ حکم آیا کہ جس چادر سے عورتیں
اپنے سروں کو چھپاتی ہیں ان سے سینوں کو بھی

مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْۤا اِلَى
اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ
الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ
يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ
اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ
لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ
فِيْهِمْ خَيْرًا ۖۗ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ
اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ
اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ

کے حضور توبہ کرو، امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔☆ (۳۲) اور تم میں سے جو لوگ بے نکاح ہوں اور تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کر دو، اگر وہ نادار ہوں تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا، علم والا ہے۔☆ (۳۳) جو لوگ نکاح کا امکان نہ پائیں انہیں عفت اختیار کرنی چاہیے یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں خوشحال کر دے اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتبت کی خواہش رکھتے ہوں ان سے مکاتبت کر لو۔ اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان میں کوئی خیر ہے اور انہیں اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں بخشا ہے دے دو اور تمہاری جوان لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تو انہیں دنیاوی زندگی کے متاع کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو اور اگر کوئی انہیں مجبور کر دے تو ان کی اس مجبوری کے بعد یقیناً اللہ

چھپائیں۔ رہا چہرے کا مسئلہ کہ اس کا چھپانا واجب ہے یا نہیں تو یہ اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا، مگر یہ کہ مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیری روایات کو قبول کیا جائے۔

یہ بات فقہاء پر موقوف ہے کہ وہ روایات وسیرت سے کیا حکم ثابت کرتے ہیں۔ ان مردوں سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں جن میں جنسی رغبت نہیں ہے اور ان بچوں سے بھی جن کی جنسی رغبت ابھی بیدار نہیں ہوئی۔

۳۲۔ اَیِّم: بے عورت مرد اور بے مرد عورت کو کہتے ہیں۔ الصّٰلِحِیْنَ: جو ازدواج کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ شادی کرنے اور گھر بسانے سے فقر وتنگدستی دور کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے تو جیسے خرچ بڑھتا ہے، آمدنی بڑھ جاتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

من ترک التزویج مخافة العیلة فقد اساء ظنه بالله عز و جل (الکافی ۵: ۳۳۰) جو تنگدستی کے خوف سے شادی نہ کرے اس نے اللہ کے ساتھ بدگمانی کی ہے۔

۳۳۔ مکاتب: اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے مالک سے معاہدہ کر لیتا ہے کہ ایک معین رقم ادا کرنے پر وہ آزاد ہو جائے گا۔ اگر کسی وجہ سے مکاتبت کے بعد غلام رقم ادا کرنے سے عاجز رہ جائے تو زکوٰۃ سہم و فی الرقاب سے یہ رقم ادا کی جائے گی۔

مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾
وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ
وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ
وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۱۸ اَللّٰهُ نُوْرُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ
كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ
زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ
يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا
شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ
وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ
يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ ۙ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ

بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۳۴﴾ اور
بتحقیق ہم نے تمہاری طرف واضح کرنے والی آیات نازل
کی ہیں اور تم سے پہلے گزرنے والوں کی مثالیں بھی اور
تقویٰ رکھنے والوں کے لیے موعظہ بھی (نازل کیا ہے)۔
﴿۳۵﴾ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال
ایسی ہے گویا ایک طاق ہے، اس میں ایک چراغ رکھا ہوا
ہے، چراغ شیشے کے فانوس میں ہے، فانوس گویا موتی کا
چمکتا ہوا تارا ہے جو زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا
جاتا ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی، اس کا تیل روشنی دیتا ہے
خواہ آگ اسے نہ چھوئے، یہ نور بالائے نور ہے، اللہ جسے
چاہے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے
مثالیں بھی بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا
ہے۔☆ ﴿۳۶﴾ (ہدایت پانے والے) ایسے گھروں میں ہیں

وَلَا تُكْرِهُوْا: جاہلیت کے زمانے میں لوگ لونڈیاں اس غرض سے خریدتے تھے کہ ان لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کر کے ان کو کمائی کا ذریعہ بنائیں۔

۳۵۔ ہم اس عالم ناسوت میں اشیاء کو ان کی اضداد سے پہچانتے ہیں۔ اگر تاریکی نہ ہوتی تو ہم نور سے ناواقف ہوتے، اگر تری نہ ہوتی تو خشکی ہمارے لیے ناقابل فہم ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی ضد نہیں ہے۔ وہ ظہور محض اور نور ہے، جس کے مقابلے میں کوئی تاریکی نہیں ہے۔ وہ اگر ہم سے پوشیدہ ہے تو شدت ظہور اور فرط نور کی وجہ سے ہے، کسی تاریکی یا حائل کی وجہ سے نہیں، جیسا کہ دعاؤں میں آیا ہے: یا باطناً فی ظہورہ۔ اس طرح نور کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بذات خود ظاہر ہوتا ہے اور دوسروں کو ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کل کائنات میں بذات خود ظاہر و آشکار ہے، وہ کسی پردۂ خفا میں نہیں ہے۔ چونکہ جب ہر چیز کا ظہور اللہ کی طرف سے ہے تو خود اللہ کا ظہور سب سے زیادہ عیاں ہوگا۔ اگر کسی کے لیے عیاں نہیں تو یہ اس کی اپنی نااہلی ہے۔

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ: یہ چراغ شیشے کے فانوس میں ہے۔ اس میں دو باتیں ہیں: ایک یہ کہ شیشے کے فانوس کی وجہ سے یہ روشنی ہر سو پھیلتی ہے۔ دوسری یہ کہ نور فانوس میں ہے۔ کسی آندھی سے

اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَ يَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ

جن کی تعظیم کا اللہ نے اذن دیا ہے اور ان میں اس کا نام لینے کا بھی، وہ ان گھروں میں صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔☆ ﴿۳۶﴾ ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت، ذکر خدا اور قیام نماز اور ادائیگی زکوۃ سے غافل نہیں کرتیں وہ اس دن سے خوف کھاتے ہیں جس میں قلب و نظر منقلب ہو جاتے ہیں۔☆ ﴿۳۷﴾ تاکہ اللہ انہیں ان کے بہترین اعمال کی جزا دے اور اپنے فضل سے انہیں مزید بھی عطا کرے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دے دیتا ہے۔☆ ﴿۳۸﴾ اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں سراب، جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے مگر جب وہاں پہنچتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا بلکہ اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے تو اللہ اس کا حساب پورا کر دیتا ہے اور اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔ ﴿۳۹﴾ یا ان کی مثال اس تاریکی

متاثر نہیں ہوتا: يُرِيدُونَ اَنْ يُّطْفِـُٔوا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ ۔۔۔ (توبہ: ۳۲)

يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ: اس نور کا تعلق اس درخت سے ہے، جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ شرقی اور غربی کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ یہ درخت نہ تو مغربی جانب ہے کہ مشرق کی دھوپ نہ پڑے، نہ مشرقی جانب ہے کہ مغرب کی دھوپ نہ پڑے۔ یہ درخت سارا دن روشنی لیتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے اس سے نکلنے والا تیل بہتر روشنی دیتا ہے۔

وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ: اگرچہ آگ نہ چھوئے۔ اس مثال سے ذہن اس طرف نہ جائے کہ یہ نور آگ سے پیدا ہونے والی شعاع کی طرح ہے۔

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ: یہ نور فانوس میں ہونے، فانوس کا موتی کے چمکتے ہوئے ستارہ کی طرح ہونے اور ایک خاص منفرد درخت سے ہونے کی وجہ سے اس کا نور کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ: یعنی ایمان کا نور جو اللہ کی طرف سے ہے، ان لوگوں کے دلوں کو منور کرتا ہے، جنہیں اللہ چاہتا ہے۔ اللہ کی چاہت اندھی بانٹ نہیں بلکہ اللہ ان لوگوں کو منور کرنا چاہے گا جو اس کے اہل ہیں۔

۳۶۔ اس نور خدا سے منور افراد ایسے گھروں میں ہیں جن کی قدر و منزلت باذن خدا بلند ہے، کیونکہ ان

يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ
سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ
اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ
لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ ع
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ
عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ
تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ
بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ
يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ

کی طرح ہے جو گہرے سمندر میں ہو جس پر ایک موج چھائی ہوئی ہو اس پر ایک اور موج ہو اور اس کے اوپر بادل، تہ بہ تہ اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، جب انسان اپنا ہاتھ نکالے تو وہ اسے نظر نہ آئے اور جسے اللہ نور نہ دے تو اس کے لیے کوئی نور نہیں۔☆ ﴿۴۰﴾ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی؟ ان میں سے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے اور اللہ کو ان کے اعمال کا بخوبی علم ہے۔☆ ﴿۴۱﴾ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ ﴿۴۲﴾ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر اسے باہم جوڑ دیتا ہے پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے؟ پھر آپ بارش کے قطروں کو دیکھتے ہیں کہ بادل کے درمیان سے نکل رہے ہیں اور آسمان سے پہاڑوں (جیسے بادلوں) سے اولے نازل

گھروں میں ذکر خدا ہوتا ہے۔ مردویہ نے انس بن مالک اور بریدہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو ایک شخص نے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! کون سے گھر مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انبیاء کے گھر۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور پوچھنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! کیا علیؑ اور فاطمہؑ کا گھر انہی گھروں میں سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ان سے بھی افضل ہے۔ (الدر المنثور ۵: ۹۱)

۳۷۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ نماز کے وقت تجارت چھوڑ کر نماز کے لیے جاتے ہیں وہ ان لوگوں سے زیادہ اجر و ثواب حاصل کرتے ہیں جو تجارت نہیں کرتے۔

۳۸۔ بہترین اعمال یعنی نیکیوں کی جزا دس گنا ہے۔ یَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ، اللہ اپنے فضل سے مزید بھی عطا کرے گا۔ یعنی دس گنا سے بھی مزید، استحقاق کی بنیاد پر نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفضل کی بنیاد پر۔ اس تفضل کی کسی حد بندی کا ذکر نہیں ہے، بلکہ یہ تفضل بغیر حساب ہوگا، یعنی بے پایاں ہوگا۔

۴۰۔ جو لوگ نور ایمان سے منور ہوتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا: وہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہیں۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ اس نور الٰہی سے محروم ہوتے ہیں، وہ ظلمت در ظلمت ہوتے ہیں۔ کیونکہ نور کا واحد سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ جسے اللہ نور نہ

يَّشَآءُ وَ يَصۡرِفُهٗ عَنۡ مَّنۡ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ
سَنَا بَرۡقِهٖ يَذۡهَبُ بِالۡاَبۡصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ
اللّٰهُ الَّيۡلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً
لِّاُولِي الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ
دَآبَّةٍ مِّنۡ مَّآءٍ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِيۡ
عَلٰى بَطۡنِهٖ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِيۡ عَلٰى
رِجۡلَيۡنِ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِيۡ عَلٰۤى
اَرۡبَعٍ ؕ يَخۡلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ
اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ يَهۡدِيۡ مَنۡ يَّشَآءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۴۶﴾ وَ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا
بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوۡلِ وَ اَطَعۡنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى
فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَا

کرتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے اسے برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اسے ہٹا دیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو ختم کر دے۔☆ ﴿۴۴﴾ اللہ شب و روز کو بدلتا رہتا ہے جس میں صاحبان بصیرت کے لیے یقینا عبرت ہے۔ ﴿۴۵﴾ اور اللہ نے زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو پانی سے خلق فرمایا پس ان میں سے کوئی اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے اور کوئی دو ٹانگوں پر چلتا ہے اور کوئی چار ٹانگوں پر، اللہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔☆ ﴿۴۶﴾ بتحقیق ہم نے حقیقت بیان کرنے والی آیات نازل کیں اور اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی رہنمائی فرماتا ہے۔☆ ﴿۴۷﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں: ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت بھی کی پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے، یہ لوگ مومن ہی نہیں

دے اس کو نور دینے والا کوئی نہ ہوگا۔

۴۱۔ اس کائنات میں صرف انسان نہیں ہر چیز اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے، آسمان و زمین کی موجودات کو اپنی تسبیح کا شعور اور علم ہے۔ کنکریاں حضور ﷺ کے ہاتھ میں اور پہاڑ داؤد ؑ کی ہمراہی میں تسبیح پڑھتے تھے۔

كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ: ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔ اس جملے سے واضح ہوا کہ ان تمام چیزوں کی طرف سے تسبیح و نماز علم اور شعور سے صادر ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ تسبیح و نماز سے مراد ان اشیاء کی تخلیق میں کارفرما حکمت اور احتیاج ہے، آیت کی تصریح کے خلاف ہے۔

۴۳۔ یہاں آسمان سے مراد بلندی ہے اور پہاڑ سے مراد ابر میں موجود وافر مقدار کی برف ہے۔ کسی چیز کی کثرت کو پہاڑ کہنا محاورہ ہے اور سردی سے جمے ہوئے بادل پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں، ممکن ہے انہی بادلوں کو آسمان کا پہاڑ کہا گیا ہے۔ چنانچہ یہ بات مشاہدے میں بھی آ گئی ہے کہ بادل جب اوپر کی طرف اٹھتے ہیں تو ان کی چوٹیوں پر برف کی ایک تہ جمی ہوئی ہوتی ہے۔ حدیث رسول ﷺ میں آیا ہے: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ جَعَلَ السَّحَابَ غَرَابِیلَ لِلۡمَطَرِ هِیَ تُذِیبُ الۡبَرَدَ حَتّٰی یَصِیرَ مَاءً لِکَیۡ لَا یَضُرَّ بِهٖ شَیۡئاً یُصِیبُهٗ۔ (الکافی ۸: ۲۳۹)

اللہ تعالیٰ نے بادل کو باران کے لیے چھلنی بنایا ہے

اُولٰٓئِكَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوۡۤا اِلَى
اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ اِذَا فَرِيۡقٌ
مِّنۡهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنۡ يَّكُنۡ لَّهُمُ
الۡحَـقُّ يَاۡتُوۡۤا اِلَيۡهِ مُذۡعِنِيۡنَ ﴿۴۹﴾ ؕ اَفِىۡ
قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَمِ ارۡتَابُوۡۤا اَمۡ
يَخَافُوۡنَ اَنۡ يَّحِيۡفَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ
وَرَسُوۡلُهٗ ؕ بَلۡ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع
اِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا
اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ
يَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ
وَيَخۡشَ اللّٰهَ وَيَتَّقۡهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ

ہیں۔☆ ﴿۴۸﴾ اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان میں سے ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے۔☆ ﴿۴۹﴾ اور اگر حق ان کے موافق ہو تو فرمانبردار بن کر رسول کی طرف آ جاتے ہیں۔☆ ﴿۵۰﴾ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا انہیں کوئی شبہ یا ڈر ہے کہ کہیں اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ ظلم نہ کریں؟ (نہیں) بلکہ یہ لوگ خود ظالم ہیں۔☆ ﴿۵۱﴾ جب مومنوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو مومنوں کا قول تو بس یہ ہوتا ہے کہ وہ کہیں: ہم نے سن لیا اور اطاعت کی اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۵۲﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا اور اس (کی نافرمانی) سے بچتا ہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ ﴿۵۳﴾ اور یہ لوگ اللہ کی کڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ

---

جو برف کو پگھلا دیتا ہے کہ پانی ہو جائے تا کہ کسی چیز پر لگ جائے تو اسے ضرر نہ پہنچے۔

۴۵۔ یہ بات مسلمات میں سے ہو گئی ہے کہ ہر جاندار کی تخلیق میں اصل پانی ہے، خواہ ہم نطفہ مراد لیں خواہ پروٹو پلازم مراد لیں جس کا غالب حصہ پانی ہی ہوتا ہے۔

۴۶۔ قرآن حقیقت بیان کرنے والی آیات پر مشتمل ہے، جس میں انسان کے لیے ایک جامع دستور حیات ہے۔ اس دستور حیات کی ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ بندے کو اس ہدایت کا اہل بننا ہوتا ہے۔

۴۷۔ جب دعوائے ایمان کی نوبت آئے تو کسی سے پیچھے نہیں رہتے لیکن اطاعت اور عمل کی نوبت آئے تو سب سے پیچھے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ سرے سے مومن نہیں ہیں۔ اگر ان کے دلوں میں ایمان ہوتا تو اس کے آثار ان کے کردار میں نظر آتے۔

۴۸۔ مقدموں کے فیصلے کے لیے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف بلانے سے واضح مراد اسلامی قانون ہے، جس کا ماخذ قرآن و حدیث ہے۔ اسلامی قانون سے روگردانی خدا اور رسول ﷺ سے روگردانی ہے۔

۴۹۔ جو لوگ صرف اپنے مفاد کی خاطر اسلامی شریعت کا سہارا لیتے ہیں وہ درحقیقت شریعت کی اطاعت نہیں، بلکہ اپنے مفاد کی پیروی کرتے ہیں۔

۵۰۔ جو لوگ احکام شریعت پر عمل نہیں کرتے، ان

اَيۡمَانِهِمۡ لَٮِٕنۡ اَمَرۡتَهُمۡ لَيَخۡرُجُنَّ‌ؕ قُلْ لَّا تُقۡسِمُوۡا‌ ۚ طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۳﴾ قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ‌ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيۡكُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ‌ ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا‌ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا‌ ؕ يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ شَيۡـــًٔا‌ ؕ وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰ لِكَ

انہیں حکم دیں تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں گے، ان سے کہہ دیجیے: تم قسمیں نہ کھاؤ، اچھی اطاعت (قسم سے بہتر) ہے، بتحقیق اللہ کو تمہارے اعمال کا۔خوب علم ہے۔☆ ﴿۵۴﴾ کہہ دیجیے: اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم نے منہ موڑ لیا تو سمجھ لو کہ جو بار رسول پر رکھا گیا ہے اس کے وہ ذمے دار ہیں اور جو بار تم پر رکھا گیا ہے اس کے تم ذمے دار ہو اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کی ذمے داری تو صرف یہ ہے کہ واضح انداز میں تبلیغ کریں۔☆ ﴿۵۵﴾ تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجا لائے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں اس طرح جانشین ضرور بنائے گا جس طرح ان سے پہلوں کو جانشین بنایا اور جس دین کو اللہ نے ان کے لیے پسندیدہ بنایا ہے اسے پائیدار ضرور بنائے گا اور انہیں خوف کے بعد امن ضرور فراہم

---

کے دلوں میں یا تو سرے سے ایمان نہیں ہے یا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں تذبذب میں ہیں یا وہ اللہ و رسول ﷺ سے انصاف کی توقع نہیں رکھتے۔ ان تینوں صورتوں میں یہ نادان خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔

۵۳۔ یہ لوگ آپ کو یقین دلانے کے لیے کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم جنگ کے لیے ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔ ایسے لوگوں سے فرمایا: قسمیں مت کھاؤ۔ طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ جنگ میں نکلنا ایک کھلی اطاعت ہے۔ وقت آنے پر معلوم ہو جائے گا۔ یا یہ معنی ہیں: تمہاری اطاعت کا حال معلوم ہے۔ تیسرے معنی یہ کیے گئے ہیں: یہ ایک واجب اطاعت ہے قسم کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۴۔ اگر تم نے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کی تو اس میں رسول ﷺ کو قطعاً کوئی نقصان نہیں ہے۔ کیونکہ رسول ﷺ پر تمہاری ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ صرف واضح انداز میں تبلیغ کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔

۵۵۔ خلافت سے مراد صرف غلبہ اور اقتدار نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، بلکہ جس خلافت کا اس آیت میں وعدہ دیا جا رہا ہے وہ درج ذیل اصولوں پر قائم ہے۔ i ایمان۔ ii عمل صالح iii۔ ان کے پسندیدہ دین کی پائیداری۔ iv خوف کے بعد امن۔ v شرک سے پاک خالص اللہ کی بندگی۔ لہٰذا ہر منصف اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ اس

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۵۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

کرے گا، وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اختیار کریں گے پس وہی فاسق ہیں۔☆ ۝۵۶ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔☆ ۝۵۷ آپ یہ خیال نہ کریں کہ کافر لوگ زمین میں (ہمیں) عاجز بنا دیں گے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جو بدترین ٹھکانا ہے۔☆ ۝۵۸ اے ایمان والو! ضروری ہے کہ تمہارے مملوک اور وہ بچے جو ابھی بلوغ کی حد کو نہیں پہنچے ہیں تین اوقات میں تم سے اجازت لے کر آیا کریں، فجر کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں، ان کے بعد ایک دوسرے کے پاس بار بار آنے میں نہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر، اللہ اس طرح تمہارے لیے نشانیاں کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ بڑا دانا، حکمت والا

---

آیت میں ان لوگوں کی بات ہو رہی ہے جن کے اقتدار کے سائے میں دین کو استحکام ملے گا۔ واضح رہے حکومت کا استحکام اور ہے اور دین کا استحکام اور ہے، بلکہ مسلمانوں کا استحکام اور ہے اور اسلام کا استحکام اور ہے۔ ممکن ہے کسی دور میں اسلام کے زرین اصولوں کے استحکام کے لیے جنگ لڑی جا رہی ہو، مسلمانوں میں بے چینی ہو، لیکن اسلام کو تحفظ مل رہا ہو۔ چنانچہ یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کو تو استحکام ہو لیکن اسلامی اصول پامال ہو رہے ہوں اور دین کی تمکین و استحکام، اس کے نظام عدل و انصاف کا قیام، ہر قسم کے ظلم و زیادتی کو جڑ سے اکھاڑ دینا اور ہر قسم کے شرک سے پاک اللہ کی بندگی ہے اور ظہور مہدی علیہ السلام کے بعد ہی یہ وعدہ پورا ہو سکتا ہے۔

۵۶۔ اللہ کی رحمت کے شامل حال ہونے کے لیے نماز، زکوٰۃ اور اطاعت رسول ﷺ شرط ہے۔ یہاں تین رابطوں کا ذکر ہے۔ نماز سے اللہ کے ساتھ، زکوٰۃ سے لوگوں کے ساتھ اور اطاعت رسول ﷺ سے زمین پر اللہ کی حکومت کے ساتھ۔ ان تین رابطوں کے استوار ہونے کے بعد بندہ قابل رحمت بنتا ہے۔

۵۷۔ یہ رسول کریم ﷺ کے لیے ایک خوش خبری ہے کہ کافر آپ کا راستہ نہیں روک سکیں گے بلکہ وہ نابود ہو کر جہنم رسید ہو جائیں گے۔

۵۸۔ جب یہ حکم آیا کہ لوگوں کے گھروں میں اجازت

| | |
|---|---|
| لَكُمُ الۡاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الۡاَطۡفَالُ مِنۡكُمُ الۡحُلُمَ فَلۡيَسۡتَاۡذِنُوۡا كَمَا اسۡتَاۡذَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۵۹﴾ وَالۡقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِىۡ لَا يَرۡجُوۡنَ نِكَاحًا فَلَيۡسَ عَلَيۡهِنَّ جُنَاحٌ اَنۡ يَّضَعۡنَ ثِيَابَهُنَّ غَيۡرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيۡنَةٍ ؕ وَاَنۡ يَّسۡتَعۡفِفۡنَ خَيۡرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۶۰﴾ لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡمَرِيۡضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ | ہے۔☆ ﴿۵۹﴾ اور جب تمہارے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اجازت لیا کریں جس طرح پہلے (ان کے بڑے) لوگ اجازت لیا کرتے تھے، اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے لیے بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا دانا، حکمت والا ہے۔ ﴿۶۰﴾ اور جو عورتیں (ضعیف العمری کی وجہ سے) خانہ نشین ہوگئی ہوں اور نکاح کی توقع نہ رکھتی ہوں ان کے لیے اپنے (حجاب کے) کپڑے اتار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والیاں نہ ہوں تاہم عفت کا پاس رکھنا ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ بڑا سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔☆ ﴿۶۱﴾ اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ مریض پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر اس بات میں کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی بڑی ماؤں (نانی دادی) کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے |

کے بغیر داخل نہ ہوں، تو اس میں کچھ حالات استثنائی ہیں، جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ وہ حالات یہ ہیں: ا۔ گھر کے غلام۔ ۲ نابالغ بچے۔ یہ دونوں گھر میں طَوّٰفُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ ہیں جو بار بار تمہارے پاس آتے رہتے ہیں۔ انہیں ہر بار اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ تین اوقات تمہارے تخلیے کے ہوتے ہیں، ان میں یہ دونوں بھی اجازت کے بغیر تمہارے پاس داخل نہ ہوں۔

ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّكُمۡ: العورۃ اصل میں عار سے مشتق ہے۔ مقام ستر کے کھلنے سے عار محسوس ہوتا ہے اور بے ستر ہونا عار و ننگ ہے۔ اس لیے عورت کو عورت کہتے ہیں۔

۶۰۔ یعنی وہ ضعیف العمر عورتیں جن کی خواہشات ختم ہو چکی ہوں اور ان کو دیکھنے سے مردوں کی خواہشات بیدار نہ ہوتی ہوں، ان کے لیے پردہ نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تاہم پردہ کرنا ان کے وقار کے لیے بہتر ہے۔

۶۱۔ اسلام سے پہلے اہل مدینہ نابینا اور معذور افراد کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اس آیت میں ان کے ساتھ کھانا کھانے کا حکم دیا۔ بُيُوۡتِكُمۡ اپنے گھروں سے مراد ان کی اپنی اولاد کے گھر ہیں اور دیگر گھروں سے صرف بقدر ضرورت بغیر اجازت کے کھا سکتے ہیں۔

اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِکُمْ
اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِکُمْ
اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِکُمْ
اَوْ مَا مَلَکْتُمْ مَّفَاتِحَہٗۤ اَوْ صَدِیْقِکُمْ ؕ
لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ
اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی
اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً
طَیِّبَۃً ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ
لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ع ﴿۶۱﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ
اِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰۤی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ
یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ
یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ

چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان کے گھروں سے جن گھروں کی چابیاں تمہارے اختیار میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا جدا جدا اور جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اپنے آپ پر سلام کیا کرو اللہ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ تحیت کے طور پر، اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان فرماتا ہے، شاید تم عقل سے کام لو۔☆ ﴿۶۲﴾ مومن تو بس وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی معاملے میں رسول اللہ کے ساتھ ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر نہیں ہلتے، جو لوگ آپ سے اجازت مانگ رہے ہیں یہ یقینا وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں لہٰذا جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے

فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ: جب کسی گھر میں داخل ہو تو اپنے آپ پر سلام کرو۔ اس سے مراد ہے اپنے ہم نوع اور برادران دینی پر سلام کرو جو فی الحقیقت خود تمہارا حصہ ہیں۔ پھر جب گھر والوں کو سلام کرو گے تو وہ جواب میں تمہیں سلام کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تم خود اپنے لیے سلام کر رہے ہو نیز یہ سلام اللہ کی طرف سے تحیت اور مبارک ہے۔ حدیث کے مطابق مؤمن کی ایک دوسرے کے بارے میں دعا بھلائی میں اضافہ اور پاکیزہ روزی کا سبب بنتی ہے۔

۶۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ اجتماعی مسائل کو باہمی مشورے کے ساتھ طے فرماتے تھے اور وحی کا ذریعہ ہونے کے باوجود لوگوں کو اعتماد میں لیتے تھے اور جو لوگ رسول ﷺ پر قلبی ایمان رکھتے تھے وہ ان آداب کا احترام کرتے تھے اور رسول ﷺ کی مجلس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے اور حقیقی مؤمن اجازت کے بغیر اس مجلس کو نہیں چھوڑتے تھے، جبکہ منافق دوسروں کی آڑ میں کھسک جاتے تھے۔

۶۳۔ دُعَآءَ الرَّسُوْلِ کا مطلب رسول ﷺ کو پکارنا بھی ہو سکتا ہے اور رسول ﷺ کا پکارنا بھی۔ پہلی صورت میں اس کے یہ معنی بنتے ہیں کہ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو رسول ﷺ کو اس طرح یا محمد ﷺ کہہ کر مت پکارو۔ رسول ﷺ خود تو اضع ضرور فرماتے ہیں لیکن امت کو رسالت کی

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ
لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ
مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٢﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ
الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ
بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ
الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ
تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ
وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا
عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٤﴾ ع ١٥

اجازت مانگیں تو ان میں سے جسے آپ چاہیں اجازت دے دیں اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔☆

﴿٦٣﴾ تمہارے درمیان رسول کے پکارنے کو اس طرح نہ سمجھو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، تم میں سے جو دوسروں کی آڑ میں کھسک جاتے ہیں اللہ انہیں جانتا ہے، جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات کا خوف لاحق رہنا چاہیے کہ مبادا وہ کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں یا ان پر کوئی دردناک عذاب آ جائے۔☆

﴿٦٤﴾ متوجہ رہو! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اللہ جانتا ہے تم جس حال میں ہو اور جس دن انہیں اس کی طرف پلٹا دیا جائے گا تو وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں اور اللہ کو ہر چیز کا خوب علم ہے۔

منزلت و مقام کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

دوسری صورت میں یہ معنی بنتے ہیں: رسول ﷺ کے بلانے کو عام آدمیوں کے بلانے کی طرح نہ سمجھو۔ رسول ﷺ کا بلانا اللہ کا بلانا ہے۔ اسی لیے رسول ﷺ کے بلانے پر فوری لبیک کہنا ایمان کا تقاضا ہے۔ اگر کوئی رسول ﷺ کے بلانے پر لبیک نہ کہے تو اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ رسول ﷺ کو دل سے نہیں مانتا۔ اسی وجہ سے اگر نماز کی حالت میں بھی ہو تو رسول کے بلانے پر فوری لبیک کہنا فرض ہے، جبکہ بعض حضرات نے رسول ﷺ کے بلانے پر کھانے کو ترک نہیں کیا تھا اور کھاتے رہے، رسول ﷺ کی آواز پر لبیک نہیں کہی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے بددعا دی: لا اشبع اللہ بطنہ۔ خدا اس کے شکم کو سیر نہ کرے۔ (صحیح مسلم باب من لعنہ النبی ۱۶: ۳۳ ح ۶۵۸۰)

يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ: رسول اللہ ﷺ کی حیات میں جن لوگوں نے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کی ہے، وہ رسول ﷺ کے بعد یا تو فتنے میں مبتلا ہوں گے یا عذاب الیم میں اور اس جملے میں عَنْ اَمْرِهٖ قرینہ ہے کہ دُعَآءَ الرَّسُوْلِ سے مراد رسول ﷺ کا حکم ہے۔ اس آیت کا تیسرا مطلب یہ لیا جاتا ہے: رسول ﷺ کی دعا، عام آدمی کی دعا نہ سمجھو۔ یعنی رسول ﷺ کی بددعا کو دوسروں کی بددعا کی طرح نہ سمجھو۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس لیے نبی کی بددعا مت لو تم ہلاک ہو جاؤ

اٰیاتھا ٧٧ — ٢٥ سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ٤٢ — رکوعاتھا ٦

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾ وَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً لَّا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّ ہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ وَ لَا یَمۡلِکُوۡنَ لِاَنۡفُسِہِمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا وَّ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مَوۡتًا وَّ لَا حَیٰوۃً وَّ لَا نُشُوۡرًا ﴿۳﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡکُۨ افۡتَرٰىہُ وَ اَعَانَہٗ عَلَیۡہِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ ۚۛ

معانقة ١٠

سورہ فرقان۔مکی۔آیات ۷۷

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ سارے جہاں والوں کے لیے انتباہ کرنے والا ہو۔☆ ② جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور جس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے اور جس نے ہر چیز کو خلق فرمایا پھر ہر ایک کو اپنے اندازے میں مقدر فرمایا۔☆ ③ لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو خلق نہیں کر سکتے بلکہ خود مخلوق ہیں اور وہ اپنے لیے بھی کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور وہ نہ موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ حیات کا اور نہ ہی اٹھائے جانے کا۔ ④ اور کفار کہتے ہیں: یہ قرآن ایک خودساختہ چیز ہے جسے اس شخص نے خود گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے، (ایسی باتیں کر کے) یہ لوگ ظلم اور جھوٹ کے

---

گے۔اس تفسیر کے مطابق وہ توجیہ قرآن کے خلاف ہوجائے گی جس میں کہا جاتا ہے کہ رسول ﷺ کسی پر لعنت یا سب کریں یا بددعا دیں تو وہ اس کے لیے اجر ورحمت بن جاتی ہے۔یعنی رسول ﷺ اس پر لعنت کر رہے ہیں، وہ لعنت رحمت میں تبدیل ہو جائے گی۔ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد دوم باب من لعنہ النبی

سورۂ فرقان

۱۔اس آیت میں مستشرقین کے اس الزام کی رد ہے کہ محمد ﷺ شروع میں صرف مکہ اور اس کے گرد و پیش والوں کی طرف مبعوث ہونے کے مدعی تھے، بعد میں محمد ﷺ نے اپنی دعوت کو وسعت دی، جبکہ مکہ میں نازل ہونے والی اس سورت میں اعلان ہوتا ہے کہ یہ رسول ﷺ سارے جہانوں کی تنبیہ کے لیے آیا ہے۔

۲۔آسمانوں اور زمین کی سلطنت صرف اللہ کے پاس ہے۔ وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ اس سلطنت میں کوئی شریک نہیں ہے۔جب کہ مشرکین تدبیر وسلطنت میں دوسروں کو شریک بناتے تھے کہ خلق تو خدا نے کیا ہے لیکن خلق کے بعد تدبیر کے اختیارات غیر اللہ کے پاس ہیں۔

وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا: ہر چیز کی تخلیق اور تقدیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔تقدیر، تخلیق سے جدا عمل نہیں ہے۔اسی طرح تدبیر تقدیر سے جدا عمل نہیں ہے۔

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۴ۚ وَ قَالُوْٓا
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى
عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۵ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ
يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۶ وَقَالُوْا مَالِ
هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي
الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ
فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۷ۙ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ
كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ
قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا
مَّسْحُوْرًا ۸ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ
الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۹ ع
تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا

مرتکب ہوئے ہیں۔ ۵ اور کہتے ہیں: (یہ قرآن) پرانے
لوگوں کی داستانیں ہیں جو اس شخص نے لکھوا رکھی ہیں اور جو
صبح و شام اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔☆ ۶ کہہ دیجیے:
اسے تو اس اللہ نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کا راز
جانتا ہے، بے شک وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ ۷ اور وہ کہتے
ہیں: یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا
پھرتا ہے؟ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوتا؟ تاکہ اس
کے ساتھ تنبیہ کر دیا کرے۔☆ ۸ یا اس کے لیے کوئی
خزانہ نازل کر دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھا
لیا کرتا اور ظالم لوگ (اہل ایمان سے) کہتے ہیں: تم تو ایک
سحر زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔☆ ۹ دیکھیے! یہ لوگ
آپ کے بارے میں کیسی باتیں بنا رہے ہیں، پس یہ ایسے
گمراہ ہو گئے ہیں کہ ان کے لیے راہ پانا ممکن نہیں ہے۔
۱۰ بابرکت ہے وہ ذات کہ اگر وہ چاہے تو آپ کے لیے

---

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا: اس جملے کا حق ادا کرنے والا
ترجمہ مشکل ہے۔ ہر چیز کی تخلیق کے بعد اس کی بقاو
ارتقا کا پیمانہ متعین کیا۔ یعنی اس کی تخلیق کے وقت
ہی اس کی بقا و ارتقا کے لیے ضروری ہدایات اس
میں ودیعت فرمائیں۔ ہر ایک کی بقاو ارتقا کے علل و
اسباب کا تعین فرمایا اور فیزیکلی قانون وضع فرمایا۔
جس کو تقدیر کہتے ہیں۔ اس طرح ہر چیز کے لیے
ایک تقدیر متعین ہے۔ یعنی ہر چیز پہلے سے تنظیم شدہ
قانون کے تحت چل رہی ہے۔

۵۔ کہہ تو دیا کہ دوسرے لوگوں نے اس قرآن کو
گھڑنے میں مدد دی ہے، لیکن ان کی نشاندہی
نہیں کر سکتے تھے۔ صرف چند آزاد کردہ غلاموں کا
نام لیتے تھے جن کا مبلغ علم سب کے سامنے تھا اور
دشمن کے الزام کے الفاظ: "یہ قرآن پرانے لوگوں
کی داستانیں ہیں جنہیں اس شخص نے لکھوا رکھی
ہے"، اس بات کا ایک ثبوت چھوڑ گئے کہ قرآن کی
زندگی میں بھی ضبط تحریر میں لایا جاتا تھا اور اس کی
تدوین کا انتظام شروع سے کیا جا رہا تھا۔ اس میں
ان لوگوں کی رد ہے جو کہتے ہیں قرآن عہد رسالت
میں مدوّن نہ تھا۔

۷۔۸ ان کا یہ کہنا تھا کہ اللہ کی طرف سے جو رسول
آئے وہ بشر نہیں ہو سکتا۔ ان کے خیال میں مادی
وجود اللہ کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔ اسی لیے وہ
فرشتوں کو اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیتے تھے

| | |
|---|---|
| مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿١٠﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿١١﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿١٤﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿١٥﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿١٦﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا | اس سے بہتر ایسے باغات بنا دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپ کے لیے بڑے بڑے محل بنا دے۔☆ ﴿١١﴾ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جو قیامت کو جھٹلائے اس کے لیے ہم نے جہنم تیار کر رکھی ہے۔☆ ﴿١٢﴾ جب وہ (جہنم) دور سے انہیں دیکھے گی تو یہ لوگ غضب سے اس کا بپھرنا اور دھاڑنا سنیں گے۔ ﴿١٣﴾ اور جب انہیں جکڑ کر جہنم کی کسی تنگ جگہ میں ڈال دیا جائے گا تو وہاں وہ موت کو پکاریں گے۔ ﴿١٤﴾ (تو ان سے کہا جائے گا) آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی اموات کو پکارو۔ ﴿١٥﴾ کہہ دیجیے: کیا یہ مصیبت بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا اہل تقویٰ سے وعدہ کیا گیا ہے، جو ان کے لیے جزا اور ٹھکانا ہے۔ ﴿١٦﴾ وہاں ان کے لیے ہر وہ چیز جسے وہ چاہیں گے موجود ہوگی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ لازمی وعدہ آپ کے رب کے ذمے ہے۔☆ ﴿١٧﴾ اور اس دن |

اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ اسی لیے ان کے نزدیک کھانا اور لوگوں کے درمیان چلنا پھرنا رسالت کے منافی ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ اگر کوئی بشر رسول ہوتا ہے تو اس صورت میں ممکن ہے کہ ایک فرشتہ اس رسول کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ اس فرشتے کے ذریعے غیب کے ساتھ اتصال ممکن ہو یا اگر کسی بشر کو رسول بنانا ہی تھا تو خزانوں اور جاگیروں کا مالک ہوتا۔ یہ کیسا رسول ہے جو عام لوگوں کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ اسے چاہیے زمین پر بسنے والوں سے الگ پر تعیش زندگی گزارنے والا ہو، جبکہ رسول، اللہ کی طرف سے ہدایت دینے کے لیے آتے ہیں۔ وہ زندگی بھی ایسی گزارتے ہیں جو دوسروں کے لیے مثال ہو، تاکہ ان کی زندگی و سیرت بھی باعث ہدایت ہو۔

١٠۔ اگر مشیت الٰہی متقاضی ہوتی تو تمہارے تصور سے زیادہ خَیۡرًا مِّنۡ ذٰلِكَ باغات اور قصور فراہم کرتا۔

١١۔ انکار رسالت کی اصل وجہ وہ باتیں نہیں ہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ بنیادی وجہ آخرت کا انکار ہے کیونکہ مجرم عدالت اور حساب سے کتراتا ہے۔ انکار نبوت کی اصل وجہ معاد کا انکار ہے۔ جب ان کے نزدیک یوم حساب نہیں ہے، عذاب و ثواب نہیں ہے، جنت و نار نہیں ہے تو قانون، شریعت، رسالت بے معنی ہو جاتی ہیں۔

١٦۔ وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا: یعنی ایسا وعدہ جس کی جوابدہی

يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ
اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا
السَّبِيْلَ ؕ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ
يَنْۢبَغِيْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ
اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى
نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ
كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ
صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ
نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا
قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ
لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ
وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ
اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۷

اللہ، ان لوگوں کو اور اللہ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے ان کو (بھی) جمع کرے گا اور پھر فرمائے گا: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود گمراہ ہوئے تھے؟☆ ﴿۱۷﴾ وہ کہیں گے: پاک ہے تیری ذات ہمیں تو حق ہی نہیں پہنچتا کہ ہم تیرے سوا کسی کو اپنا ولی بنائیں لیکن تو نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو نعمتیں عطا فرمائیں یہاں تک کہ یہ لوگ (تیری) یاد کو بھول گئے اور یہ ہلاکت میں پڑنے والے لوگ تھے۔☆ ﴿۱۸﴾ پس انہوں (تمہارے معبودوں) نے تمہاری باتوں کو جھٹلا یا لہٰذا آج تم نہ تو عذاب کو ٹال سکتے ہو اور نہ ہی کوئی مدد حاصل کر سکتے ہو اور تم میں سے جو بھی ظلم کرے گا ہم اسے بڑا عذاب چکھا دیں گے۔ ﴿۱۹﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے تھے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنا دیا کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب تو خوب دیکھنے والا ہے۔☆ ﴿۲۰﴾

ہوتی ہے۔ اللہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے۔ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ (الانبیاء: ۲۳) "وہ جو کرتا ہے اس کے بارے میں پوچھا نہیں جاتا البتہ لوگوں سے پوچھا جائے گا۔" بعض چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات پر لازم قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام: ۵۴) "تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے۔" یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ اللہ نے خود لازم قرار دیا ہے، کیونکہ وعدہ خلافی قبیح ہے اور اللہ سے قبیح عمل صادر نہیں ہو سکتا۔

۱۷۔۱۸ جن غیر اللہ کی مشرکین پوجا کرتے تھے، ان سے جب قیامت کے دن سوال ہوگا کہ کیا تم نے ان کو گمراہ کیا تھا؟ تو ان کا یہ جواب ہوگا یہ لوگ دنیا کی ناز و نعمت کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ واضح رہے کہ جب لوگ ہدایت الٰہی کو قبول نہیں کرتے اور ناقابل ہدایت ہو جاتے ہیں تو اللہ ان کو دنیا کی نعمت اور ڈھیل دے کر عذاب کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے سب سے بڑی سزا ہے۔

۲۰۔ انبیاء علیہم السلام کو انسانی طور طریقوں کے مطابق کھانا کھانے اور بازاروں میں چلنے والے بنانے میں دوسری حکمتوں کے ساتھ یہ حکمت بھی کارفرما ہے کہ ایک آزمائش ہے جس سے پاک طینت لوگوں اور خواہش پرست لوگوں میں فرق واضح ہوتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ

﴿۲۱﴾ اور جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں: ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں کیے گئے یا ہم اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھ لیتے؟ یہ لوگ اپنے خیال میں خود کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور بڑی حد تک سرکش ہو گئے ہیں۔☆ ﴿۲۲﴾ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان مجرموں کے لیے مسرت کا دن نہ ہو گا اور وہ (فرشتے) کہیں گے: (تمہارے لیے مسرت) حرام ممنوع ہے۔☆ ﴿۲۳﴾ پھر ہم ان کے کیے ہوئے عمل کی طرف توجہ کریں گے اور ان کے کیے ہوئے عمل کو اڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے۔☆ ﴿۲۴﴾ اہل جنت اس دن بہترین ٹھکانے اور بہترین سکون کی جگہ میں ہوں گے۔ ﴿۲۵﴾ اور اس دن آسمان ایک بادل کے ذریعے پھٹ جائے گا اور فرشتے لگا تار نازل کیے جائیں گے۔☆ ﴿۲۶﴾ اس دن سچی بادشاہی صرف خدائے رحمٰن کی ہوگی اور کفار کے لیے وہ بہت مشکل دن ہو گا۔ ﴿۲۷﴾ اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا: کاش میں نے رسول

---

۲۱۔ کافروں کا اللہ پر اعتراض ہے کہ اس نے جو رسول بھیجے وہ درست نہ تھے، فرشتوں کو بھیجنا چاہیے تھا اور ایمان بالغیب کی دعوت بھی درست نہ تھی، اسے خود ظاہر ہو کر سامنے آنا چاہیے تا کہ سب لوگ اسے دیکھ لیں اور ایمان لے آئیں۔

جواب میں فرمایا: ان لوگوں نے اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھ رکھا ہے کہ اللہ پر اعتراض کرنے لگ گئے اور سرکشی یہاں تک پہنچ گئی کہ اللہ کا عمل انہیں پسند نہیں۔

۲۲۔ اگر يَقُوْلُوْنَ کو مجرمین کے ساتھ مربوط کیا جائے تو اس آیت کا ترجمہ یہ بنے گا: وہ (مجرمین) کہیں گے: (ہمارے لیے) مسرت حرام ممنوع ہے۔

۲۳۔ مشرک ایک مجرم ہے اس میں کوئی حسن نہیں ہے۔ عمل کرنے والا مجرم ہے تو اس کے عمل میں کوئی حسن نہیں آئے گا۔ لہٰذا جس شخص میں ایمان نہیں اس میں کوئی حسن نہیں۔ نتیجتاً اس کے عمل میں بھی کوئی حسن نہ ہوگا۔

هَبَآءً: ان زروں کو کہتے ہیں جو روشندانوں سے آنے والی سورج کی روشنی میں غبار کی طرح نظر آتے ہیں۔

۲۵۔ آسمان پھٹ جائے گا۔ یعنی آسمان کے راستے کھل جائیں گے اور بادل کے سائبانوں میں فرشتے زمین پر اتریں گے۔

عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ
الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ
اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ
الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ
لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ
يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ
عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ
هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ
كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ
تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ
بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾ اَلَّذِيْنَ

کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا۔ (۲۸) ہائے تباہی! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (۲۹) اس نے مجھے نصیحت سے گمراہ کر دیا جب کہ میرے پاس نصیحت آ چکی تھی اور انسان کے لیے شیطان بڑا ہی دغا باز ہے۔☆ (۳۰) اور رسول کہیں گے: اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو واقعی ترک کر دیا تھا۔☆ (۳۱) اور اس طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے بعض کو دشمن بنایا ہے اور ہدایت اور مدد دینے کے لیے آپ کا رب کافی ہے۔☆ (۳۲) اور کفار کہتے ہیں: اس (شخص) پر قرآن یکبارگی نازل کیوں نہیں ہوا؟ (بات یہ ہے کہ) اس طرح (آہستہ اس لیے اتارا) تاکہ اس سے ہم آپ کے قلب کو تقویت دیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنایا ہے۔☆ (۳۳) اور یہ لوگ جب بھی آپ کے پاس کوئی مثال لے کر آئیں تو ہم جواب میں آپ کو حق کی بات اور بہترین وضاحت سے نوازتے ہیں۔☆ (۳۴) یہ وہ لوگ ہیں جو اوندھے منہ جہنم کی

---

۲۹۔ ایسا اکثر ہوتا ہے اور تاریخ اسلام میں بھی ہوا ہے کہ اچھے خاصے دینداروں کو مفاد پرستوں نے گمراہ کیا اور اپنے ناجائز عمل کی توجیہ کر کے اپنے آپ کو اور دوسروں کو جھوٹی تسلی دیتے رہے۔

۳۰۔ قیامت کے روز جہاں گمراہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہوں گے، وہاں رسول ﷺ بھی اللہ کی بارگاہ میں ان مجرموں کے جرم سے متعلق جو بنیادی مسئلہ اٹھائیں گے، وہ ہے قرآن کو ترک کرنا اور جو دستور حیات آپ ﷺ نے انسانوں کے لیے عنایت فرمایا تھا اسے ان لوگوں نے قابل اعتنا نہ سمجھا اور اس کی جگہ انسان کے خود ساختہ دستور حیات پر عمل کرنے اور اس کے مطابق فیصلے کرنے کو قابل فخر سمجھا۔

۳۱۔ ہماری سنت (روش) اس طرح نہیں ہے کہ ادھر انبیاء علیہم السلام کی طرف سے حق کی دعوت آ گئی ادھر لوگ اس کی طرف جوق در جوق آ جاتے ہوں بلکہ اس دعوت کے سامنے دشمنوں کی بہت بڑی رکاوٹ حائل ہو گی اور مشکلات و صعوبات کے حوصلہ شکن سلسلوں کو پھلانگنا پڑے گا۔ اگر یہ کوئی آسان کام ہوتا تو سب یہ کام کرتے اور حق و باطل میں تمیز ختم ہو جاتی۔ البتہ استقامت اور ثابت قدمی دکھانے کے بعد آخر میں اللہ کی نصرت آ جاتی ہے۔

۳۲۔ قرآن کو دفعتاً نہیں تدریجاً نازل کرنے کی بنیادی وجہ یہ بتائی کہ اس کے ذریعے اللہ رسول ﷺ کے دل کو ثبات دیتا رہا۔ رسول ﷺ کے دل کی کمزوری سے کوئی عدم ثبات کا خطرہ نہ تھا، بلکہ جس جاہلی معاشرے کی تربیت کرنا تھی اس کے لیے وقت درکار تھا۔ دفعتاً کتاب پڑھانے سے یہ مسئلہ حل نہ ہوتا۔ اس عظیم انقلاب کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے فطرت سے ہم آہنگ تدریجی قدم اٹھانا ضروری تھا۔

يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ ج فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ ؕ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ ج وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا

طرف دھکیلے جائیں گے، ان کا ٹھکانا بہت برا ہے اور وہ راہ حق سے بہت ہی دور ہو گئے ہیں۔ ﴿٣٤﴾ اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت فرمائی اور ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنا کر ان کے ساتھ کر دیا۔☆ ﴿٣٥﴾ پھر ہم نے کہا: تم دونوں اس قوم کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے، چنانچہ ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔☆ ﴿٣٦﴾ اور جب قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور انہیں لوگوں کے لیے نشان (عبرت) بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿٣٧﴾ اور یہی (حشر) عاد اور ثمود اور اصحاب الرس کا بھی ہوا ہے اور ان کے درمیان بہت سی امتوں کا بھی۔☆ ﴿٣٨﴾ اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے مثالوں سے سمجھایا اور (آخر میں) سب کو بالکل ہی تباہ کر دیا۔ ﴿٣٩﴾ اور بتحقیق یہ لوگ اس بستی سے گزر چکے ہیں جس پر بدترین بارش برسائی گئی تھی تو کیا انہوں نے اس کا حال نہ دیکھا ہوگا؟ بلکہ (اس کے

٣٣۔ مَثَل: دلیل و حجت کے طور پر ایسی مثالیں اور نظیریں پیش کرتے ہیں جن سے آپ کی نبوت کو مخدوش کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم ان مثالوں کو ان کے لیے حجت اور دلیل بننے نہیں دیتے، اس کی ایسی احسن تفسیر بیان کرتے ہیں، جس سے ان کا مدعیٰ باطل ہو جاتا ہے۔

٣٥۔٣٦ آیت کا رخ کلام یہ ہے کہ ہم نے جس رسول کو تمہاری طرف بھیجا ہے وہ کوئی انوکھا معاملہ نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دے کر بھیجا ہے اور ہارون علیہ السلام کو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے وزیر بنایا ہے۔ تمہاری طرح ان لوگوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ ہم تم کو بھی تباہ کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد کی آیات میں قوم نوح کے غرق ہونے اور عاد و ثمود کی تباہی کا ذکر اس بات کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ گزشتہ انبیاء کی تاریخ میں جو کچھ ہوا ہے، وہ تمہارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

٣٨۔ نہج البلاغۃ میں آیا ہے: اَیْنَ اَصْحَابُ مَدَائِنِ الرَّسِّ الَّذِیْنَ قَتَلُوا النَّبِیِّیْنَ۔ رس کے شہروں کے باشندے کہاں ہیں، جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا۔

اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے یہاں کئی شہر آباد تھے۔ تفسیر صافی میں قمی سے نقل کیا ہے: رس آذربائیجان کے ایک علاقے کی نہر کا نام ہے۔ محمد عبدہ کے مطابق یہ وہی نہر ہے جسے آج کل نہر ارس کہتے ہیں۔

٤٠۔ اس بستی سے مراد قوم لوط کی بستی ہے اور بارش سے مراد پتھروں کی بارش ہے۔ حجاز والے شام جاتے ہوئے قوم لوط کے تباہ شدہ علاقوں سے

يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾
وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ
أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِن كَادَ
لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا
عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ
الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ أَرَأَيْتَ
مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ۖ أَفَأَنتَ تَكُونُ
عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ
يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا
كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾ أَلَمْ
تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ
لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ
دَلِيلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾

باوجود) یہ دوبارہ اٹھائے جانے کی توقع ہی نہیں رکھتے۔☆ ﴿٤١﴾ اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق ہی اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟☆ ﴿٤٢﴾ اگر ہم اپنے معبودوں پر ثابت قدم نہ رہتے تو اس (شخص) نے تو ہمیں ان سے گمراہ ہی کر دیا ہوتا اور جب یہ لوگ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ (صحیح راستے سے) گمراہ کون ہے؟ ﴿٤٣﴾ مجھے بتلاؤ جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ کیا آپ اس شخص کے ضامن بن سکتے ہیں؟☆ ﴿٤٤﴾ یا کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سننے یا سمجھنے کے لیے تیار ہیں؟ (نہیں) یہ لوگ تو محض جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔☆ ﴿٤٥﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کا رب سائے کو کس طرح پھیلاتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے ساکن بنا دیتا، پھر ہم نے سورج کو سائے (کے وجود) پر دلیل بنا دیا۔☆ ﴿٤٦﴾ پھر ہم تھوڑا تھوڑا کر کے اسے

---

گزرتے تھے۔

۴۱۔ ایک طرف یہ (نعوذ باللہ) رسول ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کو حقیر قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ساتھ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے جو دعوت شروع کی ہے اس کا مقابلہ صبر آزما ہے۔

۴۳۔ یعنی حق پر نفسانی خواہش کو مقدم رکھنے والا درحقیقت اپنی خواہشات کا بندہ ہے اور خواہشات کو اپنا معبود بنانا اور نفس پرستی جس قدر خطرناک ہے اس کا اندازہ اس آیت کے آخری جملے سے ہوتا ہے: أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا۔ کیا آپ ایسے شخص کا ذمہ لے سکتے ہیں؟

۴۴۔ چونکہ حیوانات کی غرض تخلیق انسان کے لیے ان کا مسخر ہونا ہے اور یہ غرض حیوانات سے انجام پاتی ہے، جبکہ سرکش انسان اپنی غرض تخلیق کے منافی عمل کرتا ہے، اس لیے انسان جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

۴۵۔ سورج سائے کے وجود پر دلیل اس لیے ہے کہ سائے کا پھیلنا اور سکڑنا سورج کی مختلف حالتوں سے مربوط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نظام تخلیق میں جامعیت کی طرف اشارہ ہے کہ اس نظام میں جہاں دھوپ کا اہم کردار ہے، بلکہ دھوپ ہی سے زندگی ہے، وہاں بعض اوقات اس حیات آفرین دھوپ سے بچنا بھی پڑتا ہے۔ اس کے لیے سایہ کی پناہ فراہم فرمائی۔ سایہ کی فراہمی کے لیے اجسام کو سایہ دار بنایا، ورنہ اجسام شفاف ہوتے تو سایہ وجود میں نہ آتا۔

۴۷۔ دن رات کی گردش میں یہ حکمت ہے کہ رات کو انسان نیند میں آرام کر کے چارج ہو جاتا ہے اس طرح دن کو اپنی دنیا و آخرت کے لیے بہتر فعالیت

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿٤٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿٤٨﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ ﴿٤٧﴾ اور وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ اور نیند کو سکون اور دن کو مشقت کے لیے بنایا۔☆ ﴿٤٨﴾ اور وہی تو ہے جو ہواؤں کو خوشخبری کے طور پر اپنی رحمت کے آگے آگے بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی برسایا ہے۔☆ ﴿٤٩﴾ تا کہ ہم اس کے ذریعے مردہ دیس کو زندگی بخشیں اور اس سے اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپاؤں اور انسانوں کو سیراب کریں۔ ﴿٥٠﴾ اور بتحقیق ہم نے اس (پانی) کو مختلف طریقوں سے ان کے درمیان پھرایا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں مگر اکثر لوگ انکار کے علاوہ کوئی بات قبول نہیں کرتے۔ ﴿٥١﴾ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک تنبیہ کرنے والا مبعوث کرتے۔☆ ﴿٥٢﴾ لہٰذا آپ کفار کی بات ہرگز نہ مانیں اور اس قرآن کے ذریعے ان کے ساتھ بڑے پیمانے پر جہاد کریں۔ ﴿٥٣﴾ اور اسی نے دو دریاؤں کو مخلوط کیا ہے، ایک شیریں مزیدار اور دوسرا کھارا کڑوا ہے اور اس نے دونوں کے درمیان ایک حد فاصل اور مضبوط رکاوٹ بنا دی ہے۔☆ ﴿٥٤﴾ اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا

کر سکتا ہے۔

۴۸۔ پانی زمین کے میل کچیل اور بہت سی مضر صحت چیزوں کو صاف و پاک کر دیتا ہے۔ فقہی اعتبار سے خالص پانی نجس چیزوں کو پاک کرتا ہے۔

۵۰۔ صَرَّفْنٰهُ: ہم نے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا ہے، یعنی ہم نے اس پانی کو ان (لوگوں) کے درمیان گھمایا پھرایا تا کہ ہر ایک کو اپنی ضرورت کا پانی میسر آ جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پانی کو بخار، بادل اور ہوا کے ذریعے اور نہروں اور دریاؤں کو جاری کر کے مختلف علاقوں میں پھراتا ہے۔

۵۱۔ لیکن ہم نے ہر بستی میں تنبیہ کرنے والا رسول نہیں بھیجا۔ ان تمام رسولوں کی جگہ صرف آپ ﷺ کو مبعوث کیا۔ چونکہ صرف آپ ﷺ کی وجہ سے ہم تمام بستیوں کی طرف رسول بھیجنے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی عظمت اور آفاقیت واضح ہوجاتی ہے۔

۵۳۔ دریا کا میٹھا پانی جب سمندر میں گرتا ہے تو دریا سمندر کے تلخ پانی کے درمیان اپنی شیرینی قائم رکھتا ہے۔ قدرت کا کرشمہ ہے کہ یہ دونوں پانی وزن میں مختلف ہونے کی وجہ سے آپس میں مخلوط نہیں ہوتے۔

۵۴۔ ایک ہی بوند سے دو مختلف مخلوقات، نسب اور سسرال، مرد اور عورت وجود میں آتے ہیں، جن کی اصل ایک ہے، نوع ایک ہے اور دونوں کا تعلق ایک بنیاد یعنی انسانیت سے ہے، مگر خصوصیات مختلف، نفسیاتی اور جسمانی تقاضے مختلف ہیں۔ اس کے باوجود ایک دوسرے سے متصادم نہیں بلکہ ایک

خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ ۚۛ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ

پھر اس کو نسب اور سسرال بنایا اور آپ کا رب بڑی طاقت والا ہے۔☆ ﴿۵۵﴾ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جو نہ تو انہیں نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ ضرر اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں (دوسرے کافروں کی) پشت پناہی کرتا ہے۔ ﴿۵۶﴾ اور (اے رسول) ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿۵۷﴾ کہہ دیجیے: اس کام پر میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر یہ (چاہتا ہوں) کہ جو شخص چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کر لے۔☆ ﴿۵۸﴾ اور (اے رسول) اس اللہ پر توکل کیجیے جو زندہ ہے اور اس کے لیے کوئی موت نہیں ہے اور اس کی ثناء کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اپنے بندوں کے گناہوں سے مطلع ہونے کے لیے بس وہ خود ہی کافی ہے۔☆ ﴿۵۹﴾ جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے (سب کو) چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر اقتدار قائم کیا، وہ نہایت رحم کرنے والا ہے لہٰذا اس کے بارے میں کسی باخبر سے دریافت کرو۔☆ ﴿۶۰﴾ اور

دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے پرکشش ہیں۔ آپس میں اعتدال برقرار ہے۔

۵۷۔ تبلیغ رسالت پر تم سے اجرت نہیں مانگتا۔ بس میری اجرت یہ ہے کہ تم اپنی خودمختاری کے ساتھ آزادانہ طور پر مَنْ شَآءَ کی بنیاد پر اپنے رب کا راستہ اختیار کرو۔ اگر اجر مانگتا ہوں تو اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے۔ تمہاری بھلائی اور تمہاری نجات میرا اجر رسالت ہے۔ واضح رہے رب کا راستہ دکھانے والے ہادیان برحق قربی کی محبت بھی خود انسانوں کی بھلائی کے لیے چاہتے ہیں۔

۵۸۔ جو ذات ہمیشہ زندہ ہے اسی پر بھروسا کر کے انسان اپنی شخصیت کے اندر قوت پیدا کر سکتا ہے۔ توکل اس وقت صادق آتا ہے جب وہ اسی ذات کی تسبیح کرے اور گناہ کی صورت میں اس کو حاضر و ناظر سمجھے۔

۵۹۔ سب سے پہلے تو خود رحمٰن سے زیادہ کوئی ذات باخبر نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ ہستیاں باخبر ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے باخبر رکھا ہے۔

۶۱۔ بروج یعنی ستارے، جو آسمان پر چمکتے ہیں۔ برج ظہور کے معنوں میں بیشتر استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے عورتوں کی زیب و زینت ظاہر کرنے کو تبرج کہتے ہیں۔ لہٰذا چونکہ آسمان میں سب سے زیادہ ظہور ستاروں کو حاصل ہے، اسی لیے بروج سے مراد ستارے لینا لغت قرآن کے زیادہ موافق ہے۔

اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ ق
أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ﴿٦٠﴾
تَبٰرَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَّ
جَعَلَ فِيهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ
الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ
أَرَادَ أَنْ يَّذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾ وَ
عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى
الْأَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُونَ
قَالُوا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ
سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ
عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ
مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ إِذَا

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں: رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کے لیے تو کہہ دے؟ پھر ان کی نفرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ (٦١) بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ اور روشن چاند بنایا۔☆ (٦٢) اور وہی ہے جس نے ایک دوسرے کی جگہ لینے والے شب و روز بنائے، اس شخص کے لیے جو نصیحت لینا اور شکر ادا کرنا چاہتا ہے۔☆ (٦٣) اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر (فروتنی سے) دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے گفتگو کریں تو کہتے ہیں: سلام۔☆ (٦٤) اور جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔☆ (٦٥) اور جو یوں التجا کرتے ہیں: ہمارے رب! ہمیں عذاب جہنم سے بچا، بے شک اس کا عذاب تو بڑی تباہی ہے۔ (٦٦) بے شک جہنم تو بدترین ٹھکانا اور مقام ہے۔ (٦٧) اور یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف

٦٢۔ زمین کی گردش کی موجودہ رفتار ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی جگہ ایک سو میل فی گھنٹہ ہوتی تو دن اور رات دس گنا لمبے ہو جاتے اور گرمیوں میں دن کو تمام نباتات جل جاتیں اور سردیوں میں رات کو جم جاتیں۔

٦٣۔ چال انسان کی شخصیت کی ترجمانی کرتی ہے۔ ایک مطمئن ضمیر کے مالک اور ایک فکری اعتدال رکھنے والے کی چال میں اور شخصیت میں خلا رکھنے والے کی چال میں فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی بندگی کرنے والوں کی شخصیت میں خلا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ جاہلوں کے ساتھ الجھتے ہیں۔ اگر کوئی بدتہذیبی کرتا ہے تو اللہ کی بندگی کرنے والا اپنی تہذیب کا مظاہرہ سلام کے ساتھ کر کے گزر جاتا ہے۔

٦٤۔ رات نماز کے لیے مناسب وقت ہے۔ اس میں سکون و سکوت حاصل ہوتا ہے۔ عبادت گزار، نظروں سے پوشیدہ ریاکاری سے دور ہوتا ہے۔ جبکہ دن جہاد، تحصیل علم، حصول معاش جیسی عبادات کے لیے موزوں ہے۔

٦٧۔ نہ وہ اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی کنجوسی کرتے ہیں۔ اسراف طاقت کا ضیاع اور کنجوسی طاقت کا جمود ہے۔ اسلام فردی ملکیت کا قائل ہے، لیکن اس ملکیت میں نہ ضیاع کی اجازت دیتا ہے، نہ جمود کی، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک اعتدال کی سفارش

اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ

کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں بلکہ ان کے درمیان اعتدال رکھتے ہیں۔☆ (٦٨) اور یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنا کر نہیں پکارتے اور جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر جائز طریقہ سے اور زنا کا ارتکاب (بھی) نہیں کرتے اور جو ایسا کام کرے گا وہ اپنے گناہ میں مبتلا ہو گا۔ (٦٩) قیامت کے دن اس کا عذاب دوگنا ہو جائے گا اور اسے اس عذاب میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہنا ہو گا۔☆ (٧٠) مگر جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیا تو اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے اور اللہ تو بڑا غفور رحیم ہے۔☆ (٧١) اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل انجام دیتا ہے تو وہ اللہ کی طرف حقیقی طور پر رجوع کرتا ہے۔ (٧٢) اور (عباد الرحمٰن وہ ہیں) جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب بیہودہ باتوں سے ان کا گزر ہوتا ہے تو شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں۔☆ (٧٣) اور وہ لوگ جنہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جائے تو وہ اس پر اندھے اور

---

کرتا ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی احادیث میں اس اعتدال کو دو برائیوں کے درمیان ایک نیکی قرار دیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا: یا بنی عَلَیۡکَ بِالۡحَسَنَةِ بَیۡنَ السَّیِّئَتَیۡنِ۔ (بحار الانوار ٦٨: ٢١٦) بیٹا تم دو برائیوں کے درمیان ایک نیکی اختیار کرو۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

٦٩۔ ممکن ہے مراد یہ ہو کہ جن لوگوں نے شرک کے ساتھ قتل بھی کیا ہو اور زنا بھی، وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ چونکہ زنا اور قتل اگرچہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن ان کی وجہ سے جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

٧٠۔ توبہ کرنے سے نیکی کو فروغ ملتا ہے۔ توبہ کرنے سے انسان کے اندر کا محرک بدل جاتا ہے۔ توبہ سے پہلے گناہ کا محرک فعال ہوتا ہے اور توبہ کے بعد نیکی کا محرک فعال ہو جاتا ہے۔ توبہ اس کیمیکل تبدیلی کی طرح ہے جس میں ایک تعفن دار غلاظت میوہ شیریں میں بدل جاتی ہے۔

٧٢۔ جھوٹی شہادت دینے میں حقوق کا ضیاع ہے اور ظلم کی کمک۔ جب مؤمن کا گزر کسی لغویات اور بیہودگی سے ہو جائے تو اپنا دامن بچا کر شریفانہ طریقے سے اس سے گزر جاتا ہے جیسے کسی متعفن مردار کے پاس سے گزر جاتا ہے۔

٧٤۔ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا: یعنی ہمیں پرہیزگاروں کا ہراول دستہ بنا دے کہ ہم آنے

اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ ع

بہرے بن کر نہیں گرتے۔ ﴿٧٣﴾ اور جو دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری ازواج اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔☆ ﴿٧٤﴾ ایسے لوگوں کو ان کے صبر کے صلے میں اونچے محل ملیں گے اور وہاں ان کا استقبال تحیت اور سلام سے ہوگا۔☆ ﴿٧٥﴾ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، بہت ہی عمدہ ٹھکانا اور مقام ہے۔ ﴿٧٦﴾ کہد یجیے: اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو میرا رب تمہاری پرواہ ہی نہ کرتا، اب تم نے تکذیب کی ہے اس لیے (سزا) لازمی ہوگی۔☆

## ٢٦ سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ٤٧ — اٰیاتها ٢٢٧ — رکوعاتها ١١

سورہ شعراء۔ مکی۔ آیات ٢٢٧

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

طٰسٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا

﴿١﴾ طا، سین، میم ﴿٢﴾ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔ ﴿٣﴾ شاید اس رنج سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے آپ

---

والوں کے لیے تقویٰ کی مثال بن جائیں، جیسا کہ حکم ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (بقرہ:١٤٨) نیک کاموں میں سبقت حاصل کرو۔

٧٥۔ گزشتہ آیات میں اللہ کے بندوں کے یہ اوصاف بیان ہوئے: ١۔ چال میں اعتدال۔ ٢۔ جاہلوں سے سلام کے علاوہ نہ الجھنا۔ ٣۔ رات کو عبادت کرنا۔ ٤۔ عذاب سے نجات کی دعا کرنا۔ ٥۔ خرچ میں اعتدال اپنانا۔ ٦۔ شرک سے اجتناب کرنا۔ ٧۔ قتل کا ارتکاب نہ کرنا۔ ٨۔ زنا کا ارتکاب نہ کرنا ٩۔ جھوٹی گواہی نہ دینا۔ ١٠۔ لغو اور بیہودہ کاموں سے شریفانہ انداز سے گزر جانا۔ ١١۔ آیات الٰہی سے نصیحت حاصل کرنا۔ ١٢۔ صالح اولاد اور اپنے لیے، تقویٰ و پرہیزگاری میں رہبرانہ کردار ادا کرنے کی توفیق کی دعا کرنا۔

٧٧۔ یعنی تم تکذیب کے مرتکب ہو چکے ہو اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو اللہ تمہاری پرواہ نہ کرتا۔ نجات کے لیے واحد ذریعہ دعا ہے۔ اگر دعا نہیں ہے تو تمہارا کوئی وزن نہیں ہے۔ بندگی سے انسان کو قدر و قیمت ملتی ہے اور دعا کے ذریعے بندگی مل جاتی ہے۔ اس آیت کے دوسرے معنی یہ کیے ہیں کہ اگر تمہاری عبادت نہ ہوتی تو تمہارا رب تمہاری پرواہ نہ کرتا۔ تیسرے معنی یہ کیے ہیں: اگر تمہارے رب کی طرف سے دعوت الی الحق نہ ہوتی تو تمہاری پرواہ نہ کرتا، اب تم نے تکذیب کر کے اس دعوت کو ٹھکرا دیا ہے، لہٰذا اب تمہاری کوئی قیمت نہیں رہی۔ یہ تیسرے معنی مذکورہ آیت کے ساتھ زیادہ مربوط ہیں۔

مُؤْمِنِيْنَ ۝٣ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ
السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا
خٰضِعِيْنَ ۝٤ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ
الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ
مُعْرِضِيْنَ ۝٥ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ
اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٦ اَوَلَمْ
يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ
زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝٧ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٩ ع وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ
مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠ ۙ قَوْمَ
فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝١١ قَالَ رَبِّ
اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝١٢ؕ وَيَضِيْقُ

اپنی جان کھو دیں گے۔ ۝٤ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایسی نشانیاں نازل کر دیں جس کے آگے ان کی گردنیں جھک جائیں۔☆ ۝٥ اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے تو یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔☆ ۝٦ یہ تکذیب کر بیٹھے ہیں تو جس چیز کا یہ لوگ مذاق اڑاتے تھے اب عنقریب اس کی خبریں آنے والی ہیں۔ ۝٧ کیا انہوں نے کبھی زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنی وافر مقدار میں ہر قسم کی نفیس نباتات اگائی ہیں؟☆ ۝٨ اس میں یقیناً ایک نشانی ضرور ہے مگر ان میں سے اکثر نہیں مانتے۔ ۝٩ اور یقیناً آپ کا رب ہی بڑا غالب آنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ۝١٠ اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا (اور کہا) کہ آپ ظالم لوگوں کے پاس جائیں، ۝١١ (یعنی) فرعون کی قوم کے پاس، کیا وہ ڈرتے نہیں؟ ۝١٢ موسیٰ نے عرض کی: میرے رب! مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔ ۝١٣ اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان نہیں چلتی سو

سورہ شعراء

۴۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے مشکل نہیں ہے، لیکن اللہ کو جبری ایمان منظور نہیں ہے، نہ ہی جبری ایمان کی کوئی قیمت ہے۔ جبری ایمان تو فرعون نے بھی قبول کیا تھا۔ جب غرق ہو رہا تو کہا تھا: میں ایمان لاتا ہوں اس اللہ پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اللہ کو جبری ایمان اس لیے قبول نہیں ہے، کیونکہ ایمان وہ ہے جس میں ذات الٰہی کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کی محبت دل میں اتر جائے پھر اسے قبول کرے۔

۵۔ نصیحت بھی ایسی ذات کی طرف سے آئی ہو جو رحمان ہے، پھر بھی منہ موڑ لیں، یہ بہت بڑی بدنصیبی ہے۔

۷۔ ہر قسم کی نفیس نباتات کا اگانا، جہاں اللہ کی خلاقیت پر دلالت کرتا ہے، وہاں اللہ کی ربوبیت پر بھی دلالت کرتا ہے کہ کائنات کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۱۳۔ ضیق صدر، زبان کی کندی، خوف تکذیب، وہ تین باتیں ہیں جن کی وجہ سے موسیٰ ؑ نے ہارون ؑ کو بھی اپنے ساتھ شریک رسالت کرنے کی درخواست کی اور ساتھ اس واقعے کی طرف اشارہ کیا جس میں حضرت موسیٰ ؑ نے آل فرعون کے ایک شخص کو قتل کیا تھا اور اس خدشے کا اظہار کیا کہ وہ مجھے دعوت دینے کا موقع ملنے سے پہلے ہی قتل کر دیں گے۔ اللہ نے فرمایا: آپ ؑ کو کوئی خوف لاحق نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ؑ کو بچانے والی ذات مَعَكُمْ آپ ؑ کے ساتھ ہے اور

صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى
هٰرُوْنَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ
يَّقْتُلُوْنِ ﴿١٤﴾ ج قَالَ كَلَّا ج فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا
مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ
فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ لا اَنْ
اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٧﴾ ط قَالَ
اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ
عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾ لا وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ
فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ قَالَ
فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ ط
فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ
رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾ وَ
تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ

تو ہارون کو (پیغام) بھیج (کہ میرا ساتھ دیں)۔☆ ﴿١٤﴾ اور ان لوگوں کے لیے میرے ذمے ایک جرم (کا دعویٰ) بھی ہے لہٰذا مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ ﴿١٥﴾ فرمایا: ہرگز نہیں! آپ دونوں ہماری نشانیاں لے کر جائیں کہ ہم آپ کے ساتھ سنتے رہیں گے۔ ﴿١٦﴾ آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں اور (اس سے) کہیں: ہم رب العالمین کے رسول ہیں،☆ ﴿١٧﴾ کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔☆ ﴿١٨﴾ فرعون نے کہا: کیا ہم نے تجھے بچپن میں اپنے ہاں نہیں پالا؟ اور تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں بسر کیے۔☆ ﴿١٩﴾ اور تو کر گیا اپنی وہ کرتوت جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔☆ ﴿٢٠﴾ موسیٰ نے کہا: ہاں اس وقت وہ حرکت مجھ سے سرزد ہو گئی تھی اور میں خطا کاروں میں سے تھا۔☆ ﴿٢١﴾ اسی لیے جب میں نے تم لوگوں سے خوف محسوس کیا تو میں نے تم سے گریز کیا پھر میرے رب نے مجھے حکمت عنایت فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے قرار دیا۔☆ ﴿٢٢﴾ اور تم مجھ پر اس بات کا احسان جتاتے ہو کہ تم نے بنی

آپؑ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی ہے۔ یعنی آپؑ اللہ کے تحفظ میں ہوں گے۔

١٦۔ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: اِنَّا جمع اور رَسُوْلُ مفرد! اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ دونوں کی رسالت بھی ایک اور بھائی ہونے کی وجہ سے یک جان دو قالب تھے۔

١٧۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو صدیوں تک غلام بنائے رکھا تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ کا بنیادی مقصد بنی اسرائیل کو فرعون کی اسارت سے نجات دلانا تھا۔

١٨ تا ٢٢۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی رسالت پر دو اعتراض اٹھائے: اول یہ کہ ہم نے تجھے پالا پوسا ہے۔ دوم یہ کہ تو نے ہم کو اس کا صلہ یہ دیا کہ ہمارا بندہ تو نے قتل کیا۔

حضرت موسیٰ نےؑ جواب میں پہلی بات کے بارے میں کہا کہ وہ قتل عمد نہ تھا بلکہ ایک سہو تھا جو مجھ سے صادر ہوا۔ لیکن دوسری بات کا جواب دیتے ہوئے الزام خود فرعون پر عائد کیا کہ تیرے گھر میں پرورش پانے کی نوبت خود تیرے ظلم و ستم کی وجہ سے آئی کہ میری والدہ نے تیرے ہی خوف سے مجھے دریا میں ڈال دیا تھا، ورنہ میں اپنے ہی گھر میں پرورش پاتا۔

٢٥ تا ٢٨۔ حضرت موسیٰؑ کا جواب فرعونیوں کے مسلمات کے خلاف تھا۔ انہوں نے اس سے پہلے کوئی ایسی بات کسی سے نہ سنی تھی اور رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ان کی ثقافت میں غیر مانوس لفظ تھا۔ چونکہ وہ عالمین کے لیے ایک نہیں، کئی ارباب کے قائل تھے۔ اس لیے فرعون نے تعجب سے پوچھا: وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ جب حضرت موسیٰؑ نے رب العالمین کی تعریف کی کہ وہ

بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرۡعَوۡنُ وَمَا
رَبُّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ
وَٱلۡأَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَآۖ إِن كُنتُم
مُّوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنۡ حَوۡلَهُۥٓ أَلَا
تَسۡتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ ءَابَآئِكُمُ
ٱلۡأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ ٱلَّذِيٓ
أُرۡسِلَ إِلَيۡكُمۡ لَمَجۡنُونٞ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ
ٱلۡمَشۡرِقِ وَٱلۡمَغۡرِبِ وَمَا بَيۡنَهُمَآۖ إِن كُنتُمۡ
تَعۡقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ ٱتَّخَذۡتَ إِلَٰهًا
غَيۡرِي لَأَجۡعَلَنَّكَ مِنَ ٱلۡمَسۡجُونِينَ ﴿٢٩﴾
قَالَ أَوَلَوۡ جِئۡتُكَ بِشَيۡءٖ مُّبِينٖ ﴿٣٠﴾ قَالَ
فَأۡتِ بِهِۦٓ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿٣١﴾ فَأَلۡقَىٰ
عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعۡبَانٞ مُّبِينٞ ﴿٣٢﴾ وَنَزَعَ

اسرائیل کو غلام بنائے رکھا ہے؟ (یہ تو غلامی تھی احسان نہیں تھا)۔☆ ﴿٢٣﴾ فرعون نے کہا: اور رب العالمین کیا ہے؟ ﴿٢٤﴾ موسیٰ نے کہا: آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا رب، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ ﴿٢٥﴾ فرعون نے اپنے اردگرد کے درباریوں سے کہا: کیا تم سنتے نہیں ہو؟☆ ﴿٢٦﴾ موسیٰ نے کہا: وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔☆ ﴿٢٧﴾ فرعون نے (لوگوں سے) کہا: جو رسول تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ دیوانہ ہے۔ ﴿٢٨﴾ موسیٰ نے کہا: وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کا رب ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔☆ ﴿٢٩﴾ فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قیدیوں میں شامل کروں گا۔☆ ﴿٣٠﴾ موسیٰ نے کہا: اگر میں تیرے پاس واضح چیز (معجزہ) لے آؤں تو؟☆ ﴿٣١﴾ فرعون نے کہا: اگر تم سچے ہو تو اسے لے آؤ۔ ﴿٣٢﴾ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ دفعتاً نمایاں اژدھا بن گیا۔ ﴿٣٣﴾ اور (گریبان سے) اپنا

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا رب ہے، تو یہ بھی ان کے لیے ایک اجنبی اور غیر معقول بات تھی۔ اس لیے تمسخر کے لہجے میں اپنے درباریوں سے کہا: سنتے ہو کہ یہ کیا نامعقول بات کہہ رہا ہے؟ اس پر حضرت موسیٰ ؑ نے مزید کہا: وہ رب تمہارے اور تمہارے آبا و اجداد کا رب ہے۔ یہ جملہ فرعون کی بادشاہت کی قانونی حیثیت کے خلاف ایک چیلنج تھا۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو اقتدار کے رب یعنی سورج کا نمائندہ سمجھتا تھا جس کو زمین میں اقتدار کا حق ہے۔ جب حضرت موسیٰ ؑ نے کہا: میں رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کا رسول ہوں تو یہ اس کے اقتدار کے خلاف ایک چیلنج بن گیا۔ اس لیے اس نے کہا: اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو تجھے زندان میں ڈال دوں گا۔

۲۹۔ حضرت موسیٰ ؑ لفظ رَب استعمال کرتے ہیں، فرعون جواب میں لفظ الٰہ معبود استعمال کرتا ہے۔ یہ اس لیے کہ رَبّ ہی معبود ہوتا ہے۔

۳۰۔ اس بات سے فرعون کو پریشانی لاحق ہوئی۔ وہ سر عام اس چیلنج کو رد نہیں کر سکتا تھا۔

۳۵۔ جب حضرت موسیٰ ؑ کے دو عظیم معجزے دیکھے تو فرعون بدحواس ہو گیا اور اپنی فرعونیت کے باوجود اپنے درباریوں کی طرف رجوع کیا۔ رعونت کو چھوڑ کر مشورہ طلب کیا۔ مشورہ یہ ملا کہ اس کے مقابلے میں جادو کر کے ہی اس معجزے کو باطل قرار دے

يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنّٰظِرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ
لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾
يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ
فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ
وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حٰشِرِينَ ﴿٣٦﴾ يَأْتُوكَ
بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ
لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ
هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ
السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغٰلِبِينَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا
جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا
لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ
نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ
لَهُمْ مُوسٰى أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٤٣﴾

ہاتھ نکالا تو وہ تمام ناظرین کے لیے چمک رہا تھا۔ (٣٤) فرعون نے اپنے گردوپیش کے درباریوں سے کہا: یقینا یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ (٣٥) وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کرے تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ☆ (٣٦) وہ کہنے لگے: اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں ہرکارے بھیج دو (٣٧) کہ وہ تمام ماہر جادوگروں کو تمہارے پاس لے آئیں۔ (٣٨) چنانچہ مقررہ دن کے مقررہ وقت پر جادوگر جمع کر لیے گئے۔ ☆ (٣٩) اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہو جاؤ گے؟ ☆ (٤٠) شاید ہم جادوگروں کے پیچھے چلیں اگر یہ لوگ غالب رہیں۔ (٤١) جب جادوگر آ گئے تو فرعون سے کہنے لگے: اگر ہم غالب رہے تو ہمارے لیے کوئی صلہ بھی ہو گا؟ (٤٢) فرعون نے کہا: ہاں! اور اس صورت میں تو تم مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔ (٤٣) موسیٰ نے ان سے کہا: تمہیں جو پھینکنا ہے پھینکو۔ ☆ (٤٤) انہوں نے اپنی رسیاں

---

سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ ؑ کا فرعون سے یہ مطالبہ تھا کہ ہمیں مصر کی سرزمین سے نکلنے اور اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دو۔ فرعون یہ کہتا ہے کہ موسیٰ ؑ ہم کو مصر کی سرزمین سے نکالنا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ ؑ نے کہا: اس کائنات کا ایک ہی رب ہے، اس کا میں نمائندہ ہوں تو فرعون کی بادشاہت کی قانونی حیثیت ختم ہو جاتی، کیونکہ وہ اپنے آپ کو سورج دیوتا کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے بادشاہ ہونے کا حقدار سمجھتا تھا اور سورج ان کے مذہب میں اقتدار کا رب تھا۔

۳۸۔ مقررہ دن سے مراد فرعونیوں کے تہوار کا دن تھا۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اتفاق سے وہ دن نوروز اور شنبہ کا دن تھا۔ (تفسیر مظہری) بنا بر صحت روایت حضرت موسیٰ ؑ کی فتح کا دن نوروز کا دن تھا۔

۳۹۔ اس آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے جذبات کو کس طرح ابھارا گیا ہو گا اور سرکاری اعلان عام اور پروپیگنڈہ کے ذریعے اس روز کو عظیم سے عظیم تر بنانے کی کوشش کی گئی ہو گی، کیونکہ ان کے زعم میں یہ روز ان کی فتح کا روز تھا۔

۴۳۔ اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ ؑ ان کے جادو کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا پورے اطمینان و سکون کے ساتھ کہا: پھینکو جو تمہیں پھینکنا

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ
فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى
مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا
يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ
اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ
السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۥ لَاُقَطِّعَنَّ
اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ
وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾ قَالُوْا لَا
ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّا
نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ
كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾ وَاَوْحَيْنَآ ع

اور لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے: فرعون کے جاہ وجلال کی قسم بے شک ہم ہی غالب آئیں گے۔ ﴿٤٥﴾ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اس نے دفعتاً ان کے سارے خود ساختہ دھندے کو نگل لیا۔☆ ﴿٤٦﴾ اس پر تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ ﴿٤٧﴾ کہنے لگے: ہم عالمین کے رب پر ایمان لے آئے، ﴿٤٨﴾ موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔☆ ﴿٤٩﴾ فرعون نے کہا: میری اجازت سے پہلے تم موسیٰ کو مان گئے؟ یقیناً یہ (موسیٰ) تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے ابھی تمہیں (تمہارا انجام) معلوم ہو جائے گا، میں تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف سمتوں سے ضرور کٹوا دوں گا اور تم سب کو ضرور سولی پر لٹکا دوں گا۔☆ ﴿٥٠﴾ وہ بولے کوئی حرج نہیں ہم اپنے رب کے حضور لوٹ جائیں گے،☆ ﴿٥١﴾ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔☆ ﴿٥٢﴾ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے

ہے۔

۴۵۔ اَللَّقف تیزی سے نگل لینا۔ یَأفِکُ اَلْاِفک حقیقت کو خیال میں بدل دینا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جادو کسی حقیقت پر مبنی نہیں ہوتا۔

جادوگروں کی توقع کے خلاف، اس جادو کو جس پر پوری مملکت کی مہارت صرف ہوئی اور پوری شہنشاہی طاقت لگائی گئی، یکدم ایک عصا نے ہڑپ کر لیا۔

۴۸۔ حالانکہ وہ فرعون سے انعام واکرام کی توقع لے کر آئے تھے۔ حق کے مشاہدے نے ان کے وجود میں انقلاب پیدا کیا، جب کہ جادوگر ان کے ہاں معاشرے کے اہم افراد تھے۔ یعنی عبادت گاہوں کے کاہنوں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ جادوگروں کے ایمان سے یہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

۴۹۔ جب عبادت گاہوں کے کاہنوں کی طرف سے ایمان کا اعلان ہوا تو فرعون کی شہنشاہیت کی قانونی حیثیت مشکوک ہو گئی، کیونکہ وہ اپنے آپ کو سورج دیوتا کا شرعی اور قانونی نمائندہ تصور کرتا تھا، اس لیے اس کا بوکھلا جانا قدرتی امر تھا۔

میری اجازت سے پہلے ایمان کیوں لائے۔ موسیٰ تمہارا بڑا جادوگر ہے، جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ یہ دونوں باتیں رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے ہیں، ورنہ کسے نہیں معلوم کہ یہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد نہیں تھے۔ ان کا تعلق موسیٰ علیہ السلام سے نہیں خود فرعون سے تھا۔ نہ وہ ایمان کی اجازت دینے والے تھے، نہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں میں کوئی سابقہ ربط رہا تھا۔

۵۰۔ یعنی کوئی پرواہ نہیں، خواہ ہاتھ پاؤں کٹ جائیں

| | |
|---|---|
| اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ ۙ وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ ؕ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ ۙ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ ۙ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ ؕ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ ۚ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾ ۚ وَ اَزْلَفْنَا | بندوں کو لے کر رات کو نکل پڑیں یقیناً آپ کا تعاقب کیا جائے گا۔☆ ﴿۵۲﴾ (ادھر) فرعون نے شہروں میں ہرکارے بھیج دیے، ﴿۵۳﴾ (ان کے ساتھ یہ کہلا بھیجا) کہ بے شک یہ لوگ چھوٹی سی جماعت ہیں۔☆ ﴿۵۴﴾ اور انہوں نے ہمیں بہت غصہ دلایا ہے۔ ﴿۵۵﴾ اور اب ہم سب پوری طرح مستعد ہیں۔ ﴿۵۶﴾ چنانچہ ہم نے انہیں باغوں اور چشموں سے نکال دیا ہے۔ ﴿۵۷﴾ اور خزانوں اور بہترین رہائش گاہوں سے بھی۔ ﴿۵۸﴾ اس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا۔☆ ﴿۵۹﴾ چنانچہ صبح ہوتے ہی (فرعون کے) لوگ ان کے تعاقب میں نکل پڑے۔ ﴿۶۰﴾ جب دونوں گروہ ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگے تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا: ہم تو پکڑے جانے والے ہیں۔☆ ﴿۶۱﴾ موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں! میرا رب یقیناً میرے ساتھ ہے، وہ مجھے راستہ دکھا دے گا۔☆ ﴿۶۲﴾ پھر ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی اپنا عصا سمندر پر ماریں چنانچہ دریا پھٹ گیا اور اس کا ہر حصہ عظیم پہاڑ کی طرح ہو گیا۔☆ ﴿۶۳﴾ اور وہاں ہم نے |

یا سولی چڑھ جائیں یا شہید ہو جائیں، ہم تو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جائیں گے۔ رب کے پاس جانے میں کیا پرواہ ہے؟ بلکہ یہ عاشقان حقیقت کے لیے باعث خوشی ہے۔

۵۱۔ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ: اول مؤمنین ہونے کی وجہ سے ایثار و ایمان کی مثال قائم ہو جاتی ہے۔ جس کو آنے والی نسلیں مشعل راہ بناتی ہیں۔

۵۲۔ اس واقعہ کے بعد سے لے کر بنی اسرائیل کے خروج تک کے عرصہ کا یہاں ذکر نہیں ہے۔ اس کا ذکر سورہ اعراف میں آ گیا ہے۔

۵۴۔ یعنی بنی اسرائیل کی پوری قوم فرعون کے لشکر کے مقابلے میں چھوٹی جماعت تھی۔ اس سے یہ روایت قرین واقع معلوم نہیں ہوتی جس میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ سے زائد تھی۔

۵۹۔ فرعونیوں کو ان کے باغات اور چشموں سے نکالنے کے بعد بنی اسرائیل کو "ان جیسی" چیزوں کا وارث بنایا، خود "انہی" چیزوں کا نہیں، کیونکہ فرعون کے غرق آب ہونے کے بعد بنی اسرائیل مصر واپس نہیں گئے۔

۶۱۔ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں نے کہا: ہم تو پکڑے جانے والے ہیں۔ ظاہری صورت حال دیکھ کر ہر ظاہر بین کا یہی خیال ہو سکتا تھا کہ ہم فرعونی لشکر کی زد میں آنے والے ہیں۔ صرف راز دان کو علم تھا کہ کون کس کی زد میں آنے والا ہے۔

۶۲۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ: میرا رب میرے ساتھ ہے۔ ابتدائے رسالت میں اللہ کا وعدہ تھا۔ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ (طٰہٰ ۲۰: ۴۶) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی خاص معیت پر بھروسہ تھا کہ اس مشکل سے نکلنے کا راستہ وہی بتا دے گا۔

۶۳۔ ہر حصے کا پہاڑ کی طرح ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ کوئی معمول کا مد و جزر نہیں تھا بلکہ ایک

ثُمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَ اَنْجَيْنَا مُوْسٰى
وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا
الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اِنَّ
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾ ع وَاتْلُ
عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ
قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ
اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ
هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ
يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ
وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَ
اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا

وقف لازم

دوسرے گروہ کو بھی نزدیک کر دیا، ﴿۶۵﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو بچا لیا۔ ﴿۶۶﴾ اس کے بعد دوسروں کو غرق کر دیا۔ ﴿۶۷﴾ اس واقعے میں ایک نشانی ہے پھر بھی ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائے۔☆ ﴿۶۸﴾ اور یقیناً آپ کا رب ہی بڑا غالب آنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۶۹﴾ اور انہیں ابراہیم کا واقعہ (بھی) سنا دیجئے: ☆ ﴿۷۰﴾ انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے کہا: تم کس چیز کو پوجتے ہو؟ ﴿۷۱﴾ انہوں نے جواب دیا: ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور اس پر ہم قائم رہتے ہیں۔ ﴿۷۲﴾ ابراہیم نے کہا: جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری سنتے ہیں؟ ☆ ﴿۷۳﴾ یا تمہیں فائدہ یا ضرر دیتے ہیں؟ ﴿۷۴﴾ انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ایسا کرتے پایا ہے۔ ﴿۷۵﴾ ابراہیم نے کہا: مجھے بتلاؤ ان کی حالت جنہیں تم پوجتے ہو؟ ﴿۷۶﴾ تم اور تمہارے گزشتہ باپ دادا بھی (پوجتے رہے ہیں)۔ ﴿۷۷﴾ یقیناً یہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب

واضح معجزہ تھا جس کی توجیہ عام طبیعیاتی دفعات کے مطابق کرنا بڑی غلطی ہے۔

۶۷۔ یعنی بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کے غرق ہونے کا درس آموز واقعہ پیش آنے کے باوجود لوگ ایمان نہیں لائے۔ اس قصے سے یہ باور کرانا مقصود ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان نہیں لانا، وہ معجزوں سے بھی ایمان نہیں لاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو موسیٰ ؑ نے سب سے زیادہ اور عظیم معجزے دکھائے تھے۔ اس کے باوجود اکثر اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔

۶۹۔ حضرت ابراہیم ؑ کا قصہ پوری اہمیت کے ساتھ اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ قریش اپنے آپ کو حضرت ابراہیم ؑ کے پیرو کہتے تھے۔ اس لیے اس بات کی طرف متوجہ کرانا ضروری تھا کہ حضرت ابراہیم ؑ نے جو دین پیش کیا ہے وہ توحید کا دین ہے، وہی دین، جو آج رسول اللہ ﷺ پیش کر رہے ہیں۔

۷۲۔ معبود کے پاس کم از کم اتنی قوت سماعت تو ہو جتنی اس پوجنے والے کے پاس ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے مریدوں کے لیے کچھ کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے، وہ دوسری بات ہے۔

۷۷۔ یہ بت جن کی تم پوجا کرتے ہو، میرے دشمن ہیں، میری دعوت کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور دشمنوں کی طرح میرے لیے سد راہ ہیں۔ اسی طرح یہ بت ان کی پوجا کرنے والوں کے لیے بھی سد راہ ہیں، اس لیے ان کے بھی دشمن ہیں، ورنہ یہ بت جمادات ہیں۔ یہ نہ دوست بن سکتے ہیں، نہ دشمن۔

۷۸۔ حضرت ابراہیم ؑ اپنے رب کے ساتھ اپنا رابطہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھ میں میری خلقت و ہدایت ہے، میرا رزق و شفا ہے، میری حیات و موت ہے، میری امیدوں کا آخری مرکز وہی ہے کہ وہ مجھے معاف کر دے۔ معصوم ہونے کے باوجود اپنے رب کی عظمت کے سامنے اپنے آپ کو قصوروار سمجھنا ہی بندگی ہے۔

۸۰۔ جب میں مریض ہوتا ہوں۔ بیماری کو اپنی طرف نسبت دی اور شفا کو اللہ کی طرف۔ کیونکہ بیماری کے

رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ

العالمین کے،☆ ﴿۷۸﴾ جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے ہدایت دیتا ہے،☆ ﴿۷۹﴾ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، ﴿۸۰﴾ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔☆ ﴿۸۱﴾ اور وہی مجھے موت دے گا پھر مجھے زندگی عطا کرے گا۔ ﴿۸۲﴾ اور میں اسی سے امید رکھتا ہوں کہ روز قیامت میری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔☆ ﴿۸۳﴾ میرے رب! مجھے حکمت عطا کر اور صالحین میں شامل فرما۔ ﴿۸۴﴾ اور آنے والوں میں مجھے حقیقی ذکر جمیل عطا فرما۔☆ ﴿۸۵﴾ اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں قرار دے۔ ﴿۸۶﴾ اور میرے باپ (چچا) کو بخش دے کیونکہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ ﴿۸۷﴾ اور مجھے اس روز رسوا نہ کرنا جب لوگ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔☆ ﴿۸۸﴾ اس روز نہ مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ اولاد۔ ﴿۸۹﴾ سوائے اس کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر آئے۔☆ ﴿۹۰﴾ اس روز جنت پرہیزگاروں کے نزدیک لائی جائے گی۔☆ ﴿۹۱﴾ اور جہنم گمراہوں کے لیے ظاہر کی

---

علل و اسباب انسان کے اپنے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔

۸۲۔ معصومین علیہم السلام کا استغفار کرنا نافرمانی کی وجہ سے نہیں، بلکہ وہ اپنی اطاعت اور عبادت کو اللہ کی عظمتوں اور نعمتوں کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ کتنی عبادت بجا لائیں، پھر بھی کوتاہی سمجھتے ہیں۔ وہ اس بات پر استغفار کرتے ہیں کہ بندگی کا حق ادا نہ ہوا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت ہے کہ ماعبدناک حق عبادتک (بحار الانوار ۶۸: ۲۳) ہم نے تیری اس طرح بندگی نہیں کی کہ بندگی کا حق ادا ہو جائے۔

۸۴۔ یہ اپنی دعوت کے تسلسل کے لیے دعا ہے۔ جس لسان صدق کی ابتدا انہوں نے خود کی تھی اس کا سلسلہ ان کی نسلوں میں بھی جاری و ساری رہا۔

دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا: آنے والوں میں میرے لیے سچی زبان عطا کر۔ سچی زبان توحید کی دعوت کی زبان ہے۔ علامہ بدخشی نے مفتاح النجاۃ میں امرتسری نے ارجح المطالب صفحہ ۷۱ میں، کشفی نے مناقب مرتضوی صفحہ ۵۵ میں روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں ہے۔

۸۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیامت کی ہولناکی کا صحیح ادراک ہے۔ ابو الانبیاء ہونے کے باوجود اللہ کے حضور کس انداز سے عاجزی کرتے ہیں۔ فرزند خلیل حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دعا میں ہے: وَ لَا تُخزِنِی یَوْمَ تَبعَثنِی لِلِقَائِکَ وَ لَا تَفضَحنِی بَیْنَ یَدَیْ اَوْلِیَائِکَ۔ (صحیفہ سجادیہ) تو جس دن مجھے اپنی ملاقات کے لیے اٹھائے گا تو مجھے رسوا نہ کر اور اپنے دوستوں کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کر۔ ہم نے پہلے کئی بار بتایا انبیاء و ائمہ علیہم السلام کا استغفار، آداب بندگی کا حصہ ہے۔ عصمت کے باوجود اعتراف کرتے ہیں کہ بندگی کا حق ادا نہ ہوا۔

۸۹۔ قیامت کے دن صرف اس قلب کی قدر ہوگی جس میں غیر اللہ کا شائبہ نہ ہو، جو ہر قسم کے شرک و ہوس پرستی سے محفوظ ہو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: هُوَ الْقَلْبُ الَّذِی سَلِمَ مِنْ حُبِّ

الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا
كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ
يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا
فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ
اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا
يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾
وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا
لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ
حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ

جائے گی۔☆ ﴿۹۲﴾ پھر ان سے پوچھا جائے گا: تمہارے وہ
معبود کہاں ہیں؟ ﴿۹۳﴾ اللہ کو چھوڑ کر (جنہیں تم پوجتے تھے)
کیا وہ تمہاری مدد کر رہے ہیں یا خود کو بچا سکتے ہیں؟
﴿۹۴﴾ چنانچہ یہ خود اور گمراہ لوگ منہ کے بل جہنم میں گرا دیے
جائیں گے۔ ﴿۹۵﴾ اور سارے ابلیسی لشکر سمیت۔ ﴿۹۶﴾ اور
وہ اس میں جھگڑتے ہوئے کہیں گے:☆ ﴿۹۷﴾ قسم بخدا!
ہم تو صریح گمراہی میں تھے۔ ﴿۹۸﴾ جب ہم تمہیں رب
العالمین کے برابر درجہ دیتے تھے۔☆ ﴿۹۹﴾ اور ہمیں تو ان
مجرموں نے گمراہ کیا ہے۔ ﴿۱۰۰﴾ (آج) ہمارے لیے نہ تو
کوئی شفاعت کرنے والا ہے، ﴿۱۰۱﴾ اور نہ کوئی سچا دوست
ہے۔ ﴿۱۰۲﴾ کاش! ہمیں ایک مرتبہ پھر پلٹنے کا موقع مل جاتا تو
ہم مومنین میں سے ہوتے۔☆ ﴿۱۰۳﴾ یقینا اس میں ایک
نشانی ہے لیکن ان میں اکثر ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۱۰۴﴾ اور یقینا
آپ کا رب ہی غالب آنے والا، رحم کرنے والا ہے۔
﴿۱۰۵﴾ نوح کی قوم نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔

---

الدُّنْیا۔ (مستدرک الوسائل ۱۲: ۳۰) قلب سلیم وہ دل ہے جو حب دنیا سے سالم ہو۔
دوسری روایت میں آیا ہے: ۔۔۔الَّذِی یَلْقَی رَبَّهُ وَ لَیْسَ فِیهِ اَحَدٌ سِوَاهُ۔ (بحار الانوار ۶۷: ۲۳۹) اپنے رب سے ملاقات کرے تو اس کے دل میں رَبّ کے سوا کوئی نہ ہو۔

۹۰۔۹۱۔ عالم آخرت میں زمان و مکان کا وہ تصور نہ ہو گا جو عالم دنیا میں ہے۔ "جنت کا نزدیک کرنا" بتاتا ہے کہ وہاں مسافتوں کا وہ مفہوم نہ ہو گا جو یہاں ہے۔ جہنم کے بارے میں فرمایا: "ظاہر کر دی جائے گی" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہنم کسی فاصلے پر نہیں ہے۔

۹۶۔ جھگڑا اور خصومت ناکامی کا لازمی نتیجہ ہے چنانچہ جہنم والوں کے باہمی جھگڑوں کو ایک ضرب المثل کے طور پر بیان فرماتا ہے: تخاصم اهل النار جبکہ ادھر جنت والے آپس میں سلام سلام کہ رہے ہوں گے۔

۹۸۔ قیامت کے دن ان پر یہ راز کھلے گا۔ تدبیر کائنات میں کسی غیر اللہ کو رب العالمین کا مقام دینا صریح گمراہی تھی۔

۱۰۲۔ حدیث میں آیا ہے کہ الناس نیام فاذا ماتوا انتبهوا (بحار الانوار ۴: ۴۳) لوگ خواب غفلت میں پڑے ہوتے ہیں، جب مر جاتے ہیں تو بیدار ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آنکھیں بند ہونے پر آنکھیں کھلتی ہیں۔ تب آرزو کریں گے کہ ایک مرتبہ پھر موقع مل جائے تو ہم مومن بن جائیں۔

۱۰۹۔ امانتداری کا ثبوت یہ ہے کہ میرا اس دعوت کے ساتھ کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ میرے مفادات رب العالمین کے ساتھ ہیں۔

الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ
أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ
أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَ
مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ
إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَ
اتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا
عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ
مُبِينٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ
لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ
إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَ

النصف

(١٠٦) جب ان کی برادری کے نوح نے ان سے کہا: کیا تم اپنا بچاؤ نہیں کرتے ہو؟ (١٠٧) میں تمہارے لیے ایک امانتدار رسول ہوں، (١٠٨) لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (١٠٩) اور اس کام پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے۔☆ (١١٠) لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (١١١) انہوں نے کہا: ہم تم پر کیسے ایمان لے آئیں جب کہ ادنی درجے کے لوگ تمہارے پیروکار ہیں۔☆ (١١٢) نوح نے کہا: مجھے علم نہیں وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ (١١٣) ان کا حساب تو صرف میرے رب کے ذمے ہے، کاش تم اسے سمجھتے۔☆ (١١٤) اور میں مومنوں کو دھتکار نہیں سکتا۔☆ (١١٥) میں تو صرف صاف اور صریح انداز میں تنبیہ کرنے والا ہوں۔ (١١٦) ان لوگوں نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔ (١١٧) نوح نے کہا: اے میرے رب! تحقیق میری قوم نے میری تکذیب کی ہے۔ (١١٨) پس تو ہی میرے اور ان کے

---

١١١۔ ادنیٰ درجے سے مراد مادی اور مالی اعتبار سے ہے، کیونکہ فقیر اور نادار لوگ ہمیشہ دعوت انبیاء پر لبیک کہنے میں پہل کرتے ہیں۔ جن کے دلوں پر مال و دولت کا پردہ اور خواہشات کی میل کچیل نہیں ہوتی وہی دعوت انبیاء قبول کرتے ہیں، جبکہ خوشحال لوگ ہمیشہ اس دعوت کے مخالف رہے ہیں۔ کیونکہ انبیاء کی دعوت عدل کی دعوت ہے اور مجرم لوگ عدل کے حق میں نہیں ہوتے۔ اس لیے اس دعوت پر لبیک، نادار لوگ کہتے ہیں یا نوجوان لوگ، جنہوں نے ابھی مفادات کے میدان میں قدم نہیں رکھا ہوتا۔

١١٣۔ بعض نے کہا ہے: کافروں کا مقصد یہ کہنا تھا کہ یہ لوگ پیشے کے ساتھ کردار میں بھی کمتر درجے کے لوگ ہیں۔ اس توجیہ سے آیات میں ربط معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت نوح ؑ نے فرمایا: ایمان لانے سے پہلے وہ کیا کرتے رہے، اس کا مجھے علم نہیں ہے۔ ان کا حساب اللہ کے پاس ہے۔ یعنی ایمان سے ان کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

١١٤۔ ایمان لانے کے بعد رسول ﷺ اور رسول ﷺ کا رب اپنی درگاہ سے کسی کو نہیں دھتکارتے۔

١١٨۔ افتح یعنی فیصلہ کن حکم کے ذریعے حقیقت کا چہرہ کھول دے۔

وَ مَنْ مَّعِيَ: جو میری معیت میں ہیں۔ قرآن انبیاء ؑ کے ساتھیوں کو معیت کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے۔ جو ہر قدم پر ساتھ دینے کے معنوں میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہر قدم پر ساتھ ہوتا ہے تو کہتے ہیں: إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ (شعراء: ٦٢) میرا رب میرے ساتھ ہے، میری رہنمائی کرے گا۔ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (توبہ: ٤٠) اللہ ہمارے ساتھ

بَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ
فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا
بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٢﴾ ع كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ
اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَ
مَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ
اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ
رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ
لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ

درمیان حتمی فیصلہ فرما اور مجھے اور جو میرے ساتھ مؤمنین ہیں ان کو نجات دے۔☆ ﴿١١٩﴾ چنانچہ ہم نے انہیں اور جو ان کے ہمراہ بھری کشتی میں سوار تھے سب کو بچا لیا۔ ﴿١٢٠﴾ اس کے بعد ہم نے باقی سب کو غرق کر دیا۔ ﴿١٢١﴾ یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔ ﴿١٢٢﴾ اور یقیناً آپ کا رب ہی بڑا غالب آنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿١٢٣﴾ قوم عاد نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔☆ ﴿١٢٤﴾ جب ان کی برادری کے ہود نے ان سے کہا: کیا تم اپنا بچاؤ نہیں کرتے؟ ﴿١٢٥﴾ میں تمہارے لیے ایک امانتدار رسول ہوں۔☆ ﴿١٢٦﴾ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ﴿١٢٧﴾ اور اس کام پر میں تم سے اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے۔ ﴿١٢٨﴾ کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک بے سود یادگار بناتے ہو؟☆ ﴿١٢٩﴾ اور تم بڑے محلات بناتے ہو گویا تم نے ہمیشہ رہنا ہے۔☆ ﴿١٣٠﴾ اور جب تم (کسی پر) حملہ کرتے ہو تو نہایت جابرانہ

ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ (الفتح:٢٩) محمد اللہ کے رسول اور ان کی معیت میں جو لوگ ہیں وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں۔ یعنی ان لوگوں کا ذکر ہے جو ہر قدم پر ساتھ دیتے ہیں۔ مزید تشریح کے لیے الفتح: ٢٩ ملاحظہ فرمائیں۔

١٢٣۔ عاد: اس قوم کے سردار کا نام تھا۔ اب عاد کہہ کر قوم عاد مراد لیا جاتا ہے۔ یہ قوم عربوں کی قدیم ترین قوم ہے۔ جزیرۃ العرب میں ایک تمدن و تہذیب کی مالک قوم گزری ہے۔ انبیاء کی تکذیب کی وجہ سے اس قوم کو ایک آندھی سے نابود کر دیا گیا۔

١٢٥۔ امین ہونا اور لوگوں سے کسی قسم کی اجرت نہ مانگنا تمام انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے جو کہ انبیاء کی نبوت کا لازمی امر ہے۔ چونکہ ان کا حقیقی مقصد لوگوں کو حق کی معرفت اور حق کا قرب حاصل کرانا ہے، اس میں امین اور بے لاگ ہونا ضروری ہے۔

١٢٨۔ اونچی جگہوں پر یادگاریں صرف اپنی شان و شوکت دکھانے اور نام و نمود کے لیے تعمیر کرنا، جس کا کوئی مصرف نہ ہو وقت اور دولت کا ضیاع ہے۔

١٢٩۔ ضرورت کا گھر بنانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ روایت میں آیا ہے کہ گھر تنگ نہیں وسیع ہونا چاہیے مگر تم گھروں کو اس طرح مزین اور شاندار بناتے ہو گویا تمہیں اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔

١٣٠۔ جب کسی کمزور پر چڑھائی کرتے ہو تو نہایت

بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾

انداز میں حملہ آور ہوتے ہو۔☆ ﴿١٣١﴾ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ﴿١٣٢﴾ نیز اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری مدد کی جن کا تمہیں (بخوبی) علم ہے۔ ﴿١٣٣﴾ اس نے تمہیں جانوروں اور اولاد سے نوازا۔ ﴿١٣٤﴾ نیز باغات اور چشموں سے مالا مال کر دیا۔ ﴿١٣٥﴾ بلاشبہ مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ ﴿١٣٦﴾ انہوں نے کہا: تم نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے یکساں ہے۔☆ ﴿١٣٧﴾ یہ تو بس پرانے لوگوں کی عادات ہیں۔☆ ﴿١٣٨﴾ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔☆ ﴿١٣٩﴾ (اس طرح) انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاکت میں ڈال دیا، یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔ ﴿١٤٠﴾ اور بتحقیق آپ کا رب ہی بڑا غالب آنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ﴿١٤١﴾ (قوم) ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ ﴿١٤٢﴾ جب ان کی برادری کے صالح نے ان سے کہا: کیا تم اپنا بچاؤ نہیں کرتے؟ ﴿١٤٣﴾ میں تمہارے لیے ایک امانتدار

جابر بن کر تمام انسانی قدروں کو پامال کرتے ہو۔ آج کل کی استعماری طاقتیں بھی ہو بہو یہی کرتی ہیں جو اپنے ملکوں میں لایعنی قسم کی عظیم یادگاریں بناتی ہیں اور جب کسی کمزور قوم پر ہاتھ ڈالتی ہیں تو تمام انسانی اور اخلاقی قدروں کو پامال کرتی ہیں۔ دوسری طرف انسانی حقوق کا نہیں، حیوانات کے حقوق کے تحفظ کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

۱۳۶۔ جب لوگ اللہ کے پیغام کو بے اثر قرار دیتے ہیں اور اثر پزیری کا امکان ختم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ دو کاموں میں سے ایک کام انجام دے گا: یا تو ان پر فوری عذاب نازل کرئے گا یا ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دے گا اور ڈھیل دے گا۔ واضح رہے ڈھیل دینا بدتر عذاب کا پیش خیمہ ہے۔

۱۳۷۔ اس قسم کی باتیں پہلے بھی بہت سے لوگ کرتے رہے ہیں۔ یہ تمہاری بات کوئی نئی نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا اس قوم کی طرف متعدد پیغمبران آئے ہیں۔ چنانچہ كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے، اس قوم کی طرف ایک نہیں کئی رسول بھیجے گئے ہیں۔

۱۳۸۔ ہم پر عذاب نہیں آئے گا۔ کافر ناامید ہوتا ہے یا باطل پر یقین اور اس سے امید رکھتا ہے۔ جبکہ مؤمن کی علامت یہ ہے کہ وہ خوف و رجا، بیم و امید کے درمیان مستعد اور ہوشیار رہتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا

رسول ہوں۔ (۱۴۴) پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (۱۴۵) اور اس بات پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے۔ (۱۴۶) کیا تم لوگ یہاں پر موجود چیزوں (نعمتوں) میں یوں ہی بے فکر چھوڑ دیے جاؤ گے؟ (۱۴۷) باغوں اور چشموں میں،☆ (۱۴۸) اور کھیتیوں اور کھجوروں میں جن کے نرم خوشے ہیں، (۱۴۹) اور تم پہاڑوں کو بڑی مہارت سے تراش کر گھر بناتے ہو۔☆ (۱۵۰) پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (۱۵۱) اور حد سے تجاوز کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو۔ (۱۵۲) جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ (۱۵۳) لوگوں نے کہا: تم تو بلاشبہ سحر زدہ آدمی ہو۔ (۱۵۴) اور تم ہم جیسے بشر کے سوا اور کچھ نہیں ہو، پس اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی (معجزہ) پیش کرو۔ (۱۵۵) صالح نے کہا: یہ ایک اونٹنی ہے، ایک مقررہ دن اس کے پانی پینے کی باری ہوگی اور ایک مقررہ دن تمہارے پانی پینے کی باری ہوگی۔☆ (۱۵۶) اور اسے بری نیت سے نہ

۱۴۶۔ اور کیا تم خیال کرتے ہو کہ کوئی حساب کتاب نہ ہوگا؟ اور جن گناہوں اور کفران نعمت کا تم ارتکاب کر رہے ہو ان پر کوئی باز پرس نہ ہوگی؟ آخر تمہیں باغات، چشموں، لہلہاتے کھیتوں اور کھجور کے باغات میں رہنے کی جو مہلت دی جاتی ہے، ان نعمتوں سے ہر جرم کا ارتکاب کرتے ہو، تو کیا بعد میں تم سے حساب لینے والا کوئی نہ ہوگا؟

۱۴۹۔ قوم ثمود کی ان تراشیدہ عمارتوں کے آثار آج بھی نمایاں طور پر مدینے اور تبوک کے درمیان العلاء اور الحجر کے مقامات پر موجود ہیں۔

۱۵۵۔ یعنی ایک پورا دن صرف یہ ایک اونٹنی کنویں سے پانی پیئے گی اور ایک دن تم اور تمہارے جانور پانی پیئیں گے۔ یہ بات ان کے لیے ایک امتحان تھی کیونکہ عرب کے صحراؤں میں پانی کی کمیابی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس تقسیم کو برداشت کرنا ان کے لیے ناقابل تحمل تھا اور ان کی سرکشی بڑھ گئی تھی، اس لیے ان کو ایسی آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے ناقہ صالح کو قتل کیا اور عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائے۔

۱۵۷۔ ناقہ صالح کو تو صرف ایک شخص نے قتل کیا تھا۔ نسبت پوری قوم کی طرف دی جا رہی ہے؟ اس کا جواب حضرت علی علیہ السلام سے مروی ایک فرمان میں

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٤﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ

چھونا ورنہ ایک بڑے (ہولناک) دن کا عذاب تمہیں گرفت میں لے لے گا۔ ﴿١٥٦﴾ تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر وہ ندامت میں مبتلا ہوئے۔☆ ﴿١٥٨﴾ چنانچہ عذاب نے انہیں گرفت میں لے لیا، یقیناً اس میں ایک نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔ ﴿١٥٩﴾ اور بے شک آپ کا رب ہی بڑا غالب آنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ﴿١٦٠﴾ قوم لوط نے (بھی) رسولوں کی تکذیب کی۔ ﴿١٦١﴾ جب ان کی برادری کے لوط نے ان سے کہا: کیا تم اپنا بچاؤ نہیں کرتے؟ ﴿١٦٢﴾ میں تمہارے لیے ایک امانتدار رسول ہوں۔ ﴿١٦٣﴾ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ﴿١٦٤﴾ اور میں اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو بس رب العالمین پر ہے۔ ﴿١٦٥﴾ کیا ساری دنیا میں سے تم (شہوت رانی کے لیے) مردوں کے پاس ہی جاتے ہو؟☆ ﴿١٦٦﴾ اور تمہارے رب نے جو بیویاں تمہارے لیے خلق کی ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہو؟ بلکہ تم تو حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو۔☆ ﴿١٦٧﴾ وہ کہنے لگے: اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو

ہے: رضایت اور نارضایت سے جماعت تشکیل پاتی ہے۔ صرف ایک شخص نے ناقہ صالح کی کونچیں کاٹی تھیں، لیکن عذاب پوری قوم پر نازل ہوا، کیونکہ پوری قوم اس جرم پر راضی تھی۔ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا عَقَرَ نَاقَةَ صَالِحٍ رَجُلٌ وَاحِدٌ فَاَصَابَهُمْ بِعَذَابِهٖ بِالرِّضَا لِفِعْلِهٖ۔ (مستدرک الوسائل ١٢: ١٩٣)

١٦٥۔ یعنی پوری دنیا میں تم اس بدعادت میں مبتلا ہو۔ دوسری آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے قوم لوط نے ہی اس بدفعلی کا رواج ڈالا ہے فرمایا: مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف: ٨٠) تم سے پہلے دنیا میں کسی نے اس کا ارتکاب نہیں کیا۔

١٦٦۔ قوم لوط جنسی انحراف کی مجرم تھی جو فطرت سے انحراف ہے۔ فطرت نے مرد و زن میں جنسی کشش ودیعت فرمائی ہے جس پر نوع انسانی کا وجود و بقا موقوف ہے۔ لہٰذا حیات انسان کی مجرم قوم کو صفحہ ہستی سے مٹنا چاہیے تھا اور مٹا دی گئی۔

١٦٧۔ کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام یہاں کے باشندے نہ تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آ گئے اور مبعوث برسالت ہوئے۔

١٦٨۔ لوط علیہ السلام نے اس کردار سے نفرت کا اظہار کیا اور

يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

تجھے بھی ضرور نکال دیا جائے گا۔☆ ﴿۱۶۸﴾ لوط نے کہا: میں تمہارے اس کردار کے سخت دشمنوں میں سے ہوں۔☆ ﴿۱۶۹﴾ میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے (برے) کردار سے نجات عطا فرما۔ ﴿۱۷۰﴾ چنانچہ ہم نے انہیں اور ان کے تمام اہل خانہ کو نجات دی۔ ﴿۱۷۱﴾ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں رہ گئی۔☆ ﴿۱۷۲﴾ پھر ہم نے باقی سب کو تباہ کر کے رکھ دیا۔☆ ﴿۱۷۳﴾ اور ان پر ہم نے بارش برسائی، پس تنبیہ شدہ لوگوں پر یہ بہت بری بارش تھی۔ ﴿۱۷۴﴾ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔☆ ﴿۱۷۵﴾ اور یقیناً آپ کا رب ہی بڑا غالب آنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۱۷۶﴾ ایکہ والوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی۔☆ ﴿۱۷۷﴾ جب شعیب نے ان سے کہا: کیا تم اپنا بچاؤ نہیں کرتے؟ ﴿۱۷۸﴾ میں تمہارے لیے ایک امانتدار رسول ہوں۔ ﴿۱۷۹﴾ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ﴿۱۸۰﴾ اور اس کام پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف رب

---

اس جگہ سے نکالے جانے کو قبول کیا۔ چنانچہ دوسری آیت میں ذکر ہے کہ اپنے اور اپنے اہل بیت کے لیے نجات کی دعا کی، کیونکہ اس بستی میں اور کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا: فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ (الذاریات: ۳۶) اور وہاں ہم نے مسلمانوں کا صرف ایک گھر پایا۔

۱۷۱۔ یہ ان کی زوجہ تھی جو قوم لوط کے ساتھ ان کے عمل بد میں تعاون کرتی تھی۔

۱۷۲۔ کہا جاتا ہے کہ بحر میت کی تہ میں کئی شہر مدفون ہیں جن میں قوم لوط آباد تھی۔

۱۷۴۔ یعنی جن کو ایمان کی توفیق حاصل نہیں ہے وہ اس وضاحت کے ساتھ دکھائے جانے والے معجزے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے۔

۱۷۶۔ سورہ الحجر میں ایکہ کا ذکر آ چکا ہے۔ اس جگہ کا دوسرا نام مدین ہے۔ یہ حجاز اور فلسطین کے درمیان تھی۔ ایکہ گھنے درخت کو کہا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدین ایسے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

۱۸۳۔ مدین تجارتی قافلوں کی گزرگاہ پر آباد تھا۔ اس لیے ناپ تول میں خیانت نہ کرنے کے حکم کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

مدین، حجاز اور شام کے درمیان تجارت کی ایک اہم منڈی تھی۔ اس لیے یہاں سے تجارتی قافلوں کا گزر ہوتا تھا۔ حجاز والے شام سے آنے والی اشیاء

| | |
|---|---|
| الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا | العالمین پر ہے۔ ﴿١٨١﴾ تم پیانہ پورا بھرو اور نقصان پہنچانے |
| مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ | والوں میں سے نہ ہونا۔ ﴿١٨٢﴾ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔ |
| الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ | ﴿١٨٣﴾ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین |
| اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ | میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔☆ ﴿١٨٤﴾ اور اس اللہ سے ڈرو |
| مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ | جس نے تمہیں اور گزشتہ نسلوں کو پیدا کیا ہے ﴿١٨٥﴾ انہوں |
| الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ | نے کہا: تم تو بس سحر زدہ ہو۔ ﴿١٨٦﴾ اور تم تو بس ہم جیسے انسان |
| مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٨٥﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ | ہو نیز ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ ﴿١٨٧﴾ پس تم سچے ہو تو |
| مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿١٨٦﴾ | آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دو۔ ﴿١٨٨﴾ شعیب نے کہا: میرا |
| فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ | رب تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔ ﴿١٨٩﴾ انہوں |
| مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا | نے شعیب کو جھٹلا ہی دیا، چنانچہ سائبان والے دن کے |
| تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ | عذاب نے انہیں گرفت میں لے لیا، بے شک وہ بہت |
| يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ | بڑے (ہولناک) دن کا عذاب تھا۔☆ ﴿١٩٠﴾ اس میں یقینا |
| عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا | ایک نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ |

اور شام والے حجاز سے آنے والی اشیاء خریدتے ہوں گے اور اس سلسلے میں جو خلاف ورزیاں سرزد ہوا کرتی تھیں، ان کے لیے حکم ہوا اول پیمانہ پورا بھرو، دوم سیدھی ترازو سے تولا کرو، سوم دھوکہ دہی سے باز آجاؤ کہ لوگوں کو مطلوبہ چیز کی جگہ ناقص چیز دے کر نقصان میں نہ ڈالو۔ ہوسکتا ہے کہ ایک پیمانے کے اعتبار سے پورا ہو اور وزن کے اعتبار سے بھی درست ہو لیکن مال ناقص ہو۔ اس کے لیے لَا تَبْخَسُوا فرمایا۔ چہارم یہ کہ زمین میں فساد نہ پھیلایا کرو۔ تجارت میں اعتدال سے تجاوز کرنا دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا، فساد فی الارض ہے۔ اس جگہ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ اقتصادی انحرافات سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ صدق اللہ العلی العظیم۔ آج کے استحصالیوں نے اقتصادی ذرائع سے زمین کو فساد سے پر کیا ہے۔

١٨٩۔ یہاں الظُّلَّةِ سائبان کا عذاب کہا۔ سورہ ہود میں الصَّيْحَةُ ہولناک آواز کہا اور الاعراف میں الرَّجْفَةُ زلزلہ کہا ہے۔ عین ممکن ہے کہ سائبان یعنی بادل سے بجلی گری ہو جس سے ہولناک آواز پیدا ہوئی ہو اور ساتھ زمین پر بجلی گرنے سے زلزلہ بھی آیا ہو۔

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ ع ۱۱/۱۴ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا

تھے۔ ﴿۱۹۱﴾ اور یقیناً آپ کا رب ہی بڑا غالب آنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۱۹۲﴾ اور بتحقیق یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ ﴿۱۹۳﴾ جسے روح الامین نے اتارا، ﴿۱۹۴﴾ آپ کے قلب پر تاکہ آپ تنبیہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں،☆ ﴿۱۹۵﴾ صاف عربی زبان میں۔ ﴿۱۹۶﴾ اور اس (قرآن) کا ذکر (انبیائے) ماسلف کی کتب میں بھی ہے۔ ﴿۱۹۷﴾ کیا یہ قرآن ان کے لیے ایک نشانی (معجزہ) نہیں ہے کہ اس بات کو بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں۔☆ ﴿۱۹۸﴾ اور اگر ہم اس قرآن کو کسی غیر عربی پر نازل کرتے،☆ ﴿۱۹۹﴾ اور وہ اسے پڑھ کر انہیں سنا دیتا تب بھی یہ اس پر ایمان نہ لاتے۔☆ ﴿۲۰۰﴾ اس طرح (کے دلائل دے کر) ہم نے اس قرآن کو ان مجرموں کے دلوں میں سے گزارا ہے۔☆ ﴿۲۰۱﴾ پھر بھی وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب دیکھ نہ لیں۔☆ ﴿۲۰۲﴾ پس یہ عذاب ناگہاں اور بے خبری میں ان پر واقع ہوگا۔ ﴿۲۰۳﴾ تو

۱۹۴۔ قلب سے مراد عضو صنوبری نہیں جو سینے کے بائیں جانب دھڑکتا ہے، بلکہ مراد نفس کے اندر موجود وہ مرکزی قوت ہے جو حقیقت میں شعور، ارادے اور ادراک کا مرکز ہے۔ چنانچہ حضورؐ وحی کو ظاہری حواس سے نہیں لیتے تھے۔ یہ حواس تو دوسروں کے پاس بھی ہیں۔ اس کے باوجود وحی کے نزول کے وقت لوگ بیٹھے ہوتے تھے، وہ نہ کوئی آواز سنتے تھے، نہ کسی کو دیکھ لیتے تھے، بلکہ رسولؐ وحی کا اس طرح ادراک کرتے تھے، جس طرح اپنے وجود کا ادراک کرتے ہیں۔ اسی لیے وحی کے ادراک میں کسی قسم کے شبہ اور غلطی کا امکان نہیں ہے۔ جب کہ حواس کے ذریعے جو ادراک ہوتا ہے، غیر رسول کے لیے اس میں اشتباہ کا امکان رہتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے حواس کے چھ سو اشتباہات گنے ہیں۔

۱۹۷۔ سورۂ بقرہ آیت ۸۹ میں ذکر آ گیا کہ بنی اسرائیل کے علماء، رسول آخر زمانؐ کی آمد کے منتظر تھے اور ان کے تمام اوصاف سے باخبر تھے۔

۱۹۸۔۱۹۹ اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہو سکتی ہے کہ اگر ہم قرآن کو عربی کی بجائے کسی اور زبان میں نازل کرتے اور تمہیں پڑھ کر سناتے تو تم نے اس پر یہ کہہ کر ایمان نہیں لانا تھا کہ یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔

دوسری تفسیر یہ ہو سکتی ہے کہ ہم نے قرآن کو عربی زبان میں عربی بولنے والے شخص پر نازل کیا تو تم نے کہا کہ یہ اس نے خود تصنیف کیا ہے۔ لیکن اگر ہم یہ قرآن عربی زبان میں کسی غیر عرب پر نازل کرتے اور وہ تم کو پڑھ کر سناتا تو بھی تم یہ کہہ کر ایمان لانے سے انکار کرتے کہ یہ صریح جادو ہے کیونکہ غیر عرب عربی زبان میں بات کر رہا ہے۔

۲۰۰۔۲۰۱۔ چونکہ ان کے دلوں میں قرآن جاگزیں نہیں ہو رہا ہے بلکہ وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں تو ان کے جرم کی پاداش

هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ اَفَبِعَذَابِنَا
يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ
سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا
يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا
لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾
وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ
عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾
وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ

وہ کہیں گے: کیا ہمیں مہلت مل سکے گی؟ ﴿٢٠٤﴾ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لیے عجلت کر رہے ہیں؟ ﴿٢٠٥﴾ مجھے بتلاؤ کہ اگر ہم انہیں برسوں سامان زندگی دیتے رہیں، ﴿٢٠٦﴾ پھر ان پر وہ عذاب آ جائے جس کا ان کے ساتھ وعدہ ہوا تھا، ﴿٢٠٧﴾ تو وہ (سامان زندگی) ان کے کسی کام نہ آئے گا جو انہیں دیا گیا تھا۔ ﴿٢٠٨﴾ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس بستی کو تنبیہ کرنے والے تھے۔ ﴿٢٠٩﴾ یاد دہانی کے لیے، اور ہم کبھی بھی ظالم نہ تھے۔ ﴿٢١٠﴾ اور اس قرآن کو شیاطین نے نہیں اتارا ﴿٢١١﴾ اور نہ یہ کام ان سے کوئی مناسبت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ استطاعت رکھتے ہیں۔☆ ﴿٢١٢﴾ وہ تو یقینا (وحی کے) سننے سے بھی دور رکھے گئے ہیں۔☆ ﴿٢١٣﴾ پس آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریں ورنہ آپ بھی عذاب پانے والوں میں شامل ہوجائیں گے۔ ﴿٢١٤﴾ اور اپنے قریب ترین رشتے داروں کو تنبیہ کیجیے۔☆ ﴿٢١٥﴾ اور مومنین میں سے جو آپ کی پیروی کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں۔☆ ﴿٢١٦﴾ اگر

---

میں ہم نے یہ توفیق ان سے سلب کر لی ہے۔

٢١٠ تا ٢١٢۔ مشرکین کا الزام تھا کہ یہ قرآن محمد ﷺ پر ایک جن نازل کرتا ہے۔ جواب میں فرمایا: مَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ۔ نہ قرآن اور جن میں کوئی مناسبت ہے کہ یہ قرآن جنوں سے صادر ہوجائے۔ کیا ممکن ہے کہ ایک گدھے سے حکمت کی باتیں صادر ہو جائیں۔ ٢۔ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ اس بات کا امکان بھی نہیں ہے، جنات کے دائرہ قدرت سے بیرون ہے۔ ٣۔ وہ تو وحی سننے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ۔

٢١٣۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کا وجود اگرچہ ایک ایسا مفروضہ ہے جو بذات خود محال ہے، پھر بھی مسئلہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے فرض محال بھی کیا جاتا ہے۔

٢١٤۔ متعدد راویوں نے یہ واقعہ خود حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے قبیلے کے عزیزوں سے فرمایا: اے اولاد عبد المطلب! قسم بخدا میں نہیں جانتا کہ عربوں میں سے کسی نے اس چیز سے کوئی بہتر چیز پیش کی ہو جو میں پیش کر رہا ہوں۔ میں دنیا و آخرت دونوں کی بہتری پیش کر رہا ہوں۔ اللہ نے مجھے یہی حکم دیا ہے کہ میں تمہیں دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس معاملہ میں میرا ساتھ دے؟ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: "میں آپ کا ساتھ دوں گا۔" حالانکہ میں عمر میں سب سے چھوٹا تھا اس وقت لوگ ہنستے ہوئے چلے گئے۔ (الدر المنثور) بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اے علی! تو میرا وارث، میرا وزیر اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ (معالم التنزیل ٤: ٢٧٨۔ تفسیر طبری ١٩: ٧٤۔ السنن الکبری ٩: ٧۔ سنن نسائی ٦: ٢٤٨۔ مختلف الفاظ کے ساتھ تفسیر مظہری ٨: ٣٧٠)

٢١٥۔ یہ حکم رشتہ داروں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، عام مومنین کے لیے ہے۔ جو بھی ایمان لائے اس

بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿٢١٩﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٢٠﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾ ع ١٥

وہ آپ کی نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دیجیے کہ میں تمہارے کردار سے بیزار ہوں۔ ﴿٢١٦﴾ اور بڑے غالب آنے والے مہربان پر بھروسہ رکھیں۔ ﴿٢١٧﴾ جو آپ کو اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب آپ (نماز کے لیے) اٹھتے ہیں۔ ﴿٢١٨﴾ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کی نشست و برخاست کو بھی۔☆ ﴿٢١٩﴾ وہ یقینا بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔ ﴿٢٢٠﴾ کیا میں تمہیں خبر دوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ ﴿٢٢١﴾ ہر جھوٹے بدکار پر اترتے ہیں۔☆ ﴿٢٢٢﴾ وہ کان لگائے رکھتے ہیں اور ان میں اکثر جھوٹے ہیں۔ ﴿٢٢٣﴾ اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں۔☆ ﴿٢٢٤﴾ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ﴿٢٢٥﴾ اور جو کہتے ہیں اسے کرتے نہیں۔ ﴿٢٢٦﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے اور کثرت سے اللہ کو یاد کریں اور مظلوم واقع ہونے کے بعد انتقام لیں اور ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام کو پلٹ کر جائیں گے۔ ﴿٢٢٧﴾

---

کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آئیں۔ اسلامی قیادت کا اپنی رعیت کے ساتھ حاکم و محکوم کا نہیں، تواضع اور محبت کا رشتہ ہوتا ہے۔

٢١٩۔ بعثت کے ابتدائی دنوں کی بات معلوم ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے تائید و حوصلہ دیا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اپنی تبلیغ رسالت میں اللہ پر توکل کریں، اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے، خواہ آپ ﷺ اکیلے ہوں یا سجدہ گزاروں میں ہوں۔ بعض روایات کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ اس وقت بھی دیکھ رہا تھا جب آپ کا نور ساجدین کے اصلاب میں پشت در پشت منتقل ہو رہا تھا۔

٢٢٢۔ شیاطین اور جھوٹے بدکار، میں مناسبت قائم ہے، اس لیے شیطان ایسے لوگوں پر اترتے ہیں۔

٢٢٤۔ ان شاعروں کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتے تھے اور قرآن کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان شاعروں کی دو باتیں یہاں مذکور ہیں: ١۔ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یعنی جس موضوع پر بات کرتے ہیں حق اور حقیقت سے بھٹکی ہوئی باتیں کرتے ہیں۔ ٢۔ ان کے گفتار و کردار میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک تخیلاتی دنیا میں گم ہوتے ہیں۔ یہ مذمت شاعروں کی ہے، شعر کی نہیں ہے۔ البتہ شعر کے مضامین اگر ایمان، عمل صالح، ذکر خدا، مظلوم کی فریادرسی پر مشتمل ہوں تو اس میں

اٰیاتہا ٩٣ ۔ ٢٧ سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ٤٨ ۔ رکوعاتہا ٧

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۱﴾ ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَ ہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۵﴾ وَ اِنَّکَ لَتُلَقَّی الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ عَلِیۡمٍ ﴿۶﴾ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِاَہۡلِہٖۤ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِخَبَرٍ اَوۡ اٰتِیۡکُمۡ بِشِہَابٍ

سورہ نمل۔مکی۔ آیات ٩٣

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① طا، سین، یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں۔ ② مومنین کے لیے ہدایت و بشارت ہیں۔☆ ③ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔☆ ④ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقینا ان کے لیے ہم نے ان کے افعال خوشنما بنا دیے ہیں پس وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ ⑤ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور آخرت میں یہی سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔ ⑥ اور (اے رسول) یہ قرآن آپ کو یقینا ایک حکیم، دانا کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔☆ ⑦ (اس وقت کا ذکر کرو) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا: میں نے ایک آگ دیکھی ہے، میں جلد ہی اس میں سے کوئی خبر لے کر تمہارے پاس آتا ہوں یا انگارا سلگا کر تمہارے پاس لاتا ہوں تاکہ تم تاپو۔☆

---

مذمت نہیں ہے۔

سورہ نمل

٢۔ چونکہ اس قرآن سے فائدہ اٹھانے والے اہل ایمان ہی ہوتے ہیں، لہٰذا یہ قرآن انہی کو ہدایت اور انہی کو بشارت دیتا ہے۔

٣۔ عقیدہ آخرت دنیوی زندگی کو معقولیت بخشتا اور خواہشات کو لگام دیتا ہے، جبکہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے لیے یہی زندگی سب کچھ ہے اور انہیں کسی جوابدہی کا خوف نہیں ہے۔ اس لیے ان کی خواہشات کو لگام نہیں لگتی، جس کے نتیجے میں ان سے اطمینان و سکون سلب ہو جاتا ہے۔

٦۔ ابتدائے بعثت میں حضور ﷺ کو جن حوصلہ شکن مشکلات کا سامنا تھا ان کے تناظر میں اس آیت کی تلاوت کی جائے تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ قرآن ایک حکیم و علیم ذات کی طرف سے ہے۔ آپ ﷺ کو مشکلات کا سامنا کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے اس میں علم کی کمی کا خدشہ ہے، نہ حکمت کے فقدان کا خوف ہے۔

٧۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں چند سال گزار کر واپس جاتے ہوئے صحرائے سینا سے گزر رہے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝٧ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٨ يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٩ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۗ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝١٠ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١١ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۗ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝١٢ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا

⑧ جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو ندا دی گئی: بابرکت ہو وہ (جس کا جلوہ) آگ کے اندر ہے اور (بابرکت ہو) وہ جو اس کے پاس ہے اور پاکیزہ ہے سارے جہاں کا رب اللہ۔☆ ⑨ اے موسیٰ! یقینا میں ہی غالب آنے والا، حکمت والا اللہ ہوں۔☆ ⑩ اور آپ اپنا عصا پھینک دیں، جب موسیٰ نے دیکھا کہ عصا سانپ کی طرح جنبش میں آ گیا ہے پیٹھ پھیر کر پلٹے اور پیچھے مڑ کر (بھی) نہ دیکھا (ندا آئی) اے موسیٰ! ڈریے نہیں، بے شک میرے حضور مرسلین ڈرا نہیں کرتے۔ ⑪ البتہ جس نے ظلم کا ارتکاب کیا ہو پھر برائی کے بعد اسے نیکی میں بدل دیا ہو تو یقینا میں بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہوں۔☆ ⑫ اور اپنا ہاتھ تو اپنے گریبان میں ڈالیے بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا، یہ ان نو نشانیوں میں سے ہے جنہیں لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف (آپ کو جانا ہے) بے شک وہ بڑے فاسق لوگ ہیں۔ ⑬ جب ہماری نشانیاں نمایاں ہو کر ان کے پاس

---

۸۔ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ بابرکت ہے وہ جو آگ کے اندر ہے۔ یعنی بابرکت ہے وہ جس کا جلوہ آگ کے اندر ہے۔ وَمَنْ حَوْلَهَا بابرکت ہے وہ جو اس آگ کے گرد و پیش میں ہے، یعنی حضرت موسیٰ ؑ۔ یعنی وہ ذات جو ندا دے رہی ہے اور وہ جو یہ ندا سن رہا ہے، دونوں بابرکت ہیں۔ البتہ اللہ کی ذات بذات خود بابرکت ہے اور حضرت موسیٰ ؑ اللہ کی طرف سے بابرکت ہو گئے ہیں۔ واضح رہے یہ روشنی بظاہر دیکھنے میں آگ نظر آتی تھی، حضرت موسیٰ ؑ نے بھی اسے آگ تصور کیا تھا، اس لیے اسے آگ کہا، ورنہ درحقیقت یہ نار نہیں، نور تھا۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے اس وہم وگمان کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ اللہ آگ میں یا درخت میں حلول ہو گیا ہے۔ (پاک و منزہ ہے وہ ذات ہر احتیاج سے)۔

۹۔ وحی کو انبیاء عام ذرائع، مثلاً سمعی و بصری ذرائع، جن میں اشتباہ اور شک کے لئے گنجائش رہتی ہو، سے وصول نہیں کرتے، بلکہ اپنے پورے وجود کے ساتھ وصول کرتے ہیں اور جس طرح اپنے وجود کا ادراک نا قابل شک وتردید ہوتا ہے، اسی طرح وحی بھی نا قابل شک وتردید ہوتی ہے۔

۱۱۔ مرسلین میرے حضور ڈرا نہیں کرتے کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ غیر مرسلین ڈر سکتے ہیں۔ غیر مرسلین میں سے وہ لوگ جو اہل توبہ ہیں اور گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں وہ بھی اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں اور ان کے لیے بھی امن حاصل ہو سکتا ہے۔

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَ
اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ
اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ
لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ
قَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ
اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ
جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ
يُوْزَعُوْنَ ﴿١٧﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ
النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا
مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ

آئیں تو انہوں نے کہا: یہ تو صریح جادو ہے۔ (۱۴) وہ ان
نشانیوں کے منکر ہوئے حالانکہ ان کے دلوں کو یقین آ گیا
تھا، ایسا انہوں نے ظلم اور غرور کی وجہ سے کیا، پس اب دیکھ لو
کہ ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔☆ (۱۵) اور بتحقیق ہم نے
داؤد اور سلیمان کو علم دیا اور ان دونوں نے کہا: ثنائے کامل
ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن
بندوں پر فضیلت عنایت فرمائی۔ (۱۶) اور سلیمان داؤد کے
وارث بنے اور بولے: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی کی
تعلیم دی گئی ہے اور ہمیں سب طرح کی چیزیں عنایت ہوئی
ہیں، بے شک یہ تو ایک نمایاں فضل ہے۔☆ (۱۷) اور
سلیمان کے لیے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر
جمع کیے گئے اور ان کی جماعت بندی کی جاتی تھی۔☆
(۱۸) یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک
چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ،
کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں کچل نہ ڈالے اور انہیں پتہ

۱۴۔ حضرت موسیٰ ؑ کے معجزات دیکھنے کے بعد حضرت موسیٰ ؑ کے رسول برحق ہونے میں کس کا شک و شبہ باقی رہ سکتا ہے؟ لیکن خواہش پرستی، سرکشی اور حق والوں کے ساتھ عناد کی وجہ سے وہ حق کو قبول نہیں کر پاتے تھے۔

۱۶۔ حیوانات اور پرندوں میں بھی افہام و تفہیم کے ذرائع ہوتے ہیں۔ یہی ذرائع ان کی بولی ہیں جسے آج لوگ اندازوں سے سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن حضرت سلیمان ؑ ظن اور اندازے سے نہیں، بلکہ ان کی بولی کو اسی طرح سمجھتے تھے جس طرح انسان کی بولی سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ھدھد اور چیونٹی کی گفتگو وغیرہ کا ذکر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بات طبیعیاتی قانون کی عام دفعات کے تحت نہیں ہے، جیسا کہ کچھ لوگ اسے سائنسی تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۷۔ اس آیت کی نص صریح کے مطابق حضرت سلیمان ؑ کے لیے جنات مسخر تھے، بلکہ ان کے لیے جن و انس کے ساتھ پرندے بھی مسخر تھے۔ لہٰذا اس امر میں کسی قسم کی تاویل قرآن کی معنوی تحریف ہوگی۔

۱۸۔ انبیاء ؑ کی روح میں وہ لطافت موجود ہوتی ہے جس سے وہ وحی الٰہی کا ادراک کرتے ہیں۔ اس لیے چیونٹی کا کلام سننا کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ تعجب اس بات پر ہونا چاہیے کہ چیونٹی کے ادراک میں یہ بات آ گئی کہ یہ لوگ حضرت سلیمان ؑ اور ان کا لشکر ہیں اور وہ غیر ارادی طور پر انہیں کچل ڈالیں گے۔

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدْتُّهَا وَ

بھی نہ چلے۔☆ ﴿١٩﴾ اس کی باتیں سن کر سلیمان ہنستے ہوئے مسکرائے اور کہنے لگے: میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جن سے تو نے مجھے اور میرے والدین کو نوازا ہے اور یہ کہ میں ایسا صالح عمل انجام دوں جو تجھے پسند آئے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل فرما۔☆ ﴿٢٠﴾ سلیمان نے پرندوں کا معائنہ کیا تو کہا: کیا بات ہے کہ مجھے ہُدہُد نظر نہیں آ رہا؟ کیا وہ غائب ہو گیا ہے؟☆ ﴿٢١﴾ میں اسے ضرور سخت ترین سزا دوں گا یا میں اسے ذبح کر دوں گا مگر یہ کہ میرے پاس کوئی واضح عذر پیش کرے۔ ﴿٢٢﴾ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس نے (حاضر ہو کر) کہا: مجھے اس چیز کا علم ہوا ہے جو آپ کو معلوم نہیں اور ملک سبا سے آپ کے لیے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ ﴿٢٣﴾ میں نے ایک عورت دیکھی جو ان پر حکمران ہے اور اسے ہر قسم کی چیزیں دی گئیں ہیں اور اس کا عظیم الشان تخت ہے۔☆ ﴿٢٤﴾ میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی

١٩۔ ترتیب کلام سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بعید نہ ہوگا کہ شکر اور قدردانی کی قدروں کا مالک ہونے کے بعد وہ عمل صالح بجا لانا ممکن ہوتا ہے جس میں اللہ کی رضامندی ہے اور صالح بندوں میں داخل ہونا صرف عمل سے ممکن نہیں ہے، بلکہ اللہ کی رحمت سے ممکن ہے: بِرَحْمَتِكَ۔

٢٠۔ لشکر سلیمان علیہ السلام میں مسخر ایک خاص ہدہد کا ذکر ہو سکتا ہے کہ جس کا غائب ہونا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اہمیت کا حامل تھا۔

٢٣۔ ملک سبا وہی ہے جسے آج کل یمن کہا جاتا ہے۔ یہ ملک اس زمانے میں اپنی زرخیزی اور تجارت کی وجہ سے نہایت دولت مند ملک شمار ہوتا تھا اور اپنے وقت کے عظیم تمدن کا حامل تھا۔ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ سے اس ملک کے تمدن کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اس زمانے کی تمام آسائشیں حاصل تھیں۔

کچھ لوگوں کے لیے یہ بات قابل فہم نہیں ہے کہ ہدہد جیسے ایک پرندے میں یہ شعور موجود ہو کہ وہ اس ملک کی خصوصیات اور مذہب وغیرہ کو سمجھے اور بیان کرے۔

حیوانات کی شعوری دنیا کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ بعض حیوانات میں بعض باتوں کا شعور وادراک انسانوں سے زیادہ ہے۔ قرآن کی معنوی تحریف کے مرتکب ہونے والوں کے نزدیک مادی

قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ
عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَّا
يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ
وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۩ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ
اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾
اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ
تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾
قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ
كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ
اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ

السجدة

قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا رکھے ہیں اور اس طرح ان کے لیے راہ خدا کو مسدود کر دیا ہے، پس وہ ہدایت نہیں پاتے۔☆ ﴿٢٥﴾ کیا وہ اللہ کے لیے سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے اور وہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری اعمال کو جانتا ہے؟☆ ﴿٢٦﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ ﴿٢٧﴾ سلیمان نے کہا: ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کیا تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ ﴿٢٨﴾ میرا یہ خط لے جا اور اسے ان لوگوں کے پاس ڈال دے پھر ان سے ہٹ جا اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ ﴿٢٩﴾ ملکہ نے کہا: اے دربار والو! میری طرف ایک محترم خط ڈالا گیا ہے۔ ﴿٣٠﴾ یہ سلیمان کی جانب سے ہے اور وہ یہ ہے: خدائے رحمٰن رحیم کے نام سے ﴿٣١﴾ تم میرے مقابلے میں بڑائی مت کرو اور فرمانبردار ہو

---

سائنسدان اللہ سے زیادہ قابل اعتماد ہیں!! آخر یہ لوگ ایسے اللہ کو ماننے کی زحمت کیوں کرتے ہیں جس کی باتوں پر یقین نہیں آتا؟!! چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک ہدہد کے لیے ایسا شعور و ادراک ممکن نہیں، پس ہدہد حضرت سلیمان ؑ کے لشکر کے ایک جرنیل کا نام تھا۔

٢٤۔ قرآن کی تائید عرب کی قدیم تاریخ سے ہوتی ہے کہ سبا کی قوم آفتاب پرستی کے مذہب پر قائم تھی۔

٢٥۔ اَلْخَبْءَ: پوشیدہ۔ اللہ آسمان اور زمین کے شکم میں پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے۔ سورج کی شعاعوں میں پوشیدہ کرنوں سے زمین میں رعنائیاں نکالتا ہے اور زمین کے شکم میں پوشیدہ چیزوں کو نکال کر انسان کے دسترخوان پر طرح طرح کے میوے اور کھانے سجاتا ہے۔

٣١۔ یہ خط اپنے انداز ارسال، انداز کلام اور مضمون کے اعتبار سے غیر معمولی حیثیت کا حامل تھا۔ انداز ارسال: ایک پرندے کے ذریعے۔ انداز کلام: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے شروع ہوتا ہے جو اس معاشرے کی ثقافت سے بالکل مختلف اور ناآشنا انداز کلام ہے۔ مضمون میں ایک دعوت ہے کہ ایک قانونی حکومت کے مقابلے میں ایک باطل نظام کو بڑائی اور سرکشی کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا فرماں بردار یا مسلم ہو کر میرے سامنے حاضر ہو

عٓ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا
الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ
قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾ قَالُوْا
نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ وَّ
الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾
قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً
اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ
وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ
اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ
اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ
اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾
اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ

کر میرے پاس چلے آ ؤ۔☆ ﴿٣٢﴾ ملکہ نے کہا: اے اہل دربار! میرے اس معاملے میں مجھے رائے دو، میں تمہاری غیر موجودگی میں کسی معاملے کا فیصلہ نہیں کیا کرتی۔☆ ﴿٣٣﴾ انہوں نے کہا: ہم طاقتور اور شدید جنگجو ہیں تاہم فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ دیکھ لیں کہ آپ کو کیا حکم کرنا چاہیے۔ ﴿٣٤﴾ ملکہ نے کہا: بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کرتے ہیں اور اس کے عزت داروں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی اسی طرح کریں گے۔☆ ﴿٣٥﴾ اور میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیج دیتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ ایلچی کیا (جواب) لے کر واپس آتے ہیں۔☆ ﴿٣٦﴾ پس جب وہ سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا: کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ جو کچھ اللہ نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے جب کہ تمہیں اپنے ہدیے پر بڑا ناز ہے۔☆ ﴿٣٧﴾ (اے ایلچی) تو انہیں کی طرف واپس پلٹ جا، ہم ان کے پاس

جاؤ۔ یہاں حضرت سلیمان ؑ کا فرماں بردار ہونے میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں: فرماں برداری بھی اور اسلام بھی۔

٣٢۔ شہنشاہی نظام ہونے کے باوجود وہ استبدادی نہ تھا، بلکہ سربراہان مملکت اپنے فیصلے باہمی مشورے سے طے کیا کرتے تھے۔

٣٤۔ فاتح قوم جب فتح کے نشے میں چور ہوتی ہے تو اپنی زیر نگیں قوم کی حرمت وعزت کو لوٹ لیتی ہے۔ البتہ اسلامی فاتحین کے بارے میں گوستاف لوبون اپنی کتاب حضارۃ العرب میں لکھتے ہیں: چشم تاریخ نے عربوں کی طرح کسی انصاف پسند اور رحمدل فاتح کو نہیں دیکھا۔

٣٥۔ یعنی اگر وہ اس ہدیے سے نرم پڑ جائے تو وہ مال و دولت کا ہی بندہ ہوگا اور اس سے اسی بنیاد پر نمٹیں گے، وگرنہ مسئلہ ایمان و عقیدہ کا ہوگا، جس کے سامنے مال ومنال کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

٣٦۔ حضرت سلیمان ؑ نے ان کے تحائف بڑی حقارت کے ساتھ واپس کیے تو ملکہ سبا پر یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ مسئلہ کشور کشائی اور مال و دولت کا نہیں ہے۔

٣٨۔ حضرت سلیمان ؑ کا یہ سوال بتاتا ہے کہ ان کے درباریوں میں ایسے لوگ موجود تھے جو اس قسم کے کارنامے انجام دے سکتے تھے۔

٣٩۔ بیت المقدس سے ملک سبا کا فاصلہ ڈیڑھ ہزار میل سے کم نہ تھا۔ کسی بشری طاقت کے لیے ممکن نہ تھا کہ چند گھنٹوں میں یہ کام انجام دے، لہٰذا جن سے مراد کوئی بشر نہیں، جیسا کہ بعض عقلیت پسند لکھتے

لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ
صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ
يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ
مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا
اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ
اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِيْ
عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ
قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ
مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ
رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ
وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ
فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿٤٠﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا
عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ

ایسے لشکر لے کر ضرور آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور ہم انہیں وہاں سے ذلت کے ساتھ ضرور نکال دیں گے اور وہ خوار بھی ہوں گے۔ ﴿۳۸﴾ سلیمان نے کہا: اے اہل دربار! تم میں سے کون ہے جو ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ فرمانبردار ہو کر میرے پاس آئیں؟☆ ﴿۳۹﴾ جنوں میں سے ایک عیار نے کہا: میں اسے آپ کے پاس حاضر کر دیتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں اور میں یہ کام انجام دینے کی طاقت رکھتا ہوں، امین بھی ہوں۔☆ ﴿۴۰﴾ جس کے پاس کتاب میں سے کچھ علم تھا وہ کہنے لگا: میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے آپ کے پاس حاضر کر دیتا ہوں، جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس نصب شدہ دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ خود اپنے فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب یقینا بے نیاز اور صاحب کرم ہے۔☆ ﴿۴۱﴾ سلیمان نے کہا: ملکہ کے تخت کو

---

ہیں۔

۴۰۔ یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ پلک جھپکنے کی دیر میں کیسے ممکن ہوا کہ کوئی ڈیڑھ ہزار میل کے فاصلے سے یہ تخت حاضر کرے؟ ایسا تو آج کے جوہری دور میں بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ سوال اللہ کی کن فیکونی طاقت کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ سائنسی نقطۂ نظر سے بھی درست نہیں ہے، کیونکہ بقول آئن سٹائن: "انسان کو مکان و زمان میں محدود سمجھنا ایک مفروضہ ہے" نیز نظریہ اضافت کے لحاظ سے زمان ہر جگہ یکساں نہیں ہے۔ روشنی کی رفتار سے سفر کرنے والے کے دس منٹ ساکن لوگوں کے سینکڑوں سالوں کے برابر ہوتے ہیں، جیسا کہ مسئلہ معراج کی بحث میں ہم نے بیان کیا ہے، لیکن ہم اس مسئلے کی توجیہ نظریہ اضافت وغیرہ سے نہیں کرتے۔ قرآن کی صراحت موجود ہے کہ یہ قدرت جس شخص کے پاس تھی اس کی بنیاد علم تھا اور اس علم کا ماخذ الکتاب تھا۔ اگرچہ ہم کو اس علم اور الکتاب کی نوعیت کا علم نہیں ہے، تاہم اس آیت میں علم کی طاقت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اس شخص نے اپنے دعویٰ کو جامۂ عمل پہناتے ہوئے چشم زدن میں اس عظیم تخت کو حاضر کر دیا۔ اس علمی کارنامے کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کا فضل قرار دیا، تخت کے حصول کو نہیں۔ انسان کو اب تک دور سے آواز اور تصاویر چشم زدن میں حاضر کرنے کا طریقہ آ گیا ہے۔ اجسام کو حاضر کرنے کا طریقہ ابھی نہیں آیا۔ آیت سے معلوم ہوا کہ اس علم کا وجود ہے جس سے

الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٤١﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٤٣﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ۬ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٤﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ

اس کے لیے انجانا بنا دو، ہم دیکھیں کیا وہ شناخت کر لیتی ہے یا شناخت نہ کرنے والوں میں سے ہوتی ہے۔☆ ﴿٤٢﴾ جب ملکہ حاضر ہوئی تو (اس سے) کہا گیا: کیا آپ کا تخت ایسا ہی ہے؟ ملکہ نے کہا: گویا یہ تو وہی ہے، ہمیں اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے اور ہم فرمانبردار ہو چکے ہیں۔☆ ﴿٤٣﴾ اور سلیمان نے اسے غیر اللہ کی پرستش سے روک دیا کیونکہ پہلے وہ کافروں میں سے تھی۔☆ ﴿٤٤﴾ ملکہ سے کہا گیا: محل میں داخل ہو جائیے، جب اس نے محل کو دیکھا تو خیال کیا کہ وہاں گہرا پانی ہے اور اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں، سلیمان نے کہا: یہ شیشے سے مرصع محل ہے، ملکہ نے کہا: میرے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اب میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین اللہ پر ایمان لاتی ہوں۔☆ ﴿٤٥﴾ اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کی برادری کے صالح کو (یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے۔☆ ﴿٤٦﴾ صالح نے کہا: اے

---

اجسام کو دور سے چشم زدن میں حاضر کرنا ممکن ہے۔

۴۱۔ یہ جانچنا کہ سمجھ جاتی ہے کہ یہ اسی کا تخت ہے یا نہیں، ممکن ہے مقصد یہ ہو کہ وہ اس معجزے کو نبوت کی دلیل سمجھتی ہے یا نہیں؟

۴۲۔ یعنی ہمیں حضرت سلیمان ؑ کی حقانیت اور رسالت کا پہلے ہی سے علم ہو چکا تھا اور ہم اس معجزے کو دیکھنے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔

۴۳۔ حضرت سلیمان ؑ کی شان و شوکت حکومت و اقتدار کے باوجود آپ ؑ کے تواضع اور اخلاص کی پہلے ہی ملکہ معترف ہو چکی تھی۔ اب غیر اللہ کی پرستش ترک کرنے کے لیے حضرت سلیمان ؑ کا ایک حکم کافی رہا اور کفر کا مذہب ترک کر کے توحید کے زمرے میں داخل ہو گئی۔

۴۴۔ قصر سلیمانی کا صحن شفاف شیشوں سے بنا ہوا تھا اور نیچے پانی کا تالاب تھا یا دیکھنے میں پانی کی طرح نظر آ رہا تھا، اس لیے ملکہ نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ جب معلوم ہوا کہ یہ شیشہ ہے تو حضرت سلیمان ؑ کی قوت و سلطنت کو دیکھ کر صرف حضرت سلیمان ؑ کے ہی نہیں، بلکہ حضرت سلیمان ؑ کی معیت میں اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

۴۵۔ حضرت صالح ؑ کی دعوت کے نتیجے میں دو فریق بن گئے۔ ایک ایمان لانے والوں کا، دوسرا انکار کرنے والوں کا۔ جیسا کہ دعوت حق کے نتیجے

قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

میری قوم! نیکی سے پہلے برائی کے لیے کیوں عجلت کرتے ہو؟ تم اللہ سے معافی کیوں طلب نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟☆ ﴿٤٧﴾ وہ کہنے لگے: تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لیے بدشگونی کا سبب ہیں، صالح نے کہا: تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ آزمائے جا رہے ہو۔☆ ﴿٤٨﴾ اور اس شہر میں نو دھڑے باز تھے جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ ﴿٤٩﴾ انہوں نے کہا: آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کے وقت صالح اور ان کے گھر والوں پر ضرور شب خون ماریں گے پھر ان کے وارث سے یہی کہیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کی ہلاکت کے موقع پر موجود ہی نہ تھے اور ہم سچے ہیں۔☆ ﴿٥٠﴾ اور انہوں نے مکارانہ چال چلی تو ہم نے ایسی حکیمانہ تدبیریں کیں کہ انہیں خبر تک نہ ہوئی۔☆ ﴿٥١﴾ پس دیکھ لو! ان کی مکاری کا کیا انجام ہوا، ہم نے انہیں اور ان کی پوری قوم کو نابود کر دیا۔ ﴿٥٢﴾ پس ان کے یہ گھر ان کے ظلم کے نتیجے میں ویران پڑے ہیں، اس میں علم رکھنے

---

۴۶۔ اللہ سے رحمت طلب کرنے کی بجائے عذاب طلب کرتے ہو؟ نادانو! اللہ سے تمہیں مغفرت طلب کرنی چاہیے تھی۔

۴۷۔ مشرکوں کا یہ عام تصور تھا کہ جب بھی ان کے بتوں کے خلاف دعوت دینے والے انبیاء آتے ہیں تو (نعوذ باللہ) نحوست لے کر آتے ہیں کیونکہ ان کی دعوت سے ان کے معبود ناراض ہو جاتے ہیں۔

۴۹۔ اسی قسم کی سازش تھی جو مکہ والے رسول اکرم ﷺ کے خلاف کر رہے تھے۔ سازش یہ طے پائی کہ (ہجرت کے موقع پر) حضور ﷺ کو قتل کرنے کے لیے تمام قبائل مل کر حملہ کریں گے تاکہ بنی ہاشم کسی ایک قبیلہ پر الزام عائد نہ کر سکیں اور سب سے انتقام بھی نہ لے سکیں۔

۵۰۔ ان کی چال یہ تھی کہ تمام قبائل مل کر شبخون ماریں اور صالح ؑ کا کام تمام کر دیں۔ اللہ کی تدبیر یہ تھی کہ اس شبخون کی نوبت آنے سے پہلے ان سب کو ہلاک کر دیا جائے۔ چنانچہ عین ممکن ہے کہ عذاب اسی رات کو آ گیا ہو جس رات انہوں نے شبخون مارنا تھا۔ تاریخ کے اس درس کا ذکر مکہ کے مشرکین میں حق و باطل کا ہمیشہ آمنا سامنا ہوتا رہا ہے، چنانچہ مکہ میں یہی کچھ ہو رہا تھا۔

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٣﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ؗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٥٨﴾ ع قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾

والوں کے لیے ایک نشانی ہے۔ ﴿٥٣﴾ اور ہم نے ایمان والوں کو نجات دی اور وہی تقویٰ والے تھے۔ ﴿٥٤﴾ اور لوط (کا وہ وقت یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو؟ حالانکہ تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔☆ ﴿٥٥﴾ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت پرستی کے لیے مردوں کا رخ کرتے ہو؟ بلکہ تم تو جاہل قوم ہو۔☆ ﴿٥٦﴾ تو ان کی قوم کا بس یہی جواب تھا کہ وہ کہیں لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔☆ ﴿٥٧﴾ تو ہم نے لوط اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا سوائے لوط کی بیوی کے، ہم نے اس کا مقدر یہ بنایا تھا کہ وہ پیچھے رہ جائے۔☆ ﴿٥٨﴾ اور ہم نے ان پر ایک بارش برسائی جو ان کے لیے بہت ہی بری بارش تھی جنہیں تنبیہ کی گئی تھی۔ ﴿٥٩﴾ کہہ دیجیے: ثنائے کامل ہے اللہ کے لیے اور سلام ہو اس کے برگزیدہ بندوں پر، کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں؟☆

---

کی تنبیہ کے لیے ہے کہ ان کا بھی حشر سنت تاریخ سے مختلف نہ ہوگا۔

۵۴۔ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ: جب تک بدکاری کرتے ہو تو اس طرح کرتے ہو کہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوتے ہو۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ (عنکبوت:۲۹) تم اپنی محفلوں میں برائی کا ارتکاب کرتے ہو۔

۵۵۔ انجام بد سے بے خبر اس فاشی کا ارتکاب کرتے ہو۔ واضح رہے وقتی سرمستی انسان کو انجام بد سے غافل کر دیتی ہے۔

۵۶۔ وہ اس بدکاری سے اجتناب کرنے کو طنز میں بدل دیتے تھے اور پاکبازی ان کے ہاں معیوب چیز تھی۔ آج کل کی مغربی تہذیب کی طرح کہ پاکبازی کو قدامت پرستی اور فکری پسماندگی کی علامت سمجھتے ہیں۔

۵۷۔ حضرت لوط ؑ کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، کیونکہ اسے بھی قوم لوط کے ساتھ تباہ ہونا ہے۔

۵۹۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔ اس کے مصداق اول انبیاء ؑ ہیں۔ ان کے بعد جنہیں اللہ نے برگزیدہ کیا ہے، ان پر بھی سلام ہے۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ

(٦٠) (شریک بہتر ہیں) یا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا؟ پھر ہم نے اس سے پررونق باغات اگائے، ان درختوں کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا، تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ لوگ تو منحرف قوم ہیں۔ (٦١) (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے بیچ میں نہریں بنائیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان ایک آڑ بنائی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ (٦٢) یا وہ بہتر ہے جو مضطرب کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور اس کی تکلیف دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔☆ (٦٣) یا وہ بہتر ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے اور کون ہے جو ہواؤں کو خوشخبری کے طور پر اپنی رحمت کے آگے آگے بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی

---

٦١۔ دونوں سمندر اپنے کیمیکل مواد اور نمک کی وجہ سے جو پانی میں حل ہو گئے ہیں، ایک دوسرے سے مخلوط نہیں ہوتے، جیسے تیل اور پانی۔ ان آیات میں نفی شرک پر استدلال ہے کہ کیا تخلیق کائنات کے بعد تدبیر کے عظیم کارنامہ حکیمانہ منصوبہ بندی میں اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود شریک ہے؟ واضح رہے مشرکین اللہ کو زمین کا رب نہیں مانتے تھے۔ اس آیت میں زمین کی تدبیر کا ذکر ہے۔

٦٢۔ جب تم بے بس ہوتے ہو تو اللہ کو پکارتے ہو کیونکہ تمہاری جبلت میں اللہ کا تصور موجود ہے۔ وہ مصیبت کے وقت ہی تمہیں یاد آتا ہے۔ وہی ذات تمہارا معبود ہے جس نے زمین میں تمہارے فائدے کی ہر چیز تمہارے اختیار میں رکھی ہے۔ اس طرح اس نے مجموعی طور پر انسان کو زمین میں خلافت عطا کی ہے۔

٦٣۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں سفر کے دوران اللہ نے انسان کی رہنمائی کا انتظام ستاروں سے کیا ہے تا کہ منزل کا تعین ہو۔

٦٤۔ جو ذات نقش اول پر قادر ہے وہ نقش دوم پر زیادہ قادر ہے اور جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے وہی تمہارا معبود ہے۔

ان آیات میں ایک نکتے پر توجہ مرکوز ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ معبود وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں اس کائنات کی تدبیر ہے۔ پھر سوال اٹھایا گیا کہ بتاؤ

رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ
الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا
بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ لَّا
يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ
اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾
بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ
شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ؏ ﴿٦٦﴾ وَ
قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ
اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا
هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ
اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي

ہے؟ اللہ بالاتر ہے ان چیزوں سے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔☆ ﴿٦٣﴾ یا وہ بہتر ہے جو خلقت کی ابتدا کرتا ہے پھر اسے دہراتا ہے اور کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ کہد یجیے: اپنی دلیل پیش کرو اگر تم لوگ سچے ہو۔☆ ﴿٦٤﴾ کہد یجیے: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ غیب کی باتیں نہیں جانتے سوائے اللہ کے اور نہ انہیں یہ علم ہے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔☆ ﴿٦٥﴾ بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم ماند پڑ گیا ہے، بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ یہ اس کے بارے میں اندھے ہیں۔ ﴿٦٦﴾ اور کفار کہتے ہیں: جب ہم اور ہمارے باپ دادا خاک ہو چکے ہوں گے تو کیا ہمیں (قبروں سے) نکالا جائے گا؟ ﴿٦٧﴾ اس قسم کا وعدہ پہلے بھی ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے ہوتا رہا ہے یہ تو قصہ ہائے پارینہ کے سوا کچھ نہیں۔☆ ﴿٦٨﴾ کہد یجیے: زمین میں چل

---

تدبیر کائنات کس کے ہاتھ میں ہے؟ کون آسمان سے پانی برساتا ہے؟ کس نے زمین کو جائے قرار بنایا؟ کون ہے جو مضطرب کی فریاد سنتا ہے؟ کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سب تدبیر کائنات سے متعلق سوالات ہیں۔ جب یہ سب تدبیریں اللہ کے ہاتھ میں ہیں تو صرف اسی کی بندگی کرو۔

٦٥۔ بذات خود غیب صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ یہاں اس کے ساتھ کوئی غیب نہیں جانتا۔ اس کے بعد اگر کوئی غیب جانتا ہے تو بذات خود نہیں، اللہ تعالیٰ کے بتانے پر جانتا ہے۔ لہٰذا غیب کا مصدر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

٦٨۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اسلام ﷺ نے آخرت کا تصور قائم کر کے کوئی انوکھا کام نہیں کیا بلکہ یہ عقیدہ خود مشرکین کے اعتراف کے مطابق تمام سابقہ انبیاء بیان کرتے آئے ہیں۔ اس تصور کو رد کرنے کا مشرکین یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ یہ وعدہ اگر حق ہے اور قیامت آنے والی ہے تو ابھی تک آئی کیوں نہیں؟

٦٩۔ سیر فی الارض سے تمہیں یہ نظر آئے گا کہ ان قوموں کا انجام کیسا رہا جنہوں نے قیامت کا انکار کیا تھا۔ ان کا انجام دیکھ کر ان سے سبق لو اور انکار آخرت کے جرم کے مرتکب نہ بنو۔

٧٠۔ آپ ﷺ کی رنجیدگی ان لوگوں کی خاطر ہے جو

الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا
تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَ
يَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ رَدِفَ
لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّ
رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ
أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ
لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا
يُعْلِنُونَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَ
الْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٧٥﴾ إِنَّ هَٰذَا
الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ
الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُ

پھر کر دیکھ لو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا ہے۔☆ ﴿٧٠﴾ اور
(اے رسول) ان (کے حال) پر رنجیدہ نہ ہوں اور نہ ہی ان
کی مکاریوں پر دل تنگ ہوں۔☆ ﴿٧١﴾ اور وہ کہتے ہیں:
اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ آخر کب پورا ہوگا؟ ﴿٧٢﴾ کہدیجیے:
ممکن ہے جن بعض باتوں کے لیے تم عجلت چاہ رہے ہو وہ
تمہارے پس پشت پہنچ چکی ہوں۔☆ ﴿٧٣﴾ اور بتحقیق آپ
کا رب لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر
نہیں کرتے۔ ﴿٧٤﴾ اور جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے
اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بتحقیق آپ کا رب اسے خوب
جانتا ہے۔ ﴿٧٥﴾ اور آسمان اور زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ
بات نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو۔ ﴿٧٦﴾ بے شک یہ
قرآن بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں بیان کر دیتا ہے جن میں
وہ اختلاف کرتے ہیں۔☆ ﴿٧٧﴾ اور یہ اہل ایمان کے لیے

---

آپ ﷺ کے خلاف مکاریاں کرتے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی وسعت قلبی ہے نیز عالمین کے لیے رحمت ہونے کی دلیل ہے، ورنہ خود اپنی خلاف مکاریاں کرنے والوں کے ساتھ نفرت ہوا کرتی ہے۔

٧٢۔ اس عذاب سے مراد دنیاوی عذاب ہو سکتا ہے جو ان کے پس پشت پہنچ چکا ہے اور وہ جنگ بدر میں ان کی ذلت آمیز شکست سے شروع ہو جاتا ہے۔

مجرمین پر عذاب نازل کرنے میں خدا عجلت سے کام نہیں لیتا، جبکہ مجرمین خود اس عدم عجلت کو قیامت کے برحق نہ ہونے کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔

عذاب کا مستحق ہونے کے باوجود عذاب میں عجلت سے کام نہ لینا اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے جس سے ان کے جرم میں اضافہ ہوتا ہے۔

عذاب میں تاخیر اس وجہ سے تو نہیں ہے کہ اللہ کو مجرمین کے جرم پر علم حاصل ہونے میں وقت لگتا ہے، اللہ تو جرم کے واقع ہونے سے پہلے جانتا ہے کہ کون کس جرم کا ارتکاب کرنے والا ہے۔

٧٦۔ حضرت عیسیٰ ؑ، روح القدس اور اللہ (اقنوم ثلاثۃ) اور حضرت عیسیٰ ؑ کے سولی چڑھنے میں ان کے اختلاف کے بارے میں قرآن فیصلہ کن مؤقف بیان کرتا ہے۔

٧٩۔ استقامت کے لیے دو بنیادوں کا ذکر ہے: ایک یہ کہ اس کائنات کی طاقت کے سرچشمہ "اللہ" پر اپنا بھروسہ قائم رکھو۔ دوم یہ کہ آپ ﷺ صریح حق پر

لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ اِنَّ رَبَّكَ
يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْعَلِيْمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى
الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا
تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾
وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ
اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا
فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ
عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ
تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا
يُوْقِنُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ
فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ
يُوْزَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ

یقینا ہدایت اور رحمت ہے۔ ﴿٧٨﴾ یقینا آپ کا رب اپنے حکم سے ان کے درمیان فیصلہ کر دیتا ہے اور وہی بڑا غالب آنے والا، بڑا علم رکھنے والا ہے۔ ﴿٧٩﴾ لہٰذا آپ اللہ پر بھروسا کریں، یقینا آپ صریح حق پر ہیں۔☆ ﴿٨٠﴾ آپ نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں نہ ہی بہروں کو اپنی دعوت سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں۔☆ ﴿٨١﴾ اور نہ ہی آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راستہ دکھا سکتے ہیں، آپ ان لوگوں تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور پھر فرمانبردار بن جاتے ہیں۔ ﴿٨٢﴾ اور جب ان پر وعدہ (عذاب) پورا ہونے والا ہوگا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک چلنے پھرنے والا نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا کہ درحقیقت لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔☆ ﴿٨٣﴾ اور جس روز ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت کو جمع کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتی تھیں پھر انہیں روک دیا جائے گا۔☆ ﴿٨٤﴾ جب سب آ جائیں گے تو (اللہ) فرمائے گا: کیا تم نے

ہیں۔ حق کو دوام حاصل ہے اور باطل زوال پذیر ہے۔

٨٠۔ جن مردوں میں سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ ہو آپ ﷺ ان کو اپنے حق کا پیغام کیسے سنا سکتے ہیں۔ یہ استعارہ ہے ان زندوں کے لیے جو قوت فہم وادراک سے محروم ہیں۔

٨٢۔ دابۃ الارض: لسان العرب میں آیا ہے: و کل ماش علی الارض دابۃ ہر زمین پر چلنے والے کو دابۃ کہتے ہیں۔ خود قرآن میں بھی انسان کو دابۃ میں شامل کیا گیا ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود: ٦) زمین پر چلنے پھرنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔

تفسیر مظہری ٩: ٥٠ میں آیا ہے: بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علی ؑ نے فرمایا وہ دابۃ ایسا دابۃ نہ ہوگا جس کی دم ہو، بلکہ وہ داڑھی والا دابۃ ہوگا۔ آپ ؑ کا اس کلام سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ آدمی ہوگا (چوپایہ نہ ہوگا)، لہٰذا یہ زمین پر چلنے پھرنے والا جو لوگوں سے بات کرے گا، جسے زمین سے نکالا جائے گا، کوئی انسان ہے جسے زمین سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، جیسا کہ بعض امامی روایات میں آیا ہے کہ حضرت علی ؑ کی ذات کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن اس مطلب کو صراحت کے ساتھ بیان کرنا نہیں چاہتا اور اجمال میں رکھنا چاہتا ہے۔ بہرحال یہ اس وقت کی بات ہے جب عذاب کا آنا یقینی ہو جائے گا اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس وقت یہ دابۃ الارض اللہ کی طرف سے اعلان کرے گا۔

٨٣۔ آیت کے سیاق سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیامت سے قبل کا واقعہ ہے، کیونکہ قیامت کے دن سب کو جمع کیا جائے گا۔ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ

أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ ﴿٨٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ۚ وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ﴿٨٧﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُم مِّن فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ﴿٨٩﴾ وَمَن جَاءَ

میری آیات کو جھٹلا دیا تھا؟ جب کہ ابھی تم انہیں اپنے احاطہ علم میں بھی نہیں لائے تھے اور تم کیا کچھ کرتے تھے؟ ﴿٨٥﴾ اوران کے ظلم کی وجہ سے بات ان کے خلاف پوری ہو کر رہے گی اور وہ بول نہیں سکیں گے۔☆ ﴿٨٦﴾ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے رات اس لیے بنائی کہ وہ اس میں سکون حاصل کریں اور دن کو روشن بنایا؟ ایمان لانے والوں کے لیے اس میں یقینا نشانیاں ہیں۔ ﴿٨٧﴾ اور جس روز صور میں پھونک ماری جائے گی تو آسمانوں اور زمین کی تمام موجودات خوفزدہ ہو جائیں گی سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ چاہے اور سب نہایت عاجزی کے ساتھ اس کے حضور پیش ہوں گے۔☆ ﴿٨٨﴾ اور آپ پہاڑوں کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ یہ ایک جگہ ساکن ہیں جب کہ (اس وقت) یہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے، یہ سب اس اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو پختگی سے بنایا ہے، وہ تمہارے اعمال سے یقینا خوب باخبر ہے۔☆ ﴿٨٩﴾ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اسے اس سے بہتر اجر ملے گا اور وہ اس دن کی ہولناکیوں سے امن میں ہوں گے۔☆ ﴿٩٠﴾ اور جو شخص

---

اَحَدًا۔ (کہف: ٤٧) جب کہ اس آیت میں ہر امت میں سے ایک ایک جماعت کو جمع کرنے کا ذکر ہے۔ اس لیے جب اس آیت کو قیامت کے دن پر محمول کیا جاتا ہے تو لوگوں کو مطلب سمجھ میں نہیں آتا اور ترجمہ میں تحریف کرنا پڑتی ہے۔

٨٥۔ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ: ان ظالموں کے خلاف جو قول وقرار اللہ کی طرف سے طے تھا، وہ آج وقوع پذیر ہوگیا۔ اب یہ معذرت تک نہیں کر سکتے۔

٨٧۔ ممکن ہے یہ دوسرا صور ہو جس سے سب زندہ ہو جاتے ہیں اور اللہ کے حضور حساب کے لیے پیش ہوں گے۔ ممکن ہے پہلا صور ہو چونکہ آیت میں پہاڑوں کے اڑنے کا ذکر ہے جو پہلے صور سے متعلق ہے۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ہوں گے جو اس فزع اکبر بڑے خوفناک دن میں بھی خوفزدہ نہیں ہوں گے۔

٨٨۔ یعنی قیامت کے دن پہاڑ بادل کی طرح ہوا میں بکھر جائیں گے، جنہیں آج آپ جامد و ساکن دیکھ رہے ہیں۔ یہ اللہ کی حکیمانہ صنعت گری اور تخلیق کا کرشمہ ہے، جس سے عمل و جزا میں ربط قائم رکھا گیا ہے یا اس تخریب کو اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ صنعت گری کا حصہ قرار دینا چاہیے کہ اس تخریب کے بعد ایک نئی کائنات کی تعمیر ہوگی۔

٨٩۔ شواھد التنزیل میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: الحسنة حبنا اهل البيت و السيئة بغضنا۔ نیکی (حسنة) ہم اہل بیت کی محبت ہے اور برائی (سيئة) ہم اہل بیت کے ساتھ عداوت ہے۔

٩١۔ رَبّ مکہ کی تعبیر مکہ کی منزلت بیان کرنے کے لیے ہے، ورنہ وہ صرف مکہ کا رب نہیں لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ہر چیز اس کی ملکیت ہے۔

بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ؗ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿٩١﴾ وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿٩٢﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

برائی لے کر آئے گا پس انہیں اوندھے منہ آگ میں پھینک دیا جائے گا، کیا تمہیں اپنے کیے کے علاوہ کوئی اور جزا مل سکتی ہے؟ ﴿٩٠﴾ (اے رسول! آپ یہ کہیں) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی بندگی کروں جس نے اسے محترم بنایا اور ہر چیز اسی کی ملکیت ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔☆ ﴿٩١﴾ اور یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں اس کے بعد جو ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے لیے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہی میں چلا جائے اسے کہہ دیجیے: میں تو بس تنبیہ کرنے والا ہوں۔ ﴿٩٢﴾ اور کہہ دیجیے: ثنائے کامل اللہ کے لیے ہے، عنقریب وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم انہیں پہچان لو گے اور آپ کا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔☆

آیاتها ٨٨ ۔ ٢٨ سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ٤٩ ۔ رکوعاتها ٩

سورۂ قصص۔ مکی۔ آیات ٨٨

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

طٰسٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿٢﴾

﴿١﴾ طا، سین، میم۔ ﴿٢﴾ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔

٩٣۔ ان حتمی آیات کے دکھانے کے بعد پھر مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ فَتَعْرِفُوْنَهَا اس وقت ان آیات کی معرفت ہو جائے گی۔ اس معرفت کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا، چونکہ پردہ ہٹ جانے کے بعد عمل کا وقت گزر چکا ہو گا۔ صرف حساب کا دن ہو گا۔

سورہ قصص

بائبل کے مطابق فرعون بنی اسرائیل کا مخالف اس لیے ہوا کہ وہ بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی آبادی سے گھبرا گیا اور اسے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر جنگ چھڑ جائے تو یہ لوگ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں گے۔ اس لیے بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کرنے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نجومیوں نے پیشگوئی کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہو گا جو فرعون کی حکومت کا خاتمہ کر دے گا۔ مگر اس روایت کا اصل ماخذ اسرائیلی روایات ہیں۔

٥۔ اس آیت کے ائمہ اہل البیت علیہم السلام پر منطبق ہونے کے سلسلے میں روایات بکثرت موجود ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے: **لتعطفن الدنيا علينا بعد شماسها عطف الضروس على ولدها۔** (نہج البلاغۃ) یہ دنیا اپنی منہ زوری دکھانے کے بعد پھر ہماری طرف جھکے گی، جس طرح سرکش اونٹنی اپنے بچوں کی طرف جھکتی ہے۔ اس کے بعد حضرت علیہ السلام

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ

(۳) ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا واقعہ اہل ایمان کے لیے حقیقت کے مطابق سناتے ہیں۔ (۴) فرعون نے زمین میں سر اٹھا رکھا تھا اور اس کے باسیوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا، ان میں سے ایک گروہ کو اس نے بے بس کر رکھا تھا، وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑتا تھا اور وہ یقیناً فسادیوں میں سے تھا۔ (۵) اور ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ جنہیں زمین میں بے بس کر دیا گیا ہے ہم ان پر احسان کریں اور ہم انہیں پیشوا بنائیں اور ہم انہی کو وارث بنائیں۔☆ (۶) اور ہم زمین میں انہیں اقتدار دیں اور ان کے ذریعے ہم فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ دکھا دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔☆ (۷) اور ہم نے مادر موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ انہیں دودھ پلائیں اور جب ان کے بارے میں خوف محسوس کریں تو انہیں دریا میں ڈال دیں اور بالکل خوف اور رنج نہ کریں، ہم انہیں آپ کی طرف پلٹانے والے اور انہیں پیغمبروں میں سے بنانے والے ہیں۔☆

نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

۶۔ جس طرح فرعون کسی شخص کا نام نہیں بلکہ شاہی لقب تھا، اسی طرح ہامان بھی کوئی سرکاری لقب ہی تھا۔ تاریخ سے اتنا تو بہرحال ثابت ہے کہ مصر کے بڑے دیوتا کا نام آمن (Amon) تھا۔ اس کے بڑے پجاری کے اختیارات بادشاہ سے بس کچھ ہی کم ہوتے تھے۔ بعید نہیں کہ اس بڑے پجاری کا سرکاری لقب عربی تلفظ میں ھامان ہو۔ عبری اور عربی میں تلفظ کے فرق کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً عبری تلفظ عمرام، موشی اور یسوع کا عربی تلفظ عمران، موسیٰ اور عیسیٰ ہیں۔ لہٰذا یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے کہ ہامان نام کا مصر میں کوئی شخص تھا ہی نہیں۔ یہ تو کسی ایرانی بادشاہ کے ایک امیر، درباری کا نام ہے اور قرآن نے غلطی سے ہامان کو مصری دیوتا قرار دیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

۷۔ مادر موسیٰ ؑ سے خطاب ہے کہ جب تک خطرہ نہ ہو بچے کو دودھ پلاتی رہو۔ جب خطرہ لاحق ہو جائے تو ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دو۔ کیونکہ تلمود کے مطابق فرعون نے جاسوس عورتیں چھوڑ رکھی تھیں جو بنی اسرائیل کے گھروں میں اپنے ساتھ چھوٹے بچے لے جاتی تھیں اور ان بچوں کو رلا دیتی تھیں تاکہ اگر کوئی بچہ چھپایا ہوا ہے تو وہ آواز کو سن کر روئے اور یوں اس بچے کو حاصل کر کے قتل کروا دیں۔

مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝۷ فَالۡتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ لِيَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا كَانُوۡا خٰطِـِٕيۡنَ ۝۸ وَقَالَتِ امۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ قُرَّتُ عَيۡنٍ لِّىۡ وَلَكَ ؕ لَا تَقۡتُلُوۡهُ ۖ عَسٰٓى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝۹ وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰى فٰرِغًا ؕ اِنۡ كَادَتۡ لَتُبۡدِىۡ بِهٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰى قَلۡبِهَا لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۱۰ وَقَالَتۡ لِاُخۡتِهٖ قُصِّيۡهِ ۫ فَبَصُرَتۡ بِهٖ عَنۡ جُنُبٍ وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝۱۱ وَحَرَّمۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ فَقَالَتۡ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ ۝۱۲ فَرَدَدۡنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىۡ

۸ چنانچہ آل فرعون نے انہیں اٹھا لیا تاکہ وہ ان کے لیے دشمن اور باعث رنج بن جائیں، یقینا فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکر والے خطا کار تھے۔☆ ۹ اور فرعون کی عورت نے کہا: یہ (بچہ) تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، ممکن ہے یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔☆ ۱۰ اور ادھر مادر موسیٰ کا دل بے قرار ہو گیا، قریب تھا کہ وہ یہ راز فاش کر دیتیں اگر ہم نے ان کے دل کو مضبوط نہ کیا ہوتا، تاکہ وہ ایمان رکھنے والوں میں سے ہو جائیں۔ ۱۱ اور مادر موسیٰ نے ان کی بہن سے کہا: اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تو وہ موسیٰ کو دور سے دیکھتی رہیں کہ دشمنوں کو (اس کا) پتہ نہ چلے۔☆ ۱۲ اور ہم نے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ پہلے سے حرام کر دیا تھا، چنانچہ موسیٰ کی بہن نے کہا: کیا میں تمہیں ایک ایسے گھرانے کا پتہ بتا دوں جو اس بچے کو تمہارے لیے پالیں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں؟☆ ۱۳ (اس طرح) ہم نے موسیٰ کو ان کی ماں کے پاس

۸۔ آل فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے اٹھایا تھا کہ ان کے لیے مفید ثابت ہو یا اسے بیٹا بنا لیں لیکن ہوا یہ کہ فرعون کے لیے جانی دشمن اور باعث رنج بن گیا تو گویا وہ اپنے لیے ایک دشمن اور باعث رنج کو اٹھا رہے تھے: كَانُوۡا خٰطِـِٕيۡنَ وہ اٹھانے میں خطا کار نہ تھے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو دشمن اور باعث رنج بنانے میں خطا کار تھے۔

۹۔ بائبل کا بیان ہے کہ یہ عورت فرعون کی بیٹی تھی لیکن قرآن نے اس کی اصلاح کی کہ یہ فرعون کی بیٹی نہیں بیوی تھی۔

۱۱۔ چنانچہ اس بچی نے بڑی ہوشیاری اور فراست سے اپنے بھائی کے ساتھ ساتھ لب دریا پیچھا کیا اور اس بات کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو گئی کہ وہ فرعون کے محل میں پہنچ گیا ہے۔

۱۲۔ یعنی جو دایہ بھی دودھ پلانے کے لیے بلائی جاتی تھی بچہ اس کی چھاتی سے دودھ نہیں پیتا تھا۔ ہوشیار بہن محل کے آس پاس اپنے بھائی کے حالات پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ جب پتہ چلا کہ بچہ کسی دایہ کا دودھ نہیں پی رہا تو بہن محل پہنچ گئی اور بولی: میں ایک شائستہ دایہ تلاش کر سکتی ہوں جو اس کو بڑے پیار سے پالے گی۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کی گود میں پہنچ گئے اور خود دشمن کی طرف سے ان کو تحفظ مل گیا۔

۱۴۔ رشد عقلی کے ساتھ طاقت بدنی اور صحت جسمانی

تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ
اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾ وَ
لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ
عِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤﴾
وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ
اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۖ
هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ
فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ
مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ
قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ
مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ
نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِيْمُ ﴿١٦﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ

واپس پہنچا دیا تا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو جائے اور غم نہ کرے اور یہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ ﴿١٣﴾ اور جب موسیٰ رشد کو پہنچ کر تنومند ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔☆ ﴿١٥﴾ اور موسیٰ شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب شہر والے بے خبر تھے، پس وہاں دو آدمیوں کو لڑتے پایا، ایک ان کی قوم میں سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے تھا تو جو ان کی قوم میں سے تھا اس نے اپنے دشمن کے مقابلے کے لیے موسیٰ کو مدد کے لیے پکارا تو موسیٰ نے اس (دوسرے) کو گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا، پھر موسیٰ نے کہا: یہ تو شیطان کا کام ہو گیا، بے شک وہ صریح گمراہ کن دشمن ہے۔☆ ﴿١٦﴾ کہا: میرے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا پس مجھے معاف فرما، چنانچہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ یقینا وہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿١٧﴾ موسیٰ نے کہا: میرے رب! جس

بھی اس بار نبوت کو اٹھانے کے لیے ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

۱۵۔ فرعون کا قصر لب دریا شہر سے فاصلے پر تھا۔ وہاں سے حضرت موسیٰؑ شہر میں داخل ہوئے۔ حِيْنِ غَفْلَةٍ جب شہر کے لوگ گھروں میں تھے۔ صبح یا رات کا وقت ہونے کی وجہ سے وہ گھروں سے باہر کے حالات سے باخبر نہ تھے۔ دیکھا دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک حضرت موسیٰؑ کا شیعہ تھا، دوسرا حضرت موسیٰؑ کا دشمن۔ حضرت موسیٰؑ نے قبطی کو گھونسا مارا۔ گھونسے سے عام حالات میں آدمی نہیں مرتا، لیکن قبطی ایک گھونسے سے مر گیا۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ کو پریشانی لاحق ہو گئی۔ بنا بر ایں حضرت موسیٰؑ نے قبطی کو عمداً نہیں مارا جیسا کہ بائبل کہتی ہے۔ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یعنی یہ لڑائی شیطان کا کام تھا، جس کے نتیجے میں حضرت موسیٰؑ کو مداخلت کرنا پڑی اور قبطی کے قتل کی نوبت آئی۔ یہ قتل غیر مناسب وقت میں واقع ہوا اور حضرت موسیٰؑ کے لیے ایک آزمائش ہو گئی اور منشا خداوندی کے مطابق حضرت موسیٰؑ کو اس آزمائشی مرحلے سے گزرنا تھا۔

۱۷۔ مجرمین کا اشارہ فرعون اور قوم فرعون کی طرف ہے

فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿۱۷﴾
فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا
الَّذِي اسْتَنصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ
قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّا
أَنْ أَرَادَ أَن يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ
لَّهُمَا قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِي كَمَا
قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِن تُرِيدُ إِلَّا أَن
تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَن
تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۹﴾ وَجَاءَ رَجُلٌ
مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ
إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ
فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ
مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي

نعمت سے تو نے مجھے نوازا ہے اس کے باعث میں آئندہ کبھی بھی مجرموں کا پشت پناہ نہیں بنوں گا۔☆ ⑱ موسیٰ صبح کے وقت شہر میں ڈرتے ہوئے اور خطرہ بھانپنے کی حالت میں تھے، اچانک دیکھا کہ جس نے کل مدد مانگی تھی وہ آج پھر اس (موسیٰ) سے فریاد کر رہا ہے، موسیٰ نے اس سے کہا: تو یقیناً صریح گمراہ شخص ہے۔☆ ⑲ جب موسیٰ نے اس شخص پر ہاتھ ڈالنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم مجھے بھی اسی طرح قتل کر دینا چاہتے ہو جس طرح کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا؟ کیا تم زمین میں جابر بننا چاہتے ہو اور اصلاح کرنا نہیں چاہتے؟☆ ⑳ شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، کہنے لگا: اے موسیٰ! دربار والے تیرے قتل کے مشورے کر رہے ہیں، پس (یہاں سے) نکل جا میں تیرے خیر خواہوں میں سے ہوں۔☆ ㉑ چنانچہ موسیٰ ڈرتے ہوئے خطرہ بھانپتے ہوئے وہاں سے نکلے، کہنے لگے: اے میرے رب! مجھے

جہاں حضرت موسیٰ ﷺ ان کے نظام کا بظاہر حصہ بنے ہوئے تھے۔

۱۸۔ تم ایسے لوگوں سے لڑتے ہو جس کا نتیجہ ظلم اور زیادتی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

۱۹۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ روز کے قتل کی خبر شہر میں پھیل گئی تھی اور یہ پکارنے والا اسرائیلی نہیں ہو سکتا، کیونکہ حضرت موسیٰ ﷺ اسرائیلی پر نہیں قبطی پر حملہ کرنا چاہتے تھے اور قبطی ہی عَدُوٌّ لَّهُمَا یعنی ان دونوں (موسیٰ اور اسرائیلی) کا دشمن تھا۔ اسرائیلی دونوں کا دشمن نہیں تھا وہ صرف قبطی کا دشمن تھا۔

۲۰۔ فرعون کا قصر شہر کے کنارے واقع تھا۔ وہاں شاہی دربار میں یہ طے ہوا تھا کہ موسیٰ ﷺ کو اس قبطی کے قتل کے جرم میں قتل کیا جائے۔

۲۲۔ مدین کا علاقہ فرعون کی سلطنت میں شامل نہ تھا۔ حضرت موسیٰ ﷺ کی دعا یہ تھی کہ مدین پہنچنے کے لیے سیدھے راستے کی رہنمائی فرما۔ چونکہ حضرت موسیٰ ﷺ اس طرف کبھی نہیں آئے۔ لہٰذا راستے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔

۲۳۔ اس زمانے میں مصر کا قریب ترین آزاد علاقہ مدین ہی تھا۔ یہ جگہ آج کل البدع کے نام سے مشہور ہے جو خلیج عقبہ کے مغربی ساحل پر واقع

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٢١﴾ وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿٢٢﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ ۬ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَ اَبُوْنَا شَیْخٌ كَبِیْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ

قوم ظالمین سے بچا ﴿٢١﴾ اور جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہا: امید ہے میرا رب مجھے سیدھے راستے کی ہدایت فرمائے گا۔☆ ﴿٢٢﴾ اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا لوگوں کی ایک جماعت (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہی ہے اور دیکھا ان کے علاوہ دو عورتیں (اپنے جانور) روکے ہوئے کھڑی ہیں، موسیٰ نے کہا: آپ دونوں کا کیا مسئلہ ہے؟ وہ دونوں بولیں: جب تک یہ چرواہے (اپنے جانوروں کو لے کر) واپس نہ پلٹ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتیں اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔☆ ﴿٢٣﴾ موسیٰ نے ان دونوں (کے جانوروں) کو پانی پلایا پھر سائے کی طرف ہٹ گئے اور کہا: میرے رب! جو خیر بھی تو مجھ پر نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔☆ ﴿٢٤﴾ پھر ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک حیا کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی اور کہنے لگی: میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت آپ کو دیں، جب موسیٰ ان کے پاس

ہے۔ ان دو عورتوں نے کھڑی اور منتظر رہنے کی وجہ یہ بتائی کہ ہم عورتیں ہیں اور مرد چرواہوں کے ساتھ مزاحمت نہیں کر سکتیں۔ گھر میں ایک بوڑھا باپ ہے اور کوئی مرد نہیں۔ مجبوراً انتظار کرنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلائیں۔ ان کے بوڑھے باپ کے بارے میں اختلاف رائے ہے کہ یہ حضرت شعیبؑ نبی تھے یا کوئی اور بزرگوار۔ آئمہ اہل البیتؑ کی روایات کے مطابق یہ بزرگوار حضرت شعیبؑ ہی تھے۔

٢٤۔ طویل سفر طے کرنے میں کافی وقت لگ گیا ہوگا اس لیے گرسنگی کی حالت میں ہونا قدرتی بات ہے۔ روایات کے مطابق جس خیر کی محتاجی کا اشارہ ہے وہ طعام ہے۔

٢٥۔ شرم و حیا، عورت کی زینت ہے۔ یہاں حضرت موسیٰؑ درخت کے سائے میں اکیلے تھے۔ اس اکیلے مرد کے نزدیک آنے میں شرم و حیا کرنا ایک پاکیزہ ماحول کی پلی بچی کے لیے قدرتی بات ہے۔ ظالموں سے نجات کی نوید جس لہجے میں سنائی جا رہی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نبی کی زبان سے سنائی جا رہی ہے۔

قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٢٨﴾ ع فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ

آئے اور اپنا سارا قصہ انہیں سنایا تو وہ کہنے لگے: خوف نہ کرو، تم اب ظالموں سے بچ چکے ہو۔☆ ﴿٢٦﴾ ان دونوں میں سے ایک لڑکی نے کہا: اے ابا! اسے نوکر رکھ لیجیے کیونکہ جسے آپ نوکر رکھنا چاہیں ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو طاقتور، امانتدار ہو۔☆ ﴿٢٧﴾ (شعیب نے) کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح اس شرط پر تمہارے ساتھ کروں کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو اور اگر تم دس (سال) پورے کرو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا، انشاء اللہ تم مجھے صالحین میں پاؤ گے۔☆ ﴿٢٨﴾ موسیٰ نے کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان وعدہ ہے، میں ان دونوں میں سے جو بھی مدت پوری کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہے اور جو کچھ ہم کہ رہے ہیں اس پر اللہ کارساز ہے۔☆ ﴿٢٩﴾ پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور وہ اپنے اہل کو لے کر چل دیے تو کوہ طور کی طرف سے ایک آگ دکھائی دی، وہ

٢٦۔ قوت کا اندازہ چاہ سے پانی نکالتے وقت کرلیا تھا اور امانت کا مشاہدہ ان کے ہمراہ گھر آتے ہوئے کیا تھا، کیونکہ حضرت موسیٰ ؑ نے خاتون کے پیچھے چلنے سے پرہیز کیا تا کہ ان پر نگاہ نہ پڑے۔

٢٧۔ ممکن ہے اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہو کہ آٹھ یا دس سال تک حضرت موسیٰ ؑ کے لیے مدین میں رہنا ضروری تھا اور اس عرصے کے بعد مصر کی حکومت میں تبدیلی کے باعث مصر جانا ممکن ہو جائے گا۔ رہا یہ سوال کہ آٹھ سال کی ملازمت حق مہر کے طور پر تھی یا اس قسم کی شرط عائد کرنا درست ہے یا نہیں وغیرہ تو یہ غیر ضروری سوال ہے۔ کیونکہ اس آیت کا مقصد فقہی مسئلہ بیان کرنا نہیں ہے جو اس سے حکم شرعی کا استنباط کیا جائے۔

٢٨۔ احادیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے دس سال پورے کیے۔

٢٩۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ واپس مصر جاتے ہوئے یہاں سے گزر رہے تھے۔

٣٠۔ اس سے بابرکت مقام کیا ہوسکتا ہے جس مقام کو اللہ نے اپنے کلام کے لیے منتخب کیا، اسی وجہ سے حضرت موسیٰ ؑ کو یہاں جوتے اتار کر آنے کا حکم ہوا۔

یہ درخت جس سے حضرت موسیٰ نے اللہ کا کلام سنا اللہ اور موسیٰ ؑ کے درمیان ایک حجاب تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے تین طریقوں سے کلام

لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ
اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ
لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ
مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ
الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ
اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٠﴾ وَاَنْ اَلْقِ
عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ
وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَ
لَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿٣١﴾ اُسْلُكْ
يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ
غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ
الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

اپنے اہل سے کہنے لگے: ٹھہرو! میں نے ایک آگ دیکھی
ہے، شاید وہاں سے میں کوئی خبر لاؤں یا آگ کا انگارا لے
آؤں تا کہ تم تاپ سکو۔☆ ﴿٣٠﴾ پھر جب موسیٰ وہاں پہنچے
تو وادی کے دائیں کنارے سے ایک مبارک مقام میں
درخت سے ندا آئی: اے موسیٰ! میں ہی عالمین کا رب اللہ
ہوں۔☆ ﴿٣١﴾ اور اپنا عصا پھینک دیجیے، پھر جب موسیٰ
نے عصا کو سانپ کی طرح حرکت کرتے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر
پلٹے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، (ہم نے کہا) اے موسیٰ!
آگے آئیے اور خوف نہ کیجیے، یقیناً آپ محفوظ ہیں۔☆
﴿٣٢﴾ (اے موسیٰ) اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال دیجیے وہ بغیر
کسی عیب کے چمکدار ہو کر نکلے گا اور خوف سے بچنے کے
لیے اپنے بازو کو اپنی طرف سمیٹ لیجیے، یہ دو معجزے آپ
کے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے اہل دربار کے لیے

---

کرتا ہے: وحی، پس حجاب، پیام رساں کے ذریعے۔
ان تین قسموں میں سے یہ درخت حجاب بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی ابتدا اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ میں ہی عالمین کا رب ہوں سے کی کہ اس سارے جہاں میں ایک ہی رب ہے۔ ایک ہی مالک، ایک ہی معبود ہے۔

۳۱۔ اژدھے سے حضرت موسیٰ ؑ کا خوف بتاتا ہے کہ معجزہ فعل خدا ہے، ورنہ حضرت موسیٰ ؑ کو اپنے معجزے سے خوف نہ آتا۔

آج یہ بات مسلم ہے کہ تمام مادی موجودات کا ابتدائی خمیر اور عناصر اولیہ ایک ہے۔ ان عناصر کی ترکیب و ترتیب مختلف ہونے سے چیزیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا عصا اور اژدھے کے عناصر ایک ہیں۔ اللہ اپنی قدرت کن فیکونی سے ان عناصر کی ترتیب بدل سکتا ہے اور عصا سے اژدھا اور اژدھے سے عصا بنا سکتا ہے۔ اس سے یہ بات جو ہم نے پہلے بھی لکھی ہے، واضح ہو جاتی ہے کہ معجزہ عام طبیعیاتی دفعات کے مطابق نہ سہی، لیکن قانون فطرت کے دائرے میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ معجزے کے علل و اسباب تمام انسانوں کے لیے قابل تسخیر نہیں ہیں۔

۳۲۔ خوف سے بچنے کے لیے بازو سمیٹ لینے کا حکم ہے۔ اس عمل سے اللہ تعالیٰ دل سے خوف نکالے گا۔ یہ حضرت موسیٰ ؑ کے ساتھ ید بیضا کی طرح

فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ

معانقة ۱۱

ہیں، بتحقیق وہ بڑے فاسق لوگ ہیں۔☆ ﴿۳۳﴾ موسیٰ نے عرض کیا: میرے رب! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کیا ہے، لہٰذا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ ﴿۳۴﴾ اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے لہٰذا اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ وہ میری تصدیق کرے کیونکہ مجھے خوف ہے کہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔☆ ﴿۳۵﴾ فرمایا: ہم آپ کے بھائی کے ذریعے آپ کے بازو مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ دیں گے اور ہماری نشانیوں (معجزات) کی وجہ سے وہ آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے، آپ دونوں اور آپ کے پیروکاروں کا ہی غلبہ ہوگا۔☆ ﴿۳۶﴾ پھر جب موسیٰ ہماری واضح نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگے: یہ تو بس گھڑا ہوا جادو ہے اور ہم نے اپنے اگلے باپ داداؤں سے ایسی باتیں کبھی نہیں سنیں۔☆ ﴿۳۷﴾ اور موسیٰ نے کہا: میرا رب اسے جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے ہے، بے شک ظالم فلاح نہیں

---

ایک خاص عنایت ہے۔ اس کی دیگر توجیہات سیاق آیت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں۔

۳۴۔ حضرت موسیٰ ؑ اللہ تعالیٰ سے اس تاریخ ساز جہاد میں قدم رکھنے کے لیے معاون کی درخواست کر رہے ہیں، جو ان کی رسالت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والا ہو۔ حضرت موسیٰ ؑ حضرت ہارون ؑ کے ذریعے نصرت اور تصدیق کے خواہشمند تھے۔ حضرت ہارون ؑ کے ذریعے موسیٰ ؑ کی اور حضرت علی ؑ کے ذریعے حضرت محمد ﷺ کی نصرت و تصدیق میں کتنی زیادہ شباہت ہے؟

۳۵۔ سُلۡطٰنًا کا ترجمہ غلبہ ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی معجزات کے ذریعے دلیل و حجت کا غلبہ۔ چونکہ فَلَا یَصِلُوۡنَ اِلَیۡکُمَا وہ آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے، کو سلطان کا نتیجہ اور بِاٰیٰتِنَا کو اس غلبے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

۳۶۔ فرعون اور اس کی قوم ان تعلیمات سے بالکل ناآشنا تھی جو حضرت موسیٰ ؑ پیش کر رہے تھے۔ مثلاً حضرت موسیٰ ؑ نے جب کہا: میں رب العالمین کا رسول ہوں تو فرعون نے تعجب سے پوچھا تھا: وَمَا رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ، رب العالمین کیا ہوتا ہے۔

۳۷۔ حضرت موسیٰ ؑ نے جواب میں فرمایا: اگر میں جھوٹا ہوں تو میرا انجام برا ہوگا، چونکہ اس صورت میں میں ظالم بنوں گا اور ظالم فلاح نہیں پاتے اور اگر تم ظالم ہو تو تمہارا انجام برا ہوگا۔

۳۸۔ یہ حضرت موسیٰ ؑ کے خلاف فرعون کا ایک طنز ہو سکتا ہے: دیکھوں موسیٰ ؑ کا خدا اوپر کس جگہ بیٹھا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے لوگوں کو

فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ
عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ
اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣٨﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا
يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٩﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ
فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ
اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾
وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ
الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿٤٢﴾ ع وَلَقَدْ
اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا

پاتے۔☆ ﴿٣٨﴾ اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں تمہارے لیے اپنے سوا کسی معبود کو نہیں جانتا، اے ہامان! میرے لیے گارے کو آگ لگا (کر اینٹ بنا دے) پھر میرے لیے ایک اونچا محل بنا دے تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو (جھانک کر) دیکھوں اور میرا تو خیال ہے کہ موسیٰ جھوٹا ہے۔☆ ﴿٣٩﴾ چنانچہ فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور یہ خیال کیا کہ وہ ہماری طرف پلٹائے نہیں جائیں گے۔ ﴿٤٠﴾ تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو گرفت میں لے لیا اور انہیں دریا میں پھینک دیا، پس دیکھ لو ظالموں کا انجام کیا ہوا۔ ﴿٤١﴾ اور ہم نے انہیں ایسے رہنما بنایا جو آتش کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔☆ ﴿٤٢﴾ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن یہ قبیح (چہرہ والے) ہوں گے۔ ﴿٤٣﴾ اور بتحقیق ہم نے پہلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد لوگوں کے لیے بصیرتوں اور ہدایت و رحمت (کا

دھوکہ دینا مقصود ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کا خدا اگر آسمان میں نظر نہیں آتا تو اس کا وجود ہی نہیں۔ جیسا کہ روسی خلا بازوں نے بھی یہی کہا تھا: ہمیں آسمان میں کہیں خدا نظر نہیں آیا۔ گویا وہ اس نظام شمسی کے ایک سیارے کے محدود علاقے کو کل کائنات تصور کرتے ہیں اور خدا کو ایک جسم فرض کرتے ہیں۔ فرعون نے یہ بات صرف دعوت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لیے کہی اور اس غرض کے تحت کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ اس آیت میں مصر میں پختہ اینٹیں بنانے کے رواج کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ شاہی عمارتیں وہ اینٹوں سے ہی بناتے تھے۔

۴۱۔ جَعَلۡنٰهُمۡ: جب کسی ناقابل ہدایت انسان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے تو قرآن اس کے لیے یہ تعبیر اختیار فرماتا ہے: "ہم نے اس کو گمراہ کیا۔" یہاں بھی یہی صورت ہے کہ فرعون لوگوں کو گمراہ کر کے جہنم کی طرف لے جانے کے لیے رہنما بنا ہوا ہے۔ اللہ نے رسولوں اور معجزوں کے ذریعے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ جب وہ نہیں مانا تو اللہ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کا حال یہ تھا کہ وہ لوگوں کو جہنم کی طرف لے جا رہا تھا۔ چونکہ فرعون کفر و سرکشی کی ایک روایت قائم کر گیا اس لیے جب تک اس روایت کا سلسلہ جاری رہے گا، اس پر لعنت کا تسلسل بھی قائم رہے گا۔

۴۳۔ سابق انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے سرکشی کے نتیجے میں پچھلی نسلیں جب تباہ ہو گئیں تو ہم نے موسیٰ کو کتاب دے کر آنے والی نسلوں کے لیے ہدایت کا ایک جدید سلسلہ شروع کیا ہے۔

الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٣﴾ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٤٤﴾ وَلَٰكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْلَا أَن تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ

سرچشمہ) بنا کر موسیٰ کو کتاب دی، شاید لوگ نصیحت حاصل کریں۔☆ ﴿٤٣﴾ اور آپ اس وقت (طور کے) مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا اور آپ مشاہدہ کرنے والوں میں سے نہ تھے۔☆ ﴿٤٤﴾ لیکن ہم نے کئی امتوں کو پیدا کیا پھر ان پر طویل مدت گزر گئی اور نہ آپ اہل مدین میں سے تھے کہ انہیں ہماری آیات سنا رہے ہوتے لیکن ہم ہی (ان تمام خبروں کے) بھیجنے والے ہیں۔☆ ﴿٤٥﴾ اور آپ طور کے کنارے پر موجود نہ تھے جب ہم نے ندا دی تھی بلکہ (آپ کا رسول بنانا) آپ کے رب کی رحمت ہے تاکہ آپ اس قوم کو تنبیہ کریں جن کے ہاں آپ سے پہلے کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں آیا شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔☆ ﴿٤٦﴾ اور ایسا نہ ہو کہ اپنے ہاتھوں آگے بھیجی ہوئی حرکتوں کی وجہ سے اگر ان پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو وہ یہ کہنے لگیں: ہمارے رب! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی اتباع کرتے

۴۴۔ مکہ والوں کے حسی مشاہدے کے مطابق آپ ﷺ اس وقت موجود نہ تھے جب اللہ طور کی مغربی جانب موسیٰ علیہ السلام کو شریعت دے رہا تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ قرآن کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کے حالات اس طرح بیان کر رہے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ وہاں موجود تھے۔ واضح رہے یہ جگہ حجاز کی مغربی جانب واقع ہے۔

۴۵۔ آپ ﷺ حسی طور پر مدین میں مقیم نہ تھے، قرآن کے ذریعے وہاں کی خبریں ہم آپ ﷺ کی طرف بھیج رہے ہیں جو آپ کی نبوت کی ایک دلیل ہے۔

۴۶۔ مشرکین مکہ کی معلومات کے مطابق آپ ﷺ ان تمام مقامات پر موجود نہ تھے اور ان پر طویل مدت بھی گزر گئی تھی اور مکہ کی ان پڑھ قوم میں ان واقعات کا علم حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا، پس اگر یہ قرآن وحی الٰہی نہیں ہے تو کون سا ذریعہ ممکن ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی ذریعہ موجود ہوتا تو آج کے مستشرقین سے کہیں زیادہ مکہ کے مشرکین کو اس کی ضرورت تھی۔ وہ اسے برملا کر دیتے اور جنگ کرنے کی نوبت نہ آتی۔

عربوں میں حضرت ہود، صالح، شعیب اور اسماعیل علیہم السلام کے بعد سینکڑوں سالوں سے کوئی نبی نہیں آیا۔ البتہ باہر کے انبیاء علیہم السلام کی دعوتیں پہنچتی رہیں اور حجت تمام ہوتی رہی۔

۴۷۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا سلسلہ جاری رکھا اور ان کے ذریعے پیغام حق لوگوں تک پہنچتا رہا۔ اگر کسی رسول کا پیغام لوگوں تک پہنچ سکتا ہے

ءَايَٰتِكَ وَنَكُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾
فَلَمَّا جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا۟
لَوْلَآ أُوتِىَ مِثْلَ مَآ أُوتِىَ مُوسَىٰٓ ط أَوَلَمْ
يَكْفُرُوا۟ بِمَآ أُوتِىَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ج
قَالُوا۟ سِحْرَانِ تَظَٰهَرَا وقفه وَقَالُوٓا۟ إِنَّا بِكُلٍّ
كَٰفِرُونَ ﴿٤٨﴾ قُلْ فَأْتُوا۟ بِكِتَٰبٍ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ
هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَآ أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ
صَٰدِقِينَ ﴿٤٩﴾ فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا۟ لَكَ فَٱعْلَمْ
أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَآءَهُمْ ط وَمَنْ أَضَلُّ
مِمَّنِ ٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ ٱللَّهِ ط
إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥٠﴾ ع
وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ ٱلْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾ ط ٱلَّذِينَ ءَاتَيْنَٰهُمُ ٱلْكِتَٰبَ

اور ایمان لانے والوں میں شامل ہوجاتے۔☆ ﴿۴۸﴾ پھر جب ہماری طرف سے حق ان کے پاس آ گیا تو وہ کہنے لگے: جیسی (نشانی) موسیٰ کو دی گئی تھی ایسی (نشانی) انہیں کیوں نہیں دی گئی؟ کیا انہوں نے اس کا انکار نہیں کیا جو قبل ازیں موسیٰ کو دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا: یہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرنے والے جادوگر ہیں اور کہا: ہم ان سب کے منکر ہیں۔☆ ﴿۴۹﴾ کہد یجیے: پس اگر تم سچے ہو تو تم بھی اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخش ہو، میں اس کی اتباع کروں گا۔☆ ﴿۵۰﴾ پس اگر وہ آپ کی یہ بات نہیں مانتے تو آپ سمجھ لیں کہ یہ لوگ بس اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا؟ اللہ ظالموں کو یقینا ہدایت نہیں کرتا۔☆ ﴿۵۱﴾ اور بتحقیق ہم نے ان کے لیے (ہدایت کی) باتیں مسلسل بیان کیں شاید یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔☆ ﴿۵۲﴾ جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب

---

اور تعلیمات کو محو نہ کیا گیا ہو اور شریعت میں کسی قسم کی تبدیلی کی بھی ضرورت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نیا نبی مبعوث نہیں فرماتا۔

۴۸۔ اسی لیے حضرت موسیٰ﷣ کی تاریخ کو اللہ بڑے اہتمام کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ ان کی طرف سے عظیم معجزوں کے باوجود قوم فرعون ایمان نہ لائی۔ تاریخ انبیاء شاہد ہے کہ معاندین کبھی بھی معجزوں کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے۔

۴۹۔ مشرکین اللہ کے وجود کو تو مانتے تھے مگر توریت و قرآن کو نہیں مانتے تھے۔ اس بنیاد پر فرمایا کہ اگر توریت و قرآن کو نہیں مانتے تو کوئی ایسی کتاب پیش کرو جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو۔

۵۰۔ اگر وہ آپﷺ کی بات نہیں مانتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ آپﷺ کی دعوت میں یا آپﷺ کی طرف سے دلیل میں کوئی کمزوری ہے۔ ان کے نہ ماننے کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ تلاش حق میں نہیں ہیں۔ اس میں ان کی خواہش پرستی رکاوٹ ہے۔ یہ خواہش پرستی ہے جس کی وجہ سے نہ کوئی دلیل مؤثر ہوتی ہے، نہ معجزہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔

۵۱۔ ہم نے ان مشرکین کی ہدایت کے لیے رہنمائی کا ایک مربوط تسلسل قائم کیا ہے جو آیات، سورتوں وعدوں عبرتوں اور تاریخ کے اسباق پر مشتمل ہے۔

۵۲۔ یہ آیت ان حبشی عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضورﷺ کی بعثت کی خبر سن کر بغرض تحقیق مکہ آئے اور جنہوں نے آپﷺ سے ملاقات کی اور سوالات کیے نیز قرآن کی تلاوت سنی۔ چنانچہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

النصف

مِنۡ قَبۡلِهٖ هُمۡ بِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا يُتۡلٰى
عَلَيۡهِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ
اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓـئِكَ
يُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا
وَيَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا
رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ
اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَ قَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا
وَلَـكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ لَا نَبۡتَغِى
الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ
اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَ
هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوۡۤا اِنۡ
نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ
اَرۡضِنَا ؕ اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا

دی تھی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔☆ ﴿۵۳﴾ اور جب ان پر (یہ قرآن) پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے، یقینا یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے، ہم تو اس سے پہلے بھی فرمانبردار تھے۔☆ ﴿۵۴﴾ انہیں ان کے صبر کے صلے میں دوبار اجر دیا جائے گا اور یہ لوگ برائی کو نیکی کے ذریعے دور کر دیتے ہیں اور ہم نے جو روزی انہیں دی ہے اس سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔☆ ﴿۵۵﴾ اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم پر سلام ہو ہم جاہلوں کو پسند نہیں کرتے۔☆ ﴿۵۶﴾ (اے رسول) جسے آپ چاہتے ہیں اسے ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔☆ ﴿۵۷﴾ اور کہتے ہیں: اگر ہم آپ کی معیت میں ہدایت اختیار کریں تو ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے، کیا ہم نے ایک پرامن حرم ان کے اختیار میں نہیں رکھا جس کی

۵۳۔ یعنی یہ وہی رسول آخر الزمان ﷺ ہیں جن پر ہم پہلے سے ایمان رکھتے تھے۔

۵۴۔ ایک اجر اپنی کتاب پر ایمان لانے کا اور ایک اجر قرآن پر ایمان لانے کا۔

۵۵۔ اہل ایمان کا یہی وطیرہ ہے کہ جاہلوں سے الجھنے اور بدکلامی کا جواب دینے کی بجائے مہذب انداز میں سلام کر کے گزر جاتے ہیں۔

۵۶۔ غیر امامیہ مصادر میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب ؑ کے عدم ایمان کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے راوی ابن عباس اور ابوہریرہ ہیں۔ یہ دونوں واقعہ کے راوی نہیں بن سکتے، کیونکہ ابن عباس ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ حضرت ابوطالب ؑ کی وفات کے وقت وہ شیر خوار تھے اور ابوہریرہ ہجرت کے سات سال بعد ایمان لائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان ابوطالب ؑ کا مسئلہ بنی امیہ نے صرف حضرت علی ؑ کی تنقیص کے لیے اٹھایا، ورنہ اس سے پہلے ایمان ابو طالب ؑ ایک مسلمہ بات تھی۔ چنانچہ معاویہ نے ایک مرتبہ حضرت عقیل سے طنزاً کہا: آپ کا چچا ابولہب جہنم میں کس جگہ ہے؟ حضرت عقیل نے فی البدیہ کہا: اذا دخلت النار تجده على يمينك مفرو شاعمتک ام جميل۔ جب تم خود جہنم میں جاؤ گے تو اپنی دائیں جانب اپنی پھوپھی ام جمیل کے ساتھ اسے دیکھ لوگے۔ اگر ابوطالب کا مسلمان نہ ہونا اس وقت مسلم ہوتا تو معاویہ طنز و تحقیر میں باپ کو چھوڑ کر چچا کا ذکر نہ کرتا۔

۵۷۔ ان کا ایمان نہ لانا اس لیے نہ تھا کہ انہیں یقین

يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ

طرف ہر چیز کے ثمرات کھنچے چلے آتے ہیں؟ یہ رزق ہماری طرف سے عطا کے طور پر ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿۵۸﴾ اور کتنی ہی ایسی بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا جن کے باشندے اپنی معیشت پر نازاں تھے؟ ان کے بعد ان کے مکانات آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم اور ہم ہی تو وارث تھے۔☆ ﴿۵۹﴾ اور آپ کا رب ان بستیوں کو تباہ کرنے والا نہ تھا جب تک ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو تباہ کرنے والے نہ تھے مگر یہ کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوئے۔☆ ﴿۶۰﴾ اور جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ اس دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (اس سے) زیادہ بہتر اور پائیدار ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟☆ ﴿۶۱﴾ کیا وہ شخص جسے ہم نے بہترین وعدہ دیا ہے اور وہ اس (وعدے) کو پا لینے والا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف

نہیں آتا تھا، بلکہ ان کے خیال میں ان کے دنیوی مفادات کو خطرہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ کیونکہ قریش کو علاقے میں اپنے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے بڑا مقام حاصل تھا۔ پیری مریدی کے مفادات کو چھوڑ کر حق کی طرف آنا آسان کام نہیں ہے۔ ان کے جواب میں فرمایا: حالانکہ جن نعمتوں سے یہ مالا مال ہیں، وہ اسی اللہ کی طرف سے ہیں اور انہیں اسی اللہ کے گھر نے امن و امان کی زندگی دی ہے۔

۵۸۔ وہ بعض مفادات کی خاطر ایمان نہیں لا رہے تھے، جبکہ تاریخی حقائق کے مطابق ایمان نہ لانا ہی ان کے مفادات کے منافی تھا۔

۵۹۔ تباہی ان دو عوامل کی وجہ سے آتی ہے: رسول کا انکار اور ظلم کا ارتکاب۔

مکہ کے مشرکین کی طرف اشارہ ہے کہ ان پر عذاب نازل ہونے کی تمام شرائط موجود ہیں۔ ان کے صدر مقام مکہ میں رسول ﷺ مبعوث ہوئے۔ اس رسول ﷺ کی طرف سے آیات الٰہی کی تلاوت بھی ہو رہی ہے اور اہل مکہ اس رسول پر ظلم کا پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ صدر مقام میں رسول اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ صدر مقام پر مترتب ہونے والے اثرات دیگر مقامات پر پھیل جاتے ہیں۔ اس لیے بڑے انبیاء علیہم السلام انسانی تہذیب و تمدن کے بڑے بڑے مراکز میں مبعوث ہوئے ہیں۔

۶۰۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ بڑے مفادات کے لیے چھوٹے مفادات کی اور لمبی آسائش کے لیے مختصر آسائش کی قربانی دی جائے اور عمر بھر کے آرام

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ
يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ
عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ
اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ
اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾
وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ
يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ
كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ
فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾
فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا
يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ
عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ

دنیاوی زندگی کا سامان فراہم کر دیا ہے؟ پھر وہ قیامت کے دن پیش کیے جانے والوں میں سے ہوگا ﴿٦٢﴾ اور جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور کہے گا: کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک گمان کرتے تھے؟☆ ﴿٦٣﴾ جن پر (اللہ کا) فیصلہ حتمی ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے: ہمارے رب! یہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا، جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے اسی طرح ہم نے انہیں گمراہ کیا تھا، (اب) ہم تیری طرف متوجہ ہو کر ان سے بیزار ہوتے ہیں کہ وہ ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے۔ ﴿٦٤﴾ اور (ان سے) کہا جائے گا: اپنے شریکوں کو بلاؤ تو یہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب نہیں دیں گے اور وہ عذاب کو بھی دیکھ رہے ہوں گے، (اس وقت تمنا کریں گے) کاش وہ ہدایت پر ہوتے۔ ﴿٦٥﴾ اور اس دن اللہ انہیں ندا دے گا اور فرمائے گا: تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟ ﴿٦٦﴾ تو ان کو ان باتوں کا پتہ نہیں چلے گا (جن سے رسولوں کو جواب دیا ہے) اور اس دن وہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہ سکیں گے۔☆ ﴿٦٧﴾ لیکن جو توبہ کرے، ایمان لائے اور

کے لیے وقتی درد والم پر صبر کیا جائے۔ پھر یہ دین تم سے یہ مطالبہ بھی تو نہیں کرتا کہ تم ترک دنیا کرو، اس دین پر ایمان لا کر فقیر و محتاج بن جاؤ۔

٦٢۔ لوگوں کو گمراہ وہ لوگ کرتے ہیں جو خود گمراہ ہوتے ہیں۔ انجام کار ایک دوسرے سے بیزاری ہوتی ہے: مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ۔ وہ خود اپنی خواہشات کی پرستش کرتے تھے۔ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے۔

٦٦۔ قیامت کے دن جب منکروں سے سوال ہوگا کہ تم نے پیغمبروں کی دعوت کا کیا جواب دیا ہے تو ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہیں سکیں گے۔

٦٨۔ رسول کریم ﷺ سے خطاب ہے کہ یہ مشرکین آپ کے رب کے اقتدار اعلیٰ میں مداخلت کرتے ہیں جبکہ خلق و اختیار اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جس طرح خلق میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اسی طرح اختیار و انتخاب میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ مشرکین اپنے لیے وسیلہ (بت) کو خود اختیار کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے اقتدار اعلیٰ میں مداخلت ہے۔ لہٰذا جس طرح تخلیق میں کوئی شریک نہیں ہے، تشریع و قانون سازی میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔

مولانا مودودی اس جگہ لکھتے ہیں: اپنے پیدا کیے ہوئے انسانوں، فرشتوں، جنوں اور دوسرے

الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ
وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ
اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ
مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ
اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَ
الْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ
سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ
اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ
النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ
فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ

نیک عمل بجالائے تو امید ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہوجائے گا۔ (۶۷) اور آپ کا رب جسے چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور منتخب کرتا ہے، انہیں انتخاب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اللہ پاک بلند و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔☆ (۶۸) اور آپ کا رب وہ سب باتیں جانتا ہے جنہیں ان کے سینے پوشیدہ رکھتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ (۶۹) اور وہی تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ثنائے کامل اسی کے لیے ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے۔☆ (۷۰) کہد یجیے: مجھے بتلاؤ کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے رات مسلط کردے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟☆ (۷۱) کہد یجیے: مجھے بتلاؤ کہ اگر قیامت تک اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے دن کو مسلط کردے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں تم سکون حاصل کرو؟ کیا تم (چشم بصیرت سے) دیکھتے نہیں ہو؟ (۷۲) اور یہ اللہ کی

بندوں میں سے ہم خود جس کو چاہتے ہیں اوصاف، صلاحیتیں اور طاقتیں بخشتے ہیں اور جو کام جس سے لینا چاہتے ہیں لیتے ہیں۔ یہ اختیارات آخر ان مشرکین کو کیسے اور کہاں سے مل گئے؟

۷۰۔ ذات لائق حمد و ثنا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کے علاوہ دوسروں کے پاس جو کچھ ہے وہ ان کا ذاتی نہیں ہے، بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ لہٰذا نہ اللہ سے پہلے کوئی کسی کمال کا مالک ہے، نہ بعد میں۔

وَلَهُ الْحُكْمُ: فرماں روائی کا حق بھی اللہ کو حاصل ہے۔ مقام تکوین میں ہو یا مقام تشریع میں، صرف اس کا حکم نافذ ہوگا۔

۷۱۔ اگر اللہ کے علاوہ تمہارے معبودوں کے ہاتھ میں اس کائنات کی تدبیر ہے تو اس جاری نظام میں موجود لیل و نہار میں اپنے تدبیری عمل کا چھوٹا سا مظاہرہ کر کے دکھائیں اور رات کا سلسلہ اگر جاری رہے تو دن لانا اگر ممکن نہیں ہے تو تھوڑی سی روشنی

ہی لا کر اپنی قدرت نمائی کریں۔ سب کو معلوم ہے کہ اللہ کے علاوہ یہ کام کوئی نہیں کر سکتا تو پھر غیر اللہ کے پاس کون سی تدبیر ہے؟

۷۳۔ دن اور رات کے بارے میں انسان غور نہیں کرتے کہ دن کی روشنی حیات بخش اور رات کی تاریکی سکون بخش ہونے کے باوجود یہ دونوں اگر یکے بعد دیگرے نہ آتے، بلکہ ہمیشہ دن ہوتا یا ہمیشہ رات ہوتی تو اس کرہ ارض پر زندگی مفقود ہوتی۔

جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿٧٣﴾ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا فَقُلۡنَا هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ فَعَلِمُوۡۤا اَنَّ الۡحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿٧٥﴾ ع اِنَّ قَارُوۡنَ كَانَ مِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰى فَبَغٰى عَلَيۡهِمۡ ۖ وَاٰتَيۡنٰهُ مِنَ الۡكُنُوۡزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوۡٓاُ بِالۡعُصۡبَةِ اُولِى الۡقُوَّةِ ۖ اِذۡ قَالَ لَهٗ قَوۡمُهٗ لَا تَفۡرَحۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡفَرِحِيۡنَ ﴿٧٦﴾ وَابۡتَغِ فِيۡمَاۤ اٰتٰٮكَ اللّٰهُ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ وَلَا تَنۡسَ نَصِيۡبَكَ مِنَ الدُّنۡيَا وَاَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ

رحمت ہی تو ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو (یکے بعد دیگرے) بنایا تاکہ تم (رات میں) سکون حاصل کرسکو اور (دن میں) اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور شاید کہ تم شکر بجا لاؤ۔☆ ﴿٧٣﴾ اور جس دن اللہ انہیں ندا دے گا اور فرمائے گا: کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک گمان کرتے تھے؟ ﴿٧٤﴾ اور ہم ہر امت سے ایک گواہ نکال لائیں گے پھر ہم (مشرکین سے) کہیں گے: اپنی دلیل پیش کرو، (اس وقت) انہیں علم ہو جائے گا کہ حق بات اللہ کی تھی اور جو جھوٹ باندھتے تھے وہ سب ناپید ہو جائیں گے۔☆ ﴿٧٥﴾ بے شک قارون کا تعلق موسیٰ کی قوم سے تھا پھر وہ ان سے سرکش ہو گیا اور ہم نے قارون کو اس قدر خزانے دیے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کے لیے بھی بارگراں تھیں، جب اس کی قوم نے اس سے کہا: اترانا مت یقینا اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا،☆ ﴿٧٦﴾ اور جو (مال) اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر، البتہ دنیا سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر اور احسان کر جس طرح اللہ

یعنی اگر اللہ اس نظام کو زندگی کے لیے مناسب اور مربوط نہ بناتا تو کون ہے جو اسے مربوط بنائے؟

٧٥۔ ہر امت سے ایک گواہ پیش کیا جائے گا۔ یہ گواہ ایسے ہوں گے جن کی گواہی کے بعد کسی قسم کی دلیل کارگر ثابت نہ ہو گی۔ اس گواہی کے بعد اللہ تعالیٰ کی حقانیت بھی واضح ہو جائے گی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس گواہی کی نوعیت وہ نہ ہو گی جو ہماری دنیا میں متعارف ہے۔ گواہ کے بارے میں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ گواہ وہ ہستی بن سکتی ہے جو اعمال کا مشاہدہ کرے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ گواہ وہ ہو گا جس کی گواہی کے بعد حقائق آشکار اور اللہ کی حقانیت روشن ہو جائے گی۔

٧٦۔ قارون کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ اس نے اپنی قوم سے غداری کی اور وہ فرعون سے جا ملا اور اس کا مقرب بن گیا، یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کی مخالفت میں فرعون اور ہامان کے بعد وہ سب سے آگے تھا۔ بائبل میں اس کا نام قاروح آیا ہے اور اسے حضرت موسیٰؑ کا چچا زاد بھائی قرار دیا گیا ہے۔

بائبل نے قارون کی دولت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی کنجیاں تین سو خچروں کا بوجھ بن جاتی تھیں۔ قرآن نے اس کی تصحیح کی اور فرمایا: اس کے خزانوں کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کے لیے بار گراں تھیں۔ مال کے بارے میں ادیان کا موقف ایک جیسا ہے کہ مال خود مقصد نہیں ہوتا بلکہ مال ایک ذریعہ اور ایک مقدس مقصد کے لیے وسیلہ ہے۔ وہ مقدس مقصد جہاں آخرت ہے، وہاں حیات دنیوی

اللّٰہُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ

نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد پھیلنے کی خواہش نہ کر یقیناً اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۷۸) قارون نے کہا: یہ سب مجھے اس مہارت کی بنا پر ملا ہے جو مجھے حاصل ہے، کیا اسے معلوم نہیں ہے کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی ایسی امتوں کو ہلاکت میں ڈال دیا جو اس سے زیادہ طاقت اور جمعیت رکھتی تھیں اور مجرموں سے تو ان کے گناہ کے بارے میں پوچھا ہی نہیں جائے گا۔☆ (۷۹) (ایک روز) قارون بڑی آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا تو دنیا پسند لوگوں نے کہا: اے کاش! ہمارے لیے بھی وہی کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے، بے شک یہ تو بڑا ہی قسمت والا ہے۔☆ (۸۰) اور جنہیں علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے: تم پر تباہی ہو! اللہ کے پاس جو ثواب ہے وہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل انجام دینے والوں کے لیے اس سے کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والے ہی حاصل کریں گے۔☆ (۸۱) پھر ہم نے قارون اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا

---

کی جائز ضروریات کی فراہمی بھی ہے: وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا۔۔۔

۷۸۔ یہ مال و دولت میری اپنی مہارت اور ہنرمندی کا نتیجہ ہے۔ اس میں کسی غیبی طاقت کا کوئی دخل نہیں۔ مادی انسان کی سوچ قدیم ایام سے یہی رہی ہے کہ جو عقل و فکر، مہارت، ہنر اور دولت اس کے پاس ہے وہ کسی کی عطا کردہ نہیں، بلکہ اس نے خود یہ چیزیں اپنے لیے بنائی ہیں۔

۷۹۔ سطحی سوچ رکھنے والے اور راز حیات سے ناواقف لوگ دنیا کے مال و منال کو ہی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہمارے معاشرے میں خوشحال لوگ کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے صرف دنیاوی زندگی ہے۔

۸۰۔ جبکہ راز حیات کا علم رکھنے والے لوگ سمجھتے ہیں کہ مال و منال خوش قسمتی نہیں ہے، نہ ایسے لوگ خوشحال ہوتے ہیں، بلکہ دولت مند لوگ بے چین اور بے سکون ہوتے ہیں۔ دنیا پر آخرت کو ترجیح وہ لوگ دے سکتے ہیں جو اپنی خواہشات پر تسلط رکھتے ہوں اور وہ صبر والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

وَلَا یُلَقّٰهَاۤ میں ضمیر ثواب کی طرف ہے۔ ثواب مثوبۃ کے معنی میں ہے یا اس کلمہ کی طرف ہے جو اہل علم نے کہا ہے وہ کلمہ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ ہے۔

۸۱۔ قارون کا اپنے گھر اور مال دولت سمیت زندہ درگور ہونے کا ذکر توریت میں بھی ملتا ہے۔ (گنتی ۱۶: ۲۰)

لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا
كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ
تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ
اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ
بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع
تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا
يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَ
الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ
فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا
يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ
عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ

تو اللہ کے مقابلے میں کوئی جماعت اس کی نصرت کے لیے موجود نہ تھی اور نہ ہی وہ بدلہ لینے والوں میں سے تھا۔☆ ﴿۸۲﴾ اور جو لوگ کل اس کی منزلت کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے: دیکھتے نہیں ہو! اللہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے روزی کشادہ اور تنگ کر دیتا ہے، اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، دیکھتے نہیں ہو! کافر فلاح نہیں پا سکتے۔☆ ﴿۸۳﴾ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے بنا دیتے ہیں جو زمین میں بالادستی اور فساد پھیلانا نہیں چاہتے اور (نیک) انجام تو تقویٰ والوں کے لیے ہے۔ ﴿۸۴﴾ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اسے اس سے بہتر (اجر) ملے گا اور جو کوئی برائی لائے گا تو برے کام کرنے والوں کو صرف وہی بدلہ ملے گا جو وہ کرتے رہے ہیں۔☆ ﴿۸۵﴾ (اے رسول) جس نے آپ پر قرآن (کے احکام کو) فرض کیا ہے وہ یقینا آپ کو بازگشت تک پہنچانے والا ہے،

---

۸۲۔ وَيْكَاَنَّ: بعض کہتے ہیں کہ یہ وَیک ہے، اس پر اَنَّ داخل ہوا ہے۔ اس کے معنی اَلَمْ تَرَ کے ہیں۔ بعض کے نزدیک وَیْ تہدید کے معنوں میں ہے، بعض کے نزدیک یہ لفظ وَیلَک کے معنوں میں ہے۔

۸۴۔ اسی آیت کے ذیل میں حدیث ہے: ویل لمن غلبت آحاده أعشاره (وسائل الشیعة ۱۶: ۱۰۳) حسرت اس شخص کے لیے جس کی اکائیاں (برائی) اس کی دہائیوں (نیکیوں) پر غالب آجائیں۔

۸۵۔ یہ آیت مکہ سے ہجرت کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب حضور ﷺ کو وطن یاد آیا کہ جس ذات نے آپ ﷺ پر تبلیغ قرآن کو فرض اور لازم قرار دیا ہے وہ آپ کو دوبارہ اس جگہ (مکہ) فاتحانہ انداز میں واپس کرنے والی ہے، جہاں سے آپ کو نکلنا پڑ رہا ہے۔ یہ پیش گوئی قلیل مدت میں درست ثابت ہوئی اور رسول کریم ﷺ فاتحانہ انداز میں مکہ واپس آئے۔

۸۶۔ یعنی اگر رحمت رب آپ ﷺ کے شامل حال نہ ہوتی تو آپ ﷺ یہ امید تک نہیں کر سکتے تھے کہ یہ قرآن آپ ﷺ پر نازل کیا جائے گا۔ ظاہر ہے اللہ کی رحمت سے ہٹ کر نبوت مل سکتی ہے، نہ قرآن نازل ہو سکتا ہے۔

تعجب ہے کہ بعض اہل قلم نے اس بات کے اثبات

رَبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ
يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ
فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا
يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ
اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ ج وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ قف كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا
وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ع

کہد یجیے: میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے اور اسے بھی جو واضح گمراہی میں ہے۔☆ (۸۶) اور آپ کو یہ امید نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر آپ کے رب کی رحمت سے لہٰذا آپ کافروں کے پشت پناہ ہرگز نہ بنیں۔☆ (۸۷) جب یہ آیات آپ کی طرف نازل ہو چکی ہیں تو کہیں یہ آپ کو اللہ کی آیات (کی تبلیغ) سے روک نہ دیں اور آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیں اور آپ مشرکین میں ہرگز شامل نہ ہوں۔ (۸۸) اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، حکومت کا حق اسی کو حاصل ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جاؤ گے۔☆

آیاتها ۶۹ | ۲۹ سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ ۸۵ | رکوعاتها ۷

سورہ عنکبوت۔ مکی۔ آیات ۶۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ
يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ

(۱) الف، لام، میم۔ (۲) کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے سے چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم

---

کے لیے کئی صفحات لکھ ڈالے کہ حضور ﷺ کو پہلے نبوت ملنے کی امید تک نہ تھی اور آپ ﷺ نے اس کا کبھی سوچا بھی نہ تھا، بلکہ آپ ﷺ وحی نازل ہونے کے بعد بھی شک میں رہے کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ورقہ بن نوفل نے اس بات کی طرف توجہ دلا دی کہ آپ ﷺ نبوت پر فائز ہو رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے ایسے شخص سے رابطہ فرمایا جس کو اتنا بھی علم نہ تھا، جتنا ایک دوسرے شخص ورقہ بن نوفل کو تھا۔ ہم نے یہ بات کئی بار لکھی ہے کہ وحی کا تعلق صرف حواس ظاہری سے نہیں ہوتا۔ انبیاء وحی کو اپنے پورے وجود کے ساتھ حاصل کرتے ہیں، جس میں شک و تردید کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جس قدر انہیں اپنے وجود پر یقین ہوتا ہے اسی قدر یقین سے وحی وصول کرتے ہیں۔

۸۸۔ وجهه، ذاته، الوجه سے ذات مراد لی جاتی ہے۔ جیسے وجه النهار سے مراد خود دن لیا جاتا ہے۔ ذات خدا بنفسہ موجود ہے اور غیر خدا بنفسہ موجود نہیں ہے، بلکہ بارادۂ خدا موجود ہے۔ لہٰذا جب تک ارادۂ خدا موجود ہے، سب موجود ہیں اور جس آن ارادۂ خدا نہ ہوگا سب کی ہستی نابود ہو جائے گی۔

سورہ عنکبوت

۲۔ ایمان صرف ایک لفظ آمنا کے تلفظ سے عبارت نہیں ہے بلکہ ایک نظام اور دستور حیات کو اپنانے

فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ
الْكٰذِبِيْنَ ۝۳ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ
مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۴ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا
لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا
يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ
عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ
بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ

ایمان لائے اور یہ کہ وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟☆
۳ اور بتحقیق ہم ان سے پہلوں کو بھی آزما چکے ہیں کیونکہ
اللہ کو بہرحال یہ واضح کرنا ہے کہ کون سچے ہیں اور یہ بھی ضرور
واضح کرنا ہے کہ کون جھوٹے ہیں۔☆ ۴ برائی کے
مرتکب افراد کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ نکلیں
گے؟ کتنا برا فیصلہ ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ ۵ جو اللہ کے
حضور پہنچنے کی امید رکھتا ہے تو (وہ باخبر رہے کہ) اللہ کا مقرر
کردہ وقت یقینا آنے ہی والا ہے اور وہ بڑا سننے والا، جاننے
والا ہے۔☆ ۶ اور جو شخص جفاکشی کرتا ہے تو وہ صرف
اپنے فائدے کے لیے جفاکشی کرتا ہے، اللہ تو یقینا سارے
عالمین سے بے نیاز ہے۔☆ ۷ اور جو لوگ ایمان لائے
اور نیک اعمال بجا لائے ہم ان سے ان کی برائیاں ضرور دور
کر دیں گے اور انہیں ان کے بہترین اعمال کا صلہ بھی ضرور
دیں گے۔☆ ۸ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے
ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اگر تیرے ماں باپ

---

اور اسے اپنانے کی راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات و مصائب کا مجاہدانہ مقابلہ کرنے نیز کردار و امانت کا نام ہے۔ اس ایمان کی کوئی قیمت نہیں جس کا انسان کے کردار پر کوئی اثر نہ ہو۔ اگر ایمان کا رتبہ اتنا ارزاں ہوتا کہ لب ہلانے سے حاصل ہو جاتا تو صادق و کاذب کی تمیز نہ ہوتی، مجاہد اور فراری میں کوئی فرق نہ ہوتا، ایمان کے لیے قربانی دینے والوں اور ایمان کے نام پر مفاد حاصل کرنے والوں میں بھی کوئی امتیاز نہ ہوتا۔

۳۔ آزمائش اور امتحان اللہ تعالیٰ کا دائمی قانون ہے جو تمام امتوں میں جاری رہا ہے۔ اللہ کو تو قدیم سے علم ہے کہ کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ لیکن امتحان کے ذریعے اللہ کا علم ظہور پذیر ہوتا ہے، علم کے مرحلے سے عمل کے مرحلے میں آ جاتا ہے اور عمل سے استحقاق کا مرحلہ آتا ہے۔ یعنی نیک عمل سے ثواب اور بدعمل سے عذاب کا مستحق ہونے کا مرحلہ آتا ہے۔

۵: لِقَآءَ اللّٰهِ سے مراد اللہ کے سامنے حساب کے لیے حاضر ہونا ہے، جہاں وہ تمام حجاب ہٹ جائیں گے جو دنیا میں اس کی آنکھوں کے سامنے تھے اور حقائق روشن ہو کر سامنے آئیں گے۔

۶۔ جہاد سے خود تمہیں ارتقاء حاصل ہوتا ہے اور تمہارے ایمان کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے ورنہ خدا تمہارے جہاد کا محتاج تو نہیں ہے۔

۷۔ ایمان کفر کا اور عمل صالح گناہوں کا کفارہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: صلوة اللیل کفارة لما اجترح بالنھار۔ (بحار الانوار ۸۴: ۱۳۶)

بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ

میرے ساتھ شرک کرنے پر تجھ سے الجھ جائیں جس کا تجھے کوئی علم نہ ہو تو ان دونوں کا کہنا نہ ماننا، تم سب کی بازگشت میری طرف ہے، پھر میں تمہیں بتا دوں گا تم کیا کرتے رہے ہو؟☆ ⑨ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے انہیں ہم بہرصورت صالحین میں شامل کریں گے۔ ⑩ اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے تو ہیں: ہم اللہ پر ایمان لائے لیکن جب اللہ کی راہ میں اذیت پہنچتی ہے تو لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی اذیت کو عذاب الٰہی کی مانند تصور کرتے ہیں اور اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد پہنچ جائے تو وہ ضرور کہتے ہیں: ہم تو تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ کو اہل عالم کے دلوں کا حال خوب معلوم نہیں ہے؟☆ ⑪ اور اللہ نے یہ ضرور واضح کرنا ہے کہ ایمان والے کون ہیں اور یہ بھی ضرور واضح کرنا ہے کہ منافق کون ہیں؟☆ ⑫ اور کفار اہل ایمان سے کہتے ہیں: ہمارے طریقے پر چلو تو تمہارے گناہ ہم اٹھا لیں گے حالانکہ وہ ان گناہوں میں

---

رات کی نمازیں دن کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔

۸۔ اگرچہ اللہ کی بندگی کے بعد اولاد پر سب سے بڑا حق والدین کے ساتھ نیکی ہے، تاہم اللہ کے مقابلے میں والدین کو بھی نظرانداز کرنا ہوگا کیونکہ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ (الفقیہ ۲:۶۲۱) خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

۱۰۔ امن و آسائش کے دنوں میں ایمان کا اعلان کرتے ہیں، لیکن ایمان کی راہ میں جب تکلیف اٹھانی پڑے تو یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ایمان نہ بھی لاتے تو اللہ کا عذاب، کیا اس عذاب سے بڑا ہوتا؟ اور فتح و نصرت آنے کی صورت میں اپنی وفاداری کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں جو ان کے دلوں کے حال سے ناواقف ہیں۔ مکہ میں فتح و نصرت کا کوئی مرحلہ ابھی نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے یہ آیت مدنی ہو، مگر یہ کہ نصر سے مراد ہر قسم کی کامیابی لیا جائے، لیکن مکہ میں اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ہم تمہارے ساتھ ہیں، کا مرحلہ تو نہیں آیا تھا۔ اس میں یہ تو جیہ بعید معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد امکان وقوع ہے، تحقق نہیں ہے۔ یعنی یہ بتانا مقصود ہے کہ آیندہ ایسا ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ اگر یہ سورہ مکمل مکی تسلیم کیا جائے تو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ منافقت مکی دور سے شروع ہو چکی تھی۔ لیکن یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ مکے میں منافقت شروع ہو گئی ہو کہ زبان سے اسلام کا اظہار ہو اور دل میں کفر چھپا ہوا ہو، مگر یہ کہ منافقت سے

بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۲ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ
وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۳ ع وَلَقَدْ
اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ
اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ
فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۴
فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ
اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۵ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ
لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۶ اِنَّمَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ
تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ

سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں، بے شک یہ لوگ جھوٹے ہیں۔☆ ⑫ البتہ یہ لوگ اپنے بوجھ ضرور اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ مزید بوجھ بھی اور قیامت کے دن ان سے ضرور پرسش ہوگی اس بہتان کے بارے میں جو وہ باندھتے رہے ہیں۔ ⑬ اور بتحقیق ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان کے درمیان پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے، پھر طوفان نے انہیں اس حال میں اپنی گرفت میں لیا کہ وہ ظلم کا ارتکاب کر رہے تھے۔☆ ⑭ پھر ہم نے نوح اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس کشتی کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔ ⑮ اور ابراہیم کو بھی (بھیجا) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو، اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ⑯ تم تو اللہ کو چھوڑ کر بس بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹ گھڑ لیتے ہو، اللہ کے سوا تم جن کی پوجا کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار

ضعیف الایمان مراد لیے جائیں جو تھوڑی سی تکلیف پہنچنے پر عقیدہ بدل دیتے ہیں۔

۱۲۔ کیونکہ سزا اسے ملے گی جس نے جرم کیا ہے اور جس نے جرم کرنے پر اکسایا ہے تو اسے بھی سزا ملے گی۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ جرم کوئی کرے سزا کسی کو ملے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔

۱۴۔ توریت میں آیا ہے: "طوفان کے بعد حضرت نوحؑ ساڑھے تین سو برس زندہ رہے اور حضرت نوحؑ کی ساری عمر ساڑھے نو سو برس کی تھی"۔ یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں ہے، کیونکہ حضرت نوحؑ کے زمانے کے لوگ عام طور پر طویل العمر ہوتے تھے اور سات سو سال عمر گزارنا تو معمول تھا، کیونکہ وہ سو فیصد نیچر کے ساتھ ہم آہنگ زندگی بسر کرتے تھے۔

۱۷۔ بت کے متعلق ساری باتیں خود تمہاری گھڑی ہوئی ہیں۔ نہ تو یہ بت تمہارا خالق ہے، نہ تمہارا رازق ہے۔ تم اس واہمے سے نہیں، حقیقت سے وابستہ ہو جاؤ۔ مشرکین جن بتوں کی پوجا کرتے تھے وہ فرشتوں اور جنوں کی شبیہ تھے۔ وہ ان شبیہوں کی پوجا اس لیے کرتے تھے کہ وہ فرشتے اور جنات خوش ہو جائیں جن کے ہاتھ میں ان کا رزق ہے۔ فرمایا: ان بتوں کے ہاتھ میں تمہاری روزی نہیں ہے: فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ۔ تم اللہ کے ہاں سے رزق طلب کرو جو تمہارا حقیقی رازق ہے۔ لہٰذا رازق

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَكُمۡ رِزۡقًا
فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡهُ وَ
اشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنۡ
تُكَذِّبُوۡا فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ وَ
مَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۸﴾
اَوَلَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ
يُعِيۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۱۹﴾
قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ
بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ
الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ
قَدِيۡرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡحَمُ
مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيۡهِ تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَاۤ
اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى

نہیں رکھتے، لہٰذا تم اللہ کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر ادا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔☆ ⑱ اور اگر تم تکذیب کرو تو تم سے پہلے کی امتوں نے بھی تکذیب کی ہے اور رسول کی ذمے داری بس یہی ہے کہ واضح انداز میں تبلیغ کرے۔ ⑲ کیا انہوں نے (کبھی) غور نہیں کیا کہ اللہ خلقت کی ابتدا کیسے کرتا ہے پھر اس کا اعادہ کرتا ہے، یقیناً اللہ کے لیے یہ آسان ہے۔☆ ⑳ کہدیجیے: تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (اللہ نے) خلقت کی ابتدا کیسے کی پھر اللہ دوسری خلقت پیدا کرے گا، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔☆ ㉑ وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ㉒ اور تم اللہ کو نہ زمین میں عاجز بنا سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز

ہونے کے اعتبار سے بھی بندگی اللہ کی ہونی چاہیے اور شکر بھی اسی رازق کا ادا کرنا چاہیے۔

۱۹۔ دعوت فکر ہے کہ یہ واقعہ روز تمہارے سامنے پیش آتا رہتا ہے کہ اللہ ایک شئ کو عدم سے وجود میں لے آتا ہے، پھر وہ شئ اپنی مثل پیدا کرتی ہے۔ تولید مثل کا یہ عمل تمام حیوانات اور نباتات میں جاری رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے دانہ گندم سے گندم کی خلقت کی ابتدا کی۔ اس کے بعد اعادۂ خلق کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ جب یہ عمل تمہارے روز کا مشاہدہ ہے تو خود تمہارے اعادہ خلق میں اللہ کو کون سی دشواری ہوگی؟

۲۰۔ سیر فی الارض سے احساس و شعور بیدار ہو جاتا ہے۔ مانوس مناظر سے شاید آنکھ نہ کھلے، لیکن جدید مناظر سے آنکھیں کھل سکتی ہیں، پھر سیر فی الارض سے کرۂ ارض کے مختلف گوشوں سے ابتدائے خلقت کے بارے میں معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ کھدائیوں سے کچھ ابتدائی معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔ آیندہ نسلوں کو مزید معلومات حاصل ہونے کے بعد اگر راز حیات منکشف نہ بھی ہو لیکن عین ممکن ہے کہ اعادۂ حیات کا مسئلہ سائنسی طور پر بھی حل ہو جائے۔

زمین میں چل پھر کر ارضیاتی سطحی مطالعہ کیا جائے تو ابتدائے خلقت کا راز منکشف ہو جائے گا۔ نشأة اولی کا مسئلہ حل ہونے پر نشأة اخری بھی قابل

السَّمَآءِ ۖ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِن وَلِيٍّ
ع وَلَا نَصِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِـَٔايَـٰتِ
ٱللَّهِ وَلِقَآئِهِۦٓ أُو۟لَـٰٓئِكَ يَئِسُوا۟ مِن رَّحْمَتِى
وَأُو۟لَـٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٣﴾ فَمَا كَانَ
جَوَابَ قَوْمِهِۦٓ إِلَّآ أَن قَالُوا۟ ٱقْتُلُوهُ أَوْ
حَرِّقُوهُ فَأَنجَىٰهُ ٱللَّهُ مِنَ ٱلنَّارِ ۚ إِنَّ فِى
ذَٰلِكَ لَـَٔايَـٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ
إِنَّمَا ٱتَّخَذْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ أَوْثَـٰنًا
مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ ثُمَّ يَوْمَ
ٱلْقِيَـٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ
بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَىٰكُمُ ٱلنَّارُ وَمَا
وقف لازم لَكُم مِّن نَّـٰصِرِينَ ﴿٢٥﴾ ۞ فَـَٔامَنَ لَهُۥ لُوطٌ ۘ وَ
قَالَ إِنِّى مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّىٓ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ

ہو گا اور نہ مددگار۔ (۲۲) اور جنہوں نے اللہ کی آیات اور اس
کی ملاقات کا انکار کیا وہ میری رحمت سے ناامید ہو چکے ہیں
اور انہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔☆ (۲۳) تو اس
(ابراہیم) کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ وہ کہیں: انہیں قتل
کر ڈالو یا جلا دو لیکن اللہ نے انہیں آگ سے بچا لیا، ایمان
والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔☆ (۲۴) اور
ابراہیم نے کہا: تم صرف اس لیے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لیے
بیٹھے ہو کہ تمہارے درمیان دنیاوی زندگی کے تعلقات ہیں
پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک
دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور جہنم تمہارا ٹھکانا ہو گا اور تمہارا
کوئی مددگار بھی نہ ہو گا۔☆ (۲۵) اس وقت لوط ان پر ایمان
لے آئے اور کہنے لگے میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا
ہوں، یقیناً وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے☆

---

فہم ہو جائے گا۔

۲۳۔ جب وہ اللہ کے حضور جانے اور جنت و آخرت کے منکر ہیں تو ان کے لیے رحمت الٰہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۲۴۔ حضرت ابراہیم ؑ کی دعوت الی الحق کے مقابلے میں اس طاغوت کے پاس منطقی جواب نہیں تھا۔ بنابریں طاقت کی زبان استعمال کرتے ہوئے ان کو قتل کرنے یا آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کیا تو حضرت ابراہیم ؑ کے پاس اس سے بچنے کے مادی وسائل نہ تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور آگ کو گلزار میں تبدیل کر دیا۔ یہ اللہ کی سنت جاریہ ہے کہ جہاں اس کے بندے مادی وسائل نہ رکھتے ہوں اور دشمن پوری طاقت کے ساتھ مقابلے میں آ جائے تو اللہ کی مدد معجزے کے طور پر آ جاتی ہے اور اگر بندوں کے پاس مادی وسائل اور طاقت موجود ہو اور وہ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکیں تو اللہ کی مدد نہیں آتی۔ دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ نمرود والے اس عظیم معجزے کے مشاہدے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل کے مادہ پرست بھی محسوس معجزوں کے باوجود ایمان نہیں لائے۔

۲۵۔ آپس کے تعلقات اور برادری کی بندش ہی سبب ہے کہ تم اپنی برادری کے رسم و رواج سے باہر سوچتے نہیں ہو۔ اگر برادری کی بندش سے آزاد ہو

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٣٠﴾ ع ١٥ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ

﴿٢٧﴾ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عنایت کیے اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور انہیں دنیا ہی میں اجر دے دیا اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوں گے۔☆ ﴿٢٨﴾ اور لوط کو بھی (رسول بنایا) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: بلاشبہ تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس کا تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے بھی ارتکاب نہیں کیا۔☆ ﴿٢٩﴾ کیا تم (شہوت رانی کے لیے) مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی محافل میں برے کام کرتے ہو؟ پس ان کی قوم کا جواب صرف یہ تھا کہ وہ کہیں: ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔☆ ﴿٣٠﴾ لوط نے کہا: میرے رب! ان مفسدوں کے خلاف میری مدد فرما۔ ﴿٣١﴾ اور جب ہمارے فرستادہ (فرشتے) ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے تو کہنے لگے: ہم اس

جاتے تو حق بات تمہاری سمجھ میں آ جاتی۔ لیکن قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے منکر اور دشمن بن جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے۔

٢٦۔ آگ سے نجات کے بعد حضرت ابراہیم ؑ کی یہ تقریر سن کر صرف حضرت لوط ؑ نے، جو حضرت ابراہیم ؑ کے بھتیجے تھے، حضرت ابراہیم ؑ کی نبوت و رسالت کی تائید کی اور ان کے ساتھ کلدان (عراق) سے ہجرت کر کے ماورائے اردن چلے گئے۔

٢٧۔ چنانچہ نمرود کا تخت و تاج مٹ گیا، لیکن نمرود کے ہاتھوں اسیر اور بے بس وہی ابراہیم ؑ چار ہزار برس سے تمام ادیان سماوی کی امامت کر رہے ہیں۔

٢٨۔ یعنی قوم لوط سے پہلے دنیا اس حرکت بد سے آشنا نہ تھی یا دنیا میں کسی قوم میں یہ بدفعلی اس قدر نہیں پھیلی جیسے اس قوم میں پھیلی ہے۔

٢٩۔ قوم لوط کی بستی چونکہ شام جانے والے قافلوں کے راستے میں واقع تھی، وہ ان قافلوں پر رہزنی کرتے تھے اور اپنی بدکاریاں پوشیدہ طور پر نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کے لیے محفلیں جماتے تھے۔ جیسا کہ آج پکچر گیلری، سینما، میوزک ہال وغیرہ میں بھی منکرات بجالائے جاتے ہیں۔

٣١۔ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم ؑ کے پاس آئے اور اسحاق و یعقوب ؑ کی ولادت کی بشارت

قَالُوۡۤا اِنَّا مُهۡلِكُوۡۤا اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ ۚ اِنَّ اَهۡلَهَا كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ۚۖ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيۡهَا لُوۡطًا ؕ قَالُوۡا نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِيۡهَا ٝ لَـنُنَجِّيَـنَّهٗ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ۖ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا وَّقَالُوۡا لَا تَخَفۡ وَلَا تَحۡزَنۡ ۗ اِنَّا مُنَجُّوۡكَ وَاَهۡلَكَ اِلَّا امۡرَاَتَكَ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ عَلٰۤى اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدۡ تَّرَكۡنَا مِنۡهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَاِلٰى مَدۡيَنَ

بستی کے باسیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، یہاں کے باشندے یقینا بڑے ظالم ہیں۔☆ ﴿۳۲﴾ ابراہیم نے کہا: اس بستی میں تو لوط بھی ہیں، وہ بولے ہم بہتر جانتے ہیں یہاں کون لوگ ہیں، ہم انہیں اور ان کے اہل کو ضرور بچائیں گے سوائے ان کی بیوی کے، جو پیچھے رہنے والوں میں ہو گی۔☆ ﴿۳۳﴾ اور جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس آئے تو لوط ان کی وجہ سے پریشان اور دل تنگ ہوئے تو فرشتوں نے کہا: خوف نہ کریں نہ ہی محزون ہوں، ہم آپ اور آپ کے گھر والوں کو بچانے والے ہیں سوائے آپ کی بیوی کے جو پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔☆ ﴿۳۴﴾ بے شک ہم اس بستی میں رہنے والوں پر آسمان سے آفت نازل کرنے والے ہیں اس بدعملی کی وجہ سے جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے۔ ﴿۳۵﴾ اور بتحقیق ہم نے عقل سے کام لینے والوں کے لیے اس بستی میں ایک واضح نشانی چھوڑی ہے۔☆ ﴿۳۶﴾ اور (ہم نے) مدین کی طرف ان کی برادری

دی، پھر بتایا ہمیں قوم لوط کی تباہی کے لیے بھیجا گیا ہے۔

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ: چونکہ قوم لوط کی بستی شہر سدوم حضرت ابراہیمؑ کی بستی ارض مقدس کے نزدیک تھی۔

۳۲۔ حضرت ابراہیمؑ قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے حق میں نہ تھے اور اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس قوم میں لوط موجود ہے اس پر عذاب نہ کر۔ جیسا کہ سورہ ہود میں فرمایا: يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ۔ ابراہیم قوم لوط کے بارے میں ہم سے بحث کرتے تھے۔ لیکن اللہ کا فیصلہ حتمی تھا۔

۳۳۔ یہ فرشتے حسین و جمیل جوانوں کی شکل میں آئے تھے اور حضرت لوطؑ کو اپنی قوم کی بدکاری کی وجہ سے خوف لاحق ہوا کہ مہمانوں کی اہانت نہ ہو۔ چنانچہ واقعہ کا باقی حصہ سورہ ہود اور الحجر میں آیا ہے کہ ان لڑکوں کو دیکھ کر لوگوں نے حضرت لوطؑ کے گھر پر ہجوم کیا اور ان مہمانوں کو ان کے حوالے کرنے کے لیے کہا۔

۳۵۔ یہ تصور مسلمہ شمار کیا جاتا ہے کہ ایک ہولناک زلزلے کے نتیجے میں شہر سدوم دھنس گیا اور اس جگہ بحیرہ مردار وجود میں آیا، جسے بحر لوط بھی کہا جاتا

اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا
اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا
فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ
تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ
لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ
عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾
وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ
جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي
الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا
اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا
عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ

کے شعیب (کو بھیجا) تو انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ
کی بندگی کرو اور روز آخرت کی امید رکھو اور زمین میں فساد
برپا نہ کرو۔ ﴿۳۶﴾ پس انہوں نے شعیب کی تکذیب کی تو
انہیں زلزلے نے گرفت میں لے لیا پس وہ اپنے گھروں
میں اوندھے پڑے رہ گئے۔☆ ﴿۳۷﴾ اور عاد و ثمود کو (بھی
ہلاک کیا) اور بتحقیق ان کے مکانوں سے تمہارے لیے یہ
بات واضح ہوگئی اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال
کو آراستہ کیا اور انہیں راہ (راست) سے روکے رکھا حالانکہ
وہ ہوش مند تھے۔☆ ﴿۳۸﴾ اور قارون و فرعون اور ہامان کو
(بھی ہم نے ہلاک کیا) اور بتحقیق موسیٰ واضح دلائل لے کر
ان کے پاس آئے تھے پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا
لیکن وہ (ہماری گرفت سے) نکل نہ سکے۔ ﴿۳۹﴾ پس ان
سب کو ان کے گناہ کی وجہ سے ہم نے گرفت میں لیا پھر ان

---

ہے۔ یہ نشانی آج بھی واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ میں نے ۲۰۰۱ء میں بحیرہ مردار کا معائنہ کیا ہے۔ موجودہ اردن اور فلسطین کے درمیان واقع اس علاقے پر آج بھی موت کے آثار چھائے ہوئے ہیں۔

۳۷۔ سورہ ہود میں فرمایا: اس قوم کو خوفناک آواز نے ہلاک کیا ہے۔ ممکن ہے خوفناک دھماکے سے شدید زلزلے کے ساتھ خوفناک آواز بھی نکلی ہو۔

۳۸۔ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ: وہ ہوش مند تھے۔ اس جملے کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ یہ قوم راہ راست سے منحرف ہونے سے پہلے دین فطرت دین توحید پر تھی۔ دوسری تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ یہ لوگ شیطان کے ہتھے اس لیے نہیں چڑھے کہ یہ نادان لوگ تھے، بلکہ یہ خاصے عقل و خرد کے مالک تھے۔

پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ آج جن مقامات کو احقاف، یمن اور حضر موت کہتے ہیں، یہاں قوم عاد آباد تھی اور شمال حجاز میں رابغ سے لے کر عقبہ تک اور خیبر سے لے کر تبوک تک کے تمام علاقوں میں قوم ثمود آباد تھی۔

۴۰۔ چنانچہ گناہوں کی سزا کے طور پر قوم عاد پر پتھر برسائے، قوم ثمود کو دھماکے سے تباہ کیا، قارون کو

الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ
الْأَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا أَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٠﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ أَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ
اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوْتِ
لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ وقف لازم
إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
مِنْ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٢﴾
وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ
وَمَا يَعْقِلُهَآ إِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ
اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ
إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ ع

میں سے کچھ پر تو ہم نے پتھر برسائے اور کچھ کو چنگھاڑ نے گرفت میں لیا اور کچھ کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا مگر یہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔☆ ﴿٤١﴾ جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنایا ہے ان کی مثال اس مکڑی کی سی ہے جو اپنا گھر بناتی ہے اور گھروں میں سب سے کمزور یقیناً مکڑی کا گھر ہے اگر یہ لوگ جانتے ہوتے۔☆ ﴿٤٢﴾ یہ لوگ اللہ کے علاوہ جس چیز کو پکارتے ہیں اللہ کو یقیناً اس کا علم ہے اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿٤٣﴾ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں مگر ان کو علم رکھنے والے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔☆ ﴿٤٤﴾ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اس میں ایمان والوں کے لیے یقیناً ایک نشانی ہے۔

زمین میں دھنسا دیا اور فرعون کو غرق کر دیا۔
یہ سزائیں خود ان کے کرتوتوں کے لازمی نتائج کے طور پر وقوع پذیر ہوئیں۔ ان سزاؤں کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے ان پر ظلم کیا ہو۔ یہاں اہل مکہ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ تم تاریخ کے اس مکافات عمل سے مستثنیٰ نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہونے والا ہے۔

۴۱۔ اس کائنات میں قوت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ اگر کسی کے پاس کوئی طاقت موجود ہے تو اسی سرچشمے سے متصل اور اسی طاقت کے ذیل میں واقع ہونے کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی اس سلسلے سے باہر چلا جاتا ہے تو اس کی بے ثباتی اور ناتوانی مکڑی کے جالے کی طرح ہے، جو معمولی چوٹ کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

۴۳۔ عام سطحی ذہن ان مثالوں میں مشبہ بہ (جس کی تشبیہ دی گئی ہے) کی طرف جاتا ہے۔ وہ عظیم ہے تو تمثیل عظیم، وہ حقیر ہے تو تمثیل حقیر ہے۔ جب کہ اہل علم کا ذہن وجہ شبہ کی طرف جاتا ہے۔ مکڑی کی مثال میں عامۃ الناس کا ذہن مکڑی کی طرف اور اہل علم کا ذہن ناپائیداری کی طرف جاتا ہے، جس سے اس مثال کی لطافت سمجھ میں آتی ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ

﴿۴۵﴾ (اے نبی) آپ کی طرف کتاب کی جو وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کریں اور نماز قائم کریں، یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے اور تم جو کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔☆ ﴿۴۶﴾ اور تم اہل کتاب سے مناظرہ نہ کرو مگر بہتر طریقے سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں اور کہدو کہ ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور اس (کتاب) پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔☆ ﴿۴۷﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے، پس جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان لوگوں میں سے بھی بعض اس پر ایمان لے آئے ہیں اور صرف کفار ہی ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿۴۸﴾ اور (اے نبی) آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی

۴۵۔ دن میں پانچ مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں جانے والا شخص اپنے آپ کو ہمیشہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر پاتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں بیٹھ کر بے حیائی اور برائی کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ البتہ ارتکاب گناہ ناممکن نہیں، ارتکاب کرنا ممکن رہ جاتا ہے۔ مگر جس کے دل میں یہ شعور بیدار ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہے وہ جرم کے ارتکاب سے شرماتا اور ڈرتا ہے۔ نماز نمازی کے ضمیر کو بیدار رکھتی ہے جس سے گناہ کا احساس بھی زندہ رہتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ پھر بہت سے نمازی بدعمل کیوں ہوتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نماز برائیوں سے روکنے کے لیے علت تامہ نہیں ہے، مقتضی ہے۔ مثلاً دوستی کسی کی حمایت کے لیے مقتضی ہے، علت تامہ نہیں۔ ممکن ہے دیگر تقاضوں سے متصادم باتوں کی وجہ سے دوستی کے تقاضے پورے نہ ہوں۔ پھر نماز اگر صرف عادت کے طور پر پڑھی جائے، ضمیر اور وجدان نماز نہ پڑھے تو ایسی نمازوں کے اثرات بھی کمزور ہوتے ہیں۔

لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ: نماز اللہ کا ذکر ہے اور ذکر خدا فحشاء و منکر کو دور کرنے سے بڑا ہے یا تمام اعمال سے بڑا ہے یا قابل وصف و بیان سے بڑا ہے۔

۴۶۔ اس آیت میں اصول مناظرہ بیان فرمایا ہے کہ کسی سے اگر مناظرہ کرنا ہو تو اختلافی مسائل کو پیش کرنے کی بجائے فریقین میں مشترکات کو زیر بحث لانا چاہیے۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے۔ پھر اس بات پر بحث ہو کہ اس قدر مشترک پر کون سا فریق قائم ہے۔

۴۸۔ اگر مشرکین نے کبھی حضور ﷺ کو پڑھتے اور لکھتے دیکھ لیا ہوتا تو انہیں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا بہانہ مل جاتا کہ یہ قرآن وحی نہیں ہے بلکہ دوسری

وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ
الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ
صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا
يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ
لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا
الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع
قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ

اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شبہ کر سکتے تھے۔☆ ﴿۴۹﴾ بلکہ یہ روشن نشانیاں ان کے سینوں میں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے اور ہماری آیات کا انکار وہی کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔ ﴿۵۰﴾ اور لوگ کہتے ہیں: اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں؟ کہد یجیے: نشانیاں تو بس اللہ کے پاس ہیں اور میں تو صرف واضح طور پر تنبیہ کرنے والا ہوں۔☆ ﴿۵۱﴾ کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں سنائی جاتی ہے؟ ایمان لانے والوں کے لیے یقینا اس (کتاب) میں رحمت اور نصیحت ہے۔ ﴿۵۲﴾ کہد یجیے: میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے اللہ کافی ہے، وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ کے منکر ہوئے وہی خسارے میں ہیں۔☆ ﴿۵۳﴾ اور یہ لوگ آپ سے عذاب

---

کتابوں سے ماخوذ ہے۔ واضح رہے کہ رسول کریم ﷺ ان سیاہی کی لکیروں کو نہیں پڑھتے تھے جو انسانوں کی کھینچی ہوئی ہیں، کیونکہ آپ کا علم ان سے ماوراء تھا۔ وہ لوح محفوظ کی تحریریں پڑھ کر آئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ ان تحریروں کو بھی پڑھ اور لکھ سکتے تھے۔ قرآن میں امکان اور صلاحیت کی نفی نہیں ہے، بلکہ وقوع کی نفی ہے کہ آپ ان کتابوں کے محتاج نہ تھے، لہٰذا ان کو پڑھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا، نہ یہ کہ پڑھنے سے معذور تھے۔ معاندین اسلام، رسول اکرم ﷺ کے بارے میں اصرار کرتے ہیں کہ وہ پڑھتے اور لکھتے تھے، جبکہ حضور ﷺ اگر لکھتے اور پڑھتے ہوتے تو مکے کے ناخواندہ معاشرے میں یہ بات نمایاں طور پر سب کو معلوم ہوتی اور آج کل کے معاندین کی بہ نسبت مکہ کے معاندین کو اس الزام کی زیادہ ضرورت تھی۔

۵۰۔ نشانیاں یعنی معجزے۔ منکرین یہ خیال کرتے تھے کہ جو بھی دعوائے نبوت کرتا ہے اس کے ہاتھ میں ساری غیبی طاقت موجود ہوا کرتی ہے۔ اس آیت میں فرمایا: یہ غیبی طاقت اللہ کے پاس ہے۔

دوسری آیت ۵۱ میں فرمایا: کیا معجزہ کے لیے یہ کتاب کافی نہیں ہے، یعنی قرآن۔ باقی انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات دیے گئے ہیں وہ ان لوگوں تک محدود تھے جنہوں نے مشاہدہ کیا ہے۔ یعنی وہ محدود اور حسی معجزات تھے۔ لیکن قرآن کریم ایک ابدی معجزہ ہے اور کسی زمانے میں محدود نہیں ہے اور یہ عقلی اور علمی معجزہ ہے جو انسان کو اس کی عقلی اور فکری بلوغت کے بعد دیا گیا ہے۔

۵۲۔ رسول ﷺ کی رسالت پر اللہ کی گواہی یہ ہے کہ اللہ نے قرآن جیسا کلام نازل کر کے اس رسالت

بِالۡعَذَابِ ؕ وَلَوۡ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَلَیَاۡتِیَنَّهُمۡ بَغۡتَةً وَّ هُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۳﴾ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیۡطَةٌۢ بِالۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۵۴﴾ ۙ یَوۡمَ یَغۡشٰهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ وَیَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۵﴾ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ۟ ثُمَّ اِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ غُرَفًا تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۵۸﴾

میں عجلت چاہتے ہیں اور اگر ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا اور وہ (عذاب) ان پر اچانک ایسے حال میں آ کر رہے گا کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔☆ ﴿۵۴﴾ یہ لوگ آپ سے عذاب میں عجلت چاہتے ہیں حالانکہ دوزخ کفار کو گھیرے میں لے چکی ہے۔ ﴿۵۵﴾ اس دن عذاب انہیں ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے گھیر لے گا اور (اللہ) کہے گا: اب ذائقہ چکھو ان کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۵۶﴾ اے میرے مومن بندو! میری زمین یقیناً وسیع ہے پس صرف میری عبادت کیا کرو۔☆ ﴿۵۷﴾ ہر نفس کو موت (کا ذائقہ) چکھنا ہے پھر تم ہماری طرف پلٹائے جاؤ گے۔☆ ﴿۵۸﴾ اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں ہم انہیں جنت کے بلند و بالا محلات میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، عمل کرنے والوں کے لیے کیا ہی اچھا اجر ہے۔ ﴿۵۹﴾ جنہوں نے صبر کیا

کی حقانیت پر گواہی دی ہے۔ وہ یہ نہیں کہ سکتے کہ قرآن کلام اللہ نہیں ہے، چونکہ قرآن نے بار بار چیلنج کیا ہے کہ اگر یہ کلام اللہ نہیں ہے تو اس جیسا کلام پیش کرو۔

۵۳۔ یہ لوگ آپ ﷺ سے یہ مطالبہ بار بار کر رہے ہیں کہ اگر آپ ﷺ سچے ہیں تو وہ عذاب لے آئیں جس کی ہمیں دھمکی دی جاتی ہیں۔ جواب میں فرمایا: اگر حکمت الٰہی کے تحت اس عذاب کا وقت مقرر نہ ہوتا اور عدل الٰہی کے تحت تم کو مہلت دینا ضروری نہ ہوتا تو اس عذاب کے آنے میں دیر نہ لگتی۔

۵۶۔ اگر وطن اللہ کی بندگی میں آڑے آئے اور کسی وطن میں اللہ کی بندگی ممکن نہ ہو تو اللہ کی بندگی کے مقابلے میں وطن کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کی بندگی ہمیشہ وطنیت اور قومیت پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

۵۷۔ وطن چھوڑنے اور ایمان لانے سے موت کے مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہر جاندار کے لیے موت مقدر ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ موت کے بعد نجات کس بات میں ہے۔ لہٰذا اس زندگی کے بارے میں زیادہ نہ سوچو کہ اسے ہر صورت میں ختم ہونا ہے، بلکہ اس زندگی کے بارے میں سوچو جو باقی رہنے والی ہے۔

۵۹۔ نیک اعمال دو ستونوں پر قائم ہو سکتے ہیں: صبر و استقامت اور اللہ پر بھروسہ۔ صبر انسان کو مشکلات کے مقابلے میں چٹان کی طرح مضبوط بناتا ہے، توکل اطمینان دلاتا ہے۔ صبر دشمن کی سازشوں کو حقیر دکھاتا ہے، توکل انجام بخیر ہونے کی امید دلاتا ہے۔ صبر دشمن کی حشمت کو نظر انداز کرتا ہے، توکل کو اللہ کی حشمت و قوت نظر آتی ہے۔ صبر ایک عظیم طاقت ہے، توکل اس طاقت کا سرچشمہ ہے۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۗ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۗ وَاِنَّ

اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔☆ ﴿۶۰﴾ اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ہی انہیں رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ ﴿۶۱﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو ضرور کہیں گے: اللہ نے، تو پھر یہ کہاں الٹے جا رہے ہیں؟☆ ﴿۶۲﴾ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ اور تنگ کر دیتا ہے، اللہ یقیناً ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔ ﴿۶۳﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے نازل کیا اور اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہونے کے بعد کس نے زندہ کر دیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، کہہ دیجیے: الحمد للہ، البتہ اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔☆ ﴿۶۴﴾ اور دنیاوی زندگی تو جی بہلانے اور کھیل کے سوا کچھ نہیں اور آخرت کا گھر ہی زندگی ہے، اگر انہیں کچھ علم ہوتا۔☆

۶۰۔ ہجرت کی صورت میں یہ نہ سوچو کہ کاروبار گھر بار چھوڑنے کے بعد پردیس میں کہاں سے کھائیں گے؟ اس سلسلے میں ان پرندوں سے سبق سیکھو جو اپنا رزق ذخیرہ نہیں کرتے۔ اللہ ہر روز کی روزی ان کو عنایت فرماتا ہے۔ ہجرت کر کے جہاں اور جس جگہ جاؤ گے وہاں اللہ روزی پہنچا دے گا۔

۶۱۔ سوال مشرکین سے ہے کہ اگر آسمانوں اور زمین کا خالق اور سورج اور چاند کو مسخر کرنے والی اللہ کی ذات ہے تو معلوم ہوا کہ تدبیر کائنات کے لیے جو تخلیق و تسخیر چاہیے وہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔

۶۳۔ اسی طرح اگر اللہ بارش برساتا ہے اور وہ زمین کو آباد کرتا ہے تو تمہارے معبود کس پانی اور کس زمین سے تمہیں روزی فراہم کرتے ہیں؟

۶۴۔ دنیا کی وہ زندگی جو مرضی رب کے خلاف اختیار کی جاتی ہے وہ بے مقصد زندگی ہے اور خود انسان بھی اس صورت میں نیچر (Nature) کے ہاتھوں ایک کھلونا بن جاتا ہے یعنی اس کا مشقت اٹھانا، بیمار ہونا اور مر جانا سب بے مقصد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کے تمام کاموں کی مقصدیت ایک کھیل سے زیادہ نہیں ہوتی۔ البتہ اگر یہ دنیاوی زندگی آخرت کے لیے مرضی رب کے ساتھ گزار دی جائے تو اس زندگی کا ہر لمحہ نہایت قیمتی بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس زندگی کا ایک ایک لمحہ آخرت کی زندگی کے کھربوں سالوں کے لیے تقدیر ساز ثابت ہو سکتا

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۙ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع

﴿۶۵﴾ وہ جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔☆ ﴿۶۶﴾ تاکہ ہم نے جو انہیں (نجات) بخشی ہے اس کی ناشکری کریں اور مزے لوٹیں لہٰذا عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ ﴿۶۷﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ایک پرامن حرم بنا دیا ہے جب کہ لوگ ان کے گرد و نواح سے اچک لیے جاتے تھے؟ کیا یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔☆ ﴿۶۸﴾ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے اور جب حق اس کے سامنے آ چکا ہو تو اس کی تکذیب کرے؟ کیا جہنم میں کفار کے لیے ٹھکانا نہیں ہے؟ ﴿۶۹﴾ اور جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے راستے کی ہدایت کریں گے اور بتحقیق اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔☆

ہے۔

لَهِيَ الْحَيَوَانُ: آخرت کی زندگی ہی زندگی ہے۔ اس حقیقی اور دائمی زندگی کو بعض اہل تحقیق کے مطابق قرآن نے ایک ہزار سات سو آیات میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی قرآن کا ایک تہائی حصہ اس زندگی کو باور کرانے کے لیے ہے۔

۶۵۔ اگر تمہارے معبود سمندروں میں تمہاری فریاد کو نہیں پہنچ جاتے تو خشکی میں تمہاری کون سی مدد کر سکیں گے؟

یہ ہیں مشرکین کے عقائد میں تضادات اور فکری اضطراب کہ ان کا موقف خود ان کے نظریات کو باطل ثابت کرتا ہے۔

۶۷۔ عرب جاہلیت کی اس بدامنی میں ایک امن کی جگہ (مکہ) تمہارے لیے کس نے بنائی؟ یہ امن کی جگہ اللہ نے بنائی پھر بھی یہ لوگ اس کی قدردانی نہیں کرتے۔

۶۹۔ پہلے ہم راہ خدا میں جہاد کریں پھر اللہ سے مشکل کشائی کی امید رکھیں۔ لہٰذا ہمیں پہل کرنا ہو گی، پھر ہم اللہ کی ہدایت کے اہل ہوں گے۔ یہ درست نہیں ہے کہ اللہ سے توقع وابستہ کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جائیں تاکہ وہ ہمیں مفت میں ہدایت دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ اللہ پہل نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر اللہ پہل کرے تو بلا استحقاق سب کو دے یا بعض کو بلا وجہ دے بعض کو بلا وجہ نہ دے یہ سب اللہ کی حکمت اور عدالت کے منافی

اٰيَاتُهَا ٦٠ ۔ ٣٠ سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ ٨٤ ۔ رُكُوْعَاتُهَا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿٢﴾ فِيْۤ اَدْنَى
الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ
سَيَغْلِبُوْنَ ﴿٣﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ
الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ
يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٤﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾
وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾ يَعْلَمُوْنَ
ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚۖ وَهُمْ عَنِ
الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا
فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ

سورۃ روم۔ مکی۔ آیات ٦٠

بنام خدائے رحمٰن رحیم

﴿١﴾ الف ، لام ، میم۔ ﴿٢﴾ رومی مغلوب ہو گئے،☆
﴿٣﴾ قریبی ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب
غالب ہوجائیں گے،☆ ﴿٤﴾ چند سالوں میں، پہلے بھی اور
بعد میں بھی اختیار کل اللہ کو حاصل ہے، اہل ایمان اس روز
خوشیاں منائیں گے،☆ ﴿٥﴾ اللہ کی مدد پر، اللہ جسے چاہتا
ہے نصرت عطا فرماتا ہے اور وہ غالب آنے والا، رحم کرنے
والا ہے۔ ﴿٦﴾ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کی
خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
﴿٧﴾ لوگ تو دنیا کی ظاہری زندگی کے بارے میں جانتے
ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔ ﴿٨﴾ کیا انہوں نے اپنے
(دل کے) اندر یہ غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور

ہے۔

سورہ روم

٢۔ روم سے مراد قدیم "رومن ایمپائر" کا وہ مشرقی حصہ ہے جو ٣٩٥ء میں اس سے کٹ کر خود ایک الگ سلطنت بن گیا۔ مسیحیوں کے قبضے میں یہ سلطنت ١٤٥٣ء تک رہی۔ اس کے بعد ترکوں کے قبضے میں آ گئی۔ اس کا دارالحکومت استنبول یا قسطنطنیہ تھا اور اسی کا قدیم نام "جدید روم" بھی ہے۔ شام، فلسطین اور ایشیائے کوچک کے علاقے سب اسی میں شامل تھے۔ (دریابادی)

رومیوں پر ایرانیوں کا غلبہ ٦١٥ء میں پورا ہوا، جو تقریباً ٦ سال قبل از ہجرت ہے۔ یہی اس آیت کے نزول کا زمانہ ہے۔ مشرکین مکہ ایرانی مجوسیوں کے غلبے پر خوش تھے، کیونکہ مجوسی بھی توحید، وحی اور نبوت کے قائل نہ تھے، اس وجہ سے وہ مشرکین کے قریب المذہب سمجھے جاتے تھے۔ جبکہ رومی عیسائی وحی و رسالت کے ماننے والے اور مسلمانوں کے قریب المذہب تھے۔

٣۔٤ قرآن کا ایک عظیم زندہ معجزہ ہے کہ رومیوں کی شکست کی خبر کے ساتھ چند سالوں میں ایرانیوں پر رومیوں کے غالب آنے کی پیشگوئی فرما دی اور مدت کا تعین بھی لفظ بِضۡعِ کے ساتھ فرمایا، کیونکہ لفظ بِضۡعِ کا اطلاق تین سے دس تک کی مقدار پر ہوتا ہے جو ٦٢٤ء میں پوری ہو گئی اور رومیوں کو ایرانیوں پر فتح مل گئی۔ اسی سال جنگ بدر میں مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی۔

٨۔ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ: کیا وہ اپنے اندر، یعنی اپنے دل میں

الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۹ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ ع اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو برحق اور معینہ مدت کے لیے خلق کیا ہے؟ اور لوگوں میں یقیناً بہت سے ایسے ہیں جو اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔☆ ⑨ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا؟ جب کہ وہ قوت میں ان سے زیادہ تھے انہوں نے زمین کو تہ و بالا کیا (بویا جوتا) اور انہوں نے زمین کو ان سے کہیں زیادہ آباد کر رکھا تھا جتنا انہوں نے زمین کو آباد کر رکھا ہے اور ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے، پس اللہ تو ان پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔☆ ⑩ پھر جنہوں نے برا کیا ان کا انجام بھی برا ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کی تھی اور وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ ⑪ اللہ خلقت کی ابتدا فرماتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ فرماتا ہے پھر تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔☆ ⑫ اور جس روز قیامت

---

نہیں سوچتے کہ اس کائنات کو عبث اور لغو نہیں، ایک مقصد و حکمت کے تحت بنایا ہے اور ایک مدت معین کے لیے خلق کیا ہے۔ اس معین مدت کے بعد آخرت کا عالم شروع ہوگا۔ بعض نے فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ کے معنی یہ کیے ہیں: کیا انہوں نے اپنے وجود کے بارے میں فکر نہیں کیا۔ لیکن یہ معنی سیاق آیت کے خلاف ہے۔ اگرچہ اپنی جگہ یہ بات بھی درست ہے کہ انسان خود اپنے بارے میں فکر کرے تو سمجھ جاتا ہے کہ اس انسان کو اللہ نے اس دنیاوی زندگی کے لیے نہیں بنایا۔ اگر ایسا ہوتا تو جس قدر اس زندگی کی آسائشیں اسے مل جاتیں اسی قدر اسے زیادہ سکون مل جاتا، جبکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ جس قدر کسی کے پاس یہ دنیا زیادہ آتی ہے وہ زیادہ بے سکون ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کی اصل منزل دنیوی زندگی نہیں ہے۔

۹۔ اَثَارُ کے معنی تہ و بالا کرنے کے ہیں جو آبادکاری کے لیے کیا جاتا ہے۔ زمین کو تہ و بالا کرنے میں زراعت بھی شامل ہے نیز کان کنی اور نہریں بنانا بھی۔

۱۱۔ اللہ کے لیے جب خلقت کی ابتدا مشکل نہیں ہے تو اس کا اعادہ کیسے مشکل ہوگا۔ اعادہ تو ابتدا سے زیادہ آسان ہے۔

۱۲۔ قیامت کے دن جب حقائق سامنے آئیں گے، پھر مشرکین اپنے جرائم پر نظر ڈالیں گے تو نتیجہ یاس و

يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَ كَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑬ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ⑮ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ⑯ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ⑰ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ⑱ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ

برپا ہوگی مجرمین ناامید ہوں گے۔☆ ⑫ اور ان کے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔ ⑬ اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن لوگ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔☆ ⑭ پھر جنہوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال انجام دیے وہ جنت میں خوشحال ہوں گے۔ ⑮ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی وہ عذاب میں پیش کیے جائیں گے۔ ⑯ پس اللہ کی ذات پاک ومنزہ ہے جب تم شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو۔☆ ⑰ ثنائے کامل اللہ کے لیے ہے آسمانوں اور زمین میں تیسرے پہر کو اور جب تم ظہر کرو (اللہ کی حمد کرو)۔☆ ⑱ اور وہ زندہ کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ

ناامیدی ہوگا۔

۱۴۔ قیامت کے دن دنیا کی ساری بندشیں ٹوٹ جائیں گی، یہاں ایمان وکفر کی بنیاد پر تقسیم بندی ہو گی۔ ایمان والے جنت میں خوشحال وشاداں ہوں گے اور کفر والے عذاب میں ہوں گے۔

۱۷۔ یہ آیات اوقات نماز کے لیے صریح نہیں ہیں۔ اولاً سبحان اللہ کو سبحوا اللہ کے معنی میں لینا خلاف ظاہر ہے۔ ثانیاً ان آیات میں چار اوقات کا ذکر ہے، جبکہ نماز کے پانچ اوقات ہیں۔

۱۸۔ اللہ کی تسبیح وتمجید کا اوقات کے ساتھ ربط ہے۔ یعنی اللہ کے اس کائناتی نظام میں صبح وشام اور روز وشب کی تبدیلیوں کے ساتھ اس بات کا شعور بیدار ہونا چاہیے کہ ایک پاک ومنزہ ذات کے ارادے سے یہ مناظر بدل رہے ہیں۔

۱۹۔ بے جان مادے سے جاندار، حیوانات اور نباتات پیدا ہوتے ہوئے ہم روز دیکھتے ہیں۔ اس ذات کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔

۲۰۔ بے جان عناصر ارضی سے ایک عقل وشعور کا مالک پیدا کرنا کیا اللہ کی قدرت کاملہ کی دلیل نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے مرنے کے بعد بھی ایسا کر سکتا ہے۔

۲۱۔ اول تو زن ومرد کی تخلیق میں توازن روز اول سے لے کر آج تک برقرار ہے۔ نہ عورتوں کے لیے

تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ
تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ
مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ
اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ
وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ
النَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ
اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ
مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ

گے۔☆ ﴿۲۰﴾ اور یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر تم انسان ہو کر (زمین میں) پھیل رہے ہو۔☆ ﴿۲۱﴾ اور یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے ازواج پیدا کیے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے مابین محبت اور مہربانی پیدا کی، غور وفکر کرنے والوں کے لیے یقینا ان میں نشانیاں ہیں۔☆ ﴿۲۲﴾ اور آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے، علم رکھنے والوں کے لیے یقینا اس میں نشانیاں ہیں۔☆ ﴿۲۳﴾ اور تمہارا رات میں سو جانا اور دن میں اس کا فضل (رزق) تلاش کرنا اس کی نشانیوں میں سے ہے، (دلائل کو توجہ سے) سننے والوں کے لیے یقینا اس میں نشانیاں ہیں۔☆ ﴿۲۴﴾ اور خوف اور طمع کے ساتھ تمہیں بجلی کی چمک دکھانا اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرنے کے لیے آسمان سے پانی برسانا بھی اس کی نشانیوں میں سے

مردوں کی قلت پیش آتی ہے اور نہ مردوں کے لیے عورتوں کی قلت۔ ثانیاً اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں ایک دوسرے کے لیے کشش ودیعت فرمائی کہ ایک کو دوسرے سے سکون مل جائے۔ سوم یہ کہ ان دونوں میں حاکم اور محکوم کا نہیں، محبت و شفقت کا رابطہ قائم کیا۔ دونوں احترام آدمیت میں مساوی ہیں۔

۲۲۔ اسی لب و دہن اور چند محدود حروف سے نہ ختم ہونے والے الفاظ بنتے جاتے ہیں اور لاکھوں زبانیں وجود میں آتی ہیں۔

۲۳۔ نیند اللہ کی واضح نشانی ہے جس سے انسان کو وہ طاقت واپس مل جاتی ہے جو دن میں زندگی کی دوڑ دھوپ میں خرچ ہو گئی تھی۔ اگر انسان کی تخلیق ایک باشعور و باارادہ ہستی کی طرف سے نہ ہوئی ہوتی تو اندھے بے شعور مادے کو نیند کے ذریعے انسان کو ہمیشہ مستعد رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

نیند ایک نعمت ہے۔ اس زندگی کا گزارنا کوئی آسان کام نہیں۔ دنیا ہمیشہ آپ کی خواہش کے مطابق نہیں چلتی۔ پریشانی اور ذہنی تناؤ اس زندگی کا حصہ ہیں۔ جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی۔ دوسری طرف دن بھر کی جفاکشی اور محنت کے بعد آپ کے اعصاب تھک جاتے ہیں۔ نیند ایک ایسی نعمت ہے جس میں انسان تمام پریشانیوں سے بے خبر سو جاتا ہے، خستہ اعصاب کو سکون ملتا ہے اور بدن کی

بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ
السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا
دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ
تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ
یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ
عَلَیْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ ع
ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ
مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا
رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ
كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

ہے، عقل سے کام لینے والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانیاں
ہیں۔ ﴿۲۵﴾ اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان
اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمہیں زمین
سے ایک بار پکارے گا تو تم یکایک نکل آؤ گے۔☆
﴿۲۶﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے اور
سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔☆ ﴿۲۷﴾ اور وہی خلقت کی
ابتدا کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرتا ہے اور یہ اس کے لیے
زیادہ آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اس کے لیے
اعلیٰ شان ومنزلت ہے اور وہ غالب آنے والا، حکمت والا
ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ وہ تمہارے لیے خود تمہاری ایک مثال دیتا
ہے، جن غلاموں کے تم مالک ہو کیا وہ اس رزق میں
تمہارے شریک ہیں جو ہم نے تمہیں دیا ہے؟ پھر وہ اس
میں (تمہارے) برابر ہو جائیں اور تم ان سے اس طرح
ڈرنے لگو جس طرح تم (آزاد) لوگ خود ایک دوسرے سے
ڈرتے ہو؟ عقل رکھنے والوں کے لیے ہم اس طرح نشانیاں

---

صلاحیتیں دوبارہ تازہ دم ہوجاتی ہیں۔

۲۵۔ آسمان اور زمین امر خدا سے قائم ہیں۔ یعنی یہ دونوں اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ہر آن اللہ کے حکم کے محتاج ہیں۔ اگر ایک لمحے کے لیے بھی اللہ اپنا امر اٹھالے تو ان کا وجود صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔

۲۶۔ اللہ اس کائنات کا حقیقی مالک ہے اور کائنات اللہ کی مملوک ہے۔ اپنے وجود میں بھی وہ اپنے مالک کی محتاج ہے اور اپنی بقاء میں بھی محتاج ہے۔ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ، وہ بلحاظ تکوین تابع فرماں ہے۔

۲۷۔ اللہ کے لیے کوئی کام کسی دوسرے کام سے مشکل نہیں ہوتا کہ آسانی کا تصور آ جائے۔ یہ تعبیر بشری فہم کے مطابق اختیار کی گئی ہے کہ جہاں نقش اول مشکل ہوتا ہے، نقش دوم آسان تر ہوتا ہے۔ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی اللہ کی لامحدود قدرت، حیات، علم، مالکیت، عظمت اور جود وسخا کے چھوٹے چھوٹے اور محدود نمونے آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں۔ یہاں موجود محدود حیات اللہ کی لامحدود حیات کا نمونہ ہے اور انسانی ضمیر کے اندر جو عدالت ہے وہ اللہ کی بڑی عدالت گاہ کا نمونہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

وفی کل شی لہ آیۃ تدل علی انہ واحد۔

۲۸۔ مشرکین اللہ کو مالک تسلیم کرتے ہیں، اس کے بعد کسی مملوک کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس مثال میں یہ وضاحت ہے کہ تم اللہ کے دیے ہوئے مال میں اپنے مملوک غلام کو شریک کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو، لیکن یہ بات کس قدر نامعقول ہے کہ اللہ کے مملوک اور مخلوق کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔

۳۰۔ جس نے خلق فرمایا اسی نے اس مخلوق کے لیے نظام حیات (دین) مرحمت فرمایا: لہٰذا جس طرح کائنات کا نظام باہمی ہم آہنگی پر قائم ہے، اسی

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

کھول کر بیان کرتے ہیں۔☆ ﴿۲۹﴾ مگر ظالم لوگ نادانی میں اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں پس جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ﴿۳۰﴾ پس (اے نبی) یکسو ہو کر اپنا رخ دین (خدا) کی طرف مرکوز رکھیں، (یعنی) اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے، یہی محکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿۳۱﴾ اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہونا۔☆ ﴿۳۲﴾ جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور جو گروہوں میں بٹ گئے، ہر فرقہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔☆ ﴿۳۳﴾ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک فرقہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

---

طرح دین اور فطرت میں بھی کامل ہم آہنگی ہے، بلکہ دین انسانی خمیر سے عبارت ہے۔ جیسے کھانا پینا فطری تقاضا ہے، اسی طرح دینداری بھی انسانی فطرت کا بنیادی تقاضا ہے۔ فطرت و شریعت کی یہ وحدت دین قیم ہے۔ دین، انسانی جبلت سے قابل تفریق نہیں ہے۔

واضح رہے دین کے فطری ہونے کا مطلب یہ کہ انسان اپنی فطرت سے دینی کلیات کو سمجھ سکتا ہے، جیسے توحید، لیکن اس فطری تقاضے پر عمل کرنے کے لیے تفصیل کا جاننا پیغمبروں کی آمد پر موقوف ہے۔

(استفادہ از قاموس قرآن)

۳۱۔ ۳۲ ہر انحراف کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ نماز قائم کرو۔ مشرکین میں شامل نہ ہو۔ ان دو آیات میں یہ احکام آئے ہیں، اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے، لیکن حکم میں سب شامل ہیں:

۱۔ دین فطرت کی طرف اپنی توجہ مرکوز رکھو۔

۲۔ اللہ کی طرف ہر مرحلے میں رجوع کرو۔

۳۔ تقویٰ اختیار کرو۔

۴۔ نماز قائم کرو۔

۵۔ مشرکین میں شامل نہ ہوں۔

۶۔ اور جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی ہے ان میں بھی شامل نہ ہوں، کیونکہ شرک ہوس پرستی کی وجہ سے وجود میں آتا ہے اور خواہشات کی بنیاد پر

بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ ۗ فَتَمَتَّعُوا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾
اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ
بِمَا كَانُوا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَ اِذَآ اَذَقْنَا
النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۗ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ
يَقْنَطُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى
حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۗ ذٰلِكَ
خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا
لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ

﴿٣٤﴾ تاکہ جو ہم نے انہیں بخشا ہے اس کی ناشکری کریں، پس اب مزے اڑاؤ، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔☆ ﴿٣٥﴾ کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے جو اس شرک کی شہادت دے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔☆ ﴿٣٦﴾ اور جب ہم لوگوں کو کسی رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتے ہیں اور جب ان کے برے اعمال کے سبب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس ہونے لگتے ہیں۔☆ ﴿٣٧﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ اور تنگ کر دیتا ہے؟ مومنین کے لیے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔ ﴿٣٨﴾ پس تم قریبی رشتہ داروں کو اور مسکین اور مسافر کو ان کا حق دے دو، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی چاہتے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔☆ ﴿٣٩﴾ اور جو سود تم لوگوں کے اموال میں افزائش کے لیے دیتے ہو وہ اللہ کے نزدیک افزائش نہیں

جو چیز قائم ہوگی، اس میں اختلاف ضرور آئے گا، چونکہ لوگوں کی خواہشات مختلف ہوتی ہیں۔

۳۴۔ لِيَكْفُرُوا: لام برائے بیان عاقبت ہے۔ یعنی شرک کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کفر اختیار کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ لام امر غائب کے لیے ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ بنتا ہے: ۔۔۔ ناشکری کرو اور مزے اڑاؤ۔ یہ تہدید کی صورت بنتی ہے۔

۳۵۔ دلیل کا واحد مصدر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سنت رسول ﷺ اگر دلیل ہے تو اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کی بنیاد پر ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ سے مربوط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ حکم کے بغیر بندہ جو عمل خود سے انجام دیتا ہے اور اسے اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے تو یہ بات اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ میں مداخلت ہے۔

۳۶۔ جو شخص بھی ایک محکم اور استوار موقف پر قائم نہیں ہے وہ بدلتے حالات کی رو میں تنکے کی طرح بہ جاتا ہے۔ خوشحالی پر اترانا اور گردش ایام میں ناامیدی کی تاریکی میں ڈوب جانا بے موقف انسان کا شیوہ ہو سکتا ہے، جبکہ اللہ پر پختہ یقین رکھنے والے لوگ جبل راسخ کی طرح ہوتے ہیں اور وہ سخت آندھیوں سے نہیں ہلتے۔

۳۸۔ آیت کے مکی ہونے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ”قرابتداروں کا حق دے دو“ سے مراد ہر قسم کا احسان ہے اور اگر اسے مدنی مان لیا جائے تو اس سے مراد خمس ہو سکتا ہے۔ سیاق آیت سے عندیہ ملتا ہے کہ قرابتداروں، مساکین اور مسافروں کے لیے کوئی حق معین ہو چکا تھا جس کے بارے میں اس

اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

پاتا اور جو زکوۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو پس ایسے لوگ ہی (اپنا مال) دو چند کرنے والے ہیں۔☆ ﴿۳۹﴾ اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو ان میں سے کوئی کام کر سکے؟ پاک ہے اور بالاتر ہے وہ ذات اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔☆ ﴿۴۰﴾ لوگوں کے اپنے اعمال کے باعث خشکی اور سمندر میں فساد برپا ہو گیا تا کہ انہیں ان کے بعض اعمال کا ذائقہ چکھایا جائے، شاید یہ لوگ باز آجائیں۔☆ ﴿۴۱﴾ کہد یجیے: زمین میں چل پھر کر دیکھو گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔ ﴿۴۲﴾ لہٰذا آپ اپنا رخ محکم دین کی طرف مرکوز رکھیں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس کے اللہ کی طرف سے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہے، اس دن لوگ پھوٹ کا شکار ہوں

آیت میں حکم ہوا: "وہ حق دے دو"۔

۳۹۔ اپنے کاروبار میں سہولت اور دولت میں اضافے کے لیے بااثر لوگوں کو تم جو مال و تحائف پیش کرتے ہو اس سے سرمائے میں اضافہ نہیں ہوتا۔ سرمائے میں اضافہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اس سے تمہاری دولت بڑھے گی۔

ربا سے مراد یہاں اصطلاحی "سود" نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کا اضافہ مقصود ہے اور نہ ہی زکوۃ سے مراد اصطلاحی زکوۃ ہے، بلکہ ہر قسم کا صدقہ مراد ہے۔

۴۰۔ مشرکین اللہ کو خالق تسلیم کرتے ہیں، رازق تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اپنے معبودوں میں سے بعض کو رزق کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں خلق کے ساتھ رزق کا بھی ذکر اس لیے کیا ہے کہ رزق بھی تخلیق مسلسل کا نام ہے۔ لہٰذا رازق خالق سے جدا نہیں ہو سکتا۔

۴۱۔ ممکن ہے اشارہ ایران و روم کے درمیان جنگ کی طرف ہو۔ اس وقت کی جنگوں میں سمندری بیڑا بھی استعمال میں لایا جاتا تھا۔ دراصل لوگوں کے اپنے اعمال یعنی ظلم و استحصال کی وجہ سے فساد برپا ہوتے ہیں۔

۴۳۔ يَصَّدَّعُوْنَ: قیامت کے دن لوگ پھوٹ کا شکار ہوں گے۔ کچھ جنت میں، کچھ جہنم میں جائیں گے۔ یا اس پھوٹ سے مراد ایک دوسرے سے جدا ہونا یا فرار کرنا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ

گے۔☆ ﴿۴۳﴾ جس نے کفر کیا اس کے کفر کا ضرر اسی کے لیے ہے اور جنہوں نے نیک عمل کیا وہ اپنے لیے ہی راہ سدھارتے ہیں،☆ ﴿۴۵﴾ تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال انجام دینے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے، بے شک وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔☆ ﴿۴۶﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہواؤں کو بشارت دہندہ بنا کر بھیجتا ہے تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا ذائقہ چکھائے اور کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شاید تم شکر کرو۔☆ ﴿۴۷﴾ اور بتحقیق ہم نے آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کو ان کی اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا ہے، سو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے، پھر جنہوں نے جرم کیا ان سے ہم نے بدلہ لیا اور مومنین کی مدد کرنا ہمارے ذمے ہے۔☆ ﴿۴۸﴾ اللہ ہی ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر اسے جیسے اللہ چاہتا ہے آسمان پر پھیلاتا ہے پھر اسے

۴۴۔ اس آیت میں قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ یہاں کفر و ایمان کا مقابلہ نہیں ہے، بلکہ کفر اور عمل صالح کا مقابلہ ہے۔ اس سے یہ بات نہایت واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان عمل صالح سے عبارت ہے، چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: الایمان عمل کلہ (الکافی ۲: ۳۳) ایمان مکمل طور پر عمل ہی سے عبارت ہے۔

۴۵۔ اپنے فضل سے جزا دے۔ یعنی جزا اور ثواب اللہ کے فضل و کرم کی وجہ سے ملتا ہے، ورنہ ہم اس کے مملوک اور مخلوق ہیں، جو بھی ہم عمل کریں اس سے اللہ کی نعمتوں کا حق ادا نہیں ہوتا، چہ جائیکہ کسی اجر و ثواب کے مستحق ہو جائیں۔

۴۶۔ ہوا میں موجود خدا کی نشانیوں کی طرف اشارہ ہے: ☆ہوا کے چلنے سے انسان میں بشاشت آجاتی ہے اور ہوا اپنے ساتھ بارش کی نوید بھی لے کر آتی ہے۔ ☆ہوا رحمت خداوندی سے بہرہ مند کر دیتی ہے۔ زمین سے ہر قسم کی نعمت بارش کی وجہ سے نمودار ہوتی ہے۔ ☆ہوا کشتیوں کو بھی چلاتی ہے۔ ☆اسی ہوا اور کشتی کے ذریعے لوگ اللہ کا فضل یعنی روزی تلاش کرنے کے لیے سفر کرتے ہیں۔

۴۷۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی جاتی تھی اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت حق پر قائم تھی۔ طاقتور باطل کے

يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ
يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۚ﴿۴۸﴾
وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ
مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ
رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا
رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ
يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى
وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا
مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ
ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ

ٹکڑوں کا انبوہ بنا دیتا ہے پھر آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے بیچ
میں سے بارش نکلنے لگتی ہے پھر اس (بارش) کو اپنے بندوں
میں سے جس پر وہ چاہتا ہے برسا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے
ہیں۔☆ ﴿۴۹﴾ جب کہ اس بارش کے ان پر برسنے سے پہلے
وہ ناامید ہو رہے تھے۔ ﴿۵۰﴾ اللہ کی رحمت کے اثرات کا
نظارہ کرو کہ وہ زمین کو کس طرح زندہ کر دیتا ہے اس کے مردہ
ہونے کے بعد، یقیناً وہی مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے
اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔☆ ﴿۵۱﴾ اور اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں
جس سے وہ کھیتی کو زرد ہوتے دیکھ لیں تو وہ اس کے بعد
ناشکری کرنے لگتے ہیں۔☆ ﴿۵۲﴾ آپ یقیناً مردوں کو نہیں
سنا سکتے اور نہ ان بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں جب کہ وہ
پشت پھیرے جا رہے ہوں۔☆ ﴿۵۳﴾ اور نہ ہی آپ
اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر ہدایت دے سکتے ہیں،

---

مقابلے میں یہ بے سروسامان جماعت صرف اللہ کی نصرت کی امید میں استقامت دکھاتی تھی۔ ایسے مؤمنین کی نصرت اللہ کے ذمے ہے۔

۴۸۔ ہواؤں سے مزید یہ کام بھی لیے جاتے ہیں: ☆ یہ بادلوں کو آسمان پر اٹھاتی ہیں۔☆ پھر آسمان میں انہیں پھیلا دیتی ہیں۔☆ پھر انہیں ٹکڑوں میں تقسیم کرتی ہیں، پھر بارش کے قطرے مختلف علاقوں میں گرتے ہیں۔

۵۰۔ یہ قرآن کا طرز استدلال ہے، جس میں دلیل کے عناصر مشاہدات و محسوسات سے لیے جاتے ہیں، کیونکہ انسان کے مشاہدے میں یہ بات ہے کہ بارش سے مردہ زمین میں جان آ جاتی ہے، بنا برایں یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ وہی خالق اسے بھی دوبارہ زندہ کرے گا۔: وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ النَّشۡاَۃَ الۡاُوۡلٰی فَلَوۡ لَا تَذَكَّرُوۡنَ۔ (واقعہ: ۶۲) تم پہلی پیدائش کو جان چکے ہو، پھر تم عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے؟

۵۱۔ پچھلی نعمتوں کو فراموش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی مشروط بندگی کرتے ہیں۔ یعنی بشرط خوشحالی اللہ کی بندگی کرتے ہیں۔

۵۲۔ یعنی جو لوگ ہدایت کے اہل نہیں ہیں، انہیں آپ بزور ہدایت نہیں دے سکتے۔ جیسا کہ اللہ ارحم الراحمین ہے۔ لیکن اگر کوئی رحمت خدا کے لیے اہل نہیں ہے تو اللہ کی رحمت اس کے شامل حال نہیں ہو سکتی۔

بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝٥٣ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝٥٤ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝٥٥ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٥٦ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝٥٧ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ

(ع ٥ / ٨) ق۔ حفص بضم الضاد و فتحها في الثلاثة لكن الضم مختار ١٢

آپ صرف انہیں سنا سکتے ہیں جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں اور فرمانبردار ہیں۔ ۝٥٣ اللہ وہ ہے جس نے کمزور حالت سے تمہاری تخلیق (شروع) کی پھر کمزوری کے بعد قوت بخشی پھر قوت کے بعد کمزور اور بوڑھا کر دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ بڑا جاننے والا صاحب قدرت ہے۔☆ ۝٥٤ اور جس روز قیامت برپا ہو گی مجرمین قسم کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) گھڑی بھر سے زیادہ نہیں رہے، وہ اسی طرح الٹے چلتے رہتے تھے۔☆ ۝٥٥ اور جنہیں علم اور ایمان دیا گیا تھا وہ کہیں گے: نوشتہ خدا کے مطابق یقینا تم قیامت تک رہے ہو اور یہی قیامت کا دن ہے لیکن تم جانتے نہیں تھے۔☆ ۝٥٦ پس اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہ دے گی اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لیے کہا جائے گا۔ ۝٥٧ اور بتحقیق ہم نے لوگوں

٥٤۔ اور انسان جو نہایت کمزور جرثومہ، کمزور بوند، کمزور جنین اور کمزور شیر خوار بچہ تھا، بعد میں کچھ طاقت و قوت کا مالک بن جاتا ہے، جس میں یہ نادان انسان اپنے ماضی اور مستقبل سے غافل ہوتا ہے، اتنے میں پھر ضعیفی اسے آلیتی ہے۔

٥٥۔٥٦ اہل علم و ایمان دنیاوی زندگی کے مراحل سے آگاہ ہوتے ہیں کہ یہ ایک سفر ہے اور منزل ان کے سامنے ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ مرنے کے بعد کے مراحل سے بھی آگاہ ہوتے ہیں، جبکہ جو لوگ علم و ایمان سے محروم ہیں، وہ اس زندگی کے مراحل اور منازل سے بے خبر ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد کے مراحل سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ قیامت برپا ہوتے ہی دنیاوی زندگی جو اس نے عیش و عشرت اور لاپرواہی میں گزاری ہے، ایک گھڑی سے زیادہ معلوم نہیں ہوگی۔

ان آیات سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو حیات برزخی حاصل نہیں تھی، وہ یہ خیال کریں گے کہ مرنے کے بعد فوراً اٹھائے گئے ہیں۔ جیسا کہ سورہ یٰس میں فرمایا: مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا۔

جبکہ اہل علم و ایمان کو حیات برزخی حاصل تھی۔ ان کو اس مدت کا اندازہ ہے جو ان کی موت اور قیامت کے درمیان گزری ہے۔ اس لیے یہ اہل علم و ایمان دوسروں سے کہیں گے: وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ لیکن تم جانتے نہیں تھے۔

٥٨۔ حالانکہ قرآن نے مختلف اسالیب میں واضح الفاظ اور محسوس و مشاہداتی مثالوں کے ساتھ ان پر

| | |
|---|---|
| هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَىِٕنْ | کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے اور اگر |
| جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا | آپ ان کے سامنے کوئی نشانی پیش کر بھی دیں تو کفار ضرور |
| اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ | کہیں گے: تم تو صرف باطل پر ہو۔☆ ﴿٥٩﴾ اس طرح اللہ |
| اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٩﴾ | ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو علم نہیں رکھتے۔☆ |
| فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ | ﴿٦٠﴾ پس (اے نبی) آپ صبر کریں، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے |
| الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع | اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو سبک نہ پائیں۔☆ |

## ٣١ سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ ٥٧ — اٰياتها ٣٤ — ركوعاتها ٤

سورہ لقمان۔ مکی۔ آیات ٣٤

| | |
|---|---|
| بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | بنام خدائے رحمٰن رحیم |
| الٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ | ﴿١﴾ الف، لام، میم۔ ﴿٢﴾ یہ حکمت بھری کتاب کی آیات |
| هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣﴾ الَّذِيْنَ | ہیں۔ ﴿٣﴾ نیکوکاروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے، |
| يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ | ﴿٤﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہی تو |
| وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾ اُولٰٓىِٕكَ | آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ﴿٥﴾ یہی لوگ اپنے رب کی |
| عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ | طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے |

حجت پوری کی ہے۔

۵۹۔ جب اللہ کسی کو ناقابل ہدایت دیکھ کر اس سے ہاتھ اٹھاتا ہے اور اس کو اپنے حال پر چھوڑتا ہے تو اللہ کے علاوہ کوئی اور اسے ہدایت نہیں دے سکتا۔ اسی مطلب کو "مہر لگا دیتا ہے" کی تعبیر سے بیان فرماتا ہے۔

۶۰۔ یعنی آپ کو دشمن ایسا سبک نہ پائیں کہ آپ ان کی دھمکیوں، ان کے طعنوں، تمسخروں سے بے حوصلہ ہو جائیں، بلکہ دشمن کی تمام تر سازشوں کے مقابلے آپ کے عزم و ارادے میں مزید مضبوطی آنی چاہیے واضح رہے کہ یہ کوئی حکم تشریعی نہیں ہے، بلکہ امر تکوینی ہے، جو حتماً وقوع پذیر ہوگا۔

### سورہ لقمان

۶۔ اس آیت کے شان نزول میں مروی ہے کہ نضر بن حارث تاجر تھا اور فارس (ایران) کے علاقوں میں سفر کرتا تھا اور وہاں کی داستانوں پر مشتمل کتب خرید کر لاتا اور انہیں قریش والوں کو سنایا کرتا اور کہتا تھا: محمد ﷺ تمہیں عاد و ثمود کی داستانیں سناتا ہے اور میں تمہیں رستم و اسفندیار اور بادشاہوں کی داستانیں سناتا ہوں۔ چنانچہ لوگ قرآن کی جگہ یہ داستانیں سنا کرتے تھے۔ (مجمع البیان)

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: غناوہ گناہ ہے جس پر اللہ نے جہنم کی سزا رکھی ہے، پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا: غنا بھی لَهْوَ الْحَدِيْثِ میں شامل ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے۔ (المیزان)

الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸ لا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰

ہیں۔ ۶ اور انسانوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو بیہودہ کلام خریدتے ہیں تاکہ نادانی میں (لوگوں کو) راہ خدا سے گمراہ کریں اور اس (راہ) کا مذاق اڑائیں، ایسے لوگوں کے لیے ذلت میں ڈالنے والا عذاب ہوگا۔☆ ۷ اور جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ تکبر کے ساتھ اس طرح منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو، گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں، پس اسے دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔☆ ۸ جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال انجام دیں ان کے لیے نعمت والے باغات ہوں گے، ۹ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ ۱۰ اس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر پیدا کیا جو تمہیں نظر آئیں اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈگمگا نہ جائے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس (زمین) میں ہر

۷۔ یعنی جو لوگ لَهْوَ الْحَدِيْثِ یعنی غنا جیسے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں ان کو اگر اللہ کی آیات پڑھ کر سنا دی جائیں تو وہ بڑی نخوت کے ساتھ منہ موڑ لیتے ہیں۔ (صدق الخالق) تمسخر کرنے والے متکبرین کی نخوت توڑنے کے لیے از راہ تمسخر فرمایا: ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔

۱۰۔ زَوْجٍ كَرِيْمٍ: یعنی نفیس جوڑے۔ اس سلسلے میں اب تک جو حقیقت سامنے آئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر نبات نر و مادہ خلیوں پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں یا تو کبھی ایک پھول میں ہوتے ہیں اور کبھی ایک میں نر دوسرے میں مادہ، کبھی ایک شاخ میں نر اور دوسری میں مادہ، کبھی ایک درخت میں نر اور دوسرے میں مادہ۔ جب تک کسی ذریعے سے ان دونوں میں ملاپ نہ ہو وہ درخت پھل نہیں دیتا۔

نامرئی ستونوں کے بارے میں سورہ رعد آیت ۲ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۱۔ خلق و تدبیر ایک ہی ذات سے مربوط ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خلق کوئی کرے، تدبیر کوئی اور کرے۔ مشرکین سے خطاب ہے کہ سابقہ آیت میں مذکور ساری چیزیں اللہ کی تخلیق ہیں، مجھے دکھاؤ اللہ کے سوا دوسروں نے کیا پیدا کیا ہے؟ جب سب مانتے ہیں کہ پیدا تو صرف اللہ کرتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ پھر تدبیر بھی صرف اللہ ہی کرتا ہے۔ پس غیر اللہ کے پاس کیا لینے جاتے ہو؟

۱۲۔ لقمان کے بارے میں اکثریت کی رائے یہ ہے کہ وہ ایک عبد صالح اور حکیم تھے۔ بعض روایات کے مطابق حبشی تھے اور سیاہ قوم سے تعلق رکھتے

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۱﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾ وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا

ع ۱ — وقف لازم — النصف

قسم کے نفیس جوڑے اگائے۔☆ ⑪ یہ ہے اللہ کی تخلیق، اب ذرا مجھے دکھاؤ اللہ کے سوا دوسروں نے کیا پیدا کیا ہے، بلکہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔☆ ⑫ اور بتحقیق ہم نے لقمان کو حکمت سے نوازا کہ اللہ کا شکر کریں اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے (فائدے کے) لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ یقینا بے نیاز، لائق ستائش ہے۔☆ ⑬ اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے بیٹا! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، یقینا شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ⑭ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں نصیحت کی، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری سہ کر اسے (پیٹ میں) اٹھایا اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے (نصیحت یہ کہ) میرا شکر بجا لاؤ اور اپنے والدین کا بھی (شکر ادا کرو آخر میں) بازگشت میری طرف ہے۔☆ ⑮ اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک قرار دے جس کا تجھے علم نہیں

---

تھے۔ بعض کے نزدیک ان کا تعلق مصر سے تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا تعلق قوم عاد سے تھا جو حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ بچ نکلنے والوں میں شامل تھے۔

عرب لوگ لقمان کی حکمت کے معترف تھے۔ اس لیے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ عقیدہ توحید کوئی نئی فکر نہیں ہے، بلکہ قدیم ایام میں لقمان حکیم بھی عقیدہ توحید کے داعی تھے۔

۱۴۔ اس بات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ والدین کو اولاد پر احسان کرنے کا ذکر نہیں فرمایا، کیونکہ یہ بات والدین کی فطرت میں ودیعت ہے کہ والدین اولاد کو جان سے عزیز رکھتے ہیں، جبکہ اولاد کو جانے والی نسل یعنی والدین پر احسان کے حکم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ یہ بات اللہ نے شریعت میں رکھی ہے۔

والدین کی شکرگزاری کو اللہ کی شکرگزاری کے ساتھ ذکر کرنے سے والدین کے احترام اور ان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ اللہ کی رحمت ہے کہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے کہ بڑھاپے کی ناتوانی میں ان کی اس حد تک سفارش فرماتا ہے کہ اسے اپنی ذات کے بعد دوسرے درجے پر رکھتا ہے۔ ماں کو زیادہ خصوصیت کے ساتھ اہمیت دینے کے لیے اولاد کو یاد دلایا جاتا ہے کہ اس نے تمہیں اپنے شکم میں ناتوانی کے ساتھ اٹھائے رکھا۔ پھر دو سال تک تمہیں دودھ پلایا۔ پس والدہ کے اس احسان کو فراموش نہ کرو۔

مَعۡرُوۡفًا ۫ وَّ اتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾ یٰبُنَیَّ اِنَّہَاۤ اِنۡ تَکُ مِثۡقَالَ حَبَّۃٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَکُنۡ فِیۡ صَخۡرَۃٍ اَوۡ فِی السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِی الۡاَرۡضِ یَاۡتِ بِہَا اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ ﴿۱۶﴾ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ انۡہَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ اصۡبِرۡ عَلٰی مَاۤ اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿ۚ۱۷﴾ وَ لَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ ﴿ۚ۱۸﴾ وَ اقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَ اغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ

ہے تو ان کی بات نہ ماننا، البتہ دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنا اور اس کی راہ کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہے، پھر تمہاری بازگشت میری طرف ہے، پھر میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو۔☆ ⑯ اے میرے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی (اچھی یا بری) چیز کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو تو اللہ اسے یقینا نکال لائے گا یقینا اللہ بڑا باریک بین، خوب باخبر ہے۔☆ ⑰ اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو اور نیکی کا حکم دو اور بدی سے منع کرو اور جو مصیبت تجھے پیش آئے اس پر صبر کرو، یہ معاملات میں عزم راسخ (کی علامت) ہے۔ ⑱ اور لوگوں سے (غرور و تکبر سے) رخ نہ پھیرا کرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلا کرو، اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو یقینا دوست نہیں رکھتا۔☆ ⑲ اور اپنی چال میں اعتدال رکھو اور اپنی آواز نیچی رکھ، یقینا آوازوں

بچے کو دو سال تک دودھ پلایا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ دودھ پلانا جائز نہیں ہے اور انہی دو سالوں کے اندر باقی شرائط کے ساتھ دودھ پلایا جائے تو رضاعت سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

۱۵۔ والدین خواہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں، اسلام کے نزدیک احترام آدمیت اور مقام انسانیت میں پھر بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ عقیدے میں ان کی بات نہ ماننے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ان کے ساتھ برتاؤ میں کوئی فرق آجائے۔ عقیدے سے ہٹ کر بھی انسان کا خصوصاً والدین کا ایک انسانی مقام ہوتا ہے۔

۱۶۔ یعنی اللہ سے کائنات کے کسی گوشے میں کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔

۱۸۔ تکبر و نخوت اور زمین پر اکڑ کر چلنا نفسیاتی بیماری کی علامت ہے، یعنی جس شخص کی شخصیت میں خلا ہو وہ اسے تکبر کے ذریعے پر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۱۹۔ نہ اکڑ کر چلو، نہ ہی ایسی حقیرانہ چال چلو جو وقار کے خلاف ہو، بلکہ اپنی چال کو اعتدال پر رکھو۔ آواز کا دھیما رکھنا اپنی شخصیت پر اعتماد کی علامت اور آداب کے مطابق ہے۔

۲۰۔ تسخیر کا مطلب ہے کسی چیز کو تابع ارادہ بنا دینا۔ آسمان میں موجود سورج، چاند اور ستارے ہماری زندگی کے لیے ضروری سامان فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح زمین ایک مہرباں ماں کی طرح ہمیں

الۡحَمِیۡرِ ﴿۱۹﴾ ع اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ اَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ لَا ہُدًی وَّ لَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ ﴿۲۰﴾ وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ کَانَ الشَّیۡطٰنُ یَدۡعُوۡہُمۡ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿۲۱﴾ وَ مَنۡ یُّسۡلِمۡ وَجۡہَہٗۤ اِلَی اللّٰہِ وَ ہُوَ مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۲۲﴾ وَ مَنۡ کَفَرَ فَلَا یَحۡزُنۡکَ کُفۡرُہٗ ؕ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ فَنُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ

میں سب سے بری گدھے کی آواز ہوتی ہے۔☆ ﴿۲۰﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے تمہارے لیے مسخر کیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں کامل کر دی ہیں اور (اس کے باوجود) کچھ لوگ اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس نہ علم ہے اور نہ ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب۔☆ ﴿۲۱﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے: جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں: ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، خواہ شیطان ان (کے بڑوں) کو بھڑکتی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو۔ ﴿۲۲﴾ اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا اور سب امور کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔☆ ﴿۲۳﴾ اور جو کفر کرتا ہے اس کا کفر آپ کو محزون نہ کرے، انہیں پلٹ کر ہماری طرف آنا ہے پھر ہم انہیں بتائیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں یقینا

---

اپنی گود میں پالتی ہے۔ ظاہری نعمتیں جیسے اعضائے بدن صحت وغیرہ، باطنی نعمتیں جیسے عقل و ارادہ، وجدانیات وغیرہ، کتنی نعمتیں خود ہمارے اپنے وجود میں ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہے۔ قرآن کا یہ موقف ہے کہ کسی بھی موقف کے لیے خود موقف والے کے پاس علم ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو کسی ہدایت کنندہ کی طرف سے ہدایت ہونی چاہیے یا آسمانی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہونی چاہیے۔ ان دلائل میں سے ایک دلیل بھی نہ ہو اور صرف اندھی تقلید ہو تو وہ موقف قابل اعتنا نہیں ہے۔

۲۲۔ وَجۡہَہٗ: ای ذاتہ و نفسہ۔ وجہ سے ذات مراد لینا قرآنی اصطلاح ہے۔ جیسا کہ فرمایا: کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجۡہَہٗ۔ ای ذاتہ۔ اپنی ذات کو اللہ کے حوالے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ذات اللہ کی ملکیت ہے اور ملکیت مالک کے حوالے ہوتی ہے اور اگر مالک کے علاوہ دوسرے تصرفات میں آئے تو یہ انحراف اور بغاوت ہے۔ چنانچہ مالک کے حوالے کر کے اس کے دائرۂ ملکیت میں نیک کام کیا جائے تو ہر قسم کے انحراف سے بچنے کے لیے مضبوط رسی اس کے ہاتھ میں آ گئی۔

۲۳۔ رسول کریم ﷺ کی خاطر تسلی کے لیے ہے۔ فرمایا: کفار کے کفر سے آپ محزون نہ ہوں یہ خود اپنے آپ کو شدید عذاب کے سپرد کر رہے ہیں۔

الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ

اللہ ہر وہ بات خوب جانتا ہے جو سینوں میں ہے۔☆ ﴿۲۴﴾ ہم انہیں (دنیا میں) تھوڑا مزہ لینے کا موقع دیں گے پھر انہیں مجبور کر کے شدید عذاب کی طرف لے آئیں گے۔ ﴿۲۵﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں: آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، :الحمد للہ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿۲۶﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی ملکیت ہے، وہ اللہ یقینا بے نیاز، لائق ستائش ہے۔☆ ﴿۲۷﴾ اور اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر کے ساتھ مزید سات سمندر مل (کر سیاہی بن) جائیں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے، یقینا اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ اللہ کے لیے تم سب کا پیدا کرنا پھر دوبارہ اٹھانا ایک جان (کے پیدا کرنے اور پھر اٹھانے) کی طرح ہے، یقینا اللہ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا

۲۵۔ مشرکین جب اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا خالق تسلیم کرتے ہیں تو انہیں ماننا پڑے گا کہ اس کائنات کا مدبر بھی اللہ ہے۔ کیونکہ تدبیر تخلیق سے جدا عمل نہیں ہے، بلکہ تدبیر تخلیق مسلسل کا دوسرا نام ہے۔

۲۶۔ اللہ کائنات کا مالک بھی ہے اور کائنات سے بے نیاز بھی ہے۔ دوسرے مالک اپنے مملوک کے محتاج ہوتے ہیں، لیکن اللہ اپنی بے احتیاجی کے ساتھ مالک ہے۔ یہی حقیقی مالک ہے۔

۲۷۔ انسان کے مشاہداتی امور کی روشنی میں، محسوساتی دنیا میں بسنے والوں کے لیے ایک مفروضہ اور ایک مثال ہے۔ کلمات خدا یعنی کلمہ کن کے نتیجے میں وجود میں آنے والی چیزوں کی ایک اجمالی فہرست تیار کرنا بھی ان درختوں سے بننے والے قلموں اور ان سمندروں سے بننے والی سیاہیوں کے بس میں نہیں ہے، چہ جائیکہ ان کلمات کا احاطہ ہو سکے۔ کیونکہ محدود کے لیے لامحدود کا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ سارے سمندر سیاہی بن جائیں تو خود سمندری موجودات کی فہرست تیار کرنے کے لیے بھی ناکافی ہوگا۔

۲۸۔ اللہ کے ایک ارادے سے مخلوق وجود میں آ جاتی ہے، خواہ وہ مخلوق ایک ہو یا ایک کھرب۔ لہٰذا اللہ کے لیے خلق اور اعادۂ خلق، کثرت یا قلت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب یکساں طور پر آسان ہیں۔

۲۹۔ اس کائنات کی تدبیر کے سلسلے میں چند ایک شعبوں کا ذکر ہے۔ اس میں سے ایک شعبہ دن رات کا ایک دوسرے میں داخل کرنے کا عمل ہے

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۫ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ

ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے؟ سب ایک مقررہ وقت تک چل رہے ہیں اور بتحقیق اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ یہ اس لیے کہ اللہ (کی ذات) ہی برحق ہے اور اس کے سوا جنہیں وہ پکارتے ہیں سب باطل ہیں اور اللہ ہی برتر و بزرگ ہے۔☆ ﴿۳۰﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کشتی سمندر میں اللہ کی نعمت سے چلتی ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے، تمام صبر اور شکر کرنے والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔ ﴿۳۱﴾ اور جب ان پر (سمندر کی) موج سائبان کی طرح چھا جاتی ہے تو وہ عقیدے کو اسی کے لیے خالص کر کے اللہ کو پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو ان میں سے کچھ اعتدال پر قائم رہتے ہیں اور ہماری نشانیوں کا وہی انکار کرتا ہے جو بدعہد ناشکرا ہے۔☆ ﴿۳۲﴾ اے لوگو! اپنے رب (کے غضب) سے بچو اور اس دن کا خوف کرو جس دن نہ باپ اپنے بیٹے کے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام

کہ مختلف موسموں میں رات کا کچھ حصہ دن میں اور دن کا کچھ حصہ رات میں داخل کیا جاتا ہے، جس سے مختلف موسم وجود میں آتے ہیں۔

۳۰۔ اللہ کی ذات ہی برحق ہے۔ کسی شے کے ثبوت، وجود اور اس کی واقعی اور نفس الامری حالت کو حق کہتے ہیں۔ صرف اللہ کی ذات ہے جو علی الاطلاق حق ہے، جو بذات خود موجود ہے۔ اس کا وجود کسی اعتبار اور کسی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ جب کہ باقی موجودات اللہ کے وجود کا سایہ ہیں، مشروط اور مقید وجود ہیں اور غیر اللہ اگر ارادہ الٰہی کے ساتھ مربوط ہے تو اس کو ایک وجود ظلی حاصل ہوگا، ورنہ وہ باطل اور نیستی محض ہے۔

۳۲۔ جب انسان کے دل و دماغ سے دنیاوی خواہشات کا پردہ ہٹ جاتا ہے اور انسان کو صرف اپنی فطرت کے ساتھ سرگوشی کرنے کا موقع ملتا ہے تو اس وقت اس فطرت کو اس کے خالق کے علاوہ کوئی سہارا نظر نہیں آتا، لیکن جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو کچھ تو اس درس کو یاد رکھتے ہیں اور کچھ لوگ پھر خواہشات کی اتھاہ گہرائیوں میں چلے جاتے ہیں۔

۳۳۔ قیامت کی ہولناکی کی یہ صورت ہوگی کہ نہ صرف باپ بیٹے کے لیے اور بیٹا باپ کے لیے کچھ نہ کر سکے گا، بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔

۳۴۔ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ: جو کچھ رحموں میں ہے، صرف اللہ جانتا ہے۔ یہاں سوال کرتے ہیں کہ انسان بھی جاننے لگے ہیں کہ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے، لڑکا ہے یا لڑکی؟ جواب یہ ہے کہ اول تو

عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٙ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿٣٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿٣٤﴾ ع ١٣

آئے گا، اللہ کا وعدہ یقینا سچا ہے لہٰذا دنیا کی یہ زندگی تمہیں دھوکہ نہ دے اور دھوکے باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں نہ رکھے۔☆ ﴿٣٣﴾ قیامت کا علم یقینا اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمانے والا ہے اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی، یقینا اللہ خوب جاننے والا، بڑا باخبر ہے۔☆

## ٣٢ سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ٧٥

اٰياتها ٣٠ — ركوعاتها ٣

سورۂ سجدہ۔ مکی۔ آیات ٣٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

الٓمّٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ

﴿١﴾ الف، لام، میم۔ ﴿٢﴾ ایسی کتاب کا نازل کرنا جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے رب العالمین کی طرف سے (ہی ممکن) ہے۔ ﴿٣﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے تاکہ آپ ایسی قوم کو تنبیہ کریں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں آیا، شاید وہ ہدایت

---

انسان بچے کی تخلیق مکمل ہونے کے بعد جانتا ہے۔ بچے کے پیدا ہونے کے بعد تو سب جانتے ہیں، لیکن انسان یہ نہیں جانتا کہ چار سو ملین جرثومۂ پدر میں سے کون سا جرثومہ ہے جو تخم مادر کے ساتھ جفت ہو گیا اور کس خاصیت کا جرثومہ ہے۔ چونکہ چار سو ملین جرثوموں میں سے ہر ایک اپنی جدا خاصیت رکھتا ہے۔ ثانیاً انسان صرف بچے کے مادی وجود کو جانتا ہے، اس کی حقیقت کو نہیں جانتا کہ کس خاصیت اور صلاحیت کا بچہ ہے۔ مزید تشریح کے لیے سورہ رعد آیت ٨ ملاحظہ فرمائیں۔

اپنی علمی پیشرفت اور تسخیر طبیعیت کے غرور کے باوجود انسان کو یہ نہیں معلوم کہ کل کیا کچھ پیش آنے والا ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کہ اسے موت کب اور کہاں آئے گی۔ کئی پردوں اور تاریکیوں کے پیچھے کھڑا انسان اللہ کی قدرت اور علم کے بارے میں سوال اٹھاتا ہے کہ وہ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟

### سورہ سجدہ

٣۔ یعنی ان کے پاس ایک طویل مدت سے کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں آیا۔ عربوں میں سب سے پہلے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے، پھر حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام مبعوث ہوئے اور ان میں آخری نبی حضرت شعیب علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سے دو ہزار سال پہلے مبعوث ہوئے۔ اس عرصے میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، لیکن ان میں ان انبیاء کا پیغام پہنچانے والے اور خدا کی حجت پوری کرنے والے موحدین ہمیشہ رہے ہیں۔

٤۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ: اللہ تعالیٰ پھر عرش پر متمکن ہو گیا۔ واضح رہے عرش اللہ تعالیٰ کے مقام تدبیر کا نام ہے۔ اس لیے آسمانوں کی تخلیق کے بعد عرش کا ذکر آتا ہے اور ہمیشہ عرش کے ذکر کے بعد کائنات کی تدبیر سے متعلق امور کا ذکر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں عرش کے ذکر کے بعد اللہ کی

| | |
|---|---|
| لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ | حاصل کرلیں۔☆ ﴿۴﴾ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور |
| السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ | زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کو چھ دنوں میں |
| سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا | پیدا کیا پھر عرش پر متمکن ہو گیا، اس کے سوا تمہارا نہ کوئی |
| لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا | کارساز ہے اور نہ شفاعت کرنے والا، کیا تم نصیحت نہیں |
| تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤﴾ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ | لیتے؟☆ ﴿۵﴾ وہ آسمان سے زمین تک امور کی تدبیر کرتا |
| اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ | ہے پھر یہ امر ایک ایسے دن میں اللہ کی بارگاہ میں اوپر کی |
| مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٥﴾ | طرف جاتا ہے جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک |
| ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ | ہزار سال ہے۔☆ ﴿۶﴾ وہی جو غیب و شہود کا جاننے والا |
| الرَّحِيْمُ ﴿٦﴾ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ | ہے جو بڑا غالب آنے والا، رحیم ہے۔ ﴿۷﴾ جس نے ہر |
| خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧﴾ | اس چیز کو جو اس نے بنائی بہترین بنایا اور انسان کی تخلیق مٹی |
| ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ | سے شروع کی۔☆ ﴿۸﴾ پھر اس کی نسل کو حقیر پانی کے نچوڑ |
| مَّهِيْنٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ | سے پیدا کیا۔☆ ﴿۹﴾ پھر اسے معتدل بنایا اور اس میں |
| رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ | اپنی روح میں سے پھونک دیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔☆ |

ولایت اور شفاعت کا ذکر ہے۔ اگلی آیت میں یُدَبِّرُ الْاَمْرَ تدبیر امور کا ذکر ہے۔

۵۔ نظریہ اضافت کی رو سے بھی زمانہ یکساں نہیں ہے۔ جو چیز غیر مادی ہو وہ غیر زمانی بھی ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ بھی زمانی نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے: كَانَ وَ لَمْ يَزَلْ حَيّاً بِلَا كَيْفٍ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ كَانَ۔ (الکافی ۱: ۸۸) وہ اس وقت بھی بغیر کسی کیفیت کے زندہ موجود تھا جب کہ اس کے لیے "تھا" بھی نہ تھا۔ یعنی زمانہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہے۔ اگر اللہ کے غیر زمانی افعال کی ارضی زمانے پر تطبیق کی جائے تو اللہ کا ایک روز یہاں کے ایک ہزار سال کے برابر ہو جائے۔ یہ ایک مثال ہے۔

۷۔ انسان کی تخلیق میں خاکی عناصر ہی استعمال ہوئے ہیں اور یہ نہیں معلوم کہ ابتدائی خلیے (Cell) کو زندگی دینے میں اسے کن مراحل سے گزارا گیا۔

اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ: اللہ نے جس چیز کو بھی بنایا بہتر اور خیر بنایا۔ لہٰذا ہر چیز میں اللہ کی طرف سے خیر ہی خیر ہے۔ اگر شر آتا ہے تو بندے کی طرف سے آتا ہے کہ بندے نے اس خیر کو شر سے بدل دیا۔ دوسرے لفظوں میں کوئی بھی چیز مطلق خیر و شر نہیں ہے بلکہ خیر شر اضافی و نسبی ہیں۔ یہ انسان ہے کہ خیر کو شر بناتا ہے۔

۸۔ یعنی انسان کی خلقت کی ابتدا تو مٹی سے ہوئی لیکن اس کی نسلوں کے تسلسل کو سلالہ کے ذریعے جاری رکھا۔ یعنی طین سے ابتدا ہوئی سلالہ سے نسل انسانی کو آگے بڑھایا۔ سلالہ نچوڑ کے معنوں میں ہے۔ اس کا بظاہر مطلب یہ نکلتا ہے کہ انسانی تخلیق کی بنیاد تو ارضی عناصر مٹی ہیں، لیکن اس مٹی کی نسل کو آگے بڑھانے کے لیے ایک خاص قسم کے پانی سے کام لیا گیا۔

۹۔ یہ بات اگرچہ مسلّم ہے کہ مردہ مادے سے حیات

الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹ وَقَالُوْٓا
ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ
جَدِيْدٍ ؕ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰
قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ
بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱ ع وَلَوْ تَرٰٓى
اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝۱۲ وَلَوْ شِئْنَا
لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ
مِنِّىْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ
اَجْمَعِيْنَ ۝۱۳ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ
يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴ اِنَّمَا

(۱۰) اور وہ کہتے ہیں: جب ہم زمین میں ناپید ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی خلقت میں آئیں گے؟ بلکہ یہ لوگ تو اپنے رب کے حضور جانے کے منکر ہیں۔ (۱۱) کہد یجیے: موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روحیں قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔☆ (۱۲) اور کاش! آپ وہ وقت دیکھ لیتے جب کافر اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے (اور کہ رہے ہوں گے) ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا پس ہمیں (ایک بار دنیا میں) واپس بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل بجا لائیں کیونکہ ہمیں یقین آ گیا ہے۔ (۱۳) اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے فیصلہ حتمی ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے ضرور بھر دوں گا۔☆ (۱۴) پس اب اس بات کا ذائقہ چکھو کہ تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا، ہم نے بھی تمہیں فراموش کر دیا ہے اور اب تم اپنے ان اعمال کی پاداش میں ہمیشگی کا عذاب چکھتے رہو جو تم کیا کرتے تھے۔ (۱۵) ہماری آیات پر

پیدا نہیں ہوتی۔ حیات، حیات ہی سے پیدا ہو سکتی ہے، تاہم حیات مادے کی گود میں پرورش پاتی ہے۔

۱۱۔ یعنی موت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم زمین میں ناپید ہو جاؤ گے، بلکہ موت یہ ہے کہ فرشتہ موت تمہارے پورے وجود کو وصول کرے گا۔ یعنی جس کو "میں"، "تم" اور "ہم" کہا جاتا ہے وہ بغیر کسی کمی بیشی کے اپنے فرشتوں کے ذریعے وصول کریں گے۔ واضح رہے کہ انسان کا مادی جسم تو دنیا میں بھی ہر چھ سال بعد مکمل طور پر بدلتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود انسان کی "خودی" نہیں بدلتی۔ انسانی جسم جن خلیوں پر مشتمل ہے، ان خلیوں کی بھی عمریں ہوتی ہیں۔ ہر روز انسان کے کھربوں خلیے جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ ان کی جگہ خون تازہ خلیے تعمیر کرتا ہے۔ اس طرح ہر چھ سال بعد انسان کا پورا مادی وجود بدل جاتا ہے، لیکن اس کی خودی نہیں بدلتی۔

۱۳۔ یعنی اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی کہ ہر شخص کو اس کی مطلوبہ ہدایت میسر آ جائے تو ایسا کر سکتا تھا مگر اس صورت میں وہ ہدایت اختیاری نہیں اجباری ہوتی، جس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اگر اللہ کو اجباری ہدایت قبول ہوتی تو سارا نظام خلقت بے مقصد ہو جاتا اور اس صورت میں سب کو بلا استحقاق جنت میں داخل کرنا ہوتا۔ لیکن جبری ایمان قبول نہ ہونے اور انسان کو خود مختار بنانے کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ایمان لاتے ہیں اور کچھ ایمان نہیں لاتے۔ جو ایمان نہیں لاتے انہیں جہنم میں جانا ہوتا ہے۔

يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿١٥﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿١٨﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ

السجدة ٩ — وقف غفران

صرف وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جب انہیں یہ آیات سمجھا دی جاتی ہیں تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ﴿١٦﴾ (رات کو) ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ﴿١٧﴾ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے صلے میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان پردہ غیب میں موجود ہے۔☆ ﴿١٨﴾ بھلا جو مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔☆ ﴿١٩﴾ مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے جنتوں کی قیام گاہیں ہیں، یہ ضیافت ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ انجام دیا کرتے تھے۔ ﴿٢٠﴾ لیکن جنہوں نے نافرمانی کی ان کی جائے بازگشت آتش ہے، جب بھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے اس میں لوٹا دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا:

---

١٦۔ جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں، اس وقت یہ لوگ عبادت اور دعا میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بندگی کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ دل میں اللہ کا خوف رکھیں، بے پرواہ نہ ہوں، بلکہ خوف و امید کے درمیان رہیں۔ امید کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں، خوف کی وجہ سے محرمات سے پرہیز کرتے ہیں۔ آداب بندگی کا اہم پہلو یہ ہے کہ مؤمن رات کو عابد، دن کو شیر دل ہوتے ہیں۔ فیاضی کرتے ہیں: وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔

١٧۔ رسول خداؐ سے روایت ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ ثواب آمادہ کر رکھا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی نے اس کا تصور کیا ہو گا۔ (مستدرک الوسائل ٦: ٦٢)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے: ہر کارِ نیک کا ثواب قرآن میں بیان ہوا ہے سوائے تہجد کے۔ اس کے ثواب کی عظمت کی وجہ سے اس کے ثواب کا ذکر نہیں فرمایا۔

١٨۔ واحدی، الدر المنثور اور الکشاف میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے ایمان اور ولید بن عقبہ کے فسق کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ الکشاف ٣: ٥٢٥ میں آیا ہے کہ حضرت امام حسنؑ نے ولید سے فرمایا: تو علیؑ کو دشنام کیسے دے رہا ہے، جب کہ علیؑ کو اللہ نے دس آیات میں مؤمن اور تجھے فاسق کہا ہے۔

النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ ج وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ ۛ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ

ع ۲ / ۱۵

اس آتش کا عذاب چکھو جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ ﴿۲۱﴾ اور ہم انہیں بڑے عذاب کے علاوہ کمتر عذاب کا ذائقہ بھی ضرور چکھائیں گے، شاید وہ باز آجائیں۔☆ ﴿۲۲﴾ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی نشانیاں سمجھا دی گئی ہوں پھر وہ ان سے منہ موڑ لے؟ ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں۔☆ ﴿۲۳﴾ اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ہے لہٰذا آپ اس (قرآن) کے ملنے میں کسی شبہے میں نہ رہیں اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت (کا ذریعہ) بنایا۔☆ ﴿۲۴﴾ اور جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھے ہوئے تھے تو ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔☆ ﴿۲۵﴾ یقیناً آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ سنا دے گا جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ ﴿۲۶﴾ کیا انہیں اس بات سے ہدایت نہیں ملی کہ ہم نے ان

۲۱۔ احادیث کے مطابق کمتر عذاب سے مراد دنیاوی مصائب، بیماریاں اور سختیاں ہیں جو کافر کے لیے عذاب اور مؤمن کے لیے تزکیہ وطہارت کی موجب ہیں۔

۲۲ دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کی اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی ہو۔

انبیاء ہر مطالبے پر معجزہ پیش نہیں کرتے، کیونکہ اگر معجزات کے بعد بھی ایمان نہ لائیں تو اللہ فوری انتقام لیتا ہے۔ اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ آیات الٰہی کے ذریعے حجت پوری ہو گئی ہو، پھر انکار کیا جائے تو انتقام الٰہی کی نوبت آجاتی ہے۔

۲۳۔ یہ قرآن کا طرز خطاب ہے کہ جسے بہت زیادہ اہمیت دینا مقصود ہو وہاں خطاب براہ راست رسول ﷺ سے ہوتا ہے اور بتانا دوسروں کو مقصود ہوتا ہے۔ لِّقَآئِهٖ میں ضمیر الْكِتٰبَ کی طرف ہے اور لِقَاء تَلَقِّی کے معنوں میں ہے، جیسے كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا میں ہے۔ یعنی ہم نے جیسے موسیٰ ؑ کو کتاب دی ہے، آپ ﷺ کو بھی کتاب دی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کو اس کتاب (قرآن) کے ملنے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت موسیٰ ؑ کا ذکر اس لیے ہوا کہ رسالتمآب ﷺ کے ساتھ آپ ؑ کی بہت سی خصوصیات ایک جیسی ہیں۔

يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿٣٠﴾

سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے جن کی قیام گاہوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں، بتحقیق اس میں نشانیاں ہیں، تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں؟ ﴿٢٦﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم بنجر زمینوں کی طرف پانی روانہ کرتے ہیں پھر اس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس سے ان کے جانور بھی کھاتے ہیں اور خود بھی، تو کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں؟ ﴿٢٧﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ) یہ فیصلہ کب ہوگا؟ ﴿٢٨﴾ کہد یجیے: فیصلے کے دن کفار کو ان کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔☆ ﴿٢٩﴾ ان سے منہ پھیر لیں اور انتظار کریں، یقیناً یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔☆ ﴿٣٠﴾

## ٣٣ سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ ٩٠

اٰیاتھا ٧٣ — رکوعاتھا ٩

سورہ احزاب۔ مدنی۔ آیات ٧٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

﴿١﴾ اے نبی اللہ سے ڈریں اور کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کریں، اللہ یقیناً بڑا جاننے والا، حکمت والا ہے۔☆

---

٢٤۔ ہر امت میں ایک گروہ کو امامت کا عہدہ صبر و یقین کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔ علم کی وجہ سے صبر اور یقین کی وجہ سے عصمت وجود میں آتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس لیے معصوم ہوتے ہیں کہ وہ یقین کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے ہیں اور عصمت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد امامت کی منزل پر فائز ہو جاتے ہیں۔

٢٩۔ یَوْمَ الْفَتْحِ سے مراد بعض نے یوم بدر اور بعض نے فتح مکہ لیا ہے، لیکن سیاق آیت کے مطابق اس سے مراد یوم قیامت ہے۔

٣٠۔ کافروں کی طرف سے تکذیب و توہین اس قابل نہیں ہے کہ آپ ﷺ ان چیزوں کو درخور اعتنا سمجھیں۔ آپ ﷺ کو اپنی فتح و نصرت اور کافروں کی رسوائی کا انتظار کرنا چاہیے۔

سورہ احزاب

١۔ مجمع البیان اور الدر المنثور میں آیا ہے کہ قریش کے چند افراد ابوسفیان کی سرکردگی میں حضور ﷺ سے امان لے کر مدینہ آئے اور مدینہ کے منافقین بھی ان کے ساتھ ہم آواز ہوئے اور بولے: اے محمد ﷺ! آپ ہمارے معبودوں کو کچھ نہ کہیں۔ ہم آپ ﷺ کے رب کو کچھ نہیں کہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ پر یہ بات شاق گزری۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ
رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيْلًا ﴿۳﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ
فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ
تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ
اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ
بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ
يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ
هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا
اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ
وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ
وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ

﴿۲﴾ اور آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کی اتباع کریں، اللہ تمہارے اعمال سے یقینا خوب باخبر ہے۔ ﴿۳﴾ اور اللہ پر توکل کریں اور ضامن بننے کے لیے اللہ کافی ہے۔ ﴿۴﴾ اللہ نے کسی شخص کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے ہیں اور تمہاری ازواج کو جنہیں تم لوگ ماں کہہ بیٹھتے ہو ان کو اللہ نے تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ ہی تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا، یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ حق بات کہتا اور (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔☆ ﴿۵﴾ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو اللہ کے نزدیک یہی قرین انصاف ہے، پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے تو یہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور جو تم سے غلطی سے سرزد ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ اس بات پر (گناہ ضرور ہے) جسے تمہارے دل جان بوجھ کر انجام

۴۔ دل ایک، مؤقف بھی ایک، دستور زندگی بھی ایک۔ ایک انسان بیک وقت دو مؤقف اختیار نہیں کر سکتا۔ ایمان کے ساتھ نفاق اور کفر کے ساتھ اسلام جمع نہیں ہو سکتا۔

جاہلیت میں لوگ اپنی عورت سے اگر یہ کہتے: تیری پیٹھ میرے لیے میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے، تو اسے طلاق شمار کرتے تھے اور ایسا کرنے والے پر عورت ماں کی طرح حرام ہو جاتی تھی۔ اسلام نے اس جاہلی قانون کو ختم کر کے قانون ظہار بنایا جس کے تحت شوہر کفارہ دے کر بیوی کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اسلام نے جاہلیت کی ایک اور رسم کو بھی ختم کیا جس کے تحت منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹوں کی طرح وارث بنایا جاتا تھا۔ یہ رسم اس موقع پر باطل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے عقد فرمایا۔ چونکہ زید بن حارثہ کو حضور ﷺ نے مکی زندگی میں اپنا بیٹا بنا لیا تھا، اس لیے منافقین اور کمزور ایمان والے مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا: محمد ﷺ ہمارے لیے تو حرام کرتے ہیں، لیکن خود اپنی بہو سے شادی کرتے ہیں۔

۶۔ اس آیت میں تین اہم نکات بیان ہوئے ہیں:

الف: نبی کی ولایت مطلقہ یعنی نبی ﷺ اپنی امت کے ہر فرد سے زیادہ اولی بالتصرف ہیں یعنی جو اختیارات مؤمنین کو خود اپنے اوپر حاصل نہیں ہیں وہ نبی ﷺ کو حاصل ہیں، قانونی طور پر بھی اور جسمانی لحاظ سے بھی کہ اگر نبیؐ کا حکم ہو تو اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا واجب ہے، جبکہ یہ اختیار از خود نہیں ہے۔

ب: وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ: ازواج نبی ﷺ مؤمنین کے لیے قابل احترام اور حرمت نکاح کے لحاظ سے ماں کی طرح ہیں۔ البتہ نگاہ کرنے اور اولاد سے نکاح

اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝٥ اَلنَّبِىُّ اَوۡلٰى
بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَاَزۡوَاجُهٗۤ
اُمَّهٰتُهُمۡ‌ ؕ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى
بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ
وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰٓى
اَوۡلِيٰٓـئِكُمۡ مَّعۡرُوۡفًا‌ ؕ كَانَ ذٰ لِكَ فِى الۡكِتٰبِ
مَسۡطُوۡرًا ۝٦ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ
مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰهِيۡمَ
وَمُوۡسٰى وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ ۖ وَاَخَذۡنَا
مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ۝٧ لِّيَسۡـئَلَ الصّٰدِقِيۡنَ
عَنۡ صِدۡقِهِمۡ‌ ۚ وَاَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا
اَلِيۡمًا ۝٨ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا
نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَآءَتۡكُمۡ جُنُوۡدٌ

دیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحیم ہے۔ ⑥ نبی مومنین کی جانوں پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے اور نبی کی ازواج ان کی مائیں ہیں اور کتاب اللہ کی رو سے رشتے دار آپس میں مومنین اور مہاجرین سے زیادہ حقدار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو، یہ حکم کتاب میں لکھا ہوا ہے۔☆ ⑦ اور (یاد کرو) جب ہم نے انبیاء سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح سے بھی اور ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی اور ان سب سے ہم نے پختہ عہد لیا۔☆ ⑧ تاکہ سچ کہنے والوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے اور کفار کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ⑨ اے ایمان والو! اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جو اس نے تم پر کی جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور تمہیں نظر نہ آنے والے لشکر بھیجے

کرنے میں ماں کی طرح نہیں ہیں۔

ج۔ ابتدا میں مہاجرت اور مواخاۃ کے ذریعے توارث کا ایک وقتی قانون نافذ تھا، اس آیت کے ذریعے اسے منسوخ کر دیا گیا اور بتایا گیا کہ میراث میں رشتہ دار زیادہ حقدار ہیں۔ باپ اور اس کی اولاد اُولُوا الۡاَرۡحَامِ کے مصداق اول ہیں اور میراث میں طبقہ اولیٰ میں ہیں۔ حضرت زہراء علیہا السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کے بارے میں اسی آیت سے استدلال فرمایا۔

اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا: اپنے دوستوں پر احسان سے مراد وصیت ہے۔ وصیت کی صورت میں ارحام کے بغیر حصہ دار بن جاتے ہیں، مگر صرف ایک تہائی میں۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے بالعموم اور اولوالعزم انبیاء سے بالخصوص ایک پختہ عہد لیا ہے۔ اس عہد سے کون سا عہد مراد ہے۔ اس آیت میں اس کی وضاحت نہیں ہے، تاہم یہ معلوم ہے کہ یہ عہد انبیاء علیہم السلام کی رسالت سے متعلق ہے۔ عہد و میثاق لے کر چھوڑا نہیں جاتا، بلکہ اس عہد کو پورا کر کے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے والوں سے سوال ہوگا، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: وَلَنَسۡـئَلَنَّ الۡمُرۡسَلِيۡنَ

۹۔ اس آیت اور اس کے بعد کی چند آیات میں جنگ خندق اور غزوہ بنی قریظہ کے واقعات کی طرف اشارہ ہے، جس لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی وہ قریش قبیلہ غطفان اور یہود کا لشکر تھا۔ اس لشکر نے مدینہ کو محاصرے میں لے لیا۔ محاصرے کو تقریباً ایک مہینہ ہوا تھا، سرد ترین موسم میں ایک سرد ترین آندھی چلی جس سے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور نظر نہ آنے والے لشکر سے مراد فرشتے ہی ہو سکتے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ
تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ ۹
اِذْ جَاۗءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ
مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ
الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۱۰
هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا
شَدِيْدًا ۱۱ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ
الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۱۲ وَاِذْ قَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ
مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ
فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ
ع يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۭ وَمَا هِيَ
بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۱۳ وَلَوْ

اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ اسے خوب دیکھ رہا تھا۔☆ ۱۰ جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور (مارے دہشت کے) دل (کلیجے) منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔☆ ۱۱ اس وقت مومنین خوب آزمائے گئے اور انہیں پوری شدت سے ہلا کر رکھ دیا گیا۔ ۱۲ اور جب منافقین اور دلوں میں بیماری رکھنے والے کہہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھا۔☆ ۱۳ اور جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا: اے یثرب والو! تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے پس لوٹ جاؤ اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت طلب کر رہا تھا یہ کہتے ہوئے: ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے، وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔☆ ۱۴ اور اگر (دشمن) ان پر

۱۰۔ اوپر سے یعنی مدینے کی مشرقی جانب سے آنے والے بنی قریظہ کے یہود تھے اور نیچے سے یعنی مغرب کی جانب سے آنے والے قریش اور ان کے ہم نوا تھے۔ اس وقت منافقین اور کمزور ایمان والے کہنے لگے: اب اسلام مٹ جائے گا۔ کفار کی طرف سے ۱۵ ہزار افراد پر مشتمل لشکر نے مدینے پر حملہ کر دیا اور مدینے کا محاصرہ ہوا۔ لشکر اسلام نے سلمان فارسیؓ کے مشورے سے خندق کھود لی۔ عمرو بن عبدود نے خندق پھلانگ کر مبارزہ طلبی کی۔ علی بن ابی طالب ؑ کے علاوہ کوئی مقابلہ کے لیے تیار نہ ہوا۔ علی ؑ نے ایک وار میں عمرو کو قتل کیا تو لشکر کفر فرار ہو گیا۔

۱۲۔ یعنی یہ وعدہ صرف فریب ہے کہ مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے فتح و نصرت حاصل ہو گی۔ اس بات کے کہنے میں منافقین کے ساتھ کچھ ضعیف الایمان لوگ بھی شامل تھے۔ لہٰذا اس بات کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ قرآن کی تصریح کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے ہم عصروں میں تین گروہ تھے: پختہ ایمان والے، کمزور ایمان والے اور منافقین۔ چنانچہ ان تینوں کا ان آیات میں صراحت کے ساتھ ذکر ملتا ہے۔

۱۳۔ ان منافقین اور کمزور ایمان والوں کا یہ کہنا تھا کہ اب یثرب یعنی مدینے میں اسلام کے دامن میں ٹھہرنے کا موقع نہیں رہا۔ فَارْجِعُوْا اپنی پرانی جاہلیت کی طرف واپس جانا چاہیے۔ محاذ چھوڑ کر جانے کو ارجعوا واپس جاؤ نہیں کہتے بلکہ فرار کہتے ہیں۔ فرار کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ اپنے گھروں کی حفاظت کا بہانہ بنا کر جنگ

دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا
الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا
يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ
قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ
مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ
فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا
تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ
يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ
اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ
اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ
لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ
الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖۚ

شہر کے اطراف سے گھس آتے پھر انہیں اس فتنے کی طرف دعوت دی جاتی تو وہ اس میں پڑ جاتے اور اس میں صرف تھوڑا ہی توقف کرتے۔☆ ﴿۱۵﴾ حالانکہ پہلے یہ لوگ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے ساتھ ہونے والے عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔☆ ﴿۱۶﴾ کہد یجیے: اگر تم لوگ موت یا قتل سے فرار چاہتے ہو تو یہ فرار تمہیں فائدہ نہ دے گا اور (زندگی کی) لذت کم ہی حاصل کر سکو گے۔ ﴿۱۷﴾ کہد یجیے: اللہ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے؟ یا تم پر رحمت کرنا چاہے (تو کون روک سکتا ہے؟) اور یہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو نہ ولی پائیں گے اور نہ مددگار۔ ﴿۱۸﴾ اللہ تم میں سے رکاوٹیں ڈالنے والوں کو خوب جانتا ہے اور ان کو جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: ہماری طرف آؤ اور جو جنگ میں کبھی کبھار ہی شرکت کرتے ہیں۔☆ ﴿۱۹﴾ تم سے دریغ رکھتے ہیں چنانچہ

---

میں شرکت سے اجتناب کرنا چاہتے تھے۔

۱۴۔ جبکہ اگر دشمن انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے تو وہ اس دعوت پر لبیک کہنے میں تاخیر نہ کرتے۔

۱۵۔ یعنی جنگ احد میں فرار کے بعد عہد لیا گیا تھا کہ آیندہ فرار نہیں ہوں گے۔ لیکن ان لوگوں نے بدعہدی کی۔ واضح رہے جنگ احد میں منافقین نے شرکت نہیں کی تھی، فرار ہونے والے لوگ ضعیف الایمان تھے۔

۱۸۔ تمہارے درمیان موجود ان منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کی ان باتوں سے اللہ واقف ہے، جو کہتے ہیں: چھوڑ دو اس دین و مذہب کی باتوں کو اور ہماری طرح عافیت کی راہ اختیار کرو۔

۱۹۔ ان لوگوں نے اگر اچھے اعمال انجام دیے ہیں تو بھی ان کے اعمال حبط ہو گئے، کیونکہ ان کے اعمال میں اچھائی ہو تو بھی خود ان لوگوں میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔ نہ حسن ایمان، نہ حسن نیت۔

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ: تمہارا ساتھ دینے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ نہ جان کی قربانی دیتے ہیں، نہ مال کی۔ البتہ کامیابی کی صورت میں مالی مفادات حاصل کرنے اور غنیمت میں حصہ جتانے کے لیے چرب زبانی کے ساتھ بولیں گے۔ اسلامی تاریخ ایسے لوگوں سے بھری پڑی ہے کہ جن لوگوں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جہاد میں ایک کافر کو بھی نہیں مارا،

فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢٠﴾ ع لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ

جب خوف کا وقت آ جائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ آنکھیں پھیرتے ہوئے ایسے آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہو رہی ہو، پھر جب خوف ٹل جاتا ہے تو وہ مفاد کی حرص میں چرب زبانی کے ساتھ تم پر بڑھ چڑھ کر بولیں گے، یہ لوگ ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ نے ان کے اعمال حبط کر دیے اور یہ اللہ کے لیے (بہت) آسان ہے۔☆ ﴿٢٠﴾ یہ خیال کر رہے ہیں کہ (ابھی) فوجیں گئی نہیں ہیں اور اگر وہ پھر حملہ کریں تو یہ آرزو کریں گے کہ کاش! صحرا میں دیہاتوں میں جا بسیں اور تمہاری خبریں پوچھتے رہیں، اگر وہ تمہارے درمیان ہوتے تو لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے۔ ﴿٢١﴾ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔☆ ﴿٢٢﴾ اور جب مومنوں نے لشکر دیکھے تو کہنے لگے: یہ

بعد میں اسلام کے پھلنے اور پھیلنے کے بعد انہی لوگوں نے سب سے زیادہ مفادات حاصل کیے۔

فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ: منافقین کا کوئی عمل، ابتدا ہی سے عمل تصور نہیں ہوتا کہ بعد میں حبط ہو جائے۔ یہ ان مسلمانوں کا ذکر ہے جن کا عمل جنگ سے فرار نہ ہونے کی صورت میں قبول ہوتا تھا۔

٢١۔ اس جنگ میں کوئی ایسی مشقت نہ تھی جو دوسروں نے اٹھائی ہو اور رسول اللہ ﷺ نے نہ اٹھائی ہو۔ خندق کھودنے میں، محاصرے کے دوران بھوک اور پیاس اور سردی کی تکلیفیں اٹھانے میں، جہاد کے تمام مراحل میں رسول اللہ ﷺ ایک بہترین نمونہ تھے۔

لہٰذا رسول ﷺ نمونہ ہیں جہاد کے لیے، نمونہ ہیں مشقت اٹھانے میں، نمونہ ہیں مساوات میں کہ عام رعایا کے برابر مشقت اٹھائی، نمونہ ہیں میدان جنگ میں استقامت کا، نمونہ ہیں دوسروں کے برابر بھوک اور پیاس کی تکلیفیں اٹھانے میں۔

٢٢۔ راسخ الایمان مؤمنین کا ذکر ہے، جب ان مؤمنین نے لشکر احزاب کو دیکھا تو مؤمنین کو دی گئی فتح و نصرت کی نوید یاد آ گئی اور ان کے ایمان میں اضافہ ہوا، جبکہ منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کی اللہ پر بدگمانی میں اضافہ ہوا۔

٢٣۔ عہد شکن لوگوں کے مقابلے میں عہد میں سچوں، بدل جانے والوں کے مقابلے میں نہ بدلنے والوں

الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا
زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ
عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ لِيَجْزِيَ
اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ
الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾ وَرَدَّ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ
وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ
اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿٢٥﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ
ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ

وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا
اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس واقعے نے
ان کے ایمان اور تسلیم میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔☆
﴿٢٣﴾ مومنین میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے
کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا، ان میں سے بعض نے اپنی
ذمے داری کو پورا کیا اور ان میں سے بعض انتظار کر رہے ہیں
اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے۔☆ ﴿٢٤﴾ تاکہ اللہ سچوں کو ان کی
سچائی کی جزا دے اور چاہے تو منافقین کو عذاب دے یا ان
کی توبہ قبول کرے، اللہ یقینا بڑا معاف کرنے والا، رحیم
ہے۔ ﴿٢٥﴾ اللہ نے کفار کو اس حال میں پھیر دیا کہ وہ غصے
میں (جل رہے) تھے، وہ کوئی فائدہ بھی حاصل نہ کر سکے،
لڑائی میں مومنین کے لیے اللہ ہی کافی ہے اور اللہ بڑا طاقت
والا، غالب آنے والا ہے۔ ﴿٢٦﴾ اور اہل کتاب میں سے
جن لوگوں نے ان (حملہ آوروں) کا ساتھ دیا اللہ نے انہیں

کا ذکر ہے۔ شواهد التنزیل میں آیا ہے: حضرت علی ؑ نے فرمایا: فینا نزلت یہ آیت ہماری شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس جنگ میں حضرت علی ؑ نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا، جسے رسول اللہ ﷺ نے مومن اور مشرک کا نہیں، ایمان اور شرک کا مقابلہ قرار دیا۔ برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ ۔ (شرح نہج البلاغۃ ۱۳: ۲۶۲)

۲۶۔ غزوۂ بنی قریظہ کی طرف اشارہ ہے کہ بنی قریظہ کے یہودیوں کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا۔ اس کے باوجود ان لوگوں نے جنگ احزاب میں مشرکین کی حمایت اور کمک کی تھی۔ جنگ خندق کی فتح کے بعد حکم خدا سے رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا، پچیس راتوں کے بعد بنی قریظہ کے یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے بہت بڑا اسلحہ ذخیرہ کر رکھا تھا یا اس سے پہلے ان یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی تھی اور مشرکین کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ تیسری بات یہ ہے کہ بنی قینقاع کے یہودیوں کو عبد اللہ بن ابی (منافق) کے حلیف ہونے کی بنیاد پر اس کے کہنے پر چھوڑ دیا گیا تو یہ یہودی خیبر اور دیگر علاقوں میں جا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے لگے۔ اس لیے ان یہودیوں کو قتل کرنا لازمی ہو گیا تھا۔

صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ﴿٢٦﴾ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢٧﴾ ع يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٢٨﴾ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیا کہ تم ان میں سے ایک گروہ کو قتل کرنے لگے اور ایک گروہ کو تم نے قیدی بنالیا۔☆ ﴿۲۷﴾ اور اس نے تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال اور ان کی ان زمینوں کا جن پر تم نے قدم بھی نہیں رکھا وارث بنایا اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ اے نبی! اپنی ازواج سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی آسائش کی خواہاں ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر شائستہ طریقے سے رخصت کر دوں۔☆ ﴿۲۸﴾ لیکن اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور منزل آخرت کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکی کرنے والی ہیں ان کے لیے اللہ نے یقینا اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔☆ ﴿۳۰﴾ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح بے حیائی کی مرتکب ہو جائے اسے دگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔☆

۲۷۔ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا: یعنی وہ زمین جسے مسلمانوں نے بغیر جنگ کے فتح کیا۔ بعض کے نزدیک یہ خیبر کی سرزمین ہے۔ سیاق آیت کے مطابق یہ بنی قریظہ کی جائداد کا ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جائداد کو انصار میں تقسیم کیا، چونکہ یہ جائداد بغیر جنگ کے حاصل ہوئی تھی، جو آنحضرت ﷺ کی ملکیت تھی۔

۲۸۔۲۹۔ صحیح مسلم میں ہے: ایک روز حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی ازواج آپ ﷺ کے گرد بیٹھی ہیں اور آپ ﷺ خاموش ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا: یہ مجھ سے خرچہ مانگ رہی ہیں۔ اس پر دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو ڈانٹ دیا اور کہا تم رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگتی ہو جو آپ ﷺ کے پاس نہیں ہے۔ واحدی کی حضرت ابن عباس سے روایت کے مطابق یہ جھگڑا حضرت حفصہ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت عمر کو ثالث بنایا گیا تو حفصہ نے حضور ﷺ سے کہا: لا تقل الا حقا۔ صرف حق بات کہنا۔ جس پر حضرت عمر حفصہ پر برہم ہو گئے تھے۔

۳۰۔ یعنی اس خیال میں نہ رہنا کہ نبی کی زوجہ ہونے کی وجہ سے ہم کسی گناہ میں نہیں پکڑی جائیں گی۔ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ میں رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینا، غیبت کرنا، بہتان تراشی وغیرہ شامل ہیں۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

(۳۱) اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل انجام دے گی اسے ہم اس کا دگنا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت کا رزق مہیا کر رکھا ہے۔ (۳۲) اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ رکھتی ہو تو نرم لہجے میں باتیں نہ کرنا، کہیں وہ شخص لالچ میں نہ پڑ جائے جس کے دل میں بیماری ہے اور معمول کے مطابق باتیں کیا کرو۔☆ (۳۳) اور اپنے گھروں میں جم کر بیٹھی رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے آپ کو نمایاں کرتی نہ پھرو نیز نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اللہ کا ارادہ بس یہی ہے ہر طرح کی ناپاکی کو اہل بیت! آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔☆ (۳۴) اور اللہ کی ان آیات اور حکمت کو یاد رکھو جن کی تمہارے گھروں

---

۳۲۔ الٰہی قدروں کے تحت تقویٰ کے ترازو میں ہر شخص کا وزن کیا جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی ازواج بھی عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔ اگر تقویٰ اختیار کرتیں اور رسول ﷺ کی زوجیت کا حق ادا کرتیں۔ اس آیت سے چند نکات مترشح ہوتے ہیں: اول یہ کہ نامحرم مردوں سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دوم یہ کہ کسی فساد میں پڑنے کے لیے اشارے پہلے عورتوں کی طرف سے ملتے ہیں۔ سوم یہ کہ اپنی عصمت کے تحفظ کے لیے بنیادی کردار عورت کو ادا کرنا ہے۔

۳۳۔ ایک ہی آیت میں ازواج رسول ﷺ کے لیے تنبیہ کا لہجہ ہے، لیکن اہل بیت اطہار کے لیے تطہیر کا مژدہ۔ انداز تخاطب میں یہ واضح فرق اہل خرد کے لیے دعوت فکر ہے۔ یہاں یُرِیْدُ اللّٰہُ سے ارادہ تشریعی نہیں، بلکہ ارادہ تکوینی مراد ہے۔ یعنی یہاں اہل بیت ؑ کو پاکیزہ رہنے کا حکم (تشریعی) نہیں دیا جا رہا کیونکہ پاکیزہ رہنے کا حکم تو سب لوگوں کے لیے عام ہے، بلکہ یہاں اہل بیت ؑ کی طہارت کے بارے میں اللہ کے ارادہ تکوینی کا اعلان ہے کہ اللہ نے انہیں پاکیزہ بنا دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کو نبوت کا حکم تشریعی نہیں دیتا، بلکہ انہیں عملاً (تکویناً) نبی بنا دیتا ہے، اسی طرح یہاں اہل بیت ؑ کو پاکیزہ رہنے کا حکم (تشریعی) نہیں دیا جا رہا بلکہ ان کی طہارت (تکوینی) کا اعلان ہو رہا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اہل بیت ؑ کو اللہ نے تکویناً پاکیزہ بنا دیا ہے تو پھر اس میں خود ان کا کیا کمال؟ تو جواب یہ ہے کہ اولاً: یہی سوال انبیاء کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے انہیں نبی بنایا تو اس میں خود ان کا کیا کمال؟ ثانیاً: اہل بیت ؑ کا کمال یہ ہے کہ کائنات میں صرف اہل بیت ؑ

عٍ لَطِيۡفًا خَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾ ع اِنَّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَ الۡمُسۡلِمٰتِ وَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَ الۡقٰنِتِيۡنَ وَ الۡقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيۡنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيۡنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الۡخٰشِعِيۡنَ وَ الۡخٰشِعٰتِ وَ الۡمُتَصَدِّقِيۡنَ وَ الۡمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيۡنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الۡحٰفِظِيۡنَ فُرُوۡجَهُمۡ وَ الۡحٰفِظٰتِ وَ الذّٰکِرِيۡنَ اللّٰهَ کَثِيۡرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۳۵﴾ وَ مَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّ لَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّکُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ ؕ وَ مَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا ﴿۳۶﴾ وَ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِيۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰهُ

میں تلاوت ہوتی ہے، اللہ یقینا بڑا باریک بین، خوب باخبر ہے۔ ﴿۳۵﴾ یقینا مسلم مرد اور مسلم عورتیں، مومن مرد اور مومنہ عورتیں، اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں، راستگو مرد اور راستگو عورتیں، صابر مرد اور صابرہ عورتیں، فروتنی کرنے والے مرد اور فروتن عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی عفت کے محافظ مرد اور عفت کی محافظہ عورتیں نیز اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں وہ ہیں جن کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔ ﴿۳۶﴾ اور کسی مومن اور مومنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کریں تو انہیں اپنے معاملے کا اختیار حاصل رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔☆ ﴿۳۷﴾ اور (اے رسول یاد کریں وہ وقت) جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے اور آپ نے احسان کیا

ہی ارادہ الٰہی کے اہل ثابت ہوئے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام سے مراد کون ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہاں ہم قرآن کی تشریح کے لیے سنت رسول ﷺ کا سہارا لیں گے، وگرنہ بقول بعضے، قرآن اس کشتی کی مانند رہ جاتا ہے جس کا ناخدا نہ ہو۔ چنانچہ یہاں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اجماع کے علاوہ صحیح المسلم باب فضائل اہل بیت النبی ۲: ۳۶۱ طبع حلبی مصر، صحیح الترمذی ۵: ۳۱، مسند احمد بن حنبل ۱: ۳۳۰ ط مصر، المستدرک للحاکم ۳: ۱۳۳، احکام القرآن جصاص ۵: ۲۳۰ ط قاہرہ، دیگر بیسیوں مصادر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں اہل بیت علیہم السلام سے مراد علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔ اس حدیث کو اہل سنت نے چالیس طُرق سے اور شیعہ نے کم سے کم تیس طُرق سے روایت کیا ہے۔ مجموعا ستر (۷۰) طُرق سے رسول ﷺ کی یہ حدیث ہم تک پہنچی ہے۔ بہت کم احادیث ہیں جو اس حد تک تواتر سے روایت کی گئی ہوں۔

عورت کی بیرون خانہ سرگرمیوں کے جواز میں بڑی دلیل جو پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے جنگ جمل میں حصہ لیا تھا۔ لیکن یہ استدلال جو لوگ پیش کرتے ہیں انہیں شاید معلوم نہیں کہ خود حضرت عائشہ کا اپنا خیال اس باب میں کیا تھا۔ عبد اللہ ابن احمد بن حنبل نے زوائد الزهد میں اور ابن المنذر ابن ابی شیبہ اور ابن سعد نے اپنی کتابوں میں مسروق کی روایت نقل کی ہے: حضرت جب تلاوت کرتی ہوئی اس آیت: وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ پر پہنچتی تھیں تو بے اختیار رو پڑتی تھیں یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ بھیگ جاتا تھا، کیونکہ اس پر اپنی وہ غلطی یاد آ جاتی تھی جو ان سے جنگ جمل میں ہوئی تھی۔

عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ
زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا
اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ
اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا
زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا
مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾
مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ
اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلُ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ ﴿۳۸﴾
الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ
وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ
حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ

تھا، کہ رہے تھے: اپنی زوجہ کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو اور وہ بات آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا ہے اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں، پھر جب زید نے اس (خاتون) سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس خاتون کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے شادی کرنے) کے بارے میں کوئی حرج نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم نافذ ہو کر ہی رہے گا۔☆ ﴿۳۸﴾ نبی کے لیے اس (عمل کے انجام دینے) میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو اللہ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے، جو (انبیاء) پہلے گزر چکے ہیں ان کے لیے بھی اللہ کی سنت یہی رہی ہے اور اللہ کا حکم حقیقی انداز سے طے شدہ ہوتا ہے۔☆ ﴿۳۹﴾ (وہ انبیاء) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور محاسبے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔☆ ﴿۴۰﴾ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے

(تفہیم القرآن)

۳۶۔ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف فتویٰ دینے کو اجتہادی اختلاف قرار دینا اور یہ کہنا کہ رسول ﷺ بھی ایک مجتہد ہیں نیز نص صریح کے مقابلے میں اجتہاد کرنا، اس آیت کی رو سے ضلال مبین ہے۔

۳۷۔ زید بن حارثہ (رسول کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام) کا عقد زینب بنت جحش سے ہوا جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی امیہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ سماجی اعتبار سے یہ رشتہ نہایت نامناسب سمجھا جاتا تھا۔ زید کی زینب کے ساتھ شادی کامیاب نہ رہی اور طلاق ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ زینب کو اپنے حبالہ عقد میں لے آئے۔ اس پر منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کیں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۸۔ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ: الفرض۔ التعیین و الاسهام، ای فیما عین و قسم له۔ فرض، تعیین اور حصہ مقرر کرنے کے معنوں میں ہے۔ اس کا مطلب مباح کرنا ہوا۔ یعنی جو چیز اللہ نے اپنے نبی کے لیے مباح کی ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ گزشتہ انبیاء میں ایسی مثالیں موجود ہیں، ان کی بھی متعدد ازواج موجود تھیں۔

۳۹۔ چونکہ انبیاء کو علم ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی چیز موثر فی الوجود نہیں ہے۔

۴۰۔ اس اعتراض کا جواب آ گیا کہ محمد ﷺ نے اپنی بہو سے شادی کی ہے۔ چونکہ محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، تو کوئی بیٹا نہیں ہے کہ اس کی زوجہ بہو ہو جائے۔ وہ رسول ﷺ ہیں، ان کا ہر عمل دوسروں کے لیے حجت ہے۔ نسب کے اعتبار سے باپ نہیں۔ رسول ﷺ ولایت کے نقطہ نظر سے روحانی باپ تھے۔ چنانچہ حدیث

رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ
النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا
كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾
هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ
لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ
وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ
يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا
كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ
شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى
اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا
كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ

مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ہاں وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔☆ ﴿۴۱﴾ اے ایمان والو! اللہ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو۔☆ ﴿۴۲﴾ اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔ ﴿۴۳﴾ وہی تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (دعا کرتے ہیں) تاکہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائے اور وہ مومنوں کے بارے میں بڑا مہربان ہے۔☆ ﴿۴۴﴾ جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کی تحیت سلام ہوگی اور اللہ نے ان کے لیے باعزت اجر مہیا کر رکھا ہے۔ ﴿۴۵﴾ اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے،☆ ﴿۴۶﴾ اور اس (اللہ) کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر۔☆ ﴿۴۷﴾ اور مومنین کو یہ بشارت دیجیے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہوگا۔☆ ﴿۴۸﴾ اور آپ کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آئیں اور ان کی اذیت رسانی پر

میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: انا و علی ابوا هذه الامة۔ (بحار الانوار ۱۶:۹۵) میں اور علیؑ اس امت کے باپ ہیں۔

۴۱۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: من اعطی لسانا ذاکرا فقد اعطی خیر الدنیا و الآخرة۔ (الکافی ۲:۴۹۸) جس کو ذکر خدا کرنے والی زبان عنایت ہوئی، اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی مل گئی۔ ذکر ہی وہ واحد عبادت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہوں پر كَثِيْرًا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ ذکر کے لیے کوئی حد متعین نہیں ہے۔

۴۳۔ صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو رحمت، فرشتوں کی طرف ہو تو استغفار اور لوگوں کی طرف ہو تو دعا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۴۵۔ شَاهِدًا: روز قیامت رسول اللہ ﷺ اعمال امت کے گواہ کے طور پر حاضر ہوں گے۔

مُبَشِّرًا: مومنین کو نجات اور جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔

نَذِيْرًا: منکرین کے لیے غضب الٰہی کی تنبیہ کرنے والے ہیں۔

۴۶۔ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ: اللہ کی طرف جو دعوت رسول اللہ ﷺ دے رہے ہیں اس کے پیچھے اذن خدا ہونے کی وجہ سے یہ خود اللہ کی دعوت ہے۔

سِرَاجًا مُّنِيْرًا: اندھیروں میں ایسا چراغ ہیں جو ہر ایک کی دست رسی میں ہے۔

۴۷۔ فضل و کرم اس ثواب کے علاوہ ہے جو عمل کے مقابلے میں ملتا ہے۔ اس فضل و کرم کا ذکر مطلق ہوا

وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا
نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ
قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ
مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ
وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا
النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ
اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ
اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ
عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ
هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ
وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ
اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ

توجہ نہ دیا کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں اور ضمانت کے لیے اللہ کافی ہے۔☆ ﴿۴۹﴾ اے مومنو! جب تم مومنات سے نکاح کرو اور پھر ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ انہیں عدت میں بٹھاؤ، لہٰذا انہیں کچھ مال دو اور شائستہ انداز میں انہیں رخصت کرو۔☆ ﴿۵۰﴾ اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کی ہیں جن کے مہر آپ نے دے دیے ہیں اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ نے (بغیر جنگ کے) آپ کو عطا کی ہیں نیز آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے (سب حلال ہیں) اور وہ مومنہ عورت جو اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کرے اور اگر نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں، (یہ اجازت) صرف آپ کے لیے ہے مومنوں کے لیے نہیں، ہمیں معلوم ہے کہ ہم نے مومنوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں کیا

---

ہے، لہٰذا دنیا اور آخرت دونوں شامل ہیں۔

۴۸۔ دَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ: یعنی مشرکین اور منافقین کی طرف سے آپ کو جو اذیت پہنچ رہی ہے تو یہ مسئلہ اللہ پر چھوڑ دیجیے۔ اس میں فتح و نصرت کی ایک نوید ہے۔

۴۹۔ صرف عقد نکاح ہوا ہو اور ہمبستری سے پہلے طلاق ہو گئی ہو تو عدت نہیں ہے۔ فَمَتِّعُوْهُنَّ "ان کو کچھ مال دو" یہ اس صورت میں ہے جب عقد نکاح کے موقع پر مہر مقرر نہ ہوا ہو اور اگر نکاح کے موقع پر مہر کا تقرر ہو گیا ہو تو اس کا حکم سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۷ میں بیان ہو چکا کہ نصف مہر دینا ہوگا۔

۵۰۔ اس اعتراض کہ مؤمنین کے لیے تو صرف چار بیویوں کی اجازت ہے اور رسول ﷺ خود چار سے زائد بیویاں رکھ رہے ہیں، کا جواب یہ ہے کہ اولاً: جس اللہ نے عام مومنین کے لیے چار کی حد بندی کی ہے، اسی اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے یہ حد بندی نہیں رکھی۔ ثانیاً: رسول اللہ ﷺ چونکہ مقام عصمت پر فائز ہیں اس لیے دوسرے بشری تقاضوں کی حد بندی یہاں رسول اللہ ﷺ کے لیے نہیں ہے۔

یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک ہے کہ کوئی خاتون اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے بلا مہر ہبہ کر دے اور رسول ﷺ بھی قبول کریں تو وہ عورت آپ کی بیوی بن جائے گی۔

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ: اس جملے کا مفہوم یہ ہے: ہم نے آپ ﷺ کو مومنین سے زیادہ ازواج کی اجازت اس لیے دی ہے کہ آپ ﷺ کو کوئی تنگی نہ ہو۔ یعنی رسالت کی ذمہ داریوں کی تکمیل میں کوئی

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝۵۱ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝۵۲ ع

(حق مہر) معین کیا ہے (آپ کو یہ رعایت اس لیے حاصل ہے) تاکہ آپ پر کسی قسم کا مضائقہ نہ ہو اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، مہربان ہے۔☆ (۵۱) آپ ان بیویوں میں سے جسے چاہیں علیحدہ رکھیں اور جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جسے آپ نے علیحدہ کر دیا ہو اسے آپ پھر اپنے پاس بلانا چاہتے ہوں تو اس میں آپ پر کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہ اس لیے ہے کہ اس میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ بھی آپ انہیں دیں وہ سب اسی پر راضی ہوں اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا، بردبار ہے۔☆ (۵۲) اس کے بعد آپ کے لیے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ اس بات کی اجازت ہے کہ ان بیویوں کو بدل لیں خواہ ان (دوسری) عورتوں کا حسن آپ کو کتنا ہی پسند ہو سوائے ان (کنیز) عورتوں کے جو آپ کی ملکیت میں

تنگی نہ ہو۔ ان ازواج سے آپ کو دو سہولتیں میسر آئیں۔ اول یہ کہ ان ازواج کے ذریعے مختلف قبائل کی ہمدردیاں حاصل فرمائیں اور بہت سے خاندانی اور قبائلی عداوتیں ختم ہو گئیں۔ دوم یہ کہ ان ازواج کے ذریعے بہت سی نسوانی تربیت جو دوسری صورت میں نہیں ہو سکتی تھی، آسان ہو گئی۔ چنانچہ ازواج کے ذریعے تعلیمات اسلامی کا ایک قابل توجہ حصہ نسوانی معاشرے میں آسانی سے پہنچ گیا۔ اگر خواہشات کی بنیاد پر ہوتیں تو ان ازواج میں ایک کے سوا خواتین سن رسیدہ معمر نہ ہوتیں۔ بعض ازواج سے تو صرف نکاح ہوا اور بس۔

۵۱۔ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ازواج کی بہت سی الجھنوں سے آزاد کر دیا کہ آپ ﷺ جس طرح چاہیں اپنی ازواج کے ساتھ برتاؤ کریں۔ لیکن روایات کے مطابق حضور ﷺ نے اس اختیار کے باوجود سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا۔

۵۲۔ مِنْۢ بَعْدُ: کی دو تفسیریں ہیں۔: اول یہ کہ جن عورتوں کا آیت ۵۰ میں ذکر آیا ہے، ان کے بعد دوسری عورتیں آپ کے لیے حرام ہیں۔ دوم یہ کہ جب آپ کی ازواج اس بات پر راضی ہیں کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ جو چاہیں برتاؤ کریں، اس کے بعد آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو طلاق دیں اور اس کی جگہ کسی اور سے شادی کریں۔

۵۳۔ اسلامی آداب و تہذیب رائج ہونے سے پہلے عربوں کے ہاں گھروں میں بلا اجازت داخل

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ
النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ
نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا
فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ
لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي
النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ
مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا
فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ
اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ
اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا
اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ
كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا
اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ

ہوں اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔☆ ﴿۵۳﴾ اے ایمان والو!
نبی کے گھروں میں داخل نہ ہونا مگر یہ کہ تمہیں کھانے کے
لیے اجازت دی جائے اور نہ ہی پکنے کا انتظار کرو، لیکن جب
دعوت دے دی جائے تو داخل ہو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو
منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے بیٹھے نہ رہو، یہ بات نبی کو
تکلیف پہنچاتی ہے مگر وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں لیکن اللہ حق
بات کرنے سے نہیں شرماتا اور جب تمہیں نبی کی بیویوں
سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ
تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ بہتر
طریقہ ہے تمہیں یہ حق نہیں کہ اللہ کے رسول کو اذیت دو اور
ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی بھی نکاح نہ کرو، بتحقیق یہ
اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔☆ ﴿۵۴﴾ تم کسی بات کو
خواہ چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تو یقینا ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔

ہونے کا رواج عام تھا۔ اس آیت میں شروع میں یہ حکم آیا کہ نبی کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہوں۔ بعد میں سورۂ نور میں تمام مسلمانوں کے گھروں میں جانے کے لیے اجازت لینا لازمی قرار دیا گیا۔ دوسری بری عادت ان میں یہ تھی کہ انہیں کسی کے ہاں جانا ہوتا تو کھانے کے وقت پہنچ جاتے یا کھانے کے وقت تک بیٹھے رہتے۔ ادھر صاحب خانہ نہ تو انہیں اٹھا سکتا، نہ اس کی مالی حالت ایسی ہوتی کہ اچانک آنے والوں کو کھانا کھلائے۔ اس رسم بد سے نجات دلانے کے لیے حکم

ہوا کہ کسی کے گھر کھانے کے وقت دعوت کے بغیر نہ جایا کریں۔ تیسری بری عادت یہ تھی کہ کھانے پر دعوت دی جائے تو کھانے کے بعد اٹھتے نہیں تھے۔ اس بارے میں حکم ہوا کہ کھانا کھا چکو تو اٹھ جایا کریں۔ چوتھی بات: ازواج رسول ﷺ کے لیے یہ حکم آیا کہ وہ غیر محرم مردوں کے سامنے نہ آئیں اور مردوں نے بھی کوئی چیز طلب کرنی ہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں۔ پانچویں بات: طلحہ بن عبید اللہ صحابی نے کہا تھا: محمد ﷺ ہمارے بعد ہماری عورتوں سے شادی کرتے ہیں، ہم بھی ان کے بعد

ان کی زوجات سے شادی کریں گے۔ اس صحابی کے قول سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت ہوئی۔
اگر رسول اللہ ﷺ کی ازواج سے رسول ﷺ کی حیات کے بعد شادی ممنوع نہ ہوتی تو لوگ رسول ﷺ کے بعد ازواج رسول سے شادی کر کے اپنا مقام بنانے اور سیاسی مقاصد حال کرنے کی کوشش کرتے جس سے اختلاف بڑھ جاتا اور رسول ﷺ کی اہانت ہوتی۔ چنانچہ لوگوں نے ازواج رسول ﷺ سے اپنے سیاسی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کی۔

عَلِيمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيٓ اٰبَآئِهِنَّ
وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ
اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا
نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ
وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ
يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا
مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ
احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ يٰٓاَيُّهَا ع

﴿۵۵﴾ (رسول کی) ازواج پر کوئی مضائقہ نہیں اپنے باپوں، اپنے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھتیجوں، اپنے بھانجوں، اپنی مسلم خواتین اور کنیزوں سے (پردہ نہ کرنے میں) اور اللہ کا خوف کریں، اللہ یقیناً ہر چیز پر گواہ ہے۔ ﴿۵۶﴾ اللہ اور اس کے فرشتے یقیناً نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے۔☆ ﴿۵۷﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۵۸﴾ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو ناکردہ (گناہ) پر اذیت دیتے ہیں پس انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا ہے۔ ﴿۵۹﴾ اے نبی! اپنی ازواج اور اپنی بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجیے: وہ اپنی چادریں تھوڑی نیچی کر لیا

۵۶۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو متعدد اصحاب نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے درود کے لیے جو الفاظ سکھائے ہیں ان کو درج ذیل اصحاب نے تھوڑے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے:

اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آلِ ابراھیم و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

۱۔ ابن عباس سے ابن جریر نے روایت کی ہے۔ ۲۔ کعب بن عجرہ سے بخاری، مسلم اور نسائی نے روایت کی ہے۔ ۳۔ ابو سعید خدری سے بخاری، نسائی اور ابن ماجہ نے۔ ۴۔ ابو ہریرہ سے نسائی نے۔ ۵۔ بریدۃ الخزاعی سے احمد بن حنبل و ابن مردویہ نے۔ ۶۔ طلحہ سے ابن جریر نے۔ ۷۔ ابو مسعود سے مسلم، نسائی وغیرہ نے۔ ۸۔ ابو حمید ساعدی سے بخاری، مسلم، نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ صرف اس روایت میں آل کی جگہ ازواج و ذریت کا لفظ موجود ہے۔ ذریت اور آل کو ہم معنی تسلیم کیا جائے تو یہ روایت دوسری روایتوں کے مطابق ہو جاتی ہے۔ ۹۔ ابو خارجہ سے نسائی اور احمد بن حنبل نے۔ ۱۰۔ انس سے ابن مردویہ نے۔ ۱۱۔ ابن مسعود سے ابن مردویہ نے روایت کی ہے۔

جو لوگ آل محمد ﷺ سے مراد ہر مومن کو لیتے ہیں وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآن میں آل فرعون اس کے ماننے والوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نہ معلوم ان کو آل فرعون کیوں یاد آتے ہیں، جبکہ ان احادیث میں آل ابراہیم ؑ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے: اے اللہ درود بھیج محمد ﷺ پر اور آل محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے ابراہیم ؑ اور آل ابراہیم ؑ پر درود بھیجا ہے، تو تحقیق اس بات پر ہونی چاہیے کہ آل ابراہیم ؑ سے مراد کون ہیں؟ قرآن فرماتا ہے:

النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ
الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ
جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا
يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾
لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ
لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا
اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ
السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا
يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾

معانقة ۱۲

کریں، یہ امر ان کی شناخت کے لیے (احتیاط کے) قریب
تر ہوگا پھر کوئی انہیں اذیت نہ دے گا اور اللہ بڑا معاف
کرنے والا، مہربان ہے۔☆ (۶۰) اگر منافقین اور وہ لوگ
جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں افواہیں
پھیلاتے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان
کے خلاف اٹھائیں گے پھر وہ اس شہر میں آپ کے جوار میں
تھوڑے دن ہی رہ پائیں گے۔☆ (۶۱) یہ لعنت کے سزاوار
ہوں گے، وہ جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور
بری طرح سے مارے جائیں گے۔ (۶۲) جو پہلے گزر چکے
ہیں ان کے لیے بھی اللہ کا یہی دستور رہا ہے اور اللہ کے
دستور میں آپ کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔ (۶۳) لوگ آپ
سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اس کا علم
صرف اللہ کے پاس ہے اور تجھے کیا خبر شاید قیامت قریب

---

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (نساء: ۵۴) ہم نے ال ابراہیم علیہ السلام کو کتاب و حکمت عنایت کی۔ چونکہ کتاب و حکمت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کو عنایت ہوئی ہے، لہٰذا یہاں بھی آل سے مراد ذریت ہے۔
ثانیاً: اگر آل سے مراد ہر مؤمن ہے تو انہیں درود بھیجتے ہوئے آل کے ذکر سے کترانا نہیں چاہیے۔ جبکہ یہ حضرات "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھتے اور کہتے ہیں اور آل کا ذکر نہیں کرتے۔ ثالثاً اگر آل سے مراد ہر مؤمن ہے تو پھر اصحاب و ازواج کے الگ ذکر کی کیا ضرورت ہے، جبکہ وہ بھی اہل ایمان کے ضمن میں آتے ہیں؟

۵۹۔ جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے سارا بدن چھپ جاتا ہے۔ يُدْنِيْنَ۔ اس لفظ کے بعد اِلیٰ آجائے تو قریب کے معنی بنتے ہیں اور اگر اس کے بعد عَلٰی آجائے تو ارخاء لٹکانے کے معنی بنتے ہیں۔ جیسے اس آیت میں ہے: وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا (الانسان: ۱۴)۔ لہٰذا آیات کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ چادر کا ایک حصہ لٹکا دیا کرو۔ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ یہاں سے ہم چادر کا ایک حصہ سمجھ لیتے ہیں۔ سورہ نور میں فرمایا: اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں۔ ان دونوں آیات سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ نہ گریبان کھلے رکھیں، نہ سر کے بال کھلے رکھیں، بلکہ چادروں کو نیچے رکھیں کہ کنیزوں کی طرح مبتذل نہ ہوں بلکہ باوقار نظر آئیں۔
اس چادر کو نیچی کرنے کے حکم کا مطلب کیا چہرہ چھپانا ہے؟ یا سر پیشانی گردن اور سینہ کو چھپانا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بہرحال اس حجاب سے جو نتیجہ مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے ان خواتین کی شناخت ہو جائے جو وقار و شرافت اور عفت و پاکیزگی کی مالک ہیں اور مدینے کے اوباش ان کے بارے میں جسارت نہ کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردے سے عورت کے وقار میں اضافہ ہوتا

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ
سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا
يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ
تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ
يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾
وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا
وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ
اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ
لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ
اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۗ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ
وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ

ہو؟ (٦٤) بلاشبہ اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے، (٦٥) جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہ نہ کوئی حامی پائیں گے اور نہ مددگار۔ (٦٦) اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹائے پلٹائے جائیں گے، وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ (٦٧) اور وہ کہیں گے: ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی تھی پس انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ (٦٨) ہمارے رب! تو انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت بھیج۔
(٦٩) اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی تھی پھر اللہ نے ان کے الزام سے انہیں بری ثابت کیا اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔☆
(٧٠) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (مبنی برحق) باتیں کیا کرو۔☆ (٧١) اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح

---

ہے اور ان کی طرف بری نگاہیں نہیں اٹھتیں۔ حجاب عفت کی پہچان اور عورت کا وقار ہے۔

۶۰۔ تین قسم کے آدمیوں کا ذکر ہے: منافقین، بیمار دل والے یعنی ضعیف الایمان لوگ اور افواہیں پھیلانے والے۔ بعض کا یہ کہنا کہ یہ تمام اوصاف منافقین ہی کے ہیں، قرآن کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہے۔

۶۹۔ رسول ﷺ کو اذیت دینے والوں کو ایمان والے کہنے کا مطلب یہ ہے: اے ایمان کے دعویدارو! اپنے ایمان کے تقاضے پورے کرو۔ فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ پھر اللہ نے انہیں بری کیا سے معلوم ہوتا ہے یہ ایذا بہتان تراشی کی صورت میں تھی۔ حضرت زینب کے ساتھ شادی اور مال کی تقسیم کے بارے میں بعض لوگوں سے یہ جرم سرزد ہوا تھا۔

۷۰۔ تقویٰ اور قول سدید یعنی درست اور سنجیدہ باتوں کا لازمی نتیجہ اعمال کی اصلاح اور کردار کی تعمیر ہے۔ چونکہ اس صورت میں اس کا کردار جھوٹ بہتان، غیبت، لغویات اور شرانگیزی سے پاک ہوگا۔

۷۲۔ اس بار امانت کو اٹھانے کی صلاحیت صرف انسان کے پاس تھی، کیونکہ انسان ہی ارادہ، معرفت اور اختیار کا مالک ہے۔ جو اپنے ارادے کا مالک ہے وہی امتحان کے میدان میں قدم رکھ سکتا ہے اور جو امتحان کے میدان میں قدم رکھ سکتا ہے اس کے لیے کامیابی و ناکامی کا تصور ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ وَ يَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَ مَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۙ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ وَالۡمُشۡرِكٰتِ وَيَتُوۡبَ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۷۳﴾ ع | فرمائے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی پس اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔ ﴿۷۱﴾ ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو ان سب نے اسے اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈر گئے لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا، انسان یقینا بڑا ظالم اور نادان ہے۔☆ ﴿۷۲﴾ تاکہ (نتیجے میں) اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے اور اللہ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو معاف کرے اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحیم ہے۔ |
| ۳۴ سُوۡرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ ۵۸ — اٰیاتہا ۵۴ — رکوعاتہا ۶ | سورہ سبا۔ مکی۔ آیات ۵۴ |
| بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ | بنام خدائے رحمٰن رحیم |
| اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا | ﴿۱﴾ ثنائے کامل اس اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین |

چنانچہ جو علم کی اہلیت رکھتا ہے، لیکن علم نہیں رکھتا ہے تو اس کو جاہل کہا جا سکتا ہے اور جو عدل و انصاف پر قائم رہنے کی اہلیت رکھتا ہے اور عدل پر قائم نہ رہے اس کو ظالم کہا جا سکتا ہے اور مسلوب الارادہ پہاڑ کو نہ ظالم کہا جا سکتا ہے، نہ ہی جاہل۔ انسان چونکہ اپنے ارادے کا خود مالک ہے، لہٰذا وہ اس ارادے کو مثبت سمت میں لے جا سکتا ہے اور منفی سمت کی طرف بھی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس امانت سے کیا مراد ہے۔ یہ امانت وہ چیز ہے جس کے اٹھانے کے نتیجے میں انسان ظالم اور جاہل ہو سکتا ہے اور وہ مکلف (خدا کی طرف سے خیر و شر کا ذمہ دار) قرار پاتا ہے۔ چنانچہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں میں سے صرف انسان ہی مکلف (ذمہ داری کا حامل) ہے نیز اس کے بعد کی آیت کا سیاق بھی یہ بتاتا ہے کہ اس امانت کے نتیجے میں منافقین کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور مومنین کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ واضح رہے اس ذمہ داری میں توحید و رسالت کے بعد محبت اہل بیت علیہم السلام سرفہرست ہے۔ جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

سورۂ سبا

۲۔ زمین کے اندر جو چیزیں جاتی ہیں ان میں سے کچھ تو عام مشاہدے میں آتی ہیں اور کچھ سائنسی مشاہدے میں آتی ہیں۔ یہی حال زمین سے نکلنے

فِی الۡاَرۡضِ وَ لَهُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَةِ ؕ وَ هُوَ الۡحَكِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱﴾ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا ؕ وَ هُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ ﴿۲﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَةُ ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتَاۡتِیَنَّكُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ ۚ لَا یَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكۡبَرُ اِلَّا فِیۡ كِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿٭ۙ۳﴾ لِّیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ رِزۡقٌ كَرِیۡمٌ ﴿۴﴾ وَ الَّذِیۡنَ سَعَوۡ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ

کی ہر چیز کا مالک ہے اور آخرت میں بھی ثنائے کامل اسی کے لیے ہے اور وہ بڑا حکمت والا، خوب باخبر ہے۔ ﴿۲﴾ جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے سب کو اللہ جانتا ہے اور وہی رحیم غفور ہے۔☆ ﴿۳﴾ اور کفار کہتے ہیں: قیامت ہم پر نہیں آئے گی، کہہ دیجیے: میرے عالم الغیب رب کی قسم وہ تم پر ضرور آکر رہے گی، آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر بھی (کوئی چیز) اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور نہ ذرے سے چھوٹی چیز اور نہ اس سے بڑی مگر یہ کہ سب کچھ کتاب مبین میں ثبت ہے۔☆ ﴿۴﴾ تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل انجام دینے والوں کو جزا دے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور رزق کریم ہے۔☆ ﴿۵﴾ اور جنہوں نے ہماری آیات کے بارے میں کوشش کی کہ (ہم کو) مغلوب کریں ان کے لیے بلا کا دردناک عذاب

والی چیزوں کا ہے کہ ابھی بشر کو علم نہیں کہ کیا چیزیں آسمان سے زمین میں داخل ہوتی اور نکلتی ہیں۔ بشر کو کیا معلوم، کون سی آہ، کون سی دعا، کون سی عبادت اور کون سی روح آسمان کی طرف عروج کرتی ہے اور کون سا حکم یا فیصلہ آسمان سے نازل ہوتا ہے؟

۳۔ جو لوگ حیات اخروی کے اس لیے منکر تھے کہ جب انسان کے اجزا بکھر جائیں گے تو اللہ ان کو دوبارہ کیسے جمع کرے گا؟ جواب میں فرمایا: خواہ ذرات سے چھوٹے اجزا میں بکھر جائیں، اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ سورہ واقعہ میں فرمایا: وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ النَّشۡاَةَ الۡاُوۡلٰی، کا تو تمہیں علم ہے۔ تمہاری تخلیق کے لیے جن ارضی عناصر کو بروئے کار لایا گیا ہے وہ بھی دنیا کے اطراف میں منتشر اجزاء تھے جو تمہارے دسترخوان پر جمع ہوئے، جن سے تمہارا خون بنا، نطفہ بنا، پھر تمہاری تخلیق ہوئی۔

اَلِيْمٌ ۝٥ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝٦ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝٧ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝٨ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ

ہے۔☆ (٦) اور جنہیں علم دیا گیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور وہ بڑے غالب آنے والے اور قابل ستائش (اللہ) کی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ (٧) اور کفار کہتے ہیں: کیا ہم تمہیں ایک ایسے آدمی کا پتہ بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم مکمل طور پر پارہ پارہ ہو جاؤ گے تو بلاشبہ تم نئی خلقت پاؤ گے؟☆ (٨) اس نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اسے جنون لاحق ہے؟ (نہیں) بلکہ (بات یہ ہے کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ لوگ عذاب میں اور گہری گمراہی میں مبتلا ہیں۔☆ (٩) کیا انہوں نے اپنے آگے اور پیچھے محیط آسمان اور زمین کو نہیں دیکھا؟ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا آسمان سے ان پر ٹکڑے برسا دیں یقیناً اس میں اللہ کی طرف رجوع

۴۔ ۵ قیامت کی حقانیت عقل و فطرت کے مطابق ہے۔ ہر شخص کا ضمیر یہ چاہتا ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم کا اور نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی کا بدلہ ملے۔ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسانی ضمیر ایک غیر موجود چیز کی خواہش نہیں کرتا، جیسا کہ انسان کا مزاج بھی غیر موجود چیز کی خواہش نہیں کرتا۔ چنانچہ پیاس دلیل ہے کہ اسے بجھانے والی شے موجود ہے اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی کا بدلہ نہیں ملتا بلکہ یہاں تو بدی کے ارتکاب کرنے والے پھلتے پھولتے ہیں۔ لہٰذا قیامت کے وجود پر انسان کا ضمیر اور وجدان گواہی دیتا ہے۔

۷۔ ۸ از راہ تمسخر یہ بات کرتے تھے کہ اس شخص کا مسئلہ دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو یہ جان بوجھ کر اللہ پر بہتان باندھتا ہے کہ قیامت ہے یا یہ شخص دیوانہ ہے۔ (نعوذ باللہ) اہل مکہ بخوبی جانتے تھے کہ دیوانہ والی بات درست نہیں ہے، لہٰذا وہ جھوٹ والی بات پر زور دیتے تھے۔ اگرچہ اہل مکہ کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

ع مُّنِیۡبٍ ﴿۹﴾ وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ وَ الطَّیۡرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَہُ الۡحَدِیۡدَ ﴿ۙ۱۰﴾ اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ وَ اعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۱﴾ وَ لِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ غُدُوُّہَا شَہۡرٌ وَّ رَوَاحُہَا شَہۡرٌ ۚ وَ اَسَلۡنَا لَہٗ عَیۡنَ الۡقِطۡرِ ؕ وَ مِنَ الۡجِنِّ مَنۡ یَّعۡمَلُ بَیۡنَ یَدَیۡہِ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ ؕ وَ مَنۡ یَّزِغۡ مِنۡہُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡہُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿۱۲﴾ یَعۡمَلُوۡنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَ تَمَاثِیۡلَ وَ جِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَ قُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا

کرنے والے ہر بندے کے لیے نشانی ہے۔ ﴿۱۰﴾ اور تحقیق ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت دی، (اور ہم نے کہا) اے پہاڑو! اس کے ساتھ (تسبیح پڑھتے ہوئے) خوش الحانی کرو اور پرندوں کو بھی (یہی حکم دیا) اور ہم نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا☆ ﴿۱۱﴾ کہ تم زرہیں بناؤ اور ان کے حلقوں کو باہم مناسب رکھو اور تم سب نیک عمل کرو تحقیق جو کچھ تم کرتے ہو میں اسے دیکھتا ہوں۔☆ ﴿۱۲﴾ اور سلیمان کے لیے (ہم نے) ہوا (کو مسخر کر دیا)، صبح کے وقت اس کا چلنا ایک ماہ کا راستہ اور شام کے وقت کا چلنا بھی ایک ماہ کا راستہ (ہوتا) اور ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور جنوں میں سے بعض ایسے تھے جو اپنے رب کی اجازت سے سلیمان کے آگے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے انحراف کرتا ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا ذائقہ چکھاتے۔☆ ﴿۱۳﴾ سلیمان جو چاہتے یہ جنات ان کے لیے بنا دیتے تھے، بڑی مقدس عمارات، مجسمے، حوض جیسے پیالے اور زمین میں گڑی ہوئی دیگیں، اے

۱۰۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ خوش الحانی کرنے کا حکم صریح طور پر بتاتا ہے کہ پہاڑ اور پرندے بھی ایک قسم کا شعور رکھتے ہیں۔ البتہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ ان کی خوش الحانی اس قدر مؤثر تھی کہ پہاڑ کے شعور تک ان کی رسائی ہوتی تھی۔

۱۱۔ اور یہ بات آثار قدیمہ کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوگئی ہے کہ زرہ سازی کی صنعت حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں رائج ہوگئی تھی۔

۱۲۔ سورۂ انبیاء آیت ۸۱ میں بھی اس بات کا ذکر آ گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر تھی۔ بعض روایات میں بھی آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کو ایک ماہ کی مسافت اور شام کو ایک ماہ کی مسافت ہوا کے ذریعہ طے کرتے تھے۔ کیا ان کی کرسی کو ہوا اٹھاتی تھی یا بحری جہاز کے ذریعہ یہ مسافت طے ہوتی تھی؟ (کیونکہ اس زمانے میں جہاز رانی کا انحصار ہوا پر تھا) اس بارے میں کوئی واضح جواب اور دلیل ہمارے پاس نہیں۔ ممکن ہے کہ بحری جہاز کے لیے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تسخیر کیا ہو۔ "تسخیر جن" کے مسئلہ میں قرآن کی صراحت قابل تاویل نہیں ہے کہ اس سے مراد کوہستانی انسان لیا جائے بلکہ وہ جن ہی تھے جنہیں اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر فرمایا تھا۔

وَاَسَلۡنَا لَہٗ عَیۡنَ الۡقِطۡرِ: ممکن ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں تانبہ پگھلانے کی صنعت بڑے پیمانے پر رائج ہوگئی ہو، جسے چشمے سے تعبیر کیا گیا۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت کے لیے پگھلا ہوا تانبے کا چشمہ پھوٹ نکلا۔

۱۳۔ تمثال سے مراد جانداروں کا مجسمہ نہیں بلکہ روایات کے مطابق وہ درختوں کی تمثال بناتے تھے۔ شیخ انصاری مکاسب محرمہ میں فرماتے

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِىْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَىْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَىْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِىْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى

آل داؤد! شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔☆ ﴿۱۳﴾ پھر جب ہم نے سلیمان کی موت کا فیصلہ کیا تو ان جنات کو سلیمان کی موت کی بات کسی نے نہ بتائی سوائے زمین پر چلنے والی (دیمک) کے جو ان کے عصا کو کھا رہی تھی، پھر جب سلیمان زمین پر گرے تو جنوں پر بات واضح ہوگئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کے اس عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔☆ ﴿۱۴﴾ بتحقیق (اہل) سبا کے لیے ان کی آبادی میں ایک نشانی تھی، (یعنی) دو باغ دائیں اور بائیں تھے، اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو، ایک پاکیزہ شہر (ہے) اور بڑا بخشنے والا رب۔☆ ﴿۱۵﴾ پس انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا اور ان دو باغوں کے عوض ہم نے انہیں دو ایسے باغات دیے جن میں بدمزہ پھل اور کچھ جھاؤ کے درخت اور تھوڑے سے بیر تھے۔☆ ﴿۱۶﴾ ان کی ناشکری کے سبب ہم نے انہیں یہ سزا دی اور کیا (ایسی) سزا ناشکروں کے علاوہ ہم کسی اور کو دیتے ہیں؟☆ ﴿۱۷﴾ اور ہم نے ان کے اور جن

ہیں: جانداروں کا مجسمہ بنانا بلا اختلاف حرام ہے۔
وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ: دیگیں گڑی ہوئی اس لیے ہوتی ہوں گی کہ وہ اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ انہیں منتقل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ممکن ہے ان میں افواج کے لیے کھانا پکتا ہو۔

۱۴۔ اس واقعے کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جنات غیب کا علم نہیں رکھتے جیسا کہ مشرکین مکہ کا عقیدہ تھا: وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ۔ (انعام: ۱۰۰) اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک قرار دیا حالانکہ ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔

۱۵۔ سبا سے مراد وہ علاقہ ہے جسے آج ہم یمن کہتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ نہایت سرسبز تھا اور یہاں ہر طرف باغات نظر آتے تھے۔

۱۶۔ ابن عباس اور قدیم کتبات کے مطابق عرم سد (بند) کو کہتے ہیں۔ یہ بند تاریخ میں سد مآرب کے نام سے مشہور ہے۔ مآرب اس زمانے میں یمن کا دارالسلطنت تھا۔ لہٰذا سیل العرم اس سیلاب کو کہا گیا ہے جو کسی بند کے ٹوٹنے سے آیا تھا۔ چنانچہ اس سیلاب سے یمن کا سارا علاقہ تباہ ہو گیا۔ اس زمانے کے سبا والوں نے ایک عظیم سد بنایا تھا جس سے آب پاشی کا بہترین نظام وجود میں آیا اور سارا علاقہ سرسبز ہو گیا تھا۔ سیلاب کی تباہی کے بعد وہاں جھاڑیاں اگتی تھیں۔

۱۷۔ کفران نعمت کی سزا کبھی دنیا میں سلب نعمت اور آخرت میں عذاب کی صورت میں ملتی ہے۔

۱۸۔ برکت والی بستیوں سے مراد بلاد شام ہی ہو سکتے ہیں۔ قرآن ان علاقوں کا ہمیشہ ذکر برکت والے

الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡهَا قُرًی ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرۡنَا فِیۡهَا السَّیۡرَ ؕ سِیۡرُوۡا فِیۡهَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیۡنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَیۡنَ اَسۡفَارِنَا وَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِیۡثَ وَ مَزَّقۡنٰهُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿۱۹﴾ وَ لَقَدۡ صَدَّقَ عَلَیۡهِمۡ اِبۡلِیۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۰﴾ وَ مَا کَانَ لَهٗ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِالۡاٰخِرَةِ مِمَّنۡ هُوَ مِنۡهَا فِیۡ شَكٍّ ؕ وَ رَبُّكَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ ﴿۲۱﴾ ع قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا

بستیوں کو ہم نے برکت سے نوازا تھا، کے درمیان چند کھلی بستیاں بسا دیں اور ان میں سفر کی منزلیں متعین کیں، ان میں راتوں اور دنوں میں امن کے ساتھ سفر کیا کرو۔☆ ﴿۱۹﴾ پس انہوں نے کہا: ہمارے رب! ہمارے سفر کی منزلوں کو لمبا کر دے اور انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا چنانچہ ہم نے بھی انہیں افسانے بنا دیا اور انہیں مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، یقیناً اس (واقعہ) میں ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں۔☆ ﴿۲۰﴾ اور بتحقیق ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا گمان درست پایا اور انہوں نے اس کی پیروی کی سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے۔☆ ﴿۲۱﴾ اور ابلیس کو ان پر کوئی بالادستی حاصل نہ تھی مگر ہم یہ جاننا چاہتے تھے کہ آخرت کا ماننے والا کون ہے اور ان میں سے کون اس بارے میں شک میں ہے اور آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔☆ ﴿۲۲﴾ کہد یجیے: جنہیں تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے ہو انہیں پکارو، وہ ذرہ بھر چیز کے مالک نہیں ہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ہی ان

کے نام سے کرتا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ ہم نے یمن اور شام کے درمیان ایسی کھلی یا شاہراہ پر واقع بستیاں بسائیں اور سفر کی ایسی منزلیں مقرر کیں کہ پورا سفر امن کا سفر رہے۔

۱۹۔ اس ناشکری پر مشتمل مطالبے کے نتیجے میں ان کو اللہ نے ایسا منتشر کیا کہ ان کی تباہی آنے والی نسلوں کے لیے ضرب المثل بن گئی۔ تفرقوا ایادی سبا۔

ممکن ہے وہ ناشکری کی زبان حال سے کہ رہے ہوں، ورنہ سفر کی منزلوں کو لمبا کرنے کا مطالبہ ممکن ہے شعوری طور پر نہ کیا ہو۔ و العلم عند اللہ۔

۲۰۔ شیطان نے کہا: میں اولاد آدم کو گمراہ کروں گا سوائے مخلص بندوں کے۔

۲۱۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے بہت سے اسباب فراہم فرمائے ہیں، جیسے ضمیر، عقل، فرشتے اور انبیاء علیہم السلام وہاں گمراہی کی طرف دعوت دینے والوں کو بھی نہیں روکا جیسے خواہشات، شیاطین جن اور شیاطین انس وغیرہ۔ ان دونوں راستوں کے درمیان انسان کو کھڑا کیا گیا تا کہ ایمان اور شک والوں میں امتیاز ہو جائے۔

۲۳۔ مشرکین اپنے معبودوں کو اللہ کے ہاں شفاعت کنندہ سمجھتے تھے۔ مشرکین کے ہاں شفاعت سے مراد دنیاوی معاملات میں سفارش ہے۔ آخرت کے وہ منکر تھے۔ لہذا آیت کا موضوع دنیا میں

فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٥﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۚ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿٢٦﴾ قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَآءَ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيزُ

دونوں میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے اس کا کوئی مددگار ہے۔ ﴿٢٢﴾ اور اللہ کے نزدیک کسی کے لیے شفاعت فائدہ مند نہیں سوائے اس کے جس کے حق میں اللہ نے اجازت دی ہو، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے پریشانی دور ہو گی تو وہ کہیں گے: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ کہیں گے: حق فرمایا ہے اور وہی برتر، بزرگ ہے۔☆ ﴿٢٣﴾ ان سے پوچھیے: تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ کہد یجیے: اللہ، تو ہم اور تم میں سے کوئی ایک ہدایت پر یا صریح گمراہی میں ہے۔☆ ﴿٢٤﴾ کہد یجیے: ہمارے گناہوں کی تم سے پرسش نہیں ہو گی اور نہ ہی تمہارے اعمال کے بارے میں ہم سے سوال ہو گا۔ ﴿٢٥﴾ کہ دیجیے: ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان حق پر مبنی فیصلہ فرمائے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا، دانا ہے۔ ﴿٢٦﴾ کہد یجیے: مجھے وہ تو دکھاؤ جنہیں تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ بڑا

---

شفاعت ہے۔ اس سلسلے میں فرمایا: دنیا میں بھی شفاعت کی کوئی ذات بذات خود حقدار نہیں ہے، جب تک مالک حقیقی کی طرف سے عنایت نہ ہو۔ یعنی فرشتے سفارش ضرور کر سکتے ہیں، لیکن ہر بات میں، ہر کسی کے لیے نہیں، بلکہ اس کے حق میں شفاعت کر سکتے ہیں جس کے لیے اذن مل جائے۔ فرشتوں کو بذات خود شفاعت کا حق ہونا دور کی بات ہے، بلکہ یہ خود امر خدا کے انتظار میں پریشان حال ہوتے ہیں کہ کیا حکم ملنے والا ہے، حکم خدا آنے پر ان کے دلوں کی پریشانی دور ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے سے اس حکم کی نوعیت پوچھتے ہیں۔

٢٤۔ واضح دلیل پیش کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے فرماتا ہے: تمہارا مؤقف اور ہمارا مؤقف باہم متضاد ہیں۔ یہ دونوں صحیح نہیں ہو سکتے اور دونوں باطل بھی نہیں ہو سکتے۔ یعنی رازق اللہ ہے یا تمہارے معبود، یہ دونوں نظریے باطل نہیں ہو سکتے۔ مشرکین کا نظریہ باطل ہونے پر دلیل موجود ہے کہ خود مشرکین اللہ کو خالق مانتے ہیں، پس انہیں اللہ کو رازق بھی ماننا پڑے گا۔ چونکہ رزق دینا بھی تخلیق ہے۔

٢٧۔ یعنی ان شریکوں کا حدود اربعہ تو بیان کرو کہ ان میں میری حکومت میں شریک ہونے کی صلاحیت کہاں سے آ گئی؟ ان بے جان بتوں میں یہ صلاحیت ہے یا اللہ کی تابع فرمان مخلوق فرشتوں

الۡحَكِيۡمُ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۹﴾ قُلۡ لَّـكُمۡ مِّيۡعَادُ يَوۡمٍ لَّا تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡهُ سَاعَةً وَّلَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ النصف ع وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ بِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَلَا بِالَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ ؕ وَلَوۡ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ مَوۡقُوۡفُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۖۚ يَرۡجِعُ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضِ اۨلۡقَوۡلَ ۚ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا لَوۡلَاۤ اَنۡتُمۡ لَكُنَّا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ

غالب آنے والا، حکمت والا صرف اللہ ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے فقط بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿۲۹﴾ اور یہ کہتے ہیں: اگر تم لوگ سچے ہو (تو بتاؤ قیامت کے) وعدے کا دن کب آنے والا ہے؟☆ ﴿۳۰﴾ کہد یجیے: تم سے ایک دن کا وعدہ ہے جس سے تم نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ آگے بڑھ سکو گے۔☆ ﴿۳۱﴾ اور کفار کہتے ہیں: ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور نہ (ان کتابوں پر) جو اس سے پہلے ہیں اور کاش آپ ان کا وہ حال دیکھ لیتے جب یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اور ایک دوسرے پر الزام عائد کر رہے ہوں گے، (چنانچہ) جو لوگ دبے ہوئے ہوتے تھے وہ بڑا بننے والوں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔☆ ﴿۳۲﴾ اور بڑا بننے والے دبے رہنے

میں؟

۲۸۔ مکہ میں نازل ہونے والی یہ آیت مستشرقین کے اس اعتراض کا دندان شکن جواب ہے جو کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کا خیال شروع میں یہ تھا کہ وہ صرف اہل مکہ اور گرد و پیش کی چند بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ بعد میں غیر متوقع کامیابی دیکھ کر پہلے یہ دعویٰ شروع کیا کہ میں پورے جزیرۃ العرب کی طرف مبعوث ہوا ہوں اور بعد میں دعویٰ کیا کہ پورے عالم کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

۲۹۔ ۳۰ اللہ تعالیٰ کا کائناتی نظام تمہارے مطالبوں سے نہیں بدلتا۔ قیامت کے لیے اس نظام کے تحت ایک وقت مقرر ہے۔ اس سے ایک لمحہ کے لیے تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔ یہ بات ہم سب کے مشاہدے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ مقررہ نظام میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ مثلاً جس لمحے میں سورج نے طلوع کرنا ہے، اسی مقررہ وقت پر اربوں سال سے طلوع کر رہا ہے۔

۳۱۔ جن لیڈروں، سرداروں اور مذہبی رہزنوں کی باتیں یہ لوگ دنیا میں آنکھیں بند کر کے مان لیتے تھے، وہ لوگ آخرت میں حقیقت کا مشاہدہ کریں گے۔ دنیا میں تو وہ ان کے سامنے لب کشائی نہیں کرتے تھے لیکن آخرت میں ساری ذمہ داری ان پر ڈال دیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔

۳۲۔ یعنی خود تم نے اپنی آزادی کو فروخت کیا تھا۔ تم

| | |
|---|---|
| اسۡتُضۡعِفُوۡۤا اَنَحۡنُ صَدَدۡنٰکُمۡ عَنِ | والوں سے کہیں گے: ہدایت تمہارے پاس آجانے کے بعد |
| الۡہُدٰی بَعۡدَ اِذۡ جَآءَکُمۡ بَلۡ کُنۡتُمۡ | کیا ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم خود ہی |
| مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۲﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا | مجرم ہو۔☆ ﴿۳۲﴾ اور کمزور لوگ بڑا بننے والوں سے کہیں |
| لِلَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا بَلۡ مَکۡرُ الَّیۡلِ | گے: بلکہ یہ رات دن کی چالیں تھیں جب تم ہمیں اللہ سے کفر |
| وَ النَّہَارِ اِذۡ تَاۡمُرُوۡنَنَاۤ اَنۡ نَّکۡفُرَ بِاللّٰہِ وَ | کرنے اور اس کے لیے ہمسر بنانے کے لیے کہتے تھے، |
| نَجۡعَلَ لَہٗۤ اَنۡدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَۃَ | جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل میں ندامت لیے بیٹھیں |
| لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ؕ وَ جَعَلۡنَا الۡاَغۡلٰلَ فِیۡۤ | گے اور ہم کفار کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے، کیا ان کو اس |
| اَعۡنَاقِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ ہَلۡ یُجۡزَوۡنَ | کے سوا کوئی بدلہ ملے گا جس کے یہ مرتکب ہوا کرتے |
| اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا | تھے۔☆ ﴿۳۳﴾ اور ہم نے کسی بستی کی طرف کسی تنبیہ کرنے |
| فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡہَاۤ ۙ | والے کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے مراعات یافتہ لوگ کہتے |
| اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ کٰفِرُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَ قَالُوۡا | تھے: جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اسے نہیں مانتے۔☆ |
| نَحۡنُ اَکۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّ اَوۡلَادًا ۙ وَّ مَا نَحۡنُ | ﴿۳۴﴾ اور کہتے تھے: ہم اموال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں ہم پر |
| بِمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۳۵﴾ قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ | عذاب نہیں ہوگا۔ ﴿۳۵﴾ کہد یجیے: میرا رب جس کے لیے |

ذہنی طور پر غلام تھے اور تم اپنی مرضی سے گمراہی میں چلے گئے ورنہ تم تک حق کی دعوت پہنچ گئی تھی۔

۳۳۔ دبے ہوئے لوگ کہیں گے: تمہارے شب و روز کی فریب کاریوں کی وجہ سے ہی ہم گمراہ ہوئے تھے اور ہماری بے شعوری سے تم نے فائدہ اٹھا کر ہمیں دھوکہ دیا۔

۳۴۔ خوش حالی اور ناز و نعمت کی فراوانی سے قدریں بدل جاتی ہیں اور دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے۔ دولت انسان کو بے نیازی کے ایک غلط احساس میں مبتلا کر دیتی ہے۔ پھر وہ باغی ہو جاتا ہے: عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾ کَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی ۙ﴿۶﴾ (علق: ۶۔۷) پھر انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور اس مراعات یافتہ طبقے کے مفادات میں ٹکراؤ ہے۔ انبیاء علیہم السلام مال کو وسیلہ سمجھتے ہیں، یہ لوگ اپنی منزل سمجھتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام عدل و انصاف کی دعوت دیتے ہیں، یہ لوگ استحصال کو اپنا حق سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

۳۶۔ رزق کی فزونی مؤمن کے لیے نعمت اور کافر کے لیے عذاب کا باعث ہے۔ لہٰذا اللہ اس مؤمن کے رزق کی فراوانی چاہے گا جو فزونی نعمت کے امتحان میں کامیابی حاصل کرے گا اور اگر کامیابی کی امید نہ ہو تو اللہ اس پر رحم فرماتے ہوئے اسے نعمت کی فزونی سے محروم رکھے گا۔ البتہ وہ کافر پر یہ رحم نہیں کرے گا اور اسے نعمتوں سے مالا مال کرے گا تاکہ اس کے عذاب میں اضافہ ہو۔

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾ ع وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ
اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى
اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي
الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ
اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ
مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَ
مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ
وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ
اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٤٠﴾ قَالُوْا

چاہتا ہے رزق فراوان اور تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ
نہیں جانتے۔☆ (٣٧) اور تمہارے اموال و اولاد ایسے
نہیں جو تمہیں ہماری قربت میں درجہ دلائیں سوائے اس
کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پس ان کے اعمال
کا دگنا ثواب ہے اور وہ سکون کے ساتھ بالا خانوں میں
ہوں گے۔☆ (٣٨) اور جو لوگ ہماری آیات کے بارے
میں سعی کرتے ہیں کہ (ہم کو) مغلوب کریں یہ لوگ عذاب
میں حاضر کیے جائیں گے۔ (٣٩) کہہ دیجیے: میرا رب اپنے
بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فراوانی اور تنگی سے رزق دیتا
ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کی جگہ وہ اور دیتا ہے اور
وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔☆ (٤٠) اور جس
دن وہ ان سب لوگوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے
پوچھے گا: کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے؟☆ (٤١) وہ

٣٧۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا کے استثنا سے معلوم ہوا کہ مؤمن ایمان کے سائے میں ہی مال و اولاد کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کر لیتا ہے، مال کو فی سبیل اللہ خرچ کر کے اور اولاد کی صحیح تربیت کر کے۔ ایسی صورت میں اس کو دوگنا ثواب ملے گا۔ اول تو اس لیے کہ ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیاں مل جاتی ہیں، دوم یہ کہ اولاد کے اعمال صالحہ میں سے والدین کو بھی حصہ ملتا رہے گا۔

٣٩۔ یعنی راہ خدا میں خرچ کرنا درحقیقت خرچ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک نہایت منافع بخش معاملہ ہے کہ دنیا میں بھی اس کی جگہ اللہ مزید دیتا ہے اور آخرت میں بھی ثواب عطا فرماتا ہے۔ رسول کریم ﷺ سے روایت ہے: من ایقن بالخلف سخت نفسه بالنفقة (الکافی ٤: ٤٣) "جو مزید ملنے پر یقین رکھتا ہے وہ خرچ کرنے میں سخاوت سے کام لیتا ہے۔" حضرت علی ؑ سے روایت ہے: اذا املقتم فتاجروا الله بالصدقة (وسائل الشيعة ٩: ٣٧٢) "اگر تنگدست ہو جاؤ تو صدقہ دے کر اللہ کے ساتھ سودا کرو۔"

٤٠۔ یعنی فرشتے مشرکین کی عبادت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، جنات قبول کرتے تھے۔ واضح رہے مشرکین

سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ ۭ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ

کہیں گے: پاک ہے تیری ذات، تو ہی ہمارا آقا ہے نہ کہ وہ، بلکہ وہ تو جنات کی پرستش کرتے تھے اور ان کی اکثریت انہی کو مانتی ہے۔ ﴿٤١﴾ لہٰذا آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا اور ظالموں سے ہم کہدیں گے: اب چکھو اس جہنم کا عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ ﴿٤٢﴾ اور جب ان پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں: یہ شخص تو تمہیں تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے روکنا چاہتا ہے اور کہتے ہیں: یہ (قرآن) تو محض ایک خودساختہ جھوٹ ہے اور کفار (کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ ان) کے پاس جب بھی حق آیا تو کہنے لگے: بے شک یہ تو کھلا جادو ہے۔ ﴿٤٣﴾ اور نہ تو ہم نے پہلے انہیں کتابیں دی تھیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں اور نہ ہی آپ سے پہلے ہم نے ان کی طرف کوئی تنبیہ کرنے والا بھیجا ہے۔☆ ﴿٤٥﴾ اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب

تین قسم کے لوگوں کی عبادت کرتے تھے: فرشتوں، جنات اور مقدس انسانوں کی۔ فرشتوں کی عبادت اس لیے کرتے تھے کہ وہ ان سے مفادات کی طمع رکھتے تھے۔ جنات کی عبادت ان کے شر سے بچنے کے لیے کرتے تھے۔ ممکن ہے "ہماری نہیں جنات کی عبادت کرتے ہیں" سے مراد یہ ہو کہ بظاہر یہ ہماری عبادت کرتے تھے لیکن اس گمراہی پر ان کو جنات نے اکسایا تھا تو عبادت جنات کی ہو گئی۔

۴۴۔ ان کا انکار کسی علم اور سند کی بنیاد پر نہیں ہے کیونکہ منکرین ناخواندہ لوگ ہیں۔ انہیں کتاب ملی ہے اور نہ ان کی طرف نبی مبعوث ہوئے، البتہ سابقہ انبیاء کا پیغام ان تک پہنچ گیا تھا، مگر یہ لوگ اسے نہیں مانتے تھے۔

۴۵۔ یعنی پچھلی قوموں کو جو ثروت و سلطنت دی گئی تھی مکہ والوں کے پاس اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ وہ قوت و سلطنت کے باوجود نابود ہو گئے تو مکہ والوں کی کیا حیثیت ہے؟

مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝٤٥ ع قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝٤٦ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝٤٧ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝٤٨ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝٤٩ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْۤ

کی تھی اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا تھا یہ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے مگر جب انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی تو (دیکھ لیا) میرا عذاب کتنا سخت تھا۔☆ ⑯ کہہ دیجیے: میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہو ایک ایک اور دو دو کر کے پھر سوچو کہ تمہارے ساتھی میں جنون کی کوئی بات نہیں ہے، وہ تو تمہیں ایک شدید عذاب سے پہلے خبردار کرنے والا ہے۔☆ ⑰ کہہ دیجیے: جو اجر (رسالت) میں نے تم سے مانگا ہے وہ خود تمہارے ہی لیے ہے، میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔☆ ⑱ کہہ دیجیے: میرا رب یقیناً حق نازل فرماتا ہے اور وہ غیب کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے۔ ⑲ کہہ دیجیے: حق آ گیا اور باطل نہ تو پہلی بار ایجاد کر سکتا ہے اور نہ ہی دوبارہ پلٹا سکتا ہے۔☆ ⑳ کہہ دیجیے: اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو اس گمراہی کا نقصان خود مجھے ہی ہے اور اگر میں ہدایت یافتہ ہوں تو یہ اس وحی کی بنا پر ہے جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر ہوتی

۴۶۔ جو لوگ رسول اکرم ﷺ کو مجنون کہتے ہیں، انہیں اللہ ایک بات کی نصیحت فرماتا ہے۔ وہ نصیحت یہ ہے کہ صحیح طرز تفکر اور طریقہ تعقل اختیار کرو، یعنی تم اپنے معاشرتی، ذہنی اور فکری عوامل سے الگ ہو کر تنہائی میں سوچ لو یا دو دو کر کے باہمی مذاکرات اور تبادلہ افکار کے ذریعے سوچنے کی عادت ڈالو اور دیکھو میں نے تمہارے درمیان چالیس سال تک زندگی گزاری ہے۔ کسی مرحلے پر تم نے مجھے عقل و خرد میں نہ صرف خفیف نہیں پایا بلکہ مشکل حالات میں میری عقل و خرد سے تم نے فائدہ اٹھایا ہے۔

۴۷۔ جو صلہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ خود تمہارے لیے ہے۔ اس سے ایک تو یہ مطلب واضح ہوا کہ حضور ﷺ نے امت سے اجر رسالت طلب فرمایا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس اجر میں رسول اللہ ﷺ کا ذاتی مفاد نہیں ہے، بلکہ خود امت کا مفاد ہے۔ جبکہ جو اجر رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس وضاحت سے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اجر رسالت طلب کرنا ثابت ہوا جو اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (یونس: ۷۲) میرا اجر تو صرف اللہ کے ذمے ہے، کے منافی بھی نہیں ہے۔

۴۹۔ حق آنے کے بعد باطل بے اثر ہو گیا کہ نہ کرنے

اِلَىَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَ اَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ یَقْذِفُوْنَ بِالْغَیْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۳﴾ وَ حِیْلَ بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْیَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ مُّرِیْبٍ ﴿۵۴﴾ ع

ہے، اللہ یقینا بڑا سننے والا قریب ہے۔ ﴿۵۱﴾ اور کاش! آپ دیکھ لیتے کہ جب یہ پریشان حال ہوں گے تو بچ نہ سکیں گے اور نزدیک ہی سے پکڑ لیے جائیں گے۔ ﴿۵۲﴾ (اب) وہ کہیں گے: ہم قیامت پر ایمان لے آئے لیکن اب وہ اتنی دور نکلی ہوئی چیز کو کہاں پا سکیں گے؟ ﴿۵۳﴾ اور اس سے پہلے بھی وہ اس کا انکار کر چکے تھے اور انہوں نے بن دیکھے دور ہی دور سے (گمان کے) تیر چلائے تھے۔ ﴿۵۴﴾ اور اب ان کے اور ان کی مطلوبہ اشیاء کے درمیان پردے حائل کر دیے گئے ہیں جیسا کہ پہلے بھی ان کے ہم خیال لوگوں کے ساتھ (یہی) کیا گیا تھا، یقینا وہ شبہ انگیز شک میں مبتلا تھے۔

## ٣٥ سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ ٤٣

آیاتها ٤٥ — رکوعاتها ٥

سورۃ فاطر۔ مکی۔ آیات ۴۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا

﴿۱﴾ ثنائے کامل اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا نیز فرشتوں کو پیام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو، تین تین اور چار چار پر ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے

کا رہا نہ دھرنے کا۔ کرنا دھرنا زندگی کی علامت ہے۔ باطل جو عدم سے عبارت ہے، بے اثر ہے۔

سورہ فاطر

ا۔ فرشتے امور تکوینی میں اللہ کے کارندے ہوتے ہیں۔ مختلف فرشتوں کے ذمے مختلف امور کی انجام دہی ہوتی ہے۔ فرشتوں کے لیے پروں کا ذکر صرف فرشتوں کی سرعت انتقال کو سمجھانے کے لیے ایک تصور ہے، ورنہ فرشتے مادی مخلوقات نہیں ہیں یا ممکن ہے بقول بعض اہل تحقیق پروں سے مراد فرشتوں کے مراتب اور ان کی ذمہ داریاں ہوں۔ بعض فرشتوں کے ذمے ایک کام ہے، بعض دیگر کے ذمے دو کام ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو جناح سے تعبیر کیا گیا ہو۔ چنانچہ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ اس پر قرینہ ہوسکتا ہے۔

یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ: تخلیق کا عمل ختم نہیں ہوا، کیونکہ سرچشمہ فیض سے فیض منقطع نہیں ہوسکتا۔ کُلَّ یَوۡمٍ ہُوَ فِیۡ شَاۡنٍ۔ (رحمن:۲۹) وہ ہر روز کرشمہ سازی کرتا ہے۔

یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾
مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا
مُمۡسِکَ لَہَا ۚ وَ مَا یُمۡسِکۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ
مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲﴾
یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ
عَلَیۡکُمۡ ؕ ہَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰہِ یَرۡزُقُکُمۡ
مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۫ۖ
فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ اِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ
کُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ
تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴﴾ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّ
وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الۡحَیٰوۃُ
الدُّنۡیَا ٝ وَ لَا یَغُرَّنَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۵﴾
اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡہُ عَدُوًّا ؕ

مخلوقات میں اضافہ فرماتا ہے، یقینا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔☆ ۲ لوگوں کے لیے جو رحمت (کا دروازہ) اللہ کھولے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ۳ اے لوگو! اللہ کے تم پر جو احسانات ہیں انہیں یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں رزق دے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں الٹے پھرے جا رہے ہو؟☆ ۴ اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی رسولوں کی تکذیب ہوئی ہے اور تمام امور کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔☆ ۵ اے لوگو! اللہ کا وعدہ یقینا سچا ہے لہٰذا دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ ہی وہ دغاباز (شیطان) اللہ کے بارے میں تمہیں فریب دینے پائے۔☆ ۶ شیطان یقینا تمہارا دشمن ہے پس تم اسے دشمن سمجھو، بے شک وہ اپنے گروہ کو صرف اس لیے دعوت

---

۲۔ اسی لیے مؤمن صرف اسی سے امید رکھتا ہے۔ اسی کے در پر دستک دیتا ہے اور اسی سے خوف کھاتا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سے دعائے عرفہ میں منقول ہے: جس نے تجھے پایا اس نے کیا کھویا اور جس نے تجھے کھویا اس نے کیا پایا؟ ماذا وجد من فقدک و ما الذی فقد من وجدک۔ (بحار الانوار ۹۵:۲۲۶)

وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ: وہ غالب آنے والا بالادست ہے۔ اس کے قبضہ قدرت میں سب چیز ہے۔ وہ حکمت والا ہے۔ اپنی حکمت کے تحت وہ کسی کو دیتا ہے اور کسی کو نہیں دیتا ہے۔

۳۔ ہَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰہِ یَرۡزُقُکُمۡ: ہے کوئی خالق سوائے اللہ کے جو تمہیں روزی دے۔ اس سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ خالق ہی رازق ہے۔ خالقیت اور رازقیت میں تفریق ممکن نہیں ہے۔ ہم قرآن کے ساتھ اس بات کا مکرر ذکر کرتے چلیں کہ رازقیت تخلیق مسلسل سے عبارت ہے۔ خالق ہی دانے کا سینہ چاک کر کے روزی دیتا ہے۔

۴۔ ان کا جھٹلانا رسول برحق نہ ہونے کی علامت نہیں ہے۔ جو لوگ حق کو بارگراں سمجھتے ہیں، وہ حق والوں کو جھٹلاتے رہے ہیں۔

۵۔ ابدی زندگی کا وعدہ برحق ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیوی زندگی ایک سراب سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر کوئی ابدی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی چند

اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ
السَّعِيْرِ ⑥ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيْدٌ ۬ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ ع
اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ
فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ ۖ٘ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ
حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧
وَ اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ
سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ
النُّشُوْرُ ⑨ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ
الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ

دیتا ہے تاکہ وہ لوگ اہل جہنم میں شامل ہوجائیں۔☆ ⑦ جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے شدید عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ ⑧ بھلا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگا ہو (ہدایت یافتہ شخص کی طرح ہوسکتا ہے؟) بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے لہٰذا ان لوگوں پر افسوس میں آپ کی جان نہ چلی جائے، یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقینا اللہ کو اس کا خوب علم ہے۔☆ ⑨ اور اللہ ہی ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اسے ایک اجاڑ شہر کی طرف لے جاتے ہیں پھر ہم اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں، اسی طرح (روز قیامت) اٹھنا ہوگا۔☆ ⑩ جو شخص عزت کا خواہاں ہے تو (وہ جان لے کہ) عزت ساری اللہ

روزہ زندگی کو ترجیح دینے کے لیے آمادہ کرے تو اس سے بڑا فریب کار کوئی نہیں ہے۔

٦۔ انسان کو اتنا شعور ہونا چاہیے کہ دوست اور دشمن میں تمیز کر سکے۔ حیوانات بھی اپنے دشمن سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں اور اس سے بھاگتے ہیں۔ لہٰذا تم بھی اپنے دشمن شیطان کو دشمن سمجھو۔

٨۔ احساس گناہ کا فقدان سب سے بڑا گناہ ہے، چہ جائیکہ برائی کو اچھائی سمجھا جائے۔ اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اہل افراد کو ہدایت سے نوازتا ہے اور نااہل کو ہدایت نہیں دیتا اور اللہ کی طرف سے ہدایت نہ ملنے کی صورت میں ضلالت کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان کی گمراہی پر اپنی جان گھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان میں ہدایت کی اہلیت نہیں ہے۔

٩۔ مری ہوئی زمین کو زندہ ہوتے ہوئے روز دیکھتے ہیں، اس کے باوجود یہ لوگ مرے ہوئے انسانوں کا دوبارہ زندہ ہونا بعید از امکان سمجھتے ہیں۔

١٠۔ عزت بنیادی طور پر صرف اللہ کے لیے ہے، اس کے بعد جسے اللہ عزت دے، وہی باعزت ہوگا اور اللہ کے ہاں سے عزت پانے کا راستہ پاکیزہ کردار و گفتار ہے۔ یعنی ایمان اور عقیدے کے ساتھ عمل صالح اور نیک کردار سے ہی انسان عزت کا رتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس ایمان و عقیدے کی کوئی قیمت نہیں ہے، جس کا کردار پر کوئی اثر نہ ہو۔ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ سے مراد عقائد و نظریات سے متعلق پاکیزہ تعبیر اور وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ سے اعمال

| | |
|---|---|
| وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَ الَّذِيْنَ | کے لیے ہے، پاکیزہ کلمات اسی کی طرف اوپر چلے جاتے |
| يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ | ہیں اور نیک عمل اسے بلند کر دیتا ہے اور جو لوگ بری |
| وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿۱۰﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ | مکاریاں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ایسے |
| مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ | لوگوں کا مکر نابود ہو جائے گا۔☆ ﴿۱۱﴾ اور اللہ نے تمہیں مٹی |
| اَزْوَاجًا ؕ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ | سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تمہیں جوڑا بنا دیا اور کوئی عورت |
| اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا | نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اللہ کے علم کے ساتھ اور |
| يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ | نہ کسی زیادہ عمر والے کو عمر دی جاتی ہے اور نہ ہی اس کی عمر میں |
| ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَ مَا يَسْتَوِي | کمی کی جاتی ہے مگر یہ کہ کتاب میں (ثبت) ہے، یقینا یہ |
| الْبَحْرٰنِ ۖۗ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ | سب کچھ اللہ کے لیے آسان ہے۔☆ ﴿۱۲﴾ اور دو سمندر |
| شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَ مِنْ كُلٍّ | برابر نہیں ہوتے: ایک شیریں، پیاس بجھانے والا، پینے میں |
| تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ | خوشگوار اور دوسرا کھارا کڑوا اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت |
| حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ | کھاتے ہو اور زیورات نکال کر پہنتے ہو اور تم ان کشتیوں کو |
| مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ | دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل |

کی قبولیت مراد ہو سکتی ہیں۔

۱۱۔ اللہ کے ہاں لوح محفوظ میں پہلے سے یہ ساری باتیں لکھی ہوئی ہیں کہ کس کی کیا عمر ہو گی؟ اسے تقدیر کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ تقدیر کا مطلب نظام اور قانون ہے۔ اللہ کے ہاں ہر کام ایک نظام کے تحت انجام پاتا ہے۔ اگر تقدیر نہ ہوتی تو بدنظمی و اندھیر نگری ہوتی۔ تقدیر کا مطلب جبر نہیں ہے، بلکہ تقدیر کا مطلب اختیار و انتخاب ہے۔ اگر کسی شخص کے لیے ایک تقدیر ہوتی تو جبر ہوتا۔ جبکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ہر ایک شخص کو بہت سے مقدرات میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام ایک ایسی دیوار سے ہٹ گئے جو گرنے والی تھی تو لوگوں نے کہا: کیا آپ علیہ السلام تقدیر خدا سے بھاگ رہے ہیں؟ فرمایا: افر من قدر اللہ بقدر اللہ۔ (شرح نہج البلاغۃ ۸: ۲۹۸) میں اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف بھاگ رہا ہوں۔ البتہ اللہ کے علم میں ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے کون سا راستہ اختیار کرنے والا ہے اور کن حالات سے دوچار رہے گا اور کون سے اسباب و علل کے انتخاب کے تحت کیا عمر پانے والا ہے۔

۱۲۔ یہ دونوں پانی برابر تو نہیں ہو سکتے، تاہم ان دونوں سے بعض فوائد یکساں طور پر حاصل کیے جا سکتے ہیں: تازہ گوشت، زیورات اور کشتی رانی۔ مؤمن اور مشرک برابر نہیں ہو سکتے، تاہم معاشرتی امور میں دونوں سے یکساں استفادہ کرنا درست ہے۔

۱۳۔ اس آیت و دیگر آیات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس نظام شمسی کے لیے ایک عمر متعین ہے، یہ

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ
يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ
قِطْمِيْرٍ ؕ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا
دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا
لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ
وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ
اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ
الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ
بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ ۚ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ

تلاش کرو اور شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔☆ (۱۳) وہ رات کو
دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور
سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے، ان میں سے ہر ایک مقررہ
وقت تک چلتا رہے گا، یہی اللہ تمہارا رب ہے، سلطنت اسی
کی ہے اور اس کے علاوہ جنہیں تم پکارتے ہو وہ کھجور کی
گٹھلی کے چھلکے (کے برابر کسی چیز) کے مالک نہیں ہیں۔
(۱۴) اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور اگر
سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے
دن وہ تمہارے اس شرک کا انکار کریں گے اور (خدائے)
باخبر کی طرح تجھے کوئی خبر نہیں دے سکتا۔☆ (۱۵) اے لوگو!
تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو بے نیاز، لائق ستائش ہے۔☆
(۱۶) اگر وہ چاہے تو تمہیں نابود کر دے اور نئی خلقت لے
آئے۔☆ (۱۷) اور ایسا کرنا اللہ کے لیے مشکل تو نہیں۔
(۱۸) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں

نظام ابدی نہیں ہے۔ اسی طرح تمام ستارگان بھی
ابدی نہیں ہیں۔ کہتے ہیں سورج سے ہر سیکنڈ میں
چار ملین ٹن انرجی خرچ ہو کر کم ہو رہی ہے اور ایک
وقت ایسا آئے گا جب اس کی تمام انرجی ختم ہو
جائے گی۔

۱۴۔ جو ذات رات اور دن کو چلاتی اور سورج چاند کو
مسخر کرتی ہے اور ان کے لیے ایک مدت معین کرتی
ہے، وہی تمہارا رب ہے۔ تدبیر کائنات اسی کے
ہاتھ میں ہے اور اللہ کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو وہ
اس کائنات میں کسی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں،
تو تم اس ذات کو چھوڑ کر جس کے پاس سب کچھ
ہے، ان کی طرف جاتے ہو جن کے پاس کچھ بھی
نہیں ہے۔ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ۔ خطاب
رسول اللہ (ص) سے ہے کہ اس امر واقعہ پر آپ کو
اللہ کی طرح کوئی خبر نہیں دے سکتا۔

۱۵۔۱۶ اللہ کی ذات بے نیاز ہے، اپنی ذات وصفات
میں، اپنی معبودیت میں۔ وہ تمام مخلوقات سے بے
نیاز ہے۔ وہ تمہاری جگہ دوسری مخلوق پیدا کر سکتی
ہے، جبکہ تم اللہ کے محتاج ہو، اپنے وجود میں، اپنی
بقاء میں، تم مجسم محتاج ہو اور اللہ غنی بالذات ہے۔

۱۸۔ یہ نظام عدل الٰہی کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ ہر
شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار اور اپنے کیے کا خود
جواب دہ ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ تم
میری ذمہ داری پر یہ کام کرو، اگر یہ گناہ ہوا تو تمہارا
بار گناہ میں اٹھاؤں گا، تو یہ ایک صریح جھوٹ ہے۔
قیامت کے دن نہایت قریبی رشتہ دار بھی اس کا
کوئی بوجھ نہیں اٹھائے گا بلکہ اس دن انسان اپنے

وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾ وَ مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ﴿۱۹﴾ لا وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ لا وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ ج وَ مَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ج وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ﴿۲۴﴾ وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ

اٹھائے گا اور اگر کوئی (گناہوں کے) بھاری بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی کو پکارے گا تو اس سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا خواہ وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہو، آپ تو صرف انہیں ڈرا سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے تو وہ صرف اپنے لیے ہی پاکیزگی اختیار کرتا ہے اور اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے۔☆ ﴿۱۹﴾ اور نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، ﴿۲۰﴾ اور نہ ہی اندھیرا اور نہ روشنی، ﴿۲۱﴾ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ، ﴿۲۲﴾ اور نہ ہی زندے اور نہ ہی مردے یکساں ہو سکتے ہیں، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے سنواتا ہے اور آپ قبروں میں مدفون لوگوں کو تو نہیں سنا سکتے۔☆ ﴿۲۳﴾ آپ تو صرف تنبیہ کرنے والے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔☆ ﴿۲۵﴾ اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو

والدین اور اولاد کو دیکھ کر دور بھاگ جائے گا تا کہ وہ کہیں کسی حق کا مطالبہ نہ کریں۔

۲۲۔ جس میں بینائی نہ ہو، جو روشنی سے آشنا ہی نہ ہو، جس میں زندگی کے آثار موجود نہ ہوں اور جو قبر میں مدفون بے جان لاش کی طرح ہو، اسے آپ کیا سمجھائیں گے؟ سمجھانے والے میں کوئی نقص نہیں، لیکن سمجھنے والے میں اہلیت نہیں ہے۔

۲۴۔ کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ اس جملے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی امت ایسی نہیں گزری کہ اس امت میں سے کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ اس سے یہ بات سمجھنے میں آسان ہو جائے گی کہ ہر امت کی من حیث المجموع تنبیہ ہوگئی ہے۔ اس کے لیے ہر قوم میں الگ الگ انبیاء نہیں بھیجے گئے، بلکہ انبیاء کا پیغام اس قوم تک پہنچ گیا یا گزشتہ انبیاء کی رسالت کے آثار نسلوں تک باقی ہیں۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کے آثار نسلوں تک باقی رہے تو یہ کہنا درست ہے کہ ان تمام نسلوں کی تنبیہ ہوگئی، یعنی ان پر حجت پوری ہوگئی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ہر فرد تک یہ پیغام نہ پہنچے۔ اس صورت میں اس شخص کو قرآنی اصطلاح میں مستضعف کہتے ہیں۔ ان کا مواخذہ نہیں ہوگا، چونکہ ان پر حجت پوری نہیں ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بت پرستی، توحید پرستی کا ایک انحرافی مسلک ہے۔ لہٰذا جہاں بت پرستی ہے وہاں توحید پرستی تھی اور وہاں کوئی نبی مبعوث تھا۔ چنانچہ امریکہ کا انکشاف کرنے والے کہتے ہیں: وہاں آفتاب پرستی کے لیے عبادت خانہ تھا۔ تازہ آنے والوں کو شروع میں وہ آفتاب کی اولاد سمجھتے تھے۔ (قاموس قرآن)

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً

ان سے پہلے والوں نے بھی تکذیب کی ہے، ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔ ﴿۲۶﴾ پھر جنہوں نے کفر کیا میں نے انہیں گرفت میں لے لیا پھر (دیکھا) میرا عذاب کیسا سخت تھا؟ ﴿۲۷﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے؟ اور پہاڑوں میں مختلف رنگوں کی سفید سرخ گھاٹیاں پائی جاتی ہیں اور کچھ گہری سیاہ ہیں۔ ﴿۲۸﴾ اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں میں بھی رنگ پائے جاتے ہیں، اللہ کے بندوں میں سے صرف اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ بڑا غالب آنے والا، معاف کرنے والا ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو رزق انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے ساتھ امید لگائے ہوئے ہیں جس میں ہرگز

---

۲۸۔ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ: رنگوں، طبیعتوں، خاصیتوں اور مزاج کا اختلاف خالق کی صناعیت اور حسن تدبیر کی دلیل ہے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ: صرف اہل علم اللہ سے ڈرتے ہیں۔ علم سے ہی جمالیاتی ذوق بیدار ہوتا ہے۔ کائنات کی رنگارنگ رعنائیوں کو دیکھ کر عالم اس کے خالق کی خلاقیت اور صنعت گری کی معرفت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ علم کی وجہ سے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ پردے ہٹ جانے سے حقیقت کا چہرہ نمایاں ہو جاتا ہے اور حقیقت کے منکشف ہونے کے بعد انسان خطرات کو بھانپ لیتا ہے۔ بالکل اس شخص کی طرح جو قانون اور جرم و سزا سے آشنا ہو، وہ قانون کے عدل سے خوف کھاتا ہے۔ خدا سے ڈرنے کا مطلب اس کے عدل سے ڈرنا ہے، ورنہ وہ خود ارحم الراحمین ہے۔

حدیث میں آیا ہے: يَعْنِي بِالْعُلَمَاءِ مَنْ صَدَّقَ فِعْلُهُ قَوْلَهُ وَ مَنْ لَمْ يُصَدِّقْ فِعْلُهُ قَوْلَهُ فَلَيْسَ بِعَالِمٍ (الکافی ۱: ۳۶) علماء سے مراد وہ ہیں جن کا عمل ان کے قول کی تصدیق کرے۔ پس جن کا عمل ان کے قول کی تصدیق نہ کرے وہ عالم نہیں ہیں۔

۲۹۔ ایسی تجارت جس میں منافع کی ضمانت دی گئی ہے۔ راہ خدا میں مال خرچ کرنا ایسی سرمایہ کاری ہے جس کا نفع بخش ہونا یقینی ہے۔ دنیوی تجارت میں، سرمائے میں خوبی ہو تو زیادہ منافع ملتا ہے، اللہ کے ساتھ تجارت میں سرمایہ کار میں خوبی ہو تو منافع یقینی ہے۔ اس لیے اس سرمایہ کار کے بارے میں فرمایا: یہ سرمایہ کار کتاب اللہ کی تلاوت اور نماز قائم

| | |
|---|---|
| لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾ لِیُوَفِّیَهُمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَ یَزِیۡدَهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿۳۰﴾ وَ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ مِنَ الۡكِتٰبِ هُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِیۡرُ ﴿ؕ۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ لُؤۡلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا | خسارہ نہ ہوگا۔☆ ﴿۳۰﴾ تاکہ اللہ ان کا پورا اجر انہیں دے بلکہ اپنے فضل سے مزید بھی عطا فرمائے، یقینا اللہ بڑا معاف کرنے والا، قدردان ہے۔ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے جو کتاب آپ کی طرف وحی کی ہے وہی برحق ہے، یہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آئی ہیں، یقینا اللہ اپنے بندوں سے خوب باخبر، ان پر نظر رکھنے والا ہے۔ ﴿۳۲﴾ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث انہیں بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا ہے پس ان میں سے کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں یہی تو بڑا فضل ہے☆ ﴿۳۳﴾ وہ دائمی جنتیں ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے، وہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ ﴿۳۴﴾ اور وہ کہیں گے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہم سے غم کو دور کیا، |

کرتا ہو۔

۳۲۔ جن لوگوں کو کتاب اس لیے دی گئی کہ وہ ان کے لیے دستور زندگی ہو، وہ تین گروہوں میں منقسم ہو گئے: ایک گروہ نے اس دستور زندگی سے انحراف کیا اور اس سعادت ابدی سے اپنے آپ کو محروم کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اللہ کی طرف سے اس برگزیدہ قوم میں شامل کرنے کے باوجود یہ لوگ عملاً منحرف ہو کر اس سے نکل جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ لوگ ہیں جو اس برگزیدہ قوم سے بالکل منحرف بھی نہیں ہوتا اور اس کا حق بھی پورا ادا نہیں کرتا۔ تیسرا گروہ، وہ لوگ ہیں جو وارث کتاب ہونے کا حق ادا کرتے ہیں اور یہی لوگ وارث کتاب ٹھہرتے ہیں۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے روایت ہے کہ اس کا مصداق آل رسول ﷺ ہیں۔

روایت ہے امام محمد باقر علیہ السلام سے کہ اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: السَّابِقُ بِالۡخَیۡرَاتِ الۡاِمَامُ وَ الۡمُقۡتَصِدُ الۡعَارِفُ لِلۡاِمَامِ وَ الظَّالِمُ لِنَفۡسِهِ الَّذِی لَا یَعۡرِفُ الۡاِمَامَ۔ (الکافی ۱: ۲۱۴) نیکیوں میں سبقت لے جانے والے امام ہیں، میانہ رو والے امام کی معرفت رکھنے والے ہیں اور ظالم وہ ہیں جو امام کی معرفت نہیں رکھتے۔

۳۴۔ آیت میں الحزن سے مقصود یا تو دنیا کا حزن و ملال ہے یا اپنی نجات کے بارے میں حزن و ملال

الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَکُوۡرُ ۣ﴿۳۴﴾ الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَۃِ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیۡہَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیۡہَا لُغُوۡبٌ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَہُمۡ نَارُ جَہَنَّمَ ۚ لَا یُقۡضٰی عَلَیۡہِمۡ فَیَمُوۡتُوۡا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمۡ مِّنۡ عَذَابِہَا ؕ کَذٰلِکَ نَجۡزِیۡ کُلَّ کَفُوۡرٍ ﴿ۚ۳۶﴾ وَ ہُمۡ یَصۡطَرِخُوۡنَ فِیۡہَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ ؕ اَوَ لَمۡ نُعَمِّرۡکُمۡ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیۡہِ مَنۡ تَذَکَّرَ وَ جَآءَکُمُ النَّذِیۡرُ ؕ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۳۷﴾ؑ اِنَّ اللّٰہَ عٰلِمُ غَیۡبِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ

یقینا ہمارا رب بڑا معاف کرنے والا قدر دان ہے۔☆ ﴿۳۵﴾ جس نے اپنے فضل سے ہمیں دائمی اقامت کی جگہ میں ٹھہرایا جہاں ہمیں نہ کوئی مشقت اور نہ تھکاوٹ لاحق ہو گی۔☆ ﴿۳۶﴾ اور جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے جہنم کی آتش ہے، نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ہی ان کے عذاب جہنم میں تخفیف کی جائے گی، ہر کفر کرنے والے کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔☆ ﴿۳۷﴾ اور وہ جہنم میں چلا کر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں اس جگہ سے نکال، ہم نیک عمل کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو ہم (پہلے) کرتے رہے ہیں، (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر سکتا تھا؟ جب کہ تمہارے پاس تنبیہ کرنے والا بھی آیا تھا، اب ذائقہ چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔☆ ﴿۳۸﴾ یقینا اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے اور وہ ان باتوں کو بھی خوب جانتا ہے جو

تھا، جو جنت میں پہنچنے سے دور ہو گیا۔

۳۵۔ یہ دائمی اقامت گاہ اپنے کسی عمل کے عوض نہیں بلکہ اللہ کے فضل و کرم کی وجہ سے میسر آئی۔ جنت چونکہ امتحان و آزمائش کا مقام نہیں ہے، اس لیے وہاں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔

۳۶۔ سوال یہ پیدا کرتے ہیں: کافر کو ہمیشہ کا عذاب دینا ظلم نہیں، کیونکہ اس نے صرف ستر، اسی (۷۰، ۸۰) سال جرم کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ انسان کے اچھے برے اعمال اس کے جسم کے حصے ہوتے ہیں جو انرجی کی شکل میں اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں۔ یہ انرجی ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ ایک ذرہ بھی نابود نہیں ہوتا۔ آخرت میں یہ انرجی انسان کی طرف لوٹ آتی ہے، پھر انسان کے وہی اعضاء دوبارہ تشکیل پاتے ہیں جن سے یہ اچھے برے اعمال صادر ہوئے تھے۔ لہٰذا اعمال ابدی ہیں، خواہ اچھے ہوں یا برے۔ (استفادہ از قاموس قرآن)

۳۷۔ عذاب کے مشاہدے کے بعد ایک بار دنیا کی طرف مراجعت کی تمنا ایک قدرتی امر ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ کافر عفو الٰہی کی تمنا نہیں کرتے بلکہ دنیا میں واپس بھیجے کی تمنا کرتے ہیں، کیونکہ انہیں اس بات کا علم ہو گیا ہوتا ہے کہ عفو کا وقت گزر چکا ہے۔ چونکہ ایمان و عمل ہی ذریعہ نجات تھے، لہٰذا اب وہ دنیا میں واپس جا کر اس ذریعے کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

الصُّدُوۡرِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ فَمَنۡ کَفَرَ فَعَلَیۡهِ کُفۡرُهٗ ؕ وَ لَا یَزِیۡدُ الۡکٰفِرِیۡنَ کُفۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِلَّا مَقۡتًا ۚ وَ لَا یَزِیۡدُ الۡکٰفِرِیۡنَ کُفۡرُهُمۡ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ شُرَکَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمۡ اٰتَیۡنٰهُمۡ کِتٰبًا فَهُمۡ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنۡهُ ۚ بَلۡ اِنۡ یَّعِدُ الظّٰلِمُوۡنَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۬ۚ وَ لَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَکَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیۡمًا

سینوں میں (مخفی) ہیں۔ ﴿۳۹﴾ اسی نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا، پس جو کفر کرتا ہے اس کے کفر کا نقصان اسی کو ہے اور کفار کے لیے ان کا کفران کے رب کے نزدیک صرف غضب میں اضافہ کرتا ہے اور کفار کے لیے ان کا کفر صرف ان کے خسارے میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔☆ ﴿۴۰﴾ کہہ دیجیے: مجھے بتلاؤ ان شریکوں کے بارے میں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو؟ مجھے دکھلاؤ! انہوں نے زمین سے کیا پیدا کیا؟ یا کیا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے؟ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کی بنا پر یہ کوئی دلیل رکھتے ہوں؟ (نہیں) بلکہ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو محض فریب کی خاطر وعدے دیتے ہیں۔☆ ﴿۴۱﴾ اللہ آسمانوں اور زمین کو یقینا تھامے رکھتا ہے کہ یہ اپنی جگہ چھوڑ نہ جائیں، اگر یہ اپنی جگہ چھوڑ جائیں تو اللہ کے بعد انہیں کوئی تھامنے والا نہیں ہے، یقینا اللہ بڑا بردبار، بخشنے والا

۳۹۔ پوری انسانیت یعنی نوع انسانی سے خطاب ہے کہ اللہ نے تمہیں گزشتہ نسلوں کی جگہ جانشین بنایا یا زمین میں تمہیں اللہ کی طرف سے تصرفات کے عارضی مجاز ہونے کی حیثیت سے جانشین بنایا ہے، ورنہ حقیقی مالکیت کا حق تو صرف اسی ذات کو حاصل ہے۔ اس آیت میں وقت کے مشرکین کی رد میں فرمایا: نسلوں کا سلسلہ جاری رکھنا جہاں تدبیر سے مربوط ہے، وہاں تخلیق سے بھی مربوط ہے۔ اس طرح اس آیت میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ تدبیر اور تخلیق ناقابل تفریق ہیں۔

۴۰۔ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا : مجھے دکھلاؤ تمہارے شریکوں نے کیا پیدا کیا؟ اس آیت میں بھی وہی نکتہ بیان کیا ہے کہ اگر تمہارے شریک اس کائنات کی تدبیر میں کوئی کردار رکھتے ہیں تو تدبیر کے لیے تخلیق مسلسل چاہیے۔ بتاؤ تمہارے شریکوں نے کیا خلق کیا ہے؟ اور اگر یہ کام نہ کر سکو تو کوئی سند پیش کرو کہ ان شریکوں کا تدبیر میں کوئی حصہ ہے۔

۴۱۔ کائنات کی اس بیکراں فضا میں موجود اجرام کو ایک غیر مرئی کڑی میں اسی نے مربوط رکھا ہے۔ یہ کڑی اگر ٹوٹ جائے (جس کی سائنسدان پیشگوئی کرتے ہیں) تو کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اس کائنات کو سنبھالے اور ان کڑیوں کو دوبارہ جوڑ دے۔ جس ذات نے اس کائنات کو خلق کیا ہے وہی اس کائنات کو قائم رکھ سکتی ہے۔ لہٰذا مشرکین کا یہ نظریہ کسی بنیاد پر قائم نہیں ہے کہ تدبیر کائنات میں ان کے معبودوں کا کوئی کردار ہے۔

۴۲۔ بعض مصادر میں آیا ہے کہ قریش نے جب سنا

غَفُوْرًا ﴿٤١﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ
لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ
اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ
مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿٤٢﴾ اسْتِكْبَارًا فِى
الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۗ وَلَا يَحِيْقُ
الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۗ فَهَلْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ
تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى
الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ
قُوَّةً ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ
فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ

ہے۔☆ ﴿٤٢﴾ اور یہ لوگ اللہ کی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی تنبیہ کرنے والا آتا تو وہ ہر قوم سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہو جاتے، لیکن جب ایک متنبہ کرنے والا ان کے پاس آیا تو ان کی نفرت میں صرف اضافہ ہوا۔☆ ﴿٤٣﴾ یہ زمین میں تکبر اور بری چالوں کا نتیجہ ہے، حالانکہ بری چال کا وبال اس کے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے، تو کیا یہ لوگ اس دستور (الٰہی) کے منتظر ہیں جو پچھلی قوموں کے ساتھ رہا؟ لہٰذا آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور میں کوئی انحراف پائیں گے۔☆ ﴿٤٤﴾ کیا یہ لوگ زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ جب کہ وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے، اللہ کو آسمانوں اور زمین میں کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی، وہ یقیناً بڑا علم رکھنے والا، بڑی قدرت رکھنے والا

یہود و نصاریٰ نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی ہے تو کہا: اگر ہمارے پاس کوئی رسول آتا تو ہم ان سے بہتر اس کی پزیرائی کرتے۔ جب وہ رسول آیا تو اس رسول سے ان کی نفرت زیادہ تھی۔

۴۳۔ سنة اللہ سے مراد قانون الٰہی ہے، جو مجرمین کے لیے ہے۔ اس میں نہ کوئی تبدیلی آئے گی کہ سزا کی جگہ انعام دیا جائے، نہ کوئی تحویل ہوگی کہ مجرم قوم کی جگہ دوسری قوم کو سزا ملے، بلکہ اللہ کا قانون اٹل ہے اور اس قانون کی زد میں صرف مجرم ہی آئیں گے۔

وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ: اس آیہ شریفہ میں مشرکین کی بری چال کے ذکر کے بعد ایک اصول ارشاد فرمایا: بری چالیں خود چال چلنے والے کو ہی لے ڈوبتی ہیں۔ ہر عمل اور ہر چال کا ایک قدرتی نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں دیر ہے، اندھیر نہیں ہے۔

حدیث میں آیا ہے: خمسة فی کتاب اللہ تعالی من کن فیه کن علیه قیل و ما هی یا رسول اللہ قال: النکث و المکر و البغی و الخداع و الظلم (معدن الجواهر ص ۴۸) پانچ چیزیں اگر کسی میں ہوں تو اس کے خلاف ثابت ہوں گی۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ پانچ چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: عہد شکنی، مکر، بغاوت، دھوکہ اور ظلم۔

۴۵۔ یعنی مجرم اور ظالم لوگوں میں سے کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔ اس سے یہ سوال ختم ہوا کہ دَآبَّةٍ میں تو بیگناہ لوگ بھی شامل ہیں، ان کو کیسے تباہ کیا جاتا؟

عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿٤٤﴾ وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ ع

ہے۔ ﴿٤٥﴾ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کی حرکات کی پاداش میں اپنی گرفت میں لے لیتا تو وہ روئے زمین پر کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے چنانچہ جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو اللہ اپنے بندوں پر خوب نگاہ رکھنے والا ہے۔☆

آیاتھا ٨٣ | ٣٦ سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ ٤١ | رکوعاتھا ٥

سورہ یٰس ۔مکی۔آیات ٨٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

يٰسٓ ۚ ﴿١﴾ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ ﴿٢﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ ﴿٣﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ ﴿٤﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ ﴿٥﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٧﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ

﴿١﴾ یا، سین۔ ﴿٢﴾ قسم ہے قرآن حکیم کی☆ ﴿٣﴾ کہ آپ یقینا رسولوں میں سے ہیں، ﴿٤﴾ راہ راست پر ہیں۔ ﴿٥﴾ (یہ قرآن) غالب آنے والے مہربان کا نازل کردہ ہے، ﴿٦﴾ تاکہ آپ ایک ایسی قوم کو تنبیہ کریں جس کے باپ دادا کو تنبیہ نہیں کی گئی تھی لہٰذا وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔☆ ﴿٧﴾ بتحقیق ان میں سے اکثر پر اللہ کا فیصلہ حتمی ہو چکا ہے پس اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔☆ ﴿٨﴾ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک

---

سورہ یٰس

اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَ قَلْبُ الْقُرْآنِ يٰس۔ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورۂ یاسین ہے۔ (حدیث نبویﷺ۔ مستدرک الوسائل ٤: ٣٢٤)

حدیث میں آیا ہے: سُوْرَةُ يٰس تُدْعٰى فِي التَّوْرَاةِ الْمُعِمَّةَ قِيْلَ: وَ مَا الْمُعِمَّةُ؟ قال ص تَعُمُّ صَاحِبَهَا خَيْرَ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ۔ (مستدرک الوسائل ٤: ٣٢٢) رسول اللہﷺ نے فرمایا: ایک سورہ ہے جسے توریت میں المعمة کہتے ہیں۔ پوچھا گیا: المعمة کیا ہے؟ فرمایا: جس کے پاس سورہ (یٰس) ہوگا اس کے پاس دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہوگی۔

دیگر حدیث میں آیا ہے: عَلِّمُوْا اَوْلَادَكُمْ يٰس فَاِنَّهَا رَيْحَانَةُ الْقُرْآنِ۔ (مستدرک الوسائل ٤: ٣٢٥) اپنی اولاد کو سورۂ یٰس کی تعلیم دو، یہ قرآن کا گلدستہ ہے۔

٢۔ قرآن کے ساتھ قسم کھانے کا مطلب یہی بنتا ہے کہ قرآن رسول کریمﷺ کی رسالت کی دلیل ہے۔

٦۔ رسولﷺ کے معاصر لوگوں کے قریبی آبا و اجداد کو تنبیہ کرنے والا کوئی قریبی عرب رسول نہیں بھیجا گیا اور چونکہ رسول کریمﷺ کو پوری انسانیت کی طرف بھیجا گیا ہے، اس لیے اس سے مراد پانچ سو سال کا وہ وقفہ لینا مناسب ہے جس میں کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا۔

سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ سورہ فاطر میں فرمایا: کوئی امت ایسی نہ گزری جس میں کوئی نذیر تنبیہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ یہاں فرمایا: مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ ان کے باپ دادا کو تنبیہ نہیں کی گئی۔ جواب یہ ہے کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا: ما ارسلنا الیھم نذیراً۔ ہم نے ان کی طرف کسی تنبیہ کرنے والے کو نہیں بھیجا کہ اعتراض درست ہو جائے، بلکہ فرمایا: مَّاۤ اُنْذِرَ، ان کو تنبیہ نہیں کی گئی۔ تنبیہ نہ ہونا، نبی نہ ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان کی تعلیمات میں تحریف اور خود لوگوں کی طرف سے رکاوٹ ڈالنے کی وجہ سے تنبیہ نہیں ہوئی، ورنہ ان کی طرف حضرت ابراہیم، اسماعیل،

اَغۡلٰلًا فَهِیَ اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَهُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ ﴿۸﴾ وَ جَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سَدًّا وَّ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰهُمۡ فَهُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَۃٍ وَّ اَجۡرٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَهُمۡ ؕ وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ ع وَ اضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡیَۃِ ۘ اِذۡ جَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ۚ اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمُ اثۡنَیۡنِ

وقف غفران ۔ ع ۱۴ ۔ وقف لازم

(پھنسے ہوئے) ہیں اسی لیے ان کے سر اوپر کی طرف الٹے ہوئے ہیں۔ ﴿۹﴾ اور ہم نے ان کے آگے دیوار کھڑی کی ہے اور ان کے پیچھے بھی دیوار کھڑی کی ہے اور ہم نے انہیں ڈھانک دیا ہے لہٰذا وہ کچھ دیکھ نہیں پاتے۔ ﴿۱۰﴾ اور ان کے لیے یکساں ہے کہ آپ انہیں تنبیہ کریں یا نہ کریں وہ (ہر حالت میں) ایمان نہیں لائیں گے۔☆ ﴿۱۱﴾ آپ تو صرف اسے تنبیہ کر سکتے ہیں جو اس ذکر کی اتباع کرے اور بن دیکھے رحمٰن کا خوف رکھے، ایسے شخص کو مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دے دیں۔ ﴿۱۲﴾ ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے ہیں اور جو آثار پیچھے چھوڑ جاتے ہیں سب کو ہم لکھتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے ایک امام مبین میں جمع کر دیا ہے۔☆ ﴿۱۳﴾ اور ان کے لیے بستی والوں کو مثال کے طور پر پیش کرو جب ان کے پاس پیغمبر آئے۔☆ ﴿۱۴﴾ جب ہم نے ان کی طرف دو پیغمبر بھیجے تو انہوں نے دونوں کی تکذیب کی پھر ہم نے تیسرے سے (انہیں)

ہود، صالح اور شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے۔

۷۔ یعنی ان کے بارے میں اللہ کا فیصلہ اٹل ہو گیا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

۱۰۔ کچھ لوگ کہتے ہیں جب اللہ نے فرمایا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو پھر ان کا ایمان لانا ناممکن ہو جائے گا، دوسری طرف ان کو ایمان لانے کا حکم ہوتا ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ناممکن بات کا حکم دینا معقول اور درست ہے۔ جواب یہ ہے کہ اللہ کو علم ہے کہ وہ ایمان لانے پر قادر ہوتے ہوئے ایمان نہیں لائیں گے، یعنی علم خدا کی وجہ سے وہ ایمان نہ لانے پر مجبور نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان کے لیے ایمان لانا ناممکن نہیں ہوتا۔

۱۲۔ "آگے بھیجا ہے" سے مراد وہ اعمال ہیں جو انسان اپنی زندگی میں بجا لاتا ہے اور آثار سے مراد وہ صدقات جاریہ ہیں جو انسان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ مثلاً مسجد، مدرسہ اور شفاخانہ کی بنیاد ڈالنا یا کسی ایسے فساد کی بنیاد ڈالنا جو اس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہے۔ یعنی مرنے کے بعد ان کے ثواب و عذاب میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ: قرآن میں اس کے کئی عنوان ہیں: مثلاً لوح محفوظ، ام الکتاب، الکتاب المبین، امام مبین۔ البتہ ان میں امام مبین کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: انا

و اللّٰہ الامام المبین ابین الحق من الباطل ورثته من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله و سلم (ینابیع المودة ط استنبول۔ بحار الانوار ۳۵: ۴۲۷۔ تفسیر قمی) قسم بخدا میں ہی امام مبین ہوں۔ حق کو باطل سے جدا کر کے بیان کرنے والا میں ہوں، جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ سے وراثت میں لیا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں: حدیث کے صحیح ہونے کی صورت میں یہ بطن و اشارات قرآن میں سے ہے، تفسیر نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: حدیث صحیح ہونے کی صورت میں یہ امام مبین کی تعبیر سے مربوط ہے کہ میں حق و باطل بیان کرنے والا امام ہوں۔ کُلَّ شَیۡءٍ سے مربوط

فَكَذَّبُوۡهُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَىۡءٍ ۙ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَكۡذِبُوۡنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوۡا رَبُّنَا يَعۡلَمُ اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ لَمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوۡا طَآئِرُكُمۡ مَّعَكُمۡ ؕ اَئِنۡ ذُكِّرۡتُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ رَجُلٌ يَّسۡعٰى قَالَ يٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۲۰﴾ ۙ اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا يَسۡـَٔلُكُمۡ اَجۡرًا وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۱﴾

تقویت بخشی تو انہوں نے کہا: ہم تو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔☆ ﴿۱۵﴾ بستی والوں نے کہا: تم تو صرف ہم جیسے بشر ہو اور خدائے رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، تم تو محض جھوٹ بولتے ہو۔ ﴿۱۶﴾ رسولوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف ہی بھیجے گئے ہیں۔ ﴿۱۷﴾ اور ہم پر تو فقط واضح طور پر پیغام پہنچانا (فرض) ہے اور بس۔ ﴿۱۸﴾ (بستی والوں نے) کہا: ہم تمہیں اپنے لیے براشگون سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ ﴿۱۹﴾ رسولوں نے کہا: تمہاری بدشگونی خود تمہارے ساتھ ہے، کیا یہ (بدشگونی) اس لیے ہے کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔☆ ﴿۲۰﴾ شہر کے دور ترین گوشے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، بولا: اے میری قوم! ان رسولوں کی پیروی کرو۔☆ ﴿۲۱﴾ ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔

---

نہیں ہے۔ اشتراک لفظی سے اشتباہ نہ ہو۔

۱۳۔ ۱۴ اس واقعہ کو بیان کرنے کی غرض انبیاء اور سابقہ امتوں کی تاریخ اور منکرین کا انجام بتانا ہے۔ اس بستی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ شام کا شہر انطاکیہ ہے۔ لیکن جو روایات اس سلسلے میں مذکور ہیں وہ سیاق آیت کے مطابق نہیں ہیں۔

۱۹۔ بدشگونی لوگوں کے توہمات کی پیدا کردہ ہے اور اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مختلف اقوام میں بدشگونی کے توہمات مختلف اور متضاد ہوتے ہیں۔ مثلاً کوے کا کائیں کائیں کرنا عربوں میں جدائی کی علامت ہے، جبکہ ہمارے ہاں یہی علامت وصال کی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوا بولے تو مہمان آنے والا ہوتا ہے۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت ہے: وَ الطِّیَرَۃُ لَیۡسَتۡ بِحَقٍّ (شرح نہج البلاغۃ ۱۹: ۳۷۲) بدشگونی حق پر مبنی نہیں ہے۔

۲۰۔ الدر المنثور میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صدیقین تین ہیں: حبیب نجار مؤمن آل یاسین، حزقیل مؤمن آل فرعون اور علی بن ابی طالب علیہ السلام جوان سب سے افضل ہیں۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ ان روایات کے مطابق جس شخص نے یہ منطقی استدلال کیا وہ حبیب نجار تھا۔ ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اطاعت اس رہنما کی ہونی چاہیے جس میں دو باتیں ہوں: اول یہ کہ جس بات کی طرف وہ دعوت دے رہا ہے اس میں اس کا اپنا کوئی مادی مفاد نہ ہو۔ دوم یہ کہ خود ہدایت پر ہو۔ آیت ۲۲ میں بتایا کہ عبادت اس کی ہونی چاہیے جس میں دو باتیں موجود ہوں: اول یہ کہ وہ خالق ہو، دوم یہ کہ اس رحمٰن کے حضور پلٹ کر جانا ہو۔

الجزء ۲۳

وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۲﴾ ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَلَا يُنقِذُونِ ﴿۲۳﴾ إِنِّيٓ إِذًا لَّفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۲۴﴾ إِنِّيٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ﴿۲۵﴾ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِۦ مِنۢ بَعْدِهِۦ مِن جُندٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ ﴿۲۸﴾ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَٰحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَٰمِدُونَ ﴿۲۹﴾ يَٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ

وقف غفران

(۲۲) اور میں کیوں نہ اس ذات کی بندگی کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے۔ (۲۳) کیا میں اس ذات کے علاوہ کسی کو معبود بناؤں؟ جب کہ اگر خدائے رحمٰن مجھے ضرر پہنچانے کا ارادہ کرلے تو ان کی شفاعت مجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہیں۔ (۲۴) تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ (۲۵) میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں لہٰذا میری بات سن لو۔ (۲۶) اس سے کہدیا گیا: جنت میں داخل ہو جاؤ، اس نے کہا: کاش! میری قوم کو اس بات کا علم ہو جاتا،☆ (۲۷) کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں شامل کیا ہے۔☆ (۲۸) اور اس کے بعد اس کی قوم پر ہم نے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم کوئی لشکر اتارنے والے تھے۔ (۲۹) وہ تو محض ایک ہی چیخ تھی پس وہ یکایک بجھ کر رہ گئے۔ (۳۰) ہائے افسوس! ان بندوں پر جن کے پاس جو بھی رسول آیا اس کے ساتھ انہوں نے تمسخر کیا۔ (۳۱) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے

---

۲۶۔۲۷ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اس مؤمن کو قتل کیا اور قتل ہوتے ہی فرشتوں نے اسے جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ بظاہر یہ عالم برزخ کی جنت ہے۔ جنت خلد میں تو قیامت کے بعد داخل ہو سکے گا۔

۳۵۔ اس کا دوسرا ترجمہ یہ کیا گیا ہے: جو ان کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ یعنی یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔ ان کے اپنے ہاتھوں کے بنے ہوئے نہیں ہیں۔

۳۶۔ ساری کائنات زوجیت کے نظام پر قائم ہے۔ انسان کو عالم نباتات اور عالم انفس میں زوجیت کا نظام نافذ ہونے کا علم تو قدیم سے ہی ہے اور عالم مجہولات میں بھی یہی نظام نافذ ہے۔ یعنی جہاں انسان کی علمی رسائی نہیں ہوتی، وہاں بھی زوجیت کا نظام ہے۔ چنانچہ کل تک انسان کے علم میں یہ نہیں تھا کہ ایٹم کیا چیز ہے؟ آج انسان کو جب ایٹم کا پتہ چلا تو علم ہوا کہ اس میں بھی زوجیت کا اصول کارفرما ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ۔ (ذاریات: ۴۹) یعنی کائنات کی ہر چیز میں زوجیت ہے۔ عناصر کی زوجیت کے بغیر کوئی ترکیب وجود میں نہیں آتی اور اس کائنات کی رنگا رنگی انہی عناصر میں ازدواج و ترکیب کی کرشمہ سازی ہے۔

۳۷۔ دن اور رات کا آنا جانا ایک طرف نظام کائنات

أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا
يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾ ع وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ
أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ
يَأْكُلُونَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن
نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ
الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا
عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾
سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا
تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا
يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾ وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ
النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ
تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ

کتنی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا؟ اب وہ ان کی طرف
لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ ﴿۳۲﴾ اور ان سب کو ہمارے روبرو
حاضر کیا جائے گا۔ ﴿۳۳﴾ اور مردہ زمین ان کے لیے ایک
نشانی ہے جسے ہم نے زندہ کیا اور اس سے غلہ نکالا جس سے
یہ کھاتے ہیں۔ ﴿۳۴﴾ اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں
اور انگوروں کے باغ بنائے اور ہم نے اس (زمین) میں
کچھ چشمے جاری کیے۔ ﴿۳۵﴾ تاکہ وہ اس کے پھلوں سے اور
اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائیں، تو کیا یہ شکر نہیں کرتے؟☆
﴿۳۶﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے بنائے ان
چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان
چیزوں سے جنہیں یہ جانتے ہی نہیں۔☆ ﴿۳۷﴾ اور رات بھی
ان کے لیے ایک نشانی ہے جس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو
ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔☆ ﴿۳۸﴾ اور سورج اپنے مقررہ
ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ بڑے غالب آنے

کا نتیجہ ہے جو اجرام کی گردش پر قائم ہے، دوسری طرف زمین پر انسان، حیوانات اور نباتات کا وجود اسی گردش اور اس کے نتیجے میں وجود میں آنے والے روز و شب کا مرہون منت ہے۔

۳۸۔ جب یونانی نظریات مسلمانوں میں منتقل ہو گئے تو بطلیموس کا یہ نظریہ بھی مسلمانوں کے ہاں رائج ہوا کہ زمین مرکز ہے اور سورج چاند اور دیگر سیارے زمین کے گرد گھومتے ہیں۔ جب بطلیموسی نظریہ باطل ثابت ہوا اور معلوم ہوا کہ زمین نہیں بلکہ سورج مرکز ہے اور اپنی جگہ ساکن ہے، باقی سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں تو الحادی نظریہ رکھنے والوں اور اسلام دشمنوں نے نعرہ لگانا شروع کیا کہ جدید حقائق کے سامنے قرآن کا نظریہ بھی باطل ثابت ہو گیا، کیونکہ جدید انکشافات سے معلوم ہوا کہ سورج مرکز ہے اور باقی سیارے گھومتے ہیں جبکہ قرآن کہتا ہے: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ سورج گھومتا ہے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ سورج مرکز ہونے کے باوجود اپنی فیملی کے افراد (سیاروں) کے ساتھ اپنے مدار میں گھومتا ہے، لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا اپنے مقررہ ٹھکانے کی طرف۔ ماہرین فلکیات کے مطابق سورج کی کئی حرکتیں ہیں، محوری انتقالی حرکات کے علاوہ اپنی کہکشاں کے ساتھ حرکت کرتا ہے، جس کا یہ سورج حصہ ہے۔ اپنی حرکت انتقالی میں ۱۹ کلو میٹر فی سیکنڈ کے حساب سے حرکت کر رہا ہے۔ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا میں لام بمعنی الی ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ سورج اپنے ٹھکانے تک یعنی اپنے خاتمہ تک حرکت کرتا رہے گا۔ چنانچہ سورج سے چار ملین ٹن انرجی

الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى
عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ
يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا
الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ
يَّسْبَحُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ
فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ
مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا
صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِلَّا
رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾ وَاِذَا
قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا
خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ
مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا
مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا

والے دانا کی تقدیر ہے۔☆ ﴿٣٩﴾ اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح لوٹ جاتا ہے۔☆ ﴿٤٠﴾ نہ سورج کے لیے سزاوار ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے سکتی ہے اور وہ سب ایک ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔☆ ﴿٤١﴾ اور یہ بھی ان کے لیے ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔☆ ﴿٤٢﴾ اور ہم نے ان کے لیے اس (کشتی) جیسی اور (سواریاں) بنائیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔☆ ﴿٤٣﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پھر ان کے لیے نہ کوئی فریادرس ہوگا اور نہ ہی وہ بچائے جائیں گے۔ ﴿٤٤﴾ مگر ہماری طرف سے رحمت ہے اور (جس سے) انہیں ایک وقت تک متاع (حیات) مل جاتی ہے۔ ﴿٤٥﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس (گناہ) سے بچو جو تمہارے سامنے ہے اور اس (عذاب) سے جو تمہارے پیچھے آنے والا ہے شاید تم پر رحم کیا جائے۔☆ ﴿٤٦﴾ اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی ان کے پاس آتی ہے وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ﴿٤٧﴾ اور

---

فی سیکنڈ کم ہو رہی ہے۔ تاہم یہ سورج کئی ملین سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔

٣٩۔ چاند سورج میں سے ہر ایک کو ایک معین راستے پر لگا دیا گیا ہے اور وہ اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔

٤٠۔ سورج اور چاند کے مدار جدا ہیں اور ہر ایک کو اپنے مدار میں پابند رکھا گیا ہے۔ نہ سورج چاند کے مدار میں آ سکتا ہے، نہ ہی چاند سورج کے مدار میں داخل ہو سکتا ہے۔ چاند زمین کے گرد ایک مختصر مدار میں گھوم رہا ہے، جبکہ سورج اپنے ایک وسیع مدار میں گھومتا ہے۔ لہٰذا سورج اور چاند کے مدار میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اس لیے فرمایا: سورج کے لیے سزاوار نہیں ہے کہ وہ اپنے تابع سیارات میں سے ایک سیارہ (زمین) کے تابع چاند کے مدار میں آ جائے۔ یعنی اپنے تابع کے تابع کے مدار میں آ جائے۔

٤١۔ بھری کشتی میں ہم نے تمہاری اولاد کو سوار کیا۔ صرف اظہار مہر و شفقت کے لیے اولاد کا ذکر کیا ہے۔

٤٢۔ مِّنْ مِّثْلِهٖ میں وہ تمام ذرائع حمل و نقل آ گئے جنہیں انسان اللہ کی عطا کردہ صلاحیت اور فراست سے ایجاد کرتا ہے۔

٤٥۔ سامنے کا عذاب ممکن ہے دنیا میں ملنے والا عذاب ہو اور پیچھے کا عذاب آخرت کا عذاب ہو۔

٤٧۔ دولت مندوں کا ہمیشہ یہ بہانہ رہا ہے کہ جب تم (غریبوں) کو اللہ نے روزی نہیں دی تو ہم کیوں دیں؟

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق تمہیں اللہ نے عنایت کیا ہے اس سے کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرو تو کفار مومنین سے کہتے ہیں: کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ تم تو بس صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔☆ ﴿۴۸﴾ اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) یہ وعدہ (قیامت) کب (پورا) ہوگا؟ ﴿۴۹﴾ (درحقیقت) یہ ایک ایسی چیخ کے منتظر ہیں جو انہیں اس حالت میں گرفت میں لے گی جب یہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔☆ ﴿۵۰﴾ پھر نہ تو وہ وصیت کر پائیں گے اور نہ ہی اپنے گھر والوں کی طرف واپس جا سکیں گے ﴿۵۱﴾ اور جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو وہ اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔☆ ﴿۵۲﴾ کہیں گے: ہائے ہماری تباہی! ہماری خوابگاہوں سے ہمیں کس نے اٹھایا؟ یہ وہی بات ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔☆ ﴿۵۳﴾ وہ تو صرف ایک چیخ ہوگی پھر سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔ ﴿۵۴﴾ اس روز کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں

۴۹۔ قیامت ایسی نہیں ہوگی کہ تدریجاً آ جائے، بلکہ یہ دفعتاً ایسے وقت میں آئے گی، جب لوگ اپنے دنیوی امور میں الجھ رہے ہوں گے۔ اپنی محفلوں میں بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہوں گے، اچانک صور پھونکا جائے گا اور اللہ کی لافانی ذات کے علاوہ سب اس صور سے ہلاک ہو جائیں گے۔ اسے نفخۃ الاولیٰ کہتے ہیں۔

۵۱۔ یہ نفخۃ الثانیۃ دوسرا صور ہے۔ اس صور سے سب زندہ ہو جائیں گے۔ دیکھیں گے کوئی جائے فرار نہیں ہے سوائے رب العالمین کے۔ اسی کی طرف دوڑنے پر مجبور ہوں گے۔

۵۲۔ ممکن ہے قیامت کی ہولناک صورتحال کے مقابلے میں قبر کو خوابگاہ سے تعبیر کیا ہو، کیونکہ کافر عالم برزخ میں بھی عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایک نظریے کے مطابق حیات برزخی صرف قبر میں نکیرین کے سوال تک محدود ہے، پھر قیامت تک نیند کی حالت طاری رہے گی۔ چنانچہ امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے: وَ مَا بَيْنَ الْمَوْتِ وَ الْبَعْثِ اِلَّا كَنَوْمَةٍ نِمْتَهَا ثُمَّ اسْتَيْقَظْتَ مِنْهَا۔ (اصول الکافی ۲: ۱۳۴) یعنی موت اور قیامت کے درمیان کی مدت ایک نیند کی مانند ہے کہ جس کے بعد تو بیدار ہو جائے۔ تحقیق کے مطابق شہداء اور اللہ کے نہایت مقرب بندوں کے لیے عالم برزخ میں زندگی اور نعمتیں موجود ہیں۔ اسی طرح جو بڑے سرکش اور

نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿٥٧﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾

وقف غفران

کیا جائے گا اور تمہیں بس وہی بدلہ دیا جائے گا جیسا تم عمل کرتے رہے ہو۔ ﴿۵۵﴾ آج اہل جنت یقیناً کیف وسرور کے ساتھ مشغلے میں ہوں گے۔ ﴿۵۶﴾ وہ اور ان کی ازواج سایوں میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ﴿۵۷﴾ وہاں ان کے لیے میوے اور ان کی مطلوبہ چیزیں موجود ہوں گی۔ ﴿۵۸﴾ مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔☆ ﴿۵۹﴾ اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔☆ ﴿۶۰﴾ اے اولاد آدم! کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پرستش نہ کرنا؟ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔☆ ﴿۶۱﴾ اور یہ کہ میری بندگی کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿۶۲﴾ اور بتحقیق اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿۶۳﴾ یہ وہی جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ﴿۶۴﴾ آج اس جہنم میں جھلس جاؤ اس کفر کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔

---

مجرم لوگ ہیں، ان کے لیے عالم برزخ میں زندگی اور عذاب ہے۔ باقی لوگ بعد از موت قبر میں صرف نکیرین کے سوال کے لیے زندہ کیے جائیں گے۔ اس کے بعد قیامت تک ان کے لیے زندگی نہ ہوگی۔

۵۸۔ جنت کی سب سے بڑی نعمت جس سے انسان کیف وسرور کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے، اللہ کی خوشنودی ہے: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (توبۃ: ۷۲) جب جنت والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آئے گا تو اہل جنت کے لیے کیف وسرور کی حالت وصف وبیان کی حدود سے خارج ہوگی۔

۵۹۔ دنیا میں تم مومنوں کی صفوں میں داخل ہو کر اپنے کفر ونفاق پر پردہ ڈال سکتے تھے، لیکن آج تمہیں الگ ہونا پڑے گا۔

۶۰۔ اس عہد سے مراد وہ عہد ہو سکتا ہے جو اللہ نے ہر انسان کی فطرت و جبلت میں رکھا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الشمس آیت ۸ میں فرمایا: فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ نفس انسانی میں فسق وفجور اور تقویٰ کی سمجھ ودیعت فرمائی ہے۔

۶۵۔ ہر عضو اس عمل کے بارے میں گواہی دے گا جو اس سے متعلق ہے۔ اس آیت میں بطور مثال ہاتھوں اور پیروں کا ذکر ہے۔ دوسری آیات میں آنکھوں، کانوں، دل اور کھال کا بھی ذکر آتا ہے، جو گواہی دیں گے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ ع وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ

﴿۶۵﴾ آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیتے ہیں اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے اس کے بارے میں جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔☆ ﴿۶۶﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیں پھر یہ راستے کی طرف لپک بھی جائیں تو کہاں سے راستہ دیکھ سکیں گے؟ ﴿۶۷﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ان ہی کی جگہ پر اس طرح مسخ کر دیں کہ نہ آگے جانے کی استطاعت ہوگی اور نہ پیچھے پلٹ سکیں گے۔ ﴿۶۸﴾ اور جسے ہم لمبی زندگی دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں، کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے؟☆ ﴿۶۹﴾ اور ہم نے اس (رسول) کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ اس کے لیے شایان شان ہے، یہ تو بس ایک نصیحت (کی کتاب) اور روشن قرآن ہے،☆ ﴿۷۰﴾ تاکہ جو زندہ ہیں انہیں تنبیہ کرے اور کافروں کے خلاف حتمی فیصلہ ہو جائے۔☆ ﴿۷۱﴾ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے چنانچہ اب یہ ان کے مالک ہیں؟☆ ﴿۷۲﴾ اور ہم نے انہیں ان کے لیے مسخر کر

۶۶۔ اگر اللہ چاہے تو ان کی آنکھوں سے بصارت اور پیروں سے چلنے کی طاقت سلب کر لے، تو اس وقت انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان کے پاس چارۂ کار کیا ہے۔

۶۸۔ روز کا مشاہدہ ہے کہ ایک نہایت طاقتور انسان عمر ڈھلتے ہی کس قدر ضعیف و ناتواں اور بے بس ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے وہ طفولیت میں بھی ناتواں بے بس تھا۔ جو اللہ ناتواں کو توانا اور توانا کو ناتواں بنا سکتا ہے، وہ مردوں کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے۔

۶۹۔ شعر رسول کے شایان شان نہیں ہے۔ چونکہ شعر میں خود مضمون سے زیادہ تخیلات اور وزن و قافیہ کو دخل ہوتا ہے۔ اس طرح شعر بیان واقع کے سلسلے میں حقائق سے دور اور فریب سے نزدیک ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ امر واقع بیان کرنے کے لیے برہان سے استفادہ کیا جاتا ہے اور برہان یقینیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ سامعین کو قائل کرنے کے لیے خطاب سے استفادہ کیا جاتا ہے اور خطاب سامعین کے مسلمات پر مشتمل ہوتا ہے اور لوگوں کے جذبات کو ابھارنے کے لیے شعر سے استفادہ کیا جاتا ہے اور اشعار خیالیات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس طرح برہان یقینیات پر، خطاب مسلمات پر اور شعر تخیلات پر مشتمل ہوتا ہے۔

۷۰۔ یہ قرآن ایسے لوگوں کو نصیحت کرتا ہے جن میں زندگی کے آثار موجود ہوں۔ گوش شنوا، چشم بینا، قلب دانا رکھتے ہوں اور کافروں کے بارے میں حجت پوری ہونے کے بعد بھی کفر پر ثابت قدم رہنے پر ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل اور حتمی ہو جائے۔

۷۱۔ اَیۡدِیۡنَآ سے مراد شرکت کی نفی ہے۔ یعنی صرف

فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾

وقف لازم

دیا چنانچہ کچھ پر یہ سوار ہوتے ہیں اور کچھ کو کھاتے ہیں۔ (۷۳) اور ان میں ان کے لیے دیگر فوائد اور مشروبات ہیں تو کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے؟ (۷۴) اور انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو معبود بنا لیا ہے کہ شاید انہیں مدد مل سکے۔ (۷۵) (حالانکہ) وہ (نہ صرف) ان کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ الٹے ان معبودوں کے (تحفظ کے) لیے آمادہ لشکر ہیں۔☆ (۷۶) لہٰذا ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں، ہم سب باتیں جانتے ہیں جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ (۷۷) کیا انسان یہ نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے اتنے میں وہ کھلا جھگڑالو بن گیا؟☆ (۷۸) پھر وہ ہمارے لیے مثالیں دینے لگتا ہے اور اپنی خلقت بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے: ان ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟ (۷۹) کہہ دیجیے: انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کی تخلیق کو خوب جانتا ہے۔☆ (۸۰) وہی ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔☆ (۸۱) جس

---

ہم نے ہی اپنی قدرت کاملہ سے خلق کیا ہے۔ فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ: اس جملے سے فردی ملکیت ثابت ہے۔ اگرچہ حقیقی مالک اللہ کی ذات ہے، لیکن اللہ کی طرف سے انسان کو ملکیت یعنی فائدے کا حق اس شرط کے تحت دیا گیا ہے کہ اس سے دوسروں کی حق تلفی نہ ہوتی ہو۔

اَیْدِیْنَآ، ہاتھوں سے مراد قدرت ہے اور یَدٌ کہہ کر قدرت مراد لینا ایک محاورہ ہے۔

۷۵۔ وہ اپنے معبودوں سے توقع بھی کیا رکھیں، جو خود اپنے آپ کو تحفظ دینے پر قادر نہیں ہیں، ان کے یہ معبود اپنی پوجا کرنے والوں کو کیا تحفظ دیں گے۔ الٹا یہ اپنے معبودوں کو تحفظ دیتے ہیں۔ یعنی ان کے یہ معبود اپنی بقاء کے لیے اپنے عبادت گزاروں کے محتاج ہیں، وہ ان کی کیا مدد کریں گے۔

۷۷۔ یعنی ایک حقیر بوند سے پیدا ہونے والا انسان رب العالمین کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ انسان اللہ کے بارے میں تو یہ سوال پیش کرتا ہے کہ اللہ خاک شدہ ہڈیوں کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا؟ جبکہ اس نے اپنی پہلی خلقت کو سامنے نہیں رکھا، جو اسے دوبارہ زندہ کرنے سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے اور یہ نہیں سوچا کہ انسان کچھ بھی نہ تھا تو اللہ نے انہی خاک کے ذروں سے اس انسان کو کس طرح پیدا کیا۔

۷۹۔ بِکُلِّ خَلۡقٍ: تخلیق کی ابتدا ہو یا اعادہ تخلیق ہو، راز خلقت کے مالک کو کسی قسم کی تخلیق میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

۸۰۔ درخت کی ٹہنی جب سبز ہو تو اس میں پانی موجود ہوتا ہے اور عین اس پانی کے اندر سے آتش نکالنا کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ مردہ چیز سے زندگی پیدا کر سکتا ہے؟ واضح رہے ہر سبز درخت

اَوَ لَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡـئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

وقف غفران

نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، آیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کرے؟ کیوں نہیں! وہ تو بڑا خالق، دانا ہے۔ (۸۲) جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو بس اس کا امر یہ ہوتا ہے کہ اسے یہ کہے: ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔☆ (۸۳) پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی سلطنت ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔☆

آیاتہا ۱۸۲ ۳۷ سُوۡرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ ۵۶ رکوعاتہا ۵

سورہ صافات۔ مکی۔ آیات ۱۸۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكۡرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمۡ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَرَبُّ الۡمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِزِيۡنَةِ ۨالۡكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفۡظًا مِّنۡ

المنزل ۶

(۱) قسم ہے پوری طرح صف باندھنے والوں کی،☆ (۲) پھر بطور کامل جھڑکی دینے والوں کی،☆ (۳) پھر ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی،☆ (۴) یقینا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔☆ (۵) جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب اور مشرقوں کا رب ہے۔ (۶) ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا،☆ (۷) اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ بھی،

میں آتش موجود ہے۔ ان درختوں کی ٹہنیوں کی رگڑ سے آتش پیدا ہوتی ہے اور جنگلوں کو آگ لگ جاتی ہے۔

۸۲۔ جب اللہ کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز فوراً وجود میں آ جاتی ہے۔ اس چیز کے وجود میں آنے کے لیے ارادہ الٰہی کافی ہے۔ اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی، یہاں تک کہ لفظ کن کی بھی۔ کیونکہ ایجاد سے پہلے کوئی مخاطب ہی نہیں ہوتا جس سے کن کا خطاب کیا جائے۔ بنابریں کن انسان کو سمجھانے کے لیے ایک لفظی تعبیر ہے جو عالم ایجاد کی باتوں کو تمثیلی تعبیر کے بغیر سمجھنے سے قاصر ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے: یقول لما اراد کونہ کن فیکون لا بصوت یقرع و لا نداء یسمع و انما کلامہ سبحانہ فعل منہ۔ (اعلام الدین: ۵۹) یعنی جب اللہ کن فرماتا ہے تو کسی آواز کے ذریعے ایسا نہیں کرتا بلکہ اللہ کا کلام اس کا فعل ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ کے خلق و ایجاد میں صرف ایک ارادہ کافی ہوتا ہے، لہٰذا اعادۂ خلق کے بارے میں یہ سوال سرے سے نامعقول ہے کہ اللہ خاک شدہ ہڈیوں کو دوبارہ کیسے زندہ کرے گا۔

۸۳۔ ہر شے کی سلطنت سے مراد یہ ہے کہ اس کی حقیقی ملکیت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ اس پر ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے، اسے وجود میں لا سکتا ہے، ختم کر سکتا ہے اور دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔

## سورۂ صٰفّٰت

۱ تا ۴۔ قسم ان فرشتوں کی جو صف بستہ عبادت میں کھڑے ہیں اور ان فرشتوں کی قسم جو شیاطین کو دور بھگا دیتے ہیں اور ان فرشتوں کی قسم جو وحی کی تلاوت کرتے ہیں کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ یعنی

كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝٧ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝٨ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝٩ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝١٠ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝١١ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۝١٢ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝١٣ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝١٤ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝١٥ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝١٦ اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝١٧ ۭ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ۝١٨ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ

(٨) کہ وہ عالم بالا کی طرف کان نہ لگا سکیں اور ہر طرف سے ان پر (انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔ (٩) دھتکارے جاتے ہیں اور ان پر دائمی عذاب ہے۔ (١٠) مگر ان میں سے جو کسی بات کو اچک لے تو ایک تیز شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔☆ (١١) تو ان سے پوچھ لیجیے کہ کیا ان کا پیدا کرنا مشکل ہے یا وہ جنہیں ہم نے (ان کے علاوہ) خلق کیا ہے؟ ہم نے انہیں لیسدار گارے سے پیدا کیا۔ (١٢) بلکہ آپ تعجب کر رہے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں۔ (١٣) اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت نہیں مانتے۔ (١٤) اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (١٥) اور کہتے ہیں: یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔☆ (١٦) کیا جب ہم مر چکیں گے اور خاک اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے؟ (١٧) کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اٹھائے جائیں گے)؟ (١٨) کہد یجیے: ہاں اور تم ذلیل کر کے (اٹھائے جاؤ گے)۔ (١٩) وہ تو بس ایک جھڑکی ہوگی

---

عالم بالا، عالم ارضی اور ان دونوں کے درمیان جو نظام قائم ہیں وہ صرف ایک ہی معبود کی نشاندہی کرتے ہیں۔

٦۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو ستارے اور کہکشائیں انسان کے مشاہدے میں آتی ہیں وہ سب سات آسمانوں میں سے صرف پہلے آسمان السماء الدنیا سے متعلق ہیں، بلکہ پہلے آسمان کے بارے میں بھی انسانی مشاہدات اور معلومات نہایت محدود ہیں، جبکہ آسمان اول کا جو حصہ انسانی مشاہدے میں آیا ہے اس کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ بعض کہکشاؤں سے روشنی اربوں سالوں سے چلی آ رہی ہے لیکن ابھی ہم تک نہیں پہنچی۔ یاد رہے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو چوراسی میل فی سیکنڈ ہے۔

١٠۔ سورہ حجر آیت ١٨ میں شہاب ثاقب کے بارے میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ عربوں میں کہانت کا بڑا چرچا تھا اور کاہنوں سے غیب کی خبریں معلوم کرنے کا رواج عام تھا۔ کاہنوں کا یہ دعویٰ تھا کہ جن اور شیاطین ان کو یہ خبریں بتاتے ہیں۔ مشرکین نے رسول کریم ﷺ پر بھی کاہن ہونے کا الزام لگایا جیسا کہ سورہ شعراء میں اس کی رد آئی ہے: وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝٢١٠ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝٢١١ ۭ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝٢١٢ ۭ اور اس قرآن کو شیاطین نے نہیں اتارا اور نہ یہ کام ان سے مناسبت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ استطاعت رکھتے ہیں۔ وہ (وحی) سننے سے دور رکھے گئے ہیں۔

١٥۔ مشرکین کا یہ کہنا کہ یہ جادو ہے، اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے قرآن کے علاوہ بھی

يَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوۡا يٰوَيۡلَنَا هٰذَا يَوۡمُ
الدِّيۡنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ الَّذِيۡ
كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ع اُحۡشُرُوا الَّذِيۡنَ
ظَلَمُوۡا وَاَزۡوَاجَهُمۡ وَمَا كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۲﴾
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰى صِرَاطِ
الۡجَحِيۡمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡـُٔوۡلُوۡنَ ﴿۲۴﴾
مَا لَكُمۡ لَا تَنَاصَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ بَلۡ هُمُ الۡيَوۡمَ
مُسۡتَسۡلِمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ
يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا
عَنِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوۡا بَلۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا
مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ
سُلۡطٰنٍ بَلۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا طٰغِيۡنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ
عَلَيۡنَا قَوۡلُ رَبِّنَاۤ اِنَّا لَذَآئِقُوۡنَ ﴿۳۱﴾

پھر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، ﴿۲۰﴾ اور کہیں گے: ہائے ہماری تباہی! یہ تو یوم جزا ہے۔ ﴿۲۱﴾ یہ فیصلے کا وہ دن ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ ﴿۲۲﴾ گھیر لاؤ ظلم کا ارتکاب کرنے والوں کو اور ان کے ہم جنسوں کو اور انہیں جن کی یہ پوجا کیا کرتے تھے،☆ ﴿۲۳﴾ اللہ کو چھوڑ کر۔ پھر انہیں جہنم کے راستے کی طرف ہانکو۔ ﴿۲۴﴾ انہیں روکو، ان سے پوچھا جائے گا۔☆ ﴿۲۵﴾ تمہیں ہوا کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟☆ ﴿۲۶﴾ بلکہ آج تو وہ گردنیں جھکائے (کھڑے) ہیں۔ ﴿۲۷﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے باہم سوال کرتے ہیں۔☆ ﴿۲۸﴾ کہتے ہیں: تم ہمارے پاس طاقت سے آتے تھے۔☆ ﴿۲۹﴾ وہ کہیں گے: بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہ تھے، ﴿۳۰﴾ ورنہ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے۔ ﴿۳۱﴾ پس ہمارے بارے میں ہمارے رب کا فیصلہ حتمی ہو گیا، اب ہم

---

معجزے دکھائے ہیں، مثلاً شق القمر وغیرہ، جو عام بشری طاقت سے باہر ہیں۔

۲۲۔ وَاَزۡوَاجَهُمۡ سے مراد ان کے ہم جرم لوگ ہو سکتے ہیں جو شیاطین پر بھی صادق آتا ہے اور ہم نشینوں پر بھی۔

۲۴۔ اگرچہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جن سے قیامت کے دن حساب لیا جائے گا۔

حدیث ہے: قیامت کے دن انسان کا کوئی قدم آگے نہیں بڑھے گا، جب تک اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو: ۱۔ اس کی عمر کے بارے میں کہ کہاں گزاری؟ ۲۔ اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کس چیز میں ختم کر دیا؟ ۳۔ اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ ۴۔ ہم اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے بارے میں۔ (امالی طوسی)

نہج البلاغہ میں مذکور ہے: اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي عِبَادِهٖ وَ بِلَادِهٖ فَاِنَّكُمۡ مَسۡئُوۡلُوۡنَ حَتّٰى عَنِ الۡبِقَاعِ وَ الۡبَهَائِمِ۔ (نهج البلاغة ص ۲۴۲ خ ۱۶۷) اللہ کے بندوں اور اس کی سرزمینوں کے بارے میں تقویٰ اختیار کرو، کیونکہ تم سے زمین کے ٹکڑوں اور چوپایوں کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔

۲۵۔ دنیا میں تو تم مؤمنین کے خلاف ملت واحدہ بن کر ایک دوسرے کی کمک کرتے تھے، لیکن آج ایک

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ
يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا
اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ
يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا
اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ
وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا
الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ
مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾
يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ

(عذاب) چکھیں گے۔ ﴿۳۲﴾ پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا جب کہ ہم خود بھی گمراہ تھے۔ ﴿۳۳﴾ تو اس دن وہ سب کے سب عذاب میں شریک ہوں گے۔☆ ﴿۳۴﴾ ہم مجرموں کے ساتھ یقیناً ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ ﴿۳۵﴾ جب ان سے کہا جاتا تھا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے، ﴿۳۶﴾ اور کہتے تھے: کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ ﴿۳۷﴾ (نہیں) بلکہ وہ حق لے کر آئے ہیں اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔ ﴿۳۸﴾ بتحقیق تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو۔ ﴿۳۹﴾ اور تمہیں صرف اس کی جزا ملے گی جو تم کرتے تھے۔ ﴿۴۰﴾ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔ ﴿۴۱﴾ ان کے لیے ایک معین رزق ہے،☆ ﴿۴۲﴾ (ہر قسم کے) میوے اور وہ احترام کے ساتھ ہوں گے ﴿۴۳﴾ نعمتوں والی جنت میں۔ ﴿۴۴﴾ وہ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ﴿۴۵﴾ بہتی شراب کے جام ان میں پھرائے جائیں گے،☆ ﴿۴۶﴾ جو چمکتی ہوگی،

دوسرے کی مدد کے لیے آگے کیوں نہیں آتے؟

۲۷۔ اس سے آگے کی چند آیات میں اہل جہنم کے باہمی جھگڑے کا ذکر ہے، کیونکہ شکست خوردہ لوگ شکست کے بعد ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اور شکست کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالتے ہیں۔

۲۸۔ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ: یمین سیاق آیت کے مطابق یہاں طاقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قیامت کے روز اہل جہنم اپنے سرداروں سے کہیں گے: تم نے طاقت کے ذریعے ہمیں گمراہ کیا تو سردار کہیں گے: ہمیں تم پر مکمل تسلط نہیں تھا، تم خود ایمان لا سکتے تھے۔

۳۳۔ پیر و مرشد بھی، مرید بھی، گمراہ کرنے اور گمراہ ہونے والے بھی، سب عذاب میں شریک ہوں گے۔ پیر کا یہ عذر نہیں سنا جائے گا کہ مرید خود ایمان لانا نہیں چاہتا تھا اور مرید کا یہ عذر نہیں سنا جائے گا کہ اسے پیر نے مجبور کیا۔

۴۱۔ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ان کا رزق دوسروں کے رزق سے مختلف متعین ہوگا۔

۴۵۔ جس پیالے میں شراب موجود ہو، عربی میں اسے کأس کہتے ہیں اور جس میں شراب نہ ہو اسے قدح کہتے ہیں۔ لہٰذا لفظ کأس (ساغر یا جام) کہنے سے شراب خود ذہن میں آتی ہے۔

۴۷۔ صرف اسم میں مشترک ہے۔ اس زندگی کے لوگوں کو سمجھانے کے لیے شراب کہا گیا ہے، ورنہ

لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا
هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ
الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿٤٨﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾
فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾
قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿٥١﴾
يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾
فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ
تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ
رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا
نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى
وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی، ﴿٤٧﴾ جس میں نہ سر درد ہوگا اور نہ ہی اس سے ان کی عقل زائل ہوگی۔☆ ﴿٤٨﴾ اور ان کے پاس نگاہ نیچے رکھنے والی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔☆ ﴿٤٩﴾ گویا کہ وہ محفوظ انڈے ہیں۔☆ ﴿٥٠﴾ پھر وہ آمنے سامنے بیٹھ کر آپس میں باتیں کریں گے۔☆ ﴿٥١﴾ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: میرا ایک ہم نشین تھا،☆ ﴿٥٢﴾ جو (مجھ سے) کہتا تھا: کیا تم (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہو؟ ﴿٥٣﴾ بھلا جب ہم مر چکیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں جزا ملے گی؟ ﴿٥٤﴾ ارشاد ہوگا: کیا تم دیکھنا چاہتے ہو؟ ﴿٥٥﴾ پھر اس نے جھانکا تو اسے وسط جہنم میں دیکھے گا۔ ﴿٥٦﴾ کہے گا: قسم بخدا قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دے۔ ﴿٥٧﴾ اور اگر میرے رب کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی (عذاب میں) حاضر کیے جانے والوں میں ہوتا۔ ﴿٥٨﴾ کیا اب ہمیں نہیں مرنا؟ ﴿٥٩﴾ ہماری پہلی موت کے بعد ہمیں کوئی اور عذاب نہ ہوگا؟☆ ﴿٦٠﴾ یقینا یہ عظیم کامیابی ہے۔☆

حقیقت میں وہ دنیوی شراب نہیں ہے۔ جنت کی شراب میں وہ منفی خاصیتیں نہیں ہیں جو دنیا کی شراب میں ہیں۔

۴۸۔ عورتوں کی بنیادی خصوصیت کا ذکر ہے کہ ان کی نگاہیں صرف اپنے شوہروں کے لیے اٹھتی ہیں، یعنی عفت کا تصور جنت میں بایں معنی ہوگا کہ یہ عورتیں اپنے شوہروں کو بہت چاہتی ہوں گی۔

۴۹۔ عربوں میں یہ محاورہ ہے۔ وہ گوری عورت کو حسن و جمال اور صفائی میں انڈے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

۵۰۔ احباب کی محفل میں بیٹھنے کا جو لطف ہوگا اہل جنت اس سے بھی محظوظ ہوں گے۔

۵۱۔ یعنی اہل جنت باہمی گفتگو میں مصروف ہوں گے۔ اسی دوران ایک جنتی مومن اپنی دنیاوی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے اس کافر ساتھی کا ذکر چھیڑے گا جو اس بات پر اس کا مذاق اڑاتا تھا کہ وہ (مؤمن) قیامت اور حیات بعد از ممات کا معتقد تھا۔ پھر کہے گا: کیا آپ اس شخص کو دیکھنا چاہتے ہیں؟ چنانچہ اس شخص کو جہنم کے وسط میں دیکھ کر جنتی بول اٹھے گا: اللہ کی قسم تو مجھے ہلاک کرنے ہی والا تھا۔ اگر اللہ کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو میرا حشر بھی تیرے جیسا ہوتا۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آخرت میں زمان و مکان کا وہ تصور نہ ہوگا جو دنیا میں ہے۔ ورنہ کوئی انسان یہ سوال کر سکتا ہے کہ جہنم جنت کے اس قدر نزدیک ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔

۵۹۔ پہلی موت سے مراد وہ موت ہے جس نے دنیاوی زندگی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد آخرت کی زندگی کا دائمی ہونا اسلامی تعلیمات میں ایک مسلمہ امر ہے۔ قرآن اس حقیقت کو خلود کے ساتھ یاد

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ
الْعٰمِلُونَ ﴿٦١﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ
الزَّقُّومِ ﴿٦٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِينَ ﴿٦٣﴾
اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيٓ اَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾
طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوسُ الشَّيٰطِينِ ﴿٦٥﴾ فَاِنَّهُمْ
لَاٰكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِـُٔونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾
ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ
اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾ اِنَّهُمْ
اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلٰٓى
اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ
اَكْثَرُ الْاَوَّلِينَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا
فِيهِمْ مُّنْذِرِينَ ﴿٧٢﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٧٣﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ

(٦١) عمل کرنے والوں کو ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنا چاہیے۔☆ (٦٢) کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت؟ (٦٣) ہم نے اسے ظالموں کے لیے ایک آزمائش بنا دیا ہے۔☆ (٦٤) یہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی تہ سے نکلتا ہے۔ (٦٥) اس کے خوشے شیاطین کے سروں جیسے ہیں۔☆ (٦٦) پھر وہ اس میں سے کھائیں گے اور اس سے پیٹ بھریں گے۔☆ (٦٧) پھر ان کے لیے اس پر کھولتا ہوا پانی ملا دیا جائے گا۔ (٦٨) پھر ان کا ٹھکانا بہر صورت جہنم ہو گا۔ (٦٩) بلاشبہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔ (٧٠) پھر وہ ان کے نقش قدم پر دوڑ پڑے۔ (٧١) اور بتحقیق ان سے پہلے اگلوں کی اکثریت گمراہ ہو چکی ہے۔ (٧٢) اور ہم نے ان میں تنبیہ کرنے والے (رسول) بھیجے تھے۔ (٧٣) پھر دیکھو کہ تنبیہ شدگان کا کیا انجام ہوا، (٧٤) سوائے اللہ کے مخلص

فرماتا ہے اور کبھی اس لفظ کے ساتھ لفظ ابداً بھی استعمال ہوا ہے۔ حضرت علی ؑ سے روایت ہے: انما خلقتم للبقاء لا للفناء۔ (غرر الحکم: ۱۱۳ ح۲۲۹۱) تم ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا کیے گئے ہو، فنا کے لیے نہیں۔ یوں جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ایک مدت تک جہنم میں سزا کاٹنے کے بعد جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

۶۰۔ کامیابی کی عظمت اس کے دوام کی مدت سے معلوم ہوتی ہے۔ اگر وہ مدت لامحدود اور ابدی ہو تو اس صورت میں اس کامیابی کی عظمت بھی لامحدود ہو گی۔

۶۱۔ ہر صاحب عقل کے لیے ایک اہم دعوت ہے کہ اگر مسئلہ ایک مدت سے مربوط ہو تو انسان کہہ سکتا ہے کہ اسے بہرحال گزار لیں گے۔ لیکن اگر مسئلہ دائمی ہو تو اس سے بے اعتنائی برتنا نہایت بیوقوفی ہو گی۔ انسان اگر فطرتاً کامیابی کے لیے مشقت اٹھاتا ہے تو اسے اس عظیم کامیابی اور اس دائمی زندگی کے لیے محنت اور مشقت اٹھانا چاہیے۔

۶۳۔ آزمائش اس طرح کہ اسے سن کر کون اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب۔ اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: ہم نے اسے ظالموں کے لیے ایک عذاب بنا دیا ہے۔ اس صورت میں فتنہ سے مراد عذاب ہو گا۔

۶۵۔ اگرچہ شیطان کے سروں کو کسی نے دیکھا نہیں کہ ان کے ساتھ تشبیہ دی جائے، تاہم لوگوں کے ذہنوں میں شیطان کے بارے میں یہ خیال مسلمہ ہے کہ وہ کریہ المنظر ہوتے ہیں، جبکہ فرشتے نہایت حسین و جمیل۔ اس لیے یہ تشبیہ درست ہے۔

۶۶۔ اس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ عذاب کے کئی مراحل ہیں۔ چنانچہ پہلے ان کا پیٹ زقوم کے پھل سے بھر دیا جائے گا، پھر انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، پھر جہنم میں ان کا ٹھکانا ہو گا۔

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ

بندوں کے۔ (۷۵) اور نوح نے ہمیں پکارا تو دیکھا کہ ہم کیسے بہترین جواب دینے والے ہیں۔ (۷۶) اور ہم نے انہیں اوران کے گھر والوں کو عظیم مصیبت سے بچایا۔ (۷۷) اوران کی نسل کو ہم نے باقی رہنے والوں میں رکھا۔☆ (۷۸) اور ہم نے آنے والوں میں ان کے لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔ (۷۹) تمام عالمین میں نوح پر سلام ہو۔☆ (۸۰) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔ (۸۱) بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ (۸۲) پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔ (۸۳) اور ابراہیم یقینا نوح کے پیروکاروں میں سے تھے۔☆ (۸۴) جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلب سلیم لے کر آئے۔☆ (۸۵) جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور قوم سے کہا: تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ (۸۶) کیا اللہ کو چھوڑ کر گھڑے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟ (۸۷) ربّ عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ (۸۸) پھر انہوں نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی، (۸۹) اور کہا: میں تو بیمار ہوں۔☆ (۹۰) چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ

۷۷۔ چنانچہ طوفان نوح کے بعد نوحؑ کی اولاد ہی باقی رہی۔ اس لیے حضرت آدم کے بعد نوحؑ کو دوسرا ابوالبشر کہتے ہیں۔

۷۹۔ تمام اہل عالم میں نوحؑ پر سلام کو ہم نے باقی رکھا۔ حضرت نوحؑ ہی نے شرک کے خلاف ایک ہزار سال تک جہاد کیا۔ اس طرح روئے زمین میں شرک کے خلاف پہلے مجاہد حضرت نوحؑ ہیں۔ آج نوحؑ کا ذکر خیر پوری دنیا میں ہے۔

۸۳۔ شرک کے خلاف جہاد کرنے میں حضرت نوحؑ کی پیروی حضرت ابراہیمؑ نے کی۔ حضرت نوح، حضرت آدمؑ کے بعد ابو البشر ٹھہرے اور حضرت ابراہیمؑ ابوالانبیاء ٹھہرے۔ اس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ اپنے پیشرو کے مشن کو آگے چلانے والا اس کا شیعہ کہلاتا ہے۔ دوسری خاصیت یہ ہے کہ اس مشن کے جاری رکھنے والے کے قلب میں غیر اللہ کا شائبہ نہ ہو۔

روایت میں آیا ہے: امام زین العابدینؑ کے دروازے پر کچھ لوگوں نے دستک دی۔ خادمہ سے فرمایا: دیکھو کون لوگ ہیں۔ کہا: آپ کے شیعہ ہیں تو آپؑ ان کے استقبال کے لیے ایسے لپکے کہ گرنے والے تھے۔ جب ان پر نظر پڑی تو فرمایا: كَذَبُوا فَاَيْنَ السَّمْتُ فِي الْوُجُوهِ اَيْنَ اَثَرُ الْعِبَادَةِ اَيْنَ سِيمَاءُ السُّجُودِ، اِنَّمَا شِيعَتُنَا يُعْرَفُونَ بِعِبَادَتِهِمْ... (مستدرک الوسائل ۴:۶۸ ۴) جھوٹ بولا۔ کہاں ہے رونق چہروں پر؟ کہاں ہے عبادت کی علامت؟ کہاں ہے سجدوں کی نشانی؟ ہمارے شیعہ اپنی عبادات سے پہچانے جاتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے اس تاریخی جہاد کا ذکر ہے جو انہوں نے شرک کے خلاف شروع فرمایا۔ واضح رہے بت شکن کے پیروکار بت شکن ہوتے ہیں۔

۸۴۔ قلب سلیم یعنی وہ دل جس میں غیر اللہ کے لیے کوئی جگہ نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اس کا مظاہرہ اس وقت کیا جب آپ کو آتش نمرود میں

مُدْبِرِيْنَ ۝٩٠ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ
اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝٩١ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝٩٢
فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝٩٣ فَاَقْبَلُوْٓا
اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝٩٤ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا
تَنْحِتُوْنَ ۝٩٥ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا
تَعْمَلُوْنَ ۝٩٦ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي
الْجَحِيْمِ ۝٩٧ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ
الْاَسْفَلِيْنَ ۝٩٨ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى
رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝٩٩ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠٠ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝١٠١
فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى
فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى
قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ

گئے۔ (٩١) پھر وہ ان کے معبودوں میں جا گھسے اور کہنے لگے: تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟☆ (٩٢) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو؟ (٩٣) پھر انہیں پوری طاقت سے مارنے لگے☆ (٩٤) تو لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔ (٩٥) ابراہیم نے کہا: کیا تم اسے پوجتے ہو جسے تم خود تراشتے ہو؟☆ (٩٦) حالانکہ خود تمہیں اور جو کچھ تم بناتے ہو (سب کو) اللہ نے پیدا کیا ہے۔ (٩٧) انہوں نے کہا: اس کے لیے ایک عمارت تیار کرو پھر اسے آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔ (٩٨) پس انہوں نے اس کے خلاف ایک چال چلنے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انہیں زیر کر دیا۔☆ (٩٩) اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ مجھے راستہ دکھائے گا☆ (١٠٠) اے میرے رب! مجھے صالحین میں سے (اولاد) عطا کر۔☆ (١٠١) چنانچہ ہم نے انہیں ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔ (١٠٢) پھر جب وہ ان کے ساتھ کام کاج کی عمر کو پہنچا تو کہا: اے بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، پس دیکھ لو تمہاری کیا رائے

ڈالنے کے لیے منجنیق پر آویزاں کیا گیا تھا۔ اس وقت جبرئیل نے آپ ؑ سے پوچھا تھا: کوئی حاجت ہے؟ آپ ؑ نے فرمایا: اما الیک فلا۔ حاجت ہے، مگر تجھ سے نہیں۔

۸۹۔ ستاروں کی طرف ایک نگاہ کر کے فرمایا: میں مریض ہوں۔ قوم کے سالانہ میلے میں عدم شرکت کے لیے یہ عذر پیش فرمایا۔ ستاروں کی طرف دیکھنے کا مقصد قرآن نے بیان نہیں فرمایا۔ تاہم ستارہ پرستوں کا یہ گمان عام تھا کہ بیماری کسی ستارے کے طلوع سے مربوط ہوتی ہے۔ رہا یہ فرمانا کہ میں مریض ہوں تو اس بات پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کہ آپ مریض نہ تھے۔ عین ممکن ہے کہ میلے کے وقت آپ ؑ کی طبیعت ناساز ہو۔ لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم ؑ نے یہاں مصلحتاً جھوٹ بولا، بلا دلیل بات ہے۔

۹۱۔ بت پرست اپنے بتوں کے سامنے کھانے کی چیزیں رکھتے تھے۔ حضرت ابراہیم ؑ نے بغرض استدلال ان بتوں سے خطاب فرمایا کہ تم کھاتے کیوں نہیں اور بات کیوں نہیں کرتے؟ ورنہ جامد اور بے شعور چیزوں سے خطاب معقول نہیں ہوتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ بتوں کے سامنے کھانے کی چیزیں رکھتے تھے۔

۹۳۔ منطقی انداز میں ان بتوں کی حقیقت واضح کرنے کے بعد پوری قوت سے ان بتوں کو پاش پاش کیا۔ اس طرح انسانی تاریخ میں شجاعت و دلیری کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے بت شکنی کی تاریخ رقم فرمائی۔

۹۵۔ خود تراشیدہ کو معبود بناتے ہو۔ جن بتوں کی اپنی شکل و صورت تمہارے تراشنے سے بنی ہو، وہ تمہاری زندگی میں کون سے نقوش چھوڑیں گے؟

۹۸۔ اس موضوع پر حاشیہ سورۂ انبیاء آیت ۶۹ میں ملاحظہ ہو۔

۹۹۔ ترک وطن کر کے کاملاً اللہ پر بھروسہ کر کے ہجرت کر رہے ہیں۔ اس طرح حضرت ابراہیم ؑ پہلے مہاجر ہیں جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت فرمائی۔

۱۰۰۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم ؑ کی کوئی اولاد نہ تھی۔

شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا
وَ تَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ﴿۱۰۳﴾ وَ نَادَيۡنٰهُ اَنۡ
يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا
لَهُوَ الۡبَلٰٓـؤُا الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ
عَظِيۡمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾
سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ
نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا
مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ بٰرَكۡنَا عَلَيۡهِ وَ
عَلٰٓى اِسۡحٰقَ ؕ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحۡسِنٌ وَّ
ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ مُبِيۡنٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلَقَدۡ مَنَنَّا
عَلٰى مُوۡسٰى وَ هٰرُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ نَجَّيۡنٰهُمَا وَ

ہے، اس نے کہا: اے ابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے اسے
انجام دیں، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں
پائیں گے۔ ﴿۱۰۲﴾ پس جب دونوں نے (حکم خدا کو) تسلیم کیا
اور اسے ماتھے کے بل لٹا دیا،☆ ﴿۱۰۳﴾ تو ہم نے ندا دی:
اے ابراہیم! ﴿۱۰۴﴾ تو نے خواب سچ کر دکھایا، بے شک ہم
نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ یقینا یہ ایک
نمایاں امتحان تھا۔ ﴿۱۰۶﴾ اور ہم نے ایک عظیم قربانی سے اس
کا فدیہ دیا۔☆ ﴿۱۰۷﴾ اور ہم نے آنے والوں میں ان کے
لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔ ﴿۱۰۸﴾ ابراہیم پر سلام ہو۔
﴿۱۰۹﴾ ہم نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ یقینا وہ
ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ ﴿۱۱۱﴾ اور ہم نے
ابراہیم کو اسحاق کی بشارت دی کہ وہ صالحین میں سے نبی
ہوں گے۔☆ ﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکات
نازل کیں اور ان دونوں کی اولاد میں نیکی کرنے والا بھی ہے
اور اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والا بھی ہے۔ ﴿۱۱۳﴾ اور بتحقیق
موسیٰ اور ہارون پر ہم نے احسان کیا۔ ﴿۱۱۴﴾ اور ان دونوں کو

۱۰۳۔ انبیاء کا خواب وحی کا درجہ رکھتا ہے اور وحی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم ؑ کو اس بات میں کوئی تردد نہیں ہوا کہ اپنے لخت جگر کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا حکم مل رہا ہے اور حضرت اسماعیل ؑ کے جواب اِفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خواب میں ذبح اسماعیل ؑ کا حکم ملا تھا۔

۱۰۷۔ ہم نے ایک عظیم ذبیحہ سے ابراہیم ؑ کے فرزند کا فدیہ دیا۔ بظاہر عظیم تو وہ فرزند تھے جن کا فدیہ دیا گیا ہے، لیکن قرآن اس ذبیحہ کو عظیم قرار دے رہا ہے۔ خصال صدوق میں آیا ہے کہ قیامت تک ہونے والی منی کی قربانیاں اسماعیل ؑ کا فدیہ ہیں۔ (بحار الانوار) عیون الاخبار الرضا میں آیا ہے: حج کے علاوہ ہر قربانی اسماعیل ؑ کا فدیہ ہے۔ اس روایت کے مطابق سید الشہداء ؑ کی قربانی اس کا عظیم مصداق قرار پاتی ہے۔

۱۱۲۔ اس عظیم قربانی کے ذکر کے بعد حضرت اسحاق ؑ کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے پہلے جس فرزند کی قربانی کا ذکر ہوا وہ حضرت اسماعیل ؑ تھے۔ پس یہ نظریہ درست ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حضرت اسحاق ؑ تھے۔

مسلمانوں کی روایات میں حضرت اسحاق ؑ کے ذبیح اللہ ہونے کا اصل مصدر کعب احبار ہے۔ یہ یہودی حضرت عمر کے زمانے میں مسلمان ہوا اور

قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ
فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا
الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي
الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا
مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ
لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ
اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ
وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ
فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي

اور ان دونوں کی قوم کو عظیم مصیبت سے ہم نے نجات دی۔ ﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے ان کی مدد کی تو وہی غالب آنے والے ہو گئے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور ہم نے ان دونوں کو روشن کتاب دی۔ ﴿۱۱۸﴾ اور ان دونوں کو سیدھا راستہ ہم نے دکھایا۔ ﴿۱۱۹﴾ اور ہم نے آنے والوں میں ان دونوں کے لیے (ذکر جمیل) باقی رکھا۔ ﴿۱۲۰﴾ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو۔ ﴿۱۲۱﴾ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔ ﴿۱۲۲﴾ یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ ﴿۱۲۳﴾ اور الیاس بھی یقینا پیغمبروں میں سے تھے۔☆ ﴿۱۲۴﴾ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اپنا بچاؤ نہیں کرتے؟ ﴿۱۲۵﴾ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خلق کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو؟☆ ﴿۱۲۶﴾ اللہ ہی تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔ ﴿۱۲۷﴾ تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس وہ حاضر کیے جائیں گے، ﴿۱۲۸﴾ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے، ﴿۱۲۹﴾ اور ہم نے آنے والوں میں ان کے لیے (ذکر جمیل)

---

دربار خلافت میں مقام حاصل کیا اور یہودی روایات سنایا کرتا تھا۔ خود حضرت عمر بھی ان روایات کو سنا کرتے تھے۔ اس یہودی کو سرکار کی طرف سے رسمیت ملنے پر دوسرے بھی اس شخص کی روایات سننے اور نقل کرنے لگے۔ اس طرح اسرائیلیات کو اسلامی روایات میں داخل ہونے کا موقع میسر آیا۔

۱۲۳۔ حضرت الیاس علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے۔ جب بنی اسرائیل میں بت پرستی عام ہونا شروع ہو گئی تو حضرت الیاس علیہ السلام نے اس بت پرستی کے خلاف قیام کیا، مگر جو بت پرستی بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے گھروں سے شروع ہوئی تھی، ختم نہیں ہوئی۔

۱۲۵۔ بعل کے معنی بلندی کے ہیں۔ اسی سے اس درخت کو بعل کہتے ہیں جو بلند ہو گیا ہو اور اپنی جڑوں کے ذریعے پانی جذب کرتا ہو۔ باب زکوۃ میں ہے:۔۔۔ اذا کانت سیحاً او بعلاً العشر (حدیث) اسی سے سردار اور مالک کو بھی بعل کہتے ہیں۔ اسی لیے شوہر کو بھی بعل کہتے ہیں۔ قدیم بت پرستوں نے اپنے ایک خاص بت کو بعل کا نام دیا تھا۔ خصوصاً لبنان، شام اور فلسطین کے علاقوں میں بعل پرستی عام تھی۔ ممکن ہے لبنان کا قدیم شہر بعلبک اسی بت سے منسوب ہو۔ بعل بت کو اور بک جائے اجتماع، یعنی شہر کو کہتے ہیں۔ چنانچہ مکے کو قرآن میں بکہ بھی کہا گیا ہے۔

الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۲۹ۙ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ۝۱۳۰
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۱ اِنَّهٗ
مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۲ وَاِنَّ لُوْطًا
لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۳۳ؕ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَ
اَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۳۴ۙ اِلَّا عَجُوْزًا فِي
الْغٰبِرِيْنَ ۝۱۳۵ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۱۳۶ وَ
اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝۱۳۷ۙ وَ
بِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۳۸ع وَاِنَّ يُوْنُسَ
لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۳۹ؕ اِذْ اَبَقَ اِلَى
الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۱۴۰ۙ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ
الْمُدْحَضِيْنَ ۝۱۴۱ۚ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ
مُلِيْمٌ ۝۱۴۲ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ
الْمُسَبِّحِيْنَ ۝۱۴۳ۙ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ

باقی رکھا۔ (۱۳۰) آل یاسین پر سلام ہو۔☆ (۱۳۱) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔ (۱۳۲) بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔☆ (۱۳۳) اور لوط بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھے (۱۳۴) جب ہم نے انہیں اور ان کے سب گھر والوں کو نجات دی۔ (۱۳۵) سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔☆ (۱۳۶) پھر ہم نے سب کو ہلاک کر دیا۔ (۱۳۷) اور تم دن کو بھی ان (بستیوں) سے گزرتے رہتے ہو،☆ (۱۳۸) اور رات کو بھی، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟☆ (۱۳۹) اور یونس بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھے۔ (۱۴۰) جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگے۔☆ (۱۴۱) پھر قرعہ ڈالا تو وہ مات کھانے والوں میں سے ہوئے۔☆ (۱۴۲) پھر مچھلی نے انہیں نگل لیا اور وہ (اپنے آپ کو) ملامت کر رہے تھے۔☆ (۱۴۳) پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے،☆ (۱۴۴) تو قیامت تک

۱۳۰۔ آل یسین سے مراد آل محمد ﷺ ہیں۔ ملاحظہ ہو صواعق محرقہ باب ۱۱۔

۱۳۲۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو یہودیوں نے ان کی زندگی میں تکذیب کی اذیت پہنچائی، لیکن زندگی کے بعد انہیں ضرورت سے زیادہ ماننے لگے اور یہ عقیدہ عام ہو گیا کہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے، پھر وہ دنیا میں دوبارہ آئیں گے۔

۱۳۵۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو ایک رسول کی بیوی ہونے کے باوجود اپنے شوہر کو چھوڑ کر اپنی قوم کا ساتھ دینے کو ترجیح دے رہی تھی۔ چنانچہ قوم کے ساتھ ہلاک ہو گئی۔

۱۳۷۔ ۱۳۸ اہل مکہ شام اور فلسطین جاتے ہوئے قوم لوط کے تباہ شدہ علاقوں سے گزرا کرتے تھے۔

۱۴۰۔ اَبَقَ: غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانے کو اباق کہتے ہیں۔ چونکہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑنے میں جلدی کی تھی، اس لیے ان کو اَبَقَ کے لفظ سے یاد کیا گیا۔ لفظ مشحون سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جس کشتی پر سوار تھے، اس پر گنجائش سے زیادہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔

۱۴۱۔ تمام مسافرین کو غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہوا تو قرعہ ڈالا گیا کہ جس کا نام قرعہ میں نکلے اسے پانی میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکل آیا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا۔

۱۴۲۔ ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا اور وہ اپنی قوم کو جلدی ترک کرنے کی وجہ سے ملامت زدہ تھے۔

۱۴۳۔ اس تسبیح کا ذکر سورۂ انبیاء آیت ۸۷ میں آیا ہے: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۷

۱۴۵۔ چنانچہ مچھلی نے اللہ کے حکم سے حضرت

النصف

يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ
سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ
يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ
يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى
حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ
وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ
اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ
اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى
الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ

اس مچھلی کے پیٹ میں رہ جاتے۔ ﴿۱۴۵﴾ اور ہم نے بیمار حالت میں انہیں چٹیل میدان میں پھینک دیا۔☆ ﴿۱۴۶﴾ اور ہم نے ان پر کدو کی بیل اگائی۔☆ ﴿۱۴۷﴾ اور ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا۔ ﴿۱۴۸﴾ پھر وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ایک وقت تک انہیں متاع حیات سے نوازا۔☆ ﴿۱۴۹﴾ پس آپ ان سے پوچھیں: کیا تمہارے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے ہوں؟☆ ﴿۱۵۰﴾ کیا ہم نے فرشتوں کو جب مؤنث بنایا تو وہ دیکھ رہے تھے؟☆ ﴿۱۵۱﴾ آگاہ رہو! یہ لوگ اپنی طرف سے گھڑ کر کہتے ہیں، ﴿۱۵۲﴾ کہ اللہ نے اولاد پیدا کی اور یہ لوگ یقینا جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۵۳﴾ کیا اللہ نے بیٹوں کی جگہ بیٹیوں کو پسند کیا؟ ﴿۱۵۴﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ ﴿۱۵۵﴾ کیا تم غور نہیں کرتے؟ ﴿۱۵۶﴾ یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ ﴿۱۵۷﴾ پس اپنی کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ ﴿۱۵۸﴾ اور انہوں

---

یونس ﷺ کو ایک بے آب وگیاہ ساحل پر اگل دیا۔

۱۴۶۔ یَّقْطِیْنٍ ایسے درخت کو کہتے ہیں جو تنے پر کھڑا نہ ہو اور بیل کی شکل میں ہو۔ جیسے کدو، خربوزہ وغیرہ۔ بعض مفسرین تصریح کرتے ہیں کہ یَّقْطِیْنٍ سے مراد کدو ہے۔ یہ درخت حضرت یونس ﷺ کے لیے سائے اور کھانے پینے کا کام دیتا تھا۔

۱۴۸۔ حضرت یونس ﷺ ان واقعات کے بعد جب اپنی قوم کی طرف واپس آ گئے تو دیکھا کہ جو قوم ان کی ہجرت کے وقت بت پرست تھی، وہ آج خدا پرست بن گئی ہے۔ تفصیل سورۂ یونس میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۴۹۔ مشرکین مکہ کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جب کہ یہی مشرکین بیٹیوں کو اپنے لیے عار و ننگ سمجھتے تھے۔ خود ان کے عقیدے کے مطابق یہ سوال اٹھایا گیا کہ اللہ کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے؟

۱۵۰۔ اس عقیدے کا مدرک کیا ہے؟ اس کے دو مدارک قابل تصور ہیں: یا خود ان لوگوں نے مشاہدہ کیا ہو۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ اللہ نے ان کے سامنے فرشتوں کو بیٹیاں خلق کیا ہو۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ خود اللہ نے فرمایا ہو کہ ان کو میں نے بیٹیاں خلق کیا ہے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ ان پر اللہ کی طرف سے کوئی کتاب نازل ہوئی ہو۔

۱۵۸۔ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور جنوں کو ان کی مائیں۔ اس طرح نسب سے مراد ہر نسبت لی جا سکتی ہے۔

الۡجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدۡ عَلِمَتِ الۡجِنَّةُ اِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ۙ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾ۙ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّکُمۡ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾ۙ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ بِفٰتِنِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾ۙ اِلَّا مَنۡ هُوَ صَالِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۶۳﴾ وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۱۶۴﴾ۙ وَّ اِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ﴿۱۶۵﴾ۚ وَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ اِنۡ کَانُوۡا لَیَقُوۡلُوۡنَ ﴿۱۶۷﴾ۙ لَوۡ اَنَّ عِنۡدَنَا ذِکۡرًا مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾ۙ لَکُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَکَفَرُوۡا بِهٖ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ لَقَدۡ سَبَقَتۡ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾ۚۖ اِنَّهُمۡ لَهُمُ

نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ بنا رکھا ہے، حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ (اللہ کے سامنے) حاضر کیے جائیں گے۔☆ ﴿۱۵۹﴾ اللہ ان کے ہر بیان سے پاک ہے، ﴿۱۶۰﴾ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے (جو ایسی بات منسوب نہیں کرتے)۔ ﴿۱۶۱﴾ پس یقیناً تم اور جنہیں تم پوجتے ہو، ﴿۱۶۲﴾ سب مل کر اللہ کے خلاف (کسی کو) بہکا نہیں سکتے، ﴿۱۶۳﴾ سوائے اس کے جو جہنم میں جھلسنے والا ہے۔ ﴿۱۶۴﴾ اور (ملائکہ کہتے ہیں) ہم میں سے ہر ایک کے لیے مقام مقرر ہے،☆ ﴿۱۶۵﴾ اور ہم ہی صف بستہ رہتے ہیں،☆ ﴿۱۶۶﴾ اور ہم ہی تسبیح کرنے والے ہیں۔ ﴿۱۶۷﴾ اور یہ لوگ کہا تو کرتے تھے: ﴿۱۶۸﴾ اگر ہمارے پاس اگلوں سے کوئی نصیحت آ جاتی، ﴿۱۶۹﴾ تو ہم اللہ کے مخلص بندے ہوتے۔ ﴿۱۷۰﴾ لیکن (اب) اس کا انکار کیا لہٰذا عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ ﴿۱۷۱﴾ اور بتحقیق ہمارے بندگان مرسل سے ہمارا یہ وعدہ ہو چکا ہے۔☆ ﴿۱۷۲﴾ یقیناً وہ

---

۱۶۴۔ یعنی اللہ کی اولاد ہونا تو دور کی بات ہے ہم تو اپنے مقررہ رتبے سے ایک ذرہ برابر بھی آگے نہیں جا سکتے۔

چونکہ فرشتے انسانوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ انہیں جس کام کے لیے اللہ نے متعین کیا ہے اسی پر کاربند رہتے ہیں۔ لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ (تحریم:۶) عصیان و نافرمانی کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۱۶۵۔ ہم اللہ کے احکام کے انتظار میں صف بستہ رہتے ہیں کہ تدبیر عالم کے بارے میں جو بھی حکم صادر ہوتا ہے اس کی فوری تعمیل ہو جاتی ہے۔

۱۷۱۔ وَلَقَدۡ سَبَقَتۡ کَلِمَتُنَا کلمۃ یعنی اللہ کا حتمی فیصلہ اور یقینی وعدہ۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے رسولوں کو ایک مقصد اور ایک منزل کا تعین کر کے اس کی طرف روانہ فرماتا ہے تو اس وقت اس بات کا فیصلہ بھی ہو چکا ہوتا ہے کہ مرسلین اپنے مشن میں کامیاب رہیں گے۔ اللہ ناکام ہونے والے مشن کی طرف نہیں بھیجتا۔ البتہ مرسلین کو اس کامیابی کے لیے انتہائی مشکلات کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ اللہ کے اس فیصلے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بلا زحمت چشم زدن میں کامیابی مل جایا کرے گی۔

۱۷۳۔ غالب ہونے کا مطلب وہ نہیں جو وقتی نگاہ سے دیکھنے والے کو نظر آتا ہے کہ فرعون و نمرود کو جو بالادستی حاصل ہے وہ ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کو حاصل نہیں ہے۔ یزید کی وسیع حکومت قائم ہو جاتی ہے لیکن اس کے مقابلے میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور مدینے کے مہاجرین و انصار بے بس ہیں اور آج استعماری قوتوں کو بالادستی حاصل ہے اور حق کے ماننے والے تہی دست ہیں، بلکہ غالب آنے سے مراد یہ ہے کہ آج نمرود و فرعون کی طاقت خاک

الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

مدد کیے جانے والے ہیں، ﴿۱۷۲﴾ اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب آ کر رہے گا۔☆ ﴿۱۷۳﴾ لہٰذا آپ ایک مدت تک ان سے منہ پھیر لیں۔ ﴿۱۷۴﴾ اور انہیں دیکھتے رہیں کہ عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔☆ ﴿۱۷۵﴾ کیا یہ ہمارے عذاب میں عجلت چاہ رہے ہیں؟ ﴿۱۷۶﴾ پس جب یہ (عذاب) ان کے دالان میں اترے گا تو تنبیہ شدگان کی صبح بہت بری ہوگی۔ ﴿۱۷۷﴾ اور آپ ایک مدت تک ان سے منہ پھیر لیں۔ ﴿۱۷۸﴾ اور دیکھتے رہیں عنقریب یہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ ﴿۱۷۹﴾ آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ ﴿۱۸۰﴾ اور پیغمبروں پر سلام ہو۔ ﴿۱۸۱﴾ اور ثنائے کامل اس اللہ کے لیے ہے جو عالمین کا رب ہے۔

## آیاتها ۸۸ — ۳۸ سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ ۳۸ — رکوعاتها ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ كَمْ أَهْلَكْنَا

سورہ ص۔ مکی۔ آیات ۸۸

بنام خدائے رحمٰن رحیم

﴿۱﴾ صاد، قسم ہے اس قرآن کی جو نصیحت والا ہے۔ ﴿۲﴾ مگر جنہوں نے (اس کا) انکار کیا وہ غرور اور مخالفت

---

میں مل گئی، لیکن کرہ ارض پر ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام زندہ ہیں۔ ابوجہل تاریخ کی تاریک تہوں میں دفن ہو گیا مگر عبد اللہ کے یتیم کا بول بالا ہے۔ یزید کا نام داخل دشنام ہے جبکہ حسین علیہ السلام کا نام فاتحین میں سرفہرست ہے۔

۱۷۵۔ اور چشم عالم نے دیکھ لیا کہ اس آیت کے نزول کے چند سال بعد رسول اسلام ﷺ فاتح بن کر مکے میں داخل ہو گئے اور یہ لوگ یا تو نابود ہو گئے یا اگر موجود تھے تو طلقاء (آزاد شدہ) کے طور پر زندہ رہے اور انہیں کچھ بیت المال سے مل بھی جاتا تھا تو مؤلفة القلوب کی مد سے۔ یوں وہ اسلام کی طرف سے خیرات کھاتے رہے۔

### سورہ صٓ

اس سورہ کی ابتدائی آیات کے شان نزول میں روایت ہے کہ ابوجہل اور ابوسفیان کی معیت میں قریش کی ایک جماعت حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پاس آئی اور کہنے لگی: ہم آپ سے انصاف کی بات کرنے آئے ہیں۔ آپ کا بھتیجا ہمیں ہمارے دین پر چھوڑے اور ہمارے خداؤں کو کچھ نہ کہے تو ہم بھی اس کو اس کے دین پر چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی باتوں کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: کیا وہ ایک کلمہ کہنے کے لیے تیار ہیں؟ جس کی بدولت وہ عربوں پر حکمرانی کریں اور ان کی گردنیں ان کے سامنے جھک جائیں؟ وہ کہنے لگے: اگر ایک کلمہ سے عربوں پر حکمرانی کرنے کا موقع ملتا ہے تو ہم کہ لیں گے۔ وہ کون سا کلمہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ۔ پس یہ سن کر وہ سب اٹھ کر چلے گئے اور وہی باتیں کیں جو اس سورے کی ابتدا میں مذکور ہیں۔

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿٣﴾ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ؗ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٤﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ﴿٦﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿٧﴾ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿٨﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ

میں ہیں۔ ﴿٣﴾ ان سے پہلے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر (جب ہلاکت کا وقت آیا تو) فریاد کرنے لگے مگر وہ بچنے کا وقت نہیں تھا۔ ﴿٤﴾ اور انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ خود انہی میں سے کوئی تنبیہ کرنے والا آیا اور کفار کہتے ہیں: یہ جھوٹا جادو گر ہے۔☆ ﴿٥﴾ کیا اس نے بہت سے معبودوں کی جگہ صرف ایک معبود بنا لیا؟ یہ تو یقیناً بڑی عجیب چیز ہے۔☆ ﴿٦﴾ اور ان میں سے قوم کے سرکردہ لوگ یہ کہتے ہوئے چل پڑے: چلتے رہو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو، اس چیز میں یقیناً کوئی غرض ہے۔☆ ﴿٧﴾ ہم نے کبھی یہ بات کسی پچھلے مذہب سے بھی نہیں سنی، یہ تو صرف ایک من گھڑت (بات) ہے۔☆ ﴿٨﴾ کیا ہمارے درمیان اسی پر یہ ذکر نازل کیا گیا؟ درحقیقت یہ لوگ میرے ذکر پر شک کر رہے ہیں بلکہ ابھی تو انہوں نے عذاب چکھا ہی نہیں ہے۔☆ ﴿٩﴾ کیا ان کے پاس تیرے غالب آنے والے فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں؟ ﴿١٠﴾ یا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب پر ان کی

۴۔ جس پر اس شخص کا جادو چل جاتا ہے، وہ کسی نقصان کی پرواہ نہیں کرتا۔ تمام مفادات حتیٰ کہ وطن سے بھی ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔

۵۔ بے شمار معبودوں کی جگہ صرف ایک معبود؟ کیسی عجیب بات ہے۔ زندگی کی ہر ضرورت کے لیے الگ الگ معبود ہوا کرتا ہے۔ تمام ضروریات کے لیے صرف ایک معبود ہماری ثقافت میں ایک نامانوس لفظ ہے۔ واضح رہے مشرکین زندگی کے ہر شعبے کے لیے ایک معبود سے اپنی توقعات وابستہ رکھتے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔

۶۔ رسول خدا ﷺ کی طرف سے کلمۂ توحید کی پیش کش سن کر یہ لوگ یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے: یہ تو کچھ عزائم رکھتا ہے۔ یہ خود ہم پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔ کلمہ توحید کی دعوت کا مطلب یہ ہے کہ ہم محمد ﷺ کے تابع فرماں ہو جائیں۔

۷۔ یعنی اس دعوت کی کوئی بنیاد پچھلے ادیان میں بھی نہیں ملتی کہ صرف ایک ہی خدا پر اکتفا کرو۔

۸۔ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں میرے ذکر کے بارے میں شک ہے، ورنہ خود محمد ﷺ کو یہ لوگ اس سے پہلے امین کہتے تھے۔

۱۰۔ خدا کی طرف سے عہدہ دینا خدا ہی کا کام ہے۔ ان کو کب اختیار دیا گیا کہ نبوت کس کو دی جائے اور کس کو نہ دی جائے؟ اگر ان لوگوں کا بس چلتا تو یہ آسمانی راستوں پر چڑھ کر یہ کوشش کرتے کہ جس کو ہم نبوت دینا چاہتے ہیں اس پر وحی نہ ہو۔

۱۱۔ آسمانی راستوں پر اس وقت یہ کیا چڑھیں گے؟ یہ لوگ تو ایک دن اسی جگہ یعنی مکے میں شکست کھانے

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾ جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾ اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٧﴾ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ

ع ١٠

حکومت ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو (آسمان کے) راستوں پر چڑھ دیکھیں۔☆ ⑪ یہ لشکروں میں سے ایک چھوٹا لشکر ہے جو اسی جگہ شکست کھانے والا ہے۔☆ ⑫ ان سے پہلے نوح اور عاد کی قوم اور میخوں والے فرعون نے تکذیب کی تھی۔☆ ⑬ اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ والوں نے بھی اور یہ ہیں وہ بڑا لشکر۔ ⑭ ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا عذاب لازم ہو گیا۔ ⑮ اور یہ لوگ صرف ایک چیخ کے منتظر ہیں جس کے ساتھ کوئی مہلت نہیں ہو گی۔☆ ⑯ اور وہ (از روئے تمسخر) کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمارا (عذاب کا) حصہ ہمیں حساب کے دن سے پہلے دے دے۔☆ ⑰ (اے رسول) جو یہ کہتے ہیں اس پر صبر کیجیے اور (ان سے) ہمارے بندے داؤد کا قصہ بیان کیجیے جو طاقت کے مالک اور (اللہ کی طرف) بار بار رجوع کرنے والے تھے۔☆ ⑱ ہم نے ان کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا تھا، یہ صبح و شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ ⑲ اور پرندوں کو بھی (مسخر کیا)، یہ سب اکٹھے ہو کر ان کی

---

والا چھوٹا سا لشکر ثابت ہوں گے۔ واضح رہے کہ قرآن اس وقت مشرکین مکہ کو جند مهزوم شکست خوردہ لشکر کہ رہا ہے، جبکہ مسلمان نہایت اقلیت میں تھے اور دشمن اکثریت میں اور طاقتور تھا۔

۱۲۔ یعنی نہایت طاقتور یا میخوں کے ذریعے عذاب دینے والا۔

۱۵۔ فَوَاقٍ: رجوع اور تھوڑی سی مہلت کو کہتے ہیں۔ یعنی ان مشرکین کے خاتمہ کے لیے ایک ہی صیحہ یعنی کڑکا کافی ہے۔ پھر انہیں مہلت نہیں ملے گی۔

۱۶۔ وہ نبی سے ازراہ تمسخر کہتے ہیں: یوم الحساب کے عذاب سے ہمیں کیا ڈراتے ہو، جو معلوم نہیں کب آنے والا ہے۔ تو اگر سچا ہے تو یوم الحساب والا عذاب، جو ہم پر آنے والا ہے، وہ فوری آ جائے۔

۱۷۔ طاقت کے مالک سے مراد ممکن ہے جسمانی طاقت ہو۔ جیسا کہ طاغوت کے مقابلے میں آپ نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا اور ممکن ہے روحانی طاقت مراد ہو۔

ذَا الْأَيْدِ: یعنی قوت والا۔ وہ روحانی اور جسمانی قوت کے مالک تھے۔

إِنَّهُ أَوَّابٌ: بار بار رجوع سے مراد عبادت ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضرت داؤدؑ سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

۱۹۔ اس موضوع کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ انبیاء آیت ۷۹۔

لَهٗۤ اَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ
الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ
نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ لا (وقف لازم)
اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا
تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ
فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ
اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۟ قف لَهٗ
تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ قف
فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾
قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى
نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ

طرف رجوع کرنے والے تھے☆ ﴿٢٠﴾ اور ہم نے ان کی
سلطنت مستحکم کر دی اور انہیں حکمت عطا کی اور فیصلہ کن گفتار
(کی صلاحیت) دے دی۔☆ ﴿٢١﴾ اور کیا آپ کے پاس
مقدمے والوں کی خبر پہنچی ہے جب وہ دیوار پھاند کر محراب
میں داخل ہوئے؟ ﴿٢٢﴾ جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان
سے گھبرا گئے، انہوں نے کہا: خوف نہ کیجیے، ہم نزاع کے دو
فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے
لہٰذا آپ ہمارے درمیان برحق فیصلہ کیجیے اور بے انصافی نہ
کیجیے اور ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیجیے۔☆ ﴿٢٣﴾ یہ میرا بھائی
ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف
ایک دنبی ہے، یہ کہتا ہے کہ اسے میرے حوالے کر دو اور گفتگو میں
مجھ پر دباؤ ڈالتا ہے۔ ﴿٢٤﴾ داؤد کہنے لگے: تیری دنبی اپنی
دنبیوں کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کر کے یقیناً یہ تجھ پر ظلم کرتا ہے
اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے
ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک اعمال بجا لاتے

٢٠۔ یعنی گفتگو میں پیچیدگی نہیں ہوتی تھی۔ دوٹوک الفاظ میں بات کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے: فَصۡلَ الۡخِطَابِ سے مراد زبور ہے۔ حکمت حقائق کا فہم اور ادراک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

٢٢۔ حضرت داؤد ؑ کی خلوت گاہ میں دیوار پھاند کر دو افراد پہنچے تو حضرت داؤد ؑ کا گھبرانا قدرتی بات تھی۔

٢٤۔ فیصلہ سنانے کے بعد حضرت داؤد ؑ فوراً سمجھ گئے کہ یہ کسی نزاع کا مسئلہ نہ تھا، بلکہ میری آزمائش کے لیے ایک ڈرامائی صورت تھی جو فرشتوں نے صرف مجھے آزمانے کے لیے پیش کی تھی۔ اگر یہ خطا کسی حقیقی نزاع کی قضاوت کے بارے میں ہوتی تو سچ مچ قابل سرزنش تھی، لیکن یہ تو ایک تمثیلی نزاع کے بارے میں تھی۔ وہ خطا جو حضرت داؤد ؑ سے سرزد ہوئی، کیا تھی؟ اس بارے میں روایات اور مفسرین میں بہت اختلاف ہے۔ حضرت امام رضا ؑ سے مروی ایک روایت کے مطابق ان کی خطا یہ تھی کہ ان کو خیال ہوا کہ شاید ان سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس پر حضرت داؤد ؑ کی آزمائش کے لیے دو فرشتے آئے۔

حضرت داؤد ؑ نے مدعی کا بیان سنتے ہی اس کے حق میں فیصلہ دے دیا اور مدعی سے گواہ طلب نہ کیا۔ یہ عمل اللہ کو پسند نہ آیا۔

بعض حضرات جو روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت داؤد ؑ اوریا کی بیوی پر عاشق ہو گئے اور اوریا کو جنگ میں بھیج کر مروایا، پھر اس سے شادی کی، ایک نبی پر صریح بہتان ہے۔ اس روایت کے بارے

دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴿٢٤﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٢٥﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ

ہیں اور ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں، پھر داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے رب سے معافی مانگی اور عاجزی کرتے ہوئے جھک گئے اور (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔☆ ﴿٢٤﴾ پس ہم نے ان کی اس بات کو معاف کیا اور یقینا ہمارے نزدیک ان کے لیے تقرب اور بہتر بازگشت ہے۔ ﴿٢٥﴾ اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں، وہ آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی، جو اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے یوم حساب فراموش کرنے پر یقینا سخت عذاب ہوگا۔☆ ﴿٢٦﴾ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو بے مقصد پیدا نہیں کیا، یہ کفار کا گمان ہے، ایسے کافروں کے لیے آتش جہنم کی تباہی ہے۔ ﴿٢٧﴾ کیا ہم ایمان لانے اور اعمال صالح بجا لانے والوں کو زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح قرار دیں یا اہل تقویٰ کو بدکاروں کی طرح

میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: جو یہ روایت بیان کرے، میں اسے ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا، جو انبیاء پر بہتان تراشی کی سزا ہے۔ (زبدۃ التفاسیر ۶: ۲۳)

۲۶۔ یعنی زمین پر اللہ کا خلیفہ۔ جو بھی ہستی زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے میں اللہ کا اخلاق پیدا کرے۔ اس میں سب سے پہلا فریضہ لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کرنا ہے۔ یعنی لوگوں کو انصاف فراہم کرنا اللہ کے نمائندوں کا سب سے پہلا فریضہ ہے۔

وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى: انصاف کی فراہمی میں سب سے بڑی رکاوٹ خواہشات کی پیروی کرنا ہے۔ ایک خواہش پرست جج انصاف نہیں دے سکتا۔

۲۸۔ اگر ان قدروں کو تسلیم نہ کیا جائے اور نیکی بجا لانے والا برائی کا ارتکاب کرنے والے کے برابر ہو جائے اور اصلاح کا داعی مفسدوں کے مساوی ہو جائے تو کائنات کا پورا نظام عبث ہو کر رہ جاتا ہے اور انسان ایک کھلونا بن جاتا ہے۔ یہ تصور بذات خود انسانیت کی توہین ہے۔

آیت میں اس بات کی صراحت موجود ہے: یہ کام اللہ سے صادر نہ ہوگا کہ صالح اور فسادی، متقی اور بدکار ایک جیسے ہوں۔ کیونکہ ہر عاقل سمجھ لیتا ہے کہ ایسا کرنا اپنی جگہ ایک قبیح عمل ہے۔ یعنی شریعت سے ہٹ کر اپنی جگہ یہ قبیح ہے۔ جو شریعت کو نہیں مانتا وہ بھی اسے قبیح سمجھتا ہے۔ اسے قبح عقلی کہتے ہیں۔ آیت کی صراحت یہ ہے کہ اللہ اس قسم کے قبیح عمل کا ارتکاب نہیں کرتا۔ ایسا کرنا عدل کے خلاف ہے اور اللہ عادل ہے۔

الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ
اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ
سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۭ﴿٣٠﴾ اِذْ
عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۙ﴿٣١﴾
فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ
رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ وقفة رُدُّوْهَا
عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾
وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ
جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ
وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ
تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ۙ﴿٣٦﴾ وَ

قرار دیں؟☆ ﴿٢٩﴾ یہ ایک ایسی بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور صاحبانِ عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔ ﴿٣٠﴾ اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا جو بہترین بندے اور (اللہ کی طرف) خوب رجوع کرنے والے تھے۔ ﴿٣١﴾ جب شام کے وقت انہیں عمدہ تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے،☆ ﴿٣٢﴾ تو انہوں نے کہا: میں نے (گھوڑوں کے ساتھ ایسے) محبت کی جیسے خیر سے محبت کی جاتی ہے اور اپنے رب کے ذکر سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ پردے میں چھپ گیا۔☆ ﴿٣٣﴾ (بولے) انہیں میرے پاس واپس لے آؤ، پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔☆ ﴿٣٤﴾ اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور ان کے تخت پر ایک جسد ڈال دیا پھر انہوں نے (اپنے رب کی طرف) رجوع کیا۔☆ ﴿٣٥﴾ کہا: میرے رب! مجھے معاف کر دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کر جو میرے بعد کسی کے شایانِ شان نہ ہو، یقینا تو بڑا عطا کرنے والا ہے۔ ﴿٣٦﴾ پھر ہم نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، جدھر وہ جانا چاہتے ان کے حکم

٣١ تا ٣٣۔ سیاق آیت کے قریب تر معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بندگانِ خدا میں ممتاز مقام حاصل تھا، کیونکہ وہ اللہ کی طرف خوب رجوع کرنے والے تھے۔ چنانچہ جب سدھائے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے جو راہ خدا میں جہاد کے لیے آمادہ کیے گئے تھے تو ذکر خدا سے غافل ہو گئے۔ روایات کے مطابق اول وقت نکل گیا۔ یہاں تک کہ جب گھوڑوں کی دوڑ کرائی اور وہ نگاہ سے دور ہو گئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ گھوڑے ان کے پاس واپس لائے جائیں۔ پھر از روئے محبت ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ یعنی انبیاء دنیا کی عمدہ چیزوں سے اگر محبت کرتے ہیں تو محض برائے خدا محبت کرتے ہیں۔ عمدہ گھوڑوں پر بھی رضائے الٰہی کی خواہش کے بغیر فریفتہ نہیں ہوتے۔

ممکن ہے توارت الصافنات بالحجاب مراد ہو، چنانچہ رُدُّوْهَا عَلَيَّ اس پر قرینہ ہے۔ اکثر مفسرین توارت الشمس مراد لیتے ہیں، جبکہ شمس پہلے مذکور نہیں ہے۔ صرف العشی کو قرینہ قرار دیتے ہیں جو ضعیف قرینہ ہے۔

٣٤۔ یہ بے روح جسد حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے کس طرح امتحان تھا؟ اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے۔ روایات کے الفاظ و عبارات متضاد اور بعض اوقات غیر معقول ہیں۔ بعض لوگ اس جسد سے ان کے ولی عہد رحبعام کو مراد لیتے ہیں جو ان کے بعد حکومت چلانے میں بری طرح ناکام ہو گیا۔ یہ سیاق آیت سے کسی طرح بھی ہم آہنگ نہیں ہے۔

٣٦۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تسخیر ہوا کے بارے میں حاشیہ سورہ انبیاء آیت ٨١ میں گزر چکا ہے۔ البتہ یہاں اس ہوا کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ نرمی سے چلتی تھی۔ نرمی سے مراد یہ ہے کہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر اور ان کے اختیار میں ہوتی تھی، ورنہ اپنی جگہ ہوا تیز چلتی تھی۔ جیسا کہ سورہ انبیاء آیت ٨١

الشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيۡنَ مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰى وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَاۤ اَيُّوۡبَ ۘ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الشَّيۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّعَذَابٍ ؕ﴿۴۱﴾ اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ ۚ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنَّا وَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذۡ بِيَدِكَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ ؕ اِنَّا وَجَدۡنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذۡكُرۡ عِبٰدَنَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ اُولِى الۡاَيۡدِىۡ وَالۡاَبۡصَارِ ﴿۴۵﴾

ع ۱۴ — وقف لازم

سے نرمی کے ساتھ اسی طرف چل پڑتی تھی۔☆ ﴿۳۷﴾ اور ہر قسم کے معمار اور غوطہ خور شیاطین کو بھی (مسخر کیا)۔ ﴿۳۸﴾ اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔☆ ﴿۳۹﴾ یہ ہماری عنایت ہے جس پر چاہو احسان کرو اور جس کو چاہو روک دو، اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔☆ ﴿۴۰﴾ اور ان کے لیے ہمارے ہاں یقینا قرب اور نیک انجام ہے۔ ﴿۴۱﴾ اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کیجیے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا: شیطان نے مجھے تکلیف اور اذیت دی ہے۔☆ ﴿۴۲﴾ (ہم نے کہا) اپنا پاؤں ماریں، یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے اور پینے کے لیے۔☆ ﴿۴۳﴾ ہم نے انہیں اہل و عیال دیے اور ان کے ساتھ اتنے مزید دیے اپنی طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لیے نصیحت کے طور پر۔☆ ﴿۴۴﴾ (ہم نے کہا) اپنے ہاتھ میں ایک گچھا تھام لیں اور اسی سے ماریں اور قسم نہ توڑیں، ہم نے انہیں صابر پایا، وہ بہترین بندے تھے، بے شک وہ (اپنے رب کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔☆ ﴿۴۵﴾ اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجیے جو طاقت اور بصیرت

---

میں فرمایا کہ یہ ہوا عاصفۃ (تیز رفتار) تھی۔

۳۸۔ بعض شیاطین یعنی جنوں کو تعمیراتی امور اور غوطہ زنی پر مامور کیا گیا تھا اور بعض جنات جو فرمانبردار نہیں ہوئے تھے، پابند سلاسل کیے گئے تھے۔

۳۹۔ آیت سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے: شیاطین کو آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا۔ یہ اللہ کی ایک عنایت ہے۔ اب آپ ان شیاطین میں سے جسے چھوڑنا چاہیں یا اپنے پاس روکے رکھنا چاہیں، آپ کو اختیار ہے۔ اس بارے میں آپ سے پوچھا نہیں جائے گا۔

۴۱۔ شیاطین کی طرف سے عذاب اور تکلیف یہ تھی کہ شیطان کی یہ کوشش تھی کہ حضرت ایوب ؑ سات سالہ بیماری کے نتیجے میں اللہ سے بدظن ہو جائیں۔ شیطان طرح طرح کے وسوسے ذہن میں ڈالتا تھا۔ اللہ کا برگزیدہ بندہ ہونے کی وجہ سے انہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہے۔

۴۲۔ جب حضرت ایوب ؑ کی آزمائش ختم ہوئی تو پاؤں زمین پر مارنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ پاؤں زمین پر مارتے ہی چشمہ پھوٹا جس سے پانی پی کر اور نہا کر شفایابی ہوئی۔

۴۳۔ جنہوں نے انہیں چھوڑ دیا تھا وہ سب پلٹ آئے اور مزید اولاد عنایت ہوئی۔

۴۴۔ روایت کے مطابق حضرت ایوب ؑ اپنی زوجہ کے کسی عمل پر برہم ہوئے اور قسم کھائی کہ اسے سو کوڑے ماریں گے۔ بعد میں جب وہ بے گناہ ثابت ہوئی تو پریشان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ سو تنکوں والا ایک گچھا اسے مارو کہ تمہاری قسم بھی پوری ہو جائے اور اسے تکلیف بھی نہ ہو۔ یہ حکم حدود و تعزیرات کے لیے نظیر و نمونہ نہیں بنتا، بلکہ متعلقہ شخص کے بے گناہ ہونے کی صورت میں قانون کے ظاہری تحفظ کی صورت سے مختص ہے۔

۴۵۔ اُولِى الۡاَيۡدِىۡ: طاقت والے۔ روایات کے

| | |
|---|---|
| اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ بِخَالِصَةٍ ذِكۡرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّهُمۡ عِنۡدَنَا لَمِنَ الۡمُصۡطَفَيۡنَ الۡاَخۡيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذۡكُرۡ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ الۡيَسَعَ وَ ذَا الۡكِفۡلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الۡاَخۡيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكۡرٌ ؕ وَ اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ لَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدۡنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الۡاَبۡوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـئِيۡنَ فِيۡهَا يَدۡعُوۡنَ فِيۡهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ وَّ شَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ اَتۡرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِيَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزۡقُنَا مَا لَهٗ مِنۡ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيۡنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلۡيَذُوۡقُوۡهُ | والے تھے۔☆ ﴿۴۶﴾ ہم نے انہیں ایک خاص صفت کی بنا پر مخلص بنایا (وہ) دار (آخرت) کا ذکر ہے۔☆ ﴿۴۷﴾ اور وہ ہمارے نزدیک یقینا برگزیدہ نیک افراد میں سے تھے۔ ﴿۴۸﴾ اور (اے رسول) اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو یاد کیجیے، یہ سب نیک لوگوں میں سے ہیں۔☆ ﴿۴۹﴾ یہ ایک نصیحت ہے اور تقویٰ والوں کے لیے یقینا اچھا ٹھکانا ہے۔ ﴿۵۰﴾ وہ دائمی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔☆ ﴿۵۱﴾ ان میں وہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور بہت سے میوے اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔ ﴿۵۲﴾ اور ان کے پاس نگاہیں نیچے رکھنے والی ہم عمر (بیویاں) ہوں گی۔☆ ﴿۵۳﴾ یہ وہ بات ہے جس کا روز حساب کے لیے تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ ﴿۵۴﴾ یقینا یہ ہمارا وہ رزق ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔☆ ﴿۵۵﴾ یہ تو (اہل تقویٰ کے لیے) ہے اور سرکشوں کے لیے بدترین ٹھکانا ہے۔ ﴿۵۶﴾ (یعنی) جہنم جس میں وہ جھلس جائیں گے، پس وہ بدترین بچھونا ہے۔ ﴿۵۷﴾ یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ جس کا |

مطابق اللہ کی عبادت بجالانے میں طاقت اور قوت والے تھے۔ وَالۡاَبۡصَارِ بصیرت کی وجہ سے ان کو نبوت اور امامت کی منزل پر فائز کیا۔

۴۶۔ جس خصوصی امتیاز کی وجہ سے ہم نے ان کو برگزیدہ کیا وہ امتیاز یہ تھا کہ ان کے دل میں آخرت کی یاد تازہ رہتی تھی۔

۴۸۔ حضرت الیسع علیہ السلام جنہیں عیسائی کتب میں الیشع کہا گیا ہے، حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے اور دریائے اردن کے کنارے کسی مقام کے رہنے والے تھے۔ آپ نے بنی اسرائیل میں بت پرستی کے خلاف جہاد کیا۔

۵۰۔ ان کے دائمی جنت میں داخل ہونے کے لیے انتظار یا کسی کی اجازت کی ضرورت نہ ہو گی۔ ان کے لیے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے۔

۵۲۔ یعنی اپنے شوہروں کے ہم سن بیویاں ہوں گی جو صرف اپنے شوہروں کی خوشنودی پر انحصار کرنے والی ہوں گی۔

۵۴۔ جنت میں رزق ختم ہونے کا تصور نہیں ہے۔ جنت کی زندگی کا تصور وہ نہ ہو گا جو دنیوی زندگی کا ہے۔ وہاں کا زمان و مکان اور پیمانے بالکل مختلف ہوں گے جو ہمارے لیے قابل تصور نہیں ہیں۔ شکم مادر میں جنین جس طرز زندگی سے آشنا ہے اس کے لیے دنیا کی طرز زندگی ناقابل تصور ہے۔

حَمِيۡمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَّاٰخَرُ مِنۡ شَكۡلِهٖۤ اَزۡوَاجٌ ؕ﴿٥٨﴾ هٰذَا فَوۡجٌ مُّقۡتَحِمٌ مَّعَكُمۡ ۚ لَا مَرۡحَبًۢا بِهِمۡ ؕ اِنَّهُمۡ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوۡا بَلۡ اَنۡتُمۡ ۟ لَا مَرۡحَبًۢا بِكُمۡ ؕ اَنۡتُمۡ قَدَّمۡتُمُوۡهُ لَنَا ۚ فَبِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوۡا رَبَّنَا مَنۡ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدۡهُ عَذَابًا ضِعۡفًا فِى النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوۡا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمۡ مِّنَ الۡاَشۡرَارِ ؕ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذۡنٰهُمۡ سِخۡرِيًّا اَمۡ زَاغَتۡ عَنۡهُمُ الۡاَبۡصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهۡلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ ع قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنۡذِرٌ ۖ وَّمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ۚ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا

ذائقہ وہ چکھیں،☆ ﴿۵۸﴾ اور اس قسم کی مزید بہت سی چیزوں کا۔ ﴿۵۹﴾ یہ ایک جماعت تمہارے ساتھ (جہنم میں) گھسنے والی ہے، ان کے لیے کوئی خیر مقدم نہیں ہے، یہ یقینا آگ میں جھلسنے والے ہیں۔☆ ﴿۶۰﴾ وہ کہیں گے: تمہارے لیے کوئی خیر مقدم نہیں ہے بلکہ تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے لیے لائے ہو، پس کیسی بدترین جگہ ہے۔ ﴿۶۱﴾ وہ کہیں گے: ہمارے رب! جس نے ہمیں اس انجام سے دوچار کیا ہے اسے آگ میں دگنا عذاب دے۔ ﴿۶۲﴾ اور وہ کہیں گے: کیا بات ہے ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم برے افراد میں شمار کرتے تھے؟☆ ﴿۶۳﴾ کیا ہم یونہی ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے یا اب (ہماری) آنکھیں انہیں نہیں دیکھ پاتیں؟ ﴿۶۴﴾ یہ جہنمیوں کے باہمی جھگڑے کی حتمی بات ہے۔☆ ﴿۶۵﴾ آپ کہد یجیے: میں تو صرف تنبیہ کرنے والا ہوں اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو واحد، قہار ہے۔☆ ﴿۶۶﴾ وہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان

۵۷۔ غَسَّاقٌ کے ایک معنی پیپ کے ہیں۔ اہل لغت نے اس کے دوسرے معنی کا بھی ذکر کیا ہے یعنی انتہائی سرد۔ آیت کی ترکیب اس طرح ہے: ھذا حمیم و غساق فلیذوقوہ۔ یہاں غساق پیپ کے معنوں میں قرین مناسبت ہے۔

۵۹۔ اہل جہنم کے سردار جب اپنے مریدوں کے ایک ٹولے کو جہنم میں داخل ہوتا ہوا دیکھیں گے تو وہ اس ٹولے سے کہیں گے: تم پر خدا کی مار۔ وہ ٹولہ اپنے سرداروں سے کہے گا: خدا کی مار تم پر ہو۔ تم ہی نے تو ہمیں یہاں پہنچایا ہے۔

۶۲۔ جنہیں ہم دنیا میں حقیر اور نہایت گئے گزرے سمجھتے تھے وہ یہاں جہنم میں نظر نہیں آتے۔ یہاں تو صرف ہم اور ہمارے بڑے لوگ ہی موجود ہیں۔

۶۴۔ جہنمیوں کا جھگڑا ایک حقیقت ہے۔ یہ ایک واضح سی بات ہے کہ ہر شکست خوردہ جماعت اپنی شکست اور رسوائی کے بعد آپس میں جھگڑتی ہے اور کامیابی حاصل کرنے والے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ جنت والے آپس میں سلام سلام کر رہے ہوں گے اور جہنم والے آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔

۶۵۔ آیت کا مرکزی نکتہ یہ ہے: معبود صرف اللہ ہے۔ اس زمانے کے مخاطب مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ معبود صرف اللہ نہیں ہے اور بھی معبود ہیں۔ ان کے نزدیک معبود وہ ہوتا ہے جو کائنات کی تدبیر میں حصہ

الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (٦٦) قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ (٦٧)
اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ (٦٨) مَا كَانَ لِيَ مِنْ
عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (٦٩) اِنْ
يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (٧٠)
اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ
بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ (٧١) فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ
نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ
سٰجِدِيْنَ (٧٢) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ
اَجْمَعُوْنَ ۙ (٧٣) اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ
كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (٧٤) قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا
مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ
اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (٧٥)
قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ

ہے سب کا مالک ہے، وہ بڑا غالب آنے والا، بڑا معاف کرنے والا ہے۔ (٦٧) کہد یجیے: یہ ایک بڑی خبر ہے،☆ (٦٨) جس سے تم منہ پھیرتے ہو۔ (٦٩) مجھے عالم بالا کا علم نہ تھا جب وہ (فرشتے) بحث کر رہے تھے۔☆ (٧٠) میری طرف وحی محض اس لیے ہوتی ہے کہ میں نمایاں طور پر فقط تنبیہ کرنے والا ہوں۔ (٧١) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ (٧٢) پس جب میں اسے درست بنالوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔ (٧٣) چنانچہ تمام کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، (٧٤) سوائے ابلیس کے جو اکڑ بیٹھا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ (٧٥) فرمایا: اے ابلیس! جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے اسے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو اونچے درجے والوں میں سے ہے؟☆ (٧٦) اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں،

دار ہے۔ دوسرے لفظوں میں معبود وہ ہوتا ہے جو رَب کے مقام پر فائز ہے۔ رَب وہ ہوتا ہے جو کائنات کی تدبیر کرے۔ ان کی رد میں فرمایا: آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے، سب کا رَب اللہ ہے، جو غالب آنے والا ہو کر بھی غفار ہے۔ قرآن تکراراً اس بات کی طرف انسانوں کی توجہ مبذول کراتا ہے کہ رَب وہ ہے جو خالق ہے۔ خلق اور تدبیر میں تفریق ممکن نہیں ہے۔

٦٧۔ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ سے مراد بعض کے نزدیک سابقہ آیات کا مضمون ہے، بعض کے نزدیک اس سے مراد قرآن ہے۔

٦٩۔ یعنی میرا واحد ذریعہ علم وحی ہے۔ اگر وحی نہ ہوتی تو مجھے عالم بالا کا علم نہ ہوتا کہ وہاں کس میں کس بات پر جھگڑا ہو رہا ہے۔ اس جھگڑے سے مراد ابلیس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ جھگڑا ہے جس کا ذکر اگلی آیات میں آ رہا ہے۔

٧٥۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ مفہوم نکالا ہے کہ کچھ ہستیاں ایسی تھیں جن کا شمار عالین میں ہوتا ہے اور وہ سجدہ کرنے پر مامور نہ تھے۔

یَدَیَّ: میرے دونوں ہاتھ۔ یہاں ہاتھوں سے مراد قوت ہے اور ہاتھ کو طاقت کے معنوں میں استعمال کرنا ایک محاورہ ہے۔

٧٧۔ رَجِيْمٌ کے لغوی معنی راندہ شدہ کے ہیں۔ مِنْهَا یعنی اس جگہ سے جہاں آدم ؑ کے لیے سجدے کا

خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا
فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيٓ إِلَىٰ
يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِيٓ
إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَإِنَّكَ
مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٨٠﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ
الْمَعْلُومِ ﴿٨١﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ
أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ
الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ
أَقُولُ ﴿٨٤﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ
وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾ قُلْ
مَآ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ
أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ
لِّلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾

مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ ﴿٧٧﴾ فرمایا: پس نکل جا یہاں سے کہ تو یقیناً مردود ہے۔☆ ﴿٧٨﴾ اور یوم جزا تک تم پر میری لعنت ہے۔☆ ﴿٧٩﴾ اس نے کہا: میرے رب! پس (ان لوگوں کے) اٹھائے جانے کے روز تک مجھے مہلت دے۔☆ ﴿٨٠﴾ فرمایا: تو مہلت ملنے والوں میں سے ہے،☆ ﴿٨١﴾ معین وقت کے دن تک۔ ﴿٨٢﴾ کہنے لگا: مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکا دوں گا۔☆ ﴿٨٣﴾ ان میں سے سوائے تیرے خالص بندوں کے۔ ﴿٨٤﴾ فرمایا: حق تو یہ ہے اور میں حق بات ہی کرتا ہوں ﴿٨٥﴾ کہ میں تجھ سے اور ان میں سے تیری پیروی کرنے والوں سے جہنم کو ضرور پر کردوں گا۔ ﴿٨٦﴾ کہد یجیے: میں تم لوگوں سے اس بات کا اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں بناوٹ والوں میں سے ہوں۔☆ ﴿٨٧﴾ یہ تو عالمین کے لیے صرف نصیحت ہے۔ ﴿٨٨﴾ اور تمہیں اس کا علم ایک مدت کے بعد ہوگا۔☆

---

حکم ہوا تھا۔

۷۸۔ یوم جزا تک لعنت۔ یعنی رحمت سے دوری۔ یوم جزا کے بعد عذاب شدید ہوگا۔

۷۹۔ اٹھائے جانے تک۔ یعنی قیامت تک مجھے مہلت دے۔

۸۰۔ ابلیس کو مہلت مل گئی۔ اس طرح جن وانس میں گمراہ کرنے والوں کو مہلت مل جاتی ہے تاکہ نظام یک طرفہ نہ ہو۔ ایک طرف مجرم کے عذاب میں اضافہ ہو، دوسری طرف مکلف کا امتحان و آزمائش بحال رہے۔ اگر گمراہ کرنے والوں کی جڑ کاٹ دی جائے اور انسان میں موجود خواہشات نفسانی کو ختم کر دیا جائے اور صرف فطرت سلیمہ، عقل سلیم، فرشتوں اور ہادیان برحق ہی کو موقع دیا جائے تو یہ نظام یک طرفہ ہو جاتا ہے۔ آزمائش و امتحان معقول نہ رہتا، چونکہ اس سے انسان خودمختار نہ رہتا۔ فافهم ذلک۔

۸۲۔ برگزیدہ اور خالص بندوں کو بھی شیطان بہکانے کی کوشش کرے گا۔ مگر وہ اس کے بہکاوے میں نہیں آئیں گے۔

۸۶۔ نہ تو تم سے کسی دنیاوی مفاد کا طالب ہوں، نہ ہی کسی تصنع کا عادی ہوں کہ اپنی بڑائی دکھانے کے لیے وحی کا دعویٰ کروں۔ میری زندگی کا کوئی گوشہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کس مزاج کا مالک ہوں۔

۸۸۔ میں جو کچھ کہ رہا ہوں، چند سالوں کے اندر وہ بات پوری ہوتے ہوئے تم خود دیکھ لوگے۔

آیاتھا ۷۵ — ۳۹ سُوْرَۃُ الزُّمَرِ مَکِّیَّۃٌ ۵۹ — رکوعاتھا ۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ① اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ؕ ② اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ فِیۡ مَا ہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ۬ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ③ لَوۡ اَرَادَ اللّٰہُ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰی مِمَّا یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبۡحٰنَہٗ ؕ ہُوَ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ④ خَلَقَ

وقف لازم

سورۃ زمر۔ مکی۔ آیات ۷۵

بنام خدائے رحمن رحیم

① اس کتاب کا نزول بڑے غالب آنے والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے۔ ② ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب برحق نازل کی ہے لہٰذا آپ دین کو اسی کے لیے خالص کر کے صرف اللہ کی عبادت کریں۔☆ ③ آگاہ رہو! خالص دین صرف اللہ کے لیے ہے اور جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو سرپرست بنایا ہے (ان کا کہنا ہے کہ) ہم انہیں صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں، اللہ ان کے درمیان یقینا ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، اللہ جھوٹے منکر کو یقینا ہدایت نہیں کرتا ہے۔☆ ④ اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا، وہ پاکیزہ ہے اور وہ اللہ یکتا، غالب ہے۔☆ ⑤ اسی نے آسمانوں اور زمین کو

---

سورہ زمر

۲۔ اس آیت میں دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کرنے کا حکم ہے۔ خالص سے مراد یہ ہے کہ دین بے شائبہ اور شفاف ہو نیز اللہ کے دین کو اختیار کرنے کا واحد مقصد خود ذات الٰہی اور اس سے عشق و محبت ہو اور اس میں غیر اللہ کا کوئی شائبہ نہ ہو جو ایک مشکل کام ہے۔ دینداری آسان ہے، لیکن اس کو بے شائبہ اور شفاف بنانا مشکل ہے۔ امیر المؤمنین ؑ سے روایت ہے: تَصۡفِیَۃُ الۡعَمَلِ اَشَدُّ مِنَ الۡعَمَلِ۔ (الکافی ۸: ۲۲) عمل کو صاف و شفاف بنانا خود عمل سے زیادہ مشکل ہے۔

۳۔ مشرکین کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے وہم و خیال سے بالاتر ہے۔ لہٰذا اس کی براہ راست عبادت نہیں ہو سکتی، اس لیے ہم اس کی عبادت اس کی مقرب ہستیوں کے ذریعے بجا لاتے ہیں، جن کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے تدبیر کائنات کا کام سونپ رکھا ہے۔ وہ مقرب ہستیاں فرشتے، جن اور مقدس انسان ہیں اور یہ بت ان مقدس ہستیوں کی شبیہ ہیں، وہ خود نہیں۔ لیکن جاہل لوگ ان شبیہوں کو ذوات مقدسہ خیال کرتے ہیں۔ یہ ہے خلاصہ مشرکین کے عقائد کا۔ (ماخوذ از المیزان)

۴۔ اگر بفرض محال اللہ کا کوئی بیٹا ہے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ اللہ کا حصہ ہے جو اس سے جدا ہوا ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بناتا تو اپنی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ
عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَ
سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ
لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤
خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ
مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ
ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ
خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ
اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۣ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَ
اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ
وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

برحق پیدا کیا ہے، وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے، یہ سب ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے، آگاہ رہو! وہی بڑا غالب آنے والا معاف کرنے والا ہے۔ ⑥ اسی نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لیے چوپاؤں میں سے آٹھ جوڑے بنائے، وہی تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں تین تاریکیوں میں ایک خلقت کے بعد دوسری خلقت دیتا ہے، یہی اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟☆ ⑦ اگر تم کفر کرو تو یقینا اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہیں اپنے رب کی بارگاہ کی طرف لوٹنا ہے پھر

---

مخلوق میں سے کسی کو بیٹا بنالیتا۔ لیکن جب وہ مخلوق ہے تو بیٹا نہیں ہوسکتا۔ رہا یہ سوال اگر حقیقی بیٹا نہیں ہوسکتا تو کسی کو اعزازی بیٹا بنایا جائے تو کیا حرج ہے؟ جواب یہ ہے: اعزازی بیٹے کو باپ کے ساتھ بہت سے امور میں شریک بنایا جائے تو اعزازی ہو گا، جیسے ملکیت، تدبیر سلطنت وغیرہ میں۔ یہ بھی شرک کی ایک صورت ہے۔

۶۔ یکے بعد دیگرے تخلیقی مراحل سے مراد نطفہ، پھر لوتھڑا، پھر گوشت کا ٹکڑا اور پھر خلق آخر ہے۔ ظلمات ثلاث (تین پردوں) سے مراد شکم مادر، رحم اور مشیمہ (وہ جھلی جس میں بچہ محفوظ ہوتا ہے) ہیں۔

۷۔ اگر تم کفران نعمت کرو تو اس سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، البتہ اللہ کو یہ پسند نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تم شکر کرو تو اس سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں ملتا، البتہ یہ اللہ کو پسند ہے۔ اس کی مثال استاد شاگرد کی طرح ہے کہ اگر شاگرد محنت نہ کرے تو اس سے استاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، البتہ استاد کو یہ عمل پسند نہیں ہوتا اور اگر وہ محنت کرتا ہے تو استاد کو کوئی فائدہ نہیں ملتا، البتہ استاد اسے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ کردار سے خود بندہ متاثر ہوتا ہے، اللہ نہیں۔

۸۔ اضطراری حالت میں اس کی فطرت بیدار ہو جاتی ہے، غیر فطری دباؤ ہٹ جاتا ہے اور انسان اپنی فطرت سلیمہ سے سرگوشی کرتا ہے تو وہاں اسے صرف

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝٧ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝٨ أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝٩ ع قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ

وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو، یقیناً وہ دلوں کا حال خوب جاننے والا ہے۔☆ ⑧ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتا ہے، پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت دیتا ہے تو جسے پہلے پکارتا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لیے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے (دوسروں کو) گمراہ کر دے، کہہ دیجیے: اپنے کفر سے تھوڑا سا لطف اندوز ہو جا، یقیناً تو جہنمیوں میں سے ہے۔☆ ⑨ (مشرک بہتر ہے) یا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے امید لگائے رکھتا ہے، کہہ دیجیے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔☆ ⑩ کہہ دیجیے: اے میرے مومن بندو! اپنے رب سے ڈرو، جو اس دنیا میں

اللہ ہی نظر آتا ہے، پھر اسی کو پکارتا ہے۔ جب اضطراری حالت ختم ہو جاتی ہے تو معاشرتی عادات و رسوم، خواہشات اور مفادات کی طرف سے غیر فطری دباؤ شروع ہو جاتا ہے۔

۹۔ کیا یہ شخص جو آسودہ ہوتے ہی کفر اختیار کرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو راتوں کی تنہائی کے اوقات میں اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ خوف و رجاء اور امید و بیم میں رہتا ہے نیز آخرت کے روز حساب سے خائف اور رحمت الٰہی سے امیدیں وابستہ کیے رہتا ہے؟ اگر ان دونوں میں فرق نہ ہوتا تو علم رکھنے والوں اور علم نہ رکھنے والوں میں بھی فرق نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ کی بندگی راز زندگی سے آگہی سے مربوط ہے، جو راز حیات کو نہیں جانتا وہ اپنی عقل سے کام نہیں لے سکتا اور جو عقل سے کام نہیں لیتا وہ اپنی زندگی کو معقولیت نہیں دے سکتا۔

اس آیت سے عالم کی یہ تعریف سامنے آتی ہے: عالم وہ ہے جو ابتدا اور آخر شب میں عبادت کرتا ہے۔ قیامت کا خوف اور رحمت الٰہی کی امید رکھتا ہے، خواہ اصطلاح میں وہ ان پڑھ ہی کیوں نہ ہو اور جاہل وہ ہے جس میں یہ اوصاف موجود نہ ہوں، خواہ اصطلاح میں اسے سب سے بڑا علامہ سمجھا جاتا ہو۔

۱۰۔ تقویٰ کے نتائج و آثار کا ذکر ہے: جو لوگ اس دنیا میں نیکی بجا لائیں گے ان کے لیے حسنۃ ہے یعنی

وَ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى
الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَهُمۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۝١٠ قُلۡ
اِنِّىۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ مُخۡلِصًا
لَّهُ الدِّيۡنَ ۝١١ۙ وَاُمِرۡتُ لِاَنۡ اَكُوۡنَ
اَوَّلَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝١٢ قُلۡ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ
عَصَيۡتُ رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝١٣ قُلِ
اللّٰهَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّهٗ دِيۡنِىۡ ۝١٤ۙ
فَاعۡبُدُوۡا مَا شِئۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ ؕ قُلۡ اِنَّ
الۡخٰسِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَ
اَهۡلِيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ
الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ۝١٥ لَهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ
ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنۡ تَحۡتِهِمۡ ظُلَلٌ ؕ
ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ

نیکی کرتے ہیں ان کے لیے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، یقیناً بے شمار ثواب تو صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔☆ (١١) کہد یجیے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں دین کو اس کے لیے خالص کر کے اللہ کی بندگی کروں۔☆ (١٢) اور مجھے یہ حکم بھی ملا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلم بنوں۔☆ (١٣) کہد یجیے: اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (١٤) کہد یجیے: میں اللہ ہی کی بندگی کرتا ہوں اپنے دین کو اس کے لیے خالص رکھتے ہوئے۔ (١٥) پس تم اللہ کے علاوہ جس جس کی بندگی کرنا چاہو کرتے رہو، کہد یجیے: گھاٹے میں تو یقیناً وہ لوگ ہیں جو قیامت کے دن خود کو اور اپنے عیال کو گھاٹے میں ڈال دیں، خبردار! یہی کھلا گھاٹا ہے۔☆ (١٦) ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان اور ان کے نیچے بھی شعلے ہوں گے، یہ وہ بات ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے،

نیکی کا بدلہ نیکی ہے، دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی۔ حسنۃ کے اطلاق کے اعتبار سے وَ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ کوئی سرزمین نیکی اختیار کرنے کے لیے مساعد نہیں ہے تو ہجرت کرو اور صبر کی طاقت سے استفادہ کرو۔ یعنی اگر انسان ایک جگہ اللہ کی بندگی نہیں کر سکتا تو دوسری جگہ جائے جہاں بندگی کر سکتا ہے۔

١١۔ ١٢ جس بات کی طرف میں لوگوں کو دعوت دیتا ہوں، پابند ہوں کہ اس پر سب سے پہلے خود عمل کروں اور جو حکم مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اسے سب سے پہلے تسلیم کرنے کا بھی پابند ہوں۔

١٥۔ جب تم حقیقی معبود کی بندگی نہیں کرتے تو پھر جس کی چاہو بندگی کرو۔ جہاں خزانہ ہے وہاں تلاش و جستجو کے لیے آمادہ نہیں ہو، پھر جہاں چاہو اپنا سر مارو۔ سرمایہ محنت جہاں چاہو لگاؤ، خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ نہ صرف خود ڈوبے گا بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی لے ڈوبے گا۔ سب سے بڑا خسارہ وہ شخص اٹھائے گا جس نے اپنی زندگی کے سودے میں خسارہ اٹھایا ہو۔

١٦۔ یعنی وہ آگ میں گھرے ہوئے ہوں گے۔ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ: یعنی شرک وہ بات ہے جس میں ملوث ہونے سے اللہ اپنے بندوں کو خبردار کرتا ہے۔

١٨۔ ان بندوں کو بشارت دو جو يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ

فَاتَّقُوْنِ ⑯ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ⑰ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑱ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ⑲ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ⑳ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ

پس اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو۔☆ ⑰ اور جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لیے خوشخبری ہے، پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجیے، ⑱ جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبان عقل ہیں۔☆ ⑲ بھلا جس شخص پر عذاب کا فیصلہ حتمی ہو گیا ہو کیا آپ اسے بچا سکتے ہیں جو آگ میں گر چکا ہو؟☆ ⑳ لیکن جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر (مزید) بالا خانے بنے ہوئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ ㉑ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر چشمے بنا کر اسے زمین میں جاری کرتا ہے پھر اس سے رنگ برنگی فصلیں اگاتا ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئی ہیں پھر وہ اسے بھوسہ بنا دیتا

بات سن لیتے ہیں۔ یعنی تحقیق و جستجو میں ہوتے ہیں۔ پھر اس بات کو عقل و خرد کے پیمانے پر تولتے اور حق و باطل میں تمیز کرتے ہیں، بلکہ حسن اور احسن میں بھی تمیز کرتے ہیں۔ اس قسم کی تحقیق و جستجو کا شعور رکھنے والے لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے اور صاحبان عقل بھی۔

۱۹۔ ایک شخص کفر و شرک پر ڈٹ جاتا ہے۔ توحید کی طرف آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں اللہ کا بھی فیصلہ اٹل ہو جاتا ہے۔ پھر اسے آگ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

۲۱۔ یہ لوگ لہلہاتے کھیتوں پر خزاں آتے روز دیکھتے ہیں، ہر سو اور ہر چیز میں ناپائیداری کا روز مشاہدہ کرتے ہیں، پھر بھی لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، عبرت حاصل نہیں کرتے اور اس چند روزہ ناپائیدار زندگی پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔

۲۲۔ جس کا سینہ قبول حق کے لیے آمادہ ہو، اللہ کی طرف سے نیک توفیقات اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ قبول حق کے لیے اس کے قلب میں گنجائش پیدا ہو جاتی ہے، یعنی باتیں سمجھ میں آنا اور تاریکی چھٹنا شروع ہو جاتی ہے اور فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اس نور کی وجہ سے بہت سے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں قبول حق کے لیے کوئی آمادگی نہیں ہے، یعنی ان کے دلوں پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں

فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطٰمًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿٢١﴾ ع اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِیْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٢٤﴾

ہے؟ عقل والوں کے لیے یقینا اس میں نصیحت ہے۔☆ ﴿٢٢﴾ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور جسے اپنے رب کی طرف سے روشنی ملی ہو (سخت دل والوں کی طرح ہو سکتا ہے؟)، پس تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل ذکر خدا سے سخت ہو جاتے ہیں، یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔☆ ﴿٢٣﴾ اللہ نے ایسی کتاب کی شکل میں بہترین کلام نازل فرمایا ہے جس کی آیات باہم مشابہ اور مکرر ہیں جس سے اپنے رب سے ڈرنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو کر ذکر خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہی اللہ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔☆ ﴿٢٤﴾ کیا وہ شخص جو قیامت کے دن برے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے منہ کو سپر بناتا ہے (وہ امن پانے والوں کی طرح ہو سکتا ہے؟) اور ظالموں سے کہا جائے گا: چکھو اس کا ذائقہ جو تم

ہوتا۔

٢٣۔ مُّتَشَابِهًا: اول سے لے کر آخر تک قرآن کے مختلف موضوعات کے مضامین باہم مربوط اور ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، منافی اور متضاد نہیں ہیں۔

مَّثَانِیَ: اس کے مضامین دہرائے گئے ہیں تاکہ قرآنی مطالب ذہنوں میں راسخ ہو جائیں۔ کسی بھی مطلب کو ذہن میں راسخ کرنے کے لیے دہرانے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لیے تعلیم و تربیت میں دہرائی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

تَقْشَعِرُّ: جن کے دل خوف خدا سے معمور ہوتے ہیں، وہ جب قرآنی آیات سنتے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کے اثرات شعور و وجدان پر مترتب ہوتے ہیں اور دل میں سکون و آرام آتا ہے۔ جن کے دل خوف خدا کی نعمت سے محروم ہیں، وہ غنا کی طرز کے اشعار سن کر وجد میں آتے ہیں اور قرآن سے ان کے دل دور بھاگتے ہیں۔

٢٧۔ قرآن میں اپنے مطالب لوگوں کے اذہان میں راسخ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام طرز بیان استعمال فرمائے ہیں: دہرائی، مثالوں، محسوسات اور مسلمات کے ذریعے مطالب بیان ہوئے ہیں، خصوصاً مثالوں سے زیادہ کام لیا گیا ہے، کیونکہ ایک فکری مطلب کو محسوس چیز کی شکل میں لانے

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ ۚ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع

وقف لازم

کماتے تھے۔ ﴿۲۵﴾ ان سے پہلوں نے تکذیب کی تو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ﴿۲۶﴾ پھر اللہ نے انہیں دنیاوی زندگی میں رسوائی کا ذائقہ چکھا دیا اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، اے کاش! وہ جان لیتے۔ ﴿۲۷﴾ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی مثالیں دی ہیں شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔☆ ﴿۲۸﴾ ایسا قرآن جو عربی ہے، جس میں کوئی عیب نہیں ہے تاکہ یہ تقویٰ اختیار کریں۔☆ ﴿۲۹﴾ اللہ ایک شخص (غلام) کی مثال بیان فرماتا ہے جس (کی ملکیت) میں کئی بدخو (مالکان) شریک ہیں اور ایک (دوسرا) مرد (غلام) ہے جس کا صرف ایک ہی آقا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ الحمد للہ، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ ﴿۳۰﴾ (اے رسول) یقیناً آپ کو بھی انتقال کرنا ہے اور انہیں بھی یقیناً مرنا ہے۔☆ ﴿۳۱﴾ پھر قیامت کے دن تم سب اپنے رب کے سامنے مقدمہ پیش کرو گے۔☆

سے مطلب واضح ہو جاتا ہے اور انسان محسوسات سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔

۲۸۔ قرآن عربی زبان میں ہے اور جس رسول ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے، وہ عربی ہے اور جس قوم پر اس دعوت کی بنیاد رکھی ہے، وہ قوم عربی ہے۔ وہ قوم اس دعوت کو عالمین تک پہنچانے کے لیے اساس قرار پاتی ہے، نہ یہ کہ دین اسی قوم تک محدود رہ جائے۔

۳۰۔ اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے کوئی نہیں آیا۔ رسول ﷺ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اس میں دو نکات کی طرف اشارہ ہے: اول رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے جانے سے یہ مشن ختم نہیں ہو گا، جیسا کہ مشرکین اس انتظار میں ہیں۔ دوم اس دنیا سے جانے کے بعد مشرک مؤمن ظالم مظلوم کا مقدمہ اللہ کے حضور پیش ہو گا۔

۳۱۔ قیامت کے دن اللہ کے سامنے ہر مظلوم اپنا مقدمہ پیش کرے گا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت علی ؑ کا یہ قول منقول ہے: انا اول من یجثو بین یدی الرحمٰن للخصومۃ یوم القیامۃ۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی ۸: ۲۵) سب سے پہلے میں اللہ کے حضور اپنا مقدمہ پیش کروں گا۔

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدۡقِ اِذۡ جَآءَهٗ ؕ اَلَيۡسَ فِىۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًى لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِىۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا وَيَجۡزِيَهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ الَّذِىۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوۡنَكَ بِالَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِعَزِيۡزٍ ذِى انۡتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ

﴿۳۲﴾ پس اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور جب سچائی اس کے پاس آئی تو اسے جھٹلا دیا؟ کیا کفار کے لیے جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟ ﴿۳۳﴾ اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ اہل تقویٰ ہیں۔☆ ﴿۳۴﴾ ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں ان کے رب کے پاس ہے، نیکی کرنے والوں کی یہی جزا ہے۔ ﴿۳۵﴾ تاکہ اللہ ان کے بدترین اعمال کو مٹا دے اور جو بہترین اعمال انہوں نے انجام دیے ہیں انہیں ان کا اجر عطا کرے۔ ﴿۳۶﴾ کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ اور یہ لوگ آپ کو اس (اللہ) کے علاوہ دوسروں سے ڈراتے ہیں جب کہ اللہ جسے گمراہ کر دے اسے راہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔☆ ﴿۳۷﴾ اور جس کی اللہ رہنمائی کرے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، کیا اللہ بڑا غالب آنے والا، انتقام لینے والا نہیں ہے؟☆ ﴿۳۸﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں:

۳۳۔ قرطبی، آلوسی اور سیوطی نے اپنی تفاسیر نیز ابن مغازلی اور گنجی نے اپنی مناقب میں یہ روایت بیان کی ہے: الذی جاء بالصدق سے مراد پیغمبر اکرم ﷺ ہیں اور صدق بہ سے مراد علی علیہ السلام ہیں۔

۳۶۔ مکہ کے کفار حضور ﷺ کو خوف دلاتے تھے کہ تم نے ہمارے مقدس معبودوں کو برا کہا ہے، سو ہمارے معبود تمہیں اس کی سزا ضرور دیں گے۔

۳۷۔ اللہ کی عنایت اندھی بانٹ نہیں ہوتی، بلکہ جو شخص جس چیز کا اہل ہوتا ہے، اللہ اسے وہی عطا فرماتا ہے۔ اللہ کسی کو ہدایت سے تب نوازتا ہے جب وہ اس کا اہل ہو۔

پہلے بھی کئی بار ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ کسی کو گمراہ کرتا ہے، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ابتداءً اللہ ایسا کرتا ہے، بلکہ اللہ کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت اس بنا پر ہے کہ جو لوگ کفر پر ڈٹ جاتے ہیں ان کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ ان سے اللہ ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ جسے اللہ ہدایت نہ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا اللہ کی طرف سے ہدایت نہ دینے کا لازمی نتیجہ گمراہی ہے۔ اسی وجہ سے گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اس کے بعد اللہ کو ذِى انۡتِقَامٍ کہنا دلیل ہے کہ اللہ کی طرف سے ہدایت نہ دینے پر گمراہ ہو جانا اس کافر کے کفر پر ڈٹ جانے کا بدلہ، یعنی اس کا

مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ

آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، کہہ دیجیے: اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو ان کے بارے میں مجھے بتلاؤ؟ اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود اس کی اس تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا (اگر) اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دیجیے: میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، بھروسا رکھنے والے اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔☆ ﴿۳۸﴾ کہہ دیجیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ، میں بھی عمل کر رہا ہوں، پس عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا، ﴿۳۹﴾ کہ کس پر وہ عذاب آئے گا جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر دائمی عذاب نازل ہونے والا ہے۔ ﴿۴۰﴾ ہم نے آپ پر یہ کتاب انسانوں کے لیے برحق نازل کی ہے لہٰذا جو ہدایت حاصل کرتا ہے وہ اپنے لیے حاصل کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ﴿۴۱﴾ موت کے وقت اللہ روحوں کو قبض

لازمی نتیجہ ہے۔

۳۸۔ اگر تم مشرکین اللہ ہی کو خالق تسلیم کرتے ہو تو تمہاری ان دیویوں کے لیے کیا کام رہ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ سب اللہ کا پیدا کردہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری یہ دیویاں اس کائنات کی موجودات میں سے نہ کسی چیز کو روک سکتی ہیں، نہ کسی تکلیف کو دور کر سکتی ہیں۔

هَلْ هُنَّ: اشارہ بتوں کی طرف ہے۔ مشرکین میں سے عوام کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بت سب کچھ کر سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ مشرکین میں سے خواص کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بت ان کے حقیقی معبودوں کی شبیہ ہیں اور ان بتوں کو صرف قبلہ کی حیثیت حاصل ہے، مگر عوام رفتہ رفتہ خود ان بتوں کو ہی معبود سمجھنے لگے۔ اسی لیے آیت میں اشارہ بھی بتوں کی طرف کیا گیا۔

۴۲۔ نیند ایک قسم کی موت ہے۔ یعنی انسان کی مختلف قوتوں کا تعطل ہے نیز اس بات کی دلیل ہے کہ روح جسم سے ہٹ کر ایک الگ چیز ہے۔ روح عالم خواب میں جدا ہو کر عالم تجرد میں آتی ہے اور عالم تجرد میں آنے سے روح غیر زمانی ہو جاتی ہے۔ یعنی زمانے کی قید و بند سے آزاد ہو جاتی ہے پھر اس کے لیے ماضی و مستقبل برابر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ آئندہ کی چیزوں کو حاضر پاتی ہے۔ اس سے یہ

لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ

کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا اس کی (روح) نیند میں (قبض کر لیتا ہے) پھر وہ جس کی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے اسے روک رکھتا ہے اور دوسری کو ایک وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے، فکر کرنے والوں کے لیے یقینا اس میں نشانیاں ہیں۔☆ (۴۳) کیا انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو شفیع بنا لیا ہے؟ کہد یجیے: خواہ وہ کسی چیز کا اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی کچھ سمجھتے ہوں (تب بھی شفیع بنیں گے)؟ (۴۴) کہد یجیے: ساری شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔☆ (۴۵) اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل متنفر ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔☆ (۴۶) کہد یجیے: اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے خالق، پوشیدہ اور ظاہری باتوں کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا

بات سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ انسان خواب میں آنے والے ان واقعات کو کیسے دیکھ لیتا ہے جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے۔

۴۴۔ شفاعت کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔ وہ جسے چاہے شفاعت کی اجازت دے۔ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ (یونس: ۳) یعنی اس کے اذن سے پہلے کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ اس کی اجازت سے شفاعت ہو سکے گی۔

۴۵۔ اس آیت میں مشرکین اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی علامت بیان ہوئی ہے کہ صرف اللہ کے ذکر سے ان کے دل کڑھنے لگ جاتے ہیں اور جب غیر اللہ کا ذکر ہو تو ان کے چہروں پر بشاشت آ جاتی ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو اپنی محافل میں ذکر خدا کو پسند نہیں کرتے۔

۴۶۔ یہ لوگ ذکر خدا کو پسند نہیں کرتے۔ قُلِ: اے رسول! تو اس طرح ذکر خدا کر: تو کائنات کا خالق ہے۔ غیب و شہود کا جاننے والا تو ہی ہے۔ آخری اور اٹل فیصلہ سنانے والا بھی تو ہی ہے۔ اس ذات کے ذکر کو پسند نہ کرنے والے لوگ کل اٹل فیصلے کے دن اللہ کو کیسے منہ دکھائیں گے؟

۴۷۔ وَبَدَا لَهُمْ: مشرکین چونکہ آخرت کو نہیں مانتے تھے، اس لیے عذاب آخرت کے بارے میں ان کا تصور نہایت سطحی تھا اور عذاب الٰہی کا سامنا کریں

عِبَادِكَ فِيۡ مَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴۶﴾
وَلَوۡ اَنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مَا فِى الۡاَرۡضِ
جَمِيۡعًا وَّمِثۡلَهٗ مَعَهٗ لَافۡتَدَوۡا بِهٖ مِنۡ
سُوۡٓءِ الۡعَذَابِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمۡ
مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمۡ يَكُوۡنُوۡا يَحۡتَسِبُوۡنَ ﴿۴۷﴾
وَبَدَا لَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا وَحَاقَ بِهِمۡ
مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ
الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلۡنٰهُ نِعۡمَةً
مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِيۡتُهٗ عَلٰى عِلۡمٍ ؕ بَلۡ هِىَ
فِتۡنَةٌ وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ قَدۡ
قَالَهَا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ
مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا
كَسَبُوۡا ؕ وَالَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ هٰٓؤُلَاۤءِ

فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔☆

﴿۴۷﴾ اور اگر ظالموں کے پاس وہ سب (دولت) موجود ہو جو زمین میں ہے اور اتنی مزید بھی ہو تو قیامت کے دن برے عذاب سے بچنے کے لیے وہ اسے فدیہ میں دینے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے اور اللہ کی طرف سے وہ امر ان پر ظاہر ہو کر رہے گا جس کا انہوں نے خیال بھی نہیں کیا تھا۔☆

﴿۴۸﴾ اور ان کی بری کمائی بھی ان پر ظاہر ہو جائے گی اور جس بات کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ انہیں گھیر لے گی۔☆

﴿۴۹﴾ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اپنی طرف سے اسے نعمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے: یہ تو مجھے صرف علم کی بنا پر ملی ہے، نہیں بلکہ یہ ایک آزمائش ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔☆

﴿۵۰﴾ ان سے پہلے (لوگ) بھی یہی کہا کرتے تھے تو جو کچھ وہ کرتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا۔ ﴿۵۱﴾ پس ان پر ان کے برے اعمال کے وبال پڑ گئے اور ان میں سے جنہوں

گے تو ایسی صورت سامنے آئے گی جو ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

۴۸۔ وہ دنیا میں ہادیان برحق کی طرف سے آخرت کے عذاب کی باتیں سنتے تو اس کا مزاح اڑاتے تھے، لیکن آج ان کے اپنے گناہ خود ظاہر ہو کر ان کے سامنے آئیں گے۔

۴۹۔ وہ اس نعمت کو اپنی ذاتی مہارت کا نتیجہ تصور کرتا ہے یا وہ یہ تصور کرتا ہے کہ وہ اس نعمت کا اہل اور مستحق ہے، حالانکہ یہ نعمت اس کے لیے ایک آزمائش ہے، کیونکہ اللہ اپنے نیک بندوں کو مصائب میں مبتلا کر کے آزماتا ہے اور وہ کامیاب نکل آتے ہیں، جبکہ نافرمان بندوں کو دولت و نعمت دے کر آزماتا ہے اور یہ دولت اور نعمت ہی ان کے لیے باعث عذاب بن جاتی ہے۔

۵۲۔ یہ بات درست ہے کہ رزق کا حصول اس کے علل و اسباب کے ساتھ مربوط ہے، لیکن اولاً تو اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے، ان علل و اسباب کے پیچھے ارادۂ الٰہی کارفرما ہوتا ہے۔ ثانیاً: ان علل و اسباب کو باہم مربوط کر کے ان کی کڑیوں کو صحیح طریقے سے ملایا جائے تو نتیجہ ملتا ہے۔ ورنہ ایک شخص بہت محنت کرتا ہے، لیکن نتیجہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان مطلوبہ کڑیوں کو ملانے والا بھی ارادۂ الٰہی ہے۔

۵۳۔ یہ محبت بھرا خطاب تمام انسانوں سے ہے۔

سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۵

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ

نے ظلم کیا ہے عنقریب ان پر بھی ان کے برے اعمال کے وبال پڑنے والے ہیں اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ ﴿۵۲﴾ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ اور تنگ کر دیتا ہے؟ ایمان لانے والوں کے لیے یقینا اس میں نشانیاں ہیں۔☆ ﴿۵۳﴾ کہد یجیے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، یقینا اللہ تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے، وہ یقینا بڑا معاف کرنے والا، مہربان ہے۔☆ ﴿۵۴﴾ اور اپنے رب کی طرف پلٹ آؤ اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آ جائے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔☆ ﴿۵۵﴾ اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو بہترین (کتاب) نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو قبل اس کے کہ تم پر ناگہاں عذاب آ جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔☆ ﴿۵۶﴾ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص یہ کہے: افسوس ہے اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے حق میں کی اور میں تو

---

یہاں ارتکاب جرم کے بعد اللہ کی طرف پلٹنے (توبہ کرنے) کی بات ہے، وگرنہ جرم کے ارتکاب کے ساتھ عفو اور درگزر نا معقول بات ہے کہ قوم جرم کا ارتکاب جاری رکھے اور ساتھ معافی بھی جاری رہے۔ البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ جرم کا ارتکاب ممکن ہونے کی صورت میں بندہ توبہ کرے تو تمام گناہ بخشے جائیں گے، خواہ شرک ہو یا غیر شرک اور اگر جرم کے ارتکاب کا امکان ختم ہو جائے، یعنی موت آ جائے تو اس صورت میں اللہ مشرک کو معاف نہیں کرتا۔ شرک کے علاوہ باقی گناہ پھر بھی معاف ہو سکتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (نساء: ۴۸) اللہ شرک کو نہیں بخشتا، اس سے کمتر (گناہوں) کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔ حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ قرآن میں اس آیت سے وسیع تر کوئی آیت نہیں ہے۔ ممکن ہے وسعت سے مراد یہ ہو کہ یہ آیت سب بندوں اور سب گناہوں کو شامل ہے۔

۵۴۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سابقہ آیت کا تعلق توبہ کرنے کی صورت سے ہے۔

۵۵۔ بہترین یہ ہے کہ جس میں انسان کی نجات اور دارین کی سعادت ہے، جبکہ جن باتوں سے اجتناب کرنے کے لیے کہا گیا ہے، وہ انسان کے لیے بدترین ہیں۔

جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝٥٦
اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ
مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝٥٧ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى
الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝٥٨ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ
فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ ۝٥٩ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ
كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ
اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝٦٠ وَ
يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا
يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦١
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝٦٢ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ

مذاق اڑانے والوں میں سے تھا۔ (۵۷) یا وہ کہے: اگر اللہ
میری ہدایت کرتا تو میں متقین میں سے ہو جاتا۔ (۵۸) یا
عذاب دیکھ کر یہ کہے: اگر مجھے واپس (دنیا میں) جانے کا
موقع ملتا تو میں نیکی کرنے والوں میں سے ہو جاتا۔☆
(۵۹) (جواب ملے گا) کیوں نہیں! میری آیات تجھ تک
پہنچیں مگر تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے
تھا۔ (۶۰) اور جنہوں نے اللہ کی نسبت جھوٹ بولا قیامت
کے دن آپ ان کے چہرے سیاہ دیکھیں گے، کیا تکبر کرنے
والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ (۶۱) اور اہل تقویٰ کو ان کی
کامیابی کے سبب اللہ نجات دے گا، انہیں نہ کوئی تکلیف
پہنچے گی اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ (۶۲) اللہ ہر چیز کا
خالق ہے اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔☆ (۶۳) آسمانوں اور
زمین کی کنجیاں اسی کی ملکیت ہیں اور جنہوں نے اللہ کی

۵۸۔ عذاب کے مشاہدے کے بعد یہ خواہش ہر مجرم کو دامن گیر ہوگی کہ مجھے ایک بار موقع دیا جائے۔ لیکن اس سفر میں برگشت نہیں ہے۔ دنیا سے شکم مادر، اور صلب پدر کی طرف برگشت ممکن نہیں ہے۔

۶۲۔ قرآنی تعلیمات میں یہ بات ایک مسلمہ امر ہے کہ خلق و تدبیر دو مختلف امور نہیں، جیسا کہ مشرکین نے خیال کر رکھا ہے کہ خالق تو اللہ ہے، لیکن امور کائنات کی تدبیر شریکوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس آیت میں اسی بات کو واضح لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ جہاں اللہ ہر شے کا خالق ہے، وہاں وہ ہر شے کا وکیل ہے۔ یعنی ہر شے اس کے سپرد ہے۔

۶۳۔ اسی مسلمہ حقیقت کے تحت فرمایا: زمین و آسمان کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ بنا بر این یہ قدرتی بات ہے کہ مشرکین جو غیر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں خسارے میں ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اس ذات کو چھوڑتے ہیں جس کے پاس سب کچھ ہے اور ایسوں کے پاس جاتے ہیں جن کے پاس کچھ بھی نہیں۔

۶۴۔ غیر اللہ کی بندگی کرنا اور اس سے لو لگانا جہالت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جہالت کی وجہ سے واقع اور حقیقت کا پتہ نہیں چلتا۔ جب واقع کا علم نہ ہوگا تو جاہل ظن و گمان کے پیچھے چلنا شروع کرتا ہے۔ حضرت علی ؑ کے فرمان کے مطابق: جاہل یا زیادتی کرتا ہے یا کوتاہی۔ لہٰذا جاہل زیادتی اور کوتاہی کے درمیانی گرداب میں پھنس جاتا ہے۔

۶۵۔ اس قانون سے کوئی شخص بالاتر نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ نبی ﷺ معصوم ہیں۔ رسول ﷺ

الْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۳ ع قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ
تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝۶۴ وَلَقَدْ
اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ
لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۶۵ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ
مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۶ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ
قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۷ وَنُفِخَ فِي
الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ
فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝۶۸

آیات کا انکار کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔☆ (۶۳) کہد یجیے: اے نادانو! کیا تم مجھے کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی بندگی کروں؟☆ (۶۵) اور بتحقیق آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضرور حبط ہو جائے گا اور تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔☆ (۶۶) بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔ (۶۷) اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر شناسی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن پوری زمین اس کے قبضہ قدرت میں ہو گی اور آسمان اس کے دست قدرت میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔☆ (۶۸) اور (جب) صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے پھر دوبارہ اس میں پھونک ماری جائے گی تو اتنے میں وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔☆

---

سے شرک سرزد نہیں ہوتا، تاہم یہاں یہ فرض کیا جا رہا ہے کہ اگر شرک کا عمل آپ ﷺ سے سرزد ہو جائے تو آپ ﷺ کا عمل حبط ہو جائے گا۔ یہ اس طرح ہے، جیسا کہ فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (زخرف:۸۱) کہد یجیے (اللہ کے لیے بیٹا ہونا محال ہے تاہم) اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا۔

۶۷۔ اللہ کی ناقدری کا یہ عالم کہ کسی نے اللہ کی بیٹیاں بنا لیں، کسی نے اس کے لیے بیٹے اور بعض نے اللہ کے لیے ہاتھ، پاؤں، چہرہ اور اعضا و جوارح بنا لیے جو انسان کے لیے ہیں۔ تعالی اللہ عما یصفون۔ اس ناقدری کی وجہ سے وہ آخرت اور یوم الحساب کے منکر ہیں، جس دن کل کائنات اللہ کے قبضہ قدرت میں ہو گی۔ دنیا میں کل کائنات اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، لیکن قیامت کے دن اس کا بھرپور اظہار ہو گا۔

۶۸۔ اس آیت میں دو مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر ہے۔ پہلے صور سے سب مر جائیں گے، صَعِقَ کے معنی تو بیہوشی کے ہیں لیکن اس کی تفسیر موت سے کی جاتی ہے۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ مگر جنہیں اللہ چاہے، وہ نہیں مریں گے۔ اس سلسلے میں مفسرین کے متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ چند ذوات پہلے صور میں زندہ رہیں، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مریں گی نہیں۔ دوسرے صور سے سب زندہ ہو جائیں گے۔

فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: اتنے میں وہ سب کھڑے ہو کر (حکم خدا) کا انتظار

وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

﴿۶۹﴾ اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک جائے گی اور (اعمال کی) کتاب رکھ دی جائے گی اور پیغمبروں اور گواہوں کو حاضر کیا جائے گا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔☆ ﴿۷۰﴾ اور ہر شخص نے جو عمل کیا ہے اسے اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے اعمال سے خوب واقف ہے۔ ﴿۷۱﴾ اور کفار گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور جہنم کے کارندے ان سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے، جو تمہارے رب کی آیات تمہیں سناتے اور اس دن کے پیش آنے کے بارے میں تمہیں متنبہ کرتے؟ وہ کہیں گے: ہاں (کیوں نہیں!) لیکن (اب) کفار کے حق میں عذاب کا فیصلہ حتمی ہو چکا ہے۔ ﴿۷۲﴾ کہا جائے گا: جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جس میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے، پس تکبر کرنے والوں کا کتنا برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۷۳﴾ اور جو لوگ

کرنے لگیں گے۔

۶۹۔ قیامت کے دن زمین نور پروردگار سے چمک اٹھے گی۔ بعض مفسرین اس سے مراد عدل و انصاف لیتے ہیں۔ لیکن علامہ طباطبائی کے نزدیک اس سے مراد پردوں کا ہٹنا اور حقائق کا عیاں ہونا ہے۔

سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳ کے حاشیے میں ذکر ہوا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے: و لا یکون الشهداء علی الناس الا الائمة و الرسل۔ (بحار الانوار ۲۳: ۳۵۱) لوگوں پر گواہ صرف ائمہ اور انبیاء مرسل ہو سکتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں قیامت کے دن قائم ہونے والی عدالت گاہ کا ذکر ہے، جس میں رب العالمین خود ہر چیز سے آگاہ ہونے کے باوجود گواہ طلب کرے گا اور گواہی کے مطابق فیصلہ ہو گا۔ وہاں انسان کو صرف اس کا عمل کام دے گا اور گواہ بھی عقائد کی روشنی میں انجام پانے والے عمل ہی کی گواہی دیں گے۔ واضح رہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے نزدیک جیسا کہ منکر کے کردار کی کوئی قدر نہ ہو گی، ان عقائد کی بھی کوئی قدر نہ ہو گی جن کا کردار پر کوئی اثر نہ ہو۔ اگلی آیتوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ کی عدالت سے فارغ ہونے کے بعد گروہ در گروہ اہل جہنم، جہنم کی طرف اور اہل جنت، جنت کی طرف چلائے جائیں گے۔

۷۴۔ ارض سے مراد ارض جنت ہے، یعنی حمد و ستائش اس ذات کے لیے ہے، جس نے ہمیں جنت کی سرزمین کا وارث بنایا کہ ہم جہاں چاہیں قیام کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں مؤمن کو

رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝۷۳ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۷۴ وَتَرَى الْمَلٰۗىِٕكَةَ حَاۗفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۵ ع

اپنے رب سے ڈرتے رہے ہیں انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف چلایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور جنت کے منتظمین ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو۔ تم بہت خوب رہے، اب ہمیشہ کے لیے اس میں داخل ہو جاؤ۔ ۝۷۳ اور وہ کہیں گے: ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنایا کہ جنت میں ہم جہاں چاہیں جگہ بنا سکیں، پس عمل کرنے والوں کا اجر کتنا اچھا ہے۔☆ ۝۷۵ اور آپ فرشتوں کو عرش کے گرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی ثنا کے ساتھ تسبیح کرتے ہوئے دیکھیں گے اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ ہو چکا ہوگا اور کہا جائے گا: ثنائے کامل اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔☆

آیاتہا ۸۵ — ۴۰ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۶۰ — رکوعاتہا ۹

سورہ مومن۔ مکی۔ آیات ۸۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

حٰمۗ ۝۱ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ

۝۱ حا، میم۔ ۝۲ اس کتاب کی تنزیل بڑے غالب آنے

---

ایک وسیع سلطنت مل جائے گی، جس میں مختلف مقامات ہوں گے، جہاں چاہے قیام کرے۔

۷۵۔ جب آسمانوں کو لپیٹ لیا جائے گا تو اس وقت عرش الٰہی اور اس کے گرد موجود فرشتے نظر آئیں گے۔ عرش اس مقام ربوبیت کو کہتے ہیں جہاں سے تدبیر کائنات سے متعلق اوامر صادر ہوتے ہیں اور عرش کے گرد وہ فرشتے ہیں جو ان اوامر کو نافذ کرتے ہیں۔ اس طرح آیت کا ظاہری مفہوم یہ بنتا ہے کہ جب آسمانوں کو لپیٹ لیا جائے گا تو اس وقت اوامر الٰہی اور اس کے نافذ کرنے والے ہی نظر آئیں گے۔

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ: اس وقت جن کے درمیان فیصلہ کرنا تھا ان میں فیصلہ بھی ہو چکا ہوگا۔ قُضِيَ کو ماضی کے معنوں میں لینا مناسب ہے۔

سورہ مؤمن

۲۔ ۳ ان دو آیات میں اللہ کے بعض اسمائے مبارکہ کا ذکر ہے: الْعَزِيْزِ، بڑا غالب آنے والا، جو کسی حال میں بھی عاجز نہیں ہے۔ الْعَلِيْمِ، بڑا علم رکھنے والا۔ کائنات میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ غَافِرِ الذَّنْبِ قدرت کے باوجود گناہوں سے درگزر کرنے والا۔ قَابِلِ التَّوْبِ گناہ اور جرم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو توبہ کرنے کی صورت میں وہ قبول کرنے والا ہے۔ شَدِيْدِ الْعِقَابِ جو لوگ جرم کے ارتکاب کے بعد توبہ بھی نہیں کرتے، ان کے لیے اس کا عذاب بھی سخت ہے۔ ذِي الطَّوْلِ بڑی عنایتوں والا۔

الْعَلِيْمِ ۝۲ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝۴ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

والے، دانا اللہ کی طرف سے ہے،☆ ③ جو گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، شدید عذاب دینے والا اور بڑے فضل والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔☆ ④ اللہ کی آیات کے بارے میں صرف کفار ہی جھگڑتے ہیں لہٰذا ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ رکھے۔☆ ⑤ ان سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد کے گروہوں نے بھی (انبیاء کی) تکذیب کی ہے اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کرنے کا عزم کیا اور باطل ذرائع سے جھگڑتے رہے تاکہ اس سے حق کو زائل کر دیں تو میں نے انہیں اپنی گرفت میں لیا پس (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا تھا۔☆ ⑥ اور اسی طرح کفار کے بارے میں آپ کے رب کا یہ فیصلہ حتمی ہے کہ وہ اہل دوزخ ہیں۔☆ ⑦ جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو (فرشتے) اس کے اردگرد ہیں سب اپنے رب کی ثناء کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور اس پر ایمان لائے

۴۔ دنیا کے ممالک میں ان کی رفت و آمد اور ان کا دندناتے پھرنا نیز ان کی پرتعیش زندگی، اس مہلت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزا کے طور پر دیتا ہے کہ وہ اپنے جرم میں مزید اضافہ کریں اور ان کے عذاب میں اضافہ ہو جائے۔

۵۔ آیات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں اس وقت نازل ہو رہی تھیں، جب کفار مکہ حضور ﷺ کے خلاف جھگڑے اور بحثیں کر رہے تھے اور ہر طرف سے الزامات لگائے جا رہے تھے نیز آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش میں بھی مصروف تھے۔ ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے سابقہ امتوں کی مثل پیش کی جا رہی ہے کہ ہر امت نے اپنے رسول کو پکڑنے کی کوشش کی، لیکن وہ اس میں نہ صرف کامیاب نہیں ہوئے، بلکہ وہ اللہ کی گرفت میں آ گئے اور ان کا خاتمہ عذاب الٰہی پر ہوا۔

۶۔ جس طرح سابقہ امتوں میں تکذیب کرنے والوں، مجادلہ اور جھگڑا کرنے والوں اور اپنے رسول کو قتل کرنے کی سازش کرنے والوں کو اللہ نے اپنی گرفت میں لے لیا، گئی لِکَ اسی طرح آپ ﷺ کی قوم میں سے بھی ایسے لوگوں پر اللہ کا فیصلہ اٹل ہو چکا۔ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ایک اٹل فیصلے کی خبر ہے کہ ان کا بھی وہی انجام ہوگا۔

۷۔ حاملین عرش، اللہ کے مقرب فرشتے ہیں جو اہل ایمان کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں۔ اس سے اول تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان والے زمین سے زیادہ آسمان میں پہچانے جاتے ہیں۔ دوم یہ کہ ایمان ہی وہ رشتہ ہے جس سے عرش والے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۸﴾ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا

ہیں اور ایمان والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں، ہمارے رب! تیری رحمت اور علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے پس ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کی پیروی کی ہے اور انہیں عذاب جہنم سے بچا لے۔☆ ﴿۸﴾ ہمارے رب! انہیں ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادا اور ان کی ازواج اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں انہیں بھی، تو یقینا بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۹﴾ اور انہیں برائیوں سے بچا اور جسے تو نے اس روز برائیوں سے بچا لیا اس پر تو نے رحم فرمایا اور یہی تو بڑی کامیابی ہے۔☆ ﴿۱۰﴾ جنہوں نے کفر اختیار کیا بلاشبہ انہیں پکار کر کہا جائے گا: (آج) جتنا تم اپنے آپ سے بیزار ہو رہے ہو اللہ اس سے زیادہ تم سے اس وقت بیزار تھا جب تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اور تم کفر کرتے تھے۔☆ ﴿۱۱﴾ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی دی ہے، اب ہم اپنے

فرش والوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔

۸۔ ان آیات میں حاملین عرش کی دعا کے مضامین کا ذکر ہے کہ وہ مغفرت، عذاب جہنم سے نجات، اور جنت عدن میں داخل ہونے کے لیے دعا کرتے ہیں نیز مؤمنین کے نیک آباء و اجداد، ازواج اور اولاد کے لیے بھی دعا کرتے ہیں۔ یعنی اگر کسی مؤمن کا درجہ ایمان بلند ہو اور اس کے باپ، دادا، ازواج اور اولاد صالح ہوں، لیکن ایمان کے اس درجہ پر فائز نہ ہوں تو فرشتے ان کی بھی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا نیک اور صالح لوگوں کو نسب بھی فائدہ دیتا ہے۔

۹۔ یعنی اہل عرش مؤمنین کے لیے ان باتوں کی دعا کرتے ہیں جن سے مؤمنین کو عظیم کامیابی حاصل ہو سکے۔

وہ ہیں اور قیامت کی ہولناکیاں۔ جہاں انسان کے سارے راز فاش ہو جائیں گے۔ اہل محشر کے سامنے رسوا ہو جائیں گے۔ اپنی سیاہ کاریاں دیکھ کر حساب، پھر عذاب کا خوف۔ اس قسم کی برائیوں یا برائیوں کے نتائج سے بچانے کی دعا کرتے ہیں۔

۱۰۔ قیامت کے دن کافروں کو اپنے کفر کا نتیجہ نظر آئے گا تو وہ بڑی ندامت کے ساتھ اپنے جرائم پر اپنے آپ کو کوستے ہوں گے۔ اس وقت ندا آئے گی: آج اپنے جرائم دیکھ کر جتنا تم اپنے آپ سے بیزار ہو رہے ہو، اس سے زیادہ اللہ تم سے بیزار ہو رہا تھا، جب اللہ تمہیں اپنی طرف بلا رہا تھا اور تم کفر اختیار کر کے اللہ سے منہ موڑتے تھے۔ اللہ ہادیان برحق

فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ⑪ ذَٰلِكُم
بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِن
يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ
الْكَبِيرِ ⑫ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ
لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا
مَن يُنِيبُ ⑬ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ
لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ⑭ رَفِيعُ
الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ
أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ
يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮ يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۖ لَا
يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ
الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯ الْيَوْمَ
تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ

گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے؟☆ ⑫ ایسا اس لیے ہوا کہ جب خدائے واحد کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تھے، پس (آج) فیصلہ برتر، بزرگ اللہ کے پاس ہے۔ ⑬ وہ وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے رزق نازل فرماتا ہے اور نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتا ہے جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔☆ ⑭ پس دین کو صرف اس کے لیے خالص کر کے اللہ ہی کو پکارو اگرچہ کفار کو برا لگے۔ ⑮ وہ بلند درجات کا مالک اور صاحب عرش ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن کے بارے میں متنبہ کرے۔☆ ⑯ اس دن وہ سب (قبروں سے) نکل پڑیں گے، اللہ سے ان کی کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے گی، (اس روز پوچھا جائے گا) آج کس کی بادشاہت ہے؟ (جواب ملے گا) خدائے واحد، قہار کی۔☆ ⑰ آج ہر شخص کو اس

کے ذریعے تم پر اپنی رحمتوں کا دروازہ کھول رہا تھا، تم ان کا مزاح اڑا رہے تھے۔

۱۱۔ بعض کے نزدیک پہلی موت وہ ہے جو دنیا میں آتی ہے، پھر برزخی زندگی پہلا احیاء ہے، پھر برزخی زندگی کو دوسری موت دی جاتی ہے، پھر قیامت کی زندگی دوسرا احیاء ہے۔ بعض کے نزدیک پہلی موت وہ ہے جو اس زندگی سے پہلے تھی: وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا۔ پھر پہلی زندگی دنیوی زندگی ہے۔ دوسری موت وہ ہے جو دنیوی زندگی کا خاتمہ کرے اور دوسری حیات قیامت کی زندگی ہے۔ جب قیامت کے دن دوسری بار زندہ کر دیے جائیں گے تو یہ لوگ اقرار کریں گے کہ وہ دن سچ مچ آگیا جس کی انبیاء نے خبر دی تھی۔

۱۳۔ پہلے بھی متعدد آیات میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ روزی کے بیشتر اسباب آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ مثلاً ہوا، دھوپ، بارش اور بجلی وغیرہ۔

۱۵۔ روح سے مراد وحی اور نبوت ہے۔ اللہ نے اپنی حکیمانہ مشیت کے مطابق اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا وحی نازل کی۔ اللہ کی مشیت اندھی بانٹ نہیں ہے، بلکہ جو اہل ہے، اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔

الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۬ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، آج ظلم نہیں ہوگا، اللہ یقینا جلد حساب لینے والا ہے۔☆ ﴿۱۸﴾ انہیں قریب الوقوع دن کے بارے میں متنبہ کیجیے، جب دل حلق تک آرہے ہوں گے، غم سے گھٹ گھٹ جائیں گے، ظالموں کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی کوئی ایسا سفارشی جس کی بات سنی جائے۔☆ ﴿۱۹﴾ اللہ نگاہوں کی خیانت اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے سے واقف ہے۔ ﴿۲۰﴾ اور اللہ برحق فیصلہ کرتا ہے اور اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ کرنے کے (اہل) نہیں ہیں، یقینا اللہ ہی خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔☆ ﴿۲۱﴾ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ہیں تاکہ وہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ طاقت اور زمین پر اپنے آثار چھوڑنے میں ان سے کہیں زیادہ زبردست تھے، پس اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں گرفت میں لے لیا اور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔☆ ﴿۲۲﴾ یہ اس لیے کہ ان کے پیغمبر واضح

---

۱۶۔ دنیا چونکہ دارالامتحان تھی، اس لیے وہاں انسانوں کو خود مختار چھوڑ دیا گیا تھا۔ سو وہ وہاں اپنی بادشاہی کا ڈنکا بجاتے تھے۔ آج روز حساب ہے۔ بتاؤ آج کس کی بادشاہی ہے؟ حقیقی بادشاہ تو وہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں یوم الحساب ہے۔

۱۷۔ قیامت کے روز ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج ظلم نہیں ہوگا۔ اللہ کی ذات بے نیاز ہے، ظلم کر کے وہ اپنی کون سی ضرورت پوری کرے گا نیز وہ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ہے، بہ یک وقت سب کا حساب ہوگا، اس اعتبار سے بھی ظلم سرزد ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۱۸۔ الْاٰزِفَةِ یعنی قریب آنے والا۔ قیامت کو يَوْمَ الْاٰزِفَةِ کہتے ہیں، کیونکہ وہ روز بروز قریب آتی جا رہی ہے۔

۲۰۔ چونکہ تمام فیصلے اسی کے پاس ہیں، چونکہ خالق وہی رازق وہی، تدبیر اسی کی، تشریع اسی کی طرف سے، قانون اسی نے دیا ہے، لہٰذا فیصلہ بھی وہی کرے گے۔ غیر اللہ کے پاس مندرجہ بالا چیزوں میں سے ایک بھی نہیں ہے، وہ کس چیز کا فیصلہ کریں گے۔

۲۱۔ اسلام سے قبل کی تہذیب و تمدن اور گزشتہ

رُسُلُهُم بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۚ
إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ
أَرْسَلْنَا مُوسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾
إِلٰى فِرْعَوْنَ وَهٰمٰنَ وَقٰرُونَ فَقَالُوا
سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ
عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ اٰمَنُوا
مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۚ وَمَا كَيْدُ
الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۚ إِنِّي
أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَن يُظْهِرَ
فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوسٰى إِنِّي
عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا
يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ وَقَالَ رَجُلٌ

دلائل لے کر ان کے پاس آتے تھے لیکن انہوں نے انکار کر دیا، پھر اللہ نے انہیں گرفت میں لے لیا، اللہ یقینا بڑا طاقتور، عذاب دینے میں سخت ہے۔ (۲۲) اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا، (۲۳) فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو ان لوگوں نے کہا: یہ تو بہت جھوٹا جادوگر ہے۔ (۲۴) پس جب انہوں نے ہماری طرف سے ان لوگوں کو حق پہنچایا تو وہ کہنے لگے: جو اس کے ساتھ ایمان لے آئیں، ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو (مگر) کافروں کی چال اکارت ہی جاتی ہے۔☆ (۲۵) اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو پکارے مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا زمین میں فساد برپا کرے گا۔☆ (۲۶) اور موسیٰ نے کہا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس تکبر کرنے والے سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں لاتا۔☆ (۲۷) اور آل فرعون میں سے

جابروں کی قوت وسلطنت کے آثار کا مطالعہ کرنے کی ترغیب ہے، جن کے آثار اب تک کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں۔

۲۵۔ حضرت موسیٰ ؑ پر ایمان لانے والے بنی اسرائیل تھے، لیکن دشمن کا ہر حربہ اس وقت ناکام ہو جاتا ہے جب اہل حق صبر واستقامت سے کام لیں۔

۲۶۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کے حیرت انگیز معجزات دیکھ کر فرعون کے درباریوں میں اس قسم کی سوچ موجود تھی کہ موسیٰ ؑ اپنے دعویٰ میں سچے ہو سکتے ہیں، لہٰذا ان کے خلاف انتہائی قدم اٹھانے میں تأمل سے کام لینا چاہیے۔ اس لیے جب پہلی بار حضرت موسیٰ ؑ نے اژدھے اور ید بیضا کا معجزہ دکھایا تو درباریوں نے کہا: أَرْجِهْ وَأَخَاهُ (شعراء: ۳۶) اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے دو۔ اس جگہ فرعون کا یہ کہنا: مجھے چھوڑو میں موسیٰ ؑ کو قتل کروں، قرینہ بنتا ہے کہ کچھ لوگ موسیٰ ؑ کے قتل کے حق میں نہ تھے۔ چنانچہ اگلی آیت میں اس مؤمن کا ذکر بھی آ گیا جو حضرت موسیٰ ؑ کے قتل کے حق میں نہ تھے۔

۲۷۔ طاغوت اور متکبر کی دھمکیوں کے مقابلے میں اللہ کی پناہ سب سے بڑی طاقت ہے۔ فرعون کے تکبر کا اندازہ اس جملے سے ہوتا ہے: وَلْيَدْعُ رَبَّهُ وہ اپنے رب کو پکارے۔ یعنی میں دیکھتا ہوں اس کا رب اسے کیسے بچاتا ہے۔

۲۸۔ جابروں اور تنگ نظروں سے خطرہ لاحق ہونے کی صورت میں حق کا چھپانا جابروں کے لیے باعث ننگ و عار ہے، حق چھپانے والے کے لیے نہیں۔

مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ
اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ
جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ
كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا
يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ
لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫
فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ
قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ
اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ
الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ
نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ

ایک مومن جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا کہنے لگا: کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے؟ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اس کے خلاف جائے گا اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر واقع ہو ہی جائے گا، اللہ یقینا تجاوز کرنے والے جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتا۔☆ ﴿۲۸﴾ اے میری قوم! آج تمہاری بادشاہت ہے اور ملک میں تم غالب ہو پس اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو ہماری کون مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا: میں تمہیں صرف وہی رائے دوں گا جسے میں صائب سمجھتا ہوں اور میں اسی راستے کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں جو درست ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ اور جو شخص ایمان لایا تھا کہنے لگا: اے میری قوم! مجھے خوف ہے کہ تم پر کہیں وہ دن نہ آئے جیسا (پہلی) امتوں پر آیا تھا،☆ ﴿۳۰﴾ جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والی امتوں پر آیا تھا اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا

جیسا کہ نظریہ خلق قرآن کے بارے میں بنی عباس کے تنگ نظر جابروں کے سامنے علماء کو اپنا نظریہ چھپانا پڑا تھا۔ چنانچہ مؤمن آل فرعون اپنی تقریر میں حق کو برملا ظاہر نہیں کرتے، بلکہ بظاہر تردد کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ کی سزا ضرور ملے گی، تمہیں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ سچے ہیں تو وہ جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں، اس میں سے کچھ تو وقوع پذیر ہو گا۔

۲۹۔ آل فرعون کا یہ مؤمن اپنے ایمان کا کھل کر اظہار نہیں کر رہے ہیں، بلکہ فرعون کا خیر خواہ ظاہر کر کے کہتے ہیں: فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو ہماری کون مدد کرے گا۔ لیکن اقتدار کے نشے میں بدمست لوگ کبھی اپنے فردا کے بارے میں نہیں سوچتے، نہ ہی کسی ناصح کی نصیحت پر توجہ دیتے ہیں۔ کیونکہ جابر اپنے جبر ہی کو صائب سمجھتا ہے۔

۳۰۔ یہ وہی مؤمن آل فرعون ہے۔ اس مؤمن کے پیغمبرانہ اقوال دیکھ کر بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس جگہ الَّذِيْٓ اٰمَنَ سے مراد خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

۳۱۔ اللہ کو نہ تو بندوں سے کوئی عداوت ہے کہ جذبہ انتقام میں آ کر عذاب دے، نہ تو کوئی ایسا مفاد ہے جو عذاب دینے سے وابستہ ہو، بلکہ یہ عذاب و ثواب اس کے نظام عدل کا لازمی حصہ ہے کہ مؤمن اور کافر، مجرم اور مسلم یکساں نہیں ہو سکتے۔

مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ
تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ
بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ
بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ
اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ
اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ
يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ
مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ

نہیں چاہتا۔☆ ﴿۳۲﴾ اور اے میری قوم! مجھے تمہارے بارے میں فریاد کے دن (قیامت) کا خوف ہے۔☆ ﴿۳۳﴾ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے تمہیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ ﴿۳۴﴾ اور بتحقیق اس سے پہلے یوسف واضح دلائل کے ساتھ تمہارے پاس آئے مگر تمہیں اس چیز میں شک ہی رہا جو وہ تمہارے پاس لائے تھے یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہوا تو تم کہنے لگے: ان کے بعد اللہ کوئی پیغمبر مبعوث نہیں کرے گا اس طرح اللہ ان لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے جو تجاوز کرنے والے، شک کرنے والے ہوتے ہیں۔☆ ﴿۳۵﴾ جو اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر ایسی دلیل کے جو اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہو (ان کی) یہ بات اللہ اور ایمان لانے والوں کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے، اسی طرح ہر متکبر، سرکش کے دل پر اللہ مہر لگا دیتا ہے۔☆ ﴿۳۶﴾ اور فرعون نے کہا:

۳۲۔ يَوْمَ التَّنَادِ: فریاد کا دن، سے مراد روز قیامت ہے، جس میں کافر لوگ مدد کے لیے پکاریں گے مگر کوئی جواب نہیں ملے گا۔

۳۴۔ یوسف ؑ نے اپنے دور حکومت میں عدل و انصاف کی ایک لازوال مثال قائم کی۔ خواب کی صحیح تعبیر کے ذریعے تمہیں اور بہت سے انسانوں کو قحط سے بچایا۔ تم نے ان کی نبوت پر شک کیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو تم نے کہا: اب عدل و انصاف کا دور دوبارہ نہیں آ سکتا۔ یعنی جب تمہیں ہدایت مل رہی ہوتی ہے، اس وقت تم اسے ٹھکرا دیتے ہو، لیکن اس ہدایت کے اٹھنے کے بعد تمہیں اس کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔

۳۵۔ مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ مُسۡرِفٌ یعنی حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ مُّرۡتَابٌ یعنی شک کرنے والے تھے۔ يُجَادِلُوْنَ یعنی دلیل و سند کے بغیر حق کے بارے میں کج بحثی کرنے والے تھے۔ ان تین خصلتوں کی وجہ سے وہ اس قابل نہ رہے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت کے دائرے میں رکھے۔

۳۷۔ اس موضوع سے متعلق حاشیہ سورۂ القصص آیت ۳۸ میں گزر چکا ہے۔

فرعون اس مؤمن کے منطقی استدلال کا جواب تو نہ دے سکا، البتہ ایک تمسخر کے طور پر کہدیا ہوگا:

ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾
اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰی
وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُیِّنَ
لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ؕ
وَ مَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع وَ قَالَ
الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ
الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ ج یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا
مَتَاعٌ ؗ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾
مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی
وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَ یٰقَوْمِ
مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَی

ع ۴

اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ، شاید میں راستوں تک رسائی حاصل کر لوں، ﴿۳۶﴾ آسمانوں کے راستوں تک، پھر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور میرا گمان یہ ہے کہ موسیٰ جھوٹا ہے، اس طرح فرعون کے لیے اس کی بدعملی کو خوشنما بنا دیا گیا اور وہ راہ راست سے روک دیا گیا اور فرعون کی چال تو صرف گھاٹے میں ہے۔☆ ﴿۳۷﴾ اور جو شخص ایمان لایا تھا بولا: اے میری قوم! میری اتباع کرو، میں تمہیں صحیح راستہ دکھاتا ہوں۔☆ ﴿۳۸﴾ اے میری قوم! یہ دنیاوی زندگی تو صرف تھوڑی دیر کی لذت ہے اور آخرت یقینا دائمی قیام گاہ ہے۔ ﴿۳۹﴾ جو برائی کا ارتکاب کرے گا اسے اتنا ہی بدلہ ملے گا اور جو نیکی کرے گا وہ مرد ہو یا عورت اگر صاحب ایمان بھی ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں بے شمار رزق ملے گا۔☆ ﴿۴۰﴾ اور اے میری قوم! آخر مجھے ہوا کیا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف

---

موسیٰ علیہ السلام کا خدا زمین پر تو ہے نہیں، آسمان میں دیکھتا ہوں۔ بعض کا خیال ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کا خدا تلاش کرنے کے لیے ایک رصد گاہ بنانا چاہتا تھا تا کہ اپنی قوم کو دھوکہ دے سکے کہ موسیٰ کا کوئی خدا نہیں ہے۔

۳۸۔ یہ مؤمن فرعون کی غیر منطقی باتوں کو اعتنا میں لائے بغیر اپنے پیغمبرانہ فرامین کو جاری رکھتے ہیں اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی میں موازنہ پیش کر کے ضمیروں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مؤمن آل فرعون نے جب بیباکی کے ساتھ حق گوئی کا مظاہرہ کیا تو فرعون کی طرف سے ردعمل کے طور پر اس کے خلاف بہت کچھ ہو سکتا تھا، مگر اس مؤمن نے اپنا معاملہ جب اللہ کے سپرد کیا تو اللہ ارحم الراحمین نے اسے اپنی رحمت کے دامن میں جگہ دی۔

۴۰۔ ایک اہم نکتے کی وضاحت ہوگئی۔ وہ یہ کہ گناہ کی مناسبت سے سزا مل جائے گی، لیکن نیکی کے ثواب کے لیے کوئی حد متعین نہیں ہے۔ یہاں جو ثواب ملے گا، اسے وصف و حساب میں نہیں لایا جا سکتا نیز اس بات کی بھی وضاحت ہوگئی کہ عمل و ایمان کے اعتبار سے مرد اور عورت برابر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ یوں اس جاہلی موقف کو مسترد کر دیا کہ عورت ناپاک جنس

النصف

النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ
بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ
اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا
تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي
الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ
وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ
اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ
بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا
مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ
الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ
عَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا
اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَ اِذْ

بلاتا ہوں اور تم مجھے آتش کی طرف بلاتے ہو؟ ﴿۴۲﴾ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اسے اللہ کا شریک قرار دوں جس کا مجھے علم ہی نہیں ہے اور میں تمہیں بڑے غالب آنے والے، بخشنے والے اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔☆ ﴿۴۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو اس کی نہ دنیا میں کوئی دعوت ہے اور نہ آخرت میں اور ہماری بازگشت یقیناً اللہ کی طرف ہے اور حد سے تجاوز کرنے والے تو یقیناً جہنمی ہیں۔☆ ﴿۴۴﴾ جو بات (آج) میں تم سے کہہ رہا ہوں (کل) تم اسے ضرور یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ بندوں پر خوب نگاہ کرنے والا ہے۔ ﴿۴۵﴾ پس اللہ نے اس (مومن) کو ان کی بری چالوں سے بچایا اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔☆ ﴿۴۶﴾ وہ لوگ صبح و شام آتش جہنم کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور جس دن قیامت برپا ہوگی (تو حکم ہوگا) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔☆ ﴿۴۷﴾ اور جب وہ جہنم میں جھگڑیں گے تو کمزور

ہے۔

۴۲۔ مؤمن آل فرعون اپنے مؤقف اور مشرکین کے مؤقف میں موازنہ کر رہے ہیں کہ میں تمہیں آتش جہنم سے نجات کی طرف بلاتا ہوں۔ تم مجھے آتش کی طرف بلا رہے ہو۔ تمہارے مؤقف پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ ثابت کرے کہ خدا کا کوئی شریک کار ہے، جبکہ میرے مؤقف پر دلیل ہے، جس کی وجہ سے مجھے علم حاصل ہے کہ جس کی طرف میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں وہ عزیز اور غفار ہے۔

۴۳۔ اپنے مؤقف پر دلیل پیش کر رہے ہیں کہ جس شرک کی طرف تم بلا رہے ہو، اس کی طرف سے نہ کوئی رسول آیا ہے، نہ کوئی کتاب نازل ہوئی، نہ کوئی معجزات پیش کیے گئے ہیں۔ لہٰذا تمہارے شریکوں کی طرف سے نہ دنیا کے لیے کوئی دعوت ہے کہ ان کی طرف سے کوئی دستور حیات دیا گیا ہو، نہ آخرت کے لیے کوئی دعوت ہے کہ ابدی زندگی کے لیے سعادت کا کوئی پیغام دیا گیا ہو۔

۴۵۔ اس مؤمن نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا تو اللہ نے اسے فرعونیوں کی بری چال سے بچا لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعونیوں نے اس مؤمن کے خلاف کوئی قدم اٹھایا ہے، جسے اللہ نے ناکام بنا دیا۔

۴۶۔ برزخ میں شہیدوں اور بلند درجات والے

يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ

درجے کے لوگ بڑا بننے والوں سے کہیں گے: ہم تو تمہارے تابع تھے، تو کیا تم ہم سے آتش کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو؟☆ ﴿۴۸﴾ بڑا بننے والے کہیں گے: ہم سب اس (آتش) میں ہیں، اللہ تو بندوں کے درمیان یقیناً فیصلہ کر چکا ہے۔ ﴿۴۹﴾ اور جو لوگ آتش جہنم میں ہوں گے وہ جہنم کے کارندوں سے کہیں گے: اپنے رب سے درخواست کرو کہ ہم سے ایک دن کے لیے عذاب میں تخفیف کرے۔ ﴿۵۰﴾ وہ کہیں گے: کیا تمہارے پیغمبر واضح دلائل لے کر تمہارے پاس نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں، تو وہ کہیں گے: پس درخواست کرتے رہو اور کفار کی درخواست بے نتیجہ ہی رہے گی۔☆ ﴿۵۱﴾ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے رہیں گے اور اس روز بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔☆ ﴿۵۲﴾ اس روز ظالموں کو ان کی معذرت فائدہ نہیں دے گی اور ان پر لعنت پڑے گی اور ان کے لیے بدترین ٹھکانا ہوگا۔☆

مؤمنوں اور سنگین جرائم کے مرتکب کافروں کے لیے برزخی زندگی ہوگی۔ اس آیت سے یہی ثبوت ملتا ہے کہ آل فرعون کو برزخی زندگی میں صبح و شام دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور قیامت آنے پر انہیں شدید عذاب دیا جائے گا۔

۴۷۔ انہیں معلوم ہے کہ وہ نہیں بچا سکتے۔ یہ بات صرف انہیں مزید خوار کرنے کے لیے یا دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے کہہ رہے ہوں گے۔ یا ممکن ہے دنیا میں ان سرداروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی عادت راسخ ہوگئی تھی، اس کے تحت آخرت میں بھی ان کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہوں۔

۵۰۔ یعنی اگر تم پر انبیاء کی طرف سے حجت پوری ہوگئی تھی تو آج تمہاری دعا کی شنوائی نہ ہوگی۔

۵۱۔ اس موضوع پر حاشیہ سورہ صافات آیت ۱۷۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۵۲۔ یا تو یہ لوگ معذرت پیش کر ہی نہ سکیں گے یا ان کی معذرت قبول نہ ہوگی۔ معذرت کا قبول ہونا ایک قسم کی رحمت ہے۔ یہ لوگ رحمت الٰہی سے دور ہوں گے۔

۵۳۔ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لحاظ سے ہے: ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے مقابلے کے لیے مامور کیا تو انہیں کامیاب بنانا ہمارے ذمے تھا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کامیاب بنایا اور بنی

وَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡهُدٰی وَ اَوۡرَثۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡکِتٰبَ ﴿ۙ۵۳﴾ هُدًی وَّ ذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِبۡکَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰهُمۡ ۙ اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ اِلَّا کِبۡرٌ مَّا هُمۡ بِبَالِغِیۡهِ ۚ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اَکۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَ مَا یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَ الۡبَصِیۡرُ ۬ۙ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

﴿۵۳﴾ اور بتحقیق ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو ہم نے اس کتاب کا وارث بنایا،☆ ﴿۵۴﴾ جو صاحبان عقل کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ ﴿۵۵﴾ پس آپ صبر کریں، یقینا اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اپنے گناہ کے لیے استغفار کریں اور صبح و شام اپنے رب کی ثناء کے ساتھ تسبیح کریں۔☆ ﴿۵۶﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، ان کے دلوں میں بڑائی کے سوا کچھ نہیں، وہ اس (بڑائی) تک نہیں پہنچ پائیں گے، لہٰذا آپ اللہ کی پناہ مانگیں، وہ یقینا خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ ﴿۵۷﴾ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے خلق کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔☆ ﴿۵۸﴾ اور نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے نیز نہ ہی ایماندار اور عمل صالح بجالانے والے اور بدکار، تم لوگ بہت کم نصیحت

اسرائیل کو ہم نے کتاب کا وارث بنایا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک لطیف اشارہ ہے: جس ذات نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے مقابلے میں کامیابی عنایت کی ہے، وہ آپ کو بھی کامیابی عنایت کرے گا۔

۵۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ بیان کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرمایا: جب طاغوتوں کا انجام آپ نے دیکھ لیا تو درپیش مشکلات کے لیے صبر سے کام لیں۔ ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی مدد کرنے والے ہیں۔ وَّ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ اپنے گناہ کے لیے استغفار کر۔ یعنی اپنے قصور کے لیے تلافی طلب کر۔ واضح رہے، ہر ایک کا قصور اس کے مقام کے مطابق ہوتا ہے۔ غیر معصوم کا قصور یہ ہے کہ امر مولا کی مخالفت کرے۔ معصوم کا قصور یہ احساس ہے کہ بندگی کا حق ادا نہ ہوا۔ چنانچہ معرفت الٰہی میں مستغرق ہونے کے باوجود یہ احساس ہے: ما عرفنک حق معرفتک۔ (بحار الانوار ۶۸: ۲۳) چنانچہ نبی اور رسول یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا برگزیدہ ہوں کہ مجھے اپنی رسالت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ لیکن کسی نبی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں نے بندگی کا حق ادا کیا ہے۔ اس آیت میں وعدۂ نصرت کے بعد استغفار کا حکم اس بات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی تحریک میں کچھ افراد کی وجہ سے جو قصور ہے، اس کی تلافی کر۔ چونکہ غفران کے ایک معنی تلافی کے ہیں۔

۵۷۔ کفار حیات بعد از موت کو بعید از امکان سمجھتے

الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ

وقف لازم

قبول کرتے ہو۔ ﴿۵۹﴾ قیامت یقیناً آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۶۰﴾ اور تمہارا رب فرماتا ہے: مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ از راہ تکبر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں یقیناً وہ ذلیل ہو کر عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے۔☆ ﴿۶۱﴾ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا، اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿۶۲﴾ یہی اللہ تمہارا رب ہے جو ہر چیز کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟ ﴿۶۳﴾ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹکتے رہے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ ﴿۶۴﴾ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار اور آسمان کو عمارت بنایا اور اسی نے تمہاری صورت بنائی تو بہترین صورت بنائی اور تمہیں پاکیزہ رزق دیا، یہی اللہ

تھے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اس وسیع و عریض کائنات کا بنانا، انسانوں کے بنانے سے بہت بڑا کام ہے۔ جس ذات نے اس عظیم کائنات کو بنایا ہے، اس کے لیے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

۶۰۔ آیت کا سیاق بتلاتا ہے کہ دعا کرنا عین عبادت ہے اور جو لوگ تکبر کے باعث اللہ کی عبادت نہیں کرتے، وہ خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے نیز اس آیت میں ایک حکم اور ایک وعدہ ہے۔ اُدْعُوْنِیْ دعا کا حکم ہے اور اَسْتَجِبْ لَكُمْ اجابت دعا کا وعدہ ہے۔ لہٰذا کوئی اس حکم کی تعمیل کرے اور حقیقی معنوں میں دعا کا عمل انجام دے تو اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ چنانچہ دعاؤں میں یہ جملہ ملتا ہے: اللھم انی قد دعوتک کما امرتنی فاستجب لی کما وعدتنی۔ اے اللہ میں نے تیرے حکم کی تعمیل میں دعا کی ہے، لہٰذا تو اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے میری دعا قبول فرما۔ اس موضوع پر مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ: ۱۸۶۔

۶۴۔ آیت میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک یہ کہ اللہ نے زمین کو اس طرح بنایا کہ انسانی زندگی کے لیے بہترین جائے قرار بن جائے اور آسمان کا گنبد اس طرح بنایا کہ انسان زمین پر آسمانی آفتوں سے محفوظ رہے۔ دوسری بات یہ کہ خود انسان کی تصویر کشی اس طرح کی کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو مسخر کر سکے نیز اللہ نے انسان کی صورت بنائی تو بڑی ہی عمدہ بنائی کہ ہر شے انسان کے لیے مسخر ہو

لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً
وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ
مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ
اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ اِنِّيْ
نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَ
اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ
الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ
مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ
لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَ
مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا

تمہارا رب ہے، پس بابرکت ہے وہ اللہ جو عالمین کا رب ہے۔☆ ﴿۶۵﴾ وہی زندہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم دین کو اس کے لیے خالص کر کے اسی کو پکارو، ثنائے کامل ہے اس اللہ کے لیے جو عالمین کا رب ہے۔☆ ﴿۶۶﴾ کہد یجیے: مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلائل آچکے ہیں اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں رب العالمین کا تابع فرمان رہوں۔☆ ﴿۶۷﴾ وہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر لوتھڑے سے پھر تمہیں بچے کی صورت میں پیدا کرتا ہے پھر (تمہاری نشو ونما کرتا ہے) تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ پھر (تمہیں مزید زندگی دیتا ہے) تا کہ تم بڑھاپے کو پہنچ پاؤ اور تم میں سے کوئی تو پہلے ہی مرجاتا ہے اور (بعض کو مہلت ملتی ہے) تا کہ تم اپنے مقررہ

اور انسان کسی کے لیے مسخر نہ ہو۔

پھر فرمایا: وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور تمہیں پاکیزہ رزق دیا۔ پھر فرمایا: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے، جس نے تمہاری صورت بنائی اور تم کو رزق دیا۔ وہی تمہارا رب ہے۔ اس سے رب کی تعریف نکل آئی۔

۶۵۔ پکارنا اسی کو چاہیے جو ہمیشہ زندہ ہو، نہ وہ غافل ہو، نہ اسے نیند آتی ہو۔ ہر زندہ کی زندگی اللہ کی طرف سے ہے، لیکن اللہ بذات خود زندہ ہے۔ یعنی اللہ خود حیات سے عبارت ہے۔ خود حیات کے بارے میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کہاں سے آئی۔ جار کا وجود ہے یا نہیں؟ سوال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جار ہے، تو یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اس کے اندر جفت کہاں سے آیا؟ کیونکہ جب چار ہے تو وہ بذات خود جفت ہے۔

۶۶۔ دلیل کے بغیر نہ کوئی بات مانی جاتی ہے، نہ رد ہو سکتی ہے اور دلیل آنے کے بعد وہ بات ترک نہیں ہوسکتی۔

۶۷۔ یعنی کوئی تو اپنی طبعی عمر پوری کر لیتا ہے اور کوئی طبعی عمر پوری کرنے سے پہلے مرجاتا ہے۔ مقررہ وقت وہ ہوتا ہے جس میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں ہوتا، خواہ کتنی لمبی عمر کیوں نہ گزاری جائے۔ مقررہ وقت تک تم کو زندگی اس لیے دی جاتی ہے کہ تم اپنے انسانی مقام پر فائز ہونے کے لحاظ سے عقل سے کام لو، بصورت دیگر تمہاری اور جانوروں کی زندگی میں کیا فرق رہ جائے گا؟

۶۸۔ جب زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور

مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِىْ
يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا
يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ
يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ
رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ
فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِى
الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِى النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ
قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ
نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ
فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ

ع ۸ / ۱۴ — معانقة ۱۳

وقت کو پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل سے کام لو۔☆ ﴿۶۸﴾ وہی تو ہے جو زندگی دیتا ہے اور وہی موت بھی دیتا ہے پھر جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے: ہوجا! پس وہ ہوجاتا ہے۔☆ ﴿۶۹﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں؟ یہ لوگ کہاں پھرے جاتے ہیں؟ ﴿۷۰﴾ جنہوں نے اس کتاب کی اور جو کچھ ہم نے پیغمبروں کو دے کر بھیجا ہے اس کی تکذیب کی ہے، انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔☆ ﴿۷۱﴾ جب طوق اور زنجیریں ان کی گردنوں میں ہوں گی، گھسیٹے جارہے ہوں گے، ﴿۷۲﴾ کھولتے پانی کی طرف، پھر آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔ ﴿۷۳﴾ پھر ان سے پوچھا جائے گا: کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے، ﴿۷۴﴾ اللہ کو چھوڑ کر؟ وہ کہیں گے: وہ تو ہم سے ناپید ہو گئے بلکہ ہم تو پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہیں تھے، اسی طرح کفار کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے۔☆ ﴿۷۵﴾ یہ (انجام) اس لیے ہوا کہ تم زمین میں حق کے برخلاف (باطل پر) خوش ہوتے تھے اور

---

جب کسی چیز کی ایجاد کے لیے صرف اللہ کا ایک فیصلہ کافی ہے تو اس کے لیے اعادۂ حیات میں کون سی رکاوٹ پیش آئے گی۔

۷۰۔ اس کتاب سے مراد قرآن ہی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی تکذیب کے انجام سے عنقریب آگاہ ہو جائیں گے، جب وہ جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

۷۴۔ جو لوگ دنیا میں غیر اللہ کو پکارتے اور اوہام پرستی میں مبتلا تھے، کل قیامت کے دن انہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ غیر اللہ اپنا وجود تک نہیں رکھتے تھے۔ اب ان کی سمجھ میں آئے گا کہ ہم دنیا میں ایک لا شیٔ کی پرستش کیا کرتے تھے۔

۷۵۔ فَرِحَ خوش ہونا اور مَرِحَ حد سے زیادہ خوش ہونا۔ فرح اور وہ خوشی مذموم ہے جو آخرت کا انکار یا اسے فراموش کر کے صرف دنیا کی آسائشوں پر منائی جائے یا اہل حق کے خلاف از راہ تمسخر خوش ہوا جائے۔ ورنہ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونے میں نہ صرف کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ خوشی اللہ کو پسند ہے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (یونس: ۵۸)۔ کہد یجیے یہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے، پس انہیں چاہیے اس پر خوشی منائیں۔ جبکہ فَرِحَ اترانے کی مطلق ممانعت ہے، کیونکہ اترانے کی کوئی صورت مستحسن نہیں ہے۔

۷۷۔ آپ ﷺ صبر کریں، چونکہ ان کافروں کے لیے

تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى
الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ
حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ
اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ
اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ
قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ
عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ
بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع
اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا
مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا
مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ

اس کا بدلہ ہے کہ تم اترایا کرتے تھے۔☆ ﴿۷۶﴾ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جس میں تم ہمیشہ رہو گے، تکبر کرنے والوں کا کتنا برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۷۷﴾ پس آپ صبر کریں، یقینا اللہ کا وعدہ سچا ہے، اب انہیں ہم نے جو وعدہ (عذاب) دیا ہے اس میں سے کچھ حصہ ہم آپ کو (زندگی ہی میں) دکھا دیں یا آپ کو دنیا سے اٹھا لیں، بہرحال انہیں ہماری طرف پلٹ کر آنا ہے۔☆ ﴿۷۸﴾ اور بتحقیق ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں، ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور بعض کے حالات آپ سے بیان نہیں کیے اور کسی پیغمبر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے، پھر جب اللہ کا حکم آگیا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور اس طرح اہل باطل خسارے میں پڑ گئے۔☆ ﴿۷۹﴾ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور بعض کا گوشت کھاؤ۔☆ ﴿۸۰﴾ اور تمہارے لیے ان میں منفعت ہے اور تاکہ تمہارے دلوں

---

جو وعدۂ عذاب ہے وہ پورا ہوکر رہنا ہے۔ خواہ اس عذاب کا کچھ حصہ آپ ﷺ کی زندگی میں ان پر آئے یا آپ ﷺ کی زندگی میں یہ عذاب آنے سے پہلے ہم آپ ﷺ کو اس دنیا سے اٹھالیں۔ اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے، عذاب تو ان پر بہرحال آنا ہے، آپ ﷺ کی زندگی کے بعد ہی سہی۔

۷۸۔ معجزہ یعنی فیصلہ کن اقدام۔ امت کی طرف سے مطالبے پر معجزہ دکھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ کن اقدام کیا جائے۔ یعنی ان کے مطالبے کے مطابق معجزہ دکھانے کے بعد اگر ایمان نہ لائیں تو فوری طور پر تباہی آجائے۔ لہٰذا معجزے کا مطالبہ کرنے والے خود اپنی تباہی کا مطالبہ کررہے ہوتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ ہنوز انہیں ڈھیل دی جائے۔

۷۹۔ اللہ نے حیوانات کو انسان کے لیے مسخر بنایا ہے۔ چنانچہ انسان حیوانات پر سواری کرتا ہے، باربرداری کا کام لیتا ہے، ان سے دودھ گوشت حاصل کرتا ہے، ان کی کھال بال اون اور گوبر تک سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے ان حیوانات کا مخدوم بنایا ہے، وہ الٹا حیوانات کو مخدوم بنا لیتا ہے اور گاؤ پرستی جیسی حیوان پرستی اختیار کر کے اپنی انسانی اقدار کو پامال کرتا ہے۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ (عبس: ۱۷)۔ مردہ باد یہ انسان۔ کس قدر ناشکرا ہے!

صُدُوۡرِکُمۡ وَعَلَیۡہَا وَ عَلَی الۡفُلۡکِ تُحۡمَلُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ ٭ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُنۡکِرُوۡنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡہُمۡ وَاَشَدَّ قُوَّۃً وَّاٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَحَاقَ بِہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَحۡدَہٗ وَکَفَرۡنَا بِمَا کُنَّا بِہٖ مُشۡرِکِیۡنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمۡ یَکُ یَنۡفَعُہُمۡ اِیۡمَانُہُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ فِیۡ

میں (کہیں جانے کی) حاجت ہوتو ان پر (سوار ہو کر) پہنچ جاؤ نیز ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو۔ ﴿۸۰﴾ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے پس تم اس کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے۔☆ ﴿۸۱﴾ کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ انہیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ تعداد میں ان سے کہیں زیادہ تھے نیز طاقت اور زمین میں (اپنے) آثار چھوڑنے میں بھی ان سے زیادہ تھے، (اس کے باوجود) جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔☆ ﴿۸۲﴾ پھر جب ان کے پیغمبر واضح دلائل کے ساتھ ان کے پاس آئے تو وہ اس علم پر نازاں تھے جو ان کے پاس تھا، پھر انہیں اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔☆ ﴿۸۳﴾ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم خدائے واحد پر ایمان لاتے ہیں اور جسے ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اس کا انکار کرتے ہیں۔☆ ﴿۸۴﴾ لیکن ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان ان کے لیے فائدہ مند نہیں رہے گا، یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں

۸۱۔ توحید و آخرت پر موجود نشانیوں کے باوجود تم اور کس نشانی کی توقع رکھتے ہو۔

۸۲۔ قرآن درس عبرت حاصل کرنے کے لیے ارضی مطالعہ کو نہایت اہمیت دیتا ہے، جس سے طاغوتوں اور ظالموں کے انجام کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ اسی سورہ میں آیت ۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔ وہی مضمون یہاں دوبارہ بیان فرمایا ہے۔

۸۳۔ علوم انبیاءؑ کے مقابلے میں وہ اپنے دنیاوی علوم اور مفروضوں پر ناز کرتے ہیں۔ یَعۡلَمُوۡنَ ظَاہِرًا مِّنَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۔ (روم: ۷) آج بھی ہم یہی مشاہدہ کرتے ہیں کہ سائنسی باتیں خواہ ابھی تھیوری کے مرحلے میں ہی کیوں نہ ہوں، لوگوں میں علوم انبیاء سے زیادہ قابل توجہ ہوتی ہیں، بلکہ دینی علوم کا مزاح اڑاتی ہیں۔

۸۴۔ ۸۵ جب عذاب کا مشاہدہ ہو گا تو سارے پردے ہٹ چکے ہوں گے۔ حقائق سامنے آ گئے ہوں گے۔ اس وقت ایمان لے آنا ایک قہری امر ہے۔ اس قہری ایمان کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تمام بندوں کے لیے بلا استثنا اللہ کا دستور یہ ہے کہ موت سامنے آنے اور عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد نہ توتوبہ قبول ہوگی، نہ ایمان کا کوئی فائدہ ہوگا۔

عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع

آیاتها ۵۴ — ۴۱ سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۱ — رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

چلی آ رہی ہے اور اس وقت کفار خسارے میں پڑ گئے۔☆

سورہ حٰمٓ سجدہ۔ مکی۔ آیات ۵۴

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) حا، میم۔ (۲) خدائے رحمٰن رحیم کی نازل کردہ (کتاب) ہے۔ (۳) ایسی کتاب جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں، ایک عربی (زبان کا) قرآن علم رکھنے والوں کے لیے، ☆ (۴) بشارت دیتا ہے اور تنبیہ بھی کرتا ہے لیکن ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا ہے پس وہ سنتے نہیں ہیں۔ (۵) اور وہ کہتے ہیں: جس چیز کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس کے لیے ہمارے دل غلاف میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بھاری پن (بہرا پن) ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے، پس تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ (۶) کہد یجیے: میں بھی تم جیسا آدمی ہوں، میری طرف وحی ہوتی ہے کہ ایک اللہ ہی تمہارا معبود ہے لہٰذا تم اس کی طرف سیدھے رہو اور اسی سے مغفرت مانگو اور تباہی ہے ان مشرکین کے لیے، (۷) جو زکوۃ

### حٰمٓ سجدہ

۳۔ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات واضح ہیں۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے۔ لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ یعنی یہ قرآن ایسی قوم کے لیے ہے جو اس کے معانی کا علم رکھتی ہے۔ خواہ عرب ہو یا غیر عرب۔ چونکہ قرآن کے معانی پر علم حاصل کرنے کے لیے عرب ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ اس صورت میں ہے، اگر ہم يَعْلَمُوْنَ کے بعد معانیہ کو مفعول تصور کریں اور اگر ہم يَعْلَمُوْنَ کو متروک المفعول تصور کرتے ہیں تو آیت کا یہ مطلب بنتا ہے: یہ قرآن ان لوگوں کے لیے ہے جو علم رکھتے ہیں۔ اس صورت میں مطلق علم مراد ہو گا۔ یعنی قرآن سے استفادہ وہی لوگ کریں گے جو علم و آگہی رکھتے ہیں۔

۱۰۔ مفسرین اس آیت کو قرآن کے اس مسلمہ اصول پر تطبیق کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پیدا کیا اور ان آیات کے مطابق دن چھ نہیں آٹھ دن بنتے ہیں۔ اس لیے مختلف توجیہات و تاویلات کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ آیت اس بات سے مربوط نہیں ہے کہ آسمان اور زمین کتنے دنوں میں پیدا کئے گئے۔ اگرچہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق کے چار دنوں کا ذکر ہے، باقی کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ پوری کائنات کے پیدا کرنے میں جو چھ دن لگے ہیں، وہ آسمان زمین اور انسان اور ان میں موجود اشیاء سب کے بارے میں

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾ ع قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹﴾ ج وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ

ع ۸/۱۵

نہیں دیتے اور جو آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿۸﴾ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح بجالائے یقیناً ان کے لیے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے۔ ﴿۹﴾ کہہ دیجیے: کیاتم اس ذات کا انکار کرتے ہو اور اس کے لیے مدمقابل قرار دیتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا؟ وہی تو عالمین کا رب ہے۔ ﴿۱۰﴾ اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکات رکھ دیں اور اس میں چار دنوں میں حاجتمندوں کی ضروریات کے برابر سامان خوراک مقرر کیا۔☆ ﴿۱۱﴾ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھواں تھا پھر آسمان اور زمین سے کہا: دونوں آجاؤ خواہ خوشی سے یا کراہت سے، ان دونوں نے کہا: ہم بخوشی آگئے۔☆ ﴿۱۲﴾ پھر انہیں دو دنوں میں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کا حکم پہنچا دیا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور محفوظ بھی بنایا، یہ سب

ہے۔ جبکہ اس آیت میں و ما بینھما کا ذکر نہیں ہے اور اس کی جگہ زمین کی تخلیق کے بعد کے مراحل کے چار ایام کا ذکر ہے، جن کا تخلیق کے چھ دنوں سے ربط نہیں ہے، بلکہ زمین کی تخلیق کے بعد اس میں بسنے والوں کے لیے اسے قابل سکونت بنانے کا ذکر ہے۔

۱۱۔ دھوئیں سے مراد وہ منتشر مادہ ہوسکتا ہے جو کائنات کی تخلیق سے پہلے فضا میں ایک غبار کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ ممکن ہے یہ مادہ وہی ہو جس کو آج کل کے سائنسدان سحابیہ (Nebula) کہتے ہیں۔ تاہم ان سائنسی نظریات پر، جو اکثر تھیوری کے مراحل میں ہوتے ہیں، قرآنی حقائق کا انطباق کرنا درست نہیں ہے۔ زمین و آسمان کا فرمانبردار ہو کر آنا کن کے جواب میں فیکون کی طرح اللہ کے ارادے کے حتمی نفاذ کا ذکر ہے۔

۱۲۔ کائنات کے بنانے میں جو دن صرف ہوئے ہیں ان سے مراد ہمارے یہاں کے دن نہیں ہو سکتے، کیونکہ زمانہ، تخلیق کائنات کے بعد وجود میں آیا ہے۔

"دنیا کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے" فرمانے سے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر تارے اور کہکشائیں انسان کے لیے قابل ادراک ہیں، وہ سب آسمان اول سے متعلق ہیں۔ دیگر آسمانوں کے بارے میں اب تک ہمارے علم میں کچھ بھی نہیں ہے۔ آسمان اول کو ان ستاروں سے مزین کیا اور محفوظ بھی کیا۔ چنانچہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ شہاب ثاقب سے مراد آسمان

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۱۲ فَاِنْ
اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ
صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝۱۳ اِذْ جَآءَتْهُمُ
الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَاۗءَ رَبُّنَا
لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ۝۱۴ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا
قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ
هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَجْحَدُوْنَ ۝۱۵ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا
صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ

بڑے غالب آنے والے، دانا کی تقدیر سازی ہے۔☆
(۱۳) اگر یہ منہ پھیر لیں تو کہہ دیجیے: میں نے تمہیں ایسی بجلی
سے ڈرایا ہے جیسی بجلی قوم عاد و ثمود پر آئی تھی۔☆
(۱۴) جب ان کے پاس پیغمبر آ گئے تھے ان کے سامنے اور
پیچھے سے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو وہ کہنے لگے: اگر
ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل کرتا پس جس پیغام کے ساتھ
تم بھیجے گئے ہو ہم اسے نہیں مانتے۔☆ (۱۵) مگر عاد نے
زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا: ہم سے بڑھ کر طاقتور کون ہے؟
کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے وہ
ان سے زیادہ طاقتور ہے؟ (اس طرح) وہ ہماری آیات کا
انکار کرتے تھے۔ (۱۶) تو ہم نے منحوس ایام میں ان پر
طوفانی ہوا چلا دی تا کہ ہم دنیاوی زندگی ہی میں انہیں رسوائی
کا عذاب چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو زیادہ رسوا کن

---

اول کے ستارے ہیں، جن میں راز ہائے قدرت محفوظ ہیں۔

وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آسمان کا اپنا اپنا نظام ہے، جیسا کہ آسمان اول کو جو ہمارے مشاہدے میں ہے، ستاروں سے مزین کیا۔ باقی آسمانوں کے بارے میں نہیں فرمایا کہ ان میں کس قسم کا نظام نافذ ہے۔ ممکن ہے ان آسمانوں میں زمان و مکان کا وہ تصور موجود نہ ہو جو ہمارے لیے قابل فہم ہے۔

۱۳۔ اگر یہ لوگ ان تعلیمات سے منہ پھیر لیتے ہیں جو قرآن پیش کرتا ہے۔ یعنی خدائے واحد کی بندگی سے ہر قسم کے شرک کی نفی اور دوسری زندگی میں اللہ کے سامنے حساب کے لیے حاضر ہونا وغیرہ سے، تو ان کا حشر وہی ہوگا جو عاد و ثمود کا ہوا ہے۔

۱۴۔ عاد و ثمود کی طرف رسول آئے۔ ان کے سامنے اور پیچھے سے۔ یعنی ایک رسول کے بعد دوسرے رسول آئے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں: رسولوں نے ہر پہلو سے پیغام پہنچایا۔ کسی پہلو کو تشنہ نہیں رکھا۔ مشرکین رسولوں کے منکر تھے ان کا یہ موقف تھا کہ اللہ نے کسی بشر کو رسول نہیں بنایا، نہ ہی بشر اس قابل ہے کہ وہ اللہ کی نمائندگی کرے۔ یہ کام اللہ فرشتوں سے لے سکتا تھا۔ چونکہ کوئی فرشتہ رسول بن کر نہیں آیا، اس لیے اللہ نے کسی رسول کو مبعوث نہیں کیا۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَ هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ

ع ۱۶

ہے اور ان کی مدد بھی نہیں کی جائے گی۔☆ ﴿۱۷﴾ اور (ادھر) ثمود کو تو ہم نے راہ راست دکھادی تھی مگر انہوں نے ہدایت کی جگہ اندھا رہنے کو پسند کیا تو انہیں ان کے اعمال کے سبب ذلت آمیز عذاب کی بجلی نے گرفت میں لے لیا۔ ﴿۱۸﴾ اور ہم نے انہیں بچالیا جو ایمان لے آتے تھے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے۔ ﴿۱۹﴾ اور جس دن اللہ کے دشمن جہنم کی طرف چلائے جائیں گے تو انہیں روک لیا جائے گا۔ ﴿۲۰﴾ یہاں تک کہ جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔☆ ﴿۲۱﴾ تو وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی: اسی اللہ نے ہمیں گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی دی اور اسی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اور تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔☆ ﴿۲۲﴾ اور تم (گناہ کے وقت)

۱۶۔ وہ دن منحوس نہیں تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ دن سب کے لیے منحوس ہو جاتے، بلکہ ان دنوں میں عذاب آنے کی وجہ سے یہ دن قوم عاد کے لیے منحوس ہو گئے۔

۲۰۔ جس جسم کے ساتھ دنیا میں جرم کیا ہے اسی جسم کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ وہی سیل (cell) اکٹھے کر دیے جائیں گے، جن سے دنیا میں اس کا جسم مرکب تھا۔ اگرچہ دنیا میں انسان کا جسم بدلتا رہتا ہے، تاہم اللہ کے لیے یہ کام دشوار نہیں کہ جس جسم کے ساتھ جرم سرزد ہوا ہے، وہی جسم حاضر کیا جائے۔ کوئی جرم جوانی میں سرزد ہوا ہے تو اس جسم سے، بڑھاپے میں سرزد ہوا ہے تو اس جسم سے گواہی لی جائے، چونکہ اس کی ہر حرکت اس کے جسم کے ہر سیل (cell) کے کوڈ میں ملفوف ہوگی۔

۲۱۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر وہ چیز بول اٹھے گی جس سے انسانی عمل کا ربط ہے نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہر چیز اپنی جگہ شعور رکھتی ہے، خواہ دنیا میں ہم ان کے شعور کا شعور نہیں رکھتے۔ یَوْمَىٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا (زلزال: ۴) اس دن زمین اپنی سرگزشت سنادے گی۔

۲۲۔ یہ غافل انسان اس بات کی طرف متوجہ نہیں کہ اس کی ہر حرکت ہر سو اور ہر جانب سے زیر نظر ہے۔ اول تو خود اللہ تعالیٰ براہ راست اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے، اس کے ہر عمل کی نگرانی کر

يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا
جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ
كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ
ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ
مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ
الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا
لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ
عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا
ع خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا
تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ
تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اپنے کان کی گواہی سے اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتے تھے اور نہ اپنی آنکھوں اور نہ اپنی کھالوں کی (گواہی سے) بلکہ تمہارا گمان یہ تھا کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر نہیں ہے۔☆ ﴿۲۲﴾ اور یہ تمہارا گمان تھا، جو گمان تم اپنے رب کے بارے میں رکھتے تھے اسی نے تمہیں ہلاک کر دیا اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گئے۔☆ ﴿۲۳﴾ پس اگر وہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانا آتش ہے اور اگر وہ معذرت کریں تو ان کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ ﴿۲۴﴾ اور ہم نے ان کے ساتھ ایسے ہم نشین لگا دیے تھے جو انہیں ان کے اگلے اور پچھلے اعمال کو خوشنما بنا کر دکھاتے تھے اور ان پر بھی وہی فیصلہ حتمی ہو گیا جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں کی امتوں پر لازم ہو چکا تھا، وہ یقینا خسارے میں تھے۔ ﴿۲۵﴾ اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں: اس قرآن کو نہ سنا کرو اور اس میں شور مچا دیا کرو تا کہ تم غالب آ جاؤ۔☆ ﴿۲۶﴾ پس ہم کفار کو ضرور

---

رہا ہے۔ پھر زمین کی نظر بھی اس کی ہر حرکت پر جمی ہوئی ہے۔ قیامت کے دن زمین بھی گواہی دے گی، اس کے علاوہ دوسرے گواہان بھی۔

۲۳۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مؤمن کو چاہیے کہ اس طرح اللہ کا خوف رکھے گویا کہ وہ آتش کے دھانے پر ہے اور اس طرح امید رکھے کہ گویا وہ اہل جنت میں سے ہے، پھر آیہ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ کی تلاوت فرمائی اور فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِهٖ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَ اِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔ یعنی اللہ اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہے، اچھا گمان ہو تو اچھا برتاؤ ہوگا اور برا گمان ہو تو برا برتاؤ۔

(الکافی ۸: ۳۰۲ ۔ مجمع البیان)

۲۶۔ جس کسی کے پاس عقل و منطق نہ ہوگی وہ دوسرے کا کلام، اس کی دلیل و موقف کو سننا گوارا نہیں کرے گا۔ کفار مکہ کے پاس قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی منطقی دلیل نہ تھی۔ سو وہ یہ کوشش کرتے تھے کہ قرآن کو ہرگز نہ سنیں۔

۲۹۔ دنیا میں جن فریب کار شیاطین انس و جن کے دھوکے میں رہے، قیامت کے دن پتہ چلے گا کہ ان رہنماؤں نے ان کو کہاں پہنچایا ہے۔ ہمارے بعض معاصر لوگ اپنے سادہ لوح معتقدین کو خون مسلم سے ان مہینوں میں اپنے ہاتھ رنگین کرنے پر آمادہ کرتے رہے، جن حرمت کے مہینوں میں جاہلیت

عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا

بالضرور سخت عذاب چکھائیں گے اور انہیں ان کے برے اعمال کی بدترین سزا ضرور دیں گے۔ (۲۸) یہی آتش دشمنان خدا کی سزا ہے۔ اس میں ان کے لیے ہمیشہ کا گھر ہے، یہ اس بات کی سزا ہے کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔ (۲۹) اور کفار کہیں گے: اے ہمارے رب! جنوں اور انسانوں میں سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا دونوں کو ہمیں دکھا دے تاکہ ہم انہیں پاؤں تلے روند ڈالیں تاکہ وہ خوار ہوں۔☆ (۳۰) جو کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے پھر ثابت قدم رہتے ہیں ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں) نہ خوف کرو نہ غم کرو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا تھا۔☆ (۳۱) ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی (تمہارے ساتھی ہیں) اور یہاں تمہارے لیے تمہاری من پسند چیزیں موجود ہیں اور جو چیز تم طلب کرو گے وہ تمہارے لیے اس میں

---

کے لوگ بھی انسان کے خون میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔

۳۰۔ یہ بلا انحراف تادم مرگ ایمان پر قائم رہنے والوں کا ذکر ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ رَبُّنَا اللّٰهُ کہنے والے بہت ہیں مگر بعد میں اکثر کافر ہوجاتے ہیں۔

قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ: اللہ کی ربوبیت کا اقرار نفی شرک ہے۔ نفی شرک کا مطلب تکوین وتشریع میں اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنا ہے۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا: اللہ کی ربوبیت اور اس کے تقاضوں پر تادم مرگ استقامت کے ساتھ، یعنی بغیر انحراف کے قائم رہنا ہے۔ استقامت والوں میں سے مرتد اور منافق خارج ہو ہی گئے، ساتھ وہ لوگ بھی خارج ہو گئے جو حدیث کے الفاظ کے مطابق ما احدثوا بعدک میں شامل ہیں۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ: فرشتے ایسے لوگوں پر حالت نزع میں نازل ہوں گے اور جنت کی بشارت دیں گے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نحل آیت ۳۲ اور قبر سے اٹھنے کے وقت بشارت دیں گے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۳۔

۳۱۔ دنیا میں فرشتے اس مومن کو شیاطین سے بچاتے رہے اور آخرت میں پیش آنے والے ہولناک مراحل میں نجات اور جنت کی خوشخبری دیتے جائیں

ع ۱۸

تَدَّعُوْنَ ۝۳۱ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝۳۲ وَ
مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ
صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۳ وَلَا
تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ
بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴ وَمَا
يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا
ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۳۵ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ
الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۶ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ
النَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا
لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ
خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۷ فَاِنِ

موجود ہوگی، ☆ (۳۲) اس ذات کی طرف سے ضیافت کے طور پر جو بڑا بخشنے والا رحیم ہے۔ (۳۳) اور اس شخص کی بات سے زیادہ کس کی بات اچھی ہو سکتی ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا: میں مسلمانوں میں سے ہوں ☆ (۳۴) اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتے، آپ (بدی کو) بہترین نیکی سے دفع کریں تو آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت تھی وہ گویا نہایت قریبی دوست بن گیا ہے۔☆ (۳۵) اور یہ (خصلت) صرف صبر کرنے والوں کو ملتی ہے اور یہ صفت صرف انہیں ملتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔☆ (۳۶) اور اگر آپ شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ محسوس کریں تو اللہ کی پناہ مانگیں وہ یقینا خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ (۳۷) اور رات اور دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں، تم نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ ہی چاند کو بلکہ اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تم صرف اللہ کی بندگی کرتے ہو۔ (۳۸) پس اگر یہ

---

گے۔

۳۳۔ انسان اپنی زندگی میں جو بھی باتیں کرتا ہے ان میں سب سے بہترین باتیں وہ ہیں جو دعوت الی اللہ کے سلسلے میں کی جائیں۔ حدیث میں آیا ہے لئن یھدی اللہ بک رجلا واحدا خیر لک من الدنیا و ما فیھا۔ (منیۃ المرید ۱۰۱) اللہ تیرے ذریعے ایک آدمی کی بھی ہدایت کرے، یہ تیرے لیے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سب سے بہتر ہے۔ چونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خود نیک نہیں ہے اور نیکی پر خود عمل نہیں کرتا، کسی ذاتی مفاد کی خاطر اللہ کی طرف دعوت دے تو اس دعوت میں کوئی ثواب نہیں ہے، بلکہ خود بھی عمل صالح کرنے والا ہو۔ کبھی ممکن ہے آدمی نیک ہو، ہمیشہ نیکی کرتا ہے، لیکن وہ مسلمان نہیں ہے، اسے بھی کوئی اجر نہیں ملے گا۔ لہٰذا اس دعوت کو قیمت ملنے کے لیے ضروری ہے کہ خود دعوت دینے والا قیمت رکھتا ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

۳۴۔ سابقہ آیت میں دعوت الی الحق کو بہترین گفتار قرار دینے کے بعد اس دعوت کو موثر بنانے کے لیے بہترین ذریعے کی نشاندہی فرمائی اور وہ یہ ہے کہ برائی کو نیکی سے دفع کرنا، جہالت کو علم اور بردباری سے، بداخلاقی کو حسن اخلاق سے، گستاخی کو عفو و درگزر سے، غرض بدسلوکی کو احسان سے دفع کرنا چاہیے۔ ہر انسان اپنی فطرت سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ نیکی اور بدی یکساں نہیں۔ ان کے اثرات بھی یکساں نہیں ہوتے۔ نیکی کا اولین اثر یہ ہوگا کہ

اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ۩ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۴۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ

لوگ تکبر کرتے ہیں تو جو (فرشتے) آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں۔ ﴿۳۹﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ زمین کو جمود کی حالت میں دیکھتے ہیں اور جب ہم اس پر پانی برسائیں تو وہ یکایک جنبش میں آتی ہے اور پھلنے پھولنے لگتی ہے، تو جس نے زمین کو زندہ کیا وہی یقیناً مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔☆ ﴿۴۰﴾ جو لوگ ہماری آیات میں ہیرا پھیری کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں کیا وہ شخص جو جہنم میں ڈالا جائے بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن کے ساتھ حاضر ہوگا؟ تم جو چاہو کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے یقیناً خوب دیکھنے والا ہے۔☆ ﴿۴۱﴾ جو لوگ اس ذکر کا انکار کرتے ہیں جب وہ ان کے پاس آجائے، حالانکہ یہ معزز کتاب ہے۔ ﴿۴۲﴾ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ حکمت والے اور لائق ستائش کی نازل کردہ ہے۔☆

---

تمہارا جانی دشمن تمہارا جگری دوست بن جائے گا۔

۳۵۔ برائی کے مقابلے میں احسان کرنا ہر شخص کے بس کا روگ نہیں۔ یہ کام وہ شخص کر سکتا ہے جسے اپنے نفس پر پورا کنٹرول ہو اور جو صبر و حوصلے کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔ کمال انسانی میں بڑے نصیب والے ہی ایسا کر سکتے ہیں۔

۳۶۔ کوئی کمینگی کا مظاہرہ کرے تو مد مقابل کو اکسانے کا شیطان کو ایک سنہرا موقع ملتا ہے۔ چنانچہ شیطان کہتا ہے کہ اس کمینے کو سبق سکھانا چاہیے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیے وغیرہ۔

یہاں اگر ایسا جذباتی ہیجان آجائے تو اللہ کی پناہ ڈھونڈنی چاہیے کہ وہی انسان کو شیطان کی اشتعال انگیزی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

۳۹۔ یہ روز کا مشاہدہ ہے کہ مردہ زمین میں پانی پڑنے سے جان آجاتی ہے اور سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ غافل انسان اسے روز کا معمول سمجھتا ہے، جبکہ یہ اس قادر مطلق کا کرشمہ ہے۔

۴۰۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ: تم جو چاہو کرو۔ یہ اس صورت کا بیان ہے جس میں اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور جس کو اللہ اپنے حال پر چھوڑ دے اس سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں ہے۔

۴۲۔ قرآن مجید کسی ایک، دو موضوع پر مشتمل کتاب نہیں ہے، بلکہ یہ حقائق کا بحر بیکراں ہے۔ اس میں

حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ
لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ
مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ
قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ
اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ
عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ ع
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ
فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

قرء حفص بتسہیل الہمزۃ الثانیۃ ۱۲

﴿۴۳﴾ آپ سے وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا ہے، آپ کا رب یقیناً مغفرت والا اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔ ﴿۴۴﴾ اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں قرار دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات کو کھول کر بیان کیوں نہیں کیا گیا؟ (کتاب) عجمی اور (نبی) عربی؟ کہہ دیجیے: یہ کتاب ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بھاری پن (بہرا پن) ہے اور وہ ان کے لیے اندھا پن ہے، وہ ایسے ہیں جیسے انہیں دور سے پکارا جاتا ہو۔☆ ﴿۴۵﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی بات پہلے طے نہ ہوئی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور وہ اس (قرآن) کے بارے میں شبہ پیدا کرنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۴۶﴾ جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لیے ہی کرتا ہے اور جو برا کام کرتا ہے خود اپنے ہی خلاف کرتا ہے اور آپ کا رب تو بندوں پر قطعاً ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

اخلاق، عقائد، احکام، قانون، تہذیب و تمدن اور معاشرت و معیشت اور سیاست سے متعلق حقائق کا بیان ہے۔ کسی باطل قوت کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ان حقائق میں سے کسی ایک حقیقت کو غلط ثابت کرے، خواہ قرآن پر اس کا یہ حملہ براہ راست ہو یا کسی سازش اور مکر و حیلہ کے ذریعے سے۔ یہ قرآن انسانیت کے لیے ایک دستور حیات اور اسلام کی حقانیت کے لیے ایک معجزہ ہے۔ ممکن نہیں اس معجزے کو کوئی باطل قوت بے اثر بنا دے اور اس کی معجزاتی حیثیت کو ختم کر دے۔ تاریخ انبیاء میں کسی معجزے کو کوئی طاقت گزند نہیں پہنچا سکی، خواہ فرعون و نمرود جیسے بڑے طاغوت ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تمام انبیاء کے سردار خاتم المرسلین ﷺ کا عظیم معجزہ قرآن یقیناً ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہا ہے اور رہے گا۔ جب دیگر انبیاء کے وقتی معجزے محفوظ اور غالب رہے ہیں تو ختمی مرتبت ﷺ کا یہ ابدی معجزہ کسی تحریف کنندہ کی زد میں کیسے آ سکتا ہے۔

۴۴۔ یہ قرآن اہل ایمان کے لیے ہدایت و شفا ہے، جبکہ یہی قرآن ان منکروں کے خلاف ایک حجت ہے جن کے لیے یہ قرآن دور سے آنے والی آواز کی طرح ہے جو سنائی دیتی ہے، لیکن سمجھ میں نہیں آتی۔

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ۚ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ وَاِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَـئِنۡ اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِىۡ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَـئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَـلۡحُسۡنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَلَـنُذِيۡقَنَّهُمۡ

﴿۴۷﴾ قیامت کا علم اللہ کی طرف پلٹا دیا جاتا ہے، اس کے علم کے بغیر نہ کوئی پھل اپنے شگوفوں سے نکلتا ہے اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے اور جس دن وہ انہیں پکارے گا: کہاں ہیں میرے شریک؟ تو وہ کہیں گے: ہم آپ سے اظہار کر چکے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی گواہی دینے والا نہیں ہے۔☆ ﴿۴۸﴾ اور جنہیں وہ پہلے پکارتے تھے وہ ان سے ناپید ہو جائیں گے اور وہ سمجھ جائیں گے کہ ان کے لیے کوئی خلاصی نہیں ہے۔ ﴿۴۹﴾ انسان آسودگی مانگ مانگ کر تو تھکتا نہیں لیکن جب کوئی آفت آ جاتی ہے تو مایوس ہوتا ہے اور آس توڑ بیٹھتا ہے۔☆ ﴿۵۰﴾ اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اسے اپنی رحمت کی لذت چکھائیں تو ضرور کہتا ہے: یہ تو میرا حق تھا اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر میں اپنے رب کی طرف پلٹایا بھی گیا تو میرے لیے اللہ کے ہاں یقیناً بھلائی ہے، (حالانکہ) کفار کو ان کے اعمال کے بارے میں ہم ضرور بتائیں گے وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں اور انہیں بدترین عذاب چکھائیں

۴۷۔ قیامت کب برپا ہو گی؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ کسی نبی مرسل کو علم ہے، نہ کسی مقرب فرشتے کو۔ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ان کے معبود ان کو رزق اور اولاد دیتے ہیں۔ ان کی رد میں فرمایا: اللہ کے علم کے بغیر نہ کوئی پھل اپنے شگوفوں سے نکلتا ہے، نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے۔

اس آیت میں ایک اس علم کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ سے مختص ہے۔ یعنی قیامت کا علم۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی کا ذکر ہے، جو ہر چیز کو شامل ہے۔ تیسرا اللہ کی ربوبیت و تدبیر کا ذکر ہے جو ہر چیز کو شامل ہے۔

وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ: یعنی قیامت کے دن مشرکین کو پکارے گا: کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جنہیں تم نے میرا شریک بنایا تھا؟ مشرکین جواب دیں گے: ہم اس سے پہلے بھی اظہار کر چکے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی ان سے یہی سوال ہوا تھا۔ ممکن ہے یہ سوال قبر میں نکیرین کی طرف سے ہو چکا ہو۔

۴۹۔ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ: یعنی اپنی خواہش کی چیزیں مانگ کر انسان نہیں تھکتا اور نہ ہی وہ کبھی دنیا کی بھلائی سے سیر ہوتا ہے اور جب اس پر کوئی آفت آ جاتی ہے تو وہ بہت جلد مایوسی کا شکار ہوتا ہے۔

۵۰۔ جب آفت کا وقت گزر جاتا ہے اور نعمتیں پھر سے لوٹ آتی ہیں تو وہ اپنے آپ کو اس کا حقدار سمجھتا ہے۔ قیامت پر اول تو اس کا ایمان ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے: اگر قیامت برحق ہے تو میں وہاں بھی عیاشی کروں گا۔ یہ دنیا میں مراعات کا عادی ہے، لہٰذا خیال کرتا ہے کہ آخرت کی مراعات بھی اسی کے لیے ہوں گی۔

مِّنۡ عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ﴿۵۰﴾ وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِہٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِیۡضٍ ﴿۵۱﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ثُمَّ کَفَرۡتُمۡ بِہٖ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ ہُوَ فِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ ؕ اَوَ لَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّہِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ﴿۵۴﴾ ع

آیاتہا ۵۳ — ۴۲ سُوۡرَۃُ الشُّوۡرٰی مَکِّیَّۃٌ ۶۲ — رکوعاتہا ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ کَذٰلِکَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡکَ وَ

گے۔☆ ﴿۵۱﴾ اور جب ہم انسان کو نعمت سے نوازتے ہیں تو وہ منہ پھیرتا اور اکڑ جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ ﴿۵۲﴾ کہد یجیے: مجھے بتاؤ کہ اگر (یہ قرآن) اللہ کی طرف سے ہو، پھر تم اس سے انکار کرو تو اس شخص سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اس (کی مخالفت) میں دور تک نکل گیا ہو؟ ﴿۵۳﴾ ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یقینا وہی (اللہ) حق ہے، کیا آپ کے رب کا یہ وصف کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر خوب شاہد ہے؟☆ ﴿۵۴﴾ آگاہ رہو! بے شک یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کے بارے میں شک میں ہیں، آگاہ رہو! یقینا وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

سورہ شوریٰ۔مکی۔آیات ۵۳

بنام خدائے رحمن رحیم

﴿۱﴾ حا، میم۔☆ ﴿۲﴾ عین، سین، قاف۔☆ ﴿۳﴾ اسی

۵۳۔ آفاق سے فتوحات اور انفس سے خود مشرکین کی سرنگونی کو مراد لیا جاتا ہے۔ یہ سوال کہ فتوحات حق کی دلیل نہیں ہے، باطل طاقتیں بھی فتوحات کر لیتی ہیں، درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں صرف فتوحات دلیل نہیں ہیں، بلکہ ان فتوحات کا قرآن کی پیشگوئی کے مطابق حاصل ہونا دلیل ہے۔ قرآن ان فتوحات کی مکی زندگی میں اس وقت خبر دے رہا ہے، جب وہاں ان فتوحات کے کوئی امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔

دوسری تفسیر یہ ہے: آفاق سے کائنات میں موجود نشانیاں اور انفس سے خود انسان کے وجود کے اندر موجود آیات کو مراد لیا گیا ہے۔ چنانچہ علمی ترقی کے ساتھ ساتھ آفاق و انفس میں پنہاں رازہائے قدرت سے روز بروز پردے اٹھتے جا رہے ہیں اور یہ سلسلہ حق کے نکل کر سامنے آنے تک جاری رہے گا۔

پہلی تفسیر کے مطابق اَنَّہُ الۡحَقُّ سے قرآن مراد ہے۔ دوسری تفسیر کے مطابق اَنَّہٗ قرآن بھی ہو سکتا ہے اور اللہ بھی۔

۵۴۔ اللہ سے فرار کا راستہ نہیں ہے، کیونکہ کل کائنات اللہ تعالیٰ کے حصار کے احاطے کے اندر ہے۔ لہٰذا ہر مکلف کو ہر صورت میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

سورہ شوریٰ

۱۔ ۲ یہ حروف مقطعات پانچ حروف پر مشتمل ہیں اور دو آیتیں شمار ہوتے ہیں، جبکہ کٓھٰیٰعٓصٓ بھی پانچ حروف پر مشتمل ہے، صرف ایک آیت شمار ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حروف مقطعات کے اندر مضامین ہیں، جن کی وجہ سے یہ مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑤ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦ وَلَوْ شَآءَ | طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلوں کی طرف بڑا غالب آنے والا، حکمت والا اللہ وحی بھیجتا رہا ہے۔ ④ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے اور وہ عالی مرتبہ، عظیم ہے۔ ⑤ قریب ہے کہ آسمان ان کے اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی ثناء کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اہل زمین کے لیے استغفار کرتے ہیں، آگاہ رہو! اللہ ہی بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ⑥ اور جنہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو سرپرست بنایا ہے اللہ ہی ان (کے اعمال) پر نگہبان ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ⑦ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن بھیجا ہے تاکہ آپ مکہ اور اس کے گرد و پیش میں رہنے والوں کو تنبیہ کریں اور اجتماع (قیامت) کے دن بارے میں بھی (تنبیہ کریں) جس میں کوئی شبہ نہیں ہے، (اس روز) ایک گروہ کو جنت جانا ہے اور دوسرے گروہ کو جہنم جانا ہے۔☆ ⑧ اور اگر اللہ چاہتا تو |

۵۔ شان خداوندی میں مشرکین کی جسارت ایسی ہے جس سے آسمان پھٹ جائے، لیکن اس آسمان کے نیچے اہل ایمان بھی رہتے ہیں، جن کے لیے فرشتے دعا کر رہے ہوتے ہیں۔ ان صاحبان ایمان کے وجود سے زمین والوں کو امان حاصل ہے۔ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ سے مراد مؤمنین ہی ہو سکتے ہیں۔ مشرکین کے لیے فرشتے طلب مغفرت نہیں کر سکتے۔

۷۔ اُمَّ الْقُرٰى یعنی بستیوں کے مرکز سے مراد مکہ ہے۔ آیت کے سیاق سے مستشرقین نے یہ عندیہ لینے کی کوشش کی ہے کہ شروع میں محمد ﷺ صرف مکہ اور گرد و پیش کے علاقوں تک اپنی دعوت کو محدود رکھنے کا ارادہ رکھتے تھے!! اس کا جواب ہم پہلے بھی دے چکے ہیں کہ اول تو اسلامی دعوت تدریجاً عمل میں آتی رہی ہے، یعنی رسول ﷺ نے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو، پھر ام القری والوں کو پھر گرد و پیش والوں کو، پھر سارے جہاں کے رہنے والوں کو دعوت دی۔ چنانچہ مکہ ہی میں نازل ہونے والے سورہ الفرقان میں فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (فرقان: ۱) یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا تاکہ وہ سارے جہاں کے لیے تنبیہ ہو نیز مکی سورۂ ص آیت ۸۷ میں فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ مکی سورہ القلم آیت ۵۲ میں فرمایا: وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ نیز مکی سورہ التکویر آیت ۲۷ میں فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

۸۔ اگر اللہ چاہتا تو کسی نبی کو مبعوث نہ فرماتا۔ اس صورت میں سب لوگ کافر رہتے اور ایک ہی امت۔ لیکن اللہ نے ایسا نہ چاہا، پیغمبروں کو مبعوث فرمایا۔ نتیجتاً لوگ کفر و ایمان میں بٹ گئے۔

اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ
يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ
الظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾
اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ
هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ؗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
ع شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۹﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ
شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾ فَاطِرُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ
اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ
شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ لَهٗ
مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ

ان سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے نہ کوئی سرپرست ہے اور نہ مددگار۔☆ ⑨ کیا انہوں نے اللہ کے علاوہ سرپرست بنا لیے ہیں؟ پس سرپرست تو صرف اللہ ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ⑩ اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوگا وہی میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ⑪ (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اسی نے خود تمہاری جنس سے تمہارے لیے ازواج بنائے اور چوپایوں کے بھی جوڑے بنائے، اس طرح سے وہ تمہاری افزائش کرتا ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ ⑫ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ملکیت ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں کشادگی

دوسری تفسیر یہ ہے: اگر اللہ چاہتا تو سب ایمان لے آتے اور لوگ ایمان پر امت واحدہ بن جاتے۔ مگر اللہ نے ایسا نہ چاہا۔ کیونکہ سب کو ایمان پر متحد کرنے کے لیے جبر استعمال کرنا پڑتا۔ اللہ نے یہ چاہا کہ لوگوں کو اختیار و انتخاب میں آزادی دی جائے۔ ہدایت کا راستہ دکھایا جائے۔ اس پر چلنے اور نہ چلنے کا فیصلہ خود انسان خودمختارانہ طریقے سے کرے۔ اگر جبر سے کام لینا تھا تو انبیاء کو مبعوث کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے لیے اللہ کا ایک ارادہ تکوینی کافی تھا، جس سے سب انسان قہراً مؤمن بن جاتے۔

۱۳۔ مشرکین اپنے معبودوں کو رازق سمجھتے تھے۔ ان کی رد میں فرمایا: آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں۔ ان خزانوں سے رزق دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ کسی کو رزق میں کشادگی اور کسی کو تنگی، یعنی نپا تلا رزق اس علم کی بنیاد پر دیتا ہے، جو صرف اللہ کے پاس ہے۔

دین پر عمل کرنے کے طریقے کو شریعت کہا جاتا ہے۔ ہر دور کی شریعت کے مختلف ہونے کے باوجود شریعت دین سے مختلف چیز نہیں ہے۔ جیسا کہ دین اور شریعت میں موجود فرق کو سمجھنے میں کچھ لوگوں کو دشواری پیش آئی ہے۔ اللہ کے دین واحد پر عمل کرنے کے لیے ہر دور میں مختلف طریقے نافذ رہے۔ اولین طریقہ تو فطری تقاضے ہیں۔ جب انسان نے فطری راہوں سے انحراف شروع کیا تو قانون سازی کے ذریعے انسان کو واپس اس کے فطری تقاضوں کی طرف لانے کے لیے شریعت کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہوا۔ اس کے بعد اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ جو شریعت رسول اللہ ﷺ پر وحی ہوئی، اس کا ذکر آیا۔ پھر حضرت ابراہیم ،

الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ
شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا
وَصّٰی بِہٖ نُوۡحًا وَّ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ
وَ مَا وَصَّیۡنَا بِہٖۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسٰۤی
اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ ؕ
کَبُرَ عَلَی الۡمُشۡرِکِیۡنَ مَا تَدۡعُوۡہُمۡ
اِلَیۡہِ ؕ اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ
یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴿۱۳﴾ وَ مَا
تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ
بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ
رَّبِّکَ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیۡنَہُمۡ ؕ وَ
اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ
لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ مُرِیۡبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ ۚ

اور تنگی دیتا ہے، وہ یقیناً ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔
﴿۱۳﴾ اس نے تمہارے لیے دین کا وہی دستور معین کیا جس کا
اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی ہم نے آپ کی طرف
وحی بھیجی ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم
دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا،
مشرکین کو وہ بات ناگوار گزری ہے جس کی طرف آپ انہیں
دعوت دیتے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بنا لیتا ہے اور
جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسی کو اپنی طرف راستہ دکھاتا
ہے۔☆ ﴿۱۴﴾ اور یہ لوگ اپنے پاس علم آنے کے بعد صرف
آپس کی سرکشی کی وجہ سے تفرقے کا شکار ہوئے اور اگر آپ
کے رب کی طرف سے ایک مقررہ وقت تک کے لیے بات
طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جو
لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے وہ اس کے
بارے میں شبہ انگیز شک میں ہیں۔☆ ﴿۱۵﴾ لہٰذا آپ اس

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر آیا۔ یہ پانچ اولوالعزم صاحبان شریعت انبیاء علیہم السلام ہیں۔

اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ: اَنۡ تفسیری ہے۔ یعنی دین کا جو دستور نوح علیہ السلام سے شروع ہوا اور نبی خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوا، ان شریعتوں کے ذریعے دین قائم رکھا جائے۔ لہٰذا دین کا اقامہ شریعت کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عقائد کا تحفظ عمل سے ہو سکتا ہے۔

وَ لَا تَتَفَرَّقُوۡا: تفرقہ نہ ڈالنا۔ اس میں اقامہ دین کے لیے قانون پر عمل کرنے میں اختلاف و تفرقے کا شکار نہ ہونے کا حکم ہے۔

۱۴۔ علم کے آنے سے پہلے جو اختلاف پیدا ہوا، اسے ختم کرنے کے لیے علم آ گیا۔ علم کے آنے اور حجت پوری ہونے کے بعد جو اختلاف رونما ہوا ہے، اس کے جوابدہ اختلاف کرنے والے خود ہیں۔

۱۵۔ اسلامی قیادت کے لیے پہلی لازمی چیز استقامت ہے، دوسری چیز لوگوں کی خواہشات کی پیروی ترک کر کے ان کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ عدل و انصاف میں یہ دونوں باتیں، یعنی خواہشات کی نفی اور حقوق کا تحفظ، مضمر ہیں۔

وَ قُلۡ اٰمَنۡتُ: تمام شریعتوں پر، جو آسمانی کتابوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، یکساں ایمان کا حکم ہے۔

وَ اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل و انصاف قائم رکھوں، جو اس شریعت کے ڈھانچے کا ستون ہے۔

اَللّٰہُ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمۡ: یہ شریعتیں اس ذات کی طرف سے ہیں، جو ہم سب کا رب ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے

وَ اسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ
اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ
اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ ؕ
اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ﴿۱۵﴾ وَ
الَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَ عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ وَ الْمِيْزَانَ ؕ وَ مَا يُدْرِيْكَ
لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِيْنَ

کے لیے دعوت دیں اور جیسے آپ کو حکم ملا ہے ثابت قدم رہیں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور کہہ دیجیے: اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث نہیں، اللہ ہی ہمیں (ایک جگہ) جمع کرے گا اور بازگشت بھی اسی کی طرف ہے۔☆ ﴿۱۶﴾ اور جو لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ اسے مان لیا گیا ہے، ان کے رب کے نزدیک ان کی دلیل باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔☆ ﴿۱۷﴾ اللہ وہی ہے جس نے برحق کتاب اور میزان نازل کیا اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید قیامت نزدیک آ گئی ہو۔ ﴿۱۸﴾ جو لوگ اس (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے بارے میں جلدی مچا رہے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے

کہ ان سب شریعتوں کو تسلیم کریں۔

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ: ان تمام شریعتوں پر ایمان لانے سے فائدہ خود تمہارا ہے، کیونکہ تمہارے اعمال خود تمہارے لیے فائدہ مند ہیں۔

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا: جب سب شریعتیں اللہ کی طرف سے ہیں تو نزاع اور جھگڑے کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۱۶۔ اللہ کو یا اس کے دین کو مان لینے کے بعد منکرین کی دلیل مسترد ہے۔ "مان لینے کے بعد" سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک فطرت سلیمہ کی طرف سے مان لینا ہے۔ یعنی جب بہت سے لوگوں نے اپنی فطرت سلیمہ کے تقاضوں کے مطابق اللہ کو یا اس کے دین کو تسلیم کیا ہے تو فطرت سلیمہ کے خلاف کوئی دلیل قابل توجہ نہیں ہے۔ اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے: اللہ کی دعوت کو قبول کرنے کے بعد جو لوگ ان دعوت قبول کرنے والوں سے جھگڑتے ہیں، ان کی دلیل و حجت قبول نہیں ہے۔ یہ تفسیر اگرچہ اپنی جگہ درست ہے، لیکن بظاہر توضیح واضح دکھائی دیتا ہے، مگر اینکہ یہ کہا جائے کہ جن لوگوں نے اسلام کی حقانیت کی پہچان کے بعد اسے تسلیم کر لیا ہے، ان کے خلاف کوئی دلیل کارگر ثابت نہ ہو گی۔

۱۹۔ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ: یعنی اپنے بندوں کی باریک ترین باتوں کا بھی وہ مہر و محبت سے خیال رکھنے والا ہے۔ اللہ کی مہربانی کا یہی خاصہ ہے کہ اس کی مہربانی بندے کی باریک ترین ضروریات سے آگہی کے مطابق ہے۔

۲۰۔ اس آیت میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طالب دنیا سے کہا: اسے آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔ لیکن طالب آخرت سے نہیں کہا کہ اسے دنیا

اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا
الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي
السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ
بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ
الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ
نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ
الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا
لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ
وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ
اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى
الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ
وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ قیامت یقینا برحق ہے، آگاہ رہو! جو قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں، وہ یقینا گمراہی میں دور نکل گئے ہیں۔ (۱۹) اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہی بڑا طاقت والا، بڑا غالب آنے والا ہے۔☆ (۲۰) جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواہاں ہو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی کا خواہاں ہو ہم اسے دنیا میں سے (کچھ) دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔☆ (۲۱) کیا ان کے پاس ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے دین کا ایسا دستور فراہم کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟ اور اگر فیصلہ کن وعدہ نہ ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور ظالموں کے لیے یقینا دردناک عذاب ہے۔ (۲۲) آپ ظالموں کو اپنے اعمال کے سبب ڈرتے ہوئے دیکھیں گے اور وہ ان پر واقع ہونے والا ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجا لائے

میں کچھ نہیں ملے گا۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: اِنَّ الْمَالَ وَ الْبَنِيْنَ حَرْثُ الدُّنْيَا وَ الْعَمَلَ الصَّالِحَ حَرْثُ الْآخِرَةِ وَ قَدْ يَجْمَعُهُمَا اللّٰهُ لِاَقْوَامٍ۔ (الکافی ۵:۵۷) یعنی مال اور اولاد دنیا کی کھیتی ہیں اور نیک اعمال آخرت کی اور کبھی بعض لوگوں کے لیے اللہ دونوں عنایت فرماتا ہے۔

۲۳۔ فریقین کے مصادر میں یہ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کے وہ قرابتدار کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہو گئی ہے؟ فرمایا: علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔ درج ذیل اصحاب رسول اس کے راوی ہیں: ابن عباس، جابر بن عبد اللہ، ابی امامہ باھلی، علی ابی الطفیل ابو دیلم اور ھبیرۃ۔ ان اصحاب سے امام احمد، طبری، طبرانی، واحدی اور نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الغدیر ۴: ۲۱۸، ۲:۲۵۲۔ قربیٰ سے رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔ جناب مولانا مودودی صاحب کو چند اعتراضات ہیں: اول: سورۂ شوریٰ مکی ہے اور اس وقت تک حضرت علی و فاطمہ علیہما السلام کی شادی تک نہ ہوئی تھی۔ جواب: اول تو بعض روایات کے مطابق یہ آیت مدنی ہے۔ چنانچہ قرطبی و نیشاپوری اور خازن نے اپنی تفسیروں میں، شوکانی نے فتح القدیر: ۵۱۰ میں حضرت ابن عباس اور قتادہ سے صریحاً نقل کیا ہے کہ سورہ شوریٰ مکی ہے، سوائے چار آیتوں کے، جن میں پہلی آیت قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ۔۔۔ ہے۔ دوم یہ کہ مصادیق کا عند نزول القرآن موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے لیے ضروری نہیں کہ اس آیت کے تمام مصادیق عند نزول القرآن موجود

الصّٰلِحٰتِ فِيۡ رَوۡضٰتِ الۡجَنّٰتِ ۚ لَهُمۡ
مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِكَ هُوَ
الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ﴿٢٢﴾ ذٰلِكَ الَّذِيۡ يُبَشِّرُ
اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا
اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِي الۡقُرۡبٰى ؕ وَمَنۡ يَّقۡتَرِفۡ
حَسَنَةً نَّزِدۡ لَهٗ فِيۡهَا حُسۡنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿٢٣﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخۡتِمۡ
عَلٰى قَلۡبِكَ ؕ وَيَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ وَيُحِقُّ
الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوۡرِ ﴿٢٤﴾ وَهُوَ الَّذِيۡ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ
عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَعۡفُوۡا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعۡلَمُ

ہیں وہ جنت کے گلستانوں میں ہوں گے، ان کے لیے ان
کے رب کے پاس جو وہ چاہیں گے موجود ہوگا، یہی بڑا فضل
ہے۔ ﴿٢٢﴾ یہ وہ بات ہے جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو
خوشخبری دیتا ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالح بجا
لاتے ہیں، کہد یجیے: میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی
اجرت نہیں مانگتا سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت
کے اور جو کوئی نیکی کمائے ہم اس کے لیے اس نیکی میں اچھا
اضافہ کرتے ہیں، اللہ یقینا بڑا بخشنے والا، قدردان ہے۔☆
﴿٢٣﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں (رسول نے) اللہ پر جھوٹ بہتان
باندھا ہے؟ پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے
اور اللہ باطل کو نابود کر دیتا ہے اور اپنے فرامین کے ذریعے حق
کو پائیداری بخشتا ہے، وہ سینوں کی (پوشیدہ) باتوں سے
یقینا خوب واقف ہے۔ ﴿٢٤﴾ اور وہ وہی ہے جو اپنے بندوں
کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور جو کچھ تم

ہوں۔
دوسرا اعتراض: رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار بہت
تھے صرف عبدالمطلب کی اولاد کی محبت کیوں؟
جواب: یہ اعتراض قرآن پر آتا ہے۔ (معاذ اللہ)
چونکہ قرآن نے قریبی رشتہ نہیں بلکہ قربی (قریب
ترین رشتہ داروں) سے محبت کے لیے کہا۔
تیسرا اعتراض: جو ان کے نزدیک سب سے اہم
ہے، یہ ہے کہ اس کار عظیم پر یہ اجر مانگنا کہ تم
میرے رشتہ داروں سے محبت کرو، اتنی گری ہوئی
بات ہے کہ کوئی ذوق سلیم اس کا تصور بھی نہیں کر
سکتا۔
جواب: اول تو ہم اصحاب و تابعین، مورخین اور
مفسرین کی لمبی فہرست پیش کر سکتے ہیں جن کے
ذوق سلیم نے اس کا تصور ہی نہیں، بلکہ اس کو تسلیم کیا
ہے۔ دوم یہ کہ آپ کے ذوق کے خلاف ہوتا رہے،
لیکن انبیاء علیہم السلام کے ذوق کے خلاف نہیں ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام امتحانات الٰہی میں کامیاب
ہونے کی پاداش میں اپنی اولاد کے لیے امامت کی
تمنا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں: فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَةً
مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِيۡۤ اِلَيۡهِمۡ۔ (ابراھیم: ٣٧) اے
اللہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا فرما۔
سوم: یہ کہ آنحضور ﷺ کی رحلت کے بعد واقعات
اور تاریخی حقائق یعنی اہل بیت رسول ﷺ پر ڈھائے
جانے والے مظالم، حق تلفیوں وغیرہ سے بھی اندازہ
ہوتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے محبت
ذوالقربیٰ کیوں لازم قرار دی۔
آخر میں لکھتے ہیں اس تقریر کے مخاطب اہل ایمان
نہیں، کفار مکہ ہیں۔ کفار حضور ﷺ کے اس کام کی
کون سی قدر کر رہے تھے کہ ان سے اجر رسالت
مانگیں۔ وہ الٹا اسے جرم سمجھ رہے تھے۔

مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ يَزِيْدُهُمْ
مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ
لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ
مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾
وَ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ
مَا قَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الْوَلِيُّ
الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ
ع وَ هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ وَ
مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَ مَاۤ اَنْتُمْ

کرتے ہو اس کا علم رکھتا ہے۔ ﴿۲۶﴾ اور ایمان لانے والوں اور اعمال صالح بجا لانے والوں کی دعا قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دیتا ہے اور کفار کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔ ﴿۲۷﴾ اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراوانی کر دیتا تو وہ زمین میں سرکش ہو جاتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے وہ ایک مقدار سے نازل کرتا ہے، وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر، نگاہ رکھنے والا ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ اور وہ وہی ہے جو ان کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی کارساز، قابل ستائش ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور وہ جاندار جو اس نے ان دونوں میں پھیلا رکھے ہیں اس کی نشانیوں میں سے ہیں اور وہ جب چاہے انہیں جمع کرنے پر خوب قادر ہے۔☆ ﴿۳۰﴾ اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔☆ ﴿۳۱﴾ اور تم زمین میں (اللہ کو) عاجز تو

---

جواب: اولاً تو اس تقریر کے مخاطب اہل ایمان ہیں، جس پر خود سیاق آیت شاہد ہے کہ اہل ایمان کو بشارت دیتے ہوئے اجر رسالت کا ذکر آیا ہے۔
ثانیاً: آپ کا یہ تبصرہ اس تفسیر پر زیادہ منطبق ہوتا ہے جس کے مطابق اس سے وہ رشتہ داری مراد ہے جو حضور ﷺ کو کفار قریش سے تھی۔ کیونکہ خود ان کے بقول کفار حضور ﷺ کے اس کام کو خدمت نہیں جرم سمجھ رہے تھے تو اس جرم کے عوض حضور ﷺ قریش سے رشتہ داروں کی محبت کی اجرت مانگ رہے ہیں؟ ان تعجب فعجب قولهم۔

۲۷۔ دولت اور بے نیازی کا احساس انسان سے تواضع و فروتنی کو سلب کرتا ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ (علق: ۶۔۷) انسان سرکش ہو جاتا ہے جب وہ خود کو بے نیاز سمجھنے لگتا ہے نیز دولت سے انسان میں موجود خواہشات کا درندہ بیدار ہو جاتا ہے، پھر بہت کم لوگ اس درندے کو کنٹرول میں رکھ سکتے ہیں۔
۲۹۔ اس آیت میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ زندگی دوسرے ستاروں میں بھی پائی جاتی ہے۔
۳۰۔ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ سے مراد معصیت ہے اور خطاب ان لوگوں سے ہے جو معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں، خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر۔ معصوم اور غیر مکلف اس میں شامل نہیں ہیں، کیونکہ ان سے معصیت سرزد نہیں ہوتی، اس لیے ان پر جو مصیبت آتی ہے وہ ان کے اعمال کی وجہ سے نہیں ہے۔ دوسرے لوگوں کے بارے میں فرمایا: جو آفت تم پر آتی ہے وہ خود تمہارے برے اعمال کا لازمہ ہے۔ اس آیت اور دیگر متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی اعمال و کردار اور کائنات پر حاکم نظام فطرت میں ایک گہرا ربط ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا

بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚۖ وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ﴿۳۱﴾ وَ مِنۡ اٰیٰتِہِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ ﴿ؕ۳۲﴾ اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَہۡرِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿ۙ۳۳﴾ اَوۡ یُوۡبِقۡہُنَّ بِمَا کَسَبُوۡا وَ یَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ ﴿۫۳۴﴾ وَّ یَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَہُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿ۚ۳۶﴾ وَ الَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوۡا ہُمۡ

نہیں کر سکتے، اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔ ﴿۳۲﴾ اور سمندر میں پہاڑوں جیسے جہاز اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ ﴿۳۳﴾ اگر اللہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے تو یہ سطح سمندر پر کھڑے رہ جائیں، ہر صبر کرنے والے شکرگزار کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔ ﴿۳۴﴾ یا انہیں ان کے اعمال کے سبب تباہ کر دے اور وہ بہت سے لوگوں سے درگزر کرتا ہے، ﴿۳۵﴾ تاکہ ہماری آیات میں جھگڑنے والوں کو علم ہو جائے کہ ان کے لیے جائے پناہ نہیں ہے۔ ﴿۳۶﴾ پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہترین اور زیادہ پائیدار ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں، ﴿۳۷﴾ اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب انہیں

بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ (رعد:۱۱) اسی طرح فرمایا: وَ لَوۡ اَنَّ اَہۡلَ الۡقُرٰۤی اٰمَنُوۡا وَ اتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَیۡہِمۡ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ۔ (اعراف:۹۶) اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔

وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ اور بہت سی معصیتوں سے درگزر فرماتا ہے۔ چنانچہ سورہ نحل میں فرمایا: اگر لوگوں کو ان کے ظلم کے سبب اللہ گرفت میں لیتا تو روئے زمین پر کوئی ذی روح باقی نہ چھوڑتا۔

یہ کہنا کہ اس آیت کے مخاطبین مشرکین مکہ ہیں، لہٰذا یہ آیت ان کے ساتھ مختص ہے، ناقابل توجہ بات ہے۔ کیونکہ العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ فہم قرآن میں لفظ کی عمومیت دیکھی جاتی ہے، سبب نزول نہیں دیکھا جاتا۔

۳۷۔ کبائر کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: کَبَآئِرَ مَا تُنۡہَوۡنَ عَنۡہُ (نساء:۳۱) حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے: مَنۡ مَلَکَ نَفۡسَہٗ اِذَا رَغِبَ وَ اِذَا رَھِبَ وَ اِذَا اشۡتَھٰی وَ اِذَا غَضِبَ حَرَّمَ اللّٰہُ جَسَدَہٗ عَلَی النَّارِ۔ (الفقیہ ۴:۴۰۰۔ نور الثقلین) جو شخص اپنے آپ کو رغبت، خواہشات، خوف اور غصے کے وقت قابو میں رکھتا ہے، اس کے جسم کو اللہ جہنم کی آگ پر حرام کر دیتا ہے۔

۳۸۔ اجتماعی امور میں دوسروں کے تجربات اور بہت سی عقلوں سے فائدہ اٹھانے کا نام مشورہ ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے: لَا ظَھِیۡرَ کَالۡمُشَاوَرَۃِ۔ (وسائل الشیعۃ ۱۲:۴۰) باہمی مشاورت جیسا کوئی پشت پناہ نہیں ہے۔ مشورہ ان امور میں لیا جاتا ہے جو بقول مولانا شبیر احمد عثمانی قرآن و سنت میں منصوص نہ ہوں۔ جو چیز منصوص

يَغْفِرُوْنَ ۚ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى
بَيْنَهُمْ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۚ ﴿۳۸﴾
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ
يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ
مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى
اللّٰهِ ۗ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ
انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ
سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ
الْاُمُوْرِ ۧ ﴿۴۳﴾ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ ع ۴

غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں۔☆ ﴿۳۸﴾ اور جو اپنے رب
کو لبیک کہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے معاملات
باہمی مشاورت سے انجام دیتے ہیں اور ہم نے جو رزق
انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔☆ ﴿۳۹﴾ اور
جب ان پر زیادتی سے ظلم کیا جاتا ہے تو وہ اس کا بدلہ لیتے
ہیں۔☆ ﴿۴۰﴾ اور برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی سے لینا
(جائز) ہے، پھر کوئی درگزر کرے اور اصلاح کرے تو اس کا
اجر اللہ پر ہے، اللہ یقینا ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔☆
﴿۴۱﴾ اور جو شخص مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لے پس ایسے
لوگوں پر ملامت کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ﴿۴۲﴾ ملامت تو بس
ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق
زیادتی کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب
ہے۔ ﴿۴۳﴾ البتہ جس نے صبر کیا اور درگزر کیا تو یہ معاملات
میں عزم راسخ (کی علامت) ہے۔☆ ﴿۴۴﴾ اور جسے اللہ

---

ہو، اس میں رائے و مشورہ کی گنجائش نہیں اور یہ غیر معقول ہوگا کہ خدا و رسول ﷺ کوئی حکم دیں اور لوگ مشورہ کر کے اس کے خلاف فیصلہ دیں۔ وَاَمْرُهُمْ اپنے معاملات، سے معلوم ہوا کہ مشاورت ان اجتماعی امور سے متعلق ہے جو حکم شریعت سے متصادم نہیں ہیں اور جو قرآن و سنت میں منصوص ہے، وہ وَاَمْرُهُمْ نہیں ہوگا، بلکہ امر من اللہ ہوگا۔ چنانچہ سورہ احزاب آیت ۳۶ میں اللہ کے فیصلے کے بعد کسی اختیار کی نفی فرمائی: اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

۳۹۔ ظالم اور جابر کے مقابلے میں مؤمن چٹان کی طرح مضبوط ہوتا ہے۔ وہ کسی ظالم سے دبتا ہے اور نہ کسی جابر کے سامنے ہتھیار ڈالتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ غالب آنے پر مغلوب اور کمزور آدمی کی غلطیوں سے درگزر کرتا ہے اور ندامت کا اظہار کرنے والے کی معذرت قبول کرتا ہے۔

۴۰۔ اس آیت اور بعد کی چند آیتوں میں بدلہ لینے کے ضوابط کا ذکر ہے۔ پہلا یہ کہ جتنی برائی ہوئی ہے اس کے بدلے میں اتنی ہی برائی کی جائے (زیادہ کا حق نہیں)۔ دوسرا یہ کہ اگرچہ بدلہ لینا جائز ہے، تاہم بعض مواقع پر معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ تیسرا یہ کہ جائز بدلہ لینے کے سلسلے میں جو عمل انجام دیا جاتا ہے اس پر کوئی گرفت نہیں ہے اور دیت ہے نہ قصاص۔

۴۳۔ گزشتہ آیات میں ایمان والوں کے چند ایک اوصاف کا ذکر ہوا: توکل بر خدا۔ گناہان کبیرہ سے پرہیز۔ غصہ کی صورت میں معافی دینا۔ نماز قائم کرنا۔ اپنے معاملات میں مشاورت کرنا۔ انفاق

وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾

گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس کے لیے کوئی کارساز نہیں ہے اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو کہیں گے: کیا واپس جانے کا کوئی راستہ ہے؟ ﴿۴۴﴾ اور آپ دیکھیں گے کہ جب وہ جہنم کے سامنے لائے جائیں گے تو ذلت کی وجہ سے جھکے ہوئے نظریں چرا کر دیکھ رہے ہوں گے اور (اس وقت) ایمان لانے والے کہیں گے: خسارہ اٹھانے والے یقیناً وہ ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا، آگاہ رہو! ظالم لوگ یقیناً دائمی عذاب میں رہیں گے۔☆ ﴿۴۵﴾ اور اللہ کے سوا ان کے ایسے سرپرست نہ ہوں گے جو ان کی مدد کریں اور جسے اللہ گمراہ کر دے پس اس کے لیے کوئی راہ نہیں ہے۔ ﴿۴۶﴾ اپنے رب کو لبیک کہو اس سے پہلے کہ اللہ کی جانب سے وہ دن آ جائے جس کے ٹلنے کا کوئی امکان نہیں، اس دن تمہارے لیے نہ کوئی پناہ گاہ ہوگی اور نہ ہی انکار کی کوئی گنجائش ہوگی۔☆

کرنا۔ ظلم کا بدلہ لینا۔ مظلوم واقع ہونے کے بعد درگزر کرنا۔ ان میں سے بعض اوصاف واجبات میں سے ہیں، بعض مستحبات، بعض صرف جائز ہونے کی حد تک ہیں، جیسے بدلہ لینا۔

۴۵۔ عذاب اس قدر ہولناک ہوگا کہ وہ اس پر پوری نگاہ بھی نہیں ڈال سکیں گے۔ اس حال میں مؤمنین کا یہ احساس نہایت لذت بخش ہوگا جس کا وہ ان لفظوں میں اظہار کریں گے: جن لوگوں نے آج کے دن کا خسارہ اٹھایا، وہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ ہم اس سے محفوظ رہے۔

۴۷۔ اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: اپنے رب کو لبیک کہو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس کے اللہ کی طرف سے ٹلنے کا کوئی امکان نہیں۔ اگر ہم مِنَ اللّٰهِ کو يَوْمَئِذٍ سے مربوط قرار دیں تو پہلا ترجمہ درست ہے۔ اگر مِنَ اللّٰهِ کو مَرَدَّ سے مربوط قرار دیں تو دوسرا ترجمہ درست ہے۔ کافروں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ حتمی اور اٹل ہوتا ہے، اس لیے اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

۴۸۔ رسول ﷺ کے ذمے صرف حکم خدا کی تبلیغ ہے اور اس حکم کو قبولوانا رسول ﷺ کی ذمہ داری نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات طاقت اور جبر کے ذریعے مسلط نہیں کی جاتی۔ اگر ایسا ہوتا تو انبیاء کی ضرورت نہ رہتی، اس کے لیے اللہ کی طرف سے ایک تکوینی اشارہ کُن کافی تھا۔

انبیاء کو دل اور ضمیر سے کام ہے۔ جس کا دل صحت مند اور ضمیر زندہ ہو، وہ اس خدائی آواز کو پہچان لیتا ہے اور مریض دل اور مردہ ضمیر والوں پر حجت پوری

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ
حَفِيۡظًا ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ
اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ
بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ
اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ
مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَخۡلُقُ
مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا
وَّيَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ ﴿۴۹﴾ اَوۡ
يُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجۡعَلُ مَنۡ
يَّشَآءُ عَقِيۡمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا
كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا اَوۡ
مِنۡ وَّرَآىٴِ حِجَابٍ اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا
فَيُوۡحِىَ بِاِذۡنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِىٌّ

﴿۴۸﴾ پھر اگر یہ منہ پھیرلیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا، آپ کے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے اپنے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس وقت یہ انسان یقیناً ناشکرا ہو جاتا ہے۔☆ ﴿۴۹﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے خلق فرماتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نرینہ اولاد عطا کرتا ہے۔☆ ﴿۵۰﴾ یا (جسے چاہے) بیٹے اور بیٹیاں دونوں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے وہ یقیناً بڑا جاننے والا، قدرت والا ہے۔ ﴿۵۱﴾ اور کسی بشر میں یہ صلاحیت نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے ماسوائے وحی کے یا پردے کے پیچھے سے یا یہ کہ کوئی پیام رساں بھیجے پس وہ اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرے، بے شک وہ بلند مرتبہ، حکمت والا ہے۔☆

ہونے کے بعد ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔اس صورت میں وہ محسوس پرست ہوتا ہے، اس کی خوشی و غم کا مدار سامنے کی حالت پر ہوتا ہے، نہ گزشتہ کی قدر، نہ آئندہ کی فکر۔

۴۹۔اولاد نرینہ ہو یا لڑکی، اس کا عطا کنندہ اللہ ہے۔ اگر انسان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ پدر کے Y کو ماں کے X کے ساتھ جفت کر کے لڑکا اور پدر کے X کو ماں کے X کے ساتھ جفت کر کے لڑکی کے پیدا ہونے کے لیے فضا ساز گار بنا لیتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اولاد دینے والا ہے۔اس انسان کو نطفہ پدر، تخم مادر میں سے کسی ایک کے بنانے پر قدرت نہیں ہے۔صرف راز قدرت کے سمجھنے کی صورت میں اس سے استفادہ کی بات ہے۔جیسے قدیم سے لوگوں نے تجربہ کیا ہے کہ بعض غذاؤں اور دواؤں کے استعمال کی وجہ سے لڑکی یا لڑکا کے پیدا ہونے میں مدد ملتی ہے۔

۵۱۔وحی کے تین طریقوں کا ذکر ہے۔وحی یا تو براہ راست رسول ﷺ کے قلب پر نازل ہوتی ہے یا یہ کہ پردے کے پیچھے سے وحی ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ ؑ پر درخت کے پردے میں وحی ہوئی یا یہ کہ فرشتے کے ذریعے ہوتی ہے۔ان ذرائع کے علاوہ روبرو ہو کر بات نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ کسی محسوس شکل میں نہیں آسکتا۔حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ پر غشی اس وقت طاری ہوتی تھی جب براہ راست آپ ﷺ کے قلب پر وحی نازل ہوتی تھی، ورنہ جبرئیل ایک خادم کی طرح آپ کے سامنے بیٹھ جاتے۔

حَكِيۡمٌ ﴿٥١﴾ وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۙ﴿٥٢﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿٥٣﴾ ع

﴿٥٢﴾ اور اسی طرح ہم نے اپنے امر میں سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی ایمان کو (جانتے تھے) لیکن ہم نے اسے روشنی بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور آپ تو یقینا سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں،☆ ﴿٥٣﴾ اس اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے، آگاہ رہو! تمام معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

## ٤٣ سُوۡرَةُ الزُّخۡرُفِ مَكِّيَّةٌ ٦٣

ايٰتها ٨٩ — ركوعاتها ٧

سورۂ زخرف۔ مکی۔ آیات ٨٩

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

حٰمٓ ۚ﴿١﴾ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ﴿٢﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۚ﴿٣﴾ وَاِنَّهٗ فِىۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ؕ﴿٤﴾ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ

﴿١﴾ حا، میم۔ ﴿٢﴾ اس روشن کتاب کی قسم۔ ﴿٣﴾ ہم نے اس (قرآن) کو عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔☆ ﴿٤﴾ اور بلاشبہ یہ مرکزی کتاب (لوح محفوظ) میں ہمارے پاس برتر، پرحکمت ہے۔☆ ﴿٥﴾ کیا ہم اس ذکر (قرآن) کو محض اس لیے تم سے پھیر دیں کہ تم حد سے

---

٥٢۔ مِّنۡ اَمۡرِنَا عالم امری اور کن فکانی کے حتمی اور اٹل فیصلے کی طرف سے روحًا ایک حیات بخش قرآن کو آپ ﷺ کی طرف وحی کیا۔ اس کتاب کے مندرجات اور ایمان کی تفصیل آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے قطع نظر بذات خود نہیں جانتے تھے۔ جو کچھ آپ ﷺ جانتے ہیں، وہ اللہ کی طرف سے وحی ہے۔ واضح رہے چالیس سال کے بعد اعلان رسالت سے بہت پہلے آپ ﷺ نبوت پر فائز تھے اور وحی کا تعلق نبوت سے ہے۔ اعلان رسالت اور نبوت میں فرق بیان کیے بغیر یہ کہنا کہ حضور ﷺ نبوت سے پہلے کچھ جانتے ہی نہ تھے اور نبوت سے مراد وہ اعلان رسالت لیتے ہیں، غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔

سورۂ زخرف

٣۔ تاکہ تم مخاطبین اول سمجھ سکو۔ چونکہ قرآن کے مخاطبین اول عرب لوگ ہیں۔ پہلے مرحلے میں انہیں سمجھانا مقصود ہے۔ مخاطبین اول پر واجب ہے کہ وہ اس قرآنی پیغام کو دوسری قوموں تک پہنچائیں: وَاُوۡحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۢۡ بَلَغَ ۔ (انعام: ١٩) اُنۡذِرَكُم مخاطبین اول اور مَنۢۡ بَلَغَ دوسری قومیں ہیں۔

٤۔ اُمِّ الۡكِتٰبِ سے مراد اکثر کے نزدیک لوح محفوظ ہے۔ چنانچہ سورہ بروج آیات ٢١۔ ٢٢ میں فرمایا: بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِيۡدٌ ۙ﴿٢١﴾ فِىۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ بلکہ یہ وہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔ آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے: یہ قرآن ہمارے نزدیک لوح محفوظ میں بلند پایہ اور حکمت آمیز ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں جہاں کل کائنات کا دستور ثبت ہے، وہاں قرآن کا درجہ بلند ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کی سعادت کے لیے ایک جامع دستور حیات موجود ہے۔

قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝٥ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ
فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝٦ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٧ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ
مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ
الْعَلِيْمُ ۝٩ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ۝١٠ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا
كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝١١ وَالَّذِيْ خَلَقَ
الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ
وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝١٢ لِتَسْتَوٗا عَلٰى

گزرے ہوئے لوگ ہو؟ ۝٦ اور پہلے لوگوں میں ہم نے بہت سے نبی بھیجے ہیں۔ ۝٧ اور کوئی نبی ان کے پاس نہیں آتا تھا مگر یہ کہ یہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ ۝٨ پس ہم نے ان سے زیادہ طاقتوروں کو ہلاک کر دیا اور پچھلی قوموں کی سنت نافذ ہو گئی۔☆ ۝٩ اور اگر آپ ان سے پوچھیں: آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یہ ضرور کہیں گے: بڑے غالب آنے والے، علیم نے انہیں پیدا کیا ہے،☆ ۝١٠ جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنائے تاکہ تم راہ پا سکو۔☆ ۝١١ اور جس نے آسمان سے پانی ایک مقدار میں نازل کیا جس سے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کر دیا، تم بھی اسی طرح (قبروں سے) نکالے جاؤ گے۔☆ ۝١٢ اور جس نے تمام اقسام کے جوڑے پیدا کیے اور تمہارے لیے کشتیاں اور جانور آمادہ کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو،☆ ۝١٣ تاکہ تم ان کی پشت پر بیٹھو پھر جب تم اس پر درست بیٹھ جاؤ تو اپنے

٨۔ اس آیت کا دوسرا ترجمہ یہ کیا گیا ہے: "پچھلی قوموں کی مثال گزر چکی ہے۔" لیکن قرآنی اصطلاح میں مَضٰى کا لفظ نافذ ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

٩۔ قرآن کریم میں اس بات کا مکرر ذکر آیا ہے کہ مشرکین اللہ ہی کو آسمانوں اور زمین کا خالق سمجھتے تھے اور اللہ کو عزیز و علیم بھی سمجھتے تھے۔ مشرکین کے اس اقرار کے بعد آیات ۱۰ تا ۱۳ میں تخلیق کے ان مراحل کا ذکر فرمایا جو تدبیر سے مربوط ہیں۔ آیات قرآنی کے ساتھ ہم نے بھی اس بات کا مکرر ذکر کیا کہ تخلیق اور تدبیر میں تفریق مشرکوں کا مذہب ہے، جسے قرآن نے متعدد آیات میں رد فرمایا ہے۔

١٠۔ زمین کو اس آیت میں گہوارے سے تعبیر فرمایا گیا ہے، جس میں بچے کو ہر قسم کی آسائش فراہم ہوتی ہے۔ فضائے عالم زندگی کے لیے نہایت ناسازگار ہے۔ اس ناسازگار فضا میں معلق زمین کی داخلی صورت یہ ہے کہ اس کا شکم آتش سے پر ہے اور بیرونی صورت یہ ہے کہ جس فضا میں یہ کرہ سال بھر کی مسافت طے کرتا ہے، وہ ساری فضا زندگی کے لیے نامساعد ہے۔ اس ناسازگار فضا میں کرۂ ارض کو زندگی کا گہوارہ بنانے کے لیے قدرت کو چار دن لگے تھے۔

١١۔ بارش کا پانی زمین کے جن مختلف علاقوں کے لیے خاص مقدار میں تقسیم کیا گیا ہے، اسے کوئی طاقت نہیں بدل سکتی۔ وہی طاقت جس نے زمین کو روئیدگی دی، وہی تمہیں اسی زمین سے دوبارہ اٹھائے گی۔

١٢۔ اس آیت میں الْاَزْوَاجَ سے مراد بعض کے نزدیک مختلف اقسام ہیں، جیسے انسان، حیوان،

ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا
اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ
سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾
وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا
لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ
بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ
اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ
وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ
يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ
مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ
هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا
خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾

رب کی نعمت یاد کرو اور کہو: پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کیا ورنہ ہم اسے قابو میں نہیں لا سکتے تھے۔☆ ﴿۱۳﴾ اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔☆ ﴿۱۴﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کے بندوں میں سے (کچھ کو) اللہ کا جز (اولاد) بنا دیا، یہ انسان یقینا کھلا ناشکرا ہے۔☆ ﴿۱۵﴾ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے (اپنے لیے) بیٹیاں بنا لیں اور تمہیں بیٹوں کے لیے منتخب کیا؟ ﴿۱۶﴾ حالانکہ جب ان میں سے کسی ایک کو بھی اس (بیٹی) کا مژدہ سنایا جاتا ہے جو اس نے خدائے رحمٰن کی طرف منسوب کی تھی تو اندر ہی اندر غصے سے پیچ و تاب کھا کر اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔☆ ﴿۱۷﴾ کیا وہ جو زیور (ناز و نعم) میں پلتی ہے اور جھگڑے میں (اپنا) مدعا واضح نہیں کر سکتی (اللہ کے حصے میں ہے)؟☆ ﴿۱۸﴾ اور انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں عورتیں قرار دے دیا، کیا انہوں نے ان کو خلق ہوتے ہوئے دیکھا تھا؟ عنقریب ان کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا۔

درخت وغیرہ۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد اللہ کے علاوہ تمام اقسام کے جوڑے ہیں، جیسے اوپر نیچے، دائیں بائیں، سفید سیاہ، مرد عورت۔

۱۳۔ ۱۴ دوران سفر تین چیزوں کا مؤمن کی نظر میں رہنا ضروری ہے: اولاً اس رب کا شکر جس نے تمام موجودات میں صرف انسان کے لیے دیگر اشیاء کو مسخر کیا۔ ثانیاً: اس آخری سفر کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے جس میں اس نے اپنے رب کی بارگاہ میں جوابدہی کے لیے حاضری دینا ہے۔ ثالثاً جب سوار ہو تو دو چیزوں کا ذکر کرنا چاہیے: ایک اللہ کی نعمتوں کا ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ۔ دوسرا اللہ کی تسبیح سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا۔

۱۵۔ بندوں کو اللہ کا جز قرار دینے سے مراد اولاد ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اللہ کی اولاد قرار دیا، کیونکہ اولاد باپ کا حصہ اور اس کے وجود کا ایک جز ہوتی ہے، جو اس سے الگ ہو کر وجود میں آتی ہے۔

۱۷۔ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ان بیٹیوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وہ عورتوں کی شکل کے بت بناتے تھے اور پھر اولاد میں وہ بیٹیاں، جنہیں وہ اپنے لیے عار و ننگ سمجھتے تھے، اللہ کے حصے میں رکھتے تھے اور جن بیٹوں پر یہ لوگ فخر کرتے انہیں وہ اپنے حصے میں رکھتے تھے۔

۱۸۔ یعنی جو اولاد یں نرم و نازک اور تمہارے زعم میں تمہاری زندگی پر بوجھ ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں بات تک نہیں کر سکتیں اور زیوروں میں پلتی

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿٢٣﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٥﴾ ع وَاِذْ قَالَ

النصف

(۲۰) اور وہ کہتے ہیں: اگر خدائے رحمٰن چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کی پوجا نہ کرتے، انہیں اس کا کوئی علم نہیں یہ تو صرف اندازے لگاتے ہیں۔☆ (۲۱) کیا ہم نے انہیں اس (قرآن) سے پہلے کوئی دستاویز دی ہے جس سے اب یہ تمسک کرتے ہیں؟ (۲۲) (نہیں) بلکہ یہ کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رسم پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ (۲۳) اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی کی طرف کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے عیش پرستوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رسم پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔☆ (۲۴) (ان کے نبی نے) کہا: خواہ میں اس سے بہتر ہدایت لے کر آؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ وہ کہنے لگے: جو کچھ دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اسے نہیں مانتے۔ (۲۵) چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھ لو تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ (۲۶) اور جب

---

ہیں، ان کو اللہ کے حصے میں ڈال دیں۔ یہاں سے عورتوں کے لیے سونے کے زیورات استعمال کرنے کا جواز بھی معلوم ہوا۔

۲۰۔ یہی نظریہ جبر ہے کہ کسی چیز کے وجود کو اس کے جواز کے لیے دلیل بنا کر پیش کیا جائے۔ ان کا استدلال اس طرح ہے: اگر اللہ کا ارادہ اور منشا یہ تھی کہ ہم بتوں کی پوجا نہ کریں تو ہمارے لیے بتوں کی پوجا کرنا ممکن ہی نہ ہوتا، کیونکہ اللہ کے ارادے کو کوئی رد کر نہیں سکتا، لیکن ہم بتوں کی پوجا کر رہے ہیں، اس سے ثابت ہوا اللہ بتوں کے پوجنے کو چاہتا ہے۔ اس قسم کا استدلال تقدیر کا ایک غلط مفہوم لینے والے بھی کرتے ہیں: تقدیر میں ایسا ہی تھا۔ ہم کیسے تقدیر کے خلاف کر سکتے ہیں۔ جب کہ اس استدلال میں اللہ کے ارادہ تکوینی اور تشریعی میں خلط کیا ہے۔ اللہ جب خود کسی کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ لیکن اگر اللہ انسان سے چاہے کہ وہ اس عمل کو بجا لائے تو وہ مخلوق اس کو بجا لاتی بھی ہے، نہیں بھی لاتی۔ اس ارادے کو تشریعی کہتے ہیں۔ اللہ نے انسان سے چاہا کہ بت پرستی نہ کرے، لیکن انسان بت پرستی کرتا بھی ہے، نہیں بھی کرتا۔

۲۳۔ کیونکہ اسلام کے عدل و انصاف سے وہ سرمایہ دار ہی متاثر ہوتے ہیں جو ظلم و ناانصافی سے دولت جمع کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مال و دولت سے انسان کی خواہشات بیدار ہو جاتی ہیں جن پر ہر قسم کی اخلاقی پابندی ان خواہش پرستوں کے لیے ناقابل تحمل ہوتی ہے۔

إِبْرَٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦٓ إِنَّنِى بَرَآءٌ مِّمَّا
تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا ٱلَّذِى فَطَرَنِى فَإِنَّهُۥ
سَيَهْدِينِ ﴿٢٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِى
عَقِبِهِۦ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ بَلْ مَتَّعْتُ
هَٰٓؤُلَآءِ وَءَابَآءَهُمْ حَتَّىٰ جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ وَ
رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿٢٩﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ
قَالُوا۟ هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِۦ كَٰفِرُونَ ﴿٣٠﴾ وَ
قَالُوا۟ لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانُ عَلَىٰ رَجُلٍ
مِّنَ ٱلْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿٣١﴾ أَهُمْ يَقْسِمُونَ
رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم
مَّعِيشَتَهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا
بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَتَّخِذَ
بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ

ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے کہا: جنہیں تم
پوجتے ہو ان سے میں یقینا بیزار ہوں۔ ﴿۲۶﴾ سوائے اپنے
رب کے جس نے مجھے پیدا کیا، یقینا وہی مجھے سیدھا راستہ
دکھائے گا۔ ﴿۲۷﴾ اور اللہ نے اس (توحید پرستی) کو ابراہیم
کی نسل میں کلمہ باقیہ قرار دیا تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع
کریں۔☆ ﴿۲۸﴾ (ان کافروں کو فوری ہلاک نہیں کیا) بلکہ
میں نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو متاع حیات دی یہاں
تک کہ ان کے پاس حق اور واشگاف بیان کرنے والا رسول
آ گیا۔ ﴿۲۹﴾ اور جب حق ان کے پاس آیا تو کہنے لگے: یہ تو
جادو ہے، ہم اسے نہیں مانتے۔ ﴿۳۰﴾ اور کہتے ہیں: یہ قرآن
دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں
کیا گیا؟☆ ﴿۳۱﴾ کیا آپ کے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم
کرتے ہیں؟ جب کہ دنیاوی زندگی کی معیشت کو ان کے
درمیان ہم نے تقسیم کیا ہے اور ہم ہی نے ان میں سے ایک کو
دوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے

۲۸۔ وَجَعَلَهَا میں ضمیر برائۃ کی طرف جاتی ہے، جو اِنَّنِیْ بَرَآءٌ میں مذکور ہے۔ یعنی برائت از مشرکین کی تحریک جو حضرت ابراہیم ؑ نے شروع فرمائی ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم ؑ میں کلمہ باقیہ قرار دے کر اولاد ابراہیم ؑ کے ذریعے ابدیت بخشی ہے۔ چنانچہ جب برائت از مشرکین کی یہ تحریک فرزند ابراہیم ؑ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے دست مبارک سے ایک ابدی مرحلے میں داخل ہو گئی، حضرت خلیل ؑ کے ایک بت شکن فرزند حضرت علی ؑ نے ۹ھ کو حج اکبر کے موقع پر برائت از مشرکین کا اعلان فرمایا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ توبہ آیت ۳) آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولاد ابراہیم ؑ میں برائت از مشرکین یعنی توحید کی یہ تحریک قیامت تک باقی رہے گی۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ: تاکہ لوگ شرک چھوڑ کر توحید کی طرف، غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کریں۔ چنانچہ آج روئے زمین پر جتنے بھی توحید پرست لوگ ہیں، وہ ابراہیم ؑ اور اس کی آل کی اس تحریک کا نتیجہ ہیں۔

۳۱۔ یعنی مکہ اور طائف کے کسی رئیس قبیلہ کو اس عہدے کے لیے منتخب کرتا۔ اللہ کو اپنا نمائندہ بنانے کے لیے عبد اللہ کا یتیم ملا، جس کے پاس نہ دولت تھی، نہ کسی قبیلے کی سرداری۔

۳۲۔ جواب میں فرمایا: تیرے رب کی رحمت کی تقسیم کا اختیار ان کو کس نے دیا؟ ہم نے اس سے کمتر چیز، یعنی ان کا ذریعہ حیات، روزی بھی کسی کے اختیار میں نہیں دی۔ نہ ہی بندوں کے درمیان جو تفاوت درجات رکھتے ہیں، کوئی مخدوم اور کوئی خادم ہے، وہ بھی ہم نے کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا تو نبوت جیسے الٰہی منصب کو ان کے قائم کردہ معیار کے

رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿٣٢﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ﴿٣٣﴾ وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿٣٥﴾ ع وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ﴿٣٦﴾ وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿٣٧﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيۡتَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ فَبِئۡسَ

سے کام لے اور آپ کے رب کی رحمت اس چیز سے بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔☆ ﴿۳۳﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ (کافر) لوگ سب ایک ہی جماعت (میں مجتمع) ہو جائیں گے تو ہم خدائے رحمٰن کے منکروں کے گھروں کی چھتوں اور سیڑھیوں کو جن پر وہ چڑھتے ہیں چاندی سے، ﴿۳۴﴾ اور ان کے گھروں کے دروازوں اور ان تختوں کو جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں،☆ ﴿۳۵﴾ (چاندی) اور سونے سے بنا دیتے اور یہ سب دنیاوی متاع حیات ہے اور آخرت آپ کے رب کے ہاں اہل تقویٰ کے لیے ہے۔ ﴿۳۶﴾ اور جو بھی رحمٰن کے ذکر سے پہلوتہی کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہی اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔☆ ﴿۳۷﴾ اور وہ (شیاطین) انہیں راہ (حق) سے روکتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں۔☆ ﴿۳۸﴾ جب یہ شخص ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا: اے کاش! میرے درمیان اور تیرے درمیان دو مشرقوں کا فاصلہ ہوتا، تو بہت برا ساتھی

---

مطابق کیسے تقسیم کر سکتے ہیں۔

۳۴۔ جس مال و دولت کی فراوانی کو نادان لوگ باعث خوشحالی سمجھتے ہیں، وہ حقیقت میں ایک بدحالی ہے۔ دنیا میں اس سے امن و سکون چھن جاتا ہے اور وسائل کی فراوانی کی وجہ سے اس کی حیوانی خواہشات بیدار ہو جاتی ہیں۔ وہ خواہشات کا بندہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ نہ خواہشات کو سیر کر سکتا ہے، نہ روک سکتا ہے۔ اس طرح زندگی اندر سے دوزخ بن جاتی ہے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ان مالداروں کی ظاہری شان و شوکت دیکھ کر سب لوگوں کے کفر اختیار کرنے کا خطرہ نہ ہوتا تو ہم کفار کو اس دوزخ میں مزید دھکیل دیتے اور ان کو سونے چاندی کے گھر عطا کرتے۔

۳۶۔ ایک گناہ دوسرے گناہ اور ایک جرم دوسرے جرم کے ارتکاب کے لیے زینہ بنتا ہے۔ ایک بار کسی جرم کے مرتکب ہونے سے شیطان کے دام میں آسانی سے پھنس جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی اسے شیطان کے دام میں چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اللہ اس سے ہاتھ اٹھا لے اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دے۔ اس صورت میں اسے راہ حق دکھانے والا کوئی نہ ہوگا۔ پوری طرح شیطان کے دام میں پھنس جائے گا۔ نُقَيِّضۡ کی نسبت اللہ کی طرف اس طرح ہے کہ اللہ نے اسے اس کے جرم کی پاداش میں اپنے حال پر چھوڑ دیا تو وہ شیطان کے زیر تسلط چلا گیا۔

۳۷۔ اس طرح وہ ضلالت مرکبہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ضلالت کی اتھاہ گہرائی میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ

الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ

ہے۔☆ ﴿۳۹﴾ اور جب تم ظلم کر چکے تو آج (ندامت) تمہیں فائدہ نہیں دے گی، عذاب میں یقیناً تم سب شریک ہو۔ ﴿۴۰﴾ کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھے کو یا اسے جو واضح گمراہی میں ہے راستہ دکھا سکتے ہیں؟ ﴿۴۱﴾ پس اگر ہم آپ کو اٹھا بھی لیں تو یقیناً ہم ان سے انتقام لینے والے ہیں۔☆ ﴿۴۲﴾ یا (آپ کی زندگی میں) آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، یقیناً ہم ان پر قدرت رکھنے والے ہیں ﴿۴۳﴾ پس آپ کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس سے تمسک کریں، آپ یقیناً سیدھے راستے پر ہیں۔☆ ﴿۴۴﴾ اور یہ (قرآن) آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے ایک نصیحت ہے اور عنقریب تم سب سے سوال کیا جائے گا۔☆ ﴿۴۵﴾ اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں ان سے پوچھ لیجیے: کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے علاوہ معبود بنائے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے؟☆ ﴿۴۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس

---

وہی راہ راست پر ہیں۔ اس ضلالت مرکبہ کی وجہ سے وہ حق کی جستجو کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

۳۸۔ اللہ کی بارگاہ میں پہنچنے پر پتہ چلے گا کہ وہ کس دام میں مبتلا رہا ہے۔

بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ میں دو مشرقوں سے مراد مشرق و مغرب ہے۔ جیسے والد اور والدہ کے لیے والدین کہتے ہیں۔

۴۱۔ مکہ کے کفار اس تحریک کو الٰہی نہیں بلکہ صرف رسول کریم ﷺ کی ذات سے مربوط سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ شخص اگر ختم ہو جائے تو تحریک بھی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ کفار کی اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے حضور ﷺ سے فرمایا: ہمیں ان کافروں کو سزا دینا ہے، خواہ ہم آپ ﷺ کو اس دنیا سے اٹھائیں یا آپ ﷺ کو ان کا انجام دکھا دیں۔

۴۳۔ ان تمام شدائد کا حل اس میں ہے کہ آپ ﷺ وحی کے ذریعے ملنے والی تعلیمات کے ساتھ متمسک رہیں۔ وحی آپ کے لیے نہایت مضبوط پشتیبان ہے۔ دوسری طاقت یہ ہے کہ آپ صراط مستقیم پر ہیں، جو حق ہے۔ حق کو ثبات ہے اور باطل نے مٹ جانا ہے۔

۴۴۔ یہ قرآن آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی قوم کے لیے ذکر ہے۔ ایک تفسیر یہ ہے: یہ قرآن آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی قوم کے لیے ذکر خدا کا ذریعہ ہے۔ دوسری تفسیر میں ذکر سے مراد شرف لیا ہے۔ یعنی یہ قرآن آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی قوم کے لیے ایک شرف ہے

۴۵۔ سابقہ انبیاء سے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان

وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ
مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ
اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ
بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ
قَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا
عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ
یَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ
قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ
وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ط اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ
هُوَ مَهِیْنٌ ۙ۬ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَاۤ

کے درباریوں کی طرف بھیجا، پس موسیٰ نے کہا: میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ ﴿۴۶﴾ پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے تو وہ ان نشانیوں پر ہنسنے لگے۔☆ ﴿۴۷﴾ اور جو نشانی ہم انہیں دکھاتے تھے وہ پہلی سے بڑی ہوتی اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑ لیا کہ شاید وہ باز آجائیں۔☆ ﴿۴۸﴾ اور (عذاب دیکھ کر) کہنے لگے: اے جادوگر! تیرے رب نے تیرے نزدیک تجھ سے جو عہد کر رکھا ہے اس کے مطابق ہمارے لیے دعا کر، ہم یقینا ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ ﴿۴۹﴾ پھر جب ہم نے عذاب کو ان سے دور کر دیا تو وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ ﴿۵۰﴾ اور فرعون نے اپنی قوم سے پکار کر کہا: اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت میرے لیے نہیں ہے، اور یہ نہریں جو میرے (محلات کے) نیچے بہ رہی ہیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ ﴿۵۱﴾ کیا میں اس شخص سے بہتر نہیں ہوں جو بے توقیر ہے اور صاف بات بھی نہیں کر سکتا؟☆ ﴿۵۲﴾ تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں

---

انبیاء نے جو تعلیمات چھوڑی ہیں، ان میں تلاش کرو۔ روایات اہل بیت علیہم السلام میں آیا ہے کہ شب معراج رسول کریم ﷺ کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام جمع کیے گئے، پھر ان سے سوال کرنے کا حکم ہوا۔ (الاحتجاج)

۴۷۔۴۸ ان نشانیوں سے مراد ہے: جادوگروں کا مقابلہ، شدید قحط، طوفان کے ذریعے بستیوں اور کھیتوں کی تباہی، ٹڈی دل کا تباہ کن حملہ، جوؤں اور سسریوں کا بے تحاشا پھیلنا، ملک کے گوشہ و کنار میں مینڈکوں کا سیلاب، نہروں، چشموں اور کنوؤں کے پانی کا خون میں تبدیل ہو جانا۔ ہر بار فرعون یہ وعدہ کرتا کہ اگر یہ بلا آپ علیہ السلام کی دعا سے ٹل جائے تو ہم ایمان لائیں گے۔ لیکن بلا ٹلنے پر وہ عہد شکنی کرتا تھا۔

۵۲۔ اس کے پاس نہ دولت ہے، نہ حشمت، نہ عزت و جلالت۔ وہ اپنا مدعا بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا۔ یہ لکنت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بچپن سے تھی۔ فرعون کو یہ معلوم نہیں ہوا ہو گا کہ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں وہ لکنت نہیں ہے۔ بار نبوت اٹھاتے وقت جناب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اللہ آپ علیہ السلام کی زبان کی گرہ کھول دے: وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ۔ (طٰہ: ۲۷)

۵۳۔ کہتے ہیں قدیم زمانے میں وزیروں اور شاہی نمائندوں کو دربار کی طرف سے خلعت کے طور پر سونے کا کنگن دیا جاتا تھا اور سپاہیوں کا ایک دستہ بھی اس کے ہمراہ ہو لیتا تھا۔ فرعون "مکہ" والوں کے اعتراض کی مانند یہی بات کر رہا ہے کہ یہ رسول، اللہ کا کیسا نمائندہ ہے جس کے ہاتھ میں خشک لاٹھی

اُلۡقِیَ عَلَیۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِکَةُ مُقۡتَرِنِیۡنَ ﴿۵۳﴾ فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ ع وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُکَ مِنۡهُ یَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوۡۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَیۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿۵۸﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَیۡهِ وَجَعَلۡنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ مَّلٰٓئِکَةً فِی الۡاَرۡضِ یَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۰﴾

اتارے گئے یا فرشتے اس کے ساتھ یکے بعد دیگرے کیوں نہیں آئے؟☆ ﴿۵۳﴾ چونکہ اس نے اپنی قوم کو بے وقعت کر دیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، وہ یقینا فاسق لوگ تھے۔☆ ﴿۵۴﴾ پس جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ان سب کو غرق کر دیا۔ ﴿۵۵﴾ پھر ہم نے انہیں قصہ پارینہ اور بعد (میں آنے) والوں کے لیے نشان عبرت بنا دیا، ﴿۵۶﴾ اور جب ابن مریم کی مثال دی گئی تو آپ کی قوم نے اس پر شور مچایا۔☆ ﴿۵۷﴾ اور کہنے لگے: کیا ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰ)؟ انہوں نے عیسیٰ کی مثال صرف برائے بحث بیان کی ہے بلکہ یہ لوگ تو جھگڑالو ہیں۔☆ ﴿۵۸﴾ وہ تو بس ہمارے بندے ہیں جن پر ہم نے انعام کیا اور ہم نے انہیں بنی اسرائیل کے لیے نمونہ (قدرت) بنا دیا۔☆ ﴿۵۹﴾ اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تمہاری جگہ فرشتوں کو جانشین بنا دیتے۔☆ ﴿۶۰﴾

ہے اور بدن پر کھردرا کپڑا ہے۔

۵۴۔ فرعون نے اپنی قوم کو بے وقعت کر دیا۔ جابر لوگ ہمیشہ اپنی رعیت سے ان کی انسانی قدریں چھین کر انہیں بے وقعت کر دیتے ہیں۔ جب قوم کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی تو پھر یہ قوم جابر طاقتوں کی غلام بن جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی نکتہ کو بیان فرمایا: فرعون نے اپنی قوم کو جب بے حیثیت کر دیا تو قوم نے فرعون کی اطاعت کی۔ اسی نکتے کی طرف حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کی اطاعت کرنے والوں کے لیے اشارہ فرمایا: ان لم یکن لکم دین۔۔۔۔ فکونوا احرارا فی دنیاکم۔ (بحار الانوار ۴۵: ۵۰) اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے، تو تم اپنی دنیا میں تو آزاد رہو۔ (بے وقعت نہ بنو)

۵۷ تا ۵۹۔ ان آیات کے شان نزول میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بار مسجد میں اہل مکہ کو بتوں کی پرستش کے بارے میں سورۃ الانبیاء کی یہ آیت سنائی اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ تم اور اللہ کے علاوہ وہ معبود جن کی تم پرستش کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں اور تم اس میں داخل ہو گے۔ اس پر عبد اللہ ابن الزبعری نامی شخص نے کہا: مسیحی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے کر اس کی پرستش کرتے ہیں تو کیا برا ہے کہ ہم بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوں؟ اس پر مجمع سے قہقہہ بلند ہوا۔ آنے والی آیات میں سلسلہ کلام جاری ہے۔ پھر اس اعتراض کا جواب بھی آئے گا۔

۵۹۔ بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنا دیا۔ یعنی قدرت الٰہی کا نمونہ بنا دیا۔ وہ مردوں کو زندہ کرتے، مادر زاد اندھوں کو بینائی دیتے۔ وہ مٹی کا پرندہ بناتے اس میں روح پھونکتے، وہ پرندہ زندہ ہو جاتا۔

وَ اِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا
وَ اتَّبِعُوۡنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿٦١﴾ وَ
لَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ
مُّبِيۡنٌ ﴿٦٢﴾ وَ لَمَّا جَآءَ عِيۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ
قَالَ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِالۡحِكۡمَةِ وَ لِاُبَيِّنَ
لَكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ ۚ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوۡنِ ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ
هُوَ رَبِّىۡ وَ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا
صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ
مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ ۚ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ
عَذَابِ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ ﴿٦٥﴾ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ
اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّ هُمۡ لَا
يَشۡعُرُوۡنَ ﴿٦٦﴾ اَلۡاَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُهُمۡ

﴿٦١﴾ اور وہ (عیسیٰ) یقیناً قیامت کی علامت ہے پس تم ان میں ہرگز شک نہ کرو اور میری اتباع کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔☆ ﴿٦٢﴾ اور شیطان کہیں تمہارا راستہ نہ روکے وہ یقیناً تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ﴿٦٣﴾ اور عیسیٰ جب واضح دلائل لے کر آئے تو بولے: میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور جن بعض باتوں میں تم اختلاف رکھتے ہو انہیں تمہارے لیے بیان کرنے آیا ہوں، پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ﴿٦٤﴾ یقیناً اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔☆ ﴿٦٥﴾ پھر گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا، پس ظالموں کے لیے دردناک دن کے عذاب سے تباہی ہے۔☆ ﴿٦٦﴾ کیا یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر اچانک آ پڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ ﴿٦٧﴾ اس دن دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے پرہیزگاروں

٦٠۔ اس آیت کی ایک تفسیر وہی ہے، جس کے تحت متن کا ترجمہ ہے۔ بنا براین مِنۡكُمۡ میں مِن بدل کے لیے ہے، یعنی تمہاری جگہ۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتہ صفت لوگ پیدا کرتے جو ایک دوسرے کے جانشین ہوتے۔ وہ ظاہر میں بشر، لیکن وہ پاکیزگی میں، باطن میں فرشتوں کی طرح ہوتے۔ سیاق آیت کے مطابق پہلی تفسیر درست ہے۔ کیونکہ وَلَوۡ نَشَآءُ اگر ہم چاہتے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے نہیں چاہا زمین پر تمہاری جگہ فرشتے ہوں۔ دوسری تفسیر میں یہ بات درست نہیں بیٹھتی، اگر ہم چاہتے تو زمین میں فرشتہ صفت بشر پیدا کرتے، لیکن ہم نے نہیں چاہا اور ایسا انسان پیدا نہیں کیا۔

٦١۔ حضرت عیسیٰ ؑ قیامت کی سچائی کی ایک دلیل ہیں۔ جو ذات عیسیٰ ؑ کو بغیر باپ کے پیدا کر سکتی ہے اور حضرت عیسیٰ ؑ کے ذریعے مردوں کو زندہ کر سکتی ہے، وہ ذات قیامت کے دن سب کو زندہ کر سکتی ہے۔

٦٤۔ یہاں سے کفار مکہ کے اعتراض کا جواب شروع ہوتا ہے کہ عیسیٰ ؑ نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں، تم میری عبادت کرو۔ عیسیٰ ؑ کی دعوت کا محور تو توحید اور یکتا پرستی تھا۔

٦٥۔ اس اختلاف میں ایک گروہ نے ان پر ناروا الزام عائد کیا اور ایک گروہ نے ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔

ایک روایت میں رسول کریم ﷺ نے حضرت علی ؑ کو عیسیٰ ؑ کا مثل قرار دیا کہ ایک گروہ ان کے بغض میں اور ایک گروہ ان کے بارے میں غلو کے باعث ہلاک ہو جائے گا۔ (مناقب حافظ ابن مردویہ)

٦٧۔ جو لوگ دنیا میں معصیت کار لوگوں کو اپنا دوست

لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۶۷﴾ یٰعِبَادِ
لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ
تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا
وَ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۶۹﴾ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ
اَنۡتُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ یُطَافُ
عَلَیۡہِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَہَبٍ وَّ اَکۡوَابٍ ۚ
وَ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ
الۡاَعۡیُنُ ۚ وَ اَنۡتُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَ
تِلۡکَ الۡجَنَّۃُ الَّتِیۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡہَا بِمَا کُنۡتُمۡ
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۲﴾ لَکُمۡ فِیۡہَا فَاکِہَۃٌ کَثِیۡرَۃٌ
مِّنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ
عَذَابِ جَہَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنۡہُمۡ
وَ ہُمۡ فِیۡہِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَ مَا ظَلَمۡنٰہُمۡ

کے۔☆ ﴿۶۸﴾ (پرہیزگاروں سے کہا جائے گا) اے میرے بندو! آج تمہارے لیے کوئی خوف نہیں ہے اور نہ ہی تم غمگین ہو گے۔ ﴿۶۹﴾ (یہ وہی ہوں گے) جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور وہ مسلمان تھے۔ ﴿۷۰﴾ (انہیں حکم ملے گا) تم اور تمہاری ازواج خوشی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ﴿۷۱﴾ ان کے سامنے سونے کے تھال اور جام پھرائے جائیں گے اور اس میں ہر وہ چیز موجود ہو گی جس کی نفس خواہش کرے اور جس سے نگاہیں لذت حاصل کریں اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔☆ ﴿۷۲﴾ اور یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں وارث بنا دیا گیا ہے ان اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔ ﴿۷۳﴾ اس میں تمہارے لیے بہت سے میوے ہیں جنہیں تم کھاؤ گے۔ ﴿۷۴﴾ جو لوگ مجرم ہیں یقیناً وہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہیں گے۔ ﴿۷۵﴾ ان سے (عذاب میں) تخفیف نہ ہو گی اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے۔ ﴿۷۶﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی

---

بناتے ہیں، کل قیامت کے دن یہ لوگ دشمن ہو جائیں گے۔ کل صرف وہ دوست کام آئیں گے جو متقی ہیں۔ لہٰذا سمجھداری کا تقاضا ہے کہ دنیا میں متقی لوگوں کی دوستی اختیار کی جائے۔

۷۱۔ جس طرح ایک جنین کے لیے عالم دنیا اور اس کی چیزیں قابل فہم نہیں ہیں اسی طرح دنیا والوں کے لیے عالم آخرت اور اس کی چیزیں قابل فہم نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ دنیا کی چیزوں کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ جنت میں باغات، نہریں، حوریں اور میوے ہوں گے۔ کیونکہ عالم دنیا کا انسان صرف انہی چیزوں کو سمجھ سکتا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے اللہ اپنی قدرت کو ہاتھ سے تعبیر کرتا ہے کیونکہ انسان کے لیے مانوس تعبیر یہی ہے۔ اس آیت میں جنت کی نعمتوں کی جامع تعریف موجود ہے۔

تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ: جس کی نفس خواہش کرے۔ جو بھی انسانی نفس کے دائرے میں آئے، وہ موجود ہو گا۔ خواہ اس کا تعلق لذتوں سے ہو یا آوازوں یا خوشبوؤں یا دیگر محسوسات سے ہو یا ان کی کیفیت سے ہو۔ اگر یہ خواہش ہو کہ جنت کی لذتوں میں تکرار نہ ہو، ہر مرتبہ نئی لذت ہو تو بھی میسر ہو گی۔

وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ: نگاہیں لذت حاصل کریں۔ اس میں بصری نعمتوں کا ذکر آیا۔ اس میں سرفہرست جمالیات ہیں۔ خوبصورت چہرے، حسین مناظر، زیب و زینت کی چیزیں۔ ان دو لفظوں میں قابل تصور تمام نعمتوں کی ایک جامع تعریف آ گئی، تاہم عالم جنت میں انسانی خواہشات اور جمالیات ہمارے لیے قابل فہم نہیں ہیں۔ اشتہا اور لذت کی تعبیر انسان کو کسی حد تک مطلب کے نزدیک کر دیتی ہے۔

وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ

ظالم تھے۔ (۷۷) اور وہ پکاریں گے: اے مالک (پہریدار) تیرا رب ہمیں ختم ہی کر دے تو وہ کہے گا: بے شک تمہیں یہیں پڑے رہنا ہے۔☆ (۷۸) بتحقیق ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تم میں سے اکثر حق سے کراہت کرنے والے ہیں۔ (۷۹) کیا انہوں نے کسی بات کا پختہ عزم کر رکھا ہے؟ (اگر ایسا ہے) تو ہم بھی مضبوط ارادہ کرنے والے ہیں۔☆ (۸۰) کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتیں اور سرگوشیاں نہیں سنتے؟ ہاں! اور ہمارے فرستادہ (فرشتے) ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں۔☆ (۸۱) کہہ دیجیے: اگر رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا۔☆ (۸۲) آسمانوں اور زمین کا رب، عرش کا رب، پاکیزہ ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں۔☆ (۸۳) پس انہیں بیہودہ باتوں میں مگن اور کھیل میں مشغول رہنے دیجیے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پائیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (۸۴) اور وہ وہی ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین

۷۷۔ مالک سے مراد جہنم کا داروغہ ہے اور جواب داروغہ ہی کی طرف سے ہوگا۔

۷۹۔ کفار مکہ کی ان سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنی خفیہ نشستوں میں کرتے رہتے تھے۔

۸۰۔ اللہ کے فرستادہ فرشتے انسان کی ہر حرکت اور ہر بات کو ریکارڈ کر رہے ہیں تاکہ کل قیامت کے دن یہ خود اپنے اعمال کا مشاہدہ کرے۔ چنانچہ قیامت کے دن جب انسان ان اعمال کا مشاہدہ کرے گا تو کہے گا: ہائے ندامت! یہ کیسا نامہ اعمال ہے۔ اس نے کسی چھوٹی بڑی بات کو نہیں چھوڑا۔ سب کو درج کر لیا ہے۔ (کہف: ۴۹)

۸۱۔ ایک ناممکن چیز کو ممکن فرض کر لینے کے بعد اس کی نفی کرنا مقصود ہے کہ اگرچہ اللہ کے لیے اولاد کا ہونا محال ہے تاہم بفرض محال اگر اس کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ اب جو میری طرف سے انکار ہے، وہ حقیقت میں اللہ کی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ہے، نہ کہ کسی ضد کی وجہ سے۔

۸۲۔ آسمانوں اور زمین کے رب کے بعد عرش کے رب کا ذکر بتلاتا ہے کہ ان دونوں کی ربوبیت میں فرق ہے۔ چنانچہ آسمانوں اور زمین کا مقام تخلیق میں رب ہے اور عرش کا مقام تدبیر میں رب ہے اور اللہ رب الخلق و التدبیر ہے۔ واضح رہے کہ عرش اللہ تعالیٰ کے مقام تدبیر کا نام ہے۔

۸۴۔ آسمان کے فرشتوں اور زمین کے بتوں کو معبود بنانے والوں نیز زمین و آسمان کے لیے الگ الگ

اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الۡحَكِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ ۝۸۴ وَتَبٰرَكَ
الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ
مَا بَیۡنَهُمَا ۚ وَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ
وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝۸۵ وَلَا یَمۡلِكُ الَّذِیۡنَ
یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنۡ
شَهِدَ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ۝۸۶ وَلَئِنۡ
سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی
یُؤۡفَكُوۡنَ ۝۸۷ وَقِیۡلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ
وقف لازم قَوۡمٌ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝۸۸ فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَقُلۡ
سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ۝۸۹ ع

میں بھی معبود ہے اور وہ بڑا حکمت والا، خوب جاننے والا ہے۔☆ ۸۵ اور بابرکت ہے وہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کی بادشاہی ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔ ۸۶ اور اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کچھ اختیار نہیں رکھتے سوائے ان کے جو علم رکھتے ہوئے حق کی گواہی دیں۔ ۸۷ اور اگر آپ ان سے پوچھیں: انہیں کس نے خلق کیا ہے؟ تو یہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، پھر کہاں الٹے جا رہے ہیں۔ ۸۸ اور (اللہ جانتا ہے) رسول کے اس قول کو: اے رب! یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ ۸۹ پس ان سے درگزر کیجیے اور سلام کہہ دیجیے کہ عنقریب یہ جان لیں گے۔☆

آیاتها ۵۹ — ۴۴ سُوۡرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ ۶۴ — رکوعاتها ۳

سورہ دخان۔ مکی۔ آیات ۵۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

حٰمٓ ۝۱ وَ الۡكِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۝۲ اِنَّاۤ

۱ حا، میم۔ ۲ اس روشن کتاب کی قسم۔ ۳ ہم نے

---

خدا قرار دینے والوں کے لیے جواب ہے کہ آسمان اور زمین میں ایک ہی معبود کی خدائی ہے۔

۸۹۔ یعنی کفار کی طرف سے سخت مزاحمت اور گستاخی کے مقابلے میں حق کے داعی کا لہجہ سلام کا ہو۔ ساتھ ہی برے انجام کی طرف اتمام حجت کے طور پر ایک اشارہ بھی ہے: فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ۔ انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

سلام کے مفہوم میں مفسرین میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ امن و آشتی کا سلام ہے جو حکم قتال سے پہلے جائز و رائج تھا اور بعض کے نزدیک باہمی لاتعلقی کا سلام ہے۔

سورہ دخان

۳۔ مبارک رات سے مراد ماہ رمضان المبارک کی وہ رات ہے جو قدر کی رات سے موسوم ہے، جیسا کہ سورۃ القدر میں فرمایا: ہم نے اس قرآن کو قدر کی رات میں اتارا۔ سورہ بقرہ میں فرمایا: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ شب قدر میں قرآن نازل ہونے سے مراد کیا ہے؟ کہ اس رات قرآن کا نزول شروع ہوا؟ یا اس رات پورا قرآن حاملین وحی کے حوالے کیا گیا یا اس رات کو قرآن بیت المعمور میں نازل ہوا؟ یا اس رات کو پورا قرآن قلب رسول ﷺ پر ایک ساتھ نازل ہوا، پھر ۲۳ سالوں تک تدریجاً بھی نازل ہوتا رہا؟ اس بارے میں نظریات مختلف ہیں۔ و العلم عند اللہ۔

اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾ فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ﴿۴﴾ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ﴿۵﴾ رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا ۘ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ ﴿۷﴾ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ؕ رَبُّکُمۡ وَ رَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸﴾ بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ یَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۹﴾ فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۰﴾ یَّغۡشَی النَّاسَ ؕ ہٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اکۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰی لَہُمُ الذِّکۡرٰی وَ قَدۡ

وقف لازم

اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے، یقینا ہم ہی تنبیہ کرنے والے ہیں۔☆ ﴿۴﴾ اس رات میں ہر حکیمانہ امر کی تفصیل وضع کی جاتی ہے۔☆ ﴿۵﴾ ایسا امر جو ہمارے ہاں سے صادر ہوتا ہے (کیونکہ) ہمیں رسول بھیجنا مقصود تھا۔ ﴿۶﴾ (رسول کا بھیجنا) آپ کے رب کی طرف سے رحمت کے طور پر، وہ یقینا خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔ ﴿۷﴾ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ ﴿۸﴾ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی اور موت دیتا ہے، وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔ ﴿۹﴾ لیکن یہ لوگ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ ﴿۱۰﴾ پس آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان نمایاں دھواں لے کر آئے گا،☆ ﴿۱۱﴾ جو لوگوں پر چھا جائے گا، یہ عذاب دردناک ہوگا۔ ﴿۱۲﴾ (وہ فریاد کریں گے) ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب ٹال دے، ہم ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ ان کے لیے نصیحت

---

۴۔ اس آیت سے اور سورۃ القدر کی آیت: تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ۔ اس رات ملائکہ اور روح الامین اپنے رب کے اذن سے ہر بات کا حکم لے کر نازل ہوتے ہیں، سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ملکوتی نظام میں ایک رات ایسی ہے، جس میں وہ تمام امور کے فیصلے صادر کرتا ہے۔

۱۰۔ امامیہ و غیر امامیہ مصادر میں یہ روایت مستند طرق سے منقول ہے کہ یہ دھواں قیامت کے زمانے کا ہے۔ غیر امامیہ مآخذ میں آیا ہے کہ قیامت کی علامات میں سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دابۃ الارض، یاجوج و ماجوج کا خروج، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، عدن سے آگ کا نکلنا اور جزیرۃ العرب میں زمین کا دھنسنا شامل ہیں۔ امامیہ مآخذ میں ان علامات کے علاوہ سفیانی اور دجال کے خروج اور امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا اضافہ ہے۔

۱۴۔ حالانکہ دیوانے کی تربیت نہیں ہو سکتی۔ ان مشرکین کو اپنے عائد کردہ الزام کے مضمون کی بھی خبر نہیں کہ ہم کیا الزام لگا رہے ہیں۔ آج مستشرقین بھی یہی الزام عائد کرتے ہیں کہ یہ قرآن کسی اور کا سکھایا پڑھایا ہوا ہے۔ فرق یہ ہے کہ قرآن کے اعجازی پہلو کی یہ لوگ توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نابغہ تھے اور مشرکین کہتے تھے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پڑھایا سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔ جبکہ دیوانے کو سکھایا پڑھایا

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝١٣ۙ ثُمَّ تَوَلَّوْا
عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝١٤ۘ اِنَّا كَاشِفُوا
الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝١٥ۘ
يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا
مُنْتَقِمُوْنَ ۝١٦ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ
فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝١٧ۙ اَنْ
اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِيْنٌ ۝١٨ۙ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ
اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝١٩ۚ وَاِنِّيْ عُذْتُ
بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۝٢٠ۡ وَاِنْ لَّمْ
تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ۝٢١ فَدَعَا رَبَّهٗٓ
اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝٢٢ فَاَسْرِ
بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝٢٣ۙ وَاتْرُكِ

وقف لازم — وقف لازم — النصف

کہاں سودمند ہے جب کہ ان کے پاس واضح بیان کرنے والا رسول آیا تھا؟ (۱۳) پھر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور کہا: یہ تو تربیت یافتہ دیوانہ ہے۔☆ (۱۴) ہم تھوڑا سا عذاب ہٹا دیتے ہیں، تم یقینا وہی کچھ کرو گے جو پہلے کیا کرتے تھے۔ (۱۵) جس دن ہم بڑی کاری ضرب لگائیں گے ہم (اس دن) انتقام لینے والے ہیں۔☆ (۱۶) اور بتحقیق ان سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کو آزمائش میں ڈالا اور ان کے پاس ایک معزز رسول آیا۔☆ (۱۷) (اس رسول نے کہا) کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو، میں تمہارے لیے امانتدار رسول ہوں۔☆ (۱۸) اور اللہ کے مقابلے میں برتری دکھانے کی کوشش نہ کرو، میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں۔ (۱۹) اور میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آ گیا ہوں (اس بات سے) کہ تم مجھے سنگسار کرو۔☆ (۲۰) اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے دور رہو۔ (۲۱) پس موسیٰ نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ مجرم لوگ ہیں۔ (۲۲) (اللہ نے فرمایا) پس میرے

---

نہیں جا سکتا۔ نابغہ ہیں تو دیگر نابغہ افراد بھی ایسا کلام پیش کر سکتے ہیں۔

۱۶۔ یہ انتقام قیامت کا ذکر نہیں، بلکہ قیامت سے پہلے یوم دخان (دھوئیں والے دن) کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ منافقوں اور کافروں کو قیامت سے پہلے بھی ایک ضرب اور انتقام کے دن کا سامنا کرنا ہوگا۔

۱۷۔۱۸ قوم فرعون کی آزمائش حضرت موسیٰ ؑ کے توسط سے ہوئی اور موسیٰ ؑ کا مدعا یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو میرے حوالے کر دو۔ اَدُّوْٓا حوالے کرو کے معنی میں زیادہ مناسب ہے۔

عِبَادَ اللّٰهِ سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ اس لفظ میں بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ کی طرف سے مہربانی کا اظہار ہے، چونکہ وہ فرعون کی طرف سے عذاب میں تھے۔

۲۰۔ تَرْجُمُوْنِ: الرجم سنگسار کرنے کو کہتے ہیں۔ حضرت نوح ؑ سے اس کی قوم نے کہا: اگر باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا: لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ۔ (شعراء: ۱۱۶) حضرت ابراہیم ؑ سے آذر نے کہا: اگر باز نہ آئے لَاَرْجُمَنَّكَ میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ (مریم: ۴۶)

یہاں الرجم سے الزام لگانے کے معنی مراد لینا خلاف ظاہر ہے۔ چونکہ وہ تہمت اور الزام لگاتے رہے۔ اس کے لیے عُذْتُ پناہ میں آ گیا ہوں، کی سیاق سے مناسبت نہیں ہے۔

۲۴۔ یعنی دریا کے اس شگاف کو اپنے عصا کے ذریعے دوبارہ پہلی حالت میں لانے کی کوشش نہ کر۔ جیسا وہ شگاف سے پہلے تھا، اسی حالت میں رہنے دو، تاکہ فرعون اور اس کا لشکر اس راستے سے داخل ہو جائے، پھر دریا پہلی حالت میں آئے گا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو جائے گا۔

الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾
كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَ
زُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَنَعْمَةٍ كَانُوا
فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا
قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ
السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ﴿٢٩﴾ ع
وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ
الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ
كَانَ عَالِيًا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ
اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾
وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ
مُبِينٌ ﴿٣٣﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ
هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ

بندوں کو لے کر رات کو چل پڑیں، یقیناً تم لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا۔ (۲۴) اور سمندر کو شگافتہ چھوڑ دیجیے ان کے لشکری یقیناً غرق ہونے والے ہیں۔☆ (۲۵) وہ لوگ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے، (۲۶) اور کھیتیاں اور عمدہ محلات، (۲۷) اور نعمتیں جن میں وہ مزے لیتے تھے، (۲۸) (یہ قصہ) اسی طرح واقع ہوا اور ہم نے دوسروں کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔☆ (۲۹) پھر نہ آسمان و زمین نے ان پر گریہ کیا اور نہ ہی وہ مہلت ملنے والوں میں سے تھے۔☆ (۳۰) اور بتحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت آمیز عذاب سے نجات دی، (۳۱) (یعنی) فرعون سے، جو حد سے تجاوز کرنے والوں میں بہت اونچا چلا گیا تھا۔ (۳۲) اور بتحقیق ہم نے انہیں (بنی اسرائیل کو) اپنے علم کی بنیاد پر اہل عالم پر فوقیت بخشی۔☆ (۳۳) اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح امتحان تھا۔☆ (۳۴) یہ لوگ ضرور کہیں گے: (۳۵) کہ یہ صرف ہماری پہلی موت ہے پھر ہم اٹھائے نہیں جائیں

۲۸۔ دوسروں کو وارث بنانا: اس سے آل فرعون کے بعد کے لوگ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ یہ کہنا کہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں، کیونکہ وہ واپس مصر گئے اور آل فرعون کے وارث بنے، درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ بنی اسرائیل کی واپسی کے شواہد نہیں ملتے۔

۲۹۔ فرعون اور آل فرعون جب اقتدار پر تھے تو سب ان کے قصیدہ خواں تھے اور جب وہ غرق ہو گئے تو نہ چشم فلک نے گریہ کیا، نہ روئے زمین پر کسی نے آنسو بہایا، بلکہ بہت سے لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر آسمان نے چالیس دن تک گریہ کیا۔ (مجمع البیان)

تفسیر در المنثور میں آیا ہے کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے تو آسمان سرخ ہو گیا اور خون کے قطرے گرے اور جب [حضرت] حسین بن علی [علیہ السلام] شہید ہوئے تو آسمان سرخ ہو گیا۔

۳۲۔ سب سے زیادہ انبیاء بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ عَلٰی عِلۡمٍ، اپنے اس علم کی بنا پر بنی اسرائیل کو دوسری قوموں پر فضیلت دی۔ چونکہ اس وقت زمین پر بسنے والی قوموں میں سب سے زیادہ اس بار امانت کو اٹھانے کے لیے مناسب قوم یہی تھی۔

۳۳۔ کسی فرد یا قوم کو نعمتیں دے کر آزمایا جاتا ہے، کسی سے نعمتیں چھین کر۔ بنی اسرائیل کو دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ معجزات دکھا کر آزمایا گیا۔ ان کے لیے دریا شق ہو گیا۔ من و سلوی دیے گئے۔ پہاڑ سے چشمے نکالے گئے۔ فرعون کے ظلم سے نجات دلائی۔ لیکن اس قوم نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی۔

۳۵۔ انکار معاد کے بارے میں مشرکین کا نظریہ: وہ کہتے ہیں مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰی صرف پہلی موت ہوگی،

بِمُنۡشَرِیۡنَ ﴿۳۵﴾ فَاۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ
صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمۡ خَيۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ
الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ ۫ اِنَّهُمۡ
كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا لٰعِبِيۡنَ ﴿۳۸﴾ مَا
خَلَقۡنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا
يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِيۡقَاتُهُمۡ
اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۴۰﴾ ۙ يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ مَوۡلًى عَنۡ مَّوۡلًى
شَيۡـًٔا وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۱﴾ ۙ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ
اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۴۲﴾ ع اِنَّ
شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿۴۳﴾ ۙ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ﴿۴۴﴾ ۛۚ
كَالۡمُهۡلِ ۛۚ يَغۡلِىۡ فِى الۡبُطُوۡنِ ﴿۴۵﴾ ۙ كَغَلۡىِ
الۡحَمِيۡمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰى سَوَآءِ

ع ۲ — معانقة ۱۳

گے۔☆ ﴿۳۶﴾ پس اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (دوبارہ زندہ کر کے) پیش کرو۔ ﴿۳۷﴾ کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور ان سے پہلے کے لوگ؟ انہیں ہم نے ہلاک کیا کیونکہ وہ سب مجرم تھے۔☆ ﴿۳۸﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو کھیل نہیں بنایا۔☆ ﴿۳۹﴾ ہم نے ان دونوں کو بس برحق پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۴۰﴾ یقینا فیصلے کا دن ان سب کے لیے طے شدہ ہے۔☆ ﴿۴۱﴾ اس دن کوئی قریبی کسی قریبی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی،☆ ﴿۴۲﴾ مگر جس پر اللہ رحم کرے، یقینا وہ بڑا غالب آنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۴۳﴾ بے شک زقوم کا درخت،☆ ﴿۴۴﴾ گنہگار کا کھانا ہے، ﴿۴۵﴾ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہے جو شکموں میں کھولتا ہے، ﴿۴۶﴾ جس طرح گرم پانی کھولتا ہے۔☆ ﴿۴۷﴾ اسے پکڑ لو اور جہنم کے بیچ تک گھسیٹتے ہوئے

اس کے بعد کوئی حیات نہیں ہے۔ ممکن ہے مشرکین کا یہ خیال ہو کہ موت کے بعد اگر کوئی حیات ہے تو اس کے بعد پھر ایک اور موت ہے۔ وہ حیات ابدی کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔

۳۷۔ قوم تبع کے بارے میں حاشیہ سورہ سبا میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۸۔ یعنی کل کائنات کو ہم نے عبث خلق نہیں کیا۔ اگر اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی نہیں ہے تو یہ ساری کائنات کھلونا بن جاتی ہے، یہاں کی اچھائی برائی کا کوئی نتیجہ نہیں، بوالہوسی اور بوذری میں کوئی امتیاز نہیں، مظلوم کے خون میں اپنا لقمہ تر کرنے والا اور اپنے خون پسینے سے غریب پروری کرنے والا، دونوں یکساں ہیں۔

۴۰۔ ایسا نہ ہوگا۔ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ فیصلے کے دن ان تمام باتوں کا نتیجہ سامنے آئے گا۔

۴۱۔ اس دن صرف اپنا عمل کام دے گا۔ عمل سے ہٹ کر کوئی دوسرا حربہ کارگر ثابت نہ ہوگا۔

۴۳۔ الزَّقُّوۡمِ: ایک ایسے پودے کو کہتے ہیں جو نہایت بدمزہ اور بدبودار ہے۔ اس کا شیرہ بدن کو لگ جائے تو بدن سوج جاتا ہے۔

۴۴۔ الۡاَثِيۡمِ اس شخص کو کہتے ہیں جو ہمیشہ گناہ میں غرق رہتا ہے۔

۴۶۔ الۡحَمِيۡمِ: کھولتا ہوا پانی اور گہرے دوست کو کہتے ہیں۔ ماء حمیم اور صدیق حمیم۔ یہاں کھولتا ہوا پانی مراد ہے۔

۴۷۔ فَاعۡتِلُوۡهُ: عتل۔ پکڑنے، گھسیٹنے کو کہتے ہیں۔

۴۹۔ جسمانی عذاب کے ساتھ نفسیاتی عذاب دیا جائے گا۔ یعنی جیسے تو دنیا میں اپنے آپ کو صاحب عزت اور طاقتور سمجھتا تھا، آج جہنم میں بھی سب سے زیادہ تیری پزیرائی ہو رہی ہے۔ آتش جہنم کی

الْجَحِيمِ ۝٤٧ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۝٤٨ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝٤٩ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۝٥٠ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ۝٥١ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝٥٢ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ۝٥٣ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ۝٥٤ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ۝٥٥ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝٥٦ فَضْلًا مِنْ رَبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝٥٧ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝٥٨ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ ۝٥٩ ع

لے جاؤ،☆ (۴۸) پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو۔ (۴۹) چکھ (عذاب) بے شک تو (جہنم کی ضیافت میں) بڑی عزت والا، اکرام والا ہے۔☆ (۵۰) یقینا یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔ (۵۱) اہل تقویٰ یقینا امن کی جگہ میں ہوں گے۔ (۵۲) باغوں اور چشموں میں۔ (۵۳) حریر اور دیبا پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (۵۴) اسی طرح (ہوگا) اور ہم انہیں بڑی آنکھوں والی حوروں سے بیاہ دیں گے۔☆ (۵۵) وہاں وہ اطمینان سے ہر طرح کے میوے کی فرمائش کریں گے۔ (۵۶) وہاں وہ پہلی موت کے سوا کسی اور موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے اور اللہ انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے گا۔☆ (۵۷) یہ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا، یہی تو بڑی کامیابی ہے۔☆ (۵۸) پس ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۵۹) پس اب آپ بھی منتظر رہیں، یقینا یہ بھی منتظر ہیں۔☆

---

ضیافت میں تو بڑا معزز ہے۔

۵۴۔ عین، عیناکی جمع ہے، جو اعین کی مؤنث ہے۔ بڑی آنکھ کو کہتے ہیں۔

۵۶۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مؤمن کو جنت سے پہلے صرف ایک موت سے واسطہ پڑتا ہے، لہٰذا برزخی زندگی کا وجود یا تو ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو وہ موت اس قسم کی نہیں ہے، جو دنیا کی زندگی کو لاحق ہو جاتی ہے۔

یہ آیت سورۂ مؤمن کی آیت ۱۱ کے ساتھ متصادم نہیں ہے، جس میں فرمایا: کفار قیامت کے دن کہیں گے: تو نے ہمیں دو مرتبہ زندگی دی ہے۔ اور یہ آیت مومنین کے بارے میں ہے۔ حیات برزخی کے بارے میں ہمارا موقف ہے کہ مقربین و شہداء کے لیے بغرض انعام و اکرام حیاتِ برزخی ہے اور بڑے مجرموں کے لیے بغرض عذاب و انتقام حیات برزخی ہے۔ ممکن ہے دو موت کا تعلق بڑے مجرموں سے ہو، ان کو دو موت سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک دنیاوی زندگی کی موت اور دوسری برزخی زندگی کی موت اور اس آیت میں مذکور ایک ہی موت کا تعلق تمام اہل ایمان سے ہو جو صرف دنیاوی زندگی کی موت سے دوچار ہوئے ہوں۔

۵۷۔ جنت میں داخل ہونا اور عذاب جہنم سے نجات اللہ کا فضل شامل حال ہونے کی بنا پر ہے، وگرنہ بندہ اس کی توفیق کے بغیر نہ کوئی عمل خیر انجام دے سکتا ہے، نہ اس کے اعمال ایسے ہو سکتے ہیں جن سے وہ جنت کی دائمی اور لامحدود نعمتوں کا سزاوار بنے۔

۵۹۔ اگر یہ لوگ اس ہدایت کو قبول نہیں کرتے تو اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے منتظر رہیں۔

۴۵ سورۃ الجاثیۃ مکیۃ ۶۵ — آیاتھا ۳۷ — رکوعاتھا ۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ﴿۳﴾ وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾ وَیۡلٌ لِّکُلِّ

سورہ جاثیہ۔مکی۔آیات ۳۷

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) حا، میم۔☆ (۲) اس کتاب کا نزول بڑے غالب آنے والے، حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے۔ (۳) آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔☆ (۴) اور تمہاری خلقت میں اور ان جانوروں میں جنہیں اللہ نے پھیلا رکھا ہے یقین رکھنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔☆ (۵) اور رات اور دن کی آمد و رفت میں نیز اس رزق میں جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے پھر زمین کو اس سے زندہ کر دیتا ہے اس کے مردہ ہونے کے بعد اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل رکھنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔☆ (۶) یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ کو برحق سنا رہے ہیں، پھر یہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟☆ (۷) تباہی ہے ہر

سورہ جاثیہ

۱۔۲ کفار مکہ کے اس الزام کو رد کرنے کے لیے کہ قرآن خود محمد ﷺ کی تصنیف ہے، مکی سورتوں میں عموماً اور حوامیم (جن سورتوں کی ابتدا حمٓ سے ہوتی ہے) میں خصوصاً اس بات کو مکرر بیان فرمایا جارہا ہے کہ یہ قرآن خدائے دانا و حکیم کا نازل کردہ ہے۔

۳ تا ۵۔ ان آیات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ کی نشانیوں سے معرفت خدا حاصل کرنے کے لیے اہلیت درکار ہوتی ہے۔ وہ اہلیت تین چیزوں میں منحصر ہے: ایمان، یقین اور عقل۔

۶۔ آفاق اور انفس میں موجود واضح نشانیوں اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعے حجت پوری کرنے پر بھی وہ ایمان نہیں لاتے تو حقائق بیان کرنے کا اور کون سا ذریعہ اور دلیل و حجت کا کون سا اسلوب باقی رہ جاتا ہے کہ انسان اس پر ایمان لائے؟

۷۔ اَفَّاکٍ صیغہ مبالغہ ہے۔ جس کا مشغلہ جھوٹ بولنا ہو اور ساتھ دیگر گناہوں میں غرق ہو۔ ایسے لوگ اللہ کی آیات کے مقابلے میں تکبر کے ساتھ پیش آئیں گے۔ حق تو یہ تھا کہ آیات الٰہی کے سامنے تواضع کے ساتھ پیش آتے، لیکن یہ تکبر کے ساتھ اپنے

أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٧﴾ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ
عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَمْ
يَسْمَعْهَا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٨﴾ وَإِذَا
عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ
أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿٩﴾ مِنْ
وَرَائِهِمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا
كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ
اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠﴾
هَٰذَا هُدًى ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ
رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِجْزٍ أَلِيمٌ ﴿١١﴾ ع
اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ
الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي

جھوٹے گنہگار کے لیے،☆ ⑧ وہ اللہ کی آیات کو جو اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں سن تو لیتا ہے پھر تکبر کے ساتھ ضد کرتا ہے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں، سو اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔ ⑨ اور جب اسے ہماری آیات میں سے کچھ کا پتہ چلتا ہے تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے، ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔☆ ⑩ ان کے پیچھے جہنم ہے اور جو کچھ ان کا کیا دھرا ہے وہ انہیں کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور نہ وہ جنہیں اللہ کے سوا انہوں نے کارساز بنایا تھا اور ان کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔☆ ⑪ یہ (قرآن) ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب کی سخت سزا ہو گی۔ ⑫ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور شاید تم شکر کرو۔ ⑬ اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں

---

انکار پر ضد بھی کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ قابل ہدایت نہیں ہوتے۔

۹۔ اول تو یہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ ہماری آیات ان کی دانست میں ہی نہیں آئیں۔ اگر کسی آیت کی طرف اتفاقاً متوجہ ہو جاتے ہیں تو اس کا مذاق اڑا کر ٹال دیتے ہیں۔ آیات الٰہی کے ساتھ اہانت کرنے والوں کے لیے اہانت آمیز عذاب ہو گا۔

۱۰۔ وراء امام کے مقابلے میں سمجھا جائے تو وہی ترجمہ ہو گا جو متن میں اختیار کیا ہے۔ یعنی پیچھے۔ اگر اس لفظ کو مواراۃ سے ماخوذ سمجھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے: آدمی کی نظر سے اوجھل ہو، خواہ آگے ہو یا پیچھے۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ بنے گا: ان کی اوٹ میں جہنم ہے، جہاں ان کے وہ اعمال جو غیر اللہ کی قربت کے لیے انجام دیے ہیں، ان کو فائدہ نہیں دیں گے، نہ وہ لوگ ان کو فائدہ دیں گے جن کو ان لوگوں نے ولی بنا رکھا ہے۔ ولی یعنی اپنا آقا بنا رکھا ہے۔

۱۴۔ ایام اللہ سے مراد وہ دن ہوتے ہیں جن میں مجرم قوموں کو ملنے والی سزائیں آئندہ نسلوں کو یاد رہتی ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا: وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ۔

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۳ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۵ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶ ۚ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے لیے مسخر کیا، غور کرنے والوں کے لیے یقینا اس میں نشانیاں ہیں۔ ⑬ ایمان والوں سے کہہ دیجیے: جو لوگ ایام اللہ پر عقیدہ نہیں رکھتے ان سے درگزر کریں تا کہ اللہ خود اس قوم کو اس کے کیے کا بدلہ دے۔☆ ⑮ جو نیکی کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور جو برائی کا ارتکاب کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ⑯ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکمت اور نبوت دی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں اور ہم نے انہیں اہل عالم پر فضیلت دی۔☆ ⑰ اور ہم نے انہیں امر (دین) کے بارے میں واضح دلائل دیے تو انہوں نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی ضد میں آ کر اختلاف کیا، آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔☆

یہ آیت مکی ہے۔ مکہ میں مشرکین مسلمان کا تمسخر اڑاتے اور آئے دن مسلمانوں کی اہانت کرتے تھے اور ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بھی اہانت کرتے تھے اور اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے، جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں رسول ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ مؤمنین سے کہہ دے کہ وہ مشرکین کی ان اہانتوں سے درگزر کریں اور ان کو اللہ پر چھوڑ دیں، تا کہ اللہ ان سے ان کے کیے کا بدلہ لے۔

۱۶۔ یعنی اس زمانے کی قوموں میں سے بنی اسرائیل ہی کو فضیلت دی اور اس بار امانت اسی قوم کے کندھوں پر رکھا۔

۱۷۔ بنی اسرائیل کو واضح دلائل دیے۔ مِّنَ الْاَمْرِ سے مراد یا تو دین ہے، یعنی دین کے بارے میں دلائل دیے یا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ممکن ہے مِّنَ الْاَمْرِ سے مراد دلائل و معجزات عالم امری، یعنی اللہ کے حتمی فیصلے، یعنی کن فکانی ہو۔ والعلم عند اللہ۔

| | |
|---|---|
| فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی | ﴿۱۸﴾ پھر ہم نے آپ کو امر (دین) کے ایک آئین پر قائم |
| شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡہَا وَ لَا تَتَّبِعۡ | کیا، لہٰذا آپ اسی پر چلتے رہیں اور نادانوں کی خواہشات |
| اَہۡوَآءَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّہُمۡ | کے پیچھے نہ چلیں۔☆ ﴿۱۹﴾ بلاشبہ یہ لوگ اللہ کے مقابلے |
| لَنۡ یُّغۡنُوۡا عَنۡکَ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ | میں آپ کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے اور ظالم تو یقیناً ایک |
| وَ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ | دوسرے کے حامی ہوتے ہیں اور اللہ پرہیزگاروں کا حامی |
| بَعۡضٍ ۚ وَ اللّٰہُ وَلِیُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۹﴾ ہٰذَا | ہے۔ ﴿۲۰﴾ یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت افروز اور |
| بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ | یقین رکھنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ |
| لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ | ﴿۲۱﴾ برائی کا ارتکاب کرنے والے کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ |
| اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَہُمۡ کَالَّذِیۡنَ | ہم انہیں اور ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجا لانے |
| اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاہُمۡ | والوں کو ایک جیسا بنائیں گے کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں |
| وَ مَمَاتُہُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ع | ہو جائے؟ برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔☆ |
| وَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ | ﴿۲۲﴾ اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق خلق کیا ہے |
| وَ لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا | تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم |

اخۡتَلَفُوۡا: آپس کی ضد میں آ کر اختلاف کیا۔ مختلف تعصب شعار لوگوں کی تحریر و تقریر سے معلوم ہوتا ہے، اکثر اختلافات کا اصل سرچشمہ ایک دوسرے کی ضد ہے۔

۱۸۔ بنی اسرائیل کی نااہلی ثابت ہونے کے بعد اب یہ بار امانت آپ کے کندھوں پر ہے۔ بنی اسرائیل نے شریعت الٰہیہ کو نادانوں کی خواہشات کی نذر کیا تھا، آپ ایسا نہ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت الٰہیہ کو سب سے زیادہ ناخواندہ لوگوں کی طرف سے خطرہ لاحق رہتا ہے۔

۲۱۔ اگر ظالم و مظلوم، خیر و شر اور نیک و بد کا ایک جیسا انجام ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کائنات پر اقدار کی حکمرانی نہیں اور جہاں اقدار کے لیے کوئی جگہ نہ ہو، وہ کائنات عبث اور بے معنی کھیل ہو کر رہ جائے گی۔

۲۳۔ خواہش نفس کو معبود بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کردار شریعت کی بجائے خواہشات کے تابع ہو اور جہاں شریعت اور خواہش میں تصادم ہو، وہاں

يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ
هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ
عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ
غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا
حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ
اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ
اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ
اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا
ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ
اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

ع ۱۹

نہیں کیا جائے گا۔ ﴿۲۳﴾ مجھے بتلاؤ جس نے اپنی خواہش
نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے (اپنے) علم
کی بنیاد پر اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل
پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے؟
پس اللہ کے بعد اب اسے کون ہدایت دے گا؟ کیا تم
نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ☆ ﴿۲۴﴾ اور وہ کہتے ہیں: زندگی
تو بس یہی دنیاوی زندگی ہے (جس میں) ہم مرتے ہیں اور
جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مارتا ہے اور انہیں اس کا
کچھ علم نہیں ہے، وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔☆
﴿۲۵﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پوری وضاحت
کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں تو ان کی حجت صرف یہی ہوتی ہے
کہ وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر
کے) لے آؤ۔ ﴿۲۶﴾ کہہ دیجیے: اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے
پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جس میں کوئی
شبہ نہیں جمع کرے گا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۲۷﴾ اور

---

اپنی خواہش کو مقدم کرے۔

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ: اس جملے کا دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے۔ اللہ نے (اس گمراہ کے) علم کی بنیاد پر اسے گمراہ کر دیا۔ چنانچہ وہ جان بوجھ کر اللہ کی جگہ اپنی خواہشات کی پرستش کرتا تھا۔

وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ۔۔۔۔ اللہ کی طرف سے گمراہ کرنے، مہر لگانے کا کیا مطلب ہے؟ ہم نے مکرر اس بات کی وضاحت کی ہے: کوئی انسان جب قابل ہدایت نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ جب ہدایت کا سرچشمہ اس سے ہاتھ اٹھا لے تو فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے گا۔

۲۴۔ جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ یہ زندگی کسی نظام کے تحت نہیں چل رہی کہ کسی خدا کی طرف سے ہم آئے ہوں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہو، بلکہ اس زندگی کا خاتمہ گردش ایام کے تحت ہوتا ہے، پھر لوگ نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ ان کے پاس اس نظریہ کو اپنانے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہوتی، جبکہ دلیل کے بغیر نہ کوئی نظریہ اپنایا جا سکتا ہے، نہ اسے رد کیا جا سکتا ہے اور علم ہی دلیل ہے۔ علم کے سوا ظن وگمان کسی موقف کے لیے دلیل نہیں بن سکتا۔ ان دہریوں کے پاس علم یقیناً نہیں ہے، کیونکہ یہ کہنا کہ اس زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں ہے، پوری کائنات کے بارے میں مکمل علم پر موقوف ہے کہ وہ یہ کہیں: ہم نے پوری کائنات کو ابتدا سے انتہا تک چھان مارا، لیکن کہیں بھی دوسری زندگی کی علامت نظر نہیں آئی، لہٰذا دوسری زندگی نہیں ہے۔ اس طرح کے علم کا دعویٰ وہ نہیں کر سکتے، لہٰذا یہ موقف اختیار نہیں کر سکتے کہ دوسری زندگی نہیں ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَیَوۡمَ تَقُوۡمُ
السَّاعَۃُ یَوۡمَئِذٍ یَّخۡسَرُ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۲۷﴾
وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً ۟ کُلُّ اُمَّۃٍ
تُدۡعٰۤی اِلٰی کِتٰبِہَا ؕ اَلۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ مَا
کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۸﴾ ہٰذَا کِتٰبُنَا یَنۡطِقُ
عَلَیۡکُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّا کُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا
کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدۡخِلُہُمۡ رَبُّہُمۡ فِیۡ
رَحۡمَتِہٖ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۳۰﴾
وَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۟ اَفَلَمۡ تَکُنۡ اٰیٰتِیۡ
تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ فَاسۡتَکۡبَرۡتُمۡ وَکُنۡتُمۡ قَوۡمًا
مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِیۡلَ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ
حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ لَا رَیۡبَ فِیۡہَا قُلۡتُمۡ مَّا

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے اور جس دن قیامت برپا ہو گی اس روز اہل باطل خسارے میں پڑ جائیں گے۔☆ ﴿۲۸﴾ اور آپ ہر امت کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے اور ہر ایک امت اپنے نامہ اعمال کی طرف بلائی جائے گی، آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے ہو۔☆ ﴿۲۹﴾ ہماری یہ کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کر دے گی جو تم کرتے تھے، ہم اسے لکھواتے رہتے تھے۔☆ ﴿۳۰﴾ پھر جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح بجا لائے انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یہی تو نمایاں کامیابی ہے۔ ﴿۳۱﴾ اور جنہوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیات تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟ پھر تم نے تکبر کیا اور تم مجرم قوم تھے۔ ﴿۳۲﴾ اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے: ہم

۲۷۔ اگر بفرض محال قیامت کی کوئی حقیقت نہ ہوتو اس کے قائل لوگوں کے لیے کل کوئی ندامت یا کوئی خسارہ نہیں ہوگا، لیکن اگر قیامت کا دن ثابت ہوا تو اس دن باطل پرست لوگ ہی خسارے میں ہوں گے۔

۲۸۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کے دو نامہ اعمال ہوں گے: ایک انفرادی نامہ عمل اور ایک اجتماعی نامہ عمل۔ یعنی ان اعمال کا جدا حساب ہوگا جن کے ارتکاب میں ساری قوم ملوث ہے۔ جرم تو ایک یزید سے سرزد ہوتا ہے، لیکن ایک قوم ایسی ہے جو اس عمل پر خوش ہے۔ خودکش حملوں سے خون مسلم کی ارزانی چند لوگ کرتے ہیں، لیکن جو لوگ فتویٰ دیتے اور ان کی پشت پر ہوتے ہیں یا اس عمل پر خوش ہوتے ہیں، وہ سب اس جرم میں شامل ہیں۔ یہ جرم اس امت کے نامہ عمل میں درج ہوگا۔ جیسا کہ ہم حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں پڑھتے ہیں: لَعَنَ اللّٰہُ اُمَّۃً سَمِعَتۡ بِذٰلِکَ فَرَضِیَتۡ بِہٖ۔ (التہذیب ۶: ۱۱۳) وہ قوم بھی رحمت خدا سے دور ہو جس نے آپ کے قتل کی خبر سنی اور خوش ہوئی۔ چنانچہ ہر امت کی ایک جدا سرنوشت ہے۔ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّۃٍ اَجَلَہَا وَ مَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ۔ (مومنون: ۴۳) کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے آگے جا سکتی ہے نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے۔ قیامت کے روز ہر امت سے ایک گواہ بھی اٹھایا جائے گا۔ (نحل: ۸۹)

۲۹۔ اس کائنات کا حقیقی رازداں ہی جانتا ہے کہ اس نسخہ برداری کی کیا صورت ہوگی۔ ممکن ہے کہ اس عمل کے وقت انسانی جسم میں موجود ہر ذرے سے یہ کام لیا جائے۔ اس کی بہت سی صورتیں اب تک انسان کے علم میں بھی آ چکی ہیں۔ بہرحال یہ نسخہ

نَدۡرِیۡ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحۡنُ بِمُسۡتَیۡقِنِیۡنَ ﴿۳۲﴾ وَ بَدَا لَهُمۡ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَ قِیۡلَ الۡیَوۡمَ نَنۡسٰىكُمۡ كَمَا نَسِیۡتُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِكُمۡ هٰذَا وَ مَاۡوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمۡ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذۡتُمۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتۡكُمُ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا ۚ فَالۡیَوۡمَ لَا یُخۡرَجُوۡنَ مِنۡهَا وَ لَا هُمۡ یُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۶﴾ وَ لَهُ الۡكِبۡرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۪ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۳۷﴾ ع

نہیں جانتے قیامت کیا ہے، ہمیں گمان سا ہوتا ہے اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں۔☆ ﴿۳۲﴾ اور ان پر اپنے اعمال کی برائیاں ظاہر ہو گئیں اور جس چیز کی وہ ہنسی اڑاتے تھے اس نے انہیں گھیر لیا۔☆ ﴿۳۳﴾ اور کہا جائے گا: آج ہم تمہیں اسی طرح بھلا دیتے ہیں جس طرح تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے۔☆ ﴿۳۴﴾ یہ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنایا تھا اور دنیاوی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، پس آج کے دن نہ تو یہ اس (جہنم) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی معذرت قبول کی جائے گی۔☆ ﴿۳۵﴾ پس ثنائے کامل اس اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب ہے، عالمین کا رب ہے۔☆ ﴿۳۶﴾ اور آسمانوں اور زمین میں بڑائی اسی کے لیے ہے اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆

برداری اس قدر دقیق ہوگی کہ دوسری جگہ فرمایا: لَا یُغَادِرُ صَغِیۡرَةً وَّ لَا كَبِیۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰهَا (کہف: ۴۹) کوئی بھی چھوٹا اور بڑا عمل ایسا نہ ہوگا جو اس میں ثبت نہ ہو۔

۳۲۔ قیامت کا انکار کرنے والوں کی بہ نسبت اس پر شک کرنے والے اگرچہ منطقی طرز فکر کے نزدیک ہیں، تاہم وہ یقینی دلائل و شواہد کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اس لیے نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہوگا۔

۳۳۔ مجرم جب جرم کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے تو اس کو اپنے جرم کا اندازہ نہیں ہوتا، لیکن جب مکافات عمل کا وقت آتا ہے تو اس وقت اس کی برائی کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ کس درجے کا جرم تھا۔

۳۴۔ قیامت کے دن اللہ کی طرف سے بھلا دینے کا مطلب یہ ہے: اللہ ان کو قیامت کی ہولناک حالت پر چھوڑ دے گا، جیسا کہ ان لوگوں نے روز قیامت کے بارے میں ہر ایمان و عمل کو ترک کیا تھا۔

۳۵۔ جہنم ان کا ٹھکانا اس لیے بنا کہ وہ آیات الٰہی کا مذاق اڑاتے تھے۔ دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ آج وہ آتش جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کا عذر قبول نہ ہوگا۔

یُسۡتَعۡتَبُوۡنَ، الاستعتاب عذر طلبی کو کہتے ہیں۔

۳۶۔ اس آیت میں مشرکین کی رد ہے کہ آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور نہیں ہے، بلکہ وہی اللہ آسمانوں اور زمین، پھر عالمین کا رب ہے۔

۳۷۔ اَلۡكِبۡرِیَآءُ: راغب کے مطابق الترفع عن الانقیاد، کسی کی فرمانبرداری سے بالاتر ہونا ہے۔ اس کی کبریائی اور عظمت کے ساتھ نہ آسمانوں میں کوئی شریک ہے، نہ زمین میں۔ یہ کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔

آیاتها ۳۵ ۴۶ سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ مَکِّیَّۃٌ ۶۶ رکوعاتها ۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ہٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴﴾ وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَہٗۤ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ وَ ہُمۡ عَنۡ دُعَآئِہِمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۵﴾

سورہ احقاف۔مکی۔آیات ۳۵

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) حا،میم۔ (۲) اس کتاب کا نزول بڑے غالب آنے والے،حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے۔ (۳) ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کو برحق اور ایک معینہ مدت کے لیے پیدا کیا ہے اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ اس چیز سے منہ موڑے ہوئے ہیں جس کی انہیں تنبیہ کی گئی تھی۔☆ (۴) کہد یجیے: مجھے بتاؤ جنہیں اللہ کے سوا تم پکارتے ہو، مجھے بھی دکھاؤ انہوں نے زمین کی کون سی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا کوئی باقی ماندہ علمی (ثبوت) میرے سامنے پیش کرو۔☆ (۵) اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکیں بلکہ جو ان کے پکارنے تک سے بے خبر ہوں؟☆

سورۂ احقاف

۳۔ یہ کائنات ایک مقصد کے تحت اور ایک خاص مدت تک کے لیے بنی ہے۔ یعنی جس دن اس کائنات کا خاتمہ ہو جائے گا وہ قیامت کا دن ہوگا۔

۴۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ کائنات کو خلق کرنے (تخلیق) اور چلانے (تدبیر) کے دو الگ الگ سرچشمے نہیں ہو سکتے کہ ایک ہستی خلق کرے اور دوسری ہستی تدبیر کرے۔ قرآن نے اس بات کو تکراراً بیان کیا ہے کہ جس نے کائنات کو خلق کیا ہے وہی اس کی تدبیر کر سکتا ہے (چلا سکتا ہے)۔ مشرکین جن ہستیوں اور بتوں کی طرف تدبیر کائنات کی نسبت دیتے تھے، ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ پھر ان کی طرف سے کچھ خلق بھی ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہے تو مجھے دکھاؤ کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے یا آسمان کی تخلیق میں ان کا کیا حصہ ہے۔ انبیائے سابقین کی کسی کتاب یا ان کی تعلیمات سے اس کا ثبوت پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

۵۔ جن کو یہ پکارتے ہیں، وہ ان کی فریاد کو پہنچنا تو درکنار سرے سے ان کی فریاد سے ہی بے خبر ہوتے ہیں۔

۶۔ یعنی قیامت کے دن مشرکین کے معبود اپنے پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے، یعنی جن انبیا اور فرشتوں کو مشرکین نے اپنا معبود بنا لیا تھا، وہ قیامت کے دن ان مشرکین کے دشمن ہوں گے۔ یعنی ان کے خلاف ہوں گے اور ان کی عبادت کا بھی انکار کریں گے، یعنی یہ موقف بیان کریں گے کہ ان کی پرستش میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے، یہ خود ذمے دار ہیں۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا
بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝٦ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ
اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ
مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ
فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَ
هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٨ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا
مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا
بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا
اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٩ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ
شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ

(۶) اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔☆ (۷) اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو جب حق ان کے پاس آ جاتا ہے تو کفار کہتے ہیں: یہ تو صریح جادو ہے۔☆ (۸) کیا یہ کہتے ہیں: اس نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ کہد یجیے: اگر میں نے اسے خود گھڑ لیا ہے تو تم میرے لیے اللہ کی طرف سے (بچاؤ کا) کوئی اختیار نہیں رکھتے، تم اس (قرآن) کے بارے میں جو گفت وشنید کرتے ہو اس سے اللہ خوب باخبر ہے اور میرے درمیان اور تمہارے درمیان اس پر گواہی کے لیے وہی کافی ہے اور وہی بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔☆ (۹) کہد یجیے: میں رسولوں میں انوکھا (رسول) نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا، میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو صرف واضح طور پر تنبیہ کرنے والا ہوں۔☆ (۱۰) کہد یجیے: مجھے بتاؤ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس سے انکار کیا ہو جب کہ بنی اسرائیل کا ایک

۷۔ قرآن کو جادو قرار دینا خود اپنی جگہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اس کلام کے مضامین اس کا طرز کلام کسی بشری کلام سے نہیں ملتا، نہ یہ کلام اس دور کے کسی ماحول سے متاثر نظر آتا ہے، نہ اس میں کسی موجودہ ثقافت کی چھاپ نظر آتی ہے۔

۸۔ اگر میں نے اس قرآن کو خود گھڑ کر اللہ کی طرف نسبت دی ہے تو اللہ مجھے اس جرم میں اپنی گرفت میں لے گا۔ اس وقت مجھے اللہ سے کون بچائے گا؟ تم لوگ؟ تمہارے پاس بھی کوئی ایسا اختیار نہیں ہے۔

۹۔ رسول کریم ﷺ کی رسالت کے منکرین کہتے تھے: یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا ہے۔ یہ اللہ کا رسول ہے تو اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ ان کے جواب میں فرمایا: آپ کہد یں میں کوئی نرالا رسول نہیں ہوں کہ دنیا میں پہلی بار کوئی انسان رسول بن کر آیا ہو۔ میری طرح کے رسول پہلے اور بھی آئے ہیں، جو کھاتے پیتے تھے۔ کسی رسول کے ساتھ کوئی فرشتہ نہیں آیا کہ اس کی رسالت کا ثبوت فراہم کرتا ہو۔ مَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اس میں بذات خود، وحی سے ہٹ کر علم غیب جاننے کی نفی ہے کہ اگر مجھ پر وحی نازل نہ ہوتی تو میں خود یہ بھی نہیں جان سکتا تھا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ واضح رہے غیب کا علم بذات خود صرف اللہ جانتا ہے اور اللہ کے بعد وہ لوگ علم غیب جانتے ہیں جن کو اللہ غیب کی

فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠ۧ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ
اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ
هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝١١ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ
مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ
مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝١٢ۚ اِنَّ
الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝١٣ۚ اُولٰۗىِٕكَ
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٤ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ
بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا

گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے چکا ہے اور پھر وہ ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے تکبر کیا ہو (تو تمہارا کیا بنے گا؟) بیشک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔☆ ⑪ جو لوگ کافر ہو گئے وہ ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں: اگر یہ (دین) بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف جانے میں ہم سے سبقت نہ کر جاتے اور چونکہ انہوں نے اس (قرآن) سے ہدایت نہ پائی اس لیے وہ کہیں گے: یہ تو (وہی) پرانا جھوٹ ہے۔☆ ⑫ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت تھی اور یہ (قرآن) ایسی کتاب ہے جو عربی زبان میں (کتاب موسیٰ کی) تصدیق کرنے والی ہے تاکہ ظالموں کو تنبیہ کرے اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دے۔ ⑬ جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر استقامت دکھائی، ان کے لیے یقیناً نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔☆ ⑭ یہ لوگ جنت والے ہوں گے (جو) ہمیشہ اسی میں رہیں گے ان اعمال کے صلے میں جو وہ بجا لایا کرتے تھے۔ ⑮ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ پر احسان کرنے کا حکم دیا، اس

تعلیم دے۔

١٠۔ ممکن ہے مکہ میں بنی اسرائیل کا کوئی فرد رہا ہو جس نے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کی ہو اور اہل مکہ اس کو جانتے ہوں۔ اگر اس سے مراد عبد اللہ بن سلام ہے جو یہودیوں کے بڑے عالم تھے اور انہوں نے مدینے میں اسلام قبول کیا تھا تو یہ آیت مدنی ہو سکتی ہے، کیونکہ عبد اللہ بن سلام نے مدینے میں اسلام قبول کیا تھا۔

١١۔ قریش کے مشرکین اپنے آپ کو خیر و شر کا محور قرار دیتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر قرآن کو تسلیم کر لینا اچھا کام ہوتا تو ہم سب سے پہلے اسے مان لیتے۔ چونکہ ہم نے نہیں مانا ہے، لہٰذا یہ خیر نہیں ہے۔ صرف چند نچلے درجے کے لوگوں نے اسے مانا ہے۔

١٣۔ سورہ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا: جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر استقامت دکھائی، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اس آیت میں فرمایا: ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی غم۔ معلوم ہوا ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کو خوف و غم بھی نہیں ہے۔

١٥۔ قرآن کی متعدد آیات میں اولاد کے لیے حکم آیا ہے کہ ماں اور باپ دونوں پر احسان کرنا چاہیے۔ اس آیت میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ ماں کا حق زیادہ ہے، کیونکہ ماں نے بڑی مشقتوں کے ساتھ اسے پیٹ میں اٹھائے رکھا، بڑی مشقتوں کے ساتھ اس کو جنا اور دو سال تک اسے دودھ پلایا۔ اس آیت میں باپ کا ذکر ایک بار اور ماں کا ذکر تین بار آیا ہے۔ ایک حدیث میں

وَوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا ؕ وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِىۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَ اَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰٮهُ وَ اَصۡلِحۡ لِىۡ فِىۡ ذُرِّيَّتِىۡ ؕۚ اِنِّىۡ تُبۡتُ اِلَيۡكَ وَ اِنِّىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓٮِٕكَ الَّذِيۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ نَتَجَاوَزُ عَنۡ سَيِّاٰتِهِمۡ فِىۡۤ اَصۡحٰبِ الۡجَـنَّةِ ؕ وَعۡدَ الصِّدۡقِ الَّذِىۡ كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِىۡ قَالَ لِوَالِدَيۡهِ اُفٍّ لَّـكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِىۡۤ اَنۡ اُخۡرَجَ وَقَدۡ خَلَتِ الۡقُرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلِىۡ ۚ وَهُمَا يَسۡتَغِيۡثٰنِ اللّٰهَ وَيۡلَكَ اٰمِنۡ ۖ اِنَّ وَعۡدَ

کی ماں نے تکلیف سہ کر اسے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور تکلیف اٹھا کر اسے جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگ جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ رشد کامل کو پہنچا اور چالیس سال کا ہو گیا تو کہنے لگا: میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جس سے تو نے مجھے اور میرے والدین کو نوازا اور یہ کہ میں ایسا نیک عمل کروں جسے تو پسند کرے اور میری اولاد کو میرے لیے صالح بنا دے، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔☆ ﴿۱۶﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بہترین اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں اور ان کے گناہوں سے درگزر کرتے ہیں، (یہ) اہل جنت میں شامل ہوں گے اس سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا جاتا رہا ہے۔ ﴿۱۷﴾ اور جس نے اپنے والدین سے کہا: تم دونوں پر اف ہو! کیا تم دونوں مجھے ڈراتے ہو کہ میں (قبر سے) پھر نکالا جاؤں گا؟ جبکہ مجھ سے پہلے بہت سی نسلیں گزر چکی ہیں (ان میں سے کوئی واپس نہیں آیا) اور وہ دونوں اللہ سے فریاد

رسول اکرم ﷺ نے سائل کے سوال کے جواب میں تین بار ماں کے حق کا ذکر فرمایا: سورہ بقرہ آیت ۲۳۳ میں فرمایا: مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں اور سورہ لقمان آیت ۱۴ میں فرمایا: دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے۔ اس آیت میں فرمایا: اس کے حمل اور اس کا دودھ چھڑانے کی مدت تیس (۳۰) مہینے ہے۔ تیس مہینوں میں سے چوبیس مہینے رضاعت کے نکال دیے جائیں تو حمل کی مدت چھ مہینے رہ جاتی ہے۔ چنانچہ فقہ جعفری کے مطابق حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ ان آیات سے استدلال کر کے حضرت علی علیہ السلام نے مدت حمل چھ ماہ قرار دی تو حضرت عثمان نے اپنا وہ فیصلہ بدل دیا جس میں انہوں نے ایک ایسی عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا جس کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد صحیح و سالم بچہ پیدا ہوا تھا۔ (جصاص۔ ابن کثیر)

۱۷۔ دو کرداروں اور دو مختلف اقدار کے مالکوں کا ذکر ہے۔ اعلیٰ انسانی اقدار کا مالک انسان اپنے والدین اور اپنے پروردگار کے ساتھ اس طرح خوبی سے پیش آتا ہے اور جو انسانی قدروں کا حامل نہیں ہے اس کا کردار اپنے والدین اور اپنے رب کے ساتھ منفی ہوتا ہے۔

۱۹۔ یعنی مذکورہ بالا دونوں کرداروں کو اپنے کردار کے حساب سے جزا یا سزا دی جائے گی۔ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

وَلِيُوَفِّيَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ: ان کو ان کے اعمال پورے کر دیے جائیں گے، یعنی ان کو ان کے اعمال بغیر

اللّٰهِ حَقٌّ ۖۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ
الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٨﴾
وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ
اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ
يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ
اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا
وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع وَاذْكُرْ
اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَ
قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

کرتے ہوئے (اولاد سے) کہتے تھے: تیری تباہی ہو! تو مان جا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، پھر (بھی) وہ کہتا ہے: یہ تو صرف اگلوں کی فرسودہ کہانیاں ہیں۔☆ ﴿١٨﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر فیصلہ حتمی ہو چکا ہے جنوں اور انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں بے شک یہ خسارہ اٹھانے والے تھے۔ ﴿١٩﴾ اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجات ہیں تاکہ انہیں ان کے اعمال کا (بدلہ) پورا دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔☆ ﴿٢٠﴾ اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا) تم نے اپنی نعمتوں کو دنیاوی زندگی میں ہی برباد کر دیا اور ان سے لطف اندوز ہو چکے، پس آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا اس لیے دی جائے گی کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے رہے اور بدکاری کرتے رہے۔☆ ﴿٢١﴾ اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کیجیے جب انہوں نے احقاف (کی سرزمین) میں اپنی قوم کو تنبیہ کی اور ان سے پہلے اور بعد میں بھی تنبیہ کرنے والے گزر

---

کمی بیشی کے پورے کر کے دے دیے جائیں گے۔ خود اعمال پورے کر کے دینے کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ انسانی اعمال پر اللہ تعالیٰ جزا اور سزا مرتب نہیں کرے گا، بلکہ خود اعمال جزا اور سزا بن کر سامنے آئیں گے، لیکن آیت سے عام مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ چنانچہ ہم نے ترجمے میں یہی عام مفہوم اختیار کیا ہے۔ تاہم ہم نے پہلے بھی اس نظریے کا ذکر کیا ہے: انسانی عمل ایک مرتبہ وجود میں آتا ہے۔ اس کو دوام ملتا ہے اور انرجی کی شکل میں موجود رہتا ہے۔ عین ممکن ہے قیامت کے دن انسان کو اس کے عمل کا سامنا کرنا پڑے۔ یعنی خود عمل جزا و سزا بن جائے، جیسا کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہے۔

٢٠۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ: تم نے اپنے نعمتوں کو برباد کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے وافر نعمتیں مقرر کر رکھی ہیں اور عذاب کا سامان بھی مہیا کر رکھا ہے۔ کل قیامت کے دن جہنمیوں کو آتش جہنم کے سامنے لایا جائے گا، ان سے کہا جائے گا: تم نے اپنے حصے کی نعمتوں کو دنیا کی زندگی میں برباد کر دیا۔ آج تمہارے حصے کا عذاب باقی ہے۔

٢١۔ احقاف جمع ہے حقف کی۔ حقف ریت کے اس بلند و بالا ڈھیر کو کہتے ہیں جو ہواؤں کی وجہ سے جمع ہوتے ہیں۔ صحرائے عرب کے جنوب مغربی علاقے کو الاحقاف کہتے ہیں۔ آج کل یہ پورا علاقہ غیر آباد ہے۔ ممکن ہے ہزاروں سال قبل یہ علاقہ نہایت سرسبز علاقہ رہا ہو۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نجد، احساء، حضر موت اور عمان کا

خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوْٓا
اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا
بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾
قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ
مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ
قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا
مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ
مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ
رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٤﴾ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ
شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى
اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ

چکے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہارے
بارے میں بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔☆ ﴿٢٢﴾ وہ
کہنے لگے: کیا تم ہمیں ہمارے معبودوں سے باز رکھنے کے
لیے ہمارے پاس آئے ہو؟ اگر تم سچے ہو تو لے آؤ وہ
(عذاب) جس سے تم ہمیں ڈرا رہے ہو۔ ﴿٢٣﴾ انہوں نے
کہا: (اس کا) علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے اور جس پیغام
کے ساتھ مجھے بھیجا گیا تھا وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں
دیکھتا ہوں کہ تم ایک نادان قوم ہو۔ ﴿٢٤﴾ پھر جب انہوں
نے عذاب کو بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف
آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: یہ تو ہمیں بارش دینے والا
بادل ہے، (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کی تمہیں عجلت
تھی (یعنی) آندھی جس میں ایک دردناک عذاب ہے،☆
﴿٢٥﴾ جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی، پھر وہ
ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا،
مجرم قوم کو ہم اس طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ ﴿٢٦﴾ اور بتحقیق
انہیں ہم نے وہ قدرت دی جو قدرت ہم نے تم لوگوں کو نہیں

درمیانی علاقہ احقاف کا علاقہ تھا۔

۲۴۔ العارض بادل کو کہتے ہیں۔ قوم ہود نے جب گہرا بادل آتے دیکھا تو وہ کہنے لگے: یہ بادل ہماری وادی کو سیراب کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ لیکن یہ وہ عذاب تھا جس کے بارے میں وہ حضرت ہود ؑ سے کہتے رہتے تھے: اگر آپ سچے ہیں تو وہ عذاب کیوں نہیں آتا جس سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں۔

۲۶۔ مال و دولت اور وسیع اقتدار کے لحاظ سے احقاف والے مکہ والوں سے کہیں زیادہ مضبوط تھے۔

سماعت اور بصارت عقل کے لیے آلہ کار ہیں اور جب عقل پر خواہشات اور دیگر منفی عوامل غالب آجاتے ہیں تو یہ آلہ کار اپنے مقاصد کو پورا نہیں کر پاتے۔ آواز تو کانوں میں جاتی ہے اور نقش آنکھوں میں آجاتا ہے، لیکن ان سے دل یعنی عقل حقائق کو درک نہیں کر پاتی۔

۲۷۔ جن قوموں پر اپنے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے تباہی آئی ہے، وہ تمہارے قریبی علاقوں میں آباد تھیں۔ جزیرۃ العرب کے جنوب میں احقاف اور شمال میں ثمودی قوم آباد تھی۔ سبا کی قوم تمہارے نزدیک یمن میں بستی تھی۔ حضرت شعیب ؑ کی قوم مدین میں تمہارے شام جانے کے راستے میں آباد تھی اور قوم لوط بھی۔

مَكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ؏ ٢٦ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ٢٧ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ٢٨ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ٢٩ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا

دی اور ہم نے انہیں سماعت اور بصارت اور قلب عطا کیے تو جب انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو نہ ان کی سماعت نے انہیں کوئی فائدہ دیا اور نہ ہی ان کی بصارت نے اور نہ ان کے قلوب نے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ اسی چیز کے نرغے میں آ گئے۔☆ ٢٧ اور بتحقیق ہم نے تمہارے گرد و پیش کی بستیوں کو تباہ کر دیا اور ہم نے (اپنی) نشانیوں کو بار بار ظاہر کیا تاکہ وہ باز آ جائیں۔☆ ٢٨ پس انہوں نے قرب الٰہی کے لیے اللہ کے سوا جنہیں اپنا معبود بنا لیا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے غائب ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور وہ بہتان جو وہ گھڑتے تھے۔☆ ٢٩ اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا تاکہ قرآن سنیں، پس جب وہ رسول کے پاس حاضر ہو گئے تو (آپس میں) کہنے لگے: خاموش ہو جاؤ! جب تلاوت ختم ہو گئی تو وہ تنبیہ (ہدایت) کرنے اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ گئے۔☆ ٣٠ انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی

---

وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ: ہم نے اپنی نشانیوں کو مختلف شکل میں ظاہر کر کے ان کو راہ راست پر لانے کے لیے ہدایت کا ہر وسیلہ استعمال کیا۔

۲۸۔ جن غیر اللہ کو ان لوگوں نے قرب الٰہی کے لیے وسیلہ بنایا تھا، آج قیامت کی ہولناکیوں میں ان کی مدد کیوں نہیں کی؟ مدد کیا کرتے، وہ تو ناپید ہیں۔

وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ حذف مضاف ہو سکتا ہے۔ یعنی وذلک وبال افکھم، یہ ان کے بہتان کا برا نتیجہ ہے۔ آج ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔

۲۹۔ ان آیات کے شان نزول میں مذکور ہے کہ رسول کریم ﷺ نے طائف کا سفر اختیار فرمایا کہ شاید کوئی اس دعوت کو قبول کرے، لیکن کسی نے آپ ﷺ کی دعوت قبول نہ کی۔ واپسی کے موقع پر وادی نخلہ کی ایک منزل میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا۔ وہاں نماز میں آپ ﷺ نے قرآن کی تلاوت فرمائی۔ جنوں کا ایک گروہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ آپ ﷺ کی تلاوت کی آواز سن کر وہ رک گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: خاموش رہو۔ تلاوت سننے کے بعد وہ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔

۳۰۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات ادیان سماوی سے واقف تھے، خاص طور پر دین موسیٰ علیہ السلام سے۔

۳۱۔ اللہ کی طرف بلانے والے سے مراد رسول

كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَی الْحَقِّ وَ اِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۰﴾ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۱﴾ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، وہ حق اور راہ راست کی طرف ہدایت کرتی ہے۔☆ ﴿۳۱﴾ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لے آؤ کہ اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچائے گا۔☆ ﴿۳۲﴾ اور جو اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول نہیں کرتا وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی سرپرست بھی نہیں ہوگا، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ ﴿۳۳﴾ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا ہے اور جو ان کے خلق کرنے سے عاجز نہیں آیا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ ہاں! وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔☆ ﴿۳۴﴾ اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (اس وقت ان سے پوچھا جائے گا) کیا یہ برحق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں! ہمارے رب کی قسم (یہ حق

کریم ﷺ ہیں۔

یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ: ایمان لانے پر کفر کی حالت میں سرزد ہونے والے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: اِنۡ یَّنۡتَهُوۡا یُغۡفَرۡ لَهُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ۔ (انفال: ۳۸) اگر یہ لوگ (شرک سے) باز آ جائیں تو گزشتہ گناہ معاف کر دے گا۔

۳۳۔ وَلَمۡ یَعۡیَ: العی عاجز ہونے اور تھک جانے کے معانی بتائے جاتے ہیں۔ ہم نے عاجز ہونے کے معنی مراد لیے ہیں۔ چونکہ مشرکین حیات بعد موت کے امکان کے قائل نہ تھے، یعنی اللہ کو عاجز تصور کرتے تھے۔ جو لوگ العی کو تھکاوٹ کے معنی میں لیتے ہیں، وہ کہتے اس سے یہود کی رد مراد ہے، جو کہتے ہیں: خدا چھ دنوں میں کائنات کی تخلیق کے بعد تھک گیا تھا۔ یہ معنی سیاق آیت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے، چونکہ اس آیت میں مشرکین کی رد پر بات ہو رہی ہے، اہل کتاب کے کسی عقیدے کی رد کے درپے نہیں ہے۔

۳۵۔ اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنے مقام پر عزم و حوصلہ کے مالک تھے، تاہم جن انبیاء علیہم السلام کو شریعت دی گئی ہے، انہیں اولو العزم انبیاء کہتے ہیں۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خاتم الانبیاء محمد ﷺ ہیں۔

### سورہ محمد ﷺ

۱۔ سورہ محمد ﷺ کی تلاوت کے بارے میں صادق آل محمد علیہم السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: من

بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

ہے) اللہ فرمائے گا: پھر عذاب چکھو اپنے اس کفر کی پاداش میں جو تم کرتے رہے ہو۔ ﴿٣٥﴾ پس (اے رسول) صبر کیجیے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے (طلب عذاب میں) جلدی نہ کیجیے، جس دن یہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا انہیں خوف دلایا جا رہا ہے تو انہیں یوں محسوس ہو گا گویا (دنیا میں دن کی) ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں رہے، (یہ ایک) پیغام ہے، پس وہی لوگ ہلاکت میں جائیں گے جو فاسق ہیں۔☆

آیاتہا ٣٨ — ٤٧ سورۃ محمد مدنیۃ ٩٥ — رکوعاتہا ٤

سورہ محمدؐ۔ مدنی۔ آیات ٣٨

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ

﴿١﴾ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور راہ خدا میں رکاوٹ ڈالی اللہ نے ان کے اعمال حبط کر دیے۔☆ ﴿٢﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال بجا لائے اور جو کچھ محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اس پر بھی ایمان لائے اور ان کے رب کی طرف سے حق بھی یہی ہے، اللہ نے ان کے گناہ ان سے دور کر دیئے اور ان کے حال کی اصلاح فرمائی۔☆ ﴿٣﴾ یہ اس

---

اراد ان یعرف حالنا و حال اعدائنا فلیقرأ سورة محمد فانه یراها آیة فینا و آیة فی اعدائنا۔ جو ہمارے اور ہمارے دشمنوں کا حال معلوم کرنا چاہے تو اسے سورہ محمد ﷺ کی تلاوت کرنی چاہیے، وہ اس کی ایک آیت ہماری شان میں اور ایک آیت ہمارے دشمن کے بارے میں پائے گا۔

(روح المعانی۔ الدر المنثور)

٢۔ اس آیت کی ابتدا میں جس ایمان کا ذکر ہے وہ ہر صدق دل سے کلمہ پڑھنے والے پر صادق آ سکتا ہے۔ لیکن بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ جو کچھ محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان لانا مشکل امر ہے۔ چونکہ اس ایمان کا تعلق زندگی میں پیش آنے والے ہر مسئلہ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ سورہ حشر آیت ٧ میں جنگی غنائم اور کفار سے بغیر جنگ کے ہاتھ آنے والے اموال کی تقسیم کے حکم کے بعد فرمایا: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا رسول جو تمہیں دے دیں، وہ لیا کرو اور جس سے روک دیں اس سے رک جایا کرو۔ اس جگہ رسول ﷺ کے فرمان کی تعمیل کی تاکید سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ مالی معاملات میں مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ پر عمل کرنے اور بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ پر ایمان لانا مشکل امر ہے۔

٣۔ سابقہ دو آیات میں فرمایا: کافروں کی ساری کوششیں لاحاصل ہیں اور مومنوں کی کوششیں بارآور ہیں۔ اس آیت میں فرمایا: اس کامیابی و ناکامی کی بنیاد وہ دستور ہے جس کی اتباع طرفین کرتے ہیں۔ کفار باطل کی اتباع کرتے ہیں، جن

اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ
يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۳ فَاِذَا
لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ
حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ
فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ
الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڃ ذٰلِكَ ۭ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ
لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ
بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۴ سَيَهْدِيْهِمْ
وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ
عَرَّفَهَا لَهُمْ ۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ
اَقْدَامَكُمْ ۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ

ع ۲

[1] وقد یبتدا بقولہ ذلک ط ولکن حسن اتصالہ بما قبلہ ویوقف علی ذلک ۱۲ ط

لیے ہے کہ کفار نے باطل کی پیروی کی اور ایمان لانے والوں نے اس حق کی اتباع کی جو ان کے رب کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے لیے ان کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔☆ ۴ پس جب کفار سے تمہارا سامنا ہو تو (ان کی) گردنیں مارو یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر چکو تو (بچنے والوں کو) مضبوطی سے قید کر لو، اس کے بعد احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر (چھوڑ دو) تاوقتیکہ لڑائی تھم جائے، حکم یہی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لیتا لیکن (اللہ کو یہ منظور ہے کہ) تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے کے ذریعے سے لے اور جو لوگ راہ خدا میں شہید کیے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال ہرگز حبط نہیں کرے گا۔☆ ۵ وہ عنقریب انہیں ہدایت دے گا اور ان کی حالت کی اصلاح فرمائے گا۔☆ ۶ اور انہیں جنت میں داخل کرے گا جس کی انہیں پہچان کرا دی ہے۔☆ ۷ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔☆ ۸ اور جنہوں

کا مقدر تباہی و نابودی ہے اور مؤمنین حق کی اتباع کرتے ہیں جن کو ثبات و دوام حاصل ہے۔

۴۔ جو راہ خدا میں شہید ہو جاتے ہیں، ان کے اعمال کے اثرات تادیر جاری رہیں گے اور حبط کی کوئی نوبت نہیں آئے گی۔

جنگی حکمت عملی کے تحت لڑائی میں فتح و شکست کا فیصلہ ہونے سے پہلے قیدی بنانے کی ممانعت ہے، ورنہ عین لڑائی کے دوران قیدی بنانا شروع کیا جائے تو اولاً لشکر کی طاقت کا ایک حصہ قیدی بنانے پر صرف ہو جائے گا، اس طرح طاقت کا توازن بگڑ سکتا ہے، ثانیاً چونکہ قیدی بننے کا خطرہ قتل ہونے سے کمتر ہے، اس لیے دشمن کو اس سے نفسیاتی طور پر فائدہ مل سکتا ہے۔ ثالثاً یہ بات جنگی عمل کے بھی منافی ہے کہ دشمن قتل کرے اور ادھر قتل کی جگہ دشمن کو قید کیا جائے۔ اس طرح اسلام کی جنگی حکمت عملی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ لڑائی کے دوران قیدی نہ بناؤ اور لڑائی کے بعد قیدی کو قتل نہ کرو۔ یہ ہدایت اس لیے دی گئی ہے تاکہ وہ فدیہ حاصل کرنے یا غلام حاصل کرنے کے لالچ میں اصل مقصود کو فراموش نہ کریں۔ واضح رہے اسلام کے نزدیک انسان بذات خود آزاد ہے۔ غلامی کی صرف ایک صورت ہے۔ وہ یہ کہ کفر و اسلام کی جنگ میں کافر میدان جنگ میں قیدی بن جائے تو امام کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے بلا معاوضہ آزاد کر دے یا فدیہ لے کر آزاد کر دے یا اسے غلام بنائے۔ تفصیل کے لیے ہماری تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

۵۔ اللہ اپنے بلند درجات کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے گا۔

وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ: ان کی حالت کو درست کر دے گا۔ اگر کسی سے گناہ سرزد ہوا ہے تو اس کی مغفرت کر

وَ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَرِهُوۡا
مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۹﴾ اَفَلَمۡ
يَسِيۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ
عَلَيۡهِمۡ ۫ وَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ
بِاَنَّ اللّٰهَ مَوۡلَی الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اَنَّ
الۡكٰفِرِيۡنَ لَا مَوۡلٰی لَهُمۡ ﴿۱۱﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ
تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَ الَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا يَتَمَتَّعُوۡنَ وَ يَاۡكُلُوۡنَ كَمَا تَاۡكُلُ
الۡاَنۡعَامُ وَ النَّارُ مَثۡوًی لَّهُمۡ ﴿۱۲﴾ وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ
قَرۡيَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنۡ قَرۡيَتِكَ الَّتِیۡۤ
اَخۡرَجَتۡكَ ۚ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَهُمۡ ﴿۱۳﴾

نے کفر اختیار کیا ہے ان کے لیے ہلاکت ہے اور (اللہ نے) ان کے اعمال کو برباد کر دیا ہے۔ ﴿۹﴾ یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اسے ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا پس اللہ نے ان کے اعمال حبط کر دیے۔ ﴿۱۰﴾ کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈالی اور کفار کا انجام بھی اسی قسم کا ہوگا۔ ﴿۱۱﴾ یہ اس لیے ہے کہ مومنین کا کارساز اللہ ہے اور کفار کا کوئی کارساز نہیں ہے۔☆ ﴿۱۲﴾ اللہ ایمان لانے والوں اور صالح اعمال بجا لانے والوں کو یقینا ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہو گئے وہ لطف اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں تو جانوروں کی طرح کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔☆ ﴿۱۳﴾ اور بہت سی ایسی بستیاں جو آپ کی اس بستی سے کہیں زیادہ طاقتور تھیں جس (کے رہنے والوں) نے آپ کو نکالا ہے ہم نے انہیں ہلاک کر ڈالا، پس ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

---

کے، اگر دیگر اعمال میں کوتاہی ہے تو اس کی تلافی سے ان شہیدوں کی حالت کو بہتر کر دیا جائے گا۔

۶۔ عَرَّفَهَا لَهُمۡ: اس جنت میں داخل کیے جائیں گے جس کی پہلے سے ان کو خوشخبری دے کر ان کے اوصاف بیان کر دیے گئے ہوں گے۔

۷۔ مقام تکلیف میں اللہ پہل نہیں کرتا، بلکہ بندے کا پہل کرنا لازمی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں فرمایا: پہلے تم اللہ کی مدد کرو اور اپنے اندر اللہ کی نصرت کی قابلیت و اہلیت پیدا کرو تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور مدد کی نوعیت بھی یہ نہ ہوگی کہ اللہ خود دشمنوں کو نابود کر دے گا، بلکہ نصرت کی نوعیت یہ ہو گی کہ یہ کام بھی خود بندوں سے لیا جائے گا۔ یعنی ان کو ثابت قدمی دے کر۔ اللہ چاہے تو خود ہی دشمنوں کو نابود کر سکتا ہے، مگر اللہ اپنے بندوں کو آزمائش کے ذریعہ مرتبہ دینا چاہتا ہے۔

۱۱۔ جنگ احد میں ابوسفیان کا نعرہ یہ تھا: نحن لنا العزی و لا عزی لکم۔ ہمارے لیے عزی ہے تمہارے لیے کوئی عزی نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس کے جواب میں کہو: اللہ مولانا و لا مولی لکم۔ اللہ ہمارا مولا ہے، تمہارا کوئی مولا نہیں۔ (بحار الانوار ۲۰: ۲۳۔ صحیح بخاری، غزوہ احد)۔ اس سورت کی ہر آیت کی تلاوت کے وقت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول فرمان یاد رکھنا چاہیے، جسے ہم نے سورے کی ابتدا میں ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ انسان بھی اسی طرح کھانے کا محتاج ہے جس طرح چوپائے۔ فرق مقصد اور ذریعے کا ہے۔ چوپائے کی زندگی کا مقصد کھانا ہے، لیکن انسان کے مقدس مقصد کے لیے کھانا ایک ذریعہ ہے۔ کفار چونکہ زندگی کے اصل مقصد سے عاری ہوتے

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِۦ كَمَن زُيِّنَ
لَهُۥ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ وَٱتَّبَعُوٓا۟ أَهْوَآءَهُم ﴿١٤﴾
مَّثَلُ ٱلْجَنَّةِ ٱلَّتِى وُعِدَ ٱلْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَآ
أَنْهَٰرٌ مِّن مَّآءٍ غَيْرِ ءَاسِنٍ ۚ وَأَنْهَٰرٌ مِّن لَّبَنٍ
لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُۥ ۚ وَأَنْهَٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ
لِّلشَّٰرِبِينَ ۚ وَأَنْهَٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَ
لَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن
رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَٰلِدٌ فِى ٱلنَّارِ وَسُقُوا۟
مَآءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَآءَهُمْ ﴿١٥﴾ وَمِنْهُم
مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۚ حَتَّىٰٓ إِذَا خَرَجُوا۟ مِنْ
عِندِكَ قَالُوا۟ لِلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ مَاذَا
قَالَ ءَانِفًا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ طَبَعَ ٱللَّهُ عَلَىٰ
قُلُوبِهِمْ وَٱتَّبَعُوٓا۟ أَهْوَآءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَٱلَّذِينَ

(۱۴) کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور جنہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہو؟ (۱۵) جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو (کبھی) بدبودار نہ ہوگا اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذت بخش ہوگی اور خالص شہد کی نہریں (بھی) ہیں اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے، کیا یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جنہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔☆ (۱۶) ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو آپ کو سنتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے نکل جاتے ہیں تو جنہیں علم دیا گیا ہے ان سے پوچھتے ہیں: اس نے ابھی کیا کہا؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔☆ (۱۷) اور جنہوں نے ہدایت حاصل

ہیں، اس لیے ان کے لیے بس کھانا ہی مقصود زندگی ہے۔ بقول سعدی انسان زندہ رہنے کے لیے کھاتا ہے، جبکہ جانور کھانے کے لیے زندہ رہتے ہیں۔ آیت میں یہ بتانا مقصود نہیں ہے کہ کھانے کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، جیسا کہ بعض سادہ فہم لوگوں نے خیال کیا ہے کہ اس سے ضمناً کھڑے ہو کر کھانے کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے، چونکہ جانور کھڑے ہو کر کھاتے ہیں۔

۱۵۔ اہل تقویٰ کے لیے جن نعمتوں کا اس آیت میں ذکر ہوا ہے، ان کے لیے یہ اوصاف بیان ہوئے ہیں: پانی بدبودار نہیں، دودھ میں جو لذت رکھی ہے، وہ بدلے گی نہیں، شراب میں لذت ہی لذت ہے، اس کے منفی خواص نہیں ہیں اور شہد صاف و شفاف ہے۔ ان چار نہروں کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں وہ ایک تعبیر ہے، ان نعمتوں کو سمجھانے کے لیے، ورنہ وہاں کی نعمتوں کی لذت اور صفائی وغیرہ دنیا والوں کے لیے قابل بیان اور قابل ادراک نہیں ہے۔ اس لیے آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ خود اس کا وصف اس طرح ہے، بلکہ فرمایا اس کی شان یوں ہے۔ لہٰذا مَثَلُ کو وَصف کے معنوں میں لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۶۔ حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والوں میں کچھ لوگ مؤمن کچھ منافق اور کچھ ضعیف الایمان ہوتے تھے۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان میں سے کچھ لوگ اہل علم ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو نہایت فصاحت و بلاغت، صاف اور عام فہم لفظوں میں اپنا مطلب بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خود فرمایا: اوتیت جوامع الکلم و انا افصح العرب مجھے جوامع الکلم دیا گیا ہے اور میں عربوں میں بھی

اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾
فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ
بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا
جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ
وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا
نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ
وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ
الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾
طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫
فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ

کی اللہ نے ان کی ہدایت میں اضافہ فرمایا اور انہیں ان کا
تقویٰ عطا فرمایا۔☆ ﴿۱۸﴾ کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے
منتظر ہیں کہ انہیں اچانک آ لے؟ پس اس کی علامات تو آ چکی
ہیں، لہٰذا جب قیامت چپکے گی تو اس وقت انہیں نصیحت کہاں
مفید ہوگی؟☆ ﴿۱۹﴾ پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
اور اپنے گناہ کی معافی مانگو اور مومنین و مومنات کے لیے بھی
اور اللہ تمہاری آمد و رفت اور ٹھکانے کو جانتا ہے۔☆
﴿۲۰﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ کہتے ہیں: کوئی (نئی)
سورت نازل کیوں نہیں ہوئی؟ (جس میں جہاد کا ذکر ہو)
اور جب محکم بیان والی سورت نازل ہو اور اس میں قتال کا
ذکر آ جائے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن کے دلوں میں بیماری
ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے موت کی بے
ہوشی طاری ہوگئی ہو، پس ان کے لیے تباہی ہو۔☆ ﴿۲۱﴾ ان
کی اطاعت اور پسندیدہ گفتار (کا حال معلوم ہے) مگر جب
معاملہ حتمی ہو جاتا ہے تو اس وقت (بھی) اگر وہ اللہ کے
ساتھ سچے رہتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔☆ ﴿۲۲﴾ پھر اگر تم

---

سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ لیکن کچھ لوگ اگر چہ توجہ
سے سنتے تھے: يَسْتَمِعُ اِلَيْكَ لیکن ان کی سمجھ میں
کوئی بات نہیں آتی تھی۔

۱۷۔ جبکہ کلام رسول ﷺ کو سمجھنے والے فیض حاصل
کرتے ہیں نیز اپنی ہدایت اور تقویٰ میں اضافہ
کرتے ہیں۔

۱۸۔ انہی ناقابل ہدایت لوگوں کا ذکر جاری ہے کہ
قیامت کی نشانیاں آ چکی ہیں۔ کیا یہ لوگ رسول ﷺ
کے فرمان کو سمجھنے کے لیے قیامت کے منتظر ہیں؟
یعنی رسول ﷺ جب عذاب کی بات کرتے ہیں تو یہ
لوگ نہیں سمجھتے۔ جب خود عذاب ان پر آن پڑے
گا تو یہ سمجھ جائیں گے۔

۱۹۔ اشراط علامات کو کہتے ہیں۔ اسی سے شرط اس
چیز کو کہتے ہیں جس پر مشروط معلق ہو۔ وہ اس کی
علامت بن جاتی ہے۔
خطاب اگرچہ خود رسول ﷺ سے ہے، لیکن گناہ سے
استغفار نہیں، بلکہ تشکیل سیرت کے لیے ہے کہ
امت اس پر عمل کرے۔ مزید تشریح کے لیے سورۂ
مؤمن آیت ۵۵ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۰۔ یعنی مؤمن کی خواہش ہوتی ہے کہ جہاد کا حکم لے
کر کوئی سورت نازل ہو جائے تا کہ وہ جہاد کا شرف
حاصل کر سکے، جبکہ اہل نفاق کا یہ حال ہے کہ جہاد کا
حکم نازل ہو جاتا ہے تو پریشان ہو کر پیغمبر ﷺ کی
طرف ایسے تکتے ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری
ہوگئی ہو۔

۲۱۔ یعنی جس طرح بڑھ چڑھ کر جہاد کے بارے میں
چرب زبانی اور اطاعت کا اقرار کرتے ہیں، جہاد کا
حتمی فیصلہ ہونے کی صورت میں بھی وہ اپنے اقرار
اور عہد پر قائم رہتے تو اس میں ان کی بہتری تھی۔

۲۲۔ بعض مفسرین کے نزدیک تَوَلَّيْتُمْ کا مفہوم

عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي
الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى
اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ
اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى
لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا
مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا
تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ
اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ
اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ

حکمران بن جاؤ تو تم سے توقع کی جا سکتی ہے کہ تم زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو گے۔☆ ﴿۲۳﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے لہٰذا انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔☆ ﴿۲۴﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے لگ گئے ہیں؟☆ ﴿۲۵﴾ جو لوگ اپنی پیٹھ پر الٹے پھر گئے بعد اس کے کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی، شیطان نے انہیں فریب دیا ہے اور ڈھیل دے رکھی ہے۔☆ ﴿۲۶﴾ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ کی طرف سے نازل کردہ (کتاب) کو ناپسند کرنے والوں سے (خفیہ طور پر) کہا: بعض معاملات میں عنقریب ہم تمہاری پیروی کریں گے اور اللہ ان کی پوشیدہ باتیں جانتا ہے۔☆ ﴿۲۷﴾ پس اس وقت (ان کا کیا حال ہوگا) جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور ان کے چہروں اور سرینوں پر ضربیں لگا رہے ہوں گے۔☆ ﴿۲۸﴾ یہ اس لیے کہ انہوں نے اس بات کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرتی ہے اور اللہ کی خوشنودی سے بیزاری اختیار

ولایت و حکومت میں زیادہ قرین سیاق ہے۔ یعنی اگر یہ حکومت و اقتدار تم کو مل جائے تو تم سے فساد فی الارض اور قطع رحمی کے علاوہ کیا توقع رکھی جا سکتی ہے؟ چنانچہ چشم جہاں نے دیکھ لیا کہ حکومت جب بنی امیہ کے ہاتھ آئی تو انہوں نے نہ کسی چھوٹے پر رحم کیا، نہ کسی بڑے پر اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی جان سے مارتے رہے۔ صدق اللہ العلی العظیم۔

۲۳۔ حکومت کے نشے میں وہ اس قدر اندھے ہو گئے تھے کہ اسی شجرہ کی ایک کڑی (حجاج) نے کہا تھا: من قال لی اتق اللہ ضربت عنقہ۔ جو کوئی مجھ سے کہے کہ اللہ کا خوف کرو، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ (المنار)

۲۴۔ جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں قرآنی تعلیمات پر ایک نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ عند اللہ جہاد کا کیا مقام ہے۔ لیکن ان دل کے اندھوں کو اتنی توفیق بھی نہیں ملتی کہ وہ ان قرآنی حقائق میں تھوڑی دیر کے لیے سوچیں۔

۲۵۔ ان پر حق ظاہر ہونے کے بعد بھی دنیاوی مفاد کی خاطر ان لوگوں نے ارتداد کی راہ اختیار کی۔ ان کے پیچھے اصل محرک شیطان ہے جو دو حربوں سے ان کو بھٹکاتا ہے: یعنی اچھائی برائی میں تمیز سلب کر کے نیز انہیں لمبی لمبی آرزوؤں کا فریفتہ بنا کر۔

۲۶۔ منافقین اور یہودیوں کی باہمی سازش کا ذکر ہے۔ منافقین یہودیوں کے ساتھ جزوی اشتراکِ عمل کا معاہدہ کرتے ہیں۔ وہ رسول اکرم ﷺ کی مخالفت اور ان کے خلاف سازش پر اتفاق کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ منافقوں اور یہودیوں کی راہیں الگ ہو جاتی ہیں۔

۲۷۔ اس آیت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ کافروں کے

ع اَعۡمَالَهُمۡ ﴿٢٨﴾ ع اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ فِيۡ
قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ يُّخۡرِجَ اللّٰهُ
اَضۡغَانَهُمۡ ﴿٢٩﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَاَرَيۡنٰكَهُمۡ
فَلَعَرَفۡتَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ؕ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِيۡ لَحۡنِ
الۡقَوۡلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اَعۡمَالَكُمۡ ﴿٣٠﴾ وَ
لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ حَتّٰى نَعۡلَمَ الۡمُجٰهِدِيۡنَ مِنۡكُمۡ
وَالصّٰبِرِيۡنَ ۙ وَنَبۡلُوَا۟ اَخۡبَارَكُمۡ ﴿٣١﴾ اِنَّ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ
وَشَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ
الۡهُدٰى ۙ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـًٔا ؕ وَسَيُحۡبِطُ
اَعۡمَالَهُمۡ ﴿٣٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا
اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَلَا تُبۡطِلُوۡۤا
اَعۡمَالَكُمۡ ﴿٣٣﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا

کرتے ہیں لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال حبط کر دیے، ﴿٢٩﴾ جن کے دلوں میں بیماری ہے کیا انہوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو ہرگز ظاہر نہیں کرے گا؟ ﴿٣٠﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ہم آپ کو ان کی نشاندہی کر دیتے پھر آپ انہیں ان کی شکلوں سے پہچان لیتے اور آپ انداز کلام سے ہی انہیں ضرور پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔☆ ﴿٣١﴾ اور ہم تمہیں ضرور آزمائش میں ڈالیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کی شناخت کر لیں اور تمہارے حالات جانچ لیں۔ ﴿٣٢﴾ یقینا جنہوں نے ان پر ہدایت ظاہر ہونے کے بعد کفر کیا اور (لوگوں کو) راہ خدا سے روکا اور رسول کی مخالفت کی وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ عنقریب ان کے اعمال حبط کر دے گا۔☆ ﴿٣٣﴾ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔☆ ﴿٣٤﴾ یقینا جنہوں نے کفر کیا

لیے برزخ کا عذاب بھی ہے۔

٣٠۔ چنانچہ بہت سے موقعوں پر ان منافقین کے چہرے بے نقاب ہو گئے۔ ان میں سے کچھ کو فاش کیا گیا اور کچھ کو آخر تک فاش نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت حذیفہ اس راز کے امین رہے کہ کون کون منافق ہے۔

اس سلسلے میں صحابی رسول سعید خدری کی ایک روایت مشہور ہے: لَحۡنِ الۡقَوۡلِ، انداز کلام سے مراد علی ابن ابی طالب ؑ کے ساتھ بغض ہے۔ ہم عہد رسالت میں منافقین کو علی بن ابی طالب ؑ کے ساتھ بغض سے پہچانا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبل باب الفضائل، تاریخ ذہبی، الاستیعاب وغیرہ۔ یہ روایت ابو سعید خدری کے علاوہ جابر بن عبد اللہ انصاری، عبادہ بن صامت، عبد اللہ بن مسعود سے بھی منقول ہے۔ عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں: ہم اپنی اولاد کو علی بن ابی طالب ؑ کی محبت سے جانچتے تھے۔ کوئی بچہ اگر علی ؑ سے محبت نہیں کرتا تو ہم سمجھتے کہ یہ بچہ پاکیزہ نہیں ہے لغیر رشدۃ۔

٣٢۔ جن اعمال کو کار خیر سمجھ کر انجام دیا ہو، ان کا بھی کوئی اجر نہیں ہوگا، نہ ہی ان کوششوں کا کوئی ثمر ملے گا جو وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کرتے رہے۔ یعنی وہ رسول ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

٣٣۔ آیت کا اطلاق اگرچہ ہر اطاعت کو شامل ہے کہ رسول اللہ کسی شخص کو کوئی حکم دیں اور وہ نہ مانے تو اس کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ الحجرات میں فرمایا: اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نبی کے ساتھ اونچی آواز میں بات نہ کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اونچی آواز میں بات کرتے ہو،

عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوۡا وَتَدۡعُوۡۤا اِلَى السَّلۡمِ ۖۗ وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمۡ وَلَنۡ يَّتِرَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ ؕ وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا يُؤۡتِكُمۡ اُجُوۡرَكُمۡ وَلَا يَسۡـَٔـلۡكُمۡ اَمۡوَالَكُمۡ ﴿۳۶﴾ اِنۡ يَّسۡـَٔـلۡكُمُوۡهَا فَيُحۡفِكُمۡ تَبۡخَلُوۡا وَيُخۡرِجۡ اَضۡغَانَكُمۡ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَاۤءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يَّبۡخَلُ ۚ وَمَنۡ يَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا يَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الۡغَنِىُّ وَاَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ۚ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ ﴿۳۸﴾ ع

اور راہ خدا سے روکا پھر کفر کی حالت میں مر گئے تو اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ (۳۵) تم ہمت نہ ہارو اور نہ ہی صلح کی دعوت دو جب کہ تم ہی غالب ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال ضائع نہیں کرے گا۔☆ (۳۶) بے شک دنیاوی زندگی تو بس کھیل اور فضول ہے اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہارا اجر تمہیں دے گا اور تم سے تمہارا مال طلب نہیں کرے گا۔ (۳۷) اگر (تمہارے رسول) تم لوگوں سے مال کا مطالبہ کریں اور پھر تم سے اصرار کریں تو تم بخل کرنے لگو گے اور وہ (بخل) تمہارے کینے نکال باہر کرے گا۔☆ (۳۸) آگاہ رہو! تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو بے نیاز ہے اور محتاج تم ہی ہو اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو اللہ تمہارے بدلے اور لوگوں کو لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔☆

کہیں تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ تاہم اس جگہ جہاد کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر اللہ اور رسول ﷺ کا حکم جہاد نہ مانو گے تو دیگر اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

۳۵۔ صلح کا حکم فریق مخالف کے عزائم سے مربوط ہے۔ فریق مخالف اگر واقعی صلح کے لیے آمادہ ہے تو صلح قبول کرنے کا حکم ہے: وَ اِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا۔ اگر وہ صلح پر مائل ہو جائیں تو آپ بھی صلح کر لیں اور اگر فریق مخالف صلح کی آڑ میں مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے تو اس صلح کو ٹھکرا دینا چاہیے: وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ (انفال: ۶۱۔ ۶۲) اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو اللہ آپ کی مدد کے لیے کافی ہے۔

۳۷۔ سابقہ آیت میں فرمایا: تم سے تمہارا مال طلب نہیں کرے گا۔ یعنی سارا مال طلب نہیں کرے گا یا اصرار سے طلب نہیں کرے گا۔ اس آیت میں فرمایا: اگر تم سے سارا مال طلب کیا جائے یا اصرار سے طلب کیا جائے تو تم نہ صرف بخل کرو گے بلکہ مال طلب کرنے پر تمہارے ضمیر فاش ہو جائیں گے۔

۳۸۔ نہ سارا مال نہ اصرار، صرف انفاق کی ترغیب پر بھی بخل کرتے ہو۔

## سورہ فتح

۱۔ ۶ ہجری ذوالقعدہ کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ تقریباً ڈیڑھ ہزار اصحاب کی معیت میں بقصد عمرہ مدینے سے مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے آپ ﷺ نے اصحاب کرام کو وہ خواب بھی سنایا

آیاتہا ۲۹ — ۴۸ سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۱ — رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۴﴾ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ

سورہ فتح۔ مدنی۔ آیات ۲۹

بنام خدائے رحمن رحیم

(۱) (اے رسول) ہم نے آپ کو فتح دی، ایک نمایاں فتح۔☆ (۲) تا کہ اللہ آپ کی (تحریک کی) اگلی اور پچھلی خامیوں کو دور فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے اور آپ کو سیدھے راستے کی رہنمائی فرمائے۔☆ (۳) اور اللہ آپ کو ایسی نصرت عنایت فرمائے جو بڑی غالب آنے والی ہے۔ (۴) وہی اللہ ہے جس نے مومنین کے دلوں پر سکون نازل کیا تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ مزید ایمان کا اضافہ کرے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔☆ (۵) تا کہ اللہ مومنین اور مومنات کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور تا کہ ان کے گناہوں کو ان سے دور کر دے اور اللہ کے نزدیک یہ

---

تھا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ تشریف لے جاتے اور عمرہ بجا لاتے ہیں۔ ادھر قریش والوں کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ ایک طرف تو ذوالقعدہ جیسے حرمت کے مہینے میں عمرہ یا حج سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ دوسری طرف سے اگر مسلمانوں کا اتنا بڑا قافلہ مکے میں داخل ہو گیا تو اس سے قریش کا سارا رعب ختم ہو جائے گا۔ ادھر مسلمانوں کا قافلہ حدیبیہ پہنچ گیا اور قریش کے ساتھ ایلچیوں کا تبادلہ شروع ہوا۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمان کو قریش کے پاس بھیجا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں، بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے احرام باندھ کر قربانی کے اونٹوں کے ساتھ آئے ہیں۔ اسی دوران خبر اڑی کہ عثمان کو قتل کیا گیا ہے۔ اس سے جنگ کا خطرہ لاحق ہو گیا، جبکہ مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو جمع کیا اور جنگ سے فرار نہ کرنے پر سب سے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ بعد میں قتل عثمان کی خبر غلط نکلی۔ قریش نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ طویل بحث کے بعد درج ذیل شرائط پر حضرت علی ؑ کے دست مبارک سے یہ صلح نامہ لکھا گیا: ☆ دس سال تک جنگ بند رہے گی۔ ☆ قریش کا جو شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس بھاگ کر جائے گا اسے واپس کرنا ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس جائے اسے واپس نہ کیا جائے گا۔ ☆ قبائل میں سے کوئی قبیلہ کسی ایک فریق کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہو سکتا ہے۔ ☆ محمد ﷺ عمرہ کیے بغیر واپس جائیں گے اور

فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ﴿۵﴾ وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ

بڑی کامیابی ہے۔ ⑥ اور (اس لیے بھی کہ) منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو جو اللہ کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں عذاب میں مبتلا کرے، یہ لوگ گردش بد کا شکار ہو گئے اور ان پر اللہ نے غضب کیا اور ان پر لعنت کی اور ان کے لیے جہنم آمادہ کر رکھی ہے جو بہت برا انجام ہے۔☆ ⑦ اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ کے ہیں اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ ⑧ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے،☆ ⑨ تاکہ تم (مسلمان) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی مدد کرو، اس کی تعظیم کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔ ⑩ بتحقیق جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں وہ یقیناً اللہ کی بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے، پس جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ساتھ عہد شکنی کرتا ہے اور جو اس عہد کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کر رکھا ہے تو

آئندہ سال عمرہ کر سکیں گے۔

اس معاہدے کو قریش نے اپنی فتح سمجھا اور مسلمانوں میں اضطراب پھیل گیا۔ بعض صحابہ کو تو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر شک ہونا شروع ہوا کہ ہم تو قریش کے آدمی واپس کریں، لیکن وہ ہمارے آدمی واپس نہ کریں!!۔ پھر اس خواب کا کیا مطلب تھا جو حضور ﷺ نے دیکھا تھا؟ صلح حدیبیہ سے واپس جاتے ہوئے راستے میں سورۃ الفتح، فتح و نصرت کی نوید لے کر نازل ہوئی۔

چنانچہ بعد میں سب نے عملاً دیکھ لیا کہ اس معاہدے کی برکت سے اسلام کو ایک باغیانہ تحریک کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک دین کے طور تسلیم کیا گیا۔ جنگ بندی سے امن کی فضا بحال ہوگئی، جس میں اسلام نے خوب پھلنا پھولنا شروع کیا۔ صرف چند ماہ بعد خیبر فتح ہو گیا اور دو سال کے قلیل عرصے میں ۱۴۰۰ کا یہ لشکر دس ہزار کی تعداد کے ساتھ مکے میں داخل ہو گیا۔

۲۔ یعنی اس صلح سے آپ ﷺ کے لشکر کی اگلی پچھلی کوتاہیوں کی تلافی کر دی گئی اور اس صلح سے فتح و نصرت کے وہ دروازے کھل گئے، جو پچھلے ۱۹ سالوں میں نہ کھل سکے تھے۔ واضح رہے کہ اگرچہ یہاں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے، لیکن کوتاہی خود رسول اللہ ﷺ سے صادر نہیں ہوئی، بلکہ اس مشن میں شریک لوگوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہوتی رہی۔

۴۔ مسلمانوں کا قافلہ نہتا ہو کر اس دشمن کے پاس جا رہا ہے جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں اور جنھوں نے ایک سال پہلے مسلمانوں کے خلاف

| | |
|---|---|
| فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ | اللہ عنقریب اسے اجر عظیم دے گا۔☆ ﴿۱۱﴾ صحرانشین جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ جلد ہی آپ سے کہیں گے: ہمیں ہمارے اموال اور اہل و عیال نے مشغول رکھا لہٰذا ہمارے لیے مغفرت طلب کیجیے، یہ اپنی زبانوں سے وہ بات کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، کہد یجیے: اگر اللہ تمہیں ضرر پہنچانے کا ارادہ کرلے یا فائدہ پہنچانا چاہے تو کون ہے جو اس کے سامنے تمہارے لیے کچھ اختیار رکھتا ہو؟ بلکہ اللہ تو تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔☆ ﴿۱۲﴾ بلکہ تم یہ گمان کرتے تھے کہ پیغمبر اور مومنین اپنے اہل و عیال میں کبھی بھی لوٹ کر نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں خوشنما بنا دی گئی اور تم نے برا گمان کر رکھا تھا اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو۔☆ ﴿۱۳﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے ہم نے (ایسے) کفار کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿۱۴﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ کے لیے ہے، وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہے |

احزاب کی جنگ لڑی تھی۔ اس وقت اللہ نے ان کے دلوں پر سکون نازل کیا۔ ایمان کے درجات ہوتے ہیں اور مختلف حالات میں انسان کے ایمان میں تقویت یا کمزوری آیا کرتی ہے۔

۶۔ منافقین کو یہ گمان تھا کہ اب مسلمان اس خطرناک سفر سے واپس نہیں آسکیں گے۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ کو قرآن میں متعدد مقامات پر شاھد کہا ہے۔ یہ گواہی بندوں کے اعمال سے متعلق ہے۔ دنیا میں وہ ان اعمال کے مطابق بشارت اور نظارت کی ذمہ داری اٹھائیں گے۔ آخرت میں ان اعمال کی گواہی دیں گے۔

۱۰۔ یہ بیعت اس بات پر لی گئی تھی کہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ اس بیعت کو الٰہی قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔

۱۱۔ مدینے کے اطراف میں رہنے والے ان بدوؤں کا ذکر ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے لیے ساتھ چلنے کا حکم دیا تھا لیکن انہوں نے ساتھ نہ چلنے کو ترجیح دی تھی۔

۱۲۔ ساتھ نہ چلنے کی وجہ ان کی یہ سوچ تھی کہ اب رسول اللہ ﷺ اور مومنین واپس نہیں آسکیں گے اور یہ خیال انہیں بہت بھلا لگ رہا تھا۔ جس کے دل میں لشکر اسلام کی تباہی کا خیال شیریں ہو وہ مسلمان کیسے ہو سکتا ہے؟

۱۵۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو آسان فتوحات کی طرف جاتے دیکھ کر ساتھ چلنے کی خواہش کریں گے۔ چنانچہ چند ماہ بعد جنگ خیبر کے موقع پر ان لوگوں نے دیکھا کہ اب تو خطرے کے بغیر آسانی سے فتوحات شروع ہوگئی ہیں اور اموال

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ

عذاب دیتا ہے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، مہربان ہے۔ ﴿۱۵﴾ جب تم غنیمتیں لینے چلو گے تو پیچھے رہ جانے والے جلد ہی کہنے لگیں گے: ہمیں بھی اجازت دیجیے کہ آپ کے ساتھ چلیں، وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں، کہد یجیے: اللہ نے پہلے ہی فرمایا تھا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے، پھر وہ کہیں گے: نہیں بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، (دراصل) یہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔☆ ﴿۱۶﴾ آپ پیچھے رہ جانے والے صحرانشینوں سے کہد یجیے: تم عنقریب ایک جنگجو قوم کے مقابلے کے لیے بلائے جاؤ گے، تم یا تو ان سے لڑو گے یا وہ اسلام قبول کریں گے پس اگر تم نے اطاعت کی تو اللہ تمہیں بہتر اجر دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ تم نے پہلے منہ پھیرا تھا تو وہ تمہیں شدید دردناک عذاب دے گا۔☆ ﴿۱۷﴾ (جہاد میں شرکت نہ کرنے میں) اندھے پر کوئی حرج نہیں اور نہ ہی لنگڑے پر کوئی مواخذہ ہے اور نہ ہی

غنیمت وافر مقدار میں حاصل ہونے کے امکانات بھی روشن ہو گئے ہیں، لہٰذا ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی حکم دیا گیا تھا کہ ان کو ساتھ نہیں لے جانا، بلکہ وہ لوگ اس کے زیادہ حقدار ہیں جنہوں نے خطرات کے دنوں میں جہاد میں حصہ لیا ہے۔ یعنی حدیبیہ میں شریک رہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ: وہ اللہ کے اس کلام کو بدلنا چاہتے ہیں کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ خیبر کی جنگ میں صرف حدیبیہ والے شرکت کریں گے یا اس وعدے کو جھٹلانا چاہتے ہیں کہ خیبر کے غنائم صرف حدیبیہ والوں کو ملیں گے۔ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا وہ رسول اللہ ﷺ پر یہ الزام بھی عائد کریں گے کہ ہماری شرکت کی ممانعت اللہ کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ صرف حسد کی بنیاد پر ہمیں شریک ہونے نہیں دیا جا رہا ہے۔

۱۶۔ اس جنگجو قوم سے مراد یقیناً وہ لوگ ہیں جن سے خود رسول اللہ ﷺ نے جنگ لڑی ہے۔ جیسے بقول قتادہ، ثقیف، ہوازن، جنگ موتہ۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ آیت کے آخر میں فرمایا: اگر تم (ان آنے والی جنگوں میں) اطاعت کرو تو اجر ملے گا۔ اگر تم نے منہ پھیر لیا تو دردناک عذاب ہوگا۔ یہ تعبیر ان جنگوں کے لیے ہے جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں لڑی گئی ہیں۔ ثانیاً اگر اس سے بعد از رسول ﷺ کی جنگیں مراد لی جائیں تو اس سے جنگ کی دعوت دینے والوں کی امامت کا کوئی ربط نہیں بنتا۔ قرآن نے بخت نصر کافر کے بارے میں کہا:

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ۔ (بنی اسرائیل: ۵) ہم نے اپنے جنگجو بندوں کو تم (یہودیوں) پر مسلط کیا تو عِبَادًا لَّنَآ سے مومن ہونا ثابت نہیں ہوتا، تدعون سے امامت کیسے ثابت

وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا
اَلِيْمًا ﴿١٧﴾ ع لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا
فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ
اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿١٨﴾ۙ وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً
يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٩﴾
وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا
فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ
عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾ۙ وَّ اُخْرٰى لَمْ
تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ

بیمار پر کوئی حرج ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اللہ اسے ایسی ہی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو منہ موڑ لے گا اللہ اسے شدید دردناک عذاب دے گا۔ ﴿۱۸﴾ بتحقیق اللہ ان مومنین سے راضی ہو گیا جو درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے، پس جو ان کے دلوں میں تھا وہ اللہ کو معلوم ہو گیا، لہٰذا اللہ نے ان پر سکون نازل کیا اور انہیں قریبی فتح عنایت فرمائی۔☆ ﴿۱۹﴾ اور وہ بہت سی غنیمتیں بھی حاصل کریں گے اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿۲۰﴾ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے پس یہ (فتح) تو اللہ نے تمہیں فوری عنایت کی ہے، اس نے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے تاکہ یہ مومنین کے لیے ایک نشانی ہو اور تمہیں راہ راست کی ہدایت دے۔☆ ﴿۲۱﴾ اور دیگر (غنیمتیں) بھی جن پر تم قادر نہ تھے، وہ اللہ کے احاطہ قدرت میں آ گئیں اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر

---

ہوتی ہے۔

۱۸۔ ان بیعت کرنے والوں کے قلب میں جو جذبہ ایثار و قربانی موجزن تھا، اس بنا پر اللہ نے اپنی رضایت کا اعلان فرمایا۔ چونکہ اصحاب بیعت اس وقت صادق الایمان، رسول ﷺ کے وفادار اور خلوص کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، اس لیے وہ اللہ کی رضایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس سے بالاتر کوئی کامیابی نہیں ہے۔ درست ہے کہ اللہ کی طرف سے سند خوشنودی عطا ہونے کے بعد اگر کوئی شخص ان سے ناراض ہو یا ان پر زبان طعن دراز کرے تو اس کا مقابلہ ان سے نہیں، بلکہ اللہ سے ہے۔ البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ بیعت جنگ سے فرار نہ کرنے کا ایک عہد تھی۔ اگر بعد میں کسی نے عہد شکنی کی تو اس سے انکشاف ہوتا ہے کہ وہ ان ہستیوں کی صف میں شروع سے شامل ہی نہ تھا جن سے اللہ راضی ہوا ہے۔ چنانچہ بیعت رضوان کی پہلی آیت میں بیعت کے ذکر کے بعد فرمایا: فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ جو اس عہد کو توڑے گا، اس کی عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ذات پر ہو گا۔ چنانچہ جنگ حنین میں جب لوگ جنگ سے بھاگ گئے تو حضرت ابن عباس کو بیعت رضوان کا حوالہ دے کر بلانا پڑا۔

فَتْحًا قَرِيْبًا: اس قریبی فتح سے مراد فتح خیبر ہے۔

۲۰۔ جن غنیمتوں کا وعدہ ہے، وہ خیبر و دیگر جنگوں کی غنیمتیں ہیں۔ فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ۔ یہ کون سی غنیمت تھی جو اللہ نے انہیں فوری عنایت فرمائی؟ بعض کہتے ہیں اس غنیمت سے مراد صلح حدیبیہ ہے، جسے فتح مبین قرار دیا ہے۔ بعض کہتے ہیں فتح خیبر مراد ہے۔ حدیبیہ کے بعد فوری حاصل ہونے کی وجہ سے اسے فوری غنیمت کہا ہے۔

اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا
يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ
الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ
اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ
مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ
مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ
مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ
اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ

ہے۔ ﴿٢٢﴾ اور اگر کفار تم سے جنگ کرتے تو پیٹھ دکھا کر فرار کرتے، پھر وہ نہ کوئی کارساز پاتے اور نہ مددگار۔☆ ﴿٢٣﴾ اللہ کے دستور کے مطابق جو پہلے سے رائج ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔☆ ﴿٢٤﴾ اور وہ وہی ہے جس نے کفار پر تم کو فتحیاب کرنے کے بعد وادی مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے اور اللہ تمہارے اعمال پر خوب نظر رکھتا ہے۔☆ ﴿٢٥﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد الحرام سے روکا اور قربانیوں کو بھی اپنی جگہ (قربان گاہ) تک پہنچنے سے روک دیا اور اگر (مکہ میں) ایسے مومن مرد اور مومنہ عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے (اور یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ کہیں تم انہیں روند ڈالو اور بے خبری میں ان کی وجہ سے تمہیں بھی ضرر پہنچ جائے (تو اذن جہاد مل جاتا) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے، اگر (کافر اور مسلمان) الگ الگ ہو جاتے تو ان

٢٢۔ اگر جنگ کافروں اور مسلمانوں میں ہو رہی ہے تو اس صورت میں اللہ کی طرف سے فتح کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کی مادی و روحانی طاقت پر موقوف ہے۔ اگر جنگ کفر و اسلام میں ہو اور مسلمانوں سے بھی کوئی جنگی خیانت سرزد نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں اللہ کی طرف سے فتح کی ضمانت ہے۔

٢٣۔ یہ الٰہی دستور و قانون ہے۔ تمام امتوں کے لیے رائج ہے۔ چنانچہ بدر میں مسلمانوں سے کوئی جنگی خیانت سرزد نہیں ہوئی تو اسلام کے ایک بے سر وسامان چھوٹے سے لشکر کو کفر کی بڑی طاقت پر فتح بھی دے دی گئی۔

٢٤۔ عرب کا قانون تھا کہ ہر شخص کو حج اور عمرہ کے لیے بیت اللہ جانے کا حق ہے اور مسلمہ حق کو صرف اپنی جاہلی حمیت اور تعصب کی بنیاد پر مسلمانوں سے سلب کیا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں میں ہیجان آنا چاہیے تھا، جس کا نتیجہ اسلام کی مصلحت میں نہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا سکون نازل فرمایا۔

٢٥۔ یہ تھی وہ مصلحت جس کی وجہ سے حدیبیہ میں اللہ نے جنگ نہ ہونے دی۔ کیونکہ مکے میں بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں موجود تھے، جو ہجرت کرنے پر قادر نہ تھے۔ اگر جنگ ہوتی تو نادانستگی میں کفار کے ساتھ یہ مسلمان بھی مارے جاتے۔

٢٧۔ جب مسلمان حدیبیہ سے عمرہ کیے بغیر واپس ہو گئے تو ذہنوں میں یہ سوال اٹھنا قدرتی امر تھا کہ پھر اس خواب کا کیا نتیجہ تھا جو حضور ﷺ نے دیکھا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمائی کہ وہ خواب سچا ہے اور پورا ہونے والا ہے۔

٢٩۔ اس آیت میں رسول اسلام ﷺ کے ساتھیوں کے

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ
كَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾ ع لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ
الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ
الْحَرَامَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ
رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ
مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ
فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى

میں سے جو لوگ کافر ہیں انہیں ہم دردناک عذاب دیتے۔☆ (۲۶) جب کفار نے اپنے دلوں میں تعصب رکھا تعصب بھی جاہلیت کا تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنا سکون نازل فرمایا اور انہیں تقویٰ کے اصول پر ثابت رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔ (۲۷) بتحقیق اللہ نے اپنے رسول کے حق پر مبنی خواب کو سچا ثابت کیا کہ اللہ نے چاہا تو تم لوگ اپنے سر تراش کر اور بال کتروا کر امن کے ساتھ بلا خوف مسجد الحرام میں ضرور داخل ہو گے، پس اسے وہ بات معلوم تھی جو تم نہیں جانتے تھے، پس اس نے اس کے علاوہ بھی ایک نزدیکی فتح ممکن بنا دی۔☆ (۲۸) وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اور گواہی دینے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

پانچ اہم ایسے اوصاف بیان ہوئے ہیں جن کی مثال دوسری آسمانی کتابوں میں بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہم عصر مسلمانوں میں سے جن ہستیوں میں یہ اوصاف موجود ہوں، ان کے لیے یہ بہت بڑی فضلیت ہے۔ یہ ایسی فضلیت ہے جس کے لیے خود اللہ اجر عظیم کا صریح وعدہ فرما رہا ہے۔ یہ وعدہ ان لوگوں کے لیے ہے جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ہیں۔ معیت اور صحبت میں فرق ہے۔ صحبت ایک جگہ ساتھ پائے جانے کو کہتے ہیں، جبکہ معیت ایک مشن ایک تحریک میں ہر قدم پر ساتھ دینے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ان ربی یصاحبنی نہیں کہتے بلکہ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ کہتے ہیں، اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہتے ہیں، چونکہ اللہ ہر قدم پر ساتھ ہوتا ہے اور وَطَآىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ (مزمل: ۲۰) اور ایک جماعت جو آپ کے ساتھ ہے۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ سورہ توبہ آیت ۴۰ میں فرمایا: اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ اس میں ساتھی کے لیے صاحبہ اور اللہ کے لیے مَعَنَا کہا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کو ایک ساتھی کی صحبت اور اللہ کی معیت حاصل تھی۔ وہ لوگ جو ہر میدان میں رسول ﷺ کے ساتھ نہیں رہے اور جنہوں نے میدان جنگ میں ایک کافر کو بھی نہیں مارا نیز جو آپس میں نہایت تندمزاجی سے پیش آئے ہوں، وہ لوگ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں۔ اس آیت مبارکہ سے وہ موضوعاً خارج ہیں، جن پر یہ آیت صادق آتی ہے، ان پر طعن، قرآن کی نص صریح کے خلاف ہے۔ اس کا کوئی مسلمان مرتکب نہیں ہو سکتا اور جن پر یہ آیت صادق نہیں آتی ان کو آیت سے خارج سمجھنا طعن نہیں ہے۔ چنانچہ اصحاب افک میں بدری بھی شامل ہیں، جن کی سورہ نور آیت ۲۳ میں بھرپور

الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ع

(۲۹) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع، سجود میں دیکھتے ہیں، وہ اللہ کی طرف سے فضل اور خوشنودی کے طلبگار ہیں سجدوں کے اثرات سے ان کے چہروں پر نشان پڑے ہوئے ہیں، ان کے یہی اوصاف توریت میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی ان کے یہی اوصاف ہیں، جیسے ایک کھیتی جس نے (زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹی ہو گئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور کسانوں کو خوش کرنے لگی تاکہ اس طرح کفار کا جی جلائے، ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح بجا لائے ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔☆

## ٤٩ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ ١٠٦ — اٰياتها ١٨ — ركوعاتها ٢

سورہ حجرات۔ مدنی۔ آیات ۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

---

مذمت ہے۔ ولید بن عتبہ بھی صحابی ہے۔ سورہ حجرات آیت ۶ میں اسے فاسق کہا ہے۔ اس بنا پر وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ میں معیت مراد لینا ہوگا، صحبت نہیں۔ اسی لیے اول تو مِنْ برائے تبعیض ہے، چونکہ مِنْ بیانیہ ضمیر پر داخل نہیں ہوتا، ثانیاً اس مِنْ سے ہٹ کر خود قرآنی دیگر آیات اور تاریخی شواہد اس استثنا پر قطعی شاہد ہیں۔

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ: تاکہ ان کی نشو و نما کفار کو جلائے۔ جن پر کفار جلتے ہیں ان کی رسول سے معیت ثابت ہوتی ہے۔ نہ مطلق جلنا، بلکہ رسول ﷺ کی ہر قدم میں معیت کی وجہ سے جلنا۔ ایسا نہیں ہے کہ جو بھی لوگ ان پر جلتے ہوں، وہ کافر ثابت ہو جائیں۔ اصحاب ایک دوسرے پر نہ صرف جلتے تھے، مقاتلہ تک کی نوبت آتی تھی۔ اگر کسی صحابی پر جلنے والا کافر ہوتا ہے تو اس کی زد میں عصر معاویہ سے عصر عمر بن عبد العزیز تک ساری امت آ جاتی ہے۔ اس نکتے کی طرف متوجہ ہو کر مفسر تھانوی نے لکھا ہے: صحابہ پر کافروں کے ذی غیظ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو بھی صحابہ پر ذی غیظ ہو وہ کافر ہے۔

### سورہ حجرات

۱۔ رسول ﷺ خداوند عالم کی طرف سے قانون دہندہ ہے، لہذا رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کا مطلب مداخلت فی الدین ہے۔ یعنی اللہ کی حاکمیت میں مداخلت ہے۔ لہذا ایمان کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ اپنے اجتہاد پر اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کو مقدم رکھا جائے اور حکم رسول ﷺ کے خلاف فتویٰ صادر کرنے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا

(۱) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔☆ (۲) اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات نہ کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔☆ (۳) جو لوگ اللہ کے رسول کے سامنے دھیمی آواز میں بات کرتے ہیں بلاشبہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ نے تقویٰ کے لیے آزما لیے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ (۴) جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں بلاشبہ ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔☆ (۵) اور اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کی طرف نکل آتے تو ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، خوب رحم کرنے والا ہے۔☆ (۶) اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر

کا یہ جواز پیش نہ کیا جائے کہ دو مجتہدین میں اختلاف کوئی نئی بات نہیں ہے۔

۲۔ یہ صرف آداب کا حصہ ہی نہیں، بلکہ ایک طرز عمل ہے، جس کا سرا رسول ﷺ کی رسالت پر ایمان کی نوعیت سے ملتا ہے کہ اللہ کے نزدیک رسول ﷺ کی یہ عظمت ہے کہ ان کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنے سے عمل حبط ہو جاتا ہے۔ جبکہ بعض لوگوں نے رسول ﷺ کی مجلس میں بیٹھ کر اس قدر شور مچایا کہ رسول ﷺ کو قوموا عنی کہنا پڑا۔ چونکہ رسول ﷺ کبھی ذاتی حیثیت میں بات نہیں کرتے، بلکہ جو بھی بات کرتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ لہٰذا رسول ﷺ کے ساتھ بے اعتنائی، رسالت کے ساتھ بے اعتنائی ہے اور رسالت کے ساتھ بے اعتنائی خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے اعتنائی ہے۔

۴۔ حالانکہ یہ حرکت بنی تمیم کے ستر افراد پر مشتمل ایک وفد سے سرزد ہوئی، جن کے بارے میں یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا ازال احب بنی تمیم لثلاث۔۔۔ میں تین باتوں کی وجہ سے بنی تمیم سے محبت کرتا ہوں۔۔۔

۵۔ کچھ غیر مہذب اور مدینے کے اطراف و جوانب سے حضور ﷺ سے ملاقات کے لیے آنے والے لوگ ازواج مطہرات کے حجروں کے باہر سے حضور ﷺ کو یا محمد اخرج الینا (اے محمد باہر نکلیں) کہہ کر پکارتے تھے۔ جس سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت ہوتی تھی۔ ایسے ناشائستہ لوگوں کی سرزنش کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ کو قبیلہ بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ ان کے نزدیک پہنچا تو لوگ نمائندہ رسول ﷺ کے استقبال کے لیے نکلے۔ ولید ڈر گیا اور واپس بھاگ آیا۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ
فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ
فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٦﴾
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ
فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ
كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿٧﴾ فَضْلًا مِّنَ
اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٨﴾
وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا
فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا
عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ
اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا

لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو، کہیں نادانی میں تم کسی قوم کو نقصان پہنچا دو پھر تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔☆ ﴿٧﴾ اور تمہیں علم ہونا چاہیے کہ اللہ کے رسول تمہارے درمیان موجود ہیں، اگر بہت سے معاملات میں وہ تمہاری بات مان لیں تو تم خود مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرمایا اور کفر اور فسق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک ناپسندیدہ بنا دیا، یہی لوگ راہ راست پر ہیں،☆ ﴿٨﴾ اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت کے طور پر اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔ ﴿٩﴾ اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل

(کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ولید اور ان کے درمیان دشمنی تھی) ولید نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: وہ زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ رنجیدہ ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور بنی مصطلق سے فرمایا: لتنتھن او لا بعثن الیکم رجلا کنفسی یقاتل مقاتلتکم و لیسبی ذراریکم، ثم ضرب بیدہ علی کتف علی رضی اللہ عنہ۔ (الکشاف ۴: ۳۶۰) تم باز آ جاؤ، ورنہ میں ایسے فرد کو تمہاری طرف روانہ کروں گا جو میرے نفس کی طرح ہے۔ جو تمہارے لڑنے والوں سے لڑے گا اور تمہارے بچوں کو قیدی بنائے گا۔ یہ کہہ کر (حضرت) علیؑ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ولید کو جو رسول ﷺ کی نمائندگی بھی کرتا تھا، قرآن نے فاسق کہا ہے، تو کیا ہم اس کو بھی وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ میں شامل سمجھیں گے؟ یہی ولید ہے جو حضرت عثمان کی طرف سے کوفے کا گورنر تھا اور اس دوران ایک دفعہ اس نے صبح کی نماز نشے کی حالت میں چار رکعت پڑھا دی اور لوگوں سے کہا: مزید اضافہ کروں؟ اور محراب میں شراب کی قے کی!!

۷۔ کچھ اصحاب کو اس بات پر اصرار تھا کہ بنی مصطلق کے خلاف جنگ کرنا چاہیے، مگر رسول کریم ﷺ تأمل سے کام لے رہے تھے اور ان کا کہنا نہیں مان رہے تھے۔

۹۔ خطاب ان لوگوں سے ہے جو اس لڑائی میں فریق نہیں۔ ان پر فرض ہے کہ وہ اس لڑائی میں تماش بین نہ بنیں، بلکہ مصالحت اور لڑائی بند کرانے کی کوشش کریں۔ اگر وہ اس کوشش میں ناکام ہو گئے تو ان میں سے زیادتی کرنے والے کے خلاف لڑیں اور جو فریق حق پر ہو اس کا ساتھ دیں۔ باغی

بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ

کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو، یقینا اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔☆ (۱۰) مومنین تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا تم لوگ اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔☆ (۱۱) اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ ہی عورتیں عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے پر عیب نہ لگایا کرو اور ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد نہ کیا کرو، ایمان لانے کے بعد برا نام لینا نامناسب ہے اور جو لوگ باز نہیں آتے پس وہی لوگ ظالم ہیں۔☆ (۱۲) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان یقینا گناہ ہیں اور تجسس بھی نہ کیا کرو اور تم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا

کے خلاف لڑائی کا چونکہ اللہ نے حکم دیا ہے، لہٰذا یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

۱۰۔ ایمان کا رشتہ ایک آفاقی رشتہ ہے۔ اس آفاقی رشتے، اخوت سے منسلک ہونے سے ایک عالمی برادری قائم ہو جاتی ہے۔ اگر مسلمان اس عالمی برادری سے فائدہ اٹھاتے تو کرۂ ارض کی تقدیر کچھ اور ہوتی۔ یہ عالمگیریت کا اسلامی تصور ہے جو ایمان پر قائم ہے۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تخلیق اور تقنین دونوں میں عزت و تکریم سے نوازا ہے۔ تخلیق میں اس کو اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ اور وَصَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ بہترین شکل و صورت میں بنایا۔ تقنین میں احترام آدمیت اور ہتک عزت کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں ایک مفصل اور جامع قانون بنایا، جس کے تحت ہر وہ عمل اور بات جس سے کسی مسلمان کا وقار مجروح ہوتا ہو، حرام قرار پایا اور ہر وہ فعل اور بات جس سے کسی مسلمان کی عزت و وقار محفوظ ہے، اس کا انجام دینا حتی الوسع واجب قرار پایا۔

۱۲۔ سند اور دلیل کے بغیر کسی قسم کا موقف اختیار کرنا درست نہیں ہے۔ ظن و گمان کسی بھی موقف کے لیے سند اور دلیل نہیں ہیں۔ کیونکہ ظن و گمان بعض اوقات حقیقت تک رسائی کا ذریعہ نہیں بنتے۔ غیبت گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ یہ احترام آدمیت کے خلاف ہے۔ غیبت کی تعریف یہ ہے: کسی کے پیچھے اس کی ایسی برائی بیان کرنا جس سے اس کا راز فاش ہو جاتا ہو۔ اگر یہ برائی اس میں موجود ہو تو یہ غیبت ہے، وگرنہ بہتان ہے جو زیادہ سخت گناہ ہے۔ اسی طرح لوگوں کے راز ٹٹولنا بھی احترام انسانی کے خلاف ہے۔ اللہ نے غیبت کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔

يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ

گوشت کھائے؟ اس سے تو تم نفرت کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، اللہ یقینا بڑا توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔☆ ⑬ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک یقینا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، اللہ یقینا خوب جاننے والا، باخبر ہے۔☆ ⑭ بدوی لوگ کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہیں۔ کہد یجیے: تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو: ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کمی نہیں کرے گا، یقینا اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ⑮ مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں پھر شک نہ کریں اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کریں، یہی لوگ (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔☆

اس میں دو باتیں قدر مشترک ہیں: اول تو یہ عمل ہتک اور بے عزتی کا باعث ہے۔ دوسری بات یہ کہ مردہ اپنی لاش کی بے حرمتی کا دفاع نہیں کر سکتا، غیر موجود شخص بھی اپنی صفائی پیش نہیں کر سکتا۔ یہ عمل نفسیاتی لحاظ سے نہایت عاجز و ناتواں اور بے مایہ ہونے کی علامت ہے۔ سچ فرمایا مولائے متقیان ؑ نے: اَلْغِيْبَةُ جُهْدُ الْعَاجِزِ (نہج البلاغۃ ۴۶۱:۵۵۶) غیبت کمزور شخص کی ایک لاحاصل کوشش ہے۔

۱۳۔ انسان کو اللہ نے مختلف قوموں اور برادریوں میں تقسیم کیا۔ یہ تقسیم ایک دوسرے پر فخر جتلانے کے لیے نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی شناخت کے لیے ہے۔ اللہ کے نزدیک انسان کی قدر و قیمت رنگ و نسل سے نہیں، بلکہ کردار و اخلاق سے بنتی ہے۔ کیونکہ رنگ و نسل میں اس کے عمل و کردار کا دخل نہیں ہے۔ جو چیز انسان کے دائرہ اختیار میں ہو اس کے مطابق انسان کی قدر بڑھتی گھٹتی ہے اور وہ اللہ کے نزدیک تقویٰ ہے، جس سے انسان کی قیمت بنتی ہے۔

۱۴۔ یہاں ایمان اسلام کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔ ان دونوں کے معنوں میں فرق ہے۔ کیونکہ اسلام ظاہری طور پر کلمہ شہادتین زبان سے جاری کرنے کا نام ہے، جبکہ ایمان سچے دل سے قبول کرنے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا ہر مؤمن مسلمان ہوتا ہے، لیکن ہر مسلمان مؤمن نہیں ہوتا اور جہاں اسلام کا لفظ ایمان کے مقابلے میں استعمال نہ ہوا ہو، وہاں اسلام اسی مفہوم کے لیے ہوتا ہے جس کے لیے ایمان ہے۔ مثلاً اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ (آل عمران: ۱۹)

هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑮ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑯ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑰ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ ع

اٰياتها ۴۵ — ۵۰ سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ ۳۴ — رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ② ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا

⑯ کہد یجیے: کیا تم اللہ کو اپنی دینداری کی اطلاع دینا چاہتے ہو؟ جبکہ اللہ تو آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز سے واقف ہے اور اللہ ہر شے کا خوب علم رکھتا ہے۔☆ ⑰ یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کیا، کہد یجیے: مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اگر تم سچے ہو تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔☆ ⑱ بتحقیق اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر خوب نگاہ رکھنے والا ہے۔

سورۂ ق۔ مکی۔ آیات ۴۵

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① قاف، قسم ہے شان والے قرآن کی۔ ② بلکہ انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ خود انہی میں سے ایک تنبیہ کرنے والا ان کے پاس آیا تو کفار کہنے لگے: یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔☆ ③ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے (پھر زندہ کیے جائیں گے؟) یہ واپسی تو بہت بعید بات ہے۔☆

۱۵۔ ایمان کی جامع تعریف آ گئی۔ دل نے جب مان لیا پھر کسی مرحلے میں بھی شک کی نوبت نہ آئی اور مال و جان کی بازی لگائی۔ ایسے لوگ اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں۔

۱۶۔ ان بدوؤں نے جب اصرار کیا، نہیں ہم سچے دل سے ایمان لا چکے ہیں تو اللہ نے ان کی رد میں فرمایا: کیا تم اپنی دینداری کی اللہ کو خبر دیتے ہو، اللہ تمہارے حال سے خوب واقف ہے۔

۱۷۔ ایمان کو اگر کوئی اپنے لیے باعث نجات سمجھے تو ایمان کی رہنمائی کرنے والے کا اس پر احسان ہے۔ اگر ایمان کا اظہار کر کے کسی کی لیڈری چمکائی تو پھر یہ اس لیڈر پر احسان ہے۔ یہی بات ہر کار خیر کے سبب پر صادق آتی ہے کہ کار خیر کو اپنی عاقبت کے لیے انجام دیا ہے یا لیڈر کی خاطر۔ لوگ اسلام کا احسان جتاتے ہیں کہ ہم نے اسلام قبول کیا ہے۔ اللہ ایمان کی ہدایت پر احسان جتاتا ہے۔ چونکہ ظاہری اسلام سے خود لوگوں کو ظاہری فائدہ ہوتا ہے۔ اس میں احسان جتانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر حقیقی احسان ہے تو ایمان میں ہے، جس کا اللہ نے تم پر احسان کیا ہے۔

سورہ ق

۲۔ مشرکین کسی انسان کے خدا کا رسول ہونے کو نہیں مانتے تھے۔ اس لیے ان کا انکار تعجب کے ساتھ تھا کہ کیسے ہو سکتا ہے ہماری طرح کا انسان اللہ کا فرستادہ ہو جائے۔

۳۔ دوسری تعجب کی بات یہ ہے کہ جب ہم مرنے کے بعد خاک ہو جائیں گے تو دوبارہ زندہ ہو جائیں گے، یہ عقل و فہم سے دور کی بات ہے۔ اگلی آیت میں اس کی رد ہے:

تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا
تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ
حَفِيْظٌ ﴿۴﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ
فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى
السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا
مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا
فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ
بَهِيْجٍ ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ
مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا
فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾
وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا
لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ
الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ

﴿۴﴾ زمین ان (کے جسم) میں سے جو کچھ کم کرتی ہے اس کا ہمیں علم ہے اور ہمارے پاس محفوظ رکھنے والی کتاب ہے۔☆ ﴿۵﴾ بلکہ جب حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا لہٰذا اب وہ ایک الجھن میں مبتلا ہیں۔ ﴿۶﴾ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا اور مزین کیا؟ اور اس میں کوئی شگاف بھی نہیں ہے۔☆ ﴿۷﴾ اور اس زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیے اور اس میں ہر قسم کے خوشنما جوڑے ہم نے اگائے،☆ ﴿۸﴾ تاکہ (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والے ہر بندے کے لیے بینائی و نصیحت (کا ذریعہ) بن جائے۔ ﴿۹﴾ اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا جس سے ہم نے باغات اور کاٹے جانے والے دانے اگائے۔☆ ﴿۱۰﴾ اور کھجور کے بلند و بالا درخت پیدا کیے جنہیں تہ بہ تہ خوشے لگے ہوتے ہیں۔ ﴿۱۱﴾ (یہ) بندوں کی روزی کے لیے ہے اور ہم نے اسی سے مردہ زمین کو زندہ کیا، (مردوں کا قبروں سے) نکلنا بھی اسی طرح ہوگا۔ ﴿۱۲﴾ ان سے پہلے نوح کی قوم اور اصحاب الرس

۴۔ اللہ کے علم میں ہے کہ زمین انسان کے جسم کو کھاتی ہے اور خاک کے ذرات میں بدل دیتی ہے۔ پھر وہ قیامت تک زمین کے اطراف میں دور دور تک پھیل جاتے ہیں۔ اللہ کے علم میں ہے کہ اس جسم کا کون سا ذرہ کس جگہ ہے۔ اس کے جسم کے ذرات کرہ ارض کی محدودیت میں ہیں، اگر پوری کائنات میں پھیل جاتے تو بھی اس کے ذرات اللہ کی اس کتاب سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے جس میں ہر چیز محفوظ ہے۔ وہ ان سب ذرات کو اسی طرح جمع کرے گا جس طرح اس نے دنیا کے اطراف سے ذرات کو جمع کر کے انسان کو پیدا کیا۔ کسی ملک سے گندم، ہمالیہ سے پانی، کسی باغ سے پھل اور کسی کھیت سے سبزی جمع کی اور ایک بوند تیار کی۔

۶۔ کرۂ ارض ایک حفاظتی ڈھال میں محفوظ ہے۔ یہ ڈھال سورج سے آنے والی قاتل شعاعوں اور ہر روز زمین کی طرف کروڑوں کی تعداد میں آنے والے آسمانی پتھروں (شہاب ثاقب) کو روک لیتی ہے، جس کی وجہ سے اہل ارض امن و سکون کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ لہٰذا آسمان میں کوئی رخنہ ایسا نہیں جہاں سے آفتیں بلا روک ٹوک زمین کی طرف آسکیں۔ اگر انسان کی اپنی کرتوتوں کی وجہ سے حلقہ اوزون میں رخنہ پڑ جاتا ہے تو وہ دوسری بات ہے۔

۷۔ بَهِيْجٍ خوشنما کو کہتے ہیں۔ یعنی زمین میں نباتات کے خوشنما جوڑے اور قسمیں اگائیں۔

۹۔ پانی ہی کی برکت سے زمین میں زندگی کی چہل پہل اور شادابی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جمال و کمال کے مظاہر پانی کی بدولت روئے زمین پر نظر آتے ہیں۔

۱۵۔ جس ذات نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کائنات کو پیدا کیا، کیا وہ اس قسم کی ایک اور کائنات کو پیدا نہیں کر سکتی؟ کیا وہ اپنی بنائی ہوئی چیز کو توڑ کر دوبارہ نہیں بنا سکتی؟

| | |
|---|---|
| اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَ | اور ثمود نے تکذیب کی ہے۔ ⑬ اور عاد اور فرعون اور |
| اِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿١٣﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ | برادران لوط نے بھی۔ ⑭ اور ایکہ والے اور تبع کی قوم |
| تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿١٤﴾ | نے بھی، سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) |
| اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ | لازم ہو گیا۔ ⑮ کیا ہم پہلی بار کی تخلیق سے عاجز آ گئے |
| مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٥﴾ ع وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ | تھے؟ بلکہ یہ لوگ نئی تخلیق کے بارے میں شک میں پڑے |
| وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ښ وَنَحْنُ | ہوئے ہیں۔☆ ⑯ اور بتحقیق انسان کو ہم نے پیدا کیا ہے |
| اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾ اِذْ | اور ہم ان وسوسوں کو جانتے ہیں جو اس کے نفس کے اندر |
| يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ | اٹھتے ہیں کہ ہم رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب |
| الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ | ہیں۔☆ ⑰ (انہیں وہ وقت یاد دلا دیں) جس وقت |
| اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾ وَجَاۗءَتْ | (اعمال کو) وصول کرنے والے دو (فرشتے) اس کی دائیں |
| سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ | اور بائیں طرف بیٹھے وصول کرتے رہتے ہیں۔☆ |
| تَحِيْدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ | ⑱ (انسان) کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ اس |
| الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾ وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا | کے پاس ایک نگران تیار ہوتا ہے۔☆ ⑲ اور موت کی غشی حقیقت بن کر آ گئی یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ ⑳ اور صور پھونک ماری جائے گی (تو کہا جائے گا) یہ وہی دن ہے جس کا خوف دلایا گیا تھا۔ ㉑ اور ہر شخص ایک |

١٦۔ قیامت کے منکروں کے لیے ایک لمحہ فکریہ: تم انکار قیامت کر کے حساب و کتاب سے بے فکر رہتے ہو۔ تمہارے اعمال و اقوال کے علاوہ ہم تمہارے دل میں اٹھنے والے وسوسوں تک کو جانتے ہیں۔ ہم تمہاری رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ یہ ایک محسوس تشبیہ ہے، اس رگ کے ساتھ جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ ورنہ اسی رگ گردن میں دوڑنے والے خون کو چلانے والا بھی اللہ ہی ہے۔

١٧۔ التلقی۔ الاخذ۔ وصول کرنا۔ دو فرشتے انسان کے دائیں اور بائیں جانب ہوتے ہیں جو اس سے صادر ہونے والے تمام اعمال و حرکات کو ثبت اور ضبط کرتے ہیں۔ ان کے پیچھے خود اللہ تعالیٰ کا براہ راست احاطہ علمی بھی موجود ہے۔

١٨۔ اللہ تعالیٰ رگ گردن سے بھی زیادہ انسان کے قریب ہے، لیکن اس کے باوجود انسان کے اقوال و اعمال کو درج اور ثبت کرنے کے لیے فرشتے بھی مامور ہیں۔ درج و ثبت کی نوعیت کا علم ہمیں حاصل نہیں ہے، تاہم انہی خاکی ذرات کے ذریعے اقوال و اشکال کو ثبت، محفوظ اور ریکارڈ کرنا انسان کے لیے ممکن ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کے لیے اس بات میں کون سی دشواری پیش آ سکتی ہے؟

١٩۔ اگر بِالْحَقِّ میں باء کو برائے تعدیہ لیا جائے تو آیت کا ترجمہ یہ ہوگا: سکرات موت اس حق کو لے کر آیا جس سے تو بھاگتا ہے۔ یعنی وہ حق بات جو انبیاء بیان کرتے رہے کہ موت کے بعد اخروی زندگی بھی ہے۔

٢١۔ بروز قیامت جب انسان کو قبر سے اٹھایا جائے گا تو دو فرشتے اسے اپنی تحویل میں لے لیں گے۔ ایک کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ اس کو عدالت کی طرف لے جائے۔ دوسرے کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ گواہی دے یا نامہ اعمال پیش کرے۔

سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ
مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ
الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا
لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ
عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾
الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي
الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ
اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾
قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ
اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ
لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ ع يَوْمَ
نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَئْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ
مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

ہانکنے والے (فرشتے) اور ایک گواہی دینے والے (فرشتے) کے ساتھ آئے گا۔☆ ﴿۲۲﴾ بے شک تو اس چیز سے غافل تھا چنانچہ ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے لہٰذا آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔☆ ﴿۲۳﴾ اور اس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا: جو میرے سپرد تھا وہ حاضر ہے۔☆ ﴿۲۴﴾ (حکم ہوگا) تم دونوں (فرشتے) ہر عناد رکھنے والے کافر کو جہنم میں ڈال دو۔ ﴿۲۵﴾ خیر کو روکنے والے، حد سے تجاوز کرنے والے، شبہے میں رہنے والے کو۔ ﴿۲۶﴾ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بناتا تھا پس تم دونوں اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ ﴿۲۷﴾ اس کا ہم نشین (شیطان) کہے گا: ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود گمراہی میں دور تک چلا گیا تھا۔☆ ﴿۲۸﴾ اللہ فرمائے گا: میرے سامنے جھگڑا نہ کرو اور میں نے تمہیں پہلے ہی برے انجام سے باخبر کر دیا تھا۔ ﴿۲۹﴾ میرے ہاں بات بدلتی نہیں ہے اور نہ ہی میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔☆ ﴿۳۰﴾ جس دن ہم جہنم سے پوچھیں گے: کیا تو بھر گئی ہے؟ اور وہ کہے گی: کیا مزید ہے؟☆ ﴿۳۱﴾ اور جنت پرہیزگاروں کے لیے

۲۲۔ آج پردہ ہٹا دیا گیا، ورنہ تجھ میں سب کچھ دیکھنے کی دنیا میں بھی صلاحیت تھی مگر خواہشات، مفادات اور آرزوؤں کے تہ در تہ حجابوں نے تجھے اندھیرے میں رکھا تھا۔ جن کی بینائی پر پردہ نہیں پڑا ہوا تھا وہ حق کے جمال سے دنیا میں بھی محظوظ ہوتے رہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: وَ اَبْیَنُ مِمَّا تَرَی الْعُیُونُ۔ (نہج البلاغۃ خطبہ ۱۵۵) تیرا وجود ان چیزوں سے بھی زیادہ واضح ہے جن کو آنکھیں دیکھ لیتی ہیں۔

۲۳۔ اکثریت کے نزدیک یہ ساتھی وہی فرشتہ ہے جو دنیا میں اس کے اعمال ثبت کرنے پر مامور تھا۔ یعنی اس کا نامہ اعمال جو میرے سپرد تھا، حاضر ہے۔ دیگر بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس ہم نشین سے مراد شیطان ہے، چونکہ قرآن میں شیطان کو قرین ہم نشین کہا ہے: نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (زخرف ۴۳: ۳۶) اس صورت میں شیطان کہے گا: یہ وہ شخص ہے جو میرے سپرد رہا، آج یہ جہنم کے لیے حاضر ہے۔ اس پر اگلی آیت نمبر ۲۷ شاہد ہے جس میں قرین سے مراد یقیناً شیطان ہے۔

۲۷۔ شیطان کہے گا: میں نے اسے مجبور نہیں کیا، یہ خود میرے دام میں آنے کے لیے آمادگی رکھتا تھا سو وہ میرے دام میں پھنس گیا۔

۲۹۔ قول یعنی اٹل فیصلہ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (یٰس: ۷) اللہ کا یہ اٹل فیصلہ ہے، جو لوگ کفر کی حالت میں مریں گے ان کے لیے نجات نہیں ہے۔

۳۰۔ یعنی جہنم کی طرف سے مزید جہنمیوں کا مطالبہ ہے۔ جہنم کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کو پر کیا جائے گا۔ جہنم کے ساتھ سوال و جواب ممکن ہے زبان حال کے طور پر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ عالم آخرت میں ہر چیز شعور رکھتی ہو۔ اس کو عالم دنیا پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

۳۱۔ یہ نہیں فرمایا کہ اہل تقویٰ کو جنت کے نزدیک کیا جائے گا، بلکہ فرمایا: جنت کو اہل تقویٰ کے نزدیک کیا جائے گا کہ ادھر جنت میں داخل ہونے کا حکم مل گیا، ادھر وہ جنت میں پہنچ گئے۔ عالم آخرت کی

غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۨ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ

قریب کردی جائے گی، وہ دور نہ ہوگی۔☆ ﴿۳۲﴾ یہ وہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لیے جو توبہ کرنے والا، (حدود الٰہی کی) محافظت کرنے والا ہو، ﴿۳۳﴾ جو بن دیکھے رحمٰن سے ڈرتا ہو اور مکرر رجوع کرنے والا دل لے کر آیا ہو۔☆ ﴿۳۴﴾ تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، وہ ہمیشہ رہنے کا دن ہوگا۔☆ ﴿۳۵﴾ وہاں ان کے لیے جو وہ چاہیں گے حاضر ہے اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔☆ ﴿۳۶﴾ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہلاک کیا جو ان سے قوت میں کہیں زیادہ تھیں، پس وہ شہر بہ شہر پھرے، کیا کوئی جائے فرار ہے؟ ﴿۳۷﴾ اس میں ہر صاحب دل کے لیے یقیناً عبرت ہے جو کان لگا کر سنے اور (اس کا دل) حاضر رہے۔☆ ﴿۳۸﴾ اور بتحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکان محسوس نہیں ہوئی۔☆ ﴿۳۹﴾ جو باتیں یہ کرتے ہیں اس پر آپ صبر کریں اور طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے رب کی ثنا کے ساتھ تسبیح کریں ﴿۴۰﴾ اور رات کے وقت بھی اور سجدوں کے

---

بات ہی اور ہے۔ دنیا میں آئن سٹائن کے بقول زمان و مکان اضافی ہے۔ یعنی زمان و مکان ہر ایک کے لیے ایک جیسے نہیں ہیں۔ جو چیز نور کی رفتار سے سفر کرے اس کے چند منٹ زمین پر بسنے والے کی صدیوں کے برابر ہوں گے تو قیامت میں زمان و مکان کا وہ تصور نہ ہوگا جو دنیا میں ہے۔

۳۳۔ قلب منیب وہ دل ہے جو ذکر خدا سے معمور ہو۔ الانابة و النوب رجوع الشئ مرة بعد اخری بار بار رجوع کرنے کے معنوں میں ہیں۔

۳۴۔ بِسَلٰمٍ: جنت میں امن و سلامتی ہوگی۔ کسی قسم کی تکلیف کا وہاں تصور نہ ہوگا۔

يَوْمُ الْخُلُوْدِ: یعنی جنت کا یوم، دنیا کے یوم کی طرح نہ ہوگا۔ دنیا کے یوم کے لیے زوال و اختتام ہے، لیکن جنت کا یوم ابدی ہے، جس کے لیے کوئی زوال نہیں ہے۔

۳۵۔ یعنی جنت کی نعمتیں جنتیوں کی خواہش تک ہی محدود نہیں۔ جن چیزوں کی وہ خواہش تو کیا تصور بھی نہیں کر سکتے، وہ بھی ان کو مل جایا کریں گی۔

۳۷۔ صرف حق سے استفادہ کے لیے دو میں سے ایک ہونا چاہیے۔

لَهٗ قَلْبٌ: اس کے پاس دل ہو۔ دل ایک محاورہ ہے جس سے عقل و فکر مراد لی جاتی ہے۔ عقل و فکر سے کام لینے والے خود حق و باطل میں تمیز دے سکتے ہیں۔

اَلْقَى السَّمْعَ: یا ہادیان برحق سے حق کی باتیں سن کر حق و باطل میں تمیز دیتے ہیں۔

وَهُوَ شَهِيْدٌ: قبول حق کے لیے اس کی عقل و فکر آمادہ نہ ہو۔ یا ہادیان برحق کی باتیں سنتے وقت اس کا دل حاضر نہ ہو تو صرف آواز کان کے پردوں سے ٹکرانے کی وجہ سے حقائق کا فہم و ادراک ممکن نہیں ہے۔

۳۸۔ اللہ کو کائنات خلق کرنے کے لیے ایک ارادے کے سوا کچھ کرنا نہیں پڑتا جو وہ تھک جائے اور بقول بائبل ساتویں دن آرام کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

أَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۴۲﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴿۴۵﴾

بعد بھی اس کی تسبیح کریں۔☆ ﴿۴۱﴾ اور کان لگا کر سنو! جس دن منادی قریب سے پکارے گا، ﴿۴۲﴾ اس دن لوگ اس چیخ کو حقیقتاً سن لیں گے، وہی (قبروں سے) نکل پڑنے کا دن ہوگا۔ ﴿۴۳﴾ یقیناً ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور بازگشت بھی ہماری ہی طرف ہے۔ ﴿۴۴﴾ اس دن زمین ان پر سے پھٹ جائے گی تو یہ تیزی سے دوڑیں گے، یہ جمع کر لینا ہمارے لیے آسان ہے۔☆ ﴿۴۵﴾ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے ہم سب سے زیادہ جانتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہیں، پس آپ اس قرآن کے ذریعے اس شخص کو نصیحت کریں جو ہمارے عذاب کا خوف رکھتا ہو۔

## ۵۱ سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۶۷

آیاتها ۶۰ — رکوعاتها ۳

سورہ ذاریات۔مکی۔آیات ۶۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا ﴿۴﴾ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَإِنَّ الدِّينَ

﴿۱﴾ قسم ہے بکھیر کر اڑانے والی (ہواؤں) کی☆ ﴿۲﴾ پھر بوجھ اٹھانے والے (بادلوں) کی، ﴿۳﴾ پھر سبک رفتاری سے چلنے والی (کشتیوں) کی، ﴿۴﴾ پھر امور کو تقسیم کرنے والے فرشتوں کی☆ ﴿۵﴾ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً سچ ہے۔ ﴿۶﴾ اور جزا (کا دن) ضرور واقع ہو

---

۴۰۔ممکن ہے "طلوع آفتاب سے پہلے" سے مراد صبح کی نماز اور "غروب آفتاب سے پہلے" سے مراد ظہر اور عصر کی نماز اور "رات کی تسبیح" سے مراد مغرب و عشاء کی نمازیں ہوں اور "سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد سے" مراد نوافل و تعقیبات ہوں۔ تعقیبات میں تسبیحات پڑھنے کی بہت فضیلت ہے، جو رسول اللہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء ؑ کو تعلیم فرمائیں، جو تسبیح فاطمۃ الزہراء ؑ سے مشہور ہے، وہ یہ ہے: ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ۔

۴۴۔یعنی جب زمین پھٹ جائے گی تو لوگ بڑی تیزی کے ساتھ پکارنے والے کو لبیک کہنے کے لیے دوڑیں گے۔ چونکہ وہاں کوئی جائے فرار ہوگی نہیں، زمین کے پھٹنے سے زمین میں دفن ذرات اوپر آ جائیں گے۔ ان ذرات کو جمع کر کے اسی ڈھانچے کو دوبارہ بنانا اللہ کے لیے مشکل نہیں۔

سورہ ذاریات

۱۔ہوا سے بہت سے درختوں اور نباتات کی بارداری ہوتی ہے۔ ہوا ہی اوقیانوس سے بخارات کو اٹھاتی ہے، پھر پراگندہ ہو جاتی ہے اور بخارات کو بادلوں کی شکل میں اٹھاتی ہے اور براعظموں کی طرف رواں ہو جاتی ہے۔ یہاں دونوں قطبوں سے آنے والی سرد ہواؤں سے ٹکراتی ہے، جس سے یہ ابر تقسیم ہو جاتے ہیں: فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا لہٰذا ان بادلوں کو تقسیم کرنے والی ہوا ہے، فرشتے نہیں۔

۴۔اگر مراد فرشتے لیے جائیں تو بہت سے امور کی تقسیم فرشتوں کے ذمے ہے، مثلاً قبض روح کے لیے ملک الموت، صور میں پھونک مارنے کے لیے اسرافیل، وحی نازل کرنے کے لیے جبرئیل۔

۶۔جو ذات ہوا کے ذریعے لاکھوں ٹن پانی سے لدے ہوئے بادلوں کو اٹھاتی ہے، یہ اسی ذات کی طرف سے اعلان ہے (کسی ناتوان و عاجز کی طرف سے نہیں) کہ جزا و سزا کا دن آنے ہی والا ہے۔

۸۔کبھی کہتے ہو یہ قرآن محمد ﷺ کی اپنی تصنیف ہے، کبھی کہتے ہو یہ داستان پارینہ ہے، کبھی کہتے ہو اسے کوئی اور تعلیم دیتا ہے، کبھی کہتے ہو یہ کاہن ہے،

لَوَاقِعٌ (۶) وَّالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ (۷) اِنَّكُمْ
لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ (۸) يُّؤْفَكُ عَنْهُ
مَنْ اُفِكَ (۹) قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ (۱۰) الَّذِيْنَ
هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (۱۱) يَسْـَٔلُوْنَ
اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ (۱۲) يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ
يُفْتَنُوْنَ (۱۳) ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ
كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ (۱۴) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ
جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (۱۵) اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ
رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ (۱۶)
كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ (۱۷)
وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (۱۸) وَفِيْٓ
اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۱۹)
وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ (۲۰)

گا۔☆ (۷) قسم ہے راہوں والے آسمان کی، (۸) تم لوگ یقینا متضاد باتوں میں پڑے ہوئے ہو۔☆ (۹) اس (قرآن) سے وہی برگشتہ ہوتا ہے جسے برگشتہ کیا گیا ہو۔ (۱۰) بے بنیاد باتیں کرنیوالے مارے گئے۔ (۱۱) جو جہالت کی وجہ سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۱۲) وہ پوچھتے ہیں: جزا کا دن کب ہوگا؟☆ (۱۳) جس دن یہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے۔ (۱۴) اپنے فتنے (کا مزہ) چکھو، یہ وہی ہے جس کی تمہیں عجلت تھی۔ (۱۵) (اس روز) اہل تقویٰ یقینا جنتوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (۱۶) ان کے رب نے جو کچھ انہیں دیا ہے اسے وصول کر رہے ہوں گے، وہ یقینا اس (دن) سے پہلے نیکی کرنے والے تھے۔ (۱۷) وہ رات کو کم سویا کرتے تھے،☆ (۱۸) اور سحر کے اوقات میں استغفار کرتے تھے (۱۹) اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کے لیے حق ہوتا تھا۔☆ (۲۰) اور زمین میں اہل یقین کے لیے نشانیاں ہیں۔☆ (۲۱) اور خود تمہاری

کبھی کہتے ہو یہ مجنون ہے، جادوگر ہے، شاعر ہے۔

۱۰۔ صاحبان علم دنیا کے اہم معاملات میں ظن و گمان پر بھروسہ نہیں کرتے۔ مگر یہ (کافر) لوگ حیات اخروی کو صرف چند ایک ایسے مفروضوں کی بنیاد پر رد کرتے ہیں، جن سے ہلکا سا وہم و گمان ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہ وہم کہ جب ہم مٹی بن چکے اور ہماری ہڈیوں کے اجزا خاک بن کر بکھر چکے ہوں گے تو ہم پھر سے کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟ وغیرہ۔

۱۱۔ جہالت کے مراحل ہوتے ہیں: پہلا مرحلہ سہو دوسرا غفلت ہے پھر غمرۃ ہے۔ اس طرح غمرۃ جہالت کا آخری مرحلہ ہے۔

۱۷۔ وہ رات کا کچھ حصہ عبادت میں گزارتے ہیں۔ آیت کا ترجمہ تو یہ ہے: وہ رات کو کم سوتے ہیں۔ یعنی دوسروں کی بہ نسبت کم سوتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (۲) نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا (۳) اَوْ زِدْ عَلَيْهِ (مزمل: ۲۔۴) یعنی آدھی رات سے کم یا آدھی رات سے زیادہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کے وقت کا سونے کے وقت سے زیادہ ہونا ضروری نہیں ہے اور سحر کے وقت اللہ سے معافی مانگتے ہیں کہ بندگی کا حق ادا نہ ہوا۔ حقیقی بندگی یہی ہے کہ انسان عبادت کرنے کے بعد اسے ناچیز سمجھے اور اللہ کی بارگاہ میں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرے اور بندگی کا حق ادا نہ ہونے پر معافی مانگے۔ اللہ کے سچے بندے دن رات عبادت کرنے کے بعد محراب میں مارگزیدہ انسان کی طرح کراہتے اور فریاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں: آہ مِنْ قِلَّةِ الزَّادِ وَ طُولِ الطَّرِيقِ۔ (نہج البلاغۃ نصیحت ۷۷ ص ۴۸۰) افسوس! راستہ کتنا لمبا ہے اور زادراہ کتنا قلیل۔

۱۹۔ عبادت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سائل و محروم بن جائیں، بلکہ عبادت کے ساتھ انسان کو سائل نواز اور محروم نواز بھی ہونا چاہیے۔ یہ حق خمس و زکوٰۃ کے علاوہ ہے جس کا اہل تقویٰ التزام کرتے ہیں۔ یہ آیات مکی ہیں۔ مکہ میں زکوٰۃ ابھی واجب نہیں ہوئی تھی۔

۲۰۔۲۱ یہ کرۂ ارض ایسی فضا میں مصروف گردش ہے

وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۲۱ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝۲۲ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝۲۳ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ۝۲۴ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝۲۵ فَرَاغَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ۝۲۶ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝۲۷ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۝۲۸ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ۝۲۹ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝۳۰

ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟☆ (۲۲) اور تمہاری روزی آسمان میں ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔☆ (۲۳) پس آسمان اور زمین کے رب کی قسم یقیناً وہ اسی طرح برحق ہے جس طرح تم باتیں کر رہے ہو۔ (۲۴) کیا آپ کے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت پہنچی ہے؟ (۲۵) جب وہ ان کے ہاں آئے تو کہنے لگے: سلام ہو، ابراہیم نے کہا: سلام ہو! ناآشنا لوگ (معلوم ہوتے ہو)۔ (۲۶) پھر وہ خاموشی سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک موٹا بچھڑا لے آئے۔ (۲۷) پھر اسے ان کے سامنے رکھا، کہا: آپ کھاتے کیوں نہیں؟☆ (۲۸) پھر ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا، کہنے لگے: خوف نہ کیجیے اور انہیں ایک دانا لڑکے کی بشارت دی۔ (۲۹) تو ان کی زوجہ چلاتی ہوئی آئیں اور اپنا منہ پیٹنے لگیں اور بولیں: (میں تو) ایک بڑھیا (اور ساتھ) بانجھ (بھی ہوں)۔☆ (۳۰) انہوں نے کہا: تمہارے رب نے اسی طرح فرمایا ہے، وہ یقیناً حکمت والا، خوب جاننے والا ہے۔

---

جو حیات اور زندگی کے لیے نہایت نامساعد ہے۔ اس نامساعد فضا میں زمین کو زندگی کے قابل بنانے میں سینکڑوں عوامل کے باہمی ربط کو بڑا دخل ہے۔ ان میں اگر ایک عامل مفقود ہو تو یہ کرہ، زندگی کے قابل نہیں رہ سکتا۔ مثلاً زمین کا حجم، سورج سے فاصلہ اور گردش کی سرعت میں سے ایک چیز بھی موجودہ صورت میں نہ ہو تو اس زمین پر کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس طرح زمین کو قابل حیات بنانے میں جن چیزوں کو دخل ہے، ان سب میں اس بات پر ایک دلیل موجود ہے کہ یہ سب اندھے اتفاق کی اندھی بانٹ نہیں ہے، بلکہ ان کے پیچھے ایک باشعور ذہن کارفرما ہے۔

وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ: خود انسان کی اپنی تخلیق میں قدرت کی کتنی واضح نشانیاں موجود ہیں۔ اربوں خلیات کا ایک منظم لشکر اس انسان کو احسن تقویم کی صورت میں بنانے پر مامور ہو جاتا ہے اور جو وراثتی درس پہلے خلیے کو پڑھایا گیا ہے وہ ان سب خلیات کو یاد ہے۔ چنانچہ تقسیم کار کی بنیاد پر اس لشکر کا کچھ حصہ آنکھ، کچھ ناک، کچھ اعصاب اور کچھ دماغ وغیرہ بنانے میں مشغول ہو جاتا ہے، جو اس کائنات کا سب سے بڑا اعجوبہ ہے اور قدرت کی بڑی نشانی ہے۔

۲۲۔ انسانی زندگی کے لوازم کا اکثر حصہ آسمان سے برف، بارش، دھوپ وغیرہ کی شکل میں نازل ہوتا ہے اور حکم خدا بھی آسمان سے ہی نازل ہوتا ہے۔

۲۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ اس سے پہلے بھی کئی بار گزر چکا ہے۔

۲۹۔ صَرَّةٍ چیخ و پکار کو کہتے ہیں۔ صَكَّتْ کے معنی پیٹنے کے ہیں۔ دوسرے معنی لپیٹنے کے ہیں۔ یعنی اس نے اپنا ہاتھ منہ پر لپیٹ لیا۔ روایت ہے کہ حضرت سارہ کی عمر اس وقت نوے سال تھی اور بانجھ تھیں۔ اس سے پہلے اولاد نہیں ہوئی تھی۔ ممکن ہے تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنا ہاتھ منہ پر لپیٹ لیا ہو۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٤﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٣٧﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿٤١﴾ مَا

(٣١) ابراہیم نے کہا: اے اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو) آپ کی (اصل) مہم کیا ہے؟ (٣٢) انہوں نے کہا: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، (٣٣) تا کہ ہم ان پر مٹی کے کنکر برسائیں، (٣٤) جو حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں۔☆ (٣٥) پس وہاں موجود مومنین کو ہم نے نکال لیا۔ (٣٦) وہاں ہم نے ایک گھر کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔☆ (٣٧) اور دردناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لیے ہم نے وہاں ایک نشانی چھوڑ دی۔☆ (٣٨) اور موسیٰ (کے قصے) میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے انہیں واضح دلیل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا۔ (٣٩) تو اس نے اپنی طاقت کے بھروسے پر منہ موڑ لیا اور بولا: جادوگر یا دیوانہ ہے۔ (٤٠) چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو گرفت میں لے لیا اور انہیں دریا میں پھینک دیا اور وہ لائق ملامت تھا۔ (٤١) اور عاد میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی۔ (٤٢) وہ جس چیز پر گرتی تھی اسے

---

٣٤۔ یہ کنکر نشان زدہ تھے کہ کون سا کنکر کس مجرم کو ہلاک کرے گا۔

٣٦۔ پوری قوم میں صرف ایک گھر مسلمان تھا اور وہ حضرت لوط ؑ کا گھر تھا۔ باقی سارا علاقہ کفر اور فسق و فجور میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس ایک گھر میں بھی ان کی اہلیہ مسلمان نہ تھی۔ جس شہر میں صرف چند افراد مؤمن ہوں، ان کو بھی وہاں سے نکلنا پڑے، اس شہر کو تباہ ہونا چاہیے۔

٣٧۔ ممکن ہے اس نشانی سے مراد بحیرۂ مردار ہو۔ یعنی قوم لوط کا شہر اس جگہ آباد رہا ہو اور کسی زلزلے کی وجہ سے دھنس کر اس جگہ بحیرہ مردار کا پانی پھیل گیا ہو۔ ٢٠٠١ء میں بحیرہ مردار دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جیسے جیسے اس علاقے سے نزدیک ہوتا جاتا ہے، زندگی کے آثار کم نظر آنے لگتے ہیں۔ چنانچہ خود بحیرہ مردار کو اسی لیے مردار کہتے ہیں کہ اس میں آبی حیات ناپید ہے۔

٤٧۔ بِاَیۡیدٍ: اَیۡد طاقت (انرجی) کو کہتے ہیں۔ بعض مؤلفین نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتا ہے کہ ہم نے آسمان کو انرجی سے بنایا ہے۔ یعنی آسمان بنانے کا ابتدائی میٹیریل انرجی تھا۔ چنانچہ انرجی کے سمٹنے سے مادہ وجود میں آتا ہے اور مادہ کے بکھرنے سے انرجی بن جاتی ہے۔ اس طرح یہ دونوں آپس میں رشتہ دار ہیں اور لَمُوۡسِعُوۡنَ کے دوسرے معنی یہ کیے جاتے ہیں: ہم وسعت والے ہیں، یعنی ہم طاقت والے ہیں۔

کائنات کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے آرام نہیں کیا

تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ
كَالرَّمِيْمِ ۝۴۲ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ
تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۝۴۳ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ
رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ
يَنْظُرُوْنَ ۝۴۴ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّ
مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝۴۵ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ
قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۴۶ ع
وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا
لَمُوْسِعُوْنَ ۝۴۷ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ
الْمٰهِدُوْنَ ۝۴۸ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا
زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۴۹ فَفِرُّوْٓا
اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ وَ
لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ

بوسیدہ کر کے چھوڑ دیتی تھی۔ (۴۳) اور ثمود میں بھی (نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا: ایک وقت معین تک زندگی کا لطف اٹھا لو۔ (۴۴) مگر انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی تو انہیں کڑک نے گرفت میں لے لیا اور وہ دیکھتے رہ گئے۔ (۴۵) پھر وہ اٹھ بھی نہ سکے اور نہ ہی وہ بدلہ لے سکے۔ (۴۶) اور اس سے پہلے نوح کی قوم (بھی ایک نشان عبرت) ہے، یقیناً وہ فاسق لوگ تھے۔ (۴۷) اور آسمان کو ہم نے قوت سے بنایا اور ہم ہی وسعت دینے والے ہیں۔☆ (۴۸) اور زمین کو ہم نے فرش بنایا اور ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں۔☆ (۴۹) اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں، شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو۔☆ (۵۰) پس تم اللہ کی طرف بھاگو، بتحقیق میں اللہ کی طرف سے تمہیں صریح تنبیہ کرنے والا ہوں۔ (۵۱) اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ، میں اللہ کی طرف سے تمہیں صریح تنبیہ کرنے

(جیسا کہ بائبل کہتی ہے) بلکہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ کے مطابق اس سرچشمہ فیض سے ہمیشہ فیض جاری ہے اور اللہ ایک کائنات بنا کر فارغ نہیں ہوا، بلکہ یہ کائنات بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔

۴۸۔ چنانچہ اس فرش میں ایسے عناصر ودیعت فرمائے ہیں کہ جن میں اس انسان کے لیے زندگی کے رنگ برنگ سامان موجود ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اہل قلم نے کرہ ارض کو "مہربان ماں" کا نام دیا ہے جس کی ممتا کی وجہ سے ہمیں زندگی کی تمام تر سہولیات میسر ہیں۔

۴۹۔ پہلے بھی ذکر ہوا، ہر چیز زوجیت کے ایک جامع نظام میں موجود ہے۔ قدیم فلاسفہ کہتے تھے: کل شیء موجود مزدوج له مهية و وجود۔ ہر شیء ایک ازدواجی وجود کے مرہون ہے۔ ایک ماہیت، دوسرا وجود۔ یعنی ماہیت اور وجود آپس میں جفت ہیں۔ آج کا انسان ہر چیز کو عناصر کے ازدواجی نظام کے مرہون سمجھتا ہے۔ یعنی ہر شیء، عناصر کی ترکیب وازدواج کے مرہون ہے۔ اگر ان عناصر کو باہمی ارتباط چھوڑنے پر مجبور کیا جائے تو تباہی پھیل جاتی ہے۔

۵۵۔ پند و نصیحت سنتے رہنے سے دلوں کو زنگ نہیں لگتا۔ دل ہمیشہ ایمان اور یاد خدا کی طاقت سے چارج (charge) ہوتے رہتے ہیں۔ صالحین ہمیشہ پند و نصیحت کی تلاش میں ہوتے ہیں، جبکہ دوسرے لوگ پند و نصیحت سے نفرت کرتے ہیں۔

۵۶۔ عبادت، معرفت کے بعد ممکن ہے۔ جیسا کہ

مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٥١﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا
سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ
بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ
فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿٥٤﴾ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ
الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾ وَ مَا
خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾
مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ
اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿٥٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو
الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿٥٨﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا
يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

والا ہوں۔ ﴿۵۲﴾ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے
ہیں ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر اس سے انہوں نے
کہا: جادوگر ہے یا دیوانہ۔ ﴿۵۳﴾ کیا ان سب نے ایک
دوسرے کو اسی بات کی نصیحت کی ہے؟ (نہیں) بلکہ وہ
سرکش قوم ہیں۔ ﴿۵۴﴾ پس آپ ان سے رخ پھیر لیں تو
آپ پر کوئی ملامت نہ ہوگی۔ ﴿۵۵﴾ اور نصیحت کرتے رہیں
کیونکہ نصیحت تو مومنین کے لیے یقینا فائدہ مند ہے۔☆
﴿۵۶﴾ اور میں نے جن و انس کو خلق نہیں کیا مگر یہ کہ وہ میری
عبادت کریں۔☆ ﴿۵۷﴾ میں نہ ان سے کوئی روزی چاہتا
ہوں اور نہ ہی میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں
﴿۵۸﴾ یقینا اللہ ہی بڑا رزق دینے والا، بڑی پائیدار طاقت
والا ہے۔ ﴿۵۹﴾ پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے حصے
میں وہی سزائیں ہیں جو ان کے ہم مشربوں کے حصے میں
تھیں، لہٰذا وہ مجھ سے عجلت نہ مچائیں۔ ﴿۶۰﴾ پس کفار کے
لیے تباہی ہے اس روز جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ انسان کو اللہ نے معرفت کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ اس ذات کامل کی معرفت کے بعد اس کی بندگی کرتے ہیں۔ اس صورت میں عبد کے لیے کمال و ارتقا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کسی عبادت کا محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا خلقت کی غرض اسی صاحب کمال کی بندگی کرنے سے پوری ہوتی ہے، نہ کہ کسی اور کی بندگی کرنے سے۔ اللہ نے بندگی کے لیے خلق کیا ہے، یعنی اللہ نے اس انسان کی خلقت کے اندر بندگی کا شعور ودیعت فرمایا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (روم: ۳۰) وہ دین قیم جس میں کسی قسم کا انحراف نہیں ہے، عین فطرت ہے۔ اگر اللہ کی بندگی فطری نہ ہوتی تو اس بندگی سے انسان کو سکون حاصل نہ ہوتا۔ جیسا کہ مچھلی اگر پانی میں زندگی کے لیے پیدا نہ ہوتی تو اسے پانی میں سکون نہ ملتا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ کی بندگی فطری ہے تو سب لوگوں کو اس پر چلنا چاہیے، کیونکہ فطرت سب کے لیے یکساں ہے۔ جواب یہ ہے کہ فطری ہونے کا مطلب جبری نہیں ہے۔ مثلاً جمالیات کی حس بھی سب کے نزدیک فطری ہے اور دوسروں پر احسان کرنے کا احساس بھی سب کے نزدیک فطری ہے، اس کے باوجود بہت سے لوگ نہ جمالیاتی ذوق رکھتے ہیں، نہ کمزوروں پر احسان کرتے ہیں، بلکہ اس کے برعکس ان کا خون چوستے ہیں۔

آیاتها ٤٩ ۔ ٥٢ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ٧٦ ۔ رکوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ۙ﴿١﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿٢﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿٣﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿٤﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿٥﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿٦﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿٧﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿٨﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿٩﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۭ﴿١٠﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿١١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ﴿١٢﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۭ﴿١٣﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٤﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ﴿١٥﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا

وقف لازم

سورہ طور۔ مکی۔ آیات ۴۹

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) قسم ہے طور کی، ☆ (۲) اور لکھی ہوئی کتاب کی، (۳) ایک کشادہ ورق میں، ☆ (۴) اور بیت معمور (آباد گھر) کی، ☆ (۵) اور بلند چھت کی، ☆ (۶) اور موجزن سمندر کی، ☆ (۷) آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے، (۸) اسے ٹالنے والا کوئی نہیں ہے۔ (۹) اس روز آسمان بری طرح تھرتھرائے گا، (۱۰) اور پہاڑ پوری طرح چلنے لگیں گے۔ ☆ (۱۱) پس اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے تباہی ہے، (۱۲) جو بیہودگیوں میں کھیل رہے ہیں۔ ☆ (۱۳) اس دن وہ شدت سے جہنم کی آگ کی طرف دھکیلے جائیں گے۔ (۱۴) یہ وہی آگ ہے جس کی تم لوگ تکذیب کرتے تھے۔ (۱۵) (بتاؤ) کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھتے نہیں ہو؟ (۱۶) اب اس میں جھلس جاؤ پھر صبر کرو یا صبر نہ کرو تمہارے لیے یکساں ہے، تمہیں تو بہرحال

سورہ طور

۱۔ طور وہ کوہ ہے جہاں سے حضرت موسیٰ ؑ نبوت لے کر لوٹے۔

۳۔ کوہ طور کی مناسبت سے ممکن ہے کہ باریک چمڑے پر لکھی گئی کتاب سے مراد توریت ہو۔

۴۔ احادیث کے مطابق بیت معمور اس گھر کو کہتے ہیں جو کعبہ کے اوپر آسمانوں میں بنا ہوا ہے اور فرشتوں کی جائے عبادت ہے۔ خانہ کعبہ بھی روئے زمین کا پہلا بیت معمور (بنایا گیا گھر) ہے۔

۵۔ اونچی چھت سے مراد آسمان ہے۔ یعنی اس ذات نے ان چیزوں کو عبث نہیں بنایا۔ اس نے جس مقصد کے لیے ان کو خلق کیا ہے اس کے تحت قیامت کا برپا ہونا لازمی ہے اور سرکشوں کے لیے عذاب بھی لازمی ہے۔

۶۔ اَلْمَسْجُوْرِ کے دوسرے معنی آگ کے ہیں۔ یعنی آگ اور بھاپ میں تبدیل ہونے والے سمندر کی قسم۔ شاید یہی معنی قرین سیاق ہیں۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے، حضرت علی ؑ نے ایک یہودی سے پوچھا: تمہاری کتاب میں آگ کی جگہ کون سی ہے۔ اس نے کہا: سمندر۔ آپ نے فرمایا: یہ شخص صحیح کہ رہا ہے۔ ہماری کتاب میں بھی ہے: وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (زبدۃ التفاسیر ۶: ۴۸۷) اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: قسم ہے آتشیں سمندر کی۔

۱۰۔ موجودہ آسمان و زمین اور موجودہ نظام کائنات ایک مرتبہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کی جگہ اللہ تعالیٰ ایک اور کائنات اور نظام کو ترتیب دے گا۔

۱۲۔ خَوْضٍ قابل مذمت کام میں لگ جانے کے معنوں میں ہے۔ یعنی انبیاء کی دعوت کے مضمرات میں غور کرنے کی بجائے بیہودہ باتوں میں لگے

تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ
جَنّٰتٍ وَّ نَعِیْمٍ ﴿١٧﴾ فٰكِهِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ
وَ وَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿١٨﴾ كُلُوْا وَ
اشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾
مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَ زَوَّجْنٰهُمْ
بِحُوْرٍ عِیْنٍ ﴿٢٠﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ
ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ
مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ كُلُّ
امْرِیًٴۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ﴿٢١﴾ وَ اَمْدَدْنٰهُمْ
بِفَاكِهَةٍ وَّ لَحْمٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿٢٢﴾
یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْهَا
وَ لَا تَاْثِیْمٌ ﴿٢٣﴾ وَ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ

تمہارے اعمال کی جزائیں دی جائیں گی۔☆ ﴿١٧﴾ اہل تقویٰ تو یقیناً جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ ﴿١٨﴾ ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا کیا ہے اس پر وہ خوش ہوں گے اور ان کا رب انہیں عذاب جہنم سے بچا لے گا۔ ﴿١٩﴾ خوشگواری سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے عوض جو تم کرتے رہے ہو۔ ﴿٢٠﴾ وہ صف میں بچھی ہوئی مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے ہم ان کا عقد کر دیں گے۔ ﴿٢١﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ان کی اولاد کو (جنت میں) ہم ان سے ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے ہم کچھ بھی کم نہیں کریں گے، ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے۔☆ ﴿٢٢﴾ اور ہم انہیں پھل اور گوشت جو ان کا جی چاہے فراہم کریں گے۔ ﴿٢٣﴾ وہاں وہ آپس میں جام پھراتے ہوں گے جس میں نہ بیہودگی ہوگی اور نہ گناہ۔☆ ﴿٢٤﴾ اور ان کے گرد نوعمر خدمت گزار لڑکے ان کے لیے چل پھر رہے ہوں

رہتے ہو۔

١٦۔ صبر اس وقت نتیجہ خیز ہوتا ہے کہ جب کسی بہتر انجام کے لیے اختیار کیا جائے۔ جہنمی جب اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے تو اس صبر کا کوئی انجام نہیں ہوتا۔

٢١۔ والدین کے احسانات صرف دنیا تک محدود نہیں ہیں۔ قیامت کے دن بھی وہ اپنی نیک اولاد کی شفاعت کر کے انہیں جنت میں لے جائیں گے۔ جب والدین کو جنت جانے کی اجازت مل جائے گی اور اولاد کو نہیں اور اولاد والدین کے درجے پر فائز نہ ہو بلکہ ان سے کم درجے کی مؤمن ہو، لیکن والدین کی خواہش پر اسے بھی والدین کے درجے میں لایا جائے گا اور والدین کے درجات میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ سورۂ مؤمن آیت ٨ اور سورۂ رعد کی آیت ٢٣ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر والدین کم درجے کے ہیں تو ان کو اولاد کے درجے پر لایا جائے گا: جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ۔۔۔ (رعد: ٢٣) دائمی جنتوں میں خود بھی داخل ہو جائیں گے اور ان باپ داداؤں، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے، مگر اس کے درجے کے نہیں ہوں گے، یعنی یہ لوگ نیک ہوں گے، مگر اس کے درجے کے نہیں ہوں گے، لیکن اس کی خواہش پر اس کے درجے پر لائے جائیں گے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں والدین کو نیک اولاد آخرت میں بھی فائدہ دے گی۔ ہر شخص اپنے عمل کا مرہون ہے۔ یعنی اس کا عمل اچھا ہو تو نتیجہ اچھا اور اگر برا ہو تو نتیجہ بھی برا ہو گا۔ اس اصول کے تحت والدین کا رتبہ کم کر کے اولاد کو نہیں دیا جائے گا، نہ ہی کسی کا عذاب کم کر کے کسی دوسرے پر ڈالا جائے گا۔

٢٣۔ یَتَنَازَعُوْنَ: تنازع کا لفظ جب کأس کے

كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٢٤﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾ع فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ۭ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾ۭ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾ۚ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ۚ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾ۭ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ

گے گویا وہ چھپائے ہوئے موتی ہوں۔ ﴿٢٥﴾ اور یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر سوال کریں گے۔ ﴿٢٦﴾ کہیں گے: پہلے ہم اپنے گھر والوں کے درمیان ڈرتے رہتے تھے۔☆ ﴿٢٧﴾ پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں جھلسا دینے والی ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا۔ ﴿٢٨﴾ اس سے پہلے ہم اسی کو پکارتے تھے وہ یقینا احسان فرمانے والا، مہربان ہے۔ ﴿٢٩﴾ لہٰذا آپ نصیحت کرتے جائیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔☆ ﴿٣٠﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں: یہ شاعر ہے، ہم اس کے بارے میں گردش زمانہ (موت) کے منتظر ہیں؟☆ ﴿٣١﴾ کہد یجیے: انتظار کرو کہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔☆ ﴿٣٢﴾ کیا ان کی عقلیں انہیں ایسا کرنے کو کہتی ہیں یا یہ سرکش لوگ ہیں؟ ﴿٣٣﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں اس (قرآن) کو اس نے خود گھڑ لیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿٣٤﴾ پس اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا لائیں۔☆ ﴿٣٥﴾ کیا یہ لوگ بغیر کسی خالق

ساتھ ہوگا تو ایک دوسرے سے لینے کے معنوں میں ہوگا۔

۲۶۔ احباب کی محفل میں بیٹھ کر اپنے گزرے ہوئے دنوں کے حالات ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے کہ دنیا میں کیسی زندگی گزاری اور ان مشکل مراحل کو طے کر کے جنت کی ان نعمتوں تک کیوں کر رسائی حاصل ہوگئی؟ جواب یہ ہوگا کہ ہم مال و اولاد کی وجہ سے خوف خدا سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ اس ڈر نے آج ہمیں امن دیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم آج کے لیے اپنے مہربان پروردگار کی بارگاہ میں دعائیں کرتے رہتے تھے۔

۲۹۔ کاہن ظن و تخمین کی بنیاد پر ماضی کی پوشیدہ باتیں بتانے والے کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں گزشتہ امتوں کے برے انجام کی خبروں سے اپنے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے رسول اللہ ﷺ پر کاہن ہونے کا الزام عائد کرتے تھے۔

۳۰۔ مشرکین آپس میں کہا کرتے تھے: اس شخص کی یہ تحریک خدائی تو ہے نہیں، بلکہ صرف اس کی ذات تک محدود ہے۔ اس کے ختم ہونے سے یہ تحریک بھی دم توڑ دے گی۔

۳۱۔ جواب یہ دیا گیا: انتظار کرو کہ تمہاری سازشوں نے دم توڑنا ہے یا ہماری تحریک نے؟ یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

۳۴۔ یہ کلام اگر زمین میں بن سکتا ہے تو تم بھی اسی سرزمین میں بستے ہو، پس ایک ایسا کلام بنا کر اپنی بات ثابت کرو۔

۳۵۔۳۶ یہ رسول ﷺ تمہیں ایسی ذات کی بندگی کی

شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَمْ خَلَقُوا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿٣٦﴾
اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ
الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ
فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾
اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ
اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ اَمْ
عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤١﴾ اَمْ
يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ
الْمَكِيْدُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَاِنْ يَّرَوْا
كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ
مَّرْكُوْمٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ

کے پیدا ہوئے ہیں یا خود (اپنے) خالق ہیں؟☆ ﴿٣٦﴾ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ یقین نہیں رکھتے۔☆ ﴿٣٧﴾ کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا ان پر ان لوگوں کا تسلط قائم ہے؟ ﴿٣٨﴾ یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس (کے ذریعے) سے یہ وہاں (عالم ملکوت) کی باتیں سنتے ہیں؟ (اگر ایسا ہے) تو ان کا سننے والا واضح دلیل پیش کرے۔ ﴿٣٩﴾ کیا اللہ کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں؟ ﴿٤٠﴾ کیا آپ ان سے اجر مانگتے ہیں کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے؟ ﴿٤١﴾ یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے وہ لکھتے ہوں؟ ﴿٤٢﴾ کیا یہ لوگ فریب دینا چاہتے ہیں؟ کفار تو خود فریب کا شکار ہو جائیں گے۔☆ ﴿٤٣﴾ یا ان کا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ اللہ اس شرک سے پاک ہے جو یہ کرتے ہیں۔ ﴿٤٤﴾ اور اگر یہ لوگ آسمان سے (عذاب کا) کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو کہیں گے: یہ تو سنگین بادل ہے۔ ﴿٤٥﴾ پس آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے یہاں تک کہ یہ اپنا وہ دن دیکھ لیں

طرف دعوت دے رہا ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور پوری کائنات کو بھی۔ ہاں! اگر تمہارا کوئی خالق نہیں ہے یا تم خود خالق ارض و سما ہو تو اس صورت میں تم بندگی سے آزاد ہو سکتے ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو تمہیں اس ذات کی بندگی کرنی ہوگی جس نے تمہیں اور ان سب چیزوں کو خلق کیا ہے۔

ان آیات میں فرمایا: اللہ کی بندگی نہ کرنے کے لیے چند ایک صورتیں قابل تصور ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ تم بغیر خالق کے پیدا ہوئے ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تم خود خالق ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے خزانوں کے خود مالک ہو، اللہ کے پاس کچھ نہ ہو۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ عالم بالا میں اللہ کے ہاں کیا فیصلے ہوتے ہیں، ان کو سننے کے لیے تمہارے پاس کوئی ذریعہ موجود ہو، جس سے تم نے سن لیا ہو کہ اللہ معبود نہیں ہے۔ اگر یہ تمام صورتیں ناممکن ہیں تو تمہارے لیے اللہ کی بندگی سے فرار ہونے کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔

۴۲۔ یہ ابتدائے دعوت کے دنوں کی بات ہے جب مسلمان نہایت ہی نامساعد حالات سے دوچار ایک چھوٹی سی بے سروسامان جماعت پر مشتمل تھے۔ اس وقت کی پیشگوئی ہے کہ مخالفین اس دعوت کو ناکام کرنے کے لیے جو بھی سازش اور تدبیر کریں گے اس کا الٹا اثر انہی کافروں کے خلاف ظاہر ہوگا۔

۴۵۔ سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اللہ کسی کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔ وہ ذات ہاتھ اٹھا لے، جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔

الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾ ع

جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔☆ ﴿۴۶﴾ اس دن نہ ان کی تدبیران کے کسی کام آئے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔ ﴿۴۷﴾ اور ظالموں کے لیے اس (عذاب) کے علاوہ بھی یقینا عذاب ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔☆ ﴿۴۸﴾ اور آپ اپنے رب کے حکم تک صبر کریں، یقینا آپ ہماری نگاہوں میں ہیں اور جب آپ اٹھیں تو اپنے رب کی ثنا کے ساتھ تسبیح کریں۔☆ ﴿۴۹﴾ اور رات کے بعض حصوں میں اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی اپنے رب کی تسبیح کریں۔☆

## ٥٣ سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ٢٣

آیاتها ٦٢ — رکوعاتها ٣

سورہ نجم۔مکی۔آیات ۶۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿٢﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ﴿٥﴾ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ﴿٦﴾ وَهُوَ

﴿۱﴾ قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب کرے☆ ﴿۲﴾ تمہارا رفیق نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے۔☆ ﴿۳﴾ وہ خواہش سے نہیں بولتا۔☆ ﴿۴﴾ یہ تو صرف وحی ہوتی ہے جو (اس پر) نازل کی جاتی ہے۔ ﴿۵﴾ شدید قوت والے نے انہیں تعلیم دی ہے ﴿۶﴾ جو صاحب قوت پھر (اپنی شکل میں) سیدھا کھڑا ہوا۔ ﴿۷﴾ اور جب وہ بلندترین افق پر تھے۔

---

۴۷۔یعنی عذاب آخرت کے علاوہ بھی عذاب ہے۔ لفظ میں عمومیت ہے، یعنی غیر اللہ کی پرستش کرنے والوں کے لیے آخرت کے علاوہ دنیا میں عذاب آسکتا ہے۔قبر کا عذاب مراد ہوسکتا ہے، اس عذاب سے مراد مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ہوسکتی ہے۔

۴۸۔جس طرح کسی کو اپنے حال پر چھوڑنا سب سے بڑی سزا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا رسول کریم ﷺ سے یہ فرمانا فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں، سب سے بڑی عنایت ہے۔

۴۹۔إِدْبَارَ النُّجُومِ: جب صبح کی روشنی سے ستارے چھپ جاتے ہیں۔بعض کے نزدیک اس سے مراد نماز فجر سے پہلے کی دو رکعت ہیں۔

حِينَ تَقُومُ: جب آپ اٹھیں۔یعنی رات کو تہجد کے لیے اٹھیں تو تسبیح پڑھیں۔

سورہ نجم

۱۔قسم ہے ستارے کی۔ اللہ ستاروں کی قسم کھانے کو اہمیت دیتا ہے۔سورۂ واقعہ آیت ۷۵۔۷۶ میں فرمایا: لا اقسم بمواقع النجوم و انه لقسم لو تعلمون عظیم۔ مجھے ستاروں کے مقامات کی قسم ہے اگر تم جانتے ہو تو یہ بڑی قسم ہے۔

۲۔صاحبکم۔ صاحب یعنی ساتھی، رفیق۔ ایک محاورہ ہے، جہاں کوئی اور رشتہ بتانا منظور نہ ہو تو وہاں صاحبکم کہتے ہیں جیسے ہم 'تمہارا یار' کہتے ہیں۔

۳۔تمہارا رفیق جو باتیں بیان کرتا ہے وہ صرف وحی ہے، اس کی اپنی خواہش کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ بھٹکتا بہکتا وہ ہے جس پر ذاتی خواہش حاکم ہو۔آیت کے اطلاق میں وہ تمام فرامین شامل ہیں جو حضور ﷺ نے اپنی امت سے بیان فرمائے ہیں۔ اگر وحی اسلوب کلام و معانی میں بطور معجزہ نازل

بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۞ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۞ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۞ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۞ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۞ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۞ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۞ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۞ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۞ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۞ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۞ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۞ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۞ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۞ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۞ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۞ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

(٨) پھر وہ قریب آئے پھر مزید قریب آئے، (٩) یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم (فاصلہ) رہ گیا۔ (١٠) پھر اللہ نے اپنے بندے پر جو وحی بھیجنا تھی وہ وحی بھیجی۔ (١١) جو کچھ (نظروں نے) دیکھا اسے دل نے نہیں جھٹلایا۔ (١٢) تو کیا جسے انہوں نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھا ہے تو تم لوگ (اس کے بارے میں) ان سے جھگڑتے ہو؟ (١٣) اور بتحقیق انہوں نے پھر ایک مرتبہ اسے دیکھ لیا، (١٤) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، (١٥) جس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ (١٦) اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ (١٧) نگاہ نے نہ انحراف کیا اور نہ تجاوز۔ (١٨) بتحقیق انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔☆ (١٩) لات و عزیٰ کے بارے میں مجھے بتلاؤ (٢٠) اور پھر تیسرے منات کو بھی؟ (٢١) کیا تمہارے لیے تو بیٹے اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں؟ (٢٢) یہ تو پھر غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ (٢٣) دراصل یہ تو صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا

ہوئی ہے تو وہ قرآن ہے، ورنہ سنت رسول ﷺ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں لوگوں نے سنت کی تدوین کی مخالفت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اکتبوا فو الذی نفسی بیدہ ما خرج منی الا الحق۔ (سنن الدارمی حدیث ۴۸۴ باب کتابۃ العلم) لکھو! جس ذات کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی قسم! میری زبان سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلی۔ مگر ستم یہ کہ حدیث کی تدوین پر حکمرانوں کی طرف سے دوسری صدی ہجری تک پابندی رہی۔ البتہ اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں کے ہاں عصر رسول ﷺ ہی میں حدیث کی تدوین املاء من رسول اللہ ﷺ و بخط علی علیہ السلام ہوئی۔ جو کتاب علی کے نام سے مشہور ہے۔ بدقسمتی سے معاندانہ پروپیگنڈوں نے اس خصوصیت کو طعن میں بدلنے کی کوشش کی اور مشہور کیا گیا کہ ان کے ہاں سرے سے قرآن الگ ہے۔ معاذ اللہ۔ اس موضوع کی تفصیل کے لیے مصر کے دانشمند عبد الحلیم الجندی کی کتاب الامام الصادق علیہ السلام کا مطالعہ فرمائیں۔

١٨۔ قلب و نظر کے اتفاق کے ساتھ اللہ کی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔ اللہ کے ملکوتی نظام کی عظمت کا ایسا مشاہدہ کسی اور کے لیے قابل تصور نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (انعام:٧٥) ہم نے اسی ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھائی تاکہ یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ؕ ﴿٢٣﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۖ ﴿٢٤﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى ؑ ﴿٢٥﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى ﴿٢٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ ﴿٢٨﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ

واجداد نے گھڑ لیے ہیں، اللہ نے تو اس کی کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے، یہ لوگ صرف گمان اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔ ﴿٢٤﴾ انسان جو آرزو کرتا ہے کیا وہ اسے مل جاتی ہے؟ ﴿٢٥﴾ اور دنیا اور آخرت کا مالک تو صرف اللہ ہے۔ ﴿٢٦﴾ اور آسمانوں میں کتنے ہی ایسے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اللہ کی اجازت کے بعد جس کے لیے وہ چاہے اور پسند کرے۔☆ ﴿٢٧﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے نام لڑکیوں جیسے رکھتے ہیں۔ ﴿٢٨﴾ حالانکہ انہیں اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے وہ تو صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور گمان تو حق (تک) پہنچنے کے لیے کچھ کام نہیں دیتا۔☆ ﴿٢٩﴾ پس آپ اس سے منہ پھیر لیں جو ہمارے ذکر سے منہ پھیرتا ہے اور صرف دنیاوی زندگی کا خواہاں ہے۔☆ ﴿٣٠﴾ یہی ان کے علم کی انتہا

٢٦۔ فرشتے اللہ کی بارگاہ میں کتنے ہی مقرب کیوں نہ ہوں، کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے، جب تک اللہ کی طرف سے اجازت نہ ہو اور اجازت کے لیے بھی یَرْضٰی پسند یعنی اہلیت شرط ہے۔

٢٨۔ ظن، حق کی جگہ کام نہیں دے سکتا۔ کسی مؤقف کے لیے ظن کو بطور سند پیش نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ کیسے اسی ظن کی بنیاد پر فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا کر ان سے مرادیں مانگتے ہیں؟

٢٩۔ حق سے نفرت کرنے والے دنیا پرستوں سے دور ہٹ کر اپنی ساری توجہ اس جماعت کے لوگوں کی طرف رکھنی چاہیے جو حق کی بات سننے کے لیے آمادہ ہیں، کیونکہ یہی لوگ اس دعوت کو آگے بڑھائیں گے۔

٣٠۔ جو لوگ صرف دنیوی زندگی کو مقصد حیات سمجھتے ہیں، ان کی علمی سطح جانوروں سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی لیے دعاؤں میں آیا ہے:۔۔۔ وَ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَ لَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا۔ (مستدرک الوسائل ٦: ٢٨٥) اے اللہ! ہم کو ایسا نہ بنا دے کہ دنیا ہی ہمارا سب سے بڑا مقصد اور ہمارے علم و آگہی کی انتہا قرار پائے۔

٣٢۔ اللَّمَمَ گناہ کے قریب جانے کے معنوں میں ہے۔ امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے: لمم وہ گناہ ہے جس کے ارتکاب کے بعد انسان استغفار کرتا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ ان چھوٹے

رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ ع اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ ۙ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ

ہے آپ کا رب یقینا بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستے سے کون بھٹک گیا ہے اور اسے بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہے۔☆ ﴿۳۰﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے تاکہ اللہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو بہترین جزا دے۔ ﴿۳۱﴾ جو لوگ گناہان کبیرہ اور بے حیائیوں سے اجتناب برتتے ہیں سوائے گناہان صغیرہ کے تو آپ کے رب کی مغفرت کا دائرہ یقینا بہت وسیع ہے، وہ تم سے خوب آگاہ ہے جب اس نے تمہیں مٹی سے بنایا اور جب تم اپنی ماؤں کے شکم میں ابھی جنین تھے، پس اپنے نفس کی پاکیزگی نہ جتاؤ، اللہ پرہیزگار کو خوب جانتا ہے۔☆ ﴿۳۲﴾ مجھے بتلاؤ جس نے منہ پھیر لیا، ﴿۳۳﴾ اور تھوڑا سا دیا اور پھر رک گیا؟☆ ﴿۳۴﴾ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے وہ دیکھ رہا ہے؟☆ ﴿۳۵﴾ کیا اسے ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ

گناہوں کے علاوہ اگر انسان بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ کی مغفرت کا دائرہ وسیع ہے اور وہ بخش دے گا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اپنی پاکیزگی کے دعوے نہ کرو۔ اگر یہ دعویٰ اللہ کی خاطر ہے تو وہ بہتر جانتا ہے کہ تمہارے دعوے کہاں تک صحیح ہیں۔ اگر اس کا مقصد لوگوں کے سامنے اپنی پاکیزگی کا اظہار کرنا ہے تو یہ خود ستائیشی اور خود بینی بندگی کے سراسر خلاف ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام سے منقول ہے: سَيِّئَةٌ تَسُوءُكَ خَيْرٌ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ حَسَنَةٍ تُعْجِبُكَ۔ (نہج البلاغۃ نصیحت ۴۶ ص ۴۷۷) وہ گناہ جو خود تجھے برا لگے، اللہ کے نزدیک اس نیکی سے بہتر ہے جو تجھے خود پسندی میں مبتلا کر دے۔

۳۴۔ ایک روایت کے مطابق ولید بن مغیرہ کو مشرکین نے اور دوسری روایت کے مطابق حضرت عثمان کو ان کے رشتہ دار عبد اللہ بن سعد نے یہ پیش کش کی کہ اپنے مال کا کچھ حصہ ہمیں دے دیں، ہم آپ کا بار گناہ یا شرک کا عذاب اپنی گردن پر لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں معاہدہ ہوا، لیکن کچھ مال دینے کے بعد وہ رک گیا۔ یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی۔

۳۵۔ کیا اس کو علم غیب کے ذریعے پتہ چلا کہ آخرت کا عذاب مال دے کر کسی اور کے ذمے ڈالا جا سکتا ہے؟

مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ

کے صحیفوں میں تھیں؟ ﴿۳۷﴾ اور ابراہیم کے (صحیفوں میں) جس نے (حق اطاعت) پورا کیا؟ ﴿۳۸﴾ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔☆ ﴿۳۹﴾ اور یہ کہ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے۔☆ ﴿۴۰﴾ اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔☆ ﴿۴۱﴾ پھر اسے پورا بدلہ دیا جائے گا، ﴿۴۲﴾ اور یہ کہ (منتہائے مقصود) آپ کے رب کے پاس پہنچنا ہے۔ ﴿۴۳﴾ اور یہ کہ وہ ہنساتا اور وہی رلاتا ہے۔ ﴿۴۴﴾ اور یہ کہ وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔ ﴿۴۵﴾ اور یہ کہ وہی نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کرتا ہے، ﴿۴۶﴾ ایک نطفے سے جب وہ ٹپکایا جاتا ہے۔ ﴿۴۷﴾ اور یہ کہ دوسری زندگی کا پیدا کرنا اس کے ذمے ہے۔☆ ﴿۴۸﴾ اور یہ کہ وہی دولت مند بناتا ہے اور ثابت سرمایہ دیتا ہے۔ ﴿۴۹﴾ اور یہ کہ وہی (ستارہ) شعرا کا مالک ہے۔☆ ﴿۵۰﴾ اور یہ کہ اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا۔ ﴿۵۱﴾ اور ثمود کو بھی، پھر کچھ نہ چھوڑا۔ ﴿۵۲﴾ اور اس

---

۳۸۔ ہر شخص اپنے عمل و کردار کا خود ذمے دار ہے۔ وہ اسے نہ کسی اور کے ذمے ڈال سکتا ہے، نہ ہی دوسرے شخص کے جرم کی ذمہ داری اپنے اوپر لے سکتا ہے۔

۳۹۔ ہر شخص نے اپنے عمل کا پھل لینا ہے۔ دوسروں کے عمل سے وہ یہ پھل حاصل نہیں کر سکتا، مگر یہ کہ اس عمل میں اس کا بھی حصہ ہو۔ ایصال ثواب کا مطلب یہ ہے کہ جو عمل ایصال ثواب کے لیے کیا جاتا ہے، عمل کرنے والے کو اس کا ثواب مل جاتا ہے اور چونکہ اس نے اس عمل کا ثواب کسی مرحوم کے لیے ہدیہ کیا ہے، لہٰذا اللہ اس کی یہ خواہش پوری کرتے ہوئے اس مرحوم کے لیے بھی ثواب دے گا۔ یہ اللہ کی طرف سے خاص لطف اور فضل ہے۔ چنانچہ اسی خاص لطف و کرم کی بنا پر ایصال ثواب ہو سکتا ہے لیکن ایصال عذاب نہیں ہو سکتا۔

۴۰۔ یعنی بروز قیامت اس کو اپنا عمل نظر آئے گا۔

۴۷۔ عَلَيْهِ: اپنے وعدے پر عمل کرنا ضروری ہے اور حکمت خلق و ایجاد کے اعتبار سے بھی ضروری ہے اور انسان کو مکلف بنانے کے اعتبار سے بھی روز حساب کا ہونا لازمی ہے، ورنہ وعدہ خلافی سے خلق و ایجاد عبث ہوتی اور مکلف بنانے پر ظلم لازم آتا۔ یہ خود ارادۂ الٰہی کے تحت اللہ پر لازم اور واجب ہے، کسی برتر قانون کے ماتحت پابند ہونے کی وجہ سے نہیں۔ جیسے كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام: ۵۴) تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اس آیت میں لفظ كَتَبَ اور عَلٰى دونوں وجوب لازم پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا: حق تعالیٰ پر کوئی سی بھی چیز واجب نہیں ہے (دریابادی)، صریح قرآن اور خود ارادہ الٰہی کے خلاف ہے اور ساتھ خود محشی و دیگر مفسرین کی تصریحات کے بھی خلاف ہے، جو انہوں نے آیہ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ کے ذیل میں کی ہیں۔

اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿٥٢﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿٥٣﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿٥٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿٥٥﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿٥٦﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿٦٢﴾

سے پہلے قوم نوح کو (تباہ کیا) کیونکہ وہ یقینا سب سے زیادہ ظالم اور سرکش تھے۔ ﴿۵۳﴾ اور الٹی ہوئی بستیوں کو گرا دیا۔ ﴿۵۴﴾ پھر ان پر چھایا جو چھایا۔ ﴿۵۵﴾ پھر تو اپنے رب کی کون سی نعمت پر شک کرتا ہے؟ ﴿۵۶﴾ یہ (پیمبر) بھی گزشتہ تنبیہ کرنے والوں کی طرح ایک تنبیہ کرنے والا ہے۔ ﴿۵۷﴾ آنے والی (قیامت) قریب آ ہی گئی ہے، ﴿۵۸﴾ اللہ کے سوا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں۔ ﴿۵۹﴾ کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو؟ ﴿۶۰﴾ اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟☆ ﴿۶۱﴾ اور تم لغویات میں مگن ہو؟☆ ﴿۶۲﴾ پس اللہ کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

آیاتها ۵۵ ۔ ۵۴ سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ ٣٧ ۔ رکوعاتها ۳

سورہ قمر۔ مکی۔ آیات ۵۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ

﴿۱﴾ قیامت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا۔☆ ﴿۲﴾ اور (کفار) اگر کوئی نشانی دیکھ لیتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو وہی ہمیشہ کا جادو ہے۔☆ ﴿۳﴾ انہوں نے تکذیب کی اور اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر امر

---

۴۹۔ شعریٰ نامی ستارہ سورج کے بعد سب سے زیادہ چمکدار ستارہ ہے۔ یہ ستارہ سورج سے بیس گنا زیادہ روشن اور زمین سے دس نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ اہل مصر اور عربوں میں سے قبیلہ خزاعہ اس ستارے کی پرستش کرتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا کہ تمہارا رب شعریٰ نہیں بلکہ تمہارا رب اللہ ہے جو شعریٰ کا بھی رب ہے۔

۶۰۔ اپنے جرائم اور روز آخرت کے تصور سے تمہیں گریہ کرنا چاہیے تھا، لیکن تم اس پر ہنستے ہو۔

۶۱۔ سمد لغویات کو کہتے ہیں۔ السمود غنا کو بھی کہتے ہیں۔

سورہ قمر

ا۔ شق قمر کو قرب قیامت کی علامت گردانا گیا ہے، کیونکہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ موجودہ نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔ اس نشانی کے مشاہدے کے باوجود لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے!

یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل کا ہے: مشرکین نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے کہا: ان کنت صادقاً فشق لنا القمر فلقتین۔ اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان فعلت تؤمنون؟ اگر میں نے ایسا کر دیا تو کیا تم ایمان لاؤ گے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! چنانچہ چودھویں کا چاند تھا۔ رسول کریم ﷺ نے دعا کی۔ فانشق القمر فلقتین و رسول اللہ ﷺ ینادی یا فلان یا فلان اشهدوا۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے فلاں، اے فلاں گواہ رہنا۔ (بحار الانوار ۱۷: ۳۴۷) اس واقعہ کو اَجلّۂ اصحاب نے روایت کیا ہے۔ بعض کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ یہ متواتر ہے۔

ایک سوال یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ کیا آسمانی کرات میں شگاف ممکن ہے۔

وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَیْءٍ نُّكُرٍ ⑥ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ⑨ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫

استقرار پانے والا ہے۔☆ ④ اور بتحقیق ان کے پاس وہ خبریں آچکی ہیں جو (کفر سے) باز رہنے کے لیے کافی ہیں، ⑤ (جن میں) حکیمانہ اور مؤثر (باتیں) ہیں لیکن تنبیہیں فائدہ مند نہیں رہیں۔ ⑥ پس آپ بھی ان سے رخ پھیر لیں، جس دن بلانے والا ایک ناپسندیدہ چیز کی طرف بلائے گا۔☆ ⑦ تو وہ آنکھیں نیچی کر کے قبروں سے نکل پڑیں گے گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔☆ ⑧ پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوئے جا رہے ہوں گے، اس وقت کفار کہیں گے: یہ بڑا کٹھن دن ہے۔ ⑨ ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی، پس انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہنے لگے: دیوانہ ہے اور (جنات کی) جھڑکی کا شکار ہے۔ ⑩ پس نوح نے اپنے رب کو پکارا: میں مغلوب ہو گیا ہوں پس تو انتقام لے۔ ⑪ پھر ہم نے زوردار بارش سے آسمان کے دہانے کھول دیے۔ ⑫ اور زمین کو شگافتہ کر کے ہم نے چشمے جاری کر دیے تو (دونوں) پانی اس امر پر مل گئے جو مقدر ہو چکا تھا۔

جواب: نہ صرف ممکن ہے، بلکہ واقع ہوتا رہتا ہے۔ آسمانی پتھر آسمانی کرات کے منتشر اجزاء ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر قمر شق ہو گیا ہوتا تو اس وقت کی رصد گاہوں میں بہت سے لوگوں کو دکھائی دیتا۔

جواب: روایت کے مطابق چودھویں کا چاند شق ہو گیا تھا۔ اس وقت دوسرے علاقوں میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جیسا کہ چاند گرہن بعض علاقوں میں دیکھا جاتا ہے، بعض میں نہیں۔

۲۔ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ، ہمیشہ کا جادو کہنا خود اپنی جگہ ایک دلیل ہے کہ مشرکین نے اس سے پہلے متعدد معجزات کا مشاہدہ کیا ہے۔

۳۔ یعنی معاملے کا ایک انجام ہوتا ہے، جس پر پہنچ کر اس کی اصلی حالت سامنے آ جاتی ہے۔ اگر یہ دین حق پر مبنی نہیں ہے تو کل اپنے انجام کو پہنچ کر فاش ہو جائے گا، ورنہ تم اپنے انجام کو پہنچ کر رسوا ہو جاؤ گے۔

۶۔ ایسی چیز جو ان کے وہم و گمان میں نہ تھی۔ ان کو قیامت کے بارے میں بتایا گیا تھا اور وہ اس کے منکر تھے، اس کی نوعیت اور اس کی ہولناکی کا وہ تصور تک نہیں کر سکتے تھے۔

۷۔ بڑی ندامت کے ساتھ آنکھیں خشوع کی حالت میں ہوں گی کہ یہ وہی نئی زندگی ہے جس کے ہم منکر رہے ہیں اور اس کے لیے کوئی تیاری نہیں کی۔

۱۳۔ یعنی اس کشتی پر جو تختوں اور کیلوں سے بنی تھی۔

۱۴۔ تَجْرِیْ بِاَعْيُنِنَا: ہماری نگرانی اور حفاظت میں یہ کشتی چل رہی تھی۔ یہ ایک محاورہ ہے کہ اگر کسی کو یہ کہنا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے تو کہتے ہیں: انت بعین اللہ۔

۱۷۔ نصیحت حاصل کرنے اور عبرت پکڑنے کی دعوت

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ ع كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾

(١٣) اور تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر ہم نے نوح کو سوار کیا۔☆ (١٤) جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی، یہ بدلہ اس شخص کی وجہ سے تھا جس کی قدر شناسی نہیں کی گئی تھی۔☆ (١٥) اور بتحقیق اس (کشتی) کو ہم نے ایک نشانی بنا چھوڑا تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟ (١٦) پس بتاؤ میرا عذاب اور میری تنبیہیں کیسی رہیں؟ (١٧) اور بتحقیق ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟☆ (١٨) عاد نے تکذیب کی تو بتاؤ میرا عذاب اور میری تنبیہیں کیسی تھیں؟ (١٩) ایک مسلسل نحوست کے دن ہم نے ان پر ایک طوفانی ہوا چلائی،☆ (٢٠) جو لوگوں کو جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنوں کی طرح اٹھا کر پھینک رہی تھی۔ (٢١) پس بتاؤ میرا عذاب اور میری تنبیہیں کیسی تھیں؟ (٢٢) اور بتحقیق ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟ (٢٣) ثمود نے بھی تنبیہ کرنے والوں کی تکذیب کی،☆ (٢٤) اور کہنے لگے: کیا ہم اپنوں میں سے ایک بشر کی پیروی کریں؟ تب تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں

کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ لوگوں کو عذاب میں مبتلا کیا جائے اور ان پر بلا نازل کر کے نصیحت حاصل کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحم فرمایا اور نصیحت کے لیے عذاب اور بلا نازل کرنے کی بجائے قرآن کو بطور رحمت و نصیحت نازل کیا۔ اس لیے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم صالح اور قوم لوط کو نصیحت دینے کے لیے نازل ہونے والی ہر آفت کے بعد اس بات کا ذکر بار بار آرہا ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کا آسان ذریعہ بنا دیا ہے۔ آسانی کی ایک صورت یہ ہو گئی، دوسری صورت یہ ہے کہ جن باتوں سے انسان نے نصیحت حاصل کرنا ہوتی ہے انہیں نہایت سلیس اور واضح الفاظ میں مختلف انداز بیان میں تکرار کے ساتھ بیان کیا تا کہ آسانی سے لوگ ان نصیحتوں کو ذہن میں اتار لیں۔

١٩۔ یہ دن قوم عاد کے لیے نحوست کا دن تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ اس دن میں نحوست ہے۔ یوم سے مراد زمانے کا ایک حصہ ہے، خواہ کئی دن ہوں، کیونکہ دیگر آیات میں اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ کہا ہے۔ سورہ حاقۃ آیت ٧ میں ان ایام کی تعداد آٹھ بتائی ہے: سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا۔۔۔

٢٣۔ نُذُر مصدر ہے انذار کے معنوں میں اور نذیر کی جمع بھی نُذُر ہے۔ قرآئن سے ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ نذر مصدر ہے یا نذیر کی جمع ہے۔

٢٤۔ مشرکین نے ہمیشہ یہ اعتراض اٹھایا کہ بشر اللہ کا نمائندہ نہیں ہو سکتا۔ اس آیت میں اس بات کی

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ
كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ
الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ
فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ
اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ
مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى
فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾
اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً
فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾
كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّآ
اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ
نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ ۙ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ

ہوں گے۔☆ (٢٥) کیا ہمارے درمیان یہی ایک رہ گیا تھا جس پر یہ ذکر نازل کیا گیا؟ (نہیں) بلکہ یہ بڑا جھوٹا خود پسند ہے۔ (٢٦) عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ بڑا جھوٹا خود پسند کون ہے۔ (٢٧) بے شک ہم اونٹنی کو ان کے لیے آزمائش بنا کر بھیجنے والے ہیں، پس ان کا انتظار کیجیے اور صبر کیجیے۔☆ (٢٨) اور انہیں بتا دو کہ پانی ان کے درمیان تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوگا۔ (٢٩) پھر انہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا اور اسے (ہتھیار) تھمایا پس اس نے (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔☆ (٣٠) پس بتاؤ میرا عذاب اور میری تنبیہیں کیسی تھیں؟ (٣١) ہم نے ان پر ایک زوردار چنگھاڑ چھوڑ دی تو وہ سب باڑ والے کے بھوسے کی طرح ہو گئے۔ (٣٢) اور بتحقیق ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟ (٣٣) لوط کی قوم نے بھی تنبیہ کرنے والوں کو جھٹلایا، (٣٤) تو ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا چلا دی سوائے آل لوط کے جنہیں ہم نے سحر کے وقت بچا لیا، (٣٥) اپنی طرف سے

---

طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ ایک انسان کی پیروی کو کم عقلی سمجھتے تھے۔ سعُر کے معنی دیوانگی کے ہیں۔

٢٧۔ وہ فتنہ اور آزمائش یہ تھی کہ قوم سے کہہ دیا گیا کہ ایک دن یہ ناقہ پانی پیئے گی اور ایک دن تم اپنے اور اپنے جانوروں کے لیے پانی لوگے۔

٢٩۔ چنانچہ اس اونٹنی کا خاتمہ کرنے کے لیے اپنی قوم کے ایک فرد کو بلایا اور اس نے اسے مار ڈالا۔

فَتَعَاطٰى: کے ایک معنی التناول تھامنے کے ہیں۔ والجرأة علی الشیء کسی امر پر جسارت کرنے کے کو بھی کہتے ہیں۔ ظلم و زیادتی کے معنوں میں بھی آتا ہے: فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ، انہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا قرینہ ہے اس بات پر کہ اس نے تلوار تھام لی۔

٣١۔ هَشِيْم: خشک گھاس یا درخت کے خشک تنے جو ٹوٹ کر ریزہ ہو جاتے ہیں۔

الْمُحْتَظِرِ حظیرۃ کا مالک۔ حظیرۃ اس باڑ کو کہتے ہیں جس میں جانوروں کو سردیوں میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور خشک گھاس کھلائی جاتی ہے۔

٣٥۔ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ: شکر گزاری اور قدردانی ایک ایسا قابل ستائش اخلاق ہے جسے اللہ بہت پسند فرماتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ کو بھی اس صفت سے متصف کیا جاتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (شوریٰ: ٢٣) وہ معاف کرنے والا قدردان ہے۔ یہ ایک بہت بلند مرتبہ اخلاق ہے۔ اس لیے اس مرتبے پر بہت کم لوگ فائز ہوتے ہیں: وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ (سبا: ١٣) میرے بندوں میں کم لوگ شکر گزار ہیں۔

٣٦۔ لوط ؑ نے پہلے ہی قوم کو آنے والی عقوبت سے

كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ ع وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ

فضل کے طور پر، شکر گزاروں کو ہم ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔☆ ﴿٣٦﴾ اور بتحقیق لوط نے ہماری عقوبت سے انہیں ڈرایا مگر وہ ان تنبیہ کرنے والوں سے جھگڑتے رہے۔☆ ﴿٣٧﴾ اور بتحقیق انہوں نے لوط کے مہمانوں کو قابو کرنا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں، لواب میرے عذاب اور تنبیہوں کو چکھو۔☆ ﴿٣٨﴾ اور بتحقیق صبح سویرے ایک دائمی عذاب ان پر نازل ہوا۔ ﴿٣٩﴾ اب چکھو میرے عذاب اور تنبیہوں کا ذائقہ۔ ﴿٤٠﴾ اور بتحقیق ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟ ﴿٤١﴾ اور بتحقیق قوم فرعون کے پاس بھی تنبیہ کرنے والے آئے۔ ﴿٤٢﴾ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں اس طرح گرفت میں لیا جس طرح ایک غالب آنے والا طاقتور گرفت میں لیتا ہے۔ ﴿٤٣﴾ کیا تمہارے (زمانے کے) کفار ان لوگوں سے بہتر ہیں یا (الہامی) کتب میں تمہارے لیے معافی کا پروانہ لکھا ہوا ہے؟☆ ﴿٤٤﴾ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایک فاتح جماعت ہیں؟ ﴿٤٥﴾ (نہیں) یہ جماعت عنقریب شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے

---

آگاہ کیا تھا، لیکن وہ اس سے الجھتے رہے۔ یہاں ہم نے النذر کے قرینہ کی وجہ سے النذیر کی جمع کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

۳۷۔ فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس نہایت حسین لڑکوں کی شکل میں آئے۔ قوم لوط نے ان کے گھر پر ہلہ بول دیا اور مہمانوں کو بدکاری کے لیے ان کے حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت لوطؑ کے انکار پر وہ گھر میں گھسنے کی کوشش کرنے لگے تو اللہ نے ان کی بینائی سلب کر لی اور وہ اندھے ہو گئے۔

۴۳۔ کفار قریش سے خطاب ہے کہ جرم تمہارا بھی وہی ہے، پس تم کو بھی اس قسم کی سزا ملے گی۔ کیونکہ نہ تم آل فرعون سے بہتر کردار کے حامل ہو اور نہ ہی اللہ کی طرف سے نازل شدہ آسمانی کتابوں میں سے کسی کتاب میں تمہیں امان حاصل ہونے کا کوئی پروانہ موجود ہے اور کیا تم دعویٰ کر سکتے ہو کہ ہم ایک فاتح جماعت ہیں؟ اس کا بھی عنقریب علم ہو جائے گا کہ تم فاتح جماعت نہیں ہو، بلکہ شکست خوردہ جماعت ہو۔ یہ پیشگوئی مکی زندگی کے اس زمانے کی بات ہے جب مسلمان نہایت کم تعداد میں ہر قسم کا ظلم سہ رہے تھے۔ بظاہر ان مظالم سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

۴۵۔ یہ اس سزا کی نوعیت کی پیشگوئی ہے کہ یہ سزا ایک ہزیمت کی شکل میں دی جائے گی۔ چنانچہ جنگ بدر میں قریش نے ذلت آمیز شکست کھائی تو حضورؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

گی۔☆ (۴۶) ان کے وعدے کا وقت قیامت ہے اور قیامت تو زیادہ ہولناک اور زیادہ تلخ ہے۔ (۴۷) مجرم لوگ یقینا گمراہی اور عذاب میں ہیں۔ (۴۸) جس دن وہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) چکھو آگ کا ذائقہ۔ (۴۹) ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے مطابق پیدا کیا ہے۔☆ (۵۰) اور ہمارا حکم بس ایک ہی ہوتا ہے پلک جھپکنے کی طرح۔☆ (۵۱) اور بتحقیق ہم نے تم جیسے بہتیروں کو ہلاک کیا ہے، تو کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟ (۵۲) اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے سب نامہ اعمال میں درج ہے۔ (۵۳) اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔☆ (۵۴) اہل تقویٰ یقینا جنتوں اور نہروں میں ہوں گے۔ (۵۵) سچی عزت کے مقام پر صاحب اقتدار بادشاہ کی بارگاہ میں۔

## ٥٥ سُورَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ٩٧ — اٰیاتها ٧٨ — رکوعاتها ٣

سورۂ رحمٰن۔ مدنی۔ آیات ۷۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

الرَّحْمٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴿٢﴾ خَلَقَ

(۱) رحمٰن نے، (۲) قرآن سکھایا۔☆ (۳) اسی نے انسان

---

۴۹۔ قدر اور تقدیر سے مراد ہے قانون اور نظام۔ ہر شے کی تخلیق اسی قانون اور نظام کے تحت ہے، اندھا دھند نہیں ہے۔ ہر شے کو اس نظام اور تقدیر کے دائرے میں وجود میں آنا، نشوونما پانا اور پھلنا پھولنا ہے۔ اس تقدیر اور اس نظام میں علل واسباب کو بڑا دخل ہے۔ بغیر علت وسبب کے نہ تو کوئی چیز از خود وجود میں آتی ہے اور نہ اس میں تبدیلی آسکتی ہے۔ انسان کو بھی اللہ کی اس وضع کردہ تقدیر یعنی نظام کے تحت چل کر اس میں اپنی تقدیر خود اپنے ہاتھوں سے رقم کرنا ہے۔ لہٰذا تقدیر کا مطلب جبر نہیں، بلکہ نظم ہے اور اس نظم میں انسان کو اپنی قسمت خود بنانی ہے۔ یعنی خود مختاری اور اپنی مرضی کے ساتھ۔

۵۰۔ یعنی وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ اور وہ کلمہ کُن ہے۔ یعنی الا کلمة واحدة۔ یعنی ایک ارادہ کافی ہے۔ یہاں امر سے مراد امر تکوینی ہے، جس کے لیے صرف ایک ارادہ الٰہی کافی ہے۔ نہ اس پر وقت لگتا ہے، نہ وسائل واسباب۔

۵۳۔ یعنی ان کے نامہ اعمال میں۔

سورہ رحمٰن

۲ تا ۴ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ: قرآن کی تعلیم دی، یعنی جن وانس کو قرآن جیسی عظیم نعمت کی تعلیم سے نوازا، جو نعمت تخلیق سے بھی زیادہ بڑی نعمت ہے۔ اس لیے تخلیق سے پہلے تعلیم قرآن کی نعمت کا ذکر فرمایا: عَلَّمَهُ الْبَيَانَ: اگر ما فی الضمیر کے اظہار کے لیے بیان، یعنی الفاظ و آواز کی نعمت نہ ہوتی تو خود معانی کو مخاطب کے سامنے پیش کرنا پڑتا جو یا تو ناممکن ہے یا مشکل۔ مثلاً اگر پانی بتانا مقصود ہو تو ہم لفظ پانی کے ذریعے معنی کو آسانی سے پیش کرتے ہیں، ورنہ خود پانی کو سامنے رکھ کر سمجھانا پڑتا۔

۵۔ اللہ نے سورج اور چاند دونوں کو ایک باقاعدہ نظام کا پابند بنایا ہے۔ یہ دونوں سرمو اس کی مخالفت نہیں کر سکتے۔

الْاِنْسَانَ ۙ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿٤﴾ اَلشَّمْسُ
وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ﴿٥﴾ وَّالنَّجْمُ وَ
الشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا
وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿٧﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي
الْمِيْزَانِ ﴿٨﴾ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ
وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿٩﴾ وَ الْاَرْضَ
وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ﴿١٠﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ
وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ
ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۚ﴿١٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٣﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ
صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ
مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ﴿١٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ

کو پیدا کیا۔☆ ﴿٤﴾ اسی نے انسان کو بولنا سکھایا۔☆
﴿٥﴾ سورج اور چاند (مقررہ) حساب کے تحت ہیں۔☆
﴿٦﴾ اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔☆ ﴿٧﴾ اور
اسی نے اس آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ ﴿٨﴾ تاکہ تم
ترازو (کے ساتھ تولنے) میں تجاوز نہ کرو۔ ﴿٩﴾ اور انصاف
کے ساتھ وزن کو درست رکھو اور تول میں کمی نہ کرو۔☆
﴿١٠﴾ اور اسی نے مخلوقات کے لیے اس زمین کو بنایا ہے۔☆
﴿١١﴾ اس میں میوے اور خوشے والے کھجور کے درخت
ہیں۔ ﴿١٢﴾ اور بھوسے والا اناج خوشبو والے پھول ہیں۔
﴿١٣﴾ پس (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے رب کی کس کس
نعمت کو جھٹلاؤ گے؟☆ ﴿١٤﴾ اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح
کے خشک گارے سے بنایا۔ ﴿١٥﴾ اور جنات کو آگ کے
شعلے سے پیدا کیا۔ ﴿١٦﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس
نعمت کو جھٹلاؤ گے؟☆ ﴿١٧﴾ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں

---

٦۔ آسمانوں میں موجود عظیم ستاروں سے لے کر زمین میں موجود ایک چھوٹے سے درخت تک سب خدائے عظیم کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ یسجدٰن فعل مستقبل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ سجدے قصد و ارادے سے وقتاً فوقتاً بار بار وجود میں آتے رہتے ہیں۔ بعض النَّجْمُ سے مراد نباتات لیتے ہیں جن کے تنے نہیں ہوتے اور شجر کے تنے ہوتے ہیں۔

٩۔ یہ پوری کائنات اعتدال اور توازن پر قائم ہے۔ اگر اس اعتدال سے سر مو بھی انحراف ہو جائے تو یہ اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔ یہ ہے تکوینی میزان۔ اس کے ساتھ ایک تشریعی میزان بھی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اس میزان میں انحراف نہ کرے ورنہ عدل اجتماعی اور انصاف ناپید ہو جائے گا اور دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی۔

١٠۔ زمین اور زمین پر موجود تمام نعمتیں انسان کے لیے ہیں اور پھلوں اور دانوں کی سینکڑوں قسمیں فراہم فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ کا مقصد صرف انسان کو زندہ رکھنا نہیں ہے، اس کے لیے تو صرف ایک قسم کا غلہ کافی ہے، بلکہ اس انسان کو نعمتوں سے مالا مال کرنا بھی مقصود ہے۔

١٣۔ ان نعمتوں میں سے کسی نعمت کو بھی تم نہیں جھٹلا سکتے۔

الآءِ: نعمتوں کے معنی میں ہے اور ایک ترکیب میں استعمال ہوتا ہے، خواہ اسے تکرار کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اگر مختلف تراکیب میں الآء کا لفظ مختلف معانی کا فائدہ دیتا ہے تو ان آیات کو ان پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

١٦۔ کہ اس کائنات میں تم کو بہترین پیرائے میں خلق کیا ہے۔

الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿١٩﴾
بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ﴿٢٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا
اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي
الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿٢٥﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ
وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٨﴾ يَسْأَلُهُ
مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ
هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ ﴿٣١﴾

النصف

مغربوں کا رب ہے۔ (١٨) پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟☆ (١٩) اسی نے دو سمندروں کو جاری کیا کہ آپس میں مل جائیں،☆ (٢٠) تاہم ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔☆ (٢١) پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟☆ (٢٢) ان دونوں سمندروں سے موتی اور مونگا نکلتے ہیں۔☆ (٢٣) پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (٢٤) اور سمندر میں چلنے والے پہاڑوں کی طرح بلند جہاز اسی کے ہیں۔☆ (٢٥) پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟☆ (٢٦) روئے زمین پر موجود ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ (٢٧) اور صرف آپ کے صاحب عزت و جلال رب کی ذات باقی رہنے والی ہے۔☆ (٢٨) پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟☆ (٢٩) جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اسی سے مانگتے ہیں، وہ ہر روز ایک (نئی) کرشمہ سازی میں ہے۔☆ (٣٠) پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (٣١) اے (جن و انس کی) دو

---

١٨۔ اس شروق و غروب میں موجود مصلحتوں کو کیسے جھٹلاؤ گے۔

١٩۔ درمنثور میں ابن عباس سے روایت ہے کہ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ سے مراد علی و فاطمہ علیہما السلام ہیں، بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ سے حضرت رسول خدا ﷺ اور اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ سے حضرات حسنین علیہما السلام مراد ہیں۔ یہی روایت انس بن مالک، سلمان فارسی، سعید بن جبیر اور سفیان ثوری نے بھی بیان کی ہے۔

٢٠۔ زندگی پر آب شیریں و نمکین کے اثرات کو کیسے جھٹلاؤ گے۔

٢١۔ اس زینت کو اور روایت کے مطابق اس چراغ ہدایت کو کیسے جھٹلاؤ گے۔

٢٢۔ بعض کہتے ہیں موتی اور مونگے صرف اسی جگہ پیدا ہوتے ہیں، جہاں میٹھا اور کھارا پانی آپس میں ملتے ہیں۔

٢٤۔ قدیم انسانی صنعت میں جہاز سازی اور جہاز رانی ہو یا آج کل کی جدید ٹیکنالوجی، خاص کر کمپیوٹر ٹیکنالوجی، اس کی تخلیقی صلاحیتوں کے مالک لوگوں پر تعجب ہوتا ہے، مگر جس انسان نے کمپیوٹر بنایا ہے اس انسان کے خالق کی صناعیت پر تعجب نہیں ہوتا!؟

٢٥۔ سمندری سفر میں موجود فوائد و منافع کو کیسے جھٹلاؤ گے۔

٢٧۔ روئے زمین کی موجودات سب فانی ہیں، سوائے وجہ رَب کے۔ وجہ یعنی ذات چونکہ کسی کی ذات کی پہچان وجہ چہرے سے ہوتی ہے تو ذات کو چہرہ کہنا محاورہ بن گیا۔ چنانچہ مکہ کے مساکین کہا کرتے تھے: این وجہ عربی کریم ینقذنی من الھوان کہاں ہے وہ عربی چہرہ جو مجھے ذلت سے بچائے۔

٢٨۔ رَب کی بقا اور تمہارے اعادۂ حیات کے مضمرات کو کیسے جھٹلاؤ گے۔

٢٩۔ آسمان و زمین میں بس وہی بے نیاز ہے اور اس کے سوا کوئی بے نیاز نہیں ہے۔ باقی سب اس کے نیازمند ہیں۔ لہٰذا اس کے دروازے پر دستک

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِاَيِّ

باوزن جماعتو! ہم عنقریب تمہاری (جزا وسزا کی) طرف پوری توجہ دینے والے ہیں۔☆ ﴿٣٢﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟☆ ﴿٣٣﴾ اے گروہ جن و انس! اگر تم آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے نکلنے کی استطاعت رکھتے ہو تو نکل جاؤ، تم سلطنت وقہاریت کے بغیر نہیں نکل سکو گے۔☆ ﴿٣٤﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٣٥﴾ تم دونوں پر آگ کے شعلے اور چنگاریاں چھوڑی جائیں گی، پھر تم کامیاب نہیں رہو گے۔☆ ﴿٣٦﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٣٧﴾ پس جب آسمان پھٹ جائے گا تو سرخ ہو جائے گا جیسے سرخ چمڑا۔ ﴿٣٨﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٣٩﴾ پھر اس روز کسی انسان سے اور کسی جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ ﴿٤٠﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٤١﴾ مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے پھر وہ پیشانیوں اور پیروں سے پکڑے جائیں گے۔☆ ﴿٤٢﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ

---

دیتے ہیں۔ وہ ہر وقت ایجاد، ابداع، عطا، شفا، عنایت اور فیاضی میں مصروف ہے۔ اس کائنات میں ایک پتہ بھی اس کے اذن کے بغیر نہیں گرتا: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا (انعام: ٥٩) كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ: كُلَّ يَوْمٍ ہر زمانے میں فِيْ شَاْنٍ ایجاد و ابداع میں ہے، کیونکہ اللہ کا ہر عمل ایجاد ہے، لا تکرار فی الوجود۔ اس لیے ہم نے شَاْنٍ کا ترجمہ کرشمہ سازی سے کیا ہے۔ ہر وقت ہر چیز اس کی بارگاہ سے مانگ سکتے ہو۔

٣١۔ الثَّقَلٰنِ: یعنی جن وانس اس روئے زمین کی دو گراں قدر اور قابل ذکر مخلوق ہیں۔ "پوری توجہ دینے والے ہیں" کا مطلب یہ نہیں کہ اس وقت اللہ مشغول ہے اور اسے فرصت نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس حساب و کتاب کے لیے جو وقت مقرر ہے، وہ عنقریب آنے والا ہے۔

٣٢۔ یہ کم نعمت ہے کہ تم کو روز حساب سے پہلے آگاہ کیا جا رہا ہے۔

٣٣۔ تم اللہ کو حساب دینے سے گریز کرنا اور اللہ کی مملکت سے فرار ہونا چاہو تو تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ البتہ اس کام کے لیے سلطان یعنی غلبہ و تسلط چاہیے۔ کیا تمہارے پاس اللہ کے مقابلے میں وہ سلطنت ہے جس کے سہارے تم بھاگ سکو؟

بعض کے نزدیک اِلَّا بِسُلْطٰنٍ سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ تسخیر طبیعیت (سلطان) کے ذریعے خلائی سفر اور دوسرے کرات کی تسخیر ممکن ہے۔ لیکن اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ سے مراد سات آسمان لیے جائیں تو سات آسمانوں میں نفوذ کا امکان بعید نظر آتا ہے۔ البتہ یہ نظریہ اس وقت درست ہو سکتا ہے جب سات آسمانوں کو اسی نظام شمسی میں تلاش کیا جائے۔ چنانچہ قاموس قرآن کے مؤلف نے کوشش کی ہے۔

٣٥۔ اللہ کی حکومت سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس بات کے شعور و ادراک سے تم اپنی عاقبت تو درست کر سکتے ہو۔

٤١۔ بعض مجرم ایسے ہوں گے جو حساب کے بغیر ہی جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے کیونکہ وہ چہروں

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ
الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ یَطُوْفُوْنَ (وقف لازم)
بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٥﴾ وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ (ع ١٤)
رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٧﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ
تَجْرِیٰنِ ﴿٥٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ
زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾
مُتَّكِـٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآىٕنُهَا مِنْ
اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾ فِیْهِنَّ

گے؟☆ ﴿٤٣﴾ یہ وہی جہنم ہے جسے مجرمین جھٹلاتے تھے۔
﴿٤٤﴾ وہ جہنم اور کھولتے ہوئے انتہائی گرم پانی کے درمیان
گردش کرتے رہیں گے۔ ﴿٤٥﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی
کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟☆ ﴿٤٦﴾ اور جو شخص اپنے رب
کی بارگاہ میں پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے اس کے لیے دو
باغ ہیں ﴿٤٧﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو
جھٹلاؤ گے؟☆ ﴿٤٨﴾ (یہ دونوں باغ) گھنی شاخوں والے
ہوں گے ﴿٤٩﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو
جھٹلاؤ گے؟☆ ﴿٥٠﴾ ان دونوں (باغوں) میں دو بہتے
ہوئے چشمے ہیں ﴿٥١﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس
نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٥٢﴾ ان دونوں میں موجود ہر میوے کی
دو دو قسمیں ہیں۔☆ ﴿٥٣﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس
کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٥٤﴾ وہ ایسے فرشوں پر تکیے لگائے
بیٹھے ہوں گے جن کے استر ریشم کے ہوں گے اور ان دونوں
باغوں کے میوے (ان کی دسترس میں) قریب ہوں
گے۔☆ ﴿٥٥﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو
جھٹلاؤ گے؟ ﴿٥٦﴾ ان میں نگاہیں (اپنے شوہروں تک)

سے پہچانے جائیں گے۔ قیامت کے روز تین قسم
کے لوگ ہوں گے: ☆بلا حساب جنت جانے
والے ☆بلا حساب جہنم جانے والے ☆حساب
کے بعد جنت یا جہنم کا فیصلہ سننے والے۔

۴۲۔ سزاؤں سے بچنے کے لیے مجرموں کو یہ تنبیہ ایک
نعمت ہے۔

۴۵۔ ان ہولناک مراحل سے نجات حاصل کرنے کا
راستہ بتا دینا کتنی بڑی نعمت ہے۔

۴۶۔ یہ دو باغ خصوصیت کے حامل ہیں، ورنہ دیگر
آیات میں فرمایا: جنات۔ یعنی بہت سے باغات
ہیں۔ اگلی چند آیات میں ان دو باغوں کی نعمتوں کا
ذکر ہے۔ یہ خوف مقام رَب سے ہے، اس لیے اس
قسم کے خوف کو فضیلت ملی۔ مقام رَب یعنی اللہ کی
بارگاہ، جس میں حساب کے لیے بندے کو پیش ہونا
ہے۔ وہ بندگی کا حق ادا نہ ہونے پر رَب سے شرمندہ
ہے۔ اسی لیے وہ اس بارگاہ میں جانے کا خوف دل
میں رکھتا ہے، یہ خوف از عقاب نہیں جس کا روایات
میں ذکر ہے۔ عذاب سے خوف کی وجہ سے ہونے
والی عبادت غلاموں کی عبادت ہے۔
یعنی یہ جنت ان لوگوں کے لیے ہے، جنہوں نے
دنیا میں صرف آرزوؤں کی بنیاد پر بے لگام ہو کر
زندگی نہ گزاری ہو، بلکہ ہر عمل اور ہر قدم میں اللہ کی
بارگاہ میں جوابدہی کا خوف دل میں رکھتے رہے
ہوں۔ جس کا دل خوف خدا کی وجہ سے بیدار ہو، وہ
ان درجات کو حاصل کر سکتا ہے۔

۴۷۔ کتنی بڑی نعمتیں جنت میں تمہارے انتظار میں
ہیں۔

۴۹۔ اس سے آگے سب ذکر جنت کی نعمتوں کا ہے۔
ان میں سے ہر ایک نا قابل تردید حقیقت ہے۔

۵۲۔ ان قسموں کی تعریف نہیں ہو سکی۔ جو کچھ اس سلسلے

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ
قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۚ ﴿٥٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۚ ﴿٥٧﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ
الْمَرْجَانُ ۚ ﴿٥٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا
الْاِحْسَانُ ۚ ﴿٦٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾ وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۚ ﴿٦٢﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ ﴿٦٣﴾
مُدْهَآمَّتٰنِ ۚ ﴿٦٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۚ ﴿٦٥﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۚ ﴿٦٦﴾
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِيْهِمَا
فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ۚ ﴿٦٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ ﴿٦٩﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ

محدود رکھنے والی حوریں ہیں جنہیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔☆ ﴿٥٧﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٥٨﴾ گویا وہ یاقوت اور موتی ہیں۔ ﴿٥٩﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٠﴾ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟☆ ﴿٦١﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٢﴾ اور ان دونوں باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہیں۔☆ ﴿٦٣﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٤﴾ دونوں باغ گھنے سرسبز ہیں۔ ﴿٦٥﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٦﴾ ان دونوں باغوں میں دو ابلتے ہوئے چشمے موجود ہیں۔ ﴿٦٧﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٦٨﴾ ان دونوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں۔☆ ﴿٦٩﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿٧٠﴾ ان میں نیک سیرت اور خوبصورت

میں کہا گیا ہے، وہ صرف ظن وتخمین ہے۔

۵۴۔ جنت کے میوے ہر جگہ ہر وقت جنتیوں کی دسترس میں ہوں گے۔

۵۶۔ یعنی جنوں کو بھی جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جنتی جن کو جو رفیقہ حیات دی جائے گی، اسے اس سے پہلے کسی جن نے نہیں چھوا ہوگا اور انسانوں کے لیے بھی اسی طرح کی نعمتیں ہوں گی۔

۶۰۔ ایک اصول جسے اللہ نے اپنے اوپر لازم گردانا ہے اور دوسروں کے لیے بھی ایک اخلاقی ضابطہ ہے، وہ یہ ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ جو دنیا میں نیکی کرتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں نیکی ہے۔

۶۲۔ دُوْنِهِمَا کا ایک ترجمہ تو وہی ہے، جو ہم نے متن میں اختیار کیا ہے۔ دوسرا ترجمہ یہ ہوسکتا ہے: "اور ان دونوں باغوں سے کمتر دو باغ اور ہیں۔" اس صورت میں جنت میں مقربین اور عام مومنین کے درجات میں فرق بیان کرنا مقصود ہے۔

۶۸۔ تمام میوؤں کے ذکر کے بعد کھجور اور انار کا خصوصی طور پر ذکر اس بات کی طرف اشارے کے لیے ہے کہ ان دونوں میوؤں میں ایک خصوصیت ہے۔ اس خصوصیت کو آج کل کے طبی محققین بہتر طریقے سے سمجھنے لگے ہیں۔ انار کے بارے میں ایک حدیث روایت ہوئی ہے: مَا عَلَى وَجْهِ الْاَرْضِ ثَمَرَةٌ كَانَتْ اَحَبَّ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الرُّمَّانِ۔ (الکافی ۶: ۳۵۲) روئے زمین پر رسول خدا ﷺ کے لیے انار سے زیادہ پسندیدہ میوہ نہیں ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے: اَلْفَاكِهَةُ مِائَةٌ وَ عِشْرُوْنَ لَوْنًا سَيِّدُهَا الرُّمَّانُ۔ (الکافی ۶: ۳۵۲) میوؤں کی ایک سو بیس قسمیں ہیں، سب سے اعلیٰ انار

حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٧٨﴾

بیویاں ہیں۔ (۷۱) پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۷۲) خیموں میں مستور حوریں ہیں۔☆ (۷۳) پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۷۴) جنہیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ (۷۵) پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۷۶) وہ سبز قالینوں اور نفیس فرشوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔☆ (۷۷) پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۷۸) بابرکت ہے آپ کے رب کا نام جو صاحب جلالت و اکرام ہے۔

## ٥٦ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ٤٦

اٰیاتہا ٩٦ — رکوعاتہا ٣

سورہ واقعہ۔ مکی۔ آیات ۹۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ اِذَا رُجَّتِ

(۱) جب ہونے والا واقعہ ہو چکے گا۔☆ (۲) تو اس کے وقوع کو جھٹلانے والا کوئی نہ ہوگا۔☆ (۳) وہ تہ و بالا کرنے والا (واقعہ) ہوگا۔☆ (۴) جب زمین پوری طرح ہلا دی

---

ہے۔

۷۲۔ مَّقْصُوْرٰتٌ: اپنی اپنی اقامت گاہوں میں مستور اور محفوظ ہوں گی۔ نہ ان پر کسی غیر کی نگاہ پڑے گی، نہ ان کی نگاہ کسی غیر پر پڑے گی۔

فِی الْخِیَامِ یعنی نہایت عمدہ اقامت گاہیں۔ محاورے میں خیمہ ان اقامت گاہوں کو کہتے تھے جن میں بہترین زندگی والے رہائش اختیار کرتے ہیں۔

۷۶۔ عَبْقَرِیٍّ: نفیس اعلیٰ چیز کو عبقر کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کپڑے کو کہتے ہیں جس پر نقش و نگار ہوں۔ غیر معمولی خوبیوں کی مالک چیز کی صفت بیان کرنا ہو تو اسے عبقری کہتے ہیں۔

سورہ واقعہ

۱۔ ۲ جب قیامت واقع ہو چکے گی تو اسے جھٹلانے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہ منکرین قیامت کے لیے ایک تہدیدی تعبیر ہے۔

۳۔ یہ ان کی عزت و ذلت کے فیصلہ کا دن ہوگا۔ ذلت کے حقدار لوگ ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور عزت کے حقدار معزز و مکرم قرار پائیں گے۔

۷۔ یہ تمام انسانوں کے بارے میں ہے کہ وہ تین گروہوں میں تقسیم ہوں گے۔

۸۔ پہلا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہوگا جنہیں عزت و تکریم کی بنا پر اصحاب میمنہ (دائیں ہاتھ والے) کہا گیا ہے۔ ان کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں آئے گا۔

۹۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جن کو نحوست کی بنا پر بائیں ہاتھ والے کہا گیا ہے۔ ان کا نامہ اعمال ان

الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾ وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿۹﴾ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾

جائے گی، ﴿۵﴾ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے، ﴿۶﴾ تو یہ منتشر غبار بن کر رہ جائیں گے، ﴿۷﴾ اور تم تین گروہوں میں بٹ جاؤ گے۔☆ ﴿۸﴾ رہے داہنے ہاتھ والے تو داہنے ہاتھ والوں کا کیا کہنا۔☆ ﴿۹﴾ اور رہے بائیں ہاتھ والے تو بائیں ہاتھ والوں کا کیا پوچھنا۔☆ ﴿۱۰﴾ اور سبقت لے جانے والے تو آگے بڑھنے والے ہی ہیں۔☆ ﴿۱۱﴾ یہی مقرب لوگ ہیں۔ ﴿۱۲﴾ نعمتوں سے مالا مال جنتوں میں ہوں گے۔ ﴿۱۳﴾ ایک جماعت اگلوں میں سے۔ ﴿۱۴﴾ اور تھوڑے لوگ پچھلوں میں سے ہوں گے۔☆ ﴿۱۵﴾ جواہر سے مرصع تختوں پر، ﴿۱۶﴾ تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ﴿۱۷﴾ ان کے گرد تا ابد رہنے والے لڑکے پھر رہے ہوں گے۔☆ ﴿۱۸﴾ (ہاتھوں میں) پیالے اور آفتابے اور صاف شراب کے جام لیے، ﴿۱۹﴾ جس سے انہیں نہ سر کا درد ہوگا اور نہ ان کی عقل میں فتور

---

کے بائیں ہاتھ میں آئے گا۔ بعض میمنۃ کو برکت اور مشئمۃ کو نحوست کے معنوں میں لیتے ہیں۔

۱۰۔ تیسرا گروہ وہ لوگ ہوں گے جو السابقون المقربون سے موسوم ہیں۔ یہ ہر کار خیر کی طرف عموماً اور ایمان کی طرف خصوصاً سبقت لے جانے والے ہیں۔ ان کے واضح مصادیق اور صف اول کے افراد کی حیثیت سے مؤمن آل فرعون (حزقیل) حبیب نجار اور علی ابن ابی طالب ؑ کے نام روایات میں ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو الدر المنثور۔ تفسیر ابن کثیر ۴: ۳۲۸ ط مصر۔ فتح القدیر ۵: ۸۱۴ ط مصر۔

۱۴۔ الْاَوَّلِيْنَ سے سابقہ امتوں اور الْاٰخِرِيْنَ میں سے امت محمدی ﷺ کا مراد ہونا اصطلاح قرآن کے قریب ہے۔ یعنی سابقہ امتوں سے السّٰبِقُوْنَ زیادہ ہوں گے اور امت محمد ﷺ میں سے تھوڑے ہوں گے کیونکہ سابقین مقربین کا ایک بہت بلند درجہ ہے جس میں انبیاء و ائمہ و اوصیاء اور ان کے خواص شامل ہو سکتے ہیں، جو سابقہ امتوں میں زیادہ ہیں اور اس امت میں اس درجے پر فائز لوگ کم ہیں۔

۱۷۔ بعض کے نزدیک یہ لڑکے وہ بچے ہوں گے جن کا کوئی عمل خیر ہے جس کا ثواب مل جائے اور نہ گناہ ہے جس کی سزا مل جائے۔

۱۹۔ شراب جنت میں وہ منفی خصوصیات نہ ہوں گی جو دنیا کی شراب میں ہیں۔

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ وَحُوْرٌ
عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا
يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِلَّا
قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ
اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾
وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّ
مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا
مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ
مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾
فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿٣٧﴾
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾ ع ثُلَّةٌ مِّنَ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾

آئے گا،☆ ﴿٢٠﴾ اور طرح طرح کے میوے لیے جنہیں وہ پسند کریں، ﴿٢١﴾ اور پرندوں کا گوشت لیے جس کی وہ خواہش کریں،☆ ﴿٢٢﴾ اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی، ﴿٢٣﴾ جو چھپا کر رکھے گئے موتیوں کی طرح (حسین) ہوں گی۔ ﴿٢٤﴾ یہ ان اعمال کی جزا ہے جو وہ کرتے رہے ہیں۔ ﴿٢٥﴾ وہاں وہ نہ بیہودہ کلام سنیں گے اور نہ ہی گناہ کی بات۔ ﴿٢٦﴾ ہاں! سلام سلام کہنا ہوگا۔☆ ﴿٢٧﴾ اور داہنے ہاتھ والے تو داہنے والوں کا کیا کہنا، ﴿٢٨﴾ وہ بے خار بیریوں میں، ﴿٢٩﴾ اور کیلوں کے گچھوں، ﴿٣٠﴾ اور لمبے سایوں،☆ ﴿٣١﴾ اور بہتے پانیوں، ﴿٣٢﴾ اور فراوان پھلوں میں ہوں گے،☆ ﴿٣٣﴾ جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان پر کوئی روک ٹوک ہوگی۔☆ ﴿٣٤﴾ اور اونچے فرش ہوں گے۔ ﴿٣٥﴾ ہم نے ان (حوروں) کو ایک انداز تخلیق سے پیدا کیا۔ ﴿٣٦﴾ پھر ہم نے انہیں باکرہ بنایا۔☆ ﴿٣٧﴾ ہمسر دوست، ہم عمر بنایا۔ ﴿٣٨﴾ (یہ سب) داہنے والوں کے لیے۔ ﴿٣٩﴾ ایک جماعت اگلوں میں سے ہوگی، ﴿٤٠﴾ اور ایک

۲۱۔ میوؤں کے بعد پرندوں کے گوشت کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ ماکولات میں پھلوں کے بعد پرندوں کا گوشت طبع انسانی کے ساتھ باقی جانوروں کے گوشت کے مقابلے میں زیادہ سازگار ہے۔

۲۶۔ بیہودگی، نازیبائی، فحاشی اور گناہ ایک غیر متوازن معاشرے میں رونما ہوتے ہیں۔ اہل جنت ان تمام نازیبائیوں سے پاک ہوں گے۔ وہاں ہر طرف امن و سلامتی کی باتیں ہوں گی۔ جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں اس کا نمونہ پیش کرتے تھے۔

۳۰۔ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ: لمبے سائے۔ روایت کے مطابق یہ سائے ایسے ہوں گے، جیسے جو طلوع فجر سے طلوع آفتاب کے درمیانی حصے کا سایہ ہوتا ہے: ان اوقات الجنة کغدوات الصیف لا یکون فیه حر و لا برد (بحار الانوار ۸: ۱۰۹) جنت کے اوقات موسم بہار کی صبح سویرے کی طرح ہوں گے۔ نہ گرمی نہ سردی۔

۳۲۔ ۳۳ جنت کے میوے کسی موسم کے ساتھ مخصوص نہیں ہوں گے، نہ ہی وہاں کوئی روک ٹوک ہوگی اور نہ میوے حاصل کرنے کے لیے درختوں پر چڑھنے اترنے کی مانند دیگر زحمتیں ہوں گی۔

۳۶۔ جو ہمیشہ کنواری رہیں گی۔ یہ اسی خاص انداز تخلیق کا خاصہ ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک بوڑھی عورت نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ دعا کیجیے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان الجنة لا یدخلها العجائز۔ جنت میں بوڑھی عورتیں داخل نہیں ہوسکتیں۔ وہ عورت روتے ہوئے چلی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اخبروها انها لیست یومئذ بعجوز (زبدة التفاسیر ۶: ۵۷۲) اس کو بتا دو

وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ؕ﴿۴۱﴾ فِىۡ سَمُوۡمٍ وَّحَمِيۡمٍ ۙ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنۡ يَّحۡمُوۡمٍ ۙ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيۡمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُتۡرَفِيۡنَ ۚۖ﴿۴۵﴾ وَكَانُوۡا يُصِرُّوۡنَ عَلَى الۡحِنۡثِ الۡعَظِيۡمِ ۚ﴿۴۶﴾ وَكَانُوۡا يَقُوۡلُوۡنَ ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِيۡنَ وَالۡاٰخِرِيۡنَ ۙ﴿۴۹﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ اِلٰى مِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمۡ اَيُّهَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُكَذِّبُوۡنَ ۙ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ۙ﴿۵۲﴾ فَمٰلِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ۚ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوۡنَ عَلَيۡهِ مِنَ الۡحَمِيۡمِ ۚ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوۡنَ

جماعت پچھلوں میں سے۔☆ ﴿۴۱﴾ رہے بائیں والے تو بائیں والوں کا کیا پوچھنا۔ ﴿۴۲﴾ وہ جلتی ہوا اور کھولتے پانی میں، ﴿۴۳﴾ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے، ﴿۴۴﴾ جس میں نہ خنکی ہے اور نہ راحت۔☆ ﴿۴۵﴾ یہ لوگ اس سے پہلے ناز پروردہ تھے،☆ ﴿۴۶﴾ اور گناہ عظیم پر اصرار کرتے تھے،☆ ﴿۴۷﴾ اور کہا کرتے تھے: کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ ﴿۴۸﴾ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ﴿۴۹﴾ کہد یجیے: اگلے اور پچھلے یقینا، ﴿۵۰﴾ ایک مقررہ دن مقررہ وقت پر جمع کیے جائیں گے۔ ﴿۵۱﴾ پھر یقینا تم اے گمراہو! تکذیب کرنے والو! ﴿۵۲﴾ زقوم کے درخت میں سے کھانے والے ہو۔☆ ﴿۵۳﴾ پھر اس سے پیٹ بھرنے والے ہو۔ ﴿۵۴﴾ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینے والے ہو۔ ﴿۵۵﴾ پھر وہ بھی اس طرح پینے والے ہو جیسے پیاسے

---

کہ اس دن وہ بوڑھی نہ ہوگی۔

۴۰۔ اس سے معلوم ہوا کہ سابقین اولین میں سابقہ امتوں کا حصہ بیشتر ہوگا اور اصحاب یمین میں اس امت کا حصہ بھی سابقہ امتوں جیسا ہوگا۔ واضح رہے قَلِيۡلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ کا تعلق سابقین سے ہے اور ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ کا تعلق اصحاب یمین سے ہے۔

۴۴۔ عام طور پر سائے سے خنکی اور آرام ملتا ہے لیکن اس دوزخی سائے میں نہ خنکی ہوگی نہ راحت۔

وَّلَا كَرِيۡمٍ: اہل لغت کہتے ہیں: الکریم صفة لکل ما یرضی و یحمد۔ ہر پسندیدہ قابل ستائش چیز کو کریم کہتے ہیں۔ (لسان العرب)

۴۵۔ دولت و نعمت کی فراوانی نے ان کو بدمست کر دیا تھا اور خواہشات کی پیروی نے یاد خدا ان کے دل سے نکال دی تھی۔ وہ شکر نعمت کی جگہ ناز و نعمت کو اپنی مہارت کا نتیجہ قرار دیتے تھے۔

۴۶۔ ایک تو گناہ عظیم اور دوسرا اس پر تکرار کے باعث جرم مزید سخت ہوگا۔ واضح رہے کہ تکرار کی وجہ سے چھوٹا گناہ بھی عظیم ہو جاتا ہے۔ دولت کے نشے میں مدہوش اور گناہان کبیرہ کے ارتکاب مکرر سے اپنے جرم میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔

۵۲۔ زقوم کے درخت سے پیٹ بھرنے کی نوبت اس لیے آئے گی کہ پہلے ان پر شدید بھوک مسلط کی جائے گی، جس کی وجہ سے زقوم کا زہریلا درخت کھائیں گے، جس سے ان کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی۔ اس کے بعد ان پر پیاس مسلط کی جائے گی جس کی وجہ سے وہ کھولتا ہوا پانی ایسے پئیں گے جیسے ہیام کی بیماری میں مبتلا اونٹ پانی پیتا ہے۔ اس بیماری میں مبتلا اونٹ پانی اس قدر پیتا ہے جس سے وہ مر جاتا ہے۔

شُرْبَ الْهِيْمِ ۵۵ؕ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۵۶ؕ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۵۷ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۵۸ؕ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۵۹ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۶۰ۙ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۶۱ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۶۲ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۶۳ؕ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۶۴ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۶۵ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۶۶ۙ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۶۷ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۶۸ؕ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ

اونٹ پیتے ہیں۔ ۵۶ جزا کے دن یہ ان کی ضیافت ہو گی۔☆ ۵۷ ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ۵۸ مجھے بتلاؤ کہ جس نطفے کو تم (رحم میں) ڈالتے ہو، ۵۹ کیا اس (انسان) کو تم بناتے ہو یا بنانے والے ہم ہیں؟ ۶۰ ہم ہی نے موت کو تمہارے لیے مقدر کر رکھا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں، ۶۱ کہ تمہاری شکلوں کو تبدیل کر کے تمہیں ایسی شکلوں میں پیدا کریں جنہیں تم نہیں پہچانتے۔☆ ۶۲ اور بتحقیق پہلی پیدائش کو تم جان چکے ہو، پھر تم عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے؟☆ ۶۳ مجھے بتلاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو، ۶۴ اسے تم اگاتے ہو یا اسے اگانے والے ہم ہیں؟☆ ۶۵ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم حیرت زدہ، بڑبڑاتے رہ جاؤ، ۶۶ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا، ۶۷ بلکہ ہم تو محروم رہ گئے۔ ۶۸ مجھے بتلاؤ کہ جو پانی تم پیتے ہو، ۶۹ اسے بادلوں سے تم برساتے ہو یا

۵۶۔ اس میں کافروں کے لیے ایک قسم کا استہزاء اور اہانت ہے، جیسا کہ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (آل عمران:۲۱) ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو میں استہزاء ہے۔

۶۱۔ ایسی صورت میں یا ایسی حیات میں وہ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، جسے تم اس عالم خاکی میں نہیں جانتے کہ وہ عالم اپنے طریقہ حیات و قوانین زندگی میں اس دنیا سے مختلف ہوگا۔ وہاں رحم مادر کی جگہ خاک کے شکم میں انسان کی شکل سازی ہوگی۔ یہاں ارتقائی مراحل کے لیے زمانہ درکار ہے، وہاں ایک دفعہ صور میں پھونکنا کافی ہوگا۔ تمہیں نہیں معلوم وہاں تمہیں زندہ رہنے کے لیے کس قسم کی غذا، ہوا اور ماحول کی ضرورت ہے اور اس خاک سے کس قسم کے خلیات وجود میں آئیں گے۔

۶۲۔ اَلنَّشْاَةَ الْاُوْلٰى یعنی پہلی پیدائش کے بارے میں تو تم جانتے ہو کہ عالم خاک سے شکلیں بدل کر عالم نبات میں، پھر عالم جرثومہ میں، پھر عالم جنین میں، پھر عالم دنیا میں منتقل ہوتے رہے ہو۔ ہر عالم میں تمہیں آنے والے عالم کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اور ہر عالم کا قانون زندگی دوسرے عالم سے مختلف تھا۔ جرثومہ پدر اور تخم مادر کو خلیہ (cell) سازی کے قوانین کا علم نہیں ہے۔ وہ عالم جنین کے حیاتیاتی قوانین سے بے خبر تھے۔ اس طرح تم آنے والے عالم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

۶۴۔ جو رزق تم کھاتے ہو اس میں تمہارا عمل دخل صرف اتنا ہے کہ جو بیج ہم نے پیدا کیا ہے تم اسے خاک میں دفن کرتے ہو، جسے ہم نے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد دانے میں روئیدگی تم نے پیدا کی ہے یا ہم نے؟ خاک کے شکم میں دفن شدہ دانے کو زندہ کرنے کے لوازم ہم نے فراہم کیے یا تم نے؟

۶۹۔ سمندر سے ایک خاص مقدار میں بخار کا اٹھانا اور ایک خاص مقدار کی بلندی تک پہنچانا۔ پھر ہوا کے ذریعے اسے چلانا، پھر دوسری طرف سے آنے والی

| | |
|---|---|
| الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ | اس کے برسانے والے ہم ہیں؟☆ ﴿٧٠﴾ اگر ہم چاہیں تو |
| جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ | اسے کھارا بنا دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟☆ ﴿٧١﴾ مجھے |
| اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ | بتلاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو، ﴿٧٢﴾ اس کے درخت کو تم نے |
| ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ | پیدا کیا یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟☆ ﴿٧٣﴾ ہم ہی |
| الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ | نے اس (آگ) کو یاددہانی کا ذریعہ اور ضرورت مندوں |
| مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ | کے لیے سامان زندگی بنایا۔ ﴿٧٤﴾ پس اپنے عظیم رب کے |
| ع رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ | نام کی تسبیح کرو۔ ﴿٧٥﴾ میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے |
| النُّجُوْمِ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ | مقامات کی۔☆ ﴿٧٦﴾ اور اگر تم سمجھو تو یہ یقینا بہت بڑی قسم |
| عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾ فِيْ كِتٰبٍ | ہے☆ ﴿٧٧﴾ کہ یہ قرآن جو یقینا بڑی تکریم والا ہے، |
| مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾ | ﴿٧٨﴾ ایک محفوظ کتاب میں ہے،☆ ﴿٧٩﴾ جسے صرف پاکیزہ |
| تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اَفَبِهٰذَا | لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔☆ ﴿٨٠﴾ یہ عالمین کے رب کی طرف |
| الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾ | سے نازل کردہ ہے۔ ﴿٨١﴾ کیا تم اس کلام کے ساتھ بے |
| وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾ | اعتنائی برتتے ہو؟ ﴿٨٢﴾ اور تم تکذیب کرنے کو ہی اپنا حصہ |

ہواؤں سے ٹکرا کر اس کو بادل بنانا، پھر اس بادل کو پانی کے قطروں میں تبدیل کرنا، پھر ان قطروں کو پھیلا کر زمین کے ایک وسیع علاقے کو سیراب کرنا تمہارا کام ہے یا ہمارا؟

٧٠۔ اگر ہم سمندر کے کھارے پانی کو بھاپ کے ذریعے صاف نہ کرتے اور سمندر کا پانی اپنی نمکین کے ساتھ فضا میں اٹھتا تو تم کیسے اسے آب شیریں میں بدل سکتے تھے؟

٧٢۔ قدیم زمانے میں اہل عرب ہری ٹہنیوں کو آپس میں رگڑ کر آگ پیدا کیا کرتے تھے اور آج بھی بعض قبائل میں یہی طریقہ کار رائج ہے۔

٧٥۔ فلکیات کا ایک ادنیٰ طالبعلم بھی جانتا ہے کہ ستاروں کے مقامات کی کیا عظمت ہے۔ کائنات کی اربوں کہکشاؤں میں صرف ہماری کہکشاں، جس میں ہمارا شمسی نظام واقع ہے، کئی ملین ستاروں پر مشتمل ہے۔ کہکشاؤں کے بارے میں نہایت حیرت انگیز انکشافات کا سلسلہ جاری ہے۔ ان کی عظمتوں کا ادراک قوت بشر سے باہر ہے۔

٧٦۔ خود خالق جانتا ہے کہ اس قسم کی کیا عظمت ہے اور پھر اس قرآن کی عظمت کو وہ جانتا ہے جس نے اس کو پوشیدہ رازوں کے دیوان میں محفوظ رکھا ہے۔

٧٨۔ وہ لوح محفوظ ہے، جس میں قرآن ہر قسم کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے۔ یعنی نزول قرآن سے پہلے وہاں ثبت اور محفوظ ہے۔

٧٩۔ قرآن کی حقیقتوں تک رسائی پاکیزہ ہستیوں کے لیے ہی ممکن ہے۔ یعنی ایک تو وہ فرشتے جو اسے نازل کرتے ہیں، دیگر وہ ہستیاں جن کے گھروں میں قرآن نازل ہوا ہے اور جن کو اللہ نے پاکیزہ کیا ہے۔ تاہم لفظی اطلاق کے تحت غسل اور وضو کے ذریعے ظاہری طہارت حاصل کرنے والوں کے لیے "مس" کی اجازت ہے۔ فقہ جعفری کے مطابق وضو کے بغیر اور جنابت کی حالت میں نیز حیض کے دنوں میں قرآن کی تحریر کو ہاتھ لگانا جائز

فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾ وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ۬ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾ ع

قرار دیتے ہو؟☆ ﴿٨٣﴾ پس جب روح حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے، ﴿٨٤﴾ اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو، ﴿٨٥﴾ اور (اس وقت) تمہاری نسبت ہم اس شخص (مرنے والے) کے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔ ﴿٨٦﴾ پس اگر تم کسی کے زیر اثر نہیں ہو،☆ ﴿٨٧﴾ اور تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو (اس نکلی ہوئی روح کو) واپس کیوں نہیں لے آتے؟ ﴿٨٨﴾ پھر اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہے ﴿٨٩﴾ تو (اس کے لیے) راحت اور خوشبودار پھول اور نعمت بھری جنت ہے۔☆ ﴿٩٠﴾ اور اگر وہ اصحاب یمین میں سے ہے ﴿٩١﴾ تو (اس سے کہا جائے گا) تجھ پر اصحاب یمین کی طرف سے سلام ہو۔☆ ﴿٩٢﴾ اور اگر وہ (مرنے والا) تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہے، ﴿٩٣﴾ تو (اس کے لیے) کھولتے پانی کی ضیافت ہے۔☆ ﴿٩٤﴾ اور بھڑکتی آگ میں تپایا جانا ہے۔☆ ﴿٩٥﴾ یہ سب سراسر حق پر مبنی قطعی ہے۔ ﴿٩٦﴾ پس (اے نبی) اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کیجیے۔

---

نہیں ہے۔

٨٢۔ رِزْقَكُمْ: تم تکذیب کو اپنی روزی کا حصہ قرار دیتے ہو۔ دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: تم تکذیب کو اپنی غذا بنا لیتے ہو۔ تیسرا ترجمہ حذف مضاف کے تحت اس طرح ہو سکتا ہے: تم رزق کے شکر کی جگہ تکذیب کو رکھتے ہو۔ ای۔۔ تجعلون شکر رزقکم۔ (بحار الانوار ۵۵: ۳۱۲)

٨٦۔ اگر تم کسی کے زیر اثر نہیں ہو تو حلق تک پہنچی ہوئی روح کو واپس کیوں نہیں کرتے۔

٨٩۔ حالت احتضار کا ذکر ہے۔ مقرب لوگوں کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ روح و ریحان قبر میں اور جنت نعیم آخرت میں ہوگی۔ (بحار الانوار ٦: ٢٢٢)

٩١۔ اور فرشتے اصحاب یمین کا استقبال سلام سے کریں گے۔

٩٣۔ تکذیب کرنے والوں کی آؤ بھگت کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی۔

٩٤۔ تصلية صَلْیٰ سے ہے۔ تپانا جلانا کہتے ہیں۔ اَصلاہ وَ صَلاہ القاہ للاحراق۔ اکثر مترجمین و مفسرین نے مادہ ص ل ی کو و ص ل سے معنی کیا ہے۔ مثلاً وَ سَيَصْلَوْنَ کو سَيَصِلُوْنَ، وصل سے معنی کیا ہے۔ نُصْلِيهِم نَاراً، نوصلهم ناراً سے معنی کیا ہے۔ وَ نُصْلِهِ جَهَنَّم کو نُوْصِلُهُ جهنم سے معنی کیا ہے، جو اشتباہ ہے۔

سورہ حدید

ا۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ: یہاں ماضی کا لفظ استعمال ہوا ہے، جبکہ سورہ جمعہ و تغابن میں مضارع کا صیغہ استعمال

آیاتها ۲۹ — ۵۷ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۴ — رکوعاتها ۴

سورہ حدید۔ مدنی۔ آیات ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٢ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٣ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٤ لَهٗ مُلْكُ

(۱) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ (۲) آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے، وہی زندگی اور (وہی) موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ (۳) وہی اول اور وہی آخر ہے نیز وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔☆ (۴) وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں خلق کیا پھر عرش پر مستقر ہوا اللہ کے علم میں ہے جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے اور جو کچھ اس سے باہر نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر خوب نگاہ رکھنے والا ہے۔☆ (۵) آسمانوں اور

---

ہوا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارے کے لیے ہو سکتا ہے کہ یہ تسبیح کسی خاص الفاظ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

۳۔ اللہ کا اول ہونا زمانہ کے لحاظ سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ زمانے سے ماوراء ہے۔ حدیث میں آیا ہے: کان اللہ و لا شیٔ غیرہ۔ (الکافی ۱: ۱۱۷) اللہ اس وقت بھی تھا، جب اس کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی چیز موجود نہ تھی، اس وقت بھی وہ قادر مطلق موجود تھا۔ وھو ظاھر۔ اس کائنات میں ہر چیز اس کی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ تاریکی کو روشنی سے اور خوبصورتی کو بدصورتی سے۔ اللہ کے لیے کوئی ضد نہیں۔ وہ ایسا نور ہے جس کے مقابلے میں کوئی تاریکی نہیں۔ اس وجہ سے ظاہری حواس کے لیے اس نور کا ادراک ممکن نہیں۔ اسی سلسلے میں مولائے متقیان سے روایت ہے: و ابین مما تری العیون۔ (نهج البلاغة) تیرا وجود نگاہوں میں آنے والی چیزوں سے بھی روشن ہے۔

۴۔ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ: یعنی جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے۔ باہر سے زمین میں داخل ہونے والا بیج، پانی وغیرہ تو انسانوں کے بھی علم میں ہے۔ ان کے علاوہ جو چیزیں زمین کی تہ میں جا کر انسانوں کے لیے کیا چیزیں نکالتی ہیں؟ ان کا علم اللہ ہی کو ہے۔ یہ تدبیر کائنات سے متعلق جزئیات کا ذکر ہے، جو عرش پر متمکن ہونے کا لازمہ ہے۔ بایں معنی کہ عرش الٰہی اللہ کے مقام تدبیر کا نام ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑨ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ

زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور تمام امور اسی کی طرف پلٹا دیے جاتے ہیں۔ ⑥ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کے راز کو خوب جانتا ہے۔☆ ⑦ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں جانشین بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور (راہ خدا میں) خرچ کریں ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔☆ ⑧ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ جب کہ رسول تمہیں تمہارے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور وہ تم سے مضبوط عہد لے چکا ہے اگر تم ماننے والے ہو۔☆ ⑨ وہ وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح نشانیاں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائے، یقینا اللہ تم پر نہایت شفقت کرنے والا، مہربان ہے۔ ⑩ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے جب کہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ

٦۔ دن کو گھٹا کر رات میں داخل فرماتا ہے اور رات کو گھٹا کر دن میں داخل فرماتا ہے۔ اس طرح موسم کی تبدیلیوں میں ایک حکمت و مصلحت مضمر ہے۔

٧۔ خطاب اہل ایمان سے ہے کہ اپنے ایمان میں پختگی پیدا کرو تاکہ اس کے آثار نمایاں ہونا شروع ہو جائیں اور اس مال کو راہ خدا میں خرچ کرو، جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ مالک حقیقی وہی ذات ہے۔ انسان کو اللہ نے جائز مصارف میں مال خدا خرچ کرنے کے لیے اپنا نائب بنایا ہے، ساتھ ہی اللہ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اس مال کے راہ خدا میں خرچ کرنے پر وہ اجر کبیر بھی عطا فرماتا ہے۔ مال اگرچہ اسی ذات کا ہے، لیکن اس نائب نے خیانت نہیں کی، لہٰذا اس بات کا انعام دیا جاتا ہے۔

٨۔ رسول خدا ﷺ براہ راست وحی کے ذریعے تمہیں ایمان کی دعوت دے رہے ہیں، اس کے باوجود تم غیر ایمانی روش اختیار کر رہے ہو۔ واضح رہے یہ خطاب بھی رسول ﷺ کے گرد و پیش اہل ایمان سے ہے۔ اگر ہم اَخَذَ کا فاعل رسول کریم ﷺ کو لیتے ہیں، جیسا کہ مفسر ابن کثیر نے لیا ہے، اس صورت میں میثاق سے مراد وہ بیعت ہے جو رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام سے لیتے رہے ہیں۔ اس صورت میں مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ سے مراد عدم اطاعت ہو سکتی ہے۔ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔ آخر آیت میں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم مومن ہو، اس تفسیر پر قرینہ بن سکتا ہے۔ یعنی رسمی ایمان والوں کو حقیقی ایمان کی دعوت ہے۔ اگر تم مومن ہو تو تمہارے ایمان کے اثرات سامنے آنے چاہییں۔ مثلاً انفاق فی سبیل اللہ۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٠﴾ ع مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١١﴾ ج يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ج قِيْلَ

کے لیے ہے؟ تم میں سے جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا وہ (دوسروں کے) برابر نہیں ہو سکتے، ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور مقاتلہ کیا، البتہ اللہ تعالیٰ نے ان سب سے اچھائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب آگاہ ہے۔☆ ⑪ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ اللہ اس کے لیے اسے کئی گنا کر دے؟ اور اس کے لیے پسندیدہ اجر ہے۔☆ ⑫ قیامت کے دن آپ مومنین اور مومنات کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا (ان سے کہا جائے گا) آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا، یہی تو بڑی کامیابی ہے۔☆ ⑬ اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مؤمنین سے کہیں گے: ہمارا انتظار کریں تاکہ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں، (مگر) ان سے کہا جائے گا: اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور

۱۰۔ فتح سے مراد بعض کے نزدیک مکہ اور بعض کے نزدیک صلح حدیبیہ ہے، جسے قرآن میں فتح مبین کہا ہے۔ اس میں سب سے بلند درجہ ان ہستیوں کا ہے، جنہوں نے مال کے ساتھ جہاد بھی کیا۔ اَنْفَقَ ۔۔۔ قٰتَلَ۔

۱۱۔ مالک حقیقی اس سے قرض مانگ رہا ہے جس کے پاس اس کی امانت ہے اور اس کا فضل و کرم، دیکھو کہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا اور ساتھ ہی اجر کریم بھی عنایت فرمائے گا۔

بعض اہل تحقیق لکھتے ہیں: آیات و احادیث کی روشنی میں انفاق میں دس اوصاف ہوں تو یہ قرض حسن بنتا ہے: i۔ مال حلال ہو۔ ii۔ عمدہ مال ہو، ردی نہ ہو۔ iii۔ مال کی ضرورت ہو، زندگی کے آخری لمحات میں نہ ہو۔ iv۔ مستحق ترین کو دے دے۔ v۔ اس انفاق کو راز میں رکھے۔ vi۔ دینے کے بعد نہ جتلائے۔ vii۔ برائے خدا ہو، ریاکاری نہ ہو۔ viii۔ مال زیادہ دیا جا رہا ہو تو بھی اس کو تھوڑا سمجھے۔ ix۔ اپنا پسندیدہ مال ہو۔ x۔ اس مال کی خود کو بھی ضرورت ہو۔

۱۲۔ چونکہ مومنین کے نامہ اعمال سامنے یا دائیں طرف سے وصول ہوں گے، اس لیے نور بھی اسی جانب ہوگا اور ہر فرد کو اس کے اعمال کے مطابق نور ملے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز کافر اور منافق اسی تاریکی میں مبتلا رہیں گے، جس میں وہ دنیا میں مبتلا رہ چکے ہیں۔

۱۳۔ منافقین، مومنین سے مدد طلب کریں گے تو ان کو وہ باتیں یاد دلائی جائیں گی جن کی وجہ سے انہیں یہ دن دیکھنا پڑا۔ وہ ہیں: فتنہ پروری، موقع پرستی، شکوک پیدا کرنا اور آرزوؤں کے دھوکے میں آنا۔

ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ ﴿١٣﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

نور تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار بنا دی جائے گی، جس کا ایک دروازہ ہوگا جس کے اندرونی حصے میں رحمت ہوگی اور اس کی بیرونی جانب عذاب ہوگا۔☆ ⑭ وہ (مومنوں کو) پکار کر کہیں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ کہیں گے: تھے تو سہی! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم (ہمارے لیے حوادث کے) منتظر رہے اور شک کرتے رہے اور تمہیں آرزوؤں نے دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دیتا رہا۔ ⑮ پس آج تم سے نہ کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان سے جنہوں نے کفر اختیار کیا، تمہارا ٹھکانا آتش ہے، وہی تمہارے لیے سزاوار ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔☆ ⑯ کیا مومنین کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر خدا سے اور نازل ہونے والے حق سے نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی پھر ایک طویل مدت

۱۵۔ هِيَ مَوْلٰىكُمْ: اس آیت میں لفظ مولا یعنی اولی استعمال ہوا ہے۔ مفسرین نے تصریح کی ہے کہ اس آیت میں مَوْلٰىكُمْ سے مراد اولی بکم ہے۔ فخر الدین رازی کے جواب میں یہ آیت اور دیگر شواہد پیش کیے جاتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا: مَفْعَل بمعنی اَفْعَل نہیں آتا۔ یعنی مولا بمعنی اولی نہیں آتا۔

۱۶۔ رسول اللہ ﷺ پر اظہار ایمان کرنے والوں میں سے کچھ لوگوں سے خطاب ہے کہ تمہارے دل ابھی حقیقی ایمان سے سرشار نہیں ہیں اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں پس و پیش کرتے ہیں۔ اس آیت کے ذیل میں مولانا مودودی نے درست تشبیہ دی ہے اور کہا ہے: یہود و نصاریٰ تو اپنے انبیاء کے سینکڑوں برس بعد آج تمہیں اس بے حسی اور روح کی مردنی اور اخلاق کی پستی میں مبتلا نظر آ رہے ہیں، کیا تم اتنے گئے گزرے ہو کہ ابھی رسول ﷺ تمہارے سامنے موجود ہیں، خدا کی کتاب نازل ہو رہی ہے، تمہیں ایمان لائے کچھ زیادہ زمانہ بھی نہیں گزرا ہے اور ابھی سے تمہارا حال وہ ہو رہا ہے جو صدیوں تک خدا کے دین اور اس کی آیت سے کھیلتے رہنے کے بعد یہود و نصاریٰ کا ہوا ہے۔ (تفہیم القرآن)

صحیح مسلم کتاب التفسیر میں آیا ہے کہ ابن مسعود کہا کرتے تھے: ما کان بین اسلامنا و بین ان عاتبنا اللہ بھذہ الآیة الا اربع سنین۔ ہمارے اسلام قبول کرنے اور اس آیت کے ذریعے ہمارے عتاب کے درمیان صرف چار سال کا فاصلہ تھا۔ کشاف ۴: ۷۷۴ میں آیا ہے: اہل یمامہ کے کچھ لوگوں کو یہ آیت پڑھ کر سنائی تو وہ بہت روئے تو حضرت ابوبکر نے فرمایا شروع میں ہم بھی ایسے تھے۔

عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖۗ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ ع اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ

ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے؟ اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں۔☆ ﴿۱۷﴾ جان رکھو! اللہ ہی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے، ہم نے تمہارے لیے نشانیوں کو یقیناً واضح طور پر بیان کیا ہے، شاید تم عقل سے کام لو۔ ﴿۱۸﴾ یقیناً صدقہ دینے والے مردوں اور صدقہ دینے والی عورتوں نیز ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اللہ کو قرض حسنہ دیا ہے کئی گنا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے پسندیدہ اجر ہے۔ ﴿۱۹﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں وہی اپنے رب کے نزدیک کامل سچے اور گواہ ہیں، ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں۔☆ ﴿۲۰﴾ جان رکھو کہ دنیاوی زندگی صرف کھیل، بیہودگی، آرائش، آپس میں فخر کرنا اور اولاد و اموال میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش سے عبارت ہے، اس کی مثال اس بارش کی سی ہے جس کی پیداوار (پہلے)

ابن مسعود کی روایت کے مطابق اس آیت کو مدنی ماننا پڑے گا، ورنہ صحیح مسلم کی روایت کی صحت پر بحث ہونی چاہیے، چونکہ صحاح میں یہ روایت صرف صحیح مسلم میں ہے۔

۱۹۔ اس کے بعد سچے دل سے ایمان لانے والوں کا ذکر آیا ہے کہ ان کو صدیقین اور شہداء کے ساتھ جگہ ملے گی۔ چنانچہ اسی مضمون کی ایک آیت سورہ نساء آیت ۶۹ میں بھی آئی ہے۔

۲۰۔ دنیا اگر صرف ایک دھوکہ نہ ہوتی اور انسان صرف اسی زندگی کے لیے بنایا گیا ہوتا تو مال و متاع دنیا کی فراوانی سے سکون و اطمینان میں اضافہ ہونا چاہیے تھا۔ جبکہ اس دنیا کے مال و متاع میں جس قدر اضافہ ہوتا ہے، اسی حساب سے بے اطمینانی میں اضافہ ہوتا ہے اور سکون چھن جاتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان دنیا کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔

دنیاوی زندگی کو ذریعہ آخرت بنایا جائے تو اس کی وہ صفات نہیں ہوں گی جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں، بلکہ حضرت علی علیہ السلام سے اس دنیا کے مثبت پہلو کے بارے میں روایت ہے: اِنَّ الدُّنْيَا... دَارُ غِنًى لِمَنْ تَزَوَّدَ مِنْهَا وَ دَارُ مَوْعِظَةٍ لِمَنِ اتَّعَظَ بِهَا مَسْجِدُ اَحِبَّاءِ اللّٰهِ وَ مُصَلَّى مَلَائِكَةِ اللّٰهِ وَ مَهْبِطُ وَحْيِ اللّٰهِ وَ مَتْجَرُ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ... (نہج البلاغۃ نصیحت ۱۳۱، ص ۴۹۴) جو یہاں سے زاد راہ لے جانا چاہتا ہے اس کے لیے یہ دنیا دولت کی جگہ ہے، جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے یہ دنیا نصیحت کی جگہ ہے، یہ دنیا اللہ کے دوستوں کی عبادت گاہ، فرشتوں کی سجدہ گاہ، وحی کی بارگاہ اور اولیاء اللہ کی تجارت گاہ (آخرت کا منافع کمانے کی جگہ) ہے۔

نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ⑳ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ㉑ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۚۖ ㉒ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ

کسانوں کو خوش کرتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر دیکھتے ہو کہ وہ کھیتی زرد ہو گئی ہے پھر وہ بھس بن جاتی ہے جب کہ آخرت میں (کفار کے لیے) عذاب شدید اور (مومنین کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو سامان فریب ہے۔☆ (۲۱) ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جتنی ہے اور ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے اسے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔☆ (۲۲) مصائب میں سے کوئی مصیبت زمین پر اور تم پر نہیں پڑتی مگر یہ کہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے وہ ایک کتاب میں لکھی ہوتی ہے، اللہ کے لیے یقینا یہ نہایت آسان ہے۔☆ (۲۳) تاکہ جو چیز تم لوگوں کے ہاتھ سے چلی جائے اس پر تم رنجیدہ نہ ہو اور جو چیز تم لوگوں کو عطا ہو اس پر اترایا نہ کرو، اللہ کسی خود پسند،

۲۱۔ مغفرت کا عمل خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ سبقت لے جانا مغفرت کے اسباب کی طرف ممکن ہے۔ لہٰذا اس آیت میں حکم یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی طرف سبقت لے جاؤ۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے بعد عمل صالح کا ذکر نہیں ہے، چونکہ عمل صالح کا ذکر تو شروع میں اِلٰى مَغْفِرَةٍ کے ضمن میں آ گیا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ اس جنت میں جانا اللہ کے فضل و کرم کے تحت ممکن ہوگا، ورنہ انسان کا عمل خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو، دنیوی نعمتوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ یہ فضل صرف اہل ایمان کے ساتھ مختص ہونا اللہ کی مشیت ہے۔

جنت کے زمان و مکان کو ارضی زمان و مکان کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنا درست نہ ہوگا۔ ارضی مکینوں کو جنت کی وسعت سمجھانے کے لیے فرمایا: "جنت کی وسعت آسمانوں کی وسعت کی مانند ہے۔" آسمانوں کی وسعت کا اندازہ اب تک کے انسان کو نہیں ہوا ہے، لہٰذا بعض جنتیوں کی اتنی بڑی سلطنت ہوگی جو ہمارے لیے قابل تصور نہ ہوگی۔

۲۲۔ كِتٰبٍ سے مراد لوح محفوظ ہو سکتی ہے، جس میں پیش آنے والے تمام حوادث ثبت ہیں۔ واضح رہے اس سے تقدیر کا جبر لازم نہیں آتا، کیونکہ بطور مثال زید اپنے اختیار و ارادے سے جو کچھ کرنے والا ہے، وہ وہاں ثبت ہے۔ اس کائنات کی خلقت سے پہلے اللہ نے ایک نظام وضع فرمایا ہے۔ اس کے مطابق انسان خود مختار ہے اور خود مختاری کے تحت جو کچھ رونما ہونے والا ہے وہ علم خدا میں ہے۔

۲۳۔ لہٰذا جو کچھ رونما ہونے والا ہے وہ اس عام قانون کے تحت ملنے والی خود مختاری کے مطابق ہے۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے بعد نہ نقصان کی صورت میں دل شکنی ہونی چاہیے اور نہ کچھ منافع ملنے پر آپے سے باہر ہو جانا چاہیے۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: الزهد كلمة بين كلمتين من القرآن۔ قال الله

لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ؑ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ

ع ۱۹

فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا☆ ﴿۲۴﴾ جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو اللہ یقیناً بڑا بے نیاز، قابل ستائش ہے۔ ﴿۲۵﴾ بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل قائم کریں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں شدید طاقت ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں اور تاکہ اللہ معلوم کرے کہ کون بن دیکھے خدا اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے، اللہ یقیناً بڑی طاقت والا، غالب آنے والا ہے۔☆ ﴿۲۶﴾ اور بتحقیق ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی تو ان میں سے کچھ ہدایت پا گئے اور ان میں سے بہت سے فاسق ہو گئے۔☆ ﴿۲۷﴾ پھر ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور

---

سبحانہ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ فمن لم یاس علی الماضی و لم یفرح بالآتی فقد اخذ الزهد بطرفیه۔ (نهج البلاغة۔ بحار الانوار ۶۷: ۳۲۰) پورا زہد قرآن کے دو کلموں کے درمیان ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”جو چیز ہاتھ سے چلی جائے، اس پر رنجیدہ نہ ہو اور جو چیز اللہ تم کو دے دے اس پر اترایا نہ کرے۔“ جو شخص گزشتہ پر رنجیدہ نہ ہو اور آنے والی چیز پر اترایا نہ کرے، اس نے زہد کو دونوں طرف سے پکڑ لیا۔

۲۵۔ اس آیت میں تمام انبیاء کے مبعوث ہونے کی غرض و غایت کا خلاصہ بیان فرمایا ہے کہ ان کو شریعت، آیات بینات، کتابیں اور میزان عنایت ہوئی ہیں تو ان سب کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ عدل و انصاف قائم کریں اور اس انسانی مسئلہ، یعنی عدل و انصاف کو نافذ کرنے والوں کے ساتھ مزاحمت کرنے والوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اللہ نے لوہا نازل کیا یعنی پیدا کیا، تاکہ وہ قوت بھی فراہم ہو سکے اور عدل قائم کرنے میں رکاوٹ پیدا کرنے والوں کا قلع قمع ہو سکے۔

۲۶۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عہد کو انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں ودیعت فرمایا ہے۔ چنانچہ سلسلہ نبوت کو نوح اور ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں منحصر رکھا۔ مِّنْهُمْ ان میں سے۔ یعنی جن کی طرف انبیاء بھیجے گئے، ان میں سے بعض ہدایت یافتہ ہو گئے اور بہت سے لوگ فاسق ہو گئے۔ بعض کے نزدیک مِّنْهُمْ ذریت کی جانب ہے کہ نبوت بھی اولاد نوح و ابراہیم علیہما السلام میں منحصر رکھی ہے اور ہدایت و گمراہی میں بھی یہی اولاد جو نبوت پر فائز تھی بٹ گئی۔

۲۷۔ رہبانیت مادہ ر ہ ب سے ہے، جو خوف کے معنوں میں ہے، اصطلاحاً ترک دنیا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی دنیا پرستی کی وجہ سے خدا سے دوری کے خوف سے تارک الدنیا بن جائے، جبکہ اللہ نے تو اسے اپنی خوشنودی حاصل کرنے کا حکم دیا

الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ
ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ
رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ
فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ
وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ
كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا
تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ
اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ
وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾ ع

انہیں ہم نے انجیل دی اور جنہوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور رحم ڈال دیا اور رہبانیت (ترک دنیا) کو تو انہوں نے خود ایجاد کیا، ہم نے تو ان پر رہبانیت کو واجب نہیں کیا تھا سوائے اللہ کی خوشنودی کے حصول کے، لیکن انہوں نے اس کی بھی پوری رعایت نہیں کی، پس ان میں سے جنہوں نے ایمان قبول کیا ہم نے ان کا اجر انہیں دیا اور ان میں بہت سے لوگ فاسق ہیں۔☆ ﴿٢٨﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دہرا حصہ دے گا اور تمہیں وہ نور عنایت فرمائے گا جس سے تم راہ طے کر سکو گے اور تمہاری مغفرت بھی کر دے گا اور اللہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے☆ ﴿٢٩﴾ یہ اس لیے کہ اہل کتاب جان لیں کہ اللہ کے فضل میں ان کا کچھ بھی اختیار نہیں ہے اور یہ کہ فضل تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے اسے دے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔☆

تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی نعمتوں سے جائز طریقے سے بہرہ مند ہونا خوشنودی رب کے منافی نہیں ہے۔

٢٨۔ ایمان کا ایک درجہ حاصل کرنے والوں سے خطاب ہے کہ ابھی مزید ایمان کی گنجائش باقی ہے۔ اگر تم ایمان پر ایمان کا اضافہ کرو تو اللہ اپنی رحمت پر رحمت کا اضافہ فرمائے گا۔ اسی سے اہل ایمان کو ایمان لانے کی دعوت ہے۔ ایمان میں اضافے کے نتائج ہوتے ہیں۔ ان میں ایک تو یہی درجہ ایمان کے مطابق ثواب کا درجہ بڑھ جائے گا۔ دوسرا روشنی مل جائے گی جس سے حقائق نظر آنا شروع ہو جائیں گے۔ تَمْشُوْنَ، مزید ارتقا ممکن ہوگا، چونکہ روشنی کی وجہ سے راستہ نظر آ رہا ہوگا۔ تیسرا مغفرت ہے: وَيَغْفِرْ لَكُمْ۔ ایمان میں اضافے کی وجہ سے نیکیاں زیادہ ہو جائیں گی۔ نیکیوں کی وجہ سے گناہ بخشے جائیں گے۔

٢٩۔ وہ اہل کتاب جو ایمان نہیں لائے، ان کو کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اللہ کے فضل و کرم سے مستفیض ہونے کا واحد راستہ ایمان ہے۔ جس کے پاس ایمان کی دولت نہیں ہے، اس کے لیے اللہ کی رحمت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ واضح رہے اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ وہ ارحم الراحمین بھی ہے۔ لیکن اگر قبول رحمت کے لیے اہلیت اور ظرفیت نہ ہو تو اللہ کی رحمت اس کے شامل حال نہیں ہوتی۔

روایت میں آیا ہے اہل کتاب کے بارے میں جب یہ آیت نازل ہوئی اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ (قصص: ٥٤) ان کو دو مرتبہ اجر ملیں گے، ایک اپنے نبی پر ایمان لانے کا، دوسرا رسول خاتم (ص) پر ایمان لانے کا تو بعض اہل کتاب نے کہا ہمیں دو اور مسلمانوں کو ایک اجر ملے گا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ مسلمان بھی دونوں نبیوں پر ایمان لائے ہیں۔ (مجمع البیان)

اٰیاتها ۲۲ ۵۸ سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۵ رکوعاتها ۳

سورہ مجادلہ۔ مدنی۔ آیات ۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

① بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، اللہ یقینا بڑا سننے والا، دیکھنے والا ہے۔☆ ② تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے اور بلاشبہ یہ لوگ ناپسندیدہ باتیں کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں اور اللہ یقینا بڑا درگزر کرنے والا مغفرت کرنے والا ہے۔☆ ③ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنے قول سے پلٹ جائیں انہیں باہمی مقاربت سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا چاہیے اس طرح تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے

---

سورہ مجادلہ

۱۔ انصار کے ایک شخص نے غصے میں آ کر اپنی عورت سے کہا: انت علی کظھر امی "تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے۔" عرب جاہلیت میں اس سے طلاق اور عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی۔ یہ خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس مسئلے کے حل کے لیے اصرار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۔ وہ عورت جس نے اس کو نہیں جنا ہے، وہ اس کی ماں نہیں ہے۔ صرف منہ سے تشبیہ دینے سے کوئی کسی کی ماں نہیں بنتی۔ البتہ ایسا کہنے کو فقہی اصطلاح میں ظہار کہا جاتا ہے۔ فقہ جعفریہ کے مطابق ظہار حرام ہے۔ ظہار کے بعد ظہار کرنے والے پر اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے، البتہ کفارہ دینے پر دوبارہ حلال ہو جاتی ہے۔ ظہار کے باعث عورت کے حرام ہونے کی کچھ شرائط ہیں جو فقہی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اگلی آیات میں کفارے کا ذکر ہے۔

۳۔ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ کے معنی کچھ لوگوں نے تلافی سے کیے ہیں۔ یعنی ظہار کر کے اس کی تلافی کرنا چاہیں۔ بعض دوسرے حضرات نے يَعُوْدُوْنَ سے مراد اعادہ ظہار لیا ہے۔ یعنی جو لوگ مکرر ظہار کریں، وہ کفارہ دیں۔ مذہب اہل بیت علیہم السلام یہ ہے کہ يَعُوْدُوْنَ سے مراد ہے ہمبستری کی طرف عود کرنا چاہیں تو کفارہ دیں۔ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا۔

خَبِيْرٌ ۝٣ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٤ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٥ ۚ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝٦ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ

خوب باخبر ہے۔☆ ④ پس جسے غلام نہ ملے وہ باہمی مقاربت سے پہلے متواتر دو مہینے روزے رکھے اور جو ایسا بھی نہ کر سکے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور کفار کے لیے دردناک عذاب ہے۔☆ ⑤ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ یقیناً اس طرح ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلوں کو ذلیل کیا گیا ہے اور بتحقیق ہم نے واضح نشانیاں نازل کی ہیں اور کفار کے لیے ذلت والا عذاب ہے۔ ⑥ اس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں، وہ اللہ کو بھول گئے ہیں مگر اللہ نے انہیں شمار کر رکھا ہے اور اللہ ہر شے پر گواہ ہے۔☆ ⑦ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کے بارے میں جانتا ہے، کبھی تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی

"باہمی مقاربت سے پہلے" کے الفاظ قرینہ ہیں کہ يَعُوْدُوْنَ سے مراد یعودون الی الوطئ ہے۔

۴۔ اگر غلام آزاد کرنا ممکن نہ ہو تو دو ماہ بلا فاصلہ روزے رکھیں گے۔ اگر ایک ماہ مکمل نہیں کیا، درمیان میں ایک دو دن روزے نہ رکھے تو پھر سرے سے روزے رکھنا ہوں گے۔ البتہ اگر ایک ماہ مکمل کر کے دوسرے مہینے کے چند دن روزے رکھ لیے تو سرے سے دوبارہ رکھنا ضروری نہیں ہیں۔ اگر روزے رکھنا بھی ممکن نہ ہوئے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے۔

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھنے کے لیے حدود اللہ کی پابندی احکام پر عمل کرنا ہوگا۔ اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ عمل ہی ایمان ہے۔

۶۔ انسان سے روزانہ کچھ نہ کچھ کوتاہی اور گناہ سرزد ہوتے ہیں، پھر وہ بھول جاتا ہے۔ اکثر کو تو گناہ کا احساس تک نہیں ہوتا۔ لیکن یہ سب اللہ کے ہاں ثبت اور محفوظ ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن گناہوں کی ایک لمبی فہرست سامنے آئے گی۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

۷۔ منافقین مسلمانوں کے خلاف خفیہ منصوبے بناتے اور ان میں پھوٹ ڈالنے کے لیے طرح طرح کی افواہیں پھیلاتے تھے۔ ان کی خفیہ سرگوشیوں کو اس آیت کے ذریعہ فاش کیا گیا۔

اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ يَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ

مگر یہ کہ ان کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی مگر یہ کہ ان کا چھٹا اللہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ جہاں کہیں ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، پھر قیامت کے دن وہ انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، اللہ یقینا ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔☆ ⑧ کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا؟ جس کام سے انہیں منع کیا گیا تھا وہ پھر اس کا اعادہ کر رہے ہیں اور آپس میں گناہ اور ظلم اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ آپ کو اس طریقے سے سلام کرتے ہیں جس طریقے سے اللہ نے آپ پر سلام نہیں کیا ہے اور اپنے آپ سے کہتے ہیں: اللہ ہماری باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لیے جہنم کافی ہے جس میں وہ جھلسائے جائیں گے، جو بدترین انجام ہے۔☆ ⑨ اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں نہ کیا کرو بلکہ نیکی

٨۔ یہود اور منافقین آپس میں سرگوشی کرتے تھے اور مؤمنین کو دیکھ کر آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے۔ مؤمنین اس خیال سے فکرمند ہوتے تھے کہ جو لوگ کسی جنگی مہم پر گئے ہوئے ہیں، شاید ان کو کسی جانی نقصان یا شکست وغیرہ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس بات کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت ہوئی، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منع کرنے کے باوجود وہ لوگ باز نہ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (مجمع البیان) یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر السام علیک یا ابا القاسم کہا کرتے تھے۔ یعنی اے ابو القاسم تجھے موت آئے (نعوذ باللہ)۔ ان توہین آمیز الفاظ پر ان پر فوری عذاب نازل نہ ہوا۔ وہ اس بات کو دلیل قرار دیتے تھے کہ آنحضور ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔ اللہ مجرموں کو جو مہلت دیتا ہے، اس سے وہ یہی خیال کرتے ہیں۔

٩۔ ایسے لوگوں سے خطاب ہے جن پر "ایمان والے" کا لفظ صادق آ سکتا ہے کہ وہ اثم و عدوان اور معصیت رسول ﷺ کے موضوع پر سرگوشی نہ کریں۔ تمہاری سرگوشی کا موضوع نیکی اور تقویٰ ہونا چاہیے۔ ہر قسم کی سرگوشی کے لیے حکم یہ ہے: اذا کنتم ثلاثۃ فلا یتناجی اثنان دون صاحبھما فان ذلک یحزنہ (صحیح مسلم باب تحریم مناجاۃ الکافی ٢: ٦٦٠) اگر تین افراد ایک جگہ ہوں تو

الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۱۱ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ

اور تقویٰ کی سرگوشیاں کیا کرو اور اس اللہ سے ڈرو جس کے حضور تم جمع کیے جاؤ گے۔☆ ⑩ (منافقانہ) سرگوشیاں تو بلاشبہ صرف شیطان ہی کی طرف سے ہوتی ہیں تاکہ مومنین کو رنجیدہ خاطر کرے حالانکہ وہ اذن خدا کے بغیر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور مومنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔☆ ⑪ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی پیدا کر دیا کرو، اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب تم سے کہا جائے: اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو، تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے اور وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو اللہ بلند فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔☆ ⑫ اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو، یہ بات تمہارے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے، ہاں اگر صدقہ دینے

تیسرے ساتھی کو چھوڑ کر دو آدمی سرگوشی نہ کریں، اس سے اس کو دکھ ہوگا۔

۱۰۔ خفیہ سرگوشی ایک پوشیدہ خطرہ ہے اور یہ نظر آنے والی لشکرکشی سے زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ لشکر کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، لیکن خفیہ سرگوشیوں کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

۱۱۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ آداب مجلس سے واقف نہ تھے اور مجلس رسولؐ میں نئے آنے والوں کو جگہ نہیں دیتے تھے۔ اس طرح مجلس رسول ﷺ میں نہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو آداب محفل کا خیال ہوتا تھا کہ بعد میں آنے والوں کو جگہ دیں اور نہ بعد میں آنے والوں میں شائستگی تھی۔ چنانچہ وہ لوگوں کو روندتے ہوئے محفل میں گھس جاتے تھے۔ اس پر آداب محفل پر مشتمل یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر گنجائش ہے تو آنے والوں کے لیے کشادگی پیدا کرو، وگرنہ اٹھ جایا کرو اور محفلوں میں حفظ مراتب کا خیال رکھا کرو۔ چنانچہ ایمان اور علم میں امتیاز رکھنے والوں کو اللہ نے درجہ دیا ہے۔ دوسری تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ ایمان اور علم والوں کو درجہ دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھنے سے درجات نہیں ملتے۔ اس آیت سے علم اور صحبت میں امتیاز واضح ہو جاتا ہے، درجہ علم سے بلند ہوتا ہے، صرف ہم نشینی سے نہیں۔

۱۲۔ بقول قتادہ کچھ لوگ (شاید امیر لوگ) بلاوجہ اور

وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لَا مِنْهُمْ ۙ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ

کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اللہ یقینا بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔☆ ﴿۱۳﴾ کیا تم اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے ہو؟ اب جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔☆ ﴿۱۴﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ غضبناک ہوا ہے؟ یہ لوگ نہ تمہارے ہیں اور نہ ان کے اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسم کھاتے ہیں۔☆ ﴿۱۵﴾ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، وہ جو کچھ کر رہے ہیں یقینا وہ برا ہے۔ ﴿۱۶﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر وہ راہ خدا سے روکتے ہیں، پس ان کے لیے ذلت آمیز عذاب ہے۔☆ ﴿۱۷﴾ یقینا اللہ (کے عذاب)

---

صرف اپنی بڑائی دکھانے کے لیے حضور ﷺ سے خلوت میں بات کرنا چاہتے تھے۔ اس آیت کے ذریعے پابندی عائد کر دی گئی کہ جو آپ سے خلوت میں بات کرنا چاہتا ہے، وہ پہلے صدقہ دے۔ اس پر یہ ریاکارانہ سلسلہ بند ہو گیا۔ صرف حضرت علی ؑ نے صدقہ دے کر حضور ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ بعد کی آیت کے ذریعے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: علی (ؑ) کے تین ایسے فضائل ہیں ان میں سے ایک بھی فضیلت مجھے حاصل ہوتی تو بڑی دولت سے میرے لیے بہتر تھی۔ حضرت فاطمہ ؑ کے ساتھ تزویج۔ خیبر کے دن علَم دیا جانا اور آیہ نجویٰ۔ (الکشاف ۴: ۴۹۴)

۱۳۔ یہ امر استحبابی نہ تھا۔ سیاق کلام سے مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ اس امر پر عمل نہ کرنے کی سرزنش ہو رہی ہے۔ "کیا تم ڈر گئے" اور "اللہ نے معاف کر دیا" قرینہ ہے کہ اس حکم پر عمل نہ کرنا ایک قابل سرزنش کوتاہی تھی۔

حضرت علی ؑ سے روایت ہے: قرآن میں ایک آیت ہے جس پر میرے سوا نہ کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی کر سکے گا۔ (وہ یہی آیہ نجویٰ ہے۔)

۱۴۔ مدینے کے یہودیوں کی طرف اشارہ ہے، جن کے ساتھ منافقین کے دوستانہ تعلقات تھے۔

۱۶۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں سے دو کام لینے کی کوشش کی: پہلا یہ کہ ان قسموں کو ڈھال بنا کر اور اپنے آپ کو ایمان کے تحفظ میں رکھ کر غیر مسلم ہونے کے خطرات سے بچا لیں۔ دوسرا یہ کہ ان کے

اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا
فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ
هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٨﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ
الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ
الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي
الْاَذَلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ
رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ
قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

سے نہ ان کے اموال انہیں بچائیں گے اور نہ ان کی اولاد، یہ جہنم والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۱۸) جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اسی طرح اللہ کے سامنے قسمیں اٹھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں اٹھاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کسی موقف پر ہیں آگاہ رہو! یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔☆ (۱۹) شیطان نے ان پر قابو پا لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے، یہ گروہ شیطان ہیں، آگاہ رہو! شیطان کا گروہ ہی یقیناً خسارے میں ہے۔ (۲۰) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں وہ یقیناً ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔☆ (۲۱) اللہ نے لکھ دیا ہے: میں اور میرے رسول ہی غالب آ کر رہیں گے، یقیناً اللہ ہی بڑی طاقت والا، غالب آنے والا ہے۔☆ (۲۲) آپ کبھی ایسے افراد نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے (بھی) ہوں لیکن اللہ اور اس

منفی کردار کو دیکھ کر لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں۔

۱۸۔ دنیا میں لوگوں کا جو مزاج ہے، قیامت کے دن اسی مزاج کے ساتھ محشور ہوں گے۔ چنانچہ یہ لوگ دنیا میں مسلمانوں کو باور کرانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ قیامت کے دن اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے۔ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ان کی دنیوی عادت گئی نہیں۔ وہ اب بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کسی دلیل اور مضبوط موقف پر قائم ہیں۔

۲۰۔ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں جو لوگ آئیں گے، تو یہ بات واضح ہے کہ عزت اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مؤمنین کے لیے ہے، تو ان کے مقابلے میں آنے والے ذلیل ہی ہوں گے۔

۲۱۔ كَتَبَ۔ لکھ دیا ہے۔ یہ لفظ ایک اٹل اور حتمی فیصلے کے لیے استعمال ہوا کرتا ہے۔ یہ حق کا غلبہ ہے، باطل پر دلیل و منطق کا غلبہ بھی ہے اور مادی طور پر بھی غلبہ ہوگا۔ باطل کی وقتی اچھل کود دیکھ کر یہ سوال ذہنوں میں آتا ہے کہ اس وقت روئے زمین میں اللہ اور اللہ کے رسول کا کون سا غلبہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ تاریخ انبیاء پر ایک نظر ڈالیں، ابراہیم علیہ السلام و نمرود، موسیٰ و فرعون، محمد ﷺ و ابوجہل میں سے کس کو غلبہ حاصل ہے۔ منطق و دلیل کے اعتبار سے اسلام کا دائرہ سمٹ رہا ہے یا بڑھ رہا ہے؟ مادی غلبے کے اعتبار سے ماضی و مستقبل کے سب حالات کو سامنے رکھا جائے تو ماضی میں اسلام کو غلبہ تھا اور تمام ادیان کی پیشگوئی کے مطابق مستقبل میں بھی اللہ و رسول ﷺ کا ہی غلبہ ہوگا۔

يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

کے رسول کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے اور اس نے اپنی طرف سے ایک روح سے ان کی تائید کی ہے اور وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں، یہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں، آگاہ رہو! اللہ کی جماعت والے ہی یقینا کامیاب ہونے والے ہیں۔☆

## ۵۹ سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۱
آیاتها ۲۴ — رکوعاتها ۳

سورہ حشر۔ مدنی۔ آیات ۲۴۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ

① آسمانوں اور زمین میں موجود ہر شے نے اللہ کی تسبیح کی ہے اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ ② وہ وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافر ہونے والوں کو

۲۲۔ ایمان باللہ کا ایک لازمہ یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے محبت نہیں رکھ سکتے۔ یعنی ایک دل میں دو متضاد محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ آیت یا تو ان لوگوں کے حق میں ہے جنہوں نے اپنے ان عزیزوں سے محبت نہیں رکھی جو کفر پر تھے یا ان لوگوں کی سرزنش میں ہے جنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ دونوں قسم کے واقعات ملتے ہیں۔

سورہ حشر

اس سورے کے اکثر مطالب غزوہ بنی نضیر کے بارے میں ہیں۔ یہ غزوہ، جنگ احد کے بعد غالباً سنہ ۴ ہجری میں رونما ہوا تھا۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ بنی نضیر کے یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا، لیکن یہودیوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اور وہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی گھناؤنی سازشوں میں ہمہ وقت مصروف رہے۔ یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ ایک بار کسی قتل کے خونبہا کے سلسلے میں یہودیوں کے ہاں تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے آپ ﷺ کو ایک جگہ بٹھا کر اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا کر شہید کرنے کی سازش تیار کی، مگر اللہ تعالیٰ نے بر وقت آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو دس دن کے اندر مدینہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ مگر جب انہوں نے یہ حکم نہ مانا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا۔ چند دنوں میں وہ اس شرط پر مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے کہ اسلحہ کے سوا سارا مال و متاع ہمراہ لے جائیں۔ چنانچہ مدینے کی سرزمین ان

| | |
|---|---|
| دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ | پہلی ہی بیدخلی مہم میں ان کے گھروں سے نکال دیا، تمہارا |
| يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ | گمان نہیں تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے |
| مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ | کہ ان کے قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچا لیں گے مگر |
| يَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ | اللہ (کا عذاب) ان پر ایسی جانب سے آیا جہاں سے وہ |
| يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ | سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور ان کے دلوں میں رعب ڈال |
| اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي | دیا، وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنین کے ہاتھوں |
| الْاَبْصَارِ ۝۲ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ | سے اجاڑ رہے تھے، پس اے بصیرت رکھنے والو! عبرت |
| عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَ | حاصل کرو۔☆ ۝۲ اور اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی لکھ نہ دی |
| لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ | ہوتی تو انہیں دنیا میں ضرور عذاب دیتا اور آخرت میں تو ان |
| بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ | کے لیے ہے ہی جہنم کا عذاب۔ ۝۳ یہ اس لیے ہے کہ |
| يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ | انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کی اور جو اللہ سے |
| مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً | دشمنی کرے تو اللہ یقیناً سخت عذاب دینے والا ہے۔ ۝۴ تم |
| عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ | لوگوں نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا انہیں اپنی جڑوں پر قائم رہنے دیا یہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس |

یہودیوں سے پاک ہوگئی۔

۲۔ مَا ظَنَنْتُمْ، وَظَنُّوْٓا یعنی مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ یہود اپنے مضبوط قلعوں سے نہیں نکلیں گے، چونکہ قلعہ کا فتح کرنا بہت مشکل ہے اور خود یہودیوں کو بھی اپنے قلعوں پر ناز تھا کہ ہمارے قلعہ کو کون فتح کر سکتا ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا، اس قلعے پر ایسی جانب سے حملہ ہوا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ جاتے ہوئے اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے خراب کر رہے تھے۔

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ: یعنی یہ جزیرۃ العرب سے یہودیوں کا پہلا اخراج ہے۔ اگر الحشر کے معنی ایک مجتمع افراد کو نکال دینا کے ہیں تو لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے: "پہلے ہی لشکر سازی۔"

۵۔ دوران محاصرہ آبادی کے اطراف میں موجود ان درختوں کو کاٹ دیا گیا جو محاصرے کی راہ میں حائل تھے اور جو حائل نہ تھے ان کو رہنے دیا گیا۔ یہ بات بظاہر اسلامی جنگی پالیسی کے خلاف تھی، اس لیے اس وقت کے منافقین اور یہودیوں نے شور مچایا کہ محمد ﷺ فساد فی الارض کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ جواب میں فرمایا کہ یہ خدا کے حکم سے تھا۔ اسلام جنگوں میں فصلوں اور نسلوں کو تباہ کرنے کا اس وقت مخالف ہے، جب صرف انتقام جوئی کی خاطر ایسا ہو، لیکن جنگی حکمت عملی میں ایسا کرنا جائز ہے۔

۶۔ گھوڑے اور اونٹ دوڑانے سے مراد جنگ ہے۔ یعنی جو مال بغیر جنگ کے ہاتھ آئے اسے فئی کہتے ہیں۔ اس کا حکم جنگی غنیمت سے مختلف ہے۔

۷۔ اس آیت میں مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ سے مراد مال غنیمت ہے جبکہ آیت ۶ میں صرف مال فئی مراد ہے۔ ان بستیوں سے مراد بنی قریظہ، بنی نضیر، فدک، خیبر،

الْفٰسِقِيْنَ ۝٥ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا
رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ
يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٦ مَآ
اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى
فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا
يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ
اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ
عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٧ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ
الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ

وقف لازم

لیے بھی تا کہ فاسقین کو رسوا کیا جائے۔☆ ⑥ اور ان کے جس مال (غنیمت) کو اللہ نے اپنے رسول کی آمدنی قرار دیا ہے (اس میں تمہارا کوئی حق نہیں) کیونکہ اس کے لیے نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔☆ ⑦ اللہ نے ان بستی والوں کے مال سے جو کچھ بھی اپنے رسول کی آمدنی قرار دیا ہے وہ اللہ اور رسول اور قریب ترین رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ وہ مال تمہارے دولت مندوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ کا خوف کرو، اللہ یقینا شدید عذاب دینے والا ہے۔☆ ⑧ (یہ مال فیٔ) ان غریب مہاجرین کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور اموال سے بے دخل کر دیے گئے جو اللہ کے

---

عرینہ اور ینبع کے علاقے ہیں۔ پہلا حصہ اللہ اور رسول ﷺ کا ہے۔ اس حصے کو رسول ﷺ اپنے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے تھے اور جو بچ جاتا اسے راہ خدا میں خرچ کرتے تھے۔ دوسرا حصہ رسول اللہ ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کا ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے: یتیموں، مسکینوں اور مسافروں سے مراد ہم اہل بیت علیہم السلام کے یتیم، مسکین اور مسافر ہیں۔ اللہ کے بعد رسول ﷺ کا حصہ اور ذوالقربیٰ کا حصہ آل رسول علیہم السلام کا حق ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر اللہ کے رسول ﷺ نے فدک حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ملکیت میں دے دیا تھا۔ مال غنیمت لڑنے والوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ جو مال بغیر لڑائی کے ہاتھ آئے اس میں درج بالا تقسیم ضروری ہے، وگرنہ اقتدار وغیرہ کے اثر ورسوخ کی وجہ سے یہ مال چند غیر محتاج لوگوں کے ہاتھوں چلا جائے گا۔ چنانچہ چشم تاریخ نے دیکھ لیا کہ عصر رسول ﷺ کے بعد بااثر لوگوں کے ترکے میں ملنے والے سونے کو کلہاڑیوں سے تقسیم کیا گیا۔ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ خاص کر اس جگہ پر رسول ﷺ کے فرامین کی تعمیل پر تاکید سے عندیہ ملتا ہے کہ اس جگہ خلاف ورزی کا زیادہ امکان ہے۔ چنانچہ اس حکم کے لفظ میں عمومیت ہے اور رسول ﷺ کے ہر حکم کو شامل کرتا ہے۔ تاہم اصل محل کلام فیٔ کا مال ہے۔ یہ مال چونکہ رسول کریم ﷺ کی ملکیت ہے، لہٰذا رسول ﷺ جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس مال سے روک دیں، اس سے رک جاؤ۔ لہٰذا یہ بات نہایت ہی واضح ہے کہ رسول ﷺ نے اپنی زندگی میں اس مال کے بارے میں جو بھی فیصلہ کیا ہے،

يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۧ﴿۱۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ

فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار رہیں نیز اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔☆ ﴿۹﴾ اور جو پہلے سے اس گھر (دار الہجرت یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان پر قائم تھے، وہ اس سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آیا ہے اور جو کچھ ان (مہاجرین) کو دے دیا گیا اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی خلش نہیں پاتے اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود محتاج ہوں اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے گئے ہیں پس وہی کامیاب لوگ ہیں۔☆ ﴿۱۰﴾ اور جو ان کے بعد آئے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے کوئی عداوت نہ رکھ، ہمارے رب! تو یقینا بڑا مہربان، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿۱۱﴾ کیا آپ نے ان منافقین کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل

اس آیت کی روشنی میں اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

۸۔ یعنی فیئ میں سے مہاجرین کو بھی دیا جائے گا۔ بعض کے نزدیک اَلْمُهٰجِرِيْنَ کا ربط ذی القربیٰ اور اس کے بعد سے ہے۔ اللہ کا نام صرف تبرکاً مذکور ہے۔ اس صورت میں اس کے دو حصے بن جاتے ہیں: ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا دوسرا حصہ مہاجرین کا۔ بعض کے نزدیک اَلْمُهٰجِرِيْنَ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں سے مربوط ہے۔ اس صورت میں اس کے تین حصے ہوں گے: ایک رسول اللہ ﷺ کا دوسرا ذوی القربیٰ کا تیسرا مہاجرین کا ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا اس مسئلے میں مؤقف یہ ہے کہ اَلْمُهٰجِرِيْنَ کا تعلق سبیل اللہ سے ہے۔ یعنی جو حصہ سبیل اللہ کا ہے، اس کے مصرف کا ذکر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی اس پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے اس فیئ کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا: سبیل اللہ کا حصہ، اپنا حصہ، ذوی القربیٰ کا حصہ اور مہاجرین کو سبیل اللہ سے دیا اور انصار کو نہیں دیا، سوائے تین افراد کے جن کو سبیل اللہ سے دیا، ورنہ آیت میں انصار کا حصہ نہیں ہے۔

۹۔ اس آیت میں انصار کا ذکر ہے جو مہاجرین کے آنے سے پہلے ایمان پر قائم تھے اور اس مال سے مہاجرین کو حصہ دینے اور انصار کو محروم رکھنے کی وجہ سے دل میں کوئی خلش نہیں رکھتے ہیں۔ وَلَا يَجِدُوْنَ اور يُؤْثِرُوْنَ قرینہ ہے کہ انصار کو اس مال میں سے کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔ اس آیت میں الَّذِيْنَ ۔۔۔ مبتدا اور يُحِبُّوْنَ خبر ہے۔

۱۰۔ وَ الَّذِيْنَ مبتدا اور يَقُوْلُوْنَ خبر ہے۔ ایک مستقل جملہ۔ یہ آیت اور سابقہ آیت دونوں اَلْمُهٰجِرِيْنَ پر عطف نہیں ہیں، جیسا کہ اکثر نے کہا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ ۚ

کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں: اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تمہارے خلاف جنگ کی جائے تو ہم ضرور بالضرور تمہاری مدد کریں گے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ قطعاً جھوٹے ہیں۔☆ ﴿۱۲﴾ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر یہ ان کی مدد کے لیے آ بھی جائیں تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔☆ ﴿۱۳﴾ ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ تمہاری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے، یہ اس لیے کہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔☆ ﴿۱۴﴾ یہ سب مل کر تم سے نہیں لڑیں گے مگر قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں سے، ان کی آپس کی لڑائی بھی شدید ہے، آپ انہیں متحد سمجھتے ہیں لیکن ان کے دل منتشر ہیں، یہ

ہے۔ میں نے بھی سابقہ ترجموں میں یہی اختیار کیا تھا۔ سعودی عرب میں چھپنے والے قرآن کے حاشیے پر درج ہے: امام مالک نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: رافضی کو، جو صحابہ کرام پر سب وشتم کرتے ہیں، مال فیٔ میں سے حصہ نہیں ملے گا۔۔۔ جواب یہ ہے کہ سب وشتم کسی مذہب کا حصہ نہیں ہو سکتا۔ اہل بیت ﷺ کے ماننے والے مہاجرین و انصار کو سابقین فی الایمان سمجھتے ہیں۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ البتہ یہ بحث ضرور ہے کہ بعض افراد کو قرآن نے اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ کہکر فاسق کہا ہے تو ان کو وہی نام دیا جاتا ہے جو آپ کو سب لگتا ہے۔ البتہ یہاں ان لوگوں کا مسئلہ واضح ہے جو اہل ایمان سے عداوت رکھتے ہیں اور اپنے علاوہ سب اہل ایمان کو مشرک کہتے ہیں: وہ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (حشر: ۱۰) "اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی عداوت نہ رکھ" کی زد میں آتے ہیں۔

۱۱۔ منافقین کی سازشوں اور وعدوں کا ذکر ہے جو انہوں نے یہودیوں کے ساتھ کیے اور کہا: جنگ کی صورت میں تمہارے ساتھ ہم بھی مسلمانوں کے ساتھ لڑیں گے اور جلاوطنی کی صورت میں ہم بھی تمہارے ساتھ جلاوطنی اختیار کریں گے۔

۱۲۔ یہی قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ اس پیشگوئی کے عین مطابق مدینہ کے منافقین نے جو ایک بڑی تعداد میں تھے، یہودیوں کا ساتھ نہیں دیا۔ یہودی محاصرے میں رہے۔ منافقین نے ان کی کوئی کمک نہ کی۔ یہودی جلاوطن ہوئے، منافقین نے جلاوطنی بھی اختیار نہیں کی۔

۱۳۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت زیادہ بیٹھی ہوئی ہے۔ ان کو اصولاً اللہ کا خوف کر کے مسلمانوں

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا
وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۚ ﴿۱۵﴾
كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ
فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ
اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ
عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ
وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا
قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ
اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ

اس لیے ہے کہ وہ عقل سے کام لینے والے نہیں ہیں۔☆
(۱۵) ان لوگوں کی طرح جنہوں نے ان سے کچھ ہی مدت پہلے اپنے عمل کا وبال چکھ لیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔☆ (۱۶) شیطان کی طرح جب اس نے انسان سے کہا: کافر ہو جا! پھر جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا: میں تجھ سے بیزار ہوں، میں تو عالمین کے رب اللہ سے ڈرتا ہوں۔☆
(۱۷) پھر ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں جہنمی ہو گئے جس میں (وہ) ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔
(۱۸) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (روز قیامت) کے لیے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ یقینا اس سے خوب با خبر ہے۔☆ (۱۹) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں خود فراموشی میں مبتلا کر دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔☆ (۲۰) اہل جہنم اور اہل جنت برابر نہیں

سے لڑنا نہیں چاہیے تھا۔ یہ ان کی ناسمجھی ہے جس سے ہمیشہ کی زندگی مربوط ہے۔ پس اس سے نہیں ڈرتے اور صرف دنیا کی چندروزہ زندگی سے مربوط باتوں سے خوف کھاتے ہیں۔

۱۴۔ بعد میں یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی، منافقین اور یہودیوں نے مل کر مسلمانوں سے لڑائی نہیں کی، یہودی صرف قلعہ بند ہو کر رہ گئے۔

۱۵۔ بنی نضیر سے پہلے ایک اور یہودی قبیلہ بنی قینقاع نے پسپائی اختیار کی تھی۔ ممکن ہے یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہو۔

۱۶۔ منافقین اور اہل کتاب کی مثال شیطان کی طرح رہی ہے جو کفر کرنے پر اکساتا ہے اور کفر اختیار کرنے کے بعد اس سے بیزار ہو جاتا ہے۔ منافقین نے بھی ایسے ہی کیا۔ مسلمانوں کے ساتھ مقابلے پر اکسایا اور بعد میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔

۱۸۔ اپنے اعمال کا محاسبہ تقویٰ کے بعد کا مرحلہ ہے، جس میں متقین کو قیامت کے لیے ہمیشہ مستعد اور بیدار رہنے کا حکم ہے کہ اپنے اعمال کا معائنہ کریں کہ قیامت کے دن تو ہر صورت معائنہ کرنا ہے۔ متقی کو چاہیے کہ وہ آج ہی اپنے اعمال کا معائنہ کرے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنے اعمال کے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو۔

۱۹۔ جو لوگ اللہ کو بھول جاتے ہیں ان کے دل اور ان کا وجدان مردہ ہو جاتا ہے اور مردہ دل اپنا نفع ونقصان سمجھنے سے بھی قاصر ہوتا ہے۔ لہٰذا خدا فراموشی کا نتیجہ خود فراموشی نکلتا ہے۔

الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا
الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا
مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ
الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ
الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ
الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ
الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع

ہو سکتے ، اہل جنت ہی کامیاب ہیں۔☆ ﴿۲۱﴾ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے اللہ کے خوف سے جھک کر پاش پاش ہوتا ضرور دیکھتے اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ فکر کریں۔☆ ﴿۲۲﴾ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غیب و شہود کا جاننے والا ہے، وہی رحمٰن رحیم ہے۔ ﴿۲۳﴾ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی بادشاہ ہے، نہایت پاکیزہ، سلامتی دینے والا، امان دینے والا، نگہبان، بڑا غالب آنے والا، بڑی طاقت والا، کبریائی کا مالک، پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔☆ ﴿۲۴﴾ وہی اللہ ہی خالق، موجد اور صورتگر ہے جس کے لیے حسین ترین نام ہیں، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

۲۰۔ اس آیت کا مطلب بظاہر واضح معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ آیہ ایک حقیقت سے پردہ اٹھا رہی ہے کہ دنیا والے اپنے مادی پیمانے کے مطابق مؤمن اور فاسق کو ایک جیسا سمجھتے ہیں، بلکہ احیاناً فاسقین، مؤمنین پر اپنی برتری جتاتے ہیں، حالانکہ وہ فی الواقع مذلت و خواری کی ایک کھائی کی طرف جا رہے ہوتے ہیں اور اہل تقویٰ اپنے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے ہمیشہ کی کامیابی کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔

۲۱۔ پہاڑوں کو اگر اس قرآن کے نازل کرنے والی ذات کی عظمت و کبریائی کا ادراک ہوتا تو وہ احکام قرآن کے تحمل سے عاجز آ جاتے اور خوف خدا سے پاش پاش ہو جاتے، مگر یہ انسان ہے جو عظمت خالق اور خوف قیامت سے غافل ہے۔

۲۳۔ اَلْمَلِكُ: یہ قرآن اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے جس کے قبضہ قدرت میں سارے جہاں کی بادشاہی ہے۔ الْقُدُّوْسُ: جو تمام نقائص سے پاک ہے۔ السَّلٰمُ: جس کی ذات اپنی مخلوقات کو سلامتی دینے والی ہے۔ وہ نہ ان پر ظلم کرے گا، نہ وعدہ خلافی اور نہ ان کا اجر و ثواب ضائع کرے گا۔ الْمُؤْمِنُ: امن دینے والا، یعنی ایمان والوں کو اللہ کے قرب میں ہی امن و سکون ملتا ہے۔ الْمُهَيْمِنُ جس کو ہر چیز پر بالادستی حاصل ہے۔ الْعَزِيْزُ: جو ہر چیز پر غالب آنے والا ہے۔ الْجَبَّارُ اپنا حکم نافذ کرنے والا۔ الْمُتَكَبِّرُ اپنی کبریائی اور عظمت کا اظہار کرنے والا ہے۔

اٰياتها ١٣ — ٦٠ سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ٩١ — ركوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١﴾ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ

سورۃ ممتحنہ۔ مدنی۔ آیات ۱۳

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو حامی نہ بناؤ، تم ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کا وہ انکار کرتے ہیں اور وہ رسول کو اور تمہیں اس جرم میں جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو، (ایسا نہ کرو) اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نکلے ہو، تم چھپ چھپا کر ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو؟ حالانکہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو ان سب کو میں بہتر جانتا ہوں تم میں سے جو بھی ایسا کرے وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔☆ (۲) اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کریں اور خواہش کرنے لگیں کہ تم بھی کفر اختیار کرو۔

---

**سورہ ممتحنہ**

۱۔ یہ آیات حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئیں، جس نے مشرکین مکہ کو ایک خفیہ خط لکھا جس میں ان کو رسول اللہ ﷺ کے اس عزم سے آگاہ کیا کہ آپ ﷺ مکہ پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خط ایک عورت کے ہمراہ بھیجا تھا۔ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام اور زبیر کو اس کے پیچھے روانہ کیا۔ چنانچہ وہ خط پکڑا گیا۔ جب حاطب سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ تو اس نے کہا: میرے قریبی عزیز مکہ میں ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ قریش پر ایک احسان کروں، جس کی وجہ سے میرے اقرباء محفوظ رہیں۔ حاطب مہاجرین اور اہل بدر میں سے تھا۔ اس کے باوجود اس سے یہ حرکت سرزد ہوئی اور قرآن نے اس کو گمراہ قرار دیا۔

امامیہ کا مؤقف یہی ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا مؤمن رہتا ہے۔ قرآن نے بھی اس عمل کے ارتکاب کرنے والے کو کافر یا مرتد نہیں کہا بلکہ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ گمراہ کہا ہے، یعنی یہ عمل راہ راست سے ہٹ کر انجام دیا ہے۔

تعجب کا مقام ہے کہ کچھ حضرات آیت سے تقیہ جائز نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ (دریابادی) حالانکہ یہ مسئلہ نہایت واضح ہے کہ یہ تقیہ کا مقام نہیں ہے۔ تقیہ میں خطرے سے بچنے کے لیے اصل راز

تَكْفُرُوْنَ ۝٢ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٣ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝٤ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا

(٣) تمہاری قرابتیں اور تمہاری اولاد تمہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں دیں گی، قیامت کے دن اللہ تمہارے درمیان (ان رشتوں کو توڑ کر) جدائی ڈال دے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔☆ (٤) تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جب ان سب نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور اللہ کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو ان سب سے بیزار ہیں، ہم نے تمہارے نظریات کا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہوگی جب تک کہ تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ، البتہ ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) سے کہا تھا: میں آپ کے لیے مغفرت ضرور چاہوں گا اور مجھے آپ کے لیے اللہ سے کوئی اختیار نہیں ہے، (ان کی دعا یہ تھی) ہمارے رب! ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور ہم تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔☆ (٥) ہمارے رب! تو ہمیں کفار کی آزمائش میں نہ ڈال اور

---

چھپایا جاتا ہے: يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ۔ یہاں لشکر اسلام کو خطرے میں جھونکنے کے لیے راز فاش کیا جا رہا ہے۔ اگر یہی حاطب اپنے ایمان کو چھپا کر اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان بچا لیتا تو یہ تقیہ تھا۔ لیکن وہ ایک اہم راز دشمن تک پہنچا کر بہت سی جانوں کو خطرے میں ڈال رہا تھا۔ جسے وحی کے ذریعے بچا لیا گیا۔

٣۔ قصۂ حاطب کی طرف اشارہ ہے کہ جن رشتہ داروں کی خاطر تم نے یہ قدم اٹھایا ہے، وہ قیامت کے دن تمہارے کسی کام نہ آئیں گے۔ وہاں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے۔

٤۔ اپنی مشرک قوم سے تعلق توڑنے کے لیے تمہارے پاس ابراہیم میں اچھا نمونہ موجود ہے۔ البتہ انہوں نے اپنے مشرک باپ (چچا) کے لیے دعائے مغفرت کی ہے جو ان کے ساتھ مخصوص وعدہ کی وجہ سے کی تھی۔ جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے بیزاری اختیار کی تھی۔

اہل تحقیق کے مطابق مشرک کے لیے استغفار جائز ہے۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ بات واضح ہونے سے مراد موت ہے جب مشرک اپنے شرک پر مر جاتا ہے اس کے بعد استغفار جائز نہیں۔ لہٰذا اس آیت کا مطلب اس طرح بنتا ہے: ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں تمہارے لیے نمونہ ہے کہ وہ اپنی مشرک قوم سے بیزاری اختیار کرتے تھے۔

٥۔ یعنی ہمیں کفار کی آزمائش کا ذریعہ نہ بنا کہ ہماری

رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٥﴾
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ
كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ
يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦﴾ ع
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ
الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ
قَدِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧﴾ لَا
يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي
الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ
تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٨﴾ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ
عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ
اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى

ہمیں بخش دے ہمارے رب! یقینا تو ہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿٦﴾ بتحقیق انہی لوگوں میں تمہارے لیے ایک اچھانمونہ ہے ان کے لیے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتے ہیں اور جو کوئی روگردانی کرے تو اللہ یقینا بے نیاز، قابل ستائش ہے۔ ﴿٧﴾ ممکن ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تم دشمنی کر رہے ہو محبت پیدا کر دے اور اللہ بہت قدرت والا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ﴿٨﴾ جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اللہ تمہیں ان کے ساتھ احسان کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا، اللہ یقینا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔☆ ﴿٩﴾ اللہ تو یقینا تمہیں ایسے لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہاری جلاوطنی پر ایک دوسرے کی مدد کی ہے اور جو

کمزوری کو دیکھ کر کفار اسلام کی حقانیت پر شک کریں۔ واضح رہے کہ دین کی حقانیت پر قائم ہونے والی دلیل و حجت کے پوری ہونے اور نہ ہونے کے ساتھ آزمائش بھی قوی اور کمزور ہو جاتی ہے۔ یعنی حجت پوری ہونے سے آزمائش قوی اور حجت پوری نہ ہونے سے آزمائش کمزور ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب حجت اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو آزمائش بھی اپنی آخری منزل پر پہنچ جاتی ہے۔ پھر آزمائش ختم اور عذاب کی نوبت آتی ہے۔

چنانچہ گزشتہ امتوں پر جب حجت انتہا کو پہنچی تو عذاب نازل ہوا۔ جیسا کہ ناقۂ صالحؑ کے معجزے کے بعد قوم ثمود اور قوم عاد کی ہلاکت ہے۔ چنانچہ ہم نے پہلے بھی اس بات کا ذکر کیا ہے کہ لوگوں کی طرف سے معجزوں کا مطالبہ قبول نہ کرنا ایک رحمت ہے۔ کیونکہ تجویز شدہ اور مطلوبہ معجزہ دکھانے کے بعد پھر مہلت نہیں ملتی، جیسا کہ ناقۂ صالح کے معجزہ کے بعد قوم صالح کو مہلت نہیں ملی۔ اس آیت میں یہ دعا ہے: ہمارے رب ہمیں کفار کی

آزمائش میں اضافہ کا سبب نہ بنا، بلکہ ان پر حجت میں اضافے کا سبب بنا۔ چنانچہ آج کے مسلمان کفار کی آزمائش اور ان کو مہلت ملنے کا سبب بن رہے ہیں۔

۷۔ جب تمہارے آج کے دشمن رشتہ دار مسلمان ہو جائیں گے تو یہ دشمنی محبت میں بدل جائے گی۔

۸۔ کافروں سے دوستی کرنا اس صورت میں ممنوع ہے جب مسلمان ان کے ساتھ حالت جنگ میں ہوں۔ اگر یہ کافر ذمی ہوں یا ان کے ساتھ معاہدہ ہو، یعنی

إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ
فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٩﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا إِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ
فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۖ اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيْمَانِهِنَّ ۚ
فَإِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ
إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ
يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۖ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ أَنْفَقُوْا ۖ وَ
لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ إِذَآ
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ ۖ وَلَا تُمْسِكُوْا
بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ أَنْفَقْتُمْ
وَلْيَسْئَلُوْا مَآ أَنْفَقُوْا ۖ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۖ
يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ وَ
إِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ

ان لوگوں سے دوستی کرے گا پس وہی لوگ ظالم ہیں۔ (١٠) اے ایمان والو! جب ہجرت کرنے والی مومنہ عورتیں تمہارے پاس آ جائیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے پھر اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ایماندار ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ بھیجو، نہ وہ ان (کفار) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کفار) ان کے لیے حلال ہیں اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے وہ ان (کافر شوہروں) کو ادا کر دو اور جب تم ان عورتوں کے مہر انہیں ادا کر دو تو ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں روکے نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے مانگ لو اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے وہ (کفار) بھی (تم سے) مانگ لیں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا، حکمت والا ہے۔☆ (١١) اور اگر تمہاری کوئی بیوی تم سے نکل کر کفار کی طرف چلی جائے پھر تمہاری (غنیمت لینے کی) باری

حالت جنگ میں نہ ہوں تو ایسے کافروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے، رشتہ داری کا لحاظ رکھنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کافروں کے ساتھ ہر قسم کی ولایت کا رشتہ قائم کرنا ممنوع ہے۔ نہ ولایت حمایت ونصرت، نہ ولایت وراثت، نہ ولایت اطاعت، نہ ولایت محبت۔

البتہ اگر ان کافروں کے ساتھ حالت جنگ نہیں ہے تو ان سے ولایت محبت دوستی اس حد تک جائز ہے کہ ان پر احسان کیا جائے اور انصاف کے ساتھ برتاؤ کیا جائے۔

اگر کفار سے حالت جنگ میں ہوں تو کسی قسم کی ولایت قائم کرنا ممنوع ہے۔ حتیٰ خود اہل ایمان کے درمیان بھی ولایت نصرت وحمایت قائم نہیں ہوتی جب تک وہ مؤمن ہجرت نہ کرے ملاحظہ ہو (انفال: ٧٢)۔

١٠۔ صلح حدیبیہ کے بعد کی بات ہے کہ مکے کی بعض خواتین ہجرت کر کے مدینہ آئی تھیں اور ان کے شوہر ان کو واپس لے جانے کے لیے مدینہ آئے تھے اور معاہدے کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ ان مسلمان عورتوں کو واپس نہ کیا جائے، کیونکہ معاہدے کا اطلاق ان عورتوں پر نہیں ہوتا، معاہدے میں صرف مردوں کا ذکر ہے۔

ان مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے، بشرطیکہ

فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ع النصف ٨

آ جائے تو جن لوگوں کی بیویاں چلی گئیں ہیں (اس غنیمت میں سے) انہیں اتنا مال ادا کرو جتنا ان لوگوں نے خرچ کیا ہے اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔☆ ⑫ اے نبی! جب مومنہ عورتیں اس بات پر آپ سے بیعت کرنے آپ کے پاس آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کا ارتکاب کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان (غیر قانونی اولاد) گھڑ کر (شوہر کے ذمے ڈالنے) لائیں گی اور نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، اللہ یقینا بخشنے والا، مہربان ہے۔☆ ⑬ اے ایمان والو! اس قوم سے دوستی نہ رکھو جس پر اللہ غضبناک ہوا ہے جو آخرت سے اس طرح مایوس ہیں جیسے کفار اہل قبور سے ناامید ہیں۔

ان کے کافر شوہروں نے جو مہر ادا کیا ہے وہ واپس کریں اور اس کے علاوہ بھی ان عورتوں کو مہر ادا کریں۔ مرد مسلمان ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ کافر عورت کو اپنے نکاح میں رکھے۔ اس صورت میں ان کافر عورتوں کو جو مہر ادا کیا گیا ہے وہ کفار کی طرف سے واپس مل جانا چاہیے۔

١١۔ فَعَاقَبْتُمْ اگر کافر سے وہ مہر واپس نہ ملے تو تمہاری نوبت آنے پر تم بھی ان کو ادا نہ کرو، بلکہ مسلمان شوہروں کو ادا کرو، جن کی بیویاں دار الکفر میں کفر کی حالت میں رہ گئی ہیں۔ اگر یہ نوبت نہ آئے تو مال غنیمت سے ادائیگی ہوگی۔

١٢۔ جاہلیت میں عورتیں جن کی مرتکب ہوتی تھیں، اس بیعت میں ان تمام جرائم کے ترک کرنے کا ذکر ہے۔ بہتان سے مراد زنا سے ہونے والی اولاد کو اپنے شوہر کی اولاد قرار دینا ہے۔ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ ۔۔۔ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے، سے مراد ایسی اولاد کو شوہر کے سر تھوپنا ہے جو اس کی نہیں ہے۔ روایت ہے: زمان جاہلیت میں بعض عورتیں پھینکے ہوئے بچوں کو اٹھا لاتیں اور اپنے شوہروں سے کہتیں کہ یہ تمہارا بچہ ہے۔

فِيْ مَعْرُوْفٍ: ہر نیک کام کو معروف کہتے ہیں۔ نیکی کو معروف اس لیے کہتے ہیں کہ عقل اس کی خوبی کا اعتراف کرتی ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں

٦١ سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ ١٠٩ — اٰیاتھا ١٤ — رکوعاتھا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

سورہ صف ۔ مدنی ۔ آیات ١٤

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔
② اے ایمان والو! تم وہ بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں ہو؟☆ ③ اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔☆ ④ اللہ یقینا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر اس طرح لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔☆
⑤ اور (وہ وقت یاد کیجیے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، پس جب وہ ٹیڑھے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ ⑥ اور جب عیسیٰ

---

سے بیعت نے عورتوں سے بیعت اس طرح لی کہ ایک پیالے کو پانی سے بھر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس میں ہاتھ داخل فرمایا، پھر نکال لیا۔ اس کے بعد عورتوں سے کہا تم اس پیالے میں اپنے ہاتھ داخل کرو۔ (المیزان)

صحیح بخاری میں آیا ہے: رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی نامحرم عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا۔

سورہ صف

٢۔ ٣ قول و فعل میں تضاد ایک قسم کا نفاق ہے اور نفاق ایک قسم کی نفسیاتی بیماری ہے۔ معاشرے میں ایسے مریضوں کا وجود اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو رسول اللہ ﷺ سے خواہش کرتے تھے کہ ہمیں بتایئے کہ اللہ کا محبوب ترین عمل کیا ہے؟ جبکہ یہی لوگ جہاد جیسے اللہ کے محبوب ترین عمل سے معرکہ احد میں فرار ہو چکے تھے۔

٤۔ رصص چیزوں کے ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جڑنے کو کہتے ہیں۔ سیسہ کو اسی وجہ سے رصاص کہا ہے۔ یعنی اللہ ایسے لڑنے والوں کو پسند فرماتا ہے جو میدان جہاد میں ڈٹ کر لڑتے ہیں، فرار نہیں ہوتے اور پیٹھ نہیں دکھاتے۔ اس مضبوط دیوار کے لیے فرار یا پیٹھ دکھانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

٦۔ حضرت ابو طالب ؑ اور حسان کے اشعار کے بعد اس بات میں کسی بحث کی گنجائش نہیں رہتی کہ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى

ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور اپنے سے پہلے کی (کتاب) توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جن کا نام احمد ہوگا، پس جب وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو کہنے لگے: یہ تو کھلا جادو ہے۔☆ ⑦ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے جب کہ اسے اسلام کی دعوت دی جارہی ہو؟ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ ⑧ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ (کی پھونکوں) سے اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا خواہ کفار برا مانیں۔☆ ⑨ وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔☆ ⑩ اے ایمان والو! کیا میں ایسی تجارت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں جو

حضور ﷺ کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم احمد ہے۔ اناجیل کی پیشگوئی میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی زبان سریانی میں حضور ﷺ کا نام ذکر کیا ہے، جس کا بعد میں یونانی زبان میں ترجمہ فارقلیط سے کیا گیا ہے، جس کے معانی کا تعین نہیں ہو سکا۔ کبھی اس کا ترجمہ تسلی دہندہ سے کرتے ہیں، کبھی مددگار سے، کبھی شفاعت کنندہ سے، کبھی وکیل سے کرتے ہیں۔ جبکہ اہل تحقیق کے مطابق فارقلیط (Paraclete) محمود، احمد یا محمد یعنی قابل ستائش ہے۔ بعض اہل قلم نے سریانی لفظ تلاش کر لیا ہے، جو انہیں سیرت ابن ہشام میں محمد بن اسحاق کے حوالے سے مل گیا۔ یہ لفظ مُنحمنا ہے، جو محمد کے ہم معنی ہے۔ محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۰ھ کے زمانے میں فلسطینی عیسائی سریانی زبان بولتے تھے۔

مسیحی نو مسلم محمد صادق فخر الاسلام نے اپنی کتاب انیس الاسلام میں، میں کیوں مسلمان ہوا؟ کے عنوان کے ذیل میں لکھا ہے: میرے مسیحی استاد نے اس شرط پر کہ میں ان کا نام کسی کو نہ بتاؤں، دو کتابیں ایسی دکھائیں جو رسول اسلام ﷺ کی بعثت سے پہلے کی لکھی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کتابوں میں فارقلیط کا ترجمہ احمد اور محمد سے کیا ہوا تھا۔ (قاموس قرآن)

۸۔۹ چنانچہ ہمارے معاصر کافروں کے اپنے ملکوں

تِجَارَةٍ تُنۡجِيۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ يَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ وَيُدۡخِلۡكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخۡرٰى تُحِبُّوۡنَهَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِيۡبٌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ

تمہیں دردناک عذاب سے بچائے؟ ﴿۱۱﴾ (وہ یہ کہ) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اپنی جانوں اور اپنے اموال سے راہ خدا میں جہاد کرو، اگر تم جان لو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ ﴿۱۲﴾ اللہ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی جنتوں میں پاکیزہ مکانات ہوں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔☆ ﴿۱۳﴾ اور وہ دوسری (بھی) جسے تم پسند کرتے ہو (عنایت کرے گا اور وہ ہے) اللہ کی طرف سے مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح اور مومنین کو (اس کی) بشارت دے دیجیے۔☆ ﴿۱۴﴾ اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا: کون ہے جو راہ خدا میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، پس بنی اسرائیل کی ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے انکار کیا

میں اسلام روز بروز ایک طاقت بن کر ابھر رہا ہے۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ توبہ۔

۱۲۔ اس تجارت میں جو سرمایہ لگایا جاتا ہے، وہ ایک ناپائیدار وقتی زندگی اور مال ہے جس نے ہر صورت میں ختم ہونا ہے اور اس سے جو نفع حاصل ہو گا وہ دائمی عذاب سے نجات اور ابدی نعمتوں والی جنت میں داخل ہونا ہے۔ اس آیت میں ایمان والوں سے خطاب کر کے فرمایا: اللہ اور رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ یعنی جب اس ایمان پر جہاد جیسی دلیل موجود نہ ہو، وہ ایمان نہیں ہے۔

۱۳۔ دوسرا نفع جو اس تجارت سے حاصل کرو گے وہ دنیا میں فتح و کامرانی ہے، جو جہاد کے ذریعے ہی حاصل کر سکو گے۔ یعنی جہاد میں ثواب دارین ہے، آخرت میں نجات اور دنیا میں فتح و نصرت کی کامیاب زندگی۔ اس آیت سے جو مفہوم نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ جس فرد اور قوم میں جہاد بالنفس و المال نہیں ہے، اسے آخرت میں نجات اور دنیا میں کامیاب زندگی حاصل نہیں ہو سکے گی۔ آیت میں جہاد سے پہلے ایمان کی شرط عائد کی اور ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسولؐ کی بھی شرط ہے۔ کیونکہ ایمان بالرسولؐ کے بغیر ایمان باللہ ممکن نہیں ہے۔

۱۴۔ اے ایمان والو! انصار اللہ بن جاؤ۔ یہ ایک اعزاز و تکریم ہے کہ انسان خدائے بے نیاز کے انصار بن جائیں۔ یعنی اعلائے کلمہ حق کے لیے

وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۖ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿١٤﴾ ع

لہٰذا ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی اور وہ غالب ہو گئے۔☆

٦٢ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ١١٠ — اٰیاتہا ١١ — رکوعاتہا ٢

سورۃ جمعہ۔ مدنی۔ آیات ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢﴾ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٤﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ

(۱) جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو بادشاہ نہایت پاکیزہ، بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ (۲) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔☆ (۳) اور (ان) دوسرے لوگوں کے لیے بھی (مبعوث ہوئے) جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔☆ (۴) یہ اللہ کا فضل ہے، جسے وہ چاہتا ہے وہ عنایت فرماتا ہے اور اللہ

---

ارادہ خدا کے نفاذ کا ذریعہ بن جائیں۔ اس سے بڑی عزت وتکریم کیا ہو سکتی ہے۔

سورہ جمعہ

۲۔ جس قوم کو یہود اُمی کہتے ہیں اور اپنے مقابلے میں ناخواندہ اور ذلیل سمجھتے ہیں، اللہ نے اسی قوم سے ایک نبی مبعوث فرمایا اور یہود کو اسی قوم کے ہاتھوں ذلت اٹھانا پڑی۔

فِى الْاُمِّيّٖنَ: ناخواندہ لوگوں میں۔ یعنی اس رسول ﷺ کو ناخواندہ لوگوں میں سے مبعوث کیا۔ یہ نہیں فرمایا: اِلَى الْاُمِّيِّيْنَ ناخواندہ لوگوں کی طرف مبعوث کیا۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: یہ رسول ﷺ لوگوں کو کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت کی بھی۔ کتاب کی تعلیم سے مراد احکام شریعت، حلال و حرام کی تعلیم ہے۔ حکمت کی تعلیم حقائق تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ تمام مشکلات کی بنیاد حقائق تک رسائی نہ ہونا ہے۔ حقائق تک رسائی نہ ہونے کی صورت میں انسان ایک موہوم چیز کے پیچھے اپنی زندگی تلف کر دیتا ہے۔ زندگی ایک سراب کی مانند ہو جاتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کا کام لوگوں کو سراب سے نکالنا ہے۔

۳۔ یعنی رسول ﷺ کی رسالت اس اُمی قوم تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان کی رسالت قیامت تک آنے والی قوموں کے لیے بھی ہے۔

۴۔ اس فضل سے مراد رسالت ہو سکتی ہے اور ممکن ہے اس سے مراد آنے والی نسلیں ہوں جو اس رسالت کی تعلیم کتاب و حکمت سے فائدہ اٹھانے والی ہیں۔

حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ
الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ
الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥ قُلْ
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ
اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٦ وَ
لَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٧ قُلْ اِنَّ
الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٨ ع يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ

بڑے فضل کا مالک ہے۔☆ ⑤ ان کی مثال جن پر توریت کا بوجھ ڈال دیا گیا پھر انہوں نے اس بوجھ کو نہیں اٹھایا، اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، بہت بری ہے ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلا دیا اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا۔☆

⑥ کہد یجیے: اے یہودیت اختیار کرنے والو! اگر تمہیں یہ زعم ہے کہ تم اللہ کے چہیتے ہو دوسرے لوگ نہیں تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔☆ ⑦ اور یہ اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کے سبب موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ⑧ کہد یجیے: وہ موت جس سے تم یقینا گریزاں ہو اس کا تمہیں یقینا سامنا کرنا ہوگا پھر تم غیب و شہود کے جاننے والے کے سامنے پیش کیے جاؤ گے پھر وہ اللہ تمہیں سب بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔

⑨ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا

---

۵۔ یہود جو عربوں کو بڑی حقارت سے اُمی (ناخواندہ) کہکر پکارتے ہیں، خود اگر کتاب اٹھائے پھرتے ہیں تو گدھوں کی طرح ہیں، جو بوجھ کے سوا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔

٦۔ یہود اپنے آپ کو اللہ کی برگزیدہ قوم سمجھتے ہیں، قرآن اس بنیاد پر ان سے آرزوئے موت کا مطالبہ کرتا ہے کہ تم اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنے محبوب سے ملنے کی تمنا کرو جس نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے۔ حقیقی ولی اللہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: وَ اللّٰهِ لَابْنُ اَبِي طَالِبٍ آنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْيِ اُمِّهٖ۔ (نہج البلاغۃ خ ۵ ص ۵۴) یعنی قسم بخدا ابو طالب کے فرزند کو موت کے ساتھ اس سے زیادہ انس ہے جو ایک بچے کو اپنی ماں کی چھاتی سے ہوتا ہے۔

۹۔ ندا سے مراد اذان ہے۔ نماز اسلامی نظام کا ایک ریاستی فریضہ ہے۔ اس لیے امامیہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ اذان قانونی اسلامی ریاست کی طرف سے ہو تو نماز کے لیے حاضر ہونا واجب عینی ہے، لیکن اگر قانونی ریاست قائم نہ ہو تو نماز جمعہ کے واجب تعیینی یا تخییری ہونے میں اختلاف ہے۔ اکثر فقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ جمعہ اور ظہر میں اختیار ہے۔ ظہر کی چار رکعات کی جگہ جمعہ کی نماز دو خطبوں اور دو رکعتوں پر مشتمل ہے۔ دو رکعتوں کی جگہ دو خطبوں کا مطلب یہ ہے کہ خطیب دو رکعتوں میں قبلے کی طرف رخ کرنے کی بجائے لوگوں کی طرف رخ کرے کہ یہاں لوگوں سے سروکار ہے۔ لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا اور ان کی تعلیم و تربیت عبادت کا حصہ ہے، لہٰذا خطبے میں کوئی انسان ساز، بامقصد اور تعمیری پیغام نہ ہو یا

| | |
|---|---|
| يَوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ | جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت |
| وَذَرُوا الۡبَيۡعَ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ | ترک کردو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو☆ |
| تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹﴾ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ | ⑩ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو (اپنے کاموں کی طرف) |
| فَانۡتَشِرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ | زمین میں بکھر جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور کثرت سے |
| فَضۡلِ اللّٰهِ وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا لَّعَلَّكُمۡ | اللہ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ⑪ اور جب انہوں نے |
| تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا رَاَوۡا تِجَارَةً | تجارت یا کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے |
| اَوۡ لَهۡوَا۟ انْفَضُّوۡۤا اِلَيۡهَا وَتَرَكُوۡكَ قَآئِمًا ؕ | اور آپ کو کھڑے چھوڑ دیا، کہہ دیجیے: جو کچھ اللہ کے پاس |
| قُلۡ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ مِّنَ اللَّهۡوِ وَمِنَ | ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ |
| ع التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿۱۱﴾ | بہترین رزق دینے والا ہے۔☆ |

## ٦٣ سُوۡرَةُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ مَدَنِيَّةٌ ١٠٤ — اٰیاتھا ۱۱ — رکوعاتھا ۲

سورہ منافقون۔ مدنی۔ آیات ۱۱

| | |
|---|---|
| بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ | بنام خدائے رحمٰن رحیم |
| اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ | ① منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم |
| اِنَّكَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّكَ (وقف لازم) | گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو |

مقامی زبان میں نہ ہونے کی وجہ سے یہ پیغام قابل فہم نہ ہو تو جمعہ کی افادیت برقرار نہیں رہتی۔

۱۱۔ یہ آیت اس موقف کی صراحت کے ساتھ نفی کرتی ہے کہ اصحاب سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی اور اگر ہوئی ہے تو اس کا ذکر نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے صادر ہونے والی غلطی کا ذکر اس قرآن میں کیا ہے جسے قیامت تک پڑھا جانا ہے اور آیت کے اس جملے سے "جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے سے بہتر ہے" یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے کھیل تماشے کو اس چیز پر ترجیح دی تھی جو اللہ کے پاس ہے۔ بعض روایات میں ملتا ہے کہ ہجرت سے پہلے انصار نے مدینے میں بیاضہ کے مقام پر جمعہ قائم کیا اور اس میں ۴۰ افراد نے شرکت کی۔ سورہ جمعہ ۷ ہجری میں نازل ہوا۔ اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں نمازیوں کی تعداد کئی گنا زیادہ ہوگئی ہوگی۔ ان میں سے صرف بارہ افراد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ گئے، باقی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کھیل تماشے کی طرف لپک گئے۔ چنانچہ **صحیح مسلم کتاب الجمعۃ** اور **صحیح بخاری** میں جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے۔ شام سے ایک قافلہ پہنچ گیا تو سب لوگ چلے گئے۔ صرف بارہ افراد رہ گئے۔ ملاحظہ ہو **صحیح بخاری حدیث ۸۸۴ کتاب**

لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
لَكٰذِبُوْنَ ۟ۚ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۟ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا
ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَفْقَهُوْنَ ۟ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ
اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ
كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ
صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ
قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۟ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ
وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۟ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ

بھی علم ہے کہ آپ یقیناً اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے یہ منافقین یقیناً جھوٹے ہیں۔☆ (۲) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، پھر وہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، جو کچھ یہ کرتے ہیں یقیناً برا ہے۔☆ (۳) یہ اس لیے ہے کہ یہ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے، پس ان کے دلوں پر مہر لگ گئی لہٰذا اب یہ سمجھتے نہیں ہیں۔ (۴) اور جب آپ انہیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو بھلے معلوم ہوں گے اور جب وہ بولیں تو آپ ان کی باتیں توجہ سے سنتے ہیں (مگر وہ ایسے بے روح ہیں) گویا وہ دیوار سے لگائی گئی لکڑیاں ہیں، ہر آواز کو اپنے خلاف تصور کرتے ہیں، یہی لوگ (بڑے) دشمن ہیں لہٰذا آپ ان سے محتاط رہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔☆ (۵) اور جب ان سے کہا جائے: آؤ کہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت مانگے تو وہ سر جھٹک دیتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کے سبب آنے سے رک جاتے

---

الجمعۃ۔ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

اس واقعہ کی سنگینی کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جو زمخشری نے اپنی تفسیر ۴: ۶ ۵۳ میں ذکر کی ہے: اگر سب لوگ چلے جاتے تو وادی میں آگ بھڑک اٹھتی۔

سورہ منافقون

۱۔ عصر رسول اللہ ﷺ میں مدینہ میں منافقین کی ایک خاص تعداد موجود تھی۔ جنگ احد میں ان کی تعداد تین سو تک سامنے آئی۔ یہ لوگ اگرچہ زبان سے رسول کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا: وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ یعنی یہ گواہی کے اعتبار سے تو سچ ہے، لیکن گواہ کے اعتبار سے جھوٹے ہیں کہ وہ اس گواہی کے مضمون کے قائل نہیں ہیں۔

۲۔ کفر کا اظہار کرتے تو مسلمان ان سے لڑتے، یہ قتل ہو جاتے۔ زبان سے اسلام کے اظہار کو ان لوگوں نے صرف ایک ڈھال کے طور پر استعمال کیا ہے۔

۴۔ زمخشری الکشاف میں لکھتے ہیں: عبد اللہ بن ابی ایک جسیم، بلند قد و قامت کا آدمی تھا اور ساتھ بولنے میں بھی بہت تیز تھا۔ قرآن نے ان منافقوں کو بے جان، بے شعور ایسی لکڑی کے ساتھ تشبیہ دی جو کسی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ یعنی مجلس میں ایک بے جان بے شعور لکڑی کی طرح دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں۔

اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ
يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٦ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ
لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى
يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٧
يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ
لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ
الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٨ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ

ہیں۔ ⑥ ان کے لیے یکساں ہے خواہ آپ ان کے لیے
مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں
کرے گا، اللہ فاسقین کو یقینا ہدایت نہیں کرتا۔☆ ⑦ یہ
وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں: جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں
ان پر خرچ نہ کرنا یہاں تک کہ یہ بکھر جائیں حالانکہ آسمانوں
اور زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے لیکن منافقین سمجھتے
نہیں ہیں۔☆ ⑧ کہتے ہیں: اگر ہم مدینہ لوٹ کر جائیں
تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے ضرور نکال باہر کرے
گا، جب کہ عزت تو اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لیے
ہے لیکن منافقین نہیں جانتے۔☆ ⑨ اے ایمان والو!
تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ذکر خدا سے تمہیں غافل نہ
کر دیں اور جو ایسا کرے گا تو وہ خسارہ اٹھانے والوں میں
سے ہوگا۔☆ ⑩ اور جو رزق ہم نے تمہیں دے رکھا ہے

۶۔ اس آیت سے یہ تو واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا
استغفار عام لوگوں کے استغفار کی طرح نہیں ہے۔
رسولؐ کی دعا کو اہمیت نہ دینا نفاق کی علامت ہے۔
۷۔۸ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر دشمن کو
شکست دینے کے بعد ایک مہاجر اور ایک انصاری
میں پانی کے مسئلہ پر تکرار ہوئی اور ہاتھا پائی تک
نوبت پہنچ گئی۔ اس پر انصار اور مہاجر نے اپنی اپنی
قوم کو مدد کے لیے پکارا۔ منافقین کے سربراہ عبد اللہ
بن ابی نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اوس و
خزرج کو پکارا۔ ادھر کچھ مہاجرین بھی اٹھ کھڑے
ہوئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی مداخلت پر معاملہ
ختم ہوا۔ لیکن اس واقعے کے بعد دیگر منافقین عبد
اللہ بن ابی کے پاس جمع ہو گئے تو ابن ابی نے ان
سے کہا: خدا کی قسم مدینہ پہنچنے پر ہم میں سے عزت
والا ذلیل کو نکال دے گا۔ تم لوگ ان پر کوئی مال
خرچ نہ کرو تو یہ اپنی بالادستی چھوڑ کر یہاں سے نکل
جائیں گے۔ حضرت زید بن ارقم اس مجلس میں
موجود تھے، جنہوں نے سارا واقعہ رسول اللہ ﷺ کو
سنا دیا۔ اس سلسلے میں زید بن ارقم کی تصدیق میں یہ
آیات نازل ہوئیں۔

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ: عزت اللہ،
اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے لیے ہے۔
حدیث میں آیا ہے: اللہ تعالی نے مومن کے ہاتھ
اس کے تمام امور سپرد کیے ہیں و لم یفوض الیہ ان

مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں صدقہ دیتا اور میں (بھی) صالحین میں سے ہو جاتا۔☆ ⑪ اور جب کسی کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو پھر اللہ اسے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

آیاتها ۱۸ — ۶۴ سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۸ — رکوعاتها ۲

سورۃ تغابن۔ مدنی۔ آیات ۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ

① جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں بادشاہی اسی کی ہے اور ثنا بھی اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ ② وہی ہے جس نے تمہیں خلق کیا پھر تم میں سے بعض کافر اور بعض ایمان والے ہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر خوب نگاہ رکھتا ہے۔☆ ③ اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور اس نے تمہاری

---

یذلّ نفسہ۔ مگر اپنے آپ کو ذلیل کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے۔ (الکافی ۵: ۶۳)

۹۔ مال و اولاد اگر تقرب الی اللہ کے لیے ذریعہ بن جائیں تو مال کو قرآن خیر سے تعبیر کرتا ہے اور اولاد باقیات الصالحات بن جاتی ہے۔ اگر یہ دونوں انسان کو اللہ سے دور اور ذکر خدا سے غافل بنا دیں اور انسان اور اس کے رب کے درمیان حائل ہو جائیں تو اس صورت میں مال و اولاد خسارے کا باعث بنتے ہیں۔

۱۰۔ قیامت کے دن شہود عینی کے راستے سے علم ہو جائے گا کہ راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا کیا رتبہ ہے۔ اس حقیقت کے انکشاف کے بعد وہ زبان سے اس حسرت کا اظہار کرے گا کہ کاش ایک موقع پھر مل جاتا تو جی بھر کے راہ خدا میں خرچ کرتا۔

سورہ تغابن

۲۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کفر و ایمان اللہ کی تخلیق ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ تخلیق کے بعد کفر و ایمان میں منقسم ہونا ایک نتیجے کے طور پر سامنے آیا۔

۳۔ تخلیق کائنات کے ساتھ انسان کی اچھی تصویر کشی کا خصوصیت سے ذکر ہے کیونکہ اس کائنات میں انسان اللہ کا عظیم معجزہ ہے۔ اس کو اللہ نے تخلیقاً عزت و تکریم سے نوازا ہے۔ کھڑا قد دے کر اس کا سر اونچا کیا۔ پھر طاقت سے نہیں، اطاعت سے خالق کے سامنے جھکنے کا حکم دیا۔ اسے ظاہری اعضاء

صُوَرَكُمْ ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا

صورت بنائی تو بہترین صورت بنائی اور اسی کی طرف پلٹنا ہے۔☆ ③ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو ان سب کو بھی اللہ جانتا ہے اور جو کچھ سینوں میں ہے اسے بھی اللہ خوب جانتا ہے۔☆ ④ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو پہلے کافر ہو گئے تھے پھر انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا تھا؟ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ⑤ یہ اس لیے ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آتے تھے تو یہ کہتے تھے: کیا بشر ہماری ہدایت کرتے ہیں؟ لہٰذا انہوں نے کفر اختیار کیا اور منہ پھیر لیا، پھر اللہ بھی ان سے بے پرواہ ہو گیا اور اللہ بڑا بے نیاز، قابل ستائش ہے۔☆ ⑥ کفار کو یہ گمان ہے کہ وہ ہرگز (دوبارہ) اٹھائے نہیں جائیں گے، کہد یجیے: ہاں! میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں (اس کے بارے میں) ضرور بتایا جائے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو اور یہ بات اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔ ⑦ لہٰذا

اور باطنی صلاحیتیں ایسی عطا فرمائیں کہ وہ جمال و کمال میں خلیفۃ اللہ فی الارض کے مرتبے کا اہل ہو گیا اور بہت سے موجودات اس کے لیے مسخر کر دیے گئے اور خود براہ راست اللہ کی عبودیت جیسے مقام کے لیے منتخب ہو گیا۔ اس انسان کے مقام و منزلت کی نشاندہی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ قدرت کو خود اس مخلوق پر ناز ہے کہ فرمایا: اس نے تمہاری شکل بنائی اور عمدہ بنائی۔ ملاحظہ ہو سورہ حجرات آیت ۱۱۔

۴۔ جب آسمانوں اور انسانوں کا خالق ہے تو اپنی مخلوق کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پوشیدہ کسی حجاب میں ہوتا ہے، خود حجاب بھی اللہ کی طرف سے شاہد ہو گا۔

۶۔ اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا: کیا بشر ہماری ہدایت کریں گے؟ جب وہ ہماری طرح بشر ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ اس کے پاس کوئی وحی قسم کی چیز آئے، ہمارے پاس نہ آئے۔ قدیم سے لے کر آج تک لوگ ایک مافوق فطرت کی توقع رکھتے ہیں، خود انسان کو اللہ کی طرف سے سفارت کے عہدے پر فائز ہونے کا اہل نہیں سمجھتے۔

۸۔ نور سے مراد قرآن ہے جو خود روشن اور دوسروں کو روشنی دیتا ہے۔

۹۔ التَّغَابُنِ: غبن کا مفاعلہ ہے۔ شر لے کر خیر چھوڑنے والا۔ مغبون "خسارہ اٹھانے والا" ہو گا اور

تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۸﴾ يَوۡمَ يَجۡمَعُكُمۡ لِيَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِكَ يَوۡمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ وَيَعۡمَلۡ صَالِحًا يُّكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۹﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۰﴾ ع مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ

اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لے آؤ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔☆ ⑨ جس روز اللہ اجتماع کے دن تمہیں اکٹھا کر دے گا تو وہ فائدے خسارے کا دن ہوگا اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل انجام دے اللہ اس کے گناہوں کو اس سے دور کر دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ابد تک رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔☆ ⑩ جو لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی وہی اہل جہنم ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔ ⑪ مصائب میں سے کوئی مصیبت اللہ کے اذن کے بغیر نازل نہیں ہوتی اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر شے کا خوب علم رکھتا ہے۔☆ ⑫ اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم نے منہ پھیر لیا تو ہمارے رسول کے ذمے تو فقط صاف پیغام پہنچا دینا ہے۔ ⑬ اللہ (ہی معبود برحق ہے) اس کے

---

خیر لے کر شر چھوڑنے والا غابن "خسارہ ڈالنے والا" ہوگا۔ اگلی آیت میں اس تغابن یعنی اس ہار جیت کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ اس تفسیر کی تائید میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے: ہر شخص کے لیے جنت میں ایک درجہ ہے، اگر وہ ایمان لے آتا تو اس پر فائز ہو جاتا اور جہنم میں بھی ہر ایک کے لیے ایک جگہ ہے۔ اگر نافرمانی کرتا تو اس میں داخل ہو جاتا۔ چنانچہ جنت میں نافرمان کی جگہ مؤمن اور مؤمن کے لیے جہنم کی مختص جگہ نافرمان کو دی جائے گی۔ اس طرح وہ ایک دوسرے کو غبن میں ڈالنے والے ہو گئے۔

۱۱۔ اذن سے مراد اذن تکوینی ہے۔ یعنی اللہ سبب و علت کی تاثیر میں رکاوٹ نہیں ڈالتا۔ لہٰذا ممکن ہے کہ گاہے اذن تشریعی نہ ہو، لیکن اذن تکوینی موجود ہو۔ مثلاً ظالم کی چھری مظلوم کی گردن کاٹ رہی ہو تو چھری میں کاٹنے کی صلاحیت اللہ کی ودیعت کردہ تاثیر سے ہے، یہ اذن تکوینی ہے، جبکہ ایسا کرنے کا اذن تشریعی نہیں ہے۔

وَ مَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ: ایمان باللہ کی وجہ سے انسان کا زنگ زدہ قلب شفاف ہو جاتا ہے اور تاریکی چھٹ جاتی ہے، پھر راستے کھل جاتے ہیں۔ یہی خاصیت تقویٰ کی بھی ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے پر فرقان یعنی امتیاز کی صلاحیت مل جاتی ہے۔

۱۴۔ مؤمن کو اکثر مشکلات اپنے خاندان کے افراد کی

عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑯ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ⑰ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱ ع

سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مومنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ ⑬ اے ایمان والو! تمہاری ازواج اور تمہاری اولاد میں سے بعض یقینا تمہارے دشمن ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ ⑭ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بس آزمائش ہیں اور اللہ کے ہاں ہی اجر عظیم ہے۔☆ ⑮ پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور سنو اور اطاعت کرو اور (راہ خدا میں) خرچ کرو تو (یہ تمہاری) اپنی بھلائی کے لیے ہے اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے محفوظ رہ جائیں تو وہی کامیاب لوگ ہیں۔ ⑯ اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو وہ تمہارے لیے اسے کئی گنا بڑھا دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا قدر شناس، بردبار ہے۔ ⑰ وہ غیب و شہود کا جاننے والا، بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔ ⑱

طرف سے پیش آتی ہیں کہ کبھی مرد کے لیے بیوی، کبھی بیوی کے لیے مرد اور کبھی والدین کے لیے اولاد، دیانتداری میں رکاوٹ یا خیانت کاری کے لیے معاون بن جاتے ہیں اور دشمن کا کردار ادا کرتے ہیں۔

۱۵۔ مال و اولاد سے محروم ہونے کی صورت کا امتحان نسبتاً آسان ہے، لیکن مال و اولاد کی فراوانی کی صورت میں امتحان میں کامیاب ہونا بہت مشکل ہے۔ ان دونوں میں سے خصوصیت کے ساتھ مال و دولت کے ذریعے امتحان میں کامیابی اور بھی مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مال کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

## سورہ طلاق

۱۔ یعنی ایسے زمانے میں طلاق دی جائے جس سے عدت شروع ہو سکے۔ سورہ بقرہ میں بتایا گیا ہے کہ حیض والی مدخولہ عورت کی عدت طلاق کے بعد تین مرتبہ حیض کا آنا ہے۔ لہٰذا عورت کو حالت حیض میں طلاق نہ دی جائے اور اس طہر میں بھی طلاق نہ دی جائے، جس میں شوہر نے اس سے ہمبستری کی ہو۔ اگلی آیت میں بتایا کہ عادل افراد کو گواہ بناؤ۔ اس طرح فقہ جعفریہ کا مؤقف ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ بالا شرائط صحت طلاق کے لیے ضروری ہیں۔ عدت کے دنوں میں عورت کو نان و نفقہ اور رہائش فراہم کی جائے اور گھر سے

اٰیاتها ١٢ ﴿٦٥ سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ٩٩﴾ رکوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ
فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ
بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ
وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ
نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ
بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ
وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ

سورۃ طلاق۔ مدنی۔ آیات ۱۲

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دے دیا کرو اور عدت کا شمار رکھو اور اپنے رب اللہ سے ڈرو، تم انہیں (عدت کے دنوں میں) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ عورتیں خود نکل جائیں مگر یہ کہ وہ کسی نمایاں برائی کا ارتکاب کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو اس نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا، تجھے کیا معلوم اس کے بعد شاید اللہ کوئی صورت پیدا کر دے۔☆ ② پس جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کو آئیں تو انہیں اچھی طرح سے (اپنے عقد میں) رکھو یا انہیں اچھے طریقے سے علیحدہ کر دو اور اپنوں میں سے دو صاحبان عدل کو گواہ بناؤ اور اللہ کی خاطر درست گواہی دو، یہ وہ باتیں ہیں جن کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو

نہ نکالا جائے۔ ان آیات میں طلاق کے بارے میں درج ذیل احکام کا ذکر ہے: i۔ طلاق زمانہ طھر میں واقع ہو۔ ii۔ جس طھر میں ہمبستری ہو چکی ہو، اس میں طلاق نہ دی جائے۔ iii۔ عدت کا حساب رکھنا چاہیے کہ حقوق ضائع نہ ہوں۔ iv۔ عدت کے دنوں میں مطلقہ عورت کو گھر سے نہ نکالا جائے۔ v۔ عدت پوری ہونے والی ہو تو شوہر یا تو رجوع کرے یا عدت پوری ہونے پر خوش اسلوبی سے فارغ کرے۔ vi۔ دو عادل گواہوں کے سامنے طلاق دی جائے۔ vii۔ گواہی محض اللہ کی خاطر ہو اور اس میں کمی بیشی نہ کی جائے۔ viii۔ اس ضمن میں فرمایا کہ تقویٰ اختیار کرنے کے دو نتائج سامنے آئیں گے: مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے راہ حل اور رزق میں فراوانی۔ لہٰذا عورت کو طلاق دیتے ہوئے تقویٰ اختیار کرو، اسے بے بس نہ کرو۔ ix۔ جن عورتوں کے یائسہ ہونے میں شک ہو ان کی عدت تین ماہ ہے۔ x۔ حیض آنے کی عمر میں ہونے کے باوجود حیض نہ آتا ہو تو اس عورت کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ xi۔ حاملہ عورتوں کی عدت، وضع حمل تک ہے۔ xii۔ حاملہ عورت کو زمانہ حمل میں نفقہ دیا جائے۔ xiii۔ عورت بچے کو دودھ پلائے تو اجرت دی جائے۔ واضح رہے کہ دودھ عورت کی ملکیت ہے۔ عام حالت میں بھی عورت اس کا معاوضہ لے

مَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۬ؕ
وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّ
يَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ وَمَنۡ
يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیۡءٍ
قَدۡرًا ﴿۳﴾ وَ الّٰٓـِٔیۡ يَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِيۡضِ
مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ
ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔیۡ لَمۡ يَحِضۡنَ ؕ وَ
اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ
حَمۡلَهُنَّ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ
مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ﴿۴﴾ ذٰلِكَ اَمۡرُ اللّٰهِ
اَنۡزَلَهٗۤ اِلَيۡكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ
عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ﴿۵﴾

اور جو اللہ سے ڈرتا رہے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے،☆ ﴿۲﴾ اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ سوچ بھی نہ سکتا ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے پس اس کے لیے اللہ کافی ہے، اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے، تحقیق اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔ ﴿۳﴾ تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو گئی ہیں، (ان کے بارے میں) اگر تمہیں شک ہو جائے (کہ خون کا بند ہونا سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے ہے یا کسی اور عارضے کی وجہ سے) تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور یہی حکم ان عورتوں کا ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ ﴿۴﴾ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کی برائیاں اس سے دور کر دے گا اور اس کے لیے اجر کو بڑھا دے گا۔ ﴿۶﴾ ان عورتوں کو (زمانہ عدت

سکتی ہے، کیونکہ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔
فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ: میں لِعِدَّتِهِنَّ کا لام وقت بتانے کے لیے ہے، جیسا کہ لام کسی زمانہ بتانے والے لفظ پر داخل ہو تو وقت بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس آیت سے فقہ جعفریہ کے درج ذیل موقف ثابت ہوتے ہیں۔ i حیض کے دنوں میں طلاق مؤثر نہیں ہے۔ ii جس طہر میں ہمبستری ہوئی ہے اس میں طلاق مؤثر نہیں ہے۔ iii ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں ہوئی ہوں، ان میں سے صرف ایک طلاق مؤثر ہے، باقی دو طلاقیں مؤثر نہیں ہیں۔ کیونکہ ان تینوں صورتوں میں عدت شروع نہیں ہو سکتی۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں ہونے کی صورت میں عدت پہلی طلاق کے لیے ہے، دوسری اور تیسری کی عدت نہیں ہے، لہٰذا ایک ساتھ تین طلاقیں فقہ جعفریہ کے مطابق مؤثر نہیں۔ ابن قیم اور ابن تیمیہ بھی اس طلاق کو غیر مؤثر سمجھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اس طلاق کو حرام لیکن مؤثر سمجھتے ہیں۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے: یا اباذر لو ان الناس کلھم اخذوا بھذہ الایۃ لکفتھم۔ (مستدرک الوسائل ۱۱: ۲۱۶ باب توکل۔ سنن ابن

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ
وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا
عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ
فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ
فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ
وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَإِنْ
تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ أُخْرٰى ﴿٦﴾
لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَمَنْ قُدِرَ
عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا
يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ
اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿٧﴾ ع وَكَأَيِّنْ مِّنْ
قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ
فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا

میں) بقدر امکان وہاں سکونت دو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک انہیں خرچہ دیتے رہو پھر اگر تمہارے کہنے پر وہ دودھ پلائیں تو انہیں (اس کی) اجرت دے دیا کرو اور احسن طریقے سے باہم مشورہ کر لیا کرو اور (اجرت طے کرنے میں) اگر تمہیں آپس میں دشواری پیش آئے تو (ماں کی جگہ) کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔☆ ⑦ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر اس کے رزق میں تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جتنا اللہ نے اسے دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی کو اس سے زیادہ مکلف نہیں بناتا جتنا اسے دیا ہے، تنگدستی کے بعد عنقریب اللہ آسانی پیدا کر دے گا۔☆ ⑧ اور ایسی کتنی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب لیا اور

---

ماجہ باب الورع۔ الفاظ مستدرک کے ہیں) ابوذر! اگر سب لوگ اس آیت پر عمل کریں تو ان کو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔

٦۔ مِّنْ وُّجْدِكُمْ: الوجد، الوسع، الطاقۃ، یعنی بقدر امکان۔ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ باہم مشورہ کرو۔ یعنی طلاق اور اولاد ہونے کی صورت میں ماں سے دودھ پلانے اور ماں کو اجرت دینے کے سلسلے میں پیش آنے والی دشواریوں کے ازالے کے لیے باہمی مشورہ کر لیا کرو کہ کہیں والدین کی جدائی کی وجہ سے بچے پر جسمانی اور نفسیاتی منفی اثرات نہ پڑیں۔ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ عسر و حرج اور غیر معمولی دشواری آنے کی صورت میں ماں کے علاوہ کوئی اور عورت دودھ پلائے۔ اس آیت میں ماں کے دودھ کی تاکید ہے۔ باہمی مشورہ سے ماں کے دودھ پلانے میں حائل مشکلات دور کرو۔ صرف عسر و حرج کی صورت میں دوسری عورت دودھ پلائے۔

٧۔ لِيُنْفِقْ: اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر شخص کی ذمہ داری اس کی استطاعت کے مطابق ہے۔ غریبوں کے لیے اس آیت میں ایک تسلی بھی ہے کہ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا تنگدستی کے بعد اللہ آسانی

عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ
كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ
لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي
الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ ع
اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا
عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ
يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ
قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ
خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ
مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ

انہیں برے عذاب میں ڈال دیا۔ ﴿۹﴾ پھر انہوں نے اپنے
اعمال کے وبال کا ذائقہ چکھ لیا اور ان کا انجام خسارے پر
منتہی ہوا۔ ﴿۱۰﴾ ان کے لیے اللہ نے سخت عذاب تیار کر رکھا
ہے، پس اے عقل مند ایماندارو! اللہ سے ڈرو، بے شک
اللہ نے تمہاری طرف ایک ذکر نازل کیا ہے۔☆ ﴿۱۱﴾ ایک
ایسا رسول جو تمہیں اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ
وہ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجا لانے والوں کو
تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے اور جو اللہ پر
ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے اللہ اسے ایسی جنتوں
میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں
وہ ابد تک ہمیشہ رہیں گے، اللہ نے ایسے شخص کے لیے
بہترین رزق دے رکھا ہے۔☆ ﴿۱۲﴾ وہی اللہ ہے جس نے
سات آسمان بنائے اور انہی کی طرح زمین بھی، اس کا حکم

پیدا کر دے گا۔

۱۰۔ رَّسُوْلًا سے مراد حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ اور ذِكْرًا سے مراد بھی رسالتمآب ﷺ ہیں۔ یہاں آپ کو رسول ﷺ اور ذکر دونوں القابات کے ساتھ یاد کیا گیا ہے، چونکہ آپ ﷺ ذکر و نصیحت ہی کے لیے مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ کا فرض منصبی نصیحت سے ہی عبارت ہے۔

۱۲۔ آسمان کی مانند زمین بھی پیدا کی ہے۔ "مانند" کہنا تعدد کی دلیل نہیں ہے۔ ممکن ہے اس سے مراد عناصر تخلیق ہوں کہ آسمانوں کو جن عناصر سے بنایا ہے، زمین بھی انہی سے مرکب ہونے میں آسمان کی مانند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سورہ تحریم

۱۔ قرآن نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ وہ کون سی حلال چیز تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ پر حرام قرار دیا۔ البتہ آیت کے سیاق سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز بعض ازواج کو ناپسند تھی اور آپ ﷺ کو انہوں نے زچ کیا تو آپ ﷺ نے اس چیز کو ترک کرنے کی قسم کھائی۔ اس سلسلے کی روایات بھی مختلف ہیں۔ اسی طرح اس راز کے بارے میں بھی روایات مختلف ہیں جسے رسول ﷺ کی ایک

| | |
|---|---|
| لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّ | ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر |
| اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾ ع | ہے اور یہ کہ اللہ نے بلحاظ علم ہر چیز پر احاطہ کیا ہوا ہے۔☆ |
| ٦٦ سُوْرَةُ التَّحْرِیْمِ مَدَنِیَّةٌ ١٠٧ — اٰیاتھا ١٢ — رکوعاتھا ٢ | سورہ تحریم۔ مدنی۔ آیات ١٢ |
| بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | بنام خدائے رحمٰن رحیم |
| یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿١﴾ | ① اے نبی! جو چیز اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دی ہے اسے آپ حرام کیوں ٹھہراتے ہیں؟ آپ اپنی ازواج کی مرضی چاہتے ہیں؟ اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔☆ |
| قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿٢﴾ | ② اللہ نے تمہارے لیے قسموں کے کھولنے کے واسطے (حکم) مقرر کیا ہے، اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔☆ |
| وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ | ③ اور (یاد کرو) جب نبی نے اپنی بعض ازواج سے راز کی بات کہی تھی پس جب اس نے اس (راز) کو فاش کیا اور اللہ نے نبی کو اس سے آگاہ کیا تو اس سے نبی نے اس کا کچھ حصہ بتا دیا اور کچھ حصہ ٹال دیا پھر جب نبی نے اپنی زوجہ کو وہ بات بتا دی تو وہ |

زوجہ نے فاش کر دیا۔ البتہ روایات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس راز کو فاش کرنے والی زوجہ حضرت حفصہ تھیں۔ انہوں نے یہ راز حضرت عائشہ کو بتا دیا۔

اس جگہ تو سب نے لکھ دیا: "اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کا اختیار کسی کے پاس نہیں ہے، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بھی اختیار نہیں رکھتے۔" (صلاح الدین یوسف حاشیہ قرآن مطبوعہ سعودیہ) لیکن بہت سی جگہوں پر یہ موقف اختیار کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اختلاف ہو سکتا ہے۔ چونکہ ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کے ساتھ اختلاف کوئی نئی بات نہیں ہے۔ (قوشجی شرح تجرید باب الامامة) اس بات پر پوری امت کو اتفاق کرنا چاہیے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو حکم خدا میں تبدیلی کا حق حاصل نہیں ہے تو امت کے کسی فرد کے لیے کس طرح رسول اللہ ﷺ کے خلاف جانا جائز ہو گیا۔

٢۔ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ: قسم کھولنے کا یہ حکم جواز کی حد تک تو پوری امت کے لیے ہے کہ کفارہ دے کر قسم کھول لیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے کفارہ دیا یا نہیں، اختلاف ہے۔

٤۔ صَغَتْ: (ص غ ی) قرطبی اس لفظ کی تشریح

نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَاۤ
اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ
تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ
وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ
وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ④ عَسٰى
رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا
خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ
تٰٓىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىِٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ
وَّ اَبْكَارًا ⑤ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا
اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ
وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ
لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا
یُؤْمَرُوْنَ ⑥ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا

کہنے لگی: آپ کو یہ کس نے بتایا؟ فرمایا: مجھے (خدائے) علیم وخبیر نے خبر دی ہے۔ ③ اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلو (تو بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی پشت پناہی کرو گی تو اللہ یقیناً اس (رسول) کا مولا ہے اور جبرئیل اور صالح مومنین اور فرشتے بھی اس کے بعد ان کے پشت پناہ ہیں۔☆ ④ اگر نبی تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ اس کا رب تمہارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے جو مسلمان، ایماندار اطاعت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار اور روزہ رکھنے والیاں ہوں خواہ شوہر دیدہ ہوں یا کنواری۔☆ ⑤ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں ملتا

میں لکھتے ہیں: ای زاغت و مالت عن الحق۔ کجی آئی اور حق سے منحرف ہوگئی۔ شاہ ولی اللہ کا ترجمہ ہے: ہر آئینہ کج شدہ است دل شما۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ ہے: کج ہو گئے ہیں دل تمہارے۔

وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ: قرطبی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: ای تظاهرا و تعاونا علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بالمعصیة والایذاء۔ یعنی تَظٰهَرَ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم دونوں نے نبی کی نافرمانی اور اذیت دینے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کی۔ شاہ ولی اللہ کا ترجمہ ہے: اگر باہم متفق شوید بر رنجانیدن پیغمبر ﷺ۔ مولانا اشرف علی کا ترجمہ ہے: اگر اسی طرح پیغمبر کے مقابلے میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینا دل کی بہت بڑی کجی کا نتیجہ ہے، اس لیے آگے دو صورتیں ان کے سامنے رکھ دی گئیں: یا تو اس ایذا سے باز آ جائیں اور اگر وہ اس ایذا پر کمر بستہ رہیں تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ، جبرئیل، صالح مومنین اور فرشتوں کے مقابلے میں محاذ آرائی کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ لہجہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک سنگین مسئلہ درپیش تھا۔

وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ: شواهد التنزیل ۲: ۳۵۲ اور تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، البحر المحیط میں آیا ہے کہ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ علی ؑ

| | |
|---|---|
| تَعۡتَذِرُوا الۡيَوۡمَ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا | ہے اسے بجالاتے ہیں۔☆ ⑦ اے کافرو! آج عذر پیش |
| كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۷ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا | نہ کرو، جو عمل کرتے رہے ہو بس تمہیں اسی کی سزا ملے گی۔ |
| تُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰى | ⑧ اے ایمان والو! اللہ کے آگے توبہ کرو خالص توبہ، بعید |
| رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّكَفِّرَ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ | نہیں کہ اللہ تم سے تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی |
| وَيُدۡخِلَكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا | جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، |
| الۡاَنۡهٰرُ ۙ يَوۡمَ لَا يُخۡزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ | اس دن اللہ نہ اپنے نبی کو رسوا کرے گا اور نہ ہی ان لوگوں کو |
| وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۚ نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى | جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کا نور ان کے آگے |
| بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ | اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا اور وہ دعا کر رہے ہوں |
| رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۚ | گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر دے |
| اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۸ يٰۤاَيُّهَا | اور ہم سے درگزر فرما، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔☆ |
| النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ | ⑨ اے نبی! کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کیجیے اور ان |
| عَلَيۡهِمۡ ؕ وَمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ | پر سختی کیجیے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔ |
| الۡمَصِيۡرُ ۹ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ | ⑩ اللہ نے کفار کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی |

ہیں۔ تفسیر البرہان میں اس آیت کے ذیل میں آیا ہے: محمد بن العباس نے اس جگہ پچاس احادیث بیان کی ہیں، پھر ان احادیث میں سے بعض کا ذکر کیا ہے۔ ان کے راویوں میں ابورافع، عمار یاسر، ابن عباس وغیرھم کا ذکر آتا ہے۔

۵۔ اگر ان سے بہتر خواتین موجود نہ ہوتیں تو یہ تعبیر اختیار نہ کی جاتی اور ان صفات کا بھی ذکر آیا جن میں وہ بہتر ہوتیں۔

۶۔ حضرت ابوبصیر کہتے ہیں: میں نے پوچھا: میں ان کو کیسے بچاؤں؟ (امام ؑ نے) فرمایا: "امر خدا کا حکم دو اور نہی خدا سے روکو۔ اگر تمہاری اطاعت کی تو تم نے ان کو جہنم سے بچا لیا اور اگر نافرمانی ہوئی تو تم نے اپنا فریضہ ادا کیا۔" اولاد کے بارے میں یہ حکم ہے کہ سات سال کی ہو جائے تو اسے نماز کی عادت ڈالو۔

۸۔ نَّصُوۡحًا: صیغہ مبالغہ۔ یعنی خالص ترین توبہ۔

حضرت ؑ سے روایت ہے: توبہ و استغفار کے چھ ستون ہیں: i گزشتہ گناہوں کے لیے ندامت۔ ii عدم اعادہ کا عزم۔ iii وہ تمام فرائض انجام دیں جو چھوٹ گئے ہیں۔ iv لوگوں میں سے کسی کا حق تیرے ذمے نہ ہو۔ v گناہ کے ذریعے تیرے بدن کا جو گوشت بنا ہے، وہ غم واندوہ سے پگھل کر تازہ گوشت بن جائے۔ vi اپنے کو اطاعت کی تلخی چکھا دے، جیسا کہ گناہ کی لذت چکھ لی تھی۔

كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ ع

مثال پیش کی ہے، یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر ان دونوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور انہیں حکم دیا گیا: تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔☆ ﴿۱۰﴾ اور اللہ نے مومنین کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال پیش کی ہے، اس نے دعا کی: اے میرے رب! جنت میں میرے لیے اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کی حرکت سے بچا اور مجھے ظالموں سے نجات عطا فرما۔ ﴿۱۱﴾ اور مریم بنت عمران کو بھی (اللہ مثال کے طور پر پیش کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح میں سے پھونک دیا اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

(مستدرک الوسائل ۱۲: ۴۰۷ قریب منہ فی الکشاف ۴: ۵۶۹)

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ: اس روز اللہ اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو رسوا نہیں کرے گا۔ اہل ایمان قیامت کے دن جب منافقین کو تاریکی میں دیکھیں گے تو دعا کریں گے رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر دیجیے۔ الکافی ۱: ۱۹ میں آیا ہے: قیامت کے دن ائمہ معصومین ﷺ مؤمنین کے آگے اور دائیں طرف ہوں گے اور انہیں جنت تک پہنچائیں گے۔

۱۰۔۱۱ زمخشری الکشاف ۴: ۵۷۱ پر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: ان دونوں مثالوں میں دونوں ام المؤمنین کی طرف تعریض ہے کہ ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کارروائیاں کیں اور شدید ترین طریقے سے ان دونوں کی تنبیہ ہے: لما فی التمثیل من ذکر الکفر۔۔۔ الی آخر کلماتہ۔ فلیراجع۔

آیاتہا ۳۰ — ۶۷ سُوۡرَۃُ الۡمُلۡکِ مَکِّیَّۃٌ ۷۷ — رکوعاتہا ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾ وَ لَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَ جَعَلۡنٰہَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ وَ اَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابَ السَّعِیۡرِ ﴿۵﴾

سورہ ملک۔ مکی۔ آیات ۳۰

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضے میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ② اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور وہ بڑا غالب آنے والا، بخشنے والا ہے۔☆ ③ اس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر بنایا، تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بدنظمی نہیں دیکھے گا، ذرا پھر پلٹ کر دیکھو کیا تم کوئی خلل پاتے ہو؟☆ ④ پھر پلٹ کر دوبارہ دیکھو تمہاری نگاہ ناکام ہو کر تھک کر تمہاری طرف لوٹ آئے گی۔☆ ⑤ اور بے شک ہم نے قریب ترین آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے،☆

سورہ ملک

۲۔ اس آیت سے بظاہر یہ بات سامنے آتی ہے کہ حسن عمل ہی غرض تخلیق کائنات ہے، لہٰذا جو ہستی حسن عمل کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو، وہی غرض تخلیق میں بھی اعلیٰ ترین مقام کی حامل ہوگی۔ اگر یہ نکتہ آپ کی سمجھ میں آجائے تو آپ یہ فرمان بھی بآسانی سمجھ لیں گے: لولاک لما خلقت الافلاک۔ (مناقب ۱:۲۱۶) یعنی (اے محمد ﷺ! اے مجسمۂ احسن عمل) اگر تو نہ ہوتا تو میں اس کائنات کو خلق نہ کرتا۔

۳۔ ۴ یعنی کی تخلیق میں تفاوت نہیں ہے۔ بدنظمی نہیں ہے۔ سورج کی دھوپ سے سمندر سے بخار اٹھتا ہے، بادل وجود میں آتے ہیں، ہوا بادل کو چلاتی ہے، خشک علاقوں میں بارش برستی ہے۔ دانے اور میوے اگتے ہیں، دسترخوانوں کی زینت بنتے ہیں، غذا بن جاتے ہیں، پھر خون بن جاتے ہیں۔ یہ خون تحلیل شدہ جسم کی تلافی کرکے اس کا حصہ بن جاتے ہیں۔ پھر تحلیل ہو کر کاربن کی شکل میں کسی درخت کا حصہ بن جاتے ہیں وہ درخت پھل دیتا ہے۔ یہ دورہ پھر شروع ہوتا ہے۔ دیکھو: ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ۔ کیا اس گردش میں کوئی خلل ہے؟ رحمٰن کی تخلیق کے بارے میں اس آیت اور بعد کی آیت میں بار بار اللہ تعالیٰ کی صناعی کا مطالعہ کرنے کا حکم ہے کہ تلاش کرو، اللہ تعالیٰ کے تخلیقی نظام میں کہیں خلل نظر آتا ہے؟ اپنی تحقیق کو جاری رکھو۔ کَرَّتَیۡنِ بار بار تحقیق کرو۔ کَرَّتَیۡنِ لَبَّیۡکَ وَ سَعۡدَیۡکَ کی طرح ہے۔ صرف دو مرتبہ کے لیے نہیں، بار بار کرنے کے لیے ہے۔ آخرکار تحقیق کنندہ کائنات میں کوئی خلل نہیں پا سکے گا۔

وَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ عَذَابُ جَہَنَّمَ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۶﴾ اِذَاۤ اُلۡقُوۡا فِیۡہَا سَمِعُوۡا لَہَا شَہِیۡقًا وَّ ہِیَ تَفُوۡرُ ۙ﴿۷﴾ تَکَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الۡغَیۡظِ ؕ کُلَّمَاۤ اُلۡقِیَ فِیۡہَا فَوۡجٌ سَاَلَہُمۡ خَزَنَتُہَاۤ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَذِیۡرٌ ﴿۸﴾ قَالُوۡا بَلٰی قَدۡ جَآءَنَا نَذِیۡرٌ ۬ۙ فَکَذَّبۡنَا وَ قُلۡنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ ۚۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ کَبِیۡرٍ ﴿۹﴾ وَ قَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ﴿۱۰﴾ فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِہِمۡ ۚ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ﴿۱۱﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۱۲﴾ وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ

۶۔ اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔ ۷۔ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کے بھڑکنے کی ہولناک آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی۔ ۸۔ قریب ہے کہ شدت غیظ سے پھٹ پڑے جب بھی اس میں کوئی گروہ (کافروں کا) ڈالا جائے گا اس سے جہنم کے کارندے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں آیا؟ ۹۔ وہ جواب دیں گے: ہاں تنبیہ کرنے والا ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے (اسے) جھٹلا دیا اور ہم نے کہا: اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے، تم لوگ بس ایک بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔ ۱۰۔ اور وہ کہیں گے: اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم جہنمیوں میں نہ ہوتے۔☆ ۱۱۔ اس طرح وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر لیں گے، پس اہل جہنم کے لیے رحمت خدا سے دوری ہے۔ ۱۲۔ جو لوگ غائبانہ اپنے رب کا خوف کرتے

خَاسِئًا: ناکام ہو جانا۔ حسیر تھک جانا۔ یعنی نگاہیں اس کائنات میں خلل تلاش کرنے میں ناکام رہ جائیں گی۔

۵۔ یہ بات بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یہی نجوم رجوم شیاطین ہیں۔ ممکن ہے اس صورت میں رجوم شیاطین انہی نجوم کے انفجار سے وجود میں آتے ہوں۔ و اللہ اعلم بالصواب۔

اس آیت سے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ جو ستارے ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں وہ سب آسمان اول سے متعلق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قریب ترین آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا ہے۔ اس کے بعد کے آسمانوں کے بارے میں انسان کو کوئی معلومات نہیں ہیں۔

۱۰۔ یعنی اگر ہم عقل سے کام لیتے اور دعوت انبیاء پر تعصب اور تنگ نظری کی عینک اتار کر غور کرتے تو آج ہمارا یہ حشر نہ ہوتا۔ اس لیے اسلام نے عقل سے کام لینے کی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث میں آیا ہے: تفکر ساعة خیر من عبادة سنة (مستدرک الوسائل ۱۱: ۱۸۳) ایک گھڑی کے لیے فکر سے کام لینا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: من کان عاقلا کان له دین و من کان له دین دخل الجنة (الکافی ۱: ۱۱) جو عاقل ہوگا وہ دیندار ہوگا۔ جو دیندار ہوگا وہی جنت میں جائے گا۔

الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾ ع هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾ وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقْبِضْنَ ؕۘ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ

ہیں یقیناً ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔☆ ﴿۱۳﴾ اور تم لوگ اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو یقیناً وہ تو سینوں میں موجود رازوں سے خوب واقف ہے۔☆ ﴿۱۴﴾ کیا جس نے پیدا کیا اس کو علم نہیں؟ حالانکہ وہ باریک بین، بڑا باخبر بھی ہے۔ ﴿۱۵﴾ وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو رام کیا پس اس کے دوش پر چلو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس زندہ ہو کر جانا ہے۔☆ ﴿۱۶﴾ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور زمین جھولنے لگ جائے؟ ﴿۱۷﴾ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے؟ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی تھی۔☆ ﴿۱۸﴾ اور بتحقیق ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی تو دیکھ لو میرا عذاب کیسا تھا۔ ﴿۱۹﴾ کیا یہ لوگ اپنے اوپر پرواز کرنے والے پرندوں کو پر پھیلاتے ہوئے اور سمیٹتے ہوئے نہیں دیکھتے؟ رحمٰن کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا، بتحقیق وہ ہر چیز پر خوب نگاہ رکھنے والا ہے۔☆ ﴿۲۰﴾ رحمٰن کے سوا تمہارا وہ

۱۲۔ کفار و منافقین رسول اکرم ﷺ کے خلاف باتیں کرتے اور اسے راز میں رکھنے کا کہتے تھے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۳۔ اس سلسلے میں فرمایا: کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ اپنی مخلوق کے رازہائے نہاں سے واقف نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ خلق ہونے کے بعد انسان اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ اس انسان کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخلیقی عمل جاری ہے، تو پھر اللہ کی نگاہ سے کون سی چیز پوشیدہ ہو سکتی ہے؟

۱۵۔ اس زمین کی پشت پر چلتے پھرتے اور رزق خدا سے بہرہ ور ہوتے ہوئے یہ نہ بھولو کہ ایک دن اس کے آگے جوابدہی کے لیے حاضر ہونا ہے۔

ذَلُوْلًا: زمین کو انسانی زندگی کے لیے رام و مسخر بنایا، ورنہ فضائے ارضی سے ذرا ہٹ کر دیکھو تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اللہ نے زمین کو انسان کے لیے مسخر بنانے کی خاطر کیا کیا حیرت انگیز سامان زیست فراہم کیے ہیں۔

۱۷۔ مَّنْ فِی السَّمَآءِ: "جو آسمان میں ہے" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو تدبیر عالم پر مامور ہیں۔

۱۹۔ ہوا کے دوش پر محو پرواز پرندوں پر ایک نظر ڈالیں کہ پروں کو پھیلانے اور سمیٹنے کے ذریعے کس طرح فضا کو مسخر کرتے ہیں، ان کو یہ قوت رحمٰن نے عنایت کی ہے۔

اِنِ الۡكٰفِرُوۡنَ اِلَّا فِیۡ غُرُوۡرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنۡ هٰذَا
الَّذِیۡ یَرۡزُقُكُمۡ اِنۡ اَمۡسَكَ رِزۡقَهٗ ۚ بَلۡ
لَّجُّوۡا فِیۡ عُتُوٍّ وَّنُفُوۡرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنۡ یَّمۡشِیۡ مُكِبًّا
عَلٰی وَجۡهِهٖۤ اَهۡدٰۤی اَمَّنۡ یَّمۡشِیۡ سَوِیًّا
عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۲﴾ قُلۡ هُوَ الَّذِیۡۤ
اَنۡشَاَكُمۡ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَ
الۡاَفۡـِٕدَةَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ قُلۡ
هُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَكُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَاِلَیۡهِ
تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا
الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلۡ اِنَّمَا
الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ
مُّبِیۡنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوۡهُ زُلۡفَةً سِیۡٓـَٔتۡ وُجُوۡهُ
الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَقِیۡلَ هٰذَا الَّذِیۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ

کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ کفار تو بس دھوکے
میں ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اگر اللہ اپنی روزی روک دے تو کون ہے جو
تمہیں رزق دے مگر یہ لوگ سرکشی اور نفرت پر اڑ گئے
ہیں۔☆ ﴿۲۲﴾ کیا وہ شخص زیادہ ہدایت پر ہے جو اپنے منہ
کے بل چلتا ہے یا وہ جو سیدھا سر اٹھائے راہ راست پر چلتا
ہے؟☆ ﴿۲۳﴾ کہد یجیے: وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا
اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے مگر تم کم ہی شکر
کرتے ہو۔☆ ﴿۲۴﴾ کہد یجیے: اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں
زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کے روبرو جمع کیے جاؤ گے۔☆
﴿۲۵﴾ اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہو
گا؟☆ ﴿۲۶﴾ کہد یجیے: علم تو صرف اللہ کے پاس ہے جب
کہ میں تو صرف واضح تنبیہ کرنے والا ہوں۔ ﴿۲۷﴾ پھر جب
وہ اس وعدے کو قریب پائیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ
جائیں گے اور کہا جائے گا: یہی وہ چیز ہے جسے تم طلب

۲۱۔ اگر اللہ آسمان سے بارش روک دے اور اگر زمین
سے روئیدگی کی طاقت سلب کر لے اور دانے کو
شگاف کرنے سے روک دے تو کون ہے جو اللہ کی
جگہ یہ کام انجام دے۔

۲۲۔ کافر منہ کے بل چل رہا ہے، اسے گردوپیش کا کوئی
علم نہیں۔ آگے آنے والی کھائی کا بھی پتہ نہیں چلتا
اس میں گر جاتا ہے۔ جبکہ مؤمن سیدھا تنا ہوا چلتا
ہے۔ گردوپیش سے باخبر ہر خطرے سے بچتا ہوا راہ
راست پر نکل جاتا ہے۔

۲۳۔ اللہ نے تمہیں دیکھنے کے لیے آنکھ، سننے کے
لیے کان اور سمجھنے کے لیے دل اس لیے نہیں دیے
تھے کہ تم اپنا مقصد حیات گم کر بیٹھو۔ باقی موجودات
میں تمہیں عقل و شعور سے اس لیے نوازا تھا کہ تم اس
ذات کو پہچان لو جس نے تمہیں ان نعمتوں سے نوازا
ہے، لیکن تم ایسے ناشکرے ہو کہ اس ذات کے وجود
تک کا اعتراف نہیں کرتے ہو۔

۲۴۔ جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا، وہی کل بروز
قیامت اللہ کے روبرو جمع کر سکتا ہے۔

۲۵۔ یعنی وہ اس بات کو ناممکن اور نامعقول سمجھتے تھے
کہ قیامت کا کوئی دن آنے والا ہے۔

۲۸۔ تم اس چندروزہ زندگی اور موت کے بارے میں
سوچتے ہو جبکہ تمہیں اس دائمی عذاب کے بارے
میں سوچنا چاہیے جس سے نجات دلانے والا خدائے
رحمٰن کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

۳۰۔ اگر زیر زمین موجود سطح آب گرنی شروع ہو
جائے اور نیچے چلی جائے تو اسے اوپر لانے کے
لیے تمہارے پاس کوئی ذریعہ ہے یا یہ کام صرف
اللہ کر سکتا ہے؟ غور کرو۔ پھر تم اس کی بندگی کیوں
نہیں کرتے؟

معین بقولے فعیل بمعنی فاعل ہے۔ یعنی سہولت

تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ
وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ
مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا
بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ
مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

کرتے تھے۔ ﴿۲۸﴾ کہد یجیے: مجھے بتلاؤ کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟☆ ﴿۲۹﴾ کہد یجیے: وہی رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لا چکے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون صریح گمراہی میں ہے۔ ﴿۳۰﴾ کہد یجیے: مجھے بتلاؤ کہ اگر تمہارا یہ پانی زمین میں جذب ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے آب رواں لے آئے؟☆

اٰیاتہا ۵۲ — ۶۸ سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ۲ — رکوعاتہا ۲

سورہ قلم۔ مکی۔ آیات ۵۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ
بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ
لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى
خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾
بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

﴿۱﴾ نون، قسم ہے قلم کی اور اس کی جسے (لکھنے والے) لکھتے ہیں۔☆ ﴿۲﴾ آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں۔ ﴿۳﴾ اور یقینا آپ کے لیے بے انتہا اجر ہے۔ ﴿۴﴾ اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔☆ ﴿۵﴾ پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے، ﴿۶﴾ کہ تم میں سے کسے جنون عارض ہے۔ ﴿۷﴾ آپ کا رب یقینا انہیں خوب جانتا ہے جو راہ خدا سے

---

کے ساتھ جاری ہونے والے پانی کو کہتے ہیں معَنَ الماء پانی آسانی سے جاری ہوا۔

سورہ قلم

۱۔ معانی کو ایک دوسرے کے ذہن میں منتقل کرنے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ خود معنی کو مخاطب کے سامنے پیش کیا جائے، لیکن یہ تو کبھی مشکل اور کبھی ناممکن ہوتا ہے۔ اس لیے انسان نے معانی کو الفاظ کے ذریعہ پھر الفاظ کو لکیروں (کتابت) کے ذریعے حاضر کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ اس ایجاد کی عظمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قلم و کتاب کے ساتھ قسم کھائی کہ قلم ہی کے ذریعے انسان نے تاریخ و تمدن میں قدم رکھا اور قلم ہی کے ذریعہ علوم و افکار محفوظ ہو گئے۔ ممکن ہے اس سے مراد قرآن مجید ہو، جو کاتبان وحی کے ذریعے مکی زندگی میں ضبط تحریر میں لایا جا رہا تھا۔ اس انسان ساز کتاب کو تحریر میں لانے والا مجنون نہیں ہے۔ اس سے خود ان لوگوں کے معیار عقل کا راز کھل جاتا ہے جو ایسے انسان کو مجنون کہتے ہیں۔

۴۔ اچھا اخلاق اعلیٰ نفسیات کا مالک ہونے کی علامت ہے اور فکر و عقل میں اعلیٰ توازن رکھنے والا ہی اعلیٰ نفسیات کا مالک ہوتا ہے۔ خلق عظیم کا مالک ہونے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ ذات عقل عظیم کی مالک ہے۔ اس طرح مخلوق اول عقل ہو یا نور محمدﷺ، بات ایک ہی ہے۔ دیوانے اس ہستی کو کب درک کر سکتے تھے؟ اگلی آیت میں انہی لوگوں کے بارے میں فرمایا: عنقریب تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے دیوانے کون ہیں؟

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾
وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعْ
كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ
بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾
عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ
ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ
عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا
بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا
لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾
فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ
نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾

بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ (۸) لہٰذا آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانیں۔ (۹) وہ چاہتے ہیں اگر آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ (۱۰) اور آپ کسی بھی زیادہ قسمیں کھانے والے، بے وقار شخص کے کہنے میں نہ آئیں۔ (۱۱) جو عیب جو، چغل خوری میں دوڑ دھوپ کرنے والا،☆ (۱۲) بھلائی سے روکنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا، بدکردار،☆ (۱۳) بدخو اور ان سب باتوں کے ساتھ بدذات بھی ہے،☆ (۱۴) اس بنا پر کہ وہ مال و اولاد کا مالک ہے۔ (۱۵) جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے: یہ تو قصہ ہائے پارینہ ہیں۔ (۱۶) عنقریب ہم اس کی سونڈ داغیں گے۔☆ (۱۷) ہم نے انہیں اس طرح آزمایا جس طرح ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ صبح سویرے اس (باغ) کا پھل توڑیں گے۔☆ (۱۸) اور وہ استثنا نہیں کر رہے تھے (انشاء اللہ نہیں کہا)۔☆ (۱۹) اور آپ کے رب کی طرف سے گھومنے والی (بلا) گھوم گئی اور وہ سو رہے تھے۔☆

۱۰ تا ۱۵۔ ان آیات میں ایسے شخص کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں جسے لوگ ان اوصاف سے پہچان لیتے تھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ شخص ولید بن مغیرہ ہے۔ تاہم حکم کلی ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے والا اپنے وجود میں سچائی کا فقدان محسوس کرتا ہے، قسموں کے ذریعے اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لیے لفظ مَّهِيْنٍ مہانت یعنی بے وقار بتاتا ہے کہ باوقار آدمی زیادہ قسمیں نہیں کھاتا اور ایسے شخص کے کہنے میں بھی نہ آنے کا حکم ہے جو هَمَّازٍ ہے، عیب جو، دوسروں کے عیوب کی کھوج میں لگا رہتا ہے، مَّشَّآءٍۢ دوڑ دھوپ کرنے والا ہے بِنَمِيْمٍ چغل خوری کے لیے۔ ان الفاظ میں صیغہ مبالغہ استعمال ہوا ہے کہ یہ بری عادتیں اس شخص کا مزاج بن گئی ہیں۔

۱۶۔ یعنی اس کی ناک داغیں گے۔ اس میں اس شخص کی ذلت و رسوائی کی دو باتیں ہیں: اول تو ناک کی جگہ سونڈ کہا ہے جو ایک اہانت ہے۔ دوم ناک انسان کے چہرے کا نمایاں ترین حصہ ہے، اسے داغنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انتہائی مذلت اٹھائے۔

۱۷ تا ۳۳۔ روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص اپنے باغ کا پھل گھر لانے سے پہلے ہر شخص کو اس کا حق ادا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اولاد میں سے ایک فرزند کے سوا باقی سب نے باپ کی اس

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِیْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰی حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِیْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ یَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِیْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰی رَبُّنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ

وقف لازم

﴿۲۰﴾ پس وہ (باغ) کٹی ہوئی فصل کی طرح ہو گیا۔☆ ﴿۲۱﴾ صبح انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں:☆ ﴿۲۲﴾ اگر تمہیں پھل توڑنا ہے تو اپنی کھیتی کی طرف سویرے ہی چل پڑو۔☆ ﴿۲۳﴾ چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں آہستہ آواز میں کہتے جاتے تھے،☆ ﴿۲۴﴾ کہ یہاں تمہارے پاس آج قطعاً کوئی مسکین نہ آنے پائے۔☆ ﴿۲۵﴾ چنانچہ وہ خود کو (مسکینوں کے) روکنے پر قادر سمجھتے ہوئے سویرے پہنچ گئے۔☆ ﴿۲۶﴾ مگر جب انہوں نے باغ کو دیکھا تو کہا: ہم تو راستہ بھول گئے ہیں۔☆ ﴿۲۷﴾ (نہیں) بلکہ ہم محروم رہ گئے ہیں۔☆ ﴿۲۸﴾ ان میں جو سب سے زیادہ اعتدال پسند تھا کہنے لگا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟☆ ﴿۲۹﴾ وہ کہنے لگے: پاکیزہ ہے ہمارا رب! ہم ہی قصور وار تھے۔☆ ﴿۳۰﴾ پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔☆ ﴿۳۱﴾ کہنے لگے: ہائے ہماری شامت! ہم سرکش ہو گئے تھے۔☆ ﴿۳۲﴾ بعید نہیں کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے، اب ہم اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔☆ ﴿۳۳﴾ عذاب ایسا ہی ہوتا ہے

روایت کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح اس فرزند نے باقیوں کو تنبیہ بھی کی کہ مسکینوں کو کچھ نہ دینے کا فیصلہ نہ کرو، لیکن وہ اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے تو اللہ نے راتوں رات سارے باغ تباہ کر دیے۔ مکہ کے مسلمانوں کے لیے ایک درس ہے کہ آج مشرکین چند دنوں کے لیے وسعت کی زندگی اور مسلمان تنگ دستی کی زندگی گزار رہے ہیں، وہ دن دور نہیں جب مشرکین کا مال و دولت تباہ ہو جائے گا اور مسلمان آسودہ ہو جائیں گے۔

۱۸۔ وہ اپنے کاموں کو اللہ کی مشیت کے ساتھ مربوط نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں اپنی حسن تدبیر پر ناز تھا۔

۲۵۔ حَرۡدٍ: روکنا۔ منع کرنا۔ مالداروں کی دولت میں موجود مساکین کا حق ادا نہ کرنے کی صورت میں تباہی آتی ہے۔ البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ مساکین کو جو حق مل رہا ہے، اس کے ساتھ ان کی پوری توقعات وابستہ ہونے کے باوجود ان کے آس توڑ دی جائے۔

۳۲۔ روایت میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے سے بہتر باغات عنایت فرمائے۔ (زبدۃ التفاسیر)

۳۵۔ یہ عدل الٰہی اور ہر عاقل کی سمجھ میں آنے والی قدروں کے خلاف ہے کہ مسلم اور مجرم ایک جیسے ہوں۔ مشرکین کے اس خیال کی رد ہے کہ اگر

ع كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ
رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ
الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ
كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ
تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا
تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا
تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ
زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَاْتُوْا
بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ
يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ

اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، کاش! یہ لوگ جان لیتے۔☆ ﴿۳۴﴾ پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس یقیناً نعمت بھری جنتیں ہیں۔ ﴿۳۵﴾ کیا ہم مسلمانوں کو مجرمین جیسا بنا دیں گے؟☆ ﴿۳۶﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟☆ ﴿۳۷﴾ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟☆ ﴿۳۸﴾ اس میں وہی باتیں ہوں جنہیں تم پسند کرتے ہو، ﴿۳۹﴾ یا ہمارے ذمے تمہارے لیے قیامت تک کے لیے کوئی عہد و پیمان ہے کہ تمہیں وہی ملے گا جس کو تم مقرر کر دیتے ہو؟ ﴿۴۰﴾ آپ ان سے پوچھیں: ان میں سے کون اس کا ذمہ دار ہے؟ ﴿۴۱﴾ کیا ان کے شریک ہیں؟ پس اگر وہ سچے ہیں تو اپنے شریکوں کو لے آئیں۔ ﴿۴۲﴾ جس دن مشکل ترین لمحہ آئے گا اور انہیں سجدے کے لیے بلایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے۔☆ ﴿۴۳﴾ ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی حالانکہ انہیں سجدے کے لیے اس وقت بھی بلایا

قیامت ہوئی تو وہاں بھی ہم مسلمانوں سے بہتر حالت میں ہوں گے، جیسا کہ دنیا میں ہماری حالت مسلمانوں سے بہتر ہے۔

۳۶۔ مشرکین مکہ کے اس طنز کا جواب، جس میں وہ کہتے تھے کہ اللہ ان مسلمانوں کو فقر و بدحالی میں رکھ کر خوب سزا دے رہا ہے۔

۳۷۔ تمہارے اعتقادات و نظریات کا مآخذ اور سند کیا ہے؟ کیا کوئی آسمانی سند اور کتاب موجود ہے جس میں تمہاری پسند کے عقائد مذکور ہوں؟ یا اللہ کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے جس کے تحت تمہیں وہی چیز ملے جس کا تم فیصلہ کر رہے ہو؟ کیا اس خیال پر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کسی کتاب میں اس مطلب کو تم نے پڑھا ہے کہ قیامت کے دن تمہاری پسند کی چیزیں تمہیں میسر آئیں گی؟

۴۲۔ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ: جب کوئی ہنگامی حالت اور غیر معمولی سختی پیش آتی ہے تو لوگ اس سے نمٹنے کے لیے آمادگی کے طور پر کپڑے سمیٹ لیتے ہیں اور پنڈلی کھول لیتے ہیں۔ چنانچہ غیر معمولی حالت درپیش ہونے کی صورت میں کشف ساق ایک محاورہ بن گیا ہے۔ لہٰذا اس کا ترجمہ پنڈلی کی تجلی سے کرنا، اللہ کا جسم ہونے کے قائل ہونے کے مترادف ہے۔ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ قرینہ ہے کہ کشف ساق عدم سالمیت کا محاورہ ہے۔ جیسا کہ سعد بن خالد نے موت نزدیک آنے کی اضطرابی حالت میں یہی تعبیر اختیار کی ہے:

كشفت لهم عن ساقها
وبدا من الشر الصراح
و بدت عقاب الموت
يخفق تحتها الاجل المتاح

إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَٰلِمُونَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِي
وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ
سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾
وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۴۵﴾ أَمْ
تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿۴۶﴾
أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۷﴾
فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ
الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۴۸﴾ وقف لازم
لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ
بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ
فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۵۰﴾ وَإِن يَكَادُ
الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ
لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ

جاتا تھا جب یہ لوگ سالم تھے۔ ﴿۴۴﴾ پس مجھے اس کلام کی تکذیب کرنے والوں سے نپٹنے دیں، ہم بتدریج انہیں گرفت میں لیں گے اس طرح کہ انہیں خبر ہی نہ ہو۔ ﴿۴۵﴾ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، میری تدبیر یقیناً بہت مضبوط ہے۔☆ ﴿۴۶﴾ کیا آپ ان سے اجرت مانگتے ہیں جس کے تاوان تلے یہ لوگ دب جائیں؟☆ ﴿۴۷﴾ یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھتے ہوں؟ ﴿۴۸﴾ پس اپنے رب کے حکم تک صبر کریں اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے غم سے نڈھال ہو کر (اپنے رب کو) پکارا تھا۔☆ ﴿۴۹﴾ اگر ان کے رب کی رحمت انہیں سنبھال نہ لیتی تو وہ برے حال میں چٹیل میدان میں پھینک دیے جاتے۔ ﴿۵۰﴾ مگر اس کے رب نے اسے برگزیدہ فرمایا اور اسے صالحین میں شامل کر لیا۔ ﴿۵۱﴾ اور کفار جب اس ذکر (قرآن) کو سنتے ہیں تو قریب ہے کہ اپنی نظروں سے آپ کے قدم اکھاڑ دیں اور کہتے ہیں: یہ دیوانہ ضرور ہے۔☆

صحیح بخاری تفسیر سورہ قلم میں آیا ہے: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا۔" روایت کی صحت کا التزام کرنے والے اللہ کے تجسم تک جا پہنچتے ہیں۔ پھر الکیف مجھول اس پنڈلی کی حقیقت غیر معلوم کہکر اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں کہ اللہ کی پنڈلی کا انسانوں کی پنڈلی کی طرح ہونا ضروری نہیں ہے۔

وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ: یہ حکم طعن و تشنیع کے طور پر ہوگا کہ دنیا میں جب تم سالم تھے، سجدہ نہیں کرتے تھے۔ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ بتاتا ہے کہ یہ حکم تکلیفی نہیں ہے۔ چونکہ غیر ممکن فعل پر حکم نہیں آتا اور آخرت یوم حساب ہے، یوم تکلیف نہیں ہے۔

۴۵۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا اہم حصہ ہے کہ فوری عذاب نازل نہیں فرماتا، بلکہ مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے کہ اگر قابل ہدایت ہیں تو یہ ڈھیل ان کے لیے رحمت ہے، اگر قابل ہدایت نہیں ہیں تو یہ ڈھیل ان کے عذاب میں اضافے کا سبب ہے۔

۴۶۔ نہ آپ ان پر کوئی مالی بوجھ ڈالتے ہیں، نہ ہی ان کے پاس کوئی غیبی حوالہ ہے جس پر تکیہ کر کے وہ اپنے لیے کوئی مؤقف بنا سکتے ہوں۔

۴۸۔ یعنی حضرت یونس ؑ نے اللہ کا فیصلہ آنے تک صبر سے کام نہیں لیا تو مچھلی کے پیٹ میں جانے کی نوبت آ گئی۔

۵۱۔ اگر اللہ کی حمایت آپ ﷺ کے شامل حال نہ ہوتی تو یہ مشرکین اپنی نظر بد سے آپ ﷺ کو گزند پہنچانے کی کوشش کرتے۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ نظر بد کے مؤثر ہونے پر روایت و درایت دونوں دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ مستدرک الوسائل ۱: ۴۲۱ اور صحیح بخاری باب الطب حدیث ۵۲۹۹ میں آیا ہے: اَلعَین حقٌ یعنی چشم بد ایک

لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

﴿۵۲﴾ اور حالانکہ یہ (قرآن) عالمین کے لیے فقط نصیحت ہے۔

آیاتہا ۵۲ — ۶۹ سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۷۸ — رکوعاتہا ۲

سورۃ حاقہ۔مکی۔آیات ۵۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ

﴿۱﴾ حتمی وقوع پذیر۔☆ ﴿۲﴾ وہ حتمی وقوع پذیر کیا ہے؟ ﴿۳﴾ اور آپ کو کس چیز نے بتایا کہ وہ حتمی وقوع پذیر کیا ہے؟☆ ﴿۴﴾ ثمود اور عاد نے اس کھڑکا دینے والے واقعے کو جھٹلا دیا تھا۔☆ ﴿۵﴾ پھر ثمود کو تو اس طغیانی حادثے سے ہلاک کر دیا گیا۔ ﴿۶﴾ اور عاد کو ایک سرکش طوفانی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔ ﴿۷﴾ جسے اس نے مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ان پر مسلط رکھا، پس آپ ان لوگوں کو وہاں دیکھیے اس طرح پڑے ہوئے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔☆ ﴿۸﴾ کیا ان میں سے تجھے کوئی باقی ماندہ نظر آ رہا ہے؟ ﴿۹﴾ اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں اور سرنگوں شدہ بستیوں نے بھی اسی غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔☆ ﴿۱۰﴾ پھر انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو

---

حقیقت ہے نیز روایت ہے: لو سبق شیٔ القدر لسبقه العين۔ (موطا باب الرقیۃ۔ بحار الانوار ۶۰: ۲۶) اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاتی ہے، وہ چشم بد ہے۔

سورہ حاقہ

مشرکین مکہ نہ صرف قیامت کے منکر تھے بلکہ اسے ناممکن و نامعقول سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایسے منکروں کے لیے یہ اسلوب کلام اختیار کیا گیا کہ جس شد و مد سے وہ اس کے منکر تھے، اسی شد و مد سے اسے پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ قیامت کی وہ گھڑی جس کے وقوع پذیر ہونے میں کسی قسم کے شک و شبے کی گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ اس کی ہولناکیوں کا آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ یعنی آپ کے اندازوں سے بھی زیادہ ہولناک ہے۔

۴۔ یہ وہی واقعہ ہے جسے عاد اور ثمود نے جھٹلایا تھا تو اس تکذیب کے نتیجے میں ثمود کو تو حد سے زیادہ سخت ترین واقعہ میں ہلاک کر دیا گیا تھا اور عاد کو ایک طوفانی آندھی نے تباہ کر دیا تھا۔

۷۔ حُسُوْمًا: ایک معنی پے در پے کے ہیں۔ ترجمہ میں لفظ مسلسل اس کا ترجمہ اختیار کیا ہے۔ اس کا دوسرا معنی کاٹنے سے کیا گیا ہے۔ حاسم کاٹنے والے کو کہتے ہیں۔

۹۔ اس سے مراد قوم لوط ہے، جس کا ذکر اس سے پہلے سورہ ہود اور سورہ حجر میں آ چکا ہے۔

۱۱۔ طوفان نوح کا ذکر ہے، جس میں سب غرق ہو گئے، صرف اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کرنے والے بچ گئے۔

۱۲۔ متعدد طرق سے فریقین کے مصادر میں یہ روایت موجود ہے: و تعیها اذن واعیة سے مراد حضرت علی ؑ ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر طبری۔ اسباب النزول واحدی۔ تفسیر کبیر فخر رازی۔ تفسیر قرطبی۔ کنز العمال۔ البحر المحیط۔ تفسیر ابن کثیر۔ روح المعانی وغیرہ۔

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ⑪ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ⑫ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ⑭ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ⑮ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ⑯ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ⑰ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ⑱ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ⑲ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ

اللہ نے انہیں بڑی سختی کے ساتھ گرفت میں لے لیا۔ ⑪ جب پانی میں طغیانی آئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا۔☆ ⑫ تاکہ ہم اسے تمہارے لیے یادگار بنا دیں اور سمجھدار کان ہی اسے محفوظ کرتا ہے۔☆ ⑬ پس جب صور میں ایک دفعہ پھونک ماری جائے گی، ⑭ اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے تو وہ ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے، ⑮ تو اس روز وقوع پذیر ہونے والا واقعہ پیش آ جائے گا۔ ⑯ اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس روز ڈھیلا پڑ جائے گا، ⑰ اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور اس دن آٹھ فرشتے آپ کے رب کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔☆ ⑱ اس دن تم سب پیش کیے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی۔☆ ⑲ پس جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (دوسروں سے) کہے گا: لو میرا نامہ عمل پڑھو۔☆ ⑳ مجھے تو یقین تھا کہ مجھے اپنے حساب کا سامنا کرنا ہو

۱۷۔ عرش الٰہی سے مراد علم و اقتدار لیا جائے تو اس صورت میں اس (عرش) کے اٹھانے والوں سے مراد وارثین علم الٰہی ہو سکتے ہیں، جن کی تعداد آٹھ ہوگی یا آٹھ صفیں ہوں گی۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ عرش تدبیر کائنات سے عبارت ہے۔ یعنی کائنات کی تخلیق کے بعد تدبیر کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے کے لیے عرش کی تعبیر اختیار کی ہے۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔ (نازعات:۵) میں ذکر ہو گا کہ کچھ مقتدر فرشتے اللہ تعالیٰ کے تدبیری امور کے کارندے ہیں۔ یہی فرشتے حاملان تدبیران الٰہی ہوں تو بعید نہیں ہے۔

۱۸۔ اللہ کی بارگاہ میں حساب کے لیے ہر ایک کو پیش ہونا ہوگا۔ اس مرحلے میں تمام اعمال سامنے لائے جائیں گے۔ اسے نامہ اعمال سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کے بارے میں کہا جائے گا: مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا۔ (کھف:۴۹) یہ کیسی کتاب ہے جس نے چھوٹا بڑا شمار کیے بغیر نہیں چھوڑا۔

۱۹۔ جن کا نامہ اعمال ان کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ نجات حاصل کرنے والے ہوں گے۔ کیونکہ وہ دنیا میں اس یوم حساب پر یقین رکھتے تھے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے تھے۔ یہ اصحاب یمین میں سے ہوگا، جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اسے اپنے نامۂ اعمال پر بھرپور اعتماد ہوگا۔ لوگوں کو دعوت دے گا، آؤ! میرے نامہ اعمال کا مطالعہ کرو۔ اس میں کوئی ایسا راز نہ ہوگا، جس کے افشا ہونے کا خطرہ ہو۔ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (طارق: ۹)۔ وہ رازوں کے افشا ہونے کا دن ہوگا۔

۲۰۔ یوم الحساب پر میرا جو پختہ عقیدہ تھا، اس کی بنا پر میں نے آج کے دن اللہ کے روبرو حساب دینے

حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ

گا۔☆ ﴿۲۱﴾ پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا،☆ ﴿۲۲﴾ بلندو بالا جنت میں، ﴿۲۳﴾ جس کے میوے قریب (دسترس میں) ہوں گے۔ ﴿۲۴﴾ خوشگواری کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلے میں جنہیں تم گزشتہ زمانے میں بجالائے۔ ﴿۲۵﴾ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے وہ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا نامہ اعمال نہ دیا جاتا۔☆ ﴿۲۶﴾ اور مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ ﴿۲۷﴾ کاش! موت میرا کام تمام کر دیتی۔ ﴿۲۸﴾ میرے مال نے مجھے نفع نہ دیا۔ ﴿۲۹﴾ میرا اقتدار نابود ہوگیا۔ ﴿۳۰﴾ (حکم آئے گا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہناؤ، ﴿۳۱﴾ پھر اسے جہنم میں تپا دو، ﴿۳۲﴾ پھر ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں اسے جکڑ لو۔ ﴿۳۳﴾ یقینا یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ ﴿۳۴﴾ اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔☆ ﴿۳۵﴾ لہٰذا آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں ہے۔ ﴿۳۶﴾ اور

---

کے لیے اپنے آپ کو مستعد رکھا تھا۔

۲۱۔ آج وہ اپنی دل پسند زندگی میں ہوگا۔

۲۵۔ جن کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ لوگ ہوں گے جو اس یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ یعنی کردار و عمل میں وہ اس دن کو سامنے نہیں رکھتے تھے۔

جب نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اس میں اپنی سیاہ کاریوں کو دیکھ کر کہے گا: کاش اسے پڑھنے کا اتفاق ہی نہ ہوتا۔ کاش موت مجھے ختم کر دیتی۔ آج نہ مال کام آیا، نہ دنیا کا اقتدار۔

۳۴۔ یعنی یہ لوگ دو بری صفات کے حامل تھے: کفر اور بخل۔ کفر کے ذریعے یہ لوگ اللہ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے تھے اور بخل کی وجہ سے وہ مخلوق سے لاتعلق تھے اور یہ جملہ "مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا" قابل غور ہے، کیونکہ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کو نہ صرف یہ کہ مسکینوں کا خود خیال رکھنا چاہیے، بلکہ دوسروں کو بھی اس امر کی ترغیب دینی چاہیے۔

۳۹۔ یعنی پوری کائنات کی قسم! یہ قرآن ایک رسول کریم ﷺ کا قول ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔ کائنات کی موجودات دو قسم کی ہیں: مشاہداتی اور غیر مشاہداتی اور یہ بھی ایک مسلّم سی بات ہے کہ غیر مشاہداتی موجودات کا دائرہ ہمارے مشاہداتی موجودات سے کہیں زیادہ وسیع اور عظیم ہے۔

غِسۡلِیۡنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا یَاۡکُلُہٗۤ اِلَّا الۡخَاطِـُٔوۡنَ ﴿۳۷﴾ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۴۰﴾ وَّ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَ لَا بِقَوۡلِ کَاہِنٍ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذۡنَا مِنۡہُ بِالۡیَمِیۡنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡہُ الۡوَتِیۡنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنۡکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡہُ حٰجِزِیۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِنَّہٗ لَتَذۡکِرَۃٌ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡکُمۡ مُّکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۹﴾ وَ اِنَّہٗ لَحَسۡرَۃٌ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنَّہٗ لَحَقُّ الۡیَقِیۡنِ ﴿۵۱﴾

پیپ کے سوا اس کی کوئی غذا نہیں ہے، ﴿۳۷﴾ جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔ ﴿۳۸﴾ پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو، ﴿۳۹﴾ اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو☆ ﴿۴۰﴾ یقیناً یہ ایک کریم رسول کا قول ہے، ﴿۴۱﴾ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے، تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔ ﴿۴۲﴾ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کلام ہے، تم کم ہی غور کرتے ہو۔ ﴿۴۳﴾ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ ﴿۴۴﴾ اور اگر اس (نبی) نے کوئی تھوڑی بات بھی گھڑ کر ہماری طرف منسوب کی ہوتی،☆ ﴿۴۵﴾ تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے، ﴿۴۶﴾ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ ﴿۴۷﴾ پھر تم میں سے کوئی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔☆ ﴿۴۸﴾ اور پرہیزگاروں کے لیے یقیناً یہ ایک نصیحت ہے۔ ﴿۴۹﴾ اور ہم جانتے ہیں کہ تمہارے درمیان کچھ لوگ تکذیب کرنے والے ہیں۔ ﴿۵۰﴾ یہ (تکذیب) کفار کے لیے یقیناً (باعث) حسرت ہے۔☆ ﴿۵۱﴾ اور یہ سراسر حق پر مبنی یقینی ہے۔☆

۴۴۔ تَقَوَّلَ: کسی بات کا گھڑ لینا۔ اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ قرآن میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس آیت سے حدیث غرانیق کی تکذیب ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے سورۃ النجم میں اپنی طرف سے ایک آیت کا اضافہ کیا تھا۔ (معاذ اللہ)

۴۷۔ یعنی نبی کو اپنی طرف سے کسی کمی و بیشی کا حق حاصل نہیں۔ اگر بالفرض کوئی نبی وحی میں تصرف کرتا اور اپنی طرف سے بھی کوئی بات گھڑ دیتا تو اللہ اس کو فوری سزا دیتا۔ لیکن اگر کوئی شخص اللہ کا نبی نہ ہو اور جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرے تو یہ الگ مسئلہ ہے۔ دیگر کافروں اور مجرموں کی طرح اسے بھی مہلت مل سکتی ہے۔

۵۰۔ یعنی اس قرآن کی تکذیب کافروں کے لیے آخرت کے روز موجب حسرت ہوگی کہ انہوں نے کس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔

۵۱۔ لَحَقُّ الۡیَقِیۡنِ: حق الیقین اس مرحلے کا نام ہے جہاں کسی بات پر انتہائی یقین حاصل ہوتا ہے۔ حق واقع کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں باطل آتا ہے، جس کا کوئی واقع نہیں ہوتا۔ ایک سراب سا ہوتا ہے، جس میں واقع ہونے کا گمان ہوتا ہے، اور کبھی امر واقع ہوتا ہے، لیکن یہ واقع لوگوں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ قرآن ایک واقع بھی ہے اور یہ واقع پوشیدہ بھی نہیں ہے۔

فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۵۲﴾

۵۲ پس آپ اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کریں۔

## ۷۰ سُوۡرَةُ الۡمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۷۹

آیاتہا ۴۴ — رکوعاتہا ۲

سورۂ معارج۔ مکی۔ آیات ۴۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ لَيۡسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الۡمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِيۡلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰٮهُ قَرِيۡبًا ﴿۷﴾ يَوۡمَ تَكُوۡنُ السَّمَآءُ كَالۡمُهۡلِ ﴿۸﴾ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ ﴿۹﴾ وَلَا يَسۡـَٔلُ حَمِيۡمٌ حَمِيۡمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوۡنَهُمۡ ؕ يَوَدُّ الۡمُجۡرِمُ لَوۡ يَفۡتَدِىۡ مِنۡ عَذَابِ يَوۡمِئِذٍۢ بِبَنِيۡهِ ﴿۱۱﴾

۱ ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا جو واقع ہونے ہی والا ہے۔☆ ۲ کفار کے لیے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ہے، ۳ عروج کے مالک اللہ کی طرف سے ہے۔ ۴ ملائکہ اور روح اس کی طرف اوپر چڑھتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔☆ ۵ پس آپ صبر کریں، بہترین صبر۔ ۶ یہ لوگ یقیناً اس (عذاب) کو دور خیال کرتے ہیں، ۷ اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔ ۸ اس دن آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہو جائے گا، ۹ اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے ۱۰ اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا،☆ ۱۱ حالانکہ وہ انہیں دکھائے جائیں گے، مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو فدیہ میں

---

### سورہ معارج

۱۔ امامیہ و غیر امامیہ مصادر میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے موقع پر حضرت علی ؑ کی ولایت کا اعلان فرمایا تو حارث بن نعمان الفہری نے کہا: محمد ﷺ جو کچھ کہہ رہا ہے، اگر وہ صحیح ہو تو اے اللہ مجھ پر آسمان سے پتھر برسا دے یا مجھے دردناک عذاب دے۔ یہ کہکر وہ اپنی سواری کی طرف چلا ہی تھا کہ ایک پتھر آسمان سے اس کے سر پر گرا اور اس کے نیچے سے نکل گیا اور وہ مر گیا۔ اس واقعہ کو شمس الدین صنفی نے شرح جامع الصغیر میں، زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ میں، شبلنجی نے نور الابصار میں شربینی نے السراج المنیر میں، ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور حسکانی نے دعاۃ الہداۃ میں نقل کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے الغدیر ج ۱ ص ۲۸۵۔

۴۔ حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے: اَلَا فَحَاسِبُوا اَنۡفُسَكُمۡ قَبۡلَ اَنۡ تُحَاسَبُوا۔ فَاِنَّ اَمۡكِنَةَ الۡقِيَامَةِ خَمۡسُوۡنَ مَوۡقِفًا كُلُّ مَوۡقِفٍ مُقَامُ اَلۡفِ سَنَةٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الۡآيَةَ۔ (مستدرک الوسائل ۱۲: ۱۵۵۔ المیزان) تمہارا محاسبہ ہونے سے پہلے تم خود اپنا محاسبہ کرو۔ قیامت کے دن پچاس مراحل ہیں۔ ہر مرحلہ تمہارے حساب کے مطابق ہزار سال کے برابر ہوگا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ زمانہ ہر جگہ یکساں نہیں ہوتا۔ قیامت کا زمانہ اپنے عالم کے مطابق ہوگا۔ یہاں ارضی زمانے کے ساتھ ایک تشبیہ دی گئی ہے۔

۱۰۔ اس دن کی ہولناکی کی تصویر ہے کہ اپنے گہرے

وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ

دے دے، ⑫ اور اپنی زوجہ اور اپنے بھائی کو بھی، ⑬ اور اپنے اس خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا، ⑭ اور روئے زمین پر بسنے والے سب کو (تاکہ) پھر اپنے آپ کو نجات دلائے۔ ⑮ ایسا ہرگز نہ ہوگا کیونکہ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے، ⑯ جو منہ اور سر کی کھال ادھیڑنے والی ہے۔ ⑰ یہ آتش ہر پیٹھ پھیرنے والے اور منہ موڑنے والے کو پکارے گی، ⑱ اور اسے (بھی) جس نے مال جمع کیا اور بند رکھا۔ ⑲ انسان یقینا کم حوصلہ خلق ہوا ہے۔ ⑳ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے،☆ ㉑ اور جب اسے آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، ㉒ سوائے نماز گزاروں کے،☆ ㉓ جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں، ㉔ اور جن کے اموال میں معین حق ہے، ㉕ سائل اور محروم کے لیے،☆ ㉖ اور جو روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں، ㉗ اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ ㉘ بتحقیق ان کے رب کا عذاب بے

دوست کی خبر گیری نہیں کرے گا۔ ہر شخص اپنی فکر میں پریشان ہوگا حالانکہ يُبَصَّرُوْنَهُمْ دوستوں کو دکھائے جانے پر پہچان لے گا۔ دوست کی کیا بات، مجرم تو اس دن یہ چاہے گا کہ سب اس کے فدیہ میں دے دیے جائیں اور خود بچ جائے، خواہ وہ بیٹا ہو، بیوی ہو، بھائی ہو، اپنے خاندان کے لوگ ہوں، بلکہ ساری دنیا کے لوگ فدیہ میں دے دیے جائیں اور خود بچ جائے۔

۲۰۔ تفسیر قمی میں آیا ہے: الشَّرُّ سے مراد فقر و فاقہ ہے، الْخَيْرُ سے مراد دولت اور کشادگی ہے۔

۲۲۔ انسان مادی طور پر نہایت کھوکھلا ہے۔ وہ نہ مصیبت برداشت کر سکتا ہے، نہ خوشحالی کی صورت میں توازن برقرار رکھ سکتا ہے۔ مشکلات کے مقابلے میں جلدی ہتھیار ڈال دیتا ہے اور شکست کھا کر زبوں ہو جاتا ہے نیز خوشحالی کی صورت میں انسانی قدروں کو بھول جاتا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کی شخصیت صرف مادی بنیادوں پر استوار نہیں ہے۔ ان میں سرفہرست نمازی لوگ ہیں۔ نماز شخصیت ساز ہے۔ جس کی شخصیت کی بنیاد اللہ کی عبودیت پر استوار ہو، وہ چٹان سے زیادہ مضبوط ثابت ہوتا ہے۔

۲۵۔ مؤمن حرص، طمع اور بخل جیسے رذائل کے تابع نہیں ہوتا، بلکہ الٰہی و انسانی قدروں کا مالک، آزاد اور طاقتور ہوتا ہے۔ وہ مال کا غلام نہیں، بلکہ مال پر اس کی حکومت چلتی ہے۔ وہ سائل اور محروم کو ان کا

مَاْمُوْنٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآىِٕمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿٣٤﴾ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ ﴿٣٧﴾ اَیَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ فَلَاۤ

ع

خوف ہونے کی چیز نہیں ہے۔ ﴿٢٩﴾ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، ﴿٣٠﴾ مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے پس ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ ﴿٣١﴾ جو لوگ اس کے علاوہ کی خواہش کریں وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، ﴿٣٢﴾ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں،☆ ﴿٣٣﴾ اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں، ﴿٣٤﴾ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں،☆ ﴿٣٥﴾ جنتوں میں یہی لوگ محترم ہوں گے۔ ﴿٣٦﴾ پھر ان کفار کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں،☆ ﴿٣٧﴾ دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے گروہ در گروہ ہو کر، ﴿٣٨﴾ کیا ان میں سے ہر شخص یہ آرزو رکھتا ہے کہ اسے نعمت بھری جنت میں داخل کیا جائے؟ ﴿٣٩﴾ ہرگز نہیں! ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں۔☆ ﴿٤٠﴾ پس میں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم کھاتا

---

حق ادا کرتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَرَضَ فِی اَمْوَالِ الْاَغْنِیَاءِ حُقُوقاً غَیْرَ الزَّكَاةِ فَقَالَ عَزَّ وَ جَلَّ وَالَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآىِٕلِ فَالْحَقُّ الْمَعْلُومُ غَیْرُ الزَّكَاةِ۔ (وسائل الشیعة ٩: ٤٦) مگر اللہ نے دولت مندوں کے اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق فرض کیے ہیں۔ چنانچہ اللہ عز و جل نے فرمایا: جن کے اموال میں معین حق ہے سائل اور محروم کے لیے۔ حق معلوم زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے: حق معلوم زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ اس سے مراد تمہارا وہ مال ہے، جو چاہو تو ہر جمعہ دے دو، چاہو تو ہر روز دے دو۔ (المیزان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے: اعطوا السائل و لو جاء علی فرس۔ (مستدرک الوسائل ٧: ٢٠٣۔ موطا مالک حدیث ١٥٨٣) سائل کو دے دو، خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

٣٢۔ ان آیات کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ مومنون کی ابتدائی آیات۔

٣٤۔ آیت ٢٣ میں فرمایا: الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ۔ جو نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں۔ یعنی ان کی کوئی نماز ترک نہیں ہوتی۔ اس آیت میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی نماز کی شکل و

| | |
|---|---|
| اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَ الۡمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوۡنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ خَیۡرًا مِّنۡهُمۡ ۙ وَ مَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۴۲﴾ یَوۡمَ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّهُمۡ اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِکَ الۡیَوۡمُ الَّذِیۡ کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ع | ہوں کہ ہم قادر ہیں۔ ﴿۴۱﴾ (اس بات پر) کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگوں کو لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ ﴿۴۲﴾ پس آپ انہیں بیہودگی اور کھیل میں چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ اس دن کا سامنا کریں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ ﴿۴۳﴾ جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا وہ کسی نشانی کی طرف بھاگ رہے ہوں۔☆ ﴿۴۴﴾ ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی، یہ وہی دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ |
| ایاتها ۲۸ — ۷۱ سُوۡرَةُ نُوۡحٍ مَّکِّیَّةٌ ۷۱ — رکوعاتها ۲ | سورہ نوح۔مکی۔آیات ۲۸ |
| بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | بنام خدائے رحمٰن رحیم |
| اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَهُمۡ عَذَابٌ | ﴿۱﴾ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کی تنبیہ کریں قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آ جائے |

ہیئت میں خلل نہیں آنے دیتے اور ہر عمل اپنی جگہ درست انجام دیتے ہیں۔ اس طرح نماز کے بارے میں دو مقامات پر ذکر آیا ہے کہ مضبوط شخصیت کے مالک وہ لوگ ہوں گے جن کی کوئی نماز ترک نہیں ہوتی اور جن کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

۳۶۔ مُهۡطِعِیۡنَ: یعنی مسرعین۔ دوڑتے ہوئے آنا۔ عزین ٹولیوں میں۔ یعنی یہ لوگ رسول کریم ﷺ کی طرف دوڑتے ہوئے آتے اور آپ ﷺ کا کلام سن کر تمسخر کرتے تھے: اگر یہ مسلمان لوگ جنت جائیں گے، جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو ہم ان سے پہلے جنت جائیں گے۔ (زبدۃ التفاسیر)

۳۹۔ ان کو خود معلوم ہے کہ ہم نے انہیں نطفے سے پیدا کر کے انسان بنا دیا ہے۔ کیا یہ لوگ نہیں سوچتے کہ جس نے ہمیں ایک بوند سے انسان بنایا ہے، وہ ہمیں دوبارہ بھی بنا سکتا ہے؟

۴۳۔ وہ قبروں سے تیزی کے ساتھ نکل رہے ہوں گے۔ حساب دینے کے لیے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے تیزی کے ساتھ قبروں سے ایسے نکل رہے ہوں گے جس طرح انڈوں سے چوزے بڑی تیزی سے نکلتے ہیں۔ قدرت اپنی مخلوقات کو فطرت کی راہ پر لگا دیتی ہے تو اسے تیزی کرنا پڑتی ہے۔ اسے یہ سوچنے کا موقع نہیں ملتا کہ آگے جانا چاہیے یا نہیں جانا چاہیے۔

اَلِیْمٌ ﴿۱﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۳﴾ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَ یُؤَخِّرْکُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ اِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَکْبَرُوا اسْتِکْبَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ؕ

﴿۲﴾ انہوں نے کہا: اے میری قوم! میں تمہیں واضح طور پر تنبیہ کرنے والا ہوں، ﴿۳﴾ کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو کہ،☆ ﴿۴﴾ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں مہلت دے گا، اللہ کا مقرر کردہ وقت جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا، کاش! تم جانتے ہوتے۔☆ ﴿۵﴾ نوح نے کہا: میرے رب! میں اپنی قوم کو رات دن دعوت دیتا رہا، ﴿۶﴾ لیکن میری دعوت نے ان کے گریز میں اضافہ ہی کیا،☆ ﴿۷﴾ اور میں نے جب بھی انہیں بلایا تاکہ تو ان کی مغفرت کرے تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے (منہ) ڈھانک لیے اور اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔ ﴿۸﴾ پھر میں نے انہیں بلند آواز سے بلایا۔ ﴿۹﴾ پھر میں نے انہیں علانیہ طور پر اور نہایت خفیہ طور پر بھی دعوت دی، ﴿۱۰﴾ اور کہا: اپنے رب سے معافی مانگو، وہ یقیناً بڑا

سورہ نوح

۳۔ حضرت نوح ؑ کی رسالت تین اہم ستونوں پر مشتمل تھی: i اعْبُدُوا اللّٰهَ اللہ کی بندگی کرو۔ ii وَاتَّقُوْهُ خوف خدا کرو۔ یعنی اللہ کے عدل سے خوف اور غضب الٰہی سے بچاؤ۔ iii وَ اَطِیْعُوْنِ رسول ﷺ کی اطاعت۔

۴۔ یعنی اگر اللہ کی بندگی اور تقویٰ اختیار کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو تو اللہ تمہیں حتمی اجل تک مہلت دے گا۔ دوسری صورت میں تمہیں مہلت نہیں ملے گی۔

یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ: ایمان کی وجہ سے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، البتہ آئندہ گناہوں کے جوابدہ ہوں گے۔ اس لیے ذنوبکم نہیں کہا، مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ کہا ہے۔ تمہارے کچھ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

۶۔ جو ذہن قبول حق کی اہلیت نہ رکھتا ہو، اگر اسے حق پیش کیا جائے تو اس کی حق سے نفرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ شورہ زار زمین میں بیج ڈالنے سے اس کی شورہ زاری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۲ میں فرمایا: وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا۔ اور ہم قرآن میں سے ایسی چیز نازل کرتے ہیں جو مؤمنین کے لیے تو شفا اور رحمت ہے، لیکن ظالموں کے لیے تو صرف خسارے میں اضافہ کرتی ہے۔ اس طرح بیک وقت مؤمنین کے لیے شفا و رحمت اور ظالموں کے لیے گھاٹا ہے۔

إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ
عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَٰلٍ
وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّٰتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ
أَنْهَٰرًا ﴿١٢﴾ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾
وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ أَلَمْ تَرَوْا۟ كَيْفَ
خَلَقَ ٱللَّهُ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَجَعَلَ
ٱلْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ ٱلشَّمْسَ
سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَٱللَّهُ أَنۢبَتَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ
نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ
إِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ
بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوا۟ مِنْهَا سُبُلًا
فِجَاجًا ﴿٢٠﴾ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِى
وَٱتَّبَعُوا۟ مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُۥ وَوَلَدُهُۥٓ إِلَّا

معاف کرنے والا ہے۔ ⑪ وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا،☆ ⑫ وہ اموال اور اولاد کے ذریعے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغات بنائے گا اور تمہارے لیے نہریں بنائے گا۔☆ ⑬ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا عقیدہ نہیں رکھتے؟ ⑭ حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے خلق کیا۔ ⑮ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمانوں کو یکے بعد دیگرے کس طرح خلق کیا؟☆ ⑯ اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا؟ ⑰ اور اللہ نے زمین سے تمہاری خوب نشو و نما کی۔☆ ⑱ پھر تمہیں اسی میں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تمہیں باہر نکالے گا۔ ⑲ اور اللہ نے زمین کو تمہارے لیے ہموار بنایا،☆ ⑳ تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں پر چلو۔ ㉑ نوح نے کہا: میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان لوگوں کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے ان

۱۱۔ مِّدْرَارًا مفعال کے وزن پر صیغہ مبالغہ ہے۔ یعنی خوب بارش۔

۱۲۔ دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے اثرات صرف آخرت سے مختص نہیں ہیں، بلکہ دنیاوی زندگی پر بھی اس کے مثبت اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ مزید تشریح کے لیے سورۂ اعراف کی آیت ۹۶ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵۔ سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ بعض مؤلفین کا خیال ہے کہ سات آسمان اسی نظام شمسی میں موجود سات طبقاتی فضا ہیں۔ اس پر اس آیت کے بعد کی آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جس میں فرمایا: وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ، ان آسمانوں میں چاند کو نور، سورج کو چراغ بنایا۔ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ چاند اسی نظام شمسی کے لیے نور ہے، دوسری فضاؤں سے تو چاند نظر نہیں آتا۔

میرے نزدیک یہ نظریہ قابل قبول نہیں ہے۔ چونکہ جن طبقات کو مؤلف نے سات آسمان قرار دیا ہے فِيهِنَّ سے ثابت نہیں کہ چاند فی جمیعھن سب آسمانوں کے لیے نور ہے، بلکہ بعض کے لیے نور ہو تو بھی فِيهِنَّ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: فی المدینة عمرو۔ حالانکہ عمرو شہر کے کسی کونے میں ہوتا ہے۔

۱۷۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نبات سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ انسان میں بھی نباتات کی طرح ارضی عناصر پائے جاتے ہیں اور نباتات کی طرح انسان کی حیات زمین سے وابستہ ہے۔

۱۹۔ زمین کو اللہ نے انسان کے لیے ہموار بنایا تاکہ

خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ وَّ لَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع النصف

کے نقصان میں اضافہ ہی کیا۔ ﴿۲۱﴾ اور ان لوگوں نے بڑی عیاری سے فریب کاری کی، ﴿۲۲﴾ اور کہنے لگے: اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔☆ ﴿۲۳﴾ اور (اس طرح) انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور (میرے رب) تو نے بھی ان ظالموں کی گمراہی میں اضافہ ہی کیا۔ ﴿۲۴﴾ وہ لوگ اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق کر دیے گئے اور آگ میں داخل کیے گئے، پس انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہیں پایا۔ ﴿۲۵﴾ اور نوح نے کہا: میرے رب! روئے زمین پر بسنے والے کفار میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ۔ ﴿۲۶﴾ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو وہ یقینا تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور یہ لوگ صرف بدکار کافر اولاد ہی پیدا کریں گے۔☆ ﴿۲۷﴾ میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہو اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما اور کافروں کی ہلاکت میں مزید اضافہ فرما۔ ﴿۲۸﴾

---

اس کی پشت پر رفت و آمد میں آسانی ہو جائے۔

۲۳۔ وَدًّا: وَدّ بت کی مورت قوی ہیکل مرد کی شکل میں تھی۔ عبد ود نامور شخص حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا۔

سُوَاعًا: اس کی مورتی حسین عورت کی شکل میں تھی۔ قبیلہ ھذیل اس کی پوجا کرتا تھا۔

یَغُوْثَ: اس بت کی مورت بیل اور شیر کی شکل میں ہوتی تھی۔ عبدیغوث نام رائج تھا۔ یمن میں اس کی پوجا ہوتی تھی۔

وَیَعُوْقَ: یہ بت گھوڑے کی شکل کا تھا۔ یمن میں اس کی بھی پوجا ہوتی تھی۔

نَسْرًا: اس کی شکل پرندہ عقاب کی ہوتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے قبل حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے صالح لوگوں کی یادگار کے طور پر بت بنائے گئے، بعد میں آنے والی نسلوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔

۲۷۔ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعے علم تھا کہ ان کے اصلاب میں سے کوئی مؤمن آنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا: اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ (ہود: ۳۶) آپ علیہ السلام کی قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں، ان کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

سورہ جن

۱۔ یہ واقعہ بعض کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طائف سے واپسی پر نخلہ کے مقام پر پیش آیا اور بعض کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار عکاظ تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں جنوں کا ایک گروہ گزر رہا تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن پڑھتے سنا تو ایمان لے آئے۔ جن ایک پوشیدہ مخلوق ہے، جسے

اٰیاتہا ۲۸ | ۷۲ سُوۡرَۃُ الۡجِنِّ مَکِّیَّۃٌ ۴۰ | رکوعاتہا ۲

سورہ جن۔ مکی۔ آیات ۲۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ
فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّہۡدِیۡۤ
اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ
اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّ اَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ
صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوۡلُ
سَفِیۡہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ
اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلَی اللّٰہِ
کَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّ اَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ
یَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡہُمۡ
رَہَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّ اَنَّہُمۡ ظَنُّوۡا کَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ
یَّبۡعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ وَّ اَنَّا لَمَسۡنَا السَّمَآءَ

(۱) کہد یجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے☆ (۲) جو راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم کسی کو ہرگز اپنے رب کا شریک نہیں بنائیں گے۔ (۳) اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بلند ہے اس نے نہ کسی کو زوجہ بنایا اور نہ اولاد، (۴) اور یہ کہ ہمارے کم عقل لوگ اللہ کے بارے میں خلاف حق باتیں کرتے ہیں۔☆ (۵) اور یہ کہ ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جن کبھی بھی اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتے۔ (۶) اور یہ کہ بعض انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس نے جنات کی سرکشی مزید بڑھا دی، (۷) اور یہ کہ انسانوں نے بھی تم جنات کی طرح گمان کر لیا تھا کہ اللہ کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ (۸) اور یہ کہ

انسانی حواس درک نہیں کر سکتے، لیکن وہ انسانوں کی طرح مکلف ہیں۔ ان میں مؤمن کافر اور مشرک ہوتے ہیں۔ بعض لوگ جنات کو انسانی اوہام کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور بعض قرآنی تعبیرات کی تاویل و توجیہ کرتے ہیں کہ شیطان و ابلیس سے مراد خود انسان کے اندر موجود منفی طاقت اور خواہشات ہیں، جبکہ یہ باتیں بذات خود اوہام کے سوا کسی دلیل و سند پر مبنی نہیں ہیں۔ قرآن سننے کے بعد جنوں کے مؤقف میں جو تبدیلیاں آئیں، بعد کی آیات میں ان کا ذکر ہے: ☆ انہیں علم ہوا کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ ☆ نادان جنوں کے باطل نظریات کا علم ہوا۔ ☆ ان کو یہ بھی علم ہوا کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں جھوٹ بول سکتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کر سکتے ہیں۔

۶۔ اس بات کے بے بنیاد ہونے کا بھی علم ہو گیا کہ عرب جاہلیت میں لوگ جنوں کی پناہ مانگتے تھے۔

۸۔۹ ہم پہلے آسمان کی خبریں سننے کے لیے آسمان میں بیٹھ جاتے تھے، اب شہاب ثاقب ہماری گھات میں ہیں، لہٰذا آسمان کی خبریں نہیں سن سکتے۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر شہاب ثاقب سے مراد یہی آسمانی پتھروں والی بارش ہوتی تو لازم آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے آسمان پر ایسے شہاب ثاقب موجود نہ ہوں، جبکہ جن چیزوں کو ہم شہاب ثاقب سمجھ رہے ہیں، وہ شروع سے موجود تھے۔ لہٰذا قرآن کا اشارہ ان آسمانی پتھروں کی طرف نہیں ہے بلکہ یہ شہاب ثاقب آسمانی نجوم سے نکلنے والے شہاب ہو سکتے ہیں، جن کی حقیقت ہم پر واضح نہیں ہے۔ البتہ روایات میں آیا ہے کہ زمان جاہلیت میں بھی شہاب ہوتے تھے، لیکن رسول کریم ﷺ کی بعثت کے بعد ان شہابوں نے راستہ روکنا شروع کیا یا ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ اس پر مُلِئَتۡ (بھرا ہوا) کو قرینہ کہتے ہیں۔ (زبدۃ التفاسیر)

فَوَجَدۡنٰهَا مُلِئَتۡ حَرَسًا شَدِيۡدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ يَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ يَجِدۡ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدۡرِيۡۤ اَشَرٌّ اُرِيۡدَ بِمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِهِمۡ رَبُّهُمۡ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنَّا دُوۡنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰهَ فِي الۡاَرۡضِ وَلَنۡ نُّعۡجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخۡسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَمِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوۡا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَكَانُوۡا

ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرے داروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ ﴿۹﴾ اور یہ کہ پہلے ہم سننے کے لیے آسمان کے مقامات میں بیٹھا کرتے تھے، اب اگر کوئی سننا چاہتا ہے تو وہ ایک شعلے کو اپنی کمین میں پاتا ہے۔ ﴿۱۰﴾ اور یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ (اس سے) اہل زمین کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے لیے بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔☆ ﴿۱۱﴾ اور یہ کہ ہم میں سے کچھ لوگ صالح ہیں اور کچھ ہم میں دوسری طرح کے ہیں اور ہم مختلف مذاہب میں بٹے ہوئے تھے۔ ﴿۱۲﴾ اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں۔☆ ﴿۱۳﴾ اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت (کی بات) سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، پس جو شخص بھی اپنے رب پر ایمان لاتا ہے اسے نہ تو نقصان کا خوف ہے اور نہ ظلم کا۔☆ ﴿۱۴﴾ اور یہ کہ ہم میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ ہم میں منحرف ہیں، پس جنہوں نے اسلام اختیار کیا انہوں نے راہ راست اختیار کی۔ ﴿۱۵﴾ اور جو منحرف ہو

۱۰۔ ہم ارادہ الٰہی سے باخبر نہیں ہیں کہ وہ اہل ارض کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔ آسمان پر پہرہ بٹھانے کا مقصد ہمیں معلوم نہیں ہے۔

۱۲۔ ظن بمعنی یقین کثرت سے استعمال ہوتا ہے کہ ہم نہ تو آسمانوں کا راستہ نکالنے کے لیے اللہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں، نہ ہی اللہ کی مملکت سے فرار ہو سکتے ہیں۔

۱۳۔ ہم جنات نے بھی اس راز کا انکشاف کر لیا کہ ایمان کے بعد نہ کسی خسارے کا خوف رہتا ہے، نہ کسی مذلت کا۔

۱۶۔ رخ کلام مشرکین کی طرف ہو گیا کہ اگر وہ راہ راست پر آ جاتے تو ہم ان کو خشک سالی اور قحط سے نکال کر خوشحالی کی آزمائش میں ڈالتے۔

۱۸۔ ائمہ علیہم السلام کی احادیث کے مطابق اَلۡمَسٰجِدَ سے مراد اعضائے سجدہ ہیں کہ ان اعضاء پر غیر اللہ کے لیے سجدہ نہ کرو۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلسُّجُوۡدُ عَلٰی سَبۡعَۃِ اَعۡظُمٍ اَلۡجَبۡہَۃِ وَ الۡیَدَیۡنِ وَ الرُّکۡبَتَیۡنِ وَ الۡاِبۡہَامَیۡنِ وَ تُرۡغِمُ بِاَنۡفِکَ اِرۡغَاماً فَاَمَّا الۡفَرۡضُ فَھٰذِہِ السَّبۡعَۃُ وَ اَمَّا الۡاِرۡغَامُ بِالۡاَنۡفِ فَسُنَّۃٌ مِنَ النَّبِیِّ ص (التھذیب ۲: ۹۹)۔ سجدہ سات اعضاء پر ہونا چاہیے۔ پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر۔ ناک زمین پر لگانا ہو گی۔ یہ سات واجب ہیں۔ ناک زمین پر لگانا سنت نبی ﷺ ہے۔

حنفی کے نزدیک صرف پیشانی کا سجدہ واجب ہے۔ بعض ناک کو بھی شامل کرتے ہیں (رشحات: ۳۷) حنبلی اور مالکی کے نزدیک سات اعضا پر سجدہ واجب ہے۔ ناک کا زمین پر لگانا مستحب ہے۔ شافعی ایک قول میں صرف پیشانی کا سجدہ صحیح سمجھتے ہیں۔ اسلامی مصادر سے جو ثابت ہوتا ہے، وہ سات اعضاء پر سجدہ واجب ہے۔ ناک کا زمین پر لگانا مستحب ہے۔ صحیح بخاری کتاب الاذان میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امرنا ان نسجد علی سبعۃ اعظم۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ سات اعضا پر سجدہ کریں۔ اس کے بعد پیشانی دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کا ذکر ہے۔

لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾ وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿١٦﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿١٨﴾ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ ع قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ﴿٢٣﴾

گئے وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔ ﴿١٦﴾ اور (انہیں یہ بھی سمجھا دیں کہ) اگر یہ لوگ اسی راہ پر ثابت قدم رہتے تو ہم انہیں وافر پانی سے سیراب کرتے،☆ ﴿١٧﴾ تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرے گا وہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ﴿١٨﴾ اور یہ کہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔☆ ﴿١٩﴾ اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اسے پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ ہجوم اس پر ٹوٹ پڑے۔☆ ﴿٢٠﴾ کہد یجیے: میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ ﴿٢١﴾ کہد یجیے: میں تمہارے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی ہدایت کا۔ ﴿٢٢﴾ کہد یجیے: مجھے اللہ سے کوئی ہرگز نہیں بچا سکتا اور نہ ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ پا سکوں گا۔ ﴿٢٣﴾ (میرا کام تو) صرف اللہ کی بات اور اس کے پیغامات کا پہنچانا ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ابد تک ہمیشہ

ان احادیث میں سات اعضاء کے لیے تین مختلف تعبیریں ہیں: سبعة اعظم۔ سبعة اطراف۔ سبعة آراب۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم باب اعضاء السجود۔ ترمذی باب ماجاء فی السجود۔ ان میں ناک کا ذکر نہ ہونا دلیل ہے یہ مستحب ہے، فرض نہیں ہے۔

خاک پر سجدہ: فقہ جعفری کے مطابق سجدہ، خاک پر ہو سکتا ہے یا خاک سے اگنے والی اشیاء پر، جو کھانے اور لباس کی چیزوں اور معادن میں سے نہ ہوں۔

ا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کا عمل شاہد ہے کہ آپ ﷺ مٹی پر سجدہ فرمایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری کتاب الاذان میں ابو سعید خدری راوی ہیں: کان یسجد فی الماء و الطین حتی رایت اثر الطین فی جبهة۔ رسول اللہ ﷺ آب و گل پر سجدہ کرتے تھے کہ میں نے حضور ﷺ کی پیشانی کو گل آلود دیکھا۔ یہ بارش کے دنوں کی بات ہے جب مسجد نبوی ﷺ کی چھت ٹپک رہی تھی۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ الخمرة پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ خمرة کھجور کی چھال سے بنی ہوئی ہتھیلی کے برابر چھوٹی چٹائی کو کہتے ہیں۔ تلخیص الصحاح میں اور محمد طاہر نے مجمع بحار صفحہ ۳۷۷ میں کہا ہے: الخمرة وہی ہے جس پر آج کل شیعہ سجدہ کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کتاب الصلوة میں آیا ہے: کان رسول الله یصلی علی الخمرة۔ رسول اللہ ﷺ خمرة پر سجدہ کیا کرتے تھے نیز ملاحظہ ہو صحیح مسلم باب الصلوة علی الخُمرة۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا سجدہ کے بارے میں یہ فرمان ہے کہ تَرِّبْ وَجْهَكَ اپنے چہرے کو خاک آلود کرو۔ ملاحظہ ہو صحیح ترمذی کتاب الصلوة۔ مسند احمد باب حدیث ام سلمہ۔

سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہر خاک پر سجدہ کرنا بہتر ہے تو جس شہید نے اس سجدے کی خاطر جان دی ہو، اس کی خاک پر سجدہ کرنا یقیناً افضل ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: اِنَّ السُّجود

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

رہے گا۔ ﴿۲۴﴾ (وہ ایمان نہیں لائیں گے) یہاں تک کہ وہ اسے دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مددگار زیادہ کمزور ہے اور کس کی جماعت قلت میں ہے۔ ﴿۲۵﴾ کہد یجیے: میں نہیں جانتا کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے لمبی مدت مقرر فرماتا ہے۔ ﴿۲۶﴾ وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔☆ ﴿۲۷﴾ سوائے اس رسول کے جسے اس نے برگزیدہ کیا ہو، وہ اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔☆ ﴿۲۸﴾ تاکہ اسے علم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچائے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اللہ نے احاطہ کر رکھا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے۔

## ۷۳ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ۳

اٰیاتہا ۲۰ — رکوعاتہا ۲

سورہ مزمل۔ مکی۔ آیات ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿۳﴾

﴿۱﴾ اے کپڑوں میں لپٹنے والے!☆ ﴿۲﴾ رات کو اٹھا کیجیے مگر کم، ﴿۳﴾ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیجیے،

---

عَلٰی تُرْبَةِ اَبِی عَبْدِ اللّٰہ علیہ السلام یَخرِقُ الْحُجبَ السَّبعَ۔ (الوسائل ۵: ۳۶۶ باب استحباب السجود۔۔) حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربت پر سجدہ کرنا (قبولیت کے لیے مانع) سات پردوں کو ہٹا دیتا ہے۔

۱۹۔ مشرکین مکہ کی شدت عداوت کا ذکر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد بھیڑ لگاتے اور اذیت دیتے تھے۔

۲۶۔ علم غیب ذاتی طور پر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا: البتہ رسولوں میں سے جسے ہم برگزیدہ کرتے ہیں، اس پر غیب کا اظہار کرتے ہیں۔ رسولوں میں انسان اور ملائکہ دونوں شامل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا برگزیدہ رسول کے پاس بھی علم غیب آ سکتا ہے، مگر یہ اس رسول کا ذاتی علم نہ ہوگا بلکہ اللہ کی طرف سے تعلیم شدہ علم ہوگا۔ تیسرے درجے پر اولیائے کرام ہوں گے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست تعلیم لیتے ہیں۔

بصائر الدرجات ص ۲۹۳ میں آیا ہے: لا یَعلَمُ اللہ محمداً علماً الا و امرہ ان یعلم علیاً۔ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی تعلیم نہیں دی مگر یہ کہ حکم دیا کہ یہ علی کو سکھائیں۔ شرجیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اس قسم کی حدیث بیان کی ہے۔

۲۷۔ یَسۡلُکُ مِنۡۢ: اس جملے میں فرمایا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر راز ہائے غیب نازل کرنا ہو تو نگہبانوں کے تحفظ میں یہ راز دیا جاتا ہے اور صرف قلب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ میں دیا جاتا ہے۔ آگے رسولؐ یہ علم صرف اہل ہستیوں کے سپرد فرماتے ہیں۔

### سورہ مزمل

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت تزمل اور رسالت کے فرائض کے درمیان کوئی ربط اور واسطہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہم تزمل بار سنگین کے معنی لیں تو بظاہر ربط معلوم ہو جاتا ہے: اے بار سنگین اٹھانے والے۔ چنانچہ

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝۷ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝۹ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝۱۰ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝۱۱ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝۱۲ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝۱۴ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ

۴ یا اس پر کچھ بڑھا دیجئے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے۔☆ ۵ عنقریب آپ پر ہم ایک بھاری حکم (کا بوجھ) ڈالنے والے ہیں۔☆ ۶ رات کا اٹھنا ثبات قدم کے اعتبار سے زیادہ محکم اور سنجیدہ کلام کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہے۔☆ ۷ دن میں تو آپ کے لیے بہت سی مصروفیات ہیں۔ ۸ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے اور سب سے بے نیاز ہو کر صرف اسی کی طرف متوجہ ہو جائیے۔ ۹ وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں لہٰذا اسی کو اپنا ضامن بنا لیجیے۔ ۱۰ اور جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے اور شائستہ انداز میں ان سے دوری اختیار کیجیے۔☆ ۱۱ ان جھٹلانے والوں اور نعمتوں پر ناز کرنے والوں کو مجھ پر چھوڑ دیجیے اور انہیں تھوڑی مہلت دے دیجیے۔☆ ۱۲ یقیناً ہمارے پاس (ان کے لیے) بیڑیاں ہیں اور سلگتی آگ ہے۔ ۱۳ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے۔ ۱۴ جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ بہتی ریت کی مانند ہو جائیں گے۔ ۱۵ (اے لوگو) ہم نے

---

جوہری، ابن اثیر اور بیضاوی نے زمّل کا ایک معنی بوجھ اٹھانے سے کیا ہے۔

۴۔ موجودہ نامساعد حالات اور آیندہ آنے والے سنگین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے رات کو اٹھ کر عبادت اور قرآن کی تلاوت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو مادی وسائل اور اسلحوں سے نہیں، بلکہ باطنی اور روحانی قوت سے لیس کرنا چاہتا ہے۔

۵۔ رات کو اٹھ کر عبادت و تلاوت کے ذریعے عظیم ملکوتی طاقت سے گہرا ربط قائم کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آ رہی ہے کہ آپ ﷺ کے کاندھوں پر ایک سنگین ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے۔

۶۔ ایک عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے رات کی تاریکی اور پرسکون لمحات زیادہ مناسب ہیں جن میں دنیا والوں کے شور و غل سے فارغ یکسو سناٹا میسر آتا ہے اور اپنے خالق سے بہتر اور بیشتر طاقت حاصل کی جا سکتی ہے۔ رات کو روح میں صفائی، عقل کو فراغت، ذہن کو سکون اور ضمیر و وجدان کو مطلوبہ فضا میسر آتی ہے۔

۱۰۔ ابتدائے بعثت میں ہر طرف سے توہین آمیز جملے سننے کو ملتے تھے۔ اس پر صبر کرنے اور پروقار انداز میں ان سے دور رہنے کا حکم ملتا ہے۔ یعنی جاہلیت سے دوری اختیار کرنے میں جمالیاتی کردار ادا ہونا چاہیے کہ جس کے ساتھ انتقام جوئی نہ ہو اور دعوت الی الحق جاری رہے۔

۱۱۔ ان مکذبین کو مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ اس میں رسول کریم ﷺ کے لیے خوشخبری اور مشرکین کے انجام بد کی پیشگوئی ہے اور ساتھ یہ حکم مل رہا ہے کہ انہیں تھوڑی مہلت دیجیے۔ یعنی رسول کریم ﷺ کو حکم مل رہا ہے آپ ﷺ مہلت دیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ مہلت دے گا۔ اس میں ایک تقویت اور تسلی ہے کہ آپ ﷺ غالب آنے والے ہیں۔ مہلت دینا آپ کے ہاتھ میں ہے۔

۱۵۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس

اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ ع اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ

تمہاری طرف ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔☆ ﴿۱۶﴾ پھر فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سختی سے گرفت میں لے لیا۔ ﴿۱۷﴾ اگر تم نے انکار کیا تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا؟☆ ﴿۱۸﴾ اور (اس دن) آسمان اس سے پھٹ جائے گا، اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ ﴿۱۹﴾ یہ ایک نصیحت ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔ ﴿۲۰﴾ آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب یا آدھی رات یا ایک تہائی رات (تہجد کے لیے) کھڑے رہتے ہیں اور آپ کے ساتھ ایک جماعت بھی (کھڑی رہتی ہے) اور اللہ رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے، اسے علم ہے کہ تم احاطہ نہیں کر سکتے ہو پس اللہ نے تم پر مہربانی کی لہٰذا تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو، اسے علم ہے کہ

طرح فرعون پر موسیٰ غالب آیا تھا، اسی طرح ہمارا رسول ﷺ تم پر غالب آنے والا ہے۔ یہ بات ہوئی دنیا کی کہ تمہیں دنیا میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

شَاهِدًا عَلَيْكُمْ: تم پر گواہ بنا کر۔ اس میں آخرت کی رسوائی کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارا رسول ﷺ دنیا میں تمہیں شکست سے اور آخرت میں رسوائی سے دوچار کرے گا۔

۱۷۔ تم نے کفر اختیار کیا تو دنیا میں فرعونیوں کی طرح سزا بھگتو گے اور آخرت کے دن ایسے مراحل سے گزرنا پڑے گا کہ جس کے نتیجے میں ایک ہی دن میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔

۲۰۔ شروع میں آدھی رات یا اس سے کمتر یا بیشتر تہجد کا حکم تھا۔ اس آیت میں اصل حکم کو منسوخ کیے بغیر تہجد کے بارے میں تخفیف کی گئی ہے۔ تخفیف کا یہ حکم ممکن ہے مدینہ میں نازل ہوا ہو، کیونکہ اس آیت میں زکوۃ اور قتال کا ذکر ہے اور ابتدائے دعوت مکہ میں نہ زکوۃ کا حکم نازل ہوا تھا، نہ قتال کا۔ لہٰذا زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ اس سورے کا آخری حصہ مدینہ میں نازل ہوا ہے۔

اس تخفیف کی وجوہات بیان فرمائیں کہ انسان مریض ہوتا ہے یا رزق حلال کی تلاش میں نکلتا ہے یا راہ خدا میں قتال میں مصروف ہوتا ہے تو آدھی رات کو عبادت کرنا میسر نہیں ہوتا۔ لہٰذا جس قدر قرآن پڑھنا ممکن ہے، پڑھ لیا کرے۔ انسان جو کچھ آگے بھیجتا ہے، یعنی راہ خدا میں جو خرچ کرتا

مَّرۡضٰى ۙ وَاٰخَرُوۡنَ يَضۡرِبُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ يَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ‌ ۙ وَاٰخَرُوۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ‌ۖ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنۡهُ‌ ۙ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا‌ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرًا وَّاَعۡظَمَ اَجۡرًا‌ ؕ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۰﴾ ع

عنقریب تم میں سے کچھ لوگ مریض ہوں گے اور کچھ لوگ زمین میں اللہ کے فضل (روزی) کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ راہ خدا میں لڑتے ہیں، لہٰذا آسانی سے جتنا قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو قرض حسنہ دو اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں عظیم تر پاؤ گے اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا، رحیم ہے۔☆

## آیاتہا ۵۶ — ۷۴ سورۃ المدثر مکیۃ ۴ — رکوعاتہا ۲

سورہ مدثر۔ مکی۔ آیات ۵۶

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

يٰۤاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُۙ ﴿۱﴾ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۖ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۖ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرۡ ۖ﴿۴﴾ وَالرُّجۡزَ فَاهۡجُرۡ ۖ﴿۵﴾ وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ ۖ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ

(۱) اے چادر اوڑھنے والے،☆ (۲) اٹھیے اور تنبیہ کیجیے،☆ (۳) اور اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کیجیے☆ (۴) اور اپنے لباس کو پاک رکھیے☆ (۵) اور ناپاکی سے دور رہیے☆ (۶) اور احسان نہ جتلائیں کہ (اپنے عمل کو) بہت سمجھنے لگ جائیں☆ (۷) اور اپنے رب کی خاطر صبر

ہے، وہ اسے اللہ کے ہاں موجود پائے گا اور آخرت میں انتہائی احتیاج کے وقت اللہ سے وصول کرے گا اور جو پیچھے چھوڑ جائے گا، وہ وارثوں کا مال ہوگا۔ اس کا اسے حساب تو دینا پڑے گا مگر اس کے کام نہ آئے گا۔

سورہ مدثر

۱ تا ۷۔ ان دونوں سورتوں میں حالت تزمل اور حالت تدثر کے بعد قیام کا حکم آتا ہے۔ یعنی عزلت اور خلوت وراحت کا وقت ختم ہوا اور اب قیام کا وقت آ گیا ہے۔ قیام کو جن عناصر وارکان پر مشتمل ہونا چاہیے، ان کا بھی ذکر آیا۔ وہ ہیں: i۔ انذار وتنبیہ: سب سے پہلے شرک وکفر سے لاحق ہونے والے خطرات سے تنبیہ۔ ii۔ تکبیر: اللہ کی کبریائی کا ذکر ہے کہ وہ اکبر من ان یوصف یعنی وصف و بیان کی حد سے بڑا ہے۔ iii۔ تطہیر: لباس کی تطہیر۔ یعنی تمام مظاہر کی تطہیر۔ iv۔ ھجر: تمام ناپاکیوں سے دوری۔ v۔ عدم امتنان: لوگوں کو نجات کی راہ دکھانے پر احسان جتلا کر اپنے عمل کو کثیر تصور کرنا بندگی کے شایان شان نہیں ہے بلکہ یہ خود پسندی ہے۔ امامیہ مصادر میں حدیث ہے: المن یھدم الصَّنیعة۔ (الکافی ۴: ۲۲ باب المن) احسان جتلانے سے نیکی برباد ہو جاتی ہے۔ vi۔ صبر: صبر وحوصلہ کے ساتھ رب کو خاطر میں رکھو تو مشکل آسان ہو جائے گی۔

فَاصْبِرْ ﴿٧﴾ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ
يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ
غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ
وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَ
بَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾
ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ
لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾
إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾
ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ
عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾
فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ
هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ
سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي

کیجیے،☆ ﴿۸﴾ اور جب صور میں پھونک ماری جائے گی، ﴿۹﴾ تو وہ دن ایک مشکل دن ہوگا۔ ﴿۱۰﴾ وہ کفار پر آسان نہ ہوگا۔ ﴿۱۱﴾ مجھے اور اس شخص کو (نبٹنے کے لیے) چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا،☆ ﴿۱۲﴾ اور میں نے اس کے لیے بہت سا مال دیا،☆ ﴿۱۳﴾ اور حاضر رہنے والے بیٹے بھی،☆ ﴿۱۴﴾ اور میں نے اس کے لیے (آسائش کی) راہ ہموار کردی،☆ ﴿۱۵﴾ پھر وہ طمع کرنے لگتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں۔☆ ﴿۱۶﴾ ہرگز نہیں! وہ یقینا ہماری آیات سے عناد رکھنے والا ہے۔☆ ﴿۱۷﴾ میں اسے کٹھن چڑھائی چڑھنے پر مجبور کروں گا۔☆ ﴿۱۸﴾ اس نے یقینا کچھ سوچا اسے (کچھ) سوجھا۔ ﴿۱۹﴾ پس اس پر اللہ کی مار، اسے کیا سوجھی؟☆ ﴿۲۰﴾ پھر اس پر اللہ کی مار ہو، اسے کیا سوجھی؟ ﴿۲۱﴾ پھر اس نے نظر دوڑائی،☆ ﴿۲۲﴾ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا،☆ ﴿۲۳﴾ پھر پلٹا اور تکبر کیا،☆ ﴿۲۴﴾ پھر کہنے لگا: یہ جادو کے سوا کچھ نہیں ہے جو منقول ہو کر آیا۔☆ ﴿۲۵﴾ یہ تو صرف بشر کا کلام ہے۔☆ ﴿۲۶﴾ عنقریب میں اسے آگ (سقر) میں جھلسا دوں گا۔☆ ﴿۲۷﴾ اور آپ کو کس

۱۱ تا ۳۰۔ یہ تعبیر عام ہے ہر کافر کے لیے۔ ساتھ اشارہ ہے مکہ کے ایک شخص ولید بن مغیرہ کی طرف جو دولت مند اور کثیر الاولاد تھا۔ ان میں خالد بن ولید زیادہ مشہور ہے۔ اسی نے مشورہ دیا تھا کہ حج کے لیے آنے والوں میں مشہور کرو کہ محمد ﷺ جادوگر ہیں (نعوذ باللہ)۔ اس سلسلے میں ولید کو ﷺ حضور کے خلاف مؤقف تراشنے میں جس کشمکش کا سامنا کرنا پڑا، قرآن نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس کی تصویر کشی کی ہے کہ ولید نے کہا تھا: ہم اس شخص کو کاہن، شاعر اور ساحر نہیں کہہ سکتے۔ ابوجہل کے کہنے پر اس نے سوچ کر کہا: اس کو جادوگر کہنا ہی سب سے زیادہ مناسب ہے۔ (نعوذ باللہ)

۱۴۔ یعنی اسے مال و اولاد دونوں سے نوازا۔ لیکن وہ اس پر بھی راضی نہیں ہے۔ زیادہ لالچ کے مرض میں مبتلا ہے۔

۱۷۔ روایت میں آیا ہے کہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس پر کافروں کو چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ وہ چڑھے گا، پھر گر جائے گا، پھر چڑھے گا، پھر گر جائے گا۔

۱۸۔ اس نے سوچا کہ قرآن کو کس نام سے رد کیا جائے۔ آخر کار اسے جادو کا نام دینے کا سوجھا۔

۲۴۔ جادو کا نام دینے میں اسے تامل تھا کہ محمد ﷺ کو کبھی جادو سے سروکار نہیں رہا تو یہ توجیہ گھڑ دی کہ کسی سے سیکھا ہے، یعنی درآمد شدہ جادو ہے۔

وَ لَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ ۙ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ ۙ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ ۙ اِنَّهَا

چیز نے بتایا سقر کیا ہے؟☆ ﴿۲۸﴾ وہ نہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔☆ ﴿۲۹﴾ آدمی کی کھال جھلسا دینے والی ہے۔☆ ﴿۳۰﴾ اس پر انیس (فرشتے) موکل ہیں۔☆ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے جہنم کا عملہ صرف فرشتوں کو قرار دیا اور ان کی تعداد کو کفار کے لیے آزمائش بنایا تاکہ اہل کتاب کو یقین آ جائے اور ایمان لانے والوں کے ایمان میں اضافہ ہو جائے اور اہل کتاب اور مومنین شک میں نہ رہیں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے نیز کفار یہی کہیں: اس بیان سے اللہ کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ اس طرح اللہ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ (جہنم کا ذکر) انسانوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔☆ ﴿۳۲﴾ (ایسا) ہرگز نہیں! (جیسا تم سوچتے ہو) قسم ہے چاند کی، ﴿۳۳﴾ اور رات کی جب وہ پلٹنے لگتی ہے، ﴿۳۴﴾ اور صبح کی جب وہ روشن ہو جاتی ہے، ﴿۳۵﴾ بلاشبہ یہ (آگ) بڑی آفتوں میں سے ایک

سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ممکن ہے اشارہ بابل کی طرف ہو کہ یہ جادو بابل سے درآمد کیا گیا ہے۔

۲۷۔ آپ کیا سمجھیں سقر کیا ہے۔ یہ کسی امر کی شدت واہمیت بتانے کے لیے ایک محاورہ ہے۔

۳۰۔۳۱ ابن عباس سے روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے موقع پر ابوجہل نے قریش سے کہا: کیا تم میں سے دس افراد جہنم کے ایک داروغہ کو قابو نہیں کر سکیں گے؟ تو ان میں سے ایک شخص نے کہا سترہ افراد کو تو میں اکیلا قابو کر لوں گا، باقی دو کو تم قابو کر لو۔ اس طرح ۱۹ کی تعداد تمسخر کا موضوع بن گئی اور کفار کے لیے آزمائش بھی۔

موضوع یہی ہے: لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اہل کتاب کو اس تعداد سے کس طرح یقین ہو گا؟ ایک سوال باقی رہتا ہے۔ ممکن ہے ان کی کتابوں میں یہ تعداد مذکور ہو۔

۳۵۔ جہنم اللہ تعالیٰ کی عظیم آیات میں سے ایک آیت ہے یا یہ کہ جہنم اللہ کی طرف سے عظیم ہولناکیوں میں سے ایک ہے۔

۳۷۔ یعنی جو اپنے عمل کے ذریعے آگے جائے گا، وہ کامیاب ہو جائے گا اور جو اپنی بدعملی کی وجہ سے پیچھے رہ جائے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا۔

امامیہ مصادر میں آیا ہے: مَنْ تَقَدَّمَ اِلٰی وَلَایَتِنَا اُخِّرَ عَنْ سَقَرَ وَ مَنْ تَاَخَّرَ عَنَّا تَقَدَّمَ اِلٰی سَقَرَ۔ (الکافی: ۱: ۴۳۴) جو ہماری ولایت سے نزدیک ہو

لِاِحۡدَی الۡکُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِیۡرًا لِّلۡبَشَرِ ﴿۳۶﴾
لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّتَقَدَّمَ اَوۡ یَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾
کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ رَہِیۡنَۃٌ ﴿۳۸﴾
اِلَّاۤ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ ﴿۳۹﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ ؕ
یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۴۱﴾ مَا
سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ
الۡمُصَلِّیۡنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ ﴿۴۴﴾
وَ کُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ کُنَّا
نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤی اَتٰىنَا
الۡیَقِیۡنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنۡفَعُہُمۡ شَفَاعَۃُ
الشّٰفِعِیۡنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَہُمۡ عَنِ التَّذۡکِرَۃِ
مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۴۹﴾ کَاَنَّہُمۡ حُمُرٌ مُّسۡتَنۡفِرَۃٌ ﴿۵۰﴾
فَرَّتۡ مِنۡ قَسۡوَرَۃٍ ﴿۵۱﴾ بَلۡ یُرِیۡدُ کُلُّ

ہے۔☆ ﴿۳۶﴾ (اس میں) انسانوں کے لیے تنبیہ ہے، ﴿۳۷﴾ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو آگے بڑھنا یا پیچھے رہ جانا چاہے۔☆ ﴿۳۸﴾ ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے۔☆ ﴿۳۹﴾ سوائے دائیں والوں کے، ﴿۴۰﴾ جو جنتوں میں پوچھ رہے ہوں گے، ﴿۴۱﴾ مجرمین سے۔☆ ﴿۴۲﴾ کس چیز نے تمہیں جہنم میں پہنچایا؟ ﴿۴۳﴾ وہ کہیں گے: ہم نماز گزاروں میں سے نہ تھے، ﴿۴۴﴾ اور ہم مسکین کو کھلاتے نہیں تھے،☆ ﴿۴۵﴾ اور ہم بیہودہ بکنے والوں کے ساتھ بیہودہ گوئی کرتے تھے، ☆ ﴿۴۶﴾ اور ہم روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔☆ ﴿۴۷﴾ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔☆ ﴿۴۸﴾ اب سفارش کرنے والوں کی سفارش انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔☆ ﴿۴۹﴾ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں؟☆ ﴿۵۰﴾ گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں،☆ ﴿۵۱﴾ جو شیر سے (ڈر کر) بھاگے ہوں۔☆ ﴿۵۲﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ (اس کے پاس) کھلی ہوئی کتابیں آ جائیں۔☆

گا وہ جہنم سے دور اور جو ہم سے دور ہو گا وہ جہنم سے نزدیک ہو گا۔

۳۸۔ یعنی ہر شخص اپنے کردار کی قید میں بند ہے۔ انسان کا وہی وزن ہو گا جو اس کے عمل کا ہے، البتہ اصحاب یمین اس قید و بند سے آزاد ہوں گے۔

۴۱۔ اہل جنت اور اہل جہنم میں باہمی رابطہ اور مکالمہ ہو سکے گا۔

۴۴ تا ۵۱۔ الخوض: بیہودہ گوئی۔ باطل گفتگو میں مگن رہنا۔ یعنی دین اسلام کے خلاف گفتگو کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

جہنم رسید ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ترک نماز اور دوسرا اہم سبب بھوکوں کا خیال نہ رکھنا ہے۔ ترک نماز کی وجہ سے خالق سے دور اور ترک اطعام کی وجہ سے مخلوق سے دور ہونے کی وجہ سے وہ جہنم کے نزدیک ہو گئے۔ وہ روز جزا کی تکذیب کرتے تھے۔ جب یہ روز آ گیا تو یقین کی منزل بھی آ گئی۔ لیکن آج کا یقین انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ جس وقت ان کو یقین فائدہ دے سکتا تھا، اس وقت وہ نصیحتوں سے ایسے بھاگتے تھے، جس طرح شیر کو دیکھ کر جنگلی گدھے بھاگتے ہیں۔

۴۸۔ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیۡنَ: انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی۔ اس سے معلوم ہوا قیامت کے روز شافعین بہت سے شفاعت کرنے والے ہوں گے۔

۵۲۔ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس پر قرآن کی طرح کی کوئی کتاب نازل ہو جائے۔ یعنی وہ اس قدر متکبر ہیں کہ اپنے آپ کو اس مقام کے لیے

امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾
كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾
كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ؕ
وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ
هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع

(۵۳) ہرگز نہیں! بلکہ انہیں آخرت کا خوف ہی نہیں ہے۔
(۵۴) ہرگز نہیں! یہ تو یقینا ایک نصیحت ہے۔ (۵۵) پس جو چاہے اسے یاد رکھے۔ (۵۶) وہ یاد اس وقت رکھیں گے جب اللہ چاہے گا، وہی اس لائق ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور وہی بخشنے کا اہل ہے۔☆

## ۷۵ سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۱

آیاتها ۴۰ — رکوعاتها ۲

## سورہ قیامت۔مکی۔آیات ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

لَاۤ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَاۤ اُقْسِمُ
بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ؕ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ
اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ؕ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰۤى
اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ
لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ۚ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ
الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾ؕ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ

(۱) قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی۔ (۲) قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس (زندہ ضمیر) کی،☆ (۳) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے؟ (۴) ہاں! (ضرور کریں گے) ہم تو اس کی انگلیوں کی پور بنانے پر بھی قادر ہیں۔☆ (۵) بلکہ انسان چاہتا ہے کہ مستقبل میں (عمر بھر) برائی کرتا جائے۔ (۶) وہ پوچھتا ہے: قیامت کا دن کب آئے گا۔ (۷) پس جب آنکھیں پتھرا جائیں گی، (۸) اور چاند بے نور ہو جائے گا،

---

مناسب سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف کہتے ہیں بشر کیسے رسول ہو سکتا ہے۔

۵۶۔ حدیث میں آیا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انا اهل ان اتّقٰی فمن اتّقانی فلم یجعل الها غیری فانا اهل ان اغفر له۔ (سنن ترمذی کتاب التفسیر۔ اس کے قریب ہے التوحید قمی میں) میں اس لائق ہوں کہ مجھ سے خوف کیا جائے اور جو مجھ سے خوف کرتا ہے اور میرے علاوہ کسی کو معبود نہیں بناتا، اس کو میں معاف کر دوں گا۔

### سورہ قیامت

۲۔ قیامت کے دن انسانی نفس اپنے کیے پر ملامت کرے گا۔ اس لیے نفس لوامہ کی قسم کھائی ہے۔ نفس لوامہ کو ہم ضمیر اور وجدان بھی کہتے ہیں، کیونکہ کسی جرم کے ارتکاب کی صورت میں انسان اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑا ہوتا ہے، جہاں نہ کسی کی سفارش چلتی ہے، نہ کسی کا زور۔ کیونکہ جرم کا ارتکاب اسی ضمیر کے سامنے ہوا ہے جس نے فیصلہ سنانا ہے۔ یہ عدالت آخرت میں قائم ہونے والی عدالت کا ایک چھوٹا نمونہ ہے۔

۴۔ کل کے ملحد اور آج کے نیچر پرستوں (مادہ پرستوں) کا یہ گمان ہے کہ جب ہڈیاں خاک میں دوسری ہڈیوں سے مل جائیں یا کسی جانور کی غذا بن کر اس کی ہڈیوں کا حصہ بن جائیں تو اللہ ان کو کیسے جدا کرے گا؟ جواب میں ایک عام فہم اور محسوس مثال پیش فرمائی کہ جو ذات ایک ہاتھ کی پور پور کو جدا کر کے بنا سکتی ہے، وہ ذات ہڈیوں کے ذرات کو پہچان سکتی ہے۔ ہم یہ کہیں گے: جو ذات ہر شخص

الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹
يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰
كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ
الْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا
قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ
بَصِيْرَةٌ ۝۱۴ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝۱۵ لَا
تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝۱۶
اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝۱۷ فَاِذَا
قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝۱۸ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا
بَيَانَهٗ ۝۱۹ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝۲۰
وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝۲۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
نَّاضِرَةٌ ۝۲۲ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝۲۳ وَوُجُوْهٌ
يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۝۲۴ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا

(۹) اور سورج اور چاند ملا دیئے جائیں گے، (۱۰) تو انسان اس دن کہے گا: بھاگ کر کہاں جاؤں؟ (۱۱) نہیں! اب کوئی پناہ گاہ نہیں۔ (۱۲) اس روز ٹھکانا تو صرف تیرے رب کے پاس ہوگا۔ (۱۳) اس دن انسان کو وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو وہ آگے بھیج چکا اور پیچھے چھوڑ آیا ہوگا۔☆ (۱۴) بلکہ انسان اپنے آپ سے خوب آگاہ ہے،☆ (۱۵) اور خواہ وہ اپنی معذرتیں پیش کرے۔ (۱۶) (اے نبی) آپ وحی کو جلدی (حفظ) کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ (۱۷) اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقینا ہمارے ذمے ہے۔☆ (۱۸) پس جب ہم اسے پڑھ چکیں تو پھر آپ (بھی) اسی طرح پڑھا کریں۔☆ (۱۹) پھر اس کی وضاحت ہمارے ذمے ہے☆ (۲۰) (کیا یہ انکار اس لیے ہے کہ قیامت ناقابل فہم ہے؟) ہرگز نہیں! یہ اس لیے ہے کہ تم دنیا کو پسند کرتے ہو، (۲۱) اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔ (۲۲) بہت سے چہرے اس روز شاداب ہوں گے، (۲۳) وہ اپنے رب (کی رحمت) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔☆ (۲۴) اور بہت سے چہرے اس دن بگڑے ہوئے ہوں گے،

کی پوروں کی لکیروں کو جدا جدا بناتی ہے وہ ہر شخص کی ہڈیوں کے ذرات کو بھی پہچان سکتی ہے۔

۱۳۔ جو کام انسان اپنی زندگی میں انجام دیتا ہے وہ آگے بھیجا جاتا ہے اور جو صدقہ جاریہ یا کوئی گناہ کا دھندا چھوڑ جاتا ہے، وہ پیچھے چھوڑنے میں آتا ہے۔ نیک عمل کا سلسلہ چھوڑ جائے تو اس کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا اور گناہ کا کام چھوڑ جائے تو اس گناہ کے جرم میں مرنے کے بعد بھی شریک رہے گا۔

۱۴۔ انسان اپنے اعمال سے خوب واقف ہے۔ اس کے اعضاء و جوارح تک ان اعمال سے آگاہ ہیں۔ کل وہ سب گواہی دیں گے۔ حدیث میں آیا ہے: اِنَّ السَّرِيرَةَ اِذَا صَلَحَتْ قَوِيَتِ الْعَلَانِيَةُ۔ (وسائل الشیعۃ ۱: ۶۴۔ الکافی باب الریاء) انسان کا باطن اگر درست ہو جائے تو ظاہر بھی مضبوط رہتا ہے۔

معاذیر: ایک قول کے مطابق معذرۃ کی نہیں معذار کی جمع ہے، جو پردے کو کہتے ہیں۔ بنابراین ترجمہ اس طرح ہوگا: خواہ پردہ ڈالے رکھے۔

۱۶ تا ۱۹۔ وحی کو حفظ، اس کی تلاوت اور اس کے مطالب کو بیان کرنا اللہ کے ذمے ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ رسول ﷺ کو وحی کی تشخیص میں مشکل پیش آئے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یا کسی اور کی طرف سے، کیونکہ آپ ﷺ وحی کو ظاہری حواس سے نہیں، اپنے پورے وجود سے اخذ کرتے تھے، جس میں کسی قسم کے شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح اس قرآن کی حفاظت بھی اللہ کے ذمے ہے۔

۲۳۔ رب کی رحمتوں پر اپنی نگاہ مرکوز کیے ہوئے ہوں گے، ورنہ خدا کو اس طرح نہیں دیکھا جا سکتا جس

فَاقِرَةٌ ؕ﴿۲۵﴾ كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۙ﴿۲۶﴾
وَ قِيۡلَ مَنۡ ٜ رَاقٍ ۙ﴿۲۷﴾ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ
الۡفِرَاقُ ۙ﴿۲۸﴾ وَالۡتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ﴿۲۹﴾
اِلٰى رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ ۨالۡمَسَاقُ ؕ﴿۳۰﴾ فَلَا
صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۙ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنۡ كَذَّبَ وَ
تَوَلّٰى ۙ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ يَتَمَطّٰى ؕ﴿۳۳﴾
اَوۡلٰى لَكَ فَاَوۡلٰى ۙ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوۡلٰى لَكَ
فَاَوۡلٰى ؕ﴿۳۵﴾ اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ يُّتۡرَكَ
سُدًى ؕ﴿۳۶﴾ اَلَمۡ يَكُ نُطۡفَةً مِّنۡ
مَّنِىٍّ يُّمۡنٰى ۙ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ
فَسَوّٰى ۙ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنۡهُ الزَّوۡجَيۡنِ الذَّكَرَ
وَالۡاُنۡثٰى ؕ﴿۳۹﴾ اَلَيۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى
اَنۡ يُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰى ﴿۴۰﴾ ع

(۲۵) جو گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ معاملہ ہونے والا ہے۔ (۲۶) (کیا تم اس دنیا میں ہمیشہ رہو گے؟) ہرگز نہیں! جب جان حلق تک پہنچ جائے گی، (۲۷) اور کہا جائے گا: کون ہے (بچانے والا) معالج؟ (۲۸) اور وہ سمجھ جائے گا کہ اس کی جدائی کا لمحہ آ گیا ہے، (۲۹) اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی، ☆ (۳۰) تو وہ آپ کے رب کی طرف چلنے کا دن ہوگا۔ (۳۱) پس اس نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی (۳۲) بلکہ تکذیب کی اور روگردانی کی۔ (۳۳) پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا۔☆ (۳۴) تیرے لیے تباہی پر تباہی ہے۔ (۳۵) پھر تیرے لیے تباہی پر تباہی ہے۔☆ (۳۶) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟☆ (۳۷) کیا وہ (رحم میں) ٹپکایا جانے والا منی کا ایک نطفہ نہ تھا؟ (۳۸) پھر لوتھڑا بنا پھر (اللہ نے) اسے خلق کیا پھر اسے معتدل بنایا۔ (۳۹) پھر اس سے مرد اور عورت کا جوڑا بنایا۔ (۴۰) کیا اس ذات کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ مرنے والوں کو زندہ کرے؟☆

طرح ہم دنیا میں کسی چیز کو جہت، جسم اور رنگ میں دیکھ سکتے ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ کوئی روئیت مراد لی جائے، مثلاً قلبی روئیت ہو تو اس صورت میں روئیت ممکن ہو سکتی ہے۔ بعض کے نزدیک نَاظِرَةٌ کے معنی منتظر ہونے کے ہیں، کہ صرف اللہ کی رحمت کے منتظر ہوں گے۔

۲۹۔ پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی۔ یعنی شدتِ بلا پر شدت کا اضافہ ہوگا۔ یعنی فراق دنیا اور آخرت کی ہولناکی مراد ہے۔

۳۳۔ جو شخص آیاتِ قرآنی سن کر اکڑتا ہوا گھر کی طرف چلا گیا، وہ ابوجہل تھا۔

۳۵۔ اصل میں اولاک اللہ ما تکرھه ہے، (بحار الانوار ۴۷:۳: ۱۹۴) اللہ تجھے ایسی بلا سے دوچار کرے جو تجھے پسند نہ ہو۔

۳۶۔ کہ ظالم اپنا ہاتھ مظلوموں کے خون سے رنگین کرے اور مظلوم ظلم سہ کر جان دے۔ دونوں کا ایک جیسا حال ہو اور دونوں کو اپنے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ایسا ہونا معقول اور ممکن ہے؟ انسان زمین پر بے مقصد نہیں آیا۔ وہ نیچر کے ہاتھوں کھلونا نہیں ہے کہ بلا مقصد دکھ درد سہ کر مر جائے۔ جس اللہ نے ایک بوند سے اس انسان کو بنایا ہے، وہ اسے دوبارہ اٹھا سکتا ہے۔ یعنی تم ارتقا کے لیے بنائے گئے ہو اور تمہاری آخری منزل لقائے رب ہے۔

۴۰۔ جب ایک بوند سے انسان بنا سکتا ہے تو وہ بوسیدہ ہڈیوں سے کیوں نہیں بنا سکتا۔ جب کہ ہڈیوں اور اس مردہ انسان کی تمام خاصیتیں اس کے D.N.A میں ہوتی ہیں۔ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ مستقبل میں اعادۂ حیات کا راز انسانوں پر منکشف ہو جائے گا۔

آیاتها ۳۱ — ۷۶ سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ ۹۸ — رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿۴﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿۵﴾ ۚ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۶﴾ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿۷﴾ وَيُطْعِمُوْنَ

سورہ دہر۔ مدنی۔ آیات ۳۱

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) کیا زمانے میں انسان پر ایسا وقت آیا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟ (۲) ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا کہ اسے آزمائیں، پس ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنایا۔☆ (۳) ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی خواہ شکر گزار بنے اور خواہ ناشکرا۔☆ (۴) ہم نے کفار کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (۵) نیکی کے مرتبے پر فائز لوگ ایسا مشروب پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔☆ (۶) یہ ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے اور خود اسے (جیسے چاہیں) جاری کر دیں گے۔☆ (۷) جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔ (۸) اور اپنی خواہش کے باوجود

سورہ دھر

یہ سورہ جمہور کے نزدیک مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ یہ مکی ہے، حالانکہ خود حضرت ابن عباس کی ایک اور روایت ابن ضریس، ابن مردویہ اور بیہقی نے نقل کی ہے، جس میں صریحاً مذکور ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے۔

۱۔ ایک حالت تو وہ تھی جس میں زمانہ بھی موجود نہ تھا۔ حدیث میں آیا ہے: کان اللّٰہ ولم یکن معہ شئ (بحار الانوار ۵۴: ۲۳۳) اللہ اس حال میں بھی تھا جب کہ کچھ بھی نہ تھا۔ بعد میں زمانہ وجود میں آیا، لیکن اس طویل زمانے میں انسان موجود نہ تھا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان کو عدم کے بعد وجود میں لایا گیا ہے۔

۲۔ انسان کو مخلوط نطفہ، یعنی جرثومۂ پدر اور تخم مادر کے اختلاط سے بننے والے ابتدائی خلیہ (Cell) سے وجود میں لایا اور امتحان و ارتقاء کی خاطر اسے سمیع و بصیر بنایا گیا۔

۳۔ راہ حق دکھانے کا کام اللہ نے اپنے ذمے لیا۔ اس پر چلنے کا کام انسان کے ذمے ڈال دیا گیا اور اس کو راہ حق پر چلنے پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ اس کو خود مختاری دے دی گئی۔

۵۔ ۵ سے ۲۲ تک کی آیات اہل بیت علیہم السلام رسول ﷺ کی شان میں نازل ہوئیں۔

۶۔ ان چشموں کو خود اپنے ہاتھ سے اپنی پسند کے

الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْیَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِیْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَی الْاَرَآىِٕكِ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِیْرًا ﴿۱۳﴾ وَ دَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا ﴿۱۴﴾ وَ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِیْرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِیْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا ﴿۱۶﴾

قرء حفص بغیر الالف فی الوصل فیهما و وقف علی الاول بالالف و علی الثانی بغیر الالف ۱۲

مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔☆ ⑨ (وہ ان سے کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ (کی رضا) کے لیے کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ تو کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکر گزاری۔☆ ⑩ ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کا خوف ہے جو شدید بدمنظر ہوگا۔ ⑪ پس اللہ انہیں اس دن کے شر سے محفوظ رکھے گا اور انہیں شادابی اور مسرت عنایت فرمائے گا۔☆ ⑫ اور ان کے صبر کے عوض انہیں جنت اور ریشمی لباس عنایت فرمائے گا۔ ⑬ وہ اس (جنت) میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے جس میں نہ دھوپ کی گرمی دیکھنے کا اتفاق ہوگا اور نہ سردی کی شدت۔ ⑭ اور درخت ان پر سایہ فگن ہوں گے اور پھلوں (کے گچھے) ان کی دسترس میں ہوں گے۔ ⑮ اور ان کے لیے چاندی کے برتنوں اور بلوریں پیالوں کے دور چلیں گے۔ ⑯ شیشے بھی چاندی کے ہوں گے جنہیں (ساقی نے) ایک مناسب مقدار میں بھرا ہوگا۔ ⑰ اور وہاں انہیں ایک ایسا جام پلایا

---

مطابق جاری کریں گے۔

۸۔ عَلٰی حُبِّهٖ: ضمیر طعام کی طرف راجع ہے، جیسا کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۲) کے تحت درجہ اس انفاق کو ملتا ہے جس میں اپنی پسند کی چیز دے دی جائے۔

۹۔ اہل بیت علیہم السلام کی شان میں جو فضائل ان آیات میں بیان ہوئے ہیں، سب اس موقع پر بیان ہوئے، جب اہل بیت علیہم السلام نے ایثار و قربانی کی ایک لازوال مثال قائم کرتے ہوئے مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلایا۔ اس سے ہمیں ایک درس یہ ملتا ہے کہ اللہ کو غریب پروری کس قدر پسند ہے۔ اسی لیے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی سیرت میں غریب پروری سرفہرست نظر آتی ہے۔ چنانچہ آیہ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ ۔۔۔ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا اعلان بھی اسی غریب پروری کے موقع پر کیا ہے اور اس سورہ کی آیت ۲۰ میں یکا یک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا: "اور آپ جہاں بھی نگاہ ڈالیں گے، بڑی نعمت اور عظیم سلطنت نظر آئے گی۔" جنت میں اہل بیت علیہم السلام کی سلطنت کو اللہ نے عظیم فرمایا تو اس سلطنت کی عظمت کا کسی کو کیا اندازہ ہوسکتا ہے، جسے اللہ نے عظیم کہا ہے۔

۱۱۔ دوسری جگہ اہل جنت کے بارے میں فرمایا: تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ (مطففین: ۲۴) ان کے چہروں پر نعمت کی شادابی عیاں ہوگی۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا
زَنجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾
وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ
إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾
وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَّ
مُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ
خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن
فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢١﴾
إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ
سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾ ع إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنزِيلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ
رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ

جائے گا جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہو گی۔
(۱۸) جنت میں ایک ایسے چشمے سے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔
(۱۹) اور (خدمت کے لیے) ان کے گرد ایسے لڑکے پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں، آپ انہیں دیکھیں تو بکھرے ہوئے موتی خیال کریں گے۔ (۲۰) اور آپ جہاں بھی نگاہ ڈالیں گے بڑی نعمت اور عظیم سلطنت نظر آئے گی۔☆ (۲۱) ان کے اوپر سبز دیباج اور اطلس کے کپڑے ہوں گے، انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں پاکیزہ مشروب پلائے گا۔ (۲۲) یقینا یہ تمہارے لیے جزا ہے اور تمہاری یہ محنت قابل قدر ہے۔
(۲۳) یقینا ہم نے ہی آپ پر قرآن نازل کیا ہے جیسا کہ نازل کرنے کا حق ہے۔ (۲۴) لہٰذا آپ اپنے رب کے حکم پر صبر کریں اور ان میں سے کسی گنہگار یا کافر کی بات نہ مانیں۔☆ (۲۵) اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریں۔ (۲۶) اور رات کے ایک حصے میں اس کے سامنے

۲۰۔ یہ عظیم سلطنت اس ایثار و قربانی کے صلے میں مل رہی ہے جس کا مظاہرہ اہل بیت اطہار علیہم السلام نے کیا۔ یعنی محرومیت کے عالم میں بھی جود و سخا، ناداری میں بھی دارائی، فقر و تنگدستی میں فیاضی۔ چنانچہ ذات فیاض کو یہ فیاضی پسند آئی۔
فریقین کے مصادر میں یہ روایت متعدد طرق سے حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ آیات اہل بیت اطہار علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئیں۔ جب حسنین علیہما السلام بیمار ہوئے تو ان کی شفا کے لیے تین دن روزے رکھنے کی نذر مانی گئی۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور ان کی خادمہ فضہ نے نذر کے روزے رکھے۔ افطاری کے وقت پہلے دن مسکین، دوسرے دن یتیم اور تیسرے دن قیدی سائل نے سوال کیا۔ آل رسول علیہم السلام نے سارا کھانا برائے رضائے خدا انہیں دے دیا، صرف پانی سے افطار کر کے فاقے سے رہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر کشاف، الدر المنثور، غایۃ المرام۔
بعض اہل قلم کے لیے یہ بات نا قابل فہم ہے کہ اہل بیت علیہم السلام خود بھوکے رہیں اور پانچ افراد کا کھانا صرف ایک مسکین کو دے دیں، جبکہ آیت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ سائل صرف ایک شخص تھا۔ چنانچہ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍ ۙ﴿۱۵﴾ اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ (بلد: ۱۵۔۱۶) میں اطلاق ہے جو ایک یا ایک سے زیادہ پر صادق آتا ہے۔ ایک روایت میں اس کا جواب یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کھانے پر بیٹھے تھے، ایک مسکین آیا، ایک تہائی اسے دے دیا، پھر بلا فاصلہ ایک یتیم آیا، دوسرا ایک تہائی اسے دیا دیا۔ اس کے بعد ایک اسیر آیا تو تیسرا ایک تہائی اسے دے دیا۔ (زبدۃ التفاسیر)
ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں یہ بات ممکن نہ تھی کہ کوئی قیدی بھیک مانگنے کے لیے نکلتا، کیونکہ قیدی کے لیے طعام ولباس کا انتظام حکومت کے ذمے تھا۔ اس کا جواب وہ خود اسی آیت کے ذیل میں دیتے ہیں: اس آیت میں قیدی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قید میں ہو، خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان، خواہ جنگی قیدی ہو یا کسی اور جرم میں قید کیا

الَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهٗ وَسَبِّحۡهُ لَيۡلًا طَوِيۡلًا ﴿۲۶﴾
اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ وَيَذَرُوۡنَ
وَرَآءَهُمۡ يَوۡمًا ثَقِيۡلًا ﴿۲۷﴾ نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ
وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ ۚ وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ
اَمۡثَالَهُمۡ تَبۡدِيۡلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ
فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا
تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۳۰﴾ يُّدۡخِلُ مَنۡ
يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيۡنَ اَعَدَّ لَهُمۡ
عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۳۱﴾ ع

سجدہ ریز ہو جایا کریں اور رات کو دیر تک تسبیح کرتے رہا کریں۔☆ ﴿۲۷﴾ یہ لوگ یقینا عجلت (دنیا) پسند ہیں اور اپنے پیچھے ایک بہت سنگین دن کو نظر انداز کیے بیٹھے ہیں۔☆ ﴿۲۸﴾ ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ مضبوط کیے اور جب ہم چاہیں ان کے بدلے ان جیسے اور لوگ لے آئیں۔☆ ﴿۲۹﴾ یہ ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے۔☆ ﴿۳۰﴾ اور تم نہیں چاہتے ہو مگر وہ جو اللہ چاہتا ہے، یقینا اللہ بڑا علم والا، حکمت والا ہے۔☆ ﴿۳۱﴾ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور اس نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آیاتہا ۵۰ — ۷۷ سُوۡرَةُ الۡمُرۡسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ ۳۳ — رکوعاتہا ۲

## سورہ مرسلات۔ مکی۔ آیات ۵۰

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ﴿۲﴾

بنام خدائے رحمن رحیم

﴿۱﴾ قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو مسلسل بھیجے جاتے ہیں،☆ ﴿۲﴾ پھر تیز رفتاری سے چلنے والے ہیں،☆

---

گیا ہو نیز خواہ اسے قید کی حالت میں کھانا دیا جاتا ہو یا اس سے بھیک منگوائی جاتی ہو۔ (تفہیم القرآن ۶: ۱۸۱)

۲۴۔ کہتے ہیں اٰثِمًا گناہگار سے مراد عتبہ اور کَفُوۡرًا سے مراد ولید ہے۔ ان کی سر توڑ کوشش تھی کہ کسی بھی قیمت پر محمد ﷺ اس مشن کو ترک کر دیں۔

۲۶۔ رات کو دیر تک تسبیح کرنے سے مراد تہجد ہے۔

۲۷۔ سطحی سوچ رکھنے والے صرف سامنے کی باتوں کو سمجھ سکتے ہیں اور اپنے مستقبل کو تاریک سے تاریک تر کر دیتے ہیں۔

۲۸۔ دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: جب ہم چاہیں گے ان کی امثال و اشباہ کو تبدیل کر دیں گے۔ یعنی قیامت کی طرف اشارہ ہے۔

۲۹۔ یہ قرآن ایک نصیحت ہے، جبر نہیں ہے۔ اس نصیحت کے سننے کے بعد جو چاہے اپنے رب کی طرف اور جو چاہے آتش کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے۔

۳۰۔ قطب الدین راوندی نے الخرائج والجرائح ۱: ۴۵۸ میں لکھا ہے: حضرت امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف نے کامل بن ابراہیم مدنی سے فرمایا: جئت تسأل عن مقالة المفوضة كذبوا بل قلوبنا اوعية لمشية الله عز و جل فاذا شاء شئنا۔ و الله يقول: وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ تو مجھ سے مفوضہ کے نظریہ کے بارے میں پوچھنے آیا ہے۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں، بلکہ ہمارے قلوب اللہ کی مشیت کی جگہ ہیں۔ جب اللہ چاہتا ہے تو ہم چاہتے ہیں۔ پھر آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس فرمان سے آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ بندے کی مشیت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اذا شاء شئنا جب اللہ چاہتا ہے تو ہم چاہتے ہیں۔ یعنی ائمہ علیہم السلام کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ ورنہ غیر معصوم کی مشیت کبھی اللہ کی مشیت سے متصادم ہوتی ہے۔

### سورہ مرسلات

۱ تا ۷۔ ان آیات میں جو اوصاف بیان ہوئے ہیں،

وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾

﴿۳﴾ پھر (صحیفوں کو) کھول دینے والے ہیں، ﴿۴﴾ پھر (حق و باطل کو) جدا کرنے والے ہیں، ﴿۵﴾ پھر یاد (خدا دلوں میں) ڈالنے والے ہیں، ﴿۶﴾ حجت تمام کرنے کے لیے ہو یا تنبیہ کے لیے:☆ ﴿۷﴾ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے۔☆ ﴿۸﴾ پس جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے، ﴿۹﴾ اور جب آسمان میں شگاف ڈال دیا جائے گا ﴿۱۰﴾ اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے، ﴿۱۱﴾ اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر لایا جائے گا۔☆ ﴿۱۲﴾ کس دن کے لیے ملتوی رکھا ہوا ہے؟☆ ﴿۱۳﴾ فیصلے کے دن کے لیے۔ ﴿۱۴﴾ اور آپ کو کس چیز نے بتایا کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ ﴿۱۵﴾ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ ﴿۱۶﴾ کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا تھا؟☆ ﴿۱۷﴾ پھر بعد والوں کو بھی ہم ان کے پیچھے لائیں گے۔ ﴿۱۸﴾ مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ ﴿۱۹﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ ﴿۲۰﴾ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے خلق نہیں کیا؟☆ ﴿۲۱﴾ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام میں ٹھہرائے رکھا۔

---

وہ بعض کے نزدیک ہوا اور بعض کے نزدیک فرشتوں کے اوصاف ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ اوصاف فرشتوں کے ہیں۔ یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو امر الٰہی لے کر پے در پے نازل ہوتے ہیں اور بڑی تیزی و سرعت کے ساتھ تعمیل کرتے ہیں اور وحی الٰہی پر مشتمل صحیفوں کو پھیلاتے ہیں، جن سے حق و باطل میں فرق اور امتیاز ہو جاتا ہے اور جو رسول کریم ﷺ پر قرآن کو نازل کرتے ہیں، جس سے عذر اور حجت پوری اور تنبیہ بھی ہو جاتی ہے۔

(ان سب فرشتوں کی قسم) جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ اس تفسیر کے مطابق قسم اور مضمون میں ربط سمجھ میں آ جاتا ہے۔ گویا فرمانا چاہتا ہے: میرے اس مذکورہ نظام کی قسم قیامت ضرور واقع ہو گی۔ یعنی اس نظام میں روز جزا کا ہونا لازمی ہے، ورنہ یہ پورا نظام عبث ہو جائے گا۔

۱۱۔ رسولوں کو اپنی اپنی امت پر گواہی دینے کے لیے مقررہ وقت، یعنی قیامت کے دن لایا جائے گا۔

۱۴۔ اس دن کی ہولناکی اور عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ اسی سے یہ کہنا: وما ادراک ایک محاورہ ہے کسی امر کی اہمیت بتانے کے لیے۔

۱۶۔ اولین و آخرین، سب کے لیے اللہ کا قانون مکافات ایک ہے۔

۲۰۔ حقیر پانی کی تعبیر یہ بتانے کے لیے ہے کہ تم اپنے ماضی پر نظر کرو اور اپنی حیثیت اور قیمت کا اندازہ کرو۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے: مَا لِابْنِ آدَمَ وَ الْفَخْرِ اَوَّلُهُ نُطْفَةٌ وَ آخِرُهُ

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۙ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ۙ﴿۲۶﴾ وَّ جَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ؕ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ؕ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۚ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ؕ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۙ﴿۳۵﴾ وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

(۲۲) ایک معین مدت تک کے لیے۔☆ (۲۳) پھر ہم نے ایک انداز سے منظم کیا پھر ہم بہترین انداز سے منظم کرنے والے ہیں☆ (۲۴) اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ (۲۵) کیا ہم نے زمین کو قرار گاہ نہیں بنایا،☆ (۲۶) زندوں کے لیے اور مردوں کے لیے، (۲۷) اور ہم نے اس میں بلند پہاڑ گاڑ دیے اور ہم نے تمہیں شیرین پانی پلایا۔ (۲۸) اور اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ (۲۹) اب تم لوگ جاؤ اس چیز کی طرف جسے تم جھٹلاتے تھے۔ (۳۰) چلو اس دھویں کی طرف جو تین شاخوں والا ہے۔☆ (۳۱) نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ آگ کے شعلوں سے بچانے والا ہے۔ (۳۲) یقینا یہ دھواں ایسی چنگاریاں اڑائے گا جو محل کے برابر ہیں۔☆ (۳۳) گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ (۳۴) اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ (۳۵) یہ وہ دن ہے جس میں وہ بول نہیں سکیں گے۔☆ (۳۶) اور انہیں اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ عذر پیش کریں۔ (۳۷) اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت

جِیفَۃٌ۔(نہج البلاغۃ نصیحت ۴۵۴ ص ۵۵۵) اولاد آدم کو فخر سے کیا کام، جس کی ابتدا نطفہ اور انتہا مردار ہے۔

۲۲۔ اس کا تعین صرف اللہ کر سکتا ہے کہ بچہ شکم مادر میں کتنی مدت تک رہ سکتا ہے۔

۲۳۔ اس کی تخلیق کی تکمیل کے ساتھ ہم اس کے مقدرات کا بھی تعین کرتے ہیں کہ جسمانی اور نفسیاتی اعتبار سے یہ بچہ کس شخصیت کا مالک بننے والا ہے۔

۲۵۔ کفات کا ایک معنی ظرف کے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ معنی بنتے ہیں: کیا ہم نے زمین کو زندہ اور مردہ لوگوں کے لیے ظرف نہیں بنایا؟ اور اس کے ایک معنی حرکت کے بھی ہیں۔ اس صورت میں اس کے یہ معنی بنتے ہیں: کیا ہم نے زمین کو متحرک نہیں بنایا؟ لیکن یہ معنی مراد لینا قرین قیاس نہیں ہے، کیونکہ زمانۂ خطاب کے لوگ حرکت ارض سے واقف نہ تھے کہ اس کو مسلمہ امر قرار دے کر ان سے خطاب کیا جائے۔

۳۰۔ یعنی جہنم کا دھواں، جس کی کئی شاخیں ہوں گی۔

۳۲۔ اس آیت میں چنگاریوں کا حجم بتایا گیا ہے، گویا محل کے برابر چنگاریاں اڑیں گی۔ دوسری آیت میں رنگ کی تشبیہ دی کہ یہ چنگاریاں رنگ میں اونٹوں کی طرح ہوں گی۔

۳۵۔ عذاب کے معائنے سے پہلے تو یہ عذر پیش کرتے تھے، لیکن جب عذاب سامنے آ گیا تو قوت گویائی جاتی رہی۔

لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۚ جَمَعۡنٰکُمۡ وَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ کَیۡدٌ فَکِیۡدُوۡنِ ﴿۳۹﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۰﴾ ع اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۴۱﴾ لا وَّ فَوَاکِهَ مِمَّا یَشۡتَهُوۡنَ ﴿۴۲﴾ ط کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِیۡٓـًٔا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۴۴﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۵﴾ کُلُوۡا وَتَمَتَّعُوۡا قَلِیۡلًا اِنَّکُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمُ ارۡکَعُوۡا لَا یَرۡکَعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَهٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع

ہے۔ (۳۸) یہ فیصلے کا دن ہے، ہم نے تمہیں اور پہلوں کو جمع کیا۔ (۳۹) اب اگر تم حیلہ کر سکتے ہو تو میرے مقابلے میں حیلہ کرو۔☆ (۴۰) اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ (۴۱) تقویٰ اختیار کرنے والے یقینا سایوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (۴۲) اور ان پھلوں میں جن کی وہ خواہش کریں گے۔ (۴۳) اب تم اپنے اعمال کے صلے میں خوشگواری کے ساتھ کھاؤ اور پیو۔ (۴۴) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ (۴۵) اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ (۴۶) کھاؤ اور تھوڑے دن مزے کرو، یقینا تم مجرم ہو۔☆ (۴۷) اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ (۴۸) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو رکوع نہیں کرتے۔ (۴۹) اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ (۵۰) پس اس (قرآن) کے بعد کس کلام پر ایمان لائیں گے؟

۳۹۔ دنیا میں تو وہ اللہ کی بندگی سے جان چھڑانے کے لیے حیلے بہانے اور مکاریاں تراشتے تھے، پر اب یہاں عذاب الٰہی سے جان چھڑانے کے لیے کوئی مکاری نہیں چل سکے گی۔

۴۶۔ مجرموں کے لیے اللہ کی طرف سے سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ ان کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ چشم ظاہر بین کے لیے کُلُوۡا وَتَمَتَّعُوۡا "کھاؤ اور مزے اڑاؤ" نہایت پر کشش ہے، لیکن حقیقت میں یہ ان کے لیے بڑی سزا ہے۔

سورہ نباء

۱ تا ۳۔ ابتدائے بعثت میں نازل ہونے والی آیات میں قرآن قیامت کو سب سے زیادہ اہمیت دے کر بیان کرتا ہے، کیونکہ مشرکین قیامت کے بارے میں چہ میگوئیاں کرتے تھے۔ کبھی ناممکن و محال قرار دیتے، کبھی اسے نامعقول قرار دیتے ہوئے سوال کرتے تھے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ گل سڑ کر خاک ہونے کے بعد ہم دوبارہ زندہ ہو جائیں؟ منکروں پر رسول ﷺ کی ہر خبر گراں گزرتی تھی۔ عیناً یہی حالت کچھ ایسے لوگوں کی بھی تھی جن پر عند اللہ و عند الرسول ﷺ حضرت علی علیہ السلام کے مقام و منزلت کی ہر حدیث گراں گزرتی تھی۔ چنانچہ امامیہ مصادر میں تواتر سے ثابت ہے کہ اس کے مصداق میں علی علیہ السلام کی ولایت ہے۔ چنانچہ شعراء نے بھی اپنے اشعار میں اسے ایک مسلمہ امر کے طور پر ذکر کیا ہے:

هو النباء العظیم و فلک نوح
و باب الله و انقطع الخطاب

(الصراط المستقیم ۱: ۲۵۹)

غیر امامیہ مصادر میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو ابوبکر بن مؤمن شیرازی کی کتاب الاعتقادات

۷۸ سُوۡرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ ۸۰ — اٰیاتھا ۴۰ — رکوعاتھا ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِہٰدًا ۙ﴿۶﴾ وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۪ۙ﴿۷﴾ وَّ خَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ۙ﴿۸﴾ وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾ وَّ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّ جَعَلۡنَا النَّہَارَ مَعَاشًا ﴿۪۱۱﴾ وَّ بَنَیۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّ جَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّہَّاجًا ﴿۪ۙ۱۳﴾ وَّ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿ۙ۱۴﴾ لِّنُخۡرِجَ بِہٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿ۙ۱۵﴾ وَّ جَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ﴿ؕ۱۶﴾ اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ کَانَ مِیۡقَاتًا ﴿ۙ۱۷﴾

سورہ نباء۔مکی۔آیات ۴۰

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① یہ لوگ کس چیز کے بارے میں باہم سوال کر رہے ہیں؟☆ ② کیا اس عظیم خبر کے بارے میں؟☆ ③ جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں؟☆ ④ (جیسے مشرکین سوچتے ہیں ایسا) ہرگز نہیں! عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ ⑤ پھر (کہتا ہوں ایسا) ہرگز نہیں! عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا (کہ قیامت برحق ہے)۔ ⑥ کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا؟☆ ⑦ اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟☆ ⑧ اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ ⑨ اور ہم نے تمہاری نیند کو (باعث) سکون بنایا۔☆ ⑩ اور رات کو ہم نے پردہ قرار دیا۔ ⑪ اور دن کو ہم نے معاش (کا ذریعہ) بنایا۔ ⑫ اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط (آسمان) بنائے۔ ⑬ اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا۔ ⑭ اور بادلوں سے ہم نے موسلادھار پانی برسایا۔☆ ⑮ تاکہ ہم اس سے غلہ اور سبزیاں اگائیں۔ ⑯ اور گھنے باغات اگائیں۔ ⑰ یقیناً فیصلے کا دن مقرر

---

میں سدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولایة علی یتساءلون عنها فی قبورهم۔ علی ؑ کی ولایت کے بارے میں ان سے قبروں میں سوال ہوگا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ احقاق الحق ۳: ۴۸۵۔

۶۔ زمین کو گہوارہ بنایا اور اسے حرکت کے باوجود پرسکون اور زندگی کے لیے نامساعد فضا میں سامان زیست سے سرشار بنایا۔

۷۔ ارضیاتی ماہرین کے مطابق زمین کی پچاس کلومیٹر کی گہرائی میں درجہ حرارت ۱۵۰۰ سینٹی گریڈ ہے، جہاں پتھر پگھل جاتے ہیں، مگر اوپر کے دباؤ کی وجہ سے سیال نہیں ہوتے۔ ۳۰۰۰ کلومیٹر کی گہرائی سے زمین کا آہنی مرکزی حصہ شروع ہوتا ہے۔ اس آہنی مرکز کے اوپر زمین کا ٹائٹل جامد صورت میں ہے۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو حرکت زمین کی وجہ سے اس کا بیرونی ٹائٹل آہنی مرکز کے اوپر ڈول جاتا۔ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ۔ یہ پہاڑ ہیں جو اوپر سے سربفلک ہونے کے ساتھ اس سے کئی گنا زیر زمین جڑیں گاڑے ہوئے ہیں اور بیرونی ٹائٹل کو مرکز کے ساتھ بالکل میخوں اَوۡتَادًا کی طرح جوڑ رکھا ہے۔ جل الخالق۔

۹۔ سبات معطل کرنے کو کہتے ہیں۔ نیند کی حالت میں انسان کی تمام قوتیں معطل اور جمود کی حالت میں ہوتی ہیں۔ دن کی سرگرمیوں کی وجہ سے صرف شدہ انرجی کو دوبارہ چارج کرنے کے لیے قدرت کی طرف سے یہ نیند ایک عظیم معجزہ ہے۔ دن میں منتشر شدہ انرجی کی بحالی اور واپسی جس ذات کے لیے ممکن ہے، وہ بدن کے منتشر شدہ اجزا کے اعادہ پر بھی قدرت رکھتی ہے۔

۱۴۔ الۡمُعۡصِرٰتِ: بارش دینے والے بادل کو کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک الۡمُعۡصِرٰتِ وہ ہوا ہے جو بادلوں پر دباؤ ڈالتی ہے جس سے بارش برستی ہے۔ روایت میں الۡمُعۡصِرٰتِ بارش دینے کے معنوں میں آیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر عیاشی۔

ثجاج اس بارش کو کہتے ہیں جو موسلادھار ہو۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ ع اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ

ہے۔ (۱۸) اس دن صور میں پھونک ماری جائے گی تو تم لوگ گروہ در گروہ نکل آؤ گے۔☆ (۱۹) اور آسمان کھول دیے جائیں گے تو دروازے ہی دروازے ہوں گے۔☆ (۲۰) اور پہاڑ چلا دیے جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گے۔ (۲۱) جہنم یقینا ایک گھات ہے۔ (۲۲) جو سرکشوں کے لیے ٹھکانا ہے۔ (۲۳) جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ (۲۴) وہاں وہ کسی ٹھنڈک اور مشروب کا ذائقہ نہیں چکھیں گے۔ (۲۵) سوائے کھولتے ہوئے پانی اور بہتی پیپ کے۔ (۲۶) یہ (ان کے جرائم کا) موزوں بدلہ ہے۔ (۲۷) یہ لوگ کسی حساب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے۔ (۲۸) اور ہماری آیات کو پوری قوت سے جھٹلاتے تھے۔ (۲۹) اور کتاب میں ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔☆ (۳۰) پس اب چکھو کہ ہم تمہارے عذاب میں اضافہ ہی کرتے جائیں گے۔ (۳۱) تقویٰ والوں کے لیے یقینا کامیابی ہے۔☆ (۳۲) باغات اور انگور ہیں، (۳۳) اور نوخیز ہم سن بیویاں ہیں، (۳۴) اور چھلکتے جام ہیں۔ (۳۵) وہ وہاں لغو اور جھوٹی بات

۱۸۔ گروہ در گروہ کے بارے میں براء بن عازب کی ایک روایت ہے، جسے بحار الانوار ۷: ۸۹ میں الکشاف ۴: ۶۸۷ میں ذکر کیا گیا ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ ان دس (۱۰) گروہوں کے بارے ہے جنہیں قیامت کے دن مختلف شکلوں میں اٹھایا جائے گا۔ ان میں چغل خور، حرام خور، ربا خور، غیر عادل قاضی، اپنے اعمال پر ناز کرنے والے، بے عمل علماء، ہمسایوں کو اذیت دینے والے، تکبر و نخوت والے، شہوت پرستی کرنے والے، حکمرانوں کے پاس چغل خوری کرنے والے کا ذکر ملتا ہے۔ تفصیل مذکورہ کتب میں موجود ہے۔

۱۹۔ قیامت برپا ہونے کا مطلب ایک کائناتی انقلاب ہے۔ اس انقلاب کے بعد آسمان کے دروازے کھل جائیں گے اور آسمانوں کی طرف اور جنت میں جانا ممکن ہو جائے گا۔

۲۶۔ یعنی ان کے جرائم کے مطابق ان کو سزا دی جاتی ہے۔ پہلے بھی ذکر ہوا ہے۔ انسان کا عمل انرجی کی شکل میں باقی رہتا ہے۔ کل قیامت کے دن مجسم ہو کر جزا و سزا بن کر سامنے آئے گا۔ لہٰذا جزا اور عمل برابر ہو گا۔ نہ کم نہ زیادہ۔

۲۹۔ ہم ان کی ہر حرکت اور ہر عمل و کردار کو ان کے نامہ اعمال میں ثبت کرتے جا رہے تھے۔

۳۱۔ متقی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں اس عقیدے کے ساتھ زندگی گزاری کہ انہیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

۳۵۔ بیہودہ گفتگو اور جھوٹ بولنا انسان کے لیے ایک قسم کا عار و ننگ اور بری خصلت ہے۔ جنت کے رہنے والے اعلیٰ قدروں کے مالک ہوں گے۔ وہ اس بری خصلت سے پاک ہوں گے۔

۳۸۔ شفاعت کے لیے دو شرطوں کا ذکر ہے: اول یہ کہ اللہ کی طرف سے اجازت ہو۔ دوم یہ کہ درست بات کرے۔ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ شفاعت کے لیے اہل لوگوں سے شفاعت کی

لَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۛ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع

نہیں سنیں گے۔☆ ﴿۳۶﴾ عنایت کے طور پر آپ کے رب کی طرف سے، جو کافی جزا ہوگی، ﴿۳۷﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان میں ہے، سب کے رب رحمٰن کی طرف سے، جس کے سامنے کسی کو بولنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ ﴿۳۸﴾ اس روز روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اور کوئی بات نہیں کر سکے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جو درست بات کرے۔☆ ﴿۳۹﴾ یہ ہے وہ برحق روز، پس جو چاہتا ہے وہ اپنے رب کے پاس منزل بنا لے۔☆ ﴿۴۰﴾ ہم نے تمہیں قریب آنے والے عذاب کے بارے میں تنبیہ کی ہے، اس روز انسان ان تمام اعمال کو دیکھ لے گا جو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے اور کافر کہ اٹھے گا: اے کاش! میں خاک ہوتا۔☆

## ۷۹ سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ۸۱

آیاتها ۴۶ — رکوعاتها ۲

سورہ نازعات۔ مکی۔ آیات ۴۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾

﴿۱﴾ قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو گھس کر کھینچ لیتے ہیں۔☆ ﴿۲﴾ اور آسانی سے نکال لیتے ہیں۔☆ ﴿۳﴾ اور

---

درخواست کرے۔

• اَلرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ: اس جگہ اَلرُّوْحُ سے مراد اہل سنت کی روایت کے مطابق اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔ اہل بیت علیہم السلام کی روایت کے مطابق ایک ایسا عظیم المنزلت فرشتہ ہے، جو جبرئیل اور میکائیل سے بھی عظیم تر ہے۔ جو ہمیشہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ ہوتا تھا۔ (تفسیر قمی)

۳۹۔ یہ ہے وہ برحق روز جس میں ہمیشہ کی زندگی کا فیصلہ ہونا ہے۔ اگر کوئی عاقل اس سلسلے میں اپنی عقل سے کام لیتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس دنیا کی زندگی میں فرصت ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے اپنے رب کے پاس اپنا مقام بنا لے۔

۴۰۔ جو کچھ اس نے دنیا میں کیا ہے وہ اسے حاضر پائے گا۔ وہ گناہ کی لذت بھول چکا ہوگا اور حساب دینا باقی ہوگا۔ اپنے نامہ اعمال میں گناہوں کا حجم دیکھ کر وہ کہ اٹھے گا: کاش میں مکلف (ذمہ دار) انسان ہونے کی بجائے مٹی ہوتا۔

### سورہ نازعات

۱۔۵ کہتے ہیں الف وتاء کے ساتھ فرشتوں کے لیے جمع مونث نہیں بنائی جاتی۔ کیونکہ یہ تو مشرکوں کا شعار ہے: لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى (نجم: ۲۷) وہ فرشتوں کے نام لڑکیوں جیسے رکھتے ہیں۔ جواب یہ ہے: اصل کلام جماعة الملائكة ہے۔ لفظ جماعة محذوف ہے۔ قرآن میں دوسری جگہوں پر فرشتوں کے لیے الف وتاء کے ساتھ جمع بنائی گئی ہے۔ جیسے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ (رعد: ۱۱) میں یقینا فرشتے مراد ہیں۔ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (صافات: ۱) میں بھی اکثر نے کہا ہے کہ فرشتے مراد ہیں۔

یہ پانچ اوصاف ان فرشتوں کے ہیں جن کی مختلف ذمہ داریاں ہیں۔ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے چار اوصاف کے بعد پانچویں وصف یعنی تدبیر امور کی نوبت آتی ہے۔ لہٰذا پہلے چار اوصاف تدبیر امور کائنات کے تمہیدی امور معلوم ہوتے

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۟ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۟ۙ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۟ۘ يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ ۟ۙ تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۟ؕ قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۟ۙ اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۟ۘ يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَافِرَةِ ۟ؕ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۟ؕ قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۟ۘ فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ۙ فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ۟ؕ هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ۟ۘ اِذۡ نَادٰٮهُ رَبُّهٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ۟ۚ اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۟ۖ فَقُلۡ هَلۡ لَّكَ اِلٰٓى اَنۡ تَزَكّٰى ۟ۙ وَاَهۡدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخۡشٰى ۟ۚ فَاَرٰٮهُ الۡاٰيَةَ الۡكُبۡرٰى ۟ۖ

وقف لازم

تیزی سے لپکتے ہیں۔☆ ④ پھر (حکم کی بجا آوری میں) خود سبقت لے جاتے ہیں۔☆ ⑤ پھر امر کی تدبیر کرنے والے ہیں۔☆ ⑥ اس روز کانپنے والی کانپے گی۔ ⑦ اس کے پیچھے دوسرا (لرزہ) آئے گا۔☆ ⑧ کچھ دل اس دن مضطرب ہوں گے۔ ⑨ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ⑩ کہتے ہوں گے: کیا ہم ابتدا کی طرف پھر واپس لائے جائیں گے؟☆ ⑪ کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو چکے ہوں گے (تب بھی)۔☆ ⑫ کہتے ہیں: پھر تو یہ واپسی گھاٹے کی ہوگی۔☆ ⑬ پس یہ واپسی یقینا صرف ایک جھڑکی ہوگی۔ ⑭ پھر وہ یکایک میدان (حشر) میں موجود ہوں گے۔ ⑮ کیا موسیٰ کی خبر آپ تک پہنچی؟ ⑯ جب ان کے رب نے طویٰ کی مقدس وادی میں انہیں پکارا تھا۔ ⑰ (پھر حکم دیا) فرعون کی طرف جائیں بلاشبہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ ⑱ پھر اس سے کہدیں: کیا تو پاکیزگی اختیار کرنے کے لیے آمادہ ہے؟ ⑲ اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کر دوں تاکہ تو خوف

ہیں۔ تدبیر امور کے سلسلے میں فرشتے اللہ کی طرف سے وحی نازل کرنے میں واسطہ ہوتے ہیں۔ امتوں پر بلا نازل کرنے کے لیے واسطہ ہوتے ہیں۔ قبر میں حساب لینے، قیامت کے دن ثواب و عقاب دینے کے لیے، جہنم کے داروغہ کے طور پر کام کرنے کے لیے ذرائع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے امور فرشتوں کے ذریعے انجام پاتے ہیں، جن میں حقیقی مدبر تو خود اللہ تعالیٰ ہے، لیکن فرشتے کاتب کے ہاتھ میں قلم کی طرح ہوتے ہیں۔

سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بات پر ان فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ قیامت ضرور آئے گی۔

۷۔ پہلے جھٹکے سے مراد صور میں پھونکنا ہی ہو سکتا ہے جس سے ہر چیز تباہ ہو جائے گی اور دوسرے جھٹکے سے دوسری دفعہ صور میں پھونکنا مراد ہو سکتا ہے جس کے بعد تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔

۱۰۔ الۡحَافِرَةِ: سابقہ چلا ہوا راستہ۔ راستے پر زیادہ چلنے سے زمین نیچے دھنس جاتی ہے اور کھدی ہوئی لگتی ہے۔

۱۱۔ نَّخِرَةً: کھوکھلی۔ اندر سے کھوکھلا ہونے کی وجہ سے اس سے ہوا آواز کے ساتھ گزرتی ہے۔ نخیر آواز کو کہتے ہیں۔

۱۲۔ بطور استہزاء کہیں گے: اگر ہمیں دوبارہ زندہ ہونا پڑا تو ہم بڑے گھاٹے میں ہوں گے۔ ہم نے اس کے لیے کوئی تیاری نہیں کی۔

۲۴۔ فرعون اپنے آپ کو سورج دیوتا کا نمائندہ اور شرعی اور قانونی حکمران تصور کرتا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے علاوہ دیگر معبودوں کا قائل تھا، تاہم زمین پر اقتدار اعلیٰ کا مالک اپنے آپ کو تصور کرتا تھا۔

۲۷۔ تم کہتے ہو: ہماری بوسیدہ ہڈیوں کو اللہ کس طرح دوبارہ زندہ کرے گا؟ کیا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ عالم بالا کی موجودات کا بنانا اس انسان کو دوبارہ بنانے سے زیادہ مشکل اور سنگین کام تھا؟

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾

کرے۔ ﴿۲۰﴾ چنانچہ موسیٰ نے فرعون کو بہت بڑی نشانی دکھائی ﴿۲۱﴾ مگر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ ﴿۲۲﴾ پھر دوڑ دھوپ کرنے کے لیے لوٹ گیا۔ ﴿۲۳﴾ چنانچہ (لوگوں کو) جمع کر کے پکارا۔ ﴿۲۴﴾ پھر کہنے لگا: میں ہی تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔☆ ﴿۲۵﴾ پس اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔ ﴿۲۶﴾ ڈرنے والے کے لیے یقیناً اس میں عبرت ہے۔ ﴿۲۷﴾ کیا تمہارا خلق کرنا زیادہ مشکل ہے یا اس آسمان کا جسے اس نے بنایا ہے؟☆ ﴿۲۸﴾ اللہ نے اس کی چھت اونچی کی پھر اسے معتدل بنایا۔☆ ﴿۲۹﴾ اور اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن کیا۔ ﴿۳۰﴾ اور اس کے بعد اس نے زمین کو بچھایا۔☆ ﴿۳۱﴾ اس نے زمین سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ ﴿۳۲﴾ اور اس میں پہاڑ گاڑ دیے۔ ﴿۳۳﴾ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زندگی کے طور پر۔ ﴿۳۴﴾ پس جب بہت بڑی آفت آجائے گی۔☆ ﴿۳۵﴾ تو اس دن انسان اپنا عمل یاد کرے گا۔☆ ﴿۳۶﴾ اور دیکھنے والوں کے لیے جہنم ظاہر کی جائے گی۔ ﴿۳۷﴾ جس نے سرکشی کی، ﴿۳۸﴾ اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی،☆

لیکن اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔

۲۸۔ سمک: چھت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۳۰۔ یعنی آسمان کو بلند کرنے، دن رات کے وجود میں آنے کے بعد زمین کا دحو ہوا۔ دحو: بچھانے کو کہتے ہیں۔ جوہری نے صحاح میں کہا: دحو لڑھکنے کو کہتے ہیں۔ راغب نے کہا: اذا لھا عن مقرھا۔ اپنے ٹھکانے سے ہٹا دینے کو کہتے ہیں۔ ہم دحو کو بچھانے کے معنوں میں لیتے ہیں۔ کرۂ زمین کی تخلیق پہلے ہوئی لیکن بچھانے کا عمل بعد میں ہوا۔ جب آسمان خلق ہوئے تو آسمان سے باقی کرات میں دن اور رات وجود میں آنے لگے۔ اس کے بعد زمین کو بچھانا شروع کیا۔ اس سے پہلے زمین ایک آتشیں کرہ تھی۔ آہستہ آہستہ سرد ہونا شروع ہوئی اور مٹی وجود میں آنے لگی۔ جسے دحو کہا گیا ہے یا یہ کہ شروع میں زمین کو سرد کرنے کے لیے پورا کرہ ارض پانی میں ڈوبا ہوا تھا، آہستہ آہستہ خشکی نمودار ہونا شروع ہوئی جسے دحو کہتے ہیں۔ پھر اس خشکی میں دریا اور چشمے جاری کر دیے، جس سے حیوانوں کے لیے چارہ اور انسانوں کے لیے دانہ وجود میں آیا۔

۳۴۔ الطَّآمَّۃُ اس آفت کو کہتے ہیں جو ناقابل تحمل ہوتی ہے۔ اس پر کبریٰ کا تاکیدی لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

۳۵۔ جب قیامت کی ناقابل تحمل اور بڑی آفت آچکی ہوگی تو اس وقت انسان کو اپنا سارا کیا دھرا یاد آجائے گا۔

۳۸۔ دنیاوی زندگی کو ترجیح دی۔ یعنی جب دنیا اور آخرت میں سے ایک کو اختیار کرنے کی نوبت آئی تو آخرت ٹھکرا کر دنیا کو ترجیح دی۔ ان لوگوں کے لیے ٹھکانا آتش جہنم ہے۔ جہاں دنیا و آخرت میں ٹکراؤ نہیں ہے، وہاں دنیا کو اہمیت دینے کو ترجیح دینا نہیں کہتے۔

فَاِنَّ الۡجَحِیۡمَ هِیَ الۡمَاۡوٰی ﴿۳۹﴾ وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَی النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰی ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِیَ الۡمَاۡوٰی ﴿۴۱﴾ یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرۡسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِیۡمَ اَنۡتَ مِنۡ ذِكۡرٰهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰی رَبِّكَ مُنۡتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرُ مَنۡ یَّخۡشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمۡ یَوۡمَ یَرَوۡنَهَا لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوۡ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾ ع

﴿۳۹﴾ اس کا ٹھکانا یقینا جہنم ہوگا۔ ﴿۴۰﴾ اور جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے اور نفس کو خواہشات سے روکتا ہے،☆ ﴿۴۱﴾ اس کا ٹھکانا یقینا جنت ہے۔ ﴿۴۲﴾ یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کب واقع ہوگی؟ ﴿۴۳﴾ آپ کو کیا کام ہے اس (کی حقیقت) کے بیان سے۔ ﴿۴۴﴾ اس (کے علم) کی انتہا آپ کے رب کی طرف ہے۔ ﴿۴۵﴾ آپ تو صرف اسے تنبیہ کرنے والے ہیں جو اس (قیامت) سے ڈرتا ہے۔ ﴿۴۶﴾ جب وہ اس قیامت کے دن کا سامنا کریں گے، (ایسا لگے گا) گویا وہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا ایک صبح ٹھہرے ہیں۔

آیاتها ۴۲ — ۸۰ سُوۡرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۴ — رکوعها ۱

سورہ عبس۔ مکی۔ آیات ۴۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰی ﴿۲﴾ وَ مَا یُدۡرِیۡكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤی ﴿۳﴾ اَوۡ یَذَّكَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰی ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی ﴿۵﴾

﴿۱﴾ اس نے ترشروئی اختیار کی اور منہ پھیر لیا،☆ ﴿۲﴾ ایک نابینا کے اس کے پاس آنے پر۔ ﴿۳﴾ اور آپ کو کون سی چیز بتائے گی شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ ﴿۴﴾ یا نصیحت سنتا اور نصیحت اسے فائدہ دیتی۔ ﴿۵﴾ اور جو (اپنے آپ کو حق سے) بے نیاز سمجھتا ہے،

۴۰۔ نفس کو ان خواہشات سے روکتا ہے جو مہلک ہیں، ورنہ قانون و شریعت کے دائرے میں رہ کر جائز خواہشات کو پورا کرنا بھی عبادت ہوتی ہے، جیسے ازدواج۔

سورہ عبس

۱۔ اہل سنت کے مصادر میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ مکے کے چند بڑے سرداروں کو اسلام کی دعوت دینے میں مشغول تھے، اس وقت حضرت ابن ام مکتوم جو نابینا تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند اسلامی تعلیمات بیان کرنے پر اصرار کرنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے اس مداخلت کو ناپسند کیا اور آپ ﷺ نے اس سے بے رخی برتی، اس پر یہ سورہ نازل ہوا۔ شیعہ مصادر میں آیا ہے کہ یہ ترشروئی اختیار کرنے والا بنی امیہ کا ایک شخص تھا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس وقت ابن ام مکتوم آیا تو اس نے منہ چڑایا اور ترشروئی اختیار کی، اس شخص کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کچھ لوگ اسے رسول اللہ ﷺ کی غلطی شمار کرتے ہیں (معاذ اللہ)۔ سنی روایات کے مطابق بھی رسول اللہ ﷺ اسکے مخاطب نہیں ہیں، بلکہ ان آیات میں سر دلبران در حدیث دیگران کے طور پر اس راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ اس عظیم کارواں میں ایک نابینا مؤمن کئی سرداروں سے زیادہ کردار ادا کر سکتا ہے۔ یہی نادار لوگ اس دین کے لیے قربانی پیش کر سکتے ہیں، ورنہ مراعات یافتہ لوگ اس دین کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں۔ اس قسم کا طرز خطاب قرآن میں بہت زیادہ ہے کہ مخاطب رسول ﷺ کو قرار دیا جاتا ہے جبکہ دوسروں کو سنانا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ (زمر: ۶۵) اے رسول ﷺ اگر آپ شرک کا ارتکاب کریں تو آپ ﷺ کا عمل حبط ہو جائے گا۔ اس طرح حقیقی مخاطب رسول ﷺ نہیں، بلکہ وہ کردار یا وہ سوچ ہے جو دنیا والوں پر حاکم ہے اور جس کے تحت ناداروں

فَأَنتَ لَهُۥ تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾ وَمَا عَلَيۡكَ أَلَّا
يَزَّكَّىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَن جَآءَكَ يَسۡعَىٰ ﴿٨﴾ وَهُوَ
يَخۡشَىٰ ﴿٩﴾ فَأَنتَ عَنۡهُ تَلَهَّىٰ ﴿١٠﴾ كَلَّآ إِنَّهَا
تَذۡكِرَةٞ ﴿١١﴾ فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ ﴿١٢﴾ فِي صُحُفٖ
مُّكَرَّمَةٖ ﴿١٣﴾ مَّرۡفُوعَةٖ مُّطَهَّرَةِۭ ﴿١٤﴾ بِأَيۡدِي
سَفَرَةٖ ﴿١٥﴾ كِرَامِۭ بَرَرَةٖ ﴿١٦﴾ قُتِلَ ٱلۡإِنسَٰنُ
مَآ أَكۡفَرَهُۥ ﴿١٧﴾ مِنۡ أَيِّ شَيۡءٍ خَلَقَهُۥ ﴿١٨﴾ مِن
نُّطۡفَةٍ خَلَقَهُۥ فَقَدَّرَهُۥ ﴿١٩﴾ ثُمَّ ٱلسَّبِيلَ
يَسَّرَهُۥ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُۥ فَأَقۡبَرَهُۥ ﴿٢١﴾ ثُمَّ إِذَا
شَآءَ أَنشَرَهُۥ ﴿٢٢﴾ كَلَّا لَمَّا يَقۡضِ مَآ أَمَرَهُۥ ﴿٢٣﴾
فَلۡيَنظُرِ ٱلۡإِنسَٰنُ إِلَىٰ طَعَامِهِۦٓ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبۡنَا
ٱلۡمَآءَ صَبّٗا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقۡنَا ٱلۡأَرۡضَ شَقّٗا ﴿٢٦﴾
فَأَنۢبَتۡنَا فِيهَا حَبّٗا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبٗا وَقَضۡبٗا ﴿٢٨﴾

وقف لازم

(٦) سو آپ اس پر توجہ دے رہے ہیں۔ (٧) اور اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ بھی کرے تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ (٨) اور لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا، (٩) اور وہ خوف (خدا) بھی رکھتا تھا، (١٠) اس سے تو آپ بے رخی کرتے ہیں۔ (١١) (ایسا درست) ہرگز نہیں! یہ (آیات) یقیناً نصیحت ہیں۔☆ (١٢) پس جو چاہے! انہیں یاد رکھے۔ (١٣) یہ محترم صحیفوں میں ہیں۔☆ (١٤) جو بلند مرتبہ، پاکیزہ ہیں۔ (١٥) یہ ایسے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں☆ (١٦) جو عزت والے، نیک ہیں۔ (١٧) ہلاکت میں پڑ جائے یہ انسان، یہ کس قدر ناشکرا ہے۔☆ (١٨) (یہ نہیں سوچتا کہ) اسے اللہ نے کس چیز سے بنایا ہے؟☆ (١٩) نطفے سے بنایا ہے پھر اس کی تقدیر بنائی، (٢٠) پھر اس کے لیے راستہ آسان بنا دیا۔☆ (٢١) پھر اسے موت سے دوچار کیا پھر اسے قبر میں پہنچا دیا۔☆ (٢٢) پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا۔☆ (٢٣) ہرگز نہیں! اللہ نے جو حکم اسے دیا تھا اس نے اسے پورا نہیں کیا۔ (٢٤) پس انسان کو اپنے طعام کی طرف نظر کرنی چاہیے،☆ (٢٥) کہ ہم نے خوب پانی برسایا، (٢٦) پھر ہم نے زمین کو خوب شگافتہ کیا،☆ (٢٧) پھر ہم نے اس میں دانے اگائے، (٢٨) نیز انگور اور

---

کے ساتھ بے اعتنائی برتی جاتی ہے اور تمام تر اہمیت مراعات یافتہ طبقے کو مل جاتی ہے۔

١١۔ اس نصیحت سے مراد قرآن ہے۔

١٣۔ یعنی یہ قرآن ایسے صحیفوں میں درج ہے جو مکرم ہیں۔ اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ قرآن ارضی صحیفوں سے پہلے ملکوتی صحیفوں میں مدون ہو چکا تھا۔

١٥۔ یہ تدوین ایسے فرشتوں کے ہاتھوں انجام پائی ہے جو عزت والے اور نیک ہیں۔

١٧ تا ٢٢۔ یہ لفظ اظہار نفرت کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے ہم مردہ باد کہتے ہیں۔ اس کے بعد کلمہ تعجب استعمال ہوا ہے کہ انسان کس قدر منکر حق ہے! ایک حقیر بوند سے پیدا ہونے والی یہ مخلوق اپنی تقدیر کی مالک نہیں ہے۔ یعنی بہت سی باتوں میں یہ بے بس ہے۔ اپنے اوصاف و خصلت، موت و حیات اور آفت و مرض وغیرہ میں مقید اور محدود ہونے کے باوجود انکار کی یہ حالت؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے راہ ہدایت کا حصول آسان بنا دیا۔ پھر چند روز روئے زمین پر چلنے پھرنے کے بعد اس قدر بے بس کہ زمین میں دفن ہو جاتا ہے، پھر جواب طلبی کے لیے اٹھایا جاتا ہے۔ اس قدر بے بس انسان اس قدر منکر؟

١٩۔٢٠ خلقت کے بعد تقدیر یعنی ایک نظام میں پابند کر دینے کا عمل انجام پایا۔ اس نظام کے تحت انسان کی رہنمائی بھی اسی فطرت و جبلت میں ودیعت ہوئی جسے اگلی آیت میں بیان فرمایا: ثُمَّ السَّبِيۡلَ يَسَّرَهٗ یہ فطرت کا راستہ ہے جو ہر ایک کے لیے میسر ہے۔

٢٤۔ خاک کا سینہ شق کر کے اللہ کس طرح انسان کے لیے طعام کا انتظام فرماتا ہے۔ پہلے اس پر پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے جس سے زمین کی روئیدگی بیدار ہو جاتی ہے اور دانہ شق ہو کر پھلتا پھولتا ہے۔ پھر مختلف دانے اور میوے فراہم ہوتے ہیں۔

٢٦۔ انسان اتنا کر سکتا ہے کہ دانے کو زمین کے اندر پہنچا دے، لیکن زمین کو شق کر کے مختلف پھلوں اور دانوں کا نکالنا اللہ کا کام ہے۔

وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع

سبزیاں، ﴿۲۹﴾ اور زیتون اور کھجوریں، ﴿۳۰﴾ اور گھنے باغات، ﴿۳۱﴾ اور میوے اور چارے بھی، ﴿۳۲﴾ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زندگی کے طور پر۔ ﴿۳۳﴾ پھر جب کان پھاڑ آواز آئے گی، ﴿۳۴﴾ تو جس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا، ﴿۳۵﴾ نیز اپنی ماں اور اپنے باپ سے، ﴿۳۶﴾ اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد سے بھی۔☆ ﴿۳۷﴾ ان میں سے ہر شخص کو اس روز ایسا کام درپیش ہوگا جو اسے مشغول کر دے۔☆ ﴿۳۸﴾ کچھ چہرے اس روز چمک رہے ہوں گے۔☆ ﴿۳۹﴾ خنداں و شاداں ہوں گے۔ ﴿۴۰﴾ اور کچھ چہرے اس روز خاک آلود ہوں گے۔☆ ﴿۴۱﴾ ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ ﴿۴۲﴾ یہی کافر اور فاجر لوگ ہوں گے۔

آیاتها ۲۹ — ۸۱ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ۷ — رکوعها ۱

سورہ تکویر۔ مکی۔ آیات ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾ وَ

﴿۱﴾ جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، ﴿۲﴾ اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے، ﴿۳﴾ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، ﴿۴﴾ اور جب حاملہ اونٹنیاں (اپنے حال پر) چھوڑ دی

---

۳۶۔ جو لوگوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھے، جن کی خاطر وہ اللہ کی نافرمانی کرتے اور جن کی محبت میں وہ روز جزا سے غافل ہو جاتے تھے، آج انہیں دیکھ کر وہ بھاگ جاتے ہیں کہ کہیں کسی حق کا مطالبہ نہ کریں، کہیں مدد کے لیے نہ پکاریں یا کہیں اپنے گناہوں کی ذمہ داری اس پر نہ ڈالیں۔

۳۷۔ کسی کو کسی کی فریاد رسی کرنے کا ہوش نہ ہوگا۔ نہ ممتا کی محبت باقی رہے گی، نہ باپ کو بیٹے کے ساتھ ہمدردی رہے گی۔ ہر شخص اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھنا چاہے گا کہ آگے انجام کیا ہونے والا ہے۔

۳۸۔ حدیث میں آیا ہے: مَنْ كَثُرَ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ۔ (الفقیہ ۱: ۴۷۴۔ الکشاف ۴: ۷۰۶) رات کو جس کی نمازیں زیادہ ہوں گی، دن کو اس کا چہرہ پر رونق ہوگا۔

۴۰۔ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو دنیا میں خاک آلود چہروں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سورہ تکویر

۵۔ کیا جانور قیامت کے دن محشور ہوں گے؟ اس موضوع پر کوئی تفصیل موجود نہیں ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ آیت کا اشارہ اس بات کی طرف ہو کہ قیامت برپا ہوتے وقت درندے اپنے ٹھکانوں سے نکل آئیں گے اور ایک دوسرے کو گزند پہنچانا بھول جائیں گے اور اکٹھے ہو جائیں گے اور ممکن ہے وحشی جانور دنیا میں تو ایک دوسرے سے بھاگ جاتے ہیں، لیکن قیامت کی ہولناکی میں کسی اور کا خوف محسوس ہی نہ ہوگا۔ اس آیت سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ جانور بھی محشور ہوں گے۔

۶۔ سمندروں کو آگ لگنا بعید سمجھا جاتا تھا، لیکن پانی جن عناصر سے مرکب ہے وہ قابل سوزش ہے۔ یعنی ہائیڈروجن اور آکسیجن۔ ممکن ہے قیامت کی آتش فشانی سے یہ دو عناصر جدا اور آتش پکڑنے لگ جائیں۔

۷۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد جانوں کو جسموں سے جوڑ دینا ہو اور ممکن ہے مراد یہ ہو کہ مؤمن مؤمن سے اور کافر کافر کے ساتھ جوڑ دیے جائیں گے۔ نفوس کو جسموں یا اپنے اپنے ہم خیالوں سے جوڑ

اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۝۴ وَ اِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۝۵ وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۝۶ وَ اِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۝۷ وَ اِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ۝۸ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۝۹ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ۝۱۰ وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ ۝۱۱ وَ اِذَا الۡجَحِیۡمُ سُعِّرَتۡ ۝۱۲ وَ اِذَا الۡجَنَّةُ اُزۡلِفَتۡ ۝۱۳ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ۝۱۴ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۝۱۵ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ ۝۱۶ وَ الَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ۝۱۷ وَ الصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝۱۸ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِیۡمٍ ۝۱۹ ذِیۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَكِیۡنٍ ۝۲۰ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ۝۲۱ وَ مَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ۝۲۲ وَ لَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ ۝۲۳

جائیں گی، ⑤ اور جب وحشی جانور اکھٹے کر دیے جائیں گے،☆ ⑥ اور جب سمندروں کو جوش میں لایا جائے گا،☆ ⑦ اور جب جانیں (جسموں سے)) جوڑ دی جائیں گی،☆ ⑧ اور جب زندہ در گور لڑکی سے پوچھا جائے گا ⑨ کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی؟☆ ⑩ اور جب اعمال نامے کھول دیے جائیں گے، ⑪ اور جب آسمان اکھاڑ دیا جائے گا، ⑫ اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی، ⑬ اور جب جنت قریب لائی جائے گی،☆ ⑭ اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔☆ ⑮ نہیں! میں قسم کھاتا ہوں پس پردہ جانے والے ستاروں کی،☆ ⑯ جو روانی کے ساتھ چلتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں،☆ ⑰ اور قسم کھاتا ہوں رات کی جب وہ جانے لگتی ہے، ⑱ اور صبح کی جب وہ پھوٹتی ہے، ⑲ کہ یقینا یہ (قرآن) معزز فرستادہ کا قول ہے۔☆ ⑳ جو قوت کا مالک ہے، صاحب عرش کے ہاں بلند مقام رکھتا ہے۔ ㉑ وہاں ان کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ امین ہیں۔ ㉒ اور تمہارا رفیق (محمدؐ) دیوانہ نہیں ہے۔ ㉓ اور

---

دیا جائے گا۔ اصحاب یمین، اصحاب یمین کے ساتھ۔ صالح، صالح کے ساتھ۔ اصحاب شمال، اصحاب شمال کے ساتھ کر دیئے جائیں گے۔

۹۔ اس تعبیر میں انتہائی غضب الٰہی کا اظہار ہے کہ سوال خود بے گناہ بچی سے کیا جائے گا کہ تو کس جرم میں ماری گئی؟ مجرم باپ سے نہیں پوچھا جائیگا یُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِیۡمٰهُمۡ فَیُؤۡخَذُ بِالنَّوَاصِیۡ وَ الۡاَقۡدَامِ۔ (الرحمٰن:۴۱) یعنی مجرم لوگ اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے۔

۱۳۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے: وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا (نباء:۱۹) آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ اس آیت میں فرمایا کہ جنت قریب لائی جائے گی۔ یعنی مسافتیں سمٹ جائیں گی۔ وہاں زمان و مکان کا وہ تصور نہ ہوگا جو اس دنیا میں ہے۔

۱۴۔ جہاں اعمال کی قیمت لگ جائے گی، وہاں انسان کو علم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ اس آیت اور دیگر آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کا خود عمل حاضر ہو جائے گا، پھر اس کی قیمت لگے گی۔

۱۵۔ الۡخُنَّسِ: سکڑنا اور چھپ جانے کے معنوں میں ہے۔

۱۶۔ الۡجَوَارِ: تیزی سے چلنے والی شئ۔
الۡكُنَّسِ: چھپ جانا۔ اشارہ ستاروں کی طرف ہے۔

عَسۡعَسَ: رات کے آخری اور ابتدائی حصے میں، جن میں تاریکی کم ہوتی ہے۔

۱۹۔ اس رسول کریم ؑ سے مراد جبرئیل ؑ ہیں جو صاحب عرش یعنی اللہ کے نزدیک بڑا مقام رکھتے ہیں اور آسمان میں ان کی بات مانی جاتی ہے۔ یعنی فرشتے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ جس کی عالم بالا میں حکومت چلتی ہو اس کو رسول اعظم ﷺ کی خدمت میں پیغام لے جانے کی ذمہ داری سونپنا رسول اعظم ﷺ کی عظمت اور کائنات میں اس رسالت کی عظمت کی دلیل ہے۔

۲۳۔ یعنی رسول کریم ﷺ نے جبرائیل ؑ کو روشن

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿٢٥﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع

انہوں نے اس (فرشتہ) کو روشن افق پر دیکھا ہے۔☆ ﴿٢٤﴾ اور وہ غیب (کی باتیں پہنچانے) میں بخیل نہیں ہے۔☆ ﴿٢٥﴾ اور یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کا قول نہیں ہے۔ ﴿٢٦﴾ پھر تم کدھر جا رہے ہو؟ ﴿٢٧﴾ یہ تو سارے عالمین کے لیے بس نصیحت ہے، ﴿٢٨﴾ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھی راہ چلنا چاہتا ہے۔ ﴿٢٩﴾ اور تم صرف وہی چاہ سکتے ہو جو عالمین کا رب اللہ چاہے۔

## ٨٢ سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ٨٢

آیاتها ١٩ — رکوعها ١

سورہ انفطار۔ مکی۔ آیات ١٩

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا

﴿١﴾ جب آسمان شگافتہ ہو جائے گا۔ ﴿٢﴾ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔☆ ﴿٣﴾ اور جب سمندروں میں پھوٹ ڈالی جائے گی۔☆ ﴿٤﴾ اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔ ﴿٥﴾ اس وقت انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔☆ ﴿٦﴾ اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کریم رب کے بارے میں دھوکے میں رکھا؟☆ ﴿٧﴾ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے راست بنایا پھر تجھے معتدل بنایا۔ ﴿٨﴾ اور جس شکل میں چاہا

---

افق پر دیکھ لیا ہے۔ ممکن ہے مراد یہ ہو کہ افق اعلیٰ میں جبرئیل کو اپنی مقتدر حیثیت میں دیکھ لیا ہے۔ اس دیکھنے کی حقیقت حسی رویئت کی طرح نہیں تھی، بلکہ اس حقیقت کو رسول اکرمؐ نے اپنے پورے وجود کے ساتھ دیکھ لیا جیسا کہ سورۂ نجم میں فرمایا: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (نجم: ١١) یہاں قلب و بصر دونوں کی متفقہ رویئت تھی۔

٢٤۔ انبیاءؑ اس بات میں معصوم ہیں کہ وہ غیب کی باتیں چھپا کر نہیں رکھتے۔

### سورہ انفطار

٢۔ یعنی اس کائنات کا موجودہ نظم درہم برہم ہو جائے گا اور ایک جدید کائنات کی تعمیر ہو گی۔

٣۔ ممکن ہے سمندروں میں پھوٹ اس آتش گیری کی وجہ سے ہو جس کا ذکر سورہ تکویر میں ہو چکا ہے۔

٥۔ جو اعمال دنیا میں انجام دیے، وہ آگے بھیجے جانے والے ہوں گے اور جو پیچھے چھوڑ آئے ہیں ان میں صدقہ جاریہ کوئی نیک عمل، جو اس کے مرنے کے بعد جاری و ساری رہتا ہے، اس میں اسے مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہے گا اور اگر کوئی نامشروع کام رائج کر دیا ہے تو اس پر عمل کرنے والوں کے گناہ میں یہ شخص بھی شامل ہو گا۔

٦۔ اس کی لازوال نعمتوں، رحمتوں اور مہربانیوں کے باوجود تجھے کس چیز نے دھوکہ دیا کہ تو اس سے لاپرواہی برتتا ہے، گویا تو اس کا محتاج ہی نہیں ہے اور اس کی نافرمانی کر کے تو اس سے اس قدر دور نکل گیا گویا تو نے اس کے حضور کبھی جانا ہی نہیں ہے۔ تجھے علم ہونا چاہیے تھا کہ تیرا رب وہ ہے کہ جس نے

شَآءَ رَكَّبَكَ ۝٨ كَلَّا بَلۡ تُكَذِّبُوۡنَ بِالدِّيۡنِ ۝٩ وَاِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحٰفِظِيۡنَ ۝١٠ كِرَامًا كَاتِبِيۡنَ ۝١١ يَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝١٢ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِىۡ نَعِيۡمٍ ۝١٣ وَاِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِىۡ جَحِيۡمٍ ۝١٤ يَّصۡلَوۡنَهَا يَوۡمَ الدِّيۡنِ ۝١٥ وَمَا هُمۡ عَنۡهَا بِغَآئِبِيۡنَ ۝١٦ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ۝١٧ ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ۝١٨ يَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـًٔا ؕ وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝١٩

تجھے جوڑ دیا۔ (۹) ہرگز نہیں! بلکہ تم (روز) جزا کو جھٹلاتے ہو۔ (۱۰) جب کہ تم پر نگران مقرر ہیں، (۱۱) ایسے معزز لکھنے والے، (۱۲) جو تمہارے اعمال کو جانتے ہیں۔☆ (۱۳) نیکی پر فائز لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔ (۱۴) اور بدکار جہنم میں ہوں گے۔ (۱۵) وہ جزا کے دن اس میں جھلسائے جائیں گے۔ (۱۶) اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے۔ (۱۷) اور آپ کو کس چیز نے بتایا جزا کا دن کیا ہے؟ (۱۸) پھر آپ کو کس چیز نے بتایا جزا کا دن کیا ہے؟ (۱۹) اس دن کسی کو کسی کے لیے کچھ (کرنے کا) اختیار نہیں ہوگا اور اس دن صرف اللہ کا حکم چلے گا۔

## ۸۳ سُوۡرَةُ الۡمُطَفِّفِيۡنَ مَكِّيَّةٌ ۸۶ — اٰیاتھا ۳۶ — رکوعھا ۱

سورہ مطففین۔ مکی۔ آیات ۳۶

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۝١ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝٢ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ

(۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔☆ (۲) جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا تولتے ہیں، (۳) اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے

---

تمہیں ایک بوند سے خلق کیا، پھر تمام اعضاء و جوارح کو ایک حیرت انگیز صورت میں درست بنایا، پھر ان اعضا و جوارح کو اعتدال دیا۔ دونوں آنکھوں، دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں، سینکڑوں اعصاب وغیرہ کو ایک اعتدال دیا اور آخر میں ایسی ترکیب دے کر اس تخلیق کی تکمیل کی، تمام موجودات میں اس انسان کو جمالیات میں ایسی شکل وصورت عنایت کی کہ خود خالق کو اس پر ناز ہے۔ چنانچہ فرمایا: لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ (تین: ۴)۔ ہم نے اس انسان کو بہترین پیرائے میں خلق کیا۔ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ۔ (تغابن: ۳) اس نے تمہاری تصویر بنائی تو بہترین تصویر بنائی۔

۱۲۔ دو فرشتے ہوں گے، ایک اعمال خیر، دوسرا اعمال شر لکھتا رہے گا۔ موت قریب آنے پر نیک مؤمن سے کہیں گے: تجھے خدا جزائے خیر دے تو نے کتنے صالح اعمال ہمیں دکھائے، کتنی باتیں ہمیں سنائیں اور کتنی اچھی محفلوں میں ہمیں بٹھایا۔ آج ہم تیری پسند کے مطابق تیری شفاعت کریں گے۔ اگر نافرمان رہا ہے تو اس سے کہیں گے: خدا تجھے نہ بخشے۔ برے اعمال سے تو نے ہمیں کتنی اذیت دی، کتنی بری باتیں تو نے ہمیں سنائیں اور کتنی بری محفلوں میں تو نے ہمیں بٹھایا۔ آج ہم تیری خواہش کے خلاف رب کے سامنے گواہ ہوں گے۔

(المیزان بحوالہ سعد السعود)

### سورہ مطففین

۱۔ طفیف، ہلکی چیز کو کہتے ہیں۔ طفیف سے مراد ہے کسی چیز کو ہلکا یا کم کر دینا۔

وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ؕ۳ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ
اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ۙ۴ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ۙ۵ يَّوْمَ
يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ؕ۶ كَلَّآ اِنَّ
كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ؕ۷ وَمَآ
اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ؕ۸ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ؕ۹
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ۙ۱۰ الَّذِيْنَ
يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ؕ۱۱ وَمَا يُكَذِّبُ
بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ۙ۱۲ اِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ؕ۱۳
كَلَّا بَلْ ۫ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ
يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ؕ۱۵ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا
الْجَحِيْمِ ۝ؕ۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

ہیں۔ ۝۳ کیا یہ لوگ نہیں سوچتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے،☆ ۝۵ ایک بڑے دن کے لیے؟ ۝۶ اس دن تمام انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔☆ ۝۷ ہرگز نہیں! بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے۔☆ ۝۸ اور آپ کو کس چیز نے بتایا سجین کیا ہے؟ ۝۹ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ ۝۱۰ اس روز تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ۝۱۱ جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔ ۝۱۲ اور اس روز کو تجاوزکار، گناہگار کے سوا کوئی نہیں جھٹلاتا۔☆ ۝۱۳ جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے: یہ تو قصہ ہائے پارینہ ہیں۔ ۝۱۴ ہرگز نہیں! بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں۔☆ ۝۱۵ ہرگز نہیں! اس روز یہ لوگ یقیناً اپنے رب (کی رحمت) سے اوٹ میں ہوں گے۔ ۝۱۶ پھر وہ یقیناً جہنم میں جھلسیں گے۔ ۝۱۷ پھر کہا جائے گا: یہ وہی ہے جسے

۴۔ حقوق الناس میں عموماً اور ناپ تول میں خصوصاً اللہ تعالیٰ بڑے اہتمام سے امانتداری کی خلاف ورزی کرنے والوں کی مذمت کرتا ہے اور انہیں دردناک عذاب کی خبر دیتا ہے۔ قوم شعیب پر اسی گناہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے عذاب نازل کیا گیا، کیونکہ اس خیانت سے اقتصادی توازن میں خلل آتا ہے جس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ مدینے کے تاجر ناپ تول میں خیانت کرتے تھے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خَمسٌ بخمسٍ۔ پانچ کے بدلے پانچ۔ لوگوں نے عرض کیا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: عہد شکنی کی صورت میں دشمن مسلط ہو گا۔ اللہ کا حکم نافذ نہ کرنے کی صورت میں تنگدستی آئے گی۔ زکوٰۃ نہ دینے کی صورت میں بارش کم ہو گی۔ (بحار الانوار ۷۰:۷۰ ۳۔ الکشاف ۴:۷۱۸)

۶۔ اگر ان کو یہ خیال ہوتا کہ کل رب العالمین کے سامنے حساب کے لیے کھڑے ہونا ہے تو اللہ سے شرم کرتے اور کسی پر ظلم نہ کرتے۔

۷۔ بدکاروں کا نامۂ اعمال سجین نامی کتاب میں موجود ہے۔ اسے کس وجہ سے سجین کہا گیا ہے؟ سجین کو سجن (قید خانہ) کے معنوں میں لیا جائے تو ممکن ہے کہ اس نامۂ اعمال میں تمام برائیاں ضبط تحریر میں آنے کی وجہ سے اسے سجین کہا گیا ہو۔

۱۲۔ جرائم کے ارتکاب میں حد سے تجاوز کرنے والے اور گناہگار ہی روز قیامت قائم ہونے والی عدل و انصاف پر مبنی عدالت سے گریز کرتے ہیں اور اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے قیامت کی نشاندہی پر مبنی آیات کا تمسخر کرتے ہیں۔

۱۴۔ رَانَ: رین سے ہے۔ یعنی ان کے دلوں پر زنگ

تُكَذِّبُوْنَ ۞ ﴿١٧﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ
عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾
اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ
يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ
النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾
خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾
عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾
وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا
فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ

تم جھٹلاتے تھے۔ ﴿١٨﴾ (یہ جھوٹ) ہرگز نہیں! نیکی پر فائز لوگوں کا نامہ اعمال یقینا علیین میں ہے۔☆ ﴿١٩﴾ اور آپ کو کس چیز نے بتایا علیین کیا ہے؟ ﴿٢٠﴾ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔☆ ﴿٢١﴾ مقرب لوگ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ﴿٢٢﴾ نیکی پر فائز لوگ یقینا نعمتوں میں ہوں گے۔ ﴿٢٣﴾ مسندوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے۔ ﴿٢٤﴾ ان کے چہروں سے آپ نعمتوں کی شادابی محسوس کریں گے۔☆ ﴿٢٥﴾ انہیں سربمہر خالص مشروب پلائے جائیں گے۔ ﴿٢٦﴾ جس پر مشک کی مہر لگی ہوگی اور سبقت کرنے والوں کو اس امر میں سبقت کرنی چاہیے۔☆ ﴿٢٧﴾ اس میں تسنیم (کے پانی) کی آمیزش ہوگی، ﴿٢٨﴾ اس چشمے کی جس سے مقرب لوگ پئیں گے، ﴿٢٩﴾ جنہوں نے جرم کا ارتکاب کیا تھا، وہ مؤمنین کا مذاق اڑاتے تھے۔☆ ﴿٣٠﴾ جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مار کر اشارہ کرتے تھے۔ ﴿٣١﴾ اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے تھے۔ ﴿٣٢﴾ اور جب ان

---

لگ گیا ہے، جس کی وجہ سے قرآنی روشنی ان پر اثر نہیں کرتی، بلکہ گناہ و ثواب کے کاموں میں تمیز بھی نہیں کر سکتے۔ حدیث میں آیا ہے: جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کی، داغ ڈھل جاتا ہے، اگر استغفار کی تو صاف ہو جاتا ہے۔ اگر گناہ کا سلسلہ جاری رکھا تو رنگ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ وہی دین ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ (التوحید شیخ صدوق ص ٣٦٥۔ سنن ترمذی کتاب التفسیر حدیث ٣٢٥٧)

١٥۔ ایک اہل قلم کا یہ ترجمہ: "اس روز یہ اپنے رب کی دید سے محروم رکھے جائیں گے"، قرآنی نہیں مسلکی ترجمہ ہے۔ چونکہ غیر امامیہ کا مؤقف یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ کا دیدار ہو جائے گا، مگر یہ کہ دید سے مراد دیدِ قلب ہو۔

١٨۔ الْاَبْرَارِ: ان ہستیوں کو کہتے ہیں جو نیکی کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہوں۔ الْمُقَرَّبُوْنَ ان سے ایک درجہ آگے ہیں۔ سورہ واقعہ میں بیان ہوا وہ سابقون ہیں: وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ، جن کی تعداد اس امت میں کم ہے۔

٢٠۔ جس طرح بدکاروں کے نامہ اعمال کو سجین کا نام دیا گیا ہے، اسی طرح نیک آدمیوں کے نامہ اعمال کو علیون کا نام دیا گیا ہے۔ جس طرح ان کا درجہ علیین میں ہے، ان کا نامہ اعمال بھی بلند مقام پر ہے۔ ایک نظریہ کے مطابق تجسم اعمال کے تحت علیون سے مراد بہشت برین ہے۔ یعنی ابرار کے اعمال نے مجسم ہو کر علیون کی شکل اختیار کی ہے (انرجی مادے میں بدل کر)۔ یہ لکھی ہوئی کتاب ضرور ہے، مگر لکیروں سے نہیں مقرب بندوں کے مشاہدے کی ایک عملی کتاب ہے۔

هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

(مومنین) کو دیکھتے تو کہتے تھے: یہ لوگ یقینا گمراہ ہیں۔ ﴿۳۳﴾ حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے۔ ﴿۳۴﴾ پس آج اہل ایمان کفار پر ہنس رہے ہیں۔ ﴿۳۵﴾ مسندوں پر بیٹھے (کفار کا انجام) دیکھ رہے ہیں۔ ﴿۳۶﴾ کیا کفار کو ان کی حرکتوں کا بدلہ دیا گیا؟

آیاتها ۲۵ — ۸۴ سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۸۳ — رکوعها ۱

سورہ انشقاق۔ مکی۔ آیات ۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا

﴿۱﴾ جب آسمان پھٹ جائے گا،☆ ﴿۲﴾ اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گا جو اس کا حقدار ہے۔ ﴿۳﴾ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ ﴿۴﴾ اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی۔☆ ﴿۵﴾ اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی جو اس کے لیے سزاوار ہے۔ ﴿۶﴾ اے انسان! تو مشقت اٹھا کر اپنے رب کی طرف جانے والا ہے، پھر اس سے ملنے والا ہے۔☆ ﴿۷﴾ پس جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا،

۲۴۔ چہروں سے نعمتوں کی شادابی اور رونق ہر دیکھنے والے کے لیے محسوس و عیاں ہو گی۔

۲۶۔ اگر کوئی عاقل کسی چیز کے حصول میں دوسروں پر بازی لے جانا چاہتا ہے تو ان نعمتوں کے حصول میں بازی لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۲۹۔ تفسیر کبیر، کشاف اور شواهد التنزیل میں آیا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا سے مراد قریش کے منافقین اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

سورہ انشقاق

۱۔ اس آیت کی تفسیر میں باب مدینة العلم حضرت مولائے متقیان علی علیہ السلام کا ایک علمی معجزہ نہایت قابل توجہ ہے، جس میں آپ نے دنیائے فلکیات میں پہلی مرتبہ یہ انکشاف کیا جن ستاروں کو ہم آسمان میں دیکھ رہے ہیں، وہ ایک کہکشاں ہے۔ قیامت کے دن یہ ستارے کہکشاں سے جدا ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا۔ فرمایا: انها تنشق من المجرة۔ (بحار الانوار ۵۵:۸۲) یہ آسمان کہکشاں سے پھٹ جائے گا۔ حضرت علی علیہ السلام سے پہلے کس کو گمان تھا کہ آسمان کہکشاں کا حصہ ہے۔ سورہ انفطار میں اس کی مزید وضاحت ہے، جس میں فرمایا: وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ جب ستارے بکھر جائیں گے۔

۴۔ یعنی زمین اپنے شکم کے اندر موجود تمام اموات کو نکال کر باہر کر دے گی۔

۶۔ اے انسان! تجھے اس کرۂ ارض کی پشت پر عیش و آرام اور پر تعیش زندگی گزارنے کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا، نہ ہی لہو و عبث اور کھیل کود کے لیے بھیجا گیا تھا، بلکہ تجھے خليفة الله کے منصب پر فائز کر کے بھیجا اور اس فیصلے کے ساتھ کہ تجھے خواہ اپنی زندگی کا سامان فراہم کرنا ہو یا اپنے ارتقائی سفر کا، یعنی اپنی انتہائی منزل (رضائے رب) تک پہنچنا ہو، ہر بات کے لیے تجھے خود محنت و مشقت کرنا ہے۔ اللہ کا

يَّسِيْرًا ۝٨ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝٩ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝١٠ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝١١ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝١٢ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝١٣ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝١٤ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝١٥ فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝١٦ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝١٧ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝١٨ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝١٩ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٢٠ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۝٢١ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۝٢٢ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۝٢٣ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٢٤ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ

معانقة ۔ السجدة ۱۳

(٨) اس سے عنقریب ہلکا حساب لیا جائے گا۔ (٩) اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوشی سے پلٹے گا۔☆ (١٠) اور جس کا نامہ اعمال اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا،☆ (١١) پس وہ موت کو پکارے گا، (١٢) اور وہ جہنم میں جھلسے گا۔ (١٣) بلاشبہ یہ اپنے گھر والوں میں خوش رہتا تھا۔☆ (١٤) بے شک اس کا یہ گمان تھا کہ اسے لوٹ کر (اللہ کی طرف) جانا ہی نہیں ہے۔ (١٥) ہاں! اس کا رب یقیناً اس (کے عمل) کو دیکھ رہا تھا۔ (١٦) مجھے قسم ہے شفق کی،☆ (١٧) اور رات کی اور اس کی جسے وہ سمیٹ لیتی ہے،☆ (١٨) اور چاند کی جب وہ کامل ہو جائے، (١٩) تمہیں مرحلہ بہ مرحلہ ضرور گزرنا ہے۔☆ (٢٠) پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ (٢١) اور جب انہیں قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔ (٢٢) بلکہ یہ کفار تکذیب کرتے ہیں۔ (٢٣) اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ (٢٤) پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیجیے۔ (٢٥) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور صالح

یہ فیصلہ ہے کہ وہ از خود مفت میں بلا استحقاق کسی کو کوئی مقام نہیں دے گا۔

۹۔ حساب سے فارغ ہونے اور نجات کا پروانہ ملنے کے بعد اپنے اہل و اولاد سے خوشی کے ساتھ جا ملیں گے۔ ممکن ہے کہ اپنے عزیزوں سے وہ لوگ بھاگیں جن کا حساب نہ ہوا ہو اور ممکن ہے کہ عزیزوں سے بھاگنا صرف بدکاروں سے مخصوص ہو، ورنہ مؤمنین اور علماء اور شہداء تو دوسروں کی شفاعت کریں گے۔

۱۰۔ بعض آیات میں ہے کہ مجرمین کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ تھما دیا جائے گا، جبکہ اس آیت میں فرمایا کہ ان کا نامہ اعمال ان کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ اس کی ایک توجیہ سورہ نساء آیت ۴۷ سے ملتی ہے کہ ان کے چہرے پیچھے کی طرف کیے جائیں گے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے ہوں گے۔

۱۳۔ یہ اپنے گھر والوں میں اس بنا پر بے غم رہتا تھا کہ اسے اللہ کی بارگاہ میں نہیں جانا ہے اور اسی طرح وہ اپنی خوشی کے لیے جرم کا ارتکاب کرتا تھا۔ ورنہ مؤمن بھی اللہ کی نعمتوں پر خوش رہتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے: وَ مَا عُبِدَ اللّٰہُ بِشَیْئٍ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِدْخَالِ السُّرُوْرِ عَلَی الْمُؤْمِنِ (الکافی ۲: ۱۸۸) اللہ کی بندگی کے لیے مومن کے دل میں خوشی ڈالنے سے زیادہ کوئی چیز اللہ کو پسند نہیں۔

۱۶۔ شَفَق: سورج کے غروب کے وقت جب سورج کی روشنی رات کی تاریکی کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے تو ایک خفیف سی سرخی چھا جاتی ہے۔ اسے شفق کہتے ہیں۔

۱۷۔ رات کے وقت انسان اپنے گھروں، پرندے اپنے گھونسلوں اور دیگر جانور اپنے بلوں میں چلے جاتے ہیں۔ اسے سمیٹنے سے تعبیر کیا ہے۔

۱۹۔ نطفہ، جنین، بچہ، جوان، بوڑھا، قبر، برزخ، حساب، صراط وغیرہ۔ حدیث میں آیا ہے: لا یزول قدم

مَمۡنُوۡنٍ ﴿۲۵﴾

اعمال بجالائے، ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

۸۵ سُوۡرَۃُ الۡبُرُوۡجِ مَکِّیَّۃٌ ۲۷ — اٰیاتھا ۲۲ — رکوعھا ۱

سورہ البروج۔ مکی۔ آیات ۲۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ﴿۱﴾ وَ الۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ۙ﴿۲﴾ وَ شَاہِدٍ وَّ مَشۡہُوۡدٍ ؕ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ﴿۵﴾ اِذۡ ہُمۡ عَلَیۡہَا قُعُوۡدٌ ۙ﴿۶﴾ وَّ ہُمۡ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ شُہُوۡدٌ ؕ﴿۷﴾ وَ مَا نَقَمُوۡا مِنۡہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ﴿۸﴾ الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ؕ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا فَلَہُمۡ عَذَابُ جَہَنَّمَ وَ لَہُمۡ

(۱) قسم ہے برجوں والے آسمان کی،☆ (۲) اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے، (۳) اور حاضر ہونے والے کی اور اس (دن) کی جس میں حاضری ہو، (۴) خندقوں والے ہلاک کر دیے گئے۔☆ (۵) وہ آگ تھی جو ایندھن والی ہے، (۶) جب وہ اس (کے کنارے) پر بیٹھے تھے، (۷) اور وہ مومنین کے ساتھ روا رکھے گئے اپنے سلوک کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ (۸) اور ان (ایمان والوں) سے وہ صرف اس وجہ سے دشمنی رکھتے تھے کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے تھے جو بڑا غالب آنے والا، قابل ستائش ہے۔☆ (۹) وہی جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔☆ (۱۰) جن لوگوں نے مومنین اور مومنات کو اذیت دی پھر توبہ نہیں کی ان کے لیے یقینا

عبد یوم القیامة حتی یسأل عن اربع عن جسده فیما ابلاه وعن عمره فیما افناه وعن ما له مما اکتسبه و فیما انفقه و عن حبنا اهل البیت۔ (امالی طوسی۔ بحار الانوار ۷: ۲۶۱) قیامت کے دن بندے کا کوئی قدم آگے نہیں بڑھے گا، جب تک چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے: جسم کو کس چیز میں استعمال کیا؟ عمر کس چیز میں ختم کی؟ مال کہاں سے کمایا، کہاں خرچ کیا؟ اور ہم اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے بارے میں۔
عالم خاک سے چلا ہوا یہ انسان کئی مراحل طے کر کے پھر خاک میں چلا جاتا ہے۔ اس عالم میں بھی کئی ایک مراحل سے گزر کر میدان حشر میں پہنچے گا۔ وہاں ہر بات کا حساب نہ جانے کتنے مراحل میں طے کرنا ہوگا۔

سورہ بروج

۱۔ بروج سے قدیم ہیئت کے مطابق آسمان کے ۱۲ بروج کو مراد لینا قطعی درست نہیں ہے۔ قرآن بروج کو آسمان میں ستاروں کے مقامات کے معنوں میں استعمال کرتا ہے۔
۴۔ یعنی آتشیں خندق بنا کر اس میں مومنوں کو جلانے والوں پر ہلاکت ہو۔ یہ اشارہ ہے ایک خاص واقعے کی طرف جو بنا بر روایت تفسیر قمی، یمن کا یہودی بادشاہ حمیری خاندان کا تھا۔ اس کا نام ذو نواس تھا۔ اس نے نجران پر (جو نصاریٰ کا مرکز تھا) حملہ کیا اور وہاں لوگوں کو یہودیت قبول کرنے کی دعوت دی، مگر انہوں نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا اور قتل ہونے کو قبول کیا۔ اس ظالم بادشاہ نے لوگوں کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں پھینک دیا۔ اس طرح بیس ہزار افراد کو قتل کیا۔
بعض سیاحوں نے اپنے سفرناموں میں لکھا ہے کہ

عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ
بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ
وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾
ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾
هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ
وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾
وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُّحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ
مَّجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

آیاتها ١٧ — ٨٦ سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ٣٦ — رکوعها ١

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ
وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ﴿١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا

جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔☆
(١١) جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہی بڑی کامیابی ہے۔ (١٢) آپ کے رب کی پکڑ یقینا بہت سخت ہے۔☆ (١٣) یقینا وہی خلقت کی ابتدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرتا ہے۔ (١٤) اور وہ بڑا معاف کرنے والا، محبت کرنے والا ہے۔ (١٥) بڑی شان والا، عرش کا مالک ہے۔ (١٦) وہ جو چاہتا ہے اسے خوب انجام دینے والا ہے۔ (١٧) کیا آپ کے پاس لشکروں کی حکایت پہنچی ہے؟ (١٨) فرعون اور ثمود کی؟ (١٩) بلکہ کفر اختیار کرنے والے تو تکذیب میں مشغول ہیں۔ (٢٠) اور اللہ نے ان کے پیچھے سے ان پر احاطہ کیا ہوا ہے۔ (٢١) بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے۔ (٢٢) لوح محفوظ میں (ثبت) ہے۔

سورہ طارق۔ مکی۔ آیات ١٧

بنام خدائے رحمن رحیم

(١) قسم ہے آسمان کی اور رات کو چمکنے والے کی۔ (٢) اور

نجران کے لوگوں میں اب تک وہ جگہ معروف ہے جہاں اصحاب الاخدود کا واقعہ پیش آیا تھا۔

٨۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب روئے زمین پر عیسیٰ ؑ کا مذہب اپنے صحیح خد و خال میں لوگوں میں رائج تھا۔ اسی لیے اللہ نے انہیں مؤمنین کہا ہے۔

٩۔ قرآن اس واقعے کو زندہ رکھنا چاہتا ہے، کیونکہ ان کو صرف اس جرم میں جلا دیا گیا کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ ان لوگوں کا اللہ کے ہاں بہت درجہ ہے جو محض برائے خدا اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

١٠۔ فَتَنُوا: الفتنہ۔ آزمائش کو بھی کہتے ہیں اور ضلالت اور شرک کے معنوں میں بھی آتا ہے اور اذیت کے معنوں میں بھی۔ جیسا کہ اس آیت میں يُفْتَنُونَ عذاب کے معنی میں ہے: يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ۔ (ذاریات ١٣) اہل ایمان کو اذیت دینے والوں کے لیے اگرچہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے، وہ باز آ جائیں، نجات کا راستہ موجود ہے۔ البتہ توبہ نہ کرنے کی صورت میں جہنم ہی ان لوگوں کا ٹھکانا ہے۔

١٢۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی پکڑ شدید ہے، وہاں وہ گناہگاروں کے لیے غفور بھی ہے۔ نیک افراد کے لیے محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک یعنی صاحب اقتدار ہے۔ اسے اپنے ارادے پر عمل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

سورہ طارق

٤۔ یعنی اس کے اعمال ثبت کرنے والے ہیں، یا یہ مقصود ہو سکتا ہے کہ اسے ہر حادثے سے بچانے والے فرشتے موکل ہیں۔ خصوصاً بچپن کی عمر میں۔ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس کے نفس کو دوام حاصل ہے۔ یہ نفس وجود میں آنے کے بعد مٹنے والا نہیں

الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ ع

آپ کو کس چیز نے بتایا رات کو چمکنے والا کیا ہے؟ ﴿۳﴾ وہ روشن ستارہ ہے۔ ﴿۴﴾ کوئی نفس ایسا نہیں جس پر نگہبان نہ ہو۔☆ ﴿۵﴾ پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ ﴿۶﴾ وہ اچھلنے والے پانی سے خلق کیا گیا ہے، ﴿۷﴾ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے۔☆ ﴿۸﴾ بے شک اللہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔☆ ﴿۹﴾ اس روز تمام راز فاش ہو جائیں گے۔☆ ﴿۱۰﴾ لہٰذا انسان کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔ ﴿۱۱﴾ قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی، ﴿۱۲﴾ اور (دانہ اگانے کے لیے) شق ہونے والی زمین کی، ﴿۱۳﴾ یہ (قرآن) یقینا فیصلہ کن کلام ہے، ﴿۱۴﴾ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے۔ ﴿۱۵﴾ بے شک یہ لوگ اپنی چال چل رہے ہیں ﴿۱۶﴾ اور میں بھی تدبیر کر رہا ہوں۔ ﴿۱۷﴾ پس کفار کو مہلت دیں اور کچھ دیر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔☆

آیاتها ۱۹ ۸۷ سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ ۸ رکوعها ۱

سورہ اعلیٰ۔ مکی۔ آیات ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

ہے۔ شکلیں بدل جاتی ہیں، لیکن خود نفس انسانی کو دوام و بقا حاصل ہے۔ اس کے بعد اگلی آیات میں ان مراحل کا ذکر ہے جن میں انسانی شکلیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

۷۔ آیت کا اشارہ ممکن ہے اس بات کی طرف ہو کہ مرد کے مادہ تولید کو مرد کے صلب (ریڑھ کی ہڈیوں) سے اور عورت کے تخم دان کو ترائب (سینے کی ہڈیوں) سے بنیادی مواد فراہم ہوتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق کا نظریہ ہے کہ صلب اور ترائب دونوں کا تعلق مرد سے ہے، چونکہ اچھلنے والا پانی مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔ عورت کا تخم تو مقاربت سے پہلے تخم دان سے جدا ہو چکا ہوتا ہے۔ پانچ دن تک انتظار میں رہتا ہے۔ اس اثنا میں مقاربت ہوئی تو حمل ٹھہر سکتا ہے۔ لہٰذا صلب اور ترائب دونوں کو مرد میں تلاش کرنا چاہیے۔ کہتے ہیں ترائب ان ہڈیوں کو کہتے ہیں، جن سے نطفہ گزر کر پیشاب کی نلی میں وارد ہوتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔ بہرحال یہ قرآن کا اعلان ہے، جس کی حقیقت کا انکشاف آنے والی نسلیں کریں گی۔

۸۔ جو ذرات ریڑھ اور سینے کی ہڈیوں سے نطفہ بنا سکتی ہے، وہ اس انسان کو مٹی کے ذرات سے بھی دوبارہ بنا سکتی ہے۔

۹۔ دنیا میں تو اللہ ستار العیوب ہے، کیونکہ یہ دار الامتحان ہے، لیکن دار الجزاء میں تو بہت سے لوگوں کے راز فاش ہو جائیں گے۔ دنیا میں نیک اور صالح بن کر لوگوں کو دھوکہ دینے والے قیامت کے روز رسوا ہو جائیں گے۔

۱۱۔ الرجع رجوع سے ہے۔ بارش کو رجع اس لیے کہتے ہیں کہ زمین سے اٹھنے والا بخارا واپس زمین کی طرف بارش بن کر آتا ہے۔

۱۷۔ کافر اپنی احمقانہ چال چلتا ہے اور اللہ بھی حکیمانہ چال چل رہا ہے۔ کافروں کی چال اللہ کے دین کے خلاف سازش کاری ہے اور اللہ کی چال ان کو مہلت دینا ہے۔ یہ مہلت کافر کے لیے مہلک ہے۔ ان کو جرم میں اضافے کی مہلت دی جاتی ہے، جو بہت بڑی سزا کا پیش خیمہ ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ
فَسَوّٰى ۪ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۪ ﴿۳﴾ وَ
الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۪ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً
اَحْوٰى ؕ ﴿۵﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ ﴿۶﴾ اِلَّا
مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا
يَخْفٰى ؕ ﴿۷﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚ ﴿۸﴾ فَذَكِّرْ
اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ ﴿۹﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ
يَّخْشٰى ۙ ﴿۱۰﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْ
يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ
لَا يَحْيٰى ؕ ﴿۱۳﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ ﴿۱۴﴾ وَ
ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۫ ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ ﴿۱۷﴾
اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ ﴿۱۸﴾ صُحُفِ

(۱) (اے نبی) اپنے رب اعلیٰ کے نام کی تسبیح کرو (۲) جس نے پیدا کیا اور توازن قائم کیا،☆ (۳) اور جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔☆ (۴) اور جس نے چارہ اگایا، (۵) پھر (کچھ دیر بعد) اسے سیاہ خاشاک کر دیا، (۶) (عنقریب) ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے،☆ (۷) مگر جو اللہ چاہے، وہ ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو یقینا جانتا ہے۔ (۸) اور ہم آپ کے لیے آسان طریقہ فراہم کریں گے۔ (۹) پس جہاں نصیحت مفید ہو نصیحت کرتے رہو۔ (۱۰) جو شخص خوف رکھتا ہے وہ جلد نصیحت قبول کرتا ہے۔ (۱۱) اور بدبخت اس سے گریز کرتا ہے، (۱۲) جو بڑی آگ میں جھلسے گا۔ (۱۳) پھر اس میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔ (۱۴) تحقیق جس نے پاکیزگی اختیار کی وہ فلاح پا گیا، (۱۵) اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔ (۱۶) بلکہ تم تو دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، (۱۷) حالانکہ آخرت بہترین ہے اور بقا والی ہے۔ (۱۸) پہلے صحیفوں میں بھی یہ بات (مرقوم) ہے۔☆ (۱۹) ابراہیم اور

سورہ اعلیٰ

۲۔ یعنی تخلیق کے ساتھ توازن اور تناسب قائم کیا۔ چنانچہ اس کائنات میں کوئی شے کسی شے سے متصادم نہیں۔ یہ کائنات حسن و جمال میں ایسی شکل میں ہے کہ اس سے بہتر قابل تصور نہیں۔

۳۔ قَدَّرَ: یعنی تقدیر سازی کی، صرف تخلیق نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس کے لیے منصوبہ بندی کی اور ہر مخلوق کے لیے حدود و قیود کا تعین کیا اور اس کی ذات وصفات اور افعال کے لیے ایک قانون اور دستور وضع کیا، جس سے تجاوز کرنا ممکن نہ ہو۔

فَهَدٰى: مخلوق کی آیندہ منصوبہ بندی کے ساتھ اس میں آیندہ اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے اصول و ضوابط اور لوازم کے حصول کی ہدایت بھی ودیعت فرمائی اور عبودیت و بندگی کے تقاضے بھی اس کی فطرت میں ودیعت فرمائے۔ اسی فطری ہدایت کی بنا پر بچہ ماں کی چھاتی کو پہچان لیتا ہے اور ہر جاندار اپنی روزی کے مقامات کی طرف چل پڑتا ہے۔ یہ ہدایت خلقت کے ماوراء ایک شعور ہے جو اللہ کی نشانی ہے۔

۶۔ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لی ہے، لہٰذا قرآن کے تحفظ کا اولین مرحلہ یہی ہے کہ جس ہستی کے سینے پر قرآن نازل کیا جا رہا ہے، اس سینے میں وہ حفظ ہو جائے اور عدم نسیان اس کا لازمہ ہے۔ ہم نے کئی بار پہلے بھی اس بات کی وضاحت کی ہے کہ رسول کریم ﷺ وحی کو اپنے حواس ظاہری کے ذریعے وصول نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ ﷺ وحی کو اپنے پورے وجود کے ساتھ وصول فرماتے تھے۔ اپنے وجود کو نہ بھولا جا سکتا ہے، نہ اس میں غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔ لہٰذا صحیح بخاری کی وہ روایت صریح قرآن کے خلاف ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک آیت کی فراموشی کی نسبت دی گئی ہے۔ الا ماشاء اللہ کا استثنٰی صرف اس بات کا اظہار ہے کہ اگر اللہ آپ ﷺ سے اس وحی کو سلب

اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾ ع

آیاتها ٢٦ — ٨٨ سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ٦٨ — رکوعها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿٣﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿٥﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿٦﴾ لَّا يُسْمِنُ وَ لَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿٧﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّ زَرَابِيُّ

موسیٰ کے صحیفوں میں۔

سورۃ غاشیہ۔مکی۔آیات ٢٦۔

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(١) کیا آپ کے پاس (ہر چیز پر) چھا جانے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے؟☆ (٢) اس دن کچھ چہرے خوار ہوں گے۔ (٣) وہ مصیبت سہ کر تھکے ہوئے ہوں گے، (٤) دھکتی آگ میں جھلس رہے ہوں گے، (٥) وہ سخت کھولتے ہوئے چشمے سے سیراب کیے جائیں گے، (٦) خاردار جھاڑی کے سوا ان کے لیے غذا نہ ہوگی،☆ (٧) جو نہ جسامت بڑھائے نہ بھوک مٹائے۔ (٨) اس دن کچھ چہرے شاداب ہوں گے۔ (٩) اپنے عمل پر خوش ہوں گے،☆ (١٠) بہشت بریں میں ہوں گے،☆ (١١) وہ وہاں کسی قسم کی بے ہودگی نہیں سنیں گے،☆ (١٢) اس میں رواں چشمے ہوں گے۔ (١٣) اس میں اونچی مسندیں ہوں گی، (١٤) اور پیالے رکھے ہوں گے، (١٥) اور ترتیب سے رکھے ہوئے تکیے ہوں گے، (١٦) اور نفیس فرش بچھے ہوئے

---

کرنا چاہے تو پھر آپ بھول سکتے ہیں، مگر اللہ ایسا نہیں کرے گا۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل آیت ٨٦۔ ٨٧ میں فرمایا وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا۔ اور اگر ہم چاہیں تو ہم نے جو کچھ آپ کی طرف وحی کی ہے وہ سلب کر لیں، پھر آپ کو ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہیں ملے گا۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا۔ سوائے آپ کے رب کی رحمت کے، آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔ یعنی اللہ کی رحمت اور فضل کے ہوتے ہوئے یہ وحی سلب نہیں ہو سکتی۔

١٨۔ صحف اولیٰ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ ان کی تعداد ایک سو چار کتب ہیں۔ (المیزان۔الکشاف ذیل آیہ)

سورہ غاشیہ

١۔ قیامت ایک ایسا عظیم حادثہ ہے، جس کی زد میں تمام مخلوقات نے آنا ہے۔ اسی لیے اسے غاشیہ یعنی چھا جانے والا کہا گیا ہے۔ اس روز کی اہمیت کے پیش نظر سوالیہ جملہ میں حضور ﷺ سے خطاب فرمایا۔

٣۔ عَامِلَةٌ: کے ایک معنی یہ کیے گئے ہیں کہ قیامت کے دن کی مصیبتیں اٹھا اٹھا کر تھکے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے یہ معنی کیے ہیں کہ دنیا میں اس کے سارے اعمال باطل اور بے سود رہ گئے، سوائے تھکاوٹ کے۔ اس کو آخرت میں کوئی فائدہ نہیں مل رہا ہوگا۔ عمل کے باوجود تھک ہار چکے ہوں گے۔ یعنی مذاہب باطلہ کے پیروکار لوگ۔

٦۔ ضَرِيْعٍ: ایک خاردار جھاڑی ہے جو زہر قاتل ہے۔

٨۔٩ چہرے نَّاعِمَةٌ نعمتوں میں شادابی کے ساتھ ہوں گے اور دنیا میں اپنی محنتوں کا پھل کاٹنے میں لگے ہوں گے۔ کسی نیکی کا دس گنا، کسی کا سات سو گنا کسی کا بلا حساب پھل کاٹ رہے ہوں گے۔ اس طرح وہ اپنے عمل پر خوش ہوں گے۔

١٠۔ ١١ ایسی بلند و بالا جنت میں ہوں گے جس میں مادی نعمتوں کے ساتھ روحانی کیف و سرور ہوگا۔ دنیا

مَبۡثُوۡثَةٌ ﴿۱۶﴾ اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ ﴿۱۸﴾ وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ﴿۲۰﴾ فَذَکِّرۡ ۟ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَۜیۡطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰی وَ کَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَیُعَذِّبُہُ اللّٰہُ الۡعَذَابَ الۡاَکۡبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَہُمۡ ﴿۲۶﴾

ہوں گے۔ ﴿۱۷﴾ کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں؟☆ ﴿۱۸﴾ اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسے اٹھایا گیا ہے؟ ﴿۱۹﴾ اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کیسے گاڑ دیے گئے ہیں؟ ﴿۲۰﴾ اور زمین کی طرف کہ وہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ ﴿۲۱﴾ پس آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ فقط نصیحت کرنے والے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔☆ ﴿۲۳﴾ البتہ جو منہ موڑے گا اور کفر اختیار کرے گا۔ ﴿۲۴﴾ سو اللہ اسے سب سے بڑے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ﴿۲۵﴾ انہیں یقینا ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے، ﴿۲۶﴾ پھر ان کا حساب لینا یقینا ہمارے ذمے ہے۔

## ۸۹ سُوۡرَۃُ الۡفَجۡرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۰ — اٰیاتھا ۳۰ — رکوعھا ۱

سورہ فجر۔ مکی۔ آیات ۳۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

وَ الۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ الشَّفۡعِ وَ الۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ﴿۴﴾ ہَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾ اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ

﴿۱﴾ قسم ہے فجر کی،☆ ﴿۲﴾ اور دس راتوں کی، ﴿۳﴾ اور جفت اور طاق کی،☆ ﴿۴﴾ اور رات کی جب جانے لگے۔ ﴿۵﴾ یقینا اس میں صاحب عقل کے لیے قسم ہے۔ ﴿۶﴾ کیا

---

کی طرح بیہودہ باتوں کی وجہ سے کسی قسم کی اذیت نہ ہوگی۔

۱۷۔ اونٹ میں جو خاصیتیں ہیں وہ کسی اور جانور میں نہیں ہیں۔ ۱۔ اس کا گوشت دودھ سواری بار برداری۔ ۲۔ سات سے دس دن تک پیاس برداشت کرتا ہے، بھوک اس سے زیادہ۔ ۳۔ اسے صحرائی کشتی بھی کہتے ہیں۔ ایک دن میں طویل مسافت طے کرتا ہے۔ ۴۔ تھوڑے سے چارے سے سیر ہوتا ہے۔ ۵۔ سخت موسمی حالات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ۶۔ ایسا فرماں بردار کہ ایک بچہ بھی پورا قافلہ قابو کر سکتا ہے۔

۲۲۔ آپ کی ذمے داری نصیحت کرنا ہے۔ ان پر اسلام تھوپنا اور مجبور کرنا آپ کی ذمے داری نہیں ہے۔ عقیدہ و ایمان دل سے مربوط ہے اور دل جبر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتا۔ لہٰذا یہاں کسی قسم کا جبر نہیں چلے گا۔ ارتقائی سفر جبر سے نہیں، اختیار و ارادے سے طے ہوتا ہے۔ جہاد ان لوگوں کے خلاف ہوتا ہے جو اس آزادی و اختیار اور ارادے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔

سورہ فجر

۱۔ فجر شگاف کو کہتے ہیں۔ صبح کی روشنی رات کی تاریکی چیرتی ہوئی نکلتی ہے۔ اس لیے اسے فجر کہتے ہیں۔ فجر ایک جدید دن کا آغاز ہے اور زندگی فعال ہو جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک فجر سے مراد محرم کی پہلی تاریخ ہے۔ دس راتوں سے مراد محرم کے دس دن یا راتیں ہیں۔ بعض دیگر کے نزدیک فجر سے مراد **عیدالاضحی** ہے اور دس راتوں سے مراد عید سے پہلے کی دس راتیں ہیں۔

۳۔ اس میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک نمازیں ہیں، جو جفت اور طاق رکعتوں پر مشتمل ہیں۔ بعض کے نزدیک تہجد کی دو رکعت شفع اور ایک رکعت وتر کی نماز مراد ہے۔ اسی پر اہل بیت اطہار علیہم السلام سے روایات بھی ہیں۔ لہٰذا اس میں یہ

رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟☆ ﴿٧﴾ ستونوں والے ارم کے ساتھ،☆ ﴿٨﴾ جس کی نظیر کسی ملک میں نہیں بنائی گئی، ﴿٩﴾ اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں،☆ ﴿١٠﴾ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ،☆ ﴿١١﴾ ان لوگوں نے ملکوں میں سرکشی کی۔ ﴿١٢﴾ اور ان میں کثرت سے فساد پھیلایا۔ ﴿١٣﴾ پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ ﴿١٤﴾ یقینا آپ کا رب تاک میں ہے۔☆ ﴿١٥﴾ مگر جب انسان کو اس کا رب آزماتا ہے پھر اسے عزت دیتا ہے اور اسے نعمتیں عطا فرماتا ہے تو کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے۔☆ ﴿١٦﴾ اور جب اسے آزماتا ہے اور اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے میری توہین کی ہے۔☆ ﴿١٧﴾ ہرگز نہیں ! بلکہ تم خود یتیم کی عزت نہیں کرتے،☆ ﴿١٨﴾ اور نہ ہی مسکین کو کھلانے کی ترغیب دیتے ہو، ﴿١٩﴾ اور میراث کا مال سمیٹ کر کھاتے ہو، ﴿٢٠﴾ اور مال کے ساتھ

---

سب مراد ہو سکتے ہیں۔

٦۔٧۔ جس قوم عاد کو اللہ نے ہلاکت میں ڈالا، اس کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور عاد ارم بھی، کیونکہ ان کی نسل ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے چلی ہے یا یہ کہ ان کے شہر کا نام ارم تھا۔

دنیا میں اونچے ستونوں والی عمارت پہلی بار اسی قوم نے بنانا شروع کی تھی، اس لیے انہیں ذات العماد (ستونوں والے) کہا گیا۔

٩۔ وادی سے مراد وادی القریٰ ہے۔ اس قوم نے تاریخ میں پہلی بار پہاڑوں کو تراش کر عمارتیں بنائی تھیں۔

١٠۔ فرعون کو "میخوں والا" اس لیے کہا گیا کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں اور پیروں میں میخیں ٹھونک کر عذاب دیتا تھا۔

١٤۔ المرصاد: گھات کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی مجرم کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ رب کی نگاہ سے بچ نکلے۔ یہ گھات دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

١٥۔ یعنی اللہ کسی کو امتحان میں ڈالنے کے لیے اسے عزت دیتا ہے تو نادان اسے امتحان و آزمائش خیال کرنے کی جگہ یہ تصور کرتا ہے کہ میں اللہ کا چہیتا بن گیا ہوں، اس لیے مجھے اپنی عنایتوں سے نوازا ہے۔ اس طرح وہ غرور میں آ کر سرکش ہو جاتا ہے۔ اگر امتحان کا تصور کرتا تو اس نعمت سے حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرتا۔

١٦۔ آزمائش کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس پر روزی تنگ کر کے دیکھا جاتا ہے کہ یہ صبر کرتا اور اللہ کے فیصلے پر راضی اور شاکر رہتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے مجھے نظر انداز کیا ہے۔ ان دو آیات سے معلوم ہوا کہ فقر اور تونگری دونوں اللہ کی طرف سے آزمائش ہیں۔ نہ دولت قرب الٰہی کی علامت ہے،

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ
رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِاْيٓءَ
يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ
الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٢٣﴾ يَقُولُ
يَٰلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا
يُعَذِّبُ عَذَابَهُۥٓ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُۥٓ
أَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يَٰٓأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾
ارْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾
فَادْخُلِي فِي عِبَٰدِي ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿٣٠﴾ ع

ركوعها ١ — ٩٠ سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ٣٥ — آياتها ٢٠

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ
لَآ أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ وَأَنتَ حِلٌّۢ
بِهَٰذَا الْبَلَدِ ﴿٢﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿٣﴾ لَقَدْ

جی بھر کر محبت کرتے ہو۔ (۲۱) ہرگز نہیں! جب زمین کوٹ کوٹ کر ہموار کی جائے گی، (۲۲) اور آپ کے رب (کا حکم) اور فرشتے صف در صف حاضر ہوں گے۔☆ (۲۳) اور جس دن جہنم حاضر کی جائے گی، اس دن انسان متوجہ ہوگا، لیکن اب متوجہ ہونے کا کیا فائدہ ہوگا؟☆ (۲۴) کہے گا: کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے آگے کچھ بھیجا ہوتا۔ (۲۵) پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح عذاب دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ (۲۶) اور اللہ کی طرح جکڑنے والا کوئی نہ ہوگا۔ (۲۷) اے نفس مطمئنہ! (۲۸) اپنے رب کی طرف پلٹ آ اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ (۲۹) پھر میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ (۳۰) اور میری جنت میں داخل ہو جا۔☆

سورہ بلد۔ مکی۔ آیات ۲۰

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی، (۲) جب اس شہر میں آپ کا قیام ہے،☆ (۳) اور قسم کھاتا ہوں باپ

نہ تنگدستی اللہ سے دوری کی علامت ہے۔

۱۷۔ یتیم کو سب سے پہلے مہر و محبت کی ضرورت ہے۔ باپ کا سایہ اٹھنے کے بعد اس کی شخصیت میں جو احساس محرومیت آ گیا ہے اسے پر کرنے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں آیا ہے جو شخص یتیم کے سر پر مہربانی کا ہاتھ پھیرے تو قیامت کے دن ہر بال کے مقابلے میں ایک نور عنایت فرمائے گا۔ (الفقیہ ۱:۱۸۔ مسند احمد حدیث ۲۱۱۳۲۔ یہاں نور کی جگہ حسنہ کا ذکر ہے)

۲۲۔ خود اللہ تعالیٰ کا مکان کے دائرے میں محدود ہونا ممکن نہیں، اس لیے اللہ کے لیے لفظ "آیا" کی تعبیر درست نہیں ہے۔ لہٰذا لفظ "حکم" کو مراد ماننا پڑے گا: "اللہ کا حکم آیا"۔

۲۳۔ جس طرح اہل جنت کے لیے جنت نزدیک کی جائے گی، اسی طرح جہنم والوں کے لیے بھی جہنم حاضر کی جائے گی۔

۳۰۔ روایت کے مطابق ہر مؤمن کو احتضار کی حالت میں پنجتن پاک علیہم السلام نظر آئیں گے اور یہی ندا آئے گی: میرے بندوں! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اہل بیت محمد علیہم السلام کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ، تو اس وقت اس کے لیے موت سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہ ہوگی۔ (الکافی ۳:۱۲۷) تاہم اس آیت کا صریح ترین مصداق سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کو قرار دیا گیا ہے۔

سورہ بلد

۲۔ اس آیت کی تین تفسیریں ہیں: الف۔ اس شہر مکہ کی قسم جب آپ اس شہر میں مقیم ہوں۔ حِلٌّ اس صورت میں حلول سے ہوگا۔ ب۔ اگر حِلٌّ کو حلال سے لیا جائے تو اس کی یہ تشریح ہوگی: اس شہر کی قسم جب آپ اس شہر میں لڑائی حلال ہونے کی صورت میں ہوں گے۔ اس صورت میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔ ج۔ اس شہر کی قسم جس میں آپ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

وقف لازم — ع

اور اولاد کی، ☆ ﴿۴﴾ بتحقیق ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔☆ ﴿۵﴾ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کو اختیار حاصل نہیں ہے؟ ﴿۶﴾ کہتا ہے: میں نے بہت سا مال برباد کیا۔ ﴿۷﴾ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا؟ ﴿۸﴾ کیا ہم نے اس کے لیے نہیں بنائیں دو آنکھیں؟ ﴿۹﴾ اور ایک زبان اور دو ہونٹ؟ ﴿۱۰﴾ اور ہم نے دونوں راستے (خیر و شر) اسے دکھائے، ☆ ﴿۱۱﴾ مگر اس نے اس گھاٹی میں قدم ہی نہیں رکھا ﴿۱۲﴾ اور آپ کو کس چیز نے بتایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ ☆ ﴿۱۳﴾ گردن کو (غلامی سے) چھڑانا، ☆ ﴿۱۴﴾ یا فاقہ کے روز کھانا کھلانا، ☆ ﴿۱۵﴾ کسی رشتہ دار یتیم کو، ☆ ﴿۱۶﴾ یا کسی خاک نشین مسکین کو۔☆ ﴿۱۷﴾ پھر یہ شخص ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کرنے کی نصیحت کی اور شفقت کرنے کی تلقین کی۔☆ ﴿۱۸﴾ (جو اس گھاٹی میں قدم رکھتے ہیں) یہی لوگ دائیں والے ہیں۔☆ ﴿۱۹﴾ اور جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہ بدبخت لوگ ہیں۔ ﴿۲۰﴾ ان پر ایسی آتش مسلط ہوگی جو ہر طرف سے بند ہے۔

کی حرمت کو حلال سمجھا جا رہا ہے۔

۳۔ والد اور ولد سے مراد کعبہ کے معمار حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہو سکتے ہیں۔

۴۔ کہ دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی جفاکشی اور مشقت میں مضمر ہے۔ خود دنیا کی زندگی اللہ نے کسی کے لیے عیش و آرام کے لیے قرار نہیں دی۔ اگر کسی کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ ہر قسم کے دکھ درد سے دور خوش و خرم زندگی گزارتا ہے تو یہ نہایت سطحی نظر ہے۔ ہو سکتا ہے یہ شخص اندر سے آتش میں جل رہا ہو۔ اگر کسی کا انجام بخیر ہوگا تو بھی مشقت کے نتیجے میں ہوگا اور انجام بخیر آخرت کا انجام ہے۔

۱۰ تا ۱۸۔ سعادت مندی اور خوش نصیبی وہ شخص حاصل کر سکتا ہے جو اللہ کی مذکورہ بالا نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس راہ میں پیش آنے والی دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرے۔ وہ گھاٹی مال و دولت کی محبت ہے۔ اس مال کو غلام آزاد کرنے پر خرچ کرے۔ اسلام کا انسان کو غلام بنانے کے ساتھ واسطہ پڑا تو اس کے لیے حل پیش کیا اور صرف کفر کے ساتھ جنگ کی صورت میں کافر اسیروں کو غلام بنانے کی صورت باقی رکھی۔ فاقہ کش کو یا رشتہ دار یتیم کو یا مسکین کو کھانا کھلانا بھی نجات کا راستہ ہے۔ قرآن و حدیث سے ناداروں، خاص کر نادار یتیموں کی کمک کا جو اجر اور درجات معلوم ہوتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہ عمل سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔

۱۲۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ میں نے بہت سا مال برباد کیا ہے، اس قسم کے لوگوں کے لیے تنبیہ ہے کہ مال خرچ کرنا ایک دشوار گزار گھاٹی ہے۔ ابھی تو اس گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہوا اور وہ گھاٹی ہے غلام

آیاتها ۱۵ — ۹۱ سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰىهَا ۝۱ وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳ وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴ وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىهَا ۝۵ وَ الْاَرْضِ وَ مَا طَحٰىهَا ۝۶ وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۱ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ۝۱۳ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۴ وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۵ ع

سورہ شمس۔ مکی۔ آیات ۱۵

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) قسم ہے سورج اور اس کی روشنی کی، ☆ (۲) اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے، (۳) اور دن کی جب وہ آفتاب کو روشن کر دے، (۴) اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے، (۵) اور آسمان کی اور اس کی جس نے اسے بنایا، (۶) اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے بچھایا، ☆ (۷) اور نفس کی اور اس کی جس نے اسے معتدل کیا، ☆ (۸) پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی، ☆ (۹) بتحقیق جس نے اسے پاک رکھا کامیاب ہوا، ☆ (۱۰) اور جس نے اسے آلودہ کیا نامراد ہوا، (۱۱) (قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث تکذیب کی۔ (۱۲) جب ان کا سب سے زیادہ شقی اٹھا، (۱۳) تو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کی سیرابی کا خیال رکھو۔ (۱۴) پھر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب ڈھایا پھر سب کو (زمین کے) برابر کر دیا۔ (۱۵) اور اسے اس (عذاب) کے انجام کا کوئی خوف نہیں۔ ☆

آزاد کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، رشتہ دار، یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانا۔ ان سب چیزوں کے ساتھ ایمان کے ساتھ صبر و تحمل، مہر و محبت اور شفقت کی تلقین کرنا۔ اس گھاٹی سے گزرنے کے بعد انسان سرخرو ہو سکتا ہے۔

سورہ شمس

۱۔ شمس حیات و زندگی کا منبع ہے۔ کہتے ہیں سورج اہل ارض کے لیے ایک سال کی انرجی ایک منٹ میں فراہم کرتا ہے، اگر زمین والے اس انرجی کو ذخیرہ کر سکیں۔

۲۔ قمر جب چودہویں کا ہوتا ہے تو اس وقت غروب آفتاب کے بعد نکلتا ہے۔ پھر چاند زمین کے تابع ہے اور زمین سورج کے تابع ہے۔ لہٰذا چاند سورج کے تابع ہونے کے اعتبار سے بھی سورج سے پیچھے ہے۔

۶۔ طحی بچھانے کے معنوں میں ہے اور جس نے زمین کو بچھایا، وہ اللہ کی ذات ہے۔

۷ تا ۱۰۔ شمس و قمر لیل و نہار اور ارض و سما کے ساتھ قسم کھانے کے بعد اس نفس کی قسم کھائی جس کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر و شر، پاکیزگی و پلیدی، فسق و فجور اور تقویٰ کی سمجھ ودیعت فرمائی۔ اس نفس کے لیے اچھائی اور برائی کوئی ناشناس چیزیں نہیں ہیں۔ نفس انسانی ان چیزوں سے آشنا ہے۔ اسی لیے نیکی کی طرف بلانے والے اور برائی سے روکنے والے کی آواز پہچان لیتا ہے اور اسے پذیرائی ملتی ہے۔

اس شعور کے مالک نفس انسانی کی قسم! کامیاب ہوا وہ جس نے اس نفس کو پاک رکھا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس نفس کے شعور کو دبائے رکھا، یعنی فطرت کی آواز کو دبایا۔

۱۵۔ قوم ثمود کے مطالبے پر حضرت صالح علیہ السلام نے ایک اونٹنی کو بطور معجزہ پیش کیا اور یہ اعلان کیا کہ یہ اونٹنی اپنی مرضی سے چرتی رہے گی اور ہر دوسرے دن

آیاتها ۲۱ — ۹۲ سُورَةُ اللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ ۹ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ؕ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ﴿۱۰﴾ وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ؕ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾ۖ وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ۚ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ؕ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ

سورہ لیل ۔ مکی ۔ آیات ۲۱

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) قسم ہے رات کی جب (دن پر) چھا جائے، (۲) اور دن کی جب وہ چمک اٹھے، (۳) اور اس کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیا، (۴) تمہاری کوشش یقینا مختلف ہے۔☆ (۵) پس جس نے (راہ خدا میں) مال دیا اور تقویٰ اختیار کیا، (۶) اور اچھی بات کی تصدیق کی۔ (۷) پس ہم اسے جلد ہی آسانی کے اسباب فراہم کریں گے۔☆ (۸) اور جس نے بخل کیا اور (اللہ سے) بے نیازی برتی، (۹) اور اچھی بات کو جھٹلایا، (۱۰) پس ہم اسے جلد ہی مشکلات کا سامان فراہم کریں گے۔☆ (۱۱) اور جب وہ سقوط کرے گا تو اس کا مال اس وقت اس کے کام نہ آئے گا۔ (۱۲) راستہ دکھانا یقینا ہماری ذمے داری ہے☆ (۱۳) اور دنیا اور آخرت کے یقینا ہم مالک ہیں۔☆ (۱۴) پس میں نے تمہیں بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا۔ (۱۵) اس میں سب سے زیادہ شقی شخص ہی تپے گا، (۱۶) جس نے تکذیب کی اور منہ موڑ لیا ہو۔ (۱۷) اور نہایت پرہیزگار کو اس (آگ) سے بچا لیا جائے گا، (۱۸) جو اپنا مال

---

سارا پانی اس کے لیے مخصوص ہوگا۔ لیکن اس قوم کے سب سے بدطینت شخص نے اس اونٹنی کو مار ڈالا، جس کی وجہ سے اس قوم پر عذاب نازل ہوا۔

سورہ لیل

۴۔ تمہاری کوششوں کا رخ اور تمہارے اعمال کی جہات مختلف ہیں۔ بعد کی آیات میں ان مختلف جہات کا ذکر آتا ہے۔ وہ ہیں: بخل، سخاوت، نیکی کی تصدیق اور تکذیب۔

۷۔ یعنی جس نے راہ خدا میں مال خرچ کیا، تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی تصدیق کی۔ یعنی اپنی فطرت کے تقاضوں کے خلاف جنگ نہیں کی، بلکہ وہ فطری راہوں پر گامزن رہا، اس کے لیے اللہ آسان راستہ فراہم کرتا ہے۔ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ اَمۡرِہٖ یُسۡرًا۔ (طلاق: ۴)

۱۰۔ جبکہ بخیل اور نیکی کی تکذیب کرنے والے کے لیے اس قسم کے راستے آسان بنا دیں گے جن پر چلنے کے بعد وہ مشکلات میں گھر جائے گا۔ اپنی فطرت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کے وجود کے اندر ایک جنگ ہو رہی ہوگی، جس کے باعث اسے سکون و آرام نصیب نہ ہوگا: وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا (طٰہٰ: ۱۲۴) جو میری یاد سے روگردانی کرے تو بے شک اس کے لیے انتہائی سخت مشکل زندگی ہے۔

۱۲۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے ہادیان برحق کا اہتمام کیا ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ (حدیث۔ بحار الانوار ۱: ۹۷)

۱۳۔ ہمارے ہاں سے طالب دنیا کو دنیا اور طالب آخرت کو آخرت مل جاتی ہے۔ دیگر آیات قرآنی سے یہ قاعدہ ہاتھ آتا ہے کہ طالب آخرت کے لیے دنیا بھی مل سکتی ہے، لیکن طالب دنیا کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

۲۰۔ یہ شخص جو صرف اپنے رب کی رضاجوئی کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اس قدر اکرام و انعام سے نوازے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔

مَا لَهُ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾ وَ لَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾

پاکیزگی کے لیے دیتا ہے۔ ﴿١٩﴾ اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا وہ بدلہ اتارنا چاہتا ہو۔ ﴿٢٠﴾ وہ تو اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرتا ہے۔☆ ﴿٢١﴾ اور عنقریب وہ راضی ہو جائے گا۔

## ٩٣ سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ ١١

آیاتها ١١ — رکوعها ١

سورہ ضحیٰ۔ مکی۔ آیات ١١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

وَ الضُّحٰى ﴿١﴾ وَ الَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿٢﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى ﴿٣﴾ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿٤﴾ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿٥﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿٦﴾ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾

﴿١﴾ قسم ہے روز روشن کی، ﴿٢﴾ اور رات کی جب (اس کی تاریکی) ساکن ہو جائے، ﴿٣﴾ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا،☆ ﴿٤﴾ اور آخرت آپ کے لیے دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ ﴿٥﴾ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔☆ ﴿٦﴾ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر پناہ دی؟☆ ﴿٧﴾ اور اس نے آپ کو گمنام پایا تو راستہ دکھایا،☆ ﴿٨﴾ اور آپ کو تنگ دست پایا تو مالدار کر دیا۔ ﴿٩﴾ لہٰذا آپ یتیم کی توہین نہ کریں، ﴿١٠﴾ اور سائل کو جھڑکی نہ دیں،☆ ﴿١١﴾ اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کریں۔

سورہ ضحیٰ

٣۔ روایت میں ہے کہ کچھ مدت کے لیے نزول وحی کا سلسلہ رک گیا تھا۔ اس کے بعد یہ سورہ نازل ہوا۔ نظام قرآن اور مصلحت وقت کے مطابق یہ وقفہ ضروری تھا۔ اس وقفہ کے بعد یہ مژدہ سنایا۔

٥۔ کہ آپ کا رب آپ کو بخشش وعطا سے نوازے گا کہ آپ خوش ہو جائیں۔ عطائے رب کا دنیاوی وعدہ تو دنیا میں چشم جہاں نے پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیا اور آخرت میں احادیث کے مطابق شفاعت ہے۔ الدر المنثور ٦: ٦١١ میں آیا ہے: رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ ؑ کے گھر داخل ہوئے تو دیکھا فاطمہ ؑ چکی سے آٹا پیس رہی ہیں اور اونٹ کے بالوں کی ایک چادر زیب تن ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یا فاطمة تعجلی فتجرعی مرارة الدنیا لنعیم الآخرة غداً۔ فانزل اللہ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ اے فاطمہ ؑ جلدی کر اور دنیا کی تلخی چکھ لے کل آخرت کی نعمتوں کے لیے، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ الدر المنثور کے اسی صفحہ پر حضرت امام محمد باقر ؑ کا یہ فرمان منقول ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا: قرآن میں سب سے امید افزا آیت یہی ہے۔

٦۔ یہ پناہ چھ سال تک آپ کی والدہ ماجدہ، آٹھ سال تک آپ ﷺ کے جد امجد اور اس کے بعد حضرت ابوطالب ؑ کے ذریعے فراہم فرمائی۔

٧۔ ضَآلًّا صرف گمراہی کے لیے استعمال نہیں ہوتا، بلکہ ناواقف اور غافل کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى۔ (طٰہٰ: ٥٢) میرا رب نہ غافل ہوتا ہے، نہ بھولتا ہے۔ اس طرح آیت کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے اس عظیم انقلاب کو کامیاب بنانے کے لیے ہم نے آپ کو راستہ دکھایا۔

١٠۔ آپ ﷺ خود یتیمی کی تلخی اور محرومیت کے نامساعد حالات سے دوچار رہ چکے ہیں، لہٰذا آپ ﷺ کسی یتیم کی اہانت نہ کریں اور کسی سائل کو جھڑکی نہ

٩٤ سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ١٢ — اٰياتها ٨ — ركوعها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿١﴾ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿٢﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿٣﴾ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ﴿٤﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ؕ﴿٦﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿٧﴾ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾ ع

سورہ الم نشرح۔ مکی۔ آیات ۸

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا؟☆ ② اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ نہیں اتارا ③ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی؟ ④ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔☆ ⑤ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ ⑥ یقینا مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔☆ ⑦ لہٰذا جب آپ فارغ ہو جائیں تو نصب کریں،☆ ⑧ اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔

٩٥ سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ ٢٨ — اٰياتها ٨ — ركوعها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ التِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ۙ﴿١﴾ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ﴿٢﴾ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ﴿٣﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۫﴿٤﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ﴿٥﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سورہ تین۔ مکی۔ آیات ۸

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① قسم ہے انجیر اور زیتون کی☆ ② اور طور سینین کی۔ ③ اور اس امن والے شہر کی ④ بتحقیق ہم نے انسان کو بہترین اعتدال میں پیدا کیا، ⑤ پھر ہم نے اسے پست ترین حالت کی طرف پلٹا دیا۔ ⑥ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، پس ان کے لیے

---

دیں۔ خطاب اگرچہ رسول ﷺ سے ہے، لیکن حکم سب کے لیے عام ہے۔

سورہ الم نشرح

۱۔ شرح صدر: یعنی سینے کو معارف الٰہی وحقائق ملکوتی کے لیے کشادہ کر دینا۔ یعنی ان حقائق کو بذریعہ وحی اس طرح درک کرنا جیسے اپنے وجود کو درک کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے اور کسی شک وتردد کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

۴۔ آپ ﷺ کا ذکر زمین اور آسمان میں بلند ہے۔ اللہ کے نام کے ساتھ آپ کے نام کی آواز بھی فضا میں گونجتی رہے گی۔

۶۔ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے بشارت ہے کہ موجودہ مشکلات آنے والی آسانیوں کا زینہ ہیں۔ مشکل کے ساتھ آسانی ہے کو تکرار کرنے میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ اَلْعُسْرِ مشکل الف لام کے ساتھ تکرار ہوا ہے تو دوسرا اَلْعُسْرِ پہلے اَلْعُسْرِ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور عسر ایک ہی رہ جاتا ہے جبکہ یُسْرًا بغیر الف لام کے تکرار ہے، لہٰذا یہ دو ہو جائیں گے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک عسر کے نتیجے میں دو آسانیاں آجائیں گی۔ چنانچہ سنن بیہقی میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک روز خوشی کے ساتھ نکلے اور فرمایا: لَنْ یَغْلِبَ عُسْرٌ یُسْرَیْنِ ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آئے گی۔

۷۔ اس آیت کی تفسیر میں ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہے: فاذا فرغت من اکمال الشریعة فانصب لهم علیا اماما۔ (بحار الانوار ۳۶: ۱۳۴) اے رسول ﷺ جب آپ ﷺ تکمیل شریعت سے فارغ ہو جائیں تو علی علیہ السلام کو امامت کے منصب پر نصب کیجیے۔

سورہ تین

۱۔ گویا انجیر اور زیتون کا انسان کی مادی ساخت و بافت میں کوئی اہم کردار ہے اور طور سینا اور مکہ مکرمہ کا

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ؕ﴿۶﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ؕ﴿۷﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸﴾ ع

بے انتہا اجر ہے۔ ⑦ پس اس کے بعد روز جزا کے بارے میں کون سی چیز تجھے جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے۔ ⑧ کیا اللہ حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟

آیاتها ١٩ — ٩٦ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ١ — رکوعها ١

سورۂ علق ۔مکی۔آیات ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ۙ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ﴿۱۲﴾

① (اے رسول) پڑھیے! اپنے رب کے نام سے جس نے خلق کیا۔☆ ② اس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ ③ پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ ④ جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی۔ ⑤ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ ⑥ ہرگز نہیں! انسان تو یقیناً سرکشی کرتا ہے۔ ⑦ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز خیال کرتا ہے۔☆ ⑧ یقیناً آپ کے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے۔ ⑨ مجھے بتلاؤ وہ شخص جو روکتا ہے، ⑩ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے؟ ⑪ مجھے بتلاؤ اگر وہ (بندہ) ہدایت پر ہو، ⑫ یا تقویٰ کا حکم دے؟

---

انسان کی روحانی تربیت و ارتقا میں خاص کردار ہے، جن کی قسم کھا کر فرمایا: ہم نے انسان کو بہترین اعتدال میں پیدا کیا۔ اس کائنات میں اللہ کا عظیم معجزہ انسان ہے، جس کی تخلیق پر خود اللہ تعالیٰ کو ناز ہے۔ اس انسان کو انسان بنانے کا مطلب یہ تھا کہ اسے مخلوقات میں سب سے اونچا مقام دیا جائے تاکہ وہ بلندی کی چوٹی کو چھو لے۔ لیکن کبھی یہ انسان اپنا بلند مقام چھوڑ کر پست ترین گڑھے میں گر جاتا ہے اور حیوانات سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ البتہ ایمان و عمل صالح کے ذریعے یہ انسان اپنے بلند مقام کا تحفظ کر سکتا ہے۔

### سورہ علق

۱۔ اہل ارض پر اللہ کی طرف سے رحمتوں کا نزول شروع ہوا۔ یعنی رحمۃ للعالمین پر ایک عظیم انسان ساز انقلاب کے لیے وحی کا نزول شروع ہوا، جس کی ابتدا اس حکم کے ساتھ ہوئی: اِقْرَاْ پڑھ یعنی لکیروں کی تحریروں کو نہیں، بلکہ کائنات کی کھلی کتاب کو پڑھیے۔ اس پڑھائی کی ابتدا اپنے رب کے نام سے ہو اور اس کتاب کا پہلا باب اس کائنات کے خالق کی خلاقیت کا مطالعہ ہو اور دوسرا باب اس کائنات کا عظیم معجزہ انسان کی خلقت ہو۔ پھر اس انسان کی تعلیم اور اس کے اہم ترین ذریعے قلم کے ذکر سے شروع کرنے سے معلوم ہوا کہ اس عظیم رسالت کا عنوان قرائت و کتابت ہے۔ یعنی انسان کی تعلیم و ترقی اور تہذیب و تمدن میں ایک عظیم انقلاب کی بنیاد ہے۔ واضح رہے کہ حضورؐ وحی کو محض ظاہری حواس کے ذریعے سے نہیں بلکہ اپنے پورے وجود کے ساتھ اخذ کرتے تھے، اس لیے قرآن نے اس مطلب کو قلب رسولؐ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ جبرئیل کی رؤیت کی بابت فرمایا: اس رؤیت کی تصدیق دل نے کی

أَرَءَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰٓ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُۥ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ﴿١٩﴾ السجدة

⑬ مجھے بتلاؤ اگر وہ (دوسرا) شخص تکذیب کرتا ہے اور منہ پھیرتا ہے؟ ⑭ کیا اسے علم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ ⑮ ہرگز نہیں! اگر یہ شخص باز نہ آیا تو ہم اسے اسکی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے،☆ ⑯ وہ پیشانی جو جھوٹی، خطا کار ہے۔☆ ⑰ پس وہ اپنے ہم نشینوں کو بلا لے۔ ⑱ ہم بھی جلد ہی دوزخ کے مؤکلوں کو بلائیں گے۔ ⑲ ہرگز نہیں! اس کی اطاعت نہ کریں اور سجدہ کریں اور قرب (الٰہی) حاصل کریں۔

## ٩٧ سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ٢٥ — اٰیاتها ٥ — رکوعها ١

سورہ قدر۔ مکی۔ آیات ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

إِنَّآ أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَآ أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾

① ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا۔☆ ② اور آپ کو کس چیز نے بتایا شب قدر کیا ہے؟ ③ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔☆ ④ فرشتے اور روح اس شب میں اپنے رب کے اذن سے تمام (تعیین شدہ) حکم لے کر نازل ہوتے ہیں۔☆ ⑤ یہ رات طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

---

ہے۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (نجم:١١) "جو کچھ دیکھا تھا اس کی دل نے تکذیب نہیں کی۔" لہٰذا یہ کہنا کہ رسول کریم ﷺ نے نزول وحی اور نبوت کی تصدیق حضرت خدیجہ اور ورقہ بن نوفل سے لی ہے، صحیح نہیں ہے۔

۷۔ عام انسان جب دیکھتا ہے کہ وہ لوگوں سے بے نیاز ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ وہ اللہ سے بھی بے نیاز ہے، نتیجتاً طغیانی شروع کرتا ہے۔ حالانکہ اسے اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے۔

۱۰۔ پورا سورہ اگر پہلی وحی ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی سے پہلے نماز علی الاعلان پڑھتے تھے۔ اس سے رسالت سے پہلے آپ ﷺ کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔
روایت میں آیا ہے کہ یہ ابوجہل تھا جو حضور ﷺ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔

۱۵۔ سفع گھسیٹنے کے معنوں میں ہے۔

۱۶۔ انسان پیشانی سے پہچانا جاتا ہے۔ اس لیے خود پیشانی کو جھوٹا کہا ہے۔

سورہ قدر

۱۔ یہ وہ شب ہے جس میں قرآن ایک مرتبہ دفعتاً قلب رسول ﷺ پر نازل ہوا ہے اور شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ: ۱۸۵) سے معلوم ہوا کہ قدر کی رات رمضان کے مہینے میں ہے۔
اس رات کو قدر اس لیے کہا گیا ہے کہ اس رات میں تقدیر سازی اور امر الٰہی کی تقسیم ہوتی ہے۔
امامیہ و غیر امامیہ مصادر میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خواب میں بنی امیہ کو اپنے منبر پر چڑھتے ہوئے

آیاتہا ۸ — ۹۸ سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۰ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ؕ﴿۴﴾ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؕ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ

سورہ بینہ۔ مدنی۔ آیات ۸

بنام خدائے رحمٰن رحیم

۱۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے وہ باز آنے والے نہ تھے جب تک ان کے پاس واضح دلیل نہ آئے۔☆ ۲۔ (یعنی) اللہ کی طرف سے ایک رسول جو انہیں پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔ ۳۔ ان صحیفوں میں مستحکم تحریریں درج ہیں۔ ۴۔ اور جنہیں کتاب دی گئی تھی وہ واضح دلیل آنے کے بعد متفرق ہو گئے۔ ۵۔ حالانکہ انہیں تو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ یکسو ہو کر دین کو اس کے لیے خالص رکھتے ہوئے صرف اللہ کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی مستحکم (تحریروں کا) دین ہے۔☆ ۶۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہو گئے وہ یقیناً جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ مخلوقات میں بدترین

---

دیکھا تو یہ سورت نازل ہوئی (الدر المنثور)، جس میں فرمایا: یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ چنانچہ بنی امیہ کی حکومت ہزار ماہ تک رہی۔

۳۔ ایک رات کو تراسی (۸۳) سال سے بہتر قرار دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک احسان ہے اور تراسی (۸۳) سال ایک عمر ہے۔ ہر سال انسان کو عبادت کے لیے ایک رات میں ایک عمر میسر آتی ہے۔

۴۔ فرشتے اور روح الامین زمین پر اللہ کے احکام اور مقدرات کے فیصلے لے کر آتے ہیں۔ الکافی میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ۱۹ رمضان کی شب کو تقدیر بنتی ہے، ۲۱ کی شب کو حتمی فیصلہ ہوتا ہے اور ۲۳ کی شب کو نافذ العمل ہوتا ہے۔ الدر المنثور ۶: ۶۳۲، ۶۳۶، ۶۳۷ میں متعدد روایات ہیں کہ شب قدر ۲۳ کی رات ہے۔ اسی کتاب کی ایک روایت میں آیا ہے کہ ۲۱ رمضان کی صبح کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیشانی اور ناک مبارک پر مٹی کے اثرات دیکھے گئے۔ اس سے یہ بھی ضمناً معلوم ہوا کہ سجدہ مٹی پر ہوتا ہے۔

سورہ بینہ

۱۔ مُنۡفَكِّيۡنَ کا ایک ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: متروک ہونے والے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے: اہل کتاب اور مشرکین کو اپنے حال پر چھوڑنے والے نہیں ہیں، جب تک ایک حجت و بینہ (ایک رسول کی شکل میں) ان کے پاس نہ آجائے۔

۵۔ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ: موصوف محذوف ہے۔ یعنی دین الکتب القیمۃ۔

الْبَرِيَّةِ ۝٦ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝٧ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝٨

ہیں۔ ⑦ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے یقیناً یہی لوگ مخلوقات میں بہترین ہیں۔☆ ⑧ ان کا صلہ ان کے رب کے پاس دائمی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جن میں وہ ابد تک ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ سب کچھ اپنے رب سے خوف رکھنے والے کے لیے ہے۔

## ٩٩ سُورَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ٩٣

آیاتها ٨ — رکوعها ١

سورہ زلزال۔ مدنی۔ آیات ٨

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝٢ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝٣ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝٤ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝٥ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝٦ فَمَنْ يَعْمَلْ

① جب زمین اپنی لرزش سے ہلائی جائے گی، ② اور زمین اپنا بوجھ نکال دے گی،☆ ③ اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہوگیا ہے؟ ④ اس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی۔☆ ⑤ کیونکہ آپ کے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔☆ ⑥ اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر نکل آئیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں ⑦ پس جس

---

٧۔ طبری اپنی تفسیر میں، شوکانی فتح القدیر ٥: ٥٦٤ ط حلبی، آلوسی روح المعانی میں سیوطی الدر المنثور میں روایت کرتے ہیں کہ خیر البریة علی علیہ السلام اور ان کے ماننے والے ہیں۔ اصحاب رسول علی علیہ السلام کو آتے دیکھ کر کہا کرتے تھے: جاء خیر البریة۔ (الأمالی للطوسی ص ٢٥١) مخلوقات میں سب سے افضل آ گئے۔

سورہ زلزال

٢۔ جو اموات اس کے شکم میں ہیں وہ نکال دے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو: انسان کے اچھے اور برے اعمال انرجی کی شکل میں باقی رہتے اور وزن رکھتے ہیں۔ قیامت کے دن زمین اس انرجی (عمل) کو جو اس کے جسم میں پوشیدہ ہے، ظاہر کر دے گی۔

٤۔ زمین اپنی پشت پر بجالائے جانے والے اعمال کی گواہی دے گی۔ یہ بات متعدد قرآنی شواہد سے واضح ہے کہ شعور و حیات کسی حد تک تمام چیزوں میں ہے، البتہ ہر چیز کا اپنے حساب سے شعور ہے۔ زمین میں اس حد تک شعور ہے کہ اس کی پشت پر کیا ہو رہا ہے اور سب کو اپنے اندر ثبت کر رہی ہے۔ بروز قیامت وحی الٰہی کا ادراک کرے گی اور تمام ثبت شدہ باتیں بتا دے گی۔

٥۔ ایسا کرنے کا زمین کو اللہ نے حکم دیا ہے۔ قرآن کی متعدد آیات سے یہ اشارہ ملتا ہے، جس سے یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اللہ نے زمین کو گواہی دینے کا حکم دیا تھا۔

٦۔ ٧ ہر ایک اپنے اپنے عمل کا معائنہ کرے گا۔ جزائے عمل تو حساب اور عمل کے معائنے کے بعد ملے گی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت ہے: اگر یہ شخص

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿٧﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿٨﴾ ع

نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔☆ ﴿٨﴾ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔☆

## ١٠٠ سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ١٤ — اٰیاتھا ١١ — رکوعھا ١

سورہ عادیات۔مکی۔آیات ١١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿١﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿٢﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿٣﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿٤﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿٥﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿٦﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿٧﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿٨﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿٩﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿١٠﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿١١﴾ ع

﴿١﴾ قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں،☆ ﴿٢﴾ پھر (اپنی) ٹھوکروں سے چنگاریاں اڑاتے ہیں،☆ ﴿٣﴾ پھر صبح سویرے دھاوا بولتے ہیں، ﴿٤﴾ پھر اس سے غبار اڑاتے ہیں،☆ ﴿٥﴾ پھر انبوہ (لشکر) میں گھس جاتے ہیں، ﴿٦﴾ یقینا انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔☆ ﴿٧﴾ اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔☆ ﴿٨﴾ اور وہ مال کی محبت میں سخت ہے۔☆ ﴿٩﴾ کیا اسے (وہ وقت) معلوم نہیں جب اٹھائے جائیں گے وہ جو قبروں میں ہیں؟ ﴿١٠﴾ اور جو کچھ دلوں میں ہے اسے ظاہر کر دیا جائے گا؟ ﴿١١﴾ ان کا رب یقینا اس روز ان کے حال سے خوب باخبر ہوگا۔

## ١٠١ سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ٣٠ — اٰیاتھا ١١ — رکوعھا ١

سورہ قارعہ۔مکی۔آیات ١١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

---

جہنمی ہے اور اس نے کار خیر کیا ہے، قیامت کے دن اس کار خیر کو دیکھ کر حسرت کرے گا کہ کیوں یہ کار خیر غیر اللہ کے لیے انجام دیا اور اگر اہل جنت ہے تو کار شر نظر تو آئے گا، مگر اسے معاف کر دیا گیا ہوگا۔ (المیزان)

٨۔ یہ اس صورت میں ہے کہ انسان خیر و شر کو اپنے ساتھ لے کر حساب گاہ تک پہنچ جائے، لیکن اگر کسی کا شر توبہ و استغفار یا دوسری نیکیوں یا شفاعت کی وجہ سے محو ہو گیا ہو یا کار خیر دوسرے جرائم کی وجہ سے حبط ہو گیا ہو تو خیر و شر کو دکھایا نہیں جائے گا۔

### سورہ عادیات

مجمع البیان میں آیا ہے: یہ سورہ غزوہ ذات السلاسل کے بارے میں نازل ہوا، جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؑ کو روانہ فرمایا اور وہ فاتحانہ واپس آئے۔ قاموس قرآن میں آیا ہے: اس سورہ کی ابتدائی چند آیات کو جنگی ترانہ کہا جا سکتا ہے۔

١۔ الْعٰدِيٰتِ: عَدو سے ہے، دوڑنے کو کہتے ہیں۔ ضبح دوڑتے وقت ہانپنے کو کہتے ہیں۔

٢۔ الْمُوْرِيٰتِ: الایراء چنگاری اور قدح ٹکرانے کو کہتے ہیں۔

٤۔ النقع غبار کو کہتے ہیں۔ اثرن الاثارۃ اڑانے کو کہتے ہیں۔

٦۔ انسان کے ناشکرا ہونے کی ایک علامت اگلی آیت میں بیان فرمائی کہ وہ مال سے محبت میں بہت آگے نکل جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوا راہ خدا میں مال خرچ نہ کرنا، ناشکری کی ایک نمایاں علامت ہے۔

٧۔ انسان اپنے آپ کو بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ اس کا ضمیر اس کے اعمال کا شاہد عادل ہے۔

٨۔ حب الخیر: یہاں خیر مال کو کہا ہے کہ یہ مال

اَلۡقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾ یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾ وَ تَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِہۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۙ﴿۶﴾ فَہُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ ؕ﴿۹﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا ہِیَہۡ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَۃٌ ﴿۱۱﴾ ع

(۱) وہ ہلا دینے والا حادثہ۔☆ (۲) وہ ہلا دینے والا حادثہ کیا ہے؟ (۳) اور آپ کو کس چیز نے بتایا ہلا دینے والا حادثہ کیا ہے؟ (۴) اس روز لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ (۵) اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔ (۶) پس جس کا پلہ بھاری رہے گا، (۷) سو وہ من پسند زندگی میں ہوگا۔ (۸) اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا،☆ (۹) سو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔ (۱۰) اور آپ کو کس چیز نے بتایا ہاویہ کیا ہے؟ (۱۱) وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

## ۱۰۲ سُوۡرَۃُ التَّکَاثُرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۶ — اٰیاتها ۸ — رکوعها ۱

سورہ تکاثر۔ مکی۔ آیات ۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمن رحیم

اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ

(۱) ایک دوسرے پر فخر نے تمہیں غافل کر دیا ہے،☆ (۲) یہاں تک کہ تم قبروں کے پاس جا پہنچے ہو۔ (۳) ہرگز نہیں! تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ (۴) پھر ہرگز نہیں! تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ (۵) ہرگز نہیں! کاش

---

بنیادی طور پر خیر ہے، اگر مال کی محبت انسان پر حاکم نہ ہو۔ مال کی محبت انسان کے انتہائی شعور میں بیٹھی ہوتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے: يَنَامُ الرَّجُلُ عَلَى الثُّكْلِ وَ لَا يَنَامُ عَلَى الْحَرَبِ۔ (نہج البلاغۃ نصیحت ۳۰۷ ص ۵۲۹) اولاد کے مرنے پر انسان کو نیند آ جاتی ہے، لیکن مال چھن جانے پر نیند نہیں آتی۔

سورہ قارعہ

۱۔ ہو سکتا ہے ہلا دینے والی آواز، صور میں پھونکنے سے نکلنے والی آواز ہو اور خود قیامت کے تمام واقعات ہلا دینے والے ہوں گے۔

۸۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی زندگی میں آخرت کو وزن نہیں دیا۔ اعمال صالحہ اور نیکیوں کو بھی خفیف سمجھا۔ اگر کوئی عمل انجام دیا تو بھی اس عمل کو بے وزن سمجھا اور وہ بندگی و عبودیت کو وزن دینے میں خفت محسوس کرتا تھا۔

سورہ تکاثر

۱۔ مال و دولت اور افرادی قوت میں کثرت سے ایک دوسرے پر فخر و مباہات نے تم کو اصل مقصد سے غافل کر دیا۔ کثرت مباہات کے سلسلے میں تم قبروں تک کے لوگوں کو شمار کرنے قبرستان پہنچ جاتے ہو۔ دوسری تشریح یہ بھی کی گئی ہے: یہاں تک کہ تم قبروں کے دہانے تک پہنچ جاتے ہو۔

۵۔ اگر تمہیں یقین حاصل ہوتا تو ایسا لگتا جیسے جہنم دیکھ رہے ہو یا یہ تم جہنم کو اپنی بصیرت سے دیکھ لیتے۔

۸۔ اہل سنت کے مصادر میں آیا ہے کہ اس آیت میں نعمت سے مراد کھجور اور ٹھنڈا پانی ہے۔ امامیہ مصادر

الۡيَقِيۡنِ ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ﴿۸﴾

تم یقینی علم رکھتے، ☆ ﴿۶﴾ تو تم ضرور جہنم کو دیکھ لیتے۔ ﴿۷﴾ پھر اسے یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیتے، ﴿۸﴾ پھر اس روز تم سے نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔☆

۱۰۳ سُوۡرَةُ الۡعَصۡرِ مَكِّيَّةٌ ۱۳ — آیاتہا ۳ — رکوعہا ۱

سورہ العصر۔مکی۔آیات ۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

وَالۡعَصۡرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ قسم ہے زمانے کی۔☆ ﴿۲﴾ انسان یقینا خسارے میں ہے۔ ﴿۳﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اور جو ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے ہیں اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

۱۰۴ سُوۡرَةُ الۡهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۲ — آیاتہا ۹ — رکوعہا ۱

سورہ ہمزہ۔مکی۔آیات ۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ ﴿۱﴾ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ ﴿۲﴾ يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۚ ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ﴿۴﴾

﴿۱﴾ ہر طعنہ دینے والے عیب گو کے لیے ہلاکت ہے۔☆ ﴿۲﴾ جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گنتا رہتا ہے☆ ﴿۳﴾ جو سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ کی زندگی دے گا۔ ﴿۴﴾ ہرگز نہیں! وہ چکنا چور کر دینے والی آگ میں ضرور

---

میں آیا ہے: نَعِیم سے مراد محمد و آل محمد ﷺ کی محبت ہے۔ (الکافی ۶: ۲۸۰)

سورہ عصر

۱۔ انسان زمانے کے ہاتھوں زندگی کا کھیل ہار رہا ہوتا ہے، لہٰذا اس زمانے کی قسم! انسان ہر آن خسارے میں ہے، مگر وہ لوگ جو اپنی اس زندگی کے خسارے کی تلافی ایمان و عمل صالح کے ذریعے کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انسانی زندگی کی قیمت ایمان و عمل صالح کے ذریعے رضائے رب کا حصول ہے۔ یعنی زندگی کی قیمت میں زندگی حاصل کی جائے تو انسان خسارے میں نہیں ہے۔ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ (نحل: ۹۷) جو شخص نیک عمل کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ مؤمن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی دیں گے۔ لہٰذا ایمان و عمل صالح سے زندگی ملتی ہے اور صرف زندگی ہی زندگی کی قیمت بن سکتی ہے۔

سورہ ہمزہ

۱۔ هُمَزَةٍ: الطعن علی غیر بغیر حق۔ کسی کو ناحق طعنہ دینے والا۔

لُمَزَةٍ: عیب گو۔ فعلة کا وزن مبالغہ کے لیے ہوتا ہے۔

وہ شخص جو دوسروں کی عزت و وقار، احترام آدمیت اور انسانی قدروں کو پامال کرتا ہے، خود تباہی میں ہے۔

۲۔ دوسروں کی طعنہ زنی اور عیب گوئی عموماً وہ لوگ کرتے ہیں جو مال و دولت سمیٹنے میں لگے رہتے ہیں اور کہتے ہیں ساری قدریں مال میں ہیں۔

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحُطَمَةُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَیۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾ ع

چھینک دیا جائے گا۔ ﴿۵﴾ اور آپ کو کس چیز نے بتایا وہ چکنا چور کر دینے والی آگ کیا ہے؟ ﴿۶﴾ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے، ﴿۷﴾ جو دلوں تک پہنچ جائے گی۔☆ ﴿۸﴾ بلاشبہ وہ ان پر محیط ہوگی، ﴿۹﴾ لمبے لمبے ستونوں میں۔

## ۱۰۵ سُوۡرَةُ الۡفِیۡلِ مَکِّیَّةٌ ۱۹

آیاتھا ۵ — رکوعھا ۱

سورہ فیل۔ مکی۔ آیات ۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ﴿۱﴾ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَهُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡهِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ﴿۳﴾ تَرۡمِیۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۪ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ﴿۵﴾ ع

﴿۱﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟☆ ﴿۲﴾ کیا اس نے ان کی چال کو بے مقصد نہیں بنا دیا؟ ﴿۳﴾ اور ان پر دستے دستے پرندے بھیج دیے☆ ﴿۴﴾ جو ان پر سخت مٹی کے پتھر برسا رہے تھے۔ ﴿۵﴾ سو اس نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔☆

## ۱۰۶ سُوۡرَةُ قُرَیۡشٍ مَکِّیَّةٌ ۲۹

آیاتھا ۴ — رکوعھا ۱

سورہ قریش۔ مکی۔ آیات ۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

---

۷۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے: کافر اور مشرکین جہنم میں موجود اہل توحید کو طعنہ دیں گے تمہاری توحید نے تمہیں کیا فائدہ دیا، ہمارے ساتھ جہنم میں ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور فرشتوں کو شفاعت کرنے کا حکم دے گا، پھر انبیاء کو پھر مؤمنین کو شفاعت کا حکم ملے گا۔۔۔ الی آخر الحدیث۔ ملاحظہ ہو کتاب الزھد ص ۹۷ مؤلف حسین اہوازی۔

سورہ فیل

۱۔ یمن پر حبشی کے بعد ابرھہ (جو شاہ حبش کا نائب تھا) نے عرب دنیا پر اپنا مذہبی اور تجارتی تسلط قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس نے صنعا میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کیا اور قریش کے چند جوانوں پر الزام عائد کیا کہ انہوں نے کلیسا کی بے حرمتی کی ہے۔ اسے بہانہ بنا کر ۵۷۰ء میں ساٹھ ہزار فوجی اور ۱۳ ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ لشکر والے جب مزدلفہ اور منٰی کے درمیان وادی محسر میں پہنچ گئے تو بہت سے پرندے اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگ ریزے لیے ہوئے آئے اور اس لشکر پر ایسے سنگریزوں کی بارش کر دی جن سے لشکر والوں کے جسم گلنا شروع ہوئے۔ ابرھہ بھی پرندوں کے حملے سے مر گیا۔

۳۔ ابابیل کسی پرندے کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب ہے: جھنڈ کے جھنڈ۔

۵۔ العصف: کھیت کے وہ پتے جن کے دانے کھائے گئے ہوں یا دانے کا چھلکا جس کا مغز کھایا گیا ہو۔

سورہ قریش

۱۔ قریش کے تجارتی قافلوں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ② فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ③ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④

① قریش کو مانوس رکھنے کی خاطر، ☆ ② انہیں (ان کے ذریعہ معاش) جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس رکھنے کی خاطر، ③ چاہیے تھا کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، ④ جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے انہیں امن دیا۔

## ۱۰۷ سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ ۱۷ — اٰیاتها ۷ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ ① فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ② وَلَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ③ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ④ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ⑥ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦

سورہ ماعون۔ مکی۔ آیات ۷

بنام خدائے رحمٰن رحیم

① مجھے بتلاؤ وہ شخص جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ ☆ ② یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، ③ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ ④ پس ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے ⑤ جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔ ⑥ جو ریاکاری کرتے ہیں۔ ⑦ اور (ضرورت مندوں کو) معمولی چیزیں بھی دینے سے گریز کرتے ہیں۔

## ۱۰۸ سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵ — اٰیاتها ۳ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورہ کوثر۔ مکی۔ آیات ۳

بنام خدائے رحمٰن رحیم

---

راستے کے تمام قبائل قریش کا بہت احترام کرتے تھے۔ یہ احترام بیت اللہ کے خادم ہونے اور حج کے دنوں میں حاجیوں کی خدمت کرنے کی وجہ سے حاصل تھا۔ ان تمام قبائل سے مانوس ہونے کی وجہ سے ان کو پورے راستے میں امن حاصل رہتا تھا اور وہ ان سے کوئی ٹیکس بھی وصول نہیں کرتے تھے۔ دوسری باتوں کے علاوہ قریش کو جس بیت اللہ کی وجہ سے تجارتی سہولت اور خوش حالی میسر آئی، انہیں اس کے رب کی پرستش کرنا چاہیے تھی۔

سورہ ماعون

۱۔ جو قیامت پر یقین نہیں رکھتا وہ دنیا میں معاشرے کے لیے تعمیری کردار کا مالک نہیں بن سکتا۔ اس کے دل میں یتیم و مسکین کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

سورہ کوثر

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے فرزند یکے بعد دیگرے جب انتقال کر گئے تو مکہ کے بڑے معاندین جیسے ابوجہل، ابولہب اور عتبہ نے یہ کہنا شروع کیا: محمد ﷺ اَبتر (لاولد) ہیں۔ جب وہ دنیا سے جائیں گے تو ان کا نام مٹ جائے گا، جس پر یہ سورہ نازل ہوا، جس میں یہ نوید سنائی: ہم نے آپ کو کوثر عطا کی، آپ ابتر نہیں ہیں، بلکہ آپ ﷺ کا دشمن ہی ابتر ہے۔

کوثر، فوعل کے وزن پر کثرت بیان کرنے کے لیے آتا ہے اور روایات میں کوثر کی تشریح خیر کثیر سے کی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے مصداق کا تعین اگلی آیت: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ تمہارا دشمن ہی ابتر

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ؕ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ ؕ ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾ ع

① بیشک ہم نے ہی آپ کو کوثر عطا فرمایا۔☆ ② لہٰذا آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔ ③ یقیناً آپ کا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

۱۰۹ سُوۡرَةُ الۡكٰفِرُوۡنَ مَكِّيَّةٌ ۱۸ — اٰیاتھا ۶ — رکوعھا ۱

سورہ کافرون۔مکی۔آیات ۶

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ ﴿۱﴾ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ ﴿۲﴾ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ ﴿۳﴾ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ ﴿۴﴾ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ ﴿۵﴾ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ﴿۶﴾ ع

① کہد یجیے: اے کافرو! ② میں ان (بتوں) کو نہیں پوجتا ہوں جنہیں تم پوجتے ہو۔ ③ اور نہ ہی تم اس (اللہ) کی بندگی کرتے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں ان (بتوں) کی پرستش کرنے والا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو ⑤ اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ ⑥ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

۱۱۰ سُوۡرَةُ النَّصۡرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۴ — اٰیاتھا ۳ — رکوعھا ۱

سورہ نصر۔مدنی۔آیات ۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۙ ﴿۱﴾ وَ رَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ ﴿۲﴾

① جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے،☆ ② اور آپ لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیں،

---

ہے، سے ہوتا ہے۔آپ ﷺ کو کوثر عنایت ہوا ہے، چنانچہ آپ ﷺ ابتر نہیں، بلکہ آپ ﷺ کا دشمن ابتر ہے۔یعنی کوثر سے مراد حضور ﷺ کے لیے اولاد کثیر ہے، جو حضرت فاطمہ ؑ سے پھیلی ہے۔فخر الدین رازی اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں:

دیکھو اہل البیت ؑ کے کتنے افراد شہید کر دیے گئے، پھر بھی آج دنیا ان کی نسل سے پر ہے اور بنی امیہ کا کوئی قابل ذکر فرد باقی نہیں ہے۔

سورہ کافرون

دین، توحید اور خدا پرستی میں کسی قسم کی لچک پیدا کرنے اور سمجھوتہ کرنے کا تصور درست نہیں ہے۔اگر مخالف اس قسم کی تجویز پیش کرے تو اسے پرزور الفاظ میں مکرراً مسترد کرنا ہوگا۔

سورہ نصر

ا۔یہ سورہ صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے پہلے نازل ہوا اور اللہ کی طرف سے ملنے والی فتح و نصرت سے مراد فتح مکہ ہے، جس کے بعد لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہوئے۔

سورہ لہب

ا۔ابولہب رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں ہر مقام پر پیش پیش رہتا تھا۔رسول اللہ ﷺ دعوت اسلام کے لیے جاتے تو یہ ان کے پیچھے جاتا اور لوگوں کو آپ کی بات سننے سے روک دیتا۔ابولہب حضور ﷺ کا قریبی ہمسایہ تھا۔اس لیے حضور ﷺ کو گھر میں بھی چین سے رہنے، نماز پڑھنے یا صحن میں کھانا پکانے

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

۳۔ تو اپنے رب کی ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

۱۱۱ سُوۡرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ٦ — اٰیاتھا ۵ — رکوعھا ۱

سورہ لہب۔مکی۔آیات ۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ؕ ﴿۲﴾ سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۖۚ ﴿۳﴾ وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۚ ﴿۴﴾ فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ﴿۵﴾

۱۔ ہلاکت میں جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو جائے۔☆ ۲۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ ۳۔ وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں جھلسے گا۔ ۴۔ اور اس کی بیوی بھی، ایندھن اٹھائے پھرنے والی۔ ۵۔ اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہے۔

۱۱۲ سُوۡرَةُ الۡاِخۡلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ — اٰیاتھا ۴ — رکوعھا ۱

سورہ اخلاص۔مکی۔آیات ۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ﴿۲﴾ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ ﴿۳﴾ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا

۱۔ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے۔☆ ۲۔ اللہ بے نیاز ہے۔ ۳۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ ۴۔ اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

---

نہیں دیتا تھا اور آپ ﷺ پر غلاظت پھینکتا تھا۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل (ابوسفیان کی بہن) رات کو آپ ﷺ کے گھر کے دروازے پر خاردار جھاڑیاں پھینک دیا کرتی تھی۔

تبّ کے دوسرے معنی خسارہ کے کیے ہیں۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا: خسارے میں جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ خود بھی خسارے میں جائے۔

سورہ اخلاص

۱۔ ادیان سماوی میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص عقیدہ توحید کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ اعتقادات و نظریات اور تعلیمات و عبادات نظریہ توحید پر مبنی ہیں۔ تاریخ انبیاء علیہم السلام میں بالعموم اور تاریخ اسلام میں بالخصوص معرکہ کفر و ایمان کا مرکزی نقطہ نظریہ توحید رہا ہے۔

اَحَدٌ: اس "ایک" کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کثرت کو قبول نہ کرے اور واحد اس "ایک" کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کثرت کو قبول کرے۔

اَلصَّمَدُ: اس ذات کی صفت ہے جس کے سب محتاج ہوں اور وہ کسی کی محتاج نہ ہو۔

سلمان فارسی اور ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یا علی مثلک فی امتی مثل قل ھو اللہ احد فی القرآن (امالی صدوق ص ۳۳۔ ابن مغازلی و خوارزمی عن نعمان بن بشیر) اے علی تیری مثال میری امت میں قرآن میں قل ھو اللہ احد کی طرح ہے۔

اَحَدٌ ﴿۴﴾

۱۱۳ سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۲۰ — اٰیاتها ۵ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

سورہ فلق۔ مکی۔ آیات ۵

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) کہد یجیے: میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، (۲) ہر اس چیز کے شر سے جسے اس نے پیدا کیا،☆ (۳) اور اندھیری رات کے شر سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے،☆ (۴) اور گرہوں میں پھونکنے والی (جادوگرنی) کے شر سے،☆ (۵) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگ جائے۔

۱۱۴ سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ ۲۱ — اٰیاتها ۶ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

سورہ ناس۔ مکی۔ آیات ۶

بنام خدائے رحمٰن رحیم

(۱) کہد یجیے: میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی، (۲) انسانوں کے بادشاہ کی، (۳) انسانوں کے معبود کی، (۴) پس پردہ رہ کر وسوسہ ڈالنے والے (ابلیس) کے شر سے،☆ (۵) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، (۶) وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

سورہ فلق

۲۔ اللہ نے شر خلق نہیں کیا بلکہ جن چیزوں کو خلق کیا ہے ان میں کبھی شر پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ نے تو انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے، مگر کبھی یہ ابلیس سے بھی بدتر ثابت ہو جاتا ہے۔ اس طرح تمام اشیاء میں خیر اور شر کے دونوں پہلو موجود ہیں۔

۳۔ رات کی تاریکی کو اللہ نے انسان کے سکون کے لیے بنایا ہے، لیکن کبھی اس تاریکی سے غلط فائدہ اٹھا کر کچھ لوگ دوسروں کو ضرر پہنچاتے ہیں یا اس شر سے پناہ مانگنا مراد ہو سکتی ہے جو پوشیدہ رہ کر انسان پر حملہ آور ہوتا ہے، جیسے جراثیم سرطان وغیرہ۔ اس صورت میں غَاسِقٍ سے مراد مطلق تاریکی اور پوشیدہ مراد لیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو کا کسی حد تک اثر مرتب ہوتا ہے۔

سورہ ناس

۴۔ وسوسے کے معنی یہ ہیں کہ غیر محسوس طریقے سے کسی کے دل میں بری بات ڈال دی جائے۔ مثلاً شیطان دلوں میں یہ خیال ڈال دیتا ہے کہ چھوٹے گناہ کا مرتکب ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں یا یہ کہ فلاں بات سرے سے گناہ ہی نہیں۔ مثلاً لوگوں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کے اصولوں پر سختی سے عمل کرنا چاہیے تو عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ اسلام اس قدر سختی نہیں کرتا۔ حالانکہ کسی بھی قانون پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے تو وہ سرے سے قانون ہی نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات سے بچائے کہ ہم اس کی بارگاہ میں بیٹھ کر اسی کی نافرمانی کریں۔

# تلاوت کے بعد کی دعا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ الْقُرْآنَ لَنَا فِي الدُّنْیَا قَرِیْنًا

وَفِي الْقَبْرِ مُؤْنِسًا وَ فِي الْقِیَامَةِ شَفِیْعًا

وَعَلَی الصِّرَاطِ نُوْرًا وَ إِلَی الْجَنَّةِ رَفِیْقًا

وَمِنَ النَّارِ سِتْرًا وَحِجَابًا

وَ إِلَی الْخَیْرَاتِ کُلِّھَا دَلِیْلًا وَ إِمَامًا

بِفَضْلِكَ وَجُوْدِكَ وَکَرَمِكَ یَا اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ

وَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی

سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ

و نسئل المولی سبحانه أن یهدینا الی صوب الصواب أني هو العزیز الوهاب.

و كان ختام إعادة النظر و إضافة التحشية في ليلة ١٤ من ربيع الأول سنة ١٤٢٧ شهر مولد مفجّر النور و منقذ البشر خاتم الرسل صلى الله عليه و آله وسلم في جامعة الكوثر آملاً من الباری عز وجل قبول هذا العمل بجعله خالصًا لوجه الكريم. فانه لا ينال ذلك الا بفضله.

محسن علي نجفي بن مولانا اخوند حسين جان قدس سرّه و كدّس برّه
جامعة الكوثر، اسلام آباد، پاکستان

# فہرست سورہ

# مقدمہ قرآن کریم

**اللہ اللہ فی القرآن لا یسبقکم بالعمل بہ غیر کم۔**

قرآن کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، ایسا نہ ہو کہ دوسرے اس پر عمل کرنے میں تم پر سبقت لے جائیں۔ (حضرت علی علیہ السلام)[۱]

# آغاز سخن

الہیاتی تصور کائنات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبث خلق نہیں فرمایا بلکہ ایک اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیے پیدا کیا اور اس مقصد تک پہنچانے کے لیے انسان کو ارتقا و تکامل کے طویل مراحل سے گزارنا بھی سنت الٰہیہ رہی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو چھ یوم میں خلق فرمایا اور چار یوم میں اس نے زمین کو انسان کے لیے قابل سکونت بنایا اور وسائل حیات پیدا کیے۔

وَ قَدَّرَ فِيۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِيۡۤ اَرۡبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيۡنَ[۲]

اور اسی نے چار دنوں میں حاجتمندوں کی ضروریات کے مطابق زمین میں سامان خوراک مقرر کیا۔

یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے یوم ہمارے دنوں سے مختلف ہیں:

وَ اِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ[۳]

اور آپ کے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے مطابق یقینا ہزار برس کی طرح ہے۔

ہر چند اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو دفعتاً درجہ کمال تک پہنچا سکتا ہے لیکن حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ ارتقا و تکامل کا یہ عمل تدریجاً ہو۔ چنانچہ زمین کو چار مرحلوں میں قابل سکونت بنایا گیا۔

---

۱۔ نہج البلاغۃ وصیت ۴۷ ص ۳۸۷ ۲۔ ۴۱ فصلت: ۱۰ ۳۔ ۲۲ حج: ۴۷

جب تکامل و ارتقا کے مختلف مراحل سے گزر کر انسان کی مادی ترقی احسن تقویم کی منزل تک پہنچ گئی تو اگلے مرحلے میں الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا۔۔۔[1] سے انسان کا فکری ارتقا شروع ہوا۔ چنانچہ ابو البشر حضرت آدمؑ کی خلقت کے ساتھ ہی اولاد آدمؑ کی تعلیم و تربیت کے لیے ابتدائی درسگاہ کھول دی گئی اور نظام حیات کی ابجد سے درس شروع ہوگیا۔

حضرت نوحؑ کے زمانے میں پہلی بار شریعت کی تدوین ہوئی۔

شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوۡحًا۔[2]　　اس نے تمہارے لیے دین کا وہی دستور معین کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا۔

پھر عصر خلیلؑ میں ملت اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی گئی:

مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰہِیۡمَ ؕ ھُوَ سَمّٰکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ۔۔۔[3]　　یہ تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

عصر کلیمؑ میں انسانیت نے ایک اور اہم ارتقائی مرحلہ طے کیا اور امت کلیمی پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پوری ہوگئیں۔

ثُمَّ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ وَ تَفۡصِیۡلًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ ھُدًی وَّ رَحۡمَۃً۔۔۔[4]　　پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تاکہ نیکی کرنے والے پر اپنی نعمت پوری کر دیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل بیان ہو اور ہدایت اور رحمت (کا باعث) ہو۔

لیکن عصر کلیمؑ کے انسان میں شعور و ادراک کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک بچھڑے کو خدا ماننے پر آمادہ تھا۔

عصر مسیحؑ میں انسانیت کی اس تربیت گاہ کو خداوند عالم نے شریعت عیسوی کے ذریعے مزید وسعت دی اور انسانی ترقی کے نصاب میں انجیل کا اضافہ کر کے رحمت و شفقت اور انسان دوستی کی تربیت دی گئی۔

وَ قَفَّیۡنَا بِعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡاِنۡجِیۡلَ ۬ۙ وَ جَعَلۡنَا فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُ رَاۡفَۃً وَّ رَحۡمَۃً[5]　　اور ان سب کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انہیں ہم نے انجیل دی اور جنہوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور رحم ڈال دی۔

ان ادوار میں انسان ابھی عہد طفولیت میں تھا، لہٰذا اس کی تربیت و تعلیم کے لیے سمعی و بصری ذرائع سے کام لیا گیا اور انہیں ایسے معجزات دکھائے گئے جو محسوسات و مشاہدات سے متعلق تھے۔

---

۱۔ ۲ بقرہ: ۳۱　　۲۔ ۴۲ شوریٰ ۱۳　　۳۔ ۲۲ حج: ۷۸　　۴۔ ۶ انعام: ۱۵۴　　۵۔ ۵۷ حدید: ۲۷

جب انسان عقل و شعور کے لحاظ سے بلوغت کی منزل کو پہنچ گیا تو اسے محسوس معجزات کی جگہ معقول معجزہ (قرآن) دیا گیا کیونکہ انسان اس قابل ہو گیا تھا کہ اسے ایک جامع "ضابطۂ حیات" اور ایک ابدی "دستور زندگی" کا امین بنایا جائے۔ چنانچہ قرآن جیسا معجزہ عنایت فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس امّت مرحومہ کو اس قابل بنایا کہ وہ اس سرمدی امانت کی حامل بن جائے۔ اس نعمت الٰہی کی معرفت اور اس کی قدردانی کی واحد صورت یہ ہے کہ کلام اللہ کو حتی الامکان سمجھا اور سمجھایا جائے۔

حقیر نے اپنی علمی بے مائیگی اور فکری افلاس کے باوجود اس میدان میں قدم رکھنے کی جرأت اس لیے کی کہ اگرچہ کلام رب الارباب کو اس تراب کے ساتھ کوئی نسبت نہیں، تاہم اس کلام کے مخاطب اور اس پر عمل کرنے کے مکلف ہم ہی ہیں۔ ثانیاً ہمارے علمائے اعلام اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے شاگردوں نے صدر اول سے لے کر آج تک اس عظیم امانت کو ہم تک پہنچانے اور اس کی صحیح تفسیر و مفاہیم سے ہمیں آگاہ کرنے میں ہمیشہ دوسروں پر سبقت حاصل کی ہے۔ ان کے علمی سرچشموں سے چند جرعے حاصل کرنے کی جسارت مجھ جیسا بے علم بھی کر سکتا ہے۔ پھر اس چیونٹی نے مقام سلیمانی کے مطابق نہیں بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق نذرانہ پیش کرنا ہے۔

چون عود نبود چوب بید آور دم     روئے سیہ و موئے سفید آوردم
گفتی توبہ کن کہ نا امیدی کفراست     بر قول تو رفتم و امید آوردم

نیز یہ قدم اس لیے بھی اٹھایا گیا ہے:

۱۔ قرآن حقائق کا ایک بحر بیکراں ہے۔ ہر طبقہ اور ہر نسل کو اپنی استعداد کے مطابق اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول روایت میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے سوال ہوا: کیا وجہ ہے کہ قرآن کو جس قدر بیان اور نشر کیا جاتا ہے نیز اس میں جس قدر غور و فکر کیا جاتا ہے، اسی قدر اس میں مزید تازگی آ جاتی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| ان اللہ لم یجعلہ لزمان دون زمان و لناس دون ناس۔ فھو فی کل زمان جدید و عند کل قوم غض الی یوم القیامۃ[۱] | اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نہ ایک زمانے کے ساتھ مخصوص فرمایا، نہ کچھ لوگوں کے ساتھ، بلکہ یہ ہر دور میں جدت اور ہر قوم کے لیے قیامت تک تازگی رکھتا ہے۔ |

۲۔ قرآنی تصریحات کے بارے میں نئی نسل کی طرف سے اٹھنے والے سوالات کے جوابات فراہم کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔

۳۔ جدید معاندانہ تحریروں اور الزام تراشیوں کے مقابلے میں مکتب اہل بیت علیہم السلام کا موقف بیان کرنا

---

۱۔ بحار الانوار ۲: ۲۸۰

بھی ہماری ذمہ داری ہے۔

مجھے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے۔ غیر ارادی غلطیوں کا امکان بھی موجود ہے۔ لہٰذا احباب سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں مجھے میری خامیوں سے آگاہ فرمائیں۔

اس ترجمے کی طرف مؤمنین کی اطمینان بخش توجہ کی وجہ سے اس کی جو افادیت سامنے آئی ہے، اس کے پیش نظر ہم نے مقدمہ اور حواشی میں قابل توجہ اضافہ کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ مؤمنین کو قرآنی علوم اور تفسیر سے متعلق ضروری معلومات ایک جلد میں میسر آئیں۔

اس سلسلے میں جن احباب نے میرے ساتھ تعاون فرمایا ہے ان کا شکرگزار ہوں۔ خصوصاً جناب محترم سید اظہر علی رضوی صاحب کی مخلصانہ کاوشیں نہ ہوتیں تو کتاب کی فارمیٹنگ اور طباعت میں یہ خوبصورتی ہرگز نہ آتی۔ خداوند عالم ان کی شب و روز کی زحمتیں قبول فرمائے۔ آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ
محسن علی بن مولانا اخوند حسین جان رحمۃ اللہ علیہ
اسلام آباد۔ پاکستان

# فضائل قرآن

بزبان قرآن۔ بزبان نبیؐ۔

بزبان وصیؑ۔ بزبان زہرا (س)۔

فضائل قرآن در نہج البلاغہ۔ قرآن میں اللہ کی تجلی۔ مستقبل کے علوم۔

جامع ضابطہ حیات۔ تعلیم قرآن۔ شفاعت۔ زاد آخرت۔ بے مانند نصیحت۔

عہد و پیمان قرآن۔ عمل بالقرآن میں اغیار کی سبقت۔ ذریعہ نجات۔

قرآن اور اہل قرآن کے ساتھ سلوک۔ فضائل تلاوت قرآن۔

اسماء قرآن۔ معانی قرآن ۔ تدبر قرآن۔

## بزبان قرآن

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾[1]

بتحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو امن وسلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور وہ اپنے اذن سے انہیں ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور انہیں راہ راست کی رہنمائی فرماتا ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿۹﴾[2]

یہ قرآن یقینا اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور ان مؤمنین کو جو نیک اعمال بجا لاتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾[3]

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے یہ قرآن تمہارے پاس نصیحت اور تمہارے دلوں کی بیماری کے لیے شفا اور مؤمنین کے لیے ہدایت ورحمت بن کر آیا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ[4]

اور اللہ نے تمہیں جو نعمت عطا کی ہے اسے یاد رکھو اور (یہ بھی) یاد رکھو کہ تمہاری نصیحت کے لیے اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی۔

---

ا۔ ۵ مائدہ: ۱۵۔۱۶ ۲۔ ۱۷ بنی اسرائیل: ۹ ۳۔ ۱۰ یونس: ۵۷ ۴۔ ۲ بقرہ: ۲۳۱

| | |
|---|---|
| هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ ۱ | یہ (عام) لوگوں کے لیے ایک واضح بیان ہے اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔ |
| قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ ۲ | کہہ دیجیے: اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔ |
| هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ۳ | یہ قرآن لوگوں کے لیے بصیرت افروز اور یقین رکھنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ |
| وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔ ۴ | اور ہم قرآن میں سے ایسی چیز نازل کرتے ہیں جو مؤمنین کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ |
| كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔۔۔ ۵ | یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ |
| وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ۔۔۔ ۶ | اور یہ ایک مبارک کتاب ہے جو ہم نے نازل کی۔ |
| وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ۷ | اور ہم نے آپ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت بنا کر نازل کی ہے۔ |
| اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ ۸ | یہ قرآن یقیناً بڑی تکریم والا ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں ہے، جسے صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ |
| لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۹ | اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے اللہ کے خوف سے جھک کر پاش پاش ہوتا ضرور دیکھتے۔ |

## بزبان نبی ﷺ

| | |
|---|---|
| ان هذا القرآن هو النور المبين | بے شک یہ قرآن نمایاں روشنی ہے |

---

۱ ۳ آل عمران: ۱۳۸ ۲ ۱۷ بنی اسرائیل ۸۸ ۳ ۴۵ جاثیہ: ۲۰ ۴ ۱۷ بنی اسرائیل: ۸۲
۵ ۱۴ ابراہیم: ۱ ۶ ۶ انعام: ۱۵۵ ۷ ۱۶ نحل: ۸۹ ۸ ۵۶ واقعہ: ۷۷ تا ۷۹ ۹ ۵۹ حشر: ۲۱

| | |
|---|---|
| والحبل المتین | اور مضبوط رسی ہے |
| والعروۃ الوثقی | اور محکم وسیلہ ہے |
| والدرجۃ العلیا | بلندترین مرتبہ ہے |
| والشفاء الاشفی | نہایت مؤثر شفا ہے |
| والفضیلۃ الکبری | اور سب سے بڑی فضیلت ہے |
| والسعادۃ العظمی | اور سب سے بڑی سعادت ہے۔ |
| من استضاء بہ نورہ اللہ | جو اس کے ذریعے روشنی طلب کرے اللہ اسے منور کرتا ہے۔ |
| و من اعتقد بہ فی امورہ عصمہ اللہ | جس نے اپنے امور کو اس سے مربوط کیا اللہ نے اسے محفوظ رکھا |
| و من تمسک بہ انقذہ اللہ | اور جو اس سے متمسک رہا اللہ نے اسے نجات دی |
| و من لم یفارق احکامہ رفعہ اللہ | اور جس نے اس کے احکام کو نہ چھوڑا اللہ نے اسے عزت دی |
| و من استشفی بہ شفاہ اللہ | اور جس نے قرآن سے شفا طلب کی خدا نے اسے شفا دی |
| و من آثرہ علی ماسواہ ھداہ اللہ | اور جس نے قرآن کو دوسری چیزوں پر ترجیح دی خدا نے اسے ہدایت بخشی |
| و من طلب الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ | اور جس نے غیر قرآن سے ہدایت چاہی، اللہ نے اسے گمراہ کیا۔ |
| و من جعلہ شعارہ و دثارہ اسعدہ اللہ | اور جس نے اسے اپنا شعار اور لازمہ قرار دیا اللہ نے اسے سعادت بخشی |
| و من جعلہ امامہ الذی یقتدی بہ | اور جس نے اسے اپنا وہ امام بنایا، جس کی وہ پیروی کرتا ہے |
| و معولہ الذی ینتھی الیہ | اور اپنی وہ پناہ گاہ بنایا جس کی طرف وہ رجوع کرتا ہے |
| اداہ اللہ الی جنات النعیم و العیش السلیم۔۔۔ الخ[1] | تو اللہ تعالیٰ اسے نعمتوں والی جنت اور سکون کی زندگی سے نوازے گا۔ |

---
[1] تفسیر الامام العسکری علیہ السلام ص ۴۵۰ بحار الانوار ۸۹ : ۳۱۔ کتاب القرآن

| | |
|---|---|
| فضل القرآن علی سائر الکلام کفضل اللّٰہ علی خلقہ۔[1] | کلام خدا کو دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو خود اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر۔ |
| من قرأ حرفا من کتاب اللّٰہ تعالیٰ فلہ حسنۃ و الحسنۃ بعشر امثالھا، لا اقول الٓمّٓ حرف ولکن الف حرف لام حرف و میم حرف۔[2] | جو کتاب اللہ کے ایک حرف کی تلاوت کرے، اسے ایک نیکی کا ثواب دیا جائے گا اور ایک نیکی کا دس گنا ثواب ہوتا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔ |

## بزبان وصی علیہ السلام

مولائے متقیان امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| ثم انزل علیہ الکتاب | اللہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی: |
| نوراً لا تطفأ مصابیحہ | جو ایسا نور ہے جس کی قندیلیں گل نہیں ہوتیں، |
| و سراجا لا یخبو توقدہ | ایسا چراغ ہے جس کی لو خاموش نہیں ہوتی، |
| و بحرا لا یدرک قعرہ | ایسا دریا ہے جس کی تہ تک رسائی نہیں ہوتی، |
| و منھاجا لا یضل نھجہ | ایسا راستہ ہے جس میں راہ پیمائی بے راہ نہیں کرتی، |
| و شعاعا لا یظلم ضوئہ | ایسی کرن ہے جس کی روشنی مدھم نہیں پڑتی، |
| و فرقانا لا یخمد برھانہ | وہ حق و باطل میں ایسا امتیاز کرنے والا ہے جس کی دلیل کمزور نہیں پڑتی، |
| و تبیانا لا تھدم ارکانہ | ایسا کھول کر بیان کرنے والا ہے جس کے ستون منہدم نہیں کیے جا سکتے، |
| و شفاء لا تخشی اسقامہ | وہ سراسر شفا ہے جس کے ہوتے ہوئے (روحانی) بیماریوں کا کھٹکا نہیں، |
| و عزا لا تھزم انصارہ | وہ سراسر عزت و غلبہ ہے جس کے یار و مددگار شکست نہیں کھاتے |

---

[1] جامع الاخبار۔ تاج الدین الشعیری ص ۴۰۔ بحار الانوار ۸۹: ۱۷ البیان فی تفسیر القرآن، الخوئی ص ۱۸۔ السنن الترمذی ۵: ۱۸۴۔ القرآن کی جگہ کلام اللہ ہے۔

[2] السنن الترمذی ۵: ۱۷۵۔ تفسیر القرطبی ۱: ۷

| | |
|---|---|
| وحقالاتخذل اعوانه | وہ سراپا حق ہے جس کے معاون بے یار و مددگار نہیں چھوڑے جاتے۔ |
| فهو معدن الايمان وبحبوحته | وہ ایمان کا معدن اور مرکز ہے۔ |
| وينابيع العلم وبحوره | یہ علم کے چشموں اور سمندروں سے عبارت ہے۔ |
| ورياض العدل وغدرانه | اس میں عدل کا چمن اور انصاف کا حوض ہے |
| واثافي الاسلام وبنيانه | اور اسلام کا سنگ بنیاد اور اس کی اساس ہے۔ |
| واودية الحق وغيطانه | حق کی وادی اور اس کا ہموار میدان ہے۔ |
| وبحر لاينزفه المستنزفون | وہ ایسا دریا ہے جس سے پانی بھرنے والے اسے ختم نہیں کر سکتے۔ |
| وعيون لاينضبها الماتحون | وہ ایسا چشمہ ہے جس سے پانی الچنے والے اسے خشک نہیں کر سکتے۔ |
| ومناهل لايغيضها الواردون | وہ ایسا گھاٹ ہے جس پر اترنے والوں سے اس کا پانی گھٹ نہیں سکتا۔ |
| ومنازل لايضل نهجها المسافرون | وہ ایسی منزل ہے جس کی راہ میں کوئی راہرو بھٹکتا نہیں۔ |
| واعلام لايعمى عنها السائرون | وہ ایسا نشان ہے کہ چلنے والوں کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتا۔ |
| وآكام لايجوز عنها القاصدون | وہ ایسا ٹیلہ ہے کہ جس کا قصد کرنے والے اس سے آگے نہیں گزر سکتے۔ |
| جعله الله ريّا لعطش العلماء | اللہ نے اسے علماء کی تشنگی کے لیے سیرابی، |
| وربيعا لقلوب الفقهاء | فقیہوں کے دلوں کے لیے بہار، |
| ومحاجَ لطرق الصلحاء | اور نیک لوگوں کی رہگذر کے لیے شاہراہ قرار دیا۔ |
| ودواء ليس بعده داء | یہ ایسی دوا ہے جس سے کوئی مرض باقی نہیں رہتا۔ |
| ونوراً ليس معه ظلمة | ایسا نور ہے جس میں تیرگی کا گزر نہیں ہے۔ |
| وحبلا وثيقاً عروته | ایسی رسی ہے کہ جس کے حلقے مضبوط ہیں۔ |
| ومعقلا منيعاً ذروته | ایسی چوٹی ہے کہ جس کی پناہ گاہ مضبوط ہے۔ |
| وعزاً لمن تولّاه | جو اس سے وابستہ ہو اس کے لیے سرمایہ عزت ہے۔ |

| | |
|---|---|
| وسلما لمن دخله | جو اس کی حدود میں داخل ہو اس کے لیے پیغام صلح وامن ہے۔ |
| وھدی لمن ائتم به | جو اس کی پیروی کرے اس کے لیے ہدایت ہے۔ |
| وعذراً لمن انتحله | جو اسے اپنی طرف نسبت دے اس کے لیے حجت ہے |
| وبرھانا لمن تکلم به | جو اس کی رو سے بات کرے اس کے لیے دلیل و برہان ہے۔ |
| وشاھدا لمن خاصم به | جو اس کی بنیاد پر بحث و مناظرہ کرے اس کے لیے گواہ ہے۔ |
| وفلجا لمن حاج به | جو اسے حجت بنا کر پیش کرے اس کے لیے فتح و کامرانی ہے۔ |
| وحاملا لمن حمله | جو اس کا بار اٹھائے یہ اس کا بوجھ بٹانے والا ہے۔ |
| ومطیة لمن اعمله | جو اسے اپنا دستور العمل بنائے اس کے لیے وسیلہ راہ ہے۔ |
| وآیة لمن توسم | یہ حقیقت شناس کے لیے ایک واضح نشان ہے۔ |
| وجنة لمن استلأم | جو سلاح بند ہو اس کے لیے سپر ہے۔ |
| وعلما لمن وعی | جو فہم رکھتا ہے اس کے لیے علم و دانش ہے۔ |
| وحدیثا لمن روی | بیان کرنے والے کے لیے بہترین کلام ہے |
| وحکما لمن قضی۔[1] | اور فیصلہ کرنے والے کے لیے قطعی حکم ہے۔ |

حارث ہمدانی راوی ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو کچھ لوگ ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف تھے۔ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؑ نے فرمایا: واقعاً لوگوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپؑ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| اما انی سمعت رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم یقول : ستکون فتن ۔ قلت : و ما المخرج منها؟ قال: کتاب الله، کتاب الله فیه | میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: آئندہ فتنے اٹھنے والے ہیں۔ میں نے عرض کی: راہ نجات کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کی کتاب۔ اللہ کی کتاب میں تم سے پہلوں اور بعد |

---

۱۔ نهج البلاغة خطبه ۱۹۶ ص ۵۵۹۔

نبأ ما قبلكم و خبر ما بعدكم، و حكم ما بينكم۔ هو الفصل ليس بالهزل هو الذى من تركه من جبار قصمه الله، و من ابتغى الهدى فى غيره أضله الله فهو حبل الله المتين، وهو الذكر الحكيم، وهو الصراط المستقيم، و هو الذى لا تزيغ به الأهواء، ولا تلتبس به الألسنة، ولا يشبع منه العلماء، و لا يخلق عن كثرة الرد، ولا تنقضي عجائبه۔ و هو الذى لم ينته الجن اذ سمعته ان قالوا: اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا[3]۔ هو الذي من قال به صدق، و من حكم به عدل، و من عمل به اجر، و من دعا اليه هدى الى صراط مستقيم، خذها اليک يا أعور[4]

میں آنے والوں کی خبریں اور تمہارے اختلافات کے فیصلے موجود ہیں۔ یہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی ہے۔ فضول اور لایعنی باتیں نہیں ۔ یہ وہ کتاب ہے جسے کوئی جابر مسترد کر دے تو خدا اسے ہلاک و نابود کر دے گا۔[1] جو اسے چھوڑ کر کسی اور ذریعے سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے، اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ یہ کتاب اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ حکمت والی کتاب ہے۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ مختلف خواہشات اس میں تغیر و تبدیلی نہیں لاسکتیں۔[2] جو زبان قرآن کے ساتھ بات کرے وہ حق و باطل میں اشتباہ نہیں کر سکتی۔ علماء کا اس سے جی نہیں اکتاتا اور بار بار پڑھنے سے یہ فرسودہ نہیں ہوتی اور اس کے نکتہ ہائے یگانہ بے پایاں ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جسے سن کر جن یوں بول اٹھے: ہم نے ایک تعجب خیز قرآن سنا۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جو اس کی رو سے بات کرے گا، سچ بولے گا۔ جو اس کے مطابق فیصلہ سنائے گا عدل و انصاف کرے گا۔ جو اس پر عمل کرے گا اسے ثواب ملے گا۔ جس نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی اس نے سیدھے راستے کی طرف بلایا۔ اے اعور! اس (حدیث) کو یاد رکھ۔



---

۱۔ اس جملے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ جابر لوگ قرآن کے ساتھ وہ سلوک نہیں کر سکتے جو سابقہ کتابہائے آسمانی کے ساتھ ہوا۔ لہٰذا قرآن تحریف سے محفوظ ہے۔

۲۔ اس جملے سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن میں تحریف نہ واقع ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

۳۔ ۷۲ جن: ۱

۴۔ سنن الدارمی ۲ : ۵۲۶۔ سنن الترمذی ۵: ۱۷۲ کچھ فرق کے ساتھ۔ بحار الانوار ۸۹ : ۲۴ لفظی اختلاف کے ساتھ۔ البیان فی تفسیر القرآن (اردو ترجمہ) ص ۱۸۔

## بزبان حضرت فاطمة الزهراء سلام اللہ علیہا

زعیم حق له فیکم ، و عهد قدمه الیکم، و بقیة استخلفها علیکم کتاب الله الناطق، و القران الصادق، و النور الساطع و الضیاء اللامح، بینة بصائره منکشفة سرائره، منجلیة ظواهره، مغتبطة به اشیاعه ، قائد الی الرضوان اتباعه مؤد الی النجاة استماعه، به تنال حجج الله المنورة، و عزائمه المفسرة، و محارمه المحذرة، و بیناته الجالیة، و براهینه الکافیه، و فضائله المندوبة ، و رخصه الموهوبة و شرائعه المکتوبة۔۔[1]

یہ قرآن تمہارے درمیان حق کا پاسدار ہے۔ اللہ کا وہ عہد ہے جو تمہارے لیے پیش کیا گیا ہے۔ وہ جانشین ہے جو تمہارے لیے پیچھے چھوڑا گیا ہے۔ اللہ کی ناطق کتاب اور سچا قرآن ہے۔ چمکتا نور، روشن چراغ ہے۔ اس کی بصیرتیں واضح، اس کے اسرار قابل انکشاف، اس کے ظواہر واضح، اس کے پیروکار قابل رشک ہیں۔ اس کی اتباع کرنے والوں کو رضائے حق کی طرف رہنمائی کرنے والا، اس کے سننے والوں کو نجات تک پہنچانے والا، اس سے اللہ کے نورانی دلائل اور اس کے واجب العمل احکام، قابل اجتناب محرمات، واضح دلائل، مکمل براہین، مطلوبہ فضائل، قابل اجازت اعمال اور واجب العمل شریعت تک رسائی ممکن ہے۔

## فضائل قرآن در نہج البلاغہ

نہج البلاغہ میں قرآن مجید کے فضائل اور اس کی قدر و معرفت کے بارے میں انمول خزانے موجود ہیں۔

### قرآن میں اللہ کی تجلی

۔۔فتجلی لهم سبحانه فی کتابه من غیر ان یکونوا رأوه بما اراهم من قدرته و خوفهم من سطوته[2]

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے اپنی کتاب (قرآن) میں جلوہ فرمایا تو لوگوں نے اسے دیکھا نہیں مگر قدرت کی ان نشانیوں کے ذریعے، جو اس نے اپنی کتاب میں دکھائیں۔۔۔

### مستقبل کے علوم

۔۔۔ آلا ان فیه علم ما یأتی و الحدیث عن الماضی و دواء دائکم و نظم ما بینکم[4]

اس (قرآن) میں آئندہ کی معلومات گزشتہ کے واقعات[3] تمہاری بیماریوں کا چارہ اور تمہارے باہمی تعلقات کی شیرازہ بندی ہے۔

---

۱۔ الاحتجاج للطبرسی ۱: ۹۹ ۲۔ نہج البلاغۃ خطبہ ۱۴۵ ص ۳۸۷۔

۳۔ انتہائی قابل توجہ بات ہے کہ مستقبل کے لیے "علم" کا لفظ استعمال فرمایا اور ماضی کے لیے "واقعات" کا۔ ۴۔ حوالہ سابق خطبہ ۱۵۶ ص ۴۱۵

## جامع ضابطہ حیات

و اعلموا انه ليس على احد بعد القرآن من فاقة و لا لاحد قبل القران من غنى۔[1]

جان لو کہ کسی کو قرآن کے بعد کسی اور لائحہ عمل کی احتیاج باقی نہیں رہتی اور نہ قرآن کے بغیر کسی کی احتیاج پوری ہو سکتی ہے۔

## تعلیم قرآن

تعلموا القران، فانه احسن الحديث و تفقهوا فيه فانه ربيع القلوب و استشفعوا بنوره فانه شفاء الصدور و احسنوا تلاوته فانه انفع القصص۔[2]

قرآن کا علم حاصل کرو کہ وہ بہترین کلام ہے اور اس میں غور و فکر کرو یہ دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو کہ وہ سینوں میں چھپی ہوئی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور اس کی بہتر تلاوت کرو۔ اس کے واقعات سب واقعات سے زیادہ فائدہ مند ہیں۔

## شفاعت

و اعلموا انه شافع مشفع و قائل مصدق و انه من شفع له القران يوم القيامة شفع فيه۔[3]

جان لو کہ قرآن مقبول شفاعت اور تصدیق شدہ کلام کرنے والا ہے ۔ قیامت کے روز جس کی قرآن شفاعت کرے گا وہ اس کے حق میں مانی جائے گی۔

## زاد آخرت

فانه مناد ينادى يوم القيامة الا ان كل حارث مبتلى فى حرثه و عاقبة عمله، غير حرثة القران، فكونوا من حرثته و اتباعه۔[4]

قیامت کے دن ایک ندا دینے والا پکار کر کہے گا: دیکھو ہر بونے والا اپنی کھیتی اور اپنے اعمال کے نتیجے میں مبتلا ہے سوائے قرآن کی کھیتی بونے والوں کے۔ لہٰذا تم قرآن کی کھیتی بونے والے اور اس کے پیروکار بنو۔

## بے مانند نصیحت

و ان الله سبحانه لم يعظ احداً بمثل هذا القران فانه حبل الله المتين و سببه الامين و فيه ربيع القلب و ينابيع العلم و ما للقلب جلاء غيره۔[5]

اللہ سبحانہ نے کسی کو ایسی نصیحت نہیں فرمائی جو اس قرآن کی مانند ہو۔ کیونکہ یہ اللہ کی مضبوط رسی اور مطمئن وسیلہ ہے اور اس میں دلوں کی بہار اور علوم کے چشمے ہیں اور صرف اس سے قلب کی جلا ہوتی ہے۔

---

۱۔ حوالہ سابق خطبہ ۱۷۴ ص ۴۶۱
۲۔ حوالہ سابق خطبہ ۱۰۸ ص ۳۸۹۔
۳۔ حوالہ سابق خطبہ ۱۷۴ ص ۴۶۱
۴۔ حوالہ سابق ص ۴۶۲
۵۔ حوالہ سابق ص ۴۶۴

## عہد و پیمان قرآن

و لن تأخذوا بمیثاق الکتاب حتی تعرفوا الذی نقضہ۔۔۔ فالتمسوا ذلک من عند اھلہ[1]

تم قرآن کے عہد و پیمان کے ہرگز پابندہ نہ رہ سکو گے جب تک اس کے توڑنے والے کو نہ جان لو۔ جو ہدایت والے ہیں انہی سے ہدایت طلب کرو۔

## عمل بالقرآن میں اغیار کی سبقت

اللہ اللہ فی القران لا یسبقکم بالعمل بہ غیرکم۔[2]

قرآن کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کہیں دوسرے لوگ اس پر عمل کرنے میں تم پر سبقت نہ لے جائیں۔

## ذریعۂ نجات

و علیکم بکتاب اللہ فانہ الحبل المتین و النور المبین و الشفاء النافع و الرّیّ الناقع و العصمۃ للمتمسّک و النجاۃ للمتعلق۔[3]

تم کتاب خدا پر عمل کرو۔ وہ ایک مضبوط رسی، روشن نور، نفع بخش شفا، پیاس بجھانے والی سیرابی ہے۔ تمسک کرنے والے کے لیے سامان حفاظت اور وابستہ رہنے والے کے لیے نجات ہے۔

## قرآن اور اہل قرآن کے ساتھ سلوک

یاتی علی الناس زمان لا یبقی فیھم من القران الا رسمہ[4]

لوگوں پر ایک ایسا دور آنے والا ہے جب ان میں قرآن کے صرف نقوش باقی رہ جائیں گے۔

و لیس عند اھل ذلک الزمان سلعۃ ابور من الکتاب اذا تلی حق تلاوتہ و لا انفق منہ اذا حرّف عن مواضعہ۔۔۔ فالکتاب یومئذ و اھلہ منفیان طریدان و صاحبان مصطحبان فی طریق واحد لا یؤویھما مؤو۔

اس زمانے کے لوگوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہ ہو گی جب اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسے پیش کرنے کا حق ہے اور اس قرآن سے زیادہ قیمتی چیز نہیں ہو گی جب کہ اس کی آیتوں کی تحریف کی جائے۔ قرآن اور قرآن والے اس وقت راندہ ہوں گے۔ ایک ہی راہ میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے، انہیں کوئی پناہ دینے والا نہ ہو گا۔

فالکتاب و اھلہ فی ذلک الزمان فی الناس و لیسا فیھم و معھم و

وہ بظاہر لوگوں میں ہوں گے مگر ان سے الگ تھلگ، ان کے ساتھ ہوں گے مگر بے تعلق۔ اس

---

۱۔ حوالہ سابق خطبہ ۱۴۵ ص ۳۹۸ ۲۔ حوالہ سابق، وصیت ۴۷ ص ۸ ۴۳

۳۔ حوالہ سابق خطبہ ۱۵۴ ص ۴۰۹۔ حال اھل القبور فی القیامۃ۔ ۴۔ حوالہ سابق۔ کلمات قصار ۳۶۹ ص ۹۲۴

لیسا معھم، لان الضلالة لا توافق الهدیٰ و ان اجتمعا فاجتمع القوم علی الفرقة و افترقوا الجماعة کانھم ائمة الکتاب و لیس الکتاب امامھم[1]

لیے کہ گمراہی ہدایت سے سازگار نہیں ہوسکتی اگرچہ وہ یک جا ہوں۔ لوگوں نے تفرقہ پردازی پر اتفاق کیا ہے اور جماعت سے کٹ گئے ہیں گویا وہ قرآن کے پیشوا ہیں اور قرآن ان کا پیشوا نہیں۔

## فضائل تلاوت قرآن

کس قدر سعادت کا مقام ہے کہ انسان قرآن کے کلمات اپنی زبان پر جاری کرے اور اس میں غور وفکر کرے جنہیں اللہ تعالی نے اپنی زبان قدرت پر جاری فرمایا۔ ارشاد الٰہی ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ[2]

وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۲۰ [3]

لہٰذا تم آسانی سے جتنا قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے۔

نیز فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝۲۹ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ۔۔۔[4]

بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو رزق انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے ساتھ امید لگائے ہوئے ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا تاکہ اللہ ان کا پورا اجر انہیں دے بلکہ اپنے فضل سے مزید بھی عطا فرمائے۔

رسول کریم ﷺ سے روایت ہے:

من قرأ حرفا من کتاب اللہ تعالیٰ فله به حسنة و الحسنة بعشر امثالھا، لا اقول الم حرف و لکن الف حرف و لام حرف و میم حرف[5]

جو کتاب اللہ کے ایک حرف کی تلاوت کرے، اسے ایک نیکی کا ثواب دیا جائے گا اور ایک نیکی کا دس گنا ثواب ہوتا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔

نیز آپ ﷺ سے روایت ہے:

یا اباذر علیک بتلاوة القرآن و ذکر

اے ابوذر! تم قرآن کی تلاوت اور ذکر خدا کثرت

---

۱۔ حوالہ سابق خطبہ ۱۴۵ ص ۳۳۸　۲۔ ۷۳ مزمل: ۲۰　۳۔ حوالہ سابق: ۴　۴۔ ۳۵ فاطر: ۲۹۔۳۰

۵۔ سنن الترمذی ۵: ۱۷۵۔ تفسیر قرطبی ۱: ۷

الله كثيراً فانه ذكر لك في السماء و نور لك في الارض۔[1]

سے کیا کرو کیونکہ یہ تمہارے لیے آسمان میں شہرت اور زمین میں نورانیت کا باعث ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من قرأعشر آيات في ليلة لم يكتب من الغافلين، و من قرأ خمسين آية كتب من الذاكرين، و من قرأ مأة آية كتب من القانتين، و من قرأ مأتي آية كتب من الخاشعين، و من قرأ ثلثمأة آية كتب من الفائزين، و من قرأ خمسمأة آية كتب من المجتهدين، و من قرأ الف آية كتب له قنطار من تبر۔[2]

جو ایک رات میں دس آیات کی تلاوت کرے اسے غافلین میں شمار نہیں کیا جائے گا اور جو پچاس آیات کی تلاوت کرے اسے ذکر خدا میں مشغول رہنے والوں میں شمار کیا جائے گا اور جو ایک سو آیات کی تلاوت کرے اسے عبادت گزاروں میں شمار کیا جائے گا، جو تین سو آیات کی تلاوت کرے اسے کامیاب لوگوں میں شمار کیا جائے گا اور جو پانچ سو آیات کی تلاوت کرے اسے (راہ خدا میں) جہاد کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا اور جو ایک ہزار آیات کی تلاوت کرے گا وہ ایسا ہے جیسے اس نے کثیر مقدار میں سونا راہ خدا میں دیا ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے جد سے روایت کی ہے:

عليكم بتلاوة القرآن فان درجات الجنة على عدد آيات القرآن فاذا كان يوم القيامة يقال لقارى القرآن: اقرأ و ارق فكلما قرأ آية رقى درجة۔[3]

تم قرآن کی تلاوت ضرور کیا کرو، چونکہ جنت کے درجات قرآنی آیات کی تعداد کے برابر ہیں، جب قیامت کا دن ہوگا قرآن کی تلاوت کرنے والے سے کہا جائے گا: پڑھ اور اپنے درجات میں اضافہ کرتا جا۔ پس جب وہ ایک آیت پڑھتا ہے تو ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل بہترین ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

الحال المرتحل قلت و ما الحال المرتحل؟ قال فتح القران و ختمه۔

بہترین عمل حال مرتحل ہے۔ میں نے عرض کی: حال مرتحل کیا چیز ہے؟ فرمایا: قرآن کا کھولنا اور ختم کرنا۔

---

۱۔ بحار الانوار ۸۹: ۱۹۸　　۲۔ اصول الکافی ۲: ۶۱۲　　۳۔ الامالی للصدوق ص ۳۵۹

كلماجاءباوله ارتحل فی آخره۔[1]

جب بھی قرآن کی ابتدا پر آیا، آخر کی طرف روانہ ہوا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

و البيت الذی يقرأ فيه القران و يذكر الله عز و جل فيه تكثر بركته و تحضره الملائكة و تهجره الشياطين و يضئ لاهل السماء كما يضئ الكوكب الدری لاهل الارض و البيت الذی لا يقرأ فيه القران و لا يذكر الله فيه تقلّ بركته و تهجره الملائكة و تحضره الشياطين۔[2]

جس گھر میں قرآن کی تلاوت اور ذکر خدا ہوتا ہے اس میں وافر برکتیں ہوتی ہیں، فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔ آسمان والوں کے لیے یہ گھر اس طرح چمکتا ہے جیسے زمین والوں کے لیے درخشندہ ستارے اور جس گھر میں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی اور اللہ کا ذکر نہیں ہوتا، اس گھر کی برکت کم ہو جاتی ہے اور وہاں سے فرشتے بھاگ جاتے ہیں اور شیطانوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے روایت ہے:

من قراء اٰية من كتاب الله فی صلاته قائماً يكتب له بكل حرف مأة حسنة ، فان قرأها فی غير صلاة كتب الله بكل حرف عشراً، فان استمع القراٰن كان له بكل حرف حسنة۔۔۔[3]

جو حالت نماز میں کھڑے ہو کر ایک آیت کی تلاوت کرے، اسے ہر حرف کے عوض سو نیکیوں کا ثواب ملے گا اور غیر نماز کی حالت میں پڑھے تو ہر حرف کے لیے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور اگر سنے تو ہر حرف کے عوض ایک نیکی کا ثواب ملے گا۔

امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت ہے:

و احسنوا تلاوته فانه انفع القصص۔[4]

اور اس کی تلاوت بہترین طریقے سے کرو کیونکہ یہ مفید واقعات ہیں۔

## اسمآء القرآن

اصطلاحات اور اسماء کا کسی خاص ثقافت اور فکری تشخص میں بڑا دخل ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید باوجودیکہ عربی زبان میں ہے اور ایک عرب معاشرے میں نازل ہو رہا ہے، اس کے اسماء اور اصطلاحات منفرد ہیں اور دیگر عربی اصطلاحات سے متاثر نہیں ہیں، بلکہ قرآن نے اپنی فکری، علمی اقدار کی خاص نہج کو

---

[1] اصول الکافی ۲ : ۶۰۵
[2] حوالہ سابق ۲ : ۴۹۸
[3] بحار الانوار ۸۹ : ۲۰۱ طبع بیروت
[4] نہج البلاغۃ خطبہ ۱۰۸ ص ۳۱۶

سامنے رکھ کر اپنی غرض و غایت کے مطابق **اسماء** اور **اصطلاحات** مقرر کی ہیں۔ لہٰذا اگر قرآن کو دیوان، سورہ کو قصیدہ اور آیت کو بیت اور قصیدہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا تو قرآن اس وقت کے جاہلی ماحول سے خارج نہ ہوتا۔ لہٰذا جاہلیت سے دور اسلامی ثقافت کی ترویج کے لیے جدید **اسماء** اور جدید **اصطلاحات** وضع کی گئیں۔

**قرآن:** کتاب خدا کے لیے یہ نام خود خداوند عالم نے اپنی کتاب میں اس وقت دیا جب قرآن قلب رسولؐ پر اترنا شروع ہوا۔

| | |
|---|---|
| يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾[۱] | اے کپڑا لپیٹنے والے، رات کو اٹھا کیجیے مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیجیے یا اس پر کچھ بڑھا دیجیے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے۔ |

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾[۲] | یہ قرآن یقینا بڑی تکریم والا ہے جو ایک محفوظ کتاب میں ہے۔ |

**ذکر:** قرآنی اسماء میں سے ایک اسم ذکر ہے۔ ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾[۳] | اس ذکر کو یقینا ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ |
| وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ۔۔۔[۴] | اور (اے رسول) آپ پر (بھی) ہم نے ذکر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ باتیں کھول کر بتا دیں۔ |
| وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ[۵] | اور یہ قرآن ایک مبارک ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ |

**کتاب:** قرآن کے اسماء میں سے ایک مشہور نام کتاب ہے:

| | |
|---|---|
| ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ[۶] | یہ کتاب جس میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں۔ |
| اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔۔۔[۷] | (اے رسول) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ جیسے اللہ نے آپ کو بتایا ہے اسی کے مطابق لوگوں میں فیصلے کریں۔ |

---

۱۔ ۷۳ مزمل: ۱ تا ۴ ۲۔ ۵۶ واقعہ: ۷۷۔ ۷۸ ۳۔ ۱۵ حجر: ۹
۴۔ ۱۶ نحل: ۴۴ ۵۔ ۲۱ انبیاء: ۵۰ ۶۔ ۲ بقرۃ: ۲ ۷۔ ۴ نساء: ۱۰۵

قرآن کو کتاب کے نام سے موسوم کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن ایک ایسا دستورالٰہی ہے جو تحریر و کتابت کے ذریعے مدون رہے گا۔

ان کے علاوہ اور بھی **اسماء** کا ذکر کیا گیا ہے مگر یہ قرآن کے اوصاف ہیں، **اسماء** نہیں ہیں۔

**فرقان:** یہ لفظ **فَرَق** سے ماخوذ ہے۔ جیسے **خَسَرَ** سے **خُسران** اور **غَفَرَ** سے **غُفران** ہے۔ یہ مصدر ہے جو فاعل کے معنوں میں آتا ہے جیسے **عَدْل** بمعنی عادل آتا ہے۔ پس **فُرقان** کے معنی نمایاں فرق کرنے والا یعنی حق و باطل کو جدا جدا کرکے ان دونوں کے فرق کو واضح کرنے والا کے ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد الٰہی ہے:

| | |
|---|---|
| يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا[1] | اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمہیں (حق و باطل میں) تمیز کرنے کی طاقت عطا فرمائے گا۔ |

قرآن کو **فُرقان** کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ خود قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

| | |
|---|---|
| تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ① [2] | بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لیے انتباہ کرنے والا ہو۔ |

گویا عالمین کو حق و باطل کی پہچان کرا کراسے تنبیہ کرنے کے لیے قرآن کو فرقان قرار دیا۔ یعنی یہ کتاب حق و باطل، ہدایت و ضلالت، راہ جنت و جہنم، حلال و حرام میں فرق واضح کرتی ہے۔

## معانی قرآن

**۱۔ جمع:** اگر قرآن کو **قَرء** سے ماخوذ سمجھا جائے تو اس کے معنی جمع کے ہوں گے جیسے عربی میں یہ جملہ بکثرت استعمال ہوتا ہے: **قراءت الشیء** یعنی **جمعته** اور **قرء الماء فی الحوض** یعنی پانی حوض میں جمع ہو گیا۔

ممکن ہے اسے قرآن اس کے معنی کے اعتبار سے کہا گیا ہو کہ یہ شعری رقت، نثری روانی، عقائد احکام، اخلاق، دنیا و آخرت کی سعادتوں اور روحانی و مادی فیوضات کا مجموعہ ہے۔

**۲۔ تلاوت:** بعض لوگ قرآن کو **قَرء** سے مشتق سمجھتے ہوئے اس کے معنی "تلاوت" لیتے ہیں۔

---

[1] ۸ انفال: ۲۹　　[2] ۲۵ فرقان: ۱

قرآن بمعنی قراءت و تلاوت خود قرآن میں استعمال ہوا ہے:

| | |
|---|---|
| اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَ قُرۡاٰنَهٗ [1] | اس (قرآن) کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقیناً ہمارے ذمے ہے۔ |

لفظ **قرآن** کو لفظ **جمع** کے ساتھ بیان کرنے کی صورت میں دونوں کا ایک ہی معنی نہیں ہوسکتا بلکہ **جمعه** کے بعد **قرآنه** کا معنی تلاوت ہی ہوسکتا ہے۔

۳۔ **حفظ:** عربوں میں کتابت رائج نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ضروری مطالب حفظ کر لیتے تھے۔ اسی وجہ سے صدر اسلام میں لفظ **قرأة** حفظ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا تھا۔

۴۔ **مقرون:** کچھ علماء قرآن کو **قرن** سے مشتق جانتے ہوئے اس کا معنی **مقرون** کا لیتے ہیں۔ یعنی اس کی آیات اور سورتیں باہم ساتھ ساتھ اور پیوستہ ہیں، اس لیے اسے قرآن کہا گیا۔ جیسا کہ حج اور عمرہ کو باہم ساتھ ادا کرنے کی وجہ سے اسے **حجِ قِران** کہتے ہیں۔

بعض مستشرقین کا کہنا ہے کہ لفظ **قرء** جو پڑھنے کے معنی میں ہے، اس کی بنیاد سریانی یا عبرانی ہے۔ چونکہ ان زبانوں میں **قریانا** (Qiryana) پڑھنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ وہ چرچ میں اپنی مقدس کتابوں کی تدریس کو **قریانا** کہتے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ لفظ خالصتاً عربی ہے اور قرآن **قَرْء** سے ماخوذ و مشتق ہے۔ یوں لفظ قرآن "پڑھنے" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرینہ کے لحاظ سے دوسرے معنوں میں کم ہی استعمال میں آتا ہے۔ لہٰذا:

☆ لفظ قرآن **قَرَأَ، یَقْرَأُ** باب **فتَحَ، یَفْتَحُ** کا مصدر ہے۔

☆ اس کے تین مصادر آتے ہیں: **قَرْء، قَرَاءۃ، قُرْاٰن**۔ اس اعتبار سے قرآن کے معنی ہوئے: "پڑھی جانے والی کتاب"۔ چنانچہ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ کتاب خوب پڑھی جائے گی۔ چنانچہ قرآن دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

## تدبر قرآن

ارشاد رب العزت ہے:

| | |
|---|---|
| کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۹﴾ [2] | یہ ایک ایسی بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور صاحبان عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔ |

---

[1] ۷۵ قیامت: ۱۷　　[2] ۳۸ ص: ۲۹

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ [1]

کیا لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں؟

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ [2]

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

**لقد تجلی اللّٰہ لخلقه فی کلامه و لکنهم لا یبصرون** [3]

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تجلی فرمائی ہے لیکن لوگ دیکھ نہیں سکتے۔

---

۱؎ ۴۷ محمد : ۲۴ ۲؎ ۴ نساء ۸۲ ۳؎ بحار الانوار ۸۹ : ۱۰۷

# وَحْی

وحی کا مفہوم۔ فطری الہامات کے پوشیدہ اشارے۔ شیطانی وسوسے۔ فرشتوں کو ملنے والا حکم۔ وحی اور الہام میں فرق۔ وحی کی امکانی صورتیں۔ انکار وحی کا ایک انداز۔ وجود روح ۔ ذات انسان۔ صفات انسان ۔ وحی اور روح۔ روح کی حقیقت ۔خود آ گاہی۔ دلیل روح۔ کیا فکر مادی ہے؟ حافظہ ۔ ابتدائی حس۔ حفظ ۔ تذکر (یادآوری)۔ تشخص۔ مادیت کی سب سے بڑی دلیل۔ مادے کے اوصاف اور فکر۔ ادراک اور روح۔ زمان اور ادراک ۔ سچے خواب۔ وحی کا ادراک۔
تعریف قلب۔ اقسام وحی ۔خواب ۔
جبرئیل۔ براہ راست۔ آغاز وحی۔
مکی و مدنی آیات۔وحی اور
خطا ونسیان ۔ داستان غرانیق۔

## وَحی کا مفہوم

لغت میں وحی نہایت تیزی سے دیے جانے والے اشارے کو کہتے ہیں۔

راغب اصفہانی نے لکھا ہے: **اصل الوحی الاشارۃ السریعہ۔**

شرعی اصطلاح میں بھی لغوی معنی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ تعلیمات اسلامی میں وحی نہایت پوشیدہ اور تیز رو اطلاع کو کہتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ حس و مشاہدے میں نہیں آ سکتا کہ وہ اپنے رسولوں سے روبرو بات کرے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے ہمکلام ہونے کے تین طریقے اپنائے۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾[1]

اور کسی بشر میں یہ صلاحیت نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے ماسوائے وحی کے یا پردے کے پیچھے سے یا یہ کہ کوئی پیام رساں بھیجے، پس وہ اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرے، بے شک وہ بلند مرتبہ، حکمت والا ہے۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کے کسی انسان سے ہمکلام ہونے، يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ کلام بذریعہ وحی ۲۔ کلام پس پردہ ۳۔ کلام بذریعہ قاصد

پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے قلب پر اپنا کلام براہ راست نازل فرماتا ہے۔

دوسری صورت میں پردے کے توسط سے، مگر یہاں پردے کو وحی میں کوئی دخل نہیں ہے۔ پس پردہ کلام کرنا بھی وحی ہے، مگر یہ **وحی بالحجاب** ہے۔ مثلاً درخت کے ذریعے کلام کرنا یا خواب میں حکمِ الٰہی کا ملنا **وحی بالحجاب** میں شامل ہے۔ بعض نے درخت کے ذریعے کلام کرنے کو براہ راست **وحی** خیال کیا ہے جو ایک اشتباہ ہے۔ کیونکہ درخت اور خواب اللہ اور بندے کے درمیان حجاب ہیں۔

تیسری صورت میں اللہ تعالیٰ اپنے قاصد (فرشتے) کے ذریعے اپنے بندے سے ہمکلام ہوتا ہے۔ یہ بھی **وحی** ہے مگر اس میں قاصد کی قید ہے اور اس مرتبہ قاصد کو **وحی** میں دخل ہے۔ **فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ** یعنی

---

[1] ۴۲ شوریٰ: ۵۱

یہ قاصد بحکم الٰہی وحی پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

رسول کریمﷺ پر کبھی جبرئیل وحی لے کر نازل ہوتے تھے اور کبھی اللہ تعالیٰ آپﷺ سے براہ راست ہمکلام ہوتا تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ امام صادقؑ سے پوچھا گیا کہ جبرئیل کے نزول کے وقت کیا رسول اللہﷺ پر غشی طاری ہوتی تھی؟ تو آپؑ نے فرمایا: نہیں، بلکہ حضورﷺ پر اس وقت غشی طاری ہوتی تھی جب اللہ تعالیٰ آپﷺ سے براہ راست ہمکلام ہوتا تھا۔[1]

بعض قرآنی آیات سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ حضورﷺ وحی کو اپنے پورے وجود کے ساتھ سمجھ لیتے تھے، نہ کہ صرف کانوں اور آواز کے ساتھ۔ چنانچہ ارشاد ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی قَلۡبِکَ لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾ [2]

جسے روح الامین نے اتارا آپ کے قلب پر تاکہ آپ تنبیہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

اس سے واضح ہوا وحی، قلب رسولﷺ پر نازل ہوتی تھی۔

اس کے علاوہ ارشاد ہوتا ہے:

فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿ؕ۱۰﴾ مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۲﴾ [3]

پھر اللہ نے اپنے بندے پر جو وحی بھیجنا تھی وہ وحی بھیجی جو کچھ (نظروں نے) دیکھا اسے دل نے نہیں جھٹلایا تو کیا جسے انہوں نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھا ہے تم لوگ (اس کے بارے میں) ان سے جھگڑتے ہو؟

لفظ وحی قرآن مجید میں اس کے علاوہ بھی متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے:

**۱۔ فطری الہامات کے پوشیدہ اشارے:** ارشاد الٰہی ہے:

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡهِ۔۔۔ [4]

اور ہم نے مادر موسیٰ کی طرف وحی کی کہ انہیں دودھ پلائیں۔

وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾ [5]

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی پر وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں گھر (چھتے) بنائے۔

**۲۔ شیطانی وسوسے:**

وَ اِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـِٕهِمۡ لِیُجَادِلُوۡکُمۡ [6]

اور شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں یقیناً شکوک پیدا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔

---

۱۔ موجز علوم القرآن ص ۱۱۱ داؤد عطار
۲۔ ۲۶ شعراء: ۱۹۳۔ ۱۹۴
۳۔ ۵۳ نجم: ۱۰ تا ۱۲
۴۔ ۲۸ قصص: ۷
۵۔ ۱۶ نحل: ۶۸
۶۔ ۶ انعام: ۱۲۱

۳۔ فرشتوں کو ملنے والا حکم:

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ ۔۔۔[1] جب آپ کا رب فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ یقینا میں تمہارے ساتھ ہوں۔

**الہام اور وحی میں فرق:** الہام کسی کے دل میں کوئی بات ڈالنے کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کے دل میں ڈالی جانے والی بات کے لیے مخصوص ہو چکا ہے۔ الہام کا تعلق باطنی شعور سے ہے۔ الہام ایک اشراقی عمل ہے۔ الہام ماہرنفسیات کے دائرہ تجربہ میں آ سکتا ہے جب کہ وحی تجربے میں نہیں آتی اور قابل تجربہ نہیں ہے۔ الہام تحت الشعور میں ہوتا ہے جب کہ وحی شعور میں ہوتی ہے۔ الہام کا مصدر باطنی ہے، جب کہ وحی کا مصدر خارجی ہے۔ الہام کشف معنوی ہے، جب کہ وحی مشاہداتی حقیقت ہے۔ وحی میں کلام وصوت کے ذریعہ مطالب اخذ کیے جاتے ہیں، جب کہ الہام اشراقی لہروں کے ذریعے ذہن کے تصورات میں آنے والے بغیر حروف و اصوات کے مطالب ہیں۔

**وحی کی امکانی صورتیں:** جو لوگ مادیت کی ظلمتوں اور محسوسات کے تنگ دائروں میں رہ کر سوچنے کے عادی ہیں اور ماورائے مادہ کے ذوق سے محروم ہیں، وہ حقیقت وحی کے ادراک سے قاصر ہیں۔ چونکہ وحی عام انسانوں کے لیے نامحسوس ہے، اس لیے یہ لوگ وحی کے منکر ہو گئے۔ حالانکہ ہر روز ہمارے اردگرد سینکڑوں ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جو محسوسات پر مبنی نہیں ہوتے لیکن انہیں تسلیم کیا جاتا ہے۔

مثلاً بعض جاندار ایسے ہیں جن کے نامرئی اور غیر محسوس ادراکات ہمارے لیے ناقابل فہم ہیں۔ اس سلسلے کی سینکڑوں مثالوں میں سے ہم صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں: مچھلی کی ایک قسم ایسی ہے کہ جب یہ پانچ سال کی عمر کو پہنچتی ہے تو مصر کے دریائے نیل سے نکل پڑتی ہے اور بحیرہ روم سے ہوتی ہوئی بحرِ اوقیانوس کو عبور کرتی ہے اور دو ہزار میل سے زائد سفر طے کر کے "برمودا" کے قریب گہرے سمندروں میں پہنچ جاتی ہے، جہاں امریکہ کے دریاؤں سے آنے والی مچھلیوں میں مل جاتی ہے۔ پھر سمندر کی گہرائی میں اس مقام پر انڈے دیتی ہے جہاں پانی میں نمک کی مقدار ۳۵% اور گہرائی بارہ سو فٹ ہوتی ہے۔ یہ دو امور انڈوں کے زندہ رہنے کے لیے ضروری ہیں۔ چنانچہ انڈے دینے کے بعد یہ سب مچھلیاں مر جاتی ہیں۔

جب بچے انڈوں سے نکل آتے ہیں تو نہایت قابل تعجب بات یہ ہے کہ وہ بچے جن کی مائیں افریقہ یا یورپ سے آئی ہوں، وہ وہاں جاتے ہیں اور جن کی مائیں امریکہ سے آئی ہوں، وہ امریکہ کے دریاؤں کا رخ کرتے ہیں اور دو ہزار میل سے زائد کا یہ سفر دو سال میں طے کرتے ہیں۔

ان بچوں کو اپنی بن دیکھی ماؤں کے اس وطن کا جو دو ہزار میل سے زیادہ فاصلے پر موجود ہے، کیسے

---

[1] ۸ انفال: ۱۲

پتہ چلا اور کس نے انہیں یہ راہیں دکھائیں۔ کیا مچھلی کے ان بچوں کا یہ ادراک ہمارے لیے قابل فہم ہے؟[1] اس کے علاوہ بعض جانور ایسے ہیں جو ہائیڈروجن ایٹم کے آدھے حصے میں ہونے والی حرکت سن اور محسوس کر سکتے ہیں۔

خود انسان میں بھی ایسی لا متناہی قوت پوشیدہ ہے جس کا انسان کو اجمالی علم ہوا ہے۔ چنانچہ عالمی شہرت یافتہ ماہر نفسیات "الیکسس کارل" اپنی کتاب Man the unknown میں لکھتا ہے:

> زمان و مکان میں افراد کی حد بندی صرف ایک مفروضہ ہے۔[2]

یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ انسان میں ایک ایسی طاقت پنہاں ہے جس کے ذریعے سے عام انسان بھی دوسروں سے غیر مرئی اور غیر مادی ارتباط قائم کر سکتا ہے یعنی مادی وسائل اور حواس خمسہ کے بغیر دماغ میں براہ راست ایک مفہوم و مطلب ڈال دیا جاتا ہے۔ اسے دماغی لہروں کا نظریہ (Brain wave Theory) کہتے ہیں۔

مادہ پرستوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مادے کے دائرے میں رہ کر بات کیا کریں اور صرف مادی چیزوں کے بارے میں ہی اپنا نظریہ بیان کیا کریں۔ انہیں غیر مادی امور میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ جب وہ محسوسات کے علاوہ کسی چیز کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو غیر محسوسات کے بارے میں کوئی نظریہ نفیاً یا اثباتاً قائم ہی نہیں کر سکتے۔ یعنی اگر یہ لوگ وحی کو قبول نہیں کرتے تو اس کی نفی بھی نہیں کر سکتے، کیونکہ اگر یہ اس کی نفی کریں گے تو یہ غیر مادی امور میں دخل اندازی ہے جس کے یہ لوگ خود قائل نہیں ہیں۔

**انکار وحی کا ایک اور انداز:** وحی کا انکار کرنے والے کچھ لوگ اس کی یوں توجیہ کرتے ہیں:

> چونکہ محمد ﷺ ایک نابغۂ روزگار تھے جو اپنے دور کے تاریک معاشرے، اس کے انحطاط اور اس میں رائج ظلم و استحصال سے سخت نالاں تھے۔ وہ ہمیشہ یہ سوچتے رہتے تھے کہ اس قوم کو کیسے نجات دلائی جائے جو ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں گری ہوئی ہے۔ چنانچہ چالیس سال تک وہ اس ظلم اور تاریک معاشرے سے گریزاں اور دور رہے اور الگ تھلگ ایک غار میں بیٹھ کر سوچتے رہے اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے رہے۔ محمد ﷺ اپنے ان پاکیزہ افکار کو وحی تصور کرتے تھے اور منجانب اللہ سمجھتے تھے اور اپنے خیر خواہ نفس کو جبرئیل کا نام دیتے تھے۔

---

۱۔ کس قدر فکر انگیز ہے حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان: یعلم عجیج الوحوش فی الفلوات ۔۔۔ و اختلاف النینان فی البحار الغامرات وہ (اللہ) بیابانوں میں چوپاؤں کے نالے سنتا ہے اور دریاؤں کی اتھاہ گہرائی میں مچھلیوں کی آمد و رفت کو جانتا ہے۔ نہج البلاغۃ خ ۱۹۶ ص ۵۵۵۔

۲۔ بحوالہ عربی ترجمہ الانسان ذلک المجہول۔

ان میں جو وجود خدا کے بھی منکر ہیں وہ وحی، ثواب، عذاب، جنت اور جہنم کے تصور کو "مذہبی سیاست" کا نام دیتے ہیں اور ان تمام تعلیمات کو "دروغِ مصلحت آمیز" گردانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پرانے زمانے کے لوگ خرافات پسند تھے، اس لیے انبیاءؑ نے خرافات کو ہی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔

**جواب:** خود قرآن مجید اس تصور کو رد کرتا ہے کہ قرآن غیر خدا کا کلام ہوسکتا ہے:

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ [1]

اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس قرآن کو اللہ کے سوا کوئی اور اپنی طرف سے بنا لائے بلکہ یہ تو اس سے پہلے جو (کتاب) آ چکی ہے اس کی تصدیق ہے اور تمام (آسمانی) کتابوں کی تفصیل ہے اس میں کوئی شبہ نہیں، رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو (محمد نے) از خود بنایا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر تم (اپنے الزام میں) سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو بلا لاؤ۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ [2]

کہہ دیجیے: اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کی مثل لا نہیں سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔

یہ بھی ارشاد ہوا:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ [3]

اور اگر تم لوگوں کو اس (کتاب) کے بارے میں شبہ ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا کوئی سورہ بنا لاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے حامیوں کو بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو۔

نیز ارشاد الٰہی ہوا:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ [4]

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

---

۱؎ ۱۰ یونس: ۳۷۔ ۳۸ ۲؎ ۱۷ بنی اسرائیل: ۸۸ ۳؎ ۲ بقرہ: ۲۳ ۴؎ ۴ نساء: ۸۲

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس خطبات اور کلام رسول محفوظ ہے اور قرآن بھی ہمارے سامنے ہے۔ دونوں کا اسلوب سخن اور انداز کلام ہمارے سامنے ہے۔ ادب میں ایک ادنیٰ سا مقام رکھنے والا بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ دونوں کلام ایک ہی شخص کے ہیں یا نہیں۔ جب کہ قران مجید اور کلام رسولﷺ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دونوں کا اسلوب سخن جدا ہے۔ اگر معاذاللہ قرآن کلام الٰہی نہ ہوتا اور خود جناب ختمی مرتبت محمدﷺ نے (معاذ اللہ) بنایا ہوتا تو لازماً حضورﷺ کے اسلوب سخن کا عکس قرآن میں بھی نظر آتا۔

**وجود روح** :وحی چونکہ ایک خالصتاً روحانی مسئلہ ہے اور اس کا تعلق براہ راست روح سے ہے اس لیے افادہ عام کے لیے ہم یہاں وجود روح کے بارے میں قدیم و جدید فلسفیوں کے نظریات کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

**ا۔ ذات انسان:** اس انسان کا ایک باطنی وجود ہے جسے نفس کہتے ہیں اور یہی نفس انسان کی ذات کی تشکیل کرتا ہے اور یہی اس انسان کا حقیقی، اصلی، ثابت و لایتغیر وجود ہے۔ چنانچہ انسان کے ظاہری وجود، جسم پر ہزاروں تغیرات آتے رہتے ہیں لیکن اس کے ثابت وجود پر کوئی تغیر نہیں آتا اور اس چیز کو ہر انسان درک کر لیتا ہے کہ اس کی ذات اس جسم کے ماوراء کسی اور شئی کا نام ہے۔

الف۔ ہم اپنے اس حقیقی وجود کی طرف جب اشارہ کرتے ہیں تو لفظ"خو" کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جب کہ لفظ"خود" سے ذات مراد لی جاتی ہے، نہ کہ اعضاء و جوارح۔ یعنی اپنے خارجی اعضاء، سر،شکم، پیر وغیرہ مراد نہیں لیتے اور اعضاء داخلی قلب، جگر وغیرہ بھی مراد نہیں لیتے بلکہ لفظ"خود" سے صرف ذات مراد لیتے ہیں جو داخلی و خارجی اعضاء سے ماوراء شے ہے۔

ب۔ انسان سے صادر ہونے والے تمام افعال ذات انسان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور کہتے ہیں: میں نے کہا، میں نے مارا، میں نے کھایا، میں نے بات کی۔ ان افعال کو اپنے اعضاء و جوارح کی طرف نسبت نہیں دی جاتی اور یہ نہیں کہتے: میرے ہاتھ نے مارا، میری زبان نے کہا وغیرہ۔

ج۔ ہم نے اگر کسی سے خطاب کرنا ہو یا کسی کی مدح و مذمت کرنی ہو تو ذات انسان کو سامنے رکھتے ہیں، اس کے جسم کو نہیں۔ مثلاً کسی کو مارنے کا حکم دینا ہے تو ہاتھ کو مخاطب نہیں کرتے، کسی کو متنبہ کرنا ہے تو متعلقہ اعضاء کو مخاطب نہیں کرتے بلکہ ذات انسان کو مخاطب کرتے ہیں۔

د۔ انسان اپنے اعضاء سے غافل ہوسکتا ہے لیکن اپنی ذات سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جن چیزوں سے غافل ہوسکتا ہے وہ بنیادی چیز نہیں ہے اور جس چیز سے غافل نہیں ہوسکتا وہی انسان کی حقیقی ذات ہے۔ دوسرے لفظوں میں غافل اور ہے اور مغفول اور ہے۔ لہٰذا ذات انسان اور ہے اور جسم، جس سے غافل ہوسکتا ہے، اور ہے۔

**۲۔صفات انسان:** جسم انسان کے تمام اجزاء تغیر و تبدل کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور یہ کہ جسم انسان ہر سات سال میں مکمل بدل جاتا ہے۔ اس تغیر و تبدل میں جسم میں نمایاں حالات پیدا ہوتے ہیں۔ صحت، مرض، کمزوری، قوت، طفولت، جوانی، بڑھاپا وغیرہ۔

اس کے ساتھ ساتھ ان میں ایسے اوصاف بھی پائے جاتے ہیں جو ثابت اور **لا یتغیر** ہیں اور خواہ کتنی ہی جسمانی تبدیلیاں آ جائیں ان اوصاف میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں آتی۔ جیسے محبت، عداوت، شجاعت، سخاوت وغیرہ۔

انسان کے جسمانی ارتقا و انحطاط اور روحانی ارتقا و انحطاط میں نمایاں فرق ہے بلکہ یہ دو مختلف خطوط پر چلتے ہیں۔ انسان جوانی میں جسمانی اعتبار سے ارتقا کے آخری درجہ کمال پر فائز ہوتا ہے، لیکن روحانی طور پر کمزور ہوتا ہے اور اس کے بعد جب بڑھاپا شروع ہوتا ہے تو جسمانی طور پر کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے، لیکن فکری اور عقلی طور پر وہ کمال پر فائز ہو جاتا ہے۔

یہاں سے ان دونوں میں فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ ایک انحطاط کی طرف جا رہا ہے اور دوسرا کمال کی طرف بڑھ رہا ہے۔

**وحی اور روح:** سولہویں صدی تک تو مغربی دنیا وحی کی قائل تھی مگر سائنسی ترقی کے بعد وحی کو خرافات میں شمار کرنے لگی اور رفتہ رفتہ وحی کے ساتھ روح کے وجود کی بھی منکر ہو گئی۔ یوں اس نے وحی اور روح کے انکار کو سائنسی ترقی کا شعار قرار دے دیا۔

لیکن بعد کی تحقیقات کے نتیجے میں وجود روح کے آثار ظاہر ہونے کی وجہ سے نظریہ روح نے دوبارہ قوت حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی وحی کا تصور بھی قابل توجہ قرار دیا۔

**روح کی حقیقت:** روح کی حقیقت اور جسم کے ساتھ اس کے ربط اور تعلق کے بارے میں اب تک کوئی بھی کسی فیصلہ کن نتیجہ تک نہیں پہنچ سکا۔ پھر بھی علم نفسیات اور فزیالوجی کی تحقیقات اور انکشافات نے بہت سی اہم باتوں سے پردہ ضرور اٹھایا ہے۔ اگرچہ ان تحقیقات کا مطمع نظر جسم و روح میں ربط کا انکشاف کرنا نہیں تھا مگر ان تحقیقات سے بعض حقائق از خود سامنے آئے ہیں۔

اسلامی فلسفے میں روح اور حرکت مادہ کا مسئلہ ملا صدر الدین شیرازی نے کافی حد تک حل کر دیا ہے اور اس کے بارے میں بہت سے پیچیدہ مسائل کو قابل فہم بنا دیا ہے۔ صدر الدین شیرازی سے پہلے حرکت صرف مادے کے اوصاف میں ہی منحصر سمجھی جاتی تھی۔ یعنی مادہ صرف کیفیاتی، کمیاتی، مکانی اور محوری حرکت رکھتا ہے۔ لیکن صدر الدین شیرازی نے حرکت جوہری کا اصول روشناس کراتے ہوئے حقیقت مادہ کی حرکت کو ثابت کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں:

جیسا کہ کائنات میں ایک سطحی اور ظاہری محسوس حرکت موجود ہے، اسی طرح

ایک ایسی حرکت بھی موجود ہے جو اس کائنات کی گہرائیوں میں ہے اور محسوس نہیں ہوتی اور یہ کائنات کی جوہری حرکت ہے اور یہ حرکت باقی سب حرکتوں کی اصل اور بنیاد ہے اور اسی حرکت کے نتیجے میں مادی اجسام کی مختلف اقسام وجود میں آتی ہیں۔ روح بھی قانون حرکت کا ایک نتیجہ ہے اور مادہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنی آغوش میں ماورائے مادہ کی پرورش کرے۔ درحقیقت مادہ اور غیر مادہ میں کوئی خاص منافات نہیں ہے اور غیر مادہ درحقیقت مادے کی ارتقائی منازل کا ثمر ہے۔

واضح رہے حرکت سے قطع نظر روح مادے کا نتیجہ نہیں، بلکہ حرکت کا نتیجہ ہے اور حرکت مادے اور روح میں رابطہ ہے۔

ملاّ صدر الدین شیرازی کی ان عظیم علمی تحقیقات کے بعد روح وجسم میں ربط قابل فہم ہو جاتا ہے۔

مادہ پرست روح کو مادے کے اجزا کے باہمی ارتباط کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور روح کو بھی مادے کی خاصیتیں دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ملا صدر الدین کے مطابق روح ارتقائے مادہ کی آخری منزل کا ثمر ہے۔ لہٰذا روح مادے سے جدا بھی ہے اور یہ دونوں ایک بھی نہیں ہیں، بلکہ روح مادے کے ساتھ مربوط ہونے کے باوجود اپنا مستقل غیر مادی وجود رکھتی ہے۔

روح کے غیر مادی ہونے پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے صرف ایک ایسی دلیل پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو جدید علم نفسیات کی روشنی میں بھی قابل قبول ہے اور فلسفے کی اصطلاحات کی پیچیدگیوں سے بھی صاف ہے۔

**خود آگاہی:** یہ بات سب کے لیے ایک واضح حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کا شعور رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ "میں موجود ہوں" اور کائنات میں سب سے واضح حقیقت ہر شخص کے لیے اپنی ذات کا وجود ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ البتہ اس وجود کی تہ تک پہنچنا دوسری بات ہے۔ اس حقیقت کی گہرائیوں کا ادراک کرنے کے لیے تو دلیل اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔ مگر اپنی ذات کے وجود کو جاننے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا کبھی کسی کو اس بات پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ "میں موجود ہوں"۔

اب یہ "خو" جو ہر شخص کے لیے واضح ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ مادی ہے یا غیر مادی؟ اس بارے میں دو نظریے پائے جاتے ہیں:

پہلا نظریہ: مادیت۔

دوسرا نظریہ: نظریہ مابعد الطبیعیات۔

پہلا اس حقیقت کو مادی اور دوسرا غیر مادی سمجھتا ہے۔

مادیت کا نظریہ یہ ہے کہ "خود" ایک ثابت شے نہیں ہے بلکہ اس میں ہر آن ایک تسلسل سے تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔

اس نظریے کے حامی کہتے ہیں: یہ کہنا درست ہے کہ "میں ہوں اور میں نہیں بھی ہوں"۔ وہ اس کے لیے نہر کی مثال پیش کرتے ہیں کہ نہر کا پانی ہر آن بدلتا رہتا ہے اور ہر لحظہ مختلف پانی سامنے آتا ہے۔ اس کے باوجود نہر ایک ہے، لہٰذا وہ ان مسلسل ادراکات کو جو ایک تسلسل کے ساتھ قائم رہتے ہیں "خود" کا نام دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "چونکہ انسان اپنی خودی کا ادراک کرتا ہے" اس لیے "میں ہوں" کہنا درست ہے اور کیونکہ یہ "خودی" ہر آن بدلتی رہتی ہے، لہٰذا "میں نہیں ہوں" کہنا بھی درست ہے۔

**دلیل روح:** مابعد الطبیعیاتی نظریہ یہ ہے کہ "خود" اس حقیقت کا نام ہے جو تمام حالات میں موجود رہتی ہے اور ناقابل تغیر ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی اشارۃً ذکر کیا گیا ہے کہ اب سائنس میں یہ بات مسلم ہے کہ انسانی جسم کے تمام خلیے بدلتے رہتے ہیں، یوں تقریباً چھ سال میں جسم انسانی کے اکثر خلیے تبدیل ہوجاتے ہیں اس طرح ستر (۷۰) سالہ شخص کا جسم اپنی زندگی میں کئی مرتبہ بدل چکا ہوتا ہے لیکن اس سب کے باوجود "خود" نہیں بدلتا اور وہ شخص سمجھتا ہے کہ میں وہی ہوں جو آج سے پچاس سال پہلے تھا۔

پس جو بدلتا ہے وہ مادہ ہے یعنی "جسم"۔

اور جو نہیں بدلتا وہ غیر مادہ ہے یعنی "روح"۔

**کیا فکر مادی ہے؟** مارکس ازم کا ڈائلکٹیکل میٹریل ازم یعنی جدلیاتی مادیت چونکہ ماورائے مادہ کی نفی کرتی ہے اور ہر مادہ کو متحرک اور متغیر سمجھتی ہے، لہٰذا اس کے نزدیک فکر بھی مادہ ہے اور ہر مادہ ہمیشہ حرکت میں ہے اور کسی مادے میں سکون و جمود نہیں ہے۔ گویا مادہ پرستوں کے نزدیک فکر اور سوچ بھی غیر مادی نہیں بلکہ مادی ہے۔ اب دیکھنا یہی ہے کہ کیا فکر مادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس میں تغیر آتا ہے یا نہیں؟ یا دوسرے لفظوں میں فکری مفاہیم بدلتے ہیں یا نہیں؟

قدیم فلسفی بعض مفاہیم کو دائمی اور بعض کو غیر دائمی جانتے تھے، جب کہ مارکس ازم کے نزدیک کوئی مفہوم دائمی نہیں ہے۔ حالانکہ خود مارکس ازم بعض مفاہیم کو دوام بخشتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ "مادہ ہمیشہ متحرک ہے اور بدلتا ہے" تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ کوئی بھی مفہوم دوسرے آن میں ذہن میں باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا ہم کسی بھی گذشتہ واقعہ کا تصور ایک لحہ بعد ذہن میں محفوظ نہیں رکھ سکتے، بلکہ یہ واقعہ اسی آن میں صادق ہوگا جس میں یہ واقع ہوا ہے۔ مثلاً یہ واقعہ کہ مارکس ایک انقلابی شخصیت تھا، صرف اسی وقت میں صادق ہو سکتا ہے جس میں وہ انقلابی تھا۔ اس طرح گذشتہ واقعات کے بارے میں اعتماد ختم ہوجاتا ہے۔ نتیجتاً تاریخ

کا مفہوم بھی ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ فکر غیر مادی ہے اور مادہ (مغز و اعصاب) فکر کے لیے آلہ کار ہیں۔ اگر فکر مادی ہوتی تو مادہ کے خواص اس میں موجود ہونے چاہئیں جب کہ وہ اس میں نہیں پائے جاتے۔

مثلاً مادہ قابل تقسیم ہے لیکن فکر تقسیم نہیں ہوتی۔ اسی طرح مادے کے اجزا ہو سکتے ہیں، جب کہ فکر کے اجزا نہیں ہوتے۔ اسی طرح مادے کی دیگر خاصیتیں جیسے وزن، جگہ گھیرنا بھی فکر میں نہیں ہوتیں۔

**حافظہ:** دوسری دلیل یہ ہے کہ فکر یا علم و ادراک مادہ ہو تو ہمیشہ تغیر میں رہے۔ لہٰذا جو چیز ایک سال پہلے ذہن میں آئی تھی اسے اب ختم ہو جانا چاہیے تھا اور اگر فکر و ادراک صرف دماغ ہی سے عبارت ہے تو دماغی سیل (خلیے) بدلتے رہتے ہیں اور ان خلیوں کے بدلنے سے فکر و ادراک کا بدلنا بھی ضروری ہے۔ چونکہ ان خلیوں کے علاوہ یہاں کچھ اور تو ہے نہیں، لہٰذا ایک لمحہ پیشتر فکر میں آنے والی بات دوسرے لمحے میں موجود نہیں ہونی چاہیے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ بیسیوں سال کی ہزاروں معلومات انسانی دماغ میں محفوظ رہتی ہیں اور اسے حافظہ کہتے ہیں۔

اگر کسی نے بچپن میں اژدھے کو دیکھا ہے تو سالہا سال گزرنے کے بعد بھی اس کی شکل و صورت اس کے ذہن میں محفوظ رہتی ہے اور ہر مناسب وقت پر وہ اژدھا اسے یاد آتا ہے اور یاد آنے پر اژدھے کی صورت ذہن میں دوبارہ حاضر ہو جاتی ہے جب کہ اس وقت دوبارہ اس نے اژدھے کو دیکھا نہیں ہے۔ دیکھا تو صرف پہلی مرتبہ ہی تھا۔ اب اس کی صورت اور شکل بن دیکھے ہی ذہن میں حاضر ہو جاتی ہے۔

ماہرین نفسیات اس بارے میں کہتے ہیں کہ انسان خارجی عوامل کے تحت اپنے حواس سے کسی ایک شے کا ادراک کرتا ہے اور بعد میں خارجی عوامل کے بغیر عین اسی چیز کو ذہن میں حاضر کر لیتا ہے۔ البتہ اس سلسلے میں اسے چار مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے:

۱۔ ابتدائی حس: یعنی پہلے جب ایک شے حواس میں آ جائے تو پھر اسے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے تو خارج سے اپنے حواس کے ذریعے ایک شے کا ادراک ہوتا ہے۔

۲۔ حفظ: جو چیز ذہن میں وارد ہو جاتی ہے جب تک عیناً وہی چیز ذہن میں باقی نہ ہو، کسی خارجی عامل کے بغیر اس کا دوبارہ ذہن میں آنا ممکن نہیں ہے۔

۳۔ تذکر (یادآوری): یعنی گذشتہ واقعات کا ذہن میں دوبارہ حاضر کرنا۔

۴۔ تشخص: یعنی اس بات کی تشخیص کرنا کہ یہ بات جو اب یاد آئی ہے عیناً وہی بات ہے جو پہلے کسی وقت ذہن میں آئی تھی۔ دوسری مرتبہ یہ بات خارج سے ذہن میں نہیں آئی اور نہ ہی یہ کوئی نیا خیال ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کے پہلی بار ذہن میں آنے سے لے کر دوسری مرتبہ یاد

آنے تک وہ بات ذہن میں کیسے محفوظ رہتی ہے اور مناسب وقت پر یاد آنے سے پہلے اس کی نگہداری کیسے ہوتی ہے؟

چنانچہ جدلیاتی مادیت کے حامی کہتے ہیں کہ اس وقت وہ دماغ کے کسی ایک خلیے میں اس طرح محفوظ رہتی ہے جس طرح آواز، کیسٹ میں محفوظ ہوتی ہے اور اس کے محفوظ رہنے کی کیفیت معلوم نہیں ہوسکتی مگر جب دماغ کے ان خلیوں میں تحریک ہوتی ہے تو اس وقت پرانی بات دوبارہ ادراک میں آجاتی ہے۔ یعنی یاد آنا دوسرا ادراک ہے، عیناً پہلا ادراک نہیں ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر پرانی بات دماغی خلیوں ہی میں محفوظ رہتی ہے تو یہ خلیے تو بدلتے رہتے ہیں۔ جن خلیوں میں یہ بات آئی تھی وہ خلیے اب موجود نہیں ہیں۔ یعنی کیسٹ کی وہ ریل اب موجود نہیں ہے، اس کی جگہ دوسری ریل آگئی ہے۔ چنانچہ ستر سالہ شخص کا دماغ کئی مرتبہ بدل چکا ہوتا ہے، اس کے باوجود اسے اپنے بچپن کی باتیں کیسے یاد رہتی ہیں اور کہاں محفوظ رہتی ہیں؟

نیز یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ بیرونی عوامل سے تحریک صرف ان خلیوں ہی میں کیوں ہوتی ہے جن میں معلومات محفوظ ہیں ۔ یہ تحریک دوسرے خلیات میں کیوں نہیں ہوتی۔

اگر دماغی خلیے نہ بھی بدلیں پھر بھی انسانی دماغ میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ تمام معلومات اپنے خلیوں میں محفوظ رکھ سکے۔ کیونکہ انسانی دماغ کے خلیوں کی تعداد بارہ ارب سے زائد نہیں ہے، جب کہ سائنسدانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ انسان اپنے حافظے میں دس لاکھ ارب معلومات محفوظ رکھ سکتا ہے ۔ اب بارہ ارب معلومات تو دماغی خلیوں میں سما سکتی ہیں باقی کہاں محفوظ رہتی ہیں؟

واضح رہے کہ سائنسی طور پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور ثابت ہے کہ چھ سال میں انسانی جسم کے تمام خلیے بدل جاتے ہیں اور نئے خلیے ان کی جگہ لیتے ہیں۔

خود جدلیاتی مادیت کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ "مادہ ہر آن متحرک رہتا ہے"۔ اس کے حامی کہتے ہیں: خلیات بدلتے ضرور ہے مگر دوسرے خلیے ان کی جگہ لیتے ہیں اور ذہنی معلومات دوسرے خلیوں میں منتقل ہو جاتی ہیں جیسا کہ نہر کے بہتے ہوئے پانی میں انسان اپنی صورت برابر دیکھتا رہتا ہے جب کہ جس چیز میں وہ اپنی صورت دیکھ رہا ہوتا ہے وہ ہر آن بدلتی رہتی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس بات سے تو خود ڈائلکٹیکی قانون قائم نہیں رہتا، کیونکہ یہ لوگ ذہنی معلومات کے بدلنے کے قائل تھے۔ اب کہتے ہیں کہ پانی میں نظر آنے والی تصویر کی طرح فکر بدلتی نہیں ہے۔

یہ مثال ایک شاعرانہ مثال تو ضرور ہے مگر حقیقت سے اس مثال کا کوئی تعلق نہیں، کیونکہ جاری پانی میں ہم اپنی صورت کو ساکن اس لیے دیکھتے ہیں کہ یہ صورت ہمارے خیالی ادراک میں باقی ہے، ورنہ حقیقت

میں مختلف صورتیں یکے بعد دیگر ے بلا فاصلہ دیکھنے میں آتی ہیں اور فاصلہ نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا خیال اسے ایک ہی صورت سمجھتا ہے جس طرح پردے پر نمودار ہونے والی فلمی تصاویر ایک ہی صورت کی طرح ہمیں دکھائی دیتی ہیں جب کہ درحقیقت یہ متعدد تصاویر ہوتی ہیں ،جن کے یکے بعد دیگرے آنے کی وجہ سے ہم انہیں ایک تصویر سمجھتے ہیں۔

**مادیت کی سب سے بڑی دلیل:** فکر وادراک کے مادی ہونے کی مارکس ازم کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر فکر مادی نہ ہوتی تو دماغ پر پڑنے والے اثرات سے متاثر نہ ہوتی حالانکہ دماغ پر پڑنے والے اثرات فکر کو براہ راست متاثر کرتے ہیں ، جن کی وجہ سے دماغی امراض سے حافظہ ختم ہو جاتا ہے ۔جنگوں میں دماغی صدمہ سہنے والے چند افراد جب اپنے وطن واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے شہر اور اپنے ماں باپ کو نہیں پہچانا، حتیٰ کہ وہ اپنا نام تک بھول چکے تھے، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فکر مادہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فکر اگرچہ غیر مادی ہے اور علم وادراک ماورائے مادہ میں محفوظ ہوتے ہیں مگر یاد آوری ایک عمل ہے اور یہ بات اسلامی فلسفے میں واضح ہے کہ روح اپنے عمل میں آلہ و اوزار کی محتاج ہے۔ لہٰذا فراموشی خواہ درازی مدت کی وجہ سے ہو یا دماغی خلل کی وجہ سے، اس سے ذہنی معلومات بالکل ختم نہیں ہوتیں بلکہ اپنے آلۂ عمل کے فقدان کی وجہ سے روح ان معلومات کو صفحہ ذہن پر دوبارہ حاضر کرنے سے عاجز ہوتی ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب دماغی امراض کا علاج معالجہ ہوتا ہے اور آلات کار درست ہو جاتے ہیں تو روح دوبارہ پرانی معلومات کو صفحہ ذہن پر حاضر کر سکتی ہے اور معلومات کا یہ عود کر آنا اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب پرانی معلومات ذہن میں موجود ہوں۔

جدید ماہرین نفسیات نے بھی اس بات کی تائید کر دی ہے کہ معلومات ذہن سے مٹ نہیں جاتیں بلکہ انہیں دوبارہ ذہن میں حاضر کرنے (یاد کرنے ) کی قوت روح سے سلب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ متعدد نفسیاتی تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ بعض حالات میں جب روح پر غیر معمولی دباؤ پڑتا ہے تو بہت سے فراموش شدہ واقعات یاد آ جاتے ہیں۔

کچھ حضرات نے تو یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ انسان کو نزع روح کے وقت زندگی کے تمام واقعات یاد آ جاتے ہیں۔

**مادے کے اوصاف اور فکر:** فکر کے غیر مادی ہونے پر ایک واضح دلیل یہ ہے کہ مثلاً ایک باغ ہے جس کا طول ایک سو میٹر اور عرض بھی ایک سو میٹر ہے اور زید نے اسی باغ کا مشاہدہ کیا ۔ مشاہدے کے بعد اس باغ کی تصویر اس کے ذہن میں نقش ہوگئی یعنی زید کی فکر میں باغ موجود ہے۔ باغ کا مادی وجود 100 x 100 میٹر ہے لیکن ذہن میں باغ کا غیر مادی وجود یعنی اس کا علم و ادراک 100 x 100

میٹر نہیں ہے بلکہ اس علم و ادراک کا کوئی طول وعرض نہیں ہے، یعنی مادی نہیں ہے۔

چند روسی دانشور اپنی کتاب" جدلیاتی مادیت" میں لکھتے ہیں:

> احساس، ادراک، تصور اور فکر ایسے امور ہیں جنہیں نہ دیکھنا ممکن ہوتا ہے، نہ سونگھنا، نہ چھونا اور نہ ہی ان کی آواز سننا۔ فکر کو ہم کسی زمان و مکان کی حدود میں نہیں دیکھ سکتے۔ نہ اس کا طول وعرض ہوتا ہے اور نہ وزن۔ دوسرے مادی اجسام کی طرح فکر و ادراک میں فزیکل خصوصیات نہیں پائی جاتیں۔

**ادراک اور روح:** اگر ادراک صرف اعصابی عمل اور خارجی عوامل سے عبارت ہے، بہ الفاظ دیگر ادراک اگر آواز کی اعصاب کے ذریعے دماغ تک رسائی کا نام ہے تو جب بھی اعصاب کے ذریعے آواز دماغ تک پہنچ جائے، ادراک وجود میں آنا چاہیے، حالانکہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک شخص اگر کسی بات میں منہمک ہو تو اسے دیگر آوازوں کا ادراک ہی نہیں ہوتا جب کہ آواز کا ارتعاش اعصاب کے ذریعے دماغ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ روح متوجہ نہیں ہوتی۔ پس ادراک کرنے والی درحقیقت روح ہوتی ہے جب کہ اعصاب و دماغ فقط ذریعۂ ادراک ہیں۔

**زمان اور ادراک:** ادراک کے غیر مادی ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ ادراک زمانے کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ ادراک صفحۂ ذہن پر دوبارہ تکراراً وجود میں آتا ہے اور جو چیز زمانی ہو وہ کبھی تکرار نہیں ہوتی۔ جو وقت درکار ہوتا ہے وہ خود ادراک کے لیے نہیں بلکہ آلۂ ادراک کے لیے درکار ہوتا ہے۔

**سچے خواب:** خواب میں انسانی روح اپنے طبیعیاتی عمل سے استفادہ کیے بغیر از خود سماعت و بصارت کی قوت رکھتی ہے۔ خواب کی حالت میں انسان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں، کانوں سے کوئی آواز نہیں ٹکراتی، اس کے باوجود جو کچھ اس نے خواب میں دیکھا اور سنا وہ سچا ہوتا ہے۔

**وحی کا ادراک:** رسول کریمﷺ کے لیے وحی کا ادراک ایک وجدانی کیفیت ہے، جس میں شک و تردید، اشتباہ اور غلطی کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا، کیونکہ رسول کریمﷺ وحی کو حواس ظاہری مثلاً بصارت و سماعت جیسے جائز الخطاء ذرائع سے نہیں لیتے تھے، اگرچہ رسول کریمﷺ کے ظاہری حواس بھی جائز الخطاء نہیں تھے، تاہم یہ ذرائع تو سب کے پاس موجود ہیں، بلکہ آپﷺ وحی کو عینی مشاہدے اور محسوسات سے زیادہ واضح طور پر اپنے پورے وجود کے ساتھ درک کرتے تھے، جیسا کہ عام انسان اپنے وجود، اپنے شعور اور اپنے وجدانیات میں شک و تردید کا شکار نہیں ہوتے۔ رسول کریمﷺ کے لیے وحی کا مسئلہ اس سے واضح تر تھا۔ اگرچہ بفرض محال کبھی کبھار کوئی عاقل انسان اپنے وجود کے بارے میں کسی شک و تردید کا شکار ہو بھی سکتا ہو مگر رسول کریمﷺ وحی کے بارے میں کبھی بھی کسی شک و شبہے میں نہیں پڑے۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ [1]

جسے روح الامین نے اتارا آپ کے قلب پر تاکہ آپ تنبیہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

نیز ارشاد ہوا

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۲﴾ [2]

پھر اللہ نے اپنے بندے پر جو وحی بھیجنا تھی وہ وحی بھیجی، جو کچھ (نظروں نے) دیکھا اسے دل نے نہیں جھٹلایا تو کیا جسے انہوں نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھا ہے تم لوگ (اس کے بارے میں) ان سے جھگڑتے ہو؟

**تعریف قلب:** انسان کے اندر مختلف پہلو اور متعدد جہات ہیں اور یہ تمام جہتیں ایک ہی مرکز سے مربوط ہیں۔ حتیٰ کہ عقل بھی انہی جہات میں سے ایک ہے۔ اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے مرکز سے مربوط رہے۔ اس مرکزی قوت کو قرآن نے قلب کہا ہے۔ قلب یعنی نفس اور روح۔

پس قلب رسولﷺ پر وحی نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وحی کا ادراک رسول کریمﷺ علم حضوری کے طور پر اپنے وجود سے کرتے تھے، نہ کہ محسوسات کی طرح صرف حواس خمسہ سے اور نہ ہی معقولات کی طرح صرف عقل سے، بلکہ ان دونوں سے واضح تر اپنے پورے وجود سے وحی کو حاصل کرتے تھے، یعنی رسول کریمﷺ کو جس طرح اپنے وجود کا ادراک ہوتا تھا اس سے بھی واضح اور بیّن طور پر وحی کا ادراک ہوتا تھا۔

حضرت موسیٰؑ پر ابتدا میں جب وحی نازل ہو رہی تھی اس وقت حضرت موسیٰؑ کو بتایا گیا کہ یہ وحی اللہ کی جانب سے ہے:

وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا ۔۔۔ [3]

اور میں نے آپ کو منتخب کر لیا ہے لہٰذا جو وحی کی جا رہی ہے اسے سنیں، میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔۔۔

نیز اس بات کو باور کرانے کے لیے کہ وحی اللہ کی طرف سے ہے اور حضرت موسیٰؑ کو رسول بنایا جا رہا ہے۔ پہلے خود حضرت موسیٰؑ کو دو نشانیاں دکھائی گئیں: عصا کا اژدھا بن جانا اور ید بیضا۔

لیکن حضور ختمی مرتبتﷺ پر ابتدا میں جب وحی نازل ہوئی تو شواہد و آیات کی ضرورت پیش نہ آئی بلکہ اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ کہنے کی بھی ضرورت نہ ہوئی، صرف حکم نازل ہوا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ۔۔۔ [4]　　پڑھیے! اپنے رب کے نام سے۔

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ بات کرنے والے کو مخاطب اگر نہیں جانتا تو بات کرنے والا پہلے اپنا

---

[1] ۲۶ شعراء: ۱۹۳ ۔ ۱۹۴　[2] ۵۳ نجم: ۱۰ تا ۱۲　[3] ۲۰ طٰہ: ۱۳ ۔ ۱۴　[4] ۹۶ علق: ۱

تعارف کراتا ہے، پھر بات شروع کرتا ہے اور اگر بات کرنے والا مخاطب کے سامنے ہمیشہ حاضر ہے تو تعارف کے بغیر حکم کر دیتا ہے۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے:

وَ لَمۡ یَجۡمَعۡ بَیۡتٌ وَاحِدٌ یَوۡمَئِذٍ فِی الۡاِسۡلَامِ غَیۡرَ رَسُولِ اللّٰہِؐ وَ خَدِیجَۃَ وَ اَنَا ثَالِثُھُمَا اَرَی نُورَ الۡوَحۡیِ وَ الرِّسَالَۃِ وَ اَشُمُّ رِیحَ النُّبُوَّۃِ وَ لَقَدۡ سَمِعۡتُ رَنَّۃَ الشَّیۡطَانِ حِینَ نَزَلَ الۡوَحۡیُ عَلَیۡہِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔[1]

اس وقت اسلام کے زیر سایہ ایک گھر میں رسول اللہؐ اور خدیجہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور میں ان میں تیسرا شخص تھا۔ وحی و رسالت کے نور کا مشاہدہ کرتا اور نبوت و رسالت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ میں نے حضورؐ پر وحی نازل ہوتے وقت شیطان کی چیخ سن لی۔

**اقسام وحی: ۱۔ خواب:** وحی سچے خواب سے شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنینؑ سے روایت ہے:

رؤیا الانبیاء وحی۔[2] انبیاء کے خواب وحی ہیں۔

البتہ قرآن خواب کی صورت میں نازل نہیں ہوا۔

**۲۔ جبرئیل:** حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے:

ان جبرائیل کان اذا اتی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم لم یدخل علیہ حتی یستأذنہ، فاذا دخل علیہ قعد بین یدیہ قعدۃ العبد۔[3]

جب جبرائیل رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اجازت لے کر داخل ہوتے اور داخل ہونے کے بعد آپ کے سامنے ایسے بیٹھ جاتے جیسے ایک غلام بیٹھتا ہے۔

**۳۔ براہ راست:** قلب رسالتمآب پر وحی اکثر براہ راست نازل ہوا کرتی تھی اور جب آپؐ براہ راست اللہ سے ہمکلام ہوتے تو آپؐ کا رنگ متغیر ہو جاتا، آپ پر غشی طاری ہو جاتی اور پسینے میں شرابور ہو جاتے۔ جو لوگ اس وقت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان پر بھی ایک عجیب سی ہیبت طاری ہو جاتی اور وہ سر جھکائے خاموش بیٹھے رہتے۔

ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا[4]

عنقریب آپ پر ہم ایک بھاری حکم (کا بوجھ) ڈالنے والے ہیں۔

نزول وحی کے دوران حضور اکرمؐ جس حالت استغراق میں ہوتے اس سے دشمنان اسلام، بالخصوص مستشرقین نے آپؐ کی رسالت کو مشتبہ بنانے کی ناکام کوشش کی اور کہا کہ حضورؐ نعوذ باللہ مرگی کی بیماری میں مبتلا تھے اور جب آپؐ کو اس بیماری کا دورہ پڑتا تو ہوش اور شعور سے محروم ہو جاتے،

---

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۰ ص ۵۳۴

۲۔ الامالی للطوسی ص ۳۳۸

۳۔ بحار الانوار ۱۸: ۲۶۰۔ کمال الدین۔ للشیخ الصدوق ۱: ۸۵

۴۔ ۷۳ مزمل: ۵

پسینے میں شرابور ہو جاتے اور جب ہوش میں آتے تو اپنے مریدوں سے کہتے کہ مجھ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور انہیں کچھ باتیں سنا دیتے تھے۔

**و شهد شاهد من اهلها** کے مصداق خود مستشرقین میں سے ایک شخص ان کی اس شرارت کا جواب اس طرح دیتا ہے: چنانچہ سرولیم میور (Sir William Muir) اپنی کتاب "حیات محمد" (Life of Mohammad) میں لکھتے ہیں:

> وحی کی جو کیفیت محمد پر طاری ہو جاتی تھی اس کی غلط توجیہ کرنا علمی اور سائنسی لحاظ سے ایک فاش غلطی ہے کیونکہ جب مرگی کے مرض کا دورہ پڑتا ہے تو اس اثنا میں قوت حافظہ سرے سے کام کرنا چھوڑ دیتی ہے اور مریض کو کچھ یاد نہیں رہتا کہ اس دوران اس پر کیا گزری، کیونکہ اس حالت میں فکر و شعور ماند پڑ جاتے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اس مرض کے بارے میں سائنس کی مدد سے معلوم ہوئی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی ایک بات بھی رسول کریمؐ کو اثنائے وحی عارض نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس دوران ان کے پورے حواس بطور احسن کام کرتے تھے اور پھر جو وحی نازل ہوتی تھی اسے اپنے اصحاب کے لیے بیان کرتے تھے۔[1]

**آغاز وحی:** اس بات میں کسی شک و تردید کی گنجائش نہیں کہ قرآن کا نزول ماہ مبارک رمضان کی شب قدر میں ہوا ہے جیسا کہ خود قرآن میں بیان ہوا ہے:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ۔۔۔[2] رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

لیکن یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

۱۔ علمائے امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسالتمآبؐ ماہ رجب میں مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ آغاز وحی اور آغاز بعثت مختلف اوقات میں کیسے قابل تصور ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آغاز وحی اور بعثت کا ایک ہی وقت میں ہونا ضروری نہیں، عین ممکن ہے کہ وحی کے نزول کا سلسلہ پہلے شروع ہو چکا ہو اور ابھی مبعوث بہ رسالت نہ ہوئے ہوں۔ چنانچہ نزول قرآن اور بعثت کے درمیان ایک وقفہ موجود تھا۔ اس دوران آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی مگر تبلیغ کا حکم بعد میں ملا۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ کو تبلیغ رسالت کا حکم ملا:

---

۱۔ بحوالہ تاریخ القرآن از محمد حسین علی الصغیر ص ۲۱ ۲۔ ۲ بقرہ: ۱۸۵

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ [1] آپ کو جس چیز کا حکم ملا ہے اس کا واشگاف الفاظ میں اعلان کریں اور مشرکین کی اعتنا نہ کریں۔

۲۔ قرآن کا نزول تیئس (۲۳) سالوں پر محیط ہے تو قرآن کا صرف ایک رات میں نازل ہونے کا مطلب کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن قلب رسولﷺ پر شبِ قدر میں نازل ہوا ہے یعنی رسول کریمﷺ کو علم قرآن بیک وقت دیا گیا۔ البتہ قرآنی آیات کی تبلیغ و ارشاد کے لیے بذریعہ وحی تازہ احکامات مل جایا کرتے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَ قُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰہُ لِتَقۡرَاَہٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّ نَزَّلۡنٰہُ تَنۡزِیۡلًا [2] اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے رکھا ہے تا کہ آپ اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ شب قدر میں نزول قرآن کا مطلب آغازِ نزول ہے۔ چنانچہ ہر اہم واقعے کا آغاز بھی اہم سمجھا جاتا ہے۔

**مکی و مدنی آیات:** آیات اور سورتوں کے مکی اور مدنی ہونے کی بنیاد کیا ہے؟ اس بارے میں تین نظریات ہیں:

۱۔ مدینہ پہنچنے سے پہلے نازل شدہ آیات اور سورتیں "مکی" ہیں جب کہ مدینہ پہنچنے کے بعد کی آیات اور سورتیں "مدنی" ہیں۔

اس نظریے کے مطابق ہجرت سے پہلے نازل شدہ آیات خواہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا غیر مکہ میں یا اثنائے ہجرت میں مکہ و مدینہ کے درمیان نازل ہوئی ہوں، سب "مکی" قرار پائیں گی اور مدینہ پہنچ جانے کے بعد نازل شدہ آیات "مدنی" قرار پائیں گی، خواہ مدینہ میں نازل ہوئی ہوں یا سفر میں یا جنگوں میں، حتیٰ کہ فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر خود مکہ میں نازل شدہ سورتیں بھی "مدنی" قرار پائیں گی۔

۲۔ جو آیات و سورتیں مکہ اور اس کے آس پاس (خواہ ہجرت کے بعد) نازل ہوئی ہوں وہ "مکی" ہیں اور جو مدینہ اور اس کے آس پاس نازل ہوئی ہوں وہ "مدنی" ہیں اور جو ان دونوں شہروں سے دور دوسرے علاقوں میں نازل ہوئی ہیں، وہ نہ "مکی" ہیں نہ "مدنی"۔

۳۔ جن آیات کے مخاطب اہل مکہ ہیں وہ "مکی" ہیں اور جن آیات میں مدینہ والوں سے خطاب ہے وہ "مدنی" ہیں۔ مکہ میں نازل ہونے والی آیات کا آغاز یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ سے ہوتا ہے کیونکہ اکثر اہل

---

[1] ۱۵ حجر: ۹۴
[2] ۱۷ بنی اسرائیل: ۱۰۶

مکہ کافر تھے، جب کہ مدینہ میں نازل ہونے والی آیات کا آغاز يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ مدینہ والوں میں ایمان والوں کی اکثریت تھی۔

آیات کے مکی و مدنی ہونے کے لیے جو معیار بنائے گئے ان میں مختلف نظریات قائم ہونے سے متعدد آیات کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ بہرحال محققین کے نزدیک پہلا نظریہ صائب اور قریب بہ حقیقت ہے۔

**وحی اور خطا و نسیان:** جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، وحی کا ادراک رسول کریم ﷺ کے لیے ایک ایسی وجدانی کیفیت ہے جس میں کسی شک و تردید اور غلطی و اشتباہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ رسول کریم ﷺ عینی مشاہدہ سے بالاتر اپنے پورے وجود کے ساتھ وحی کو درک کرتے تھے۔ اس لحاظ سے رسول کریم ﷺ معصوم عن الخطا ہیں۔ اگر کسی صورت بھی غلطی کی گنجائش رہ جاتی تو وحی پر سے بالعموم اور قرآن پر سے بالخصوص اعتماد اٹھ جاتا۔ عدم خطاء کی ضمانت خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى [1] ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

**داستان غرانیق:** طبری نے اپنی تفسیر اور جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور ۴ :۳۶۶۔ ۳۶۸) میں اور دیگر علمائے اہل سنت نے صحیح السند روایات میں ذکر کیا ہے:

> رسول کریم ﷺ مشرکین مکہ کے ساتھ کعبہ کے پاس بیٹھے یہ سوچ رہے تھے کہ کاش قرآن میں کوئی ایسا مطلب نازل ہو جائے جس سے قوم میرے نزدیک آجائے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم سے قطعِ تعلقات پر دکھ تھا اور چاہتے تھے کہ قربت کی کوئی صورت نکل آئے۔ اتنے میں سورہ نجم نازل ہوئی ۔ آپ ﷺ اسے تلاوت فرمانے لگے۔ جب یہاں پہنچے:

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ [2] بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ہے؟ اور پھر تیسرے منات کو بھی۔

> تو شیطان نے آپ ﷺ کے ذہن میں درج ذیل الفاظ ڈال دیے:

تلک الغرانیق العلی و ان شفاعتھن لترجی۔ ایسے بلند مرتبہ بت ہیں جن کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔

> رسول کریم ﷺ نے قریش کے سامنے ان کی تلاوت فرمائی۔ بعد میں آپ ﷺ

---

[1] ۸۷ اعلیٰ: ۶ [2] ۵۳ نجم: ۱۹ ۔ ۲۰

نے سجدہ کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین نے بھی سجدہ کیا اور آپ ﷺ کی طرف سے اپنے خداؤں کی تعظیم وتکریم پر وہ بہت خوش ہوئے۔ مہاجرین حبشہ تک جب یہ خبر پہنچی تو وہ بھی واپس مکہ چل دیئے۔ جب رات ہوئی تو جبرئیل نازل ہوئے اور سورہ پڑھنے کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کلمات کی بھی تلاوت کی۔

جبرئیل نے کہا: یہ دونوں کلمات آپ ﷺ کہاں سے لے آئے؟اس پر رسول اللہ ﷺ کو سخت ندامت ہوئی کہ اللہ پر کذب و افترا ہوگیا۔ اس پر سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اِنۡ کَادُوۡا لَیَفۡتِنُوۡنَکَ عَنِ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَیۡنَا غَیۡرَہٗ ٭ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوۡکَ خَلِیۡلًا ﴿۷۳﴾ [1]

اور (اے رسول) یہ لوگ آپ کو اس وحی سے منحرف کرنیکی کوشش کر رہے تھے جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے تا کہ آپ وحی سے ہٹ کر کوئی اور بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کریں، اس صورت میں وہ ضرور آپ کو دوست بنا لیتے۔

اس سے رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ رنج ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ ۚ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۵۲﴾ [2]

اور (اے محمد) آپ سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ نبی مگر جب اس نے (کامیابی کی) تمنا کی تو شیطان نے اس کی اس آرزو میں خلل اندازی کی لیکن اللہ شیطان کے خلل کو نابود کرتا ہے پھر اللہ اپنی آیات کو محکم کرتا ہے اور اللہ بڑا دانا، حکمت والا ہے۔

مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر طبری ۱۷: ۱۳۱۔ ۱۳۴۔ درمنثور ۴: ۳۶۶۔ ۳۶۸۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ۸: ۳۳۲۔

اس خود ساختہ داستان کو دشمنان اسلام، خاص طور سے مستشرقین نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور رسالتمآب ﷺ کی عصمت کو مخدوش اور دین اسلام کو مطعون کرنے کے لیے اسے خوب اچھالا۔[3]

حالانکہ یہ داستان عقل ونقل کے اعتبار سے نہایت ہی ناقابل توجہ اور سراسر کذب و بہتان پر مبنی ہے۔ ذیل میں ہم اس کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں:

---

۱۔ ۱۷ بنی اسرائیل: ۷۳ ۲۔ ۲۲ حج: ۵۲ ۳۔ بروکلیمن کی تاریخ، عربی ترجمہ ص ۳۴

۱۔ داستان خود صریحاً قرآن کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ۞ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۞[1] وہ خواہش سے نہیں بولتا۔ یہ تو صرف وحی ہوتی ہے جو (اس پر) نازل کی جاتی ہے۔

نیز ارشاد رب العزت ہے:

اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ ۔۔۔[2] جو میرے بندے ہیں ان پر یقینا تیری (یعنی شیطان کی) بالادستی نہ ہوگی۔

نیز فرمایا:

قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ[3] (اے رسول) کہد یجیے: مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اسے بدل دوں، میں تو اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔

۲۔ یہ روایت زیادہ تر تابعین سے منقول ہے۔ اصحاب میں سے صرف حضرت ابن عباس کی طرف اس کی نسبت دی گئی ہے اور ابن عباس بھی ہجرت سے صرف تین سال قبل پیدا ہوئے تھے، لہٰذا وہ بھی اس واقعے کے عینی شاہد نہیں ہو سکتے۔

۳۔ یہ عصمت رسولؐ کے خلاف ہے جو اجماع مسلمین سے ثابت ہے۔

۴۔ آیات کا سیاق و سباق ان کلمات اور اس داستان کے خلاف ہے۔

اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَ الۡعُزّٰی ۞ وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الۡاُخۡرٰی ۞ اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَ لَهُ الۡاُنۡثٰی ۞ تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَۃٌ ضِیۡزٰی ۞ اِنۡ هِیَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهۡوَی الۡاَنۡفُسُ ۚ وَ لَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰی ۞[5] بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ہے؟ اور پھر تیسرے منات کو بھی؟ کیا تمہارے لیے تو بیٹے اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں؟ یہ تو پھر غیر منصفانہ تقسیم ہے۔[4] دراصل یہ تو صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے گھڑ لیے ہیں اللہ نے تو اس کی کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔ یہ لوگ صرف گمان اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔

---

۱۔ ۵۳ نجم: ۳۔۴ ۲۔ ۱۵ حجر: ۴۲ ۳۔ ۱۰ یونس: ۱۵

۴۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ عرب ان بتوں کو تو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور اپنی بیٹیوں کو ننگ و عار سمجھ کر زندہ دفن کر دیتے تھے۔

۵۔ ۵۳ نجم: ۱۹ تا ۲۳

بھلا درج بالا سیاق و سباق کے ربط میں اس عبارت کا کوئی جوڑ ہے کہ "یہ تو بہت بلند وبالا بت ہیں جن کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔" حالانکہ ان آیات میں تو ان بتوں کی مذمت موجود ہے۔

تعجب کا مقام ہے کہ ان تمام امور کے باوجود عصمت قرآن اور عصمت رسولﷺ کے منافی اس روایت کو ابن حجر نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب **فتح الباری شرح صحیح بخاری** کی جلد ۸ ص ۳۳۳ پر صحیح تسلیم کیا ہے اور لکھتے ہیں:

> سعید بن جبیر کے سوا باقی جن طریقوں سے یہ روایت آئی ہے وہ یا تو ضعیف ہیں یا منقطع، مگر طریقوں کی کثرت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے ضرور۔ علاوہ براین یہ ایک طریقے سے مستقلاً بسند صحیح بھی نقل ہوا ہے۔

اسی طرح **امام الفقۃ و التفسیر طبری** نے اپنی تفسیر میں سورہ حج آیت ۵۲ کے ذیل میں اس روایت کو تسلیم کیا ہے۔ تعجب کا مقام یہ ہے کہ **امام جصاص** اور **زمخشری** نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ اس روایت کے کذب پر خود اس کے اندر بڑے شواہد موجود ہیں۔

چونکہ روایت کے مطابق سورہ نجم ہجرت حبشہ کے زمانے میں نازل ہوئی۔ ہجرت حبشہ سنہ ۵ نبوی میں واقع ہوئی ہے اور اس روایت میں ذکر ہوا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت سے رسول اللہﷺ کی سرزنش کی گئی ہے اور سورہ بنی اسرائیل ظاہر ہے معراج کے موقع پر نازل ہوئی ہے اور معراج نبوت کے گیارہویں سال واقع ہوا ہے اور سورہ حج مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات کے نزول کے زمانوں اور داستان غرانیق میں تضادات موجود ہیں

اس خودساختہ داستان نے رشدی جیسے شاتم رسول کے لیے ماخذ فراہم کیا ہے۔ فتنۂ رشدی کے بعد مسلمانوں کو اس ضمن میں سوچنا چاہیے کہ شان رسالتﷺ کے منافی مواد کے بارے میں انہیں متحدہ موقف اختیار کرنا ہوگا اور احادیث کے رد و قبول کے سلسلے میں اس صدی کے مسلمان دماغوں کو سوچنے، تحقیق کرنے اور فیصلہ کرنے کا حق دینا ہوگا، ورنہ رشدی جیسے شاتم رسول کو یاوہ گوئی کا موقع ملتا رہے گا۔

# معجزہ

تعریف ۔معجزے کی ضرورت۔قرآن ابدی معجزہ ۔قرآن کا چیلنج۔
چیلنج کا رخ۔قرآن کا علمی چیلنج ۔قرآن کا رسالتی چیلنج۔قرآن کا تنظیمی چیلنج ۔
قرآن کا دعویٰ۔ بلاغتِ قرآن۔ دعوتِ فکر۔آفاق میں تفکر و تعقل ۔آسمانوں کے
بارے میں غور و فکر۔ طریقہ غور و فکر ۔قرآن کا طرز استدلال ۔تعقل اور
جذبات و احساسات کا امتزاج۔قرآن کا طرز استدلال

قرآن مجید وہ کلامِ الٰہی ہے جسے رسول خاتمﷺ پر ایک ابدی شریعت کے ساتھ نازل کیا گیا۔ یہ دائمی سعادت کا بشارت دہندہ، ایک احسن نظام کے لیے اساس اور انسانیت کو اس کا کھویا ہوا مقام دلانے کے لیے ایک درس انقلاب ہے۔

قرآن مجید کے لا تعداد پہلو ہیں اور ہر پہلو خود ایک ابدی معجزہ ہے۔ معجزہ کیا ہے اور اس کی ضرورت کیا ہے؟ اس باب میں ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

**تعریف:** معجزے کی یہ تعریف کی گئی ہے:

**أن يأتي المدعي لمنصب من المناصب الالهية بما يخرق نواميس الطبيعة ، ويعجز عنه غيره، شاهداًعلى صدق دعوه۔**[1]

کسی الٰہی منصب کا دعویدار اپنے دعوے کی تصدیق کے لیے قوانین طبیعت کوتوڑ کر ایسا عمل انجام دے جس سے دوسرے لوگ عاجز ہوں۔

اس تعریف کے مطابق معجزے کے لیے درج ذیل امورضروری ہیں، ورنہ وہ معجزہ نہیں ہوگا:

۱۔ یہ عمل الٰہی منصب کا دعویٰ رکھنے والے سے صادر ہو۔ اگر کوئی اور شخص ایسا عمل انجام دیتا ہے جسے جہالت کی وجہ سے دوسرے لوگ انجام نہیں دے سکتے تو یہ معجزہ نہ ہوگا۔

۲۔ معجزہ کے لیے لازم ہے کہ قوانین طبیعت کے مطابق نہ ہو، کیونکہ اگر طبیعی قوانین کے مطابق کوئی عمل سرانجام پاتا ہے تو یہ بھی معجزہ نہ ہوگا۔

۳۔ دوسرے لوگ اس قسم کا عمل سرانجام دینے سے عاجز ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی تجربہ فطری قوانین کے تحت طبیعت کو مسخر بنا دے تو یہ معجزہ نہ ہوگا۔ خود قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز انسان کے لیے مسخر کر دی گئی ہے:

---

۱۔ البیان فی تفسیر القرآن ۔ امام خوئی دام ظلہ ص ۳۳

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ اَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً [1]

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے تمہارے لیے مسخر کیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں کامل کر دی ہیں۔

**معجزے کی ضرورت:** انسانی ہدایت کے لیے رسولوں کا مبعوث ہونا از روئے عقل و نقل ضروری ہے اور جب تک انبیاء کے پاس اپنے دعوے پر شاہد کے طور پر ایک مضبوط اور ٹھوس دلیل نہ ہو لوگ انہیں قبول نہیں کرتے اور اللہ کی طرف سے اتمام حجت بھی نہیں ہوتی۔

چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعلان نبوت فرمایا:

وَ قَالَ مُوۡسٰی یٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۴﴾ [2]

اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

تو فرعون نے دلیل مانگی:

قَالَ اِنۡ کُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰیَۃٍ فَاۡتِ بِہَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ [3]

(فرعون نے) کہا: اگر تم سچے ہو اور کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو۔

ظاہر ہے کہ وہ نشانی اور حجت معجزے کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ دلیل اگر عاجز کر دینے والی (معجزہ) نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ دوسرے لوگ بھی ایسی ہی دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ یوں ہر شخص کے لیے دعویٰ نبوت کرنا آسان ہو جائے گا اور اگر یہ دلیل صرف معجزہ میں منحصر ہو جائے تو جھوٹے دعویداروں کی قلعی کھل جائے گی۔

دوسری طرف ہدایت الٰہیہ اور خدائی دعوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان عقائد و نظریات، روایات و عادات اور مذاہب و دیانات کو ترک کر دیں جو اباً عن جدٍ انہیں وراثت میں ملی ہیں اور یہ کوئی آسان کام نہیں کہ کسی کے کہنے پر لوگ مروجہ عادات و رسوم ترک کر کے کوئی اور عمل سرانجام دیں۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی طرف سے دعوت جبر و اکراہ کے ساتھ نہیں ہوتی کیونکہ لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ [4]، نہ ان جدید نظریات کو طاقت کے ذریعے مسلط کیا جاتا ہے، لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ [5] بلکہ انبیاء کی دعوت دلیل و منطق کے ساتھ محبت اور ہمدردی پر مبنی ہوتی ہے۔ نبیؐ لوگوں کی ایذا رسانی کے جواب میں انتقام کی بجائے دعائے ہدایت کرتا نظر آتا ہے:

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون [6]

اے اللہ! میری قوم کی ہدایت فرما کہ یہ جانتے نہیں۔

---

[1] ۳۱ لقمان: ۲۰　　[2] ۷ اعراف: ۱۰۴　　[3] ۷ اعراف: ۱۰۶

[4] ۲ بقرہ: ۲۵۶۔ دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں۔　　[5] ۸۸ غاشیہ: ۲۲۔ آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔

[6] منقول ہے کہ کفار قریش کی طرف سے ایذا رسانی پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ جملے ارشاد فرماتے تھے۔ بحار الانوار ۳۵: ۱۷۷

چونکہ یہ تو عقائد ونظریات کا معاملہ ہے جو دلوں سے مربوط ہے۔ اگر جسموں پر تسلط ہو بھی جائے تو بھی نظریات دل میں جاگزیں نہیں ہوں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انبیاءؑ اپنے دعوے کی سچائی کے لیے معجزہ پیش کریں۔

**قرآن ابدی معجزہ:** قدیم امتیں عقل وفہم کے لحاظ سے اس قابل نہ تھیں کہ انہیں ایک ابدی شریعت کا امین بنایا جائے۔ وہ صرف محسوسات کے ادراک کے قابل تھیں۔ اس لیے وہ لوگ اپنے معبود کو بھی محسوس یعنی بت کی شکل میں لاتے تھے۔ ان کی طرف انبیاء بھیجے گئے تو انہیں جو معجزے دیئے گئے وہ بھی محسوس معجزات تھے۔ عصائے موسیٰؑ، ید بیضا، شق دریا اور مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ محسوس معجزات تھے۔

انسانیت جب عقل و ادراک کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اس قابل ہو گئی کہ ایک ابدی شریعت اور دائمی دستور حیات کی امین بنائی جائے تو اسے جو معجزہ قرآن کی شکل میں دیا گیا، وہ معجزہ بھی ہے، ہدایت و رحمت بھی ہے اور شفا بھی اور ساتھ ایک نظام حیات بھی۔

معجزے کی اہمیت وعظمت دعوے کی اہمیت وعظمت سے مربوط ہے۔ ان دونوں میں تناسب بھی ضروری ہے۔ اگر دعویٰ محدود ہے تو معجزہ بھی محدود ہی ہو گا۔ اگر دعویٰ وقتی ہے تو معجزہ بھی وقتی ہو گا۔لیکن اگر دعویٰ ابدی ہے تو معجزہ بھی ابدی ہو گا۔

چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو اپنے دور کا معجزہ دیا گیا۔ یعنی سحر و ساحری کا توڑ۔ حضرت عیسیٰؑ کو ان کے زمانے کا معجزہ دیا گیا یعنی طب و مسیحائی۔ مگر چونکہ ان کے دعوؤں میں ابدیت نہ تھی، اس لیے ان کا معجزہ بھی انہی کے زمانے تک محدود تھا۔

لیکن رسالتمآبؐ کی نبوت و رسالت ایک ابدی اور ہمہ گیر رسالت تھی، اس لیے آپؐ کو ایسا معجزہ عطا ہوا جو کسی حد بندی میں محدود نہیں۔ لہٰذا معجزۂ رسولؐ یعنی قرآن افراد، زمان، مکان اور موضوع کے اعتبار سے جامع، ہمہ گیر اور ابدی ہے۔ دیکھیے:

۱۔ افراد کے اعتبار سے صرف ایک قوم یا ایک گروہ ہی نہیں بلکہ ہر فرد بشر قرآن کا مخاطب ہے اس میں مذہب، زبان اور رنگ ونسل کا کوئی لحاظ نہیں:

| | |
|---|---|
| قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَا ۔۔۔[1] | کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ |

اور قرآن کہتا ہے:

| | |
|---|---|
| وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾[2] | اور (اے محمد) ہم نے آپ کو بس عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ |

---

۱۔ ۷ اعراف: ۱۵۸ ۲۔ ۲۱ انبیاء: ۱۰۷۔

۲۔ زمانے کے اعتبار سے قرآن اپنے نزول کے وقت سے لے کر قیامت تک دستور انسانیت ہے:

وَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَکُمۡ بِہٖ وَ مَنۡۢ بَلَغَ ۔۔۔[1]

اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس تک یہ پیغام پہنچے سب کو تنبیہ کروں۔

۳۔ مکانی اعتبار سے بھی ہر مقام اور خطے کے انسان دعوتِ قرآن کے مخاطب ہیں۔ خواہ وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں، شمال میں ہوں یا جنوب میں، آسمان میں ہوں یا زمین میں اور اس کرہ زمین پر ہوں یا کسی سیارے پر۔ ارشاد ہوا:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾[2]

اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے فقط بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۴۔ موضوع کے اعتبار سے بھی قرآن انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ایک جامع نظام حیات عطا کرتا ہے:

وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ ۔۔۔[3]

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی بنا کر نازل کی ہے۔

دوسری جگہ قرآن کہتا ہے:

مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ ۔۔۔[4]

ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔

لہٰذا جہاں رسول کریمؐ نے ایک جامع، ابدی اور ہمہ گیر دین کا دعویٰ کیا ہے، وہاں اسی مناسبت سے ایک جامع، ابدی اور ہمہ گیر معجزہ درکار تھا جو آپؐ نے پیش فرمایا ہے اور وہ معجزہ ہے قرآن مجید۔

**قرآن کا چیلنج:** قرآن کے ابدی اور زندہ معجزہ ہونے پر اس سے واضح اور بین ثبوت کیا پیش کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کے چیلنج کی آواز پندرہ صدیوں سے علم و ادب اور فکر و نظر کی وسیع فضاؤں میں گونج رہی ہے اور آج تک دنیا کا کوئی نابغہ، مفکر، ادیب اور دانشور اس چیلنج کے سامنے ایک لمحے کے لیے ٹھہرتا ہوا نظر نہیں آیا۔ حتیٰ کہ کسی ملت میں بھی تاب مقاومت نہیں ہوئی۔ قرآن مجید نے اس چیلنج کو بار بار اور مختلف صورتوں میں دھرایا ہے۔

کبھی ارشاد ہوا:

فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِہٖۤ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۴﴾[5]

پس اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا لائیں۔

---

۱۔ ۶ انعام: ۱۹ ۲۔ ۳۴ سبا: ۲۸ ۳۔ ۱۶ نحل: ۸۹ ۴۔ ۶ انعام: ۳۸ ۵۔ ۵۲ طور: ۳۴

کبھی دس سورتوں کا مطالبہ فرمایا:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ۔۔۔[1]

کہد یجیے: اگر تم سچے ہوتو اس جیسی خود ساختہ دس سورتیں بنا لاؤ۔

کبھی ایک مختصر سورت ہی کی دعوت دی:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ۔۔۔[2]

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو (محمد نے) از خود بنایا ہے؟ کہد یجیے: اگر تم (اپنے الزام میں) سچے ہوتو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنا لاؤ۔

ایک اور مقام پر اس چیلنج کو پھر دہرایا:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔۔۔[3]

اور اگر تم لوگوں کو اس (کتاب) کے بارے میں شبہ ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا کوئی سورہ بنا لاؤ۔

اتنے غیر مبہم الفاظ میں ایسی وضاحت کے ساتھ کسی چیلنج میں اس سے زیادہ زور نہیں دیا جا سکتا۔

**چیلنج کا رخ:** نہایت قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کے چیلنج کا رخ کسی ایک وقت، ایک صنف، ایک جماعت، ایک علاقے یا ایک زمانے کے افراد کی طرف نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی ہی طرح ایک ابدی اور لازوال چیلنج ہے، جس کی گونج قیام قیامت تک باقی رہے گی اور بنی نوع انسان کے تمام افراد اس میں شامل ہیں بلکہ قرآن میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اگر تم انفرادی طور پر اس قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بیشک اجتماعی کوشش کر دیکھو اور اللہ کو چھوڑ کر دنیا بھر کی مدد لے لو اور ہو سکے تو جنوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلو۔

ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾[4]

کہد یجیے: اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں تو وہ اس کی مثل لا نہیں سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔

اس کے لیے کوئی تاریخ اور وقت مقرر نہیں بلکہ یہ ایک کھلا چیلنج ہے اور اس کی آواز ہر زمانے کی فضاؤں میں گونجتی اور دعوت مبارزت دیتی رہے گی۔

**قرآن کا علمی چیلنج:** درج بالا چیلنج کے علاوہ قرآن نے علمی اعتبار سے بھی چیلنج دیا کہ

---

۱۔ ۱۱ ھود: ۱۳    ۲۔ ۱۰ یونس: ۳۸    ۳۔ ۲ بقرہ: ۲۳    ۴۔ ۱۷ اسراء: ۸۸

دیکھو اس میں ہر شے کا بیان موجود ہے:

وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔۔۔[1]

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والی بنا کر نازل کی ہے۔

پھر فرمایا:

وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾[2]

اور کوئی خشک وتر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

**قرآن کا رسالتی چیلنج:** قرآن نے حضور گرامی رسول مقبول ﷺ کی ذات والا صفات کو بھی چیلنج کے طور پر پیش کیا کہ دیکھو محمد ﷺ خود اپنی قوم میں زندگی بسر کرتے رہے۔ انہوں نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا بلکہ مکہ کے معاشرے میں تو کوئی عالم بھی موجود نہ تھا اور تو اور حجاز کبھی علمی مرکز بھی نہیں رہا۔

اس کے باوجود آپ ﷺ کا ایک ایسا جامع نظام حیات پیش کرنا جس کی نظیر لانے سے نہ صرف اس زمانے کے لوگ عاجز رہے بلکہ آج تک کوئی ایسا نظام پیش نہ کر سکا اور نہ ہی آپ ﷺ کے لائے ہوئے نظام میں کوئی نقص ثابت کر سکا۔ یہ سب کچھ خود ایک کھلا چیلنج ہے اور اسے قرآن یوں بیان کرتا ہے:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾[3]

کہہ دیجیے: اگر اللہ چاہتا تو میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی اللہ تمہیں اس سے آگاہ کرتا اس سے پہلے میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

چنانچہ چالیس سال آپ ﷺ نے اس قوم میں زندگی بسر کی اور اس عرصے میں آپ ﷺ نے نہ کوئی شعر کہا، نہ خطبہ دیا اور نہ کوئی اور غیر معمولی ہنر دکھایا اور پھر دفعتاً قرآن جیسی عظیم کتاب اور اسلام جیسا جامع نظام حیات پیش کر دیا۔ ایسی مثال، جو اس جہاں میں کوئی بھی پیش نہیں کر سکتا۔

**قرآن کا تنظیمی چیلنج:** رسول کریم ﷺ نے یہ قرآن تیئس سال کی مدت میں پیش فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ مختلف حالات سے گزرے۔ مکی دور میں ظلم و تشدد کا مقابلہ کیا اور فاقہ کشی اور تنگدستی سے بھی دوچار رہنا پڑا۔ ایک مدت تک شعب ابی طالب میں پوری دنیا سے منقطع ہو کر زندگی گزاری۔ مدنی زندگی میں قدرے بہتر حالات تھے مگر مختلف جنگوں سے دوچار تھے۔

ان بدلتے ہوئے حالات میں اگر محمد ﷺ عربی صرف انسانی اور بشری حیثیت سے یہ قانون دے رہے ہوتے تو یقیناً اس طویل عرصے میں دیے جانے والے قانون کے اجزا اور مختلف شقوں میں اختلاف اور

---

[1] ۱۶ نحل: ۸۹    [2] ۶ انعام: ۵۹    [3] ۱۰ یونس: ۱۶

تضاد آ جاتا۔

اہل دانش و بینش غور کریں پورے قانون اسلام اور بیان قرآن میں کہیں بھی کوئی تضاد نہ ملے گا اور اس بارے میں بھی قرآن کا چیلنج ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝۸۲ [1]

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

**بلاغت قرآن:** قرآن کی فصاحت و بلاغت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ آج تک کوئی اس جیسی ایک سورت بھی نہ بنا سکا۔ جب کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور یہ زبان سلاست الفاظ اور جزالت معانی کے اعتبار سے دنیا کی تمام زبانوں سے زیادہ پر مایہ زبان ہے۔

نیز فصاحت و بلاغت کے میدان میں عربوں میں نابغہ افراد کی بھی کوئی کمی نہ تھی اور اس کے ساتھ ساتھ فراغت بھی حاصل تھی۔ مگر اس کے باوجود یہ لوگ ایک چھوٹی سی سورت بنانے سے بھی عاجز تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام الٰہی میں ایک لفظ کی جگہ بدلنے سے بھی نہ صرف آیت کے معنی درہم برہم ہو جاتے ہیں بلکہ اس کی طرز اور روح کلام بھی تبدیل ہو جاتی ہے اور یہی بات کلام الٰہی کے معجزہ ہونے کا معیار ہے۔

غیر اللہ کے کلام میں ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ آنے سے ممکن ہے کہ کلام کی فصاحت و بلاغت میں اضافہ ہو جائے اور اس کے طرز کلام اور روح کلام کا وزن بھی متاثر نہ ہو، مگر کلام الٰہی میں ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہاں تو فصاحت و بلاغت اپنے عروج پر ہے۔ اس لیے تبدیلی الفاظ سے اس کا معیار گر تو سکتا ہے مگر اونچا نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ ایک شخص نے سورۂ حمد کا مقابلہ کرنے کی ایک سعی لاحاصل کی اور اس میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے اللہ نکال کر الرحمٰن رکھ دیا اور کہا اَلْحَمْدُ لِلرَّحْمٰنِ۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی جگہ کہا رَبِّ الْاَکْوَان اور مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی بجائے مٰلِکِ الدَّیَّان کہا اور یوں عبارت تشکیل دی:

**الحمد للرحمن ۔ رب الاکوان ۔ ملک الدیان ۔ لک العبادۃ و بک المستعان ۔ اھدنا صراط الایمان۔**

حالانکہ اللہ اسم ذات ہے جو تمام اوصاف کا مجموعہ ہے، لہٰذا حمد کی نسبت اس ذات کی طرف ہوتی ہے جس میں تمام اوصاف موجود ہوں، نہ کہ کسی ایک صفت کی طرف۔ اسی طرح لفظ رب کی اضافت عالمین کی بجائے الاکوان کی طرف درست نہیں، کیونکہ الاکوان، کون کی جمع ہے اور کون وجود و

---

[1] ۴ نساء: ۸۲

حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ وجود و حدوث کی طرف لفظ **خلق** کی اضافت تو درست ہوسکتی ہے، یعنی **خالق الاکوان** کہنا توکسی قدر درست ہوسکتا ہے مگر **رب الاکوان** کہنا کسی طور پر درست نہیں ۔ جب کہ **عالمین** کی طرف رب کی نسبت میں اتنے اسرار و رموز ہیں جو اس وقت ہمارے دائرہ بیان سے باہر ہیں۔[۱]

**دعوت فکر:** اسلام کی حقانیت پر دیگر ہزاروں دلائل کے علاوہ یہ بات بھی ایک بین دلیل ہے کہ قرآن مجید انسان کو فکر و تدبر، تحقیق و تدقیق اور عقل سے کام لینے کی نہ صرف دعوت دیتا ہے بلکہ اس عمل کو عبادت قرار دیتا ہے اور اسے ترک کرنے والوں کی مذمت کرتا ہے۔

اگر اسلام حق و حقیقت پر مبنی نہ ہوتا تو لوگوں کو فکر و تحقیق سے دور رکھنے کی کوشش کرتا، نہیں تو کم از کم اس عمل کی ترغیب تو نہ دیتا۔ کیونکہ فکر و تعقل سے امر واقع کا انکشاف ہوتا ہے، حقائق سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ۔۔۔[۲]　　کہد یجیے: تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ خلقت کی ابتدا کیسے ہوئی۔

سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ دعوت مشاہدہ ہے۔ قرآن اور سائنس دونوں مشاہدے کو معارفِ انسانی کی اساس قرار دیتے ہیں۔

فَانۡظُرُوۡ: عقل سے کام لو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مشاہدات و محسوسات کی بنیاد پر عقل کو یہ سمجھنے کا موقع ملے گا کہ کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ۔ اللہ نے پہلی بار مخلوق کو کیسے پیدا کیا۔

اس آیت سے ایک حیرت انگیز یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قرآن اس طرز استدلال کو صحیح قرار دیتا ہے جس میں محسوسات اور مشاہدات پر مبنی عقلی استدلال اور نتیجہ گیری ہو۔ صرف مشاہدہ یا صرف عقلی استدلال سے کسی مفہوم تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اسی مفہوم کو ایک اور آیت میں مزید وضاحت سے بیان کیا گیا:

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَہُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِہَاۤ[۳]　　کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے ہو جاتے؟

اس آیت میں دلوں کے تعقل کو سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡض کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے جو کہ نہایت قابل توجہ امر ہے۔

---

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: البیان فی تفسیر القرآن از امام الخوئیؒ ص ۹۵　　۲۔ ۲۹ عنکبوت: ۲۰　　۳۔ ۲۲ حج: ۴۶

# آفاق میں تفکر و تعقل

## الف۔ نباتات:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ۝ وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ۝ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ [1]

پس انسان کو اپنے طعام کی طرف نظر کرنی چاہیے کہ ہم نے خوب پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو خوب شگافتہ کیا پھر ہم نے اس میں دانے اگائے نیز انگور اور سبزیاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات اور میوے اور چارے بھی جو تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زیست ہیں۔

اور

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ [2]

ذرا اس کے پھل کو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو۔ اہل ایمان کے لیے یقینا ان میں نشانیاں ہیں۔

ان آیات میں نباتات اور میوہ جات کے بارے میں غور و فکر کے لیے درج ذیل مراحل بیان فرمائے گئے ہیں اور ان کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے:

۱۔ آبیاری: اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا

۲۔ زمین کی شگافتگی: ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا

۳۔ پودے کی پرورش: فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

۴۔ پھل کا آنا: اِذَآ اَثْمَرَ

۵۔ پھل کی تیاری: وَ يَنْعِهٖ

## ب۔ آسمانوں کے بارے میں غور و تعقّل:

اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۔۔۔ [3]

کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان میں غور نہیں کیا۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔۔۔ [4]

کہدیجیے: آسمانوں اور زمین میں نظر ڈالو کہ ان میں کیا کیا چیزیں ہیں۔

---

۱۔ ۸۰ عبس: ۲۴ تا ۳۲ ۲۔ ۶ انعام: ۹۹ ۳۔ ۷ اعراف: ۱۸۵ ۴۔ ۱۰ یونس: ۱۰۱

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا[1]

اور آسمانوں اور زمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہمارے رب! یہ سب کچھ تو نے بے حکمت نہیں بنایا۔

## طریقہ غور وفکر:

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④[2]

تو رحمن کی تخلیق میں کوئی بے نظمی نہیں دیکھے گا، ذرا پھر پلٹ کر دیکھو کیا تم کوئی خلل پاتے ہو؟ پھر پلٹ کر دوبارہ دیکھو تمہاری نگاہ عاجزانہ طور پر تھک کر لوٹ آئے گی۔

اس آیت میں خداوند عالم نے تحقیق اور غور وفکر کا ایک اہم اصول بیان فرمایا ہے کہ کسی مسئلے کی تہ تک پہنچنے اور اس کے بارے میں نفی یا اثبات کا کوئی نظریہ قائم کرنے کے لیے بار بار اس کو زیر مطالعہ لانا ضروری ہوتا ہے۔ چونکہ تجربے میں ایک مرتبہ کامیاب ہو جانا بھی یہ ثابت نہیں کرتا کہ اس کی تطبیق میں کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی ہو گی ۔ یونہی عقلی دلائل میں بھی غلطی اور لغزش فکری کا امکان برقرار رہتا ہے۔ قرآن نے اپنی دعوت میں انسانوں کو یہ طریقہ بھی بتلایا ہے کہ بار بار غور وفکر کر کے دیکھو تا کہ یقین کے مرحلے تک پہنچو۔

اس کے علاوہ متعدد آیات میں خداوند عالم اپنی دعوت فکر کو درج ذیل الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

**نظر۔تدبر۔تعلم۔تفقہ۔تعقل۔تیقن۔**

مثال کے طور پر چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

**تدبر:** اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ㉔[3]
کیا لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے لگ گئے ہیں؟

**تعلم:** قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ[4]
اہل علم کے لیے ہم نے اپنی آیات کھول کر بیان کی ہیں۔

**تفقہ:** قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ㊳[5]
ہم نے صاحبان فہم کے لیے آیات کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔

**تعقل:** كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ㉘[6]
عقل رکھنے والوں کے لیے ہم اس طرح نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں۔

---

۱؎ ۳ آل عمران: ۱۹۱　۲؎ ۶۷ ملک: ۳۔۴　۳؎ ۴۷ محمد: ۲۴
۴؎ ۶ انعام: ۹۷　۵؎ ۶ انعام: ۹۸　۶؎ ۳۰ روم: ۲۸

تیقّن: قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ [1] ہم نے تو اہل یقین کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کی ہیں۔

قرآن تعقل کو سعادت اور نجات کا ذریعہ قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے:

وَ قَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ﴿۱۰﴾ [2] اور وہ کہیں گے: اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم جہنمیوں میں نہ ہوتے۔

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں متعدد آیات درج ذیل حوالوں سے دعوتِ فکر دیتی ہیں:

عقل: اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ [3] کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ [4] اگر تم لوگ عقل رکھتے ہو۔

لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ [5] شاید تم عقل سے کام لو۔

لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ [6] غور و فکر سے کام لینے والوں کے لیے۔

لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ [7] شاید وہ فکر کریں۔

اولوا الالباب (صاحبان عقل): اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ [8] نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔

اولی النّهی (صاحبان عقل): اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی [9] صاحبان عقل کے لیے اس میں یقینا بہت سی نشانیاں ہیں۔

**قرآن کا طرز استدلال:** قرآن کا موقف یہ ہے کہ ہر نظریے کے لیے دلیل، ہر فکر کے لیے برہان اور ہر عقیدے پر علمی ثبوت فراہم ہونا چاہیے۔ چنانچہ قرآن غیر اسلامی عقائد و نظریات رکھنے والوں سے ایسا ہی مطالبہ کرتا ہے:

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴﴾ [10]

کہہ دیجیے: کیا تم نے انہیں (کبھی) دیکھا بھی ہے جنہیں اللہ کے سوا تم پکارتے ہو؟ مجھے بھی دکھاؤ انہوں نے زمین کی کون سی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا کوئی باقیماندہ علمی (ثبوت) میرے سامنے پیش کرو۔

---

۱۔ ۲ بقرہ: ۱۱۸ ۲۔ ۶۷ ملک: ۱۰ ۳۔ ۳۶ یٰسین ۶۸ ۴۔ ۲۶ شعراء: ۲۸
۵۔ ۲۴ نور: ۶۱ ۶۔ ۱۰ یونس: ۲۴ ۷۔ ۷ اعراف: ۱۷۶ ۸۔ ۱۳ رعد: ۱۹
۹۔ ۲۰ طٰہٰ: ۵۴ و ۱۲۸ ۱۰۔ ۴۶ احقاف: ۴

قُلۡ هَلۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡهُ لَنَا ؕ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۴۸﴾ [1]

کہد یجیے : کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے لا سکو؟ تم تو صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور یہ کہ تم فقط قیاس آرائیاں کرتے ہو۔

قرآن اندھی تقلید کی مذمت کرتا ہے اور مطلب کو قبول یا رد کرنے کے لیے علم کو معیار قرار دیتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

وَ لَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ [2]

اور اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں ہے۔

قرآن توحید کا یہ خاصہ بیان کرتا ہے کہ یہ نظریہ دلیل و برہان پر قائم ہے اور دوسرے نظریات رکھنے والوں کو چیلنج کرتا ہے کہ اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے تو اس پر دلیل و برہان قائم کرو۔

وَ مَنۡ يَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖ [3]

اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۶۴﴾ [4]

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ کہد یجیے: اپنی دلیل پیش کرو اگر تم لوگ سچے ہو۔

قرآن جہاں علم و یقین کو دلیل کی اساس قرار دیتا ہے وہاں غیر علمی اور غیر یقینی چیزوں کو دلیل سمجھنے کو جاہلیت کا وطیرہ قرار دیتا ہے:

يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِيَّةِ [5]

وہ ناحق اللہ پر زمانہ جاہلیت والی بدگمانیاں کر رہے تھے۔

وَ مَا يَتَّبِعُ اَكۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِيۡ مِنَ الۡحَقِّ شَيۡـًٔا [6]

ان میں سے اکثر محض ظن کی پیروی کرتے ہیں جب کہ ظن انسان کو حق (کی ضرورت) سے ذرہ برابر بے نیاز نہیں کرتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ [7]

اے ایمان والو! بہت سے بدگمانیوں سے بچو۔ بعض بدگمانیاں یقیناً گناہ ہیں۔

اپنے اسی موقف کی بنیاد پر قرآن سطحی فکر کی مذمت کرتا ہے:

اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ يَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ﴿۴۴﴾ [8]

کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر کچھ سنتے یا سمجھنے کے لیے تیار ہیں؟ (نہیں) یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

---

۱۔ ۶ انعام: ۱۴۸	۲۔ ۱۷ بنی اسرائیل: ۳۶	۳۔ ۲۳ مومنون: ۱۱۷	۴۔ ۲۷ نمل: ۶۴
۵۔ ۳ آل عمران: ۱۵۴	۶۔ ۱۰ یونس: ۳۶	۷۔ ۴۹ حجرات: ۱۲	۸۔ ۲۵ فرقان: ۴۴

رسول اکرمؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

**فکرۃ ساعۃ خیرٌ من عبادۃ سنۃ۔**[1]

کچھ دیر کے لیے غور وفکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے:

**لا عبادۃ کالتفکر فی صنعۃ اللّٰہ عزوجل۔**[2]

اللہ کی مخلوقات پر غور وفکر سے بہتر کوئی عبادت نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

**ان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ خصّ عبادہ بآیتین من کتابہ: ان لا یقولوا حتی یعلموا، و لا یردوا ما لم یعلموا۔ قال اللّٰہ عزو جل: اَلَمۡ یُؤۡخَذۡ عَلَیۡہِمۡ مِّیۡثَاقُ الۡکِتٰبِ اَنۡ لَّا یَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ۔**[3] **و قال تعالیٰ: کَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ یُحِیۡطُوۡا بِعِلۡمِہٖ وَ لَمَّا یَاۡتِہِمۡ تَاۡوِیۡلُہٗ۔**[4]

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے بندوں کے ساتھ دو آیتیں مخصوص فرمائی ہیں: علم سے پہلے کسی بات کے قائل نہ ہوں اور نہ علم سے پہلے کسی بات کو رد کریں۔ ارشاد الٰہی ہے: کیا ان سے کتاب کا میثاق نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ بھی نہ کہیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جو ان کے احاطہ علم میں نہیں ہے اور ابھی اس کا انجام بھی ان کے سامنے نہیں کھلا۔

## عقل اور جذبات و احساس کا امتزاج

ذہنی وقلبی لحاظ سے انسان میں دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک فکری اور دوسرا جذباتی یا احساساتی۔ فکر کا تعلق عقل سے اور احساسات کا تعلق ضمیر اور وجدان سے ہوتا ہے۔ فکر کی منزل حق وحقیقت ہے کہ حق کے متلاشی فکر وعقل سے کام لیتے ہیں، جب کہ احساسات کا ہدف جذبات کو ابھارنا، ذہنی فرحت اور روحانی غذا بہم پہنچانا ہوتا ہے۔ فلسفی اور مفکر عقل کی باتیں کرتے ہیں اور حقائق کو کھول کر سامنے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ اس بات کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے کہ ان کا کلام کس قدر خشک، پھیکا، پیچیدہ اور تھکا دینے والا ہے۔ جب کہ شعراء سننے والوں کے جذبات اور احساسات کو ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے کلام کی شیرینی سے سامعین کے ذوق سماعت کو محظوظ کرتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے استعاروں اور تشبیہات سے ان کے ضمیر اور وجدان کو سیراب کرتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ یہ باتیں حقیت پر مبنی ہیں یا نہیں۔ چنانچہ وہ دوسروں کو رلاتے ہیں خود نہیں روتے، دوسروں کو وجد میں لاتے ہیں خود وجد میں نہیں آتے۔

---

۱۔ بحار الانوار ۶۱ : ۳۲۵
۲۔ الامالی للطوسی ص ۱۴۶
۳۔ ۷ اعراف : ۱۶۹
۴۔ ۱۰ یونس: ۳۹۔ اصول الکافی ۱ : ۴۳

ہر بات کرنے والا ان دونوں میں سے ایک طرز تکلم کو اختیار کرتا ہے بلکہ ایک شخص ایک وقت میں ان دونوں میں سے ایک ہی طرز کو اختیار کر سکتا ہے۔

بوعلی سینا کو دیکھیے جب وہ فکر کی باتیں کرتے ہیں تو بہترین فلسفی ہیں اور بہت سے حقائق کو کھول کر سامنے رکھتے ہیں ۔ جب وہ احساساتی طرز اختیار کرتے ہیں تو تخیلات اور جذبات کی باتیں کرتے ہیں۔ ایک کلام میں بیک وقت حقیقت نمائی اور احساسات کی سیرابی دونوں نہیں پائی جاتیں۔ یہ صرف کلام الٰہی کا معجزہ ہے جس میں یہ دونوں باتیں بیک وقت ملتی ہیں۔ عقل کی آبیاری اور ذوق سماعت کی تسکین ، ایک ہی جملے میں برہان اور عقلی دلیل کے ساتھ کلام میں شیرینی اور بیان میں لطافت بھی موجود ہے۔ ایک ہی عبارت میں عقل و خرد کو بھی جھنجھوڑا ہے اور اس کے ساتھ ہی احساسات و جذبات کو بھی ابھارا ہے ۔ یہ کلام خدا کا معجزہ ہے کہ اس نے ایک ہی لمحے میں عقل اور دل دونوں سے گفتگو کی ہے اور حقائق کے ساتھ ذوق جمالیات کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً قرآن جب اسلاف کے واقعات بیان کرتا ہے تو عقل کا حق بھی ادا ہوتا ہے اور قلب کو بھی اپنا حصہ مل جاتا ہے۔

# قرآن کے تازہ ترین معجزات

زمین۔حرکت زمین۔زمین خلا میں۔زمین، قدرت کا ریکارڈر۔
استخوان۔عناصر کی مقدار۔اضافت۔نظام زوجیت۔عالم غیر مرئی۔
تسبیح ایک آفاقی فریضہ۔صدر المتألہین شیرازی کا نظریہ۔سائنسی نظریہ۔
فضائے آسمان۔مواقع نجوم۔آسمانوں کی زندہ مخلوقات۔کائنات کی
وسعت۔مخمور آنکھیں۔مادہ اولین۔نطفۂ امشاج۔
عفت و پاکدامنی۔مضغہ غیر مخلقہ۔مضغہ مخلقہ۔

## زمین

وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿٢٠﴾[1] — اور زمین میں اہل یقین کے لیے نشانیاں ہیں۔

ماہرین ارضیات (جیالوجسٹ) اپنی سالہاسال کی تحقیقات کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زمین ابتدا میں ایک آتشیں کرہ تھی۔

- □ اس کے بعد تدریجاً سرد ہونا شروع ہوئی۔
- □ پھر بارش کا دور شروع ہوا۔
- □ پھر اس کے بعد سبزہ اگنا شروع ہوا۔

چنانچہ قرآن مجید زمین کے ارتقائی مراحل کو اس طرح بیان کرتا ہے:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ﴿٢٨﴾ وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿٢٩﴾ وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰهَا ﴿٣١﴾[2]

کیا تمہارا خلق کرنا زیادہ مشکل ہے یا اس آسمان کا جسے اس نے بنایا ہے؟ اللہ نے اس کی چھت اونچی کی پھر اسے معتدل بنایا اور اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن کیا اور اس کے بعد اس نے زمین کو بچھایا، اس نے زمین سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔

اس آیہ مبارکہ سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے:

پہلا مرحلہ: رات اور دن کا سلسلہ

دوسرا مرحلہ: **دحو الارض** (زمین کو حرکت دینا)

تیسرا مرحلہ: سبزہ اگایا جانا

زمین کے ارتقائی مراحل کو دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩﴾[3]

کہہ دیجیے: کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو اور اس کے لیے مدمقابل قرار دیتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا؟ وہی تو عالمین کا رب ہے۔

---

[1] ۵۱ ذاریات: ۲۰ [2] ۷۹ نازعات: ۲۷ تا ۳۱ [3] ۴۱ حم سجدہ ۹۔

وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۱۰ [1]

اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکات رکھ دیں اور اس میں چار دنوں میں حاجت مندوں کی ضرورت کے برابر سامان خوراک مقرر کیا۔

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے درج ذیل چیزوں کو ترتیب وار خلق فرمایا:

۱۔ پہلے زمین کو خلق فرمایا

۲۔ اس کے بعد اس میں پہاڑ گاڑ دیے۔

۳۔ اس کے بعد زمین کو قابل سکونت بنایا: بٰرَكَ فِيْهَا۔

۴۔ زمین پر بسنے والوں کے لیے روزی (قوت) مقرر کی۔

**حرکت زمین :** اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کے بارے میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝۳۰ [2]

اس کے بعد اس نے زمین کو بچھایا۔

مفسرین نے **دحو** کا ترجمہ وتفسیر "بچھانا" کیا ہے کیونکہ قدماء کے لیے حرکت ارض ایک ناقابل تصور وتوجیہ امر تھا۔

تاج العروس میں **دحو** کے یہ معنی لکھے ہیں:

**دحا السیل بالبطحاء: دحی و المطر الداحی الذی یدحو الحصی عن وجه الارض بنزعه دحی الرمی بقهر۔**

یعنی سیلاب نے کنکروں کو دور پھینک دیا۔ اس بارش کو **المطر الداحی** کہتے ہیں جو کنکروں کو زمین سے اکھاڑ پھینکتی ہے طاقت کے ساتھ دور پھینکنے کو **الدحی** کہتے ہیں۔

**المنجد** میں تحریر ہے:

**دحی الحجر بیده، رمی بیده۔**

**دحی الحجر بیده** کا معنی ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے پتھر پھینکا۔

یوں لغت کی رو سے مندرجہ بالا آیت کے معنی یہ ہو سکتے ہیں: اس کے بعد اس نے زمین کو حرکت دے دی۔

البتہ الدَّحْوُ بچھانے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ آیت حرکت زمین پر صراحتاً دلالت کرتی ہے۔

دوسری جگہ زمین کی حرکت کے بارے میں ایک اور لطیف اشارہ ملتا ہے:

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا ۔۔۔ [3]

جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا۔

---

۱۔ ۴۱ حم سجدہ ۱۰   ۲۔ ۷۹ نازعات: ۳۰   ۳۔ ۲۰ طہ: ۵۳

گویا زمین کو گھوارے سے تشبیہ دے کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ زمین انسانوں کے لیے گھوارہ اس لیے ہے کہ اس کی حرکت میں سکون اور گردش میں لذت اور جنبش میں تنوع ہے۔

زمین کی حرکت کو مزید وضاحت کے ساتھ قرآن و سنت میں اس لیے بیان نہیں کیا گیا کہ قرآن ایک ایسے زمانے میں نازل ہو رہا تھا جس میں حرکت زمین کسی اعتبار سے بھی ناقابل فہم بات تھی۔ اگر لوگوں کی فکری سطح سے ہٹ کر کوئی مفہوم بیان کیا جائے تو اصل مقصد کو چھوڑ کر اس بات کو سمجھانے اور اس کا دفاع کرنے اور اس کی توجیہ کرنے میں ہی وقت اور قوت صرف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے:

أُمِرْنَا أن نُكَلِّمِ الناس على قدر عقولهم[1]

ہمیں حکم ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے مطابق بات کریں۔

ممکن ہے زمین کو اس کی حرکت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس پر بسنے والوں کے لیے آرام دہ اور سکون بخش ہونے کی وجہ سے گھوارہ کہا گیا ہو۔

**زمین خلا میں:** قرآن مجید جس زمانے میں نازل ہوا، اس وقت زمین کے بارے میں لوگوں کا نظریہ اس حد تک خرافاتی تھا کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ زمین کو ایک گائے اپنے سینگ پر اٹھائے ہوئے ہے یا زمین پشتِ نہنگ پر واقع ہے۔ ایسے ماحول میں عام فکر سے ہٹ کر قرآن نے یہ واضح کیا:

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَ لَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾[2]

اللہ آسمانوں اور زمین کو یقینا تھامے رکھتا ہے کہ یہ اپنی جگہ چھوڑ نہ جائیں اگر یہ اپنی جگہ چھوڑ جائیں تو اللہ کے بعد انہیں کوئی تھامنے والا نہیں ہے، یقینا اللہ بڑا بردبار، بخشنے والا ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں **یُمْسِکُ** کا لفظ آیا ہے جس کے معنی تھامنے کے ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت امام علیؑ سے روایت ہے:

انشأ الارض فامسكها من غير اشتغال و ارساها على غير قرار واقامها بغير قوائم۔۔۔ وحصنها من الاود والاعوجاج و منعها من التهافة والانفراج[3]

وہ (اللہ) زمین کو وجود میں لایا اور بغیر اس کام میں الجھے ہوئے اسے برابر تھامے رکھا اور بغیر کسی چیز پر ٹکائے ہوئے اس نے اسے برقرار کیا اور بغیر ستونوں کے اسے قائم کیا، کجی اور جھکاؤ سے اسے محفوظ رکھا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرنے اور بکھرنے سے اسے بچائے رکھا۔

---

۱۔ اصول الکافی ۸ : ۲۶۸
۲۔ ۳۵ فاطر : ۴۱
۳۔ نہج البلاغۃ خطبہ ۱۸۴ ص ۴۹۷

قرآن ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا ﴿۲۶﴾[1] — کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے کِفات نہیں بنایا۔

تاج العروس میں مرقوم ہے:

کفت الطائر وغیرہ ، یکفت کفتاً و کفاتاً ککتاب و کفیتاً کامیر۔

اسرع فی الطیران۔

کفات سرعت سے پرواز کرنے کو کہتے ہیں۔

صحاح اللغۃ میں لکھا ہے:

عدو کفیت و کفات ای سریع۔ — تیزی سے دوڑنے کو کفیت یا کفات کہتے ہیں۔

زمین کی پرواز قدماء کے لیے قابل فہم نہ ہونے کی وجہ سے کِفَات کے معنی انہوں نے "جمع" کے لیے اور آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے: کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا۔

کفاتاً مصدر ہے یا مفعول مطلق ہے ، فعل محذوف ہے یعنی تکفت کفاتا اور کفاتًا بمعنی اسم فاعل بھی آ سکتا ہے۔ اس صورت میں احیاء و امواتًا حال بنے گا یا مفعول بہ یعنی زندوں اور مردوں کو لے کر پرواز کرنے والی زمین۔

اس تفسیر پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب کِفَات بمعنی پرواز اس وقت کے لوگوں کے لیے قابل فہم نہیں تھا تو اللہ ایسی بات کیسے کرسکتا ہے جو مخاطبین کے لیے قابل فہم نہ ہو۔

اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ القرآن یفسرہ الزمان۔ ہر زمانے میں قرآن کے جدید معانی و مطالب سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ زمان نزول کے لوگوں کے لیے بے معنی ہیں، وہ بھی اپنے زمانے کے مطابق مطالب اخذ کر سکتے ہیں۔

**زمین۔ قدرت کا ریکارڈر:** قیامت کے دن زمین کی طرف سے انسانی اعمال کی گواہی اور انسان کا ان اعمال کا مشاہدہ کرنے کے بارے میں قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:

يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَا ﴿۵﴾[2] — اس دن وہ (زمین) اپنے حالات بیان کرے گی کیونکہ اس کے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

قدماء کے لیے خود عمل دکھائے جانے کا تصور ناقابل فہم تھا اس لیے انہوں نے "تجسم اعمال" کے ساتھ اس کی تاویل کی اور کہا:

---

۱ ـ ۷۷ مرسلات: ۲۵ ـ ۲۶　　۲ ـ ۹۹ زلزلۃ : ۴ ـ ۵

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾ [1]

پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

سے مراد ہے کہ عمل کی جزا اور سزا دیکھے گا۔ خود عمل تو دنیا میں ہوچکا، وہ دوبارہ دیکھنے کے قابل نہیں۔ حالانکہ قرآن میں اس آیت سے پہلے صراحتاً کہا گیا ہے:

۔۔۔لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَہُمۡ [2]

تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔

اس صراحت کی بھی وہ تاویل کرتے تھے کہ اعمال مجسم ہو کر سامنے آئیں گے۔

لیکن آج تاویل کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اعمال بصورت انرجی باقی رہتے ہیں اور فضائے زمین سے ناپید نہیں ہوتے، بلکہ فضائے زمین انسانی حرکات وسکنات کو اور اقوال و افعال کو اپنے اندر ضبط اور محفوظ کر لیتی ہے نیز ارشاد الٰہی ہے:

وَ وَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَ لَا یَظۡلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ [3]

اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ ان سب کو حاضر پائیں گے اور آپ کا رب تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

مفسرین نے یہاں بھی تاویل کی کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال مجسم ہو کر سامنے موجود ہوں گے۔ یہ تاویلات اس لیے تھیں کہ علمائے قدیم کے لیے یہ بات ناقابل فہم تھی کہ یہ زمین ایک کتاب کی طرح ہے جس میں خود عمل ثبت ہوتا رہتا ہے:

مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ ﴿۱۸﴾ [4]

(انسان) کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ اس کے پاس ایک نگران تیار ہوتا ہے۔

چنانچہ جب انسان اس آفاقی کتاب کا بروز قیامت مشاہدہ کرے گا تو کہے گا:

یٰوَیۡلَتَنَا مَالِ ہٰذَا الۡکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیۡرَۃً وَّ لَا کَبِیۡرَۃً اِلَّاۤ اَحۡصٰہَا [5]

ہائے ندامت! یہ کیسا نامہ اعمال ہے؟ اس نے کسی چھوٹی اور بڑی بات کو نہیں چھوڑا (بلکہ) سب کو درج کر لیا ہے۔

انسان اپنے خود عمل کو قیامت کے دن کیسے دیکھ سکے گا؟ یہ بات قرآن مجید میں بڑے واضح پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدۡ کُنۡتَ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مِّنۡ ہٰذَا فَکَشَفۡنَا عَنۡکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الۡیَوۡمَ حَدِیۡدٌ ﴿۲۲﴾ [6]

بے شک تو اس چیز سے غافل تھا، چنانچہ ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے، لہٰذا آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

---

۱۔ حوالہ سابق: ۷۔۸  ۲۔ حوالہ سابق: ۶  ۳۔ ۱۸ کہف: ۴۹
۴۔ ۵۰ ق: ۱۸  ۵۔ ۱۸ کہف: ۴۹  ۶۔ ۵۰ ق: ۲۲

تجسم اعمال کی دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سائنسی اعتبار سے جیسا کہ مادہ انرجی میں بدل جاتا ہے اور انرجی مادے میں بدل جایا کرتی ہے، لہٰذا انسانی اعمال اگرچہ آج انرجی ہیں، کل بروز قیامت یہ اعمال مادے کی صورت میں سامنے آئیں گے۔ چنانچہ بعض روایات سے بھی اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ انسانی تسبیح و تمجید جنت میں خشت و خاک کی صورت اختیار کر لے گی۔ جس سے قصور و محلات تعمیر ہوں گے۔

**استخوان:** جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ہڈیاں اعصاب پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہیں اور تولید نسل میں بھی ہڈیوں کا بڑا دخل ہے۔ ہڈیوں میں غذائی مواد کا ایک ذخیرہ موجود ہوتا ہے جس سے جسم ہنگامی ضرورت پوری کرتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ خون میں موجود سرخ جثیموں سے انسانی جسم میں خون اپنا فعال کردار ادا کرتا ہے، جس کی وجہ سے ہر منٹ میں ۱۸۰ میلین جثیمے استعمال ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کی جگہ تازہ دم جثیمے پیدا کرنے کی ذمہ داری ہڈیوں پر عائد ہوتی ہے۔

ہڈیوں سے بہت سے قدیم مسائل کے حل میں مدد لی جاتی ہے۔ سائنسدان مردوں کی ہڈیوں سے ان کی عمریں، مرض، جنس، قد، نژاد، جرم غرض ان کی زندگی اور ماحول وغیرہ کی پوری تاریخ کا مطالعہ کر لیتے ہیں۔

خالق اکبر ہڈیوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

| | |
|---|---|
| اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ؕ﴿۳﴾ [1] | کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے؟ |
| وَ انۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُہَا ثُمَّ نَکۡسُوۡہَا لَحۡمًا ؕ [2] | پھر ان ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم انہیں کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں۔ |

**عناصر کی مقدار:** کائنات میں موجود عناصر ایک خاص مقدار میں تشکیل پاتے ہیں۔ عناصر کی اپنی ذاتی تشکیل یا دوسرے عناصر کے ساتھ اتحاد دونوں باتیں ایک معینہ مقدار اور ایک آفاقی محکم قانون کے تحت انجام پاتی ہیں۔

عناصر کی تشکیل میں ایک جامع آفاقی نظام کے انکشاف کے بعد سائنسدانوں نے دیکھا کہ مختلف عناصر کے درمیان کچھ کڑیاں غائب ہیں جو موجود ہونی چاہئیں۔ ان کی تلاش ضروری ہے۔ چنانچہ بعد میں عین اسی تسلسل کے مطابق مزید عناصر کا انکشاف ہوا اور تشکیل عناصر کے آفاقی نظام کے تحت کڑیاں مل گئیں۔

چنانچہ شمسی نظام کے تحت مشتری اور مریخ کے درمیان کڑیاں نہیں ملتی تھیں اور سائنسدانوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ ان دونوں سیاروں کے درمیان ایک اور سیارہ ہونا چاہیے اور اسے تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ

---
[1] ۷۵ قیامت: ۳ [2] ۲ بقرہ: ۲۵۹

بعد میں اس سیارے کا انکشاف ہوا اور یہ کڑی بھی مل گئی۔

قرآن مجید نے اس آفاقی نظام اور کائنات کے حسابی قوانین کی طرف کس جامع اور لطیف انداز میں دولفظوں میں ارشارہ فرمایا ہے:

وَ كُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَہٗ بِمِقۡدَارٍ ﴿۸﴾[1] اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار ہے۔

**اضافت:** نیوٹن کی طرف سے کشش ثقل کے انکشاف کے بعد یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ **فوق** اور **تحت** مطلق وجود نہیں رکھتے بلکہ یہ دونوں اضافتی مفہوم ہیں کہ ایک جگہ کچھ لوگوں کے لیے **تحت** ہے اور عیناً وہی جگہ کچھ دوسرے لوگوں کے لیے **فوق** ہے۔

لیکن ایک اور سائنسدان آئن سٹائن نے نظریہ اضافت قائم کر کے یہ بھی ثابت کردیا کہ دنیا میں ہر شے اضافتی ہے۔ یہ کائنات یک گونہ نہیں ہے۔ منجملہ زمان بھی مطلق نہیں، بلکہ اضافتی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی چیز نور کی رفتار سے زیادہ سرعت سے سفر کرے تو اس کا وقت اور سفر نہ کرنے والی دوسری اشیاء کا وقت مختلف ہوگا۔

بعض سائنسدانوں کی تحقیقات کے مطابق اگر کوئی شخص خلائی جہاز میں نور کی رفتار سے سفر کرے تو جب اس مسافر کو سفر کرتے ہوئے صرف ۲۹ سال گزریں گے تو زمین والوں کے لیے تین ملین یعنی ۳۰ لاکھ سال گزر چکے ہوں گے۔[2]

اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت ہماری توجہ مرکوز کرتی ہے:

یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۵﴾[3]

وہ آسمان سے زمین تک امور کی تدبیر کرتا ہے، پھر یہ امر ایک ایسے دن میں اللہ کی بارگاہ میں اوپر کی طرف جاتا ہے جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس آیت کی تفسیر نظریۂ اضافت سے کر رہے ہیں، بلکہ ایک امکانی صورت اور توجہ کے لیے ہے۔ نظریہ اضافت ایک تھیوری سے زیادہ نہیں ہے۔

**نظام زوجیت:** نزول قرآن سے پہلے عام خیال یہ تھا کہ زوجیت کا نظام حیوانات اور نباتات میں بھی قائم ہے۔ لیکن قرآن کریم کے انکشاف کے مطابق زوجیت ایک کائناتی نظام ہے اور ہر شے زوجیت پر قائم ہے۔ حتیٰ کہ کائنات کی سب سے چھوٹی مخلوق (ایٹم) بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

---

[1] ۱۳ رعد: ۸

[2] Martin Gardener Relativity For Million ترجمہ فارسی از محمود مصاحب۔ طبع تہران

[3] ۳۲ سجدہ: ۵

| | |
|---|---|
| وَ مِنۡ كُلِّ شَيۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۴۹﴾ [1] | اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ |

ایک اور آیت میں اللہ نے نظام زوجیت کو تین مختلف عوالم میں تقسیم فرمایا ہے:

۱۔ عالم نباتات
۲۔ عالم انفس
۳۔ عالم مجہولات

ارشاد الٰہی ہے:

| | |
|---|---|
| سُبۡحٰنَ الَّذِيۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَ مِمَّا لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾ [2] | پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جنہیں یہ جانتے ہی نہیں۔ |

نظام زوجیت ان چیزوں میں بھی موجود ہے جنہیں انسان جانتے تک نہیں۔ حتیٰ کہ کل کائنات کا جوڑا اینٹی (Anti) کائنات تلاش کیا جا رہا ہے۔

**عالم غیر مرئی:** یوں تو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کی تفسیر میں بہت سے عالمین کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن شاید ان سب میں سب سے اہم تقسیم یہ ہو: عالم مرئی اور عالم غیر مرئی (ان دیکھا جہاں)۔

عالم مرئی میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو طبعی یا مشینی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہو۔ عالم غیر مرئی تو شاید زیادہ پر اژدھام، بارونق اور زیادہ شور و شغب کا حامل ہوگا۔ ریڈیائی لہروں، کشش کی لہروں، رنگوں اور جراثیم کے علاوہ لاکھوں غیر مرئی موجودات اس کائنات میں موجود ہیں جن کا عشر عشیر بھی انسان کے حیطۂ انکشاف میں نہیں آیا۔ قرآن اس ان دیکھی دنیا کی طرف ایک خفیف اشارہ فرماتا ہے:

| | |
|---|---|
| فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ [3] | پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو۔ |

**تسبیح ایک آفاقی فریضہ:** ارشاد الٰہی ہے:

| | |
|---|---|
| وَ اِنۡ مِّنۡ شَيۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَ لٰكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ [4] | اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثنا میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ |

مفسرین نے یہاں پر ہر شے کی تسبیح سے مراد یہ لیا ہے کہ ان چیزوں کا وجود ذات باری تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتا ہے یا ان کے وجود میں جو حکمت الٰہیہ مضمر ہے، یعنی ہر چیز بزبان حال بتاتی ہے کہ ان

---

۱۔ ۵۱ ذاریات: ۴۹ ۲۔ ۳۶ یسین: ۳۶ ۳۔ ۶۹ حاقہ: ۳۸-۳۹ ۴۔ ۱۷ اسراء: ۴۴

حکمت آمیز اشیاء کا خالق ہر نقص و شرک سے پاک ہے۔

مگر یہ تفسیر درج ذیل وجوہ کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے:

۱۔ اس آیت میں فرمایا گیا: لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ "تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو"۔ لیکن اگر تسبیح سے مراد یہی تکوینی تسبیح ہے تو اسے تو ہم سمجھ بھی رہے ہیں اور بیان بھی کر رہے ہیں۔

۲۔ دوسری جگہ پر ارشاد ہوا ہے کہ یہ اشیاء اپنی دعا و تسبیح کا علم بھی رکھتی ہیں۔ اگر یہ تکوینی تسبیح ہے تو خود اشیاء کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔

ملاحظہ ہو آیت مجیدہ:

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ‌ؕ كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسۡبِيۡحَهٗ[۱]

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی؟ ان میں سے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

۳۔ قرآن کریم نے ان میں سے بعض کی تسبیح کے لیے وقت بھی بتایا ہے کہ پہاڑ صبح و شام تسبیح پڑھتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِشۡرَاقِ ﴿۱۸﴾[۲]

ہم نے ان کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا تھا، یہ صبح و شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔

اگر تسبیح سے مراد تکوینی تسبیح ہے تو اس کا کوئی وقت نہیں ہوتا بلکہ یہ تو غیر ارادی طور پر خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ لیکن آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں کی تسبیح کا وقت بھی مقرر ہے اور معین وقت کی تسبیح کبھی بھی بلاشعور نہیں ہو سکتی ہے۔

**صدر المتألہین شیرازی کا نظریہ:** اس عظیم فلسفی کا نظریہ اس ضمن میں یہ ہے کہ انسان سے لے کر نباتات و جمادات، ہر شے میں کسی حد تک شعور و ادراک موجود ہے، مگر ایک جیسا نہیں، بلکہ کچھ تفاوت کے ساتھ اور اس کا کلیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ موجودات میں جہاں مادیت کا پہلو قوی ہو گا وہاں حیات و شعور کا پہلو کمزور ہو گا اور جہاں مادیت کا پہلو کمزور ہو گا، وہاں حیات و شعور کا پہلو قوی ہو گا۔ اپنے اس نظریے کے لیے وہ مذکورہ بالا آیات سے ہی استدلال کرتے ہیں۔

**سائنسی نظریہ:** جدید سائنسی تحقیقات بھی اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ پودوں میں بھی شعور و ادراک موجود ہے۔ چنانچہ یہ امر ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پودوں میں ڈر، خوشی، سرمستی اور دیگر قسم کے شعور موجود

---

۱۔ ۲۴ نور: ۴۱
۲۔ ۳۸ ص: ۱۸

ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں اس سلسلے میں مزید انکشافات ہوں گے۔ یوں قرآن ہر دور میں اپنا تازہ ترین معجزہ پیش کرتا رہے گا۔

**فضائے آسمان:** قرآن مجید نے فضائے آسمان کی کیفیت اس زمانے میں بتائی جب لوگوں کو ابھی یہ بھی علم نہ تھا کہ اگر انسان اس میں بلند ہو جائے تو کیسے حالات سے دوچار ہوگا۔

لیکن اس صدی کے انسان کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ انسان زمین سے جتنا بلند ہوتا جاتا ہے، ہوا اتنی ہی رقیق سے رقیق تر ہوتی جاتی ہے۔ زیادہ بلندی پر پہنچ جانے کی صورت میں آکسیجن کی کمی کی وجہ سے انسان کے لیے سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے مزید بلند ہونے پر انسان تنگی تنفس سے ہلاک ہوسکتا ہے۔

یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد درج ذیل آیت میں قرآن کا پیش کردہ مفہوم واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ[1]

پس جسے اللہ ہدایت بخشنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہو۔

**مواقع نجوم:** ہم زمین کی محدود مسافتوں کو ناپنے کے لیے میل، فرسخ یا کلومیٹر وغیرہ کو پیمانہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن لامتناہی کائنات میں پھیلے ہوئے بے شمار ستاروں اور کہکشاؤں کے فاصلوں کو ناپنے کے لیے ہمارے یہ محدود پیمانے نہایت ناکافی ہیں۔ لہٰذا اس چیز کو پیمانہ قرار دیا گیا جو اب تک کی انسانی معلومات کے مطابق کائنات میں سب سے زیادہ تیز رفتار ہے اور وہ ہے نور کی رفتار۔ نور ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر مسافت طے کرتا ہے اور سال میں ساٹھ کھرب ($6x10^{12}$) میل کا فاصلہ طے کرتا ہے۔ اس لیے ساٹھ کھرب میل کو ایک نوری سال کہتے ہیں۔

سورج کا نور ہم تک آٹھ منٹ میں پہنچتا ہے۔ علاوہ ازیں ہم سے نزدیک ترین ستارے کا نور ہم تک چار نوری سالوں میں پہنچتا ہے۔ کچھ ستارے ہم سے تین سو نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں اور کچھ اس سے بھی زیادہ فاصلے پر ہیں۔ اس کے بعد کہکشاؤں کی باری آتی ہے کہ کچھ کہکشائیں ہم سے بیس لاکھ یعنی دو ملین، کچھ دس ملین اور کچھ سو ملین نوری سالوں کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اب تک لاکھوں کہکشاں دریافت ہو چکی ہیں اور ہر کہکشاں میں لاکھوں ستارے موجود ہیں۔

ماضی قریب میں ایک ایسی کہکشاں کا انکشاف ہوا ہے جو ہم سے پانچ ہزار ملین نوری سال کے فاصلے پر موجود ہے۔

---

[1] ۶ انعام : ۱۲۵

ارشاد ربانی ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾[1]

میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے مقامات کی اور اگر تم سمجھوتو یہ یقینا بہت بڑی قسم ہے۔

خدایا! ہم تیری عظمت اور تیری مخلوقات کی عظمت کو کیا سمجھیں! ہاں! جس حد تک ہم نے سمجھا اور جانا ہے، واقعاً یہ تیری بہت بڑی قسم ہے۔

**آسمانوں کی زندہ مخلوقات:** اگرچہ سائنسدانوں کو یہ توقع ہے کہ دیگر سیاروں پر زندگی کے آثار موجود ہو سکتے ہیں لیکن آج تک انسان سوائے ظن وتخمین کے کسی آسمانی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جان سکا مگر قرآن نے پوری وضاحت کے ساتھ بتا دیا ہے کہ آسمانوں میں زندہ مخلوقات موجود ہیں:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾[2]

اور آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور وہ جاندار جو اس نے ان دونوں میں پھیلا رکھے ہیں اس کی نشانیوں میں سے ہیں اور وہ جب چاہے انہیں جمع کرنے پر خوب قادر ہے۔

اس آیہ شریفہ میں ان مخلوقات کے آئندہ ایک جگہ جمع ہونے کی پیشین گوئی بھی ہے۔ لہٰذا جب انسان آسمانی مخلوق سے آشنائی پیدا کرے گا اور یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھیں گے تو اس وقت قرآن مجید وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ کے الفاظ میں تازہ ترین معجزہ پیش کر رہا ہوگا۔

**کائنات کی وسعت:** یہ کائنات متناہی ہے یا لامتناہی۔ یہ ایک الگ بحث ہے، لیکن اب تک انسان نے اس کائنات کی وسعت کے بارے میں جو علم حاصل کیا ہے، وہ اگرچہ حقیقت کائنات کے مقابل تو ہیچ ہے، لیکن پھر بھی اس سے کائنات کا ایک عظیم نقشہ ذہن میں ابھرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس وسیع کائنات میں ابھی کئی کہکشائیں ایسی بھی ہیں جن کی روشنی ہم تک نہیں پہنچی۔ یعنی کھربوں سال سے ان کی روشنی مسافت طے کر رہی ہے مگر ابھی تک وہ زمین پر نہیں پہنچ سکی۔

علم فلکیات کا یہ نظریہ اب ماہرین کے ہاں مسلمہ قرار پا چکا ہے کہ یہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور کہکشائیں ہم سے دور ہٹ رہی ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں جب آئن سٹائن نے اضافت عمومی کی مساوات کا نظریہ پیش کیا تھا تو اس نے ثابت کیا تھا کہ یہ کائنات یا تو سکڑ رہی ہے یا پھیل رہی ہے۔ جب کہ اس سے پہلے کے ماہرین کائنات کو ثابت اور غیر متحرک سمجھتے تھے۔ اس وقت نظریے کو اپنے نظریہ اضافت عمومی کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے آئن سٹائن نے مجبوراً "مستقل کائنات" کا نظریہ قائم کیا جو خود اس کے اپنے نظریے

---

[1] ۵۶ واقعہ: ۷۵۔۷۶ [2] ۴۲ شوریٰ: ۲۹

سے متصادم تھا۔ چنانچہ بعد میں اس نے خود اعتراف بھی کیا کہ میری زندگی میں یہ سب سے بڑی سائنسی غلطی کا ارتکاب تھا۔ بعد میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ کائنات بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے اور کہکشائیں دور ہٹ رہی ہیں اور مزید یہ انکشاف بھی ہوا کہ کسی کہکشاں کے دور ہٹنے کی رفتار اس فاصلے سے متناسب ہے جو ہمارے اور اس کہکشاں کے درمیان ہے۔

خالق کائنات نے اس کا پہلے ہی یوں اعلان کر رکھا ہے:

وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾[۱]

اور آسمان کو ہم نے اپنی طاقت سے بنایا اور ہم ہی وسعت دینے والے ہیں۔

گویا:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے مسلسل صدائے کُن فَیَکُون

(اقبال)

**مخمور آنکھیں:** آسمان کی خلاؤں میں روشنی مختلف رنگوں میں یوں رقص کیا کرتی ہے کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی آنکھیں کسی جادو کا شکار ہوگئی ہیں۔

آرتھر کلارک نے اپنی کتاب "انسان اور خلا" میں اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے ایک باب مخصوص کیا ہے جس میں اس نے خلانوردوں کے بیانات تحریر کیے ہیں کہ جب وہ خلائے بسیط میں پہنچے تو انہوں نے وہ عجب رنگا رنگ، چمک دمک اور اس سے ایک ہم آہنگی دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی اور انہیں محسوس ہوا کہ گویا ان پر نشہ طاری ہوگیا ہے یا ان کے آنکھوں کو جادو کر دیا گیا ہے۔[۲]

اب ذرا اس آیت کا ارشاد سنیے:

وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾[۳]

اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ روز روشن میں اس پر چڑھتے چلے جائیں تو یہی کہیں گے: ہماری آنکھوں کو یقیناً مدہوش کیا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آیت کی تفسیر یہی ہے بلکہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خلا میں سب سے پہلے خلانورد کے الفاظ وہی تھے جو قرآن نے فرمائے ہیں

**مادہ اولین:** ارشاد الٰہی ہے:

---

۱۔ ۵۱ ذاریات: ۴۷ ۲۔ Man and Space by Arthur Clark ۳۔ ۱۵ حجر: ۱۴۔ ۱۵

وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرۡشُهٗ عَلَی الۡمَآءِ ۔۔۔[1]

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

عرش خدا کا حاکمیت، تدبیریت کے معنوں میں لیا جانا ہی آیت کے سیاق و سباق سے مناسبت رکھتا ہے۔ یوں عرش خداوندی کے پانی پر ہونے کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت، جب اللہ آسمانوں اور زمین کو بنا رہا تھا تو اس وقت اس کی حاکمیت وسلطنت پانی پر تھی۔

حضرت علی علیہ السلام سے ایک موقع پر سوال کیا گیا کہ عرشِ الٰہی کتنی مدت پانی پر رہا؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

لو ان الارض من المشرق الی المغرب و من الارض الی السماء حب خردل ثم کلفت علی ضعفک ان تحمله حبة حبة من المشرق الی المغرب حتی أفنیته لکان ربع عشر جزء من سبعین ألفِ جزء من بقاء عرش ربّنا علی الماء قبل ان یخلق الارض و السماء، ثم قال : انما مثلت لک مثالا ۔[2]

اگر کرۂ ارض مشرق سے مغرب تک اور زمین سے آسمان تک رائی کے دانوں سے بھر دیا جائے اور پھر تیری ناتوانی کے باوجود تجھے یہ حکم ملے کہ ان دانوں کو ایک ایک کر کے مشرق سے مغرب تک لے جاؤ تو ان دانوں کو ختم کرنے پر جو وقت صرف ہو گا وہ ستر اجزا میں سے دس اجزا کا چوتھائی (اس مدت کا اٹھائیسواں) حصہ ہو گا جو مدت آسمان و زمین کی خلقت سے پہلے "عرش خدا" کو پانی پر گزری ہے۔ پھر فرمایا: میں نے تو تمہارے لیے صرف ایک مثال پیش کی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

وخلق الشیء الذی جمیع الاشیاء منه و هو الماء الذی خلق الاشیاء منه فجعل نسب کل شی ء الی الماء و لم یجعل للماء نسبا ۔[3]

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے وہ مادہ خلق فرمایا جس سے تمام چیزیں وجود میں آئیں اور وہ پانی ہے جس سے سب چیزوں کو خلق فرمایا۔ اس طرح ہر چیز کی تخلیق پانی سے ہوئی اور پانی کسی چیز سے خلق نہیں ہوا۔

---

۱۔ ۱۱ھود: ۷
۲۔ البرھان فی تفسیر القرآن للبحرانی ۴: ۸۰ ۔ بحار الانوار ۱۰: ۱۲۷ میں مختلف عبارت ہے۔
۳۔ اصول الکافی ۸: ۹۴

**نطفۂ امشاج:** صلب پدر سے رحم مادر کی طرف مادہ منویہ کا سفر خدا شناسی اور خود شناسی کے لیے حیرت انگیز درس ہے۔ یہ امانت عظمیٰ جب صلب پدر سے آمادہ سفر ہوتی ہے تو مختلف غدود کو بڑی تیزی سے یہ پیغام ملتا ہے کہ راستے کو پیشاب کی عفونت وغیرہ کے مضر اثرات سے پاک کیا جائے۔ چنانچہ یہ غدود اپنے چھڑکاؤ کے ذریعے آن واحد میں تمام راستوں کی صفائی کرتے ہیں تاکہ یہ امانت صحیح طور پر اور سلامتی کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جائے۔

کروڑوں جرثوموں پر مشتمل یہ جماعت رحم میں موجود تخم کے پاس جانے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان جرثوموں کو معلوم ہے کہ تخم رحم کے آخری سرے پر ایک نلی میں موجود ہے اور ان کا انتظار کر رہا ہے۔ ادھر یہ تخم بھی اپنے تخم دان سے نکل کر اس نلی تک ایک سفر کر کے پہنچ جاتا ہے۔ جرثومے اور تخم دونوں کو معلوم ہے کہ یہ نلی ہی ان کا حجلۂ عروسی ہے۔ تخم کو خلیات کی ایک جماعت کی محافظت میں حجلۂ عروسی میں پہنچایا جاتا ہے۔ جرثوموں کی ایک معتد بہ تعداد تخم کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کی امید میں تخم میں داخل ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ تخم میں داخل ہونے کے لیے تیز دھار سر کی ضرورت ہے، چنانچہ ایک جرثومہ اپنی نوک سر کے ذریعے تخم میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اسی وقت دیگر تمام ناکام جرثوموں کا داخلہ ممنوع قرار پاتا ہے اور انہیں باہر دھکیل دیا جاتا ہے۔ تخم کامیاب جرثومے کو خوش آمدید کہتا ہے اور اس کے ساتھ شادی رچاتا ہے اور اسے اپنے دل میں جگہ دیتا ہے۔ واضح رہے انسان کے جسم میں موجود جسمانی خلیے کا مرکزہ ۴۶ کروموسومز (Chromosomes) پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک مستقل سیل (Cell) ہے، لیکن جنسی خلیے کے مرکزہ میں ۲۳ کروموسومز (Chromoso mes) ہوتے ہیں جو جسمانی خلیے کا نصف ہیں۔ چنانچہ انسانی تخلیق کے لیے ایک مستقل سیل (نطفہ) تشکیل دینے کے لیے مرد و زن میں سے ہر ایک ۲۳ کروموسومز فراہم کرتے ہیں، جس سے ایک مستقل سیل بہ اصطلاح قرآن **نطفہ امشاج** (مخلوط نطفہ) وجود میں آتا ہے:

| | |
|---|---|
| اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا ۝۲ [1] | ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا کہ اسے آزمائیں، پس ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنایا |

**عفت و پاکدامنی:** جب ایک جرثومہ تخم میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاتے ہیں تو تخم کی پاکدامنی اور عفت دیکھیے کہ وہ کسی اور جرثومے کو قریب آنے کی اجازت نہیں دیتا اور دوسرے کروڑوں خواستگاروں پر اپنی جاذبیت کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔

**امشاج** کا لفظ جمع ہے اور اس کا مفرد **مشج** ہے۔ **نطفة امشاج** میں **نطفة** موصوف اور **امشاج** صفت ہے۔ **امشاج** جمع ہونے کی صورت میں **نطفة** کو بھی جمع مان لینا پڑے گا کیونکہ عربی گرائمر

---

[1] ۷۶ انسان: ۲

کے تحت مفرد کی صفت مفرد اور جمع کی صفت جمع ہی آتی ہے۔ **نطفة** اس حالت کو کہتے ہیں جس میں ۲۳ پدرانہ اور ۲۳ مادرانہ کروموسومز کا ملاپ اور اختلاط ہو۔

لٰہذا جدید ترین نظریہ اس آیت کے ساتھ صحیح مطابقت رکھتا ہے۔

**مضغۂ غیر مخلقه:** ارشاد ربانی ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَـكُمۡ‌ ؕ وَنُقِرُّ فِى الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔۔۔[1]

اے لوگوں! اگر تمہیں موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں شبہ ہے تو (سوچو) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی تخلیق شدہ اور غیر تخلیق شدہ بوٹی سے تاکہ ہم (اس حقیقت کو) تم پر واضح کریں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک مقررہ وقت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ‌ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَؕ ﴿۱۴﴾[2]

پھر ہم نے لوتھڑے کو بوٹی کی شکل دی۔ پھر ہم نے بوٹی سے ہڈیاں بنا دیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا۔ پس بابرکت ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین خالق ہے۔

مندرجہ بالا آیات کے مطابق انسان کے مراحل تخلیق یہ ہیں:

۱۔ تراب　　مِّنۡ تُرَابٍ
۲۔ نطفۂ امشاج　　مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ
۳۔ لوتھڑا (چمٹنے والا)　　مِنۡ عَلَقَةٍ
۴۔ بوٹی　　مِنۡ مُّضۡغَةٍ
۵۔ ہڈی　　فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا
۶۔ گوشت　　فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا
۷۔ خلق آخر　　ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ

**مضغۂ مخلقه:** مفسرین، مترجمین نے مُّخَلَّقَةٍ کا ترجمہ پوری اور غَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ کا ترجمہ

---

[1] ۲۲ حج: ۵　　[2] ۲۳ مومنون: ۱۴

ادھوری کیا ہے جو بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ مُّخَلَّقَةٍ اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اس مُّضْغَةٍ کی صفت ہے جس سے انسان خلق ہو رہا ہے۔ ادھوری سے تو خلق نہیں ہوا کرتا۔

جدید نظریات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مُضْغَة کی دو ذمہ داریاں ہیں۔ ایک تو بچے کی تخلیق اور دوسرے اس کی حفاظت۔ **مضغہ مخلقہ** کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بچے کے اعضاء بنائے، جب کہ **مضغہ غیر مخلقہ** کا کام یہ ہے کہ وہ اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اس کے لیے غذا کا انتظام کرے۔ چنانچہ ظلماتِ ثلاث میں بند اس نازک مخلوق کے لیے شش جہت سے غذا بہم پہنچائی جاتی ہے۔

مُضْغَة کے وسط میں ایک خاص شے ہوتی ہے جس نے آئندہ دماغ اور حرام مغز بننا ہوتا ہے اور اس کے پہلو میں چند قطعے ہوتے ہیں جن سے ریڑھ کی ہڈی تشکیل پاتی ہے۔ پھر پورے جسم کی ہڈیاں بنتی ہیں پھر ان پر گوشت کا لبادہ چڑھایا جاتا ہے۔ فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ **صدق اللہ العلی العظیم۔**

# جمع قرآن

کتابت اسلام سے پہلے۔ کتابت اسلام کے بعد۔
وسائل کتابت۔ قرآن میں کتابت کا ثبوت۔کاتبان وحی۔ جمع و تدوین قرآن۔ حفظ قرآن۔ حافظان قرآن کی تربیت ۔ اجتماعی حفظ۔قوت حافظہ ۔ حافظان قرآن کا مقام۔ نماز اور قرآن۔تعلیم قرآن۔ دار القراء۔ عشق قرآن ۔ دقیق نظر۔ تدوین قرآن۔ ترتیب آیات۔ ترتیب آیات و ترتیب نزول۔ ترتیب سورہ ہائے قرآن۔ جمع قرآن در عصر رسولؐ۔ فریضہ الٰہی۔ قرآن سے کتابت قرآن کا ثبوت۔شیوۂ رسولؐ۔عصر رسولؐ کے جامعین قرآن۔ اصحاب کا عرضۂ قرآن۔ ختم قرآن۔ جبرئیل کا دورہ قرآن۔ فاتحۃ الکتاب۔قرآن کا دفعۃً نزول۔تواتر قرآن۔ وصیت رسولؐ۔ اصناف سورہ ہائے قرآن ۔ترتیب آیات کا توقیفی ہونا۔ عصر رسالت میں قرآنی نسخے۔ جمع قرآن بعد از رسولؐ۔ چند حقائق ۔تواتر قرآن اور دو گواہ ۔ زید بن ثابت۔ دیگر قرآنی نسخے ۔ مصحف علیؑ ۔ وصیت رسولؐ ۔نسخہ محمدی کی جمع و تدوین۔ اس نسخہ کی افادیت۔ یہ نسخہ امت کو پیش کیا گیا۔ یہ نسخہ کہاں ہے؟ اختلاف قراء ت اور نسخہ۔ یہ نسخہ ربعہ میں۔ تضادات۔ عصر حضرت ابوبکر میں جمع قرآن۔ عصر حضرت عثمان اور قرآن۔ آرمینیا کی جنگ۔ علمائے امت کا فیصلہ۔ کمیٹی کی تشکیل۔ سرکاری مداخلت۔ ایک حرف کا تغیر۔ حضرت عثمان جامع قرآن نہیں ہیں۔
حضرت علیؑ کا مؤقف۔ موجودہ قرآن ۔

**کتابت، اسلام سے پہلے:** اسلام سے پہلے عرب قوم کتابت اور تحریر و تدریس سے بالکل نابلد تھی۔ چنانچہ اسلام سے پہلے مکہ میں صرف ایک فرد کتابت سے واقف تھا[1] جس کا نام **حرب بن امیہ بن عبدالشمس** تھا۔ دوران مسافرت اس نے مکہ سے باہر متعدد لوگوں سے کتابت سیکھی۔ان میں بشر بن عبد الملک صاحب **دومۃ الجندل** بھی شامل ہے۔ یہ مکہ میں بھی آیا اور یہاں لوگوں کو کتابت سکھائی۔ چنانچہ ایک شاعر نے اس کے اس عمل کو سراہتے ہوئے کہا:

**ولا تجحدوا نعماء بشر علیکم و        فقد کان میمون النقیبة ازھرا**

**اتاکم بخط الجزم حتی حفظتمو        من المال ما قدکان شتی مبعثرا[2]**

جب حضورؐ کی بعثت ہوئی تو اس وقت مکہ میں سترہ افراد کتابت جانتے تھے۔

**کتابت اسلام کے بعد:** کتابت چونکہ حصول علم کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس اعتبار سے اسلام نے **علم** اور **قلم** کو باہم مقرون کیا۔ چنانچہ ابتدائے وحی میں جس چیز کا سب سے پہلے ذکر آیا ہے وہ **قرائت**، **علم** اور **قلم** ہیں:

| | |
|---|---|
| اِقۡرَاۡ وَ رَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ ۞ الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ[3] | پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ |

حدیث نبویؐ میں ہے:

| | |
|---|---|
| **اذ کان یوم القیامة وزن مداد العلماء بدماء الشھداء فیرجح مداد العلماء علی دماء الشھداء[4]** | قیامت کے دن علماء (کے قلم) کی سیاہی کا وزن شہداء کے خون کے ساتھ کیا جائے گا تو علماء (کے قلم) کی سیاہی شہداء کے خون سے زیادہ وزنی ثابت ہوگی۔ |

جنگ بدر میں ساٹھ مشرکین قیدی بنے تو رسول اکرمؐ نے ان قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ دس مسلمانوں کو کتابت سکھانا قرار دیا۔ یوں آپؐ نے کتابت اور خواندگی کو آزادی کا ہم پلہ قرار دیا۔ اس واقعہ سے اسلامی تمدن کی تشکیل اور اسلام اور علم کے درمیان رشتے کی مضبوطی کا اندازہ ہوتا ہے۔

---

۱۔ مناھل العرفان ۱: ۲۵۵    ۲۔ زنجانی۔ تاریخ القرآن ص ۳۱    ۳۔ ۹۶ علق: ۳۔۴    ۴۔ الامالی للصدوق ص ۱۶۸

**وسائل کتابت:** عصر رسالت میں تدوین کتب اور رسل و رسائل کے لیے درج ذیل اشیاء لکھنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں:

۱۔ **العسب**۔ کھجور کی چھال

۲۔ **لخاف**۔ سفید باریک پتھر

۳۔ **رقاع**۔ چمڑے کے ٹکڑے

۴۔ **کتف**۔ بکری کے شانوں کی ہڈی

۵۔ **قتب**۔ پالان کی لکڑی

۶۔ **شظاظ**۔ وہ لکڑی جس سے بورے کا منہ باندھتے ہیں

۷۔ **اشار**۔ چیرے ہوئے تختے

۸۔ **قضیم**۔ سفید چمڑا

۹۔ **رق**۔ پتلا چمڑا

۱۰۔ **حریر**۔ ریشمی کپڑا

۱۱۔ **قراطیس**۔ کاغذ

زیادہ تر کتابت کاغذوں اور چمڑوں پر ہوتی تھی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی طرف سے جاری شدہ امان نامے اور مختلف حکمرانوں کو لکھے جانے والے خطوط چمڑوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ اس زمانے میں چین کاغذ سازی میں سب سے آگے تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں بھی کاغذ بنتا تھا جو یمن میں فروخت ہوتا تھا۔ رومی بھی کاغذ بناتے تھے جو شام میں بکتا تھا اور ایرانی بھی کاغذ تیار کرتے تھے۔ یہ عراق میں بھی ملتا تھا۔

زمانہ رسالتمآب ﷺ میں مندرجہ بالا اشیاء پر کتابت ہوا کرتی تھی اور ان پر لکھے گئے قرآن کو **صحیفہ** کہتے تھے اور جب ان مختلف ٹکڑوں کو کتابی شکل میں جمع کیا جاتا تو اسے **مصحف** کہتے تھے۔

حضرت عثمان کے دور میں غیر سرکاری **مصاحف** کے جلا دیے جانے والے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں قرآن کاغذوں پر تحریر کیا جاتا تھا۔

**مابین الدفتین:** کھال سے بنی ہوئی جلد کو **دف** کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اہم دستاویزات ان پر لکھی جاتی تھیں بعد میں کاغذ پر لکھا جانا شروع ہوا اور اسے محفوظ رکھنے کے لیے چمڑے کی دو جلدوں کے درمیان باندھ دیا جاتا تھا۔ ان دونوں جلدوں کو **دفتین** اور ان میں محفوظ کیے گئے کتابت شدہ موضوع کو **مابین دفتین** کہا جاتا تھا۔

خود قرآن مجید سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ صدر اسلام میں کتابت کے لیے لچکدار اشیاء موجود تھیں۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلۡکُتُبِ [1]

اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح طومار میں اوراق لپیٹتے ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَ لَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ کِتٰبًا فِیۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ ۔۔۔ [2]

اور (اے رسول) اگر ہم کاغذوں پر لکھی ہوئی کوئی کتاب بھی آپ پر نازل کرتے اور یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے اسے چھو بھی لیتے۔

مزید فرمایا:

اِنَّا کُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾ [3]

جو تم کرتے تھے ہم اسے لکھواتے رہتے تھے۔

**قرآن میں کتابت قرآن کا ثبوت:** یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو حضورﷺ کسی کاتب کو بلا لیتے اور لکھنے کا حکم فرماتے اور املاء کرانے کے بعد کاتب سے فرماتے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھ کر سنائے۔ کاتب سنا دیتا۔ اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوتی تو آپﷺ اس کی اصلاح فرما دیتے۔[4]

مشرکین مکہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اکرمﷺ لکھوایا کرتے تھے۔ چنانچہ مکہ میں نازل ہونے والی سورہ فرقان میں ارشاد ہوا ہے:

وَ قَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَهَا فَهِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡهِ بُکۡرَةً وَّ اَصِیۡلًا [5]

اور کہتے ہیں: (یہ قرآن) پرانے لوگوں کی داستانیں ہیں جو اس شخص نے لکھ رکھی ہیں اور جو صبح و شام اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں اس بات کی شہادت بھی ملتی ہے کہ آغاز نزول ہی سے قرآن ضبط تحریر میں آتا رہا ہے۔ چنانچہ ہجرت سے سات سال قبل نازل ہونے والی سورہ بینہ میں ارشاد ہوتا ہے:

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ [6]

اللہ کی طرف سے ایک رسول جو انہیں پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔

اور سورہ عبس میں خود قرآن کے بارے میں ارشاد ہوا:

کَلَّاۤ اِنَّهَا تَذۡکِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿۱۴﴾ [7]

ہرگز نہیں! یہ (آیات) یقیناً نصیحت ہیں۔ پس جو چاہے انہیں یاد رکھے۔ یہ محترم صحیفوں میں ہیں۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔

---

۱۔ ۲۱ انبیاء: ۱۰۴　۲۔ ۶ انعام: ۷　۳۔ ۴۵ جاثیہ: ۲۹　۴۔ مجمع الزوائد ص ۴۰
۵۔ ۲۵ فرقان: ۵　۶۔ ۹۸ بینہ: ۲　۷۔ ۸۰ عبس: ۱۱ تا ۱۴

مزید فرمایا:

وَ الطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ [1] — قسم ہے طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی ایک کشادہ ورق میں۔

**کاتبان وحی:** قرآن مجید ایک درمیانے حجم کی کتاب ہے جو تیئیس (۲۳) برسوں میں بتدریج قلب رسولﷺ پر نازل ہوتی رہی۔ بظاہر ایک دو کاتب اس کی کتابت کے لیے کافی تھے، لیکن صاحب تاریخ دمشق نے کاتبان کی تعداد تیئیس بتائی ہے۔ بعض مورخین کے ہاں یہ تعداد ۴۳ یا ۴۵ تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ حضرت علیؑ اور مدنی زندگی میں حضرت زید بن ثابت کا نام سننے میں آتا ہے۔

مورخین نے جن ۴۳ یا ۴۵ افراد کے نام کاتبین وحی کے زمرے میں درج کیے ہیں، ان میں سے اکثر کے کاتب وحی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ بعض اصحابؓ جو کتابت و قراءت قرآن میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور ان میں سے کچھ کے بارے میں تو یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے زمان رسولﷺ ہی میں قرآن جمع کر لیا تھا، ان کے نام کاتبین وحی کے فہرست میں نہیں ملتے۔ مثلاً **انس بن مالک، منذر بن عمرو، اسید بن حضر، رافع بن مالک، ابو عبیدہ بن جراح، سعد بن عبید** اور **ابو الدرداء و غیرھم۔**

اس کی ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ کاتبان وحی سے مراد وہ حضرات ہیں جو رسول اللہﷺ کے لیے لکھتے تھے۔ بالفاظ دیگر نسخہ محمدیﷺ کی تدوین کرنے کے لیے لکھتے تھے۔ ہر قرآن لکھنے اور اسے جمع کرنے والے کو کاتب وحی نہیں کہا جاتا تھا۔

ایک کاتب وحی عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح مرتد ہو گیا تھا۔ یہ ان چھ افراد میں شامل تھا جن کے بارے میں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ انہیں ہر حال میں قتل کر دیا جائے۔ مگر اس کے رضاعی بھائی نے اسے امان دلوا دی۔

کاتب وحی ہونا چونکہ ایک قابل فخر مقام تھا اس لیے کچھ لوگوں نے اپنے دور اقتدار میں اپنا نام بھی اس فہرست میں شامل کروا دیا۔ مثلاً معاویہ نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، یعنی حضورﷺ کی وفات سے صرف دو سال چھ ماہ قبل وہ مسلمانوں میں شامل ہوا، مگر اس کے باوجود ابن حجر اپنی کتاب **الاصابہ** میں معاویہ کو کاتبین وحی میں شامل کرتے ہیں اور حضرت علیؑ کا ذکر تک نہیں کرتے۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے یزید، ابوسفیان اور حصین بن نمیر (قاتل امام حسینؑ) کو بھی کاتبین وحی میں شامل کیا ہے۔

**جمع و تدوین قرآن:** قرآن کی جمع و تدوین نہایت اہمیت کا حامل مسئلہ ہے۔ اس پر سیر حاصل بحث و تحقیق کی ضرورت ہے کہ قرآن قلب رسولﷺ سے امت کی طرف کیسے منتقل ہوا؟ کیونکہ رسالتمآبﷺ

---

[1] ۵۲ طور: ۱ تا ۳

کے وصال کے بعد پیش آنے والے سیاسی و اجتماعی حالات نے اس حقیقت کو بھی غیر واضح کر دیا کہ قرآن کی جمع و تدوین کی کیا صورت تھی؟ ذیل میں ہم اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

لفظ جمع کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ لوح قلب میں حفظ کر لینے کو بھی "جمع" کہتے ہیں۔ چنانچہ حفاظ قرآن کو **جماع القرآن** بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ آیات اور سورتوں کو بلحاظ ترتیب نزول کتابت کر کے کتابی شکل میں لانا۔

۳۔ آیات اور سورتوں کو بالترتیب کتابت کر کے کتابی صورت میں مدون کرنا۔

۴۔ متعدد قرائتوں میں سے صرف ایک قراءت پر ہی لوگوں کو متفق رکھنا۔

پہلے معنی کے مطابق قلب رسول اکرمؐ اور قلوب آل و اصحاب رسولؐ میں قرآن جمع اور محفوظ تھا۔

دوسرے معنی کے مطابق عصر رسالتؐ میں جمع کردہ قرآن مختلف صحیفوں میں تحریر تھا۔

تیسرے معنی کے مطابق بھی عصر رسالتمآبؐ میں قرآن جمع اور مدون ہوا تھا۔

چوتھے معنی کے اعتبار سے قرآن کو عصر حضرت عثمان میں ایک ہی قراءت پر مجتمع کیا گیا۔

اب ان موضوعات پر ہم قدرے تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

**حفظ قرآن:** جمع قرآن بمعنی حفظ، عہد رسالتؐ میں یقینا ہوتا رہا ہے اس میں کسی شک و تردید کی گنجائش نہیں اور نہ ہی کسی دلیل و برہان کی ضرورت ہے۔ البتہ ہم یاد دہانی کے لیے چند شواہد کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ جمع و حفظ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ[۱]

(اے نبی) آپ وحی کو جلدی (حفظ) کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقینا ہمارے ذمے ہے۔

علامہ طبرسی نے **مجمع البیان** میں اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

**ان علینا جمعه و قرآنه علیک حتی تحفظه و یمکنک تلاوته فلا تخف فوت شی منه۔**[۲]

قرآن کا جمع کرنا اور آپ کو پڑھانا ہمارے ذمے ہے تا کہ آپ قرآن کی تلاوت کر سکیں لہٰذا آپ قرآن کے کسی حصے کے رہ جانے کی فکر نہ کریں۔

---

۱۔ ۷۵ قیامت: ۱۶۔ ۱۷

۲۔ تفسیر مجمع البیان للطبرسی ۱۰: ۵۰۴

نیز قرآن میں ارشاد ہوا:

| | |
|---|---|
| وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰۤى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا [1] | اور آپ پر ہونے والی اس کی وحی کی تکمیل سے پہلے قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کریں اور کہدیا کریں: میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔ |
| سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى [2] | (عنقریب) ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔ |

حضورﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپﷺ وحی کے مکمل ہونے سے قبل ہی آیت کی تلاوت شروع کر دیتے تا کہ آیت رہ نہ جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوئی کہ ہم آپ کو پڑھائیں گے تو پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

۲۔ سینۂ رسولﷺ میں قرآن محفوظ ہونے اور اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے خود اپنے ذمے لینے کے بعد دوسرا مرحلہ سینۂ رسول سے امت کے سینوں میں اس کی منتقلی کا تھا۔ اس مرحلے میں تحفظ قرآن کو یقینی بنانے کے لیے رسول اسلامﷺ نے متعدد اقدامات فرمائے۔

**الف۔ حافظان قرآن کی تربیت:** رسالتمآبﷺ نے قرآن مجید کو امت کے سینوں میں منتقل کرنے کے لیے حافظان قرآن کی وسیع پیمانے پر تربیت فرمائی۔

چنانچہ عصر رسالتﷺ میں ہی حافظان قرآن کی تعداد اس قدر زیادہ ہوگئی تھی کہ نام بنام انہیں شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ [3]

بعض محققین کے مطابق عصر رسولﷺ اور اس سے متصل زمانے میں حافظان قرآن کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

**اجتماعی حفظ:** جو لوگ پورے قرآن کو حفظ نہیں کر سکتے تھے وہ آپس میں مل کر قرآن کو تقسیم کر لیتے اور ہر فرد چند سورتیں حفظ کر لیتا تھا اور بعد میں مل کر ختم قرآن کرتے تھے۔ [4]

**مستشرق بلاشر** حفظ قرآن اور جمع قرآن میں اشتباہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حافظان قرآن کی تعداد سات سے زیادہ نہیں تھی، حالانکہ متعدد روایات سے جامعین قرآن کی تعداد عصر رسالتﷺ میں سات معلوم ہوتی ہے، جب کہ حافظان قران کی تعداد تو حد وشمار سے باہر ہے۔

چنانچہ سن ۴ ہجری میں رسول اللہﷺ نے قبیلہ بنی عامر کو قرآن کی تعلیم دینے کے لیے اپنے اصحاب میں سے ستر افراد کو روانہ فرمایا تھا جو سب کے سب حافظان قرآن تھے۔ حافظان قرآن کا یہ قافلہ جب بئر معونہ کے مقام پر پہنچا تو کفار نے انہیں گھیر کر سب کو شہید کر دیا۔ اس واقعے سے حضورﷺ کو اس قدر صدمہ

---

۱۔ ۲۰ طہ: ۱۱۴ ۲۔ ۸۷ اعلیٰ: ۶ ۳۔ البیان امام خوئی ص ۲۴۶ ۴۔ رامیار۔ تاریخ القرآن

ہوا کہ آپ ﷺ ایک ماہ تک قنوت نماز میں قاتلوں پر نفرین فرماتے رہے۔ یہیں سے نماز میں قنوت بھی سنت قرار پائی۔

اسی سال حضور ﷺ نے دس حافظان قرآن کو بنی **عضل و قارہ** میں قرآن کی تعلیم کے لیے روانہ فرمایا۔ جب یہ لوگ **رجیع** کے مقام پر پہنچے تو کفار نے انہیں گھیر لیا اور شہید کر دیا۔ اسی طرح غزوہ احد میں چوہتر (۷۴) مسلمان شہید ہوئے جن میں خاصی تعداد حافظان قرآن کی تھی۔

حضرت ابوبکر کے عہد حکومت میں جنگ یمامہ میں ستر (۷۰) حافظان قرآن شہید ہوئے تھے۔ جب کہ ایک اور روایت کے مطابق ان کی تعداد چار سو تھی۔ لیکن ابن کثیر کا خیال ہے کہ یہ تعداد پانچ سو تھی۔[۱]

بعض مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ صفین میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰) قاریان قرآن شریک تھے۔[۲]

**قوت حافظہ:** عربوں کی قوت حافظہ اس قدر قوی تھی کہ ساٹھ ستر بند پر مشتمل اشعار دو یا تین مرتبہ سننے کے بعد حفظ کر لیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سادہ، غیر متمدن اور صحرائی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی زندگیوں میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی اور نہ ہی اس سادہ اور باقی دنیا سے منقطع ماحول میں ان کے اذہان میں معلومات کا کوئی اژدھام تھا۔ اس لیے قرآن پاک جیسے پرکشش اور روح پرور کلام کا حفظ کرنا ان کے لیے نہایت آسان کام تھا۔

**حافظان قرآن کا مقام:** عصر رسالتمآب ﷺ میں حافظان قرآن کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ چنانچہ اگر جنگ میں کوئی حافظ قرآن شہید ہو جاتا تو سب سے پہلے اسے دفن کیا جاتا تھا۔ امام جماعت کے لیے قراءت قرآن معیار تھا بلکہ اس سے بھی قابل توجہ بات یہ ہے کہ حفظ قرآن کے معیار پر سالار لشکر بنایا جاتا تھا۔

> جب رسول خدا ﷺ نے **اسامہ بن زید** کو امیر لشکر بنایا تو بعض صحابہ نے تعجب کیا اور کہا کہ وہ اس نوعمری میں اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتا تو حضور ﷺ نے اسامہ کے اس منصب کے اہل ہونے کے اوصاف بیان فرمائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ اسامہ کو قرآن کا ایک حصہ حفظ ہے۔[۳]

اسی طرح **عثمان بن ابی العاص** کو قرآن حفظ ہونے کی وجہ سے طائف کا امیر مقرر کیا گیا۔

**ب۔ نماز اور قرآن:** حضور ﷺ نے تحفظ قرآن کو یقینی بنانے کے لیے اور اسے امت کے سینوں میں محفوظ رکھنے کے لیے قراءت قرآن کو نماز کے ساتھ جو کہ دین کا ستون ہے، مربوط فرمایا۔ چنانچہ خود رسالتمآب ﷺ نمازوں میں بالعموم اور نماز تہجد کی صرف ایک رکعت میں بالخصوص سورہ بقرہ اور آل عمران

---

۱۔ فضائل القرآن ص ۹　۲۔ منقری۔ صفین ص ۱۸۸　۳۔ ابن سعد طبقات ۲:۶ ۱۳ قسم اول

جیسی طویل سورتوں کی تلاوت فرماتے تھے[۱]۔ **حذیفہ بن یمان** کہتے ہیں کہ ایک شب میں نے حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھی تو رسول اللہؐ نے سورہ بقرہ سے تلاوت شروع فرمائی۔ پھر سورہ نساء کی تلاوت فرمائی، پھر سورہ آل عمران کی تلاوت فرمائی۔ حضورؐ نماز میں اس قدر قرآن کی تلاوت فرماتے تھے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا تھا[۲]۔

صرف نماز ہی میں نہیں بلکہ رات ہو یا دن جب بھی فرصت میسر ہوتی آپؐ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ سفر میں بھی اور سواری کی پشت پر بھی تلاوت قرآن فرمایا کرتے[۳]۔ محاذ جنگ پر بھی آپؐ بآواز بلند تلاوت قرآن فرماتے تھے[۴]۔

چنانچہ تلاوت قرآن کو سب سے افضل عبادت قرار دیا گیا۔

**ج۔ تعلیم قرآن:** دعوت اسلامی کے ساتھ ساتھ تعلیم قرآن کا عمل بھی نہایت اہتمام سے شروع ہوا۔ بیعت عقبہ کے بعد حضورؐ نے **مصعب بن عمیر** کو مدینہ میں تعلیم قرآن کے لیے معلم قرآن کے طور پر متعین فرمایا[۵]۔

بخاری کی روایت کے مطابق مدینہ میں تعلیم قرآن کے لیے سب سے پہلی **مصعب بن عمیر** اور **ابن ام مکتوم** مامور ہوئے۔ بعد میں **عمار** اور **بلال** کو تعلیم قرآن کے لیے بھیجا گیا[۶]۔

مدینہ میں تعلیم قرآن کے عمل کو وسیع پیمانے پر آگے بڑھایا گیا اور معلم اول کے طور پر رسالتمآبؐ اصحاب کرام کو بذات خود قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔

ایک مرتبہ **عبداللہ بن مسعود** نے کوفہ میں اپنے ساتھیوں سے کہا:

میں نے خود رسول اللہؐ سے ستر (۷۰) سورتیں پڑھی ہیں[۷]۔

عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں:

رسول اللہؐ ہمیں تشہد کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

ابی بن کعب کہتے ہیں:

میں مسجد میں داخل ہوا تو ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا میں نے اس سے پوچھا: تمہیں کس نے قرآن پڑھایا؟ اس نے بتایا: خود رسول اللہؐ نے[۸]۔

شیخ طوسی اپنی کتاب **الامالی** میں لکھتے ہیں کہ ابن مسعود نے ستر (۷۰) سورتیں خود رسول اللہؐ سے تعلیم پائیں اور باقی قرآن حضرت علیؑ سے[۹]۔

---

۱۔ رامیار۔ تاریخ القرآن　۲۔ صحیح البخاری: باب تہجد　۳و۴۔ رامیار: تاریخ قرآن ص ۲۲۴ بحوالہ مفتاح کنوز السنۃ
۵۔ ابن ہشام السیرۃ النبویۃ ۲:۷۶　۶۔ زنجانی۔ تاریخ القرآن ص۴۶　۷۔ تفسیر طبری ۱:۲۸
۸۔ العطار، موجز علوم القرآن　۹۔ الامالی للطوسی ص ۲۰۶۔ بحار الانوار ۸۹: ۷۲

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے شاگردوں کو قرآن پڑھانے کے بعد ان سے سنا بھی کرتے تھے۔ چنانچہ اصحاب، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پورا قرآن بھی ختم کیا کرتے تھے۔

ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

اقرأ علَیَّ قال ففتحتُ سورۃ النساء ۔۔۔الی آخر۔ — مجھے قرآن پڑھ کر سنا دو پس میں نے سورۂ نساء کو کھولا[1]

اور جب اس آیت پر پہنچا:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا[2] — اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے محمد ﷺ) آپ کو ان لوگوں پر بطور گواہ پیش کریں گے۔

تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور فرمایا:

حسبک الآن[3] — اب بس کرو۔

مسجد رسول ﷺ ہمیشہ قاریانِ قرآن سے بھری رہتی تھی۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کو کہنا پڑتا کہ لوگو! قرآن آہستہ پڑھو تا کہ آوازوں میں اختلاط پیدا نہ ہو۔

**دار القراء:** مدینے میں قاریان قرآن کی تعداد میں بکثرت اضافے سے مسجد اور صفہ میں گنجائش نہ رہی تو قاریانِ قرآن **مخرمہ** کے گھر جمع ہونے لگے۔ چنانچہ اس گھر کا نام ہی **دار القراء** پڑ گیا۔ یہ تاریخ میں سب سے پہلا **دار القراء** ہے۔

عبادہ بن ثابت ناقل ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ خود تعلیم نہیں دیتے تھے تو ہم میں سے کسی کو حکم فرماتے کہ دور سے آنے والوں کو تعلیم قرآن دیں۔[4]

آپ ﷺ نے تعلیم قرآن کو اس قدر اہمیت دی کہ عورتوں کے حق مہر بھی قرآن کی ایک یا چند سورتوں کی تعلیم قرار دی جانے لگی تھی۔

**عشق قرآن:** شاگردان رسول ﷺ کے دلوں میں قرآن مجید نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ قرآن کی تلاوت جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئی تھی۔ چنانچہ ایک واقعہ اس امر پر شاہد ہے:

> ایک جنگ میں ایک مسلمان نے ایک عورت کو اسیر بنایا جس کا شوہر موقعے پر موجود نہ تھا۔ شوہر کو جب پتہ چلا تو اس نے قسم کھائی کہ محمد ﷺ کے ساتھیوں سے اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔ چنانچہ وہ لشکر رسول ﷺ کے تعاقب میں نکلا۔

---

۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم عصر رسالتمآب میں کتابی شکل میں موجود تھا ورنہ "کھولا" کا لفظ استعمال نہ ہوتا۔

۲۔ ۴ نساء: ۴۱ ۳۔ مستدرک الوسائل ۴: ۲۳۸۔ العطار، موجز علوم القرآن ص ۴۶ ۴۔ مسند احمد بن حنبل

ادھر رسول اللہ ﷺ کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک درے میں رات گزارنے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عمار اور عباد بن بشر انصاری کو درے کی محافظت سونپی۔ دونوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ آدھی رات عباد محافظت کریں گے اور باقی آدھی رات عمار۔ چنانچہ عمار آرام کرنے لگے اور عباد عبادت میں مشغول ہو گئے۔ وہ کافر مسلمانوں کے تعاقب میں اس درے تک پہنچ گیا۔ اس نے عباد کو نماز کی حالت میں دیکھ کر ایک تیر ان کی طرف پھینکا جو ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ عباد نے تیر کو جسم سے نکالا اور نماز کو جاری رکھا۔ اس کافر نے ایک اور تیر پھینکا، وہ بھی ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ انہوں نے اسے بھی جسم سے نکالا مگر نماز جاری رکھی۔ جب تیسری بار بھی تیر لگا تو عباد نے جلدی جلدی سے رکوع و سجود کو پورا کیا اور عمار کو بیدار کیا۔ ان کے بیدار ہوتے ہی کافر نے راہ فرار اختیار کی۔ عمار نے اپنے ساتھی کو خون میں لت پت دیکھ کر کہا کہ مجھے شروع میں ہی بیدار کر لیتے۔ عباد نے جواب دیا: میں قرآن کی تلاوت کر رہا تھا اور اسے قطع کرنا میرے لیے ناگوار تھا، لیکن جب تیر پے در پے آنا شروع ہوئے تو میں نے نماز جلدی تمام کی اور آپ کو بیدار کیا۔ خدا کی قسم اگر حکم رسول ﷺ کی خلاف ورزی کا خوف اور قوم کی پاسبانی میں کوتاہی کا ڈر نہ ہوتا تو چاہے میری جان چلی جاتی میں سورت کی تلاوت کو قطع نہ کرتا۔[1]

**دقیق نظر:** عمر بن عامر انصاری راوی ہے کہ حضرت عمر نے اس آیت کی یوں تلاوت کی:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔۔۔۔[2]

اس میں انہوں نے **الانصار** کی راء کو پیش دے دیا اور **الذین** سے پہلے واؤ کا ذکر نہ کیا تو حضرت زید بن ثابت نے تصحیح کی اور **وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَان** پڑھا تو حضرت عمر نے کہا: امیر المؤمنین بہتر جانتے ہیں اور کہا ابی بن کعب کو بلایا جائے۔ ابی بن کعب سے دریافت کیا تو انہوں نے واؤ کے ساتھ **و الذین** پڑھا، تو دونوں نے ایک دوسرے کی ناک کی طرف اشارہ کیا، تو ابی نے کہا: خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت اس وقت مجھے پڑھائی

۱۔ حیات القلوب ۲: ۳۸۹ و رامیار، تاریخ القرآن ص ۲۴۱    ۲۔ ۹ توبہ: ۹۹

جب تو گندم بیچ رہا تھا۔[1]

عصر رسولﷺ کے مؤمنین جب رسول اللہﷺ سے ایک آیت یا سورہ سنتے تو اسے بار بار پڑھتے، پھر رسول خداﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سناتے اور تصدیق کراتے۔ چنانچہ خارجہ بن زید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت تک میں نے سترہ سورتیں یاد کر لی تھیں۔ میں نے وہ رسول اللہﷺ کی خدمت میں پڑھیں تو آپ نے تحسین فرمائی۔[2]

**تدوین قرآن:** کوئی کلام کسی متکلم کی طرف اس وقت منسوب ہوسکتا ہے جب کلمات اور ان کی ترکیب و تنظیم اس کی طرف سے ہو۔ اگر منتشر کلمات کسی طرف سے اور تنظیم و ترتیب کسی اور کی جانب سے ہو تو یہ کلام اس کا شمار ہوگا جس نے اسے ترتیب دیا ہوگا۔

اسی طرح قرآن مجید کے کلمات بھی اللہ کی جانب سے ہیں اور ان میں موجود ترتیب و تنظیم بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے، بلکہ قرآن کے معجزۂ الٰہی ہونے کا مطلب ہی یہی ہے کہ قرآن کے کلمات اور اس کی ترتیب و اسلوب میں وہ ہم آہنگی ہے جو کسی بشر سے صادر ہونا ممکن نہیں۔

لیکن کس قدر مقام افسوس ہے کہ اس کے باوجود غیر شیعہ علماء فرماتے ہیں:

عبد اللہ بن مسعود نے کہا: سورہ قارعہ میں **العهن** کی جگہ **الصّوف** پڑھ سکتے ہیں۔[3]

اسی طرح وہ حضرت ابوبکر کی طرف نسبت دیتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

**جاءسكرة الموت بالحق** کی جگہ **جاءسكرة الحق بالموت** پڑھ سکتے ہیں۔[4]

یا

**طعام الاثيم** کی جگہ **طعام الفاجر** پڑھا جا سکتا ہے۔[5]

یہاں تک کہ مؤلف کتاب **المصنف** نے جلد ۱۱ کے ص ۲۱۹ پر یہ تک کہہ دیا کہ بغرض وضاحت کلمات قرآن تبدیل کرنا جائز ہے۔

**ترتیب آیات:** قرآن کے جمع و ترتیب کے چند مراحل ہیں۔ چونکہ قرآن سورہ سورہ نازل نہیں ہوا بلکہ آیہ آیہ نازل ہوا ہے، لہٰذا جمع و ترتیب میں پہلے آیات کی ترتیب پر تحقیق کی جانی چاہیے بعد ازاں سورتوں کی ترتیب پر۔

اس بات پر نہایت قابل توجہ دلائل موجود ہیں کہ ترتیب آیات توقیفی ہے یعنی بحکم خدا خود رسول

---

۱۔ زنجانی۔ تاریخ القرآن ص ۴۳ ۲۔ حوالہ سابق ص ۴۵ ۳۔ ابن قتیبہ۔ تاویل مشکلات القرآن ص ۱۹
۴۔ تفسیر الطبری ۲۶: ۱۲۰ ۵۔ تفسیر الطبری ۲۶: ۱۰۰

اکرمﷺ کی طرف سے آیات کی ترتیب عمل میں آئی ہے اور یہی ترتیب بہ تواتر ہم تک پہنچی ہے:

۱۔ حضورﷺ کاتبانِ وحی کو صرف آیات کی کتابت کا حکم نہیں دیتے تھے بلکہ ساتھ ہی ترتیب بھی بتا دیتے تھے کہ کس آیت کو کس جگہ لکھنا ہے۔

ابن عباس راوی ہیں:

کان جبرئیل اذا نزل علی النبی بالوحی یقول لہ ضع ھذہ الآیۃ فی سورۃ کذافی موضع کذا۔[1]

جب جبرئیل وحی لے کر رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو کہتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں فلاں مقام پر رکھیے۔

ابن عباس ہی سے روایت ہے:

فکان اذا نزل علیہ الشیء دعا من کان یکتب فیقول:ضعوا ھذہ الآیات فی السورۃ التی فیھا کذا و کذا۔[2]

جب حضورﷺ پر وحی نازل ہو جاتی تو کاتب کو بلا کر فرماتے: ان آیات کو اس سورے میں رکھا جائے جس میں فلاں فلاں (چیز کا) ذکر ہے۔

ابن عباس اور سدی کے نزدیک سب سے آخری آیت وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ۔۔۔[3] ہے مگر جبرئیلؑ یہ حکم لائے کہ اسے سورۂ بقرہ کی دو سو اسی ویں آیت کے بعد لکھا جائے۔[4]

احمد بن حنبل اپنی مسند میں ایک صحابی سے روایت نقل کرتے ہیں:

> میں رسول خداﷺ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ حضورﷺ نے اپنی نگاہ اوپر اٹھائی، پھر نگاہ سیدھی کر کے فرمایا: ابھی میرے پاس جبرائیل نازل ہوئے اور یہ حکم سنایا کہ میں آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى[5] کو اس سورے کے فلاں مقام پر رکھوں۔ چنانچہ آپ نے اس آیت کو سورۂ نحل میں آیۂ شہادت اور آیہ عہد کے درمیان ثبت کر دیا۔[6]

۲۔ اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آیہ کی تعیین و تحدید کہ فلاں جملہ ایک مکمل آیہ ہے یا نہیں، توقیفی ہے۔ یعنی رسول کریمﷺ کے ارشاد پر موقوف ہے کہ فلاں عبارت ایک مکمل آیت ہے یا نہیں۔ کسی اجتہاد اور رائے کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔

چنانچہ الٓمّٓ، حٰمٓ، الٓمّٓصٓ، كٓهٰيٰعٓصٓ اور طٰسٓمّٓ حروف مقطعات ہیں اور یہ سب مستقل آیت شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان کے مستقل آیہ ہونے پر رسول کریمﷺ کی صراحت موجود ہے۔ جب کہ اسی قسم کے



---

۱ و ۲۔ تاریخ یعقوبی ۲: ۳۶ ۳۔ ۲ بقرہ: ۲۸۱ ۴۔ طبرسی مجمع البیان ۱: ۳۹۴ ۵۔ ۱۶ نحل: ۹۰

۶۔ مسند احمد بن حنبل ۴: ۲۱۸۔ اسی مضمون سے قریب تر دیگر احادیث مسند احمد جلد اول ص ۵۷۔ ۶۹۔ سنن ابو داؤد ۱: ۲۰۹، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں

دوسرے حروف مقطعات مثلاً الٓمّٓ، طٰسٓ، صٓ، قٓ اور نٓ وغیرہ مستقل آیات نہیں ہیں۔ یہ نص وصراحت رسول ﷺ ہے جس کی وجہ سے حٰمٓ ایک مستقل آیت ہے اور الٓمّٓ اور طٰسٓ مستقل آیات نہیں ہیں۔ مزید برآں طٰسٓمٓ اور کٓھٰیٰعٓصٓ صرف ایک ایک آیت شمار ہوتی ہے، جب کہ حٰمٓ عٓسٓقٓ دو آیات شمار ہوتی ہیں حالانکہ یہ بھی حروف مقطعات ہی ہیں۔

۳۔ اس بات پر بھی تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ نماز میں جس سورے کی بھی تلاوت ہو اسے موجودہ ترتیب کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ اگر یہ ترتیب ملحوظ نہ رکھی جائے تو نماز باطل ہے۔
اگر ترتیب توقیفی نہ ہوتی تو پھر اصولاً یہ مسئلہ اجتہاد پر مبنی ہوتا۔

۴۔ قرآنی سورتوں میں آیات کی تعداد کے بارے میں بھی رسول کریم ﷺ کی طرف سے بعض صراحتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ مثلا سورۂ فاتحہ کے بارے میں کہ یہ سات آیات پر مشتمل ہے۔ پس عدد آیات توقیفی ہونے کی صورت میں ترتیب کا توقیفی ہونا بھی قرین عقل ہے۔

**ترتیب آیات و ترتیب نزول:** یہ بات ایک واضح حقیقت ہے کہ موجودہ قرآن میں آیات جس ترتیب سے درج ہیں وہ ترتیب نزولی کے مطابق نہیں ہے کیونکہ:

> ترتیب نزولی، وقت نزول کے تقاضوں کے مطابق ہے اور ترتیب قرآن، نظام قرآن کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

اس کی وضاحت کے سلسلے میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ شروع میں شوہر کی وفات کی صورت میں عورت کے لیے ایک سال کی عدت واجب تھی اور پورا سال شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہ تھا نیز عورت کو شوہر سے میراث میں صرف ایک سال کا خرچہ ہی ملتا تھا۔ اس کا حکم اس طرح نازل ہوا تھا:

| | |
|---|---|
| وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ [1] | اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کے بارے میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انہیں (نان و نفقہ سے) بہرہ مند رکھا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔ |

مذکورہ بالا آیت کا حکم اسی سورہ کی اس سے پیشتر آنے والی ایک آیت کے ذریعے منسوخ ہو گیا جس میں ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا [2] | اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔ |

---

۱۔ ۲ بقرۃ: ۲۴۰　　۲۔ ۲ بقرۃ: ۲۳۴

ترتیب نزولی کے مطابق منسوخ پہلے اور ناسخ بعد میں نازل ہوئی ہے، جب کہ موجودہ ترتیب میں ناسخ کا پہلے اور منسوخ کا بعد میں ذکر ہے۔

۲۔ ابن عباس، سدی، جبائی اور بلخی کے مطابق آیہ: اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا[1] کے بعد کوئی فرض حکم نازل نہیں ہوا۔ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی یہی منقول ہے۔ چنانچہ **سدی** کے الفاظ یہ ہیں:

**لم ینزل بعدھا حلال و لا حرام**[2]　　　اس آیت کے بعد حلال وحرام کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا

حالانکہ یہ آیت اب سورہ مائدہ میں درج ہے اور اس کے بعد بے شمار آیات احکام موجود ہیں۔

۳۔ آیہ: اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَۃَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰہِ۔۔۔[3] صلح حدیبیہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کے لیے حج کرنا ممکن ہوا، جب کہ یہ آیت سورہ بقرہ میں درج ہے جو کہ مدینے میں نازل ہونے والا سب سے پہلا سورہ ہے۔

۴۔ آیہ: وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِیۡہِ اِلَی اللّٰہِ۔۔۔[4] بقولے سب سے آخر میں اتری ہے اور اگر سب سے آخر میں نہیں تو اواخر میں یقینا ہے، جب کہ اب یہ سورہ بقرہ کی ۲۸۱ ویں آیت ہے۔

**ترتیب سورہ ہائے قرآن:** گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قرآن کی آیات کی ترتیب عہد رسالت ﷺ میں پایہ تکمیل کو پہنچ چکی تھی اور یہ بات بھی عیاں ہوگئی ہے کہ سورتوں کے نام اور ان کی آیات کی تعداد بھی اسی عہد بابرکت میں طے پا چکی تھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

| | |
|---|---|
| **و انما کان یعرف انقضاء السورۃ** | کسی سورت کے ختم ہونے کا اس وقت پتہ چلتا تھا |
| **بنزول بسم اللہ الرحمن الرحیم** | جب کسی اور سورت کی ابتدا کے لیے **بسم اللہ** |
| **ابتداء لاخری**[5] | **الرحمن الرحیم** نازل ہو جاتی تھی۔ |

لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا سورہ ہائے قرآن کی ترتیب توقیفی ہے؟ یعنی خود رسول اللہ ﷺ نے بحکم خدا سورتوں کو ترتیب دیا ہے یا عصر رسالت ﷺ کے بعد اصحاب نے اپنے اجتہاد سے انہیں مرتب کیا ہے؟

ایک نظریہ تو یہ ہے کہ چونکہ عصر رسالت ﷺ میں ہنوز سلسلۂ وحی جاری تھا، اس لیے قرآن کو ایک

---

۱۔ ۵ مائدہ ۳۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔
۲۔ سیوطی۔ الدرمنثور ۲: ۲۵۹
۳۔ ۲ بقرۃ: ۱۵۸۔ صفا و مروہ یقیناً اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔
۴۔ ۲ بقرۃ: ۲۸۱
۵۔ مستدرک الوسائل ۴: ۱۲۵

مصحف کی شکل دینا قبل از وقت تھا۔ اس کام کو بعد از رسالت انجام پانا تھا۔ چنانچہ بعد میں اپنے اپنے سلیقے کے مطابق لوگوں نے سورہ ہائے قرآن کو مرتب کیا۔

اس پر مزید دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اصحاب کے پاس متعدد قرآن موجود تھے۔ ہر مصحف کی ترتیب دوسرے مصحف سے مختلف تھی اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا **مصحف** ترتیب نزول کے مطابق تھا، جب کہ دیگر اصحاب کے **مصاحف** اس سے مختلف تھے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قرآن کی موجودہ ترتیب و تدوین خود عہد رسالتمآبؐ میں مکمل ہوگئی تھی۔ جس طرح آیات کی ترتیب آپؐ نے خود اپنی نگرانی میں مقرر فرمائی تھی، اسی طرح سورتوں کی ترتیب کو بھی آپؐ نے ہی مقرر فرمایا تھا۔ سید **مرتضیٰ علم الھدی** متوفی ۴۳۶ ھ فرماتے ہیں:

موجودہ شکل میں قرآن کی جمع آوری عصر رسالتؐ میں ہی ہوگئی تھی۔

لیکن یہ موقف اختیار کیا جا سکتا ہے کہ ترتیب سورہ ہائے قرآن توقیفی نہیں ہے۔ کیونکہ سورہ ہائے قرآن کی ترتیب اور کسی سورے کے مقدم اور مؤخر ہونے میں نظم قرآن کے ساتھ ربط نہیں ہے۔ اس لیے نماز میں آیات کو موجودہ ترتیب کے ساتھ تلاوت کرنا ضروری ہے، جبکہ سورہ ہائے قرآن کو موجودہ ترتیب کے ساتھ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ کوئی مؤخر سورہ نماز میں مقدم اور مقدم سورہ مؤخر کر کے بھی دوسری رکعت میں پڑھنا درست ہے۔

**جمع قرآن در عصر رسولؐ:** کہا جاتا ہے کہ رسالتمآبؐ کے زمانے میں قرآن کتابی شکل میں مدون نہیں تھا، البتہ بعد از رسولؐ عصر ابی بکر میں زید بن ثابت کی سربراہی یں صرف دو گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر جمع ہوا۔

اس نظریے پر ہم بعد میں تحقیقی نظر ڈالیں گے۔ پہلے ہم اس بات کی تحقیق کریں گے کہ کیا عصر رسالتؐ میں قران کتابی شکل میں مدون تھا؟

اس بات پر بے شمار دلائل موجود ہیں کہ قرآن مجید عصر رسولؐ میں ہی کتابی شکل میں مدون تھا۔ ہم ان میں سے چند ایک دلائل پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

**۱۔ فریضۂ الٰہی:** جس طرح خود رسول کریمؐ کو لوگوں کے گزند سے بچانے کا کام خداوند عالم نے خود اپنے ذمے لیا اور فرمایا:

وَ اللّٰهُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۔۔۔[۱]　　　　اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

بالکل اسی طرح قرآن کو جمع اور محفوظ کرنا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لیا اور فرمایا:

---

۱۔ ۵ مائدہ: ۶۷

| | |
|---|---|
| لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ ؕ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَ قُرۡاٰنَهٗ [1] | (اے رسول) آپ وحی کو جلدی (حفظ) کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقینا ہمارے ذمے ہے۔ |

نیز یہ ارشاد الٰہی بھی ہے:

| | |
|---|---|
| سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤى [2] | (عنقریب) ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔ |

**۲۔ کاتبان وحی:** قرآن مجید ایک متوسط حجم کی کتاب ہے جو ۲۳ سالوں میں رسول خدا پر نازل ہوئی۔ بظاہر ایک دو کاتب اس کی کتابت کے لیے کافی تھے مگر بعض مورخین کے ہاں اس کے کاتبوں کی تعداد چالیس تک بیان کی گئی ہے۔

رسول کریمؐ **وحی** کو اہتمام کے ساتھ بالالتزام لکھوایا کرتے تھے۔ جو کچھ لکھا جاتا تھا کیا اسے ہر کاتب وحی اپنے ساتھ لے جاتا تھا؟ اور کیا قرآن متعدد کاتبان وحی کے پاس منتشر اور متفرق صورت میں موجود تھا؟ اور کیا رسول اللہؐ کے پاس قرآن مدون شکل میں موجود نہ تھا؟ یہ باتیں نہایت بعید از عقل و قیاس ہیں۔

کاتبان وحی سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ رسول اللہؐ کے لیے کتابت کیا کرتے تھے۔ ذاتی طور پر اپنے لیے کتابت قرآن کرنے والوں کو کاتبان وحی کا منصب نہیں دیا جاتا۔

زید بن ثابت کہتے ہیں:

| | |
|---|---|
| **کنا حول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع** [3] | ہم رسول اللہ کی خدمت میں بیٹھ کر مختلف ٹکڑوں سے قرآن کی جمع و تدوین کیا کرتے تھے۔ |

چنانچہ یہ قرآن خانہ رسولؐ میں موجود تھا اور آپؐ نے اپنی وفات کے قریب حضرت علیؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

| | |
|---|---|
| **یا علی القران خلف فراشی فی الصحف و الحریر و القراطیس فخذوہ و اجمعوہ و لا تضیعوہ** [4] | اے علیؑ قرآن میرے بستر کے عقب میں مختلف صحیفوں پر ابریشم اور کاغذوں کی صورت میں موجود ہے۔ پس اسے لے لو اور جمع کر لو اور اسے ضائع نہ ہونے دو۔ |

ابو عبد اللہ محاسبی کہتے ہیں:

خانہ رسالتمآبؐ میں کچھ اوراق پائے گئے جن پر قرآن مجید تحریر تھا کسی نے

---

۱؎ ۷۵ قیامت: ۱۶۔ ۱۷　۲؎ ۸۷ اعلیٰ: ۶　۳؎ حاکم مستدرک ۲: ۲۴۹
۴؎ بحار الانوار: کتاب القرآن ۸۹: ۴۸۔ تفسیر قمی ۲: ۴۵۱

انہیں جمع کیا اور ایک دھاگے میں سب اوراق کو پرو دیا تاکہ کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔[1]

**۳۔ قرآن سے کتابت قرآن کا ثبوت:** مشرکین مکہ کو اس بات کا اعتراف تھا کہ رسول اکرمﷺ کاتبوں سے قرآن لکھوایا کرتے تھے۔ چنانچہ مکہ میں نازل ہونے والے سورۂ فرقان میں ارشاد ہوا:

وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا[2]

اور کہتے ہیں: (یہ قرآن) پرانے لوگوں کی داستانیں ہیں جو اس شخص نے لکھ رکھی ہیں اور جو صبح و شام اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

دیگر قرآنی آیات سے بھی اس بات کی شہادت مل جاتی ہے کہ آغاز نزول قرآن سے ہی قرآن ضبط تحریر میں آنے لگا تھا۔ چنانچہ ہجرت سے سات سال قبل نازل ہونے والے سورۂ بینہ میں ارشاد ہوتا ہے:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً[3]

اللہ کی طرف سے ایک رسول جو انہیں پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔

اور سورۂ عبس میں فرمایا گیا:

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ[4]

ہرگز نہیں! یہ (آیات) یقیناً نصیحت ہیں۔ پس جو چاہے انہیں یاد رکھے۔ یہ محترم صحیفوں میں ہیں جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔

اور سورۂ طور میں ارشاد الٰہی ہے:

وَ الطُّوْرِ ﴿۱﴾ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ[5]

قسم ہے طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی، ایک کشادہ ورق میں۔

قرآن کی کتابت اور تدوین آغاز وحی کے ساتھ ہی مکہ میں ہی شروع ہو جانے پر خود قرآنی شواہد کے علاوہ بے شمار تاریخی شواہد بھی موجود ہیں کہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو حضورﷺ کسی ایک کاتب کو بلا کر لکھنے کا حکم فرماتے۔ چنانچہ املا فرمانے کے بعد کاتب سے فرماتے: "جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھ کر سنا دے"۔ کاتب سنا دیتا۔ اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوتی تو حضورﷺ اصلاح فرما دیتے۔[6]

حضرت عمر نے اپنی بہن کے گھر میں دو صحیفے پائے جن پر قرآن لکھا ہوا تھا۔ ان صحیفوں کو کسی سے پڑھوایا اور انہیں سن کر اسلام قبول کیا۔

---

۱۔ البرہان ۱: ۲۳۸۔ ان راویوں کا شیوہ امانت فی النقل کے خلاف ہے کہ اس ہستی (علی علیہ السلام) کا نام لینا گوارا نہیں کرتے جس نے قرآن کو ضائع ہونے سے بچایا ہے

۲۔ ۲۵ فرقان: ۵ ۳۔ ۹۸ بینہ: ۲ ۴۔ ۸۰ عبس: ۱۱ تا ۱۴ ۵۔ ۵۲ طور: ۱ تا ۳ ۶۔ مجمع الزوائد

۴۔ **شیوۂ رسول:** رسول کریمؐ اپنے ہمراہ ایسے کاتبین رکھتے تھے جو معاہدوں اور قرض وغیرہ کو ضبط تحریر میں لایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کاتبوں کو حکم دیا گیا کہ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام قبول کرنے والوں کے اسماء کا اندراج کر کے ایک فہرست مرتب کی جائے تو حضرت معاذ نے ایک ہزار پانچ سو افراد کے نام درج کیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضورؐ قرآن مجید سے کم اہمیت والی چیزوں تک کو ضبط تحریر میں لانے اور محفوظ کرنے کا اہتمام فرماتے تھے تو کیا آپؐ نے اس ابدی معجزے کی تدوین و کتابت کا انتظام نہیں فرمایا ہو گا۔

۵۔ **عصر رسول کے جامعین قرآن:** رسول کریمؐ اور اصحاب کرام کی زندگی کا مطالعہ کرنے والا شخص بخوبی جان سکتا ہے کہ قرآن مجید عصر رسالتمآبؐ میں ہی جمع ہو چکا تھا۔ ہم ذیل میں عصر رسولؐ کے جامعین قرآن پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں:

۱۔ **حضرت علی بن ابی طالب**ؑ: آپؑ نے عہد رسالتؐ میں قرآن اپنے سینے میں حفظ کر لیا تھا اور جمع بھی کیا تھا۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔

۲۔ **اُبی بن کعب بن قیس**: آپ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا۔ یہ کاتب و حافظ قرآن تھے۔ ان کا لقب **سید القراء** اور کنیت **ابو المنذر** تھی۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے:

**امانحن فنقرأعلی قراءۃأبی۔**[1] ہم ابی بن کعب کی قراءت کے مطابق قرآن پڑھتے ہیں۔

**صحیح بخاری** اور **الفہرست لابن ندیم** میں انہیں عصر رسولؐ کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

۳۔ **معاذ بن جبل بن اوس:** یہ بھی انصار میں سے تھے اور حضورؐ نے انہیں یمن میں تعلیم قرآن کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ صحیح بخاری اور فہرست میں انہیں بھی عصر رسولؐ کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

۴۔ **زید بن ثابت:** ان کا ہم آئندہ بھی ذکر کریں گے۔ یہ کاتب رسولؐ تھے اور ان کا یہ قول مشہور ہے:

**کنا عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع۔**[2] ہم حضورؐ کی خدمت میں بیٹھ کر مختلف ٹکڑوں سے قرآن جمع کیا کرتے تھے۔

دوسرے مصادر کے علاوہ صحیح بخاری اور **الفہرست**، **الاتقان** اور **مناہل العرفان** میں انہیں عصر

---

۱۔ اصول الکافی ۲: ۶۳۴ وسائل الشیعہ ۶: ۱۶۳۔ فَنَقْرَؤُہُ کے ساتھ
۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۱: ۱۱۵

رسولﷺ کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

**۵۔ عبد اللہ بن عمر:** نسائی نے صحیح سند کے ساتھ عبد اللہ بن عمر سے روایت درج کی ہے کہ انہوں نے کہا:

| | |
|---|---|
| **جمعت القرآن فقرأت به کل لیلة، فبلغ النبی صلی اللہ علیه و آله وسلم فقال: اقرأه فی شهر۔**[1] | میں نے قرآن جمع کیا اور ہر رات کو ختم کیا کرتا تھا۔ رسول اللہ کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا: ایک ماہ میں ختم کیا کرو۔ |

**۶۔ ابو ایوب انصاری:** سیوطی نے **الاتقان** میں عصر رسولﷺ کے جامعین قرآن میں ان کا ذکر کیا ہے۔

**۷۔ ابو الدرداء:** **صحیح بخاری** اور **الفهرست** میں انہیں بھی عصر رسولﷺ کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

**۸۔ عبادہ بن صامت:** سیوطی نے الاتقان میں انہیں عصر رسالت کے جامعین قرآن میں شمار کیا ہے۔

**۹۔ ابو زید ثابت بن زید بن النعمان:** **صحیح بخاری** اور **الفهرست** میں عہد رسولﷺ کے جامعین قرآن میں ان کا ذکر ہے۔

**۱۰۔ سعد بن عبید انصاری:** انہیں **الفهرست** میں جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

**۱۱۔ عبید بن معاذ یا عتید بن معاذ جزری:** الفہرست میں عصر رسالتﷺ کے جامعین قرآن میں ان کا ذکر ہے۔

**۱۲۔ مجمع بن جاریه یا حارثه:** الاتقان اور تاریخ القرآن زنجانی میں انہیں عصر رسولﷺ کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

**۱۳۔ ام ورقه بنت عبد اللہ بن حارث:** رسول اللہﷺ اس خاتون کو شہیدہ کہکر پکارتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں اس خاتون کو ان کے اپنے غلام اور کنیز نے شہید کر دیا۔ سیوطی نے **الاتقان** میں انہیں جامعین قرآن میں شمار کیا ہے۔

**۱۴۔ سالم مولی ابی حذیفه:** زرکشی نے البرہان میں انہیں عصر رسولﷺ کے جامعین قرآن میں شمار کیا ہے۔

**۱۵۔ عبد اللہ بن مسعود:** آپ قرآن کے جلیل القدر معلم ہیں۔ عصر رسولﷺ میں ہی آپ نے قرآن جمع کیا تھا۔[2]

---

۱۔ حوالہ سابق ۱: ۱۴۴۔ مناهل العرفان ۱: ۲۳۷ ۲۔ البرهان ۱: ۲۳۹

**۱۶۔ عقبہ بن عامر** : آپ کو البرہان میں عصر رسولؐ کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

**۶۔ جبرائیل کا دورۂ قرآن** : امامیہ، غیر امامیہ روایات سے ثابت ہے کہ رسالتمآبؐ ہر سال جبرئیل کے ساتھ قرآن کی بازخوانی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

**سمعنا رسول اللہ یقول: جبرئیل کان یعارضنی بالقرآن فی کل سنة مرة و انه عارضنی به العام مرتین و لا اراہ الا و قد حضر اجلی۔**[1]

ہم نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا کہ جبرئیل ہر سال ایک بار میرے ساتھ قرآن کا دورہ کیا کرتے تھے لیکن اس سال دو مرتبہ کیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہوسکتی ہے کہ میرا وقت وصال قریب ہے۔

صحیح بخاری کے باب فضائل القرآن میں دورۂ قرآن کے بارے میں جناب سیدہ فاطمہ زہراء (س) کی یہی روایت اس طرح منقول ہے:

**قال مسروق : عن عائشة عن فاطمة علیها السلام**[2]**: اسرّ الیّ النبی صلی اللہ علیه (و آله) و سلم ان جبرئیل یعارضنی بالقرآن کل سنة و انه عارضنی العام مرتین الا حضر اجلی۔**[3]

مسروق کہتے ہیں: حضرت عائشہ نے جناب فاطمہ (س) سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا کہ جبرئیل ہر سال مجھ سے قرآن کا دورہ (بازخوانی) کرتے ہیں مگر اس سال انہوں نے مجھ سے دو بار دورہ کیا ہے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت روانگی قریب ہے۔

**۷۔ اصحاب کا عرضۂ قرآن** : اصحاب رسولؐ میں سے جو حضرات قراءت قرآن میں ممتاز مقام رکھتے تھے وہ آپؐ کی خدمت میں قرآن مجید کا دورہ کیا کرتے تھے اور بازخوانی ہوتی تھی۔ آخری بازخوانی عرضۂ اخیر یا دورہ اخیر کے نام سے مشہور ہے۔

راغب، اُبی بن کعب کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ لوگوں نے ان کی قراءت کو اس لیے قبول کیا کہ وہ آخری فرد تھے جنہوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں قرآن کی بازخوانی کی۔

ابن عباس کہتے ہیں:

میں رسول خداؐ کے آخری کلام اور عمل کو معیار قرار دے کر اسے اختیار کرتا ہوں۔

---

[1] بحار الانوار ۴۳ : ۵۱ ۔ ارشاد القلوب ۱ : ۳۳ ۔ الامالی للصدوق ص ۵۹۵ ۔ کنز العمال ج ۱۲ حدیث ۳۴۲۱۴

[2] واضح رہے کہ صحیح بخاری میں اٹھائیس (۲۸) مقامات پر جناب سیدہ کے اسم مبارک کے ساتھ "علیها السلام" درج ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر ائمہ اہل بیت کے اسمائے گرامی کے ساتھ بھی "علیه السلام" درج ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ صرف شیعہ ایسا کرتے ہیں، جہالت پر مبنی ہے

[3] صحیح بخاری ۴ : ۱۹۱۱ ۔ باب کان جبرائیل یعرض القرآن۔

ابن مسعود کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ وہ بھی عرضۂ اخیر میں موجود تھے۔

عرضۂ اخیر کا واضح مطلب یہ نکلتا ہے کہ رسول کریمؐ نے قرآن کو آخری شکل دے کر اسے امت کے حوالے کیا ہے۔

**۸۔ ختم قرآن:** اصحاب رسولؐ میں ایسے افراد کا ذکر متعدد مقامات پر ملتا ہے جنہوں نے حضورؐ کی خدمت میں قرآن ختم کیا۔ وہ خود انفرادی طور پر پورا قرآن ختم کیا کرتے تھے، جس کے لیے حضورؐ نے مدت کا بھی تعین فرمایا کہ کتنی مدت میں قرآن کا ختم کرنا مناسب ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ حضورؐ نے عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ ایک ماہ میں قرآن ختم کیا کرو۔

اس کے علاوہ عصر رسولؐ کے مؤمنین اجتماعی طور پر بھی ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ یعنی قرآن کی سورتوں کو آپس میں تقسیم کرتے اور ہر فرد چند سورے پڑھ لیتا اور یوں ختم قرآن ہو جاتا۔[1]

رسول اللہؐ کے حکم پر اصحاب، قرآن کو دس روز یا چھ روز یا کم سے کم پانچ روز میں بھی ختم کیا کرتے تھے۔[2]

اگر قرآن کتابی شکل میں ایک مجموعے کے طور پر لوگوں کے پاس نہ ہوتا تو صرف تلاوت کا ذکر ہو سکتا تھا، ختم قرآن کے الفاظ بے معنی ہوتے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| **احب الاعمال الی اللہ الحال المرتحل**[3] | اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل الحال المرتحل ہے۔ |

روایت ہے کہ امام زین العابدینؑ سے بھی ایک بار پوچھا گیا کہ بہترین عمل کیا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: **الحال المرتحل**۔ اس کی تشریح پوچھی گئی تو فرمایا:

| | |
|---|---|
| **فتح القرآن و ختمه کلما جاء باوله ارتحل فی آخره**[4] | قرآن کا کھولنا اور ختم کرنا۔ جب بھی قرآن کی ابتدا پر آیا، آخر کی طرف روانہ ہوا۔ |

شیخ طوسیؒ درج ذیل امور کو عدم تحریف قرآن کی دلیل سمجھتے تھے:

۱۔ ختم قرآن مجید کا ثواب۔

۲۔ قرآن کو ایک رات میں ختم کرنے کی ممانعت۔

۳۔ قرآن کو کم از کم تین روز میں ختم کرنے کی ہدایت۔

علامہ طبرسی لکھتے ہیں:

اصحاب کی ایک جماعت مثلاً عبد اللہ بن مسعود، اُبی بن کعب اور دیگر افراد نے

---

۱۔ رامیار: تاریخ القرآن ۲۔ حوالہ سابق۔ بحوالہ ابن سعد ۳۔ المحجۃ البیضاء ۲: ۲۶۴ ۴۔ اصول الکافی ۲: ۶۰۵

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کئی بار قرآن ختم کیا تھا۔[1]

اس قسم کی متعدد دیگر روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن عصر رسول ﷺ سے ہی کتابی شکل میں مدون تھا، جس کا ایک معین آغاز اور اختتام بھی تھا اور اس کے ختم کرنے کے آداب بھی بیان کیے گئے تھے۔

## ۹۔ فاتحۃ الکتاب:

- ☐ فاتحۃ الکتاب کے معنی ہیں دیباچۂ کتاب یا افتتاحیۂ کتاب۔
- ☐ یہ نام عصر رسول ﷺ میں ہی اس سورے کے لیے مخصوص ہو گیا تھا۔
- ☐ قرآنی سورتوں کے نام خود رسول اللہ ﷺ ہی معین فرمایا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا امور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن عہد رسالت ﷺ میں ہی ایک کتابی شکل میں مرتب تھا جس کا ایک افتتاحیہ بھی تھا۔

**۱۰۔ لفظ الکتاب کا اطلاق:** عہد رسالت ﷺ میں قرآن **الکتاب** کے نام سے موسوم تھا اور خود قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر اسے **الکتاب** کہا گیا ہے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی مجموعۂ قرآن کو الکتاب فرمایا گیا ہے۔

حدیث ثقلین میں، جو شیعہ اور سنی دونوں طرق سے متواتر ثابت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

**انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی۔** میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت۔

یہاں کتاب سے مراد یہی مجموعہ ہے جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

نیز حضور ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ دیر قبل حضرت علی ؑ سے جو کچھ بیان فرمایا اس کے بارے میں ابو رافع بیان کرتے ہیں:

**ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال فی مرضہ الذی توفی فیہ لعلی: یا علی! ھذا کتاب اللہ خذہ الیک۔[2]** رسول اللہ ﷺ نے جس مرض میں آپ ﷺ کا انتقال ہوا، اس میں علی ؑ سے ارشاد فرمایا: یا علی! یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اسے اپنے پاس رکھو۔

یہاں بھی اس مجموعہ قرآن کو "کتاب" کہا گیا ہے۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہے کہ قرآن عہد رسالت ﷺ میں کتابی شکل میں مرتب ہو چکا تھا۔

**۱۱۔ قرآن کا دفعۃً نزول:** حضرت امام جعفر صادق ؑ سے منقول ہے کہ آپ ؑ نے

---

۱۔ طبرسی مجمع البیان ۱: ۱۵ ۲۔ التمہید ۱: ۲۲۷ و بحار الانوار ۰۲: ۱۵۵

فرمایا:

اے مفضل! اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن ماہ رمضان میں عنایت فرمایا تھا مگر اس کی تبلیغ وقت کی مناسبت پر موقوف تھی۔ رسول کریم ﷺ امر و نہی کے مواقع پر قرآن کو بیان فرمایا کرتے تھے۔ جبرئیل صرف اسی مقصد کے لیے نازل ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ[1] یعنی قرآن کو جلدی پڑھنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے۔[2]

ابن عباس بیان کرتے ہیں:

| | |
|---|---|
| **انه انزل فی رمضان لیلة القدر جملة واحدة ثم انزل علی مواقع النجوم رسلا فی الشهور و الایام**[3] | قرآن ماہ رمضان میں دفعتاً نازل ہوا ہے اور اس کے بعد مختلف مواقع پر مہینوں اور دنوں میں بتدریج بھی نازل کیا گیا۔ |

ان احادیث سے اس نقطۂ نظر کو تقویت ملتی ہے کہ قرآن عصرِ رسول اکرم ﷺ میں ایک مجموعہ کی شکل میں موجود تھا۔

**۱۲۔ تواتر قرآن:** اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ یہ قرآن رسول کریم ﷺ سے تواتراً نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہنچا ہے۔ تواتر کے لیے ضروری ہے کہ عصر رسول ﷺ میں پورا قرآن اصحاب میں سے اتنی تعداد کے پاس موجود ہو جتنی کہ تواتر کے لیے ضروری ہے۔

اس سے اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ قرآن عصر رسالتمآب ﷺ میں جمع ہو چکا تھا۔

**۱۳۔ وصیت رسول ﷺ اَلقرآنُ خَلفَ فِرَاشِي:** رسول کریم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ قرآن میرے بستر کے عقب میں ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس سلسلے میں مروی ہے:

| | |
|---|---|
| **قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله وسلم لعلی علیه السلام: یا علی! القرآن خلف فراشی فی المصحف والحریر و القراطیس فخذوه واجمعوه ولا تضیعوه**[4] | رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: اے علی! قرآن میرے بستر کے پیچھے مختلف صحیفوں، ریشمی کپڑوں اور کاغذوں پر موجود ہے آپ اسے لے جائیں اور جمع کریں اور ضائع نہ ہونے دیں۔ |

**۱۴۔ اصناف سورہ ہائے قرآن:** تفسیر عیاشی میں سعد الاسکاف سے مروی ہے:

| | |
|---|---|
| **سمعت ابا جعفر علیه السلام** | میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ |

---

۱۔ ۷۵ قیامۃ: ۱۶ ۲۔ بحار الانوار ۸۹: ۳۸ ۳۔ سیوطی اتقان ۱: ۸۳ ۴۔ بحار الانوار ۸۹: ۴۸

| | |
|---|---|
| **یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم: اعطیت الطوال مکان التوراۃ و اعطیت المئین مکان الانجیل، و اعطیت المثانی مکان الزبور، و فضلت بالمفصل سبع و ستین سورۃ۔**[2] | رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے توریت کی جگہ **طوال**، انجیل کی جگہ **مئین** سورتیں اور زبور کی جگہ **مثانی** عنایت کی گئی ہیں اور مزید مجھے سورہ ہائے **مفصل**[1] جو کہ ستاسٹھ سورتیں ہیں، عطا کر کے فضیلت دی گئی۔ |

یہی روایت معمولی فرق کے ساتھ اہل سنت کے ہاں بھی منقول ہے۔

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ عصر رسول ﷺ میں قرآن ایک کتابی شکل میں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود تھا جس کے ابواب وفصول یعنی سورتوں کی تفصیل بھی لوگوں کو معلوم تھی۔

**۱۵۔ ترتیب آیات کا توقیفی ہونا:** یہ بات ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ آیات قرآن کی ترتیب توقیفی ہے۔ یعنی خود رسول اکرم ﷺ نے بحکم الٰہی آیات قرآن کو اسی موجودہ ترتیب کے مطابق رکھا ہے اور اسی ترتیب سے آیات کو مرتب کرنے کا نام جمع قرآن ہے اور یہی ترتیب تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔

انصاف یہ ہے کہ صرف آیات قرآن کی ترتیب توقیفی ہونے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن عصر رسول ﷺ ہی میں **مدوّن** ہو چکا تھا۔ کیونکہ آیات قرآن کو ترتیب دینا ہی جمع و تدوین قرآن ہے نیز اس کا کوئی مدعی نہیں ہوسکتا کہ آیات قرآن کی ترتیب اجتہادی ہے، موجودہ ترتیب کے علاوہ کسی اور ترتیب سے قرآن کی تلاوت ہوسکتی ہے اور نظم آیات کی موجودہ حیثیت ضروری نہیں ہے۔

**۱۶۔ عصر رسالت میں قرآنی نسخے:** فضائل قرآن، تلاوت قرآن، آداب تلاوت قرآن، احکام **مصحف** اور دیگر قرآنی موضوعات کے بارے میں وارد شدہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عصر رسالت میں کتابی شکل میں مدون اور ہر شخص کی دسترس میں تھا۔

الف۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| **تعلموا الکتاب و تعاهدوه و اقتنوه۔**[3] | کتاب اللہ کی تعلیم حاصل کرو، اس کے ساتھ عہد باندھو اور اسے اپنے پاس محفوظ رکھو۔ |

ب۔ حفظ کرنے کی نسبت قرآن مجید کو دیکھ کر تلاوت کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔ اس سلسلے میں امامیہ، غیر امامیہ کی کتب میں بے شمار احادیث موجود ہیں۔

---

۱۔ **طوال** پہلی سات طویل سورتوں کو کہتے ہیں۔ **مئین** سو یا زائد آیات والی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔ **مثانی** وہ سورتیں ہیں جو سو سے کم آیات والی ہوں۔ جب کہ **مفصل** آخر قرآن کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

۲۔ تفسیر عیاشی ۱: ۲۵ ۳۔ اعلام الدین ص ۱۰۰۔ اس میں اقتنوا کی جگہ افشو ہے۔

ج۔ خود قرآن کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

| | |
|---|---|
| **النظر فی المصحف عبادة**[1] | مصحف میں دیکھنا عبادت ہے۔ |

د۔ رسالتمآب ﷺ نے مشرکین کے علاقوں میں قرآن مجید ہمراہ لے جانے سے منع فرمایا۔

ان کے علاوہ بیسیوں ایسی احادیث اور احکام موجود ہیں جو عصر رسالت ﷺ میں قرآن کے کتابی شکل میں موجود ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

**جمع قرآن بعد از رسول ﷺ:** رسالتمآب ﷺ کی رحلت کے بعد عصر ابی بکر میں جو جمع قرآن مشہور ہے، اس کے بارے میں ہم ارباب نظر اور صاحبان تحقیق کی خدمت میں چند حقائق پیش کرتے ہیں۔ صرف یقینی دلائل نے ہمیں ان حقائق کو پیش کرنے پر مجبور کیا ہے۔ امید ہے کہ تحقیقی ذوق اور مایۂ علمی رکھنے والے حضرات اس کی قدر کریں گے اور مذہبی تنگ نظری کی بنیاد پر ان حقائق کو مسترد نہیں کریں گے۔

سب سے پہلے ہم وہ مشہور قصہ بیان کرتے ہیں جس کا تذکرہ اسی سلسلے میں کیا جاتا ہے:

کہا جاتا ہے کہ جنگ یمامہ میں متعدد قاریان قرآن کی شہادت کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا: اے ابوبکر! اس جنگ میں بہت سے قاریان قرآن شہید ہو گئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر دیگر جنگوں میں بھی یہی ہوتا رہا تو قرآن کا ایک معتدبہ حصہ ضائع ہو جائے گا۔[2]

چنانچہ حضرت عمر نے ایک بار نہیں بلکہ کئی بار تاکید کی کہ ہمیں قرآن کو جمع کرنا چاہیے۔

خود حضرت ابوبکر کہتے ہیں:

| | |
|---|---|
| **فلم یزل عمر یراجعنی**[3] | حضرت عمر بار بار مجھ سے کہتے رہے۔ |

حضرت عمر کے اصرار پر حضرت ابوبکر نے زید بن ثابت انصاری کو بلایا اور ان سے کہا:

| | |
|---|---|
| **انک رجل شابٌ عاقل لا نتھمک قد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ فتتبع القرآن فاجمعہ**[4] | تم عقلمند اور قابل بھروسہ جوان ہو اور تم رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتے تھے۔ جاؤ قرآن کی جستجو کرو اور اسے جمع کرو۔ |

زید نے ایک سوال اٹھایا اور حضرت ابوبکر سے کہا:

| | |
|---|---|
| **کیف تفعلان شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ ﷺ**[5] | آپ وہ کام کیسے کریں گے جسے رسول اللہ ﷺ نے انجام نہیں دیا ہے۔[6] |

آخرکار زید نے اس امر کی سنگینی کے اظہار کے ساتھ اس ذمہ داری کو قبول کیا۔ ایک

---

۱۔ مستدرک الوسائل ۹: ۱۵۳ ۲۔ تا ۵۔ بحار الانوار ۸۹: ۷۵

۶۔ مستشرقین مثلاً نولڈکے (Noldeke) وغیرہ اسی لیے یہ نظریہ قائم کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن جمع نہیں ہوا تھا اور آپ قوم کو کوئی شے کتابی شکل میں نہیں دے کر گئے تھے۔ کیونکہ اگر قرآن رسول ﷺ کے زمانے میں جمع شدہ اور کتابی شکل میں ہوتا تو ضیاع قرآن کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

پچیس رکنی کمیٹی تشکیل دی اور اعلان کیا کہ جس نے بھی رسول اللہﷺ سے قرآن کا کچھ حصہ اخذ کیا ہو وہ ہمارے پاس جمع کرائے اور جب تک اس کے قرآن ہونے پر دو گواہ پیش نہ ہوتے، وہ اسے قرآن کے طور پر قبول نہ کرتے سوائے **خزیمہ بن ثابت انصاری** کے کہ ان کی پیش کردہ آیتوں کو بلا گواہ قبول کرتے تھے کیونکہ رسول اللہﷺ نے ان کی ایک گواہی کو دو گواہوں کا مرتبہ دیا تھا۔

اسی اثنا میں حضرت عمر یہ عبارت لے کر آئے:

**الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا فارجموھا البتۃ نکالاً من اللہ**

زید نے حضرت عمر کی پیش کردہ عبارت کو قرآن کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ حضرت عمر کے پاس مطلوبہ گواہ موجود نہ تھے۔[1]

اسی طرح زید بن ثابت نے جمع قرآن کا عمل مکمل کیا اور اس نسخے کو ایک صندوق میں یا بالفاظ روایت ایک "ربعہ" میں محفوظ کر لیا۔

**چند حقائق:** مذکورہ بالا واقعہ، جمع قرآن سے متعلقہ اہل سنت کی کتب میں بکثرت پایا جاتا ہے اور اسے ایک مسلمہ حقیقت خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس واقعے کے بارے میں چند حقائق کا ذکر ناگزیر ہے۔

**۱۔ تواتر قرآن اور دو گواہ:** اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور اگر تواتر سے ثابت نہیں تو قرآن نہیں۔ زید نے دو گواہوں کی بنیاد پر قرآن جمع کیا اور حد یہ ہے کہ بعض آیات کے لیے دو گواہ بھی نہ تھے۔ چنانچہ صرف ایک گواہ کی بنیاد پر ہی بطور قرآن قبول کر لیا۔

دوسری بات جو اس سے لازم آتی ہے وہ ہے تحریف قرآن۔ کیونکہ یہاں بہت سی آیات ہیں جو دو سے زیادہ گواہوں سے ثابت ہیں، لیکن موجودہ قرآن میں ان آیات کا وجود نہیں ہے۔ مثلاً آیہ رجم، سورہ **الحفد** اور سورہ **الخلع** وغیرہ۔ پس ان کا شامل نہ کرنا جب کہ یہ بھی دو سے زائد گواہوں سے ثابت ہیں مذکورہ اسلوب کی رو سے تحریف قرآن ہے، جس کی تفصیل ہم تحریف کے موضوع میں بیان کریں گے۔

**۲۔ زید بن ثابت:** حضرت ابو بکر نے اس تاریخی اور نہایت اہمیت کے حامل کام کی انجام دہی کے لیے حضرت زید کو ہی کیوں منتخب کیا؟ زمانہ رسولﷺ میں جن افراد کو حفظ اور قراءت قرآن میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا اور بقول صاحب صحیح بخاری، جن شخصیات کی طرف تعلیم قرآن کے لیے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ عبد اللہ بن مسعود، اُبی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم ہیں۔ ان میں زید کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ابن مسعود کا مقام سب پر واضح تھا۔ اُبی بن کعب کو **سید القراء** کہتے تھے۔ معاذ بن جبل کو امام

---

۱۔ سیوطی۔ الاتقان فی علوم القرآن ۱: ۱۱۸

**العلماء** کا لقب ملا تھا۔ حضرت زید گو کتابت وحی میں شہرت رکھتے تھے مگر حفظ و قراءت میں ان کا کوئی مقام نہ تھا۔

ابو وائل کہتے ہیں کہ ابن مسعود نے ہمارے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں انہوں نے کہا:

کیا تم مجھے زید بن ثابت کی قراءت کی پیروی کرنے کو کہتے ہو جب کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ستر سورتوں سے زائد اخذ کی ہیں۔ اس وقت زید بچوں کے ساتھ پھرتا تھا اور اس کے سر پر دو چوٹیاں ہوتی تھیں۔[1]

البتہ زید میں ایک سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہیئت حاکمہ کو ان پر اعتماد تھا۔ چنانچہ اس کا اظہار خود حضرت ابوبکر نے بھی کیا کہ **لا نتهمك** ہمیں تم پر پورا بھروسہ ہے۔ اس اعتماد کی وجہ یہ تھی کہ زید بن ثابت، انصار کا ایک فرد ہونے کے باوجود سقیفہ میں مہاجرین کے موقف کا حامی تھا۔ چنانچہ انہوں نے بروز سقیفہ اپنا سیاسی موقف ان الفاظ میں بیان کیا:

**ان رسول اللہ کان من المهاجرين و كنا انصاره و انما يكون الامام من المهاجرين و نحن انصاره**۔[2]

خود رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے اور ہم ان کے انصار تھے اور آج امام بھی مہاجرین میں سے ہوگا اور ہم ان کے انصار ہوں گے۔

شاید اسی سیاسی موقف کا اثر تھا کہ یہ نہایت ثروت مند ہو گئے اور اپنے پیچھے دیگر مال و دولت کے علاوہ ایک لاکھ دینار مالیت کا سونا اور چاندی بھی چھوڑا، جو کلہاڑے سے کاٹ کر تقسیم کیا گیا۔[3]

**۳۔ دیگر قرآنی نسخے:** سب سے اہم اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ ضیاع قرآن کا کوئی خطرہ سرے سے موجود ہی نہ تھا کیونکہ اس وقت قرآن کے متعدد قابل توجہ نسخے امت کے ہاتھوں میں موجود تھے۔

چنانچہ ابن اثیر کہتے ہیں:

دمشق میں اُبی بن کعب کا مصحف، حمص میں مقداد کا مصحف، کوفہ میں ابن مسعود کا مصحف اور بصرہ میں ابو موسیٰ کا مصحف موجود تھا۔ کچھ لوگوں نے تو اپنے اپنے قرآنی نسخوں کے نام بھی تجویز کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ ابن مسعود کے مصحف کو **دیباج القرآن** اور ابو موسیٰ کے مصحف کو **لباب القلوب** کہا جاتا تھا۔[4]

ذیل میں ہم ان قرآنی نسخوں (مصاحف) کا تذکرہ کرتے ہیں جو حضرت ابوبکر کے زمانے میں موجود تھے۔

**۱۔ مصحف علی علیہ السلام:** حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

---

۱۔ سنن نسائی ۳: ۴۳۱۔ المصاحف ص ۱۵
۲۔ ابن عساکر۔ تہذیب ۵: ۴۴۶
۳۔ مسعودی مروج الذهب
۴۔ مسعودی مروج الذهب

و لقد کنت اتبعه اتباع الفصیل اثر امه، یرفع لی فی کل یوم من اخلاقه علما ویأمرنی بالاقتداء به، ولقد کان یجاور فی کل سنة بحراء فأراه ولا یراه غیری، ولم یجمع بیت واحد یومئذ فی الاسلام غیر رسول اللّٰہ و خدیجة و انا ثالثهما، اری نور الوحی و الرسالة، و اشم ریح النبوة، و لقد سمعت رنة الشیطان حین نزل الوحی علیه (ص) فقلت: یا رسول اللّٰہ ماهذه الرنة؟ فقال: هذا الشیطان قد أیس من عبادته، انک تسمع ما اسمع و تری ما أری الا انک لست بنبی و لکنک وزیر و انک لعلی خیر۔[1]

اور میں آپؐ کے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لیے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند فرماتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال کچھ عرصے کے لیے (غار) حرا میں قیام فرماتے تھے۔ وہاں آپؐ کو میرے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا تھا اس وقت رسول اللہؐ اور (ام المؤمنین) خدیجہ (س) کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا اور میں ان میں کا تیسرا تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپؐ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی، جس پر میں نے آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ یہ آواز کیسی ہے؟ تو آپؐ نے بتایا: یہ شیطان ہے جو اب اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا ہے۔ (اے علی) جو میں سنتا ہوں وہ تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں وہ تم بھی دیکھتے ہو، فرق بس اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو، بلکہ میرے وزیر و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو۔

جبیر بن مطعم کہتے ہیں:

قال ابی مطعم بن عدی لنا و نحن صبیان بمکة: الا ترون حب هذا الغلام یعنی علیاً۔ لمحمد و اتباعه له دون ابیه۔[2]

مکہ میں ہمارے بچپنے کی بات ہے کہ ہمارے والد نے ہم سے کہا: اس بچے (علی) کو دیکھو، اسے محمدؐ سے کتنی محبت ہے کہ اپنے باپ کو چھوڑ کر ان کی کیسی اتباع کرتا ہے۔

سلیمان بن اعمش راوی ہے:

قال علی: ما نزلت آیة الا و انا

حضرت علیؑ نے فرمایا: کوئی آیت ایسی نہیں اتری

---

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۰ ص ۵۳۳۔ شرح نہج البلاغة ابن ابی الحدید ۱۳ : ۱۹۷ ۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ ۱۳: ۲۰۰

علمت فیمن نزلت و این نزلت و علی من نزلت، ان ربی وھب لی قلبا عقولا و لسانا طلقا۔[1]

مگر یہ کہ مجھے علم ہے کہ کس سلسلے میں اتری اور کہاں اتری اور کس کے بارے میں اتری۔ یقینا میرے رب نے مجھے ایک عقلمند دل اور فصیح زبان عنایت فرمائی ہے۔

نیز آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

سلونی عن کتاب اللّٰہ فانہ لیس من آیۃ الا وقد عرفت بلیل نزلت ام بنھار أو فی سھل أو فی جبل۔[2]

مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھ لو کیونکہ کوئی آیت ایسی نہیں کہ جسے میں نہ جانتا ہوں کہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن میں اور میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔

ابن مسعود کہتے ہیں:

ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف ما منھا حرف الا ولہ ظھر و بطن و ان علی بن ابی طالب عندہ علم الظاھر و الباطن۔[3]

قرآن سات حروف (معانی) پر نازل ہوا ہے ان میں سے کوئی حرف ایسا نہیں جس کے لیے ایک ظاہر اور ایک باطن نہ ہو اور علیؑ کے پاس ان حروف کے ظاہر اور باطن دونوں کا علم موجود ہے۔

**وصیت رسول** صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم: حضرت علیؑ ہی وہ واحد شخص ہیں جنہیں رسول اکرمؐ نے قرآن کے بارے میں وصیت فرمائی۔ اگرچہ قرآن عصر رسالتؐ ہی میں امت کے حوالے ہو چکا تھا اور پورا قرآن امت کے پاس موجود تھا لیکن اس کا محمدی نسخہ بیت مصطفیؐ میں محفوظ تھا۔ اس نسخے کے وارث علی بن ابی طالبؑ تھے۔ اسی لیے رسالتمآبؐ نے مرض الموت میں ارشاد فرمایا:

یا علی ھذا کتاب اللّٰہ خذہ الیک، فجمعہ علی فی ثوب فمضی الی منزلہ فلما قبض النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم جلس علی فالفہ کما انزل اللّٰہ و کان بہ عالماً۔[4]

اے علی! یہ کتاب خدا ہے، اسے اپنے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت علیؑ اسے ایک کپڑے میں جمع کر کے اپنے گھر لے گئے۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد آپؑ نے قرآن کو اس طرح مرتب فرمایا جیسے اللہ نے اسے نازل فرمایا تھا اور آپؑ ہی اسے بخوبی جانتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ

رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے

---

۱۔ تفسیر العیاشی ۱: ۱۷۔ بحار الانوار ۸۹: ۹۷
۲۔ تفسیر العیاشی ۲: ۲۸۳
۳۔ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم الاصبھانی ۱: ۶۵
۴۔ بحار الانوار ۴۰: ۱۵۵ و ۸۹: ۵۱۔ التمھید ۱: ۲۲۷۔

و سلم لعلی علیه السلام: یا علی! القرآن خلف فراشی فی الصحف و الحریر والقراطیس فخذوه و اجمعوه ولا تضیعوه۔[1]

علی! قرآن میرے بستر کے پیچھے صحیفوں، ریشمی کپڑوں اور کاغذوں میں موجود ہے، آپؑ اسے لے جا کر جمع کرلیں اور ضائع نہ ہونے دیں۔

**نسخہ محمدی کی جمع و تدوین:** محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ جب رسول اللہؐ نے رحلت فرمائی تو علیؑ نے فرمایا:

آلیتُ ان لا آخذ عَلَیَّ ردائی الا لصلوٰۃ جمعة حتی اجمع القرآن۔ فجمعه۔[2]

میں نے قسم کھا لی ہے کہ میں نماز جمعہ کے علاوہ اپنی عبا زیب تن نہ کروں گا (گھر سے باہر نہ نکلوں گا) جب تک کہ قرآن کو جمع نہ کر لوں۔ چنانچہ انہوں نے اسے جمع فرما لیا۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

اتفق الکل علی انه اول من جمعه۔[3]

سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کو سب سے پہلے علیؑ نے جمع کیا۔

اور زرقانی کہتے ہیں:

واذن لا یضرنا فی هذا البحث ان یقال :ان علیا اول من جمع القرآن بعدرسول اللہ۔[4]

اور ہمیں اس امر کو تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ رسول اللہؐ کے بعد سب سے پہلے علیؑ نے قرآن جمع کیا ہے۔

**اس نسخہ کی انفرادیت:** عکرمہ کہتے ہیں

لواجتمعت الانس و الجن علی ان یؤلفوه ذلک التالیف مااستطاعوا۔[5]

اگر جن و انس جمع ہو کر اس طرح قرآن کی جمع و ترتیب کریں تو وہ نہیں کر سکتے۔

ابن جزی کلبی کہتے ہیں:

لو وجد مصحفه علیه السلام لکان فیه علم کثیر۔[6]

اگر مصحف علیؑ میسر آجاتا تو ایک علم کثیر ہاتھ آجاتا۔

ابن سیرین کہتے ہیں:

لو اصبت ذلک الکتاب کان فیه علم۔[7]

اگر یہ کتاب میسر آجاتی تو اس میں سے علم حاصل ہو جاتا۔

---

۱۔ تفسیر القمی ۲: ۴۵۱۔ بحار الانوار ۸۹: ۴۸
۲۔ السیوطی۔ الاتقان ۱: ۵۹
۳۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغۃ ۱: ۲۷
۴۔ مناهل العرفان ۱: ۲۴۷
۵۔ السیوطی۔ الاتقان ۱: ۵۹
۶۔ التسهیل لعلوم التنزیل ۱: ۴
۷۔ الطبقات الکبری ابو عبداللہ البصری ۲: ۳۳۸

شیخ مفید نے کتاب الارشاد میں فرمایا:

**ان علیا قدم فی مصحفه المنسوخ علی الناسخ و کتب فیه تاویل بعض الآیات و تفسیرها بالتفصیل۔**

حضرت علیؑ نے اپنے مصحف میں منسوخ کو ناسخ پر مقدم رکھا تھا اور بعض آیات کی تاویل وتفسیر بھی تفصیل سے رقم کی تھی۔

فیض کاشانی نے کتاب الوافی میں لکھا ہے:

حضرت علیؑ نے قرآن کی تفسیر، شان نزول آیات خود رسول اللہؐ کی املا سے لکھی تھیں۔

چنانچہ خود حضرت علیؑ نے فرمایا:

**و لقد جئتهم بالکتاب مشتملا علی التنزیل و التاویل۔**[1]

میں ان کے پاس وہ قرآن لایا تھا جو تنزیل اور تاویل دونوں پر مشتمل تھا۔

ان نصوص سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نسخہ صرف تنزیل پر منحصر نہ تھا، جیسا کہ باقی مصاحف ہیں۔ یعنی صرف قرآن کی آیات پر ہی مشتمل نہ تھا بلکہ اس میں کچھ تفسیر وتاویل بھی تھی۔

**یہ نسخہ امت کو پیش کیا گیا:** حضرت علیؑ نے قرآن کو زرد ریشم پر تحریر فرمایا اور ایک اونٹ پر لاد کر مسجد نبوی میں موجود اصحاب کے سامنے پیش کیا اور فرمایا:

**قال رسول اللہ: انی مخلف فیکم ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا، کتاب اللہ و عترتی اهل بیتی، و هذا الکتاب و انا العترة**[2]

رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب، دوسری میری عترت اہل بیتؑ۔ لہٰذا یہ ہے کتاب اور میں ہوں عترت۔

جواب ملا: اگر آپؑ کے پاس کتاب ہے تو ہمارے پاس بھی کتاب ہے۔ چنانچہ آپؑ حجت تمام کر کے واپس تشریف لے گئے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ امت کے پاس قرآن کا کوئی نسخہ موجود نہ ہو، اس کے باوجود اصحاب اس نسخہ محمدی کو رد کر دیں؟

اگر قرآن کا کوئی نسخہ امت کے پاس موجود نہ تھا تو اس نسخہ محمدی کو رد کرنا ناقابل فہم ہے اور اگر دیگر قرآنی نسخے موجود تھے تو یہ کہنا کہ قرآن زید بن ثابت نے جمع کیا، ناقابل فہم ہے۔

اگرچہ فی الواقع دونوں صورتوں میں اس نسخہ محمدی کو رد کرنا ایک المیہ ضرور ہے۔ زرقانی کہتے ہیں:

**لا ضیر فی هذا البحث ان یقال: ان**

اس بحث میں اس بات کے ماننے میں کوئی حرج

---

[1] آلاء الرحمن ۱: ۲۵۷ [2] بحار الانوار ۴۰: ۱۵۵

**عليا اول من جمع القرآن بعد رسول الله**[1]　　نہیں کہ رسول اللہﷺ کے بعد سب سے پہلے علیؑ نے قرآن جمع کیا ہے۔

کس قدر مقام تعجب ہے کہ جس طرح مستشرقین یہ ثابت کرنے کے لیے کہ قرآن زمانہ رسولﷺ میں جمع نہیں ہوا تھا، لفظ **جمع**، سے جو بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہﷺ کے زمانے میں قرآن **جمع** ہوا تھا، حفظ مراد لیتے ہیں۔ یعنی عصر رسول اللہﷺ میں قرآن حفظ ہوا تھا، جمع نہیں ہوا تھا، بالکل اسی طرح بعض علمائے اسلام حضرت علیؑ کے جمع قرآن کے بارے میں جو روایات میں لفظ **جمع** آیا ہے اسے حفظ کے معنی میں لیتے ہیں۔ یعنی آپؑ نے سینے میں حفظ کر لیا تھا۔[2] تاکہ یہ ثابت ہی نہ ہو سکے کہ حضرت علیؑ نے قرآن جمع کیا تھا اور اسے رد کیا گیا۔ **و ليست هذه اول قارورة كسرت في الاسلام**، حالانکہ حضرت علیؑ نے نسخۂ محمدی کی تدوین کے بعد ایک اونٹ پر لاد کر مسجد نبوی میں اسے اصحاب کے سامنے پیش کیا تھا اور اس واقعے کو تمام مؤرخین نے لکھا ہے اور ڈاکٹر آتھر جفری بھی مانتے ہیں کہ علیؑ نے قرآن کی تدوین فرمائی تھی۔[3]

**یہ نسخہ کہاں ہے؟:** پوری ذمہ داری کے ساتھ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اب حضرت علیؑ کا مصحف کہاں ہے۔ لیکن ایسے کچھ نسخے محفوظ تھے یا ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؑ کے دست مبارک سے تحریر کردہ ہیں۔

ابن ندیم نے اپنی مشہور کتاب **الفهرست** میں لکھا ہے:

> میں نے اپنے زمانے ۳۷۷ھ میں **ابو یعلی حمزہ حسنی** کے پاس قرآن کا ایک نسخہ دیکھا جس کے کچھ اوراق موجود نہ تھے۔ یہ قرآن حضرت علی ابن ابی طالب کے دست مبارک کا لکھا ہوا تھا اور یہ اولاد حسن میں پشت در پشت میراث میں چلا آ رہا ہے۔

**مقریزی** کہتے ہیں:

> ۵۱۶ھ میں فاطمی وزیر **مامون بطائحی** نے ایک قرآن جو حضرت علیؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، جامع عتیق مصر میں محفوظ کر لیا۔[4]

> علاوہ ازیں ترکی میں کتابخانہ **ايا صوفيه** میں حضرت علیؑ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک قرآن دو جلدوں میں موجود ہے۔

> نجف اشرف میں روضۂ امیر المؤمنینؑ میں ایک نسخۂ قرآن آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا جو بعد میں ضائع ہو گیا۔[5]

---

۱۔ مناهل العرفان ۱ : ۲۴۷　　۲۔ ملاحظہ کیجیے مقدمہ تفسیر بیضاوی وغیرہ　　۳۔ مقدمہ المصاحف ص ۵
۴۔ خطوط مقریزی بحوالہ رامیار تاریخ القرآن ص ۳۷۴۔　　۵۔ حوالہ سابق

جناب زنجانی اپنی کتاب تاریخ القرآن میں لکھتے ہیں:

و رأیت فی شهر ذی الحجة سنة ۱۳۵۳ هفی دار الکتب العلویة فی النجف الأشرف مصحفاً بالخط الکوفی کتب علی آخره : کتبه علی بن ابی طالب فی سنة اربعین من الهجرة، لتشابه ابی و ابو فی رسم الخط الکوفی قد یظن من لا خبرة له انه کتب علی بن ابو طالب بالواو۔

۱۳۵۳ھ کے ماہ ذی الحجۃ الحرام میں نجف اشرف کے دارالکتب العلویہ میں خط کوفی میں ایک قرآن میں نے دیکھا جس کے آخر میں تحریر تھا کہ اسے ۴۰ھ میں علی ابن ابی طالب نے لکھا۔ کوفی رسم الخط میں ابی اور ابو تقریباً ایک جیسے ہی لکھے جاتے ہیں اس لیے بے خبر لوگ اسے ابو طالب پڑھتے ہیں۔

حضرت علیؑ کے مصحف کے علاوہ درج ذیل اصحاب کے مصاحف لوگوں کی دسترس میں تھے۔

۲۔ **سالم مولیٰ:** سالم، ابو حذیفہ کی زوجہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کا شمار اصحاب صفہ میں ہوتا ہے۔ آپ کا ایک مصحف تھا۔

۳۔ **ابو زید قیس بن سکن:** مالک بن انس کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول خداﷺ کے زمانے میں ہی قرآن جمع کیا تھا۔

۴۔ **معاذ بن جبل:** ان کا مصحف شام اور حمص میں شہرت رکھتا تھا۔

۵۔ **ام ورقہ بنت عبد اللہ:** آپ نے بھی عصر رسولﷺ میں ہی قرآن جمع کر لیا تھا۔

۶۔ **سعد بن عبید:** یہ عصر رسولﷺ کے جامعین قرآن میں شمار ہوتے ہیں۔

۷۔ **اُبی بن کعب:** ان کا لقب **سید القراء** اور کنیت **ابو المنذر** ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا شمار علمائے یہود میں ہوتا تھا اور کتب عہدین پر عبور تھا۔ ان کا مصحف سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے دوسرے مصاحف سے مختلف تھا۔

۸۔ **عبد اللہ بن مسعود:** یہ چھٹے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسی لیے انہیں **سادس ستة** یعنی چھ میں سے چھٹا کہتے تھے۔ ان کے مصحف کو نہایت شہرت حاصل تھی۔

۹۔ **ابو الدرداء:** ان کا شمار بھی عصر رسولﷺ کے جامعین قرآن میں ہوتا ہے۔

۱۰۔ **مقداد بن اسود:** ان کا قرآن حمص اور شام میں مشہور تھا۔

۱۱۔ **ابو موسیٰ اشعری:** ان کا مصحف بصرہ میں رائج تھا اور یہ خود بصرہ کے حاکم بھی رہ چکے

تھے۔ ان کے مصحف کو **لباب القلوب** کہا جاتا تھا۔

**۱۲۔ حضرت حفصہ بنت عمر:** کہتے ہیں کہ حضرت حفصہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں ۔ انہوں نے بحکم رسول خداﷺ حضرت لیلی بنت عبد اللہ بن عبد شمس سے کتابت سیکھی تھی۔ انہوں نے اپنے لیے ایک مصحف تیار کیا تھا۔ یہ اس مصحف کے علاوہ تھا جسے حضرت ابو بکر نے جمع کرایا تھا اور حضرت عمر کی وفات کے بعد وہ بھی ان کے پاس موجود تھا۔

**۱۳۔ حضرت عائشہ بنت ابی بکر:** متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ نے بھی اپنے لیے ایک مصحف تیار کرایا تھا اور اس میں کچھ آیات دوسرے مصاحف سے مختلف تھیں۔

**۱۴۔ حضرت ام سلمہ :** آپ بھی لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ چنانچہ آپ نے خود اپنے لیے ایک مصحف تیار کیا تھا۔

**۱۵۔ زید بن ثابت:** ان کا یہ مصحف اس مصحف کے علاوہ تھا جسے حضرت ابو بکر نے جمع کرایا تھا۔ اس بات کو بڑی شہرت حاصل ہے کہ زید رسول کریمﷺ کے حضور آخری دورۂ قرآن میں حاضر تھے۔ لہٰذا ان کا قرآن بھی عرضۂ اخیر میں شامل سمجھا جاتا تھا۔

**۱۶۔ مجمع بن جاریہ:** کہتے ہیں کہ ان کا بھی اپنا ایک مصحف تھا۔ انہوں نے عہد رسولﷺ میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ صرف دو سورتیں رہ گئیں تھیں جو انہوں نے بعد رسولﷺ حفظ کیں۔

**۱۷۔ عقبہ بن عامر:** ان کا بھی اپنا مصحف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مصحف چوتھی صدی ہجری تک موجود تھا۔

**۱۸۔ عبد اللہ بن عمر:** ان کا شمار بھی زمانہ رسولﷺ میں قرآن جمع کرنے والوں میں ہوتا ہے۔

**۱۹۔ انس بن مالک:** ان کا بھی اپنا ایک مصحف تھا۔

یہ ہیں وہ قرآنی نسخے جو عہد رسولﷺ میں جمع کر لیے گئے تھے۔ ان کی موجودگی میں ضیاع قرآن کا سرے سے کوئی خطرہ نہ تھا۔[۱]

**اختلاف قراءت اور نسخہ:** سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ابو بکر نے اپنے زمانے میں قرآن کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے زید بن ثابت سے قرآن جمع کروایا تھا تو یہ نسخہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں کیوں نہ تھا؟ کیونکہ بعد میں جب عہدِ عثمان میں قراءت کا اختلاف پیدا ہوا تو اس نسخے کے معاصر دوسرے نسخوں کا ذکر آتا ہے، مگر اس نسخے کا کہیں ذکر تک نہیں ملتا کہ کچھ لوگ اس مصحف کے مطابق بھی قراءت کر رہے ہوں۔ جیسا کہ دمشق میں ابی بن کعب کا مصحف، حمص میں مقداد کا مصحف، کوفہ میں ابن مسعود کا مصحف اور بصرہ میں ابو موسیٰ کا مصحف رائج تھا۔

---

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ قرآن ڈاکٹر رامیار

**یہ نسخہ ربعہ میں:** اگر قرآن کو ضیاع سے بچانا ہی مقصود تھا اور لوگوں کے پاس قرآن محفوظ نہ تھا تو زید بن ثابت کے سرکاری نسخے کو عام کرنا چاہیے تھا، جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ نسخہ ایک صندوق میں بند رہا۔ بقول روایات ایک ربعہ میں بند کر دیا گیا۔ صرف حضرت عثمان کے دور میں ایک مرتبہ یہ نسخہ ربعہ سے نکالا گیا۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کے پاس آیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت حفصہ کے پاس رہا۔ پھر ان کی وفات کے بعد مروان بن حکم والی مدینہ نے اسے جلا دیا۔[1]

شاید یہ نسخہ تیار کروانے کی اصل وجہ یہ ہو کہ دیگر اصحاب کے علاوہ حضرت علیؑ کے پاس تو قرآن کا ایک جامع نسخہ موجود تھا، لیکن ہیئت حاکمہ کے پاس کوئی قرآنی نسخہ موجود نہیں تھا۔

اس سرکاری نسخے کے بارے میں مصر کے مشہور مؤلف ڈاکٹر محمد عبد اللہ دراز اپنی کتاب **مدخل الی القرآن الکریم** ص ۳۸ میں لکھتے ہیں:

**و لكن رغم قيمة هذا المصحف العظيمة و رغم ما يستحقه من العناية التى بذلت فى جمعه فان مجرد بقائه محفوظاً بعناية عند الخليفتين الاولين اسبغ عليه الطابع الفردى او الشخصى بعض الشىء و لم يصبح وثيقة للبشر كافة۔**[2]

اس نسخے کی بہت بڑی قدر و قیمت اور اس کے جمع کرنے پر صرف ہونے والی توجہ قابل قدر ہونے کے باوجود اس نسخے کا صرف دونوں خلفاء کے پاس محفوظ رہنے سے اس پر ذاتی اور شخصی تاثر کسی حد تک قائم رہا اور تمام لوگوں کے لیے ایک دستاویز کی حیثیت حاصل نہ کر سکا۔

ڈاکٹر محمد عبد اللہ کا تبصرہ بالکل درست ہے کہ اس نسخہ کا امت کے ساتھ کوئی ربط نہ رہا اور امت کے پاس اس نسخے کے علاوہ بہت سے نسخہ ہائے قرآن موجود تھے۔

**تضادات:** حضورﷺ کے بعد قرآن کے بارے میں جو روایات اہل سنت نے اپنی کتب میں بکثرت درج کی ہیں، ان میں اس قدر تضادات موجود ہیں کہ کسی ایک روایت پر بھی اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔ ان تضادات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے کتاب **البیان فی تفسیر القرآن** کا مطالعہ کافی رہے گا جہاں اس موضوع کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

کہتے ہیں جنگ یمامہ میں چار سو قاریان قرآن شہید ہونے کی وجہ سے ضیاع قرآن کا خطرہ لاحق ہوا۔ تاریخی حقائق کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ یمامہ میں تین ہزار قاریان قرآن شریک تھے۔ ان میں سے صرف چار سو کے شہید ہونے سے قرآن کے ضیاع کا خطرہ کیسے لاحق ہو سکتا ہے؟

**عصر ابوبکر میں جمع قرآن:** بالفاظ دیگر سرکاری نسخہ تیار کرنے کے واقعے سے مستشرقین کو یہ

---

۱۔ المصاحف ص ۲۱۔ ڈاکٹر جیفرے مقدمہ المصاحف ص ۵ ۲۔ ڈاکٹر جیفرے مقدمہ المصاحف

موقع ملا کہ وہ یہ نظریہ قائم کریں کہ رسول خداﷺ کی رحلت کے وقت کوئی نسخہ قرآن امت کے ہاتھوں میں موجود نہ تھا، ورنہ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر کو ضیاع قرآن کا خوف لاحق نہ ہوتا۔[1]

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ضیاع قرآن کے خوف کا کوئی سبب موجود نہ تھا اور نہ ہی سرکاری نسخے نے قرآن کا تحفظ کیا ہے۔ البتہ اس خوف کی کوئی دوسری وجوہ ہوسکتی ہیں یا اس قول کی نسبت ان کی جانب درست نہیں کہ کسی خوف کا اظہار ہوا تھا۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ زہری کی اس روایت کو غیر معتبر اور دیگر حقائق سے متصادم ہونے کی وجہ سے مسترد کیا جائے۔

چنانچہ جناب صدیق حسن خان اپنی کتاب جمع و تدوین قرآن صفحہ ۴۹ پر لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے غیر معتبر ہونے کے جو دلائل دیے جاتے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کہ انہیں بہ یک نظر مسترد کر دیا جائے۔

**عصر عثمان اور قرآن:** حضرت عثمان کے زمانے میں اسلام کرۂ ارض کے ایک وسیع خطے پر پھیل گیا تھا اور غیر عرب قومیں بھی اسلام میں داخل ہوگئی تھیں۔ دوسری طرف قرآن کی مختلف قرائتیں رائج تھیں اور اس وسیع و عریض مملکت کے ہر شہر اور ہر علاقے میں ایک قراءت رائج ہوگئی تھی۔ قراءت مختلف ہونے کا مطلب تلفظ میں اختلاف ہے۔ مثلاً یَطْهُرْنَ ایک قراءت ہے جس کا معنی ہے "پاک ہونا" جب کہ یَطَّهَّرْنَ دوسری قراءت ہے جس کا معنی ہے "پاک کرنا"۔

**آرمینیا کی جنگ:** ان دنوں حضرت حذیفہ[2] **(صاحب سر رسولﷺ)** آذربائیجان میں جنگ آرمینیا میں شریک تھے۔ اس جنگ میں شام اور عراق کے سپاہی لڑ رہے تھے۔ شام والے اُبی بن کعب کی قرائت پر قرآن پڑھتے تھے اور عراق والے ابن مسعود کی قرائت کے مطابق قرآن پڑھتے تھے۔ ہر ایک کو دوسرے کی قرائت اجنبی معلوم ہو رہی تھی۔ حتیٰ کہ اہل شام اور اہل عراق ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے۔

حضرت حذیفہ اس صورت حال سے خاصے پریشان ہو گئے وہ آذربائیجان سے سیدھے کوفہ آئے اور یہاں موجود اصحاب رسولﷺ سے اس مسئلے کے بارے میں مشورہ کیا۔ تمام اصحاب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ قرآن کی ایک ہی قرائت پر لوگوں کو مجتمع کیا جائے۔ صرف عبد اللہ بن مسعود نے اختلاف کیا۔[3]

**علمائے امت کا فیصلہ:** یہ فیصلہ لے کر حضرت حذیفہ مدینہ پہنچے اور گھر جانے سے پہلے حضرت

---

۱۔ حوالہ سابق

۲۔ حضرت حذیفہ بن یمان عراقی الاصل تھے اور سابقین فی الاسلام میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ رسالتمآبﷺ کے رکابدار تھے۔ جب حضورﷺ جنگ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو منافقین کی ایک جماعت تاک میں بیٹھی ہوئی تھی کہ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر رسول خداﷺ کو شہید کیا جائے، مگر اچانک بجلی چمکنے پر رسول خداﷺ اور حذیفہ نے ان سب کو دیکھ لیا اور پہچان لیا۔ حضورﷺ نے حضرت حذیفہ سے فرمایا کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ چنانچہ حذیفہ وہ واحد صحابی تھے جو منافقین کو جانتے تھے اسی لیے انہیں صاحب السر کہا جاتا تھا۔

۳۔ ابن اثیر الکامل ۳: ۵۵

عثمان کے پاس حاضر ہو کر دہائی دی: میں ہی واحد پیغام لانے والا ہوں۔ میں خبردار کرتا ہوں۔ حضرت عثمان نے پوچھا: بات کیا ہے؟ حضرت حذیفہ نے فرمایا: اے خلیفہ! لوگوں کی فریاد کو پہنچو۔ حضرت عثمان نے پھر پوچھا: کیا واقعہ پیش آیا ہے؟ حضرت حذیفہ نے کہا:

لوگوں نے کلام خدا میں اختلاف کرنا شروع کر دیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ مسلمانوں کا حشر بھی وہی نہ ہو جو یہود و نصاریٰ کا ہوا ہے۔

ابن اثیر لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| **فجمع عثمان الصحابة واخبرهم الخبر، فاعظموه، ورأوا جميعا ما رأى حذيفة** [1] | چنانچہ حضرت عثمان نے اصحاب کو جمع کیا اور انہیں اس خبر سے آگاہ کیا۔ اصحاب نے اس کو بڑا سانحہ قرار دیا اور سب نے حذیفہ کی تائید کی۔ |

**کمیٹی کی تشکیل:** چنانچہ اس مقصد کے لیے اصحاب رسولؐ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

حضرت عثمان نے اس کمیٹی سے کہا:

| | |
|---|---|
| **يا اصحاب محمدؐ اجتمعوا فاكتبوا للناس اماماً** [2] | اے اصحاب محمدؐ! متفق طور پر اس امت کے لیے ایک رہنما نسخہ تیار کرو۔ |

ابتدائی مرحلے میں چار افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

۱۔ زید بن ثابت
۲۔ سعید بن عاص قرشی
۳۔ عبد اللہ بن زبیر
۴۔ عبد الرحمن بن حارث بن ہشام [3]

زید بن ثابت اس کمیٹی کے سربراہ مقرر ہوئے۔ اس کمیٹی کے ارکان علمی قابلیت کے فقدان کی وجہ سے اس عظیم کام کو سرانجام دینے سے عاجز رہے۔ چنانچہ نئی کمیٹی تشکیل دی گئی اور اس میں درج ذیل افراد کو شامل کیا گیا:

**۱۔ أبی بن کعب**
**۲۔ عبد اللہ بن عباس**
**۳۔ انس بن مالک**
**۴۔ مالک بن ابی عامر**
**۵۔ کثیر بن افلح**
**۶۔ مصعب بن سعد**
**۷۔ عبد اللہ بن فطیمہ** [4]

اس کمیٹی کی سربراہی **أبی بن کعب** کر رہے تھے۔

**ابو العالیہ** کہتے ہیں:

---

۱۔ ابن اثیر الکامل ۳: ۵۵
۲۔ سیوطی الاتقان فی علوم القرآن ۱: ۱۲۰
۳۔ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی
۴۔ التمہید ۱: ۲۸۱

**انهم جمعوا القرآن من مصحف ابی بن کعب، فکان رجال یکتبون یملی علیهم ابی بن کعب۔**

انہوں نے قرآن کو ابی بن کعب کے مصحف سے جمع کیا۔ چنانچہ ابی بن کعب املا کراتے تھے اور کچھ لوگ لکھتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے:

**امانحن فَنَقْرَؤُہ علی قراءۃ أبی۔**[1]

ہم بھی ابی بن کعب کی قراءت کے مطابق (قرآن) پڑھتے ہیں۔

**سرکاری مداخلت:** امت قرآن کو ایک ہی قراءت پر متحد کرنے کی تحریک حضرت حذیفہ کی جانب سے چلی اور اصحاب رسولؐ نے ان سے اتفاق کیا اوران کی تائید کی۔ حضرت عثمان نے اپنی مرضی کے چار افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی تھی جو کام نہ کرسکی۔ بعد میں اہل افراد سامنے آئے اورانہوں نے اس عظیم کارنامے کو بطور احسن انجام دیا۔ اس طرح وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ[2] کا الٰہی وعدہ پورا ہوگیا۔

**ایک حرف کا تغیر:** چنانچہ حکومت اس سلسلے میں اس حد تک بے دخل ہوگئی تھی کہ ایک حرف کے تغیر وتبدل پر بھی قادر نہ تھی۔

**علباء بن احمد** سے روایت ہے:

**ان عثمان بن عفان لما اراد ان یکتب المصاحف ارادوا ان یلغوا الواو التی فی براءۃ وَ الَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّھَبَ۔۔۔ فقال لهم ابی: لتلحقنها اولاضعن سیفی علی عاتقی فالحقوها۔**[4]

حضرت عثمان جب قرآن لکھوا رہے تھے تو سورہ برائت کی آیت وَ الَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّھَبَ کی واوَ کو حذف کرانا چاہتے تھے مگر اُبی بن کعب[3] نے کہا: یہ واوَ رہے گی ورنہ ہم تلوار اٹھائیں گے چنانچہ اس واوَ کو رہنے دیا۔

بعدمیں قرآن مجید کے دیگر نسخوں کو نذر آتش کرنے پر لوگوں نے حضرت عثمان کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا تو انہوں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے خود کو اس عمل میں دوسروں کا تابع بتایا۔ ملاحظہ ہو ان کا یہ قول:

**وانما انا فی ذلک تابع لهؤلاء۔**[5]

میں تو اس معاملے میں صرف ان لوگوں کا تابع رہا ہوں۔

**حضرت عثمان جامع قرآن نہیں ہیں:** حارث محاسبی کہتے ہیں:

---

۱۔ وسائل الشیعۃ ۶: ۱۶۳ ۲۔ ۱۵حجر: ۹

۳۔ مستشرقین کا یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ ابی بن کعب حضرت عمر کے دور میں وفات پا چکے تھے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت عثمان کے زمانے تک زندہ تھے اور آرمینیا کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔

۴۔ سیوطی در المنثور ۳: ۲۱۹ ۵۔ تاریخ طبری ۱: ۲۵۲

المشہور عند الناس ان جامع القرآن عثمان و لیس کذلک، انما حمل عثمان الناس علی القراءۃ بوجہ واحد[1]

لوگوں میں مشہور ہے کہ عثمان جامع قرآن ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ عثمان نے تو لوگوں کو صرف ایک ہی قرائت اختیار کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

قاضی ابوبکر اپنی کتاب الانتصار میں لکھتے ہیں:

لم یقصد عثمان قصد ابی بکر فی جمع نفس القرآن بین لوحین، وانما قصد جمعھم علی القراءات الثابتۃ المعروفۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والغاء ما لیس کذلک، و اخذھم بمصحف لا تقدیم فیہ ولا تاخیر ولا تاویل۔[2]

حضرت عثمان نے حضرت ابوبکر کی طرح قرآن کو جمع کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کو ان قرائتوں پر مجتمع کیا جائے جو رسول کریم ﷺ سے ثابت ہیں اور جو ثابت نہیں، انہیں متروک کیا جائے اور لوگوں کو ایسے قرآن پر مجتمع کیا جائے جس میں نہ تقدیم و تاخیر ہو اور نہ تاویل۔

حبیب الرحمن صدیقی مقدمہ تفسیر بیضاوی میں فرماتے ہیں:

وما اشتھر ان جامعہ عثمان فھو علی ظاھرہ باطل لانہ انما حمل الناس سنۃ ۳۵ھ القراءۃ بوجہ واحد[3]

اور یہ جو شہرت ہوئی ہے کہ حضرت عثمان جامع قرآن ہیں، یہ بات بظاہر باطل ہے۔ کیونکہ انہوں نے تو ۳۵ ہجری میں لوگوں کو صرف ایک قرائت اختیار کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

**حضرت علیؑ کا موقف:** علامہ حلی اپنی کتاب **تذکرہ** میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے بھی منظوری لی تھی۔

حضرت علیؑ کا یہ فرمان بھی مشہور ہے جو آپؑ نے دور عثمان میں لوگوں کو ایک ہی قرآن پر مجتمع کرنے کے عمل کے انجام پانے کے بعد فرمایا:

لا یھاج القرآن بعد الیوم[4]

آج کے بعد قرآن کبھی مضطرب نہ ہوگا۔

ایک اور مقام پر آپؑ نے فرمایا:

ان القرآن لا یھاج الیوم ولا یحول۔[5]

آج قرآن کو قرار آ گیا ہے اور یہ ناقابل تغیر ہو گیا ہے۔

---

۱۔ السیوطی الاتقان فی علوم القرآن ۱: ۱۲۱ ۲۔ حوالہ سابق ۳۔ مقدمہ تفسیر بیضاوی
۴۔ طبرسی۔ تفسیر مجمع البیان ۹: ۲۱۸ ۵۔ تمہید ۱: ۲۸۹

حضرت عثمان کے عہد خلافت میں جب لوگوں کو ایک مصحف پر مجتمع کرنے کی مہم چل رہی تھی تو اس وقت جناب طلحہ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ آپؑ نے رسول اللہﷺ کی وفات کے بعد جو قرآن جمع کیا تھا، جسے اس قوم نے مسترد کر دیا تھا، کیا آج آپؑ اس قرآن کو دوبارہ پیش نہیں کر سکتے؟ آپؑ نے اس کا جواب نہ دیا۔ طلحہ نے ہر چند اصرار کیا مگر آپ نے جواب نہ دیا۔ آخر طلحہ نے کہا: اے ابو الحسنؑ آپ مجھے اس بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ آپؑ نے فرمایا:

> اے طلحہ! میں نے جان بوجھ کر جواب نہیں دیا تھا۔ تم خود بتاؤ کہ لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے، کیا یہ قرآن نہیں ہے؟ کیا اس میں غیر قرآن بھی ہے؟ طلحہ نے جواب دیا کہ ہاں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے یہ سب کا سب ضرور قرآن ہے، تو آپؑ نے فرمایا: اگر تم نے اسی قرآن کو لے لیا تو تمہیں آتش جہنم سے نجات مل جائے گی اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ طلحہ نے کہا کہ اگر قرآن یہی ہے تو بس کافی ہے۔[1]

## موجودہ قرآن

گزشتہ مباحث سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جو قرآن اس وقت امت کے ہاتھوں میں ہے، وہ:

۱۔ نہ حضرت علیؑ کا جمع کردہ قرآن ہے،

۲۔ نہ عصر ابی بکر میں جمع شدہ قرآن ہے،

۳۔ نہ حضرت عثمان نے کوئی قرآن جمع کیا تھا،

بلکہ اس وقت ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن موجود ہے، وہ عصر رسولﷺ کا تدوین شدہ قرآن ہے جو کہ عصر رسالتﷺ میں ہی امت کے ہاتھوں میں موجود تھا اور عصر رسالتﷺ کے بعد وہی قرآن مختلف نسخوں میں امت کے پاس موجود رہا۔ یہ مختلف نسخے، جس طرح ہمارے زمانے میں چند ایک کمپنیوں کی طرف سے طبع شدہ نسخے رائج ہیں اسی طرح چند ایک اہم نسخے مختلف علاقوں میں رائج ہو گئے۔ چنانچہ:

۱۔ ابی بن کعب کا نسخہ دمشق میں

۲۔ مقداد کا نسخہ حمص میں

۳۔ عبداللہ بن مسعود کا نسخہ کوفہ میں

۴۔ ابوموسیٰ کا نسخہ بصرہ میں رائج تھا۔

ان نسخوں کی قراءتیں بھی قدرے مختلف تھیں جو آگے چل کر وجہ نزاع بن گئیں۔ حضرت حذیفہ رضوان اللہ علیہ کی تحریک پر عصر عثمان میں ان تمام نسخوں کو جمع کیا گیا اور ایک قراءت پر مشتمل ایک نسخہ بنا دیا گیا جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] کتاب سلیم بن قیس الہلالی ص ۶۵۷ و بحار الانوار ۳۱: ۴۲۶

# نسخ

نسخ کی تعریف۔ بداء ۔ اقسام نسخ ۔ نسخ تلاوت۔ نسخ حکم۔ تاویل۔ تفسیر اور تاویل میں فرق۔ کیا تاویل قرآن صرف خدا جانتا ہے ۔ نفاذ اور انطباق۔ شان نزول۔ نسخہ ہائے قرآن۔ طبع قرآن ۔ نقطہ نگاری ۔ اعراب۔

قرآن انسان سازی کا ایک دستور ہے اور یہ قانون فطرت ہے کہ ارتقا و تکامل دفعتاً نہیں بلکہ تدریجاً ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا قوانین و احکام قرآن میں بھی تدریج و تغیر ضروری تھا۔ خصوصاً اس انقلابی اصلاح کا آغاز جس قوم سے کیا جا رہا تھا وہ جاہلیت و وحشت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ چونکہ ایک متوحش اور غیر مہذب قوم کی اصلاح دفعتاً نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے تشریع اسلامی میں نسخ کا ہونا لازمی اور ضروری تھا۔

**نسخ کی تعریف:** شریعت مقدسہ میں ایک ثابت حکم کو دوسرے حکم کے ذریعے اٹھا لینا۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک خاص حکم کو کسی مصلحت کے تحت مقررہ مدت کے لیے نافذ فرماتا ہے، مگر از راہ مصلحت و حکمت اس امر کا اظہار نہیں کرتا کہ یہ حکم ایک خاص معینہ مدت کے لیے محدود ہے۔ بعد میں نسخ کے ذریعے بتایا جاتا ہے کہ اس حکم کی مدت ختم ہو گئی ہے۔

لہٰذا نسخ میں صرف ایک نکتہ قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ پہلے سے یہ نہیں بتایا جاتا کہ یہ حکم صرف ایک خاص مدت کے لیے محدود ہے اور اس نہ بتانے میں بہت سے مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اس نہ بتانے کی وجہ سے اس حکم کے دائمی ہونے کا جو تصور لوگوں کے ذہن میں قائم ہوتا ہے، حقیقت میں اس تصور کا نسخ ہے، نہ کہ حکم واقعی کا نسخ۔ پس نسخ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اللہ کا نظریہ بدل گیا ہے۔

**بداء:** جیسا کہ نسخ میں بیان کیا گیا ہے کہ حکم شرعی پہلے ہی سے اللہ کے نزدیک ایک خاص وقت کے لیے مخصوص تھا، لیکن کسی مصلحت کی بنیاد پر اس کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ بعد میں نسخ کے ذریعے اظہار ہوا تو لوگوں کے تصور کے مطابق سابقہ حکم اٹھا لیا گیا۔ بالکل اسی طرح **بداء** بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ پہلے سے طے ہوتا ہے، لیکن اس فیصلے کا اظہار نہیں کیا جاتا تو لوگوں کے اذہان میں یہ تصور قائم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ بعد میں جب اللہ تعالیٰ پہلے سے طے شدہ فیصلے کا اظہار فرماتا ہے تو لوگوں کو **بداء** یعنی تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا **بداء** کسی امر کے بارے میں لوگوں کے تصور کی تبدیلی ہے، نہ کہ واقعی حکم اور فیصلے کی تبدیلی۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

**ما بدا اللہ فی شیء الا کان فی علمہ قبل ان یبدو لہ۔**[1] اللہ کو کسی شے کے بارے میں بداء نہیں ہوتا مگر یہ کہ اللہ کو اس کا پہلے سے علم ہوتا ہے۔

---

[1] اصول الکافی ۱: ۱۴۸ باب البداء

پس بداء کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اللہ کا نظریہ بدل گیا ہے۔ بداء اور نسخ میں فرق صرف یہ ہے کہ نسخ تشریعی امور میں ہوتا ہے اور بداء تکوینی امور میں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ [1] | اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔ |

عقیدۂ بداء سے اللہ تعالیٰ کی طرف جہالت کی نسبت لازم نہیں آتی بلکہ بداء کا مطلب یہ ہے کہ ہر شے اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جیسے چاہتا ہے کائنات میں تصرف کرتا ہے۔

یہ یہود کا عقیدہ ہے کہ اللہ بے بس ہے۔ روز ازل اس نے جو فیصلہ کر دیا اسے نہ بدل سکتا ہے نہ اس میں تبدیلی لا سکتا ہے۔ یعنی قضا و قدر کے ذریعے روز ازل جو فیصلہ کر دیا ہے، اس فیصلے کے خلاف اور کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ یہود کے اس باطل نظریے کو قرآن نے رد کیا ہے:

| | |
|---|---|
| وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ ۔۔۔ [2] | اور یہود کہتے ہیں: اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، خود ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر لعنت ہو اس (گستاخانہ) بات پر بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ |

عقیدہ بداء سے ہی انسان اپنے خالق کی طرف رجوع کرتا ہے کہ وہی عطا و بخشش والا ہے۔ انسان دست سوال دراز کرتا ہے کہ وہ کریم ہے اور پھر اپنی پوری زندگی میں ذات الٰہی سے وابستگی اختیار کرتا ہے۔ اس طرح ایک پر امید زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر عقیدہ بداء نہ ہو اور انسان یہ سمجھے کہ تقدیر میں جو لکھا ہے وہی ہو کر رہے گا اور انسان کچھ نہیں جانتا کہ اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے تو وہ یاس و ناامیدی میں مبتلا رہے گا اور پھر اللہ کی بارگاہ میں تضرع اور انکساری کے ساتھ رجوع نہیں کرے گا۔ اسی طرح دعا و صدقات کا فلسفہ بھی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

عقیدہ بداء سے علم خدا اور علم بشر کا فرق بھی سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے ہر چیز کو جانتا ہے لیکن بشر کو معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ کی مشیت کیا ہے۔ اس لیے بندہ ہمیشہ مشیت الٰہی کا طالب ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کے معصوم علیہ السلام سے روایت ہے:

| | |
|---|---|
| ما عبد اللہ بشیء مثل البداء [3] | اللہ کی پرستش کے لیے بداء سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ |

یہ لفظ بداء صحیح بخاری میں بھی وارد ہوا ہے۔ ابو ہریرہ راوی ہے:

| | |
|---|---|
| سمع رسول اللہ یقول: ان ثلاثۃ فی | انہوں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ بنی |

---

[1] ۱۳ رعد: ۳۹　[2] ۵ مائدہ: ۶۴　[3] اصول الکافی باب البداء ۱: ۱۴۶

بنی اسرائیل ابرص و اقرع و اعمی بدا اللہ ان یبتلیھم فبعث اللہ الیھم ملکاً[1]

اسرائیل میں تین شخص ایسے تھے جن میں ایک مبروص، دوسرا اندھا اور تیسرا کوڑھی تھا۔ اللہ تعالیٰ کو بداء ہوا کہ ان کا امتحان لیا جائے۔ چنانچہ اس نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔

صحیح ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے:

قال رسول اللہ: لا یرد القضاء الا الدعاء و لا یزید فی العمر الا البر۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قضائے الٰہی کو صرف دعا روک سکتی ہے اور نیکی ہی سے عمر دراز ہوتی ہے۔

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ خوئی اعلی اللہ مقامہ بداء کی تشریح وتوضیح کے بعد فرماتے ہیں:

و انھم نسبوا الی الشیعۃ ماھم براء منہ، و انھم لم یحسنوا فی الفھم و لم یحسنوا فی النقد، و لیتھم اذلم یعرفوا تثبتوا او توقفوا کما تفرضہ الامانۃ فی النقل و کما تقتضیہ الحیطۃ فی الحکم و الورع فی الدین۔[2]

انہوں نے شیعوں کی طرف اس چیز کی نسبت دی ہے جس سے وہ بری الذمہ ہیں۔ انہوں نے نہ تو درست سمجھنے کی کوشش کی اور نہ ہی تنقید کا صحیح اصول اپنایا۔ کاش مطلب واضح نہ ہو سکنے پر یہ لوگ تحقیق سے کام لیتے یا کچھ توقف کرتے (تاکہ حق ان پر واضح ہوجائے)، پھر کسی کا عقیدہ ونظریہ بیان کرنے میں امانت فی النقل کا تقاضا بھی یہی تھا اور یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ فیصلے کرنے سے پہلے آگاہی حاصل کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا چاہیے (مگر ان لوگوں نے بہتان طرازی میں جلد بازی سے کام لیا)۔

**اقسام نسخ:** علمائے اہل سنت نے نسخ قرآن کی چند اقسام بیان کی ہیں۔ ذیل میں ہم ان اقسام کا ذکر کریں گے اور ساتھ امامیہ کا نقطۂ نظر بھی بیان کریں گے۔

**۱۔ نسخ الحکم و التلاوۃ:** یعنی قرآن کی آیت کو بھی اٹھا لیا گیا اور حکم کو بھی۔ بایں معنی کہ بعض آیات قرآن کا حصہ تھیں اور مسلمان ان آیات کو بطور قرآن تلاوت کیا کرتے تھے نیز ان میں ایک شرعی حکم بھی موجود تھا لیکن بعد میں ان آیات کو قرآن سے حذف کر دیا گیا اور حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

اما نسخ الحکم و التلاوۃ جمیعاً فقد اجمع علیہ القائلون بالنسخ من المسلمین۔[3]

جہاں تک حکم وتلاوت کے نسخ کا مسئلہ ہے تو مسلمانوں میں سے جو لوگ نسخ کے قائل ہیں ان سب نے اس مسئلے میں اجماع کیا ہے۔

---

۱۔ صحیح بخاری ۲: ۳۶۱ طبع دار الاشاعت کراچی
۲۔ البیان فی تفسیر القرآن امام الخوئی، ص ۳۸۳
۳۔ زرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن ۲: ۱۱

امامیہ کے نزدیک اس قسم کا نسخ باطل ہے اور کتاب خدا اس سے بالاتر ہے کہ اس کی بعض آیات کو قرآن کا حصہ قرار دینے کے بعد حذف کر دیا جائے یا اٹھا لیا جائے۔ امامیہ کے نزدیک صرف وہ آیات قرآن کا حصہ ہیں جو تواتر سے ثابت ہوں۔

علمائے اہل سنت اس قسم کی کچھ آیات کو بھی قرآن کا حصہ مانتے ہیں جو غیر متواتر احاد روایات کے ذریعے منقول ہیں۔ پھر ان آیات کو موجودہ قرآن میں نہیں پاتے تو نسخ تلاوت کا نظریہ قائم کرتے ہیں اور یہ نظریہ اس لیے قائم کرتے ہیں کہ یہ روایتیں کتب صحاح میں موجود ہیں جنہیں قبول کرنا اہل سنت نے اپنے مذہب میں لازمی قرار دے رکھا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم اور صحیح ابن حبان میں یہ روایت درج ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا:

**کان فیما انزل من القرآن "عشر رضعات معلومات یحرمن" ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول اللہ و ھن فیما یقرأ من القرآن۔**[1]

قرآن میں یہ آیت بھی نازل ہوئی تھی کہ "واضح طور پر دس مرتبہ دودھ پلانے والیاں حرام ہو جاتی ہیں" پھر یہ آیت پانچ مرتبہ دودھ پلانے کے حکم سے منسوخ ہوگئی، حالانکہ رسول کریمﷺ کی وفات کے وقت تک یہ آیات قرآن میں تلاوت کی جاتی تھیں۔

اس روایت سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت رسول خداﷺ کی وفات تک قرآن میں موجود تھی اور آپﷺ کی وفات کے بعد ہی قرآن سے حذف کر دی گئی اور بقول ان حضرات کے ایسا حضرت ابوبکر کے زمانے میں ہوا جیسا کہ مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی مقدمۂ تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں:

**نعم اسقط زمن الصدیق مالم یتواتر و نسخت تلاوتہ۔**[2]

ہاں حضرت صدیق کے زمانے میں ان آیات کو حذف کر دیا گیا جو غیر متواتر تھیں اور ان کی تلاوت بھی منسوخ کر دی گئی۔

قابل توجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرف نسبت دی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: **القرآن الف الف حرف** (الاتقان) قرآن دس لاکھ حروف پر مشتمل ہے۔ جب کہ قرآن مجید کے کل حروف تین لاکھ تئیس ہزار چھ سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) ہیں۔ بنا بر ایں موجودہ قرآن سے چھ لاکھ چھہتر ہزار تین سو انتیس (۶۷۶۳۲۹) حروف غائب ہیں۔

حق تو یہ تھا کہ اس روایت کو حرمت قرآن کے منافی اور قرآنی مسلمات کے خلاف قرار دے کر مسترد کر دیا جاتا مگر مقام افسوس ہے کہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں بڑی صراحت اور جسارت کے ساتھ لکھ دیا:

---

۱۔ صحیح مسلم ۲: ۱۰۷۵۔ صحیح ابن حبان ۱۰: ۳۶
۲۔ ماخوذ از روح المعانی

**قد حمل ذلک علی ما نسخ رسمه من القرآن ایضاً اذ الموجود لا یبلغ هذا الحد۔**

اس روایت کو اس بات پر محمول کیا گیا ہے کہ یہ حصہ قرآن سے منسوخ الرسم ہو گیا ہے کیونکہ موجودہ قرآن میں اس مقدار کے حروف موجود نہیں ہیں۔

کس قدر مقام حیرت ہے کہ قرآن قرآن کا دو تہائی منسوخ الرسم ہو جائے اور صرف ایک تہائی باقی رہ جائے۔

مقام تعجب ہے کہ نسخ تلاوت پر قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ جس بات کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ علمی حلقوں میں مضحکہ ہے۔ کہتے ہیں: آیت رجم صحیح بخاری میں مذکور ہونے کی وجہ سے قرآن کا حصہ ہے۔ آیت رجم چونکہ موجودہ قرآن میں نہیں ہے لہٰذا نسخ تلاوت کے ذریعے اس آیت کو اٹھا لیا گیا۔

تعجب یہ ہے کہ اول خبر واحد سے قرآن ثابت نہیں ہوتا ثانیاً قرآن کا ناسخ قرآن ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ خبر واحد متواتر سے قرآن کے منسوخ ہونا واقع ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔ نسخ تلاوت صرف ایک مفروضہ ہے جس کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اسی وجہ سے جدید محققین نسخ تلاوت کو مسترد کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ محمد صدیق الغماری نے نسخ تلاوت کی رد میں ایک مستقل کتاب بنام **ذوق الحلاوۃ ببیان امتناع نسخ التلاوۃ** لکھی ہے۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک یہ قرآن کی عظمت کے خلاف بڑی جسارت ہے اور اس نظریے سے تحریف قرآن لازم آتی ہے کہ عصر رسالتؐ کے بعد قرآن کا کچھ حصہ اس میں سے حذف کر دیا گیا۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک قرآن عصر رسالتؐ میں مدون تھا اور ہر سال قرآن کی بازخوانی ہوتی تھی اور رسول خداؐ کی وفات کے بعد کوئی آیت حذف نہیں کی گئی جب کہ یہ خدا کا وعدہ بھی ہے کہ قرآن کے ساتھ کوئی دست درازی نہیں ہو سکتی۔

صرف امامیہ ہی نہیں بلکہ خود اہل سنت کے ایک معتدبہ گروہ نے بھی اس نظریے کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ عظمت قرآن کے منافی ہے اور اس سے تحریف قرآن ثابت ہوتی ہے۔

۲۔ **نسخ تلاوت:** یعنی قرآن سے ایک آیت کو اٹھا لیا جائے مگر حکم باقی رکھا جائے۔ اس قسم کے نسخ کو بھی علمائے شیعہ نے اجماعی طور پر مسترد کیا ہے۔ علمائے شیعہ کا نظریہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ قرآن صرف تواتر کے ذریعے ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ خبر واحد سے چونکہ قرآن ثابت ہی نہیں ہوتا، اس لیے نسخ بھی قرآن کے ثبوت پر موقوف ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ کسی آیت کو قرآن کا حصہ تسلیم کر لینے کے بعد خبر واحد کے ذریعے اس کے منسوخ ہونے کا نظریہ عیناً تحریف قرآن کا نظریہ ہے۔

مگر مقام حیرت ہے کہ تقریباً تمام علمائے اہل سنت نے اتفاق کیا ہے کہ نسخ تلاوت واقع ہوا ہے۔

چنانچہ آمدی متوفی ۶۳۱ ھ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| اتفق العلماء علی جواز نسخ التلاوۃ دون الحکم۔[1] | تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حکم کے بغیر صرف تلاوت منسوخ ہو سکتی ہے۔ |

اس قسم کے نسخ کے لیے وہ ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن کا ذکر تحریف قرآن کے مسئلے میں تفصیل سے ہوا ہے۔ مثلاً آیہ رجم اور یہ کہ سورہ احزاب، سورہ بقرہ کے برابر تھی وغیرہ۔[2]

حالانکہ کسی آیت کا منسوخ یا غیر منسوخ ہونا تو بعد کی بات ہے، پہلے تو اس کا جزو قرآن ہونا ثابت ہونا چاہیے اور وہ بھی تواتر سے، خبر واحد کے ذریعے نہیں، خواہ وہ واحد روایت کتنی ہی صحیح السند کیوں نہ ہو۔ پھر اگر آیت جزو قرآن ثابت ہو جائے تو اسے منسوخ قرار دینے کے لیے بھی خبر واحد کافی نہیں، یہ بھی تواتر سے ہونی چاہیے۔

لیکن مقام تعجب ہے کہ غیر امامیہ کے وہ محققین بھی جو نسخ کی پہلی قسم کو مسترد کرتے ہیں، اس قسم کے نسخ کے قائل ہیں، حالانکہ ان دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ان دونوں کے تسلیم کرنے سے تحریف قرآن لازم آتی ہے۔

اور اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ کچھ آیات کو جزو قرآن تسلیم کر کے تلاوت منسوخ کرنا عیناً تحریف قرآن کا نظریہ قرار پاتا ہے۔ اس لیے اہل سنت کے کچھ دانشور اس نظریے کو تقدس قرآن کے خلاف تصور کرتے ہوئے اسے مسترد کرتے ہیں۔[3]

**۳۔ نسخ حکم:** یعنی آیت برقرار رہے اور اس کا حکم منسوخ ہو جائے تو اسے نسخ حکم کہتے ہیں۔ اس قسم کے نسخ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ بس ایسا ہی نسخ قرآن مجید میں واقع ہوا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں یہ حکم نازل ہوا کہ جب کوئی شخص رسول خداؐ سے تخلیہ میں سرگوشی کرنا چاہے تو پہلے صدقہ دے۔ اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی:

| | |
|---|---|
| یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَاجَیۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰىکُمۡ صَدَقَۃً ۔۔۔[4] | اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔ |

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت علیؑ نے ایک دینار کے دس درہم لیے۔ ایک ایک درہم صدقہ فرماتے اور رسول کریمؐ سے سرگوشی کرتے۔ حضرت علیؑ کے علاوہ کسی اور شخص نے صدقہ دے کر اس آیت پر عمل نہیں کیا۔[5]

اس حکم کے بعد لوگوں کی سرگوشیاں رک گئیں اور کسی نے اس آیت پر عمل نہ کیا سوائے علیؑ کے۔ آخر کچھ عرصے بعد درج ذیل آیت کے ذریعے صدقہ دینے کا حکم منسوخ ہو گیا اور ساتھ سرزنش بھی ہوئی:

---

۱۔ الاحکام للآمدی فی اصول الاحکام ۳ : ۱۵۴ ۔ ۲۔ زرقانی۔ مناہل العرفان فی علوم القرآن

۳۔ صبحی صالح۔ مباحث فی علوم القرآن ص ۲۶۵ ۔ ۴۔ ۵۸ مجادلۃ: ۱۲ ۔ ۵۔ طبری، تفسیر ۲۸ : ۱۵ و فتح القدیر ۵ : ۱۸۶

| | |
|---|---|
| ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَيۡ نَجۡوٰكُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ۔۔۔[1] | کیا تم اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے ہو؟ اب جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو تم نماز قائم کرو۔۔۔۔ |

قرآن مجید میں متعدد احکام ایسے ہیں جنہیں دوسری قرآنی آیات کے ذریعے منسوخ کیا گیا ہے۔ ناسخ ومنسوخ کا جاننا علم القرآن کا اہم ترین باب ہے۔ ہمارے علماء نے اسی موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔

سب سے پہلے اس موضوع پر **ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن الاصم المسمعی** نے **رسالۃ الناسخ و المنسوخ** کے نام سے ایک کتاب تحریر کی۔ آپ حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔

**تاویل:** اس کا مشہور مفہوم تو یہ ہے کہ ظاہر کلام سے جو مطلب اذہان میں آتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور دقیق مطلب مراد لیا جائے جو عام لوگوں کی فہم سے بالاتر ہو۔ مثلاً اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِي الۡاَرۡضِ[2] "کیا وہ زمین میں سیر نہیں کرتے" کا مطلب یہ لیا جائے۔ **اولم ینظروا الی القرآن** "کیا وہ قرآن کو نہیں دیکھتے؟" وغیرہ۔

تاویل کی یہ تشریح اہل تحقیق کے نزدیک ہرگز درست نہیں ہے، بلکہ تاویل کا مطلب ہے کہ ہر حکم اور عمل کا منطقی محور، جس پر قرآنی احکام وقوانین کا دار و مدار ہوتا ہے۔

جیسے ارشاد الٰہی ہے:

| | |
|---|---|
| وَ اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ﴿۳۵﴾[3] | اور تم ناپتے وقت پیمانے کو پورا کر کے دو اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھو، بھلائی اسی میں ہے اور انجام بھی اسی کا زیادہ بہتر ہے۔ |

ایک اور مقام پر کچھ اس سے زیادہ واضح طور پر تاویل کا معنی سامنے آتا ہے:

| | |
|---|---|
| بَلۡ كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ وَ لَمَّا يَاۡتِهِمۡ تَاۡوِيۡلُهٗ ۔۔۔[4] | حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جو ان کے احاطہ علم میں نہیں آئی اور ابھی اس کا انجام بھی ان کے سامنے نہیں کھلا۔ |

تاویل کی مزید وضاحت حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کے واقعے سے ہو جاتی ہے کہ جب حضرت خضرؑ نے کشتی میں سوراخ کر دیا، ایک بچے کو قتل کیا اور ایک افتادہ دیوار کو درست کرنا شروع کیا تو حضرت موسیٰؑ سے ضبط نہ ہو سکا کیونکہ حضرت موسیٰؑ ان اقدامات کے مرکزی نکتے اور ان میں پوشیدہ

---

[1] ۵۸ مجادلۃ: ۱۳ [2] ۳۰ روم: ۹ [3] ۱۷ اسراء: ۳۵ [4] ۱۰ یونس: ۳۹

اسرار وحکمت سے آگاہ نہ تھے۔ چنانچہ ان اقدامات میں پوشیدہ اسرار اور حکمتوں کے بیان کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا۔۔۔[1] یہ ہے ان باتوں کی تاویل جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

مندرجہ بالا اور دیگر قرآنی استعمالات کے مطابق تاویل کا مطلب نہ ظاہری معنی ہے اور نہ باطنی معنی بلکہ تاویل کا مطلب اللہ کے احکام کے اندر پوشیدہ وہ حکمتیں اور اسرار ہیں جن کا علم صرف اللہ کے پاس ہے یا ان بندگانِ خاص کے پاس ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خزانۂ غیب کے علوم سے نوازا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ۔۔۔[2] اس کی (حقیقی) تاویل تو صرف خدا اور علم میں راسخ مقام رکھنے والے ہی جانتے ہیں۔

حضرت آیۃ اللہ العظمٰی خوئی قدس سرہ فرماتے ہیں:

و قد يستعمل التاويل و يراد منه العاقبة وما يؤول اليه الامر و على ذلک جرت الآية الكريمة[3] تاویل سے کبھی انجام اور کسی امر کی بازگشت مراد لی جاتی ہے اور آیۂ شریفہ بھی اس معنی کے مطابق ہے۔

**تفسیر اور تاویل میں فرق:** کسی آیت میں مقصود الٰہی کی وضاحت کو تفسیر کہتے ہیں[4] اور کسی حکم یا عمل کے مرکزی نکتے اور حکمت کو تاویل کہتے ہیں

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

ظهره تنزيله و بطنه تاويله[5] قرآن کا ظاہری معنی تنزیل اور باطنی معنی تاویل ہے۔

**کیا تاویل قرآن صرف خدا جانتا ہے؟:** اہل سنت کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ تاویل قرآن صرف خدا جانتا ہے۔ جب کہ شیعہ امامیہ اور بعض علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ ان کے نزدیک قرآن یا اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو انسانوں کے لیے قابل استفادہ نہ ہو۔ قرآن تو انسان کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تدبر اور غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ اگر قرآن کا کچھ حصہ ناقابل فہم ہے تو نہ تو یہ ہدایت کا ذریعہ بن سکتا ہے اور نہ ہی اس میں غور وفکر کی کوئی گنجائش رہتی ہے۔ کوئی کبھی بھی ایسا کلام نہیں کرتا جس کا مطلب خود اس کے علاوہ دوسرا کوئی نہ سمجھ سکے۔ اس سے تو مقصد کلام ہی ختم ہو جاتا ہے۔

آیہ کریمہ:

---

۱۔ ۱۸ کهف: ۸۲ ۲۔ ۳ آل عمران: ۷ ۳۔ البيان، امام الخوئی ص ۲۲۳

۴۔ البيان فی تفسير القرآن۔ الامام الخوئی۔ اردو ترجمہ ص ۳۹۵ ۵۔ وسائل الشيعة ۲۷: ۱۹۶

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۔۔۔ [1]

اس کی (حقیقی) تاویل تو صرف خدا اور علم میں راسخ مقام رکھنے والے ہی جانتے ہیں جو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

میں وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کوئی نیا جملہ نہیں ہے بلکہ سابقہ جملے پر عطف ہوا ہے اور آیت کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس کی تاویل اللہ اور **راسخون فی العلم** کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جملہ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا جملہ **مستانفہ حالیہ** ہے۔

اس مفہوم کو تفسیر و ادب عربی کے بہت سے ماہرین نے ادبی شواہد اور قرآنی سیاق و سباق کی روشنی میں اخذ کیا ہے۔ [2]

کیونکہ **راسخون فی العلم**، علم تاویل کے ساتھ ہی مربوط ہوسکتا ہے۔ آمنا کے لیے **رسوخ فی العلم** کی ضرورت نہیں ہے۔ مزید برآں ایمان والوں سے تو یہ بھی کہا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا ۔۔۔ [3] اے ایمان والو! سچا ایمان لے آؤ۔

یعنی ایمان میں پختگی نہیں ہے اس لیے نئے سرے سے ایمان لانے کی ضرورت ہے۔

اللہ کی ذات وہ ہے جس نے بہترین کلام کو کتاب متشابہ کی صورت میں نازل فرمایا۔

لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے شیریں اسلوب اور اس کے اعجاز الٰہی ہونے میں ساری آیات باہم مشابہت و مماثلت رکھتی ہیں۔ غیر خدا کا کلام یعنی ادیبوں کے اشعار اور مقالات و خطبات جہاں فصاحت و بلاغت کے شاہکار ہوتے ہیں وہاں ان میں کمزور پہلو اور سرقت شعری و فکری کا عنصر ضرور دکھائی دیتا ہے، مگر قرآن میں اس قسم کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ یہ اول سے لے کر آخر تک معجزہ ہے اور اس کے اعجاز میں کہیں فرق نظر نہیں آتا۔ حتیٰ کہ یہ ایک ہی مطلب متعدد مقامات پر پیش کرتے وقت مختلف اسلوبِ کلام اختیار کرتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دوسرا اسلوب پہلے سے یا پہلا دوسرے سے کمتر ہے۔ دونوں اسلوب معجزہ اور دونوں فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اس اعتبار سے پورا قرآن باہم متشابہ ہے۔

دوسری طرف کچھ آیات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن محکم ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ۔۔۔ [4] یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات مستحکم کی گئی ہیں۔

لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ آیات کا مجموعہ یعنی قرآن ایک ناقابل خلل دستور ہے اور اس کے قوانین محکم اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہیں۔ اس کے افکار کی پختگی، قوانین کے باہمی ارتباط اور نظام کی ہم آہنگی میں کوئی خلل نہیں ہے۔

بعض آیات قرآنی یہ بتاتی ہیں کہ قرآن کی آیات دو قسم کی ہیں: کچھ محکم اور کچھ متشابہ۔ جیسا کہ

---

۱۔ ۳ آل عمران: ۷ ۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر المنار ۳: ۱۶۷۔ تاویل مشکل القرآن وغیرہ

۳۔ ۴ نساء: ۱۳۶ ۴۔ ۱۱ ھود: ۱

قرآن میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۔۔۔[1]

وہی ذات ہے جس نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جس کی بعض آیات محکم (واضح) ہیں، وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں۔

اس بات میں شک و شبہے کی گنجائش نہیں کہ قرآن میں چند متشابہ آیات موجود ہیں اور ایسی آیات بہت کم ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن میں متشابہ آیات نہیں ہیں کیونکہ اگر اس میں متشابہ آیات ہوتیں تو لوگ انہیں نہ سمجھ سکتے۔ اس طرح قرآن سب لوگوں کے لیے سرچشمۂ ہدایت نہیں بن سکتا تھا، جب کہ خود قرآن کہتا ہے:

هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًی وَّ مَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ [2]

یہ (عام) لوگوں کے لیے ایک واضح بیان ہے اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔

جبکہ کچھ اور لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن پورے کا پورا متشابہ ہے اور سب کے لیے قابل فہم نہیں ہے۔

یہ دونوں نظریے نا قابل قبول ہیں۔ کیونکہ قرآن میں متشابہ آیات کا موجود ہونا اس بات کے منافی نہیں کہ قرآن ہدایت کا سرچشمہ ہے، کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے جو کسی طرح بھی قابل فہم نہ ہو۔ متشابہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ دوسرے ذرائع کی مدد سے بھی نا قابل فہم ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آیت از خود قابل فہم نہیں ہے بلکہ دیگر آیات و احادیث کے ذریعے قابل فہم ہے۔[3]

دوسرا نظریہ اس لیے بھی قابل قبول نہیں کہ قرآن نے خود فرمایا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ۔۔۔[4]

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔

اگر قرآن ہمارے لیے نا قابل فہم ہے تو پھر ہم **تدبر فی القرآن** کیسے کر سکتے ہیں۔

**نفاذ اور انطباق:** چونکہ قرآن مجید بنی نوع انسان کے لیے ایک ابدی دستور ہے۔ لہٰذا جس طرح دور نزول میں جس امر پر منطبق ہوتا تھا، اسی طرح آئندہ آنے والے اس قسم کے تمام امور پر بھی نافذ و منطبق ہو گا۔ بشرطیکہ زمانۂ نزول کے تمام حالات و شرائط اس امر میں موجود ہوں۔

لہٰذا جو فرائض زمانۂ نزول کے لوگوں پر عائد ہوتے تھے، وہی فرائض آنے والے لوگوں پر بھی عائد ہوں گے۔ زمانۂ نزول وحی میں کسی شخص کی مدح ہوتی ہے تو اس قسم کے اوصاف رکھنے والے تمام افراد پر یہ مدح منطبق ہوگی اور اگر زمانۂ نزول میں کسی کی مذمت ہوئی ہے تو آئندہ بھی اس قسم کے اوصاف رذیلہ

---

[1] ۳ آل عمران: ۷ [2] ۳ آل عمران: ۱۳۸ [3] مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر آیہ ۷ سورہ آل عمران ۳ [4] ۴ نساء ۸۲

رکھنے والوں پر اس مذمت کا حکم جاری ہو گا۔

پس شان نزول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آیت صرف شان نزول پر ہی منحصر و منجمد ہو گئی ہے۔ اس بات کو مفسرین یوں بیان کرتے ہیں: **العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب**۔ لفظ کی عمومیت دیکھی جاتی ہے خواہ سبب خاص کیوں نہ ہو۔

اسی مفہوم کو احادیث معصومین علیہم السلام میں جری (نفاذ) و انطباق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

**ولو ان الآیة نزلت فی قوم ثم مات اولئک ماتت الآیة لما بقی من القرآن شیء، ولکن القرآن یجری اولہ علی آخرہ ما دامت السمٰوٰت والارض۔[1]**

اور اگر کسی قوم و جماعت کے بارے میں ایک آیت نازل ہوتی اور پھر ان لوگوں کے مر جانے پر آیت کی افادیت بھی ختم ہو جاتی تو اس طرح تو قرآن ختم ہو کر رہ جاتا، حالانکہ جب تک آسمان و زمین باقی ہیں، قرآن بھی اول و آخر جاری و نافذ ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے درج ذیل آیت کے بارے میں پوچھا گیا:

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ۔۔۔[2]

اور اللہ نے جن رشتوں کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں قائم رکھتے ہیں۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

**ھذہ نزلت فی رحم آل محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم وقد تکون فی قرابتک فلا تکونن ممن یقول للشیء انہ فی شیء واحد۔[3]**

یہ آیت آل محمدؐ کے صلۂ رحم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ تیرے اقربا کے بارے میں بھی ہو سکتی ہے۔ تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جو کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی شے میں منحصر ہے۔

**شان نزول:** قرآن مجید کی آیات مختلف اوقات میں مختلف مناسبتوں سے نازل ہوئی ہیں۔ کچھ آیات کسی سوال کے جواب میں اور کچھ بعض غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے نازل ہوئیں۔ کچھ کسی اہم واقعے کے سلسلے میں اور کچھ کسی شخصیت یا اشخاص کی مدح یا قدح میں نازل ہوئیں۔ لیکن کچھ آیات ایسی بھی ہیں جو صرف بیان احکام کے لیے نازل ہوئی ہیں۔

قرآن فہمی کے لیے شان نزول کا علم ضروری ہے۔ اگر کسی کلام کے صادر ہونے کے موقعے اور مناسبت کا علم ہو تو اس کلام کے حقیقی مفہوم کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اور اگر کسی کلام کے محل نزول کا علم نہ ہو تو اس کا رخ متعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس معاملے میں روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سب سے زیادہ رموز

---

[1] البیان فی تفسیر القرآن امام الخوئی، ص ۲۳ [2] ۱۳ رعد: ۲۱ [3] البیان فی تفسیر القرآن۔ امام الخوئی، ص ۲۳

قرآن سے واقف ہیں۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

ما نزلت فی القران ایة الا و قد علمت این نزلت و فیمن نزلت و فی ای شیٔ نزلت و فی سهل نزلت ام فی جبل نزلت[1]

قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہاں نازل ہوئی، کس کے بارے میں نازل ہوئی، کس چیز کے بارے میں نازل ہوئی، میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر نازل ہوئی۔

روایت ہے کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

سلونی فو اللہ لا تسئلونی عن شیء الا اخبرتکم، وسلونی عن کتاب اللہ فو اللہ مامن آیة الا و انا اعلم ابلیل نزلت ام بنهار ام فی سهل ام فی جبل۔[2]

مجھ سے پوچھ لو۔ قسم بخدا تم جس چیز کے بارے میں بھی پوچھو گے میں تمہیں بتاؤں گا اور مجھ سے قرآن کے بارے میں پوچھو۔ بخدا کوئی ایسی آیت نہیں مگر یہ کہ میں اسے جانتا ہوں کہ یہ رات کو نازل ہوئی یا دن میں، میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔

حضرت علی علیہ السلام نے علم قرآن کو زمان و مکانِ نزول کے ساتھ مربوط فرمایا۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فہم قرآن اس کے بغیر مشکل ہے۔ کیونکہ جس محل و موقعے پر کلام نازل ہوا ہے، اس کا کلام کے مفہوم کے ساتھ ربط ہوتا ہے۔ مزید برآں کلام فہمی میں مخاطب یا مخاطبین کے نظریے اور خیالات کا بھی دخل ہوتا ہے۔ مثلاً درج ذیل آیت ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَۃَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنۡ حَجَّ الۡبَیۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِ اَنۡ یَّطَّوَّفَ بِہِمَا۔۔۔[3]

صفا اور مروہ یقینا اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ پس جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے ان دونوں کا چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

شان نزول سے ہٹ کر آیت کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی جائے تو مفہوم یہ معلوم ہوتا کہ صفا اور مروہ کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی ممنوع نہیں، جائز کام ہے۔ اس کلام سے ہرگز یہ مفہوم نہیں لیا جا سکتا کہ صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنا واجب اور حج و عمرے کا جزو اور حصہ ہے۔ جب کہ اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر زمانۂ جاہلیت میں مشرکوں کے دیوتاؤں کی مورتیاں نصب تھیں اور وہ ان پہاڑیوں میں دوڑ لگاتے اور ان بتوں کو چومتے تھے۔ صدر اول کے مسلمانوں کو یہ خیال گزرا کہ کہیں صفا و مروہ کے درمیان سعی مشرکین کے شعائر میں سے تو نہیں؟ جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

> صفا اور مروہ یقینا اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ پس جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے ان دونوں کا چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

لہٰذا شان نزول معلوم نہ ہونے کی صورت میں اس طرز خطاب سے صحیح مفہوم کا اخذ کرنا دشوار ہوتا

---

۱۔ بحار الانوار ۸۹: ۷۹
۲۔ سعد السعود ص ۲۸۴۔ شواهد التنزیل ۱: ۴۱۔ کچھ فرق کے ساتھ۔ صحیح مسلم
۳۔ ۲ بقرة: ۱۵۸

ہے۔ مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ سب قرآنی آیات کے لیے شان نزول کا ہونا ضروری ہو، بلکہ قرآن مجید کا اکثر و بیشتر حصہ ایسا ہے جو کسی واقعے یا حادثے کے سلسلے میں نہیں بلکہ قرآن از خود احکام و قصصِ انبیاء بیان کرتا ہے۔

شان نزول کے سلسلے میں ایک اہم اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ قرآنی آیات کی شان نزول کے بارے میں روایات نہایت متضاد ہیں۔ خاص کر اسرائیلیات پر مبنی روایات کی کثرت کی وجہ سے اکثر روایات ناقابل اعتنا ہیں۔ مفسر اور محقق کے لیے ایسے مقام پر ضروری ہوتا ہے کہ وہ دیکھے کہ کون سی روایت سیاق و سباق آیت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔

**نسخہ ہائے قرآن:** آسمانی کتب میں سے کسی کتاب کو وہ مقام حاصل نہیں ہوا جو قرآن مجید کو حاصل ہوا ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں مسلمانوں نے اپنی تمام تر توجہات قرآن مجید پر مبذول رکھیں۔ چنانچہ اسلامی ممالک کے مختلف شہروں میں ہزاروں مساجد، مکاتب، مدارس، کتب خانے، اور اسلامی مراکز میں اس مقدس کتاب کے ہزاروں قلمی نسخے پائے جاتے ہیں اور اب جب کہ طباعت کے آسان طریقے ایجاد ہو گئے ہیں اور اس کے لاکھوں نسخے طبع ہو رہے ہیں۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے ابھی تک ہاتھ سے کتابت قرآن کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔

**قرآن کی طباعت:** قرآن کا پہلا ایڈیشن سب سے پہلے ۱۵۳۰ء میں اٹلی کے شہر وینس (Venice) میں طبع ہوا، لیکن چرچ کی طرف سے تمام قرآنی نسخے ضبط ہو گئے اور اس کی طباعت پر پابندی عائد ہو گئی۔ اس کے باجود اس ایڈیشن کا ایک نسخہ ابھی تک وینس کی ایک لائبریری میں محفوظ ہے۔[1]

پھر ۱۶۹۴ء میں جرمنی کے شہر ہمبرگ (Humberg) میں قرآن کا ایک ایڈیشن طبع ہوا۔ اس کے کچھ نسخے دار الکتب العربیہ مصر میں اب تک محفوظ ہیں۔

پھر ۱۷۶۸ء میں جرمنی میں اس کی طباعت ہوئی۔

اس کے بعد ۱۷۹۷ء میں روس کے مسلمانوں نے قرآن کی طباعت کی۔

یورپ میں طبع شدہ قرآنی نسخوں کو مسلمانوں میں مقبولیت حاصل نہ ہو سکی، چنانچہ مسلمانوں نے اپنے قلمی نسخوں ہی سے تلاوت جاری رکھی۔ اس طرح مسلمانوں نے غیروں کی ہر ممکنہ سازش کو ناکام بنا دیا۔

عالم اسلام میں سب سے پہلے ایران میں ۱۲۳۲ھ بمطابق ۱۸۱۷ء میں تبریز میں ایک طبع خانہ قائم کیا گیا جس میں ۱۲۴۳ھ بمطابق ۱۸۲۸ء میں قرآن طبع کیا گیا۔[2]

اس کے بعد ۱۲۶۶ھ میں کلکتہ میں اور بعد ازاں ہندوستان کے متعدد دوسرے شہروں میں قرآن مجید طبع ہونا شروع ہو گیا۔

**نقطہ نگاری:** شروع میں قرآن مجید کی کتابت نقطوں کے بغیر ہوتی تھی۔ با، تا، ثا اور یا میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح ج، ح اور خ میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔

---

۱۔ روزنامہ جنگ ۶ مارچ ۱۹۸۹ء    ۲۔ الخط العربی الاسلامی ص ۱۲۳ بحوالہ التمہید ۱ : ۳۵۷

اس لیےصدر اسلام میں قرائت قرآن کے لیےصرف نسخہ ہائے قرآن ہی کافی نہ تھے بلکہ استادوں سے سینہ بہ سینہ حفظ کرنا بھی ضروری تھا۔ مثلاً **نبلو** کو بے نقطہ ہونے کی وجہ سے چھ طریقوں سے پڑھا جا سکتا تھا:

**نَبلو، تَبلو، يَبلو، نَتلو، تَتلو، يَتلو** اور اسی طرح کو بے نقطہ ہونے کی وجہ سے **يَعلم، تَعلم** اور **نَعلم** تین طریقوں سے پڑھا جا سکتا تھا۔

اسی وجہ سے قرأتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ مثلاً بعض نے سورۂ آل عمران کی ۴۸ ویں آیت میں **يعلمه** پڑھا اور بعض نے **نعلمه**۔ اسی طرح سورۂ بقرہ کی ۲۵۹ ویں آیت میں بعض نے **نَنشُزُها** اور بعض نے **تَنشُزُها** پڑھا۔

بایں ہمہ عرب اپنے عربی سلیقے سے سمجھ سکتے تھے کہ کہاں کیا پڑھنا ہے۔

لیکن جب اسلامی مملکت میں وسعت کے نتیجے میں عرب و عجم میں اختلاط پیدا ہو گیا تو غیر عربوں کے لیے یہ بات ناممکن تھی کہ بغیر نقاط اور علامات کے اجنبی الفاظ کا صحیح تلفظ کر سکیں۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں حروف پر نقطہ نگاری کا عمل شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے **يحيى بن يعمر** اور **نصر بن عاصم** نے حروف پر نقطے ڈالے۔[1]

واضح رہے کہ نصر بن عاصم اور یحییٰ بن یعمر دونوں حضرت **ابو الاسود دئولی** کے شاگرد ہیں جو خود حضرت علیؑ کے معروف شاگرد تھے۔

**اِعراب:** عربی زبان میں **اِعراب زبر، زیر، پیش** بھی کلام فہمی میں بہت مدد دیتے ہیں۔ خود عرب تو اہل زبان ہونے کی بنا پر اپنے فطری سلیقے سے **کَتَب** اور **کُتِبَ** میں فرق بغیر **اِعراب** کے بھی سمجھ سکتے ہیں لیکن غیر عرب کے لیے یہ بات ناممکن ہے۔ چنانچہ حضرت **ابو الاسود دوئلی** نے ہی پہلی بار **زبر، زیر** اور **پیش** کے لیے علامات وضع کیں۔ چنانچہ: زبر کے لیے حرف کے اوپر دو نقطے، زیر کے لیے حرف کے نیچے دو نقطے اور پیش کے لیے حرف کے سامنے دو نقطوں سے علامات وضع کیں۔

اکثر ان علامتوں کو سرخ رنگ میں لکھا جاتا تھا جب کہ آیات کو اور الفاظ کے نقاط کو سیاہ روشنائی سے تحریر کیا جاتا تھا۔ اس قسم کے اِعراب والے چند نسخے ابھی تک محفوظ ہیں۔

بعد میں خلیل بن احمد فراہیدی نے اِعراب کی موجودہ شکل وضع کی۔ یعنی زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک لکیر، زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک لکیر، پیش کے لیے حرف کے اوپر ایک واو، تنوین کے لیے دو لکیریں یا دو واو اور جزم کی علامت کے لیے حرف خ کا سرا علامت کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس سے خفیف جزم کی طرف اشارہ مقصود تھا۔ بعد میں جزم کے لیے حرف میم کا سرا استعمال ہونے لگا۔ اس سے جزم کے سکون ہونے کی طرف اشارہ مقصود ہے اور شد کے لیے شین کا سرا رمز کے طور پر اپنایا گیا۔

☆☆☆☆☆

---

[1] مناہل العرفان ۱: ۳۹۹

# تحریف قرآن

## ایک باطل نظریہ

**قرآن تحریف ناپذیر معجزہ ہے**

قرآن رسول کریم ﷺ کی نبوت کی حقانیت پر اللہ کی طرف سے ایک معجزہ ہے:

وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾

یہ ایک بالادست کتاب ہے، باطل نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے، نہ پیچھے سے، یہ حکمت والے لائق ستائش (رَبّ) کی نازل کردہ ہے۔ (۴۱ حمٓ سجدۃ: ۴۱۔۴۲)

یہ بات ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کو معجزہ عنایت کرے، پھر وہ معجزہ ناتمام رہ جائے یا اس معجزے کی طرف باطل قوتوں کو اپنا ہاتھ دراز کرنے کا موقع مل جائے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ان کے بیرونی دشمن فرعون اور داخلی دشمن سامری کی دست درازی کی زد میں آ جائیں؟ حاشا و کلا۔

روایت اور نظریہ۔ نظریہ تجسیم۔ خیانت۔ نظریہ جبر اور تحریف۔ وہ نظریات جن سے تحریف قرآن لازم آتی ہے۔ دو گواہ۔ آیت رجم۔ احادیث سبعۃ احرف۔ نسخ تلاوت۔

دشمنانِ اسلام نے قدیم زمانے سے اپنی سازشیں اس بات پر مرکوز رکھیں کہ قرآن کو مخدوش اور متنازعہ بنائیں۔ بدقسمتی سے خود امت قرآن کے بعض افراد محض فرقہ وارانہ تعصب کے باعث اس پروپیگنڈے کو ہوا دینے میں دشمنوں کے ہمدوش ہو گئے کہ فلاں فرقہ تحریف قرآن کا قائل ہے۔ یہ نادان اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ اس الزام سے قرآن کو مشکوک بنا رہے ہیں۔ نظریاتی مخالفین سے عناد اور جاہلانہ تعصب کی وجہ سے ان کے فہم و ادراک کی صلاحیت ماند پڑ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر ہمارے سارے علماء اپنا اجماعی موقف بیان کریں کہ ہمارے نزدیک تحریف قرآن کا نظریہ سراسر باطل، فرسودہ اور شواذ میں شامل ہے اور ایسے شواذ کسی مسلک و مذہب میں قابل اعتنا نہیں ہوتے، پھر بھی یہ لوگ نہیں مانتے۔ حالانکہ امانت و دیانت کا کوئی شائبہ ہوتا تو اس حد تک بہتان تراشی اور کذب وافترا کا ارتکاب نہ کرتے اور کچھ خوف خدا کرتے۔

ہم ذیل میں اس موضوع سے متعلق کچھ بیان کرنے پر مجبور ہیں۔ اگرچہ بعض باتوں کا تذکرہ خود ہم پر بھی گراں گزرتا ہے، لیکن ایک موقف کو ذہن نشین کرانے کے لیے کبھی مخاطب کو خود اس کے اپنے حالات کی روشنی میں سمجھانا پڑتا ہے۔ ہم ان حضرات سے معذرت چاہتے ہیں جو اس تنگ نظری اور بد دیانتی و خیانت کے مرتکب نہیں ہیں۔

**روایت اور نظریہ:** کسی مکتب فکر کی کتب میں روایات کا موجود ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ مکتب فکر ان روایات کے مطابق نظریہ قائم کرتا ہے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مکتب فکر کے علمائے سلف نے ایک نظریہ قائم کیا ہو، لیکن بعد کے علماء اس نظریے پر قائم نہ رہے ہوں۔ اس صورت میں انصاف و دیانت کا تقاضا، کیا یہ ہے کہ اس مکتب فکر کو ان کے علمائے سلف کے نظریے کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے یا موجودہ موقف کو قبول کیا جائے؟

**نظریہ تجسیم:** اللہ تعالیٰ کے جسم اور جسمانی ہونے کے سلسلے میں آپ درج ذیل مطالب کا مطالعہ فرمائیں اور فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں:

☆ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ اپنا قدم جہنم میں ڈال دے گا۔[1]

---

[1] صحیح بخاری ۲: ۳۳ طبع مصر ح ۴۴۷۲۔ صحیح مسلم ۱: ۱۷۲ طبع لکھنو۔

سعودی عرب کے ایک سکول میں استاد نے شاگرد سے پوچھا: بِمَ تعرف ربک؟ یعنی تم اپنے رب کو کس چیز سے پہچانتے ہو؟ شاگرد بولا: برجلہ المحروق یعنی اس کے جلے ہوئے پاؤں سے۔

☆ **امام الحنابلہ ابن تیمیۃ** کا کہنا ہے: خدا عرش سے آسمان دنیا پر اسی طرح اترتا ہے جس طرح ہم اترتے ہیں۔ پھر خود زینے سے اتر کر کہا: اس طرح![1]

☆ خدا کی آنکھیں دکھنے لگیں تو ملائکہ نے اللہ کی عیادت کی۔ طوفان نوح پر خدا اس قدر رویا کہ آنکھیں سوجھ گئیں۔ عرش پر خدا بیٹھتا ہے تو اس کے بوجھ سے عرش چرچراتا ہے اور عرش کے چاروں طرف سے خدا کا جسم چار انگل باہر لٹکتا رہتا ہے۔[2]

☆ اللہ کی داڑھی اور علامت مرد و زن کے بارے میں نہ پوچھو۔ باقی جس عضو کے بارے میں جو چاہو پوچھو۔[3]

☆ علمائے سلف ان لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ اللہ کہاں ہے اور اللہ کے لیے جگہ کا تعین نہیں کرتے۔[4]

☆ جو شخص یہ نہیں کہتا کہ اللہ زمین میں نہیں، آسمان میں ہے، وہ کافر ہے۔[5]

☆ انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بارش کو اپنے جسم پر لینے کے لیے لباس ہٹا دیا تو سوال ہونے پر فرمایا: **لانہ حدیث العہد بربہ**۔ یہ ابھی اپنے رب کے پاس سے آ رہی ہے۔[6]

مولانا شبلی نعمانی ان نظریات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عقائد میں جس طرح درجہ بدرجہ تغیر ہوتا جاتا ہے، اسے ہم ایک خاص مسئلے کی مثال میں پیش کرتے ہیں:

پہلا درجہ: خدا جسمانی ہے۔ عرش پر متمکن ہے۔ اس کے ہاتھ منہ ہیں۔ خدا نے آنحضرت ﷺ کے دوش پر ہاتھ رکھ دیا تو آنحضرت ﷺ کو ہاتھوں کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔

دوسرا درجہ: خدا جسمانی ہے۔ اس کے ہاتھ، منہ اور پنڈلی ہیں۔ لیکن یہ سب چیزیں ایسی نہیں جیسی ہماری ہیں۔[7]

اللہ کے جسم اور جسمانی ہونے پر علمائے سلف کے دلائل کا مطالعہ کرنے کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ فرمائیں جن میں اللہ تعالیٰ کے مجسم ہونے پر بہت سے دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

---

۱۔ رحلۃ ابن بطوطۃ ۱: ۴۳ باب بعض المشاہد و المزارات (مکتبۃ الشاملۃ) ۲۔ منہاج السنۃ ۱: ۲۳۸ طبع مصر
۳۔ الشہرستانی: الملل و النحل ۱: ۴۸ طبع بمبئی ۴۔ الدارمی الرد علی الجہمیۃ ص ۹۶
۵۔ حوالہ سابق ۶۔ حوالہ سابق ص ۲۰ ۷۔ علم الکلام صفحہ ۱۵ طبع اعظم گڑھ

۱۔ **کتاب السنة۔** تالیف: امام احمد بن حنبل امام الحنابلة۔ طبع دار ابن القیم السعودیة۔
۲۔ **کتاب الابانة۔** تالیف: ابو الحسن اشعری امام الاشاعرہ۔ طبع حیدر آباد دکن۔
۳۔ **الرد علی الجھمیة۔** تالیف: امام احمد بن حنبل امام الحنابلة۔ طبع دار الوعی حلب۔ شام۔
۴۔ **خلق افعال العباد۔** تالیف: محمد بن اسماعیل مؤلف صحیح بخاری۔
۵۔ **کتاب العرش و العلو۔** تالیف: الحافظ شمس الدین الذہبی، امام الحدیث۔ مطبع فاروقی دہلی۔ ہندوستان
۶۔ **کتاب الرد علی الجھمیة۔** تالیف: الامام عثمان بن سعید الدارمی طبع بریل لیدن۔
۷۔ **کتاب التوحید۔** تالیف: الامام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ۔ طبع ریاض۔ سعودی عرب۔
۸۔ **اجتماع الجیوش الاسلامیة۔** تالیف: ابن قیم الجوزیہ۔ طبع مکتبہ ابن تیمیہ۔ قاہرہ۔ مصر۔
۹۔ **الشریعة۔** تالیف: ابوبکر محمد بن الحسین الاجری الشافعی۔ طبع دار السلام۔ ریاض۔ سعودی عرب۔
۱۰۔ **السنة۔** تالیف: احمد بن محمد الخلال البغدادی، شیخ الحنابلة۔ طبع دمشق۔ شام
۱۱۔ **مناھج الدولة۔** تالیف: الحکیم ابن رشد۔

ان کتابوں میں اللہ کے جسمانی ہونے پر دلائل موجود ہیں اور ان کے مؤلفین میں سے **بعض ائمۂ مذاہب** ہیں۔ **بعض امام الحدیث** ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی کتب اور بیسیوں روایات موجود ہیں۔[1]

**ائمۂ مذاہب** کے اس نظریے کو بنیاد بنایا جائے اور اللہ کے جسمانی نہ ہونے پر اس مذہب کے دیگر سینکڑوں علماء کے نظریات و دلائل کو نظرانداز کیا جائے اور بقول شبلی نعمانی "عقائد میں درجہ بدرجہ رونما ہونے والے تغیر" کو اعتنا میں نہ لایا جائے اور اس مذہب کو "فرقہ مجسمہ" قرار دے کر اس کے عقیدہ توحید کو مخدوش قرار دیا جائے تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ کیا آپ اس عمل کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ خلوص قرار دیں گے یا آپ کہیں گے کہ اس شخص نے ہمارے مذہب کے ساتھ عناد اور دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے۔

ان اختلافی مسائل کا گہرا مطالعہ رکھنے والے انصاف پسند ہمارے اس موقف کی حمایت کریں گے کہ قرآن کے بارے میں اس سے کہیں کمتر مواد کو بعض مکاتب فکر کے حامیوں نے ہمارے (امامیہ کے) خلاف استعمال کیا اور عدم تحریف کے بارے میں ہمارے علمائے سلف و خلف کے اجماعی موقف کو نظرانداز

---

۱۔ ان کے علاوہ درج ذیل کتب بھی اللہ کے جسمانی ہونے پر دلائل سے پُر ہیں:
۱۔ ابو یعلی۔ نقص التاویلات ۲۔ ابو نصر۔ الابانة ۳۔ عسال۔ السنة ۴۔ ابو بکر عاصم۔ السنة ۵۔ طبرانی السنة ۶۔ حرب السیرجانی۔ الجامع ۷۔ حکم بن معبد خزاعی۔ الصفات۔

کیااور شواذ کو ہمارے خلاف دلیل بنایا۔ اگر بفرض محال امامیہ کے بارے میں یہ موقف صحیح ہے تو اس کی زد میں خود اعتراض کنندہ بھی آ جاتا ہے، کیونکہ شواذ تو ہر مذہب میں ہوتے ہیں۔ امام عبد الوہاب شعرانی کو اگر لوگوں کا خوف نہ ہوتا تو وہ ان تمام آیات کو بیان کرتے جو مصحف عثمان سے رہ گئی ہیں:

| | |
|---|---|
| لو لا ما یسبق للقلوب الضعیفة و وضع الحکمة فی غیر اھلھا لبینت جمیع ماسقط من مصحف عثمان۔[1] | اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ کم فہم لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گے نیز نااہل لوگوں کے ہاتھوں حکمت آ جائے گی تو میں ان سب آیات کو بیان کر دیتا جو مصحف عثمان سے رہ گئی ہیں۔ |

دیوبند کے صدر المدرسین شیخ الحدیث سید انور شاہ کشمیری کی تحقیق کے مطابق بھی قرآن میں لفظی تحریف واقع ہوگئی ہے۔ بقول ان کے:

| | |
|---|---|
| والذی تحقق عندی ان التحریف فیه لفظی اما انه عن عمد منھم او لغفلة۔[2] | میرے نزدیک تحقیق شدہ بات یہ ہے کہ قرآن میں تحریف لفظی واقع ہوئی ہے، خواہ عمداً ہو یا غفلت کی بنا پر۔ |

چنانچہ فیض الباری کے فاضل محشی شیخ الحدیث مولانا محمد بدر عالم استاد الحدیث دیوبند نے اپنے ذیلی حاشیہ البدر الساری میں مندرجہ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

سید محمود آلوسی بغدادی تفسیر روح المعانی کے مقدمہ میں اور شیخ الحدیث حبیب الرحمن کاندھلوی صدیقی مقدمہ تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| نعم اسقط زمن الصدیق مالم یتواتر او مانسخت تلاوته۔ | ہاں صدیق (حضرت ابوبکر) کے زمانے میں وہ آیات جو متواتر نہ تھیں یا جن کی تلاوت منسوخ ہو گئی تھی حذف کی گئیں۔ |



قرآن کے بارے میں مجموعی طور پر مذہب اشعری کے ایک گروہ کا نظریہ دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ اس اسلامی فرقے کا ایسا نظریہ بھی ہوسکتا ہے۔ وہ نظریہ اس طرح ہے:

| | |
|---|---|
| ان القرآن لم ینزل قط علی قلب محمد علیه الصلوة و السلام۔ و ان مانقرأ فی الصلوة و نحفظ فی | اللہ تعالیٰ کا کلام جبرئیلؑ نے قلب محمدﷺ پر نازل نہیں کیا اور جو چیز ہم نماز میں پڑھتے اور سینے میں (قرآن کے نام سے) محفوظ رکھتے ہیں، ان میں |

---

۱؎ کبریت احمر بر حاشیة الیواقیت و الجواھر ۱: ۱۳۹۔ طبع مصر　۲؎ فیض الباری علی صحیح البخاری ۳: ۳۹۵

الصدور لیس هو القران البتة[1] — سے کوئی چیز کلام اللہ نہیں ہے۔

اسی کتاب میں یہ عبارت بھی آپ پڑھیں گے (جسے ہم بخوشی نقل نہیں کر رہے ہیں):

ولقد اخبرنی علی بن حمزه المرادی الصقلی انه رای بعض الاشعرية يبطح المصحف برجله قال :فاكبرت ذالک وقلت له:ويحک هكذا تصنع بالمصحف و فيه كلام الله تعالىٰ؟فقال:ويلک والله مافيه الاالسخام والسوادواما كلام الله فلا۔

علی ابن حمزہ مرادی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے مذہب اشعری کے ایک پیروکار کو دیکھا کہ وہ اپنے پاؤں سے قرآن کو ٹھوکر مار رہا تھا۔ میں نے اسے بڑی جسارت سمجھ کر اس سے کہا: افسوس ہو تم پر، اس مصحف کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو جب کہ اس میں اللہ کا کلام ہے؟ اس نے کہا: تباہی ہو تم پر، قسم بخدا اس میں کلام خدا نہیں بلکہ صرف سیاہ لکیریں ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

و كتب الى ابو المرحی بن رزوار المصری : ان بعض ثقات اهل مصر من طلاب السنن اخبره : ان رجلا من الاشعرية قال له مشافهة: علی من يقول ان الله قال: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ الف لعنة۔

اور ابو المرحی بن رزوار مصری نے مجھے لکھا کہ مصر کے بعض ثقہ طالب علموں نے اسے بتایا کہ ایک اشعری نے اس سے بالمشافہ کہا: جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ کہا ہے، اس پر ہزار لعنت ہو۔

ہمارا مؤقف یہ ہے کہ اس قسم کے شواذ کی کوئی اہمیت نہیں اور اجماع امت کے خلاف شاذ و نادر اقوال قابل اعتنا نہیں ہیں۔ یعنی جس طرح مذہب اشعری کے ماننے والے ایسے اقوال کو اہمیت نہیں دیتے ہم بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے۔



امانت: **جامعة الازهر** کے جلیل القدر استاد الشیخ محمد غزالی کو ان کی امانت اور دیانتداری نے ان لوگوں کے خلاف قلم اٹھانے پر مجبور کیا جو امامیہ پر تحریف قرآن کے قائل ہونے کی جھوٹی تہمت لگا کر غیر شرعی حرکت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> مجھے بعض لوگوں پر سخت افسوس ہوتا ہے جو بلا تحقیق بات کر جاتے ہیں اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر تہمتیں لگا دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مریض اخلاق کے ساتھ اسلام کے فکری میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اسلام و امت مسلمہ کے خلاف گستاخی کرتے ہیں۔ میں نے ایک محفل میں کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ

---

[1] ابن حزم۔ الفصل فی الملل والنحل ۴: ۱۵۹۔ طبع مصر

شیعوں کا ایک اور قرآن ہے جو ہمارے معروف قرآن سے مختلف ہے۔ میں نے اس سے کہا: وہ قرآن کہاں ہے؟ عالم اسلام تین براعظموں پر پھیلا ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر آج تک چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور لوگوں کو صرف ایک ہی قرآن کا علم ہے جس کے آغاز و اختتام اور سورہ و آیت کی تعداد تک معلوم ہے۔ پس یہ دوسرا قرآن کہاں ہے؟ اتنے طویل عرصے سے کسی جن وانس کو اس کے کسی نسخے کا علم کیوں نہ ہو سکا؟ یہ بہتان کیوں لگایا جاتا ہے اور یہ پروپیگنڈہ کس کے مفاد کے لیے کیا جاتا ہے؟ اس سے اپنے بھائیوں اور کتاب اللہ کے بارے میں بدگمانیاں پھیلتی ہیں۔ قرآن ایک ہی ہے جو اگر قاہرہ میں چھپتا ہے تو اسے نجف اور تہران میں بھی مقدس سمجھا جاتا ہے۔۔۔ پھر بعض لوگوں پر نیز وحی الٰہی پر ایسے بہتان کیوں باندھے جاتے ہیں؟[1]

شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند علامہ شمس الحق اپنی کتاب **علوم القرآن** میں لکھتے ہیں:

شیعوں کا نظریہ وہی ہے جو سنیوں کا ہے کہ قرآن مکمل طور پر محفوظ ہے جس میں ایک آیت کی کمی وبیشی نہیں ہوئی۔ اس بات کی دلیل کے لیے شیعوں کی متعدد کتب کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔[2]

مشہور مفسر علامہ عبد الحق حقانی اپنی معروف تفسیر **فتح المنان فی تفسیر القرآن المعروف تفسیر الحقانی** کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

آج تک سلف سے لے کر خلف تک کوئی محقق شیعہ بلکہ کوئی اہل اسلام بھی یہ عقیدہ (کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے) نہیں رکھتا۔ چنانچہ شیعہ علماء اس خیال کی برائت اپنی کتب میں بڑی شد و مد سے کرتے ہیں۔[3]

**خیانت:** حضرت علامہ رحمۃ اللہ کیرانوی اپنی معروف تصنیف **اظہار الحق** جلد دوم صفحہ ۸۹ تا ۹۰ میں عدم تحریف قرآن کے بارے میں امامیہ کا واضح موقف نقل کرتے ہیں اور امامیہ کے علمائے سلف کے اقوال سے اس موقف کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ کتاب قاہرہ، استنبول، مغرب عربی اور کراچی سے متعدد بار چھپ چکی ہے۔ ترکی، فرانسیسی، انگریزی، گجراتی اور اردو زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہوا ہے مگر کسی ایڈیشن میں کوئی کمی وبیشی اور خیانت نہیں ہوئی۔ لیکن نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ سعودی عرب کا معروف ادارہ

---

۱۔ دفاع عن العقیدۃ و الشریعۃ۔ صفحہ ۲۶۶۔ طبع دار الکتب الحدیثۃ۔ مصر ۱۹۷۵ء

۲۔ علوم القرآن ۱۳۴    ۳۔ تفسیر حقانی ۱: ۶۳ طبع دیوبند

رئاسۃ الادارات للبحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد (ریاض) کی طرف سے شائع شدہ کتاب **اظهار الحق** میں انتہائی علمی بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈھائی صفحات پر مشتمل وہ متن حذف کر دیا گیا ہے جس میں مؤلف نے ثابت کیا تھا کہ اہل تشیع عدم تحریف قرآن کے قائل ہیں۔

**نظریہ جبر اور تحریف:** ہمارے شامی دوست سعد رستم ناقل ہیں کہ ایک روز اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے مصری اور مقامی اساتذہ شیعوں کے ایمان بالقرآن پر گفتگو کر رہے تھے اور اس بات کو مسلمہ مان رہے تھے کہ شیعہ اس قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ حال دیکھ کر مجھے بھی شک ہوا اور میں نے گھر جا کر اپنی ایرانی نژاد شیعہ بیوی سے سوال کیا: کیا شیعہ اس قرآن کو نہیں مانتے؟ میری بیوی کے جواب کا لب و لہجہ دیکھ کر مجھے یقین آیا کہ شیعہ اسی قرآن پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ دوسرے دن میں نے اساتذہ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کی جو توجیہ کی وہ ایک یادگار لطیفہ ہے۔ انہوں نے فرمایا: در اصل شیعہ علماء اپنے عوام پر اس عقیدے کا اظہار نہیں کرتے کہ وہ اس قرآن کو نہیں مانتے، جیسا کہ ہم عقیدۂ جبر کا اپنے عوام کے سامنے اظہار نہیں کرتے۔

اسلامی یونیورسٹی کے اساتذہ کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ نظریۂ جبر پر آپ کا جبر نہیں چل سکا اور یہ نظریہ خواص کے ساتھ بہت سے عوام تک پہنچا ہوا ہے، البتہ آپ اس کا پرچار نہیں کرتے۔ شاید اس میں آپ اپنی خفت محسوس کرتے ہوں گے۔ اگر امامیہ اس قسم کا عقیدہ رکھتے تو اس پر ہمارا بھی جبر نہ چلتا اور یہ بات کسی نہ کسی طرح اپنے عوام تک پہنچ جاتی۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

**ما اضمر احد شيئا الا ظهر فی فلتات لسانه و صفحات وجهه۔**[1]

جس کسی نے بھی کوئی بات دل میں چھپا کر رکھنا چاہی وہ اس کی زبان سے بے ساختہ نکلے ہوئے الفاظ اور چہرے کے آثار سے ضرور نمایاں ہو جاتی ہے۔

**وہ نظریات جن سے تحریف قرآن لازم آتی ہے:** امامیہ ان نظریات کو مسترد کرتے ہیں، جن سے قرآن کا تحفظ مخدوش ہوتا ہے:

۱۔ **دو گواہ:** یہ بات اہل سنت کے مصادر میں مسلم سمجھی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں قرآن زید بن ثابت انصاری کے زیر ادارت صرف دو گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر جمع کیا گیا۔ یعنی اگر دو گواہوں نے شہادت دی کہ یہ عبارت قرآن کا حصہ ہے تو اسے قرآن میں شامل کر لیا گیا، بلکہ چند آیات تو صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی گواہی پر قرآن میں شامل کی گئیں۔

یہاں درج ذیل دلچسپ نکات کا ملاحظہ ضروری ہے:

---

۱۔ نہج البلاغۃ: کلمات قصار: ۲۵

i۔ ثبوت قرآن کے لیے تواتر کے شرط ہونے پر اجماع قائم ہے۔ تواتر کے بغیر قرآن ثابت نہیں ہوتا۔

ii۔ اگر بفرض محال دو گواہوں کی بنیاد پر ہی قرآن ثابت ہوتا ہے تو پھر قرآن میں تحریف خود بخود لازم آجاتی ہے کیونکہ اہل سنت کے مصادر کے مطابق ایسی بہت سی آیات موجود ہیں جن کے قرآن ہونے پر دو سے زائد شہادتیں موجود ہیں مگر اس کے باوجود یہ آیات موجودہ قرآن میں نہیں ہیں مثلاً:

۱۔ آیت رجم: **الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا فارجموھما۔**

درج ذیل جلیل القدر اصحاب اس آیت کو قرآن کا حصہ قرار دیتے ہیں:

۱۔ حضرت عمر (صحیح بخاری ۳: ۶۸ طبع مصر و صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ)

۲۔ حضرت عائشہ (سنن ابن ماجہ: ۱۴۱)

۳۔ اُبی بن کعب (الاتقان ۲: ۲۵)

۴۔ زید بن ثابت (الاتقان ۲: ۲۵)

۲۔ آیت مال: **انا انزلنا المال لاقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ۔**

گواہان: ۱۔ ابی بن کعب (الدر المنثور ۶: ۳۷۸)

۲۔ زید بن ارقم (حوالہ سابق)

۳۔ جابر بن عبد اللہ (حوالہ سابق)

۴۔ بریدۃ (حوالہ سابق)

۵۔ ابو موسیٰ اشعری (صحیح مسلم)

۶۔ ابو واقد لیثی (الاتقان)

۷۔ عبد اللہ بن مسعود (محاضرات راغب)

۳۔ آیت رغبت: **لاترغبوا عن آبائکم فانہ کفر ان ترغبوا عن آبائکم**

گواہان: ۱۔ حضرت عمر (صحیح بخاری)

۲۔ عبد اللہ بن عباس (الاتقان)

۳۔ زید بن ثابت (الاتقان)

۴۔ آیت جہاد: **ان جاھدوا کما جاھدتم اول مرۃ۔**

گواہان: ۱۔ حضرت عمر (الاتقان ۲: ۲۵)

۲۔ عبد الرحمن بن عوف (الاتقان ۲: ۲۵)

۵۔ سورۃ الخلع: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم انا نستعینک و نستغفرک ٭ و نثنی علیک و لا نکفرک ٭ و نخلع و نترک من یفجرک ٭

۶۔ سورۃ الحفد: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللھم ایاک نعبد ٭ و لک نصلی و نسجد ٭ و الیک نسعی و نحفد ٭ نرجوا برحمتک ٭ و نخشی عذابک ان عذابک بالکافرین ملحق ٭

ان دو سورتوں کے قرآن کا حصہ ہونے پر درج ذیل اصحاب کی گواہی نقل کی گئی ہے:

گواہان: ۱۔ حضرت عمر بن خطاب (الدر المنثور ۶: ۴۲۰)
۲۔ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام (مجمع الزوائد ۷: ۱۵۷)
۳۔ حضرت ابی بن کعب (الاتقان ۲: ۶۶)
۴۔ حضرت عبد اللہ بن عباس (روح المعانی ۱: ۲۵ طبع مصر)
۵۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری

۲۔ **احادیث سبعة احرف:** صحاح اور دیگر کتب میں متعدد احادیث میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن سات حروف میں نازل ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**اقرأنی جبرئیل علی حرف فراجعته فلم ازل استزیده و یزیدنی حتی انتهی الی سبعة احرف۔**[1]

مجھے جبرئیل نے قرآن ایک حرف (طریقے) سے پڑھایا، میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اضافے کی درخواست کرتا گیا یہاں تک کہ سات حرفوں (طریقوں) سے پڑھنے کی اجازت مل گئی۔

**احادیث سبعة احرف** مختلف عبارات میں، صحاح و غیر صحاح میں عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، عبد الرحمن بن ابی بکر سے مروی ہیں۔ ان روایات کی مختلف تاویلات بھی کی گئی ہیں۔ سب سے زیادہ معروف و مشہور توجیہ یہ ہے: "قرآنی الفاظ کو قریب المعنی الفاظ میں بدلا جا سکتا ہے۔" حلانکہ اس طرح قرآن کی معجزانہ ہیئت ترکیبی کا حلیہ تبدیل ہوجاتا ہے اور یہی تحریف ہے۔ مثلاً اس بات کی تصریح کی گئی:

۱۔ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا میں صَوۡمًا کی جگہ **صمتا** پڑھنا جائز ہے۔[2]

۲۔ کُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِیۡهِ میں مَّشَوۡا کی جگہ **سعوا** یا **مروا** پڑھا جا سکتا ہے۔[3]

۳۔ ابو ہریرہ کے نزدیک عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا کی جگہ **غفوراً رحیما** پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔[4]

---

۱۔ صحیح بخاری باب: انزل القرآن علی سبعة احرف ۴: ۱۹۰۹۔ صحیح مسلم ۱: ۵۶۱
۲۔ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۴۰ طبع دکن ۳۔ الاتقان ۱: ۴۷ ۴۔ حوالہ سابق

۴۔ اَوۡ يَكُوۡنَ لَكَ بَيۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ میں زُخۡرُفٍ کی جگہ **ذهب** پڑھنا درست ہے۔[۱]

۵۔ ابن مسعود کے نزدیک العهن کی جگہ **الصوف** پڑھا جا سکتا ہے۔[۲]

۶۔ اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً کی جگہ **الا ذقية واحدة** پڑھا جا سکتا ہے۔[۳]

۷۔ ابو ہریرہ کے نزدیک وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ کی جگہ **جاءت سكرة الحق بالموت** پڑھنا بھی درست ہے۔[۴]

۸۔ ابو درداء کی روایت ہے کہ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ کی جگہ **طعام الفاجر** پڑھا جا سکتا ہے۔[۵]

اس نظریے کو قبول کرنے کی صورت میں دو باتیں ناگزیر ہوتی ہیں:

۱۔ تحریف کا وقوع۔

۲۔ تحریف کا جواز۔

پہلی بات یہ کہ جب قرآن سات حرفوں (طریقوں) پر نازل ہوا ہے اور اس وقت ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن ہے وہ ایک حرف پر مشتمل ہے تو باقی چھ حرفوں والا قرآن کہاں ہے؟

دوسری بات یہ کہ اگر ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا جائز ہے تو اس کا لازمہ یہ ہوا کہ تحریف جائز ہے۔ اسی وجہ سے امامیہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے، کیونکہ ایسا کرنے کا حق تو خود رسول اللہ ﷺ کو بھی نہیں تھا۔

ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِيۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِيۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَيَّ [۶] | کہد یجیے: مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں، میں تو اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ |

تحریف قرآن کے بارے میں اگر امامیہ مصادر میں کوئی روایات موجود ہوں تو بھی امامیہ ان روایات پر مبنی کوئی نظریہ قائم نہیں کرتے بلکہ ان کی توجیہ و تاویل کرتے ہیں۔ اگر تاویل ممکن نہ ہو تو کتاب خدا کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں مسترد کرتے ہیں۔

لیکن اہل سنت حضرات اپنے مصادر میں موجود تحریف کی روایات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے ان روایات پر مبنی نسخ تلاوت کا نظریہ قائم کرتے ہیں۔ اسی طرح ان روایات کی بنا پر بعض آیات کو قرآن کا حصہ تسلیم کرنے کے بعد "نسخ تلاوت" کے نظریہ کے ذریعے اس کی قرآنیت سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں، جب کہ "نسخ

---

۱۔ حوالہ سابق ۲۔ تفسیر طبری ۱: ۱۸ ۳۔ تاویل مشکلات القرآن ۱۹ طبع مصر
۴۔ تفسیر الطبری ۱: ۱۸ ۵۔ حوالہ سابق ۲۵: ۱۳۱ ۶۔ ۱۰ یونس: ۱۵

تلاوت" ثابت نہیں ہے۔

۳۔ نسخ تلاوت۔ اہل سنت کے مصادر میں آیا ہے کہ قرآن کی بہت سی آیات زمان رسولﷺ میں قرآن کا حصہ تھیں۔ **انہ کان قرآن علی عھد رسول اللہ**۔ مثلاً آیہ رجم، آیہ رضاعت اور آیہ رغبت کے قرآن کا حصہ ہونے کے بارے میں **صحیحین** میں روایت موجود ہے۔

طبرانی نے موثق سند سے حضرت عمر سے روایت کی ہے: "قرآن دس لاکھ ستائیس ہزار حروف پر مشتمل ہے"۔ جب کہ موجودہ قرآن اس مقدار کا ایک تہائی بھی نہیں ہے۔

وہ اس قسم کی بہت سی روایات کو مسترد کرنے کی بجائے موجودہ قرآن میں غیر موجود چیزوں کو قرآن کا حصہ تسلیم کرتے ہیں کیونکہ صحاح ستہ میں مذکور ہونے کی وجہ سے وہ انہیں قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ لیکن صحاح کا بھرم رکھنے کے لیے یہ نظریہ قائم کرتے ہیں کہ ان آیات کو نسخ تلاوت کے ذریعے قرآن سے حذف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ شیخ الحدیث حبیب الرحمن کاندھلوی مقدمہ تفسیر **بیضاوی** میں لکھتے ہیں:

> حضرت ابوبکر کے زمانے میں وہ آیات جو متواتر نہ تھیں اور جن کی تلاوت منسوخ ہوگئی تھی حذف کر دی گئیں۔

نسخ تلاوت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اپنی صحاح میں موجود روایات کی بنا پر انہوں نے بہت سی عبارات کو قرآن کا حصہ تسلیم کرلیا، پھر ان سے ہاتھ اٹھانے کے لیے نسخ تلاوت کا جواز پیش کیا۔ اس بارے میں دوسروں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان سے اس "نسخ تلاوت" کا مدرک و مأخذ طلب کریں۔ ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ ان کے پاس اس کا کوئی مدرک اور سند موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ نسخ رسول کریمﷺ کے زمانے میں ہوا ہو تو اسے ثابت کرنے کے لیے تواتر کی ضرورت ہے۔ بلکہ بعض ائمہ فقہ جیسے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک تو خبر متواتر سے بھی نسخ قرآن ثابت نہیں ہوسکتا۔ بعض فقہاء خبر متواتر سے نسخ قرآن کو جائز سمجھتے ہیں لیکن اس کے وقوع پذیر ہونے کے قائل نہیں اور خبر واحد کے ذریعے نسخ قرآن کا تو کوئی قائل نہیں ہے۔ لہٰذا نسخ تلاوت پر صحاح میں موجود روایات کے علاوہ کوئی اور دلیل موجود ہی نہیں ہے۔

نکتہ: نسخ تلاوت کی صحت صحاح کی روایت کی صحت پر موقوف ہے۔ جب کہ صحاح کی روایت کی صحت نسخ تلاوت کی صحت پر موقوف ہے۔ لہٰذا نسخ تلاوت کی صحت خود نسخ تلاوت کی صحت پر موقوف ہے، جسے علمی زبان میں **دور مصرح** کہتے ہیں جس کا بطلان بدیہی ہے۔

اگر یہ نسخ رسول کریمﷺ کے بعد ہوا ہے تو یہ صریحاً تحریف ہے۔ اس سے واضح طور پر یہ لازم آتا ہے کہ جو لوگ نسخ تلاوت کے قائل ہیں وہ تحریف کے بھی قائل ہیں۔ یعنی ان کے اس نظریے سے، خواہ وہ نہ

بھی چاہیں، تحریف لازم آئے گی۔ اسی لیے بعض معاصر غیر امامیہ علماء بھی نسخ تلاوت کو مسترد کرتے ہیں۔[1]

---

ا۔ صبحی صالح۔ علوم القرآن

# روایات تحریف کے بارے میں
# مذہب امامیہ کا مؤقف

متحرک اجتہاد۔ نا قابل اعتبار روایات۔
وحی منزل اور قرآن۔ تفسیر۔ شان نزول۔ تحریف معنوی۔
قرائت۔ تطبیق ۔ مخالف قرآن احادیث مسترد کرتے
ہیں۔ تحریف قرآن ناممکن ہے ۔ اصول وکلیات۔ تدریجی
نزول۔ کتاب فصل الخطاب اور کتاب الفرقان۔

دیگر مکاتب فکر کی معتبر کتب کی طرح شیعہ کتب میں بھی ایسی روایات موجود ہیں جن میں سے بعض سے بادی النظر میں تحریف کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے اور کچھ میں صراحت موجود ہے، مگر شیعہ ان روایات کے تحت نسخ کا نظریہ قائم نہیں کرتے بلکہ ان روایات کی یا توتوجیہ کرتے ہیں کہ ان سے مراد تحریف لفظی نہیں اور اگر قابل توجیہ نہیں ہیں تو ایسی روایات کو مخالف قرآن سمجھ کر یکسر مسترد کرتے ہیں۔

**۱۔متحرک اجتہاد:** اہل تشیع کے ہاں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے، لہٰذا ان کی نظر میں متحرک و زندہ اجتہاد کی وجہ سے کوئی کتاب حرف آخر نہیں ہے، بلکہ ہر کتاب، ہر روایت قابل بحث و تحقیق ہے اور تمام اسلامی نصوص تحقیق و تدقیق کے قابل ہیں۔

چنانچہ اصول کافی اگرچہ کتب شیعہ میں سے مشہور کتاب سمجھی جاتی ہے مگر اس میں مختلف احادیث موجود ہیں۔ بعض احادیث اگر کچھ مجتہدین کے نزدیک صحیح السند ہیں تو ضروری نہیں کہ دوسرے مجتہدین کی نظر میں بھی وہ صحیح السند ہوں۔ جو مسلمان صحاح ستہ کی روایات کا صحیح السند ہونا ضروری اور لازمی تصور کرتے ہیں ان کے لیے ممکن ہے کہ صحاح میں کسی روایت کا موجود ہونا اس روایت کے مضمون کا ضمنی اعتراف بن جائے لیکن شیعہ کتب میں اگر کوئی روایت موجود ہے تو اسے مضمون کا ضمنی اعتراف تصور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ علامہ محمد باقر مجلسیؒ نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ روایات نقل کی ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے بحارالانوار میں صریحاً کہا ہے کہ قرآن میں قطعاً کوئی تحریف نہیں ہوئی۔

**۲۔ ناقابل اعتبار روایات:** تحریف قرآن کے بارے میں اکثر شیعہ روایات ضعیف راویوں سے منقول ہیں۔ چنانچہ ان روایات میں ایک قابل توجہ سلسلہ روایت **احمد بن محمد السیاری** پر منتہی ہوتا ہے۔ علمائے شیعہ فرماتے ہیں کہ تحریف قرآن سے مربوط تین سو (۳۰۰) روایات احمد بن محمد السیاری سے مربوط ہیں۔

**السیاری کون ہے؟** شیعہ کتب رجال میں **احمد بن محمد السیاری** کے بارے میں درج ذیل الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

وہ ضعیف الحدیث، فاسد المذہب، غالی اور منحرف ہے۔[1]

ان روایات تحریف میں **یونس بن ظبیان** کا نام بھی آتا ہے۔ اس شخص کو علمائے رجال نے ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے:

یہ نہایت ضعیف، ناقابل توجہ، غالی، کذاب اور احادیث گھڑنے والا ہے۔[2]

پھر ان میں **منخل بن جمیل الاسدی کوفی** کا نام بھی آیا ہے جس کے بارے میں علمائے رجال نے لکھا ہے:

وہ فاسدالروایہ، ضعیف، غالی اور منحرف ہے۔[3]

**محمدبن حسن بن جمہور** بھی ان راویوں میں شامل ہے جس کے بارے میں علمائے رجال فرماتے ہیں:

ضعیف، غالی، فاسدالروایہ، ناقابل توجہ اور فاسدالمذہب ہے۔[4]

**۳۔ وحی منزل اور قرآن:** اکثر روایات میں مضمون حدیث اس طرح ہے: **نزلت فی فلاں هکذا نزلت** وغیرہ۔ علماء اور محققین سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ رسول خداﷺ پر جو کچھ بھی بطریق وحی نازل ہوتا ہے، ان سب کا قرآن ہونا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر روایت یوں کہے: یہ وحی یوں نازل ہوئی یا فلاں ہستی کے بارے میں نازل ہوئی، اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرمان الٰہی ہے اور بطور وحی نازل ہوئی ہے، لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ قرآن کا حصہ ہے، کیونکہ ہر وحی قرآن نہیں۔ یاد رہے کہ پورا قرآن وحی ہے، لیکن ہر وحی قرآن نہیں۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| **کان ثابتا منزلا و ان لم یکن من جملة کلام اللہ تعالیٰ الذی هو القرآن المعجز**[5] | اگرچہ نازل ہوا ہے لیکن وہ کلام اللہ نہیں ہے جو قرآن اور معجزہ ہے۔ |

شیخ صدوقؒ اپنے اعتقادیہ صفحہ ۷۵ میں ایک حدیث کا مفہوم بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| **بل نقول انه قد نزل من الوحی الذی لیس من قرآن مالو جمع الی القرآن لکان مبلغه مقدار سبع** | یہ وحی کے طور پر نازل ہوئی تھی مگر قرآن کا حصہ نہ تھی۔ اگر ان کو قرآن کے ساتھ جمع کیا جائے تو (مجموعی طور پر) ستر ہزار آیات بن جاتی ہیں۔ اس قسم کی روایات |

---

۱۔ قاموس الرجال ج ۱ ص ۴۰۳۔ طبع تہران۔ رجال نجاشی ص ۵۸۔ طبع بمبئی۔ نقد الرجال ص ۳۲ طبع ایران قدیم۔ معجم رجال الحدیث ج ۲ ص ۲۹۔ طبع نجف

۲۔ نقد الرجال ص ۳۸۱

۳۔ دراسات فی الحدیث و المحدثین۔ نقد الرجال ص ۳۵۴

۴۔ نقد الرجال ص ۲۹۹۔ رجال نجاشی ص ۲۳۸۔ طبع بمبئی

۵۔ اوائل المقالات ص ۵۵

**عشرة الف آية، (الی ان قال) و مثل هذا كثير كله وحی ليس بقرآن۔** بہت ہیں۔ یہ سب وحی تو ہیں مگر قرآن نہیں ہیں۔

۴۔ **تفسیر:** احادیث کے بعض الفاظ تفسیر قرآن کی غرض سے (جملہ معترضہ کے طور پر) آیت کے وسط میں درج ہوئے ہیں۔

چنانچہ کافی میں حضرت امام جعفر الصادقؑ سے یہ آیت اس طرح نقل کی گئی ہے:

وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْ (**عما امرتم**) فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا[1]

اس آیت میں **عما امرتم** بغرض تفسیر و توضیح آیت کے وسط میں مذکور ہے، نہ کہ قرآن کے طور پر۔

۵۔ **شان نزول:** بعض الفاظ شان نزول کے بیان کے لیے آیت کے وسط میں مذکور ہوئے ہیں جیسے:

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (**فی علی**) وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ[2]

چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے آیہ **حافظوا علی الصلوات و الصلوة الوسطی** کے ساتھ **و صلوة العصر** پڑھا ہے۔[3] علمائے اہل سنت تو ایسی روایات سے ان الفاظ کو قرآن کا حصہ تسلیم کر لینے کے بعد توجیہ کرتے ہیں، لیکن علمائے شیعہ انہیں قرآن کا حصہ تسلیم کرنے سے پہلے ہی ان کی توجیہ کرتے ہیں۔

۶۔ **تحریف معنوی:** روایات میں تحریف کا لفظ صریحاً موجود ہے لیکن ان میں تحریف سے مراد تحریف معنوی ہے۔ تحریف معنوی کا مطلب یہ ہے کہ مفاد پرستوں نے آیات قرآنی کے مطالب کو ان کے حقیقی مفہوم سے ہٹا کر اپنی رائے اور ذاتی یا گروہی خواہشات کے مطابق معنی پر محمول کیا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا:

**لا یعرفون الا خطه**[4]　　وہ لوگ قرآن کے صرف خطوط، نقوش کو پہچانتے ہوں گے۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ لوگ قرآن میں معنوی تحریف تو کریں گے لیکن الفاظ قرآن محفوظ رہیں گے۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے:

**و كان من نبذهم الكتاب ان اقاموا**　　انہوں نے کتاب خدا کو اس طرح پس پشت ڈال

---

۱۔ ۴ نساء: ۱۳۵　　۲۔ ۵ مائدہ: ۶۷　　۳۔ درمنثور ۱: ۳۰۴　　۴۔ نہج البلاغۃ خ ۱۴۵ ص ۳۸۸

**حروفه و حرفوا حدوده، فهم یروونه ولا یرعونه و الجهال یعجبهم حفظهم للروایة و العلماء یحزنهم ترکهم للرعایة**[1]

دیا کہ اس کے حروف کی پاسداری تو کی مگر اس کی حدود میں تحریف کی۔ یہ لوگ روایت تو کرتے ہیں مگر رعایت نہیں کرتے نادان لوگ روایت کے تحفظ کو پسند کرتے ہیں اور علماء رعایت کے متروک ہونے سے غمزدہ ہوتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

**ولیس عند اهل ذلک الزمان سلعة ابور من الکتاب اذا تلی حق تلاوته ولا انفق منه اذا حرف عن مواضعه**[2]

اس زمانے کے لوگوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہ ہوگی جب اسے صحیح طور پڑھا جائے اور قرآن سے زیادہ کوئی چیز مقبول نہ ہوگی جب اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر تحریف کی جائے۔

۷۔ **قراءت:** ان روایات میں بہت سی عبارتوں کا تعلق اختلاف قراءت سے ہے جیسا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کی قراءتوں میں اختلاف ہے۔ اس طرح ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے بعض قراءتوں میں دوسروں سے اختلاف کیا ہے۔

۸۔ **تطبیق:** قرآن ایک ابدی دستور حیات ہے۔ بنا بریں قرآن نزول کے وقت جس امر پر منطبق ہوتا تھا، اسی طرح بعد کے ہر اس امر پر بھی جاری و منطبق ہوگا جس میں حال نزول کے حالات و شرائط موجود ہوں۔ اگر زمان نزول میں کسی آیت میں کسی کی مدح ہوئی ہے تو اس قسم کے اوصاف رکھنے والے سب لوگوں پر یہ مدح منطبق ہوگی۔ اگر کسی آیت میں کسی فرد کی مذمت ہوئی ہے تو یہ قدح اس قسم کے تمام اشخاص پر منطبق ہوگی۔ مفسرین یہاں پر ایک قاعدہ کلیہ قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں: **العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب** یعنی شان نزول وسبب نزول پر انحصار نہیں ہوسکتا بلکہ لفظ کے عموم کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے۔

اس کے تحت بعض غیر قرآنی الفاظ آیت کی تطبیق کے لحاظ سے قرآنی الفاظ کے ساتھ (**توضیح و تبیین** کی غرض سے) درج ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض روایات میں ہے:

وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا (**حق آل محمد**) اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ[3]

اس آیت کے وسط میں (**حق آل محمد**) صرف بیان مصداق اور بیان مورد انطباق کی غرض سے مذکور ہے، جزو قرآن ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

۹۔ **مخالف قرآن احادیث مسترد ہیں:** اگر کوئی روایت گزشتہ تمام مطالب میں سے کسی ایک پر بھی محمول نہ ہو سکے تو ایسی روایات کو شیعہ اصول حدیث کے مطابق، منافی قرآن وسنت ہونے کی وجہ سے

---

۱۔ الوافی کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۵۔ طبع قم　۲۔ نہج البلاغۃ خ ۱۴۵ ص ۳۸۷　۳۔ ۲۶ شعراء: ۲۲۷

رد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی روایت قرآن کی صریح نص اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔[1] کی مخالف ہے تو اس کی کوئی قیمت اور حیثیت نہیں ہے اور وہ درجہ اعتبار سے بالکل ساقط ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے:

**ان علی کل حق حقیقة و علی کل صواب نوراً فما وافق کتاب اللہ فخذوہ و ما خالف کتاب اللہ فدعوہ۔[2]**

ہر حق پر ایک حقیقت اور ہر صائب بات پر ایک روشنی ہوا کرتی ہے۔ پس جو کتاب خدا کے مطابق ہو اسے اخذ کرو، جو کتاب خدا کے مخالف ہو اسے مسترد کرو۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

**لا تصدق علینا الا ما وافق کتاب اللہ وسنة نبیّہ (ص)۔[3]**

ہماری صرف ان احادیث کی تصدیق کرو جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق ہوں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

**فما وافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فدعوہ۔[4]**

جو کتاب خدا کے مطابق ہو اسے اخذ کرو اور جو اس کے مخالف ہو اسے رد کرو۔

اور مسلک امامت کے آٹھویں تاجدار حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے:

**اذا کانت الروایات مخالفة للقرآن کذبتھا۔[5]**

جو روایات قرآن کریم کی مخالف ہوں میں ان کی تکذیب کرتا ہوں۔

**تحریف قرآن ناممکن ہے:** قرآن میں تحریف اس لیے ناممکن ہے کہ اس کی معجزاتی ترکیب اپنے اندر کسی قسم کی تحریف کو قبول نہیں کرتی۔ اس سلسلے میں ہم مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

**۱۔ اصول و کلیات:** گزشتہ امتوں پر نازل شدہ کتب میں تحریف واقع ہونے کے اہم عوامل میں سے ایک عامل یہ تھا کہ آسمانی کتب میں جو دستور حیات دیا گیا تھا وہ حکمرانوں اور مفاد پرستوں کے مفادات کے خلاف ہوتا تھا، لہٰذا کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ کچھ نے ان حقائق کو چھپانے کی کوشش کی اور کچھ نے تحریف کر ڈالی۔

لیکن خاتم الانبیاء ﷺ کے ابدی معجزے قرآن کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا انتظام خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس مقصد کے لیے اللہ نے قرآن میں صرف اصول و کلیات ہی بیان کیے اور تفسیر و تشریح کا کام

---

۱۔ ۱۵ حجر: ۹۔ اس ذکر کو یقینا ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ ۲۔ اصول الکافی ۱: ۶۹
۳۔ وسائل الشیعة ۲۷: ۱۲۳
۴۔ حوالہ سابق ۲۷: ۱۱۹۔ مصنف عبدالرزاق ۶: ۱۱۱ فما وافق کی جگہ ما واطی کے ساتھ۔ تہذیب تاریخ دمشق ۵: ۱۳۷ طبع شام
۵۔ اصول کافی ۱: ۹۵

سنت پر چھوڑ دیا۔ اسی لیے قرآن میں معاصر لوگوں میں سے کسی کا نام مذکور نہیں۔ نہ برگزیدہ ہستیوں کے نام مذکور رہیں نہ قابل مذمت لوگوں کے نام درج ہیں۔ صرف ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت نام لے کر کی گئی ہے، کیونکہ ابولہب کی کھلی عداوت اور خود حضورؐ کا رشتہ دار ہونا ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے اس کا نام صریحاً لیا گیا۔ کیونکہ مستقبل میں رسولؐ کے خاندان کی طرف سے کسی تحریف کا خطرہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اصول وکلیات کی تشریح وتوضیح رسول خداؐ کے ذمہ کر دی تھی۔ مثلاً آیہ تطہیر میں اہل بیتؑ کا نام نہیں لیا گیا۔ سنت رسولؐ نے ایک ایک فرد کا تعارف کرایا۔

آیہ مباہلہ میں بھی اَبۡنَآءَنَا اور نِسَآءَنَا سے جو لوگ مراد ہیں ان کی وضاحت سنت رسولؐ نے کی۔

نیز سورۃ کوثر میں اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ میں یوں نہیں فرمایا: **عاص بن وائل او امیة بن الخلف هو الابتر** بلکہ رسولؐ نے گستاخان رسولؐ کی نشاندہی فرمائی۔

اگر قرآن میں یہ بتا دیا جاتا کہ۔۔۔ الشَّجَرَۃَ الۡمَلۡعُوۡنَۃَ[1] سے کون لوگ مراد ہیں تو بنی امیہ قرآن کے ساتھ کیا کچھ نہ کرتے۔

اسی طرح اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا[2] میں اس فاسق یعنی ولید بن عتبہ کا ذکر نہیں آیا جو بعد میں کوفے کا حاکم رہا اور جس نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھائی اور محراب میں قے کی۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ[3] | جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں بلاشبہ ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔ |

میں بھی ان بیوقوفوں کا نام نہیں لیا گیا۔ ایسے تمام موارد میں قرآن کی مراد اور مقصود کا بیان کرنا سنت رسول اللہؐ کی ذمہ داری ہے۔[4]

ہم اس کی کئی مثالیں سنت رسولؐ سے بھی پیش کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے:

اکثر مفسرین اور صحاح نے قرآن کی متعدد آیات کے بارے میں ان روایات کو نہایت شوق سے ذکر کیا ہے جن کے مطابق یہ آیات حضرت ابوطالب کے خلاف نازل ہوئی ہیں۔ مثلاً سورہ برائت آیت ۱۱۳ اور سورہ قصص کی آیت کے بارے میں صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ القصص میں یہ روایت ملے گی کہ یہ دو آیتیں حضرت ابو طالب کے عدم ایمان کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، لیکن المائدہ کی آیت ۵۵

---

۱۔ ۱۷ اسراء: ۶۰
۲۔ ۴۹ حجرات: ۶ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو۔
۳۔ ۴۹ حجرات: ۴
۴۔ اقتباس از انٹرویو آیۃ اللہ عسکری

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ۔۔۔ کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی کہ یہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے، جب کہ اس حدیث کو بارہ اصحاب رسولؐ نے روایت کیا ہے۔

اس سلسلے میں تحریف حدیث کی سب سے روشن مثال یہ ہے کہ حدیث غدیر، جسے رسول اللہؐ نے ہزاروں کے مجمع میں بیان فرمایا اور نہایت نامساعد حالات کے باوجود یہ حدیث ایک سو دس (۱۱۰) اصحاب رسولؐ کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے، صحاح میں ایسی احادیث کے لیے کوئی جگہ نہیں مل سکی۔

**۲۔ تدریجی نزول:** قرآن کو ضیاع اور تحریف سے بچانے کے لیے دوسرا انتظام اس کا تدریجی نزول تھا۔ ایک متوسط حجم کی کتاب ۲۳ سالوں کی مدت میں تدریجاً نازل ہوتی رہی اور کتاب بھی ایسی جس کا انداز کلام دوسرے کلاموں سے مختلف ہے اور جس میں روح اور سماعت دونوں کی تسکین کا سامان ہے۔ آیات مختصر، باقافیہ اور مسجع ہیں۔ مثلاً:

وَالضُّحٰی ۝۱ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۝۲ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ۝۳ [1]

اور

اَلرَّحۡمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۝۳ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ۝۴ [2]

یہ مختصر اور مقفی آیات حفظ کرنے کے لیے نہایت آسان ہیں۔ اس طرح قرآن کتابت کے ساتھ سینوں میں بھی محفوظ رہا۔

بعد میں مدنی زندگی میں لکھنے پڑھنے کے وسائل فراہم ہوئے تو آیات اور قرآنی سورتیں طولانی ہونا شروع ہوگئیں۔ تدریجی نزول کی وجہ سے یہ بھی ممکن ہوا کہ قرآن نہایت آسانی کے ساتھ امت کے حوالے ہوگیا۔ یعنی جس طرح نزول قرآن تدریجی تھا، اس کی تعلیم اور امت کی طرف اس کی منتقلی بھی تدریجی تھی۔ جس روز نزول کا کام مکمل ہوا، اسی روز قرآن کی امت کی طرف منتقلی بھی مکمل ہوئی۔ چنانچہ جس مرحلے میں امت کی طرف قرآن کی منتقلی مکمل ہوئی اسے **عرضہ اخیر** (آخری بازخوانی) کہتے ہیں۔



کتاب **فصل الخطاب** اور کتاب **الفرقان**: مکتب امامیہ پر عائد الزام کی ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ان کے ایک جید عالم نے تحریف قرآن کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس کا نام **فصل الخطاب** رکھا ہے۔ حقیقت امر یہ ہے:

اولاً: ایسا واقعہ صرف امامیہ کے ہاں پیش نہیں آیا بلکہ مصر کے ایک جید عالم علامہ **ابن الخطیب المصری** نے ۱۹۴۷ء میں اسی قسم کی ایک کتاب تالیف کی جس میں ضعیف اور نادر روایات جمع کر کے قرآن کی تحریف و تبدیلی اور عدم صحت الفاظ پر بے شمار دلائل پیش کیے۔

اس کتاب کے بارے میں **جامعۃ الازہر** کے **کلیۃ الشریعۃ** کے استاد علامہ شیخ محمد مدنی لکھتے ہیں:

---

۱؎ ۹۳ ضحی: ۱ تا ۳　　۲؎ ۵۵ رحمن: ۱ تا ۴

یہ کہنا کہ امامیہ قرآن میں کمی واقع ہونے کے قائل ہیں، معاذ اللہ درست نہیں ہے، بلکہ ان کے ہاں بھی کچھ روایات ایسی ملتی ہیں جیسے ہمارے ہاں ملتی ہیں۔ دونوں فرقوں کے اہل تحقیق اس قسم کی روایات کو مسترد کرتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ امامیہ یا زیدیہ میں کوئی تحریف کا قائل نہیں ہے، جیسا کہ اہل سنت کے ہاں بھی کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے۔

ایسی روایات کا مشاہدہ کرنے کے لیے جنہیں ہم مکمل طور پر مسترد کرتے ہیں، علامہ سیوطی کی کتاب **الاتقان** کا مطالعہ کریں اور ایک مصری صاحب نے تو ۱۹۴۸ء میں ایک کتاب لکھ ڈالی جس کا نام **الفرقان** رکھا۔ اس مؤلف نے اس کتاب کو غیر معتبر، غیروں کی داخل کردہ اور مردود السند روایات سے پر کیا ہے اور ان روایات کو اہل سنت کے ہی مصادر و مآخذ سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ جامعۃ الازہر نے اس کتاب کی ضبطی کا مطالبہ کیا اور اس کتاب کے فاسد اور باطل ہونے پر دلائل قائم کیے۔ چنانچہ حکومت نے اسے منظور کر لیا اور کتاب ضبط ہو گئی۔ مؤلف نے تاوان کے لیے دعویٰ دائر کیا تو عدالت نے اس کا یہ دعویٰ مسترد کر دیا۔ تو کیا اس کتاب کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل سنت قرآن کے تقدس کے منکر ہیں؟ اور نقص در قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ صرف ایک روایت کی بنا پر؟ یا فلاں شخص کی تالیف کردہ کتاب کی بنا پر؟ شیعہ امامیہ کا حال بھی کچھ اسی طرح ہے۔ [۱]

ثانیاً: **فصل الخطاب** میں درج ساری روایات، شیعوں کی نہیں ہیں، بلکہ اس میں اہل سنت کی روایات بھی بکثرت درج ہیں، جنہیں علامہ مرتضیٰ عسکری نے ایک مستقل کتاب میں جدا کر کے واضح کیا ہے کہ کون کون سی روایات امامیہ یعنی شیعہ مصادر سے ہیں اور کون سی غیر امامیہ یعنی اہل سنت مصادر سے۔ [۲]

ثالثاً: یہ کتاب ان روایات پر مشتمل ہے جو اصول حدیث کے اعتبار سے بے بنیاد اور مردود ہیں۔ علماء امامیہ میں سے کوئی ایسا نہیں جو اسے مستند سمجھے۔ علماء نے اس کو **کتب ضالہ** میں شمار کیا ہے۔ اس کے راویوں میں :

۱۔ **احمد بن محمد السیاری** ہے جو کذاب، فاسد العقیدہ اور تناسخ ارواح کا قائل ہے۔ اس کی روایات سب سے زیادہ ہیں۔

۲۔ **سہل بن زیاد**

---

۱۔ رسالۃ الاسلام شمارہ ۴ صفحہ ۳۸۲ ۲۔ العسکری: القرآن الکریم و روایات المدرستین۔ الکتاب الثالث

۳۔ **ابراهیم بن اسحاق نهاوندی**

۴۔ **حسین بن حمدان الحضبی**

۵۔ **ابو سمینه محمد بن علی الکوفی**

اور

۶۔ **محمد بن سلیمان الدیلمی**

جیسے ضعیف و کذاب راوی شامل ہیں۔ جن کی روایات کا کوئی علمی وزن نہیں ہے۔ اسی لیے **فصل الخطاب** کے مؤلف کے معاصرین نے اس کتاب کی رد میں کئی ایک کتابیں لکھی ہیں مثلاً:

۱۔ علامہ سید محمد حسین شہرستانی نے **حفظ الکتاب الشریف عن شبهة القول بالتحریف** لکھی۔

۲۔ علامہ محقق شیخ محمود تہرانی نے **کشف الارتیاب فی ردّ فصل الخطاب** لکھی۔

# علوم القرآن

## سبقت ۔ خدمات

غریب القرآن ۔ قراءۃ القرآن ۔ آیات الاحکام ۔ قرآن کے نقطے ۔ مجاز القرآن ۔ تفسیر القرآن ۔ عصر ائمہ علیہم السلام کی تفاسیر ۔ پہلی صدی کی تفاسیر ۔ دوسری صدی کی تفاسیر ۔ تیسری صدی کی تفاسیر ۔ ناسخ اور منسوخ ۔

ذیل میں ہم اس بات کو متفق علیہ مصادر سے واضح کریں گے کہ قرآن سے متعلق تقریباً تمام علوم کی تدوین وتصنیف میں فرزندان مکتب اہل بیتؑ کو سبقت حاصل رہی ہے اور مختلف میدانوں میں آغاز انہی کی طرف سے ہوا ہے۔

**باب مدینة العلم** حضرت علیؑ نے سب سے پہلے علوم قرآن کی طرف امت قرآن کی رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ آپؑ نے قرآن سے مربوط ساٹھ علوم کی تشریح فرمائی اور ہر علم کو مثال کے ساتھ بیان فرمایا۔ ان معارف کو کتاب کی شکل میں تدوین کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسی نے بحارالانوار **کتاب القرآن** میں پوری کتاب نقل کی ہے۔ اس کے بعد جتنی کتابیں علوم قرآن پر لکھی گئی ہیں، ان سب کا مأخذ یہی کتاب ہے۔

**غریب القرآن:** قرآن فہمی کے لیے سب سے پہلے تو مصدر وحی حضرت رسول اکرمؐ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات خود قرآن سے قرآن فہمی کے لیے مدد مل جاتی ہے۔ یعنی قرآن فہمی کے دو مصادر قرآن وسنت ہیں۔ اس کے بعد کسی لفظ کے لغوی معنی اور کسی محاورے کی تشریح عربوں کے محاورات اور استعمالات سے کی جاتی ہے جب کہ مشکل اور نادر (غریب) الفاظ کے معانی سمجھنے کے لیے عربوں کے اشعار سے مدد لی جاتی ہے۔ اس فن کو **غریب القرآن** کہا جاتا ہے۔

اس فن کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ قرآن کے نادر الفاظ کے معانی کو سمجھنا خود اہل زبان کے لیے بھی مشکل تھا۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے **الاتقان** میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے آیت کریمہ: **وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا**[1] کا مفہوم سمجھنے سے عجز کا اظہار کیا نیز وہ **اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ**[2] میں **تَخَوُّفٍ** کے معنی دوسروں سے پوچھتے تھے۔[3]

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: **فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ** کا صحیح مفہوم میرے ذہن میں نہیں آ رہا تھا کہ دو اعرابی ایک کنویں کے سلسلے میں میرے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے کہا: **انا فطرتها** یعنی اس کنویں کو پہلی بار میں نے کھودا ہے۔ اس کی یہی بات سن کر **فَاطِرِ** کے معنی سمجھ میں آئے۔

---

۱۔ ۸۰ عبس: ۳۱ ۲۔ ۱۶ نحل: ۴۷ ۳۔ مقدمہ مفردات القرآن (اردو) از مولانا محمد عبدہ فیروز پوری۔

**غریب القرآن:** تالیف حضرت عبد اللہ بن عباس ( **حبر امت** ) ۔آپ نے قرآن کے نادر اور مشکل الفاظ کے حل کے لیے ایک کتاب لکھی ۔واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ایک طرف سے تو حضرت علیؑ کے شاگرد ہیں اور دوسری طرف حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے جلیل القدر صحابی ابونصر محمد بن سائب کلبی ان سے **غریب القرآن** کی روایت نقل کرتے ہیں۔

**غریب القرآن:** تالیف ابان بن تغلب الجریری (متوفی ۱۴۱ھ)۔ ائمہ اہل بیتؑ کے نزدیک ان کا بڑا مقام ہے۔ آپ نے حضرت امام زین العابدین، حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادقؑ کا زمانہ پایا۔ حضرت ابن عباس کے بعد آپ اس فن کے پہلے مصنف ہیں۔ چنانچہ اس بات کی علامہ سیوطی نے **بغیۃ الوعاظ** میں تصریح کی ہے۔

شیخ الحدیث محمد عبدہ فیروز پوری **مفردات القرآن** (اردو) کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

غریب القرآن کے سلسلے میں حضرت ابن عباس کے بعد ابان بن تغلب الجریری متوفی ۱۴۱ھ کا نام لیا جاتا ہے جو قاری وفقیہ ہونے کے علاوہ لغت کے بھی عظیم المرتبت عالم تھے اور علی بن حسین (امام سجاد) اور ابوعبد اللہ (امام صادقؑ) سے روایت کرتے تھے۔

استاد عطار لکھتے ہیں:۔۔ **سمع من العرب و الف غریب القرآن و ذکر شواهده من الشعر۔**[1] (یعنی عربوں سے اخذ کیا۔ قرآن کے مشکل الفاظ کے بارے میں کتاب لکھی اور شعر سے شواہد ذکر کیے)

ابان بن تغلب وہ ہیں جن سے امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہے۔ ابان گو تشیع میں غالی تھے یعنی علیؑ کی تفضیل کے قائل تھے تاہم رافضی نہیں تھے نیز چونکہ روایت میں ثقہ تھے اس بنا پر محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔[2]

اس موضوع پر سب سے پہلی کاوش حضرت ابان بن تغلب کی طرف سے عمل میں آئی ۔ ابن ندیم اپنی کتاب **الفہرست** میں لکھتے ہیں:

**و له من الکتب، کتاب معانی القرآن لطیف، کتاب القرائات۔ کتاب من الاصول فی الروایة علی مذهب الشیعة**[3]

**قرائۃ القرآن:** علم قراءت پر اسلامی تاریخ میں سب سے پہلی کتاب حضرت ابان بن تغلب کی کتاب **القراءات** ہے۔ جیسا کہ ابن ندیم نے **الفہرست** میں ذکر کیا ہے۔

حضرت آیۃ اللہ سید حسن صدرؒ اپنی کتاب **تاسیس الشیعۃ لعلوم الاسلام** میں لکھتے ہیں:

حافظ ذہبی کا خیال ہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب ابوعبید قاسم بن سلام کی ہے، حالانکہ سب کے نزدیک ان کی وفات ۲۲۴ھ میں ہوئی ہے اور

---

[1] مقدمۃ الصحاح　[2] مقدمہ مفردات القرآن (اردو) صفحہ ۱۶ معانی القرآن　[3] الفہرست ابن الندیم۔ص ۲۷۶

ابان بن تغلب کی وفات ان سے ۸۳ سال پہلے یعنی ۱۴۱ ہجری میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے **طبقات النحاۃ** میں اس بات کی تصریح کی ہے ۔ شاید ذہبی کا مقصد یہ ہو کہ اہل سنت میں سے جس شخص نے سب سے پہلے اس موضوع پر کچھ لکھا ہے وہ ابو عبید ہے، ورنہ اس موضوع پر سب سے پہلے لکھنے والا ابان بن تغلب ہے۔ ان کے بعد حمزہ بن حبیب کا نام آتا ہے جو سات مشہور قاریوں میں سے ایک ہیں اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے صحابی ہیں۔ حمزہ کی وفات ۱۵۸ ھ میں ہوئی ہے۔ بنا بریں حمزہ ابو عبیدہ سے ۶۶ سال پہلے کے ہیں۔[1]

**قرائۃ امیر المؤمنین** (ؑ): تالیف حضرت زید شہید ۱۲۲ ھ ۔

**کتاب القرائۃ**: تالیف ابو جعفر محمد بن سعدان الضریر متوفی ۲۳۱ ھ ۔

**کتاب القرائۃ**: تالیف: ابو عثمان بکر بن محمد بن حبیب المازنی متوفی ۲۴۹ ھ۔

**آیات الاحکام**: قرآن مجید کی جو آیات حلال و حرام اور شرعی احکام سے مربوط ہیں انہیں **آیات الاحکام** کہتے ہیں ۔

قرآن مجید کی تاریخ میں احکام سے مربوط آیات (**آیات الاحکام**) کو سب سے پہلے مرتب کرنے کا شرف بھی مذہب اہل بیتؑ کے ایک پیرو کار کو حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگرد جناب ابو نصر محمد بن سائب بن بشر کلبی متوفی ۱۴۶ ہجری کی کتاب **احکام القرآن** اس موضوع پر سب سے پہلی تصنیف ہے۔ آپ مفسر قرآن بھی ہیں۔ آپ کی تفسیر اس زمانے کی سب سے بڑی مفصل تفسیر ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں : اس موضوع کے سب سے پہلے مصنف امام شافعی ہیں۔ حالانکہ امام شافعی کی ولادت ۱۵۵ ھ میں ابو نصر کلبی کی وفات کے نو سال بعد ہوئی ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ **قاسم بن اصبغ بن محمد بن یوسف بیانی قرطبی اندلسی** اس موضوع کے سب سے پہلے مصنف ہیں، حالانکہ ان کی ولادت بقول سیوطی ۲۴۷ ھ میں امام شافعی کی وفات کے ۴۳ سال بعد ہوئی ہے۔[2]

**تفسیر آیات الاحکام**۔ تالیف: **ابو الحسن مقاتل بن سلیمان** (متوفی ۱۵۰ ھ)۔ وہ امام جعفر صادقؑ کے صحابی ہیں۔ اس کتاب کا ذکر ابن ندیم نے **الفہرست** صفحہ ۲۵۴ میں کیا ہے ۔ **الذریعہ** جلد ۴ صفحہ ۲۳۵ میں آقا بزرگ طہرانی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

---

۱۔ تاسیس الشیعۃ لعلوم الاسلام ص:۳۱۹  ۲۔ الذریعۃ ۱: ۴۰

ابونصر کلبی کے بعد ان کی کتاب اس موضوع کی دوسری کتاب ہے۔ کیونکہ ان کی وفات امام شافعی کی ولادت سے پانچ سال پہلے ہوئی ہے۔

**متشابہ القرآن**۔ تالیف: حمزہ بن حبیب الزیات کوفی متوفی ۱۵۶ھ۔ آپ سات نامور قاریوں میں سے ایک ہیں۔ آپ نے قرائت حضرت امام جعفر صادقؑ سے سیکھی۔ **متشابہ القران** کے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔[1]

**تقسیم القرآن**۔ تالیف: محمد بن سائب کلبی متوفی ۱۴۶ھ۔ آپ حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادقؑ کے شاگرد ہیں۔ کتاب کے نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب میں قرآنی موضوعات کی تقسیم بندی کی گئی ہوگی۔ اس طرح یہ کتاب بھی اپنے موضوع کی پہلی کتاب ہے۔

**قرآن کے نقطے**: شروع میں کتابت نقطوں کے بغیر ہوتی تھی۔ اس لیے صدر اسلام میں قرآن پڑھنے کے سلسلے میں صرف قرآنی نسخوں پر اکتفا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ زیادہ تر استاد کی رہنمائی کا سہارا لیا جاتا تھا۔

حضرت علیؑ کے شاگرد حضرت ابوالاسود دؤلی نے سب سے پہلے حروف پر نقطے رکھے۔ ان کی اس عظیم خدمت سے قرآن مجید کے تلفظ میں غلطی کی گنجائش باقی نہ رہی۔

سیوطی نے **مطالع السعیدة** میں اور **عبد الواحد ابو الطیب** لغوی نے **مراتب النحویین** میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ **ابو الاسود دؤلی** ہی نے سب سے پہلے حروف پر نقطے رکھے۔

بعض حضرات کے نزدیک سب سے پہلے **ابو الاسود** کے شاگرد **یحیٰ بن یعمر** نے حروف پر نقطے رکھے۔ اگرچہ **یحیٰ بن یعمر** بھی مذہب اہل بیتؑ سے تعلق رکھتے تھے تاہم صحیح قول یہ ہے کہ یہ کام سب سے پہلے خود **ابو الاسود** نے ہی انجام دیا تھا۔

**ابو الاسود** کے شیعہ ہونے کی تصریح راغب اصفہانی نے **المحاضرات** میں، حافظ عسقلانی نے **الاصابة** میں، **ابو الفرج اصفهانی** نے **الاغانی** میں، **یافعی** نے **مرآة الجنان** میں، سیوطی نے **الطبقات** میں، ابن الانباری نے **النزهة** میں اور جاحظ وغیرہ نے کی ہے۔[2]

آل محمدؐ کے فضائل میں جناب **ابو الاسود** کے یہ اشعار مشہور ہیں:

**امفندی فی حب آل محمد**
**حجر بفیک فدع ملامک او زد**
**من لم یکن بحبالهم متمسکا**
**فلیعترف بولاء من لم یرشد**[3]

---

۱۔ الذریعة ۴: ۱۷۳۔　۲۔ تاسیس الشیعة لعلوم الاسلام ص ۴۳　۳۔ ان اشعار کو زمخشری نے نقل کیا ہے

**مجاز القرآن:** اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب مذہب اہل بیتؑ کے پیروکار **فراء یحییٰ بن زیاد بن عبد اللہ الدیلمی الکوفی** (متوفی ۲۰۷ھ) نے لکھی۔ آپ علم نحو میں ایک نہایت ہی بلند مقام رکھتے ہیں۔

**الرغیب فی علوم القرآن۔** تالیف: ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۲۱۷ھ)۔ حضرت علیؑ کے بعد علوم قرآن پر لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے۔[1]

**اعراب القرآن۔** تالیف: ابو جعفر محمد بن ابی و سادہ کوفی۔ ان کی وفات حضرت امام جعفر صادقؑ کی حیات میں ۱۴۸ھ سے قبل ہوئی۔

**تفسیر القرآن:** کتب آسمانی میں کسی کتاب کو وہ توجہ اور اہمیت حاصل نہیں ہوئی جو قرآن کو حاصل ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کی سب سے زیادہ تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔

مکتب اہل بیتؑ کے فرزندوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ تفسیر قرآن لکھنے میں سب سے پہلا قدم انہوں نے اٹھایا۔

**تفسیر میثم تمار:** تالیف **میثم بن یحییٰ التمار الکوفی الشہید۔** آپ کی تفسیر کا ماخذ حضرت علیؑ ہیں۔ آپ کو ۶۰ھ میں ابن مرجانہ کے حکم سے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ کر سولی پر چڑھایا گیا۔

حضرت میثم تمارؒ نے اپنی تفسیر حضرت ابن عباس کو املا فرمائی۔ بعد میں جب ابن مرجانہ کے ہاتھوں اپنی شہادت کی پیشینگوئی سنائی تو ابن عباس نے اسے کہاوت سمجھ کر ان سے اخذ کردہ تفسیر کو پھاڑنے کا ارادہ کیا۔ تب حضرت میثم نے کہا: جو کچھ آپ نے مجھ سے سنا ہے، اسے اپنے پاس محفوظ رکھیں۔ اگر میری باتیں سچ ثابت ہوئیں تو اس تفسیر سے متمسک رہیں وگرنہ بے شک اسے پھاڑ دیں۔ چنانچہ چند دنوں بعد وہی ہوا جس کی جناب میثم تمار نے پیش گوئی کی تھی۔[2]

**تفسیر جبیر:** تالیف حضرت سعید بن جبیر شہید۔ تاریخ قرآن میں آپ وہ پہلے مفسر ہیں جنہوں نے باقاعدہ قرآن کی تفسیر تالیف و تصنیف فرمائی۔ آپ حضرت امام زین العابدینؑ کے جلیل القدر صحابی اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے ممدوح ہیں۔ چنانچہ علامہ ابو عمرو کشی اپنی کتاب رجال میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| **سعید بن جبیر کان یأتم بعلی بن الحسین و کان علی بن الحسین** | سعید بن جبیر، علی ابن الحسینؑ کی امامت کے قائل تھے اور علی ابن الحسینؑ ان کی تعریف |

---

۱۔ الذریعہ ۴: ۲۷۲　　۲۔ الذریعۃ ۴: ۳۱۷

**یثنی علیه۔**　　　　　　　　کرتے تھے۔

ابن ندیم نے اپنی کتاب میں آپ کی تفسیر کا ذکر کیا ہے۔

علامہ سیوطی **الاتقان** میں قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

تابعین میں سب سے زیادہ عالم چار افراد تھے: عطا ابن ابی ریاح مناسک و عبادات میں، سعید بن جبیر تفسیر میں، عکرمہ سیرت میں اور حسن حلال و حرام میں۔[1]

آپ کو حجاج نے تشیع کے جرم میں شہید کیا۔

**عصر ائمہ علیہم السلام کی تفاسیر:** صدر اسلام سے ہی قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں فرزندان مکتب اہل بیت علیہم السلام کی قرآنی خدمات کا اندازہ کرنے کے لیے ذیل میں ہم عصر ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی چند اہم تفاسیر کا ذکر کرتے ہیں۔ ان تفاسیر کے مطالعے سے جہاں قرآنی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مذہب اہل بیت علیہم السلام کس قدر تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔

## پہلی صدی کی تفاسیر:

**۱۔ تفسیر علی علیه السلام:** شیخ مفید علیہ الرحمہ **الارشاد** میں فرماتے ہیں:

**ان علیا قدم فی مصحفه المنسوخ علی الناسخ و کتب فیه تاویل بعض الآیات و تفسیرها بالتفصیل۔**

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے مصحف میں منسوخ کو ناسخ پر مقدم رکھا ہے اور اس میں بعض آیات کی تاویل اور ان کی تفسیر تفصیل کے ساتھ لکھی ہے۔

ابن سیرین کہتے ہیں:

**لو اصبت ذلک الکتاب لکان فیه العلم۔**[2]　　کاش اس کتاب تک رسائی ہوتی تو علم کا خزانہ مل جاتا۔

محمد بن سیرین عکرمہ سے نقل کرتے ہیں:

**لو اجتمعت الانس و الجن علی ان یؤلفوا هذا التالیف ما استطاعوا**[3]　　اگر اس قسم کی کتاب لکھنے کے لیے جن و انس جمع ہو جائیں تو بھی وہ ایسا کرنے پر قادر نہیں ہوں گے۔

**۲۔ تفسیر ابن عباس:** حضرت عبد اللہ بن عباس **حبر امت** یعنی "امت کے بلند پایہ عالم" کے لقب سے ملقب ہیں۔

**۳۔ تفسیر میثم تمار:** تالیف میثم بن یحییٰ بن تمار الکوفی شہید (۶۰ ھ)۔

---

۱۔ الاتقان فی علوم القرآن ۲: ۱۹۰　　۲۔ الطبقات الکبری ۲: ۳۸۸　　۳۔ الاتقان فی علوم القرآن ۱: ۱۱۷

۴۔ **تفسیر جبیر:** تالیف حضرت سعید بن جبیر شہید۔

## دوسری صدی کی تفاسیر:

۵۔ **تفسیر طاؤوس:** تالیف ابوعبد اللہ طاؤوس بن کیسان الیمانی (متوفی ۱۰۶ھ)۔ آپ حضرت امام زین العابدینؑ کے صحابی ہیں۔ احمد بن تیمیہ نے انہیں علم تفسیر میں سب سے زیادہ عالم قرار دیا ہے۔[۱] آپ مستجاب الدعوات تھے۔

۶۔ **تفسیر عطیہ:** تالیف عطیہ عوفی (متوفی ۱۱۴ھ) آپ حضرت امام محمد باقرؑ کے صحابی ہیں۔ حضرت ابان بن تغلب ان سے روایت اخذ کرتے ہیں۔

۷ **تفسیر جعفی:** تالیف جابر جعفی تابعی (متوفی ۱۲۷ھ) آپ حضرت امام محمد باقرؑ کے خاص اور نہایت قریبی صحابی ہیں۔

حضرت آیۃ اللہ سید حسن صدر فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| **و صنف تفسیر القرآن و کتبه عن الامام ابی جعفر الباقر علیه السلام** | انہوں نے تفسیر لکھی اور اسے امام محمد باقرؑ سے اخذ کیا۔ |

آپ نے لمبی عمر پانے کے بعد ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

۸۔ **تفسیر سدی:** تالیف ابو محمد اسماعیل بن عبد الرحمن الکوفی القرشی السدی (متوفی ۱۲۷ھ) آپ حضرت امام زین العابدینؑ کے صحابی ہیں۔ علامہ سیوطی نے **الاتقان** میں لکھا ہے:

| | |
|---|---|
| **امثل التفاسیر تفسیر اسماعیل السدی۔** | تفسیروں میں سب سے عمدہ تفسیر اسماعیل سدی کی ہے۔ |

آپ کی تفسیر کے راوی ابراہیم بن حکم بن ظہیر الفزاری ہیں۔

۹۔ **تفسیر عدوی:** تالیف زید بن اسلم عدوی (متوفی ۱۳۶ھ)۔ شیخ طوسی نے انہیں اصحاب امام جعفر صادقؑ میں شمار کیا ہے۔

اور ابن ندیم نے اپنی **الفہرست** میں ان کی متعدد تفاسیر کا ذکر کیا ہے۔

۱۰۔ **تفسیر ابن ابی ھند:** تالیف داؤد بن دینار سرخسی (متوفی ۱۳۹ھ)۔ آپ حضرت امام باقرؑ کے صحابی ہیں۔ ابن ندیم نے ان کی تفسیر کا ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ **تفسیر ابی بصیر:** تالیف: ابو بصیر یحییٰ بن قاسم اسدی (متوفی قبل ۱۴۸ھ)۔ آپ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے معتمد صحابی تھے۔ آپ علمی و فقہی اعتبار سے بلند مقام رکھتے

---

۱۔ الاتقان از تاسیس الشیعۃ ص ۳۲۵

تھے۔ان کی تفسیر کا ذکر نجاشی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

**۱۲۔ تفسیر ثمالی:** حضرت ابوحمزہ ثابت بن دینا رکوفی ثمالی (متوفی ۱۵۰ھ) آپ حضرت امام زین العابدین، حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام صادق علیہم السلام کے خاص صحابی تھے۔ اپنے عہد میں ائمہ اطہار علیہم السلام کے بعد رئیس شیعہ تھے۔

ابن ندیم نے اپنی کتاب **الفہرست** میں، **ثعلبی** نے اپنی تفسیر میں نیز نجاشی اور صاحب **کشف الظنون** نے بھی اس تفسیر کا ذکر کیا ہے۔

**۱۳۔ تفسیر مقاتل:** تالیف ابوالحسن مقاتل بن سلیمان (متوفی ۱۵۰ھ)۔ وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی تھے۔

یافعی نے امام شافعی سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا:

**ان الناس کلهم عیال مقاتل بن سلیمان فی التفسیر**[1]

تمام لوگ تفسیر کے سلسلے میں مقاتل بن سلیمان کے خوشہ چین ہیں۔

ان کی دیگر تالیفات یہ ہیں: **الناسخ و المنسوخ۔ نوادر التفسیر۔ کتاب الجوابات فی القرآن۔ الآیات المتشابهات و متشابه القرآن۔**

**۱۴۔ تفسیر ابی الجارود:** تالیف ابوالجارود زیاد بن منذر (متوفی ۱۵۰ھ) یہ مادر زاد نابینا تھے اور حضرت امام زین العابدین، حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام کے صحابی تھے۔[2]

**۱۵۔ تفسیر بطاینی:** تالیف علی بن ابی حمزہ سالم بطاینی کوفی ۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسی کاظم علیہ السلام کے صحابی تھے ۔ وہ اپنی تفسیر میں ابوبصیر سے روایت اخذ کرتے تھے۔ ان کی تفسیر کا ذکر نجاشی اور **الذریعه** نے کیا ہے۔

**۱۶۔ تفسیر هشام کلبی:** تالیف ہشام بن محمد بن سائب کلبی۔ ان کے والد متوفی ۱۴۶ھ کی تفسیر کا پہلے ذکر ہو چکا۔ ہشام کی متعدد تفاسیر کا ذکر ابن ندیم نے **الفهرست** میں اور آقا بزرگ نے **الذریعه** میں کیا ہے۔

**۱۷۔ تفسیر اسماعیل:** تالیف اسماعیل بن زیاد شعیری کوفی۔ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے ان کو اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام میں ذکر کیا ہے۔، ابن ندیم نے ان کی تفسیر کا ذکر کیا ہے۔

**۱۸۔ تفسیر الجرحی:** تالیف ابو وهیب بن حفص الجریری۔ وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ثقہ صحابی تھے۔ان کی تفسیر کا ذکر **الذریعه** نے کیا ہے۔

---

[1] الذریعة ۴: ۳۱۶  [2] حوالہ سابق ۴: ۲۵۱

**۱۹۔ تفسیر الجوالیقی:** تالیف ہشام بن سالم جوالیقی۔ حضرت امام جعفر صادق اورحضرت امام موسی کاظم علیہما السلام کے صحابی ہیں۔ نجاشی کے مطابق وہ ثقہ ہیں۔ ان کی تفسیر کا ذکر **الذریعة** میں کیا گیا ہے۔

**۲۰۔ تفسیر سلولی:** تالیف حصین بن مخارق بن عبد الرحمن ورقہ ابو جنادہ سلولی متوفی **۲۰۰** ھ ان کے جد اعلیٰ کا نام حبشی تھا اور وہ صحابی رسول ﷺ تھے۔ وہ خود امام جعفر صادق اور امام موسی کاظم علیہما السلام کے صحابی ہیں۔ ان کی تفسیر کا ذکر نجاشی اور ابن ندیم دونوں نے کیا ہے۔

**۲۱۔ تفسیر ابی روق:** تالیف عطیہ بن حارث ہمدانی کوفی تابعی ( متوفی **۲۰۰** ھ ) ان کی تفسیر کا ذکر ابن ندیم، نجاشی اور صاحب **الذریعه** نے کیا ہے۔

**۲۲۔ تفسیر واقد:** تالیف حسن بن واقد (متوفی **۲۰۰** ھ) ان کی تفسیر کا ذکر ابن ندیم اور صاحب الذریعہ نے کیا ہے۔

**۲۳۔ تفسیر الحسین:** تالیف حسین بن سعید بن حماد اہوازی کوفی (متوفی **۲۰۰** ھ)۔ آپ امام رضا اور امام محمد تقی علیہما السلام سے روایت نقل کرتے تھے۔ ابن ندیم نے **الفہرست** میں ان کی تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے ان کی ایک درجن دیگر تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

**۲۴۔ التنزیل و کتاب التفسیر:** تالیف ابوعبداللہ محمد بن خالد بن عبد الرحمن برقی۔ وہ امام موسیٰ کاظم، امام رضا اور امام محمد تقی علیہم السلام کے شاگرد تھے۔ شیخ طوسی نے اپنی **الفہرست** میں اور علامہ حلی نے اپنی کتاب **الخلاصه** میں ان کی تفسیر کا ذکر کیا ہے۔

**۲۵۔ تفسیر منخل:** **تالیف منخل بن جمیل اسدی کوفی** ( متوفی **۲۰۰** ھ ) وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی تھے۔ ان کی تفسیر کا ذکر نجاشی نے کیا ہے۔ واضح رہے اسی مقدمہ کے صفحہ ۱۶۶ پر اس کے **فاسدالروایة** ہونے کا ذکر ہو چکا ہے۔

**۲۶۔ تفسیر الصلت:** **تالیف عبد اللہ بن صلت تیمي قمي۔** وہ سنہ **۲۰۰** ھ تک زندہ تھے۔ وہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کرتے تھے اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے وکیل تھے۔ ان کی تفسیر کا ذکر نجاشی اور صاحب **الذریعه** نے کیا ہے۔

**۲۷۔ تفسیر اسباط:** تالیف ابو الحسن علی بن اسباط بن سالم کوفی (متوفی **۲۰۰** ھ) حضرت امام رضا علیہ السلام کے صحابی تھے اور نجاشی ان کے حق میں لکھتے ہیں: **کان اوثق الناس و اصدقهم لهجة**۔[1]

**۲۸۔ تفسیر اهل البيت:** **تالیف ابو الفضل سلمة القمي۔** وہ حضرت امام رضا اور حضرت امام محمد تقی علیہما السلام کے دور کے علماء میں سے تھے۔ ان کی تفسیر کا ذکر نجاشی نے کیا ہے۔

---
۱۔ حوالہ سابق ۴: ۲۴۰

## تیسری صدی کی تفاسیر:

**۲۹۔ تفسیر یونس:** تالیف یونس بن عبد الرحمن (متوفی ۲۰۸ھ) انہوں نے صفا و مروہ کے درمیان امام جعفر صادقؑ کی زیارت کی۔ وہ حضرت امام موسی کاظم اور حضرت امام رضاؑ سے روایت کرتے تھے۔ وہ نہایت جلیل القدر عالم تھے۔

**۳۰۔ تفسیر ھمام:** تالیف عبد الرزاق بن ہمام بن نافع حمیری یمانی صنعانی متوفی ۲۱۱ھ۔ وہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے جلیل القدر صحابی اور بلند پایہ عالم تھے۔ ان کی یہ تفسیر مصر کے بعض کتب خانوں میں آج تک محفوظ ہے۔[۱]

**۳۱۔ تفسیر محبوب:** تالیف ابوالحسن بن محبوب سراد (متوفی ۲۲۴ھ)۔ وہ حضرت امام رضا اور امام محمد تقیؑ کے صحابی ہیں اور حضرت امام صادقؑ کے ساٹھ اصحاب سے روایت اخذ کرتے ہیں۔ آپ نہایت ہی جلیل القدر عالم تھے۔

**۳۲۔ تفسیر مھزیار:** تالیف ابو الحسن علی بن مہزیار دورقی (متوفی ۲۲۹ھ)۔ وہ حضرت امام رضا، حضرت امام محمد تقی اور حضرت علی نقیؑ کے وکیل رہے ہیں۔ ان کی ایک اور تصنیف **حروف القرآن** بھی ہے۔

**۳۳۔ تفسیر دکین:** تالیف فضل بن دکین شہید (متوفی ۲۱۹ھ)۔ ان کی تفسیر کا ذکر آیۃ اللہ سید حسن صدر نے اپنی کتاب **تاسیس الشیعہ** میں کیا ہے۔

**۳۴۔ تفسیر فضال:** تالیف ابو محمد حسن بن علی بن فضال کوفی (متوفی ۲۲۴ھ)۔ ان کی تفسیر کا ذکر آیۃ اللہ سید حسن صدر اور ابن ندیم نے کیا ہے۔

**۳۵۔ تفسیر الفراء:** تالیف یحیٰی بن زیاد اقطع بن عبد اللہ دیلمی (متوفی ۲۰۷ھ)۔ ان کے والد کا ہاتھ واقعہ فخ میں کٹ گیا تھا اس لیے ان کو **اقطع** کہتے تھے۔ ان کی تفسیر اور دیگر متعدد تصانیف کا ذکر ابن ندیم نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

**۳۶۔ تفسیر العسکری:** تالیف ابو علی حسن بن خالد بن عبد الرحمن برقی۔ ابن شہر آشوب اور صاحب **الذریعہ** نے اس تفسیر کا ذکر **تفسیر العسکری** کے نام سے اس لیے کیا ہے کہ یہ پوری تفسیر حضرت امام علی نقیؑ کی املا کردہ ہے۔ حضرت امام علی نقیؑ کو بھی صاحب عسکر یا عسکری کہتے ہیں۔ یہ تفسیر ایک سو بیس جلدوں پر مشتمل تھی لیکن اس کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔

**ناسخ اور منسوخ:** اس نہایت اہمیت کے حامل موضوع پر مذہب اہل بیتؑ کے فرزندوں نے

---

۱۔ حوالہ سابق ۴ : ۲۵۰

نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ یہاں ہم بطور نمونہ چند اہم کتابوں کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو اس موضوع پر عصر ائمہ اہل بیت علیہم السلام میں تالیف ہوئیں۔

**الناسخ و المنسوخ:** تالیف حسن بن علی بن فضال **فطحی** کوفی (متوفی ۲۲۴ھ)۔ نجاشی اور صاحب **الذریعه** نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

**الناسخ و المنسوخ:** تالیف ابوجعفر احمد بن محمد بن عیسی اشعری قمی۔ انہوں نے امام رضا علیہ السلام کی زیارت کی اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ اس کتاب کا نجاشی اور صاحب **الذریعه** نے ذکر کیا ہے۔

**الناسخ و المنسوخ:** تالیف حسن بن واقد (متوفی ۲۰۰ھ)۔ اس کتاب کا ذکر ابن ندیم اور صاحب **الذریعه** نے کیا ہے۔

**الناسخ و المنسوخ:** تالیف **دارم بن قبیصه بن نهشل تمیمی دارمی** ۔ وہ امام رضا علیہ السلام کے صحابی تھے۔ اس کتاب کا ذکر نجاشی اور صاحب **الذریعة** نے کیا ہے۔

**الناسخ و المنسوخ:** تالیف **عبد الله بن عبد الرحمن الاصم السمعی البصری**۔ آپ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی **مسمع کردیز** سے روایت اخذ کرتے ہیں۔ اس کتاب کا ذکر نجاشی اور صاحب **الذریعة** نے کیا ہے۔

# فہرست مقدمہ

## معجزہ



## قرآن کے تازہ ترین معجزات



## جمع قرآن

## نسخ

## تحریف قرآن



## روایات تحریف کے بارے میں مذہب امامیہ کا مؤقف



## علوم القرآن سبقت ۔ خدمات



☆☆☆☆☆

# فہرست موضوعی حاشیہ

| موضوعات | نام سورہ | حاشیہ نمبر | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| توریت اور آپؐ کی نبوت | مائدہ | ۱۲ | ۱۹۱ |
| آپؐ کے اوصاف | اعراف | ۱۵۷ | ۲۹۷ |
| رسولؐ اور وحی | نجم | ۳ | ۹۳۷ |
| رسالت کے گواہ | رعد | ۴۳ | ۴۴۶ |
| دعوت ذوالعشیرہ | شعراء | ۲۱۴ | ۶۶۷ |
| آپؐ کی صداقت کی کچھ نشانیاں | یوسف | ۷ | ۴۱۲ |
| آپؐ کے بارے میں انبیاء کے میثاق | آل عمران | ۸۱ | ۱۰۸ |
| اُمّی اور کامل دستور حیات | اعراف | ۱۵۷ | ۲۹۷ |
| بابرکت اور برتر آئین کا حامل | انعام | ۱۵۸ | ۲۶۱ |
| افسانہ تصدیق ورقہ بن نوفل | قصص | ۸۶ | ۷۰۲ |
| آغاز وحی میں موسیٰ(ع) سے فرق | طٰہٰ | ۱۴ | ۵۵۱ |
| آپؐ کی عہدین سے واقفیت | مائدہ | ۱۵ | ۱۹۲ |
| آپؐ کی نبوت کا ایک گواہ | نساء | ۱۶۶ | ۱۸۳ |
| مزمل | مزمل | ۱ | ۱۰۳۰ |
| افق اعلیٰ میں جبریل کو دیکھنا | تکویر | ۲۳ | ۱۰۵۵ |
| جبریل اور رسولؐ کی عظمت | تکویر | ۱۹ | ۱۰۵۵ |
| رسولؐ پر جاہ پرستی کا الزام | صٓ | ۶ | ۸۰۶ |
| مذاکرات کی ناکامی کا ردعمل | صٓ | ۱ | ۸۰۵ |
| مشرکین کی ایذا رسانی | جن | ۱۹ | ۱۰۳۰ |
| ایذا رسانی کا حکیمانہ مقابلہ | مزمل | ۶ | ۱۰۳۱ |
| نامساعد حالات میں بار رسالت کی سنگینی | ہود | ۱۲ | ۳۸۸ |
| ہجرت کا حکم | زمر | ۱۰ | ۸۱۸ |
| اہل ایمان کے لیے رسولؐ کی دلی کیفیت | توبہ | ۱۲۸ | ۳۶۰ |
| قتل رسولؐ کی سازش | نمل | ۴۹ | ۶۷۷ |
|  | توبہ | ۷۴ | ۳۴۵ |
| قتل رسولؐ کی سازش | حشر | ۲-۴ | ۹۷۶ |
| حقیقت پر مبنی وحی | یوسف | ۱۰۳ | ۴۳۳ |
| فتح مکہ کی بشارت | قصص | ۸۵ | ۷۰۲ |
| رسولؐ کی امی ہونے کا سبب | عنکبوت | ۴۸ | ۷۱۳ |

| موضوعات | نام سورہ | حاشیہ نمبر | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| اُمّی ہونے سے مراد | عنکبوت | ۴۸ | ۷۱۳ |
| رسولؐ افصح العرب تھے | محمد | ۱۶ | ۹۰۶ |
| رضائے رسولؐ رضائے رب کا وسیلہ | مائدہ | ۳۵ | ۱۹۸ |
| رسولؐ کی آمد، یہودیوں کی ذلت | جمعہ | ۲ | ۹۹۰ |
| رسولؐ اور ازواج | تحریم | ۱ | ۱۰۰۴ |
| حدیث غرانیق عظمت رسولؐ کے منافی | حج | ۵۲ | ۵۹۶ |
| حدیث غرانیق اور شیعہ سنی مؤقف | حج | ۵۲ | ۵۹۶ |
| رسولؐ کے بعض اسماء | صف | ۶ | ۹۸۷ |
| بائیس سالہ مظالم کی فہرست | توبہ | ۱۳ | ۳۲۸ |
| جنگ بدر کا پس منظر | انفال | ۶-۷ | ۳۱۰ |
| بدر میں غیبی امداد | انفال | ۹تا۱۱ | ۳۱۱ |
| بدر کا نقشہ | انفال | ۴۲ | ۳۱۷ |
| دشمن کی تعداد اور رسولؐ کا خواب | انفال | ۴۳،۴۴ | ۳۱۸ |
| جنگ بدر | آل عمران | ۱۳ | ۹۲ |
| کفار کا تعاقب | آل عمران | ۱۷۴ | ۱۳۰ |
| تیراندازوں کی بدگمانی | آل عمران | ۱۶۱ | ۱۲۷ |
| جنگ احد | آل عمران | ۱۲۱ | ۱۱۷ |
| احد میں اصحاب کی رسولؐ سے بے وفائی | آل عمران | ۱۵۳ | ۱۲۴ |
| احد کے فراریوں کی تصویرکشی | آل عمران | ۱۵۳ | ۱۲۴ |
| احد میں خلق عظیم کا مظاہرہ | آل عمران | ۱۵۹ | ۱۲۶ |
| زینب بن جحش سے عقد | احزاب | ۳۷ | ۷۵۱ |
| غزوہ بنی قریظہ کا پس منظر | احزاب | ۲۶ | ۷۴۷ |
| غزوہ بنی نضیر | حشر | ۵ | ۹۷۶ |
| جنگ تبوک | توبہ | ۳۸ | ۳۳۶ |
| صلح حدیبیہ کی ایک شق | ممتحنہ | ۱۰ | ۹۸۵ |
| فتح مکہ کی پیش گوئی | صافات | ۱۷۵ | ۸۰۵ |
| غزوہ حنین | توبہ | ۲۵ | ۳۳۲ |
| غزوہ حنین میں کفار کے مقتولین | توبہ | ۲۵ | ۳۳۲ |

## ہدایت کے کلی مسائل

| موضوعات | نام سورہ | حاشیہ نمبر | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| یہود کی گوسالہ پرستی | اعراف | ۱۴۸ | ۲۹۴ |
| ایمان باللہ کا امتحان اور ذبح گوسالہ | بقرہ | ۶۷ | ۲۱ |
| گوسالہ پرستی کی سزا | اعراف | ۱۵۲ | ۲۹۵ |
| یہودی اور الٰہی اقدار | بقرہ | ۷۷ | ۲۳ |
| یہودی اور انسانی اقدار؟ | بقرہ | ۷۵ | ۲۳ |
| یہودیوں کو عذاب کی وعید | اعراف | ۱۶۷ | ۳۰۰ |
| یہودیوں کو مسکت جواب | جمعہ | ۶ | ۹۹۱ |
| یہودی کردار کی ایک جھلک | نساء | ۱۵۵تا۱۶۱ | ۱۸۰ |
| یہودی عقائد | مائدہ | ۱۸ | ۱۹۳ |
| ایک خطرناک خصلت | نساء | ۴۹ | ۱۵۲ |
| یہودیوں کے دعویٰ کے بطلان پر تاریخی شواہد | آل عمران | ۱۸۳ | ۱۳۲ |
| یہودیوں کی خام خیالی کا رد | آل عمران | ۱۸۱ | ۱۳۱ |
| بنی اسرائیل اور ذکر لعنت | مائدہ | ۷۸ | ۲۱۲ |
| نظریہ رویت اور عذاب الٰہی | بقرہ | ۵۵ | ۱۸ |
| بنی اسرائیل پر اللہ کے احسانات | اعراف | ۱۶۱ | ۲۹۹ |
| بنی اسرائیل اور قرآن کا منصفانہ فیصلہ | اعراف | ۱۵۹ | ۲۹۸ |
| بنی اسرائیل کے تین گروہ | اعراف | ۱۶۴، ۱۶۵ | ۳۰۰ |
| سرکشی کی سزا | بنی اسرائیل | ۴_۵ | ۴۹۶ |
| بنی قینقاع کی پسپائی | حشر | ۱۵ | ۹۸۰ |
| یہودیوں کی شرارت | بقرہ | ۱۰۴ | ۳۱ |
| فرقہ بندی اور ناشکری | یونس | ۹۳ | ۳۸۲ |
| یہودیت کی نسل پرستی اور انتہا پسندی | آل عمران | ۷۵ | ۱۰۶ |
| یہود اور نصاریٰ کا جھگڑا | آل عمران | ۶۶ | ۱۰۵ |
| مفاہیم میں تبدیلی یہودی سازش | آل عمران | ۷۸ | ۱۰۷ |
| نصاریٰ و یہود کا مسلمانوں کے ساتھ رویہ | مائدہ | ۸۲ | ۲۱۲ |
| یہودیوں کے مذاق کا جواب | آل عمران | ۱۷۱ | ۱۳۱ |
| اہل کتاب کی رسول اکرمؐ سے امیدیں | آل عمران | ۸۶ | ۱۱۰ |
| اشیاء خورد و نوش پر اعتراض اور اس کا جواب | آل عمران | ۹۳ | ۱۱۱ |
| اوس اور خزرج کو لڑانے کی یہودی سازش | آل عمران | ۱۰۰ | ۱۱۲ |
| اہل کتاب کی معاندانہ روش | آل عمران | ۱۱۹ | ۱۱۷ |
| ناشکری | دخان | ۳۳ | ۸۸۵ |
| سبت کی وضاحت | اعراف | ۱۶۳ | ۲۹۹ |
| **کفار** | | | |
| معجزے کا انکار شیوہ کفار | حجر | ۱۴، ۱۵ | ۴۶۰ |
| کفار کا اعتراض اور جواب | فرقان | ۲۱ | ۶۴۱ |
| دلیل کا جواب دہشت گردی | انبیاء | ۶۵ | ۵۷۸ |
| | عنکبوت | ۲۴ | ۷۰۸ |
| جذبات ابھارنے کے لیے پروپیگنڈہ | شعراء | ۳۹ | ۶۵۳ |
| کافرانہ بھید | توبہ | ۱۶ | ۳۲۹ |
| کفار کو مہلت دینے کا مقصد | طارق | ۱۷ | ۱۰۶۴ |
| منکرین حق کی بے بسی | عبس | ۱۷، ۱۹ | ۱۰۵۳ |
| دنیا میں پیروی اور آخرت میں اعتراض | سبا | ۳۱ | ۷۶۶ |
| کفر اور عمل صالح کا مقابلہ | روم | ۴۴ | ۷۲۶ |
| کفار کے نزدیک قربانی کا مقصد | حج | ۳۷ | ۵۹۴ |
| کافروں کے لیے دعا مغفرت | توبہ | ۱۱۳ | ۳۵۶ |
| مادہ پرستی باعث کفر | یونس | ۲۱ | ۳۶۶ |
| کافر رحمت الٰہی سے دور | مؤمن | ۵۲ | ۸۴۱ |
| کافر کا عذاب سے فرار ممکن نہیں ہے | مؤمن | ۷۷ | ۸۴۵ |
| کافر کو کوئی اجر نہیں ملے گا | حدید | ۲۹ | ۹۶۸ |
| ہدایت ناپذیری اور اس کی سزا | شعراء | ۱۳۶ | ۶۶۱ |
| کافروں کی آزادانہ نقل و حرکت | مؤمن | ۴ | ۸۳۲ |
| جنگ احد کے بعد کی سازشیں | آل عمران | ۱۴۹ | ۱۲۳ |
| پاکیزہ نعمات کو برباد کرنا | احقاف | ۲۰ | ۸۹۹ |
| زندگی کا ہدف، مادی لذات | محمد | ۱۲ | ۹۰۵ |
| مؤمنین کو حقیر سمجھنا | ص | ۶۲ | ۸۱۴ |
| اسلام کے خلاف سازش | نحل | ۲۶ | ۴۷۳ |

## جرائم، مشکلات اور تباہی کے علل و اسباب

## عمرانیات۔ کلی مسائل

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم
توفني مسلما والحقني بالصالحين

# فہرست سورہ